یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب .

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

مدارج النبوۃ

جلد دوم

تصنیف

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

علامہ مفتی سیّد غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

شبیر برادرز

۴۰۔ اُردو بازار۔ زبیدہ سنٹر ○ لاہور

باسمہ تعالیٰ

اَللّٰہُ رَبُّ مُحَمَّدٍ صَلّٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَا

نَحْنُ عِبَادُ مُحَمَّدٍ صَلّٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَا

نام کتاب ——— مدارج النبوۃ (جلد دوم)

تصنیف ——— حضرت شیخ محقق علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ

مترجم ——— الحاج مفتی غلام معین الدین نعیمی علیہ الرحمۃ

سن اشاعت ——— جولائی 2004ء

کمپوزنگ ——— words maker Lhr.

باہتمام ——— ملک شبیر حسین

مطبع ——— اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

ناشر ——— شبیر برادرز لاہور

قیمت ——— روپے (مکمل سیٹ)

ملنے کے پتے

ادارہ پیغام القرآن زبیدہ سینٹر اُردو بازار لاہور

مکتبہ اشرفیہ مریدکے (ضلع شیخوپورہ)

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

کعب بن زہیر (جو سبعہ معلقات کے شعراء میں ایک بلند پایہ شاعر ہے) کا یہ شعر

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ يُّسْتَضَاءُ بِهٖ وَصَارِمٌ مِّنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ مَسْلُوْلُ

سرکار کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے جمالی اور آفاقی دونوں مقدس پہلوؤں کی ایک ایسی جامع تعبیر ہے جس کا ہر لفظ حقیقت کا ترجمان ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو طالب (عم رسول اللہ) نے حضور نبوت میں اس طرح نذرانہ محبت وعقیدت پیش کیا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَ عَبْدَهٗ بِاٰيَاتِهٖ وَاللّٰهُ اَعْلٰى وَاَمْجَدَهٗ (حضرت حسانؓ)

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ يَسْجَلَّهٗ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ (حضرت ابوطالب)

فدایانِ جمال مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نذرانہ محبت وعقیدت اور ذات والا صفات کے جمالیاتی اور آفاقی پہلوؤں کو صرف شعری ساخت ہی میں پیش نہیں کیا بلکہ اوصاف وکمالات نبوی عربی فارسی اور اردو زبانوں کے لاکھوں نثری صفحات پر ضوفشاں اور ضیابار ہیں۔ دوسری صدی ہجری میں جب مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب ایک طرف اندلس کی سرحدوں کو چھو رہا تھا اور دوسری طرف چین کی طرف بڑھ رہا تھا اس وقت جہانگیری فکر کے ساتھ ساتھ خانوادہ عباسیہ نے علم کی روشنی تاریک سے تاریک تر گوشوں تک پہنچائی۔ ارباب علم وفن کو نوازا گیا۔ علمائے کرام اور اصحاب قلم کو فکر معاش سے بے نیاز کر کے تصنیف وتالیف کے میدان میں سرگرم عمل بنایا، علم وحکمت کے تمام موضوعات پر ارباب علم نے قلم اٹھایا۔ ابن ندیم کی کتاب الفہرست ملاحظہ کیجئے۔ آپ کو اس دور کی تصانیف کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔ وہ موضوع جس پر اس صدی میں سب سے زیادہ لکھا گیا وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ تھی۔ ایک طرف احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب وتبویب کا کام جاری تھا۔ مسائل فقہی کا استخراج واستنباط کیا جا رہا تھا۔ مسانید مرتب ہو رہی تھیں۔ فقہ اسلامی کی تدوین شروع ہو چکی تھی۔ تاریخ ادب اور تاریخ تمدن زیر تالیف تھی۔ تفسیر قرآن میں علماء کا قلم اپنی دقیقہ سنجیوں میں محو تھا۔ مدارس اسلامیہ میں حدیث وفقہ کا درس شروع ہو چکا تھا۔ غرضیکہ اسلامی زندگی کے روحانی اور عملی پہلوؤں کی تکمیل وتزین کے سامان بڑی سرعت کے ساتھ فراہم کئے جا رہے اور تکلہ پا رہے تھے۔ عباسی خلفاء نے یونانی علم وحکمت کی شمعیں دینی مدرسوں میں فروزاں کرنا شروع کیں۔ ان مباحث سے کچھ فتنے ضرور اٹھے لیکن عقل انسانی نے وہ جلا پائی کہ افلاطون اور ارسطو کے مردہ فنون پھر زندہ ہو گئے۔ غرضیکہ مذہبیات وادبیات وعقلیات کا دھارا اس قدر تند رو ہو گیا کہ کچھ عرصے بعد ان پر بند باندھنا دشوار ہو گیا۔

سرزمین عرب ہی نہیں بلکہ اسپین کی خشک کھیتی پر بھی عرب کا اسحاب علم اس طرح برسا کہ فکر وعقل کی بلندیوں کو چھونے کا دعویٰ کرنے والی قوموں نے بھی ان سے استفادہ کیا اور اپنی شرافت علمی کے باعث وہ آج بھی اس کا اقرار کرتے ہیں۔

بغداد کی نظامیہ درسگاہ نے تشنگان علوم کو دور دور سے کھینچ لیا اور ان کے سینوں کو علوم اسلامیہ سے اس طرح معمور کر دیا کہ ان کی

فیصلہ صادر کر سکتے تھے۔ان مختلف آراء کے بیان سے یہ ضرور ہوا کہ بعض مباحث طویل ہو گئے۔

میری نظر میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پہلے سیرت نگار ہیں جنہوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ہر پہلو کو پیش کیا ہے اور آپ کی معاشرتی زندگی کے ہر رخ کو ضبط تحریر میں لائے۔خصوصاً جلد دوم کے آخری ابواب یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمات' برادران رضاعی' جدات' خدام بارگاہ' موالی' محافظین' کاتبانِ وحی' سفر اعمال' خطاط' موذنین' عدی خواناں اور شعرائے بارگاہ رسالت کے احوال میں تفحص اور ان کا استقصا قابل داد ہے۔حضرت محدث دہلوی سے پہلے اس مہم کو کوئی دوسرا سیرت نگار سرنہیں کر سکا تھا۔اسی کے ساتھ ساتھ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آلات حرب واسلحہ کا بھی ذکر فرمایا ہے۔علم ہائے بارگاہ نبوی کی تحقیق بھی کی ہے۔حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فروس بغول نیز اثاث البیت کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے۔اس طرح آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرتی اور مدنی زندگی کے پہلو کو کمال تحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے۔اس مختصر میں یہ گنجائش نہیں ہے کہ میں حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت نگاری پر تفصیل سے بحث کر سکوں۔

مدارج النبوت جلد دوم کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے اس کے مطالعہ سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگارش میں کس تبحر علمی اور ژرف نگہی سے کام لیا ہے۔جو خصوصیات اس سیرت کی میں نے پیش کی ہیں وہ مدارج النبوت کو قبول عام اور مستند بنانے میں کہاں تک کارفرما ہیں۔وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

شمس بریلوی

ایئرپورٹ کراچی۔یکم اگست ۱۹۷۰ء

مناعم الفتوت ترجمہ مدارج النبوت

(حصہ دوم)

قسم دوم: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف ایام حمل' ولادت شریف' ایام رضاعت' حضور کے دادا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی کفالت' ان کی وفات کے بعد حضرت ابوطالب کی اعانت' ان کے ساتھ شام کی جانب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر فرمانا' وہاں بحیرا راہب کا علاماتِ نبوت کو پہچاننا' خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح فرمانا' تعمیر کعبہ کا تذکرہ' وحی نبوت کی ابتداء' ثبوت نبوت' ظہور دعوت' اذیت کفار' صحابہ کرام کی جانب حبشہ ہجرت کرنا' حضرت ابوطالب کی وفات' ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی رحلت' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف شریف کی طرف تشریف لے جانا' اجنہ کا بیعت کرنا' طائف کے شر پسندوں کا اظہار عداوت کرنا' انصار مدینہ کا پہنچنا' ہجرت کے اثبات وموجبات' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحت وسلامتی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچنا وغیرہ کے بیان پر یہ دوسری قسم مشتمل ہے۔ اس میں چار باب ہیں:

باب اوّل

درذکر نسب شریف ایام حمل' ولادت وایام رضاعت

یہ ایک دائمی اور ابدی حقیقت ہے کہ اول مخلوقات اور ساری کائنات کا ذریعہ اور تخلیق عالم وآدم علیہ السلام کا واسطہ' نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ (اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا) اور تمام مکونات علوی وسفلی آپ ہی کے نور سے ہیں۔ آپ ہی کے جوہر پاک سے ارواح' شبیہات' عرش' کرسی' لوح' قلم' جنت ودوزخ' ملک وفلک' انسان وجنات' آسمان وزمین' بحار' جبال اور تمام مخلوقات' عالم ظہور میں آئی۔ اور باعتبار کیفیت' تمام کثرتوں کا صدور اسی وحدت سے ہے اور اسی جوہر پاک سے ساری مخلوقات کا ظہور و بروز ہے۔ اس حقیقت کے اظہار و بیان میں اہل علم حضرات عجیب و غریب عبارات اور مضامین کا ذکر فرماتے ہیں۔

حدیث مبارک ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ (اللہ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا فرمایا) لیکن یہ حدیث محققین ومحدثین کے نزدیک مرتبہ صحت کو نہیں پہنچی ہے اور حدیث مبارک اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ۔ (اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا) کے بارے میں بھی فرماتے ہیں کہ مراد عرش اور پانی کے بعد ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے وَکَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَاءِ. (عرش الٰہی پانی پر تھا) اور بعض حدیثوں میں اس کی یہ صراحت بھی آتی ہے کہ پانی کی تخلیق عرش سے پہلے ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب قلم کو پیدا کیا گیا تو حق تعالیٰ نے اس سے فرمایا ''لکھ''! قلم نے عرض کیا کیا لکھوں؟ فرمایا لکھ! مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ اِلَى الْاَبَدِ یعنی جو کچھ ہو گیا اور جو کچھ آئندہ ابد تک ہوگا سب لکھ! لہٰذا معلوم ہوا کہ قلم کی پیدائش سے پہلے کچھ کائنات علم و جود میں تھی۔

علماء فرماتے ہیں کہ عرش' کرسی اور ارواح کی تخلیق سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک' عالم ظہور میں آیا۔ اس تقدیر پر ہوسکتا ہے کہ ما کان سے مراد' نور مصطفوی کے احوال وصفات ہوں کیونکہ سارے جہان سے نور مصطفوی ﷺ کی اولیت ثابت ہے اور ما یکون سے مراد وہ کائنات ہیں جو دنیا میں بعد میں ظاہر ہوں اور اس عالم ظہور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہے جیسا کہ فرمایا: كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمَ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ. ''میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم روح و جسم کے درمیان تھے''۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَاٰدَمُ لَمُنْجَدِلٌ فِىْ طِيْنِه. بے شک میں عبداللہ اور آخری نبی اس وقت تھا جبکہ آدم اپنے خمیر میں تھے اور لوگوں کی زبان پر یہ مشہور ہے کہ وَاٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ یعنی آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ لیکن محدثین فرماتے ہیں کہ یہ لفظ مرتبہ صحت کو نہیں پہنچا مگر معنی ایک ہی ہیں اور ہر تقدیر پر تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے ہونا مراد ہے۔ اگرچہ علم الٰہی میں تمام نبیوں کی نبوت ثابت و مسلم ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت' فرشتوں اور روحوں کے درمیان ظاہر و معلوم تھی اور دیگر نبیوں کی نبوت مخفی و پوشیدہ تھی بلکہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اس جہان میں تمام نبیوں کی روحوں کی تربیت فرمانے والی اور ان پر علوم الٰہیہ کو پہنچانے والی تھی۔ جس طرح کہ دنیا میں تشریف آوری کے وقت تمام نبی آدم کی طرف مبعوث و مرسل ہیں لہٰذا اس جہان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالفعل خارج میں نبی و رسول تھے نہ کہ صرف علم الٰہی میں اور ممکن ہے کہ نَحْنُ السَّابِقُوْنَ الْاٰخِرُوْنَ. کا اشارہ اسی معنی کی طرف ہو اور بعض کہتے ہیں کہ روز میثاق میں بھی آپ اسی صفت پر تھے اگرچہ آپ کی نشات و استخراج اور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ملاحظہ فرمانا' حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں نفخ روح کے بعد ہے۔ جیسا کہ اکثر احادیث اس پر دال ہیں۔ لیکن پشت آدم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذرّہ کا استخراج' دیگر تمام ذرائر کے استخراج پر مقدم ہے (واللہ اعلم)

احادیث میں مروی ہے کہ جب نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا گیا اور آپ کے نور سے تمام انبیاء علیہم السلام کے انوار نکالے گئے تو حق تعالیٰ نے نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا کہ ان انوار کی جانب نظر فرمایئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نظر فرمائی تو ان تمام کے انوار پر آپ کا نور غالب آ گیا اور دوسروں کے نور ماند پڑ گئے۔ وہ عرض کرنے لگے کہ ''اے رب ہمارے! یہ کس کا نور ہے جس کے آگے ہمارے انوار ماند پڑ گئے''۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ نور' محمد بن عبداللہ کا ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم ان پر ایمان لاؤ گے تو ہم تمہیں نبی بنائیں گے۔ سب نے بیک زبان عرض کیا: ''اے رب ہم ان پر اور ان کی نبوت پر ایمان لائے''۔ اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا میں تم پر گواہ ہوں۔ یہ معنے حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے ہیں۔ فرمایا: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ -الایہ (اور جب اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا کہ میں جب تم کو کتاب و حکمت دوں تو......) اس آیۂ کریمہ کی تفسیر' فضائل شریف کے بیان میں پہلے گزر چکی ہے۔

لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء علیہ وعلیہم السلام ہیں۔ اس کی حقیقت آخرت میں ظاہر کی جائے گی۔ جس وقت کہ تمام انبیاء آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اسی طرح شب معراج ظاہر ہوا کہ آپ نے تمام نبیوں کی امامت فرمائی اور اگر زمین میں حضرت آدم' نوح' ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ صلوات اللہ وسلامہ علیہم کو اپنی زندگی میں آپ کے شرف ملاقات کا اتفاق ہوتا تو ان سب پر اور [illegible] آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی نصرت و اعانت فرمائیں۔ جس پر حق تعالیٰ نے ان سے عہد لیا تھا۔

جب حق تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا تو اسے حکم فرمایا کہ ساقِ عرش، ابواب جنت، اس کے پتوں، اس کے قبوں اور اس کے محلوں پر لکھ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ایک روایت میں ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ الْاَنْبِيَآءِ اس کے بعد حکم ہوا کہ قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے...... سب کچھ لکھ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جَفَّتِ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ۔ ''جو کچھ ہونے والا تھا سب کچھ لکھ کر قلم خشک ہو گیا''۔

جب حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی کنیت ابو محمد رکھی، منقول ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خاص قسم کی لغزش واقع ہوئی تو انہوں نے مناجات کی۔ ''اے رب بواسطہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میری اس لغزش کو معاف فرما دے'' حق تعالیٰ نے فرمایا: تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کہاں سے جانا؟'' حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا اسی زمانہ میں جبکہ تو نے مجھے پیدا فرمایا تھا اس وقت میری نظر عرش اور ابواب جنت پر پڑی تو لکھا دیکھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ میں نے جان لیا کہ ضرور تیرے نزدیک ساری مخلوق سے برگزیدہ ہستی یہی ذات کریم ہوگی جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے۔ اس پر ندا فرمائی گئی کہ یہ نبی آخر الزمان ہیں جو تمہاری ذریت یعنی اولاد سے ہیں۔ ان کا اسم گرامی آسمان میں احمد اور زمین میں محمد ہے اگر یہ نہ ہوتے تو میں آسمان و زمین کو نہ پیدا کرتا۔ اے آدم علیہ السلام میں نے تمہیں انہیں کے طفیل پیدا فرمایا ہے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جبریل علیہ السلام نے بارگاہِ رسالت میں آ کر عرض کیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا رب فرماتا ہے کہ اگر میں نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا ہے تو تمہیں حبیب بنایا ہے اور میں نے اپنے نزدیک تم سے زیادہ برگزیدہ کسی مخلوق کو پیدا نہیں کیا اور میں نے دنیا و جہان کو اسی لیے پیدا فرمایا ہے کہ وہ جان لیں کہ میرے نزدیک تمہاری کتنی قدر و منزلت اور مرتبت ہے اگر تم نہ ہوتے تو دنیا کو پیدا نہ کرتا''۔

اس کے بعد حق تعالیٰ نے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشانیِ آدم علیہ السلام میں رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی پشت میں رکھا جو ان کی پیشانی سے چمکتا تھا۔ پھر تمام اعضاء میں سرایت کی اور حق تعالیٰ نے اس نور کی برکت سے آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات کے اسماء تعلیم فرمائے اور فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اس میں دو قول ہیں ایک جماعت کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں کہ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ (جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا) ملائکہ سے مراد ابلیس اور اس کے ساتھ فرشتوں کا وہ لشکر ہے جو زمین میں تھے، وہی سجدہ کرنے کیلئے مامور ہوئے تھے۔ علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آسمان و زمین اور ملائکہ و اجنہ کو پیدا فرمایا تو فرشتوں کو آسمان میں رکھا اور اجنہ کو زمین میں ٹھہرایا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک اجنہ زمین میں حق تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے بعد ازاں انہوں نے ظلم و بغاوت کی بنیاد ڈالی تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ایک لشکر کو ان کی ہلاکت و استیصال کیلئے زمین پر بھیجا۔ ان کو یا تو آنکھوں سے مستور و پوشیدہ ہونے کی بنا پر جن کہا جانے لگا یا اس بنا پر کہ وہ فرشتے اجنہ پر خازن و نگہبان مقرر کیے تھے۔ علماء کی یہ جماعت ابلیس کو از قسم ملائکہ خیال کرتی ہے یہ جو قرآن میں ''وَ کَانَ مِنَ الْجِنِّ'' جو جنات میں سے تھا۔'' آیا ہے اس کے یہی معنی مراد لیتے ہیں اور اس گروہ ملائکہ میں ابلیس پیشوا و مرشد اور زیادہ عالم تھا۔ پھر وہ جنات جن کے تصرف میں زمین تھی وہاں سے نکال کر پہاڑوں جزیروں اور دریاؤں میں ڈال دیئے گئے اور فرشتوں کی اس قسم کو جن کا نام ''جن'' تھا زمین میں ٹھہرا دیا گیا۔ اور حق تعالیٰ نے تمام روئے زمین، آسمان دنیا اور جنت کی نگہبانی ابلیس کو دیدی۔ ابلیس کبھی زمین میں عبادت کرتا، کبھی آسمان میں اور کبھی جنت میں لہٰذا حق تعالیٰ نے اس قسم کے ملائکہ کو جن کا سردار ابلیس تھا حکم فرمایا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ جیسا کہ کتب تفاسیر و تواریخ سے حفظ اللہ حساب میں ذکر کیا گیا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ حکم سجدہ میں آسمان و زمین کے تمام فرشتے مامور و مخاطب تھے۔ یہ قول اظہر

قرآن کے زیادہ موافق ہے۔

صاحب مواہب لدنیہ' حضرت امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ وعلیٰ آبائہ الکرام واولادہ العظام سے نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب نے فرمایا سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ ان کے بعد میکائیل نے۔ ان کے بعد اسرافیل نے' ان کے بعد عزرائیل نے اور ان کے بعد ملائکہ مقربین نے سجدے کیے اور فرمایا: فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ. سب سے آخر میں تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں داخل فرمایا گیا تو انہوں نے اپنے جنسی رفیق کی خواہش ظاہر کی جس سے محبت کریں اور ذکر حق میں باطنی سکون وقرار حاصل کریں۔ حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو نیند میں مبتلا کر دیا اور اس حالت خوابیدگی میں ان کی بائیں پسلی نکال کر اس سے سیّدہ حواء کو پیدا فرما دیا۔ ان کا نام "حواء" اسی بناء پر رکھا گیا کہ وہ "حی" یعنی زندہ سے پیدا کی گئی ہیں۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے حواء کو دیکھا تو اپنے دونوں ہاتھ ان کی طرف بڑھائے۔ اس پر فرشتوں نے کہا: "ٹھہریئے۔ تاکہ نکاح ہو جائے اور آپ ان کا مہر ادا کر دیں"۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا "مہر کیا ہے؟" فرشتوں نے کہا "تین مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج دو مہر ادا ہو جائے گا"۔ ایک روایت میں بیس مرتبہ آیا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ عزاسمہ نے حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح حضرت حواء سے فرمایا اور اپنے کلام اقدس سے خطبہ پڑھا۔ اس خدائی اعزاز پر ابلیس' آدم علیہ السلام سے حسد کرنے لگا۔ مختصراً یہ کہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو وسوسہ میں مبتلا کر کے ان کو جنت سے نکلوا دیا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو اپنے کیے پر بہت پشیمان ہوئے اور طرح طرح کی دنیاوی مشقتیں جھیلیں چنانچہ مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر تشریف لائے تو تین سو سال تک سر جھکائے' اشک ندامت بہاتے رہے اور آسمان کی جانب سر نہ اٹھایا۔ مسعودیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تمام روئے زمین کے رہنے والوں کے آنسو جمع کیے جائیں تو وہ حضرت آدم علیہ السلام کے آنسوؤں کے مقابلہ میں کم ہی نکلیں گے۔

کچھ روایتوں میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے آنسو سے عود' رطب' زنجبیل' صندل اور طرح طرح کی خوشبوئیں پیدا فرمائیں اور حضرت حواء کے آنسو سے لونگ و جائفل وغیرہ پیدا فرمائیں۔ بعد ازاں حق تعالیٰ نے انہیں وہ کلمات الہام فرمائے جن کے سبب ان کی توبہ مقبول بارگاہ ہوئی۔ اکثر مفسرین کے قول کے مطابق وہ کلمات یہ ہیں: رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ. یعنی اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اب اگر تو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے"۔

کتب تفاسیر وسیر میں اور بھی کلمات استغفار مذکورہ ہیں اور بعض مفسرین نے کلمات الہام کی تفسیر' سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل اور آپ کے ذریعہ شفاعت کی طلب سے کی ہے۔ یہ قول' دیگر اقوال کے منافی ومخالف نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے ہی توبہ واستغفار کی گئی تھی۔

واضح رہنا چاہیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ ان کا جنت میں داخل ہونا' ابلیس کا وسوسہ ڈالنا اور ان کا جنت سے باہر آنا یہ طویل واقعات ہیں۔ چونکہ کاتب حروف کا مقصود' سیّد البشر افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کرنا ہے اس لیے ان میں سے جس قدر مفید مطلب تھا لے لیا۔ یہی طریقہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

توبہ کی قبولیت کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان میں یہ دستور جاری فرما دیا کہ ہر حمل میں جڑواں بچے پیدا ہوتے ایک لڑکا ایک لڑکی' مگر حضرت شیث علیہ السلام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد ہیں' تنہا پیدا ہوئے تاکہ نور مصطفوی میں ان کے اور کسی دوسرے کے

درمیان اشتراک نہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت شیث علیہ السلام کو وصیت فرمائی کہ اس نور مبارک کو پاک بیبیوں میں منتقل کرنا۔ بعد میں حضرت شیث علیہ السلام نے بھی اپنے فرزند جن کا نام ''انوش'' تھا۔ یہی وصیت فرمائی۔ اسی طرح اس وصیت کا سلسلہ ایک قرن سے دوسرے قرن تک جاری رہا یہاں تک کہ یہ نور مبارک حضرت عبدالمطلب سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما تک آیا اور حق تعالیٰ نے آپ کے نسب شریف کو سفاح جاہلیت (یعنی وہ زمانہ جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا) سے پاک و صاف رکھا۔ زمانۂ جاہلیت میں رواج تھا کہ نادان لوگ اپنی بیویوں کو شریفوں کے پاس بھیجتے تھے تاکہ وہ ان کے نطفے سے حاملہ ہوں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی عورت کسی مرد سے مدتوں زنا کرتی رہتی پھر وہ عرصہ دراز کے بعد اس سے نکاح کر لیتی۔ بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں زمانۂ جاہلیت کی کسی برائی سے متولد نہیں ہوا حتیٰ کہ میں ہمیشہ اسلامی نکاح سے ہی پیدا ہوا اور حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں۔ سفاح جاہلیت سے نہیں یہاں تک کہ آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک میرے ماں باپ کبھی جاہلیت کے زنا و سفاحت کے قریب تک نہیں گئے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ فرمایا حق تعالیٰ نے مجھے ہمیشہ اصلاب طیبہ سے ارحام طاہرہ مصفا و مہذبہ میں منتقل فرمایا۔ ان میں جب بھی دو قبیلے بنتے تو مجھے ان میں بہترین قبیلہ میں رکھا جاتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' ارشاد باری تعالیٰ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ نبی سے نبی کی طرف منتقل ہوتا رہا اور ہمیشہ نور مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم اصلاب انبیاء علیہم السلام میں منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو پیدا فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیہ کریمہ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفَسِكُمْ (بے شک تمہارے پاس رسول تشریف لائے تم میں سب سے بہتر) کے فا کو زبر سے پڑھا اور فرمایا میں نسب و صہر اور حسب کے اعتبار سے تم سب میں نفیس تر ہوں اور میرے آباء واجداد میں آدم علیہ السلام تک سفاح یعنی زنا نہیں ہے۔ وہ سب نکاح سے ہیں۔

ابونعیم نے ''دلائل'' میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے نقل کیا کہ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ میں نے زمین کے مغارب و مشارق کو دیکھا ہے مگر کسی شخص کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں دیکھا اور کسی کی اولاد کو میں نے نہیں دیکھا جو بنی ہاشم سے افضل ہو۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ہر زمانہ میں بنی آدم کے بہترین قرن میں منتقل کیا گیا۔ یہاں تک کہ مجھے اس قرن میں پیدا کیا گیا جس میں میں ہوں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ نے اولاد اسمٰعیل علیہ السلام میں سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھ کو برگزیدہ فرمایا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے جب اپنی مخلوق کو برگزیدگی بخشی تو ان میں بنی آدم کو برگزیدہ کیا پھر بنی آدم سے عرب کو برگزیدہ کیا پھر عرب سے مجھے برگزیدہ فرمایا۔ خبردار رہو' جو عرب سے محبت رکھتا ہے تو وہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جو عرب سے دشمنی رکھتا ہے وہ مجھ سے دشمنی رکھنے کی وجہ سے ان سے دشمنی رکھتا ہے۔

نسب شریف

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف کو مواہب لدنیہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی (بضم قاف و فتح صاد و تشدید یاء) بن کلاب (بکسر کاف) بن مرہ (بضم میم و تشدید راء) بن کعب (بفتح کاف و سکون عین) بن لوئی (بضم لام و فتح ہمزہ و تشدید یاء) بن غالب بن فہر (بکسر فا و سکون ہاء) بن مالک بن نضر (بفتح

نون وسکون ضاد) بن کنانہ (بکر کاف دونون کے ساتھ) بن خزیمہ (نجار معجمہ وزراء برلفظ تصغیر) بن مدرکہ (لضم میم وسکون دال وکسر را) بن الیاس (بکسر ہمزہ ایک قول کے بموجب اور دوسرے قول کے بموجب بفتح ہمزہ بمعنی یاس (ناامیدی) جورجاء (امید) کی ضد ہے اور ہمزہ (وصل کیلئے صاحب مواہب کہتے ہیں کہ یہ قول اصح ہے) بن مضر (بضم میم وفتح ضاد) بن نزار (بکسر نون وبزاء) بن معد (بضم میم وفتح عین اور بعض کے نزدیک بفتح میم وسکون عین اسے صحیح کہتے ہیں) بن عدنان (بفتح عین وسکون دال) یہاں تک سلسلۂ نسب میں ارباب سیر اور اصحاب علم النساب سب کا اتفاق ہے اور اس سے اوپر معلوم وصحیح نہیں ہے۔ اس میں اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اولاد اسمٰعیل علیہ السلام سے ہیں اور حضرت ابراہیم' حضرت نوح' حضرت ادریس صلوات اللہ علیہم وسلامہ آپ کے اجداد میں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنا نسب شریف بیان فرمایا کرتے تھے تو معد بن عدنان سے تجاوز نہیں کرتے۔ اس جگہ ٹھہر جاتے تھے اور فرماتے کذب النسابون نسب گویوں نے جھوٹ ملا رکھا ہے۔ ایسا ہی مسند الفردوس میں روایت کیا گیا ہے لیکن سہیلی فرماتے ہیں کہ اصح یہ ہے کہ یہ قول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے جب وہ اس آیۂ کریمہ کو پڑھتے کہ اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ الَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہ ملی جو تم سے پہلے تھے قوم نوح' عاد وثمود اور وہ جو ان کے بعد ہوئے' جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا تو حضرت ابن مسعود اس وقت فرماتے: کَذَبَ النَّسَّابُوْنَ مطلب یہ کہ یہ لوگ علم النساب کا دعویٰ کرتے ہیں مگر حق تعالیٰ بندوں سے اس کے علم کی نفی فرماتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ ہم عدنان تک اپنا نسب لے جاتے ہیں اس سے اوپر ہم نہیں جانتے اور عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ ہم کسی ایسے کو نہیں جانتے پہچانتے جو معد بن عدنان کے بعد سلسلۂ نسب لیجائے کیونکہ عدنان سے حضرت اسمٰعیل تا حضرت آدم علیہما السلام تک بہت اختلاف ہے چنانچہ کسی نے عدنان سے حضرت اسمٰعیل تک تیس ایسی پشتو کا ذکر کیا ہے جن کا کچھ اتہ پتہ معلوم نہیں اور کسی نے اس سے کم اور کسی نے اس سے زیادہ پشتوں کا ذکر کیا ہے امام مالک رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو اپنے نسب کو حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کرتا تھا تو آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور کہا کیا اسے اس کی خبر دی گئی ہے؟ اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے انبیاء علیہم السلام کے رفع نسب میں روایت کی گئی ہے۔ لہٰذا ہمیں لازم ہے کہ عدنان سے اوپر اس بنا پر توقف کریں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی وحی نہیں کی گئی ہے روضۃ الاحباب کے حاشیہ میں عدنان سے اوپر حضرت آدم علیہ السلام تک ابن جوزی کی کتاب انساب سے تقریباً تیس ۳۰ پشتیں ذکر کی گئی ہیں چونکہ میں اس پر اعتماد نہیں ہے اور علماء کے اقوال کے مخالف بھی ہے اس لیے ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا (واللہ اعلم)۔

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

اب ہم بعض ان اشخاص کا تذکرہ کرتے ہیں جو مشہور و معروف اور متفق علیہ ہیں ان کا نام شیبہ بھی تھا اور ان کا یہ نام اس وجہ سے تھا کہ وقت ولادت ان کے سر میں سفید بال تھے انہیں ''شیبۃ الحمد'' بھی کہتے ہیں کیونکہ ان کے اکثر افعال پسندیدہ اور خوش آیند تھے جس کی وجہ سے لوگ ان کی تعریف وستائش کیا کرتے تھے۔ بعض لوگ ان کو عامر کے نام سے بھی یاد کرتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب سے حضور اکرم ﷺ کے دادا تھے۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ یہ قتیبہ کا قول ہے اور مجد شیرازی نے ان کی پیروی اختیار کی ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی کنیت ابوالحارث تھی کیونکہ انہوں نے سب سے بڑے فرزند کا نام حارث رکھا تھا ان کا عبدالمطلب نام رکھے جانے میں

بکثرت وجوہ مشہور ہیں۔ایک وجہ تو یہ ہے کہ آپ کے والد ماجد جن کا نام ہاشم تھا یہ کسی زمانہ میں مدینہ منورہ میں جا کر اقامت گزیں ہوئے تو ان سے یہ فرزند پیدا ہوا۔جب ہاشم کے بھائی مطلب مدینہ میں آئے تو انہوں نے بچہ کو دیکھا جو حسین صورت اور خوش جمال تھا۔دریافت کرنے لگے کہ یہ بچہ کس کا ہے ہم ہی میں سے معلوم ہوتا ہے اور ہمارا ہی ناک ونقشہ رکھتا ہے۔لوگوں نے کہا یہ ہاشم بن عبد مناف کا فرزند ہے پھر تو انہوں نے اس بچہ کو اٹھا کر اونٹ پر اپنے پیچھے بٹھالیا۔چونکہ بچہ کے کپڑے میلے کچیلے اور بری شکل میں تھے لوگوں نے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا یہ میرا ''عبد'' ہے۔اس بناء پر انہیں عبدالمطلب کہا جانے لگا۔دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ہاشم اس جہان سے رحلت فرمانے لگے تو اپنے بھائی ''مطلب'' سے وصیت کی کہ اپنے اس ''عبد'' کو لے لو جو یثرب میں ہے۔اور اپنے اس فرزند کی طرف اشارہ کیا جو مدینہ میں مقیم تھا۔اس بنا پر لوگ ان کو عبدالمطلب کہنے لگے۔تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بچے ہی تھے کہ ان کے والد نے وفات پائی اور ان کے چچا مطلب نے ان کی پرورش کی۔عرب میں یہ دستور تھا کہ پرورش کرنے والے کو ''عبد'' کہتے تھے کذا فی روضۃ الاحباب لیکن اس دستور کے قاعدہ کلیہ ہونے میں کلام ہے۔کیونکہ اہل عرب عام طور پر اپنی دیرینہ عادت وخصلت کی بنا پر بکثرت یتیموں کی پرورش کرتے تھے لیکن کوئی بھی ان یتیموں کو ان کا ''عبد'' نہیں کہتا تھا۔ البتہ اس جگہ ایسا ہی واقع ہوا ہے۔مگر لفظ دستور' قاعدۂ کلیہ کا مقتضی ہے۔

جب حضرت مطلب کی وفات ہوئی تو اہل مکہ کی سرداری حضرت عبدالمطلب کیلئے مقرر ہوئی اور خانۂ کعبہ کی دربانی اور حاجیوں کو زمزم پلانے کا منصب ان کے سپرد ہوا اور تمام اہل مکہ ان کے مطیع وفرمانبردار ہو گئے اور ان کی خوب تعظیم واحترام کرنے لگے۔حضرت عبدالمطلب کے جسم مبارک سے مشک وعنبر کی خوشبوؤں کی لپٹیں آیا کرتی تھیں۔آپ کی پیشانی مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تاباں وروشن تھا اور جب اہل مکہ کو کوئی حادثہ درپیش ہوتا تو ان کو جبل شبیر پر لے جاتے۔(جبل شبیر بفتح ثاء' کسر باء وسکون یا مکہ مکرمہ کا ایک پہاڑ ہے) اور بارگاہ رب العزت میں ان کو وسیلہ بناتے اور قحط کے دنوں میں استسقاء کی دعائیں کرتے تھے اور اس نور محمدی کی برکت سے جو ان کی پیشانی میں تاباں تھا ان کی مشکلیں حل ہو جاتی تھیں۔

کعب احبار سے مروی ہے کہ جب نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبدالمطلب کی پیشانی میں تاباں ہوا اور ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی تو وہ ایک دن خانۂ کعبہ کے گوشے مقام حجر میں سو رہے تھے جب وہ بیدار ہوئے تو ان کی آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا' سر کے بالوں میں تیل پڑا ہوا تھا اور بیش بہا جوڑا جسم پر تھا۔لوگ ان کے جلال وجمال پر متحیر رہ گئے کہ یہ انہیں کہاں سے حاصل ہوا اور ان کو کس نے اس مرتبہ بلند پر پہنچایا ہے۔اس کے بعد ان کے والد انہیں قریش کے کاہنوں کے پاس لے گئے اور سارا حال بیان کیا۔کاہنوں نے کہا آسمانی خدا نے حکم دیا ہے کہ اس بچہ کا نکاح کر دیں' غرض کہ ان کے والد نے ایک عورت ''قیلہ'' نامی سے نکاح کر دیا اور ان سے ایک فرزند حارث نامی پیدا ہوئے جو سب سے بڑے فرزند تھے۔اس کے بعد قیلہ کا انتقال ہو گیا۔قیلہ کے بعد انہوں نے ہند بنت عمرو نامی عورت سے نکاح کیا۔

واقعۂ فیل

جب ابرہہ حاکم یمن نے اصحمہ نجاشی کی جانب سے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی اور وہ بیت اللہ الحرام کے انہدام کیلئے بہت بڑا سفید ہاتھی لایا تو لوگوں نے حضرت عبدالمطلب کو اس کی خبر دی۔انہوں نے فرمایا! اے قریش مت ڈرو۔اس گھر کا خدا حفاظت فرمانے والا ہے۔وہی اس کی حفاظت کرے گا۔اس کے بعد ابرہہ قریش کی اونٹ بکریاں ہنکا کر لے گیا۔ان میں حضرت عبدالمطلب کے بھی چار سو

۴۰۰ اونٹ تھے۔ حضرت عبدالمطلب قریش کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر نکلے اور جبل شبیر پر آئے۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب کی پیشانی پر نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہلال کی مانند چمکنے لگا اور اس نور مبارک کی تیز شعاعیں خانہ کعبہ پر پڑنے لگیں جس سے وہ خوب روشن ہوگی۔ جب حضرت عبدالمطلب نے اس نور مبارک کو دیکھا تو فرمانے لگے: اے گروہ قریش! جاؤ بلا شبہ اس معاملہ میں تمہیں کامیابی ہوگیا۔ خدا کی قسم! یہ نور مبارک اسی وقت چمکتا ہے جبکہ ہمیں کامیابی اور ظفر مندی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد قریش لوٹ گئے اور منتشر ہو گئے۔ ابرہہ نے ایک شخص کو بھیجا تا کہ وہ لشکر کو شکست دے۔ جب وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوا اور حضرت عبدالمطلب کے چہرۂ پرنور پر نظر ڈالی تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور ذبح کے وقت گائے کے ڈکرانے کی مانند منہ سے آواز نکالنے لگے۔ جب وہ ہوش میں آیا تو حضرت عبدالمطلب کو سجدہ کر کے کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں تم قریش کے سچے سردار ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے اور اس نے اس سفید ہاتھی کو بلایا جو خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کیلئے لایا گیا تھا۔ جب ہاتھی نے حضرت عبدالمطلب کے چہرہ پر نور پر نظر ڈالی تو وہ سجدے میں گر گیا۔ حالانکہ یہ ہاتھی دوسرے ہاتھیوں کے برعکس ابرہہ کو بھی سجدہ نہ کرتا تھا۔ گویا کہ یہ ہاتھی حق تعالیٰ کی مشیت کے مطابق حضرت عبدالمطلب کے آگے سر جھکا کر زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ سلام ہو اس پر جو اے عبدالمطلب تمہاری پشت میں ہے۔ اس ہاتھی کے سر پر ہر چند آنکس مارتے تھے مگر وہ ہاتھی زمین سے سر نہ اٹھاتا تھا۔ اس کے بعد ابرہہ یمن کی جانب لوٹ گیا۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ابابیل پرندوں کو تین تین کنکریاں لے کر دریا سے بھیجا۔ ایک کنکری ان کے منہ میں تھی اور دو دو کنکریاں ان کے پنجوں میں اور کوئی کنکری مسور کے دانہ سے بڑی نہ تھی۔ یہ کنکری جس کے بدن پر پڑتی وہ زمین پر ڈھیر ہو کر گر پڑتا۔ چنانچہ جب ابرہہ کے جسم پر یہ کنکری پڑی تو اس کی انگلیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں اور اس کے جسم سے خون، پیپ اور پانی بہنے لگا۔ حتیٰ کہ اس کے دل میں بھی چھید ہو گئے۔ **نعوذ باللہ من غضب اللہ**۔

یہ قصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان معجزات میں سے ہے جو قبل از اظہار نبوت رونما ہوئے۔ اس قسم کے معجزات کو ''ارہاصات'' کہتے ہیں جس کے معنے تاسیس و بنیاد رکھنے کے ہیں۔ انہیں معجزات میں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قبل از بعثت ابر کا سایہ کرنا ہے

اقسام معجزات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تین قسم کے ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو قبل از اظہار نبوت رونما ہوئے دوسری قسم وہ ہے جو زمانہ اظہار نبوت میں واقع ہوئے اور تیسری قسم وہ ہے جو حضور کے اس جہان سے تشریف لیجانے کے ... اولیاء امت سے اعجاز و کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔

حجاج کا عمل

صاحب مواہب اس پر ایک اعتراض کرتے ہیں کہ حجاج ثقفی نے خانہ کعبہ کو خراب اور ویران کیا۔ اس وقت تو کوئی چیز نمودار نہ ہوئی؟ انہیں اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ارہاص قبل از نبوت تھی جو کہ امر نبوت کی تاسیس کیلئے ہوتی تھی اور جب نبوت ظاہر ہوگئی اور دلائل و حجت سے ثابت و مستحکم ہوگئی تو اب ارہاص کی ضرورت نہیں رہی۔ اور اس لیے بھی کہ حجاج ثقفی خانہ کعبہ کو منہدم کرنے یا اس کو خراب ویران کرنے کا ارادہ نہ رکھتا تھا بلکہ حضرت عبداللہ بن زبیر ... سے دشمنی کی وجہ سے تھا اور اس روایت کو تسلیم نہ کرنے کی بنا پر تھا جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سنی تھی اس نے اپنے گمان میں یہ عمل خانہ کعبہ کے اعزاز و تعظیم میں کیا تھا۔ اسی بنا پر جب عبدالملک کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پہنچی تو وہ اپنے کیے پر پشیمان ہوا۔

خود قریش نے بھی خانہ کعبہ کی کئی مرتبہ از سرنو تعمیر کی ہے۔ ان میں سے ایک مرتبہ تو اس سال اس کی تعمیر ہوئی تھی جس سال سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود پتھر اٹھاتے تھے۔ یہ انہدام و تعمیر بقصد درستگی تھی۔

ہاشم

حضرت عبدالمطلب کے والد ہاشم کا نام عمرو ہے۔ ہاشم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ہشم کے معنی روٹی کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہیں۔ سب سے پہلے جس نے اپنی قوم کو قحط کے زمانہ میں اشکنہ یعنی روٹی کے ٹکڑے پکا کے کھلائے وہ یہی تھے اور علو مرتبت کے لحاظ سے ان کو عمرو العلیٰ بھی کہتے ہیں۔ یہ بہت خوبصورت اور صاحب جہ وجلال تھے۔ ہاشم کے چار فرزند تھے ایک اسد جو علی مرتضیٰ کی والدہ کے والد تھے دوسرے نفیلہ' تیسرے صفی' چوتھے عبدالمطلب جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے۔ ان کی کوئی اولاد حضرت عبدالمطلب کے سوا باقی نہ رہی۔

عبدمناف

عبدمناف کا نام مغیرہ اور کنیت ''ابوعبدالشمس'' ہے۔ مناف ایک بت کا نام تھا۔ ان کے چار فرزند تھے ایک ہاشم جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ کے دادا ہیں دوسرے ''عبد الشمس'' جو بنی امیہ کے جد ہیں۔ تیسرے نوفل جو حضرت جبیر بن مطعم کے جد ہیں۔ چوتھے مطلب جو امام شافعی رحمۃ اللہ کے جد اعلیٰ ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہاشم اور عبدالشمس دونوں توام (جڑواں) تھے۔ اور دونوں کی پیشانیاں چپکی ہوئی تھیں۔ انہیں جدا کرنے کی بڑی کوشش کی گئی مگر نہ ہوئی بالآخر تلوار سے ان کے چہرے جدا کیے گئے۔ اسی بنا پر دونوں کی اولاد میں دشمنی او شمشیر زنی ہوتی رہی ہے کذا فی روضۃ الاحباب بعض لوگوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ دونوں کی کمریں جڑی ہوئی تھیں جسے تلوار سے جدا کر دیا گیا۔

قصی

قصی' قصی کی تصغیر ہے' جس کے معنے بعید کے ہیں۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ ان کی والدہ جن کا نام فاطمہ تھا جب حاملہ ہوئیں تو وہ اپنے قبیلہ سے بہت دور بلاد قضاعہ میں ٹھہری ہوئی تھیں۔ انہیں ''مجمع'' بھی کہتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ جب عرب کے قبائل خزاعہ کے غلبہ کے زمانہ میں مکہ مکرمہ سے متفرق اور منتشر ہو گئے تو انہوں نے ان قبائل کو مجتمع کیا تھا' جب قصی نے ان سب کو اکٹھا کر لیا تو مکہ مکرمہ آ کر خزاعہ کے ہاتھ سے ملک لے لیا اور ان قبائل کو مکہ مکرمہ میں دوبارہ آباد کر دیا۔ کہتے ہیں کہ قصی نے ہی ''دارالندوہ'' بنایا تھا۔ چنانچہ جب قریش کو کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو وہ سب اس گھر میں جمع ہو کر مشورہ کرتے تھے۔ ندوہ کے لغوی معنی گفتگو کرنے کے ہیں۔ ندی' نادیہ جس کے معنی مجلس کے ہیں اسی سے بنا ہے۔ قصی کا نام زید تھا۔

کلاب

کلاب یا تو مکالیب سے مصدری معنی میں ہے جس کے معنی منازعت اور مخاصمت کے ہیں۔ کالبت العدو مکالبثہ یعنی دشمن نے دشمنی سے جنگ کی۔ یا کلاب کلب کے معنی میں اس کی جمع ہے اور معنوی مراد کثرت ہے۔ جیسا کہ ایک درندے یعنی کتے کا نام ہے۔ کسی اعرابی سے پوچھا گیا کہ تم اپنے فرزندوں کے کلب' ذئب یعنی کتے اور بھیڑیئے جیسے برے نام کیوں رکھتے ہو حالانکہ اپنے غلاموں کے مرزوق اور ریاح وغیرہ جیسے اچھے نام رکھتے ہو۔ اس اعرابی نے جواب دیا۔ ''فرزندوں کے نام دشمنوں کیلئے ہیں اور غلاموں

کے نام اپنے لیے'' ۔کلاب' ایک حکیم کا نام بھی ہے بعض کہتے ہیں کہ کلاب کا نام عروہ تھا۔

مرہ بن کعب

یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے یوم عروبہ مقرر کیا۔ عروبہ بفتح عین' جمعہ کے دن کا نام ہے۔ وہ اس دن قریش کو جمع کرتا اور انہیں خطبہ دیتا اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت دیتا۔ یہ انہیں بتاتا تھا کہ وہ میری نسل میں سے ہوں گے۔ وہ لوگوں کو ان کی پیروی کرنے اور ان پر ایمان لانے کی تلقین کرتا۔ اس ضمن میں اس نے بہت سے اشعار لکھے ہیں جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

يٰلَيْتَنِىْ شَاهِدًا فَحَوَاءُ دَعْوَتِهٖ حِيْنَ الْعَشِيْرَةُ تَبْغِى الْحَقَّ خُذْ لَانًا

لوی بن غالب

لوی لائی کی تصغیر ہے جس کے معنی ہیں خوب عیش وعشرت کی زندگی گزارنا۔

فہر

فہر کے بارے میں اہل سیر وتواریخ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ قریش اس کا لقب ہے اور قریش کی نسبت اسی کی جانب کرتے ہیں۔ چنانچہ جو فہر کی نسل سے نہیں ہوتا اسے قریشی نہیں کنانی کہتے تھے۔ اکثر اہل سیر یہ بھی کہتے ہیں کہ قریش' نضر بن کنانہ کا لقب ہے اور ان کی اولاد کو قرشی اور قریشی کہتے ہیں۔

قریش کی وجہ تسمیہ

قریش نام رکھنے میں متعدد وجوہات بیان کیے گئے ہیں مشہور وجہ یہ ہے کہ قریش ایک بہت بڑا آبی جانور ہے جو مچھلیوں کو کھاتا ہے۔ کوئی دوسرا آبی جانور اسے نہیں کھا سکتا۔ یہ تمام دریائی جانوروں پر غالب وبرتر رہتا ہے۔ صراح میں اس کی شہادت میں بعض شعراء متقدمین کے اشعار نقل کیے گئے ہیں لیکن بعض یہ کہتے ہیں کہ متفرق اور منتشر ہو جانے کے بعد حرم پاک میں چونکہ وہ لوگ دوبارہ مجتمع ہوئے تھے اور تقرش کے معنی ہی جمع ہونے اور اکٹھا ہونے کے ہیں۔ تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ لوگ اہل تجارت اور صاحب نہر تھے اور قرش کے معنی کسب وہنر اور اکٹھا کرنیکے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب لوگ حج کیلئے آتے ہیں تو یہ لوگ فقراء ومساکین کے احوال کی تفتیش کرتے اور ان کی امداد کرتے تھے۔ یہاں تقریش کے معنی تفتیش کے ہیں۔ صراح میں تقریش کے معنے غالب آنے اور اقراش کے معنے کسی کیلئے سعی وکوشش کرنے کے ہیں۔

مدرکہ

مدرکہ کا نام عامر یا عمر تھا۔ مدرکہ معنی پانے والے کے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ اہل سیر یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن وہ ایک خرگوش کے پیچھے دوڑے اور اسے پکڑ لیا اس پر ان کے والد نے ان کا لقب مدرکہ رکھ دیا۔ اور وہ اسی لقب سے مشہور ہوئے۔ بعض وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ ان کے آباواجداد جو عزت وشرف رکھتے تھے وہ سب ان میں جمع تھیں۔ اس کلمہ کا ''تاء'' مبالغہ کیلئے ہے کذا فی روضتہ الاحباب اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تاء صفت سے اسمیت وعلم کی جانب منتقل کرنے کیلئے ہو۔ (واللہ اعلم)

الیاس

الیاس پہلے شخص ہیں جنہوں نے بیت الحرام کی طرف اونٹوں کی ہدی بھیجی' قاموس میں کہا گیا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہیں یاس محرکہ یعنی سیل پہنچی ہے۔منقول ہے کہ وہ اپنی پت میں حج کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تلبیہ کی آواز سنا کرتے تھے۔

مضر

مضر وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے اہل کیلئے حدی کو مقرر کیا۔ یہ اپنے زمانہ میں تمام لوگوں سے بہتر خوش آواز تھے اور دین اسلام اور ملت ابراہیم علیہ السلام پر قائم تھے۔

نزار

نزار نزر سے بنا ہے جس کے معنی قلیل کے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب یہ پیدا ہوئے تو ان کے والد نے ان کی دونوں آنکھوں میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو چمکتے دیکھا اور اس پر بہت خوش ہوئے۔ اور اسی خوشی میں مساکین کو کھانا کھلایا اور کہا کہ یہ سب کچھ اس بچے کی ولادت کی خوشی میں بہت کم ہے۔اسی بنا پر ان کا نام ''نزار'' رکھا۔ان کی کنیت ابوربیعہ تھی۔

معد بن عدنان

معد بن عدنان کے بھائی سعد بن عدنان تھے۔معد بن عدنان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں۔نسب شریف عدنان سے اوپر نہیں جاتا اور نہ ہی آنحضرت ﷺ پر اس سلسلہ میں وحی کی گئی۔

مشاہدات حضرت عبدالمطلب

وصل: جب حق تعالیٰ نے ابرہہ کے شر سے حضرت عبدالمطلب کو نجات بخشی تو ایک دن حضرت عبدالمطلب ''حجرہ'' میں سو رہے تھے۔انہوں نے ایک بہت برا خواب دیکھا جس سے وہ خوفزدہ ہو گئے۔انہوں نے اپنا خواب قریش کے کاہنوں سے بیان کیا۔کاہنوں نے جواب دیا کہ اگر تمہارا خواب سچ ہے تو یقیناً تمہاری پشت سے کوئی ایسا شخص پیدا ہوگا جس پر تمام زمین و آسمان والے ایمان لائیں گے اور اس کی نشانیاں خوب ظاہر و روشن ہونگی۔اس کے بعد حضرت عبدالمطلب نے فاطمہ سے نکاح کیا۔وہ حضرت عبداللہ ذبیح (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد ہیں) سے حاملہ ہوئیں اور حضرت عبداللہ کے لقب ذبیح ہونے کا واقعہ بہت مشہور و معروف ہے۔

چاہ زمزم کا قصہ

جاننا چاہیے کہ جب سیّدہ ہاجرہ کے بطن اقدس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو نور محمدی ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔حضرت سارہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ تھیں اس پر رشک کرنے لگیں اور وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو دیکھنے کی تاب نہ رکھتی تھیں۔چونکہ ان کے کوئی فرزند نہ تھا اس لیے وہ نہ چاہتی تھیں کہ سیّدہ ہاجرہ کے ہاں ایسا فرزند ہو جو اس نور مبارک کا حامل ہو۔بالآخر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے خواہش ظاہر کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سیّدہ ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو کسی ایسی جگہ لیجا جہاں نہ عمارت ہو نہ کھیتی' نہ آب و دانہ ہو اور نہ آبادی' تنہا چھوڑ کر آجائیں اور حضرت

ابراہیم علیہ السلام کو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی دل جوئی اور خاطر داری کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اسمٰعیل علیہ السلام کو لے کر اس مقام پر تشریف لائے جو اب حرم مکہ ہے اور اس ٹیلہ کے نیچے جہاں بعد میں خانہ کعبہ تعمیر ہوا چھوڑ دیا اور کچھ خرمے اور ایک مشکیزہ پانی کا سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اسمٰعیل علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا اور ان کو خدا کے سپرد کر کے جو حکم الٰہی تھا بجالائے یہاں سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کھجوریں کھاتیں' پانی پیتیں اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی رہیں۔ جب کھجوریں اور پانی ختم ہو گیا اور تشنگی نے غلبہ کیا یہاں تک کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تشنگی سے مٹی پر لوٹنے لگے تو بے قرار ہو کر کھڑی ہوئیں اور کچھ دیر انتظار کیا تا کہ کوئی ان کی فریاد کو پہنچے اور پانی میسر آئے۔ اس کے بعد نیچے اتر کر کوہ مروہ پر گئیں اور کچھ دیر وہاں کھڑے ہو کر انتظار کیا۔ اس طرح سات مرتبہ دوڑیں اور ہر بار اسمٰعیل علیہ السلام کے پاس آتیں اور انہیں دیکھتیں رہیں۔ آخری مرتبہ جب دیکھا تو اسمٰعیل کو پیاس سے قریب جاں بلب پایا۔ اس مرتبہ جب مروہ پر چڑھیں تو ان کے کان میں ایک آواز پڑی انہوں نے کہا میں نے تمہاری آواز سنی میری فریاد کو آؤ۔ یہ جبریل علیہ السلام تھے جو حضرت اسمٰعیل کے سامنے مقام چاہ زمزم پر کھڑے تھے۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے اپنا بازو زمین پر مارا۔ زمین میں شگاف ہو گیا اور پانی بہنے لگا۔ سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا ڈریں کہ کہیں پانی ختم نہ ہو جائے۔ انہوں نے اس پانی کے گرد حوض نما باڑھ باندھ دی۔ اصل چاہ زمزم وہی جگہ ہے جہاں سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے پانی کو روکا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ پر رحم فرمائے' اگر زمزم کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں اور چشمۂ آب کے گرد گھیرا نہ باندھتیں تو وہ روئے زمین پر جاری رہتا۔ اہل عرب کی خصلت ہے کہ رائے کی کمزوری کے موقعہ پر ''ترحم'' بولا کرتے ہیں اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ایسا نہ ہونا چاہیے۔ اس کے بعد سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام برابر اس کا پانی پیتے رہے۔ یہ پیاس کو بھی دور کرتا رہا اور بھوک کو بھی ختم کرتا رہا۔ یہ زمزم شریف کی خاصیت ہے کہ وہ دودھ کی طرح کھانے' پینے دونوں کا قائم مقام ہے۔ اس پانی کا مزہ بھی اونٹنی کے دودھ کے مزہ کے موافق ہے۔ سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ایک عرصہ تک اسی حال میں رہے' یہاں تک کہ یمن کا قبیلہ جرہم پانی کی جستجو میں یہاں پہنچا اور اس نے پانی کے واسطہ سے اقامت اختیار کر لی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام قبیلہ جرہم میں پرورش پاتے رہے یہاں تک کہ آپ حدِ بلوغ کو پہنچے تو قبیلہ جرہم کی لڑکیوں سے نکاح کیا اور ان سے کئی فرزند پیدا ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے براق پر سوار ہو کر شام سے مکہ مکرمہ پرسانِ حال کیلئے تشریف لاتے۔ چنانچہ چاشت کے وقت سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے چلتے اور مکہ تشریف لاتے پھر قیلولہ کے وقت واپس سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ جاتے۔ ایک زمانہ کے بعد حق تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم فرمایا تو آپ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مدد سے اس ٹیلہ پر جہاں پہلی مرتبہ سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو چھوڑا تھا خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی۔ آپ سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کیلئے اس جگہ جنت سے یاقوت کا ایک گھر حق تعالیٰ نے اتارا تھا جس میں زمرد کے دو دروازہ تھے ایک جانب شرق دوسرا جانب غرب اور حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب فرمایا کہ اس گھر کا طواف کرو' اور ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب فرمایا کہ زمین میں بیت الحرام بناؤ اور اس گھر کا طواف کرو۔ جس طرح کہ تم نے آسمان میں عرش کے گرد فرشتوں کو طواف کرتے دیکھا ہے۔

اس کے بعد ہر سال حضرت آدم علیہ السلام ہند سے اس بیت اللہ کا طواف کرنے کیلئے تشریف لایا کرتے تھے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے پاپیادہ چالیس حج کیے اور طوفان نوح میں یہ گھر ساتویں آسمان پر اٹھالیا گیا۔ یہ قصہ بہت

طویل ہے چونکہ اس جگہ زمزم شریف کی حالت کا بیان مقصود ہے کہ وہ کیسے گم ہوا اور پھر وہ حضرت عبدالمطلب کے زمانہ میں کیسے ظاہر ہوا۔

منقول ہے کہ جب تک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حیات رہے خانہ کعبہ کی تولیت انہیں سے متعلق رہی۔ آپ کے بعد ''ثابت' جو کہ سب سے بڑے آپ کے فرزند تھے آپ کے قائم مقام ہوئے طویل زمانہ گزر جانے کے بعد ان کے اور قبیلہ جرہم کے درمیان اس رشتہ کی بنا پر جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے تھے جھگڑا اور خصومت پیدا ہوگئی اور صلح صفائی نہ ہوسکی جس کی بنا پر بہت سے فرزندان حضرت اسمٰعیل علیہ السلام مکہ سے نکل کر عرب کے اطراف و اکناف میں جا بسے اور مکہ کی حکومت قوم جرہم کے پاس رہ گئی۔ کچھ عرصہ تک یہی صورت رہی جب قوم جرہم کا ایک حاکم عمرو بن حارث ہوا اور اس نے ظلم و ستم کی بنا ڈالی اور مسافروں کو ستانے لگا جو ہدیئے خانہ کعبہ کیلئے آتے یا کوئی بھیجتا تو وہ خود اس پر قبضہ کر لیتا۔ اس وقت عرب کے وہ قبیلے جو گرد و نواح میں بستے تھے اس کے استیصال و ہلاکت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ قوم جرہم ان کے مقابلہ کی تاب و طاقت نہ رکھتی تھی بھاگ کھڑی ہوئی اور یمن کی جانب چلی گئی۔ اور بھاگتے وقت ابن عمرو بن حارث نے حجر اسود کو رکن کعبہ سے اکھاڑ کر اور دو سونے کی ہرن کی مورتیوں کی جوز رو جواہر سے مرصع تھی جسے اسفندیار فارسی نے بطور ہدیہ خانہ کعبہ بھیجا تھا اور اسے غزال الکعبہ کہتے تھے اور چند ہتھیار جو خانہ کعبہ میں تھے سب کو چاہ زمزم میں چھپا کر اسے پاٹ دیا۔ اور جگہ کو زمین کے برابر کر کے۔ اس کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ حق تعالیٰ نے حرم مکہ کی اس بے حرمتی اور وہاں ظلم و فسق برپا کرنے کی یاداشت میں ان پر ایک وبا بھیجی جسے اہل عرب ''حدسہ'' کہتے ہیں۔ کچھ تو ہلاک ہوئے اور کچھ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد مکہ میں واپس آئی اور رہنے لگی لیکن چاہ زمزم اسی دن سے گم اور بے نشان رہا۔ جس وقت اہل مکہ کی حکومت و سرداری کی نوبت حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہٗ تک آئی اور ارادۂ الٰہی چاہ زمزم کے اظہار سے متعلق ہوا تو حق تعالیٰ نے حضرت عبدالمطلب کو خواب میں چاہ زمزم کا مقام دکھا کر حکم دیا کہ اسے ظاہر کرو۔ چونکہ اس کی جگہ مشتبہ تھی کہ کس جگہ ہے انہوں نے آثار و قرائن سے جانا اور چاہا کہ اسے کھودیں تو قوم قریش مانع آئی۔ اور ان کے بیوقوفوں نے اس بنیاد پر انہیں تکلیفیں اور ایذائیں پہنچائیں۔ چاہ زمزم کی جگہ پر دو بت نصب تھے جن کا نام اساف اور نائلہ تھا۔ اور قریش نہیں چاہتے تھے کہ بتوں کے بیچ میں کنواں کھودا جائے۔ حضرت عبدالمطلب اپنے ایک فرزند حارث کے ساتھ چاہ زمزم کھودنے میں مشغول ہوگئے۔ ابھی تھوڑی سی زمین کھودی تھی کہ پتھر اور نشان برآمد ہوگئے اور وہ اسلحہ اور دو ہرن کی مورتیاں بھی جنہیں یہاں چھپایا گیا تھا۔ نمودار ہوگئیں تو کھودنا موقوف کر دیا اور پانی نکل آیا۔ اس سبب سے حضرت عبدالمطلب کی عزت و منزلت دوبالا ہوگئی۔ اس وقت انہوں نے نذر مانی کہ جب حق تعالیٰ انہیں دس فرزند عطا فرمادے گا اور وہ بلوغ کی حد کو پہنچ کر ان کے مددگار بن جائیں گے تو ان میں سے ایک فرزند کی حق تعالیٰ کے حضور قربانی دیں گے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے انہیں دس فرزند عطا فرمائے اور وہ سب حد بلوغ کو پہنچ گئے ایک رات حضرت عبدالمطلب خانہ کعبہ کے نزدیک سو رہے تھے انہیں خواب میں کسی کہنے والے نے کہا اے عبدالمطلب اپنی اُس نذر کو جو رب کعبہ کیلئے مانی تھی پورا کرو۔ جب وہ بیدار ہوئے تو خوف سے لرز رہے تھے۔ چونکہ اس قضیہ میں انہیں تاخیر شاق معلوم ہوتی تھی فوراً ایک دنبہ کو ذبح کر کے کھانا تیار کر کے فقرا و مساکین کو کھلایا۔ اس کے بعد جب سوئے تو کہنے والے نے پھر کہا اس سے بڑی قربانی دو۔ پھر جب بیدار ہوئے تو ایک گائے کی قربانی دی۔ پھر جب سوئے تو کہنے والے نے کہا کہ اس سے بڑھ کر قربانی دو: جب بیدار ہوئے تو اونٹ کی قربانی دی۔ اس کے بعد جب سوئے تو کہنے والے نے حکم دیا کہ اس سے بڑھ کر قربانی دو۔ حضرت عبدالمطلب نے پوچھا اس سے بڑھ کر کونسی قربانی دوں؟ کہا گیا اپنے فرزندوں میں سے ایک فرزند کو ذبح کرنے کی نذر مانی تھی۔ اس پر وہ بہت غمگین ہوئے انہوں نے اپنے تمام فرزندوں کو جمع کر کے سارا حال بیان کیا۔ تمام فرزندوں نے بیک زبان کہا آپ کو اختیار ہے اگر آپ ہم سب کی قربانی دینے پر راضی ہیں تو ہم سب تیار ہیں' حضرت عبدالمطلب کو

اپنے فرزندوں کی یہ اطاعت وسعادت مندی بہت بھلی معلوم ہوئی فرمایا قرعہ ڈالو۔ جب قرعہ ڈالا گیا تو حضرت عبداللہ کا نام نکل آیا۔ حضرت عبداللہ اپنے والد کے نزدیک بہت محبوب و پیارے تھے کیوں کہ ان کی پیشانی میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تاباں تھا اور وہ صاحب حسن و جمال اور بڑے بہادر پہلوان اور تیرانداز تھے اس کے باوجود حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور چھری لے کر اساف ونائلہ کے قریب خانہ کعبہ کے متصل قربان گاہ میں لائے۔ جب قریش کو اس حال کا پتہ چلا تو وہ مانع آئے اور خصوصاً ان لوگوں نے جو کہ قریبی رشتہ دار تھے۔ رکاوٹ بن گئے وہ انہیں لیکر اس کاہنہ عورت کے پاس لائے جو حجاز میں تمام کاہنوں سے زیادہ دانا اور عقلمند تھی۔ اس وقت تک جنات کا آسمان پر جانا آنا اور وہاں کی باتیں چوری چھپے سننا ممنوع نہ ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ کاہنوں کو آکر باتیں بتاتے تھے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے قریش حضرت عبدالمطلب کو اس کاہنہ عورت کے پاس لائے اور اس کو تمام ماجرا سنایا اور اس عورت نے کہا آج تو جاؤ کل آنا تا کہ میں اپنے ہمزاد جن سے اس قضیہ کے بارے میں معلوم کرسکوں کہ وہ کیا اشارہ کرتا ہے۔ جب دوسرے دن اس کے پاس پہنچے تو اس نے پوچھا ایک آدمی کی دیت میں تمہارے نزدیک کتنے اونٹ ہیں۔ لوگوں نے بتایا دس اونٹ ہیں۔ اس نے کہا دس اونٹوں کو لڑکے کے مقابل کر کے ان کے اور لڑکے کے درمیان قرعہ ڈالو اگر قرعہ اونٹوں پر نکل آئے تو ان کی قربانی دیدو اگر لڑکے کے نام قرعہ نکلے تو اتنے ہی اونٹ اور بڑھا کر قرعہ ڈالو اسی طرح دس دس اونٹوں کی تعداد بڑھاتے جاؤ یہاں تک کہ اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے جب اونٹوں کے نام قرعہ نکلے تو اتنے ہی اونٹ اور بڑھا دو۔ یہ اونٹ اس کا فدیہ ہوگا تمہارے لڑکے نے اس سے نجات پالی اس کے بعد عبدالمطلب اور تمام قریش مکہ واپس ہوگئے۔ اس کے بعد اساف و نائلہ کے قریب قربان گاہ میں حضرت عبداللہ کے مقابل اونٹوں کو لائے اور قرعہ اندازی کی یہاں تک کہ نوبت سو اونٹوں تک پہنچ گئی اس وقت قرعہ اونٹوں پر نکل آیا۔ مگر حضرت عبدالمطلب کے دل کو اس وقت بھی اطمینان نہ ہوا یہاں تک کہ دوسری مرتبہ بھی قرعہ اونٹوں کے نام پر نکلا تب حضرت عبدالمطلب کو اطمینان حاصل ہوا۔ اور انہوں نے شکر الٰہی ادا کیا اور حضرت عبداللہ نے ذبح سے خلاصی پائی۔ اس کے بعد سو اونٹوں کو ذبح کر کے خاص و عام اور وحوش وطیور کو کھلایا گیا۔ پھر عرب میں ایک شخص کی دیت سو اونٹ مقرر ہوگئی۔ حالانکہ اس سے پہلے دس اونٹ مقرر تھی اور جب دور اسلام آیا تو شارع علیہ السلام نے بھی ویسی مقرر فرمائی۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں اس سے مراد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ زمخشری نے اسے کشاف میں بیان کیا۔ اور حاکم کی مستدرک میں حضرت معاویہ ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اعرابی نے آکر قحط سالی کی شکایت کی اور کہا اے دو ذبیحوں کے فرزند! اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو مال غنیمت دیا ہے اس میں سے مجھے بھی عطا فرمائیے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اس کا انکار نہ فرمایا۔

تنبیہ:

جمہور کے نزدیک قول مشہور یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا نام ہے اور بعض علماء کا خیال ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کا نام ہے۔ اگر یہ قول صحیح ہو تو ''دو ذبیحوں کے فرزند'' کی تاویل یہ ہوگی کہ چچا پر بھی اَب یعنی باپ ہونے کا اطلاق مروی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد یعقوب علیہ السلام کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا.... اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۔ اور جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزندوں سے فرمایا میرے بعد کس کی عبادت

کرو گے؟ تو ان سب نے کہا ہم آپ کے رب کی اور آپ کے آبا حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسمٰعیل علیہ السلام و اسحاق علیہ السلام کے رب کی عبادت کریں گے۔ تو اس آیت میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو آبا میں شمار کیا حالانکہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے بھائی تھے۔ یہی صورت حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے قول میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو ان کا فرزند فرمایا حالانکہ وہ چچا ہیں اور حضور ابن عمؑ لیکن ابن قیم پہلے قول جمہور کی ترجیح میں کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حضرت ذبیح علیہ السلام مکہ میں تھے اسی لیے روز نحر یعنی قربانی کے دن مکہ میں قربانیاں کی جاتی ہیں' جس طرح کہ صفا و مروہ کی سعی اور رمی جمرات مکہ میں ہے۔ یہ اس بنا پر ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کی یادگار رہے اور ذکر الٰہی قائم رہے' اگر ذبح شام میں ہوتی تو قربانیاں بھی شام میں ہوتیں۔ نیز قرآن کریم میں ذبیح کو حلیم فرمایا گیا ہے اور حلیم' وہی ہوتا ہے جو رضائے الٰہی کی خاطر اپنے آپ کو قربانی کیلئے پیش کرے۔ قرآن کریم میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی صفت میں علیم فرمایا گیا ہے اس کے ماسوا یہ کی فطری عادت ہے کہ پہلا بچہ زیادہ محبوب ہوتا ہے، جب حضرت خلیل علیہ السلام کے دل میں اس کا تعلق پیدا ہوا تو محبت کی غیرت نے تقاضا کیا کہ اس کو ذبح کرنے کے حکم کے ساتھ قطع کیا جائے۔

اور ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت سے مقدم ہے اور یہ توجیہات اور ترجیحات لغو ہیں کہ غلبہ ظن کا افادہ نہیں کرتیں۔ چہ جائیکہ قطعی و یقینی ہو۔

صاحب مواہب ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے ایک یہودی عالم سے جو مسلمان ہو چکے تھے پوچھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں فرزندوں میں سے کس کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم! اے امیر المومنین یہودی خوب جانتے ہیں کہ یہ حکم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کیلئے تھا لیکن اے گروہ عرب! وہ تم سے حسد کرتے ہیں کہ تمہارا باپ افضل ہو۔ جس کا ذکر حق تعالیٰ نے کیا ہے۔ اور وہ اس کا انکار کر کے کہتے ہیں کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔

علامہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ اپنے رسائل میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کا قول' اہل کتاب کی تحریفات میں سے ہے (انتہی) لیکن یہ قول مشائخ عظام کے کلام میں موجود ہے (واللہ اعلم)

حضرت عبداللہ کا حسن و جمال

وصل: جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حسن و جمال کی شہرت عام ہوگئی اور ذبیح وفدیہ کا واقعہ مزید شہرت کا باعث ہوا تو قریش کی عورتیں' ان کے جمال و وصال کی طالب بن کر سرِ راہ نکل کر کھڑی ہوگئیں اور ان کو اپنی جانب بلانے لگیں۔ مگر حق تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا۔

اہل کتاب بعض علامتوں اور نشانیوں سے پہچان گئے تھے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود گرامی حضرت عبداللہ کے صلب میں ودیعت ہے وہ ان کے دشمن بن کر ہلاکت کے درپے ہو گئے۔ اور اطراف و جوانب سے ان کو ہلاک کرنے کے ارادے سے مکہ آنے لگے یہاں انہوں نے عجیب وغریب آثار و قرائن کا مشاہدہ کیا اور وہ خائب و خاسر بے نیل و مرام لوٹ گئے۔

ایک دن حضرت عبداللہ شکار کیلئے تشریف لے گئے تھے' اہل کتاب کی ایک بہت بڑی جماعت شام کی جانب سے تلوار سوت کر حضرت عبداللہ کے قتل کے ارادہ سے نمودار ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے والد حضرت وہب بن مناف بھی جنگل میں موجود تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ چند سوار جن کی شکل وصورت' اس دنیا کے لوگوں سے مشابہ نہ تھی غیب سے ظاہر ہوئے اور وہ اس حملہ آور گروہ کو حضرت عبداللہ کے آگے سے دور کرنے لگے۔ وہب بن مناف نے گھر آ کر اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں چاہتا ہوں اپنی بیٹی

سیّدہ آمنہ (رضی اللہ عنہا) کا نکاح حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب سے کر دوں' اور پھر یہ بات اپنے دوستوں کے ذریعہ حضرت عبدالمطلب کی خدمت میں پہنچائی۔ حضرت عبدالمطلب بھی یہی چاہتے تھے کہ عبداللہ کی شادی ہو جائے اس سلسلہ میں وہ کسی ایسی عورت کی جستجو میں تھے جو شرف حسب ونسب اور عفت میں ممتاز ہو۔ آمنہ بنت وہب میں یہ صفات موجود تھیں عبدالمطلب نے اس رشتہ کو پسند کیا اور حضرت عبداللہ کا ان کے ساتھ نکاح کر دیا۔

منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بنی اسد کی ایک عورت کے سامنے سے گزرے یہ خانہ کعبہ کے پاس کھڑی تھی اور اس کا نام رقیصہ یا قتیلہ بنت نوفل تھا۔ جب اس عورت کی نظر حضرت عبداللہ پر پڑی تو وہ آپ کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگئی اور کہنے لگی وہ سو اونٹ جو تم پر فدا کیے گئے ہیں میرے ذمہ ہیں۔ میں پیش کروں گی۔ حضرت عبداللہ کو اس پر عفت وحیا دامنگیر ہوئی آپ انکار کر کے آگے نکل گئے۔

دوسرے دن ایک خثعمی عورت نے جو علم کہانت میں ماہر اور خوب مالدار تھی اس نے بھی اپنے مال کے ذریعہ حضرت عبداللہ کو ور غلانا چاہا۔ اسی طرح بہت سی عورتوں نے پیش کش کی۔ مگر عبداللہ کسی کے فریب میں نہ آئے۔ جب گھر تشریف لائے تو حضرت آمنہ سے زفاف ہوا۔ اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پشت مبارک سے منتقل ہو کر رحم آمنہ میں جلوہ فگن ہوا۔ اور وہ حاملہ ہوگئیں۔ یہ منیٰ کے ایام تھے۔ جیسا کہ آگے آئے گا پھر جب دوسری مرتبہ اس عورت کے سامنے سے حضرت عبداللہ گزرے تو اس عورت نے حضرت عبداللہ کی پیشانی میں وہ نور مبارک نہ پایا تو وہ کہنے لگی اول مرتبہ میرے پاس سے جانے کے بعد تم نے کسی عورت سے صحبت کی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں میں نے اپنی منکوحہ بی بی آمنہ بنت وہب سے زفاف کیا ہے۔ اس خثعمی عورت نے کہا کہ اب مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں میں تو اس نور مبارک کی خواستگار تھی جو تمہاری پیشانی میں جلوہ افروز تھا اب وہ دوسرے کے نصیب میں چلا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ عورت جس نے اپنے تئیں حضرت عبداللہ کو پیش کیا تھا وہ ورقہ بن نوفل کی بہن تھی۔ ورقہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی تھے۔ ایک دوسری روایت میں ایک اور عورت کا ذکر بھی آیا ہے جس کا نام عدویہ تھا۔ ممکن ہے کہ ان تمام عورتوں نے پیش کش کی ہو۔

استقرار حمل

وصل: جاننا چاہیے کہ استقرار نطفہ زکیہ مصطفوی وابداع ذرۂ محمدیہ در صدف رحم آمنہ رضی اللہ عنہا' قول اصح کے بموجب ایام حج کے درمیانی تشریق کے دنوں میں شب جمعہ میں ہوا تھا۔ اسی بنا پر امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک شب جمعہ، لیلتہ القدر سے افضل ہے اس لیے کہ اس رات سارے جہان اور تمام مسلمانوں پر ہر قسم کی خیر و برکت اور سعادت و کرامت جس قدر نازل ہوئی اتنی قیامت تک کسی رات میں نہ ہوگی۔ بلکہ تا ابد کبھی نازل نہ ہوں گی۔ اور اگر اس لحاظ سے میلادِ شریف کی رات کو شب قدر سے افضل جانیں تو یقیناً یہ رات اس کی مستحق ہے جیسا کہ علماء اعلام رحمہم اللہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

حدیثوں میں آیا ہے کہ شب میلادِ مبارک کو عالم ملکوت میں ندا کی گئی کہ سارے جہان کو انوارِ قدس سے منور کرو اور زمین و آسمان کے تمام فرشتے خوشی و مسرت میں جھوم اٹھے۔ اور داروغہ جنت کو حکم ہوا کہ فردوس اعلیٰ کو کھول دے اور سارے جہان کو خوشبوؤں سے معطر کر دے۔ اور زمین و آسمان کے ہر طبقہ اور ہر مقام میں مژدہ سنادے کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کی رات رحم آمنہ رضی اللہ عنہا میں قرار پکڑا ہے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ تمام خیرات و برکات' کرامات و سعادات اور انوار و اسرار کا مصدر اور مبدا خلق عالم اصلِ اصول نبی آدم اس عالم میں تشریف آوری اور اس کے ظہور کا وقت قریب آپہنچا ہے۔ یقیناً تمام جہان والوں کو منور و مشرف اور مسرور ہونا چاہیے۔

مروی ہے کہ اس رات کی صبح کو روئے زمین کے تمام بت اوندھے پائے گئے۔ شیاطین کا آسمان پر چڑھنا ممنوع قرار دیا گیا۔ اور دنیا

کے تمام بادشاہوں کے تخت الٹ دیئے گئے۔اور اس رات ہر گھر روشن ومنور ہوا۔اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی جو انوار قدس سے جگمگا نہ رہی ہو۔اور کوئی جانور ایسا نہ تھا جس کو قوت گویائی نہ دی گئی ہو اور اس نے بشارت نہ دی ہو مشرق کے پرندوں نے مغرب کے پرندوں کو خوشخبریاں دیں۔

قریش کا یہ حال تھا کہ وہ شدید قحط اور عظیم تنگی میں مبتلا تھے۔چنانچہ تمام درخت خشک ہو گئے تھے اور تمام جانور نحیف و لاغر ہو گئے تھے۔پھر حق تعالیٰ نے بارش بھیجی۔جہان بھر کو سرسبز و شاداب کیا۔درختوں میں تروتازگی آئی۔خوشی و مسرت کی ایسی لہر دوڑی کہ قریش نے اس سال کا نام ''سنۃ الفتح والابتہاج'' رکھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شکم مادر میں نو مہینے کامل رہے مادر محترمہ نے عام عورتوں کی طرح کسی قسم کی گرانی بار، درد اور طبیعت کی بدمزگی محسوس نہ کی۔سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ میں حمل سے ہوں صرف اتنا تھا کہ حیض (ماہواری) بند ہو گیا تھا۔لیکن بعض روایتوں میں آیا ہے کہ فرمایا کچھ بوجھ سا معلوم ہوتا ہے ابونعیم نے دونوں روایتوں کی جمع تطبیق اس طرح کی ہے کہ ابتداء علوق میں ثقل معلوم ہوتا تھا مگر مدت گزر جانے کے بعد حمل میں خفت محسوس ہونے لگی۔اور یہ دونوں باتیں خلاف عادت و دستور ہیں۔کذافی المواہب نیز ابونعیم ذحضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاملہ ہونے کے دلائل میں سے ایک بات یہ تھی کہ قریش کے ہر چوپایہ نے اس رات گویائی کی اور کہا کہ قسم ہے خانہ کعبہ کے رب کی آج رات اللہ کا رسول حمل میں تشریف لایا ہے جو ساری دنیا کا امام اور تمام جہان والوں کا آفتاب ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ روئے زمین کے تمام چوپائے اس رات گویا ہوئے اور سب نے اسی طرح بشارت دی۔

سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ میں خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھی کہ کسی نے ندا دی اے آمنہ تم حمل سے ہو گویا کہ میں نہیں جانتی تھی کہ میں حمل سے ہوں۔اس کے بعد بتایا کہ تم اس امت کے افضل سے حاملہ ہو اور ایک روایت میں ہے کہ ساری مخلوق سے افضل سے حاملہ ہو۔اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ میں حمل سے ہوں اور فرماتی ہیں کہ حمل کے ہر مہینہ میں آسمان و زمین کے درمیان میں یہ آواز سنا کرتی کہ تمہیں مبارک ہو وہ وقت قریب آ پہنچا ہے کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں جلوہ افروز ہونے والے ہیں جو صاحب خیر و برکت ہیں۔یہ روایت بہت ہی ضعیف ہے۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے شکم میں تھے کہ ایک دفعہ مجھ سے ایک ایسا نور نکلا جس سے سارا جہان منور ہو گیا اور میں نے بصرے کے محلات دیکھے۔بصرہ شام کی جانب ایک شہر کا نام ہے اسی قسم کا ایک واقعہ ولادت شریف کے وقت میں بھی منقول ہے۔

سیدہ آمنہ کے بطن اقدس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی فرزند تولد نہ ہوا اور نہ حضرت عبداللہ سے ہی حضور کے سوا کوئی اور فرزند پیدا ہوا۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، کی وفات ہو گئی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ آٹھ ماہ یا سات ماہ یا دو ماہ کے گود میں تھے کہ وفات پائی۔اور یہ قول، اصح اقوال ہے۔

حضرت عبداللہ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی ان دنوں وہ بسلسلہ تجارت قریش کے ساتھ تھے۔جب واپسی میں مدینہ منورہ سے گزر ہوا تو قافلہ سے جدا ہو کر اپنے بھائیوں کے پاس جو بنی نجار ٹھیر گئے۔جب قافلہ کے لوگ مکہ مکرمہ پہنچے تو حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کے بارے میں دریافت کیا تو قافلہ والوں نے بتایا کہ ہم نے انہیں بیمار چھوڑا ہے۔اس کے بعد حضرت عبدالمطلب نے اپنے بڑے فرزند حارث کو ان کو لانے کیلئے بھیجا۔جب حارث مدینہ پہنچے تو ان کا انتقال ہو چکا تھا اور وہ ''دار نابغہ'' میں دفن کیے جا چکے

تھے۔لیکن بعض کہتے ہیں مقام ابواء میں مدفون ہوئے تھے۔ابواء مدینہ کے قریب ایک مقام کا نام ہےاورلوگوں میں یہی مشہور ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ نے وفات پائی تو فرشتوں نے مناجات کی کہ اے ہمارے رب! ہمارے سردار! محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو تیرے نبی اور تیرے حبیب ہیں یتیم ہوگئے؟ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ان کا میں حافظ وناصر اور کفیل ہوں۔ان پر صلوٰۃ وسلام بھیجو، اور ان کیلئے برکتیں مانگو اور ان کیلئے دعائیں کرو **صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِيْنَ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَبَرَكَاتُهٗ وَسَلَامُهٗ،**

ولادت مبارک

وصل: سبحان اللہ جب آپ کے حمل مبارک کا رعب ودبدبہ کا یہ عالم ہے تو آپ کی ولادت مبارکہ کا حال کیا ہوگا؟!! تعالیٰ اللہ جل جلالہ۔

جاننا چاہیے کہ جمہور اہل سیر اور ارباب تواریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک عام الفیل،، چالیس یا پچپن دن کے بعد ہوئی ہے۔یہ قول سب سے زیادہ صحیح ہے۔اور یہ بھی مشہور ہے کہ ماہ ربیع الاول میں ولادت ہوئی ہے اور بعض علماء اسی کو اختیار کرتے ہیں اور بعض بارہ بھی کہتے ہیں اور بعض دو ربیع الاول اور بعض آٹھ ربیع الاول کی رات گزرنے کے بعد کہتے ہیں بہت سے علماء اسی کو اختیار کرتے ہیں اور بعض دس بھی کہتے ہیں لیکن پہلا قول یعنی بارہ ربیع الاول کا زیادہ مشہور واکثر ہے۔اسی پر اہل مکہ کا عمل ہے ولادت شریف کے مقام کی زیارت اسی رات کرتے ہیں اور میلاد شریف پڑھتے ہیں۔

یہ ولادت مبارکہ بارہویں ربیع الاول کی رات روزِ دوشنبہ واقع ہوئی۔اور وحی کی ابتداء، ہجرت مدینہ منورہ پہنچنا، فتح مکہ مکرمہ اور وفات شریف بھی روز دوشنبہ ہوئی۔اور وقت ولادت مبارک صبح صادق میں طلوع آفتاب سے پہلے اور ''غفر'' کے طلوع کے وقت ہوئی۔ ''غفر'' (بضم غین وسکون فاء) منازل فجر کے تین چھوٹے ستاروں کو کہتے ہیں، مواہب الدنیہ میں ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا وقت یہی ہے اور اکثر اخبار میں ولادت شریف کا وقت، طلوع فجر ہے اور بعض روایت میں رات بھی آیا ہے اس سے یہی طلوع فجر مراد ہے چونکہ اس کو رات کے متصل شمار کرسکتے ہیں۔مواہب لدنیہ میں شیخ بدرالدین زرکشی سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ ولادت شریف خوب روشن وقت میں ہوئی۔جو دن کی ابتداء ہے یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت ستارے ٹوٹے اور شہاب ثاقب جھڑے اسے رات پر محمول نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ نبوت وولادت کا زمانہ، خوارق عادات اور معجزات کے ظہور کا زمانہ ہے۔لہٰذا ممکن ہے ستاروں وغیرہ کا ٹوٹنا دن میں ہوا ہو (واللہ اعلم) اور بعض منجمین اور اس فن کے ماہرین، ولادت شریف کی ساعت کو سب سے زیادہ سعید ساعت شمار کرتے ہیں اور روضۃ الاحباب میں اسے بیان کیا گیا ہے۔مگر حق یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی زمانہ کے ساتھ شرافت و بزرگی حاصل نہیں کی ہے بلکہ زمانہ نے آپ سے شرافت و بزرگی پائی ہے۔جس طرح کہ دیگر مقامات مقدسہ ہیں کہ مکان کو مکین سے شرافت و بزرگی حاصل ہوتی ہے اور یہی حکمت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک کسی ایسے مہینہ میں نہیں ہوئی جو بزرگی و برکت کے ساتھ مشہور ہو جیسے ماہ محرم ماہ رجب، ماہ رمضان، وغیرہ جیسا کہ بعض شاذ روایتوں میں آیا ہے اور یہی حکمت دن کی ہے کیوں کہ تمام دنوں میں جمعہ کا دن افضل ہے۔اور اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اس دن میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس ساعت میں جو دعا مانگی جائے مستجاب ہوگی۔لیکن یہ ساعت، اس ساعت کو کہاں پہنچ سکتی ہے کہ جس ساعت میں سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے تولد فرمایا صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے روز دوشنبہ کو جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا دن ہے عبادت کیلئے خاص

نہیں فرمایا جیسا کہ روز جمعہ کو مخصوص فرمایا جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا دن۔

اس کی وجہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت اور آپ کی امت پر آپ کے وجود باوجود کی عنایت کے سبب سے تخفیف ہے۔

جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ

اور آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے جہان کیلئے رحمت۔ انتہی۔ پیر کے دن روزہ رکھنا اس لحاظ سے کہ اس دن کو حضور اکرم صلی اللہ وسلم کی ولادت شریف سے بزرگی و کرامت حاصل ہوئی ہے مستحب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ دوشنبہ کو رکھا کرتے تھے۔ اور جب اس دن روزہ رکھنے کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا میں اس دن پیدا ہوا۔ اور اسی دن مجھ پر وحی نازل کی گئی۔ (رواہ مسلم)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایک یہودی تھا جو تجارت کرتا تھا جب وہ رات آئی جس میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولادت فرمائی تو اس یہودی نے کہا اے گروہ قریش! کیا آج کی رات تم میں کوئی فرزند پیدا ہوا ہے قریشیوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں۔ اس یہودی نے کہا اس آخری امت کا نبی پیدا ہو گیا ہے اور اس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک علامت ہے جس میں گھوڑے کی رگ کی مانند بال مجتمع ہیں۔ پھر اس یہودی کو سیّدہ آمنہ کے پاس لائے اس نے کہا اپنے فرزند کی زیارت کراؤ پھر اس نے پشت مبارک سے قمیض اٹھا کر علامت دیکھی تو وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا اور کہنے لگا خدا کی قسم! بنی اسرائیل سے نبوت جاتی رہی۔ (رواہ الحاکم) ابونعیم، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کے وقت سات یا آٹھ سال کا بچہ تھا۔ میں نے یہ قصہ سنا اور دیکھا ہے کہ ایک یہودی صبح کے وقت اپنی قوم کو پکار رہا تھا اور فریاد کر رہا تھا۔ یہودیوں نے اس سے کہا تجھے کیا ہوا کیوں فریاد کر رہا ہے اور ہمیں بلا رہا ہے۔ اس نے کہا آج کی رات احمد کے ستارے نے طلوع کر لیا ہے۔

عثمان بن ابی العاص اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کے وقت موجود تھی میں نے دیکھا ایک نور ظاہر ہوا جس نے گھر اور تمام در و دیوار کو نورانی کر دیا میں نے دیکھا کہ آسمان کے ستارے زمین کے نزدیک آ گئے ہیں میں نے خیال کیا کہ شاید وہ مجھ پر گر پڑیں گے۔ تمام گھر پُرانوار ہو گیا۔ احادیث صحیحہ و مشہورہ میں آیا ہے کہ سیّدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے شب ولادت میں دیکھا کہ ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے اور میں نے ان کو دیکھا۔

حلیمہ سعدیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضعہ سے مروی ہے کہ سیّدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ مجھ سے ایک ستارہ عالم ظہور میں آیا جس سے ساری زمین روشن ہو گئی اور میں نے شام کے محلات دیکھے اور یہ فرزند پاک و صاف پیدا ہوا کسی قسم کی آلائش و پلیدی نہ تھی۔ یہ روایت اس امر میں صریح ہے کہ ولادت شریف عادت کے مطابق ہوئی جس طرح کہ تمام عورتوں کو ہوتی ہے' نیز ایک اور حدیث میں ہے کہ فَاَخَذَ فِی الْمَخَاضُ تو مجھے دردِ زہ نے پکڑ لیا۔ اس سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف اپنی والدہ سے جن کا نام ''شفا'' تھا روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا:

جس وقت حضرت آمنہ سے فرزند تولد ہوا تو وہ میرے ہاتھ میں آیا۔ جو ختنہ شدہ تھا۔ پھر چھینک آئی اس پر کسی کہنے والے کی آواز سنی يَرْحَمُكَ اللّٰهُ۔ ''شفا'' بیان کرتی ہیں کہ مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے اس وقت شام کے محلات و قصور دیکھے۔ ایک روایت میں روم کے محلات اور ایک روایت میں شام کے محلات آئے ہیں۔ شام ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ شام حضور کا ملک ہے اور کتب سابقہ میں آیا ہے۔ اور شام کی فضیلت میں بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔ اور ''شفا'' بیان کرتی ہیں کہ میں ڈری اور مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اس کے بعد ایک نور داہنی جانب سے ظاہر ہوا۔ کسی کہنے والے نے کہا اسے کہاں لے گیا؟ دوسرے نے جواب دیا مغرب

کی جانب تمام مقامات متبرکہ میں لے گیا۔ پھر بائیں جانب سے بھی ایک نور ظاہر ہوا۔ اس پر بھی کسی کہنے والے نے کہا کہ اسے کہاں لے گیا دوسرے نے جواب دیا اسے میں مشرق کی جانب تمام مقامات متبرکہ میں لے گیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا انہوں نے اسے اپنے سینہ سے لگایا اور طہارت و برکت کی دعا مانگی۔ ''شفا'' بیان کرتی ہیں یہ بات میرے دل میں ہمیشہ جاگزیں رہی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو میں اسلام لائی اور اولین و سابقین میں سے ہوئی۔

نیز وہ سیّدہ آمنہ کی بابت بیان کرتی ہیں کہ وہ فرماتی تھیں کہ میں نے خواب میں کسی کو کہتے سنا جبکہ چھ ماہ کی حاملہ تھی اس نے مجھ سے کہا اے آمنہ تم سارے جہان سے افضل کی حاملہ ہو جب تم سے وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھنا۔ اور اپنے حال کو پنہاں رکھنا۔ اس روایت سے ظاہر و معلوم ہوتا ہے کہ محمد نام رکھنا آمنہ کی جانب سے ہوگا۔ حالانکہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ یہ نام حضرت عبدالمطلب نے رکھا ہے۔ تو ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

سیّدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ جب مجھ پر وہ حالت طاری ہوئی جو عام عورتوں کو وضع حمل کے وقت درد وغیرہ ہوتا ہے تو میں گھر میں تنہا تھی اور حضرت عبدالمطلب طواف میں تھے۔ اس وقت میں نے ایک عظیم آواز سنی جس سے میں خوفزدہ ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے دیکھا ایک مرغ سفید کا بازو میرے سینے کو مل رہا ہے تو میرا خوف اور وہ درد جاتا رہا۔ پھر میں نے دیکھا کہ میرے پاس ایک سفید شربت کا پیالہ لایا گیا میں نے اُسے پیا اور سکون و قرار حاصل ہوا۔ پھر میں نے نور کا ایک بلند مینار دیکھا اس کے بعد اپنے پاس بلند قامت والی عورتیں دیکھیں جن کا قد عبد مناف کی لڑکیوں کی مانند کھجور کے درختوں کی طرح ہے۔ میں نے تعجب کیا یہ کہاں سے آگئیں اس پر ان میں سے ایک نے کہا میں آسیہ، فرعون کی بیوی ہوں۔ دوسری نے کہا میں مریم بنت عمران ہوں اور یہ عورتیں حورعین ہیں۔ اور میرا حال بہت سخت ہوگیا اور ہر گھڑی عظیم سے عظیم تر آوازیں سنتیں جس سے خوف معلوم ہوتا تھا۔ اسی حالت کے دوران میں نے دیکھا کہ ایک فرش زمین و آسمان کے درمیان کھینچا گیا اور میں نے دیکھا کہ زمین و آسمان کے درمیان بہت سے لوگ کھڑے ہیں جن کے ہاتھوں میں چاندی کے آفتابے ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ پرندوں کی ایک ڈار میرے سامنے آئی یہاں تک کہ میرا کمرہ ان سے بھر گیا۔ ان کی چونچیں زمرد کی اور ان کے بازو یاقوت کے تھے اور حق تعالیٰ نے میری آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا اور میں نے مشارق و مغارب کو دیکھا۔ اور میں نے دیکھا کہ تین علَم ہیں ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں اور ایک خانہ کعبہ کے اوپر نصب ہے۔ پھر مجھے درد زہ ہوا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) متولد ہوئے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ آپ سجدے میں ہیں اور دونوں انگشتہائے مسبحہ آسمان کی جانب اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور تضرع کی مانند گریاں کناں ہیں۔ اس کے بعد میں نے ایک ابر سفید دیکھا جس نے انہیں میری نظروں سے چھپا دیا۔ اور میں نے کسی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا انہیں زمین کے مشارق و مغارب کی سیر کراؤ اور ان کے شہروں میں گشت کراؤ تاکہ وہاں کے رہنے والے آپ کے اسم مبارک اور نعت و صورت کو پہچان لیں اور جان لیں کہ آپ کی صفت ماحی ہے۔ جو کہ شرک کے آثار کو محو و فنا کریں گے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ سیّدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ جب حضور کو لٹایا گیا تو میں نے ایک بہت بڑے نورانی ابر کو دیکھا جس میں گھوڑوں کے ہنہنانے اور بازوؤں کے پھڑ پھڑانے اور لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنیں یہاں تک کہ اس ابر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھانپ لیا اور میری نظروں سے غائب ہوگئے اس وقت میں نے ایک منادی کو ندا کرتے سنا وہ کہہ رہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین کے جملہ گوشوں میں پھراؤ اور جن وانس کی روحوں پر گشت کراؤ، فرشتوں، پرندوں اور چرندوں کو زیارت کراؤ۔ اور ان کو حضرت آدم علیہ السلام کے اخلاق، حضرت شیث علیہ السلام کی معرفت، حضرت نوح علیہ السلام کی شجاعت، حضرت ابراہیم کی خلت، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی زبان، حضرت اسحاق علیہ السلام کی رضا، حضرت صالح کی فصاحت حضرت لوط علیہ السلام کی حکمت، حضرت

یعقوب علیہ السلام کی بشارت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شدت، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت یونس علیہ السلام کی طاعت، حضرت یوشع علیہ السلام کا جہاد، حضرت داؤد علیہ السلام کا لحن اور آواز حضرت دانیال علیہ السلام کی محبت، حضرت الیاس علیہ السلام کا وقار، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی عصمت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کا پیکر بناؤ (علیہم السلام) اور تمام نبیوں کے دریائے اخلاق میں غوطہ دو سیّدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد وہ ابر مجھ سے کھل گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ سبز ریشمی کپڑے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوب لپٹے ہوئے ہیں اور چشمہ کی مانند اس حریر سے پانی ٹپک رہا ہے۔ اور کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ ماشاء اللہ ماشاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا پر کس شان سے بھیجا گیا۔ دنیا کی کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو آپ کی تابع فرمان نہ ہو۔ سب ہی کو آپ کے قبضۂ قدرت میں دیا گیا ہے پھر جب میں نے آپ کی طرف نظر کی تو میں نے دیکھا کہ گویا آپ چودھویں رات کے چاند کی مانند چمک رہے ہیں اور آپ کے جسم اطہر سے مشک و عنبر کی لپٹیں آ رہی ہیں۔ اور تین شخص کھڑے ہیں ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ ہے دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت ہے اور تیسرے کے ہاتھ میں سفید حریر ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک انگشتری نکالی جس سے دیکھنے والوں کی نظریں جھپک گئیں۔ پھر اسے سات مرتبہ دھویا اور اس انگشت سے آپ کے شانوں کے درمیان مہر کیا۔ اور حریر میں لپیٹ کر اٹھا لیا اور کچھ دیر اپنے آغوش میں لیکر میرے سپرد کر دیا۔

حضرت عبدالمطلب سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں شب ولادت، کعبہ کے پاس تھا جب آدھی رات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ کعبہ مقام ابراہیم کی طرف جھکا اور سجدہ کیا اور اس سے تکبیر کی آواز آئی کہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ رَبُّ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰى اَلْآنَ قَدْ طَهَّرَنِىْ رَبِّىْ مِنْ اَنْجَاسِ الْاَصْنَامِ وَاَرْجَاسِ الْمُشْرِكِيْنَ، اللہ بلند و بالا ہے اللہ بلند و بالا ہے وہ رب ہے محمد مصطفیٰ کا۔ اب مجھے میرا رب بتوں کی پلیدی اور مشرکوں کی نجاست سے پاک فرمائے گا، اور غیب سے آواز آئی رب کعبہ کی قسم، کعبہ کو برگزیدگی ملی۔ خبردار ہو جاؤ کعبہ کو ان کا قبلہ، ان کا مسکن ٹھیرایا۔ اور وہ بت جو کعبہ کے گرداگرد نصب تھے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور سب سے بڑا بت جسے ہُبَل کہتے تھے منہ کے بل گر پڑا تھا۔ ندا آئی کہ سیّدہ آمنہ سے محمد مصطفیٰ پیدا ہو گئے۔ اور ابر رحمت ان پر اتر آیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ جمہور اہل سیر کا مذہب ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ وعنہ، سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُن تمام عزت و کرامت میں سے جو رب العزت کے حضور مجھے حاصل ہے یہ ہے کہ میں ختنہ کردہ پیدا ہوا۔ اور میری شرمگاہ کو کسی نے نہیں دیکھا۔ یہ ارشاد، ختنہ شدہ پیدا ہونے کی حکمت کی جانب ایک اشارہ ہے بعض علماء یہ بھی کہتے ہیں تا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمالِ خلقت اور تکمیل اعضاء میں کسی مخلوق کا کوئی دخل نہ ہو۔ نیز یہ بھی حکمت ہے کہ کوئی عیب آپ کی طرف منسوب نہ ہو۔ بعض متاخرین نے اس کا انکار کیا ہے اور اس حدیث پر جرح کی ہے اور حاکم نے مستدرک میں تواتر کا دعویٰ کیا ہے، اور ذہبی کہتے ہیں کہ جب اس کی صحت میں ہی کلام ہے تو متواتر کیسے ہوگی۔ اور بعض نے تواتر کو معنوی اور لغوی شہرت پر محمول کیا ہے۔ ابن قیم کہتے ہیں کہ یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے نہیں ہے۔ بلکہ بکثرت لوگ اس ہیئت پر پیدا ہوئے ہیں۔ بعض اہل سیر نقل کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کی ختنہ اس وقت کی جبکہ انہوں نے شق صدر مبارک کر کے تطہیر قلب انور کی، اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے حضور کی ولادت کے ساتویں دن ختنہ کر کے مہمان نوازی کی (واللہ اعلم)

علماء کا اختلاف ہے کہ ختنہ سنت ہے یا واجب پہلا قول یعنی سنت ہونا امام ابوحنیفہ، امام مالک اور بعض شوافع کا مذہب ہے۔ اور دوسرا قول یعنی واجب ہونا بعض مالکیوں کا مذہب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک کے وقت جس قدر کرامتیں اور نشانیاں ظاہر ہوئیں۔ وہ حیطہء بیان اور گنتی و شمار سے باہر ہیں اور جتنا کچھ بیان کیا گیا ہے ان کا یہ کچھ حصہ ہے۔ سب سے زیادہ مشہور و

روشن اور حیرت وتعجب میں ڈالنے والی بات کسریٰ کے محل کا لرزنا کانپنا اور اس کے چودہ کنگرے کا گر پڑنا ہے۔ اور بعض علماء نے چودہ کے عدد سے اس طرف اشارہ ہونا مراد لیا ہے کہ ان کی بادشاہی چودہ آدمیوں تک ہوگی۔ چنانچہ چار سال میں دس لوگوں نے بادشاہی کی اور بقیہ چار نے زمانہ خلافت امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ تک کیے بعد دیگرے بادشاہی کی کذافی الذاہب۔ روضۃ الاحباب میں خلافت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک کہا ہے۔

انہیں نشانیوں میں سے دریائے ساوہ کا خشک ہونا اور اس کا پانی زمین میں چلا جانا اور اس نالے کا جاری ہونا جسے وادی ساوہ کہتے ہیں جو ہزار برس سے خشک تھا۔ فارسیوں کے آتش کدہ کی آگ کا بجھ جانا ہے جو ہزار برس سے روشن تھی۔ انہیں حالات کی کثرت سے کسریٰ پر انتہائی خوف وہراس طاری ہو گیا ہر چند کہ وہ بظاہر بہادری اور دلیری دکھاتا اور لوگوں سے چھپاتا تھا۔ اسی دوران فارس کے سب سے بڑے قاضی، جسے وہ ''موبداں'' کہتے ہیں اس نے یہ بھی خواب دیکھا کہ قوی وتوانا اونٹ اور چست وچالاک عربی گھوڑے دوڑتے آرہے ہیں، اور دجلہ کو پار کر کے شہروں میں پھیل گئے ہیں۔ موبدوں نے اس کی یہ تعبیر دی کہ بلاد عرب میں کوئی واقعہ رونما ہوگا۔ جس کی وجہ سے ممالک عجم مفتوح ومغلوب ہوں گے۔ کسریٰ نے اس حال کی جستجو میں کچھ لوگوں کا کاہنوں کے پاس اور خصوصاً ''سطیح'' کے پاس بھیجا جو علم کہانت میں سب سے زیادہ ماہر تھا اس کے عجیب وغریب حالات، ہیں، کہتے ہیں کہ اس کے جوڑ (مفاصل) نہ تھے اور وہ کھڑے ہونے اور بیٹھنے پر قادر نہ تھا۔ مگر جس وقت کہ وہ غصہ میں ہوتا تو وہ مشک کی مانند پھول جاتا اور بیٹھ جاتا۔ اس کے اعضاء میں انگلی کے پوروں اور سر کے سوا کوئی ہڈی نہ تھی۔ گویا کہ وہ گوشت کا ایک ڈھیر تھا۔ جب لوگ اسے کسی جگہ لیجانا چاہتے۔ تو اسے کپڑے میں کپڑوں کی طرح لپیٹ لیتے اور لیجاتے کہتے ہیں کہ اس کا منہ اس کے سینہ میں تھا، اس کے سر اور گردن نہ تھی یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کی عمر چھ سو سال کے قریب تھی۔ جب اس سے کہانت کی باتیں اور غیبی خبریں کو کہلوائی جاتیں تو اسے اس طرح ہلاتے جس طرح لسی کے مٹکے کو ہلایا جاتا ہے اس کا سانس پھول جاتا اور وہ خبریں بولنے لگتا چنانچہ جب کسریٰ کے ایلچی ''سطیح'' کے پاس آئے تو وہ موت کے سکرات میں مبتلا تھا انہوں نے سلام کیا اور کسریٰ کی تحیت پہنچائی اس سے کوئی جواب نہ سنا گیا۔ چند اشعار پڑھے جن میں کسریٰ کا سوال مضمر تھا اور اس کے حال کا استکشاف تھا سطیح نے جب ان شعروں کو سنا ہنس کر کہنے لگا یہ وقت ہے جبکہ قرآن کی تلاوت ہوگی اور صاحب عصا ظاہر ہوگا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ مبعوث ہوں گے وادی ساوہ جاری ہوگا، اور دریائے ساوی کا خشک ہو کر پانی اتر جائے گا۔ فارس کا آتش کدہ بجھ جائے گا۔ سطیح کی زندگی کا درخت اس دنیا میں نہ رہے گا۔ سطیح اتنی بات کہہ کر گر پڑا اور مر گیا۔

حق تعالیٰ نے یزدجرد کی مملکت کو جو فارس کا آخری بادشاہ تھا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہٗ کے ہاتھ پر فتح کرایا۔ اس کے لشکری مسلمانوں کے مقابل سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد چند مرتبہ اس نے لشکر کو جمع کر کے جنگیں کیں بالآخر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہٗ کی خلافت کے زمانہ میں خراسان کی جانب چلا گیا اور ایک اصبہانی نے اسے ۳۱ھ میں ایک مرد کے قضیہ میں ہلاک کر دیا۔

انہیں نشانیوں میں سے بتوں کا اوندھے منہ گرنا اور ان کا ذلیل وخوار ہونا ہے۔ قریش کا ایک بت تھا۔ وہ ہر سال اسی بت کے نزدیک آتے عید اور جشن مناتے۔ اس کے سامنے اعتکاف کرتے تھے۔ ایک رات انہوں نے دیکھا کہ وہ بت اوندھا پڑا ہوا ہے انہوں نے اسے اٹھا کر اپنی جگہ کھڑا کیا مگر وہ دوبارہ گر پڑا پھر کھڑا کیا سہ بارہ پھر گر پڑا۔ جب انہوں نے اس حال کا مشاہدہ کیا تو وہ بہت غمگین و ملول ہوئے اور اسے اپنی جگہ مضبوط کر کے باندھ دیا اس وقت اس بت کے خول سے یہ آواز سنی وہ کہہ رہا تھا شعر

تَـرَدَّی بِـمَـوْلُـوْدٍ اَضَـاءَ تْ بِـنُـوْرِہٖ   جَـمِـیْـعُ فِجَاجِ الْاَرْضِ بِالشَّرْقِ وَالْغَرْبِ

وَخَـرَّتْ لَـہُ الْاَوْثَـانُ طُـرًّا وَرَعَـدَتْ   قُـلُـوْبُ مُلُوْكِ الْاَرْضِ جَمْعًا مِنَ الرُّعْبِ

یعنی مولود کو چادر اڑھائی جس کے نور کی شعاعوں سے زمین کے مشارق و مغارب کی راہیں روشن ہوگئیں۔ اور اس کی حرارت سے تمام بت گر پڑے، اور اس کے رعب و دبدبہ سے زمین کے بادشاہوں کے دل دہل گئے۔

یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شب ولادت کا ہے۔

ایام رضاعت

وصل: سب سے پہلے جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا وہ ابولہب کی باندی ثویبہ (بضم ثاء و فتح واؤ و سکون یا) تھی۔ جس شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی ثویبہ نے ابولہب کو بشارت پہنچائی کہ تمہارے بھائی حضرت عبداللہ کے گھر فرزند پیدا ہوا ہے ابولہب نے اس مژدہ پر اس کو آزاد کر کے حکم دیا کہ جاؤ دودھ پلاؤ۔ حق تعالیٰ نے اس خوشی و مسرت پر جو ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر ظاہر کی اس کے عذاب میں کمی کر دی اور دوشنبہ کے دن اس پر سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ اس حدیث میں میلاد شریف پڑھوانے والوں کیلئے حجت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی رات میں خوشی و مسرت کا اظہار کریں اور خوب مال و زر خرچ کریں۔ مطلب یہ کہ باوجود یکہ ابولہب کافر تھا اور اس کی مذمت قرآن کریم میں نازل ہو چکی ہے جب اس نے حضور کی میلاد کی خوشی کی اور اس نے اپنی باندی کو دودھ پلانے کی خاطر آزاد کر دیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حق تعالیٰ نے اسے اس کا بدلہ عنایت فرمایا۔

ثویبہ کے اسلام میں اختلاف ہے بعض محدثین انہیں صحابیات میں شمار کرتے ہیں سیر کی کتابوں میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم رضاعت' اُن کا اعزاز و اکرام فرمایا۔ اور مدینہ مطہرہ سے ان کیلئے کپڑے اور انعام بھجواتے ان کی وفات غزوۂ خیبر کے بعد ۸ھ میں ہوئی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے وقت مکہ مکرمہ تشریف لائے تو ان کے رشتہ داروں کے بارے میں دریافت کیا کہ کوئی عزیز و قریب ہے معلوم ہوا کہ کوئی نہیں ہے۔ کذا فی روضۃ الاحباب اور انہیں ثویبہ نے سیّد الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو بھی دودھ پلایا ہے۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے درمیان رضاعی بھائی کی نسبت بھی ثابت ہے۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات دن سیّدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا دودھ نوش فرمایا اور چند دن ثویبہ کا دودھ پیا اس کے بعد حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلانے کی سعادت حاصل کی۔ چونکہ ان کا اپنا نام و نسبت ہی حلم و وقار اور سعادت کے ساتھ متصف تھا اور وہ اس قبیلہ بنی سعد بن بکر سے ہیں جن کی شیریں زبانی' اعتدال آب و ہوا اور فصاحت و بلاغت مشہور و معروف ہے۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں اس لیے کہ میں قریشی ہوں اور میں نے قبیلہ بنی سعد بن بکر کا دودھ پیا ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کے دودھ پلانے کے ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فضائل و کرامات اور معجزات مروی ہیں وہ احاطہ بیان اور گنتی و شمار کی حد سے باہر ہیں ان میں سے مختصر اً حیز تحریر میں لاتا ہوں۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ ابن اسحٰق بن راہویہ، ابویعلی، طبرانی، بیہقی اور ابونعیم سعدیہ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ میں قبیلہ بنی سعد بن بکر کے ساتھ دودھ پلانے کیلئے کسی بچے کو لینے مکہ مکرمہ آئی۔ یہ زمانہ شدید قحط سالی کا تھا آسمان سے زمین پر پانی کا ایک قطرہ تک نہ برسا تھا۔ ہماری ایک مادہ گدھی تھی جو لاغری و کمزوری کی وجہ سے چل نہیں سکتی تھی۔ ایک اونٹنی تھی جو دودھ کا ایک بوند نہ دیتی تھی۔ میرے ساتھ میرا بچہ اور میرے شوہر تھے۔ ہماری تنگی کا یہ عالم تھا کہ رات چین سے گزرتی تھی اور نہ دن آرام سے جب ہمارے قبیلہ کی عورتیں مکہ پہنچیں تو انہوں نے دودھ پلانے کیلئے تمام بچوں کو لے لیا بجز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ کیونکہ جب وہ یہ سنتی تھیں کہ وہ یتیم ہیں

تو ان کے یہاں جاتی ہی نہ تھیں۔کوئی عورت ایسی نہ رہی جس نے کوئی بچہ نہ لے لیا ہو صرف میں ہی باقی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو نہ پاتی تھی۔ میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ خدا کی قسم! بغیر بچہ لیے مکہ مکرمہ سے لوٹنا مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ میں جاتی ہوں اور اسی یتیم بچہ کو لیے لیتی ہوں۔ میں اسی کو دودھ پلاؤں گی۔اس کے بعد میں گئی میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دودھ سے زیادہ سفید اونی کپڑے میں لپٹے ہوئے ہیں اور آپ سے مشک وعنبر کی خوشبوئیں لپٹیں مار رہی ہیں آپ کے نیچے سبز حریر بچھا ہوا ہے اور آپ خراٹے لیتے ہوئے اپنی قفا (گدھی) پر محوخواب ہیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ آپ نیند میں خراٹے لیتے تھے اور کبرسنی میں بھی خراٹوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔اگر شدید آواز نہ ہو تو محمود ہے۔حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ میں نے چاہا کہ آپ کو نیند سے بیدار کردوں مگر میں آپ کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگئی پھر میں آہستہ سے قریب ہو کر اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر اپنا ہاتھ آپ کے سینہ مبارک پر رکھا تو آپ نے تبسم فرما کر اپنی چشم مبارک کھولدی اور میری طرف نظر کرم اٹھائی تو آپ کی چشمان مبارک سے ایک نور نکلا جو آسمان تک پرواز کر گیا۔ میں نے آپ کی دونوں چشمان مبارک کے درمیان بوسہ دیا۔اور اپنی گود میں بٹھالیا تا کہ دودھ پلاؤں میں نے داہنا پستان آپ کے دہن مبارک میں دیا آپ نے دودھ نوش فرمایا پھر میں نے چاہا کہ اپنا پستان دہن مبارک میں دوں تو آپ نے نہ لیا اور نہ پیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آپ کو ابتدائی حالت میں ہی عدالت وانصاف ملحوظ رکھنے کا الہام فرما دیا تھا۔اور آپ جانتے تھے کہ ایک ہی پستان کا دودھ آپ کا ہے کیونکہ حلیمہ کا ایک اپنا لڑکا بھی ہے۔حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال رہا کہ ایک پستان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رضاعی بھائی کیلئے چھوڑ دیا کرتے تھے۔ پھر میں آپ کو لیکر اپنی جگہ آئی اور اپنے شوہر کو دکھایا۔وہ بھی آپ کے جمال مبارک پر عاشق ہوگئے اور سجدۂ شکر ادا کیا۔وہ اپنی اونٹنی کے پاس گئے دیکھا تو اس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے باوجودیکہ اس سے پہلے اس کے تھن میں دودھ کا ایک قطرہ نہ تھا۔انہوں نے اسے دوہا جسے انہوں نے بھی پیا اور میں نے بھی پیا اور ہم خوب سیر ہوگئے۔اور خیر و برکت کے ساتھ اس رات چین کی نیند سوئے۔ چونکہ اس سے پہلے بھوک و پریشانی میں نیند نہیں آتی تھی۔ میرے شوہر نے کہا اے حلیمہ! بشارت وخوشی ہو کہ تم نے اس ذات مبارک کو لے لیا تم نہیں دیکھتیں کہ ہمیں کتنی خیر و برکت حاصل ہوئی ہے کہ سب اسی ذاتِ مبارک کے تحت ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ ہمیشہ اور زیادہ خیر و برکت رہے گی۔حلیمہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد چند راتیں ہم مکہ مکرمہ میں ٹھیرے رہے ایک رات میں نے دیکھا کہ ایک نور آپ کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہے۔اور ایک شخص سبز کپڑے پہنے آپ کے سرہانے کھڑا ہے۔پھر میں نے اپنے شوہر کو جگا کر کہا اٹھئے اور دیکھئے۔شوہر نے کہا اے حلیمہ! خاموش رہو اور اپنی اس حالت کو چھپا کے رکھو۔کیوں کہ (مجھے معلوم ہوا ہے کہ) جس دن سے یہ فرزند پیدا ہوا ہے یہود کے علماء واحبار نے کھانا پینا چھوڑ رکھا ہے انہیں چین وقرار نہیں ہے۔حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد لوگوں نے ایک دوسرے کو رخصت کیا اور مجھے بھی سیّدہ آمنہ نے رخصت کیا۔میں اپنے درازگوش (یعنی مادہ گدھی) پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گود میں لے کر سوار ہوئی۔میرا درازگوش خوب چست و چالاک ہو گیا اور اپنی گردن اوپر تان کر چلنے لگا۔جب ہم کعبہ کے سامنے پہنچے تو تین سجدے کیے اور اپنے سر کو آسمان کی جانب اٹھایا اور چلایا۔پھر قبیلہ کے جانوروں کے آگے آگے دوڑنے لگا۔لوگ اس کی تیز رفتاری پر تعجب کرنے لگے۔عورتوں نے مجھ سے کہا اے بنت ذویب! کیا یہ وہی جانور ہے جس پر سوار ہو کر ہمارے ساتھ آئی تھیں جو تمہارے بوجھ کو اٹھا نہیں سکتا تھا اور سیدھا ہل تک نہ سکتا تھا؟ میں نے جواب دیا خدا کی قسم! یہ وہی جانور ہے اور یہ وہی درازگوش ہے لیکن حق تعالیٰ نے اس فرزند کی برکت سے اسے قوی وطاقتور کر دیا ہے اس پر انہوں نے کہا خدا کی قسم! اس کی بڑی شان ہے۔حلیمہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے درازگوش کو جواب دیتے سنا کہ"ہاں! خدا کی قسم میری بڑی شان ہے۔میں مردہ تھا مجھے زندگی عطا فرمائی، میں لاغر و کمزور تھا

مجھے قوت وتوانائی بخشی۔اے بنی سعد کی عورتو! تم پر تعجب ہے اور تم غفلت میں ہو اور تم نہیں جانتیں کہ میری پشت پر کون ہے۔میری پشت پر سیّد المرسلین، خیرالاولین والآخرین اور حبیب رب العٰلمین ہے۔'' حلیمہ سعد یہ فرماتی ہیں کہ راستہ میں داءیں بائیں میں سنتی کہ کہتے اے حلیمہ! تم تونگر ہو گئیں اور بنی سعد کی عورتوں میں تم بزرگ ترین ہو گئیں اور بکریوں کے جس ریوڑ پر میں گزرتی بکریاں سامنے آ کر کہتیں، اے حلیمہ! تم جانتی ہو کہ تمہارا دودھ پینے والا کون ہے؟ یہ محمد آسمان وزمین کے رب کے رسول اور تمام بنی آدم سے افضل ہیں۔'' ہم جس منزل پر قیام کرتے حق تعالیٰ اس منزل کو سرسبز وشاداب فرمادیتا باوجودیکہ وہ قحط سالی کا زمانہ تھا۔اور جب ہم بنی سعد کی بستی میں پہنچ گئے تو کوئی خطہ اس سے زیادہ خشک اور ویران نہ تھا۔میری بکریاں چراگاہ میں جاتیں تو شام کو خوب شکم سیر، تروتازہ اور دودھ سے بھری ہوئی لوٹتیں۔تو ہم ان کا دودھ دوہتے اور ہم سب خوب سیر ہو کر پیتے اور دوسروں کو پلاتے۔ہماری قوم کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے کہ تم اپنی بکریوں کو ان چراگاہوں میں کیوں نہیں چراتے جس چراگاہ میں بنت ابی ذویب کی بکریاں چرتی ہیں۔حالانکہ وہ اتنا نہیں جانتے کہ ہمارے گھر میں یہ خیر و برکت کہاں سے آئی ہے۔یہ برکت ونشاط غیبی چراگاہ اور کسی اور چارہ سے تھی اس کے بعد ہماری قوم کے چرواہوں نے ہمارے چرواہوں کے ساتھ بکریاں چرانی شروع کر دیں۔یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے ان کے اموال اور ان کی بکریوں میں بھی خیر و برکت پیدا کر دی۔اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تمام قبیلہ میں خیر و برکت پھیل گئی۔میں جانتی ہوں کہ یہ سب حضور کے وجود گرامی کی برکت سے ہے۔حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 'بات کرنے کی آئی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنتی اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا اور رات کے وقت آپ کے دل مبارک کو یہ فرماتے سنتی: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قُدُّوْسًا نَامَتِ الْعُیُوْنُ وَالرَّحْمٰنُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ۔اور حضور کو مہد میں یعنی پنگھوڑے میں چاند سے باتیں کرتے اور اشارہ کرتے دیکھتی اور جس طرف چاند کو اشارہ فرماتے۔چاند اسی جانب جھک جاتا اور فرشتے آپ کے گہوارے یعنی پنگھوڑے کو ہلاتے، یہ آپ کے معجزات میں مذکور ہے۔حلیمہ سعد یہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کپڑوں میں بول و براز نہیں کیا۔آپ کے بول و براز کا ایک وقت مقرر تھا جب بھی میں ارادہ کرتی کہ آپ کے دہن مبارک کو دودھ وغیرہ سے پاک وصاف کروں تو غیب سے مجھ پر سبقت ہوتی اور آپ کا دہن مبارک پاک وصاف ہو جاتا۔اور جب کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر کھلجاتا تو آپ حرکت کرتے اور فریاد کرتے یہاں تک کہ میں ستر ڈھانپ دیتی اور اگر ڈھانپنے میں میری طرف سے تاخیر یا کوتاہی، ہوتی تو غیب سے ڈھانپ دیا جاتا۔

جب چلنے کا زمانہ آیا اور آپ بچوں کو کھیلتا دیکھتے تو آپ ان سے دور رہتے اور انہیں اس سے منع فرماتے اور کہتے ہمیں کھیلنے کیلئے پیدا نہیں فرمایا گیا ہے۔اسی کے مانند حضرت یحییٰ علیہ السلام سے بھی نقل کیا گیا ہے۔شروع کتاب میں اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔حلیمہ سعد یہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نشوونما دوسرے بچوں سے نرالی تھی۔ایک دن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نشوونما اتنی ہوتی جتنی دوسرے بچوں کی ایک ماہ میں ہوتی اور ایک ماہ میں اتنی ہوتی جتنی دوسرے بچوں کی ایک سال میں ہوتی۔اور روزانہ ایک نور: آفتاب کی مانند آپ پر اترتا اور آپ کو ڈھانپ لیتا پھر آپ متجلی ہو جاتے۔منقول ہے کہ روزانہ دو سفید مرغ، اور ایک روایت میں ہے کہ دو مرد سفید پوش آپ کے گریبان میں داخل ہو کر روپوش ہو جاتے تھے۔آپ نہ روتے چلاتے اور نہ بدخلقی کا اظہار فرماتے۔شروع سے ہی آپ کا یہی حال تھا۔اور جب کسی چیز پر آپ دست مبارک رکھتے تو بِسْمِ اللّٰہِ کہتے۔اور میں آپ کی ہیبت اور دبدبہ سے اپنے شوہر کو اپنے قریب نہ آنے دیتی۔یہاں تک کہ آپ پر دو سال پورے گزر گئے۔فرماتی ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی دور جانے نہ دیتی۔ایک روز مجھ سے غفلت ہوئی۔آپ اپنی رضاعی بہن شیما کے ساتھ جو آپ کے ساتھ خاص طور پر رہتی تھی چلے گئے یہ دن

گرمی کا تھا۔تو میں آپ کی تلاش میں چلدی اور میں نے آپ کو شیما کے ساتھ پایا۔ میں نے شیما سے کہا کہ کیوں گرمی اور لو میں لے کر آ گئی۔شیما نے کہا ہم نے تو گرمی کی شدت محسوس نہیں کی کیونکہ میں نے دیکھا کہ ابر کا ٹکڑا آپ پر سایہ کیے رہا جہاں تشریف لے جاتے ابر ساتھ جاتا۔ یہاں تک کہ ہم یہاں پہنچ گئے۔ (الحدیث) اس سے معلوم ہوا کہ آپ پر ابر کا سایہ کرنا بچپن ہی سے تھا' لیکن علماء کہتے ہیں کہ یہ دائمی طور پر نہ تھا کہ ہمیشہ آپ کے سر مبارک پر ابر سایہ کرتا۔اور یہ صورت ضرورت واحتیاج کے وقت ہوتی۔

سینہ مبارک کے چاک کرنے اور قلب اطہر کو غسل دینے کا قضیہ بھی دایہ حلیمہ سعدیہ کے یہاں پیش آیا یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیمہ سعدیہ سے فرمایا اے مادر! مجھے اپنے بھائیوں کے ساتھ جب وہ بکریاں چرانے جاتے ہیں کیوں نہیں بھیجتیں تا کہ میں سیر کروں اور تمہاری بکریوں کو چراؤں؟ چنانچہ حلیمہ سعدیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں کنگھی کی اور آنکھوں میں سرمہ لگایا، کپڑے بدلے اور بدنظری سے بچنے کیلئے آپ کی گردن میں یمنی تختی باندھی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے توڑ کر پھینک دیا اور فرمایا میرا رب میرا محافظ ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ باہر تشریف لے گئے اور بکریاں چرانے میں مشغول ہو گئے۔ جب آدھا دن گزرا تو ضمرہ حلیمہ کا لڑکا ابا جان' اماں جان پکارتا بھاگتا ہوا آیا۔اور کہنے لگا۔محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے ساتھ کھڑے تھے اچانک ایک شخص نمودار ہوا اور اُن کے قریب آ کر انہیں ہمارے درمیان سے پہاڑ پر لے گیا اور لٹا کر ان کا شکم مبارک چاک کیا۔آگے ہم نہیں جانتے کہ ان کا حال کیا ہوا۔اس پر حلیمہ اور ان کے شوہر دوڑتے ہوئے گئے جب آپ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ آپ پہاڑ پر بیٹھے ہوئے آسمان کی جانب دیکھ رہے ہیں۔جب آپ نے ہمیں دیکھا تو تبسم فرمایا۔یہ قصہ احادیث کی کتابوں میں مختلف توعبتوں اور مختلف عبارتوں سے آیا ہے۔

ابو یعلیٰ' ابونعیم اور ابن عساکر' شداد رضی اللہ عنہ بن اوس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک روز میں بنی لیث بن بکر میں اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ وادی میں تھا کہ یکا یک میری نظر تین شخصوں پر پڑی ان میں سے ایک کے ہاتھ میں سونے کا طشت تھا جو برف سے بھرا ہوا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ ایک ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ تھا۔اور دوسرے ہاتھ میں سبز زمرد کی لگن تھی جو برف سے لبریز تھا پھر مجھے اپنے ساتھیوں کے درمیان سے پکڑا میرے سب ساتھی اپنے محلے کی جانب بھاگ گئے۔ اس کے بعد ان تینوں میں سے ایک نے مجھے زمین پر نرمی سے لٹایا اور ایک نے میرے سینہ کو جوڑوں کے پاس سے ناف تک چیرا اور مجھے کسی قسم کا درد وغیرہ محسوس نہ ہوا۔اس کے بعد پیٹ کی رگوں کو نکالا اور اس برف سے اسے خوب غسل دیا، پھر اسے اپنی جگہ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔دوسرے شخص نے اس سے کہا اب تم ہٹ جاؤ اس کے بعد اس نے اپنے ہاتھ کو میرے جوف میں ڈال کر میرا دل نکالا۔میں اسے دیکھ رہا ہوں پھر اسے چیرا اور اس سے سیاہ لوتھڑا نکالا۔اور ایک روایت میں ہے کہ سیاہ نکتہ کو نکالا اور اسے پھینک دیا اس نے کہا یہ شیطان کا حصہ ہے' پھر اسے اس چیز سے بھرا جو ان کے پاس تھی۔ایک روایت میں اسے شکبہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔اس کے بعد اپنے داہنے اور بائیں کچھ اشارہ کیا گویا وہ کسی چیز کو مانگ رہا ہے۔تو انہوں نے ایک انگشتری نور کی دی جس کی نورانیت سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں اس کے بعد میرے دل پر مہر لگائی۔اور میرا دل نور سے لبریز ہو گیا' اور وہ نور نبوت وحکمت کا تھا پھر دل کو اپنی جگہ رکھ دیا تو میں اس مہر کی سردی و خوشی عرصہ دراز تک محسوس کرتا رہا۔اسی طرح کے مواہب کے الفاظ ہیں کہ کہا فَوَجَدْتُ بَرْدَ ذٰلِكَ الْخَاتِمِ فِيْ صَدْرِيْ تو میں نے اس مہر کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں پائی۔اور روضۃ الاحباب کی عبارت میں اس طرح کہا گیا ہے کہ اس کی ٹھنڈک اور خوشی اب بھی اپنے جوڑوں اور رگوں میں پاتا ہوں۔اس سے معلوم ہوتا ہے ٹھنڈک کا پایا جانا تمام عمر مبارک تک رہا (واللہ اعلم) ایک روایت میں ہے کہ

جب میرے احشاء کو پانی سے غسل دینے لگے تو دوسرے نے کہا کہ اولے کے پانی سے غسل دو۔ تو پانی اور اولے دونوں سے غسل دیا۔ یہ روایت اس دعائے ماثورہ کے مناسب حال ہے جو آپ کیا کرتے تھے کہ اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرْدِ ایک روایت میں بِالْمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرْدِ ہے۔ مقصود شمول انواع طہارت ہے اس کے بعد دوسرے نے کہا اٹھو تم اپنا کام کر چکے۔ پھر انہوں نے سینہ کے جوڑ سے ناف تک ہاتھ پھیرا اور وہ شگاف مل گیا۔ اس کے بعد مجھے آہستگی سے اٹھایا اور مجھے اپنے سینہ سے لگایا اور میری دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ اور کہنے لگے اے خدا کے حبیب کچھ نہ پوچھو اگر آپ جانتے کہ آپ کیلئے کیا کچھ خیر وخوبی ہے تو آپ کی آنکھیں روشن ہو جاتیں اور آپ خوش ہوتے۔ اس کے بعد وہ مجھے وہیں چھوڑ کر آسمان کی جانب پرواز کر گئے۔ اور میں ان کو دیکھتا رہا۔ حلیہ شریف کے بیان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ وشکم مبارک پر اس جوڑ کے نقش ونشان کو سیدھی لکیر کی مانند دیکھا کرتے تھے۔

علماء فرماتے ہیں کہ غسل قلب' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام نبیوں کیلئے عام ہے۔ ان میں جو شیطان کا حصہ ہوتا تھا دور کر دیا جاتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر بچپن کے زمانہ کے ساتھ جبکہ آپ دائی حلیمہ سعدیہ کے یہاں تشریف فرما تھے مخصوص نہیں ہے بلکہ متعدد مرتبہ شق صدر واقع ہوا ہے۔ ایک اس وقت میں جبکہ آپ چھ سال کے تھے اور روایت میں دسویں سال بھی آیا ہے۔ اور احادیث صحیحہ میں ثبوت کے ساتھ منقول ہے کہ شب معراج میں بھی واقع ہوا' اور بعض علماء نے خاص اسی ضمن میں تمام مرتبوں کو جمع کر کے رسالے لکھے ہیں اور ہم نے بھی مشکوٰۃ کی شرح میں اور اس کتاب کے شروع میں ذکر کیا ہے۔

حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ جب شق صدر کا قضیہ پیش آیا تو میرے شوہر اور دوسرے لوگوں نے بھی مشورہ دیا کہ اس سے پہلے کہ آپ کو کوئی گزند پہنچے بہتر یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی والدہ ماجدہ اور ان کے جدِ امجد کے سپرد کر دینا چاہیے۔ حلیمہ سعدیہ بیان کرتی ہیں کہ اس کے بعد ہم حضور کو لے کر مکہ مکرمہ کی طرف چل دیئے۔ جب ہم مکہ کے قرب وجوار میں پہنچے تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جگہ بٹھا کر قضائے حاجت کیلئے چلی گئی جب واپس آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ موجود نہ پایا۔ بہت تلاش وجستجو کی مگر کوئی نام ونشان نہ پایا۔ ناامید ہو کر سر پر ہاتھ مار کر وَامُحَمَّدَاهُ وَ وَلَدَاهُ کہہ کر پکارنے لگی۔ اتنے میں ایک بوڑھا شخص لاٹھی ٹیکتا میرے پاس آیا اس نے مجھ سے کہا اے سعدیہ! کیا بات ہے کیوں نالہ وشیون کر رہی ہو؟ میں نے کہا کہ میں نے محمد بن عبدالمطلب کو ایک مدت تک دودھ پلایا ہے۔ اب میں انہیں لے کر ان کی والدہ اور دادا کے سپرد کرنے آئی تھی۔ لیکن وہ مجھ سے گم ہو گیا ہے۔ بوڑھے نے کہا روؤ نہیں اور غم نہ کھاؤ، میں تمہیں اس کی رہنمائی کرتا ہوں جہاں وہ ہوں گے۔ اگر اس نے چاہا تو ممکن ہے کہ تمہیں ان تک پہنچا دے۔ میں نے کہا میری جان تم پر قربان! بتاؤ وہ کون ہے؟ بوڑھے نے کہا وہ بڑا بت ہے جس کا نام ہُبَل ہے وہ بڑا مرتبہ والا ہے وہ جانتا ہے کہ تمہارا فرزند کہاں ہے۔ میں نے کہا خرابی ہو تیری! کیا تو نہیں جانتا اور تو نے نہیں سنا کہ اس فرزند کی ولادت کی رات میں بتوں پر کیا گزری تھی۔ وہ سب ٹوٹ کر اوندھے گر پڑے تھے۔ بوڑھا زبردستی مجھے ہُبَل کے پاس لے گیا اور اس کا چکر لگوایا اور میرا مقصد اس نے بت کے سامنے بیان کیا تو ہُبَل سر کے بل گر پڑا' اور دوسرے تمام بت اوندھے ہو کر گر پڑے۔ ان کے خول سے یہ آواز آئی۔ اے بوڑھے! ہمارے سامنے سے دور ہو اور اس فرزند جلیل کا ہمارے سامنے نام نہ لے۔ کیونکہ اس ذات مبارک کے ہاتھ سے ہماری ہلاکت' تمام بتوں کی تباہی اور تمام پجاریوں کی بربادی ہوگی اس کا رب انہیں ہرگز ضائع نہ کرے گا اور وہ ہر حال میں اس کا محافظ ہے۔

حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں عبدالمطلب کے پاس آئی۔ جب ان کی نظر مجھ پر پڑی فرمایا کیا بات ہے میں تمہیں فکر

مند اور پریشان دیکھ رہا ہوں۔ اور ہمارا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے ساتھ نہیں ہے؟ میں نے کہا اے ابوالحارث میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خوب اچھی طرح لا رہی تھی جب میں مکہ میں داخل ہوئی تو میں انہیں بٹھا کر قضائے حاجت کیلئے چلی گئی واپسی پر وہ غائب ملے۔ ان کی جستجو و تلاش میں بہت زیادہ سرگرداں رہی مگر کوئی خبر نہ پاسکی۔ یہ سن کر حضرت عبدالمطلب کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور قریش کو آواز دی کہ اے آلِ غالب میرے پاس آؤ۔ جب تمام قریش جمع ہو گئے تو قریش نے کہا اے سردار! آپ کو کیا معاملہ درپیش ہے؟ فرمایا میرا فرزند محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد عبدالمطلب اور تمام قریش سوار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے اور مکہ کی اعلیٰ و اسفل، ہر جگہ میں تلاش کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ ملے۔ اس کے بعد حضرت عبدالمطلب مسجد حرام میں آئے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اور بارگاہ الٰہی میں مناجات کی۔ یہاں آپ نے ہاتف غیبی کی آواز سنی کہ اے لوگو غم نہ کھاؤ کیونکہ محمد کا خدا محافظ ہے وہ آپ اپنی حفاظت سے کبھی دور نہ فرمائے گا۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا کہ ہاتفِ غیبی مجھے بتاؤ کہ محمد کہاں ہیں؟ اس نے کہا تہامہ کی جانب چل دیئے۔ راہ میں ورقہ بن نوفل ان کے سامنے آئے۔ وہ بھی ان کے ہمراہ ہو لیے۔ یہاں تک کہ جب وادی تہامہ پہنچے تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے درخت کے نیچے تشریف فرما ہیں اور اس کے پتے چن رہے ہیں۔ عبدالمطلب نے پوچھا مَنْ اَنْتَ یَا غُلَامُ اے فرزند تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا۔ میری جان تم پر قربان ہو، میں تمہارا دادا عبدالمطلب ہوں، اس کے بعد انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری پر اپنے آگے بٹھایا اور خوش خوش مکہ مکرمہ لے آئے۔ اور بہت سا سونا اور بے شمار اونٹ صدقہ میں دیئے۔ اور حلیمہ سعدیہ کو قسم قسم کے انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ وہ اپنے قبیلہ کی جانب لوٹ گئیں۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس گمشدگی میں کیا بھید تھا۔ بعض مفسرین آیہ کریمہ "وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی" کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ اور اسی طرح پر حلیمہ سعدیہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لانے سے پہلے شق صدر کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب حلیمہ سعدیہ مکہ مکرمہ میں سیّدہ آمنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آئیں تو اُس خیر و برکت کے پیشِ نظر، جو آپ کے قدم مبارک سے پہنچی تھی، ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کچھ عرصہ مزید حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس تشریف فرما رہیں چنانچہ سیّدہ آمنہ سے کہا کہ چونکہ مکہ مکرم میں وبا پھیلی ہوئی ہے اس لیے میں انہیں اپنے قبیلہ میں واپس لیے جاتی ہوں۔ سیّدہ آمنہ اس پر راضی ہو گئیں۔ حلیمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ قبیلہ بنی سعد لے گئیں اس مرتبہ دو یا تین سال یہاں رہے اور اسی دوران شقِ صدر کا واقعہ ہوا۔

حلیمہ سعدیہ کے بعد ام ایمن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و پرورش کے فرائض انجام دیئے یہ ام ایمن رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی باندی تھیں اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عبداللہ کی میراث میں حاصل ہوئی تھیں۔ مواہب لدنیہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کا حضانت کے فرائض انجام دینا سیّدہ آمنہ کی رحلت کے بعد تھا۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوک و پیاس کی شکایت کرتے نہ دیکھا۔ جب صبح ہوتی تو ایک پیالہ زمزم کا نوش فرماتے اور شام تک کچھ طلب نہ فرماتے۔ اکثر ایسا ہوا کہ دوپہر کے وقت کھانے کیلئے عرض کیا جاتا تو فرماتے مجھے کھانے کی رغبت نہیں ہے۔

باب دوم

کفالت اور انتقال عبدالمطلب اور ابوطالب کی اعانت اور اُن کے ساتھ سفر کرنا

اس باب میں حضرت عبدالمطلب کی کفالت، ان کے انتقال، ابوطالب کی امداد و اعانت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے ساتھ شام کی جانب سفر کرنا اور بحیرہ راہب کا آپ کی نبوت کی علامتوں کے پہچاننے اور اُم المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمانے اور تعمیر خانہ کعبہ کا ذکر و بیان ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چار، پانچ، چھ یا سات سال کے ہوئے اور ایک روایت میں بارہ سال کہا گیا ہے مگر اصح چھ یا سات سال ہے سیّدہ آمنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ اپنے والد سے ملنے قبیلہ بنی نجار مدینہ منورہ تشریف لے گئیں اور وہاں ایک مہینہ گزار کر مکہ مکرمہ کو واپس ہونے لگیں۔ تو دورانِ سفر مقام ''ابواء'' میں انتقال فرمایا اور اسی جگہ دفن کی گئیں۔ ''ابواء'' مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ سیّدہ آمنہ کی قبر انور مکہ مکرمہ کے مقام حجون میں جانب معلا یعنی بلندی میں ہے بعض کہتے ہیں کہ ممکن ہے ابواء میں مدفون ہونے کے بعد انہیں مکہ مکرمہ منتقل کیا گیا ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو یاد کرتے تھے جو آپ نے والدہ ماجدہ سیّدہ آمنہ کے قیام کے دوران مدینہ میں دیکھی تھیں اور جب اس مکان کو ملاحظہ فرماتے جس میں سیّدہ آمنہ نے اقامت فرمائی تھی۔ تو فرماتے اس مکان میں میری والدہ ماجدہ نے قیام کیا تھا۔ آنے جانے والے یہودی میری طرف دیکھ کر کہا کرتے کہ یہ اس امت کا نبی ہے اور یہ شہر مدینہ ان کا مقام ہجرت ہے۔ مجھے یہ سب باتیں یاد ہیں۔ ابونعیم زہری کی سند سے اسماء بنت جرہم سے روایت کرتے ہیں کہ اسماء بیان کرتی ہیں۔ میں اس وقت حضرت آمنہ کے پاس موجود تھی جس مرض میں انہوں نے وفات پائی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سال کے بچے تھے اور اپنی والدہ کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و کفالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب نے کی۔ حضرت عبدالمطلب آپ کو اپنے تمام فرزندوں سے زیادہ محبوب جانتے تھے اور کبھی آپ کے بغیر دستر خوان نہ بچھاتے۔ جلوت و خلوت کے تمام اوقات میں حضرت عبدالمطلب کے پاس ان کی مسند پر تشریف فرما رہتے تھے اور جب کوئی حضرت عبدالمطلب کا مخصوص ہمنشیں، مجلسی آداب و قواعد کی رعایت سے چاہتا کہ آپ کو منع کرے تو حضرت عبدالمطلب فرماتے میرے فرزند کو چھوڑ دو کہ وہ اس مسند پر جلوہ فرما ہو کیونکہ وہ اپنے اندر خاص شرافت و بزرگی محسوس فرماتے ہیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ کوئی عرب ان کے سامنے یا ان کے مرتبہ و مقام اور بزرگی و شرافت تک نہ پہنچے گا۔ اہل قیافہ حضرت عبدالمطلب سے کہتے کہ اس فرزند کی خوب نگہداشت اور محافظت کرو کیونکہ ہم نے آپ جیسے قدم مبارک کسی کے نہیں دیکھے۔ آپ کے قدم مبارک میں وہ اثرات و نشانات ہیں جو مقام ابراہیم میں ہیں جس سال حضرت عبدالمطلب قریش کے سرداروں کے ساتھ سیف ذی یزن کی تہنیت

کیلئے یمن کی جانب تشریف لے گئے۔ تو اس نے حضرت عبدالمطلب کو بشارت دی کہ آپ کی نسل سے نبی آخرالزماں ظاہر ہوں گے۔ اس سفر سے لوٹنے کے بعد حضرت عبدالمطلب نے دیکھا کہ قریش میں شدید قحط پڑا ہوا ہے۔ یہ قحط مسلسل کئی سال تک رہا اس وقت حضرت عبدالمطلب نے غیبی اشارات کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دعائے استسقاء کی۔ حضور کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر بارش کی دعا مانگی۔ پھر خوب زور کی بارش ہوئی جس سے کئی سالوں کی خشکی ناپید ہوگئی۔ وفات کے وقت حضرت عبدالمطلب کی عمر ایک سو دس سال تھی۔ ایک روایت میں ایک سو بیس سال اور ایک روایت میں ایک سو چالیس تھی۔ عبدالمطلب کے بعد حضرت ابوطالب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ حضور کے عہدہ کفالت میں لائے گئے اگر چہ زبیر بن عبدالمطلب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے لیکن حضرت عبداللہ اور حضرت ابوطالب کے درمیان محبت وارتباط بہت زیادہ تھی۔ حضرت عبدالمطلب انہیں وصیت فرما گئے تھے کہ حضور کی محافظت خوب اچھی طرح کرنا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک آٹھ سال کی تھی۔ نو دس اور چھ سال بھی کہا گیا ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا اختیار دیا گیا تھا کہ آپ اپنے چچاؤں میں سے کس کی کفالت میں جانا پسند فرماتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کی کفالت پسند فرمائی تھی۔ حضرت ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت ومحافظت' ظہور نبوت سے پہلے اور اس کے بعد خوب اچھی طرح انجام دی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کھانا تک نہ کھاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک اپنے داہنے پہلو میں بچھاتے' گھر کے اندر اور باہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہمراہ رکھتے۔ ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثناء میں بہت سے اشعار کہے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:

وَشَــقَّ لَـهُ مِـنْ اِسْـمِـهٖ لِيُـجِـلَّـهُ　　فَذُو االْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس شعر کی اس طرح تضمین کی ہے:

اَلَـمْ تَـرَ اَنَّ الـلّٰـهَ اَرْسَـلَ عَبْدَهٗ　　بِـاٰيَـاتِـهٖ وَالـلّٰـهُ اَعْلٰى وَ اَمْجَدَ
وَشَــقَّ لَـهُ مِـنْ اِسْـمِـهٖ لِيُـجِـلَّـهُ　　فَذُوا الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

روضۃ الاحباب میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ابوطالب کے عہد کفالت میں بھی مکہ مکرمہ میں قحط پڑا تھا۔ چنانچہ ابن عساکر عروط سے روایت کرتے ہیں کہ میں قحط کے زمانہ میں مکہ مکرمہ آیا تو لوگ مجتمع ہو کر استسقاء کیلئے ابوطالب کے پاس آئے۔ ان قریشیوں میں بچے بھی تھے ان میں ایک فرزند آفتاب تاباں کی مانند نکلا جس کے چہرہ انور پہ ابر کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ ابوطالب نے اس فرزند جلیل کو پکڑ کر خانہ کعبہ کے ساتھ اس کی پشت ملا دی اور اس فرزند جلیل نے آسمان کی جانب انگشت مبارک سے اشارہ کیا حالانکہ اس سے پہلے آسمان پر بدلی کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا۔ اس کے بعد بادل ہر جانب سے گھر کر آ گئے اور اتنا برسے کہ ندی نالے بھر گئے۔ اس وقت ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں یہ قصیدہ کہا:

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْـقٰى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ　　شَـمَائِلُ الْلْيَتَامٰى وَعِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

یہ شعر اس قصیدے میں ہے جسے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا میں کہا ہے۔ محمد ابن اسحاق اس قصیدہ کو اسی (۸۰) سے زیادہ اشعار پر مشتمل بتاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ انہوں اس قصیدے کو اس وقت لکھا جبکہ قریش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مجتمع ہوئے تھے اور جو آپ پر اسلام لانے کا ارادہ کرتا وہ اس سے تنفر کرتے تھے۔ انہوں نے اس قصیدے میں کفار کی مذمت کی ہے اور قریش کے انکار اور ان کی عداوت پر ملامت کی ہے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ویقین اور قبول کی طرف ترغیب دی ہے۔ ابن القین کہتے ہیں کہ ان کا یہ قصیدہ اس کی دلیل ہے کہ ابوطالب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بعثت سے پہلے ہی سے بحیرہ

راہب وغیرہ جس کا نام جرجیس تھا کے خبر دینے کی بنا پر خوب جانتے تھے۔ شیخ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابوطالب نے اس قصیدے کو بعثت کے بعد لکھا ہے۔ ابوطالب کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی معرفت بہت سی حدیثوں میں آیا ہے اور اسی بنا پر شیعہ ان کے اسلام پر استدلال کرتے ہیں۔ شیخ موصوف نے فرمایا کہ میں نے علی بن حمزہ نصری کی وہ کتاب دیکھی ہے جس میں انہوں نے ابوطالب کے اشعار جمع کر کے دعویٰ کیا ہے کہ وہ مسلمان تھے اور اسلام پر ہی وہ اس جہان سے گئے اور حشویہ گمان کرتے ہیں کہ ان کی وفات کفر پر ہوئی ہے اور وہ اس پر استدلال کرتے ہیں کہ کوئی چیز ان کی جانب سے اسلام پر ثابت نہیں ہے۔ انتہی محدثین نقل کرتے ہیں کہ ابوطالب کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے اور دعوتِ اسلام کے قبول نہ کرنے پر دلیل موجود ہے۔ وہ نقل کرتے ہیں کہ ابوطالب کی وفات کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سرہانے تشریف فرما ہو کر دعوتِ اسلام دی مگر ان کی جانب سے قبولیت واقع نہ ہوئی۔ نیز یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا سر جھکا کر سنا کہ وہ کلمہ شہادت پڑھ رہے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ آپ کے چچا اسلام لے آئے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کا اظہار فرمایا۔ (واللہ اعلم)

بارہویں سال حضور نے ملک شام کی جانب سفر فرمایا اور بصرے پہنچے۔ اس سفر میں بحیرا راہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نبی آخرالزماں کی ان علامتوں اور صفتوں کو دیکھا اور پہچانا جو توریت' انجیل اور دیگر آسمانی کتابوں میں اس نے پڑھی تھیں۔ بحیرا راہب نصاریٰ کے احبار میں سے ہے۔ زہد وورع کی صفت میں ممتاز تھا۔ بصرہ کے قریب ایک دیہات میں ایک صومعہ تھا جس میں وہ نبی آخرالزماں کے دیدار کے انتظار میں عرصہ دراز سے ٹھہرا ہوا تھا اور عمر گزار رہا تھا۔ کوئی جب قریش کا قافلہ اس راہ سے گزرتا تو وہ صومعہ سے نکل کر قافلہ میں آتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم شدہ نشانیوں کی بنا پر تلاش کرتا۔ جب ان میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پاتا تو واپس صومعہ چلا جاتا۔

ایک مرتبہ جب قریش کا قافلہ آیا تو اس نے دیکھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کئے ہوئے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوطالب کے ساتھ کسی درخت کے نیچے آتے تو بادل درخت کے اوپر آ جاتا۔ بحیرہ اس صورت حال کو حیرت وتعجب سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد بحیرا نے اس قافلہ کو مہمان بننے کی دعوت دی اور قافلہ والوں کو بلایا تو ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام گاہ میں چھوڑ کر چلے گئے۔ جب بحیرا نے ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو کر قیام گاہ پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ بادل کا ٹکڑا اپنی جگہ قائم ہے۔ راہب نے کہا قافلے والو! کیا کوئی تم میں سے ایسا شخص رہ گیا ہے جو یہاں نہیں آیا ہے۔ پھر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بلایا اور وہ بادل کا ٹکڑا ابھی آپ کے ہمراہ آپ کے سر مبارک پر سایہ کئے ہوئے آیا۔ جب یہ قافلہ پہاڑ پر چڑھنے لگا تو بحیرا نے سنا کہ پہاڑ کا ہر شجر وحجر کہہ رہا ہے وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ مبارک پر اس مہر نبوت کو بھی دیکھا اور اس کو اسی طرح پایا جس طرح آسمانی کتابوں میں اس نے پڑھا تھا۔ بحیرا نے اسے بوسہ دیا اور آپ پر ایمان لایا۔ بحیرا ان میں سے ایک ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے اظہار نبوت سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ جیسے حبیب بخار' اصحاب قریہ وغیرہ کے قصے میں ہے۔ ابومندہ اور ابونعیم اسے صحابہ میں شمار کرتے ہیں۔ اس سفر میں سات افراد روم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے نکلے تھے۔ بحیرا نے دلائل واضح سے حضور کی نبوت ان پر ثابت کر دی تھی۔ کہا تھا کہ یہ فرزند وہی ہے جس کی تعریف وتوصیف' توریت وانجیل اور زبور میں آئی ہے۔ یہ بھی کہا کہ خدا جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ منقول ہے کہ بحیرا نے ابوطالب کو وصیت کی کہ یہود ونصاریٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب حفاظت کریں کیونکہ یہ فرزند نبی آخرالزماں ہوگا اور ان کا دین تمام دینوں کا ناسخ ہوگا۔ انہیں شام لے کر نہ جاؤ کیونکہ یہود ان کے دشمن ہیں اس کے بعد ابوطالب اپنا سامان تجارت فروخت کر کے مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ لوگوں کے ساتھ مکہ مکرمہ واپس کر دیا اور خود شام کی جانب چلے گئے۔ یہ قصہ مشہور ہے ترمذی نے اسے حسن کہہ کر اسے صحیح قرار دیا ہے۔ بجز اس کے بعد بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ ''حضور کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و بلال رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ بھیج دیا۔ یہ درست نہیں ہے اس لیے کہ اس سفر میں حضرت ابوبکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس وقت تک خریدا نہ گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دو سال چھوٹے تھے حالانکہ حضور بارہ سال کے تھے۔ شیخ ابن حجر اصابہ میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی سب ثقہ ہیں اور اس میں کوئی منکر نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ہیں۔ جیسا کہ صاحب مواہب لدنیہ نے روایت کی ہے جسے ابن مندہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بہ سند ضعیف روایت کیا ہے کہ سفر شام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی صحبت پائی ہے۔ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھارہ سال کے تھے اور حضور بیس سال کے یہاں تک آپ نے اس منزل میں اقامت فرمائی جہاں بیری کے درخت تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو درخت کے سایہ میں بٹھا کر حضرت ابوبکر ایک راہب کے پاس گئے جس کا نام بحیرا تھا۔ اس سے کچھ دریافت کیا اس کے بعد راہب نے ان سے پوچھا وہ کون شخص ہے جو درخت کے سایہ میں جلوہ افروز ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں۔ راہب نے کہا خدا کی قسم! یہ شخص نبی ہے اس لیے کہ ہماری خبروں میں ہے کہ اس درخت کے نیچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نہ بیٹھے گا۔ بجز محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق گھر کر گئی۔ جب آپ نے اظہار نبوت فرمایا تو آپ نے فی الفور آپ کی پیروی اختیار کی۔ شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اگر یہ قصہ صحیح ہے تو یہ سفر حضرت ابو طالب کے سفر کے علاوہ ہوگا۔

اسی طرح انوار و آثار فضل و کمال اور پاکیزہ و برتر صورتوں اور فرشتوں کا مشاہدہ کرنا آپ کی حالت مبارکہ میں ہمیشہ رہے ہیں۔ ابو طالب آپ کی اس حالت مبارکہ کے مشاہدہ کرنے کی بنا پر آپ کو طبیبوں اور کاہنوں کے پاس لے گئے۔ انہوں نے ان کو بتایا کہ یہ احوال وساوس شیطانی اور امراض جسمانی کی وجہ سے نہیں ہیں یہاں تک کہ حضور پچیسویں سال' حضرت خدیجہ کا مال شرکت ''بطریق مضاربت' لے کر پھر شام کی جانب تجارت کیلئے تشریف لے گئے۔ یہ اس قول کی بنا پر ہے کہ ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا چونکہ میرے پاس اب مال بالکل باقی نہیں رہا ہے اور قریشیوں کا قافلہ بغرض تجارت جانے والا ہے لہٰذا خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد سے جا کر کہو وہ قریش کی مالدار لوگوں میں سے ہیں۔ لوگوں کو مضاربت کے طور پر مال تجارت دیکر بھیجتی ہیں تو اگر آپ ان سے خود اپنے لیے چاہیں گے تو وہ یقیناً مال تجارت آپ کو بھی دیدیں گی۔ ممکن ہے کہ اس طرح کچھ مال نفع میں حاصل ہو جائے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا خود کسی ایسے امین کی متلاشی تھیں جسے وہ اپنا مال تجارت سپرد کریں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو امین نہ پاتی تھیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام قریش اظہار نبوت سے قبل ''محمد امین'' کہا کرتے تھے۔ لہٰذا خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ اگر میرا مال تجارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے جائیں اور حق تعالیٰ اس میں نفع دے تو جتنا آپ مناسب خیال فرمائیں نفع لے لیں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کے مشورہ سے اسے قبول فرمایا۔ اس کے بعد سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا غلام جس کا نام میسرہ تھا اور اپنا ایک مخصوص آدمی جس کا نام خزیمہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیلئے ساتھ کر دیا۔ اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بصرے پہنچے تو وہاں ایک صومعہ یعنی کلیسا تھا جس میں نسطورا راہب رہتا تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسے درخت کے نیچے جلوہ افروز دیکھا جس کے بارے میں خبر تھی کہ اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے کوئی نہ

بیٹھے گا۔ یہ کہ یہ درخت بے برگ و بار اور خشک تھا اس کے تنے بھی بوسیدہ تھے۔ پتے جھڑ چکے تھے حضور کے بیٹھنے کی وجہ سے وہ درخت سرسبز میوہ دار ہو گیا اور اس کے گرد اگرد سرسبزی وشادابی پھیل گئی۔ نسطورا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا میں آپ کو لات وعزیٰ کی قسم دیتا ہوں۔ بتایئے آپ کا نام کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثَـكِلَتْ اُمُّكَ میرے پاس سے دور ہو کیونکہ کسی عرب نے اس سے زیادہ مکروہ و ناگوار اور شدید ترین مجھ سے بات نہیں کی ہے۔ اسی طرح بحیرا نے بھی آپ کو قسم دی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اسے تنبیہہ فرمائی تھی۔ نسطورا کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جسے وہ دیکھتا جاتا اور کہتا جاتا تھا کہ قسم ہے اس خدا کی جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی۔ یہ وہی ہے یعنی یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مال تجارت بصرا میں فروخت کیا اور دوسروں سے دونا نفع حاصل ہوا۔ قافلہ والوں کو بھی آپ کی صحبت کی برکت سے بہت نفع ہوا جس وقت مکہ مکرمہ واپسی ہوئی تو دوپہر کا وقت تھا۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی سہیلیوں کے ساتھ بالا خانہ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ دو مرغ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔ روضۃ الاحباب میں ایسا ہی نقل کیا گیا ہے اور مواہب لدنیہ میں ہے کہ سیّدہ خدیجہ نے دیکھا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر دو فرشتے سایہ کئے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ دونوں فرشتے مرغ کی صورت میں متمثل ہوں گے ورنہ مرغوں کے سایہ کرنے کا کیا موقع؟ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ اور ان کے مخصوص آدمی خزیمہ نے جو راہ میں خوارق وکرامات مشاہدہ کئے وہ بھی کسی حد تک سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے عظیم میلان اور شرح صدر پیدا ہونے کیلئے بہت ہوں گے کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرنے کا پیغام بھیجا تھا۔ حالانکہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا عقل وفراست میں کامل اور قریش کی عورتوں میں اشرف وانسب تھیں۔ ان میں بہت زیادہ مالدار تھیں اور بکثرت قریشی اس بات کے حریص تھے کہ وہ ان کے ساتھ نکاح کر لیں اور پیغام بھی بھیجے تھے۔ مگر سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کسی کو قبول نہ فرمایا تھا پھر سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خفیہ طور پر ایک عورت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ معلوم کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کی طرف مائل ہیں یا نہیں اور یہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کی ترغیب دلاتی رہی۔ اس نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا چیز آپ کو نکاح سے مانع ہے؟ فرمایا میں دنیاوی ساز وسامان نہیں رکھتا۔ اس عورت نے کہا اگر کوئی عورت ایسی پیدا ہو جائے جو صاحب جمال ہو اور مال وافر رکھتی ہو اور حسب ونسب میں سب سے زیادہ اشرف ہو۔ وہ نکاح کے اخراجات وغیرہ کی کفیل ہو تو کیا حضور قبول فرمائیں گے۔ فرمایا ایسی عورت کہاں پیدا ہوتی ہے اس عورت نے کہا خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد آپ کو بہت چاہتی ہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں تو اسے شوق دلاؤں اور راضی کروں۔ فرمایا کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کے بعد وہ عورت سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی اس نے کہا مبارک ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ کو چاہتے ہیں۔ اس پر سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت خوش ہوئیں اور اظہار مسرت کیا۔ انہوں نے کسی کو اپنے چچا عمرو بن اسد کے پاس بھیجا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد کے وقت موجود ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابو طالب، حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر چچاؤں کے ساتھ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر رؤسا شہر کے ساتھ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان تشریف لے گئے۔ جہاں عقد ونکاح واقع ہوا۔ مواہب لدنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد بوقت نکاح زندہ تھے لیکن روضۃ الاحباب میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس وقت سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد زندہ نہ تھے بلکہ عمرو بن اسد تھے۔ (واللہ اعلم)

خطبہ نکاح سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا

حضرت ابو طالب نے ایک بلیغ خطبہ پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ''حمد وثناء اس خدائے برتر کی جس نے ہمیں حضرت ابراہیم رضی

اللہ عنہ کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی نسل سے گردانا اور ہمیں معد و مضر کی اصل سے پیدا کیا اور اپنے گھر کا محافظ و پیشوا بنایا اور گھر کو ہمارے لیے فراوانی بخشی کہ اطراف و جوانب سے اس کی زیارت کیلئے آئیں۔ ہمیں توفیق مرحمت فرمائی کہ جو اس گھر کی طرف آئے وہ امان میں رہے اور ہمیں لوگوں پر حاکم بنایا اما بعد یعنی حمد الٰہی کے بعد یقیناً میرا یہ بھتیجا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ ایسا جوان ہے کہ کوئی قریشی مرد اس کے ہم پلہ نہیں ہے۔ یہ سب پر بھاری ہیں۔ اگرچہ مال میں یہ کم ہیں لیکن مال ڈھلتی چھاؤں ہے اور یہی ایک بات حائل ہے باوجود اس کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہستی مقدس ہے جسے تم جیسے خویش و اقربا خوب جانتے اور پہچانتے ہیں۔ بلاشبہ آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کی خواستگاری فرماتے ہیں اور میں اپنے مال میں سے ان کا مہر بیس اونٹ قرار دیتا ہوں۔ میں خدا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اس کے بعد ان کی ایک عظیم شان اور بلند مرتبت ہوگی۔

روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب ابوطالب نے خطبہ مکمل کیا تو ورقہ بن نوفل جو کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی تھے۔ انہوں نے بھی خطبہ پڑھا اس کا مضمون یہ ہے کہ ''اس خدائے برتر کی حمد وثناء ہے جس نے ہمیں ایسا بنایا جیسا کہ ابوطالب نے بیان کیا اور ہمیں وہ فضیلت بخشی جس کا انہوں نے ذکر فرمایا۔ اس کے بعد اس بنا پر کہ ہم تمام عربوں میں سب سے بہتر اور ان کے پیشوا ہیں اور تم سب بھی ان تمام فضیلتوں کے اہل اور جامع ہو۔ کوئی گروہ تمہاری فضیلت کا منکر نہیں ہوسکتا اور کوئی ایک شخص بھی تمہارے فخر و شرف کا انکار نہیں کرسکتا۔ بلاشبہ ہم سب کی خواہش ہے کہ تمہارے ساتھ عقد و نکاح کے ذریعہ اتصال و یگانگت ہو۔ تو اے گروہ قریش تم گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کو حضور محمد بن عبداللہ کی زوجیت میں چار سو مثقال عوض مہر پر دیا۔ ابوطالب نے کہا اے ورقہ میں چاہتا ہوں کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن اسد بھی آپ کے ساتھ نکاح میں شریک ہوں۔ اس پر عمرو بن اسد نے بھی کہا اے گروہ قریش گواہ ہو جاؤ کہ میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا دختر خویلد کو محمد بن عبداللہ کی زوجیت میں دیا۔ پھر دونوں جانب سے ایجاب و قبول متحقق ہوا۔ کذافی روضۃ الاحباب' مواہب لدنیہ میں بعض روایتوں سے نقل کیا گیا ہے کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ تھا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہے۔ گویا اس روایت کے بموجب پانچ سو درہم ہوئی۔ ان دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اس زمانہ میں بیس شتر مایہ کی قیمت پانچ سو درہم یا چار سو مثقال طلائی ہوتی ہوگی۔ (واللہ اعلم)

روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باندیوں کو حکم دیا کہ دف بجا کر رقص و مسرت کا اظہار کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اپنے چچا سے فرمائیں کہ ان اونٹوں میں سے ایک کو ذبح کر کے لوگوں کو کھانا کھلائیں۔ اسی روز زفاف واقع ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شادی سے بہت خوش ہوئے اور حق تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت میں شادمان رکھے۔ ابوطالب نے بھی بڑی مسرت کا اظہار کیا اور کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنَّا الْكُرَبَ وَرَفَعَ عَنَّا الْهُمُوْمَ۔ سب خوبیاں اس ذات کیلئے جس نے ہم سے مصیبتیں دور فرمائیں اور ہم سے غموں کو اٹھایا۔

مفسرین اس ارشاد باری تعالیٰ: وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰى کی تفسیر یہی کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال سے باعتبار ظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تونگر کیا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام اغنیاء سے زیادہ غنی ہیں اور دونوں جہان آپ کی نظر ہمت میں مختصر و قلیل ہیں۔

تعمیر خانہ کعبہ

پینتیسویں برس میں قریش نے خانہ کعبہ کے اس شگاف کو بند کرنا چاہا جو بارش کے سیلاب سے پڑ گیا تھا۔ از سر نو اس کی تعمیر کرنی

چاہی۔ روم سے یاقوم نامی ایک شخص آیا ہوا تھا جوفن تعمیر کا ماہر واستاد تھا۔ اس سے کہا کہ اس کی تعمیر کرے۔ تمام قریش پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں میں شامل تھے۔ آپ بھی پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ قریش نے اپنے تہبند اتار کر کندھوں پر ڈال رکھے تھے تا کہ پتھر کے اٹھانے میں حارج نہ ہو۔ زمانہ جاہلیت میں ستر کھولنے کا عام رواج تھا وہ اسے عیب و برا نہ جانتے تھے لیکن عہد اسلام میں یہ مؤکد و مقرر ہوا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہ بند شریف نہ اتارا۔ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے از راہ شفقت آپ کو آمادہ کیا کہ تہ بند کھول دیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تہ بند اتارنے کا ارادہ فرمایا تو اچانک پاؤں کے بل بیہوش ہو کر زمین پر آ رہے۔ جب ہوش آیا تو آپ نے تہ بند تہ بند پکارا۔ اس وقت غیب سے ندا آئی کہ خَمِّرْ عَوْرَتَكَ۔ ستر پوشی کو لازم کرو۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی ندا غیبی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کی گئی۔

حجر اسود کو اپنی جگہ نصب کرتے وقت قریش میں نزاع و اختلاف واقع ہو گیا ہر قبیلہ اس اعزاز کا دعویدار تھا۔ قریب تھا کہ ان میں جنگ اور خونریزی کی نوبت آ جائے مگر ان میں یہ قرار پا گیا کہ جو صبح کے وقت سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہو اسے ثالث بنا لیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہوئے سب نے کہا ''جَاءَ الْاَمِيْنُ'' امین تشریف لائے اور سب آپ کی ثالثی پر راضی ہو گئے۔ حضور نے اپنی چادر مبارک کو بچھایا اور حجر اسود کو اس کے درمیان رکھا۔ فرمایا ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص آئے اور اس کا کنارہ پکڑے جب وہ سب اٹھا کر اس کی جگہ لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو اٹھا کر اپنے دست مبارک سے اس کی جگہ نصب فرما دیا۔

خانہ کعبہ کے چھ ستون رکھے گئے تھے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ خانہ کعبہ کی سب سے پہلی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی لیکن وہ عمارت طوفان نوح میں بہہ گئی۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمائی۔ اس کے بعد عمالقہ نے اس کے بعد قبیلہ جرہم نے بنایا۔ ان کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اور سب سے آخر میں حجاج بن یوسف ثقفی نے حجاج عبدالملک بن مروان کا امیر الامراء تھا۔ اس نے عبدالملک کے حکم سے اس میں تغیر و تبدل کیا اور یہی تعمیر اب تک باقی ہے۔

منقول ہے کہ ہارون رشید نے چاہا کہ مروانیوں کی تعمیر کو منہدم کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک کے مطابق اسے درست کر دے۔ اس سلسلہ میں اس نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ امیر المومنین خانہ کعبہ کو اپنے حال پر چھوڑ دو تا کہ آئندہ یہ بادشاہوں کا کھلونا نہ بن جائے۔ وہ ایک دوسرے کے تعصب میں ردوبدل کر کے اسے خراب و بے حرمت نہ کرتے رہیں۔ اجمالی طور پر اتنی ہی بحث کافی ہی تفصیل تاریخ مکہ میں مذکور ہے۔

تاریخ ازرقی میں مقاتل سے حدیث مرفوع مذکور ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔ کہ اے میرے رب! میں اپنے آپ کو جانتا ہوں اور تیرے اس نور کو دیکھا ہے جس کی عبادت کی جاتی ہے۔ پھر حق تعالیٰ نے بیت المعمور کو زمین پر اتارا جہاں آج خانہ کعبہ ہے۔ وہ یاقوت سرخ کا تھا اس کی لمبائی آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ آدم کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں اس سے پہلے ان کے دل میں جو غم و افسوس تھا اسے حق تعالیٰ نے دور فرما دیا۔ اس کے بعد اس بیت المعمور کو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں اٹھا لیا گیا۔

اولاد آدم کا خانہ کعبہ کی تعمیر کے سلسلہ میں وہب ابن منبہ سے روایت کیا گیا ہے کہ خانہ کعبہ کو پانچ مرتبہ تعمیر کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے حضرت شیث علیہ السلام نے تعمیر کیا۔ اس کو ابن البر نے تمہید میں بیان کیا ہے۔ دوسری مرتبہ حضرت خلیل علیہ السلام نے تعمیر کیا اس کا ذکر قرآن و سنت نبوی میں موجود ہے۔ امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے خانہ کعبہ کی تعمیر حضرت خلیل علیہ السلام نے کی ہے۔ اسی طرح فاکہی نے اپنی سند کے ساتھ اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جزم کیا گیا ہے کہ کسی خبر

میں یہ نہیں آیا ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے گھر سے پہلے یہاں کوئی گھر تھا۔ انہوں نے اسے بنایا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اپنی گردن مبارک پر پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے اس کی پانچ پہاڑوں کوہ حرا' کوہ شبیر' کوہ لبنان' کوہ طور اور کوہ جودی کے پتھروں سے تعمیر فرمائی تھی۔ بعض روایتوں میں کوہ حرا' کوہ قبیس' کوہ قدس' کوہ درقان' کوہ رضوی مذکور ہوا ہے۔ فرشتے ان پتھروں کو مذکورہ پہاڑوں سے لاتے تھے اور پتھروں کے اٹھانے میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مدد کرتے تھے۔ اس کے بعد عمالقہ اور جرہم نے تعمیر کیا۔ عمالقہ اور جرہم کی تقدیم و تاخیر میں اختلاف ہے۔ کیونکہ عمالقہ کی ولایت' جرہم کی ولایت سے مقدم ہے درست یہی ہوگا۔ عمالقہ کی تعمیر مقدم ہے۔ حضرت خلیل کی بنا کے بعد قصی بن کلاب کی تعمیر ہے۔ اس کے بعد قریش کی تعمیر ہے۔ قریش کی بنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کی پینتیسویں سال تھی۔ جیسا کہ گزرا۔ ایک روایت میں پچیسویں سال میں ہے لیکن پہلا قول زیادہ درست ہے۔ سلیمان بن خلیل مکی نے کہا کہ تیسویں سال میں تھی۔ یہ قول غیر معروف ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی کتابت میں پانچ کا لفظ رہ گیا ہے۔ اس کے بعد ۶۴ ہجری میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر ہے۔ انہوں نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث سنی اور حضرت خلیل علیہ السلام کی بنیادوں پر خانہ کعبہ کو تعمیر فرمایا۔ اس کے بعد حجاج بن یوسف ثقفی نے عبدالملک بن مروان کے حکم سے ۶۴ھ میں حضرت ابن زبیر کی تعمیر میں تغیر کر دیا تھا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ عبدالملک بعد میں اس سے پشیمان ہوا جبکہ اسے حارث بن ابی ربیعہ مخزومی نے خبر دی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو سنایا گیا ہے جیسا کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے سنا ہے۔ (واللہ اعلم)

باب سوم

از ابتدائے وحی تا واقعات ہجرت

اس باب میں ابتدائے وحی، ثبوت، ظہور دعوت، کفار کی دشمنی وعداوت، صحابہ کی حبش کی جانب ہجرت، ابوطالب کی وفات، سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وصال، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف کی جانب تشریف لے جانا، اور جنات کی بیعت کرنا وغیرہ مضامین ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو وحی و بشارت کا ظہور ہوا جس سے آفاق عالم منور ہو گیا۔ اس نور وحی کا ظہور، دوشنبہ کے روز آٹھ یا تین ۳ ربیع الاول کو ۴۱ ہجری عام الفیل میں (بقول صحیح) ہوا۔ ایک جماعت آیہ کریمہ "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ" (رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔) اور ارشاد باری تعالیٰ انا انزلناہ فی لیلتہ القدر (ہم نے قرآن کو لیلتہ القدر میں نازل فرمایا) سے خیال کرتی ہے کہ وحی کی ابتداء رمضان مبارک میں ہوئی۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر از قسم نبوت، سب سے پہلے جس چیز کا اکرام فرمایا وہ نزول قرآن ہے اور چونکہ فرمایا ہے کہ نزول قرآن رمضان میں ہوا ہے اس سے ثابت ہوا کہ وحی کی ابتداء بھی رمضان ہی میں ہوئی ہوگی۔ لیکن اکثر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ پورا قرآن بیک بار رمضان مبارک کی لیلتہ القدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا۔ اور وہاں سے بلحاظ مصلحت' اور باعتبار واقعات تھوڑا تھوڑا تیئیس ۲۳ سال کی مدت تک اترتا رہا۔ گو واقعات کے اعتبار سے قرآن کا نزول' لوح محفوظ کی ترتیب کے خلاف ہوا۔ لیکن اب جو مصاحف میں مرقوم ہے وہ اسی لوح محفوظ کی ترتیب پر ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے کسی فقہ کی کتاب میں خاص ترتیب سے ہر قسم کے مسائل درج ہوں۔ اور لوگ اپنی ضرورت احتیاج کے مطابق اس فقہ کی کتاب سے آگے پیچھے سے مسائل نکالتے ہوں۔ بعض کے نزدیک ابتداء وحی ماہ رجب میں ہوئی ہے۔ یہ قول شاذ و نادر ہے۔

منقول ہے کہ جب ظہور نبوت کا وقت قریب آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت اور لوگوں سے یکسوئی محبوب کر دی گئی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ حرا میں جسے جبل نور بھی کہتے ہیں خلوت نشینی اختیار فرمائی۔ اس جگہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمالِ کعبہ سے چشم مبارک کو روشن بھی فرماتے اور عبادتِ الٰہی بھی کرتے۔ اور رب العزت کی جانب متوجہ ہو کر عالمِ استغراق میں بیٹھا بھی کرتے' اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ ایسی خلوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت فکر سے تھی یا ذکر سے لیکن مذہب مختار یہ ہے کہ قلبی و زبانی ذکر سے تھی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں سے جو کچھ آپ کے نزدیک ثابت تھا یا ہر وہ چیز آپ کے نزدیک انبیاء سابقین علیہم السلام کی شریعت میں سے ثابت تھی یا جو چیز آپ کی بصیرت میں مستحسن تھی اس پر عمل فرماتے تھے۔ آپ اپنے کاشانہ اقدس سے کچھ طعام لیجایا کرتے۔ اور جب طعام ختم ہو جاتا یا گھر والوں کی جانب رجحان ہوتا تو پہاڑ سے اتر آتے۔ اس کے بعد آپ توشہ لے کر دوبارہ تشریف لے جاتے بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ایک مرتبہ مکہ کی بستی سے باہر تشریف لے جاتے اور ایک ماہ غار حرا میں خلوت گزیں رہتے۔ جب ایامِ وحی قریب آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوت وعبادت میں کثرت کر دی اور التزام شروع فرما دیا کایک آپ پر حق کا ظہور ہوا' وحی اتری اور قرآن مجید نازل ہوا، کوئی یہ خیال نہ کرے کہ نبوت کا ظہور' اور وحی کا ورود، ریاضت و مجاہدہ اور عبادت کے اثر سے تھا اس لیے کہ نبوت، حق تعالیٰ کے محض عنایت و موہبت ہے۔ اس میں کسب و عمل کا کوئی

دخل نہیں ہے۔

تَبَارَكَ اللّٰهُ مَا وَحْيٌ بِمُكْتَسَبٍ وَلَا نَبِيٌّ عَلٰى غَيْبٍ بِمُتَّهَمٍ

ہاں ولایت میں کسب وریاضت سے البتہ کچھ نسبت وتعلق ہے اور اس میں اس کی تاثیر کا کچھ دخل ہے کیونکہ اس کے ذریعہ بعض جہانوں کا کشف، بعض روحانیت کا مشاہدہ اور بعض معانی کا الہام حاصل ہوتا ہے۔ لیکن نبوت، قرب خاص اور ایک مخصوص نسبت ہے جس کا تعلق وحیِ آسمانی سے ہے اس کے حامل روح الامین ہیں جنہیں روح الامین اور جبریل کہتے ہیں۔ یہ منصب رفیع محض اصطفاء اور اجتباء الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔

چنانچہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں فرشتہ وحی لے کر حاضر ہوا تو اس نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو مژدہ ہو کہ میں جبریل علیہ السلام ہوں اور مجھے حق تعالیٰ نے آپ کے پاس بھیجا ہے آپ امت کی جانب خدا کے رسول ہیں۔ آپ جن وانس کو کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی دعوت دیجئے۔ اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پڑھیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں پڑھنے والا نہیں یا میں پڑھنا نہیں جانتا مطلب یہ کہ میں اُمی ہوں کسی سے میں نے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا ہے۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے اپنی آغوش میں لیا اور پوری طاقت صرف کی جتنی کہ میری اس کے ساتھ تھی۔ حدیث کے لفظ دو معنی کے متحمل ہیں ایک یہ کہ جبریل علیہ السلام نے آغوش میں لے کر اپنی پوری طاقت جتنی اس میں تھی مجھ پر صرف کی اور وہ بے بس ہو گئے دوسرے معنی یہ کہ جتنی میری طاقت تھی اتنی زور سے مجھے آغوش میں لے لیا اور میں بے طاقت ہو کر بے بس ہو گیا۔ لیکن درست پہلے ہی معنیٰ ہیں شارحین نے اس کی تصریح کی ہے۔ پھر جبریل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر دوبارہ کہا پڑھیے۔ میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ جبریل نے پھر آغوش میں لیا، اور بھینچا۔ پھر چھوڑ کر کہا پڑھیے؟ میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں۔ تیسری مرتبہ پھر جبریل نے آغوش میں لیا اور بھینچا اور کہا...... اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ O اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ O عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ یعنی پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا۔ پڑھیے۔ اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم سے لکھنا سکھایا۔ آدمی کو وہ سکھایا جو نہ جانتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شیطان کے شر سے استعاذہ کیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پھر جبریل نے کہا کہیے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اس کے بعد کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ. مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی قوت وطاقت کی جانب نظر نہ ڈالیے بلکہ ہماری تائید وتقویت پر نظر رکھیے کیونکہ ہم آپ کے رب اور آپ کے معلم ہیں۔

جبریل علیہ السلام کا آغوش میں لے کر دبانا یہ ایک قسم کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ گرامی میں ملکوتی انوار داخل کر کے تصرف کرنا تھا۔ تا کہ آپ وحی کے قبول کرنے میں آمادہ اور اس کے ماسوا سے خالی وبے التفات ہو جائیں۔ نیز اس میں اُس قول کے وزنی ہونے کی جانب اشارہ ہے جو آپ کی جانب القا ہونے والا ہے۔ جبکہ قرآن کریم میں ہے: اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ط بیشک ہم آپ پر وزنی القاء فرمائیں گے! اس سے اس جانب بھی اشارہ ہے کہ یہ از قسم تخیل ووسواس نہیں ہے کہ تخیل ووسواس کی تاثیر اور تصرف جسم میں نہیں ہوتی۔ اور اس میں بار بار کی تکرار سے مقصود، تاکید ولزوم اور مبالغہ ہے۔ اس جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مَا اَنَا بِقَارِئٍ میں ایک بحث ہے وہ یہ کہ امی کا تعلیم وتلقین کے ذریعہ کسی کلام کو پڑھنا کیسے بعید وخلاف ہے باوجودیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فصاحت وبلاغت کے درجہ کمال پر فائز تھے۔ البتہ کسی کتاب کو یا کسی لکھی ہوئی تحریر کو پڑھنا امیت کے منافی ہے۔ اس لیے یہ کلمہ

اُس مقام کی ہیبت اور دہشت سے ہی صادر ہوا ہوگا اور حدیث کے شارحین نے اس کلمہ کو امیّت پر ہی محمول کیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب جبریل علیہ السلام نے کہا: اِقْرَأْ یَا مُحَمَّدُ' تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کیا پڑھوں میں نے تو کچھ پڑھا نہیں۔؟ اس پر جبریل علیہ السلام نے ایک جنتی حریر کا نامہ نکالا جو موتی اور یاقوت سے مرصع تھا۔ اور کہا پڑھیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟ پھر جبریل علیہ السلام نے آپ کو آغوش میں لیا اور خوب بھینچا۔ آخر حدیث تک۔ یہ معنی امیّت کے مناسب ہیں۔

اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے زمین پر پاؤں مارا اور چشمہ نکالا۔ اس سے وضو کیا جو کلی کرنے وناک میں پانی ڈالنے، چہرہ اور دونوں ہاتھ پاؤں دھونے اور سر کا ایک بار مسح کرنے پر مشتمل تھا۔ اس فعل کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرنا سکھانا مقصود تھا۔ غالباً اس قسم کے افعال میں عملی تعلیم' قولی تعلیم سے خاص کر زیادہ آسان اور سہل ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وضو کیا۔ پھر جبریل علیہ السلام نے ایک چلو پانی لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر چھینٹا دیا۔ اور آگے بڑھ کر دو رکعت نماز پڑھائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مقتدی بنے۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اسی طرح وضو کرنا اور نماز پڑھنا ہے۔ یہ بات تعلیم قولی میں بھی آ چکی ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام آسمان پر چڑھ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی جانب مراجعت فرمائی۔

اس وقت یہ عالم تھا کہ ہر شجر و حجر کہتا تھا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ' جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی طرف مراجعت فرمائی تو آپ کا قلب مبارک اور کنپٹیوں کا گوشت لرز رہا تھا۔ جس طرح خوف و دہشت کے وقت ہوا کرتا ہے یا جیسے کہ گائے کے ذبح کے وقت ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر فرمایا: زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ مجھے کمبل اڑھاؤ، مجھے کمبل اڑھاؤ، انہوں نے آپ کے جسم انور پر کمبل ڈالا اور چہرۂ انور پر سرد پانی کے چھینٹے دیئے تا کہ خوف دور ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے سارا حال بیان کیا۔ اور فرمایا مجھے ڈر ہے کہ میں کہیں خطرے میں نہ پڑ جاؤں۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا آپ غم نہ کھایئے اور خوش رہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ، آپ کو کسی خطرے میں نہ ڈالے گا اور نہ آپ کو کسی کے آگے ذلیل و رسوا ہونے دے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اچھائی ہی فرمائے گا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلہ رحمی فرماتے، عیال کا بوجھ اٹھاتے، ریاضت و مجاہدہ کرتے، مہمان نوازی فرماتے، بیکسوں اور مجبوروں کی دستگیری کرتے، محتاجوں اور غریبوں کے ساتھ بھلائی کرتے، لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے، لوگوں کی سچائی میں ان کی مدد اور ان کی برائی سے حذر فرماتے ہیں یتیموں کو پناہ دیتے سچ بولتے اور امانتیں ادا فرماتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ خوبرو، خوش خلق، خوش آواز، نیک کردار، خوش گفتار اور عالی ہمت ہیں مطلب یہ کہ جس میں یہ خوبیاں ہوں اور اس کی حالت ایسی ہو وہ نہ کسی برائی میں مبتلا ہوگا اور نہ کسی خطرے کو دیکھے گا۔ گویا سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان باتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی و اطمینان دلایا۔ یہ باتیں سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی کمال فراست و دانائی اور حقائق اشیاء اور صدق احوال کی معرفت رکھنے پر دلالت کرتی ہیں۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حال مبارک بیان فرمایا تو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا خوشی سے مدہوش ہوگئیں۔ اس کے بعد سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس حالت کی تائید و تقویت کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل بہت بوڑھے تھے یہ قریش کے طور و طریق اور جاہلیت کی رسوم سے نکل کر حقیقی دین عیسوی اختیار کر کے موحد بن گئے تھے۔ ان کو انجیل کا علم خوب آتا تھا اور وہ انجیل سے عربی زبان میں کچھ لکھا کرتے تھے وہ عبرانی

زبان کو بھی جانتے تھے۔ ان سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا اے چچازاد بھائی! اپنے بھتیجے کی بات تو سنیے وہ کیا فرماتے ہیں؟ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کا برادرزادہ یعنی بھتیجا کہا تھا۔ یہ عرب کا عرف ہے کہ وہ ایک دوسرے کو برادر یا برادرزادہ کہا کرتے ہیں۔ اور اہل سیر یہ بھی کہتے ہیں کہ ورقہ، حضرت عبداللہ کے ہم عمر تھے۔ ورقہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کیا بات ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تمام حال جوگزرا تھا ان سے بیان فرمادیا۔ یہ سن کر ورقہ نے کہا یہ وہ ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو مبارک و خوشی ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہ نبی ہیں جس کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی کہ "میرے بعد ایک رسول مبعوث ہوگا جس کا نام نامی احمد ہے" اور قریب ہے کہ آپ کافروں کے ساتھ جہاد و قتال پر مامور ہوں۔ کاش میں اس دن تک زندہ رہتا اور جوان، قوی و توانا ہوتا جب آپ کی قوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ سے نکالے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں! آپ جو کچھ لے کر تشریف لائے ہیں اس کی مانند کوئی ایک لے کر کبھی نہیں آیا۔ اس کے باوجود ان سے دشمنی کی گئی اور انہیں ایذائیں پہنچائی گئیں۔ مطلب یہ کہ سنت الٰہی اسی طرح جاری ہے کہ کافر لوگ ہمیشہ نبیوں کے دشمن رہے ہیں اور کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کی کافروں نے دشمنی نہ کی ہو۔ اگر میں نے آپ کا وہ دن پایا تو میں آپ کی پوری پوری نصرت و مدد کروں گا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد ورقہ نے وفات پائی۔ اور ظہور دعوت کا زمانہ انہوں نے نہ پایا۔ لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں اور آپ کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہیں ایسے اور بہت سے حضرات ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت عنصری کے ظہور و وجود سے پہلے ہی آپ پر ایمان لائے ہوئے تھے جیسے بحیرا وغیرہ اب رہا یہ ورقہ کو صحابی کہہ سکتے ہیں؟ تو ظاہر ہے کہ صحابہ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ مَنْ رَّاٰیَ النَّبِیَّ مُؤْمِنًا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کے ساتھ دیکھا! تو یہ ان پر صادق ہے اور اس میں ظہور دعوت کی شرط نہیں لگائی گئی ہے۔ مشکوٰۃ میں ایک حدیث مروی ہے کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ کے انتقال کے بعد ان کا حال دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں ان کو دیکھا ہے وہ سفید لباس پہنے ہوئے ہیں، سفید لباس ایمان کی نشانی ہے۔ روضۃ الاحباب میں ایک حدیث مروی ہے کہ فرمایا میں نے قِس کو جنت میں دیکھا ہے ان کے جسم پر سبز لباس ہے۔ اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان لائے اور میری تصدیق کی ہے۔ قِس سے مراد ورقہ ہیں۔ قَس اور قِیس، نصاریٰ کے علمی دانشمندوں اور ان کے دینی پیشواؤں کو کہتے ہیں۔ اور مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے کہ وہ آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں اور ابن مندہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضور کو ورقہ کے پاس لے جانے کے واقعہ میں یہ اشارہ ہے کہ حیرت و اشتباہ کے وقت علماء اور اہل بصیرت سے مشورہ استفسار کرنا لازم ہے اسی سے صوفیاء کرام اور طالباں و سالکانِ طریقت، اپنے مشائخ سے کشفِ حقیقتِ حال کیلئے اپنے خیالات اور واقعات کو پیش کرنے میں استدلال کرتے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:

تنبیہ: اس مقام میں ایک اعتراض و اشتباہ لاحق ہوتا ہے وہ یہ کہ حدیث بخاری کا سیاق کلام یہ ہے کہ حضور خوف سے کانپتے لرزتے تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میں اپنے آپ سے ڈرتا ہوں۔

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے صفات حمیدہ اور کمالات رفیعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ ایسی خوبیوں والا شخص ابتلاو

خذلان سے محفوظ رہتا ہے۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بعد اظہار نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ کے پاس آپ کے حال مبارک کی وضاحت واستفسار کی غرض سے لے گئیں حالانکہ یہ ثابت ہے کہ حق سبحانہ، تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسعت مبارک پر ایسے معجزات ظاہر فرمائے جن سے ہمیں آپ کی صداقت کی معرفت ہوئی جیسا کہ مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں اس کلام الٰہی کے سننے سے پہلے داخل ہوئے تو ہر جانب سے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ کی ندائیں سماعت فرمائیں کوئی کہنے والا نظر نہ آتا تھا ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی سے پہلے ایسی آوازیں سماعت فرماتے تھے جس کا بولنے والا نظر نہ آتا تھا۔ اور سات سال سے خاص قسم کی روشنی ملاحظہ فرماتے تھے اور اس سے خوش ہوتے تھے۔ خواہ اس روشنی سے مراد محسوس کردہ روشنی ہو یا علم ویقین کا ایسا نور جس سے دل، خوش، کشادہ اور منشرح ہو جاتا ہے۔ اور ہر شجر وحجر سے سلام کرنے کی آواز سنا کرتے تھے۔ جامع الاصول اور کتاب الوفا میں منقول ہے کہ اظہار نبوت سے قبل تین سال اسرافیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر رہے اس کے بعد جبریل علیہ السلام وحی لیکر نازل ہوئے۔ صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ سات سال کی عمر مبارک تھی کہ حق تعالیٰ عزاسمہ نے اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہیں چنانچہ اسرافیل ہمیشہ حضور کے ساتھ رہے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ سال پورے فرمائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یا دوکلمہ سے زیادہ نہ بات کرتے تھے۔ اسی طرح میکائیل علیہ السلام کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ جس وقت جبریل فرمان باری لیکر آئے اس وقت میکائیل علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت وخدمت میں حاضر رہتے انتیس سال ہو گئے تھے۔ لیکن ان سب کی حضوری ورفاقت آپ کو معلوم نہ ہوتی تھی اور نہ وہ وحی لاتے تھے کیوں کہ وحی کا لانا جبریل علیہ السلام کا کام ہے۔ چنانچہ ایسے انوار وبزرگی کے ظاہر ہونے اور ایسے اسرار کے آشکارا ہونے کے باوجود، تردد وابہام اور اشتباہ کی کونسی گنجائش ہے اور اس کا کہاں احتمال ہے۔ لہٰذا دل کا لرزنا اور حضور کا خوف ودہشت کھانا، منصب نبوت کی عنایت ہیبت وجلال اور اس کی مشقت کی وجہ میں ہے۔ جس کی وجہ سے بشری طاقت، اس کے دبدبہ کے غلبہ سے بیتاب ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ **خشیت علیٰ نفسی** مجھے اپنے آپ سے خوف لگتا ہے'' اسی حالت کی جانب اشارہ فرمانا ہے اور اس کو اسی مفہوم ومعنی پر محمول کرنا چاہیے۔ یا یہ بات ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے بار، اس کی صعوبت، اس کے ادا کرنے اور منصب نبوت بجالانے پر غور وفکر کیا تو آپ کے پشت کی طاقت ٹوٹ گئی اور آپ اپنے آپ سے ڈرے کہ کہیں آپ اس بار کے نیچے ہلاک نہ ہو جائیں۔ اور اسی بنا پر فرمایا **خشیت علیٰ نفسی** اور جو کہا گیا ہے کہ یہ خشیت اس علم سے پہلے تھی کہ آپ یہ جانتے کہ یہ جبریل علیہ السلام آئے ہیں جن وشیطان نہیں اور ایک بات یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے تئیں مجنون وکاہن کہلوانا شاق و ناگوار تھا جیسا کہ واقعہ پر نظر کر کے کچھ لوگوں نے کہا ہے یہ غلط ہے۔ کیونکہ یہ خوف ودہشت جبریل علیہ السلام کا نزول اور وحی کا درود نبوت کا علم حاصل ہونے اور مشاہدۂ آیات اور ظہور انوار واسرار کے بعد ہے۔ جیسا کہ معلوم ہوا۔ اور اگر اس وقت کے پیش آنے سے پہلے ابتدائے احوال میں بعض ایسی نشانیوں کے ظہور کے وقت جن میں احتمال واشتباہ ہوتا ہے اثبات کریں تو درست ہے۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ کے پاس لیجانا، شک وشبہ اور اصل علم ویقین کے حاصل کرنے کیلئے نہ تھا بلکہ یقین واطمینان، وضوحِ محبت اور ظہور محبت کی زیادتی کیلئے تھا جو نورٌ علیٰ نور کے حکم میں ہے۔ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جن صفات وکمال کے ساتھ استدلال کیا وہ تردد، خذلان اور ضلال کے منافی ہے۔ انہوں نے اس استدلال سے علم نظری حاصل کیا ہوگا۔ اس لیے کہ ممکن ہے انہیں وہم یا کوئی اور احتمال لاحق ہو گیا ہو۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اس احتمال واشتباہ سے پاک ومنزہ ہے اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ کے کہنے اور تسلی دینے سے کسی طرح کی وضاحت وانکشاف حاصل بھی ہوا ہوگا تو ایسا ہی ہوگا جیسے کہ معجزے کے ظہور کے بعد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً میں خدا کا رسول ہوں۔ آپ کا یہ فرمانا اس لیے تھا کہ لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے اور وہ تصدیق و ایمان کیلئے تیار و آمادہ ہو جائیں۔ اس مفہوم کو خوب اچھی طرح ذہن نشین اور اس مطلب کو خوب عمدہ طریقہ سے سمجھ لینا چاہیے تاکہ اس مقام پر کوئی تمہیں وہم و شک میں نہ مبتلا کر دے۔

جو کچھ کہ مذکور ہوا اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ نزول قرآن کے سلسلہ میں سب سے پہلے جو چیز نازل ہوئی وہ سورۂ اقرأ میں سے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ سے عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ تک نازل ہوا۔ امام محمد الدین نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی حق و صواب ہے کیوں کہ اس پر جمہور اسلاف و اخلاف کا مذہب ہے۔ لیکن ایک یہ روایت بھی ہے کہ سب سے پہلے یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ نازل ہوئی امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ بات ضعیف ہی نہیں باطل ہے۔ اور یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کا نزول، وحی کی قرأت کے بعد ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ ایک دوسری روایت ہے سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ تو اس بارے میں بیہقی یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث محفوظ نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو محتمل ہے کہ اقرار کے بعد یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کے بعد اس کے نازل ہونے کی خبر دینا مقصود ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے آیۂ کریمہ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ نازل ہوئی کیوں کہ جبریل علیہ السلام نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم استعاذہ کیجئے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اِسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اور جبریل علیہ السلام نے کہا کہیے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور اس کے بعد کہا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ جیسا کہ مواہب میں مذکور ہے۔ نیز یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ علماء نے بیان نہیں کیا ہے کہ وحی کتنے عرصہ بعد تک رُکی رہی لیکن اتنا کہتے ہیں کہ یہ وقفہ تین سال تک رہا۔ اسی پر ابن اسحٰق نے جزم کیا ہے۔ مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے کہ امام احمد نے تاریخ میں شعبی سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نبوت عمر کے چالیس سال گزارنے کے بعد نازل ہوئی۔ اس کے بعد حضرت اسرافیل تین سال تک نبوت کے ساتھ قریب رہے اور انہوں نے چند کلمے اور کچھ چیزیں سکھائیں اس وقت تک قرآن کریم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا جب تین سال گزر گئے تو آپ کی نبوت کے قریب جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور اس کے بعد آپ پر بیس سال تک قرآن نازل ہوتا رہا۔

روضۃ الاحباب میں ہے کہ اس وقوف کے زمانہ میں جبریل امین علیہ السلام امین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دیتے رہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کا نزول نہ ہوا۔ سلسلۂ وحی کے رک جانے کے سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت اندوہناک تھے کئی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ خود کو پہاڑ سے گرا دیں لیکن ہر مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جبریل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور وہ کہتے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں آپ کا بھائی ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ اس وقفہ کے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر خوف و ہراس طاری ہو گیا تھا اور گھر تشریف لا کر فرمایا "زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ" مجھے کمبل اوڑھاؤ!! آپ پر وحی بھیجی کہ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ (اے جھرمٹ مارنے والے) قُمْ فَاَنْذِرْ اٹھئے اور لوگوں کو خدا سے ڈرایئے) اس کے بعد وحی مسلسل اور پے در پے آنے لگی۔

بعض کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، رسالت پر مقدم ہے اور محدثین کے مذہب کی رو سے نبوت میں تبلیغ و انذار شرط نہیں ہے اور نزول وحی تکمیل نفس کیلئے کافی ہے، چنانچہ سورۂ اقرأ تعلیم و تکمیل نفس کیلئے نازل ہوئی۔ اور یہ نبوت ہے۔ اس کے بعد "سورۂ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ" تبلیغ و انذار کیلئے نازل ہوئی اور یہ رسالت ہے۔

وحی کے مراتب:

وصل: علماء کرام وحی کے کئی مراتب بیان کیے ہیں۔ اوّل رویائے صالحہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداء میں جو چیز سب سے پہلے ظاہر ہوئی وہ رویائے صالحہ ہے۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ وَكَانَ لَا يَرىٰ اِلَّا جَآءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبحِ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیا ایسی ہوتی جیسے صبح صادق کا طلوع ہونا، کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ کیفیت چھ مہینہ رہی۔ چنانچہ اس عرصہ میں نبوت میں کلام ہے (واللہ اعلم)

دوسرا مرتبہ وحی کا یہ تھا کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب شریف میں القا کرتے تھے بغیر اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، جبریل علیہ السلام کو دیکھیں۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ میرے دل میں روح قدس نے القاء والہام کیا ہے کہ ہرگز اس وقت تک کوئی نہیں مرے گا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کرلے (آخر حدیث تک) اس حدیث کو حاکم نے روایت کرکے صحیح کہا ہے۔

تیسرا مرتبہ وحی کا یہ تھا کہ جبریل علیہ السلام کسی آدمی کی صورت اختیار کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور پیغام الٰہی پہنچاتے تھے تاکہ جو کچھ ارشاد باری ہے اسے یاد فرمائیں۔ اور اکثر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آتے۔ یہ قبیلہ بنی کلب کے خوبرو صحابی تھے۔ ان کے حسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ جب یہ بغرض تجارت نکلتے محمل نشین عورتیں نظارہ کرتیں۔

حضرت جبریل علیہ السلام کا دحیہ رضی اللہ عنہ کلبی کی صورت اختیار کرنے کے بارے میں اہل نظر کلام کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب جبریل علیہ السلام دحیہ رضی اللہ عنہ کلبی کی صورت میں آئے تو جبریل علیہ السلام کی روح کہاں تھی؟ اگر ان کے جسم شریف میں تھی تو ان کی صورت اصلی میں تو تین سو پر ہیں۔ لہٰذا جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا نہ تو وہ جبریل علیہ السلام کی روح ہے اور نہ ان کا جسم، اور اگر روح اسی جسم میں تھی جو دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں ہے تو وہ اپنے جسم اصلی سے نکل کر اس جسم میں آگئی تو کیا جسم سے انتقال روح کی وجہ سی جبریل علیہ السلام وفات پا گئے یا ان کا جسم روحِ منتقلہ سے خالی ہوکر بے روح زندہ رہا۔ مواہب لدنیہ میں عینی سے جو بخاری کے شارح اور حنفی المذہب ہیں انہوں نے کہا کہ بعید نہیں ہے کہ انتقالِ روح، موجب موت نہ ہوئی ہو۔ اور جسم شریف روح کی جدائی سے کسی قسم کا نقصان اٹھائے بغیر باقی رہا ہو دوسرے جسم میں روح کا ہونا ایسا ہی ہے جیسی کہ شہداء کے روحوں کی منتقلی سبز پرندوں کے جوف کے ساتھ ہے۔ اور ارواح کی جدائی سے، جسموں کا مرنا، عقلاً امرِ واجب نہیں ہے بلکہ امرِ عادی ہے جسے حق تعالیٰ بنی آدم میں جاری فرمایا ہے اور لازم نہیں ہے کہ بنی آدم کے سوا میں بھی ایسا ہی ہو۔ بلکہ بنی آدم میں بھی عقلاً جائز ہے اور حق تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہے۔ یہ کلام ظاہری طور پر ہے جسے بعض علماء نے کہا ہے، اہل تحقیق کے نزدیک دحیہ رضی اللہ عنہ کلبی کی صورت اختیار کرنے کی یہ صورت ہوگی کہ جبریل علیہ السلام کے ذہن میں دحیہ رضی اللہ عنہ کی جو صورت علمیہ تھی اسے اپنی اس صفتِ کاملہ اور ارادۂ شاملہ کے سبب اس صورت علمیہ کو اپنی موجودہ صفات کو ظاہر کرتے اور خود کو دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں ظاہر فرماتے۔ اور اس صورت علمیہ کو اپنی موجودہ صفات کے ساتھ شامل کرتے تھے اور جبریل علیہ السلام اپنے مقام میں اپنی ملکی ذات وصفات کے ساتھ ثابت و برقرار رہتے تھے۔ جس طرح ظہور حق تعالیٰ اور اس کا تمثل بصورت عالم ہے۔ یہی طریقہ تمثّلِ روحانیات بصورت جسمانیات اور تمثّلِ حق، بصورت بشر اور تمثّلِ بعض کامل اولیاء کرام، بصورت متعددہ ہے۔ اسے خوب سمجھ لو۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام غیر صورت دحیہ رضی اللہ عنہ میں بھی آتے تھے جیسا کہ اسلام ایمان اور احسان کے بیان میں حدیث جبریل علیہ السلام مروی ہے۔

چوتھا مرتبہ وحی کا یہ ہے کہ صلصلۃ الجرس یعنی رہٹ کی مانند آواز سنائی دیتی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا وحی

کے کلمات ومعانی کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اقسامِ وحی میں یہ قسم سب سے بڑھ کر سخت تھی۔ یہاں تک کہ شدید سردی کے دنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانیِ مبارک سے پسینہ ٹپکنے لگتا تھا اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار ہوتے تو وہ زمین پر بیٹھ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح وحی آئی اس وقت آپ اپنا سر مبارک زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کی ران پر رکھے ہوئے تھے ان کی ران اتنی وزنی ہوگئی کہ قریب تھا کہ وہ ٹوٹ جائے طبرانی، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنے کی حالت لکھتا ہوں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ پر اتنی شدت وسختی ہوتی کہ چہرے پر چاندی کے دانوں کی مانند پسینہ ٹپک آتا تھا۔ ایک دن آپ میری ران پر سر رکھے سور ہے تھے کے میری ران اتنی وزنی ہوگئی کہ قریب تھا کہ میرا پاؤں ٹوٹ جائے اور میں نے گمان کیا کہ اب میں کبھی اپنے پاؤں پر نہ چل سکوں گا اس طرح جس وقت سورۂ مائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو قریب تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقہ کی ٹانگیں اس سے ٹوٹ جائیں۔

وحی میں مطلقاً ثقل وبوجھ بھی آیا ہے۔ چنانچہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ اس کی وجہ سے سختی محسوس فرماتے اور آپ کے روئے تاباں کا رنگ متغیر ہوجاتا اور خاکستری رنگ کی مانند ہوجاتا اور آپ کا سر مبارک جھک جاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بھی اپنے سرنگوں کر دیتے۔ جب یہ کیفیت ختم ہوجاتی تو سر مبارک کو اوپر اٹھاتے۔ محققین کہتے ہیں کہ افاضہ اور استفاضہ یعنی فیض پہنچانے اور فیض حاصل کرنے میں یکسانیت ومناسبت شرط ہے مطلب یہ کہ کبھی جبریل علیہ السلام کی ملکیت' حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آتی اور وہ آپ کو آپ کی حالت سے لیجا کر عالمِ ملکوتیت میں پہنچا دیتے اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت، جبریل علیہ السلام پر غالب آجاتی اور ان کو صورتِ بشری میں لے آتے۔ یہ وعدہ اور بشارت کی صورت میں ہوتا۔ اور پہلی صورت، انذار ووعید کے وقت ہوتی۔

وحی کا پانچواں مرتبہ یہ تھا کہ کبھی جبریل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں (مع تین سو پروں کے) آتے اور وحی پہنچاتے جیسا کہ سورۂ والنجم میں مذکور ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ ایسا دو بار ہوا تھا (واللہ عالم)

چھٹا مرتبہ وحی کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حالت میں وحی فرمائی جبکہ آپ آسمانوں کے اوپر تھے نماز وغیرہ کی وحی اسی طرح فرمائی تھی۔

وحی کا ساتواں مرتبہ، حق تعالیٰ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست کلام فرمانا ہے جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

وحی کا آٹھواں مرتبہ، حق تعالیٰ کا حضور سے بے حجاب کلام فرمانا ہے۔ آسمانوں کے اوپر کی وحی' اسی قبیل سے ہے۔ صاحب مواہب کہتے ہیں کہ یہ اس مذہب کے رو سے ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کا شب معراج دیدار کیا۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے (واللہ اعلم)

کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کو خواب میں دیکھتے اور حق تعالیٰ آپ سے کلام فرماتا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے رب کو احسنِ صورت میں دیکھا اور رب نے اپنے دونوں دستِ قدرت کو میرے شانوں پر رکھا اور میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی۔ مجھ سے رب تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ ملاء اعلیٰ میں کس چیز پر جھگڑا ہے (آخر حدیث تک) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ اجتہاد جس سے علم شریعت حاصل ہو صائب تھا نیز اسے وحی کے اقسام میں سے شمار کرتے ہیں۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ اس پر سب متفق ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد فرماتے تو وہ قطعی درست وصواب ہوتا۔ کیونکہ آپ خطا سے معصوم تھے۔

مشہور اصول کی کتاب میں ہے کہ آپ کو کبھی خطا پر قائم نہ رکھا جاتا اور آپ کو آگاہ کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں ہے۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ حلیمی نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ۴۶ قسموں سے وحی کی گئی ہے اور ان سب کو انہوں نے بیان کیا ہے فتح الباری میں کہا گیا ہے کہ ان میں سے اکثر احوال کے اختلاف کے اعتبار سے وحی کو محمول کیا گیا ہے۔ اور تمام انواع، ان قسموں میں داخل ہیں جو بیان کر دی گئی ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جبریل علیہ السلام چوبیس ہزار مرتبہ نازل ہوئے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام پر بارہ مرتبہ، حضرت ادریس علیہ السلام پر چار مرتبہ، حضرت نوح علیہ السلام پر پچاس مرتبہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بیالیس مرتبہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک سو چار مرتبہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دس مرتبہ۔ مواہب لدنیہ میں ایسا ہی منقول ہے (واللہ اعلم)

علماء فرماتے ہیں کہ ایمان وتوحید کے بعد عبادات میں سب سے پہلے دو رکعت نماز واجب ہوئی جس کی جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ادا فرمائی۔ اور مقاتل نے کہا ہے کہ ابتداء میں نماز کی فرضیت دو رکعتوں میں تھی۔ دو رکعت فجر میں اور دو رکعت عشاء میں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ (اور اپنے رب کی تسبیح عشاء اور فجر میں کرو)۔ فتح الباری میں کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ معراج سے پہلے نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور اسی طرح آپ کے صحابہ بھی۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ نماز پنجگانہ کی قسم میں سے کوئی نماز فرض تھی؟ بعض کہتے ہیں کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے کی نماز فرض تھی۔ اور وہ اس پر حجت میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد لاتے ہیں کہ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا.

امام نووی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو چیز سب سے پہلے واجب ہوئی وہ انذار اور توحید کی دعوت ہے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے رات کے قیام کو فرض کیا۔ جیسا کہ سورۂ مزمل میں مذکور ہے۔ اس کو آخر سورت میں منسوخ فرما دیا۔ اس کے بعد شب معراج میں نماز پنجگانہ کے واجب ہونے پر سب کو منسوخ کر دیا۔

اول مسلمان، سابق الایمان:

وصل: علماء کا اختلاف ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے کون ایمان لایا۔ اور تصدیق اول کس نے کی۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ سب سے پہلے علی الاعلان ایمان لانے والی سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا سے تشریف لائے اور ان کو نزول وحی کی خبر دی تو وہ ایمان لائیں اور تصدیق کی اور آپ کی راست گوئی سے انہوں نے استدلال کیا اور پیروی اختیار کی۔ ان کے بعد سب سے پہلے اور سابق الایمان سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسی مذہب پر سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت، اسماء رضی اللہ عنہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ، نخعی وغیرہ تابعین اور صحابہ کی ایک جماعت اور دیگر علماء اعلام ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ایمان لائے کیونکہ وہ آغوش مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں تربیت پا رہے تھے۔ اور اس وقت وہ بچے تھے... اسی لیے انہوں نے فرمایا میں نے اسلام کی طرف اس وقت سبقت کی جبکہ میں بچہ تھا اور بالغ نہیں ہوا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف دس سال کی تھی۔ جیسا کہ طبری نے بیان کیا ہے۔ ابوعمرو بن عبدالبر نے کہا ہے کہ وہ حضرات جو اس طرف گئے ہیں کہ سب سے پہلے جو ایمان لائے تھے سلمان رضی اللہ عنہ، ابوذر، مقداد رضی اللہ عنہ، خباب رضی اللہ عنہ،

جابر رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری، اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ یہی قول ابن شہاب، قتادہ وغیرہ کا ہے۔ اور بعض لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے ورقہ بن نوفل ایمان لائے ہیں۔ اور شیخ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ محتاط اور موزوں تر یہ ہے کہ آزاد مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ! بچوں اور نوعمروں میں علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ، عورتوں میں سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، اور موالی میں زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ اور غلاموں میں سے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہم ہیں۔ (واللہ اعلم)

ابن عبداللہ نے دعویٰ کیا ہے کہ سب سے پہلے علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ ایمان لائے لیکن وہ نوعمر اور بچے تھے اسلام کو اپنے والد ابوطالب کے خوف سے پوشیدہ رکھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور اپنے اسلام کا اظہار کیا وہ اسے اس روایت سے مؤکد کرتے ہیں جسے سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد سیّدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، مجھ سے چار باتوں میں سبقت لے گئے ہیں۔ اول اظہار اسلام میں، دوم ہجرت کیوقت رفاقت میں، سوم غار ثور کی مصاحبت میں اور چہارم نماز کے قائم اور اس کے اظہار کرنے میں لیکن میں شعب ابوطالب میں ان کو چھپائے ہوئے تھا۔

اِن کے بعد زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ، عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کی تبلیغ و دعوت سے اسلام لائے۔ ان کے بعد ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، عامر بن عبداللہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بن عبدالاحد، اسلام لائے۔ ان نو افراد کے بعد ارقم رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون، عبداللہ بن مسعود، رضی اللہ عنہ، سعید رضی اللہ عنہ بن زید اور فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت الخطاب رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا۔ ابن سعد نے کہا ہے کہ وہ عورتیں جو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد ایمان لائیں ام الفضل زوجہ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ اور اسماء رضی اللہ عنہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔

دعوت و تبلیغ

وصل: اسی طور وطریق پر تین سال گزر گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کے اخفاء اور اس پر صبر کرنے پر مامور تھے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خفیہ طور پر دعوت و تبلیغ شروع فرمائی پھر حق تعالیٰ نے آپ پر آیۂ نازل فرمائی: فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ یعنی جو کچھ حکم دیا گیا ہے اسے ظاہر فرمایئے اور دعوت و تبلیغ کو آشکارا کیجئے اور مشرکوں کی جانب سے روگردانی فرمایئے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد، قرآن کو باآواز بلند پڑھنا ہے۔ صدع کے اصلی معنی ظاہر کرنے اور ممتاز کرنے کے ہیں۔ اور مراد اظہار حجت اور حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز کرنا ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امر دعوت میں کمر بر جہاد محکم باندھی، قریش نے اس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعرض نہ کیا جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خداؤں اور معبودوں سے تعرض نہ کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نے یہ حکم دیا کہ بت اور اس کے پوجنے والے سب جہنم کی آگ میں جھونکے جائیں گے تب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کیلئے کھڑے ہوئے۔ اور سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت و مخالفت میں متفق ہوگئے۔ یہ واقعہ نبوت کے چوتھے سال کا ہے۔ ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان دیوار بن کے کھڑے ہوگئے تمام قریش اس پر متفق ہوگئے کہ جو بھی مسلمان ہو جائے اسے عذاب پہنچائیں۔ اور اسے ابتلاء و آزمائش میں ڈالیں۔ حق تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے چچا ابوطالب کے ذریعہ بنی ہاشم (بجز ابولہب کے) اور بنی المطلب کے ساتھ باز رکھا یہ سب نسلی قرابت و عصبیت کی وجہ سے کسی قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت و حمایت میں نکل آئے۔

ایک روز یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوطالب کے پاس آئے آپ ان کو دعوتِ اسلام دینے لگے ان کے بعد تمام قریش مجتمع ہو کر ابوطالب کے پاس پہنچے اور مطالبہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے سپرد کر دو۔ ابوطالب نے جواب دیا کہ کہ اگر اونٹنی اپنے بچہ کے بغیر رہ سکے تو میں ان کو تمہارے سپرد کر دوں۔ اس کے بعد انہوں نے چند اشعار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے کہے ''اے محمد! یہ قریش ہرگز آپ کے مقابل آ کر ایذا و آزار نہ پہنچا سکیں گے آپ اپنے دین کی خوب تبلیغ و دعوت کیجئے اور کچھ تنگی و خوف نہ کھایئے، آپ کی آنکھیں خوش اور ٹھنڈی رہیں کہ آپ نے مجھے دعوت دی اور یہ کہا کہ آپ میرے ناصح اور خیر خواہ ہیں۔ یقیناً آپ سچ فرماتے ہیں آپ بلاشبہ امین ہیں۔ اور آپ نے ایسے دین کو ظاہر فرمایا ہے جو یقیناً مخلوق کے سارے دینوں سے بہتر و افضل ہے۔ اگر مجھے لوگوں کی ملامت کا خیال اور ان کی گالیوں کا خوف نہ ہوتا تو یقیناً آپ مجھے اس دین کے قبول کرنے میں کشادہ دل پاتے''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ آپ لوگوں کے اجتماعات میں تشریف لیجاتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے، فرماتے ''اے لوگو! حق تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اس کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ گردانو''۔ ابولہب آپ کے پسِ پشت کہتا ''اے لوگو! یہ تمہیں، تمہارے باپ دادا کے دین سے پھیرنا چاہتے ہیں ان کے قریب نہ جانا''۔ بعض کفار قریش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر یعنی جادوگر، بعض شاعر، بعض کاہن اور بعض مجنوں (توبہ نعوذ باللہ) تک کہتے تھے۔

منقول ہے کہ قریش نے آپس میں یہ عہد و پیمان کیا کہ چونکہ حج کے موسم میں عرب کے گوشہ گوشہ سے لوگ آئیں گے جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غلغلہ سنیں گے تو یقیناً وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں گے اور ان کی باتیں سن کر ان کے گرویدہ بن جائیں گے لہٰذا ہمیں ابھی سے کسی ایک بات پر متفق ہو جانا چاہیے جسے ہم سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منقصت اور مذمت میں منسوب کر سکیں تاکہ لوگوں کے دل ان سے پھر جائیں اور وہ ان کی طرف مائل نہ ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ ہم ان کو کاہن کہیں گے۔ ولید بن مغیرہ جوان میں سب سے زیادہ عقلمند اور سمجھ دار تھا اس نے کہا ہم نے بہت سے کاہنوں کو دیکھا ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نظم و نثر اور سجع میں کاہنوں کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں رکھتا۔ چنانچہ آنے والے عرب کے قبائل تم کو جھوٹا کہیں گے۔ وہ کہنے لگے اچھا پھر ہم انہیں مجنوں کہیں گے۔ ولید نے کہا ہم یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ وہ سر موجنون نہیں رکھتے۔ کفار کہنے لگے اچھا پھر ہم انہیں شاعر کہیں گے۔ ولید نے کہا ہم شاعری کو بھی خوب جانتے ہیں اور شعر کے اقسام و انواع کو بھی خوب پہچانتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام شعر سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔

پھر وہ کہنے لگے ہم انہیں ساحر یعنی جادوگر کہیں گے۔ اس نے کہا سحر کی تو ان کے ساتھ کوئی مناسبت ہی نہیں ہے کیوں کہ ان میں طہارت و نظافت اعلیٰ درجہ کی ہے اور جادوگر لوگ نجس و پلید ہوتے ہیں۔ ولید نے مزید کہا کہ وہ کلام جو حضور لیکر آئے ہیں اس میں ایسی حلاوت و لذت ہے جو کسی اور کلام میں ہے ہی نہیں۔ حد یہ ہے کہ ان کے کلام میں قلب و روح کیلئے جو تصرف و تاثیر ہے وہ ایسی ہے کہ باپ، بیٹے، بھائی، شوہر اور بی بی کے درمیان جدائی ڈالدیتا ہے جو کسی قدر سحر سے مشابہت رکھتا ہے۔ اگر چاہیں تو یہ کہدیں اگرچہ کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ اسی بنا پر حق تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل فرمایا: اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۔

بعض بد بخت کافر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر انور پر کوڑا کرکٹ پھینکتے، آپ کے دروازہ پر خون ڈالتے، راستوں میں کانٹے وغیرہ بچھاتے اور آپ کے بدن اطہر پر پتھر پھینکتے تھے۔ یہ بد بخت ایسے شقی تھے کہ ان میں سے ایک نے سجدے کی حالت میں اتنی شدت سے گردن کو دبایا کہ قریب تھا آپ کی چشمان مبارک باہر نکل پڑیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا خوب شدت سے گھونٹا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ درمیان میں آ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچایا اس بد بخت نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کی داڑھی اور سر کو اس زور سے گھسیٹا کہ داڑھی کے اکثر بال نچ گئے اور اس سے ان کا سر پھاڑ دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے ان کے سر اور منہ پر اتنی جوتیاں ماریں کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ برابر یہی نصیحت فرماتے رہے کہ: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلاً اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَ کُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّکُمْ. کیا تم ایسے شخص کو مار ڈالنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ یقیناً اپنے رب کی جانب سے دلائل و براہین لائے ہیں۔ یہ قول آلِ فرعون کے مومن کا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرعونیوں سے کہتا تھا۔

صحیح بخاری میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحن کعبہ میں کھڑے تھے کہ اتنے میں عقبہ بن ابی معیط لعنۃ اللہ سامنے سے آیا اور اپنی چادر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک میں ڈال کر گھسیٹا اور اتنی شدت سے لپیٹا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا گھٹ گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس بدبخت کو کندھے سے پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کیا اور فرمایا: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلاً اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ کیا تم اسے جان سے مارنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے"۔

علماء فرماتے ہیں کہ مومن آلِ فرعون سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں اس لیے کہ مومن آلِ فرعون نے زبانی مدد پر اکتفا کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زبان و ہاتھ اور قول و فعل سے مدد کی۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اس خصوص میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سب سے زیادہ شجاع و بہادر ہونے کے قائل ہیں۔ اسی ضمن میں سب سے زیادہ عجیب قصہ وہ ہے جو بخاری میں مروی ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظمہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے اور قریش ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ تم اس شخص کو دیکھ رہے ہو؟ پھر اس نے اوروں سے یہ کہا: تم میں کوئی ایسا ہے جو فلاں قبیلہ سے ذبح کردہ اونٹ کی اوجھ اُٹھا لائے (ایک روایت میں مشیمہ یعنی آنول آیا ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد غلاظت نکلتی ہے)۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں جائیں تو وہ ان کے کندھوں پر رکھ دے۔ اس پر بدبخت عقبہ بن ابی معیط اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اونٹ کی اوجھ لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں رہے اور سر مبارک سجدے سے نہ اُٹھایا۔ اور وہ سب کھڑے ہنستے رہے اور ہنسی میں لوٹ پوٹ ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا آئیں اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شانے سے اس اوجھ کو اُٹھا کر پھینکا۔ اور ان بدبختوں کو برا بھلا کہتی رہیں۔ پھر جب آپ نے نماز مکمل فرمالی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر بددعا فرمائی۔ فرمایا: "اَللّٰھُمَّ عَلَیْكَ بِقُرَیْشٍ" یعنی اے اللہ! ان بدبخت قریشیوں کو تیرے حوالے کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ کی اسی بددعا کے اثر سے ابوجہل وغیرہ روز بدر ذلت و ہلاکت کے ساتھ مارے گئے اور لعنت کے گڑھے میں جھونکے گئے۔ جیسا کہ باب الغزوات میں آئے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی اذیتوں اور گستاخیوں پر بے حد صبر فرمایا لیکن جب ان کی گستاخی حد سے بڑھ گئی اور انہوں نے اس نماز میں جو خدا کی حضوری کا مقام ہے بے ادبی کی تو بارگاہِ ایزدی کی طرف سے وہ پہنچا جس کے وہ مستحق تھے۔ نعوذ باللہ من غضب الحلیم۔ حلیم نے اگرچہ برداشت کی حد کر دی لیکن جب وہ حد سے بڑھ گئے اور رسوا کرنے لگے تو ان کا انجام یہ ہونا ہی تھا۔

مسلمانوں کو اذیتیں پہنچانا

وصل: کفار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کمزور اور ناتواں صحابہ کو بھی اذیتیں دیتے تھے تاکہ وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی گردن میں رسی باندھ کر بچوں کے حوالے کر دیتے اور بچے انہیں مکہ کی گلی کوچوں میں گھسیٹتے پھرتے۔ اسی رسی

سے ان کی گردن زخمی ہو جاتی۔ امیہ بن خلف جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مالک تھا ان کو مکہ کے ریگزاروں میں لے جاتا اور انہیں گرم ریت پر ننگا لٹا کر تپتا ہوا ایک بڑا پتھر ان کے سینہ پہ رکھتا اور ان کے بدن داغ دیتا اور کبھی دھوپ میں لٹا کر لاٹھیوں سے پیٹتا لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان پر ''اَحَدًا اَحَدًا'' جاری رہتا یہاں تک کہ بلال رضی اللہ عنہ کو سانس لینا دشوار ہو گیا اور عذاب کی یہ تلخی ایمان کی چاشنی سے بدل گئی۔ ایک دن وہ اس عذاب میں مبتلا تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچ گئے اور انہیں امیہ بن خلف جمحی سے خرید کر آزاد کر دیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! بلال رضی اللہ عنہ کے خریدنے میں مجھے کیوں شریک نہ کر لیا''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں نے ان کو اسی وقت آزاد کر دیا تھا۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے ماں باپ کو طرح طرح کی اذیتیں دیا کرتے تھے۔ ایک روز انہیں دھوپ میں گرم ریت پر لٹا کر اذیتیں دے رہے تھے کہ اُدھر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم گزرے انہیں اذیت میں دیکھ کر فرمایا: ''اے یاسر رضی اللہ عنہ کے بیٹے صبر کرو۔ سمیہ رضی اللہ عنہ تمہارے ساتھ جنت کا وعدہ کیا جاتا ہے''۔

ابوجہل لعین نے عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ سمیہ کی اندام نہانی میں دشنہ مار کر شہید کر دیا اور پھر ان کے باپ کو بھی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلے شہید ہیں۔

منقول ہے کہ کچھ قریش یہودیوں کے پاس گئے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامتوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کے بارے میں پوچھا۔ یہودیوں نے کہا کہ ان سے تین باتیں دریافت کرو اگر وہ ان کا صحیح جواب دے دیں تو نبی و رسول ہے ورنہ دیوانہ شخص ہے۔ ان سے پوچھو کہ وہ کون لوگ ہیں جو پچھلے زمانہ میں خدا کی طلب میں نکلے تھے؟ اس سے ان کی مراد اصحاب کہف تھی۔ اور پھر ان سے پوچھو کہ وہ کون شخص ہے جس نے چوتھائی زمین کی سیر کی ہے؟ ان سے ان کی مراد حضرت ذوالقرنین سے تھی اور آخر میں ان سے روح کے بارے میں پوچھو کہ وہ کیا ہے؟ اور اس کی کیا حقیقت ہے؟ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل آنا میں تم کو ان کا جواب دوں گا چوں کہ آپ نے انشاء اللہ نہ کہا تھا اس پر کچھ دیر بعد وحی نازل ہوئی اور حق تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَيْءٍ اِنِّي فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ آپ کسی چیز کے بارے میں یوں نہ کہیں کہ اسے کل کروں گا مگر یہ کہ آپ انشاء اللہ کہیں۔ اس کے بعد قرآن، اصحابِ کہف، اور حضرت ذوالقرنین کے بارے میں نازل ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے قصے پڑھ کر سنائے۔ اور پھر روح کی حقیقت کے بیان کے لئے کھڑے ہوئے۔

علماء اختلاف کرتے ہیں کہ روح سے مراد انسانی روح یا جبریل علیہ السلام یا فرشتوں کی وہ صنف ہے جو روزِ قیامت صف باندھے کھڑے ہوں گے۔ جیسا کہ قول باری تعالیٰ میں ہے: يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا۔ جس دن روح اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے۔

علماء فرماتے ہیں کہ راجح یہی ہے کہ اس سے مراد روحِ انسانی ہے۔ لہٰذا پچھ لوگ یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد حق سبحانہ کا یہ ارشاد ہے کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ اے نبی! تم فرما دو روح میرے رب کا حکم ہے''۔ مطلب یہ کہ روح کی حقیقت کو تنہا جاننے والی ذات ربّ تعالیٰ ہی ہے اور وہی اثر انداز ہے اس کی حقیقت کی معرفت میں کسی اور کو کوئی دلیل و راہ نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اس آیت میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی ماہیت پر مطلع فرمایا ہے بلکہ محتمل ہے کہ مطلع کر دیا گیا ہو گا لیکن دوسروں کو اس پر باخبر کرنے کا حکم نہ فرمایا گیا ہو گا۔ بعض علماء قیامت کے علم و وقت کے بارے میں بھی ایسا ہی کہتے ہیں (واللہ اعلم) اور حق تعالیٰ کے اس قول کے مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ فرمایا: وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا اور تمہیں نہیں دیا گیا علم

مگر بہت کم۔ کیونکہ یہ خطاب اس قوم سے ہے جس نے اس بارے میں سوال کیا تھا۔ مطلب یہ کہ تم اس قابل نہیں کہ اس کی حقیقت کو جان سکو۔ اور جو چیز اس حقیقت کے مانند ہے اس کے سمجھنے سے بھی تم عاجز ہو۔ لہٰذا یہودیوں کو علامات نبوت نہ بتانا اور اس کی خبر نہ دینا بھی اس بنا پر تھا۔ نہ کہ اس وجہ سے کہ آپ کو معلوم نہ تھا۔ اسی بنا پر یہودیوں نے کہا تھا کہ اگر جواب دیدیں تو سمجھ لینا کہ نبی ہیں۔

بندۂ مسکین (یعنی صاحب مدارج النبوۃ حقہ اللہ بنور العلم والیقین) کہتا ہے کہ کوئی مومن عارف کیسے جرأت کر سکتا ہے کہ حضور سیّد المرسلین امام العارفین صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقتِ روح کی نفی کر سکے کیونکہ حق تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات و صفات کا علم دیا اور آپ پر اولین وآخرین کے علوم خوب واضح فرمائے تو روحِ انسانی کی حقیقت جامعہ کے پہلو میں کیا وقعت ہے۔ وہ علم ومعرفت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ یا آفتاب روشن کے مقابلہ میں ایک ذرّہ۔

صحابہ کا جانب حبشہ ہجرت کرنا:

جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کفار کا ظلم وستم حد سے بڑھ گیا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حبشہ ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا وہ جگہ امن وامان کی تھی۔ یہ ہجرت ماہ رجب نبوت کے پانچویں سال میں ہوئی تھی۔ گیارہ مرد اور ایک قول کے بموجب بارہ مرد اور چار عورتیں' اور ایک قول کے مطابق پانچ عورتیں پوشیدہ طور پر ہجرت کر گئے تھے بعض نے اہل وعیال کے ساتھ اور بعض نے بغیر اہل وعیال کے ہجرت کی تھی یہ لوگ سمندر کے کنارہ تک تو پیدل گئے پھر وہاں سے کشتی میں سوار ہو کر حبشہ کی جانب روانہ ہو گئے حق تعالیٰ نے ان سب کو حبشہ میں نجاشی کے زیر سایہ پہنچا دیا۔ نجاشی حبشہ کے بادشاہ کو کہتے ہیں۔ اس نجاشی کا نام اصحمہ تھا۔ جس نے سب سے پہلے اہل کے ساتھ ہجرت کی وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ' تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ سیّدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔ جب سلامتی کے ساتھ پہنچنے کی اطلاع ملنے میں دیر ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر دامنگیر ہوئی۔ پھر ایک عورت نے آ کر خبر دی کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی زوجہ کے ساتھ ایک دراز گوش پر سوار جاتے دیکھا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان پہلے شخص ہیں جس نے خدا کے نبی حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اپنی زوجہ کے ساتھ ہجرت کی ہے بعد میں دوسرے صحابہ کرام بھی حبشہ پہنچ گئے۔ اور نجاشی کے زیر سایہ بحفاظت رہنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد ایک جھوٹی خبر پھیلی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکوں کے درمیان صلح ہو گئی ہے جب یہ خبر حبشہ پہنچی تو یہ لوگ حبشہ سے نکل کر مکہ چلدیئے۔ مکہ کے قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ صلح کی خبر نامعتبر اور جھوٹی تھی۔ اور کفار اسی طرح مسلمانوں کی ایذاءرسانی میں سرگرم ہیں۔ ان مہاجروں میں سے جو صحابی مکہ میں داخل ہو گئے تھے کچھ عرصہ بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے وہ پھر حبشہ چلے گئے۔ اس مرتبہ مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ جب کفار کو مسلمانوں کے حبشہ میں امن وچین سے رہنے کی خبر ملی تو انہوں نے عمرو بن العاص کو ایک جماعت کے ساتھ ہدیوں اور تحفوں سمیت نجاشی کے پاس بھیجا تا کہ وہ مسلمانوں کو حبشہ سے نکال دے۔ انہوں نے نجاشی کے دربار میں پہنچ کر اسے سجدہ کیا اور تحفے پیش کیے۔ اور عرض مدعا کر کے اس کی خوشامد کرنے لگے۔ نجاشی نے انہیں منع کیا اور کہا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ جس قوم نے ہمارے ملک میں ہماری پناہ لی ہو۔ اسے ہم ان کے دشمنوں کے حوالے کر دیں''۔ اس کے بعد حکم دیا کہ مسلمانوں کو بلایا جائے تا کہ وہ خود بات کریں اور اپنے دین وملت کا اظہار کریں۔ چنانچہ جب مسلمان نجاشی کے دربار میں پہنچے تو انہوں نے سجدۂ تحیت کے بعد سلام کیا نجاشی کے مصاحبوں نے پوچھا کہ تم نے سجدہ کیوں نہ کیا؟ اس پر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ' نے جو مہاجرین حبشہ میں سے تھے فرمایا ہم غیر خدا کو سجدہ نہیں کرتے کیوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے ہمیں ایسا ہی حکم دیا ہے۔اس کے بعد انہوں نے مسلمانوں کے دین اور اسلامی احکام کی خوب عمدہ طریقہ سے ترجمانی فرمائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے کلام سے نجاشی کے دل میں ایک ہیبت طاری ہوگئی، اس نے اُن سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کلام نازل ہوا ہے اس میں سے کچھ تلاوت کرو۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی تلاوت کی۔ اس پر نجاشی اور پادریوں میں سے جو بھی ان کے پاس تھا سب رونے لگے۔ اور سب نے یک زبان کہا ''خدا کی قسم! یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا دونوں ایک ہی مشکوٰۃ سے نکلے ہیں''۔ اور نجاشی نے کہا۔ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور یہ وہی ہستی مقدس ہیں جس کی بشارت، حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی ہے اور فرمایا ہے کہ ان کے بعد وہ تشریف لائیں گے''۔ اس کے بعد نجاشی نے قریش کے تحفوں کو لوٹا دیا اور ان کو ذلیل و رسوا کر کے دربار سے نکال دیا۔

ایک جھوٹی افواہ کی حقیقت

وصل: اثنائے بیان میں اجمالاً تذکرہ آ گیا تھا کہ ''مہاجرین حبشہ کی ایک جماعت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان صلح ہونے کی خبر پھیل جانے کی بنا پر حبشہ سے آئی تھی اور پھر وہ لوٹ گئی تھی''۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ و انذار کی غرض سے مشرکوں کے آگے سورۂ والنجم کی تلاوت کر رہے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیۂ کریمہ پر پہنچے اَفَرَأَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى (کیا تم نے لات وعزیٰ اور ایک اور تیسرے مناۃ بت کو نہ دیکھا) تو شیطان نے دخل اندازی کی اور مشرکوں کے کانوں میں یہ آواز پہنچائی تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتُهُنَّ لَتُرْتَجٰى. یہ وہ بلند رتبہ اصنام ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے''۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ تمام فرمائی تو سجدہ کیا دوسرے مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا مشرکوں نے بھی مسلمانوں کی موافقت کی۔ وہ بھی سجدے میں چلے گئے اس وقت مسجد حرام میں کوئی کافر ایسا نہ تھا جس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ بجز بقول مشہور' امیہ بن خلف جحی کے۔ اس نے اپنے سر پر خاک ڈالی اور اپنا چہرہ پیٹ ڈالا۔ کہنے لگا ''بس اتنا ہی کافی ہے''۔ پھر مشرکین خوش ہو کر کہنے لگے'' محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے بتوں کو یاد کیا اور ان کی تعریف کی اور ان کی شفاعت کا اثبات کیا' ہم بھی ان کے ساتھ اتنا ہی اعتقاد رکھتے ہیں۔ ہم ان کو خالق، رازق اور جلانے والا اور مارنے والا نہیں جانتے۔ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ اس بات میں اتفاق کر لیا تو ہم ان سے صلح کرتے ہیں اور ان سے اور ان کے ساتھیوں سے ظلم و ستم کا ہاتھ اٹھاتے ہیں''۔ یہ خبر گوشہ گوشہ میں پھیل گئی اور شیطان نے اسے خوب پھیلایا۔ جب حبشہ کے مہاجرین کو یہ خبر پہنچی' تو وہ اپنے وطن کی طرف لوٹ پڑے۔ اس واقعہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حزن و ملال میں ڈال دیا تو حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی خاطر کیلئے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ.

اے محبوب آپ سے پہلے جتنے بھی نبی و رسول ہم نے بھیجے جب وہ تلاوت کرتے تو شیطان نے ان کی تلاوت میں دخل اندازی کی ہے۔ تو ہم شیطان کی دخل اندازی کو منسوخ کر کے اپنی آیتوں کو محکم بناتے ہیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

جب یہ آیت کافروں کے کانوں میں پہنچی تو وہ کہنے لگے کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے معبودوں کی قدر و منزلت کے بارے میں جو کچھ کہا تھا اب وہ اس سے پشیمان ہو گئے ہیں تو ہم بھی صلح کا ہاتھ اٹھاتے ہیں''۔ لیکن اس قصہ کی صحت اور اس حادثہ کے وقوع میں

اہل علم کلام کرتے ہیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے الشفا میں بحث کر کے اس کی اصلیت کو شافی ووافی طریقہ پر ضعیف قرار دیا ہے۔ امام فخر الدین رازی بھی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ قصہ باطل ہے جسے زندیقوں نے گھڑا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ زبعری کی افتراءات میں سے ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ زبانِ حق ترجمان صاحب وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى (وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے بلکہ وہی کلام فرماتے ہیں جو وحی کی جائے) سے بتوں کی تعریف ہو جائے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں ایسی چیز کا قصداً یا سہواً اضافہ فرمائیں جو قرآن میں سے نہ ہو۔ خصوصاً ایسی چیز کا اضافہ جو توحید کے سلسلہ میں اپنی لائی ہوئی چیز کے منافی و برخلاف ہو۔ اور بیہقی فرماتے ہیں کہ نقل و روایت کے اعتبار سے یہ نادر و غریب قصہ ثابت ہے اور ان کے راویوں میں کلام کیا گیا ہے کہ یہ سب کے سب مطعون ہیں۔ اور بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ والنجم کو ختم کر کے سجدہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام مسلمانوں، مشرکوں اور جن و انس نے سجدہ کیا۔ اس کو ارباب صحاح نے بطرق کثیرہ روایت کیا ہے اور ان میں غرانیق والی بات نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ جو کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بتوں کی تعظیم کو جائز قرار دیتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہم عقل و نقل سے جانتے ہیں کہ یہ قصہ من گھڑت اور باطل ہے اسی طرح جمہور علماء محدثین فرماتے ہیں۔ لیکن ان کی ایک جماعت مثلاً ابو حاتم، طبری، ابن منذر، ابن اسحٰق، موسیٰ بن عقبہ اور ابو معشر وغیرہ نے ان روایوں کے ساتھ جن میں سے اکثر راوی ضعیف، واہی، منقطع، مرسل مضطرب اور غیر صحیح ہیں اسے روایت کیا ہے قطع نظر ان کی صحت کے، ان تمام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں کچھ نہ کچھ اصلیت ہے۔ اور اس کے سوا چارہ نہیں کہ توجیہہ و تاویل کے ذریعہ ظاہر سے ان کا اخراج کیا جائے تاکہ ان مخدرات و ممنوعات سے جو مذکور ہیں نکالا جائے۔ وہ بلاشبہ توجیہات و تاویلات کی راہ میں ایسے طریقوں پر چلے ہیں جو مسالک بعیدہ ہیں اور تسلی و تشفی کے موجب نہیں ہیں۔ مثلاً بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ کلمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر (معاذ اللہ) ایسی غنودگی کی حالت میں جاری ہوا جس میں معلوم ہی نہ ہوا کہ کیا کلمے نکل رہے ہیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو حق تعالیٰ نے اپنی آیتوں کو محکم فرمایا۔ اسے طبری نے قتادہ سے روایت کیا ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے اس کی تردید کی ہے اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر شیطان کا کسی حالت میں غالب آنا ہی جائز نہیں۔ خواہ نیند میں ہی کیوں نہ ہوں۔ اور کچھ لوگ اس طرح کی تاویل بعید کرتے ہیں کہ شیطان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبور و مضطر کیا کہ ایسے کلمات، ذہن اقدس سے نکالیں۔ (معاذ اللہ) تو آپ سے یہ کلمات بے اختیاری میں نکل گئے۔ یہ تاویل پہلی تاویل سے بھی بدتر، فاسد اور نامعقول ہے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ یعنی اے شیطان تیرا میرے بندوں پر کوئی غلبہ و اختیار نہیں۔ اگر شیطان میں ایسی قدرت و قوت ہوتی تو پھر کسی بندے کو طاعت کی قوت نہ ہوتی۔ بعض لوگ اس کی اس طرح تاویل کرتے ہیں کہ چونکہ مشرکین اپنے معبودوں کی اسی طرح تعریف کرتے ہیں اور ان کا وصف یہی بیان کرتے ہیں تو وہ اوصاف، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن شریف سے (معاذ اللہ) متعلق ہو گئے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حافظہ میں باقی رہا اور سہواً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر وہی کلمات آ گئے (معاذ اللہ) اس تاویل کو بھی قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے مردود قرار دیا ہے۔ بعض اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت شریف آیۂ کریمہ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى پر پہنچی تو مشرکین ڈرے کہ اب اس کے آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے معبودوں کی مذمت و برائی بیان فرمائیں گے تو مشرکوں نے ان کلمات کے بولنے میں جلدی کی اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت میں ان کلمات کو ملا دیا۔ جیسا کہ ان کی عادت تھی کہ وہ تلاوت قرآن کے وقت شور و غل مچاتے اور قسم قسم کی بولیاں بولتے تھے۔ پھر ان کلمات کو شیطان لعین کی طرف منسوب کر دیا گیا کیوں کہ اسی کے ورغلانے اور ابھارنے سے مشرکوں نے یہ حرکت کی

تھی۔ یا شیطان سے مراد شیاطین کی جنس ہے جس میں انسانی شیطان بھی شامل ہیں۔

بعض اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت قرآن میں ترتیل فرماتے اور ہر آیت کے سرے پر وقفہ اور سکوت فرماتے تھے۔ اور شیطان اس گھات میں لگ گیا کہ کسی سکتہ میں اپنی آمیزش کردے چنانچہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقفہ اور سکتہ میں حضور ہی کی آواز کے مشابہ ترنم میں ان کلمات کو ادا کردیا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھے انہوں نے گمان کرلیا کہ یہ کلمات بھی (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ادا کیے ہیں۔ پھر انہوں نے اسے پھیلا دیا۔ صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ یہ تاویل احسن وعمدہ ہے اور قاضی ابن العربی نے بھی جو کہ اعاظم علماء مالکیہ میں سے ہیں اسے مستحسن قرار دیا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں خبر دی ہے کہ تمام انبیاء ومرسلین میں یہ سنت الٰہی جاری رہی ہے کہ جب کچھ کلام فرماتے تو شیطان اپنی طرف سے اس میں کچھ کلمے ملاتا رہا ہے اور یہ آیہ کریمہ اس بات پر نص ہے کہ شیطان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت میں آمیزش کرکے اس نے بڑھیا تھا نہ یہ کہ (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ان کلمات کو ادا کیا تھا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تاویلات وتوجیہات اس وقت فرض کی جاسکتی ہیں جبکہ یہ قصہ ثابت ہو۔ لیکن اگر قصہ ہی موضوع و باطل ہو تو آیہ کریمہ مذکورہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ کے معنی کیا ہیں؟ اور القاء شیطان سے کیا مراد ہے؟ اور نسخ آیات اور اسے محکم کرنا کونسی آیتوں میں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ثبوت قصہ کی تقدیر پر 'تمنی' کے معنی قرأت وتلاوت کے ہیں۔ اور 'امنیت' کے معنی قرأت کے آئے ہیں۔ اور اس قصہ کے وضع اور بطلان کی تقدیر پر 'تمنی' کے معنی آرزو کرنے اور ہوائے نفس، شہوت نفس کا اندیشہ کرنے اور دنیا کی جانب مائل ہونے اور اس میں مشغول ہونے اور وہ دلی خطرات جن کو وسوسہ کہتے ہیں اور سہو سے پوشیدہ رکھنے اور ان کا باطن میں راہ پانے کے معنی میں ہے۔ اور انبیاء اکرام علیہم السلام پر ان باتوں کی نسبت جائز ہے جبکہ ان پر اصرار استمرار نہ ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِىْ وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اسی پر محمول ہے۔ اور کبھی 'تمنی' کا مطلب' قوم کے ایمان لانے پر زیادہ خواہش کرنے کی جانب راجع ہوتا ہے اور کسی ایسی چیز کی خواہش کرنا جس سے وہ ایمان کی طرف زیادہ سے زیادہ قریب ہوسکیں اور ان کی محبت والفت کا موجب بن کر ان کے دل نرم وگداز بن سکیں۔ اور شیطانی القا سے ان کے دل پھر جائیں۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اس لیے وہ شیطانی القا سے پاک ومنزہ ہیں۔ اور ان کے عزوکمال کو ارشاد وانذار میں ہر اس چیز سے دور رکھتے ہیں جو انہیں زائل کرنے والی ہے۔ اور اُن نشانیوں کو دکھاتے اور برقرار رکھتے ہیں جو امرِ آخرت میں مستغرق ہونے کی جانب داعی ہوں۔ جیسا کہ فرمایا یحکم اللہ بایاتہ "اللہ اپنی آیتوں کو محکم فرماتا ہے"۔ اور اس میں حق تعالیٰ کی بیشمار حکمتیں ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہی خلاصہ تفسیر بیضاوی کے کلام کا ہے۔ انہوں نے اس قصہ کو نقل کرکے اس کا رد کیا ہے۔ اور اس کے آخر میں کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر سہو اور وساوس قلبی کے اطلاق کے جواز میں یہ آیت دلالت کرتی ہے (واللہ اعلم)

منقول ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ لیکن ہجرت ثانی کے ساتھ۔ ہجرت اول کے بارے میں بالفعل کوئی تصریح ہم نے نہیں پائی۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ ہجرت ثانی ہی مراد ہوگی۔ (واللہ اعلم) اور 'روضۃ الاحباب' سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہجرت تیرہویں سال، بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد، ہجرت مدینہ سے پہلے تھی۔ اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی تو شہر مکہ کے لوگوں نے کہا وہ ہم میں سے کس طرح باہر نکل سکتے ہیں۔ اس کے بعد وہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو واپس لائے اور یہ واپسی برک الغماد سے ہوئی تھی۔ مکہ والے یہیں سے لوٹا کر مکہ مکرمہ لائے تھے۔ اور جب قبیلہ کے سردار مالک بن دغنہ کے قریب پہنچے تو اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جگہ دی اور قریش کے شر سے اپنی پناہ میں لے لیا۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اپنے

گھر میں رب العزت کی عبادت کرنے لگے۔ انہوں نے مکان کے صحن میں ایک کوٹھری مسجد کی بنائی جس میں وہ نماز پڑھتے' تلاوت قرآن کرتے اور روتے تھے۔ کیونکہ حق تبارک وتعالیٰ نے ان کا دل بہت نرم پیدا فرمایا تھا وہ بکثرت رویا کرتے تھے۔ تلاوت قرآن کے وقت تو ان کی آنکھیں اپنے قابو میں ہی نہ رہتی تھیں۔ اس کے بعد مشرکوں کی عورتیں' بچے' باندیاں اور ان کے مرد ارد گرد آکر کھڑے ہونے لگے اور قرآن کریم کو سن کر حیرت وتعجب کیا کرتے۔ یہ فضیلت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص تھی۔ کسی اور صحابی کی اس میں ان کے ساتھ شرکت نہ تھی۔ خصوصاً ایسے نازک وقت میں اسلام مخفی تھا' اس زمانہ میں انہوں نے علانیہ مسجد بنائی اور اس میں عبادت اور تلاوت شروع کی۔ مشرکین اور صنادید قریش نے اس پر ابن دغنہ سے یہ خطرہ بیان کیا ہے کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ہماری عورتیں اور بچیاں پاگل نہ ہو جائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے اس عمل سے باز رہنے کو کہیں۔ اور اگر انہیں اپنے رب کی عبادت اتنی ہی پیاری ہے تو وہ گھر میں چھپ کر کریں۔ اور اگر وہ علانیہ ہی عبادت کرنے پر اصرار کریں تو تم اپنے اس عہد کو توڑ دینا۔ جو تم نے ان کے ساتھ کیا ہے اور ان کو اپنی پناہ میں لیا ہے۔ تاکہ ہماری طرف سے تمہاری عہد شکنی نہ ہو'' ۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' نے یہ باتیں سنیں تو آپ نے ابن دغنہ سے کہا میں تمہارے عہد پناہ کو توڑتا ہوں کیوں کہ میں اپنے رب کی پناہ پر راضی ہوں (رضی اللہ عنہ۔ رواہ البخاری)

سیّد الشہداء حضرت حمزہ کا ایمان لانا

وصل:- نبوت کے چھٹے سال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ آپ قریش میں سب سے زیادہ غیرتمند' بڑے شہہ زور اور بہادر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اسلام لانے کی وجہ سے قریش پر غالب وقوی ہو گئے۔

منقول ہے کہ ایک دن ابوجہل لعین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ایذا اور گالیاں دی تھیں۔ اس کی خبر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شکار سے واپسی پر خانہ کعبہ کے طواف کے دوران ملی۔ یہ خبر سنتے ہی غضبناک ہو کر سیدھے ابوجہل کے پاس پہنچے کمان ان کے کندھے پر تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کمان کھینچ کر ابوجہل کے سر پر رسید کی اس بدبخت کا سر پھٹ گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالیاں دیتا اور ایذا پہنچاتا ہے حالانکہ میں ان کے دین پر ہوں''۔ پھر وہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے اور ایمان لائے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نبوت کے پانچویں سال ایمان لائے۔ (واللہ اعلم)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے تین دن بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ' ایمان لائے۔ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی تھی کہ اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعَمَرِ بْنِ ھَشَّامٍ اَوْبِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔ اے خدا عمرو بن ہشام یا عمر الخطاب کے ذریعہ دین اسلام کو عزت دے' اور قوی وغالب فرما' عمرو بن ہشام ابوجہل کا نام تھا۔ اور یہ دونوں قریش میں بہت قوی تھے۔ چونکہ ابوجہل ان میں سے تھا جن کے بارے میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے''۔ اور یہ کہ فرمایا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَ اَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَایُؤْمِنُوْنَ برابر ہے ان پر خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے''۔ قبولیت دعا کی اس کے حق میں گنجائش نہ تھی بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے حق میں تھی کیونکہ ان پر سے بعض حجابات مرتفع نہ ہوئے تھے اور وہ کسی خاص وقت کے ساتھ موقوف تھے۔

جس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے اس دن تک مسلمانوں کی تعداد انتالیس سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

چالیس کے عدد کو پورا فرمایا۔ مدنیہ طیبہ میں آپ کی قبرانور کی زیارت کے وقت سلام میں یہ کہتے ہیں کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَـامَـنْ كَمَّلَ اللّٰهُ بِهِ الْاَرْبَعِیْنَ سلام ہو آپ پر اے وہ ہستی جس کے ذریعہ اللہ نے چالیس کی تعداد مکمل فرمائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے وقت مسلمانوں کی تعداد کچھ اوپر چالیس مردوں اور گیارہ عورتوں پر مشتمل تھی۔ اور تعجب ہے کہ اس مدت تک اسلام لانے میں کیوں تاخیر واقع ہوئی۔ قیاس تو مقتضی تھا کہ اس سے پہلے اس وقت ہی اسلام لاتے جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے۔ مگر اس میں حکمت دین کی قوت کا اظہار تھا اور یہ کہ چالیس کا عدد مکمل ہو۔ کیوں کہ اس عدد کی تکمیل میں ایک عظیم تاثیر پنہاں ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کفر میں ان کی جانب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایذا، ظلم وستم اور سزا کلمات، کبھی بھی واقع نہیں ہوئے۔ آپ کے اسلام لانے کے بارے میں مختلف عبارتیں اور متعدد حکایتیں منقول ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ واقعتاً درست ہوں اور جس راوی کو جیسا معلوم ہوا ویسا ہی نقل کر دیا ہو (واللہ اعلم)

مواہب لدنیہ میں ہے کہ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھے اسلام اپنی بہن کے ذریعہ پہنچا۔ میری بہن حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن زید بن عمرو بن نفیل کی زوجیت میں تھیں، جو کہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ اور آخر حدیث میں عشرۂ مبشرہ کی بشارت مذکور ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ میں اپنی بہن کے پاس گیا اور میں نے کہا ''اور اپنی جان کی دشمن! مجھے پتہ چلا ہے کہ تو صابی یعنی بے دین ہوگئی ہے؟'' کیوں کہ کفار ان مسلمانوں کو جنہوں نے باپ دادا کا دین چھوڑ کر اسلام قبول کرلیا تھا صابی'' یعنی بے دین کہتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے اپنی بہن کو خوب پیٹا یہاں تک کہ وہ لہولہان ہوگئی۔ جب اس نے خون دیکھا تو میری بہن رو کر کہنے لگی تم جو چاہو کرو۔ یقیناً میں مسلمان ہوگئی ہوں۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ میں اسی غصہ کی حالت میں گھر کے اندر گیا وہاں میں نے ایک جگہ ایک کتاب دیکھی جس میں لکھا ہوا تھا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ جب میں نے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو پڑھا تو خوفزدہ ہوکر کانپنے لگا۔ اور میں نے اپنے ہاتھ سے اس کتاب کو رکھ دیا۔ پھر دوبارہ جو میری نظر اس پر پڑی تو میں لکھا دیکھا کہ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ

زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تسبیح میں مشغول ہے اور وہی عزت و حکمت والا ہے۔ اسی کیلئے آسمانوں اور زمین کی ملکیت ہے۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے وہی اول ہے اور وہی آخر ہے۔ اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے اور وہی ہر شے کا جاننے والا ہے۔

آپ فرماتے ہیں میں اسے پڑھتا رہا یہاں تک کہ جب میں آیت پر پہنچا کہ وَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ''۔ تو میں نے اسی وقت کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس کے بعد مسلمان خوشی ومسرت کا اظہار کرتے اور تکبیر بلند کرتے ہوئے باہر نکلے کیوں کہ انہوں نے میری زبان سے کلمہ طیبہ نکلتے سن لیا تھا۔ اس کے بعد میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی بارگاہ دار ارقم (جو کہ مکہ کے نچلے حصہ میں واقع ہے) میں پہنچا۔ چند دنوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہیں قیام پذیر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے سامنے تشریف لائے اس وقت مجھے دو شخص بازوؤں سے مضبوط پکڑے ہوئے تھے۔ جب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''انہیں چھوڑ دو''۔ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اس کے بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سامنے بیٹھ گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گریبان کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا اے ابن خطاب! اسلام قبول کرلے۔ اے خدا! ان کے دل کو ہدایت دے' اس وقت میں نے کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اس وقت تمام مسلمانوں نے خوب بلند آواز سے تکبیر کہی جسے مکہ کی ہر گلی میں سنا گیا۔ اس سے پہلے یہ حالت تھی کہ جو مسلمان ہوتا وہ اپنے اسلام کو چھپاتا تھا۔ لیکن اس وقت خوب اظہار و اعلان ہوا۔ اس کے بعد میں باہر آیا۔ اور میں اس شخص کے پاس گیا جس کی یہ عادت تھی کہ وہ کسی کا بھید چھپاتا نہ تھا۔ میں نے اس سے کہا میں صابی ہوگیا ہوں اس پر وہ شخص خوب زور سے چیخا اور کہنے لگا خبردار ہو جاؤ ابن خطاب صابی ہوگئے ہیں۔ اس کے بعد لوگوں کا وتیرہ ہوگیا کہ وہ مجھے بلاتے تا کہ ایذا و تکلیف پہنچائیں مگر وہ میرے ہاتھ سے مار کھاتے تھے۔ اس پر میرے ماموں یعنی ابوجہل نے پوچھا' کہ ''یہ شور و غوغا کیسا ہے؟'' لوگوں نے بتایا کہ ''ابن خطاب' دین اسلام میں داخل ہوگئے ہیں''۔ یہ سن کر میرا ماموں ایک خچر پر کھڑا ہوا اور اس نے مکہ والوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ''خبردار ہو جاؤ میں نے اپنے بھانجے کو امان دیدی ہے''۔ اس کے بعد لوگ مجھ سے دور ہٹ گئے۔

دوسری روایتوں میں اس طرح ہے کہ ابوجہل شقی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر بڑی شدتیں اور سختیاں کیں۔ مگر اس کا بس نہ چل سکا۔ اور لاچار ہو کے رہ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ' فرماتے ہیں کہ اس کے بعد لوگوں کا یہ حال رہا کہ میں ان کے ساتھ بھلائی کرتا مگر وہ میرے ساتھ ناروا سلوک کرتے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے دین اسلام کو قوی فرمایا۔

ایک اور روایت میں اس طرح مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر پہنچے تو تلاوت قرآن کی آواز ان کے کانوں میں پڑی وہ سورۂ طٰہٰ پڑھ رہے تھے جو ایک صحیفہ میں لکھی ہوئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''یہ صحیفہ کیا ہے مجھے دو''۔ ان کی بہن نے کہا ''تم ناپاک اور مشرک ہو۔ اور یہ ایسی کتاب ہے جس کے بارے میں حکم الٰہی ہے کہ لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ اسے نہ چھوئیں مگر طہارت کے ساتھ'' اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غسل کیا سورۂ طٰہٰ کو شروع سے پڑھنا شروع کیا۔ اور جب اس آیۂ کریمہ پر پہنچے وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی اگر چہ تم بلند آواز سے کہو مگر حق تعالیٰ سر و اخفی کو جانتا ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اسی کے اسماء حسنیٰ ہیں۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا اور کہنے لگے یہ کتنا پیارا کلام ہے۔ یہ کلام اور وہ رب تعالیٰ جس کی یہ صفت ہے کہ وہ سر و اخفی کو جانتا ہے اس کا مستحق ہے کہ اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے سوا کسی کو نہ پوجا جائے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی پوجنے کے لائق نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد' اللہ کے رسول ہیں''۔ اس کے بعد انہوں نے دریافت کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف فرما ہیں تا کہ میں ان کے حضور حاضر ہوں۔ اس کے بعد وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گردن میں شمشیر حمائل کیے حاضر ہوئے۔ صحابہ کرام' خوف سے دروازہ نہیں کھول رہے تھے۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دروازہ کھول دو۔ پھر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سامنے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دونوں بازو پکڑ کر۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان کی کمر پکڑ کر دبایا اور فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ اگر خیریت کے ساتھ آئے ہو تو میں تم سے اپنا ہاتھ کھینچ لوں اور اگر جنگ کے ارادہ سے آئے ہو تو میں تمہیں ہلاک کر دوں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کلام سنا تو ان کا جوڑ جوڑ لرزنے اور کانپنے لگا۔ انہوں نے اپنا سر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے جھکا دیا۔ اور کہنے لگے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر تکبیر فرمائی اور صحابہ نے بھی' خوشی میں بلند آواز سے تکبیر کہی۔ چنانچہ اس تکبیر کی گونج قریش کے

مجمع میں پہنچی اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کفار تو لات وعزیٰ کی علی الاعلان پرستش کرتے ہیں اور آپ دین کو چھپا کر رکھتے ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف چل دیئے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضرب وحرب سے کفار کے مجمع کو خانہ کعبہ کے گردونواح سے دور کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ اور صحابہ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (اے نبی تمہیں اللہ کافی ہے۔ اور یہ مسلمان جو آپ کی پیروی کرتے ہیں) اسی وقت نازل ہوئی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضر ہو کر کہا کہ آسمان والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر مبارک باد عرض کرتے اور اظہار خوشی ومسرت کرتے ہیں۔ (رواہ ابن ماجہ)

قریش کا عہد نامہ لکھنا اور شعب ابوطالب میں مقید ہونا وغیرہ

وصل:- نبوت کے ساتویں سال میں جب قریش نے دیکھا کہ حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اسلام لانے سے دین اسلام کی عزت وقوت بڑھ گئی ہے اور صحابہ حبشہ کی جانب جارہے ہیں اور اسلام قبائل عرب میں پھیلتا جارہا ہے تو ان کے حسد وعداوت کی آگ بھڑکی اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل وہلاکت میں کمربستہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوطالب کی حمایت اور کفالت میں تھے اس لیے ان کیلئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ آپ پر دست ستم دراز کریں، وہ ابوطالب کے پاس آئے ان سے کہنے لگے کہ ''یا تو آپ اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد کردیں یا ہم سے جنگ کیلئے آمادہ ہو جائیں یا پھر اُن سے کہیں کہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا نہ کہیں''۔ اِن کے جانے کے بعد ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم آئی تھی اور ایسا کچھ کہہ رہی تھی۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان کو بخشئے کیوں کہ ہم اور آپ ان سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے''۔ اس پر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اے چچا! کیا آپ نے یہ خیال کیا ہے کہ میں آپ کی حمایت کے بھروسہ پر ایسا کررہا ہوں۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ میرا حامی میرا رب تعالیٰ ہے۔ اور میں اس کے حکم سے اس وقت تک ایسا کرتا رہوں گا جب تک یہ کام آخر تک نہ پہنچے۔ میں اس کام سے نہ ہاتھ روک سکتا ہوں اور نہ اپنے پاؤں پر بیٹھ سکتا ہوں۔ اگر آپ میری تقویت فرماسکیں اور میری موافقت کرسکیں تو یہ آپ کی سعادت ونیک بختی ہے ورنہ نصرت الٰہی اور تائید آسمانی میرے لیے کافی ہے''۔ یہ فرما کر ان کی مجلس سے کھڑے ہو گئے ابوطالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان باتوں سے گونہ تقویت وہمت پیدا ہوئی اور کہنے لگے ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کام کیے جائیے۔ رب کعبہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں آپ کو کوئی پابند نہیں کرسکے گا۔ اور کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو باز نہ رکھ سکے گا''۔ اس ضمن میں ایک شعر کہا جس کا مضمون یہ ہے کہ ''خدا کی قسم! کبھی بھی آپ کی طرف کوئی اپنی قوت کے ساتھ نہ دیکھ سکے گا جب تک کہ میں مٹی میں دفن نہ کردیا جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دین کو علی الاعلان پھیلائیے اور کوئی اندیشہ نہ کیجئے اور خوش رہیے اور اس کی وجہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھیئے۔

اس کے بعد ابوطالب نے بنی ہاشم کو جمع کیا مطلب کی اولاد نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا۔ تسلی وخاندانی عصبیت کے لحاظ سے سب کے سب اگرچہ کچھ ان میں سے کافر تھے) جاہلیت کی عادت کے بموجب اپنی گھاٹی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہو گئے۔ مگر ابولہب داخل نہ ہوا اگرچہ یہ بنی ہاشم میں سے تھا تمام قریش نے اپنے درمیان عہد باندھا کہ ہم میں سے کوئی بنی ہاشم اور بنی

المطلب سے شادی بیاہ، خرید وفروخت، ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا اور گفت وشنید نہ کرے گا۔ اور مکمل مقاطعہ و بائیکاٹ کریں گے۔ اور وہ اس سر زمین سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ انہوں نے بازار والوں سے یہ عہد لیا کہ کوئی چیز ان کے ہاتھ فروخت نہ کی جائیگی کبھی ایسا تھا کہ حج کے زمانہ میں گرد ونواح سے آنے والے لوگ اگر ان کے ہاتھ کچھ فروخت کرتے تو وہ انہیں بھی روکتے تھے اور وہ سامان خود بیش قیمت دے کر خرید لیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک ''عہد نامہ'' لکھا اور مہر کر کے خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا کہ ان کے ساتھ صلح نہیں ہو سکتی مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل پر کہتے ہیں کہ جس ہاتھ نے اس ''عہد نامہ'' کو لکھا تھا وہ شل ہو گیا تھا۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے۔ بیت

یار گو دوست شو، جملہ جہاں دشمن باش بخت گو پشت مدہ، روئے زمین لشکر گیر

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ کفار چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے چاہے کافر برا مانیں، یہ واقعہ نبوت کے ساتویں سال ماہ محرم کی چاند رات کو واقع ہوا۔ تین سال اسی حالت میں گزر گئے۔ اور جب تنگی وعسرت حد سے گزر گئی تو قریش کی وہ جماعت جو بنی ہاشم اور بنی المطلب کے ساتھ قریبی قرابت رکھتے تھے۔ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نرمی وشفقت ڈالی کہ اس عہد کو توڑ ڈالیں اور اس ظالم وقاطع ''عہد نامہ'' کو پرزے پرزے کر دیں۔ قریش کے درمیان نزاع وخصومت واقع ہونے کے بعد انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ اس ''عہد نامہ'' کو سامنے لایا جائے۔ ابو طالب نے اس وقت بتایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خبر دی ہے کہ حق تعالیٰ نے دیمک کو اس عہد نامہ پر مقرر کیا ہے کہ ظلم وجور اور قطعیت کی عبارت کو چاٹ جائے اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو باقی رکھے۔ اگر ان کی یہ بات جھوٹی نکلے تو ان کے ساتھ جو چاہو کرنا اور اگر یہ خبر سچی ہو تو یہی کافی ہے کہ اس عہد نامہ کا مضمون ناپید ہو گیا۔ پھر عہد نامہ کھولا گیا تو وہ ویسا ہی بر آمد ہوا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا قریش شرمندہ ہوئے اور اپنے منہ لٹکا دیے۔ اس کے باوجود ابو جہل اور اس کے پیرو کار چیختے چلاتے رہے کہ ''عہد نامہ'' کو نہ توڑا جائے۔ ابو طالب اپنے ساتھیوں کے ساتھ حرم کعبہ میں داخل ہوئے اور دعا کی اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَقَطَعَ اَرْحَامَنَا وَاسْتَحَلَّ مَا يَحْرُمُ عَلَيْنَا۔ اے خدا ہماری، ہمارے ظالموں پر مدد فرما، اور قطع رحمی کو دور فرما اور جو ہم پر حرام کر دیا گیا ہے اس کو حلال بنا'' پھر اپنی گھاٹی میں لوٹ گئے۔ قریش کی وہ جماعت جو عہد نامہ کو ختم کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔ غالب-----شعب ابی طالب میں داخل ہوئی اور بنی ہاشم اور بنی مطلب کو باہر نکالا اور ان سب کو اپنے اپنے گھروں میں ٹھیرایا۔ مخالفین کچھ نہ کر سکے۔ یہ صورتِ حال نبوت کے دسویں سال میں واقع ہوئی۔

اس دسویں سال فارس وروم کے درمیان جنگ واقع ہوئی جس میں فارس کو فتح حاصل ہوئی۔ جب یہ خبر عرب میں پہنچی تو کفار قریش بہت خوش ہوئے اور مسلمانوں کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر کہنے لگے آج جس طرح ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب آئے ہیں اسی طرح کل ہم تم پر بھی غالب آئیں گے۔ یہ کفار اپنے بھائی سے مراد فارس لیتے تھے کیوں کہ وہ صاحب ملت وکتاب نہیں تھے۔ اور مسلمانوں کے بھائیوں سے مراد روم والے لیتے تھے کیوں کہ وہ اہل کتاب اور نصرانی ملت پر تھے۔ مسلمان ان باتوں سے کڑھتے اور ملول ہوتے تھے۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی۔

الٓمّٓ ۞ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۞ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ حق تعالیٰ نے خبر دی کہ اگر چہ اس سال فارس کے ہاتھوں روم مغلوب ہو گئے ہیں مگر انجام کار چند سالوں میں وہ ان پر غالب آ جائیں گے۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی خبر پر اعتماد کر کے قریش سے فرمایا حق تعالیٰ تمہارے دلوں کو جنگ سے خوش نہیں کرے گا۔ خدا کی قسم! ضرور

بالضرور چند سالوں میں اہل روم اہل فارس کو مغلوب کر لیں گے۔ اس پر ابی بن خلف نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جھٹلایا اور اُن سے شرط باندھی کہ تین سال تک اگر رومی' فارسیوں پر غلبہ پا گئے تو دس اونٹ میں تمہیں دوں گا ورنہ تم ڈینا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سارا ماجرا عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اونٹوں کی زیادتی کردو اور مدت میں بھی کچھ بڑھا دو۔ یہ اس بنا پر ہے کہ ''بضع'' اس عدد کو کہتے ہیں جو تین سے دس تک ہو۔ اور چونکہ حق تعالیٰ نے مبہم فرمایا تھا۔ تعیین نہ فرمائی تھی اس لئے احتیاط اس میں ہے کہ تین کی تعیین نہ کی جائے۔ ممکن ہے کہ رومیوں کو تین سال میں غلبہ حاصل نہ ہو۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور مدت نو سال مقرر کر کے فرمایا سو سو اونٹ کو ایک دوسرے کا ضامن بناتے ہیں۔ چنانچہ روزِ بدر یا روزِ حدیبیہ خبر ملی کہ رومی' فارسیوں پر فتحیاب ہو گئے ہیں۔ حدیبیہ کی روایت درست معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ اس آیت کا نزول بعثت کے دسویں سال ہے اور صلح حدیبیہ ہجرت کے کے چھٹے سال ہے۔ لہٰذا نو سال درست بنتے ہیں۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' نے ابی سے سو اونٹ اس' ضمان سے حاصل کیے۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں مذکور ہے۔ اور صاحب بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ اونٹ ابی کے وارثوں سے حاصل کیے کیوں کہ ابی غزوۂ احد میں واصل جہنم ہو چکا تھا۔ منقول ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' یہ سو اونٹ لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صدقہ کر دینے کا حکم فرمایا۔ غالباً صدقہ کر دینے کا حکم اس نعمت کے حاصل ہونے کے شکرانہ میں تھا۔ یا اس شبہ کی بنا پر کہ یہ مال شرط کا تھا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ شرط لگانے کا قصہ جو قمار یعنی جوئے کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک عقود فاسدہ مانند عقد ربا وغیرہ دارحرب میں' یہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جائز ہے۔

واضح رہنا چاہیے کہ اس آیت میں دو قرأتیں ہیں پہلی قرأت یہ ہے کہ ''غُلِبَتْ'' بصیغہ مجہول اور ''سَیَغْلِبُوْنَ'' بصیغہ معروف ہے۔ اور یہ اسی قرأت پر مبنی ہے اور دوسری قرأت یہ ہے کہ غَلَبَتْ بصیغہ معروف اور سَیُغْلَبُوْنَ بصیغہ مجہول ہے۔ اس قرأت کے بموجب اس کے معنی یہ ہوں گے رومیوں کے فارسیوں پہ غلبہ پانے کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب ہوں گے۔ اور اس آیۂ کریمہ کے نو سال بعد وہ مغلوب ہوں گے اور غَـلَبِهِـم کی اضافت' اول قرأت کے بموجب از قبیلِ' مصدر کی بسوئے مفعول ہوگی۔ اور دوسری قرأت کے بموجب بسوئے فاعل ہوگی۔

۱۰ نبوی میں ابوطالب کی وفات

اسی سال یعنی نبوت کے دسویں سال ابوطالب نے وفات پائی۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے انچاس سال آٹھ مہینے اور گیارہ دن گزرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا! ابوطالب نے وفات پائی۔ بعض کہتے ہیں کہ سن دس نبوی کے نصف ماہِ شوال ہے بعض کہتے ہیں کہ ہجرت سے تین سال پہلے۔ اس وقت ابوطالب کی عمر ستاسی سال کی تھی۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی موت کے وقت فرماتے تھے کہ اے چچا کلمہ لا الٰہ الا اللہ' کہہ دیجئے میں روزِ قیامت آپ کو اس کلمہ کی بدولت شفاعت کر کے چھڑا لوں گا۔ جب ابوطالب نے رسول اللہ صلی! اللہ علیہ وسلم کی اس کلمہ کے کہلوانے میں بڑی خواہش دیکھی تو کہنے لگے ''اے میرے بھتیجے اگر مجھے قریش کا یہ ڈر نہ ہوتا کہ وہ میرے بارے میں یہ کہیں گے کہ یہ کلمہ موت کی بے صبری کے خوف کی بنا پر کہہ دیا ہے تو میں یہ کہہ کر آپ کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی کر دیتا''۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ ''اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ آپ کو میرے بعد طعنہ دیں گے اور کہیں گے کہ تمہارے چچا نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا ہے تو ضرور کہہ دیتا''۔

منقول ہے کہ ابوطالب نے چند اشعار کہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ''آپ نے مجھے دعوتِ اسلام دی اور میں جانتا ہوں کہ آپ ہمیشہ سے میرے ناصح اور خیر خواہ ہیں۔ اور یقیناً آپ کا فرمانا سچ ہی ہے اور آپ اس میں ''امین'' ہیں اور آپ نے ایسے دین کو ظاہر کیا ہے جسے میں جانتا ہوں کہ وہ دین ساری مخلوق کے دینوں سے بہتر و افضل ہے۔ اگر مجھے لوگوں کے برا بھلا اور ملامت کرنے کا خوف نہ ہوتا تو یقیناً آپ مجھے قبول کرنے والا اور اسے ظاہر کرنے والا جواں مرد پاتے''۔

اس کے بعد قریش نے واویلا کرنا شروع کر دیا اور کہا اے ابوطالب کیا تم اپنے باپ دادا کی ملت' اور اپنے بزرگوں' عبدالمطلب' ہاشم اور عبد مناف کے دین سے برگشتہ ہو رہے ہو؟ ابوطالب نے کہا ''نہیں میں اپنے بزرگوں کی ملت پر ہوں''۔ اور وفات پا گئے۔

مروی ہے کہ ابوطالب نے بنی عبدالمطلب کو اپنی موت کے وقت بلایا اور وصیت کی کہ تم سب ہمیشہ نیکی اور بھلائی پر قائم رہنا اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات سنو تو ان کی پیروی کرنا اور ان کی نصرت و امانت کرتے رہنا تاکہ تم رشد و فلاح پاؤ''۔

مواہب لدنیہ میں ہشام بن سائب سے منقول ہے کہ کہا جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے قریش کے جوانوں اور ان کے بڑوں کو اپنے پاس بلایا اور ان کو وصیت کرتے ہوئے کہا ''اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی مخلوق میں بزرگی دی ہے۔ میں تم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ اس لیے کہ وہ قریش میں امین اور عرب میں صدیق یعنی سچے ہیں۔ اور ان میں ہر حسن و خوبی جمع ہے میں ان کے بارے میں تم کو وصیت کرتا ہوں۔ بلاشبہ وہ ایسی بات لائے ہیں جن کو ہر دل تو مانتا ہے مگر زبانیں ملامت کے خوف سے انکار کر رہی ہیں میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں گویا دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے فقیروں درویشوں' عرب کے بادیہ نشینوں اور کمزور و ناتواں لوگوں کو کہ وہ سب ان کی دعوت قبول کرتے ان کے کلمے کی تصدیق کرتے اور ان کو اپنا بزرگ و رہنما جانتے ہیں! پھر قریش اور ان کے بڑوں کے سر جھک گئے ہیں۔ اور ان کے مکانات ویران ہو گئے ہیں ان کے کمزور' صاحب ثروت اور عظیم تر بن گئے ہیں اور جوان میں بزرگ نصیبہ ور اور بہرہ مند ہو گئے ہیں۔ بلاشبہ انہوں نے عرب کو خالص بنا دیا ہے اور اپنی محبت ان کے دلوں میں خوب رچا بسا دی ہے۔ وہ سب ان کی اطاعت و فرمانبرداری کر رہے ہیں۔ (یہ سب واقعات آئندہ رونما ہونے والے ہیں گویا اس وقت دیکھ رہا ہوں) تو آئے گروہ قریش! تم ان سے محبت کرنے والے اور ان کی نصرت و حمایت کرنے والے بنجاؤ۔ خدا کی قسم! جو بھی ان کی پیروی کی راہ اختیار کرے گا اور ان کی متابعت کرے گا یقیناً وہ ہدایت یافتہ اور کامیاب ہوگا۔ اور کوئی نیک بخت ان کی سیرت و خصلت کا انکار نہیں کرے گا۔ اگر میں کچھ عرصہ اور زندہ رہا اور میری اجل میں کچھ تاخیر ہے تو یقیناً میں ان کی حفاظت و حمایت ہی کرتا رہوں گا اور ہر حادثہ و برائی کو ان سے دور رکھوں گا''۔ یہ وصیت کی اور اس جہان سے رخصت ہو گئے۔

غرضیکہ حضرت ابوطالب کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت و امداد' حمایت و رعایت کرنا اور آپ کی مدح و ثنا کرنا' آپ کی شان کو بڑھانا اور آپ کے مرتبہ کو اونچا کرنا ان کے اشعار و اخبار میں بکثرت موجود ہے۔ اس کے باوجود علماء کہتے ہیں کہ وہ ایمان نہیں لائے اور مسلمان ہو کر اس جہان سے نہیں گئے۔ اس کے جواب میں علماء فرماتے ہیں کہ گو انہوں نے زبان سے اقرار نہیں کیا مگر دل سے تصدیق کی اور ان کی جانب سے اذعان و قبول اور اطاعت وجود میں نہیں آیا۔ اور وہی تصدیق و اقرار معتبر ہے جو اذعان و قبول اور انقیاد تسلیم کے ساتھ شامل ہو جیسا کہ کتب کلامیہ میں تحقیق کی گئی ہے۔ اور احادیث و اخبار میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا بجز اس روایت کے جو ابن اسحٰق سے مروی ہے کہ وہ وفات کے وقت اسلام لائے۔ اور کہا کہ جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف نظر کی دیکھا کہ وہ اپنے لبوں کو جنبش دے رہے ہیں تو انہوں نے اپنے کان قریب کیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے کہا کہ اے بھتیجے خدا کی قسم! بلاشبہ میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھا جس کلمہ کے پڑھنے کو آپ انہیں فرما رہے تھے۔ ایک روایت

میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے سنا ہے'' اس کے باوجود صحیح حدیث میں ان کے کفر پر اس سے استدلال و اثبات کیا گیا ہے کہ ان کا آخری کلام ''علی ملتہ عبدالمطلب'' ہے۔ اور انہوں نے لا الہ الا اللہ نہیں کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یقیناً میں اس وقت تک تمہاری مغفرت مانگتا ہوں گا۔ جب تک مجھے اس سے منع کر دیا جائے۔ اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى۔ نبی اور ایمانداروں کو زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کیلئے استغفار کریں اگر چہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

نیز مروی ہے کہ ابو طالب کے بارے میں نازل ہوا کہ اِنَّكَ لَاتَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (بے شک آپ جسے بہت زیادہ چاہتے ہیں ہدایت پر نہیں لا سکتے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے) صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابو طالب کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ آپ کی حمایت کرتے اور آپ کی اعانت کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدلے اظہار غضب کرتے تھے تو کیا ان کو اسی کا کچھ صلہ ہے؟ فرمایا ہاں! میں نے ان کو جہنم کے طبقات اور اس کی گھاٹیوں میں پایا تو میں ان کو وہاں سے نکال لایا اب صرف ان کے پاؤں آگ میں ہیں۔ جس کی حرارت دماغ تک پہنچتی ہے اور اس سے ان کا دماغ کھولتا ہے۔ اور ایک روایت میں اتنا زیادہ آیا ہے کہ ان کا دماغ ان کے پاؤں کی طرف میلان کرتا ہے۔ نیز مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روز قیامت لوگوں میں از روئے عذاب سب سے ہلکا اور سبک ترین عذاب ابو طالب کیلئے ہے کہ صرف جوتیوں کی بندش تک آگ میں ہے جس سے ان کا دماغ کھولتا ہے اور یہ اس ضمن میں مروی ہے کہ کفار کے نیک عمل ان کے عذاب کی تخفیف کا سبب ہیں۔

روضۃ الاحباب میں بھی ابو طالب کے حالت کفر مرنے کے بارے میں خبریں مذکور ہیں۔ نیز منقول ہے کہ امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا ''اِنَّ عَمَّكَ الشَّيْخَ الضَّالَّ قَدْمَاتَ بیشک آپ کے بوڑھے گمراہ چچا کی وفات ہوگئی ہے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رو کر فرمایا انہیں غسل دو اور ان کی تجہیز و تکفین کرو میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ وہ حالت شرک میں مرے ہیں''۔ فرمایا ''جاؤ انہیں زمین میں ڈھانپ دو''۔ اور یہ بھی فرمایا: غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَرَحِمَهُ اللّٰهُ اللہ انہیں بخشے اور رحمت فرمائے۔ نیز منقول ہے کہ سیدنا عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کے جنازے کے ہمراہ تشریف لے گئے اور فرمایا اے میرے چچا تم نے صلہ رحمی کا حق ادا کر دیا' اور میرے حق میں تم نے کوئی کمی اور کوتائی نہ کی اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی جزائے خیر دے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت ابو طالب کا قصہ' غرابت وندرت سے خالی نہیں ہے۔ اور اسی طرح سے مروی ہے کہ جب قریش نے مزاحمت ومخاصمت کا اظہار کیا تو ابو طالب نے کہا عبدالمطلب ہاشم اور عبد مناف کی ملت پر مرتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبدالمطلب اور ان کی قوم سب آگ میں ہیں اور علماء متاخرین اثبات کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد شرک وکفر کی نجاست سے پاک وصاف ہیں کم از کم اتنا تو لازم ہے کہ اس مسئلہ میں توقف اور صرف نگاہ کریں (واللہ اعلم)

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات

حضرت ابو طالب کی وفات کے تین یا پانچ روز کے بعد ام المومنین سیّدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی۔ ان کی اقامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں پچیس سال رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سال کو ''عام الحزن'' یعنی غمی کا سال فرمایا کرتے

تھے۔ گھر سے جسے ''بیت الحزن'' کہنا چاہیے بہت کم نکلتے تھے۔ کفار نے پہلے سے بہت زیادہ ظلم و جفا کی بنیاد رکھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال نے بعد ام المومنین سیّدہ سودہ اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ قرشیہ عامریہ اور بیوہ تھیں۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کنواری چھ سالہ تھیں۔ ہجرت کے بعد سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے زفاف واقع ہوا۔ باقی حالات' ازواج مطہرات کے ضمن میں انشاء اللہ آئیں گے۔ اس کے بعد کچھ دنوں تک ابولہب نے بحکم عصبیت لوگوں کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسمی حمایت کا اظہار کیا لیکن جب اس نے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عبدالمطلب اور ان کی قوم کی جگہ دوزخ میں ہے تو وہ بیزار ہو گیا۔ اور حضور سے دست حمایت کھینچ لیا اور کافروں کے ساتھ ایذا وضرر پہنچانے میں شریک ہو گیا حتیٰ کہ مکہ میں رہنا دشوار کر دیا۔ حضور دعوتِ اسلام کی خاطر قبیلہ بنی بکر بن وائل تشریف لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پہنچ کر دعوتِ اسلام دی مگر انہوں نے قبول نہ کیا وہاں سے قبیلہ قحطان تشریف لے گئے۔ انہوں نے ابتداء میں تو مہمان نوازی کی لیکن آخر میں وہ پشیمان ہو گئے۔ وہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم طائف اور ثقیف کی جانب متوجہ ہوئے۔ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ ایک ماہ ثقیف میں رہے انہیں دعوتِ اسلام دی مگر انہوں نے قبول نہ کیا اور غلاموں اور بچوں کو پیچھے لگا دیا کہ وہ ایذا و آزار پہنچائیں۔ وہ شور و غوغا کرتے اور گالیاں دیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلتے اور پتھر مارتے تھے۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پائے اقدس خون سے بھر گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب وہ بدنصیب' پتھروں کو پائے اقدس پر مارتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر آ رہتے اور بیٹھ کر دست مبارک سے پاؤں کو تھام لیتے۔ پھر کھڑے ہوتے اور جب چلتے تو پھر پتھر مارتے اور ہنستے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سپر بنائے رہتے یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا۔ بیت۔

روز اغیار واز دیوار سنگ یاری آید ملائے دردمنداں از در و دیواری آید

اَلْبَلَاءُ عَلٰی قَدْرِ الْوَلَاءِ الْاَنْبِيَآءُ اَشَدُّ بَلَاءً ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ ۔ محبت و دوستی کے اندازے پر بلائیں ہوتی ہیں۔ آزمائش وامتحان کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام سب سے زیادہ شدائد میں ہیں۔ پھر جو ان کے مشابہ ہیں وہ اس میں زیادہ مماثل ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا روز احد سے زیادہ سخت وشدید دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی اور بھی آیا ہے؟ فرمایا بلاشبہ تمہاری قوم کی جانب سے مجھ پر سخت سے سخت مصائب و آلام توڑے گئے لیکن ان کی جانب سے جتنا دکھ روز عقبہ (سفر طائف کے وقت) پہنچا ہے جس وقت میں عبد یالیل بن کلال کے سامنے آیا اور منصب جلیل ظاہر کر کے اسے دعوتِ اسلام دی تو اس نے اس کو قبول نہ کیا۔ میں چل دیا درآنحالیکہ میں بہت مغموم و محزون اور بیخود تھا۔ ''قران الثعالیب'' میں پہنچے مجھے ہوش نہ تھا۔ اس کے بعد میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ کئے ہوئے ہے پھر میں نے غور سے دیکھا تو اس میں جبریل علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے مجھے مخاطب کیا اور کہا حق تعالیٰ نے تمہاری قوم اہل مکہ وغیرہ کی حرکتیں اور باتیں ملاحظہ فرمائی ہیں۔ یعنی جو انہوں نے جواب دیا اور بدسلوکی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خدمت میں ملک الجبال ''یعنی پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع فرمان کر دیا ہے کہ جو چاہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے حکم فرمائیں۔ اس کے بعد ملک الجبال نے مجھے مخاطب کیا اور سلام عرض کیا اور کہا حق تعالیٰ نے آپ کی قوم کی باتیں سنی ہیں۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں' دنیا جہاں کے پہاڑ میرے قبضہ واختیار میں ہیں۔ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حق تعالیٰ نے بھیجا ہے تا کہ آپ جو چاہیں مجھے حکم فرمائیں۔ اگر آپ حکم فرمائیں تو میں ان پر ''حسین'' کو (یہ دو پہاڑوں کے نام ہیں ان کے

درمیان مکہ بستی ہے) اٹھا کر انہیں کچل کر ہلاک کردوں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں چاہتا کہ انہیں نیست و نابود کیا جائے بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو اس کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں گے۔ ابن الّلیل طائف کے سرداروں میں سے تھا اور قران الثعالیب ان مقامات کے نام ہیں۔ جو اہل نجد کا میقات ہے اور اسے ''قرن المنازل'' بھی کہتے ہیں۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ طائف میں حضور کی اقامت دس روز رہی اور روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ ایک روایت کے مطابق حضور ایک ماہ تک رہے تھے۔ (واللہ اعلم)

جنات کی بیعت

وصل: جب اہل طائف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول نہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پریشانی اور مصیبت کی حالت میں مکہ کی جانب مراجعت فرمائی۔ راستہ کے کنارے ایک باغ میں پہنچے۔ جب اس باغ کے محافظ و نگہبان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر پریشانی کا اثر دیکھا تو اس کی رگ رحم حرکت میں آئی اور انگور کا ایک خوشہ اپنے نصرانی غلام کے ہاتھ جس کا نام عداس تھا حضور کی خدمت میں بھیجا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کا خوشہ کھانے کیلئے دست مبارک رکھا تو بِسْمِ اللّٰهِ پڑھی۔ اس پر عداس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا اور کہنے لگا خدا کی قسم! میں نے اس طرف کے لوگوں کے منہ سے ایسا کلمہ نہیں سنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عداس سے دریافت فرمایا تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا میں نصرانی ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مرد صالح حضرت یونس بن متی کے قریہ کے رہنے والے ہو۔ عداس نے کہا آپ حضرت یونس کو کیسے جانتے اور پہچانتے ہیں؟ فرمایا وہ میرے بھائی اور میری مانند خدا کے نبی ہیں۔ عداس نے کہا آپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا میرا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے کہا میں نے مدت سے آپ کا نام دیکھا ہے اور آپ کی تعریف میں نے توریت میں پڑھی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ میں مبعوث فرمائے گا۔ مکے والے آپ کی اطاعت نہ کریں گے اور آپ کو نکال دیں گے۔ بالآخر آپ کی مدد ہوگی اور آپ کا دین روئے زمین پر پھیلے گا۔ اس کے بعد عداس نے آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قدمہائے مبارک کو چوم کر آنکھوں سے لگایا اور مسلمان ہوگیا۔ وہ دعائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ضعف و ناتوانی اور پریشان حالی میں مانگی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے جس میں امت کے درماندوں اور بیچاروں کیلئے تلقین و ہدایت ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْكُوْا اِلَیْكَ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَهُوَ انِیْ عِنْدَ الْمَخْلُوْقِیْنَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰاحِمِیْنَ وَاَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَرَبِّیْ اِلٰی مَنْ تَكِلُنِیْ اِلٰی عَدُوٍّ بَعِیْدٍ تَجَهَّمَنِیْ وَمَلَّكْتَهٗ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَكَ بِیْ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِیْ وَلٰكِنْ عَافِیَتَكَ اَوْسَعَ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ بِهِ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَیْهِ اَمْرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اَنْ یُّنْزِلَ بِیْ غَضَبَكَ وَیُحِلَّ عَلَیَّ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ

اے میرے رب! میں تجھ سے اپنی قوت کی کمزوری اپنے حلیہ کی کمی اور مخلوق کی طرف سے اپنی رسوائی کی شکایت کرتا ہوں تو ہی ارحم الراحمین اور تو ہی کمزور اور ناتوانوں کا رب ہے تو نے مجھے ایسے دور دراز کے دشمنوں کے حوالہ کر دیا ہے جو میری شکل دیکھتے ہی غصہ میں آ جاتے ہیں۔ ایسوں کیلئے تو نے مجھے مالک بنایا ہے اگر یہ تیرا غضب میرے لیے نہیں ہے تو مجھے کوئی فکر و اندیشہ نہیں کیونکہ تیری عافیت بہت وسیع ہے۔ میں تیرے اس وجہ کریم کے نور کی پناہ چاہتا ہوں جو تاریکیوں کو چھانٹتا ہے اور دنیا و آخرت کے کاموں کی اصلاح فرماتا ہے۔ اس بات سے کہ تیرا غضب مجھ پر ہے اور تجھے

حق ہے کہ اپنی رضا وخوشنودی کیلئے سختی وعتاب فرمائے تیرے سوا کسی
کی قوت وطاقت نہیں ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابوطالب نے وفات پائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پا پیادہ طائف تشریف لے گئے اور طائف والوں کو دعوتِ اسلامی دی مگر انہوں نے قبول نہ کیا آپ نے مغموم ومحزون حالت میں واپسی پر ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے اور دو رکعت ادا کر کے دعا مانگی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَشْکُوْ اِلَیْكَ (آخر تک) احادیث وسیر کی کتابوں میں یہ دعا مذکور ہے۔

واپسی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم "وادی نخلہ" میں پہنچے (وادی نخلہ ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کی ایک منزل کی مسافت پر واقع ہے) وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شب قیام فرمایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات میں نماز کیلئے قیام فرمایا تو شہر نصیبین (حمہ ملک شام میں ہے) کے سات جن اور ایک روایت میں نو جنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت قرآن کی آواز سنی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے کے بارے میں وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ کی آیۃ کریمہ اس طرف مشیر ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو جنات کی یہ جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر ہو کر آئی اور حضور نے انہیں ایمان کی دعوت دی۔ اور وہ ایمان لے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے۔ جب وہ اپنی قوم میں پہنچے تو انہوں نے کہا یٰقَوْمَنَا اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی کَذَا فِیْ رَوْضَةِ الْاَحْبَابِ۔

مواہب لدنیہ میں سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے کچھ اور ہی روایت منقول ہے جسکے مطابق جنات کے کچھ لوگوں نے قرآن کریم سنا لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر ہو کر موجود نہ ہوئے اور اس مرتبہ انہوں نے صرف قرآن کی سماعت پر ہی اکتفا کیا۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف گئے اسکے بعد فوج درفوج جنات قوم آنے لگی۔ اور ٹولیوں کی ٹولیاں بنکر قرآن کریم سننے کیلئے آتیں اور ایمان لاتیں رہیں۔ مگر وہ ظاہر ہو کر سامنے نہیں آئے نادیدہ مسلمان ہوئے۔ منقول ہے کہ حرم کے نزدیکی درختوں میں سے ایک درخت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا اور اس نے خبر دی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی قوم آپ سے ملاقات کیلئے آئی ہوئی ہے جو مقام "حجون" میں ٹھہری ہوئی ہے حجون ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کی بلندی میں واقع ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے استقبال کیلئے مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لائے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کو اپنے ہمراہ لیا۔ اور مقام "حجون" پہنچے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجون کی کھائی میں اترے تو اپنی انگشت مبارک سے زمین پر ایک دائرہ کھینچا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے فرمایا اس دائرے سے باہر قدم نہ نکالنا تاکہ کوئی آفت تمہیں نہ پہنچے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہوئے اور نماز میں سورۂ طٰہٰ کی تلاوت فرمائی ایک روایت میں بارہ ہزار اور ایک روایت میں چھ ہزار جنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے۔ نماز کے بعد سب کو دعوتِ اسلام دی اور سب مسلمان ہو گئے۔

مروی ہے کہ جنات کی قوم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نبوت پر گواہی مانگی تو ایک درخت کو جو اس وادی کے کنارے کھڑا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریب بلایا وہ سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنات نے اپنے اور اپنے جانوروں کے کھانے کیلئے مجھ سے توشہ مانگا ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کیلئے استخواں یعنی ہڈیاں اور ان کے چوپایوں کیلئے سرگین مقرر فرمائی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات سے فرمایا جب تم ہڈیوں کو لے کر خدا کا نام لوگے تو حق تعالیٰ اس پر اتنا گوشت پیدا فرما دے گا کہ تم سیر ہو جاؤ گے اور جب تم اپنے

چوپایوں کیلئے سرگین لوگے تو حق تعالیٰ اسمیں دانے اور غلے پیدا فرمادے گا۔ اسی بناپر شریعت میں ہڈی اور سرگین سے استنجا کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے مکہ مکرمہ واپس ہوئے تو آپ یکا یک مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہوئے مبادا کہ مکہ والوں نے طائف اور ثقیف کے لوگوں کی حرکتیں اوران کی شناعتیں اور حماقتیں نہ سن لی ہوں اور وہ بھی ویسی ہی بدسلوکی کرنے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کسی کو قریش کے قبائل کی طرف امان و پناہ کیلئے بھیجا مگر کسی نے نہ مانا۔ یہاں تک کہ مطعم بن عدی نے اپنی امان و پناہ میں لینے کا وعدہ کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے حجر اسود کو بوسہ دیا اور خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ (زادہا اللہ تعظیما وتشریفا) اور دو رکعت نماز پڑھی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

مدینہ منورہ سے قوم انصار کی آمد، ان کی بیعت اور ان کی طرف سے ہجرت کی ترغیب

وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے گیارہویں سال حج کے زمانہ میں منیٰ میں عقبہ کے قریب تشریف فرما تھے کہ مدینہ منورہ کے قریب خزرج کا ایک گروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوتِ اسلام دی اور قرآن مجید سنایا۔ اور فرمایا کہ ''حق تعالیٰ نے مجھے منصب رسالت عطا فرمایا ہے اگر میری متابعت کرو گے تو دنیا وآخرت میں نیک بخت وسعادت مند رہو گے۔ انہوں نے چونکہ مدینہ منورہ کے یہودیوں سے سن رکھا تھا کہ نبی آخر الزماں کے ظہور و بعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں اور آپ کے جمال با کمال کا مشاہدہ کیا تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے ''خدا کی قسم! یہ وہی نبی ہے جن کے بارے میں یہودی کہا کرتے ہیں اس وقت کو غنیمت سمجھو اور ان پر ایمان لے آؤ تا کہ مدینہ والوں میں سے کوئی تم پر سبقت نہ لے جائے۔ وہ سب مسلمان ہو گئے یہ چھ اشخاص تھے پورا قصہ ہجرت کے مبادیات میں آئے گا۔

نبوت کے بارہویں سال یعنی ہجرت سے ایک سال پہلے قصہ معراج پیش آیا۔ اس قصۂ شریفہ معظمہ کی تفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے باب میں پہلے گزر چکی ہے۔ نماز پنجگانہ کی فرضیت بھی اسی سال میں ہے اور یہ جو گزرا ہی کہ ام المومنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتی تھیں وہ نماز پنجگانہ کے ماسوا تھیں اور یہ بات متحقق ہو چکی ہے کہ ابتدائے وحی میں ہی ان کے اول اور اس کے آخر میں نماز فرض ہوئی تھی لیکن نماز پنجگانہ کی فرضیت (معراج میں) بارہویں سال میں ہوئی اور سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات دسویں سال میں ہوئی۔

باب چہارم

قضیہ ہجرت اور اس کے ابتدائی واقعات

نبوت کے تیرھویں سال میں ہجرت اور اس کے ابتدائی واقعات رونما ہوئے جو تمام خیرات و برکات کے ابواب کی ابتدائی کنجی ہیں۔

بدآنکہ: بعد از کثرت شرائع واحکام و بعد از شدت جہل و عداوت قریش نافرجام، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس انتظار میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی سبب ایسا پیدا فرما دے جس کی بنا پر کوئی قوم ایسی مل جائے جو دین اسلام کی ناصر و موئید اور اعدائے دین کے معارض و متصادم رہے۔ اس غرض سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبائل عرب کے ان میلوں اور مجمعوں میں تشریف لے جاتے جہاں وہ مجمع ہو کر آتے تھے آپ وہاں جلوہ گر ہو کر اظہار دین اسلام اور تبلیغ رسالت میں مشغول ہوتے گو تمام قبائل عرب اس سعادت کا ادراک کرتے لیکن اس دولت کے حاصل کرنے میں متوقف و متردد رہتے اور کہتے کہ وہ لوگ جو آپ کے بہت نزدیکی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے بخوبی واقف و باخبر ہیں اگر وہ آپ کی اطلاعات و پیروی میں سبقت کرلیں تو اوروں کو اصلاع احوال میں کسی قسم کا ترددو توقف نہ رہے گا۔

اسی دوران قبیلہ بنی اشہل کے کچھ لوگ بقصد حلیف بننے اور قریش سے معاہدہ کرنے مدینہ منورہ سے آئے ہوئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوتِ اسلامی دی تو ان میں ایک جوان جس کا نام ایاس بن معاذ تھا اپنی قوم سے کہنے لگا ''اے قوم! اس شخص کی بیعت کرلو خدا کی قسم! اس شخص سے عہد کر لینا قریش سے عہد و حلف کے باندھنے سے زیادہ بہتر اور زیادہ اہم ہے۔'' ان میں سے ایک اور شخص جوان کا سردار تھا اس سعادت کے فرمانے میں مانع آیا اور اس نے کہا ''دیکھو اور انتظار کرو کیا ہوتا ہے۔'' اور لوگ بھی اس کے ڈر سے اور خاموش رہے انہوں نے نہ تو قریش سے حلف باندھا اور نہ قبول کیا۔ توقف اختیار کرکے مدینہ کی جانب لوٹ گئے اور ایاس بن معاذ نے زندگی کا سامان آخرت کے ساتھ باندھ لیا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے۔

اس کے بعد مسبب الاسباب رب العزت جل وعلا نے اپنا ارادہ اس سے متعلق فرمایا کہ حج کے موسم میں خزرج کی ایک جماعت مدینہ منورہ سے آئی ہوئی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف لے گئے اور فرمایا سارے جہان کے رب نے مجھے منصب رسالت سے سرفراز فرمایا ہے اور میری قوم امر الٰہی کی تبلیغ اور احکام دین کی اشاعت میں مانع آتی ہے اگر تم ایمان لاؤ اور دین کی اعانت کرو تو دنیا و آخرت میں سعادت و نیک بختی کو پہنچو گے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام سن کر ایک دوسرے کو دیکھا اور کہنے لگے یہ وہی نبی آخر الزماں ہے جس کی خبر یہودی دیا کرتے ہیں اور ہمیں ڈرایا کرتے ہیں کہ نبی آخر الزماں کا آفتاب رسالت آج ہی کل میں طلوع ہونے والا ہے ہم ان کی حمایت کے سایہ میں تمہیں ہلاک کر دیں گے۔ اے قوم خبردار ہو جاؤ سبقت کرو اور ایمان لاؤ تا کہ دنیا و آخرت کی سعادت کو حاصل کر سکیں۔ اور یہود کی طاقت کا ہاتھ تم سے کوتاہ رہے۔ پھر وہ بیعت اسلام کی سعادت پا کر اور سیّد انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصرت کا عہد قبول کر کے مدینہ منورہ کی طرف لوٹ گئے اس کو ''بیعت عقبہ ادنیٰ'' کہتے ہیں کیونکہ منیٰ کی پہاڑی میں عقبہ کے قریب جسے جمرۃ العقبہ بھی کہتے ہیں پہلی مرتبہ بیعت واقع ہوئی۔ اس وقت اس جگہ ایک مسجد بنی ہوئی ہے۔ کیونکہ اس کے سامنے اس نوری بیعت کا قضیہ واقع ہوا۔ جس سے مشتاق غریبوں کے دلوں میں ایمان تازہ ہوتا ہے۔

عقبہ اولیٰ کے اصحابہ بقول اصح چھ حضرات ہیں۔ اسعد بن زرارہ، جابر بن عبداللہ انہیں میں سے ہیں۔ جب یہ جماعت مدینہ منورہ پہنچی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کا مدینہ میں خوب چرچا ہوا۔ مدینہ منورہ کے مجالس اور بیوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر شریف سے منور ہو گئے اور دعوتِ اسلام کی اشاعت ہوئی یہ واقعہ گیارہویں سال کا ہے۔

آئندہ سال حج کے موسم میں قبیلہ اوس وخزرج کے بارہ حضرات مع مذکورہ چھ افراد کے اور ایک قول کے بموجب پانچ افراد کے جن میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت اور عویمر رضی اللہ عنہ بن ساعدہ بھی ان میں شامل تھے آئے تو اسی عقبہ کے قریب شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ اس جماعت میں سے ذاکوان رضی اللہ عنہ بن عبد قیس زرقی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوچ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ٹھہر گئے۔ پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ آئے ان کو مہاجر انصاری کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کی خواہش پر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ کر دیا تا کہ وہ ان کو قرآن کریم اور دین کے مسائل سکھائیں۔ وہ ان کے ساتھ جماعت قائم کرتے تھے۔ اسی سال مدینہ منورہ میں جمعہ کی اقامت واقع ہوئی۔ اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر، انصار کی مدد سے دعوتِ اسلام کے اظہار اور احکام شرع کے بیان میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک دن، بنی عبدالاشہل کے ایک باغ میں اہل مدینہ کی ایک جماعت کے سامنے تلاوتِ قرآن کریم اور احادیث رسول رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم بیان کر رہے تھے کہ کسی نے سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کا جو اکابر قوم میں سے تھا اور اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ کے ماموں کا بیٹا تھا اس کی خبر پہنچی۔ سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ اس خبر کو سنتے ہی ہاتھ میں نیزہ پکڑ کر اس باغ کے دروازہ پر آ کھڑا ہو گیا اور امیروں کی طرح غرور و تکبر کی روش اختیار کر کے کہنے لگا، کیا بات ہے یہ درماندہ مسافر نادانوں اور بے سمجھوں کو راہ سے بھٹکاتا ہے کسی نے اسے ہمارے باغ میں لا کر کھڑا کیا ہے۔ اس سے کہہ دو اگر آئندہ اس جگہ آیا تو اپنی سزا کو پہنچے گا۔ اس کے بعد وہ جماعت درہم برہم ہو گئی۔ دوسرے دن حضرت مصعب بن عمیر، حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ اسی جگہ کے قریب دعوتِ اسلام اور تلاوت قرآن کر رہے تھے کسی نے پھر سعد بن معاذ کو خبر پہنچائی اس نے آ کر پھر انکار کی روش اختیار کی لیکن اب اتنی شدت وگرمی نہ تھی جتنی ایک دن پہلے تھی۔ حضرت اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ نے جو قدرے نرمی کو دیکھا تو اس کے سامنے آ گئے اور کہا ''اے میرے ماموں زاد بھائی! پہلے اس شخص کی بات سنو کہ کیا کہتا ہے اگر برا کہتا ہے اور گمراہی کا راستہ دکھاتا ہے تو جو چیز اس سے بہتر اور زیادہ راہ راست پر ہو اسے بتاؤ۔ اگر نیک بات کہتا ہے اور راہ ہدایت دکھاتا ہے تو کیوں تم انہیں برا کہتے ہو اس کے وجود شریف کو غنیمت تصور کیوں نہیں کرتے۔'' اس پر سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ نے کہا ''کہو کیا کہتے ہو۔'' تب حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر نے یہ سورۃ پڑھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o حٰمٓ o وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ o اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ آخر سورہ تک۔ (قسم ہے کتاب مبین کی بیشک ہم نے قرآن عربی میں نازل کیا تا کہ تم سمجھو) سعد بن معاذ ان کلمات عظیم البرکات کو سن کر لرزنے لگا اور اس کا رنگ فق ہو گیا۔ اگرچہ فی الحال اظہار شہادت نہ کیا لیکن نور ایمان اس کے دل میں جاگزیں ہو گیا یہاں تک کہ وہ اپنی قوم میں آیا اور تمام قبیلہ والوں کو بلایا۔ خود بھی ایمان لایا اور ان سب کو مسلمان بنایا۔ الحمد اللہ علیٰ ذالک۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، حسب ارشاد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم احکام و شرائع سکھانے کے بعد انصار کی ایک کثیر جماعت لیکر مشرکین حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ حج کے زمانہ میں مکہ مکرمہ سید کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ جماعت اوس و خزرج کے پانچ سو، ایک روایت میں تین سو اشخاص پر مشتمل تھی۔ جن میں سے ایک قول کے بموجب ستر مرد اور ایک روایت میں تہتر مرد اور دو عورتیں تھیں ان سب نے ایام تشریق کی راتوں میں ''عقبہ'' میں جمع ہونے اور مل جل کر بیٹھنے کا اتفاق کیا۔ جب طے شدہ رات آئی

تو یہ حضرات شریک ساتھیوں سے خفیہ طور پر نکل کر عقبہ کے قریبی پہاڑ پر جمع ہو گئے اور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء کے طلوع کا انتظار کرنے لگے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے ساتھ جو ابھی مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وشفقت اور اہتمام کی خاطر، اس مقام پر آئے۔ ایک قول یہ ہے کہ جماعت انصار کے آنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہوئے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کو بیعت اسلام سے مشرف فرمایا اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے قوم! تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں کس درجہ عزت وشرافت اور بزرگی رکھتے ہیں۔ ہم سب نے ہر چند حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے باز رہنے کی کوششیں کیں لیکن انہوں نے ہماری بات نہ مانی اور تم کو مجتمع اور متفق کرنے سے باز نہ آئے۔ اب اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفائے عہد کا مصمم اور مضبوط عزم رکھتے ہو اور تم اپنی جانوں پر مکمل اعتماد وبھروسہ رکھ کر ان سے عہد ومیثاق میں مستحکم ومؤکد موافقت کرتے ہو کہ خواہ کچھ بھی حالات درپیش آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفا کریں گے جیسا کہ وعدہ کر رہے ہو تو بہتر ہے ورنہ ابھی کہہ دو تا کہ تم کو بعد میں پشیمانی اور شرمساری نہ اٹھانی پڑے اور اپنی دشمنی عداوت کا تم کو نشانہ نہ بننا پڑے۔ انصار کی جماعت نے کہا ''اے عباس رضی اللہ عنہ جو کچھ تم نے کہا ہم نے سن لیا اور جان لیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ فرمایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے اپنے لیے اور اپنے رب العزت کیلئے جو بھی عہد لینا چاہیں ہم سے لے لیجئے۔'' اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ آیات کریمہ تلاوت کر کے نصیحت فرمائی اور ارشاد فرمایا ''خدا کا عہد یہ ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ اور میرا عہد یہ ہے کہ تبلیغ رسالت میں میری اعانت و نصرت کی جائے۔ اور اس راہ میں کفار کی جانب سے جو بھی رکاوٹ درپیش آئے اس میں جہاد وقتل سے مقابلہ کیا جائے اور اپنے پاؤں پر نہ بیٹھا جائے۔'' اور فرمایا ''مجھ سے بیعت وعہد کرو کہ جو کچھ میں کہوں گا اسے سنو گے اور اس کی متابعت وفرمانبرداری کرو گے خواہ خوشی و مسرت کی حالت میں ہو یا مفلسی وکمزوری کی حالت میں تنگی وکشادگی کی ہر حالت میں خدا کی راہ میں مال خرچ کرو گے اور امر معروف اور نہی عن المنکر بجالاؤ گے۔ حق بات کہو گے اور کسی ملامت کرنے والے کی بات سے نہ ڈرو گے اس پر قائم رہو گے کہ میری مدد کرو اور جب میں تم میں تشریف فرما ہوں تو میری حفاظت کرو جس طرح کہ تم اپنی جانوں، مالوں اور اولاد کی حفاظت کرتے ہو۔'' اس پر انصار مدینہ منورہ نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ! آپ بخوبی جانتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد کا مشغلہ حرب وقتال رہا ہے۔ لیکن ہمارے اور یہودیوں کے درمیان روابط اور دیرینہ حلف وعہد قائم ہے۔ اب ہم ان عہد ومواثیق کو ختم کرتے ہیں۔ مگر کہیں یہ صورت پیدا نہ ہو کہ جب حق تعالیٰ آپ کو فتح ونصرت اور غلبہ عطا فرمائے تو آپ ہمیں تنہا چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف لوٹ جائیں۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم کناں ہو کر فرمایا ''ایسا نہ ہوگا میں تمہارے ساتھ اور تم میرے جان وتن کے ساتھ ہو میں اپنی زندگی بھر اپنے جان وتن کے ساتھ تمہارے ساتھ ہوں اور میری وفات بھی تم میں ہی ہوگی میری قبر انور بھی تم ہی میں ہوگی۔ تمہارے ہی گھروں میں رہوں گا۔ جو تم سے جنگ کرے گا میں اس کے ساتھ جنگ کروں گا اور جو تم سے صلح کریگا میں تمہارے ساتھ صلح کروں گا'' انصار مدینہ منورہ عرض کرنے لگے ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اگر ہم آپ کی محبت وعقیدت میں اپنا جان ومال آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کریں تو اس کی جزا کیا ہوگی؟ فرمایا ''اس کی جزا جنت تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں'' وہ خوش ہو کر کہنے لگے رَبِحَ الْبَیْعُ بِسْمِ اللّٰهِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُبْسُطْ یَدَكَ فَقَدْ بَایَعْنٰكَ یہ سودا نفع بخش ہے بِسْمِ اللّٰهِ اے اللہ کے رسول! اپنا دست مبارک بڑھایئے اور ہماری بیعت قبول فرمایئے۔'' اور یہ آیہ کریمہ بھی اسی طرف اشارہ فرما رہی ہے کہ: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ بے شک اللہ نے مومنین کی جانوں کو ان کے اموال کے ساتھ جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔'' اس واقعہ کو 'عقبہ کبریٰ' کہتے

ہیں ارباب سیر اس کو عقبہ ثانیہ کا نام دیتے ہیں۔ اور کلام قوم کے اقتضاء کے بموجب، اسے ''عقبہ ثالثہ'' کا نام دینا مناسب ہے۔ یہ واقعہ ،نبوت کے تیرھیوں سال ماہ ذی الحجہ میں ہجرت سے تین ماہ پہلے رونما ہوا۔ اس کے تین ماہ بعد ہجرت کا قصہ واقع ہوا۔ اور اس سے پہلے جو کچھ گزشتہ میں بیان ہوا وہ گیارہویں سال میں واقع ہوا تھا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ میں سے بارہ حضرات کا انتخاب فرما کر ان کو ان کا نقیب اور سردار مقرر فرمایا۔ تاکہ وہ ان کے احوال کے محافظ و نگہبان بنیں۔ یہ بارہ نقیب انصار مدینہ کے رؤساء اور ان کے اکابر ہیں۔ ان میں سے ایک انصاری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ''یارسول اللہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں تو ان مشرکوں کو جو آج منیٰ میں جمع ہیں تلوار کی دھار پر رکھ لیں اور سب کو بے دریغ قتل کر دیں؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' مجھے ابھی اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے کہ تلوار سونتوں۔ اور مشرکوں کے ساتھ قتال کروں۔'' اس کے بعد انصار اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے اور سب نے عہد و پیمان کی پابندی کی (رضی اللہ عنہم اجمعین)۔

انصار مدینہ نے واپسی کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ ''یارسول اللہ! اگر آپ ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں اور ہمارے شہروں کو قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمائیں تو زہے سعادت، حکم، آپ کا ہی حکم ہے۔ آپ جو کچھ بھی فرمائیں گے ہم سب جان و دل سے بندۂ فرمان ہوں گے۔ اور ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' مجھے ابھی مکہ سے نکلنے کا حکم نہیں ہوا ہے اور میری ہجرت کیلئے کوئی مقام متعین نہیں کیا گیا ہے جس وقت بھی حکم ہوا جہاں کیلئے بھی اشارہ ہوا ہجرت کروں گا۔'' یہ فرما کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ رضی اللہ عنہم کو وداع فرمایا۔ عالم تصور میں سوچنا چاہیے کہ یہ وقت! جمعیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم و ذوق اور سرور کا کیسا وقت ہوگا اس وقت و حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اس ذوق و سرور پر ہماری جانیں قربان ہوں۔

جب کفار کو انصار مدینہ کی بیعت کی خبر ملی تو وہ حسرت سے سینہ پر ہاتھ مارنے لگے اور ذلت کی خاک سر پر ڈالنے لگے۔

مبشرات ہجرت

وصل: جب انصار مدینہ کے قبیلے عہد و قرار کرنے کے بعد اپنے اپنے مقامات پر لوٹ گئے تو سیّد کائنات فخر موجودات علیہ التحیۃ والتسلیمات بارگاہ صمدیت جل و علیٰ کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ اختیار ہجرت و تعیین وقت اور تخصیص مقام کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ معلوم ہو جائے۔ پہلا جو مقام آپ کو دکھایا گیا ان کی صفتیں دو تین مقاموں میں مشترک پائی جاتی تھیں جو بلاد بحرین، ملک شام کے قریبی علاقے اور یثرب میں موجود تھیں اور یہ سب زمین حجاز سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کے بعد مزید وضاحت اور مقام مخصوص متعین کر کے مدینہ منورہ کی جانب ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔ اس اشتراک و ایہام کے بعد تعیین و تخصیص میں حکمت، زیادتی اکرام و اہتمام اور حصول مزید امتنان و احتشام تھا۔ جس طرح کہ مہمان عزیز کو منازل متعددہ اور مقامات متنوعہ دیکھائے جاتے ہیں۔ اور اسے اختیار دیا جاتا ہے کہ جس جگہ اور جہاں چاہے قیام کرے، یا اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ خواب میں دکھایا گیا تھا اور خواب کی روایت کی صفائی، باعتبار اختلاف احوال و اوقات مختلف صورتیں اختیار کر لیتی ہے (واللہ اعلم) چنانچہ احادیث میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ'' میں مکہ سے نخلستان کی زمین کی طرف ہجرت کر گیا ہوں۔ اور میرا گمان کہتا ہے کہ وہ زمین یا تو یمامہ کی ہوگی یا مدینہ منورہ کی، اور یہ بھی مروی ہے کہ'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا کہ مجھے دکھایا گیا کہ تمہارا مقام ہجرت، دو پہاڑوں کے درمیان نخلستان یعنی مدینہ منورہ میں ہے۔'' روضۃ الاحباب میں ایسا ہی مذکور ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تعیین وقت اور

معیادخروج کے سلسلہ میں ابھی تک توقف میں تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اصحاب کرام کو مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی کچھ دنوں بعد اکثر صحابہ کرام مدینہ طیبہ کی طرف متوجہ ہو گئے جیسے حضرت عمر بن رضی اللہ عنہ خطاب اپنے بھائی زید بن رضی اللہ عنہ خطاب کے ساتھ اور عیاش رضی اللہ عنہ بن ربیعہ، بیس اکابر صحابہ کرام کے سواروں کے ساتھ، حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف، طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان رضی اللہ عنہ، زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، اور بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

معارج النبوت میں علماء فرماتے ہیں کہ اکثر صحابہ کرام نے پوشیدہ طور پر ہجرت کی تھی مگر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے علی الاعلان ہجرت کی تھی۔ چنانچہ تلوار حمائل کر کے کمان ہاتھ میں لیکر اور نیزہ تھام کر کعبہ معظمہ میں داخل ہوئے حالانکہ قریش کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ میں داخل ہو کر اس کے سات چکر لگائے۔ اور طواف ختم کر کے مقام ابراہیم میں دوگانہ پڑھا باطمینان وسکون ارکان نماز ادا کیے اور فرمایا زمانہ کے وہ لوگ ناخوش رہیں جو پتھر کے ٹکڑوں کو اپنا معبود وخدا جانتے ہیں۔'' پھر فرمایا ''جو چاہتا ہے کہ اپنے بچوں کو یتیم بنائے اور اپنی بیوی کو بیوہ کرے وہ میرے تعاقب میں آئے۔'' اس پر کسی کو جنبش کرنے کی طاقت نہ ہوئی اور کوئی شخص ان کے تعاقب میں نہ نکلا۔ مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام میں سے سوائے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کوئی باقی نہ رہا جیسا کہ ارباب سیر بیان کرتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اعیان صحابہ اور اکابر ومشاہیر صحابہ میں سے بجز حضرت علی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کوئی باقی نہ رہا تھا ورنہ حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرما جانے کے بعد مشرکین مکہ نے ان کمزور وناتواں صحابہ کرام پر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلنے کی سکت نہیں رکھتے تھے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے اور قسم قسم کے عقوبات وآزار پہنچائے۔ نیز ان حضرات پر قرآن کریم ناطق ہے کہ کمزور وناتواں صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں دعائیں مانگا کرتے تھے کہ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا۔ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں۔

حدیث مبارک میں ہے کہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے بھی چاہا کہ اسباب سفر مہیا کر کے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ٹھہرو! مجھے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائے گا۔ تو تم میرے ساتھ ہونا۔'' ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''ابھی جلدی نہ کرو مجھے امید ہے کہ حق تعالیٰ اس سفر میں کسی کو میرا مصاحب بنائے۔'' اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس تمنا میں رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصاحب میں بنوں۔

جب مشرکین مکہ کو ترقی وکمال کے مبادیات اور انتظام مصالح احوال کے اسباب کا احساس ہوا اور انہوں نے صحابہ کرام کے مدینہ کی جانب کوچ کر کے چلے جانے کے نتائج پر غور کیا تو استدلال کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یقیناً یہاں سے تشریف لے جائیں گے تو وہ شر اور فساد کیلئے مشورت وعناد کی طرف متوجہ ہوئے اس زمانہ میں ان اشرار کا سرخیل ابوجہل لعین تھا اور دیگر شیاطین بھی اس کے معاون بن گئے تھے ابلیس لعین بھی ''شیخ نجدی'' کی صورت میں ان کا ساجھی بن گیا تھا۔ وہ ان کی مجلس مشاورت میں آ کر بیٹھتا تھا۔ اس وقت کسی نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے تشریف لے جانے میں مصلحت کا مشورہ دیا۔ کسی نے قید کر دینے کا مشورہ دیا اور کسی نے قتل وہلاک کر دینے کی رائے دی جیسا کہ آیہ کریمہ میں ہے:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ

اے محبوب اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ کفار آپ کے بارے میں خفیہ طور پر منصوبہ باندھ رہے تھے کہ یا تو آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل

الْمَاكِرِيْنَ O کردیں یا آپ کو نکال دیں۔ وہ بھی خفیہ باتیں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کے مکر کا بدلہ دینے میں تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ تعالیٰ مکاروں کو بہترین سزا دینے والا ہے

ابوجہل نے منصوبہ بنایا کہ ''پانچوں قبیلوں میں سے پانچ شخص لیے جائیں اور یہ پانچوں یکبارگی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر (معاذ اللہ) تلوار کی ضرب لگائیں۔ بنی ہاشم، ان متفرق قبیلوں سے قصاص و بدلہ لینے میں عاجز رہ جائیں گے۔'' شیخ نجدی (شیطان لعین) نے تمام رایوں کو کمزور قرار دیا اور ابوجہل کی رائے کو پسند کیا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حالات کے مشاہدہ کے بعد اس ہجرت کا ارادہ فرمایا جو انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ کی جانب سے ہجرت کی اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کریمہ میں ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا — اور یوں دعا کرو کہ اے میرے رب مجھے سچی طرح داخل کر اور سچی طرح باہر لے جا اور مجھے اپنی طرف سے مدد کا غلبہ دے۔

ایک روایت میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر یہ حکم رب سنایا کہ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكَ بِالْهِجْرَةِ اللہ تعالیٰ آپ کو ہجرت کرنے کا حکم فرماتا ہے۔ منقول ہے کہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دکھا اور خود ہی اس کی تعبیر نکالی جو مکمل تھی آپ نے خواب کی تعبیر یہ نکالی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ مدینہ منورہ ہجرت کریں گے اور وہیں وفات پا کر مدینہ میں ہی مدفون ہوں گے۔ یہ خواب روضہ الاحباب میں مذکور ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اراد فرمایا کہ صبح کے وقت ہجرت کر جائیں۔ تو شام ہی کو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ آج رات تم یہیں سونا۔ تاکہ مشرکین شک و شبہ میں مبتلا ہو کر حقیقت حال سے باخبر نہ ہوں۔ لیکن اصل سبب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو چھوڑنے کا یہ تھا کہ کفار قریش کی کچھ امانتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ چونکہ وہ باعتقاد دیانت اور بمشاہدۂ امانت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امانتیں رکھا کرتے تھے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ''محمد امین و صادق'' کہا کرتے تھے۔ اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو اپنے بستر استراحت پر لٹایا اور اپنی خاص چادر مبارک اوڑھا کر انہیں سلایا۔ لہٰذا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں اپنی جان کو فدا کیا۔ اور اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہونے کیلئے خود کو پیش کیا۔ اہل سیر فرماتے ہیں کہ آیۂ کریمہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ — کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی خوشنودی کی خاطر فروخت کیا۔ اور اللہ بندوں کے ساتھ بہت مہربان ہے۔

یہ آیہ کریمہ اسی ضمن میں نازل ہوئی ہے۔ اسی ضمن میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے چند اشعار بھی نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ؎

وَقَيْتُ نَفْسِهٖ خَيْرَ مَنْ وَّطِئَ الْحَصٰى ‏ وَمَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ وَبِالْحَجَرِ

میں نے خود اس شخص کو بچایا جو تمام ان لوگوں سے بہتر ہیں جس نے سنگریزوں کو روندا ہے اور جس نے خانہ کعبہ اور حجر اسود کا طواف

کیا ہے۔

رَسُوْلَ اللّٰہِ الْخَلْقِ اِذَا مَکَرُوْا بِہٖ   فَنَجَّاہُ ذُوالطَّوْلِ الْکَرِیْمُ مِنَ الْمَکْرِ

خدا کے پیغمبر کے ساتھ جب دشمنوں نے مکر کیا تو خدائے توانا و بزرگ نے ان کو اس مکر سے بچایا۔

وَبِتُّ اُرَاعِیْھِمْ مَتٰی یَنْشُرُوْنَنِیْ   وَقَدْ وَطَّنْتُ نَفْسِیْ عَلَی الْقَتْلِ وَالْاَسْرِ

میں نے رات گزاری اور ان کو دیکھتا رہا کہ کب مجھ کو آپ کے بستر سے اٹھاتے ہی اور حقیقت میں میرا نفس قتل اور قید ہونے پر آمادہ ہو گیا تھا۔

وَبَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ فِی الْغَارِ اٰمِنًا   مَوَقّٰی وَفِیْ حِفْظِ الْاِلٰہِ وَفِیْ سِتْرِ

اور پیغمبر خدا نے امن اور حفاظت کے ساتھ غار میں رات گزاری اور خدا کی نگہبانی اور پردے میں رہے۔

اَقَامَ ثَلٰثًا ثُمَّ زُمَّتْ قَلَائِص   قَلَائِصُ یَفْرِیْنَ الْحَصٰی اَیْنَمَا یَفْرِیْ

تین روز اس میں ٹھہرے رہے پھر اونٹ تیار کیے گئے اور دو اونٹ سنگستان طے کرتے تھے جہاں سے بھی گزرتے تھے۔

اَرَدْتُّ بِہٖ نَصْرَ الْاِلٰہِ تَبَتُّلاً   وَاَضْمَرْتُہٗ حَتّٰی اُوَسَّدَ فِیْ قَبْرِیْ

اس سے میرا مطلب دنیا سے بے تعلق ہو کر خدا کی مدد تھا اور اس کو میں اپنے دل میں رکھوں گا یہاں تک کہ (اپنی قبر میں نہ رکھ دیا جاؤں)۔

ان شعروں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس سفر میں رفاقت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ بھی جاں نثاری اور حفاظت کے موجب ہیں۔ اس سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں کہ ان دونوں حالتوں میں شجاعت کے اعتبار سے کون کامل اور قوی تر ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ کی شجاعت یہ ہے کہ بالفعل اپنی جان کو قربان کیا اور فدیہ بنایا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کی شجاعت و جرأت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق سفر بن کو خود کو مہلکہ عظیمہ میں ڈال دیا۔ کیوں کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سفر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے سوا کوئی شریک نہ تھا اس بارے میں بعض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ سونا زیادہ بہادری اور شجاعت ہے کیوں کہ اعداء دین تلواریں کھینچے قتل کرنے کے ارادہ سے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے۔ اور سفر کی رفاقت میں ہلاکت کا احتمال تھا۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس جگہ بھی قریش کو مقدرت نہ تھی کہ حضرت ابوطالب کے فرزند پر حملہ کریں اور افسوس نہ کریں۔ کیونکہ کہ ابوطالب ان کے بزرگ اور سردار تھے۔ روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا۔ ''اے علی رضی اللہ عنہ! دل کو مضبوط رکھنا یہ کفار تمہیں کچھ آزار نہ پہنچا سکیں گے۔''

نیز منقول ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری شجاعت و جوانمردی، معرکہائے جنگ میں ہے کہ مارے جانے کا خوف دونوں جانب سے ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت ایسی ہے کہ آپ ہمیشہ کفار قریش سے دست بگریباں رہے۔ باوجود یہ کہ کفار قریش کی عداوت، انتہائی جہالت و شدت کی تھی۔ اور کبھی اس کا لحاظ نہ کیا۔ ان کی شجاعت بہت اشد اور قوی تر ہے۔ (واللہ اعلم)

غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر استراحت پر لٹا کر سر مبارک پر چادر شریف لپیٹ کر اپنے کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے۔ حق تعالیٰ نے کفار قریش کی آنکھوں کی بصارت لے لی اور کسی ایک نے آپ کو باہر نکلتے نہیں

دیکھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشت خاک سورۂ یٰس کو فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ تک پڑھ کران کے چہروں کی طرف پھینکی۔ایک روایت میں ہے کہ: وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا کو بھی زیادہ کر کے پڑھا تھا۔اور آپ ان سب کے آگے سے نکلے چلے آئے۔

ابن حاتم کی روایت میں ہے جس کی تصحیح حاکم نے کی ہے کہ اس وقت جس جس کافر کے سر پر یہ خاک پڑی تھی وہ سب روز بدر ہلاک ہو گئے۔

ابوجہل لعین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بر طریق استہزاء کہا"یہ کہتے ہیں کہ اگر تم میرے دین کے تابع ہو جاؤ تو ممالک عرب وعجم تمہارے ہو جائیں گے۔اور بہشت بریں تمہاری جگہ ہوگی۔اگر تم میری پیروی نہ کرو گے تو دنیا میں تم میرے ہاتھ سے مارے جاؤ گے اور آخرت میں تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا۔"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا"ہاں! میں یہی کہتا ہوں ایسا ہی ہوگا اور تو بھی دوزخیوں میں سے ایک ہوگا۔جیسا کہ مجھے اس کی خبر دی گئی ہے۔"اس کے بعد مٹھی بھر خاک لیکر ان پر پھینکی۔

اسی دوران ایک شخص کمر جھکائے کفار کی جماعت میں آیا اس نے کہا"یہاں کیوں کھڑے ہو کس کا انتظار ہے"کفار نے کہا"ہم صبح ہونے کا انتظار کر رہے ہیں تا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (خاک بدہن کفار) قتل کریں۔"اس نے کہا"خرابی ہو تمہاری کیا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھے جو تمہارے آگے سے نکلے چلے گئے۔"ابوجہل اور تمام کافر شرمندگی کی خاک سر پر ڈالنے لگے۔جب صبح ہوئی تو انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا وہ ان سے پوچھنے لگے تمہارے صاحب (آقا) کہاں تشریف لے گئے ہیں۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَالِ رَسُوْلِهٖ اللہ تعالیٰ ہی اپنے رسول کا حال زیادہ جانتا ہے"

مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے باہر تشریف لے جاتے وقت"خرواہ"پر جو کہ حرم شریف کا ایک مقام ہے کھڑے ہو کر زمین مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا"خدا کی قسم! تیری زمین، خدا کی تمام زمینوں سے زیادہ میرے نزدیک محبوب ہے اگر تیری زمین کے رہنے والے مجھے ہجرت پر مجبور نہ کرتے تو میں اس سے باہر نہ ہوتا"یہ حدیث اس جماعت کی حجت ہے جو مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کو افضل جانتے ہیں۔اور دوسری جماعت مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو افضل جانتی ہے اس لیے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب کو اس جگہ لے جا کر وہاں مقیم و آباد کرایا اور آثار و انوار اور فتوحات کے ظہور کا مبدا بنایا۔میں نے علماء کی اس مبحث کی تفصیل جذب القلوب الی دیار المحبوب (جو مدینہ منورہ کی تاریخ ہے) بیان کر دی ہے اور دونوں طرف کے دلائل کو بیان کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی افضلیت کی ترجیح ثابت کی ہے وہاں دیکھنا چاہیے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے پاس تشریف لائے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، کے ساتھ دوپہر کے وقت سخت گرمی کے سبب گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی چلچلاتی دھوپ میں چادر مبارک لپیٹے تشریف لائے حالانکہ ایسے وقت میں گھر سے وہی نکلتا ہے جس کو کوئی شدید معاملہ درپیش ہو۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اس وقت آپ کا تشریف لانا کسی امر عظیم ہی کی بنا پر ہوگا کبھی آپ ایسے وقت تشریف نہیں لائے۔"حضور نے استیذان کرتے ہوئے فرمایا گھر میں جو بھی ہو اسے باہر کر دو۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی زوجہ کے سوا گھر میں کوئی اور موجود نہیں ہے۔"اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم ہجرت بیان فرمایا۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا"یا رسول اللہ کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی خدمت میں رہے گا؟ فرمایا ہاں!"

روضۃ الاحباب میں ہے کہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس خوشی میں روتے ہوئے دیکھا حالانکہ اس وقت تک میرا یہ گمان نہ تھا کہ کوئی خوشی میں بھی روتا ہوگا۔ مخفی نہ رہنا چاہیے کہ حضرت عائشہ کا خوشی سے رونے کا گمان کرنا بقرینہ حال تھا۔ جسے انہوں نے ذوق کی بنا پر دریافت کیا۔ ورنہ وطن کے چھوڑنے کا غم واندوہ اور سیّدالابرار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر محنت ومشقت کا بار پڑنے کا بھی غم موجود تھا (واللہ اعلم)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دو اونٹ تھے جسے انہوں نے چار سو درہم میں خریدا تھا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آٹھ سو درہم میں خریدا تھا۔ اور چار مہینہ پہلے سے اسے خوب چارہ پانی دے کر موٹا تازہ کر رہے تھے۔ دونوں کو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تاکہ ان میں سے ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اسے قبول کیا مگر اس کی قیمت لینی ہوگی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ کو نو سو درہم میں خرید لیا۔ حضرت ابوبکر سے اونٹ خریدنے میں ایک حکمت پنہاں تھی باوجودیکہ باہم انتہائی صدق واخلاص اور اتحاد واتفاق موجود تھا اور اس سے پہلے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت کثرت سے مال خرچ کر چکے تھے۔ لیکن اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ چاہا کہ راہ خدا میں کسی اور سے استمداد واستعانت کریں۔ جیسا کہ آئمہ کریمہ کے مفہوم کا اشہار ہے کہ: لَا تُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا اپنے رب کی عبادت میں کسی کو اپنا ساجھی نہ بناؤ۔ اس اونٹنی کا نام بقول صحیح ''قصواء'' تھا۔ اور ایک قول کے بموجب ''جدعا'' تھا۔ اونٹ خریدنے کے بعد بنی ویل کے ایک شخص کو جس کا نام عبداللہ بن اریقط (بضم ہمزہ وفتح راوسکون یا) تھا اور جو رہبری میں ماہر اور رازوں کے چھپانے میں مشہور تھا اس کو راہبری کیلئے اجرت پر لیا۔ تاکہ وہ دو تین دن کے بعد ان دونوں اونٹوں کو ''جبل ثور'' کے قریب لے کر آجائے۔ وہ دین کفر میں تھا امام نوری فرماتے ہیں کہ اس کا اسلام لانا معلوم نہ ہوا (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ ہجرت کرنا بیعت عقبہ کے دو ماہ چند دن بعد ہوا، بعض نے ڈھائی ماہ کہا ہے۔ اور بعض نے تین ماہ یا اس کے قریب ماہ ربیع الاول میں جمعرات کا دن کہا ہے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ ''دوشنبہ'' کا دن تھا۔ ان دونوں روایتوں کی جمع تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ مکہ مکرمہ سے نکلنا جمعرات کے دن ہوا۔ اور غار ثور سے کوچ کرنا دوشنبہ کے دن یا اس کے برعکس یعنی مکہ مکرمہ سے نکلنا دوشنبہ کے دن اور غار ثور سے کوچ کرنا جمعرات کے دن ہوا ہوگا۔ یہ تاویل بہت سے روایتوں کے موافق ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ اس ہجرت کے راز کا علم، حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے گھر والوں کے سوا کسی کو نہ تھا۔

غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، راتوں رات، اس نشیبی کھڑکی کی راہ سے نکلے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھی اور اب تک وہ مکان اور کھڑکی قائم ہے جس کی لوگ زیارت کرتے ہیں۔ اس کے بعد دونوں غار ثور کی طرف روانہ ہوگئے۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم نے نہایت سرعت اور جلدی میں سامان سفر اور زادراہ تیار کیا تھا۔ ہمارے پاس اس وقت ایسی کوئی ڈوری نہ تھی جس سے زادراہ کو باندھتے اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ عنہا نے اپنا کمر بند کھولا۔ عرب کی عورتوں کی عادت تھی کہ وہ تہبند کے اوپر کمر بند باندھتی ہیں۔ پھر اس کمر بند کے دو ٹکڑے کیے ایک سے توشہ دان کا دہانہ باندھا اور دوسرے ٹکڑے سے کمر باندھی۔ اس بنا پر ان کو ''ذات النطاقین'' یعنی دو کمر بند والی کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، کو جو جوان اور عقلمند وہشیار تھے اس پر مقرر کیا کہ وہ دن تو کفار قریش کے پاس گزاریں اور رات کے وقت غار ثور میں آکر کفار کی خبریں پہنچایا کریں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے اپنے گھر میں پانچ ہزار درہم رکھا کرتے تھے جن کو انہوں نے ساتھ لے لیا اور راہ میں جائے پناہ کے مقام تک کبھی آگے چلتے اور کبھی پیچھے چلتے تھے۔ منقول ہے کہ راہ میں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پائے اقدس مجروح ہو گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کاندھوں پر اٹھالیا اور غار ثور کے دہانہ تک لائے۔ غار ثور میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پہلے داخل ہوئے تا کہ کوئی آفت اور تکلیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہنچے کیوں کہ حشرات الارض اس غار میں رہا کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے احتیاط کے ساتھ اپنی قیمتی چادر مبارک پھاڑ کر غار کے تمام سوراخوں کو بند کیا غار میں اندھیرا تھا۔ صرف ایک سوراخ رہ گیا اور چادر کا کپڑا ختم ہو گیا۔ تو انہوں نے اپنے پاؤں کی ایڑی مضبوطی سے لگادی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے آیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے آئے اور اپنا سر مبارک حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے زانو پر رکھ کر آرام فرما ہو گئے۔ سانپ اور بچھوؤں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر ڈسنا شروع کر دیا لیکن انہوں نے نہ صرف اف کی اور نہ جنبش کی مبادا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار نہ ہو جائیں اور نیند میں خلل واقع نہ ہو جائے۔ مگر شدت تکلیف سے آنکھوں سے آنسو نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر گرے۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے۔ حضور نے فرمایا: یَا اَبَابَکْرٍ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ غم نہ کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے سکینہ نازل فرمایا اور ان کے دل میں آرام و قرار پیدا ہوا اور پھر سانپ بچھوؤں نے کچھ نقصان نہ پہنچایا۔ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''غار میں جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے اقدس کی طرف دیکھا کہ اس سے خون بہہ رہا ہے تو مجھے رونا آ گیا کیوں کے میں جانتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی محنت و مشقت کی عادت نہیں ہے۔

اہل معرفت فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پائے اقدس کی طرف دیکھا کہ اس سے خون بہہ رہا ہے تو کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنَ ہرگز نہیں وہ قابو پا سکتا بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے جو میری رہنمائی کرے گا۔ اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قریش کی حالت کی شکایت کی تو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (تم غم نہ کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے) لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر پہلے اپنی ذات پر پڑی اس کے بعد حق تعالیٰ کی ربوبیت کا مشاہدہ کیا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشاہدہ اس مقولہ کے موافق ہے کہ: مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَأَیْتُ اللّٰهَ بَعْدَهٗ میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر یہ کہ اس کے بعد اللہ کو میں نے دیکھا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی ہی نظر مبارک الوہیت پر واقع ہوئی اس کے بعد اپنی ذات کا ملاحظہ کیا۔ یہ ارشاد اس قول کے موافق ہے کہ: مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَأَیْتُ اللّٰهَ قَبْلَهٗ میری نظر کسی چیز پر نہ پڑی مگر یہ کہ اس سے پہلے اللہ کو دیکھا'' یہ مشاہدہ اتم و اکمل ہے۔

مواہب لدنیہ میں بعض عرفاء سے منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول پر غور و فکر کرو جو انہوں نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ: اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ (میرے ساتھ میرا رب ہے) اور ہمارے نبی سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر نظر کرو جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے) لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب کی معیت کے مشاہدے کو اپنے ساتھ مخصوص فرمایا اور اپنے متبعین کو اس کے ساتھ شامل نہ کیا۔ مگر ہمارے نبی سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدۂ نور باری تعالیٰ میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی شامل فرمایا۔ اور اپنے نور کے ساتھ ان کی مدد فرمائی۔ لہٰذا ان کو بھی معیت رب کا مشاہدہ کرایا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، کے باطن میں اسے سرایت فرمایا جس سے ان پر سکینہ نازل ہوا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، تجلی ربانی اور اس کے مشاہدہ میں اپنے حال پر قائم و ثابت نہ رہتے۔

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ رب تعالیٰ کی معیت کے مشاہدہ میں بھی بڑا فرق ہے۔ انتہیٰ (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشاہدہ صرف اپنی ذات میں ہی ہے۔ اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ نہ صرف یہ کہ اپنی ذات اقدس میں ہے بلکہ دوسرے بھی اس میں شامل ہیں۔ (وللہ الحمد)

بندۂ مسکین یعنی صاحب مدارج النبوۃ علیہ الرحمتہ نورہ اللہ قلبہ بنور الصدق والیقین فرماتے ہیں کہ یہی صورت حال، حضرت موسیٰ علیہ اسلام کے دیدار باری تعالیٰ کے سوال میں ہے کہ انہوں نے افراد کے ساتھ اپنے لیے ہی دعا مانگی۔ اور مناجات کی کہ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ (دکھا مجھ کو میں تیری طرف نظر کروں) لیکن ہمارے نبی سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مناجات میں اس طرح دعا فرماتے ہیں کہ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْيَآءِ كَمَا هِيَ (اے رب ہمیں اشیاء کی حقیقتوں کو جیسی کہ وہ ہیں دکھا) یعنی دعاء میں صیغہ جمع کا استعمال فرماتے ہیں تاکہ آپ کے متبعین بھی اس میں شامل ہو جائیں۔ نیز بات کو پردہ میں رکھ کر مناجات کی کہ حقائق اشیاء کی روایت کی دعاء کی اور اس طرح نہ فرمایا کہ اَرِنِیْ ذَاتَكَ (مجھے اپنی ذات کا دیدار کرا) یہ کمال ادب و معرفت کی رعایت ہے کیوں کہ حقیقت الحقائق حق تعالیٰ ہے۔ یہ بھی کمال معرفت اور ایک حقیقت ہے (فافہم واللہ اعلم) جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں داخل ہو گئے تو حق تعالیٰ نے ببول کا ایک درخت غار ثور کے دہانہ پر لگا دیا اور ایک وحشی کبوتر کے جوڑے کو بھیجا کہ وہ اپنا آشیانہ اس درخت پر بنائے اور اسی رات اس نے انڈے دے دیئے۔ اور مکڑی کو حکم فرمایا کہ وہ اپنا جالا تنے۔ مواہب لدنیہ میں بسند لبز ار منقول ہے کہ حرم مکہ کے کبوتر اسی جوڑے کی نسل سے ہیں۔ کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے برکت سے یہ قیامت تک شکار اور ہلاک ہونے سے محفوظ رہیں گے۔

ابونعیم ''حلیہ'' میں روایت کرتے ہیں کہ مکڑی نے حضرت داؤد علیہ اسلام کیلئے پہلی مرتبہ اس وقت جالا تنا تھا جب ان کو جالوت نے طلب کیا تھا۔ اور دوسری مرتبہ ہمارے نبی سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے غار ثور میں جالا تنا ہے۔

بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کافروں نے ہمارا کھوج نکال لیا تھا اور غار ثور پر آ کھڑے ہوئے تھے اگر ان میں سے کوئی جھک کر اپنے پاؤں کی جانب دیکھتا تو وہ ہمیں دیکھ لیتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ ان دو شخصوں کے بارے میں کیا گمان ہے جن میں تیسرا خدا ہے۔ اس سے مراد، اپنی ذات مبارک اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کے بعد کافر لوٹ گئے اور کہنے لگے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں داخل ہوتے تو کبوتر کا انڈا ٹوٹ جاتا اور مکڑی کا جالا درہم برہم ہو جاتا۔ اور یہ درخت تو اس جگہ ان کی مدت عمر سے پہلے کا اگا ہوا ہے اور ایک روایت میں ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد سے پہلے۔'' مروی ہے۔ باوجود یہ کہ سب کفار اس پر یقین رکھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی غار میں ہیں۔ اور ان کھوجیوں نے جن کو تفحص و تلاش کیلئے مقرر کیا تھا انہوں نشانہائے قدم دیکھ کر بتا دیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ سے گزرے ہیں اور وہ اسی جگہ ہیں۔ یہ معجزہ، تحفظ و صیانت میں اعظم و اشد اور اقوی معجزات میں سے ہے۔ کیا خوب کہا ہے۔

وِقَايَتُهُ اللّٰهِ اَغْنَتْ مِنْ مُضَاعَفَةٍ　　مِنَ الدُّرُوْعِ وَعَنْ مَالٍ مِنَ الْاَطَمِ

تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا لشکر، بادشاہوں کے لشکر کے برخلاف ہے جو کمزور و ناتواں چیزیں ہیں جیسے مچھر اور مکڑی وغیرہ ان کے ذریعہ وہ فتح و نصرت دیتا ہے۔ اور معجزے حقیقت، کفار کی ہمتوں اور ان کے ارادوں کو پھیرنا اور انہیں اندھا بنانا ہے کیونکہ جستجو و تلاش سے انہیں یقین ہو گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ موجود ہیں۔ اس کے باوجود ظن و احتمال میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

غار ثور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقامت تین راتیں رہیں اور بعضوں نے بارہ راتیں کہا ہے۔ اس وہم و شبہ کی وجہ یہ ہے کہ یہ جوار باب سیر کہتے ہیں کہ شب دوشنبہ کو غار میں داخل ہوئے اور پنجشنبہ کو وہاں سے نکلے اگر یہ پنجشنبہ اسی دوشنبہ کے بعد کا ہے تو تین شبانہ

روز ہوتے ہیں اور اگر یہ پنجشنبہ دوسرے ہفتہ کا ہے تو بارہ اور تیری روز بنتے ہیں (واللہ اعلم) اور روز صحیح، تین شبانہ روز مشہور ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ان کے حالات جو دیکھتے اور سنتے وہ سب رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دیتے تھے۔ اور عامر بن فہیرہ (بضم فاو فتح ھاو سکون یا) جو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے غلام تھے اس جگہ بکریاں چرانے لاتے اور روزانہ رات کو دودھ دے جاتے اور اسی دودھ سے رات کا کھانا ہوتا۔ راقم السطور کا خیال ہے کہ اس غار کا دہانہ اس طرح واقع ہو کہ اس میں داخل ہونا یا کسی چیز کا اندر پہنچانا ممکن و آسان ہے جیسا کہ مشاہدہ میں آتا ہے لیکن وہاں سے نکلنا آسان نہیں ہے۔ چونکہ وہاں مکڑی نے جالا تن رکھا تھا اور کبوتر نے انڈے دے رکھے تھے اور درخت نے آڑ کر رکھی تھی۔ لہٰذا ان راتوں میں وضو اور استنجے کیلئے نکلنے کی کیا صورت ہوگی یا تو احتیاج کی بناء پر ان کا وقوع نہیں ہوا ہوگا۔ یا خروج بطریق معجزہ ہوگا۔

اس وقت غار ثور کا دہانہ کچھ کشادہ ہے کہ اس سے باآسانی باہر نکلتے ہیں ممکن ہے کہ لوگوں کی آسانی کیلئے بعد میں کشادہ کر دیا گیا ہو۔ یا جیسا کہ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کے وقت جبریل علیہ السلام نے پر مار کر اس کا دہانہ کشادہ کر دیا تھا۔ لیکن اس روایت کے بارے میں ارباب حدیث اور شراح حدیث میں سے کسی کو ایسا نہیں پایا جس نے اس میں جرح کی ہو۔ اور یہ مصنف (اور مترجم) جب اس غار شریف کی زیارت سے مشرف ہوا تو ہم میں سے ایک شخص موٹا فربہ تومند جس کا سینہ چوڑا تھا اس سے کہا گیا کہ پہلے تم داخل ہو تو وہ بِسْمِ اللّٰہِ کہہ کہ درود پڑھتا ہوا بے تکلف اور بے تحاشا داخل ہو گیا۔ اس وقت اس فقیر کے بے اختیار بلند آواز سے چیخ نکل گئی اللہ، اللہ، سبحان اللہ ایک وقت وہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آیات کبریٰ دکھانے کیلئے عرش اعلیٰ پر لیجایا گیا اور ایک روز ایسا بھی آیا کہ کفار کے خوف سے حشرات الارض کی مانند غار میں داخل کیا گیا۔ معاً اسی وقت یہ خیال پیدا ہوا کہ شہود میں کوئی فرق و تفاوت نہیں ہے وہاں بھی شہود تھا جبکہ عرش اعلیٰ پر لیجایا گیا اور یہاں بھی بغیر فرق و امتیاز کے شہود تھا۔ اگر کچھ فرق تھا تو کشف صفات میں تھا شہود ذات ایک ہی ہے۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم — دمے بر پشت پائے خود نہ بینم

(واللہ اعلم) رات کو اسی غار میں شب باشی کی گئی۔ اور کچھ دنوں بعد ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام کی زیارت کی غرض سے صبح سے شام تک دعا اور درود و سلام میں گزاری (واللہ المجیب)

غار ثور سے مدینہ منورہ کی طرف کوچ فرمانا

وصل: جب غار ثور میں تین راتیں گزر گئیں تو تیسری رات کی صبح کے وقت عبداللہ بن اریقط جسے راہبری کے طور پر اجرت میں لیا تھا۔ دونوں اونٹوں کو لے کر غار کے قریب آ گیا۔ اور اس نے دونوں اونٹ پیش کیے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ بھی آ گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس اونٹ پر جس کا نام جدعا (یا قصواء) تھا سوار ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا رویف بنایا اور دوسرے اونٹ پر عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عامر رضی اللہ عنہ سوار ہو گئے۔ اور ساحلی راستہ اختیار کیا۔ یعنی سمندر کے کنارے کنارے سفر شروع کر دیا۔ اس دن اور پھر تمام رات برابر چلتے رہے۔ دوسرے دن جب آفتاب کی تمازت بڑھی اور دھوپ میں گرمی پیدا ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیلولہ یعنی آرام کرنے کیلئے سایہ دار جگہ کی تلاش شروع کر دی۔ انہوں نے ایک پتھر دیکھا جو سایہ دار تھا اور ہموار جگہ تھی صاف کر کے اپنے ساتھ کی پوستین یعنی چمڑے کا بستر بچھا دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تکیہ لگا کر آرام فرمایا۔ اور سو گئے اس بیابان میں ایک جوان بکریاں چرا رہا تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے

اس سے دودھ طلب کیا اس نے ایک پیالہ دودھ دوہ کر اس میں پانی ملا کر دیا تا کہ ٹھنڈ ہو جائے۔ چونکہ اہل عرب کی عادت تھی کہ تازہ دودھ چونکہ گرم ہوتا ہے تو اس میں پانی ملا کر ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اس دودھ کو پیا۔ اس کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو ایک پیالہ دودھ کا حضور کو بھی نوش کرایا۔ پھر سوار ہو کر سفر شروع کر دیا۔

اس مقام پر علماء ایک سوال کرتے ہیں کہ کیا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو چرواہے سے بغیر بکریوں کے مالک کی اجازت کے دودھ لینا جائز تھا؟ جواب میں کہتے ہیں کہ قریش کی عادت تھی کہ وہ اپنے چرواہے کو اجازت دے دیتے تھے کہ اگر کوئی راہ گیر مسافر سامنے آئے اور دودھ مانگے تو اسے دودھ دیدیا جائے یا یہ وجہ ہو کہ چرواہے کا مالک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شناسا ہو اور انہوں نے اسے پہچان لیا ہو تو اس دلالت کے اعتماد سے کہ اگر اس کے مالک کو معلوم ہو گیا تو وہ راضی اور خوش ہو گا۔ چرواہے سے دودھ لے لیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے دودھ کی قیمت ادا کی ہو اور چرواہا فروخت کرنے کی اجازت رکھتا ہو (واللہ اعلم)

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ جب کفار قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جستجو و تلاش میں ناکام ہو گئے تو قریش کی ایک جماعت ہمارے یہاں آئی ان میں ابو جہل لعین بھی تھا۔ میں شور سن کر باہر نکلی۔ ابو جہل نے پوچھا "تیرا باپ کہاں ہے؟" میں نے کہا "خدا کی قسم! میں نہیں جانتی کہاں ہیں؟ اس ملعون نے ہاتھ اٹھا کر برا بھلا کہتے ہوئے میرے رخسار پر ایک طمانچہ مارا جس سے میرے آویزے ٹوٹ کر گر پڑے۔

اثناء سفر ہجرت میں ایک بڑا عجیب و غریب واقعہ یہ پیش آیا کہ ام معبد عاتکہ بنت خالد خزاعی کے خیمہ میں جو کہ "قدید" میں تھا پڑاؤ کیا۔ یہ ام معبد عورت بڑی عاقلہ بوڑھی اور ہشیار تھی۔ وہ اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھ کر مسافروں کی مہمان نوازی اور خاطر داری کیا کرتی تھی اور انہیں کھانا پانی دیتی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کھجوریں، دودھ اور گوشت کھانے کیلئے طلب فرمایا۔ ان میں سے کوئی چیز اس کے پاس موجود نہ تھی۔ اس نے کہا یہ سال ہمارے لیے سخت قحط سالی کا ہے اور بہت تنگ دستی میں ہیں۔ اگر کچھ بھی موجود ہوتا تو آپ کی ضرور مہمانی کرتی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ میں نظر مبارک ڈالی۔ اس خیمہ کے ایک گوشہ میں انتہائی لاغر دبلی پتلی بکری کھڑی دیکھی۔ جو ناتوانی کی وجہ سے چراگاہ جانے سے رہ گئی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا اے ام معبد یہ بکری کیسی ہے کہ گھر میں رہ گئی ہے اور چراگاہ میں نہیں گئی ہے اس کہا اس کو لاغری اور ناتوانی سے ریوڑ سے جدا کر دیا ہے اور وہ اپنی جگہ رہ گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس میں دودھ ہے۔"؟ اس نے کہا۔ "یہ بکری اتنی لاغر و کمزور ہو چکی ہے کہ اس سے دودھ کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اجازت دیتی ہو کہ اس سے میں دودھ دوہ لوں۔" اس نے کہا "ضرور! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں دودھ نظر آتا ہے تو ضرور دوہ لو۔" اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے پاؤں کو دوسرے پاؤں سے ملایا اور اپنے دست مبارک کو اس کے تھنوں پر پھرا۔ اور بِسْمِ اللّٰهِ کہہ کر فرمایا اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهَا فِیْ شَاتِهَا (اے خدا ام معبد کی اس بکری میں برکت دے) تو اس کے تھن دودھ سے اتنے بھر گئے کہ اس کے دونوں پاؤں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ ام معبد سے دودھ کیلئے ایک برتن طلب فرمایا جب وہ دودھ سے بھر گیا تو تمام خیمہ والوں کو خوب پلایا جب وہ سب سیر ہو چکے تو اس کے بعد اپنے ہمراہیوں کو بلایا اور آخر میں خود نوش فرمایا۔ پھر دوبارہ دوہنا شروع فرمایا تو خیمہ کے تمام برتن بھر دیئے۔ اس کے بعد بکری کو اس کے پاس چھوڑ دیا۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ وہ بکری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کے چھونے کی برکت سے اٹھارہ سال تک زندہ رہی۔ یہاں تک کہ "عام طرمادہ میں جو کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، کی خلافت کے زمانہ میں شدید قحط پڑا تھا اور بہت سے مخلوق ہلاک ہو گئی تھی اس بکری سے صبح و شام دوہتے رہے وہ پھر زمین میں بکری نہ رہی اور نہ اس کا کم و زیادہ دودھ باقی رہا۔

(یعنی ''طرمادہ'' کے بعد وہ مرگئی)۔

اس کے بعد ابومعبد یعنی ام معبد کا شوہر جس کا نام ''اکثم بن الحون'' تھا آیا جو کہ اپنی بکریوں کو چرا کر لایا تھا اور وہ بکریاں لاغری و ناتوانی میں اپنی کمریں زمین سے پیوست کررہی تھیں۔ اس نے جب تمام برتنوں میں دودھ بھرا دیکھا تو کہنے لگا اے ام معبد اتنا دودھ کہاں سے آیا۔ گھر میں تو کوئی دودھ والی بکری بھی نہ تھی۔ اور جو دودھ والی بکریاں تھی بھی تو وہ دور چراگاہ میں تھیں۔ ام معبد نے کہا۔ ''نہیں خدا کی قسم! یہ بات نہیں۔ بلکہ ہمارے پاس ایک ایسا برکت والا شخص آیا تھا جس کی صفت ایسی اور ایسی تھی وہ نہایت خوش رو اور خوش اخلاق تھا۔'' اس کے بعد اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اخلاق وصفات اور شکل وشمائل بیان کیے جس کا ذکر حلیہ شریف کے ضمن میں آچکا ہے۔ وہ عورت زبان فصیح اور بیان ملیح رکھتی تھی۔ اس پر ابوسعید نے کہا خدا کی قسم! یہ شخص وہی ہوگا قریش جس کی جستجو وتلاش میں سرگرداں ہیں۔ اور اس کا نام اور شہرہ سارے جہان میں پھیلا ہوا ہے۔ اگر میں اس وقت موجود ہوتا تو میں ان کی خدمت کی سعادت حاصل کرتا اور ہمیشہ میں انہیں کی خدمت میں رہتا۔ اور میں تمنا رکھتا ہوں کہ میں ان کے ساتھ مل جاؤں گا اور ان کے زمرہ میں شامل ہو جاؤں گا۔ منقول ہے کہ اس کے بعد اس نے ہجرت کی اور ام معبد اور اس کے شوہر نے اسلام قبول کرلیا۔ اور اپنے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول اجلال کی تاریخ یادرکھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے چند روز بعد اہل مکہ نے ایک غیبی آواز کو بلند آواز سے یہ کہتے سنا۔

جزی اللہ رب الناس خیر جزائہ ۔۔۔ رفیقین خلا خیمتی ام معبد

ھما نزلا ھا بالبر ثم ترحلا ۔۔۔ فقد فاز من امسی رفیق محمد

ان شعروں کے ساتھ دیگر اشعار بھی سنائی دیئے جو کفار قریش کی مذمت میں تھے۔ اور وہ اشعار ام معبد کی بکری کے دودھ دوہنے کے قصہ پر مشتمل تھے۔ ان کے سوا دیگر وہ اشعار جو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدح وثنا میں ان کے جواب میں کہے ہیں۔ وہ سب روضۃ الاحباب میں مذکور ہیں۔ ام معبد کی بکری کی طرح دودھ دوہنے کا ایک واقعہ مذکور ہے وہ یہ کہ ایک چرواہے کے پاس بغیر دودھ والی اونٹنی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دودھ دوہا اور بہت زیادہ دودھ نکالا، ان کے علاوہ ہجرت کے دوران راستہ میں بکثرت واقعات کتابوں میں مذکور ہیں ان میں سے ایک واقعہ سراقہ بن مالک بن جعشم (بضم جیم وسکون عین وضم شین) کا ہے وہ یہ ہے کہ قریش نے لوگوں میں منادی کرادی تھی کہ جو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صاحب یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قتل کرے گا یا ان کو قید کر کے لائے گا اسے انعام میں سو اونٹ دیئے جائیں گے۔ پھر کسی کو سراقہ کے پاس بھیجا کہ وہ اس کام کو انجام دے سراقہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر پیچھا کرنے کیلئے نکلا یہاں تک کہ میں ان کے قریب پہنچ گیا مگر میرے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں زمین پر گر پڑا دوبارہ سوار ہوا تو اسی طرح ٹھوکر کھائی اور زمین پر گر پڑا۔ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کی آواز سنی۔ یکا یک میرے گھوڑے کے دونوں اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور میں کود کر گھوڑے کی پیٹھ سے اتر گیا۔ میں نے گھوڑے کو ڈانٹا کہ اٹھ پھر اس نے اپنے دونوں آگے کے پاؤں زمین سے نکالے۔ اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب پہنچ گیا یہاں تک کہ میرے اور آپ کے درمیان ایک یا دو نیزے سے زیادہ کا فاصلہ نہ رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف نگاہ فرما کر فرمایا: اَللّٰهُمَّ اكْفِنَا شَرَّهُ بِمَا شِئْتَ (اے خدا ہمیں اس کے شر سے جس طرح تو چاہے محفوظ رکھ) تو اسی وقت گھوڑے کے چاروں پاؤں زانوں تک دھنس گئے میں التجا کرنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے گھوڑے کو نجات دیجئے مجھے آپ سے کوئی سروکار نہیں اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ جو کوئی آپ کے

تعاقب میں آئے گا میں اسے لوٹالوں گا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ صَادِقًا فَاطْلِقْ فَرَسَہٗ (اے خدا اگر یہ سچ بول رہا ہے تو اس کے گھوڑے کو نجات دیدے) اسی وقت میرے گھوڑے کے چاروں ہاتھ پاؤں زمین سے نکل آئے۔ اس کے بعد میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں توشہ اور سامان پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا۔ فرمانے لگے ہمیں کوئی حاجت نہیں ہے اور تجھ سے کچھ نہیں چاہتے مگر صرف اتنا کہ ہمارا معاملہ تو پوشیدہ رکھے۔ سراقہ کے اسلام لانے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح فرمایا اس وقت سراقہ اپنے قبیلہ کی جماعت کثیرہ کے ساتھ آ کر مسلمان ہوا۔

منقول ہے کہ جب سراقہ نزدیک ہوا تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ گریہ کناں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پکڑنے والا قریب آ گیا ہے فرمایا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (فکر نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے) ایک روایت میں آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی تو سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور اس نے امان مانگی۔ سراقہ کہتے ہیں کہ اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور غالب و کامیاب رہیں گے میں نے کچھ سامان بطور نذرانہ پیش کیا تو آپ نے قبول نہ فرمایا۔

ایک اور واقعہ ابو بریدہ رضی اللہ عنہ اسلمی کا ہے۔ جسے ابو سلیمان خطابی نقل کرتے ہیں کہ جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور اس کے قرب و نواح میں پہنچے تو بریدہ رضی اللہ عنہ اسلمی اپنے قبیلہ کے ستر لوگوں کے ساتھ کفار قریش کی اس منادی پر کہ ''جو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے لائے گا اسے انعام میں سو اونٹ دیئے جائیں گے۔'' اس طمع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کی غرض سے نکلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو کون ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام بریدہ (رضی اللہ عنہ) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطریقۂ تفاول کہ آپ کی عادت کریمہ تھی کہ الفاظ کے مادہ اشتقاق برودۃ ہے اور سلامتی و سکون اور جمعیت پر مبنی ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، سے فرمایا قد بردامرنا و صلح یعنی ہمارا کام خوش و خنک ہے اور اس کے آخر صلح و خیر ہے پھر فرمایا کون سے قبیلہ سے ہو؟ اس نے کہا قبیلہ بنی اسلم سے۔ فرمایا ''سلمنا'' خیر و سلامتی ہے۔ فرمایا بنی اسلم کی کونسی شاخ سے ہو اس نے کہا بنی سہم سے۔ فرمایا: اَصَبْتَ سَھْمَکَ تو نے اپنا حصہ پالیا۔ یعنی تو نے اسلام سے اپنا نصیب و حصہ پالیا۔ اس کے بعد بریدہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ کون ہیں؟ فرمایا میں محمد بن عبداللہ، اللہ کا رسول ہوں، بریدہ رضی اللہ عنہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنتے ہی اسلام لے آئے۔ اور کہنے لگے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اور جو جماعت ان کے ساتھ تھی وہ سب مشرف باسلام ہو گئی۔ بریدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مدینہ منورہ میں داخل ہوتے وقت آپکے ساتھ ایک جھنڈا ہونا چاہیے۔ اس کے بعد بریدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سر سے عمامہ اتارا اور نیزے سے باندھ دیا۔ اور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چلنے لگے۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کس سعادت مند کے گھر کو شرف نزول سے مشرف فرمائیں گے۔ مطلب یہ تھا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بندے کے گھر کو منزل بنائیں تو میری کتنی بڑی سعادت ہو گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اونٹنی مامور ہے جہاں وہ بیٹھ جائے گی وہی منزل ہو گی۔ دیکھو کہاں جاتی ہے۔

بعض اصحاب کامل نصاف بغرض تجارت، بلاد شام گئے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ پہنچنے پر وہ یہیں اتر پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے سفید جوڑے نذر و ہدیہ کیے۔

مدینہ منورہ میں رونق افروزی کا منظر

وصل: جب انصار محبت شعار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کی خبر سنی تو روزانہ مدینہ منورہ کی چوٹیوں پر آتے اور آفتاب

جمال باکمال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طلوع کے منتظر رہتے۔ جب سورج گرم ہو جاتا اور دھوپ سخت ہو جاتی تو گھروں کو لوٹ جاتے تھے۔ اچانک ایک یہودی کی جو مقام مقررہ پر کھڑا تھا اس جماعت مبارکہ کے کوکبہ قدوم پر نظر پڑی اس نے جان لیا کہ حضور انور تشریف لے آئے ہیں تو قبیلہ انصار کو جو کہ اس کے قریب ہی تھے آواز دی کہ یہ آ رہے ہیں تمہارے مقصد و مقصود تمام مسلمان اپنے ہتھیاروں سے لیس ہو کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال اجلال کیلئے نکل پڑے اور انہوں نے "بالائے حرہ" ملاقات کی۔ **مرحبا اھلاً و سھلاً** کہتے ہوئے مبارک بادی وخوشی و مسرت کا اظہار کرنے لگے ان کا ہر جوان بچہ، عورت و مرد اور چھوٹا بڑا کہنے لگا **جاء رسول اللہ و جاء نبی اللہ**. اللہ کے رسول اللہ تشریف لے آئے اور اللہ کے نبی نے قدوم میمنت لزوم فرمایا۔ اور اپنی عادت کے مطابق، خوشی و مسرت میں اچھلنے کودنے لگے۔

بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنونجار کی لڑکیاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خوشی و شادمانی میں دف بجاتی اور گاتی ہوئی نکل آئیں۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّار   يَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَارِ

قبیلہ بنونجار کو ایک جانب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریبی نسبت بھی تھی۔ (یعنی سیّدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اسی قبیلہ کی دختر تھیں) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل انصار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کیا تم مجھے پسند کرتے ہو؟ سب نے بیک زبان کہا یقیناً یا رسول اللہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی تم سے محبت رکھتا ہوں۔ قبائل انصار کی پردہ نشین عورتیں اپنے اپنے گھروں کی چھتوں، دروازوں اور گلیوں میں کھڑے ہو کر یہ تہنیت گانے لگیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا   مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا   مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

بعض روایتوں میں اتنا زیادہ آیا ہے۔

اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا   بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

سیدنا انس رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اس زمانہ میں آٹھ یا نو سال کا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے درو دیوار ایسے منور و روشن ہو گئے۔ جس طرح آفتاب طلوع کرتا ہے۔ اس طرح جس دن اس آفتاب نبوت نے اس جہان سے روپوشی اختیار کی سب جگہ تیرہ و تاریک ہو گئی تھی۔ بعینہٖ اسی طرح جیسے سورج غروب ہو جاتا ہو۔

حضور اکرم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونا بارہ ربیع الاول یا تیرہ ربیع الاول کو ہوا یہ اختلاف تاریخ، باختلاف روایت ہلال ہے۔ امام نووی نے کتاب سیر میں روضہ سے بارہ ربیع الاول پر جزم کیا ہے اور بھی چند اقوال ہیں لیکن وہ مقام صحت سے بعید ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ سے نکلنا ستائیس صفر کو ہوا تھا۔ اور غار ثور سے پہلی ربیع الاول کو نکلے تھے۔ علماء سیر کے درمیان اس پر کلی اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں دوشنبہ کے دن رونق افروز ہوئے تھے اور مہینہ ربیع الاول کا تھا۔ لیکن تاریخ میں اختلاف ہے۔

روز دوشنبہ کے فضائل میں سے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت، ابتدائے بعثت، مکہ سے ہجرت، مدینہ منورہ میں رونق افروزی، دنیا سے رحلت یہ تمام واقعات روز دوشنبہ میں ہی واقع ہوئے۔

اکثر ارباب سیر کے نزدیک تاریخ اسلام (قمری ہجری) لکھنے کی ابتداء، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم سے مدینہ منورہ میں رونق

افروزی کے دن سے ہے۔لیکن لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ تاریخ کا اعتبار اور اس کے لکھنے کی ابتداء، سیّدنا عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، کے دور خلافت میں حضرت ولایت مآب سیّدنا علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کے اتفاق فرمانے کے ساتھ ماہ محرم سے ہوئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلے مدینہ منورہ پہنچ کر نزول فرمانا بنی عمرو بن عوف کے گھروں میں ہوا تھا۔ بعد میں جس جگہ مسجد قبا بنائی گئی ہے۔اور اسی جگہ سیّدنا علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ نے تین دن کے فرق سے مکہ مکرمہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت وشادمانی میں اضافہ فرمایا روضۃ الاحباب میں ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ مکہ مکرمہ سے پاپیادہ سفر کرتے ہوئے آئے تھے پیدل چلنے کی وجہ سے ان کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چھالوں پر دست اقدس پھیرا تو وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئے تھے۔انتہی۔ یہ حقیقت اس کیفیت کی مانند ہے جو روز خیبر پیش آئی تھی کہ ان کی آنکھوں میں آشوب آ گیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن شریف لگانے سے وہ اسی وقت ٹھیک ہوگئی تھیں۔اور وہ پھر کبھی نہ دکھی تھیں۔

منقول ہے کہ سیّدنا عالم صلی اللہ علیہ وسلم نزول اجلال کے بعد ایک درخت کے سایہ میں سر مبارک جھکا کر بیٹھ گئے اور آپ پر سکوت وخاموشی غالب رہی۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ،لوگوں سے ملاقات کرنے میں مشغول رہے چونکہ اژدہام اور لوگوں کا اشتیاق بہت زیادہ تھا۔بعض انصار ایسے آرہے تھے جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا نہ تھا وہ یہی گمان کررہے تھے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہی ان کے نبی ہیں وہ آکر آپ ہی کو سلام کرکے تحیت کے قواعد بجالاتے تھے۔جب آفتاب بلند ہوا اور سایہ ختم ہوگیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دھوپ کا خیال کرکے اپنی چادر پھیلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کھڑے ہو گئے اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے شبہ کا ازالہ فرمادیا۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ اس کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آفتاب کی دھوپ پہنچتی تھی۔اور ابر یا فرشتہ آپ کے سر مبارک پر بعثت سے پہلے سایہ کرتا تھا۔جیسا کہ اس کے محل میں تصریح کردی گئی ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز اسی جگہ قیام فرمایا ایک قول کے بموجب بیس روز اور ایک قول کے بموجب چار روز،یعنی دوشنبہ،سہ شنبہ،چہار شنبہ اور پنجشنبہ قول اول زیادہ صحیح ہے۔بہرتقدیر جمعہ کے دن،سورج کے بلند ہونے کے وقت''بطن وادی'' سے گزر کر اس مقام میں تشریف لائے جہاں اب مسجد صغیر بنائی گئی ہے وہاں آپ نے نماز جمعہ پڑھائی اور طویل وبلیغ خطبہ دیا جو ابشار وانذا۔(یعنی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا) اور اہل ایمان کے دلوں کو نور سے لبریز کرنے والا تھا۔پھر آپ نماز جمعہ کے بعد اپنی سواری پر سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ کے اندر،بستی کی جانب اطمینان وسکون کے ساتھ روانہ ہوئے اور قبائل انصار پیدل اور سوار سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب کرامت مآب میں مجتمع ہوکر چلدیئے۔اس وقت بنی عمرو بن عوف کے لوگ جو اس بستی کے رہنے والے تھے یعنی قبا کے باشندے تھے عذر خواہی کرتے ہوئے آئے اور عرض کرنے لگے کہ شاید دامان عزت وجلال سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ قیام پذیر ہونے میں کوئی رنج وملال لاحق ہوا ہے جس کی وجہ سے اس جگہ سے انتقال وارتحال فرمایا جارہا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس بستی کا جس کا نام''اکالۃ القریٰ'' ہے حکم دیا گیا ہے''اکالہ لقریٰ''اکالۃ البلدان'' مدینہ منورہ کے ناموں میں سے ہیں۔یہ نام اس لحاظ سے ہے کہ اس کا تسلط تمام شہروں پر اور اس کا حکم ہر جانب جاری ونافذ ہے۔بعض علماء اس نام کو اس کے فضل وعظمت اور اس کے رتبہ پر محمول کرتے ہیں۔مطلب یہ کہ تمام شہروں کی بزرگیاں اور اس کی عظمتیں،اسی مدینہ کی عظمت کے مقابلہ میں نیست ونابود ہیں۔اور مکہ مکرمہ کا نام''اُم لقریٰ'' (بستیوں کی ماں) اس اعتبار سے ہے کہ اس کی عراقت واصالت تمام شہروں پر قائم وثابت ہے۔اس کی امومت واصالت نیست ونابود

ہونے کا اقتضاء نہیں کرتی۔

غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے اوران کی طرف تشریف لے جانے کے بعد جملہ قبائل انصار کے لوگ توقع وانتظار کی آنکھ کو سرراہ بچھا کر اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کرم کو تھام کر عرض کرنے لگے کہ ہمارے غریب خانہ میں قیام فرما کر نعمت وثروت کے اظہار اور خدمت گاری و جاں نثاری کی سعادت مرحمت فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے حق میں دعائے خیر فرماتے ہوئے کہتے کہ میری یہ اونٹنی مامور ہے۔ جہاں یہ بیٹھ جائے گی اسی جگہ میری قرارگاہ ہوگا۔'' اس کے بعد سیدھا راستہ اختیار فرما کے اونٹنی کو مدینہ طیبہ کی جانب اس کی مرضی پر چھوڑ دیا اور اس کا انتظار فرمایا کہ اونٹنی کہاں بیٹھتی ہے۔ یہاں تک کہ اونٹنی وہاں تک آئی جہاں اب مسجد نبوی شریف ہے۔ اونٹنی بے اختیار اس جگہ بیٹھ گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اونٹنی کی پشت پر ہی وہ کیفیت طاری ہوگئی جو نزول وحی کی حالت کے ساتھ مخصوص ہے۔ پھر اونٹنی اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور چند قدم آگے بڑھ کر گھومی اور پھر پہلی جگہ آکر بیٹھ گئی۔ گویا اونٹنی کا یہ آنا اور جانا مسجد نبوی کی تعمیر و بنیاد کے اظہار کیلئے تھا۔ جیسا کہ واقع ہوا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، کے گھروں کے دروازے اس جگہ سے بالکل قریب تھے۔ ابوایوب رضی اللہ عنہ انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات کے اسباب اونٹنی سے اتار کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک کے سامنے لائے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ایسا ہی اشارہ پایا ہو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہیں جسے روضۃ الاحباب میں نقل کیا گیا ہے۔ پھر وہ سامان اپنے گھر میں لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ رَحْلِهٖ مطلب یہ کہ آدمی کی وہیں اقامت ہے جہاں اس کا سامان سفر ہے، اس کے بعد حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان ہی نزول شریف کی سعادت سے مشرف ہوا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ.

مبارک منزلے کاں خانہ راما ہے چنیں باشد ہمایوں کشورے کاں عرصہ راشاہے چنیں باشد

ابن جوزی نے دختران انصار مدینہ بنی نجار وغیرہ کی گزشتہ حکایتوں کو اس جگہ نقل کیا ہے۔ لیکن روضۃ الاحباب وغیرہ کے سلسلہ کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان حکایتوں کا مقام پہلی جگہ ہی ہے۔ بہر تقدیر ان حکایتوں کا تعلق شہر مدینہ میں نزول اجلال فرمانے کے وقت کے ساتھ ہے خواہ اول ہو یا آخر۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے مکان کو شرف اقامت سے سرفراز فرمایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکان کی نچلی منزل کو اپنے لیے پسند فرمایا۔ میں، میری والدہ اور میرے بچے بالا خانہ پر رہنے لگے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں بالا خانہ کی رہائش میں میں بہت حرج اور تکلیف محسوس کرتا ہوں۔ اسلیے کہ سردار انبیاء علیہم السلام تو نچلی منزل میں رہیں اور میں ان کے اوپر بالا خانہ میں رہوں۔ یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالائی منزل پسند فرمالیجیے تاکہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے لیے نچلی منزل زیادہ درست، موافق اور مناسب ہے کیونکہ ہمارے ساتھ ایک جماعت کثیرہ ہے۔ اور اطراف و جوانب سے لوگ ہمارے پاس آئیں گے۔ لہٰذا تم اور تمہارے گھر والے اوپر کی ہی منزل میں سکونت رکھیں۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ انصاری برابر اس عرض والتجا میں مصر رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اوپر کی منزل میں اقامت فرمائیں اور خود نچلی منزل میں سکونت رکھیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ انصاری کے مکان میں قیام فرمانے کی مدت اصح روایات کے بموجب سات مہینہ ہے۔ مگر روایتوں میں کم وبیش واقع ہوئی ہے۔

قسم سوم

در ذکر واقعات باعتبار سن ہجری تا سن وفات سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم

چونکہ یہ واقعات دس سنوں پر مشتمل ہیں اس لیے ہر سن کے واقعات کو مستقل ایک ایک باب کر کے بیان کیا جائے گا۔ لہٰذا کتاب کی یہ تیسری قسم بھی دس ابواب پر مشتمل ہوگی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں اقامت باتفاق دس سال رہی۔ علماء سیر نے ان دس سالوں کے واقعات کو ایک ایک سال کے واقعات کی شکل میں جدا جدا بیان کیا ہے ان میں سے بعض واقعات میں اختلاف بھی ہے کہ کون سے سال میں رونما ہوئے۔ اور ایک سن کے واقعات کے بیان میں بھی علماء سیر سے تقدیم و تاخیر واقع ہوئی ہے۔ مواہب لدنیہ میں ''سنوات'' کے لفظ کے ذکر کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے۔ معارج النبوت میں ہر سال کے واقعات لکھے ہیں۔ مثلاً سال اول، سال دوم، سال سوم وغیرہ۔ اگر چہ ان لفظوں سے اسم عدد بیان کرنا حال اور اس کے مرتبہ کا ذکر کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا مناسب ہے کہ اسی ترتیب زمانی کے ساتھ واقعات کا ذکر کیا جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ مجرد عدد، مقصود ہے دیگر کتابوں میں اس ترتیب کے سوا بھی مرقوم ہیں۔ مگر ہم نے روضۃ الاحباب کے موافقت کی روش اختیار کی ہے اور یہی کتاب متداول اور مشہور ہے۔

پہلی سن ہجری کے واقعات

تعمیر مسجد قبا

سن اول ہجری کے واقعات میں سب سے پہلا واقعہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونے کے بعد، مسجد قبا شریف کی تاسیس و تعمیر ہے کیونکہ نبی عمرو بن عوف کے گھروں میں نزول فرمانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے پتھر اٹھا کر رکھا اور خلفاء ثلٰثہ نے بجز حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچنے کے تین دن بعد مکہ سے آ کر ان میں شامل ہوئے تھے پتھر اٹھانے میں مدد کی ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے بھی پہنچنے کے بعد اس کی تعمیر میں شرکت کی ہو۔ یہ وہ پہلی مسجد ہے جو اسلام میں تعمیر کی گئی ہے۔ اور وہ پہلی مسجد ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت صحابہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ بعض ارباب سیر اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو مسلمانوں کیلئے بنائی گئی ہے۔ اگر چہ اس سے پہلے بھی کوئی مسجد بنائی گئی ہوگی لیکن وہ مسجد اس کے ساتھ مخصوص ہوگی جس نے اسے بنائی۔ کذا فی المواہب، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وہ مسجد جو ابتدائے اسلام میں اپنے گھر کے دروازے پر انہوں نے بنائی تھی جس میں وہ نماز پڑھتے اور تلاوت قرآن کرتے تھے اور قریش کی عورتیں، بچے اور غلام ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اکثر مفسرین کے نزدیک اس آیہ کریمہ کا شان نزول یہی مسجد قبا شریف ہے چنانچہ فرمایا:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ — وہ مسجد جو پہلے دن ہی سے تقوے پر بنائی گئی ہے زیادہ مستحق ہے کہ

اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ ؕ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ○ آپ اس میں قیام فرمائیں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو صفائے باطن کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاکی چاہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ آئیہ کریمہ میں مسجد سے مراد، مسجد عظیم نبوی شریف ہے اور بعض حدیثیں بھی اس قول کی تائید میں وارد ہوئی ہیں۔ مگر حق وصواب یہ ہے کہ آئیہ کریمہ کا مفہوم دونوں مسجدوں پر صادق ہے اس لیے کہ دونوں مسجدوں کی تاسیس وتعمیر اول بنیاد سے ہی تقوے پر ہے لہٰذا ممکن ہے کہ دونوں مصدوق ومراد ہوں۔ جیسا کہ بعض محدثین کے کلام میں اس طرف اشارہ موجود ہے۔ (واللہ اعلم)

امام احمد رضی اللہ عنہ اللہ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ''مسجد تقویٰ'' کی جانب جاؤ۔ ان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ادھر متوجہ ہوگئے اور دونوں دست مبارک حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے کندھوں پر رکھ کر تشریف لے گئے۔ یہ حدیث اس کی تائید کر رہی ہے کہ مَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مسجد قبا ہی کا نام ہے۔

سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْمَسْجِدُ الَّذِیْ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی اَوَّلِ یَوْمٍ هُوَ مَسْجِدُ قُبَاءَ. وہ مسجد جو پہلے دن ہی تقویٰ پر بنائی گئی۔ وہ مسجد قبا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاکی چاہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے کامل وضو کیا اور مسجد قبا میں آ کر نماز پڑھی اس نے ایک عمرہ کا ثواب حاصل کر لیا۔

امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ اگر یہ مسجد جہان کے آخری کنارے پر ہوتی تو میں اس کی طلب میں اونٹ کا جگر پانی کر کے پہنچتا۔ پھر وہ اس مسجد کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے اور خس وخاشاک چن کر پھینکتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ مسجد قبا میں دو رکعت نماز پڑھنا میرے نزدیک بیت المقدس کی دو مرتبہ زیارت کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ اگر لوگ جانتے کہ اس مسجد میں کتنے نادر اسرار رکھے گئے ہیں تو اس کی طرف دوڑتے آتے اور اس کی جستجو کرتے۔ اسی کی مانند حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کے قول سے بھی باسناد صحیح مروی ہے۔ مسجد قبا کے مناقب بکثرت موجود ہیں۔

عبداللہ بن سلام کا اسلام لانا

اسی سن کے واقعات میں سے حضرت عبداللہ بن رضی اللہ عنہ سلام کا اسلام لانا ہے۔ کیوں کہ وہ احبار یہود اور حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں قدم رنجہ ہوئے اور لوگ آپ کی مجلس مبارک کی حاضری میں سبقت کرنے لگے تو میں بھی ان کی ہمراہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں باریابی سے مشرف ہوا۔ جب میری پہلی نظر آپ کے روئے انور پر پڑی تو میں نے جان لیا کہ یہ کذابوں یعنی جھوٹوں کا چہرہ نہیں ہے۔ پھر میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ اَفْشُوا السَّلَامَ، اے لوگو! اسلام کو پھیلاؤ مطلب یہ کہ اپنے اور بیگانے سب کو سلام کرو۔ اور اپنوں اور شناساؤں کے ساتھ اسے خاص نہ کرو۔ یا اتنی بلند آواز سے سلام کرو کہ جن کو سلام کیا گیا ہے وہ سن لیں۔ اور فرمایا: اَطْعِمُوا الطَّعَامَ (کھانا کھلاؤ) مطلب یہ کہ فقراء کے ساتھ ہمدردی کرو اور درویشوں اور محتاجوں کے ساتھ غمخواری کرو۔ اور فرمایا: وَصِلُوا الْاَرْحَامَ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ملاؤ۔ کیوں کہ وہ تمہارے ساتھ قریبی نسبت رکھتے ہیں۔ اور دور ونزدیک کے تفاوت مراتب کا لحاظ کرو۔ ان کو چھوڑ نہ دو اور ان سے علاقہ نہ توڑ لو۔ اور فرمایا: وَصَلُّوْا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ رات میں نمازیں پڑھو اور شب خیزی کرو درانحالیکہ لوگ سو

رہے ہوں۔ یہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ کی تشریف آوری کے بعد پہلا وعظ مبارک ہے۔اس کے بعد میں اپنے گھر لوٹ گیا۔ دوسری مرتبہ خلوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی۔ اور میں نے آپ سے تین سوال کیے جس کا بجز نبی کے کوئی دوسرا جواب نہیں جان سکتا۔ پہلا سوال یہ کہ علامات قیامت میں سے کیا واقع ہوگا۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ جنت میں جب حق تعالیٰ مسلمانوں کو پہلا کھانا کھلائے گا تو وہ کھانا کیا ہوگا۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے کہ نسل انسانی میں کوئی بچہ باپ کی شکل میں ہوتا ہے اور کوئی بچہ ماں کی صورت میں تو حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی وقت وحی نازل ہوئی اور تینوں سوالوں کے جوابات مرحمت فرما دیئے۔ فرمایا قیامت کی سب سے پہلی نشانی یہ ہوگی کہ مشرق کی جانب سے ایک آگ نمودار ہوگی جو لوگوں کو مغرب کی طرف اس طرح ہنکا کر لے جائے گی جس طرح چرواہا بکریوں کو ہنکاتا ہے۔ اور فرمایا جنتیوں کیلئے سب سے پہلا کھانا اس مچھلی کی کلیجی ہوگی جس کی پشت پر زمین قائم ہے اور یہ غذا نہایت لذیذ اور مرغوب ہوگی۔ احادیث میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے زمین کو اس دن سفید روئی کی مانند کر دے گا اور فرمایا ماں باپ میں سے جس کا نطفہ رحم مادر میں پہلے یا زیادہ پڑے گا اسی کے مشابہ بچہ پیدا ہوگا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام نے جب اپنے سوالوں کا جواب سنا تو با آواز بلند کہنے لگے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہود ایسی قوم ہے جو کذب و بہتان میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ باوجود یہ کہ وہ مجھے علم وسیادت و سرداری میں مسلم جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں ان کا سردار، ان کے سردار کا فرزند، ان میں سب سے زیادہ عالم اور ان کے سب سے زیادہ عالم کا فرزند ہوں۔ جب وہ سنیں گے کہ میں ایمان لے آیا ہوں تو وہ بہتان باندھیں گے اور اپنے اعتقاد کے خلاف کہیں گے۔ چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ اس سے پہلے کہ ان پر میرا ایمان لانا ظاہر ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا امتحان لے لیجئے اور میرے بارے میں ان سے حالات دریافت فرمایئے اور دیکھئے کہ وہ کیا کہتے ہیں چنانچہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو پوشیدہ مقام میں بٹھا دیا اور یہودیوں کو طلب فرمایا۔ ان کو موعظت و تہدید کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اسے تم خوب جانتے ہو اور تم نے توریت میں پڑھا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں اور حق تعالیٰ نے مجھے ایمان و حق کے ساتھ بھیجا ہے لہٰذا تم مسلمان ہو جاؤ، یہودی کہنے لگے ہم نہیں جانتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔'' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ'' عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تمہارے درمیان کیسے ہیں؟'' وہ کہنے لگے'' وہ ہمارے سردار، ہمارے سردار کے فرزند، ہم میں زیادہ عالم، ہمارے سب سے زیادہ عالم کے فرزند، ہمارے پیشوا، ہم میں بہترین، ہم میں دانا ترین اور ہمارے دانا ترین کے فرزند ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ اور ان کے آباؤ اجداد سب کے سب بزرگ و سردار رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔'' کیا خیال ہے اگر وہ مسلمان ہو جائیں۔'' وہ کہنے لگے۔'' حق تعالیٰ ان کو محفوظ رکھے کہ وہ اسلام لائیں۔'' حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بار بار فرمایا اور وہ یہی جواب دیتے رہے۔ اس کے بعد فرمایا'' اے ابن سلام رضی اللہ عنہ باہر آؤ؟ اس کے بعد ابن سلام رضی اللہ عنہ کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے اور فرمانے لگے۔'' اے گروہ یہود! خدا سے خوف کرو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔ کیوں کہ تم یقینی طور پر جانتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔'' وہ کہنے لگے تم جھوٹ کہتے ہو ہم نہیں جانتے۔'' اور حضرت ابن سلام رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہنے لگے کہ'' یہ ہم میں بدترین، بدترین کے فرزند، جاہل ترین اور جاہل ترین کے فرزند ہیں۔ حالانکہ اسی نشست میں تھوڑی دیر پہلے یہ کہہ رہے تھے سیّدنا، ابن سیّدنا، اعلمنا، ابن اعلمنا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ابتداء میں انصار کے گھروں سے صبح سعادت نے طلوع فرمایا۔ تو یہود نا بہبود کی رگ، انصار سے دشمنی و عداوت کے تعلق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سرور عالم کی جانب پھڑ کنے لگی تھی۔ اور بعض نے اظہار عداوت میں بڑی کوششیں کیں اور جس حد تک ان سے ممکن تھا اپنی ہلاکت میں کوتاہی نہ

کی۔ مثلاً حی بن اخطب اور اس کا بھائی یاسر بن اخطب کہ یہ اپنی قوم میں شدید عداوت اور خبث انسانی میں گرفتار تھے۔ اور ان اشقیاء کے گروہ میں سے بعض نے نفاق کو اپنا حیلہ اور دنیاوی مال وزر کے جمع کرنے کا ذریعہ اور حیات فانی کی حفاظت کا وسیلہ بنایا اور اوس وخزرج کے قبیلہ کے کچھ لوگوں نے بھی جو کہ انصار کے دونوں قبیلے ہیں ان میں سے بعض نے منافقوں کے ساتھ نفاق میں اتفاق کا مظاہرہ کیا اور اکثر منافقین یہود میں سے تھے۔

بعض احبار اور علماء یہود ایسے بھی تھے جن کی پیشانی میں رحمت ازلی سے ہی حرف سعادت اور اقبال مندی تحریر تھا اور یہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے رسالت کی حقیت کو جانتے تھے پہچانتے ہی بلا تردّد اور بغیر ہچکچاہٹ وتوقف کے اسلام کا حلقہ اپنے گلے میں ڈال لیا۔ اور سعادت ابدی حاصل کی حقیقت یہ ہے کہ یہود سے بڑھ کر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رسالت کی حقیقت اور آپ کے احوال و اوصاف سے دانا اور شناسا اور کوئی قوم نہ تھی۔ کیوں کہ ان کے پاس آسمانی کتابیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف واحوال موجود تھے جنہیں یہ پڑھا کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ورسالت اور آپ کی تشریف آوری کے منتظر رہا کرتے تھے۔ ان کے آباء مرتے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے اور بشارت دیا کرتے اور نبی آخر الزماں کے وجود گرامی کی خبریں دیا کرتے تھے جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ چونکہ باپوں کو اپنے بیٹوں کے بارے میں علم یقینی اور شہودی ہوتا ہے ایسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کو ان کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ لہٰذا: كَمَا يَعْرِفُوْنَ اٰبَاءَ هُمْ نہ فرمایا۔ یعنی جیسے وہ اپنے باپوں کو پہنچانتے ہیں۔ اس قدر علم ومعرفت کے باوجود، وہ شقاوت اور وبال ابدی میں گرفتار رہ گئے۔ مصرعہ

علمے کہ رہ حق نماید جہالت است

اہل بیت نبوت کو مکہ سے بلانا

اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ اور ابورافع کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے مکہ مکرمہ میں پانچ سو درہم اور دو اونٹوں کے ساتھ روانہ کیا تا کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا، سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ، اسامہ رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ اور ام ایمن رضی اللہ عنہم کو لیکر آئیں۔ چنانچہ یہ ان سب کو یہ لے کر آئے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ابی بکر بھی اپنے والد محترم کے اہل وعیال کو لیکر ان کے ہمراہ مدینہ منورہ آ گئے۔

مسجد نبوی شریف کی تعمیر

اسی سال مدینہ منورہ میں مسجد عظیم کی تعمیر ہوئی۔ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی منبر شریف کے مقام پر آ کر بیٹھ گئی تھی اور پھر کھڑی ہو کر چند قدم آگے چل کر اس نے مسجد نبوی شریف کی حد بندی ظاہر کی تھی۔

حدیث مبارک میں ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عریش کی مانند میں ایک عریش (چھت والا مکان) بناؤں جس کی بلندی سات گز سے زیادہ نہ ہو اور اس گھر کی چھت کو لکڑی اور کھجور کے پتوں سے ڈھانپوں۔ الحدیث۔

مسجد نبوی شریف کی تعمیر سے پہلے جہاں بھی نماز کا وقت آ جاتا تھا پڑھ لیتے تھے۔ اس جگہ جہاں مسجد نبوی تعمیر کی گئی بنی نجار کے گھروں کے آگے ایک میدان تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے بنی نجار اپنے اس احاطہ یعنی میدان کی قیمت لے لو۔'' انہوں نے عرض کیا ''ہم اس کی قیمت نہیں لیں گیا ورنہ آپ سے اس کا بدلہ چاہیں گے مگر یہ کہ حق تعالیٰ جزاء مرحمت فرمائیے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ یہ احاطہ کس کا ہے؟ انہوں نے کہا یہ دو یتیموں کا ہے اور وہ اس جگہ کھجوروں کو خشک کر کے تمر بناتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس احاطہ کو خریدلو۔ تو بنی نجار نے کہا ہم ان دونوں یتیموں کو اس کی قیمت ادا کر کے اس زمین کو آپ کی نذر کرتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ خود ان دونوں یتیموں نے کہا ہم اس کی قیمت نہیں لیں گے ہم اس کو آپ کی نذر کرتے ہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس مال میں سے جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے ان کی قیمت میں دس سونے کے مثقال ان کو عطا فرمائے۔

نادر و عجیب روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ جسے طبرانی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری سے جس کا مکان مسجد نبوی کے برابر تھا اشارۃً فرمایا کہ کیا ممکن ہے کہ اپنی اس زمین کے ٹکڑے کو اس گھر کے بدلے فروخت کر دے جو تجھے حق تعالیٰ جنت میں عطا فرمائے گا۔ تاکہ میں مسجد شریف کو وسیع کرسکوں۔ چونکہ وہ انصاری اس معاملہ کی توفیق نہ پاتا تھا عرض کرنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عیال والا ہوں۔ میری اتنی گنجائش نہیں ہے کہ میں زمین کو یونہی دیدوں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، نے اس مکان کو دس ہزار درہم ادا کر کے اس سے خرید لیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے مسجد نبوی میں شامل کرا دیا۔ اس مقام سے یہ نکتہ معلوم ہو جاتا ہے کہ نیکی و خوشنودی کے حصول میں لوگوں کے طبائع اور ہمتیں مختلف ہیں۔ یہ انصاری محتاج تھا اور صاحب عیال تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے امر ایجابی واقع نہ ہوا تھا بلکہ اسے اختیار دیا گیا تھا کہ چاہے ایسا کرے چاہے ایسا نہ کرے۔ اور ابتدائے زمانہ میں صحابہ تمام مہذب الاخلاق نہ تھے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رفتہ رفتہ مہذب ہوئے ہیں۔ اس جگہ کچھ کھجوروں کے درخت ٹیلے اور مشرکوں کی قبریں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ درختوں کو کاٹ ڈالو اور ٹیلوں کو ہموار کر دو اور قبروں کو زمین بوس کر کے جگہ ہموار بنائی جاسکتی ہے اور قبرستان کو مسجد کیلئے ہموار کرنا جائز ہے۔ اس کے بعد صحابہ سے فرمایا کہ مسجد کی تعمیر کیلئے اینٹیں تھاپیں۔ مدینہ منورہ میں ابھی تک وہ جگہ مخصوص و متعین ہے جہاں اینٹیں تھاپی گئی تھیں۔ وہ جگہ بقیع کی جانب واقع ہے، اس کے بعد مسجد نبوی شریف کی دیواریں خشت خام سے بنائی گئیں اور چھت کھجور کے پتوں اور ستون اس کے تنوں سے تعمیر ہوئے۔ اس زمانہ میں مسجد نبوی شریف کی یہ حالت تھی کہ اگر بارش ہوتی تو چھت سے پانی ٹپکا کرتا اور اس سے مٹی بھی جھڑا کرتی اور مسجد میں کیچڑ ہو جاتی تھی اسی کیچڑ میں سجدہ کیا جاتا تھا۔ صحابہ کرام اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے سب ایک ایک اینٹ لاتے تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دو اینٹیں اٹھا کر لاتے اور فرماتے ایک اینٹ اپنی طرف سے اور ایک اینٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے لوگوں کو ایک اجر ہے تو انہیں دونا اجر ہے۔ اور بشارت دی کہ آخر عمر میں تمہاری غذا دودھ کا پینا ہوگا اور تمہیں باغی لوگ شہید کریں گے۔ اور ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ تم باغیوں کو جنت کی طرف بلاؤ گے اور وہ باغی تمہیں جہنم کی طرف بلائیں گے۔

مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ مل کر اینٹیں اٹھا کر لاتے تھے اور مٹی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکم مبارک آلودہ ہو جاتا تھا۔ جب صحابہ یہ دیکھتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس اینٹیں اٹھا کر لا رہے ہیں تو وہ بھی کام میں خوب کوشش کرتے اور یہ رجز یعنی ترانہ پڑھتے جاتے۔ لَئِنْ قَعَدْنَا وَالنَّبِيُّ يَعْمَلُ ذَاكَ اِذًا الْعَمَلُ الْمُضَلِّلُ یعنی ہم بیٹھے رہیں اور نبی کریم کام کرتے رہیں۔ ایسا بیٹھنا یقیناً گمراہ کرنے والا عمل ہے۔'' اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کرام کو کام کا شوق اور رغبت دلانے کیلئے یہ فرماتے جاتے: اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرَ الْاٰخِرَةِ، فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ. اے رب کوئی چیز بہتر نہیں مگر آخرت کی نیکی۔ تو رحم فرما انصار و مہاجرین پر۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑوں میں رکھ کر اینٹ لاتے تھے اور فرماتے تھے شعر

هٰذَا الْحِمَالُ لَا حِمَالَ خَيْبَرَ هٰذَا   اَبَرُّ عِنْدَ رَبِّنَا وَاَطْهَرُ

اور یہ رجز بھی پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرَ الْاٰخِرَةَ   فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

مواہب لدنیہ میں ابن شہاب کا قول ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان شعروں کے سوا اور کوئی شعر موزوں کرنا ہم تک نہیں پہنچا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آیۂ کریمہ میں جو مخالفت فرمائی گئی ہے وہ انشاء شعر یعنی اشعار کا اختراع کرنا ہے نہ کہ انشاد یعنی شعر گنگنانا۔ اور انشاد کی مخالفت پر بطریق تمثیل کوئی دلیل نہیں ہے۔

مسجد نبوی شریف کی لمبائی ابتداء تعمیر کے وقت قبلہ سے شمال تک چوون گز اور مشرق سے مغرب تک ساٹھ گز تھی۔ اور فتح خیبر کے بعد جو دوسرے سال میں واقع ہوا اس کی تعمیر دوبارہ کی گئی اور دونوں جانب سو سو گز کی ہوگئی۔ اس کے بعد مزید اضافہ اور تغیر و تبدل ہوا اور زیب و زینت نے راہ پیدا کی مکمل تذکرہ تاریخ مدینہ میں ہم نے بیان کر دیا ہے۔ اول تعمیر کے وقت مسجد کا قبلہ بیت المقدس کی جانب تھا بعد ازاں بدل کر مسجد حرام کی جانب کیا گیا۔ جیسا کہ ۲ ہجری کے واقعات میں آئے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں محراب کی علامت آج کل جیسی نہ تھی۔ محراب کی ابتداء حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی۔ اس زمانہ میں وہ ولید بن عبدالملک کی طرف سے مدینہ منورہ میں گورنر تھے اور انہوں نے مسجد نبوی شریف کی تعمیر کی تھی۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ مسجد نبوی شریف میں ایک جگہ سایہ دار تھی جس میں وہ صحابہ بود و باش کرتے تھے جن کا گھر بار نہ تھا۔ اس جگہ کو "صفہ" اور اس جگہ رہنے والوں کو اصحاب صفہ کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت ان کو اپنے پاس بلاتے۔ اور صحابہ کرام میں جو صاحب ثروت اور تونگر تھے ان کے سپرد فرماتے کہ وہ ان کی ضیافت یعنی خاطر داری کریں۔ ان کو "اضیاف اللہ" کہتے ہیں۔ اور وہ ان میں سے ایک جماعت کی مہمانداری کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے اصحاب صفہ کے ستر ایسے اشخاص کو دیکھا ہے جن کے پاس کچھ نہ تھا بجز تہبند یا کملی کے، جسے وہ اپنے گلے میں باندھے ہوئے تھے۔ وہ کسی کے آدھی پنڈلی تک پہنچا تا تھا اور کسی کے ٹخنوں تک وہ سجدہ کرتے وقت اسے لپیٹ لیتے تھے تاکہ ستر نہ کھلے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب صفہ ستر سے زیادہ تھے بلا شبہ حدیث مبارک میں ہے کہ ایک وقت میں ان کی تعداد چار سو تک پہنچ گئی تھی۔ کبھی ان کی یہ تعداد کسی کے انتقال کر جانے، نکاح کر لینے یا کسی اور وجہ سے کم بھی ہو جاتی تھی۔ اور کبھی اس سے زیادہ بھی ہو جاتی تھی۔ ان میں سے ستر اصحاب صفہ تو بیر معونہ کے غزوہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے شہید ہو گئے تھے۔ بعض کتابوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صفہ مسجد کے اس حصہ کو کہا جاتا رہا جو سب سے پہلے بنا تھا اور تحویل قبلہ کے بعد جو مسجد تعمیر کی گئی وہ دوسری جانب تھی پہلی مسجد کی دیوار کو اپنے حال پر قائم رکھا گیا، پہلی مسجد میں منبر شریف تعمیر نہیں کیا گیا تھا بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں کھجور کے ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ پھر جب منبر بنایا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نشست فرمائی اور کھجور کا وہ ستون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت میں گڑ گڑا کر نالہ و فریاد کرنے لگا۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ یہ واقعہ ۸ھ یا ۷ھ میں ہوا۔ بعض اہل سیر کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مٹی کے ایک چبوترے پر جو کہ چوبی منبر بننے سے پہلے تھا خطبہ دیا کرتے تھے۔ اور احادیث صحیحہ اس پر ناطق ہیں کہ خطبہ دیتے وقت کھجور کے ستون سے ٹیک لگایا کرتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی شریف کے پہلو میں چند حجرے خشت خام سے بنائے تھے جس پر کھجور کی شاخوں سے چھت ڈالی گئی تھی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا تھیں، چنانچہ ایک حجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیلئے اور دوسرا حجرہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہ کیلئے تعمیر فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ انصاری کے گھر سے ان حجروں میں منتقل ہو گئے۔ یہیں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمانا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمانا بھی پہلی سن ہجری میں نو ماہ بعد ماہ شوال المکرّم میں واقع ہے اور سن نبوی مکی کے احوال کے ضمن میں معلوم ہو گیا ہوگا کہ دسویں سن نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ عائشہ اور سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہما سے نکاح فرمایا تھا سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت چھ سال کی تھیں۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ میں آئے تو میرے والد محترم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے محلہ سخ بن حبیب بن لیاف یا خارجہ بن زید میں قیام فرمایا۔ جس دن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انصار کے مرد وزن کی ایک جماعت حلقہ بنائے بیٹھی ہوئی تھی۔ میری والدہ نے میری بالوں میں کنگھی کی اور مانگ نکالی اور میرا منہ دھلایا اور مجھے لیکر وہاں آئیں جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز تھے۔ چونکہ میرا سانس پھول گیا تھا اس لیے کچھ دیر توقف کیا۔ اس کے بعد وہ مجھے لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے میں آئیں میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سریر پر تشریف فرما ہیں۔ میری والدہ نے مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بٹھا دیا۔ اور عرض کرنے لگیں ''یا رسول اللہ یہ آپ کی زوجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اور آپ میں ان کی وجہ سے برکت دے۔'' اس کے بعد تمام لوگ گھر سے چلے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ زفاف فرمایا۔ کوئی اونٹ یا بکری ذبح کر کے عروسی کھانا (ولیمہ) تیار نہ کیا۔ البتہ دودھ کا ایک پیالہ جو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، کے گھر سے آیا ہوا تھا۔ میں اس دن نو سال کی تھی۔

اسماء رضی اللہ عنہ بنت عمیس سے مروی ہے وہ کہتی ہیں میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے زفاف کے دن موجود تھی۔ خدا کی قسم! اس دن کوئی ولیمہ کا کھانا موجود نہ تھا بجز دودھ کے ایک پیالہ کے جس میں سے کچھ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا اور بقیہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا وہ پیالہ لینے سے شرما رہی تھیں۔ میں نے کہا نبی کے دست مبارک کو رد نہ کرو۔ پی لو۔ تب انہوں نے شرماتے ہوئے لے لیا اور تھوڑا سا پیا۔

مدینہ منورہ میں مہاجرین کا بیمار ہونا

اسی سن میں بعض مہاجرین مدینہ کی آب و ہوا میں بیمار ہو گئے اس زمانہ تک مدینہ کی زمین، وبا اور بخار والی تھی لیکن بعد از قدوم برکت لزوم، متبدل بہ طیب وصحت وسلامت ہو گئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا سے اس شہر پاک کی وبا اور بخار کو جحفہ میں جو شرک وطغیان کا گھر تھا منتقل کر دیا۔ حضرت ابوبکر، حضرت بلال اور حضرت عامر رضی اللہ عنہم بھی اس کی وبا میں مبتلا ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب بخار نے گھیرا تو وہ اس حالت میں کہنے لگے

كُلُّ امْرِءٍ مُّصَبَّحٌ فِيْ اَهْلِهٖ وَالْمَوْتُ اَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ

یعنی ہر شخص اپنے اہل میں صبح کرنے والا ہے، حالانکہ موت، اس کی جوتی کے بندھن سے زیادہ قریب ہے۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے والد کی مزاج پرسی کیلئے آئی ہوتی تھیں۔ انہوں نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں خدا کی قسم! میرے والد ہوش میں نہیں ہیں۔ انہیں خبر نہیں کہ وہ اپنی زبان سے کیا کہہ رہے ہیں، اور حضرت بلال و عامر رضی اللہ عنہما کو دوسرے گوشہ میں مبتلا دیکھا۔ وہ کفار مکہ پر لعنت بھیج رہے تھے کہ انہوں نے مکہ سے نکال دیا۔ وہ مکہ کے چشموں، باغوں اور مرغزاروں کی یاد میں اشعار پڑھ رہے تھے اور بحکم طبع واویلا اور بخار کی مدہوشی میں ہذیان میں مبتلا ہیں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے احوال کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''خداوند ہمارے دلوں میں مدینہ منورہ کو ایسا محبوب بنا دے جیسا کہ ہم مکہ مکرمہ سے محبت رکھتے ہیں یا اس سے زیادہ اور مدینہ کی ہوا کہ ہمارے جسموں کیلئے صحیح و درست بنا دے اور ہمارے صاع اور یعنی ناپنے تولنے کے پیمانوں میں بھی برکت دیدے۔ اور اس جگہ سے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل فرما دے۔''

اذان کی مشروعیت

اسی سن اول ہجری کے واقعات میں سے اذان کی مشروعیت ہے اس کا تذکرہ عبادات کے باب میں تفصیل سے گزر چکا ہے اعادہ کی حاجت نہیں ہے بعض ارباب سیر اسے سن دوم ہجری کے واقعات میں شمار کرتے ہیں (واللہ اعلم)

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

اسی سن اول ہجری کے واقعات میں سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا ہے۔ یہ اصفہان کے رہنے والے تھے اور وہ اس قوم سے تعلق رکھتے تھے جو ابلق گھوڑوں کی پرستش کرتی ہے۔ انہوں نے دین کی تلاش میں مسافرت اختیار کی سب سے پہلے انہوں نے دین نصرانی اختیار کر کے انجیل پڑھی۔ اس کے بعد انہیں عرب کی ایک قوم نے گرفتار کر لیا اور انہیں ایک یہود کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ پھر اس یہود نے انہیں مکاتب کر دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کتابت سے ان کی اعانت فرمائی۔ بعض ارباب سیر کہتے ہیں کہ آزادی کی شرط پر انہیں خرید لیا۔ وہ دس جگہ فروخت ہو چکے تھے یہاں تک کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو اسی وقت اسلام لے آئے تھے ان کے اسلام لانے کا قصہ یہ ہے کہ ایک دن انہوں نے ایک طبقان تر کھجوروں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کے رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ اے سلمان رضی اللہ عنہ! یہ کھجوریں کیسی ہیں؟ عرض کیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کیلئے صدقہ کا مال ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے اٹھا لو ہم صدقہ نہیں کھاتے۔ تو وہ اٹھا کر لے گئے۔ دوسرے دن پھر ایک طباق تر کھجوروں کا لا کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے رکھا۔ فرمایا اے سلمان رضی اللہ عنہ! یہ کیسی ہیں؟ عرض کیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کیلئے ہدیہ ہیں۔

صدقہ اور ہدیہ میں فرق یہ ہے کہ صدقہ محتاجوں کو مہربانی کے طور پر دیا جاتا ہے اور اس میں دینے والے کی بلندی ہے۔ اور ہدیہ، بڑوں کی خدمت میں بطور پیش کش اور نذرانہ لایا جاتا ہے اس میں دینے والے کی پستی اور لینے والے کا ادب و احترام ملحوظ ہوتا ہے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا اپنے ہاتھ بڑھاؤ اور کھاؤ۔ اس وقت حضرت سلمان کی نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک میں مہر نبوت پر پڑی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نشانی کو پہچانتے ہی اسلام لے آئے حالانکہ وہ اس وقت یہودی کے غلام تھے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس یہودی سے خرید لیا اور آزاد فرما دیا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، کی عمر کے بارے میں جو اقوال ہیں ان میں سے ایک قول تین سو پچاس سال کا ہے اور اکثر کے،

نزدیک دوسو پچیس سال ہے اور قول صحیح یہی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ پایا ہے (واللہ اعلم)

وہ غزوۂ خندق کے موقعہ پر اول شاہد ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے ہی خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ اور کہا کہ ہمارے ملک میں دستور ہے کہ جب دشمن چڑھائی کرتا ہے تو خندق کھود کر حفاظت کرتے ہیں۔ خندق کی کھدائی کے وقت مہاجرین وانصار میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ ہوں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمان من اھل البیت یعنی سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے اہل بیت میں سے ہیں اور وہ ان شخصوں میں سے ایک ہیں جن کی جنت مشتاق ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں انہیں "مداین" کا امیر (گورنر) مقرر فرمایا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اپنی محنت سے کھاتے تھے بیت المال سے جو کچھ ملتا وہ سب صدقہ کر دیا کرتے تھے۔ وہ حاجتمندوں سے محبت رکھتے تھے۔ "اصحاب صفہ" میں سے ہیں اور ان کے مناقب بکثرت مروی ہیں۔ انہوں نے "مداین" میں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، کی خلافت کے زمانہ میں ۳۵ھ یا ۳۶ھ میں وفات پائی اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وفات پائی لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور وہ خود کو فرمایا کرتے "انا سلمان بن الاسلام" یعنی میں اسلام کا بیٹا سلمان رضی اللہ عنہ ہوں" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ قریش خوب جانتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں خطاب عزیز تھا۔ لیکن عمر بن الاسلام رضی اللہ عنہ، سلمان بن الاسلام رضی اللہ عنہ کا بھائی ہے۔

عقد مواخات

اسی سن اول ہجری کے واقعات میں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہاجرین وانصار کے درمیان عقد مواخات باندھنا ہے۔ یہ رشتہ مواخات پینتالیس، پینتالیس اور ایک قول کے بموجب پچاس پچاس انصار اور مہاجرین کے درمیان باندھا گیا تھا۔ یہ عقد مواخات، باہمی یگانگت اور حق توارث میں مربوط کرنا تھا۔ یہ سب آئمہ کریمہ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ. (رحمی رشتہ والے، اللہ کے فرائض میں ایک دوسرے کے درمیان زیادہ قریب ہیں) کے نازل ہونے سے پہلے تھا۔ اس آئیہ کریمہ کے نازل ہونے کے بعد عقد مواخات منسوخ ہوگئی۔

روضۃ الاحباب میں شیخ ابن حجر سے (فتح الباری میں ابن عدالبر سے) منقول ہے کہ مواخات ایک جدا چیز ہے جو مہاجرین کے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ عقد باندھنے میں مخصوص ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رحمۃ اللہ علیہ وزبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان وعبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کے درمیان عقد مواخات باندھا گیا۔ اس پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے درمیان تو برادری کا رشتہ باندھ دیا اور مجھے تنہا چھوڑ دیا۔ میرا بھائی کون ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا بھائی میں ہوں۔ اور فرمایا انت اخی فی الدنیا والاخرۃ تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔"

تعداد نماز میں اضافہ

اسی سن اول ہجری کے واقعات میں سے نماز حضر یعنی حالت اقامت میں نمازوں کا اضافہ ہوا۔ صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے جب دو مہینے گزر گئے اور بعض روایتوں میں ایک سال کا گزرنا آیا ہے۔ تو اقامت کی نمازوں میں اضافہ کر دیا گیا۔ اس سے پہلے مغرب کی تین رکعت کے سوا تمام نمازیں دو دو رکعت تھیں اس کے بعد نماز ظہر،

نمازِ عصر اور نمازِ عشاء میں دو دو رکعت کا اضافہ ہو گیا۔ اور نمازِ فجر کی دو رکعتیں بدستور برقرار رہیں۔ کیوں کہ ان میں قرأت طویل ہے۔ اور نمازِ مغرب کو بھی اسی طرح برقرار رکھا کیوں کہ وہ دن کے وتر ہیں۔

صحیح بخاری میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ دو دو رکعت نماز فرض کی گئی پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورۃ ہجرت فرمائی تو دو اور چار رکعت فرض کی گئیں۔ اور سفر کی نماز کو پہلے فریضہ پر برقرار رکھا گیا۔'' یہ حدیث، نمازِ قصر کے وجوب میں احناف کی دلیل و حجت ہے۔ مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چار رکعت فرض تھی بعد کو مسافر پر کمی کر دی گئی۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ وَضَعَ مِنَ الْمُسَافِرِ نِصفَ الصَّلٰوۃِ بیشک اللہ نے اپنی نماز کو مسافر پر آدھی فرض فرمائی، بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضر میں نمازیں چار رکعت شروع ہوئیں اور سفر میں دو رکعتیں۔ اسے مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے غرضیکہ مذہب حنفی میں قصر کا وجوب ہے اور مذہب شافعی میں رخصت و اجازت ہے اور اگر چار پڑھے تو عزیمت ہے اور احناف کے نزدیک رخصت کا اطلاق مجازاً ہے اسکی مفصل تحقیق و تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔

بھیڑیئے کا کلام کرنا

اسی سن اول ہجری کے واقعات میں سے بھیڑیئے کا کلام کرنا ہے۔ منقول ہے کہ مدینہ منورہ کے باہر ایک بھیڑیا ریوڑ سے ایک بکری لے بھاگا۔ چرواہا اس بھیڑیئے کے تعاقب میں گیا اور اس سے بکری چھین لے۔ بھیڑیئے نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے رزق دیا تھا اور تو نے اسے مجھ سے چھین لیا۔ چرواہا حیران رہ گیا اور کہنے لگا تعجب ہے کہ بھیڑیا بات کرتا ہے۔ بھیڑیئے نے کہا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ایک شخص مدینہ کے سنگستان اور نخلستان کے درمیان گزشتہ اور آئندہ کی خبریں دے رہا ہے اور تو اس کی تصدیق نہیں کرتا اس کے بعد وہ چرواہا جو یہودی تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھیڑیئے کے کلام کرنے کا قصہ بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جبکہ آدمی اپنے گھر سے نکلے گا اور ابھی گھر لوٹ کر نہ آئے گا کہ اس کی جوتیاں اور اس کا کوڑا اس کے جانے کے بعد جو کچھ گھر میں ہوا ہے سب کی خبریں دے گا۔

اس واقعہ کو علماء صدق نبوت کے معجزات کے ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ بھیڑیئے کا کلام کرنا حقیقت میں معجزہ ہے۔

عاشورہ کا روزہ

اسی سن اول ہجری میں یوم عاشورہ یعنی دسویں محرم کے دن صحابہ کرام کو روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو یہود کو دیکھا کہ وہ روز عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے شر سے نجات پائی اور تمام قبطی لشکر دریائے نیل میں غرق ہوا تھا۔ اس نعمت کے شکرانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام باقی تمام عمر اس دن روزہ رکھتے رہے۔ اس پر سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کی سنت کو زندہ رکھنے اور اس کا اتباع کرنے کے زیادہ حقدار اور مستحق ہیں۔ اور منادی کو بلا کر حکم دیا کہ اعلان کر دیں کہ اس دن روزہ رکھا کریں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی روزہ رکھا اور تمام صحابہ نے بھی روزہ رکھا۔

علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کی اس خبر کی سچائی کا علم وحی کے ذریعہ تھا۔ جب ماہ رمضان کا روزہ فرض ہوا تو روز عاشورہ کے روزہ رکھنے میں جو اہتمام و مبالغہ برتا جاتا تھا باقی نہ رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چاہے اس دن روزہ رکھے اور

جو چاہے نہ رکھے۔ بعض کتابوں سے یہ مفہوم ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے عاشورہ کا روزہ فرض تھا لیکن رمضان کے روزے کی فرضیت کے بعد اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔

بخاری، مسلم، ،موطا، ابوداؤ داور ترمذی میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قریش زمانہ جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزہ رکھا کرتے تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ قریش کا عاشورہ کے روزے کی پابندی کرنا غالبًا شرائع سابقہ کی تلقین کے سبب ہوا اسی لیے وہ اس دن کی عظمت کرتے تھے اور خانہ کعبہ پر غلاف چڑھاتے تھے۔

حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قریش سے کوئی گناہ سرزد ہوا تھا اور ان کے دلوں میں اس کا خوف بیٹھ گیا تھا تب ان سے کہا گیا کہ عاشورہ کا روزہ رکھو تا کہ اس گناہ کا کفارہ ہو جائے (کذافی فتح الباری) سفر السعادۃ میں کہا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عاشورہ کا روزہ پابندی سے رکھا کرتے تھے۔ اور جامع الاصول میں نسائی سے منقول ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ترک نہ فرماتے تھے عاشورہ کا روزہ، عشرہ ذی الحجہ کے روزے، ایام بیض کے روزے اور فجر کی فرض سے پہلے کی دو سنتیں نیز علماء عاشورہ کے روزے کے مراتب میں فرماتے ہیں کہ اس کی تین صورتیں ہیں۔ افضل واکمل یہ ہے کہ تین روزے رکھے جائیں یعنی نویں، دسویں اور گیارہویں کا۔ اور دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ دو روزے رکھے جائیں نویں اور دسویں کا۔ اور تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ صرف دسویں کا روزہ رکھا جائے۔ فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں نے آئندہ سال پایا تو نویں کا روزہ بھی رکھوں گا یعنی یوم عاشورہ کے ساتھ نویں کا روزہ بھی رکھوں گا اس سے اہل کتاب کی مخالفت مقصود تھی اور مسند امام احمد اور بزار میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم عاشورہ کا روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت اس سے پہلے اور اس کے بعد روزہ رکھ کر کرو۔ جیسا کہ سفر السعادۃ میں مذکور ہے۔

یوم عاشورہ کی فضیلت میں وارد ہوا ہے کہ یوم عاشورہ کا ایک روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اس سے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ اور یوم عرفہ کے روزے کے بارے میں دو سال کے برابر واقع ہوا ہے۔

بعض علماء نے اس ضمن میں ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ عاشورہ کا روزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے ہے اور یوم عرفہ کا روزہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے ہے۔

براء رضی اللہ عنہ بن معرور کی رحلت

اسی سن اول ہجری میں حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ، نے وفات پائی۔ یہ نقباء انصار میں سے خزرجی اور اسلمی ہیں اور ان پہلے مسلمانوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنی قوم کے کہنے پر عقبہ ثانیہ کی رات میں بیعت کی۔ اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے تہائی مال کی وصیت کی۔ اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جس نے نقباء میں سب سے پہلے وفات پائی۔ وہ انصار کے سردار اور ان کے بڑے تھے۔ اہل سیر بیاں کرتے ہیں کہ انہوں نے سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونے سے ایک ماہ پہلے وفات پائی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونے کے بعد صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ ان کی قبر کے کنارے نماز پڑھی اور دعا فرمائی کہ: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَارْضَ عَنْهُ وَقَدْ فَعَلْتَ.

اسعد بن زرارہ کی وفات

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی وفات بھی اسی سال واقع ہوئی ہے یہ بھی نقباء انصار میں سے ہیں اور یہ عقبہ اولیٰ اور عقبہ

ثانیہ دونوں ہی میں موجود تھے اور بیعت کی تھی۔ یہ بنی ساعدہ کے نقیب تھے۔ اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ میں انصار کے جمع کرنے کی کوشش کی۔ اور دین اسلام کی تائید میں سعی فرمائی اور ان کی ہی کوشش سے بکثرت انصار ایمان لائے۔ انہوں نے کوئی گھر ایسا نہ چھوڑا جہاں جا کر اسلام کی تبلیغ نہ کی ہو۔ ان کی وفات سن اول ہجری کے ششماہی کی ابتداء میں تعمیر مسجد شریف کے دوران ہوئی۔ اور بقیع الغرقد میں مدفون ہوئے۔ انصار کہتے ہیں کہ سب سے پہلے بقیع میں یہی مدفون ہوئے۔ لیکن مہاجرین کہتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون ہیں۔

اسی سال کلثوم رضی اللہ عنہ بن الہدم اور مہاجرین میں سے عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون نے وفات پائی۔ اور مشرکوں کی ایک جماعت بھی اسی سال مری، ان میں سے عاص بن وائل سہمی عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کے باپ اور ولید بن مغیرہ، خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے باپ ہیں۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ، نزع کی حالت میں بہت چیخ و چلا رہا تھا ابوجہل نے اس سے کہا اے چچا اتنا کیوں چیختے چلاتے ہو؟ اس نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ ابن ابی کبشہ کا دین مکہ میں غالب ہوگا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا خوف مت کرو کیوں کہ میں ضامن ہوں کہ ان کا دین غلبہ نہ پائیگا مشرکین مکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کہا کرتے تھے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ ابو کبشہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص تھا جو عبادت کرتا تھا۔ عبادت میں اس کی مشابہت کی غرض سے یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے منسوب کر کے ابن ابی کبشہ کہنے لگے۔ بعض کہتے ہیں کہ ابو کبشہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی اجداد میں سے تھا۔

۲ ہجری کے واقعات کا ذکر

تحویل قبلہ

دوسرے سال تحویل قبلہ عمل میں آئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں رونق افروزی سے تقریباً سولہ یا سترہ مہینہ تک بیت المقدس کی جانب نماز پڑھی جاتی رہی۔ اس طرف استقبال کرنے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مامور من اللہ تھے اس کے باوجود یہ اسلام اور اتباع دین میں یہود کی تالیف قلوب کو بھی متضمن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا یہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ مسجد حرام جو حضرت ابراہیم علیہ السلام قبلہ ہے وہی ہو۔ اور ہمیشہ اس بارے میں نزول وحی کے منتظر رہے۔ چنانچہ حق سبحانہ، وتعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

اے محبوب! بے شک ہم نے آپ کو آسمان کی جانب اپنا چہرہ بار بار پھیرتے دیکھا تو ضرور ہم اسی قبلہ کی طرف آپ کو پھیر دیں گے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہیں، تو اے محبوب اپنا رخ مسجد حرام کی جانب پھیر لو۔

اس سے بیت المقدس کا قبلہ منسوخ ہوگیا اس میں اختلاف ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے اس وقت آپ کا قبلہ بیت المقدس تھا یا کعبہ معظمہ، اکثر کا خیال ہے کہ بیت المقدس ہی قبلہ تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اس طرح رخ فرماتے کہ کعبہ آپ کے درمیان ہوتا اور قبلہ بیت المقدس ہوتا اور آپ اسی حال پر قائم رہے یہاں تک کہ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ اس کے بعد مسجد حرام کی طرف رخ پھیرنے کا حکم ہوا۔ دوسری جماعت کا یہ خیال ہے کہ قبلہ یہ تھا اور مکہ میں ہی بیت المقدس قبلہ بنا دیا گیا تھا

اوراس کی طرف آپ تین سال تک نمازیں پڑھتے رہے اور مدینہ منورہ میں رونق افروزی کے سترہ مہینے کے بعد کعبہ کو قبلہ بنایا گیا۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابیہ کے یہاں تشریف فرما تھے کہ ظہر کی نماز کا وقت آ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کے ساتھ جو اس وقت موجود تھے نماز شروع فرمادی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس جگہ بنی سلمہ کی ایک مسجد بنی ہوئی تھی آپ اس میں نماز پڑھ رہے تھے اور دوسری رکعت کے رکوع میں تھے کہ تحویل قبلہ کی وحی نازل ہوئی آپ اسی وقت کعبہ معظمہ کی جانب پھر گئے اور جو صفیں آپ کے پیچھے تھیں وہ بھی پھر گئیں اور اس طرح نماز کو پورا کیا۔ بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ کی وحی خارج نماز میں ہوئی تھی ایک قول یہ ہے کہ وہ نماز ظہر تھی جس میں تحویل قبلہ واقع ہوا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد شریف میں صحابہ کرام کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ پہلا قول زیادہ ثابت ہے۔

صحیح بخاری میں یہ مروی ہے کہ سب سے پہلی نماز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی جانب پڑھی وہ نماز عصر تھی۔ ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہے ہو کہ تمام وکمال جو نماز کعبہ کی جانب پڑھی ہو وہ نماز عصر تھی۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے۔

مدینہ منورہ میں جانب غرب میں مسجد فتح آدھے میل کے فاصلہ پر وادی عقیق اور بیر ورومہ کے قریب ایک مسجد ہے جسے ''مسجد القبلتین'' کہتے ہیں، اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ تحویل قبلہ اسی جگہ واقع ہوا۔ ظاہر ہے کہ وہ گھر اس صحابیہ کا ہوگا جہاں تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ یہ جگہ ایسی ہے کہ بیت المقدس اور کعبہ معظمہ کی سمت ایک دوسرے کے مقابل واقع ہیں چنانچہ اگر بیت المقدس کی جانب رخ کریں تو کعبہ معظمہ کی طرف پشت ہوتی ہے اور اگر کعبہ معظمہ کی جانب رخ کریں تو بیت المقدس کی طرف پشت ہوتی ہے۔ جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو کچھ یہود و منافقین کے، دل میں شک اور کھوٹ پیدا ہوا۔ اس پر حکم رب نازل ہوا کہ:

لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ○ — مشرق و مغرب اللہ ہی کے ہیں وہ جسے چاہتا ہے۔ سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے۔

مطلب یہ کہ یہ حکم الٰہی سے ہے جس طرف چاہے پھیر دے۔ بعض مسلمانوں نے ان لوگوں کے بارے میں (جو تحویل قبلہ سے پہلے ہی اس جہان سے رخصت ہو گئے تھے جیسے براء رضی اللہ عنہ بن معرور اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما وغیرہ دریافت کرنے لگے کہ ان کی نمازوں کا کیا حال ہے کیوں کہ انہوں نے تو بیت المقدس کی جانب نمازیں پڑھی ہیں۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ۔ — نہیں ہے اللہ کہ تمہارے ایمان کو رائیگا فرمائے۔

اس آیہ کریمہ میں ایمان سے مراد، نماز ہے کیوں کے نماز ایمان کے اعمال میں اقویٰ و اعظم ہے۔ اور بجائے خود یہ کون سے توقف کی جگہ ہے۔ وہ بھی حکم الٰہی سے تھا اور یہ بھی حکم الٰہی سے ہے۔ کسی حکم کا منسوخ ہونا حکم سابق کے بطلان کا موجب نہیں ہے دونوں حکم حق ہیں۔

جب تحویل قبلہ واقع ہوا تو مسجد نبوی شریف کی دوبارہ تعمیر ہوئی اور مسجد قبا شریف کو بدلا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس اور صحابہ کرام پتھر اٹھاتے تھے۔

نکاح فاطمۃ الزہراء

۲ ہجری میں فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہوا۔ سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی ولادت بقول صحیح، اظہار نبوت سے پانچ سال پہلے ہے جس وقت کہ قریش خانہ کعبہ کی دراڑ آنے کی وجہ سے تعمیر کر رہے تھے۔ اور حضرت

علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح ۲ھ کی ماہ رمضان مبارک میں ہوا اور اس کی بناء ماہ ذوالحجہ میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ماہ رجب میں نکاح ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ ماہ صفر میں اور بعض کہتے ہیں کہ غزوۂ احد کے بعد ہوا جیسا کہ جامع الاصول میں ہے۔ بوقت نکاح سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی عمر شریف سولہ سال اور بعض کے نزدیک اٹھارہ سال تھی۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک اس وقت اکیس سال پانچ ماہ تھی۔ روایتوں میں آیا ہے کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کیلئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے پیام دیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علت بیان کرتے ہوئے فرمایا میں ان کے نکاح میں وحی کا انتظار کر رہا ہوں اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پیام دیا ان کو بھی اسی طرح جواب مرحمت فرمایا۔ مشکوٰۃ میں مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے ان کیلئے پیام دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ خورد سال ہیں۔ پھر ام ایمن رضی اللہ عنہا نے حضرت علی کو ترغیب دی۔ روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ صحابہ نے ان سے کہا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل اور خواص میں سے ہیں آپ جا کر ان کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیام دیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں شرم رکھتا ہوں اور فرمایا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا پیام رد فرما دیا تو میرا پیام کیوں قبول فرمائینگے صحابہ نے کہا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بہت زیادہ مقرب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے صاحبزادے اور حضرت ابوطالب کے فرزند ہیں۔ جاؤ اور شرم نہ کرو۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو سلام کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا اے ابوطالب کے فرزند کیا بات ہے کیسے ہمارے پاس آنا ہوا۔ عرض کیا میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا پیام اپنے لیے پیش کروں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحبا واہلاً فرمایا۔ اور اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ، روایت کرتے ہیں کہ اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو نزول وحی کے وقت طاری ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں مستغرق ہو گئے۔ اس کے بعد جب وہ کیفیت دور ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حال میں آئے تو فرمایا ''اے انس رضی اللہ عنہ! رب العرش کے پاس سے میرے حضور جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دو۔ تو اے انس رضی اللہ عنہ جاؤ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ وطلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ اور جماعت انصار کو بلا لاؤ۔ جب یہ سب حاضر ہو گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلیغ خطبہ پڑھا پھر حمد الٰہی میں فرمایا اس پر رب العزت کی حمد وثنا ہے اور نکاح کی ترغیب دی۔ اس کے بعد فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ چار سو مثقال چاندی پر مہر عقد باندھا اور فرمایا۔ ''اے علی رضی اللہ عنہ! تم قبول کرتے ہو اور راضی ہو؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے قبول کیا اور میں راضی ہوا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طباق کھجوروں کا لیا اور جماعت صحابہ پر بکھیر کر لٹایا۔ اسی بناء پر فقہا کی ایک جماعت کہتی ہے کہ شکر و بادام وغیرہ کا بکھیر کر لٹانا عقد نکاح کی ضیافت میں مستحب ہے۔

مواہب لدنیہ نے خطبہ نکاح کو نقل کیا ہے وہ یہ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَحْمُوْدُ بِنِعْمَتِهٖ الْمَعْبُوْدُ بِقُدْرَتِهٖ الْمُطَاعُ بِسُلْطَانِهٖ الْمَرْهُوْبُ مِنْ عَذَابِهٖ وَسَطْوَتِهٖ النَّافِذُ اَمْرُهٗ فِيْ سَمَآءِهٖ وَاَرْضِهٖ الَّذِيْ خَلَقَ الْخَلْقَ بِقُدْرَتِهٖ وَمَيَّزَهُمْ بِاَحْكَامِهٖ وَاَعَزَّهُمْ بِدِيْنِهٖ وَاَكْرَمَهُمْ بِنَبِيِّهٖ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ اسْمُهٗ وَتَعَالٰى عَظَمَةً جَعَلَ الْمُصَاهَرَةَ سَبَبًا لَاحِقًا وَاَمْرًا مُفْتَرَضًا وَ شَبَّحَ بِهِ الْاَرْحَامَ وَاَكْرَمَ الْاَنَامَ فَقَالَ عَزَّ مَنْ

قَالَ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا وَّكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا فَاَمْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى يَجْرِىْ اِلٰى قَضَائِهٖ وَقَضَاءٌ يَّجْرِىْ اِلٰى قُدْرَةٍ وَلِكُلِّ قَضَاءٍ قُدْرٌ وَّلِكُلِّ قَدْرٍ اَجَلٌ وَّ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ عِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ ثُمَّ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِىْ اَنْ اُزَوِّجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ. الخ۔

جزری نے ''حصن حصین'' میں ابن حبان سے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کا نکاح سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھوڑا سا پانی لاؤ پھر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے لکڑی کا پیالہ لیا اور اس میں پانی بھرا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پانی لے کر اپنا لعاب دہن مبارک اس میں ڈالا۔ اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا قریب آؤ وہ قریب آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی کو ان کے سینہ کے درمیان اور سر پر چھڑکا۔ اور فرمایا اے خدا میں ان کو اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے۔ اس کے بعد فرمایا ''اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! میری طرف پشت کرو۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شانوں کے درمیان پانی کے چھینٹے دیئے اور فرمایا اے خدا میں ان کو ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے۔ پھر فرمایا پانی اور لاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سمجھ گیا تھا کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا کریں گے۔ تو میں کھڑا ہوا اور پانی بھر کر لایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی کو لیا اور اس میں لعاب ودہن مبارک ڈالا اور مجھ سے فرمایا میرے سامنے آؤ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے چھینٹے میرے سر اور میرے چہرے پر دیئے اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اُعِيْذُ بِكَ وَذُرِّيَّتَهٗ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اے خدا میں ان کو اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے۔ اس کے بعد فرمایا ''بِسْمِ اللّٰهِ وَالْبَرَكته. کہہ کر اپنی زوجہ کے پاس جاؤ۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روز نکاح، سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بعد نماز عشاء حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر لائے۔ پھر پانی کا پیالہ اٹھا کہ اس میں اپنا لعاب دہن شریف ڈال کر معوذتین اور دعا پڑھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس پانی کو پی جاؤ۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اس پانی کو پی جاؤ۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وضو کیا اور فرمایا ''اے خدا یہ دونوں جانیں مجھ سے ہیں اور میں ان کا ہوں۔ اے رب جس طرح تو نے مجھ سے ناپاکی کو دور کر کے پاک بنایا ہے اسی طرح ان دونوں کو پاک بنا۔'' اس کے بعد دونوں سے فرمایا۔ ''جاؤ اپنی خواب گاہ میں۔ اور فرمایا ''اے خدا ان کے درمیان محبت والفت شامل فرما اور ان میں اور ان کی اولاد میں برکت دے۔ اور ان سے پریشانی کو دور فرما۔ ان کے نصیبہ کو نیک گردان! ان پر برکت نازل فرما اور ان سے بکثرت پاک اولاد پیدا فرما۔''

خطیب بغدادی نے سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دیا تو سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا ''میری لخت جگر کس بات سے تم رونے لگیں۔'' انہوں نے کہا۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ایسے شخص کے ساتھ نکاح کر دیا ہے جس کے پاس نہ مال ہے اور نہ کوئی چیز۔'' اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس سے راضی نہیں کہ حق تعالیٰ نے زمین سے دو شخصوں کو برگزیدہ فرمایا جن میں سے ایک تمہارا والد ہے اور دوسرا تمہارا شوہر! اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا کیا تم راضی نہیں کہ میں نے اس سے نکاح کیا ہے جو از روئے اسلام سب سے پہلے مسلمانوں میں سے ہے۔ اور علم کے

اعتبار سے ان سب میں دانا ترین ہے۔ تم میری امت کی عورتوں میں سب سے بہترین ہو جس طرح کہ مریم علیہا السلام اپنی قوم میں تھیں۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ فرمایا میں نے اس کے ساتھ تمہارا نکاح کیا ہے جو دنیا میں نیک بخت اور آخرت میں صالحین میں سے ہے۔

مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ ہے۔ ''علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ایک گھوڑا اور ایک زرہ رکھتا ہوں۔'' فرمایا۔ ''گھوڑا تو تمہارے لیے ضروری ہے لیکن زرہ کو فروخت کر دو اور اس کی قیمت میرے پاس لے آؤ۔'' انہوں نے اسے چار سو اسی درہم میں فروخت کر دیا اور قیمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لے کر بلال رضی اللہ عنہ کو دیدیا۔ کہ اس سے عطر و خوشبو خرید لائیں۔ اور باقی رقم ام سلیم رضی اللہ عنہ کو دی کہ اس سے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کیلئے جہیز کا سامان فراہم کریں اور امور خانہ داری کا ساز و سامان مہیا کریں۔ انہوں نے دو چادریں، دو کتان کی نہالی، چار بالشت کپڑا، دو چاندی کے بازوبند، گدا، تکیہ، ایک پیالہ، ایک چکی، ایک مشکیزہ، اور کچھ مشروبات وغیرہ خریدے اور ان کو ترتیب کے ساتھ رکھ دیا۔

مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امور خانہ داری تو اس طرح مقرر فرمایا کہ گھر کے کام مثلاً روٹی پکانا' جھاڑو دینا' چکی پینا وغیرہ سیدتنا فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا انجام دیں اور باہر کے کام مثلاً اونٹ کو پانی چارہ دینا اور بازار سے سودا وغیرہ خرید کر لانا یہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یا ان کی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد کریں۔

مروی ہے کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا خود آگ کے سامنے بیٹھ کر روٹی پکاتیں، گھر میں جھاڑو دیتیں اور چکی پیستی تھیں جس سے ان کا رنگ مبارک متغیر ہو گیا تھا اور ہاتھوں میں ٹھیٹ پڑ گئے تھے اور ان کے کپڑے گرد آلود ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ کسی خادمہ کی طلب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں تمہیں ایسی چیز بتاتا ہوں جو خادم سے بہتر ہے۔ جب تم سونے کا ارادہ کرو تو ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ، ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے صفین کی رات کے سوا کبھی بھی اس ورد کو نہ چھوڑا۔

مواہب لدنیہ میں اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ولیمہ کیا۔ اس وقت ان کے پاس ولیمہ کیلئے کچھ موجود نہ تھا مگر انہوں نے ولیمہ کیا اور اپنی زرہ کو ایک یہودی کے پاس جو پر گروی رکھا۔ ان کے ولیمہ میں چند صاع جو، کھجوریں اور حیس کا کھانا تھا۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔

زکوٰۃ، روزہ، رمضان، نماز عید فطر اور صدقہ فطر

۲ ہجری کے واقعات میں سے ماہ رمضان کے روزے کی فرضیت اور نماز عید اور صدقہ فطر ہے۔ یہ واقعہ اٹھارہ ماہ گزرنے کے بعد کا ہے۔ جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے زکوٰۃ کی فرضیت ہو چکی تھی۔ اور زکوٰۃ کی فرضیت بھی اسی سال ہوئی ہے۔ لیکن بعض ہجرت سے پہلے کہتے ہیں۔ انتہی۔

جہاد و قتال کا حکم

۲ ہجری کے واقعات میں سے امر جہاد و قتال کا واقع ہونا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے نازل فرمایا:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ — ان لوگوں کو قتال کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان کے ساتھ ظلم کیا

عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ گیا ہے اور یقیناً اللہ ان کی مدد کرنے پر یقیناً قادر ہے۔

اس کے سوا اور بھی آیتیں ہیں جن میں جہاد و قتال کا حکم واقع ہوا ہے۔ اس سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال سے منع کیا گیا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے صحابہ کرام مجروح و مضروب آتے تھے۔ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ مجھے قتال کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ جب ہجرت فرمائی تو اس کی اجازت دی گئی۔ اس میں حکمت ہے کہ چوں کہ مکہ مکرمہ میں مشرکین بہت زیادہ تھے اور ان کو غلبہ حاصل تھا مسلمان بہت کم، خال خال اور کمزور تھے اس بنا پر رب العزت کی حکمت کا اقتضاء ہوا کہ قتال کی مشروعیت کو اس وقت تک موخر رکھا جائے جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز نہ ہوں اور صحابہ کی جمعیت قائم نہ ہو چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے اور صحابہ کی جمعیت ہوگئی تو نصرت سے الٰہی قائم ہوئی اور ان کیلئے مدینہ منورہ ملجاو ماویٰ بن گیا اور اعداء دین کے ساتھ جہاد و قتال مستقل طور پر مشروع ہو گیا۔

غزوہ اور سریہ کی تعریف

اس میں ارباب سیر کی یہ اصطلاح جاری ہو چکی ہے کہ ہر وہ لشکر جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود موجود ہوں اسے غزوہ اور غزوات کہتے ہیں اور جس لشکر میں خود موجود نہ ہوں بلکہ کوئی فوج روانہ فرمائی ہو اسے بعث اور سریہ کہتے ہیں۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ سریہ یعنی رات میں سیر کرنا ہے۔ اور اہل سیر کی اصطلاع میں لشکر کا وہ ٹکڑا جسے دشمن پر تاخت کیلئے بھیجا گیا ہو سریہ کہتے ہیں۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ سریہ لشکر کا وہ ٹکڑا ہے جو لشکر سے جدا ہو کر جائے پھر اسی لشکر میں لوٹ کر شامل ہو جائے اور ان کی تعداد سو سے پانچسو تک ہو۔ اور اگر پانچسو سے زیادہ ہو تو اسے ''منسر'' (بروزن منبر) کہتے ہیں اور جو آٹھ سو سے زیادہ ہو اسے ''جیش'' کہتے ہیں اگر چار ہزار سے زیادہ ہو جائے تو ''جحفل'' (بتقدیم جیم برحا) اور لشکر عظیم کو ''خمیس'' کہتے ہیں جس میں پانچ ٹکڑے ہوں، مقدمہ، قلب، میمنہ، میسرہ اور ساقہ، اور کتیبہ اور لشکر وہ ہے جو مجتمع ہو بکھرا ہوا نہ ہو۔

ان غزوات کی تعداد جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک ہو کر تشریف لائے ستائیس ہے۔ جیسا کہ مواہب میں ہے۔ اور صاحب روضۃ الاحباب کے قول کے بموجب اکیس اور ایک اور قول کے بموجب چوبیس بھی منقول ہے۔ اس کی وجہ تطبیق بھی بیان کی گئی ہے اور تعجب ہے کہ وہ قول جو صحیح بخاری میں زید رضی اللہ عنہ بن ارقم سے مروی ہے جو انیس غزوات کا ہے ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ نو غزوات ایسے ہیں جن میں قتال واقع ہوا ہے وہ یہ ہیں غزوۂ بدر، احد، احزاب، بنو قریظہ، بنو المصطلق، خیبر، فتح مکہ، حنین اور طائف۔

اور سرایا کی تعداد سینتالیس تھی اور بعض چھپن کہتے ہیں۔

صحیح بخاری میں ابن اسحاق سے مروی ہے کہ سب سے پہلا غزوہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ''ابواء'' کا تھا اس کے بعد ''بواط'' کا اس کے بعد عشیرہ، اور ''ابواء'' ایک جگہ کا نام ہے جو جحفہ کے قریب ہے ''ابواء'' کی اصل ''اوبا'' تھی جو وبا سے ہے۔ اس کو بدل کر ابواء نام پڑ گیا۔ اور ابواء کو ودّان (بتشد ید دال) بھی کہتے ہیں بعض کتابوں میں غزوۂ ودّان بھی واقع ہوا ہے۔ اور صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ ابواء اور ودّان دو قریب قریب جگہوں کے نام ہیں ان کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے اور ''بواط'' جہینہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے جو منع کے قریب ہے۔ اور عشیرہ، تصغیرہ کے صیغہ پر ہے اور آخر میں ہاء ہے بخاری میں عسیرہ سین سے بھی آیا ہے اور عشیر شین سے بھی مروی ہے۔ لیکن غزوہ عسرۃ (بضم عین وسکون سین) بمعنی دشواری، غزوۂ تبوک کا نام ہے جو آخری غزوہ ہے۔ لوگوں نے اس میں بڑی دشواریاں دیکھیں اور بہت تکلیفیں اٹھائیں ان کا تذکرہ آگے آئے گا۔ اب ہم ان تین غزوات کو اسی ترتیب کے ساتھ بیان

کرتے ہیں یہاں تک کہ سریہ جات کو بھی جو درمیان میں واقع ہوئے بیان کرتے جائیں گے۔اسی ترتیب سے کتابوں میں ان واقعات کا تذکرہ آگے آئے گا۔اب ہم ان تین غزوات کو اسی ترتیب کے ساتھ بیان کرتے ہیں یہاں تک کہ سریہ جات کو بھی جو درمیان میں واقع ہوئے بیان کرتے جائیں گے۔اسی ترتیب سے کتابوں میں ان واقعات کا تذکرہ ہے۔

غزوۂ ابواء

سب سے پہلا غزوہ ابواء کا ہے۔روضۃ الاحباب میں ہے کہ یہ غزوہ دوسرے سال کے اول میں یا پہلے سال کے آخر میں واقع ہوا ہے۔کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، کو مدینہ منورہ میں خلیفہ بنایا۔اور خود صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ بنی ضمیرہ کے قافلہ پر جو قریش کا ایک قبیلہ ہے تاخت کرنے کے قصد سے باہر تشریف لائے۔اور حامل لواء یعنی جھنڈا اٹھانے والے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، تھے۔جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابواء پہنچے تو قبیلہ بنی ضمیرہ کا سردار مخشی بن عمر ضمیری صلح کے ساتھ پیش آیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی صلح پر راضی ہو گئے اور صلحنامہ لکھا گیا۔پھر وہ قافلہ پندرہ دن کے بعد مکہ مکرمہ لوٹ گیا۔اس کے بعد اسی منزل ابواء میں اور ایک قول کے بموجب اس سے پہلے،ابوعبید رضی اللہ عنہ بن الحارث بن عبدالمطلب جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم چچازاد بھائی تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عمر دس سال زیادہ تھی اسلام لائے۔

سریہ دار ارقم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ سے واپسی میں مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے حضرت عبید رضی اللہ عنہ بن الحارث بن عبدالمطلب کی سرکردگی میں ساٹھ مہاجرین کے ساتھ ''دار ارقم'' کی جانب قریش کی اس جماعت کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا جو کسی مہم کیلئے مکہ سے نکلی تھی۔اور اس کا سردار ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب تھا اور ایک قول کے بموجب عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابوجہل تھا۔مسلمانوں کے اس ''سریہ'' کیلئے ایک سفید علم تیار کیا جسے مسطح رضی اللہ عنہ بن اثاثہ (بضم ہمزہ) بن عباد بن المطلب بن عبدمناف قرشی مطلبی صاحب افک عائشہ رضی اللہ عنہا،اور اس قضیہ میں وہ مجلود ہوئے تھے انہوں نے اٹھایا۔

روضۃ الاحباب میں ہے کہ سب سے پہلا علم جو لشکر اسلام کیلئے مرتب ہوا اکثر اہل سیر کے نزدیک یہی تھا۔اس قول سے وہ تقدیر درست بنتی ہے کہ حضرت عبید رضی اللہ عنہ بن الحارث کا ''سریہ'' غزوۂ ابواء سے پہلے تھا ورنہ صاحب مواہب کہتے ہیں کہ غزوۂ ابواء میں جو پہلے ہے اس غزوہ میں بھی علم تھا جسے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اٹھائے ہوئے تھے۔اور بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے علم جو تیار کیا گیا وہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے سریہ میں ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔(واللہ اعلم)

اس کے بعد دونوں طرف سے تیراندازی ہوئی۔اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، جو لشکر اسلام میں تھے انہوں نے بھی تیراندازی کی۔سب سے پہلا تیر جو راہ خدا میں پھینکا گیا وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، کا ہی تیر تھا۔اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آٹھ تیر تھے انہوں نے چلا دیئے اور ان کا کوئی تیر خطا نہ گیا یا تو وہ کسی شخص کے لگا یا کسی سواری کے۔اور ان دونوں لشکروں کے درمیان تلوار کی جنگ نہ ہوئی اور کفار اس تصور سے کہ لشکر اسلام ان کے پیچھے موجود ہے ڈر کر راہ فرار اختیار کر گئے۔مسلمان ان کے تعاقب میں نہ گئے اور مدینہ منورہ لوٹ آئے۔حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بن الاسود اور عتبہ بن غزوان (یہ دونوں جلیل القدر صحابی اور قدیم الاسلام ہیں) یہ دونوں کفار کے ہمراہ بغرض تجارت سفر میں تھے لشکر اسلام کے ساتھ شامل ہو گئے۔

بعث حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب

انہیں دنوں جبکہ حضرت عبید رضی اللہ عنہ بن الحارث کو بھیجا گیا تھا مدینہ میں خبر پہنچی کہ قریشی تاجروں کی ایک جماعت مکہ مکرمہ لوٹ رہی ہے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کی سرکردگی میں اسی مہاجرین کا رسالہ مرتب فرما کر قافلہ کی سرکوبی کیلئے روانہ فرمایا بعض لوگ کہتے ہیں کہ انصار کے لوگوں سے یہ رسالہ مرتب فرمایا تھا حالانکہ تحقیق یہی ہے کہ انصار کو غزوۂ بدر سے پہلے کہیں اور روانہ نہیں کیا گیا تھا۔ ایک سفید علم ان کیلئے تیار کیا اور ابومرشد غنوی کو اس لشکر کا علمدار بنایا۔ بعض اہل سیر کے قول کی بنا پر لشکر اسلام میں سب سے پہلے جو علم تیار کیا گیا وہ یہی تھا۔ حالانکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سب سے پہلا سریہ (لشکر) عبید رضی اللہ عنہ بن الحارث کا تھا۔ اکثر کا مذہب یہی ہے۔ صاحب مواہب ابن اسحٰق سے نقل کرتے ہیں کہ سب سے پہلا علم جو اسلام میں تیار کیا گیا وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، کا علم ہے۔ لوگوں میں علم کے بارے میں جو یہ اشتباہ اور اختلاف واقع ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں لشکروں کی روانگی ساتھ ساتھ اور قریب قریب ہوئی تھی۔ اس بنا پر لوگوں کو شبہ ہو گیا کہ ان میں پہلا کون سا لشکر ہے۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت حمزہ کا لشکر ستر ہویں مہینہ میں اور حضرت عبید رضی اللہ عنہ کا لشکر اٹھارہویں مہینہ کے شروع میں روانہ ہوا تھا وہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے دونوں لشکروں کیلئے علم ایک ساتھ ہی تیار کیے گئے ہوں۔ پھر ابوعبید رضی اللہ عنہ کے لشکر کو اٹھارہویں مہینہ کے شروع تک کسی سبب سے روک رکھا ہو اور ارادۂ الٰہی کا یہی اقتضاء ہوا۔ (واللہ اعلم)

پھر حمزہ رضی اللہ عنہ کا لشکر ساحل دریا کے قریب تک گیا وہاں لشکر کفار انہیں مل گیا یہ تقریباً تین سو کفار تھے اور مسلمانوں کی تعداد صرف تیس۔ کفار کے اس لشکر میں ابوجہل بھی تھا۔ جانبین قتال کیلئے تیار ہو گئے تھے۔ مگر مجدی بن عمرو جہنی نے جو فریقین کا حلیف تھا دونوں کو جنگ سے باز رکھا۔ بالآخر ابوجہل لعین اور اس کا قافلہ مکہ مکرمہ چلا گیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ لوٹ آئے۔

سریہ سعد بن ابی وقاص

اس کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر خرار (بفتح خاورائے مشددہ) کی طرف روانہ کیا۔ خرار پتھروں کی ایک وادی کا نام ہے جو جحفہ کے قریب ہے۔ یہ لشکر بیس مہاجرین پر مشتمل تھا۔ اور انیسویں مہینہ کے شروع میں قریش کے ایک اور قافلہ کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا تھا۔ اس کیلئے سفید علم تیار کیا گیا۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بن الاسود اس کے علمدار تھے۔ جب لشکر اسلام وہاں پہنچا تو ان سے ایک روز پہلے ہی کفار کا قافلہ وہاں سے گزر گیا تھا مسلمانوں کا لشکر مدینہ منورہ لوٹ آیا۔

فائدہ: احادیث میں لواء یعنی علم کا ذکر آیا ہے۔ علم اس جھنڈے کو کہتے ہیں جو جنگوں میں کھڑا کیا جاتا ہے اور اس سے سپہ سالار (صاحب لشکر) کے مقام کا پتہ چلتا ہے۔ بسا اوقات علم کو مقدمۃ الجیش اٹھاتا ہے۔ اہل لغت کی ایک جماعت نے یہ صراحت کی ہے کہ ''لواء'' اور ''رایۃ'' ہم معنے ہیں۔ لیکن مسند امام احمد اور ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث ان لفظوں سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ''رایۃ'' سیاہ تھا اور آپ کا ''لواء'' سفید۔ اور طبرانی کے نزدیک بھی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی مروی ہے۔ اور ابن عدی کے نزدیک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اتنا زیادہ مروی ہے کہ کہ اس میں لکھا ہوا تھا لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ظاہر میں یہ روایتیں مختلف اور متغایر ہیں۔ ممکن ہے کہ ان دونوں کے درمیان فرق عرفی ہو۔ ابن اسحٰق اور ابوالاسود، عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جھنڈے کی ایجاد غزوہ خیبر میں ہوئی۔ اس سے پہلے کوئی نہیں جانتا تھا مگر ''لواء'' کو ان سب

باتوں کو صاحب مواہب نے بیان کیا ہے لیکن ان کے درمیان فرق کو نہیں بیان کیا۔ مگر بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ''لواء چھوٹے جھنڈے کو اور رائت بڑے جھنڈے کو کہتے ہیں اور قاموس میں ہے کہ: اَلـلِّـوَاءُ بِالْمَدِ الْعِلْمُ. اور صراح میں ہے کہ لواء چھوٹا جھنڈا ہے رایت کا اس میں ذکر نہیں کیا ہے۔

غزوۂ بواط

دوسرے سال کے ربیع الاول کے مہینہ، اور ہجرت کے تیرہویں مہینہ کے شروع میں ''غزوۂ بواط'' واقع ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم سفید حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اور مدینہ طیبہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو دیا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو دیا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، کو خلیفہ مقرر کیا اور دیگر سو اصحاب کو لیکر قریش کے اس قافلہ کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوئے جس میں امیہ بن خلف جمحی تھا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ اس کے ساتھ قریش کے سو آدمی تھے اور ڈھائی ہزار اونٹ اس کے پاس تھے۔ مگر دشمنان دین سے مڈبھیڑ نہ ہوسکی اور بواط پہنچ کر واپس تشریف لے آئے۔

غزوۂ عشیرہ

اس کے بعد غزوۂ عشیرہ واقع ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے جمادی الاولیٰ میں اور ایک روایت میں ہے جمادی الاخریٰ میں ہجرت سے سولہویں سال کے شروع میں ڈیڑھ سو صحابہ کے ساتھ ایک اور روایت میں ہے کہ دو سو صحابہ کے ساتھ باہر تشریف لائے اور سفید علم درست کر کے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، کے سپرد فرمایا اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد کو مدینہ منورہ کا عامل بنا کر اس قافلہ کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوئے جس میں ابوسفیان ایک کثیر جماعت کے ساتھ تجارت کی غرض سے جارہا تھا اور مقام عشیرہ تک پہنچ چکا تھا۔ چند روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ قیام فرمایا جب متحقق ہوگیا کہ ابوسفیان کا قافلہ پہلے گزر چکا ہے تو بنی مدلج، کنانہ کی جماعت سے صلح اور معاہدہ کر کے واپس تشریف لے آئے۔ روضۃ الاحباب میں مذکور ہے کہ صلحنامہ تحریر کر کے مدینہ طیبہ واپسی ہوئی۔

کنیت ابوتراب کی وجہ

روضۃ الاحباب اور معارج النبوت میں مذکور ہے کہ اسی سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی کنیت ابوتراب رکھی، اس کا قصہ یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت علی مرتضیٰ غزوۂ عشیرہ میں کھجور کے ایک درخت کی جڑ میں سو رہے تھے۔ وہ زمین ریتلی تھی اور ہم گرد آلود ہو گئے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سرہانے تشریف لائے اور ہمیں جگایا اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''یا ابا تراب'' اس کے بعد فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ میں تمہیں اس کی خبر نہ دوں کہ تمام لوگوں میں بد بخت کون ہے؟'' حضرت علی مرتضیٰ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ضرور خبر دیجئے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''تمام لوگوں میں دو شخص سب سے زیادہ بد بخت ہیں ایک وہ جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں۔ اور دوسرا وہ جو تمہارے محاسن (یعنی داڑھی) کو گلگوں کرے گا اور خون سے رنگے گا۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے جاتے اور اپنے دست مبارک سے ان کے سر اور چہرے سے گرد جھاڑتے جاتے تھے ان دونوں کتابوں میں اسی طرح لکھا ہوا ہے لیکن مشہور قصہ یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی کنیت ابوتراب ہونے کی وجہ یہ ہے جسے بخاری و مسلم نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ بن سعد ساعدی سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے گھر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اس سے پہلے وہ گھر سے باہر تشریف لے جا کر مسجد میں سو گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو فرمایا کہ تمہارے ابن عم یعنی علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ اہل عرب کی عادت ہے کہ وہ اسی طرح کہتے ہیں اور شوہر وغیرہ نہیں کہتے۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ''میرے اور ان کے درمیان کچھ شکر رنجی ہو گئی ہے اور وہ غصہ میں باہر چلے گئے ہیں اور انہوں نے میرے پاس قیلولہ (دوپہر کا آرام) نہیں کیا۔'' اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے فرمایا کہ دیکھو وہ کہاں ہیں تو وہ شخص آیا اور اس نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ مسجد میں آرام کر رہے ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ان کے سرہانے تشریف لائے اور ان کو پہلو پر سوتے ہوئے ملاحظہ فرمایا ان کے پہلو پر نشانات پڑے ہوئے تھے اور ان کا بدن شریف خاک آلود ہو گیا تھا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قم ابا تراب'' ابوتراب اٹھو۔ اس روز سے ان کی کنیت ابوتراب ہو گئی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رکھی ہوئی یہ کنیت اپنی اصل کنیت ابوالحسن کے مقابلہ میں بہت محبوب اور گرامی تر جانتے تھے۔ ان کے مخالفین و معاندین اس کنیت کو بغرض تنقیص و تحقیر بولتے تھے حالاں کہ اس میں ان کی کمال تعظیم و تکریم ہے (رضی اللہ عنہ)

غزوۂ بدر اولیٰ یا سفوان

اسی سال مدینہ منورہ کی چراگاہ سے کرز بن جابر فہری ان اونٹوں کو ہنکال کر لے گیا جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی اونٹ تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لواء مرتب فرمایا اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ اور پھر زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو مدینہ منورہ میں خلیفہ مقرر فرما کے خود ایک جماعت صحابہ کے ساتھ اس وادی تک پہنچے جسے سفوان (بفتح سین و سکون فا) کہتے ہیں اور بدر کے نواح میں ہے لوگ اسی سبب سے اس کو غزوۂ بدر اولیٰ کہتے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ کرز یہاں سے گزر چکا ہے وہ ہاتھ نہیں آیا۔ پھر یہ لشکر وہاں سے مدینہ منورہ لوٹ آیا۔ لیکن اس کو بھی غزوات میں شمار کیا جاتا ہے اور بعض اس کو غزوۂ بدر اولیٰ کا نام دیتے ہیں۔ روضۃ الاحباب کے حاشیہ پر غزوات کے جو نام لکھے گئے ہیں اس میں اس غزوہ کا نام ''طلب کرز بن جابر فہری'' دیا گیا ہے اور مواہب میں غزوۂ بدر اولیٰ کہا گیا ہے۔

سریہ عبداللہ بن جحش

اسی سال سریہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش واقع ہوا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے صاحبزادے اور سیّدنا زینب بنت جحش ام المومنین رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ ان کو آٹھ افراد کے ساتھ اور ایک روایت میں ہے کہ بارہ اکابر صحابہ کے ساتھ (سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص، عکاشہ بن محصن، عتبہ بن غزوان، واقد رضی اللہ عنہ بن عبداللہ تمیمی وغیرہ) روانہ فرمایا اور یہ لشکر عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش ''امیر المومنین'' کے نام کے ساتھ موسوم ہوا۔ اہل سیر جو یہ کہتے ہیں کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کا سب سے پہلے امیر المومنین لقب مقرر رہا اس کا یہ مطلب ہے کہ تمام خلفا میں سب سے پہلے جس خلیفہ کو امیر المومنین کے لقب سے ملقب کیا گیا وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، تھے

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا ہوا ایک خط حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کو دیا اور فرمایا دو روز تک اسے نہ پڑھنا۔ اور دو دن کے بعد اسے پڑھنا خدا کو ہی بہتر معلوم ہے کہ دو دن تک خط کے مضمون کو چھپانے کا مقصد کیا تھا۔ اور اس میں کیا حکمت پنہاں تھی۔ غرض کہ دو دن کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس خط کو پڑھا اور اس پر عمل کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔ ''اے عبداللہ رضی اللہ

عنہ، خدائے عزاسمہ کے نام اوراس کی برکت کے ساتھ اپنے ساتھیوں کو لے کر اس جگہ تک جاؤ جس کا نام 'بطن نخلہ'' ہے۔ وہاں قیام کرو اور قریش کے قافلہ کی گھات میں بیٹھ جاؤ۔ اور تمہیں لازم ہے کہ کسی کو اپنے ساتھ جبراً نہ لے جانا جو جانا چاہے جائے اور نہ چاہے لوٹ آئے۔'' جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ خط کے مضمون سے باخبر ہوئے تو فرمان نبوی کے بموجب بطن نخلہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان جوان کے ساتھیوں میں سے تھے اپنا وہ اونٹ جس پر یہ دونوں باری باری سوار ہوتے تھے گم کر بیٹھے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کر کے اونٹ کی تلاش میں چلد یئے اور پیچھے رہ گئے۔ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بطن نخلہ پہنچے اور اس منزل میں قریشی قافلہ کی گھات میں بیٹھ گئے۔ اچانک قریش کا قافلہ طائف کی جانب سے مویز منقی، خشک چمڑا اور طائف کا دیگر ساز و سامان لیے ہوئے وہاں پہنچا۔ کفار کے اس قافلہ میں عمرو بن الحضرمی، حکم بن کیسان، عثمان بن عبداللہ اور اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ مخزومی تھا۔ اس دن رجب کی پہلی تاریخ تھی مگر مسلمانوں کو یہ شبہ ہوا کہ یہ جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ ہے۔ انہوں نے جلدی کی کہ مبادا ماہ رجب آ جائے اور شہر حرام کی بے حرمتی لازم آئے۔ انہوں نے قافلہ والوں پر حملہ کر دیا اور واقد رضی اللہ عنہ بن تمیمی نے ایک تیر عمر بن الحضرمی کے مارا۔ جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کو قید کر لیا گیا۔ باقی کفار بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور اس قافلہ کا کل مال اور تمام مال و متاع غنیمت میں ہاتھ آیا۔ اسلام میں یہ سب سے پہلا مال غنیمت اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان پہلے قیدی تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش مال غنیمت اور ان قیدیوں کو بارگاہ رسالت میں لائے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ انہوں نے مال غنیمت کو اع۔ پنے ساتھیوں میں تقسیم کر لیا اور پانچواں حصہ (خمس) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جدا کر لیا۔ اس وقت تک خمس کی آیت نازل نہ ہوئی تھی۔ جب مشرکین اور یہود کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے طعنہ زنی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحابہ نے ماہ حرام کو حلال بنالیا اور خون بہایا ہے اور انہوں نے ماہ حرام کی بے حرمتی کی ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت اور قیدیوں کو موقوف رکھ کر فرمایا کہ کوئی مال غنیمت میں تصرف نہ کرے اور حضرت عبداللہ بن رضی اللہ عنہ جحش سے فرمایا کہ میں نے تم کو خبردار نہیں کیا تھا کہ ماہ حرام میں قتال نہ کرنا آپ نے تنبیہ فرمائی۔ اور ان کے ساتھیوں پر بھی ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور لشکر کے تمام ساتھی ملول و غمزدہ ہو گئے اور اپنے کیے پر بے حد پشیمان ہوئے ہر چند کہ انہیں اس میں اشتباہ لاحق ہوا تھا پھر بھی انہیں یہ ڈر تھا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان پر کہیں غضب نہ نازل ہو اور ساتھ ہی یہ بھی امید تھی کہ حق تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول فرما کر شاید درگزر فرمائے۔ یہاں تک کہ یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ۔

اے حبیب تم سے حرمت والے مہینہ کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ اس میں قتال کیسا ہے؟ تو فرما دو اس میں قتال بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا اور خدا کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روک کر وہاں کے رہنے والوں کو نکالنا اس سے بہت بڑا گناہ اللہ کے نزدیک ہے اور فتنہ قتل سے بہت بڑا ہے۔

مطلب یہ کہ ہاں! حرمت والے مہینہ میں قتال کرنا گناہ ہی نہیں بلکہ بڑا گناہ ہے لیکن تمہارے (کفار کے) گناہ اس سے بھی بڑے ہیں تم لوگوں کو اسلام سے روکتے اور انہیں پھیرتے ہو اور انہیں ان نیکیوں سے باز رکھتے ہو جو خدا سے ملانے والی ہیں، تم خدا کے ساتھ کفر کرتے ہو اور مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے ہو اور اس مسجد سے نبی اور مسلمانوں کو نکالتے ہو یہ اس سے بھی بڑا گناہ ہے جو اہل سریہ نے کیا ہے وہ بھی اہل سریہ کا گناہ گمان و اشتباہ اور التباس پر مبنی تھا (جان بوجھ کر نہ تھا) مگر تم جو شرک و اخراج وغیرہ کا ارتکاب جان

بوجھ کر کر رہے ہو وہ ابن حضرمی کے قتل اور ابن کیسان کی قید سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔ لہٰذا تم ان پر طعن و تشنیع کی زبان کیوں کر دراز کر سکتے ہو۔'' اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کے دل پر سے غم کا بوجھ اتر گیا۔ اور ان کے ساتھیوں نے خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موقوف شدہ مال غنیمت کو تقسیم کر کے خمس کو قبول فرمایا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اس مال غنیمت کو غزوۂ بدر کے بعد اس کے اموال غنیمت کے ساتھ تقسیم فرمایا۔

اس کے بعد اہل مکہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کے قیدیوں کیلئے حکم و عثمان کا فدیہ بھیجا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو اس وقت تک نہ چھوڑا جائے گا جب تک کہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور عتبہ رضی اللہ عنہ بن غزوان سلامتی کے ساتھ مدینہ منورہ نہ آ جائیں گے ان کے اونٹ گم ہو گئے تھے اور یہ دونوں ان کی تلاش میں جانے کے بعد اب تک مدینہ طیبہ واپس نہ آئے تھے۔ پھر جب یہ دونوں مدینہ طیبہ آ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''حکم'' کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو کر نیکوکار بن گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے یہاں تک کہ انہوں نے ''بیر معونہ'' کے روز شہادت پائی۔ اور عثمان بن عبداللہ مکہ چلا گیا اور حالت کفر میں ہی مرا۔

غزوۂ بدر

ہجرت کے دوسرے سال غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آیا۔ اس غزوہ کو ''غزوۂ بدر کبریٰ'' اور ''غزوۂ بدر عظمٰی'' بھی کہتے ہیں۔ بدر ایک بستی کا نام ہے جو بدر بن مخلد بن نضر بن کنانہ سے منسوب و مشہور ہے اس نے اس جگہ پڑاؤ کیا تھا۔ یا یہ بستی بدر بن حارث سے منسوب ہے جس نے یہاں کنواں کھودا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہاں ایک بوڑھا شخص مدتوں سے رہتا تھا جس کا نام بدر تھا۔ اس بناء پر اس بستی کو اسی کے نام سے منصوب کر دیا۔ یا اس کا نام اس بناء پر ہے کہ اس کا دائرہ وسیع تھا اور اس کا پانی اتنا صاف و شفاف تھا کہ اس میں بدر کامل نظر آتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات میں یہ بہت عظیم غزوہ تھا کیوں کہ اس کے ذریعہ دین کی عزت و شوکت روشن ہوئی اور اسلام کا ناموس تاباں ہوا۔ اس دن کو ''یوم الفرقان'' سے تعبیر کیا گیا ہے کیوں کہ اس سے حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز رونما ہوا تھا فرمایا: یوم التقی الجمعان مطلب یہ کہ مسلمان اور کافر اس دن جمع ہوئے اور اس دن حق تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو غالب فرمایا اور کفر کی بنیادوں کو شکست و پائمال کر کے ذلیل و خوار بنایا۔ حلانکہ مسلمانوں کی تعداد کم اور دشمنان دین کی تعداد زیادہ تھی اور کفار جنگ کے پورے ساز و سامان سے لیس ہو کر اتراتے اور تکبر کرتے آئے تھے۔ مگر حق تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی اور اپنے دین کو مضبوط و قوی فرمایا اور اس کے جاہ و جلال کے چہرے کو منور و روشن بنایا۔ اور شیاطین کو ذلیل و خوار کر کے ان کو روسیاہ کیا۔ اور اپنے مسلمان بندوں پر اس کا احسان ظاہر کرتے ہوئے فرمایا لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ ۔ یقیناً اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی درانحالیکہ تم بے سروسامان تے۔ تا کہ جان لیں کہ مدد خدا ہی کی طرف سے ہے۔ نہ کثرت و قلت کی بناء پر **وما النصر الا من عنداللہ العزیز الحکیم** کوئی مدد نہیں مگر عزت والے حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

اس غزوہ کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے انیسویں مہینہ میں بارہ رمضان مبارک کو روانہ ہوئے تھے۔ بعضوں نے آٹھ رمضان کہا ہے اور قتال سترہ رمضان مبارک روز جمعہ واقع ہوا بعض نے کہا کہ شنبہ تھا آپ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ انصاری کو مدینہ طیبہ میں خلیفہ بنایا تھا۔ اس غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جماعت انصار بھی تھی۔ اس سے پہلے کسی غزوہ یا کسی سریہ میں انصار نے شرکت نہ کی تھی۔ کیوں کہ بیعت عقبہ میں ان کے ساتھ یہ عہد و پیان ہوا تھا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور

دشمنان دین سے مدافعت اپنے گھروں میں کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے واقعی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں نہ چھوڑا کہ کوئی آپ کے حال سے تعرض کرتا اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی جن میں سے ستتر مہاجرین اور دو سو چھتیس انصار تھے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی میں صرف تین سو پانچ اصحاب تھے۔ اسی مہاجرین اور بقیہ انصار تھے۔ اور بقیہ آٹھ اصحاب وہ تھے جو کسی عذر کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے تھے مگر اموال غنیمت میں سے ان کو بھی حصہ عطا فرمایا گیا تھا اہل سیر ان کو بھی اہل بدر میں شمار کرتے ہیں۔ ان میں سے تین مہاجرین میں سے ہیں ایک حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی زوجہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت اور تیمارداری کیلئے رکے تھے۔ دوسرے طلحہ اور تیسرے سعید رضی اللہ عنہ بن زید ہیں جو مشرکین کے قافلہ کی جستجو میں گئے ہوئے تھے۔ اور پانچ انصار تھے جن کے نام سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

اس غزوہ میں مسلمانوں کے پاس تین گھوڑے، ستر اونٹ، چھ زرہیں اور آٹھ شمشیریں تھیں۔ اور ایک ایک اونٹ پر کئی کئی مسلمان سواری کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہما شریک تھے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آئی تو دونوں عرض کرتے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سوار ہی رہیئے ہم آپ کے رکاب کی سعادت میں پیدل چلیں گے حضور فرماتے، "تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں اجر میں تم سے زیادہ بے نیاز نہیں ہوں۔"

مشرکوں کی تعداد، ایک ہزار یا نو سو یا پانچسو پچاس جنگی مردوں کی تھی۔ ایک قول کے بموجب ایک ہزار سے کم اور نو سو سے زیادہ تھی۔ اور ان کے ساتھ سو گھوڑے اور سات سو یا کچھ زیادہ اونٹ تھے جو پورے شوکت و کروفر اور مکمل ساز و سامان اور بڑے غرور و تکبر میں تھے۔ ان کے سوا بھی زرہ پوش تھے اور پیادہ بھی زرہ پوش تھے۔ ان کے ہمراہ گانے والی عورتیں اور آلات طرب بھی تھے۔ یہ جس پانی کے کنارے پڑاؤ کرتے وہاں ان کی ڈومنیاں اور طوائفیں ساز بجا کر اور گا گا کر اہل اسلام پر زبان طعن دراز کرتی تھیں۔ قریش کے سرداروں میں سے ہر روز کوئی نہ کوئی سب کو کھانا دیتا اور ہر روز گیارہ اونٹ ذبح کیے جاتے تھے۔

بدر کا واقعہ مسلمانوں کے بغیر قصد و ارادہ اور منصوبہ بندی کے واقع ہوا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان اس جنگ کیلئے پہلے سے تیار نہ تھے۔ وہ تو قریش کے اس بڑے قافلہ کی سرکوبی کیلئے مدینہ سے نکلے تھے جو شام سے آ رہا تھا اس میں قریش کا کثیر مال تجارت تھا اور اس کا امیر قافلہ ابوسفیان تھا۔ اس میں عمرو بن العاص بھی شامل تھے۔ یہ قافلہ تیس سواروں پر مشتمل تھا یہ لوگ جب بدر کے قریب پہنچ گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی آپ نے صحابہ سے فرمایا وہ قافلہ آ رہا ہے جس کے ساتھ اموال کثیرہ بھی ہے اور دشمنوں کی تعداد بھی بہت کم ہے۔ لہٰذا اس کی سرکوبی کیلئے چلو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اس طرح تمہیں سامان عطا فرمائے۔" ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے رب! مسلمان پیادہ ہیں، اپنے فضل سے انہیں سوار کر، یہ بھوکے ہیں ان کو شکم سیری عطا فرما، یہ عریاں ہیں انہیں لباس دے، یہ فقیر ہیں انہیں تونگری دے۔" چنانچہ جب یہ مدینہ منورہ واپس ہوئے تو ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جسے بکثرت اونٹ، کپڑے، رزق اور اموال نہ ملا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبید اللہ اور سعید رضی اللہ عنہ بن زید کو قافلہ کے حالات کی جستجو کیلئے بھیجا انہوں نے مدینہ منورہ واپس آ کر قافلہ کے حالات بتائے۔ جب ابوسفیان اس جگہ پہنچا تو وہاں کے لوگوں سے اس نے دریافت کیا کہ کیا تم کوئی خبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے جاسوسوں کی رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا "دو شتر سوار فلاں جگہ آ کے اترے تھے۔ ابوسفیان نے بسرعت اس جگہ پہنچ کر اونٹوں کی مینگنیوں کو چیر کر دیکھا کہ اس میں کھجور کی گٹھلیوں کے ریزے ہیں یا نہیں۔" وہ کہنے لگا "خدا کی قسم! ان اونٹوں نے یثرب کی کھجوروں کا چارہ کھایا ہے اور گمان غالب یہ ہے کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جاسوس تھے چنانچہ اس نے اس راستہ کو چھوڑ دیا اور بدر کی طرف ساحلی راستہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور

تیزی کے ساتھ وہاں سے نکل گیا۔ جب وہ حضور اوران کے صحابہ کے ارادوں سے باخبر ہوا تو اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو مکہ مکرمہ اپنی مدد کیلئے روانہ کیا تا کہ وہ مکہ والوں کو بتائے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم پر تاخت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور جتنی جلد ممکن ہو وہ قافلہ کی مدد کیلئے پہنچیں اور اپنے اموال کی حفاظت کریں۔'' ضمضم غفاری بسرعت تمام مکہ مکرمہ پہنچا اور کفار قریش کو حالات سے باخبر کیا۔ جب ابوجہل لعین نے یہ خبر سنی تو کہنے لگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اوران کے اصحاب اس خیال میں ہیں کہ یہ قافلہ عمرو بن الحضرمی جیسا ہے۔ خدا کی قسم! ایسا نہیں ہے۔''

مروی ہے کہ ضمضم غفاری کے مکہ پہنچنے سے پہلے ہی عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا کہ کچھ شتر سوار آئے ہیں اور مقام ''ابطح'' میں کھڑے با آواز بلند کہہ رہے ہیں کہ اے قریش کے لوگو! جلدی کرو اور اپنے قتل کی جگہ آؤ۔'' جب ابوجہل لعین کو اس خواب کی خبر ملی تو وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا''اے ابوالفضل رضی اللہ عنہ! یہ عورت تم میں کب سے نبی ہوئی ہے اور کہا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہارے مرد ہی نبوت کا دعویٰ کریں اب یہ عورت بھی نبوت کا دعویٰ کرنے لگی ہے۔ تین دن تک میں انتظار کرتا ہوں اگر اس واقعہ پر کوئی اثر مترتب نہ ہوا تو میں عرب کے تمام قبائل کو لکھ کر بھیج دوں گا کہ تم یعنی بنی ہاشم عرب میں سب سے زیادہ دروغ گو ہیں۔'' ضمضم غفاری سے بھی اہل سیر نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا کہ جس وقت میں قافلہ سے جدا ہو کر مکہ کی طرف چلا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک اونٹ پر سوار ہوں اور ایک ایسی گھاٹی سے گزر رہا ہوں جو خون سے لبریز ہے۔ چنانچہ جب میں بیدار ہوا تو میں نے جان لیا کہ قریش کو کسی بڑی مصیبت سے دو چار ہونا پڑے گا، ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ضمضم غفاری کے اس خواب سے بنی ہاشم ازحد مسرور وخرم ہوئے کیونکہ یہ خواب، عاتکہ کے خواب کی صداقت کی گواہی دے رہا تھا۔ اس کے بعد اہل مکہ نے تیاری شروع کر دی اور مقرر کیا کہ ہر وہ شخص جن کو مکہ میں کوئی کام ہے ان میں سے ایک باہر آ جائے یا اپنی طرف سے کسی اور کو بھیج دے، قریش کے سرداروں میں سے ابولہب کے سوا کسی نے اس میں توقف وتخلف نہ کیا۔ اس نے اپنی جگہ عاص بن ہشام بن المغیرہ کو بھیجا اور امیہ بن خلف جمحی نے بھی چاہا کہ مکہ سے باہر نہ جائے اس بنا پر کہ اسے خبر ملی تھی کہ ایک وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو خبر دی تھی کہ اُمیہ بن خلف کو میرے صحابہ ماریں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کفار قریش کے نزدیک بلاشک وتردد صادق تھی۔ اس پر ابوجہل اس کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابوصفوان! تو وادی مکہ والوں کا سردار ہے جب لوگ جانیں گے کہ تو پیٹھ دکھا رہا ہے تو سب ہمت ہار بیٹھیں گے اور یہ مہم پوری نہ ہو سکے گی اور اس نے اتنا اصرار کیا کہ وہ جانے پر راضی ہو گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل لعین نے خانہ کعبہ کے اوپر کھڑے ہو کر آواز لگائی کہ''اے مکہ والو جلدی کرو جلدی نکلو اور اپنے اموال اور اپنے قافلہ کے پاس پہنچو اگر تم سے پہلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب پہنچ گئے تو پھر تمہاری خیر نہیں ہے۔'' اس پر ایک ہزار جنگی لوگ نکل آئے اور بصد کروفر، غرور وتکبر اور پورے ساز وسامان، آلات غنا اور ملاہی کے ساتھ چل پڑے جیسا کہ مذکور ہوا۔

اس کے بعد جبریل علیہ السلام آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے نکلنے کی خبر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس مشاورت منعقد کی اور فرمایا۔''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے یا تو قافلہ ہو یا قریش کا لشکر مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے نزدیک قافلہ زیادہ عزیز تھا۔ وہ کہنے لگا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کرنے کا ہم سے ذکر کیوں نہ فرمایا تا کہ ہم اس کی تیاری کرتے اور ساز وسامان فراہم کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قافلہ تو ساحلی راستہ سے گزر گیا۔ اور اب ابوجہل تمہارے مقابل آ رہا ہے۔ صحابہ کہنے لگے یا رسول اللہ! قافلے ہی کا پیچھا کیجئے اور قتال سے بچئے۔'' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب میں آئے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر نہایت عمدہ باتیں کہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ، نے بھی نفیس ترین باتیں کیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں پر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور انہیں دعائے خیر دی اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کام میں غور وفکر فرمایئے ان باتوں کو چھوڑ دیئے، خدا کی قسم! اگر آپ ہمیں ''عدن'' (ایک مقام کا نام ہے) تک لیجائیں گے تو ہم انصار میں سے کوئی ایک بھی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔'' اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے دعائے خیر فرمائی۔ ان کے بعد حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بن عمرو کھڑے ہوئے انہوں نے کہا ''یارسول اللہ ہم آپ کے ساتھ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں چاہئیں ہمیں لے جائیں ہم کبھی بھی وہ بات منہ سے نہ نکالیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا الخ .... حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ اور آپ کا رب دونوں جا کر لڑیں اور ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر لڑنے والوں میں سے ہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہم آپ کے ساتھ جائیں گے اور جہاں آپ جائیں گے آپ کے ساتھ مل کر مردانہ وار لڑیں گے۔ اگر چہ آپ ''برگ غماد تک جائیں'' ''برگ غماذ'' حبشہ کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور ان کیلئے دعائے خیر فرمائی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھے مشورہ دو، یہ خطاب انصار کی طرف تھا اور اس سے مقصود ان سے استمزاج واستکشاف حال تھا۔ اس کلام کی شرح میں مفسرین کہتے ہیں کہ چونکہ بیعت عقبہ کے وقت انصار نے کہا تھا کہ ہم آپ کے اس عہد سے اس وقت تک باہر ہیں جب تک کہ آپ ہمارے گھروں میں رونق افروز نہیں ہوتے اور جب آپ ہمارے گھروں میں رونق افروز ہو جائیں گے تو یہ ہمارا عہد و پیمان ہے کہ ہم آپ کی دشمن سے حفاظت اور ان سے مدافعت کریں گے اور آپ کی ہر اس چیز سے حمایت کریں گے جس چیز سے اپنی جانوں، اپنی اولاد، اور اپنی بیبیوں کی حمایت کرتے ہیں۔'' ان کی اس بات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی حمایت اس وقت تک مخصوص ہے جب تک آپ مدینہ میں تشریف فرما ہوں اور چونکہ مذکورہ حالات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما نہیں تھے اس لیے انصار کی حمایت شامل حال نہیں رہتی حالانکہ انصار کی مراد یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے اور ان کے یہاں اقامت فرمانے کے بعد ہمیشہ اور ہر حالت میں آپ کی خدمت وحمایت میں رہیں گے۔ اس پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، نے عرض کیا۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ خطاب ہماری طرف ہے؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں!'' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ ''ایسی کوئی بات نہیں ہے ہم تو آپ پر ایمان لائے ہیں۔ آپ کی تصدیق کی ہے اور ہم نے ہر اس چیز کی گواہی دی ہے جو آپ خدا کی طرف سے لائے ہیں اور اپنے عہد و پیمان کے ذریعہ ہم نے آپ کو تصدیق فراہم کی ہے۔ اور آپ کی سمع وطاعت اور فرمانبرداری پر آپ کو اعتماد اور بھروسہ دلایا ہے۔ لہٰذا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! چلیے جہاں آپ کی مرضی ہو، قسم ہے اس ذات کریم کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ اگر آپ چلیں اور ہمیں دریا میں ڈال دیں تو ہم دریا میں بھی پھاند جائیں گے۔ اور ہم میں سے ایک شخص بھی آپ سے پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں اپنے دشمنوں کے ساتھ مڈبھیڑ کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ ہم دشمن سے مڈبھیڑ ہو جانے پر صبر کرنے والوں اور صادقوں میں سے ہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ دشمنوں سے مقابلہ کے وقت ہماری طرف سے آپ کو ایسا دکھائے گا جس سے آپ کے قلب ونظر کو روشنی اور ٹھنڈک حاصل ہو۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں چاہئیں ہمیں لے جایئے۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا ''اللہ تعالیٰ اپنی برکت کے ساتھ تمہیں خوش رکھے تمہیں مژدہ ہو کہ فتح ونصرت تمہاری ہی ہے۔ بلاشبہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک پر غالب فرماؤں گا خواہ قریش کا قافلہ ہو یا قریش کا لشکر، خدا کی قسم! گویا میں ان کے ہلاک ہونے کی جگہ اور ان کا مقتل دیکھ رہا ہوں۔ اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کے بدر میں مارے

جانے کے مقامات کی طرف اشارہ فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا "یہ فلاں کے مرکر گرنے کی جگہ ہے، یہ فلاں کے مرکر گرنے کی جگہ ہے، یہ فلاں کا مقتل ہے اور یہ فلاں کی جائے کشتن ہے اور ایک ایک مارے جانے والے کا نام اور اس کے مقتل کا نشان بتایا۔ اور ان میں سے کوئی ایک بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی جگہ کے برخلاف نہ مارا گیا۔

تنبیہہ: صاحب مواہب کا کہنا ہے کہ ابن سیّد الناس سے (جو "عیون الاثر میں ہے) مروی ہے کہ بطریق مسلم ہم نے اسے بیان کیا ہے کہ یہ قول سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ حالانکہ یہ سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ سے روایت کردہ ہے۔ لیکن مشہور سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ سے ہے۔ ابن اسحٰق وغیرہ بھی ایسا ہی روایت کرتے ہیں اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کے بدر میں حاضر ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اور ابن عقبہ نے بدریین میں ان کا ذکر نہیں کیا اور نہ ابن اسحٰق نے ذکر کیا۔ واقدی، مداینی اور ابن کلبی ان کو بدریوں میں شمار کرتے ہیں، انتہی۔ جب قریش کا لشکر منزل جحفہ میں اترا تو جہم بن ا لصلت بن مخزوم بن المطلب بن عبد مناف نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار آرہا ہے اس کے ساتھ ایک اونٹ ہے وہ کہہ رہا ہے کہ عقبہ شیبہ، ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل لعین) امیہ اور فلاں فلاں مارے گئے ہیں اس کے بعد ایک چھری اس نے اپنے اونٹ کی گردن میں ماری اور لشکر کے خیموں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جس میں اس کا خون نہ ٹپکا ہو۔ اور وہ شخص وہاں سے چلا گیا" اس واقعہ کی خبر جب ابوجہل کو ہوئی تو کہنے لگا کہ بنی المطلب میں سے یہ ایک اور نبی پیدا ہوا ہے عنقریب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ مقتول کون ہیں۔ جیسا کہ ہم نے جمعیت و طاقت فراہم کی ہے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہل سرگروہ ملاعنہ، ہمیشہ ہی انکار و استہزاء میں گرفتار اور بارگاہ نبوت کے ساتھ بیہودہ گوئی میں مشغول رہا ہے۔ جیسا کہ اس ناپاک کی زبان سے نکلا ہے "کہ عنقریب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ مقتول کون ہیں۔" وہ خود دیکھ لے گا کہ اسے کس نے ہلاک کیا ہے وہ عفراء کے دونوں فرزند معاذ و معوذ ہیں جنہوں نے اسے زخمی کر کے ذلت و خواری کے ساتھ خاک و خون میں لتھیڑا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آکر اس شقی کے سینہ پر بیٹھ کر اس کے سر کو اس کے ناپاک جسم سے جدا کیا۔ (نعوذ باللہ من الشقاوۃ)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب ابوسفیان اپنے قافلہ کو خطرے سے نکال لے گیا تو اس نے کسی کو قریش کے پاس بھیجا کہ قافلہ اب خطرے سے نکل آیا ہے لہٰذا تم لوگ لوٹ آؤ اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درپے نہ ہو" قریش کے عقلاء اور ان کے مدبرین بھی انہیں اس سے منع کرتے اور باز رکھتے تھے۔ عتبہ و شیبہ بھی انہیں مانعین خروج میں سے تھے۔ عداس نصرانی جو عتبہ و شیبہ کے غلام تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے وہ بھی اپنے مالکوں کو یہی رائے دے رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ ان کے ساتھ جنگ نہ کرو اور شقاوت و بدبختی میں مبتلا ہونے سے باز آ جاؤ۔ لیکن ابوجہل خون گرفتہ مصر تھا جو اس فتنہ و فساد سے باز نہ آتا تھا وہ کہتا تھا کہ "ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے سے باز نہیں رہیں گے۔ خدا کی قسم! ہم بدر میں پہنچنے سے پہلے واپس لوٹ نہیں سکتے۔ وہاں ہم تین دن ٹھہریں گے۔ اپنے اونٹوں کو ذبح کریں گے، جشن منائیں گے، شرابیں پئیں گے گانے سنیں گے اور خوب لطف اندوز ہوں گے۔ تاکہ ہماری عظمت و شوکت کا غلغلہ ہر طرف کے قبائل عرب میں پھیل جائے۔ اس کے بعد وہ ہم سے ڈرا کریں گے۔"

بدر میں ہر سال قبائل عرب کا ایک میلا لگا کرتا تھا۔ اس ابوجہل لعین نے جو کچھ اپنی زبان سے کہا وہ گویا اپنی زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ ہم بدر میں پہنچے بغیر واپس نہ لوٹیں گے اور وہاں فسق و فجور اور کفر و شرک کے فساد کی گرم بازاری کیلئے جمع ہوں گے اور ذلت کی خاک میں سو کر جہنم میں جائیں گے تاکہ ہماری شقاوت و بدعاقبت کا غلغلہ سارے جہان میں قیامت تک دائم و باقی رہے اور اہل عالم اس سے عبرت و بصیرت حاصل کریں (نعوذ باللہ من سوء العاقبہ)

ابوسفیان اگر چہ قریش کو بدر جانے سے منع کرتا تھا اور انہیں روکتا تھا لیکن جب قافلہ مکہ میں پہنچ گیا تو فوراً ہی لوٹ پڑا اور یہ بھی لشکر قریش میں شامل ہو گیا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی جانب کوچ فرمایا اور بدر کے قریب پہنچ کر نزول فرمایا۔ لشکر قریش نے دوسری جانب پڑاؤ کیا۔ قرآن کریم میں اسے اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى ۔ عدوہ کے معنے وادی کا کنارہ ہے اور دنیا دنو سے ہے جس کے معنے ہیں مدینہ سے قریب۔ اور قصوہ کے معنے بعید کے ہیں یعنی مدینہ سے دور گویا مسلمانوں نے مدینہ کے قریب وادی کے کنارے نزول کیا اور کفار نے اس سے دور کنار کی طرف جو مکہ کی جانب ہے پڑاؤ کیا۔ جس جانب مسلمان اترے تھے وعلاقہ ریگستان کا تھا جس میں ان کے پاؤں اور سواریوں کے سم زانو تک دھنستے تھے۔ اور ان پر پیاس کا بھی غلبہ تھا۔ اور جس جانب کافروں نے پڑاؤ کیا تھا اس جگہ پانی تھا جس کو انہوں نے قبضہ میں کر رکھا تھا۔ انہوں نے متعدد کنوئیں بھی کھود رکھے تھے۔ بعض مسلمانوں نے جنبی یعنی ناپاکی کی حالت میں صبح کی تھی۔ اس وقت شیطان نے کچھ مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم حق پر ہو اور تمہارے ساتھ خدا کا نبی ہے اور تم خدا کے محبوب ہو حالانکہ حال یہ ہے کہ مشرکوں نے پانی پر قبضہ کر رکھا ہے اور تم پیاس سے جاں بلب ہو اور اب جنبی و ناپاک بھی ہو گئے ہو اور تمہارے دشمن منتظر ہیں کہ تم تشنگی سے کمزور اور تمہارے قویٰ مضمحل ہو جائیں تو وہ جس طرح چاہئیں تمہیں نیست و نابود کرنے کا حکم دیں۔'' اور اس وسوسہ شیطانی کے دوران حق تبارک وتعالیٰ نے ایسی بارش نازل فرمائی کہ پورے وادی جل تھل ہوگئی۔ سب پانی سے سیراب ہوئے، غسل کیا، وضو کیا، اونٹوں کو پانی پلایا اور مشکیزے بھر کر رکھ لیے اور مسلمانوں کی اقامت گاہ جو ریگزار تھی مضبوط و سخت ہوگئی اور کفار کی زمین میں کیچڑ ہوگئی۔ شیطان کا وسوسہ جاتا رہا اور مسلمانوں کو اطمینان وسکون حاصل ہوا، اللہ تعالیٰ اس کی خبر اس طرح بیان فرماتا ہے کہ

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ

اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا تا کہ اس سے تم پاکی حاصل کرو، اور حق تعالیٰ تمہارے دلوں سے شیطان کا وسوسہ دور فرمادے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ میدان جنگ کو ملاحظہ فرمایا آپ اپنے دست مبارک کو زمین پر رکھ کر مشرکوں کے قتل ہو کر گرنے کے نشانات لگاتے جاتے تھے۔ اور فرماتے جاتے کہ فلاں فلاں اس جگہ قتل ہو کر گرے گا۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کی نشاندہی فرمادی چنانچہ اس جگہ سے ایک بالشت بھی تفاوت وتجاوز نہ ہوا۔

منقول ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، نے عرض کیا'' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کیلئے ایک عریشہ تیار کرتے ہیں جس میں آپ اقامت فرمائیں۔'' عریشہ اس چھوٹے سے گھر کو کہتے ہیں جو باغوں میں ٹہنیوں اور پتوں سے بناتے ہیں اس کے سایہ میں آرام کرتے ہیں اُسے عام طور پر جھونپڑی بھی کہتے ہیں اُسے اکثر کھجور کی ٹہنیوں اور اس کے پتوں سیب ناتے ہیں۔ نہایہ میں ہے کہ: اَلْعَرِيْشُ كُلُّ يُسْتَظَلُّ بِهٖ عریش ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے سایہ میں آرام کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مسجد شریف کے دروازے میں بنایا جیسا کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عریش کی مانند میں ایک عریش تیار کرو اور خود مسجد شریف بھی ابتدائی حالت میں کھجور کی ٹہنیوں اور اس کے پتوں کی تھی۔ حدیث میں ہے کہ خود حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ انصار کی ایک جماعت کے ساتھ عریش کے باہر پہرہ دیتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہبانی وحفاظت کرتے تھے۔

نیز حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ عریش میں ہی رہئیے آپ کی سواری آپ کے قریب موجود رہے گی۔ اور ہم سب جنگ میں برسرپیکار ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں غلبہ عطا فرمایا تو فبہا اور اگر کوئی

اور صورت ہو تو آپ اپنی سواری پر سوار ہو کر اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ جو مدینہ منورہ ہیں مل جایئے گا کیوں کہ وہ آپ کی محبت میں ہم سے کم نہیں ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بہت دعائے خیر دی۔ اس کے بعد انہوں نے عریش بنایا آج اس عریش کی جگہ مسجد بنی ہوئی ہے۔ جیسا کہ دیگر مقامات اور آثار شریفہ کے جگہوں میں مسجدیں بنی ہوئی ہیں۔

اس کے بعد لشکر کفار نمودار ہوا۔ حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں دیکھا تو بارگاہ الہی میں مناجات کی کہ اے رب قریش کی یہ قوم بڑے تکبر و غرور کے ساتھ آئی ہے یہ چاہتے ہیں کہ تیرے اور تیرے رسول کے ساتھ جنگ کریں۔ اے خدا، میں تیری اس مدد کا منتظر ہوں جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔'' اس وقت مسلمانوں کا لشکر بھی میدان میں آ گیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ قریش نے ایک لشکری بھیجا تا کہ وہ اندازہ لگائے کہ مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے۔ اس لشکری نے مسلمانوں کا چکر لگا کر بتایا کہ مسلمان کم وبیش تین سو ہیں۔ پھر اس نے ادھر ادھر بھی نظر دوڑائی مگر اسے کچھ اور نظر نہ آیا۔ اس نے کہا اے گروہ قریش میں نے ان بلاؤں کو دیکھا ہے جو اموات کو اٹھائے ہوئے ہیں اور یثرب کے ان اونٹوں کو دیکھا ہے جو زہر قاتل کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔'' مطلب یہ کہ ان کے ساتھ جنگ کرنا تمہاری ہلاکت کا موجب ہے جب تم سب ہلاک ہو جاؤ گے تو پسماندگان کے باقی رہنے کا کیا فائدہ؟ تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ تم لوٹ چلو اور جنگ نہ کرو۔ حکیم بن حزام جو اس وقت کفار کے درمیان میں تھا اس نے جب یہ بات سنی تو وہ عتبہ کے پاس گیا اور کہنے لگا اے ابوالولید! تو قریش کا بزرگ اور ان کا سردار ہے۔ کیا تو چاہتا ہے کہ تیرا ذکر خیر آخر زمانہ تک رہے۔'' عتبہ نے کہا۔'' اے حکیم بتاؤ کیا چاہتے ہو؟'' حکیم نے کہا۔'' یہ کرو کہ لوگ واپس ہو جائیں۔'' عتبہ نے کہا۔'' مجھے تمہاری بات منظور ہے لیکن ابن حنظلہ یعنی ابوجہل کے پاس جاؤ۔ اور یہ اس سے کہو ممکن ہے کہ وہ آمادہ ہو جائے اور لوگوں کو واپس لے چلے۔'' حکیم بن حزام بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں ابوجہل کے پاس گیا اور عتبہ کا پیام پہنچایا تو ابوجہل...... نے عتبہ کے پاس آ کر اس سے کہا انتفخ منحرک یعنی'' تیرے پھیپھڑے میں ہوا بھر گئی۔'' یہ محاورہ بزدلی نامردی اور بد دلی کیلئے بولا جاتا ہے یعنی تو نامرد وہ بزدل ہو گیا ہے۔ اس پر عتبہ نے کا عنقریب پتہ چل جائے گا کہ کس کا پھیپھڑا پھولا ہے اور کون بزدل بنا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ عتبہ نے ابوجہل سے کہا۔'' اے اپنے سرین کو زرد کرنے والے تو مجھے سرزنش کرتا اور مجھے بزدل بتاتا ہے۔ اس نے جو ابوجہل کو'' سرین کا زرد کرنے والا کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوجہل لعین کے چوتڑوں پر برص تھا اور وہ برص کے داغ پر زعفران کے ساتھ زرد رنگ کیا کرتا تھا۔

بدر کا میدان کارزار

جب لشکر اسلام میدان کارزار میں اتر آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوں کو برابر کر کے فرمایا'' جب تک میں حکم نہ دوں دشمنوں پر حملہ نہ کرنا اور اگر وہ تمہارے قریب آ جائے تو تیراندازی شروع کر دینا لیکن اتنے اندازے سے تیر پھینکنا کہ تیر ختم نہ ہو جائیں۔''

اس جگہ ارباب سیر ایک عجیب وغریب حکایت بیان کرتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی صفیں سیدھی فرما رہے تھے تو آپ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی اسے سواد بن عزیہ پر جو خوش طبع اور خوش فہم صحابی ہوئے ہیں وہ صفوں سے آگے نکل کر کھڑے ہو گئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چھڑی کو ان کے سینہ پر مار کر فرمایا: استویا سواد اے سواد صف کو برابر کرو۔'' سواد نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے تکلیف دہ مار مجھ پر لگائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا اور عدالت وانصاف آپ کے دست اقدس میں ہے میرا قصاص دیجئے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لباس مبارک کو اپنے سینہ اقدس سے دور کر کے فرمایا'' اسے سواد اسی وقت اپنا قصاص لے لو۔ سواد نے فی الفور اپنا چہرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اقدس پر رکھ کر اس کا بوسہ لے لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' ایسا کیوں کرتے ہو؟'' عرض کیا۔'' یا رسول اللہ یہ میرا آخری وقت ہے میں اس ہنگام میں شہید ہو جاؤں گا میں

نے چاہا کہ آخر عمر میں میرا جسم آپ کے جسم مبارک سے مس ہو جائے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے دعائے خیر فرمائی۔

اس کے بعد لشکر کفار میں سے عتبہ بن ربعیہ اور ولید بن عتبہ نکل کر باہر آئے اور تینوں نے اپنا مقابل طلب کیا۔ مسلمانوں کے لشکر میں سے بھی تین شخص مقابلہ کیلئے نکلے۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ و معاذ رضی اللہ عنہ پسران حارث اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کفار نے پوچھا تم کون ہو انہوں نے جواب دیا ہم انصاری ہیں۔ ان کافروں نے کہا تمہارے ساتھ ہمیں کوئی سروکار نہیں ہم اپنے چچاؤں کے بیٹوں کو بلاتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک نے آواز دے کر کہا ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری قوم میں سے ہمارے ہم کفو کو بھیجو، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبید رضی اللہ عنہ بن الحارث اور حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے فرمایا جاؤ ان کے ساتھ مبارزت یعنی مقابلہ کرو۔ پھر یہ تینوں نکلے اور میدان میں آئے اس بار ان کافروں نے کہا۔'' ہاں تم ہمارے برابری کے ہو۔ پھر حضرت عبید رضی اللہ عنہ جو بہت بوڑھے تھے اور ان کی عمر اسی سال کی تھی عتبہ کے مقابل آئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شیبہ کے مقابل ہوئے۔ ایک روایت میں اس کے برعکس آیا ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ سے مقابلہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید کو قتل کر دیا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مقابل کو ہلاک کر دیا۔ لیکن حضرت عبید رضی اللہ عنہ اور ان کے مقابل کے درمیان ہتھیار چلے اور ایک ضرب حضرت عبید کے زانو پر پڑی۔ اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حضرت عبید رضی اللہ عنہ کی مدد کیلئے ان کے مقابل پہنچ گئے اور قتل کرنے میں حضرت عبید رضی اللہ عنہ کی مدد کی۔ اور حضرت عبید رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اس حال میں کہ ان کی پنڈلیوں کا مغز بہہ رہا تھا۔ حضرت عبید رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ''یا رسول اللہ! کیا میں شہید نہیں ہوں؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں تم شہید ہو۔'' حضرت عبید رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کرنا اس بنا پر تھا کہ ان کی شہادت میں دیر واقع ہوئی تھی اور میدان جنگ میں فی الفور جان نہ دے سکے تھے۔ اس میں فقہا کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں می مذکور ہے کہ حضرت عبید رضی اللہ عنہ نے بدر سے واپسی کے وقت وادی صفر...... یا وادی روحا میں وفات پائی اور وہ وہیں مدفون ہوئے۔

حضرت معوذ و معاذ دو بھائی تھے جو عفراء کے بیٹے تھے یہ دونوں بھائی ابوجہل کو تلاش کرتے پھر رہے تھے جب انہوں نے اسے دیکھا تو انہوں نے چرخ کی مانند اپنی جگہ سے زقند لگا کر تلوار کی ضرب لگائی یہاں تک کہ اسے گرا لیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوجہل کو زخمی کر کے اس کی پنڈلی جدا کر دی اور ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے مجھے زخمی کر دیا جس سے میرا ہاتھ میرے کندھے سے کٹ گیا۔ چنانچہ وہ ہاتھ ایک جانب لٹک گیا اور میں اس کے باوجود جنگ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میں اس ہاتھ سے تنگ آ گیا۔ اور اس ہاتھ کو دونوں پاؤں سے دبا کر اپنے پہلو سے جدا کر دیا۔ اس کے بعد حضرت معوذ بن رضی اللہ عنہ عفراء نے تلوا کی ایک ضرب ابوجہل کے لگائی اور اسے زمین پر گرا لیا۔ لیکن ابھی اس میں جان کی کچھ رمق باقی تھی۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ یہ دونوں بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور ابوجہل کے مار ڈالنے کی خبر پہنچائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں میں سے کس نے اسے مارا ہے ہر ایک بھائی مدعی تھا کہ میں نے اسے مارا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے اپنی تلواریں صاف کر لی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا نہیں! آپ نے فرمایا اپنی تلواریں دکھاؤ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار کو ملاحظہ کر کے فرمایا تم دونوں نے اسے مارا ہے۔ اور فرمایا ابوجہل کا سامان معاذ رضی اللہ عنہ کو دیا جائے۔

مروی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس زخم کے باوجود حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، کے زمانہ تک زندہ رہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ابن وہب سے روایت کرتے ہیں کہ معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حال میں آئے کہ ان کا ہاتھ

ان کی کھال سے لٹکا ہوا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن مبارک اس پر لگا کر اس کی جگہ چسپاں کر دیا اور وہ ہاتھ ٹھیک ہو گیا اس کے بعد وہ حضرت عثمان ذوالنورین کے زمانہ تک زندہ رہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بھائی معوذ اسی روز بدر کے معرکہ میں شہید ہو گئے۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوجہل کے سامان کو معاذ رضی اللہ عنہ کیلئے حکم فرمانا اسی سبب سے تھا کہ سب سے پہلے ابوجہل انہیں کے زخمی کرنے سے گر پڑا تھا۔ اگرچہ زخمی کرنے میں دونوں شریک تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ: کِلَاکُمَا قَتَلَهٗ. تم دونوں نے ہی اسے قتل کیا ہے۔ تو یہ دونوں کے دل خوش کرنے کیلئے فرمایا تھا۔ اس حیثیت سے کہ یہ دونوں اس کے قتل کرنے میں شریک تھے۔ ورنہ قتل شرعی اس کے ساتھ متعلق ہے جسے سامان کا مستحق بنایا گیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے ابوجہل کو اس حال میں دیکھا کہ اس میں جان کی کچھ رمق موجود تھی۔ انہوں نے اس کا سر کاٹ لیا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو جا کر ابوجہل کی خبر لائے اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ گئے اور انہوں نے اسے مقتول پایا جسے عفراء کے دونوں فرزندوں نے قتل کیا تھا۔ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابوجہل کے سینہ پر کینہ پر چڑھ کر بیٹھے اور اس کی ناپاک داڑھی کو پکڑ کر فرمایا ''تو ہی ابوجہل ہے اللہ نے تجھے رسوا کیا اے دشمن خدا!'' ابوجہل نے کہا'' اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ایک شخص کو اس کی قوم نے مار ڈالا کاش کہ مجھے کوئی غیر دہقانی مارتا'' دہقان سے اس کی مراد انصاری تھی چونکہ انصار اہل زراعت تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ ابوجہل کو اس امت کا فرعون کہا گیا ہے لیکن حقیقت میں یہ فرعون سے بدتر تھا اس لیے کہ فرعون جب غرق ہوا تو اس نے جان لیا کہ اس نے برا کیا تھا اور اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تھا اور دوہائی مانگی تھی لیکن یہ بدبخت آخر دم تک اسی اپنے حال میں رہا۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بدبخت کا سر کاٹا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَخْزَاكَ یَا عَدُوَّ اللّٰهِ. اللہ تعالیٰ ہی تمام تعریفوں کا مستحق ہے جس نے تجھے ذلیل وخوار کیا اور دشمن خدا!'' ایک روایت میں یہ ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَاَعَزَّ دِیْنَهٗ یعنی اللہ ہی کو حمد ہے جس نے اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور اپنے دین کو عزت بخشی اور فرمایا: مَاتَ فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اس امت کا فرعون مر گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ شکر ادا کیا اسی جگہ سے بعض فقہاء نعمت متجددہ کے ظہور اور بلیۂ مکروہہ کے دفع ہونے کے وقت سجدہ شکر کے مستحب ہونے کے قائل ہیں۔ اور علماء کا خارج نماز، سجدہ کی مشروعیت میں اختلاف ہے۔ بجز سجدۂ تلاوت کے بعض نے سجدۂ تلاوت کی مانند سجدۂ شکر اور سجدۂ مناجات کو سمجھا ہے۔ مگر جمہور علماء احناف اس کے قائل نہیں ہیں اور اس حدیث میں آیا ہے اس سجدہ سے مراد نماز ہے اور ایک حدیث میں یوں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی۔

مروی ہے کہ جب آپ نے دونوں لشکروں کو باہم پیوست ملاحظہ فرمایا اور دست بدست لڑائی کا مشاہدہ کیا اور کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت دیکھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عریش میں تشریف لائے اور روبقبلہ ہو کر دست بدعا ہوئے اور رب تعالیٰ سے سوال ومناجات میں مشغول ہو گئے۔ عریش میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بجز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور کوئی نہ تھا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ سے اس فتح ونصرت کو مانگا جس کا اس نے وعدہ فرمایا تھا۔ اور کہا۔ ''اے خدا اپنے اس وعدہ کو پورا فرما جو تو نے مجھ سے کیا ہے اور کہا۔ ''اے خدا اگر تو نے مسلمانوں کی اس جماعت کو ہلاک کرا دیا تو روئے زمین پر کوئی تیری عبادت کرنے والا نہیں رہے گا۔'' یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں اتنی الحاح وزاری کی کہ آپ کے دوش مبارک سے آپ کی چادر گر پڑی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس چادر اطہر کو اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر ڈالا اور عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا ومناجات اور الحاح وزاری میں بس کیجئے جو آپ نے اپنے رب سے مانگا ہے بہت جلد حق تعالیٰ

اپنے وعدہ کو آپ کے ساتھ پورا فرمائے گا۔ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کی داہنی جانب آپ کے ساتھ نماز و دعا میں شریک تھے۔اور حق تعالیٰ سے مناجات کررہے تھے کہ اے رب اپنے کیے ہوئے وعدہ کو پورا فرما۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ میں روز بدر قتال میں مشغول تھا اور میں بار بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عریش میں آتا اور دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں ہیں اور یہ دعا مانگ رہے ہیں۔یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ۔

مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے ساتھ اپنے عریش میں تھے کہ یکا یک آپ پر غنودگی طاری ہوگئی پھر بیدار ہوئے تو متبسم ہوکر فرمایا''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اب خدا کی مدد آگئی اور جبریل علیہ السلام اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے آگئے ہیں اور ان کے سامنے کے دونوں دانتوں پر گرد جمی ہوئی ہے۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عریش سے باہر تشریف لائے اور لوگوں کو جنگ پر شوق دلایا۔اور فرمایا جو شخص جس کافر کو قتل کرے گا اس کا سامان اسی کیلئے ہے۔اور جان لو کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو حق تعالیٰ کی رضا اور طلب ثواب میں ان کافروں سے جنگ کرے گا پھر وہ خدا کی راہ میں شہید ہو جائے تو اس کیلئے بہشت جاوداں ہے۔''

عمیر بن الحمام رضی اللہ عنہ چند کھجوریں ہاتھ میں لیے کھا رہے تھے۔انہوں نے کہا مجھے خوشی و مژدہ ہو کہ میرے اور بہشت میں داخل ہونے کے درمیان اب کوئی فاصلہ نہیں بجز اس کے کہ میں ان کافروں کے ہاتھ سے شہید ہو جاؤں۔یہ کہہ کہ ہاتھوں سے کھجوریں پھینک دیں اور تلوار کو ہاتھ میں لیکر کفار کے ساتھ جنگ میں مشغول ہوگئے اور شہید ہوگئے۔

تنبیہہ: روضۃ الاحباب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مناجات کرنا اور اس میں الحاح وزاری کرکے سوال کرنا،اسی طرح مذکور ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔لیکن حدیث کے شارحین کو اس میں بہت کلام ہے اور وہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کس طرح جائز ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو الحاو زاری اور دعا و سوال میں مبالغہ کرنے سے باز رکھیں۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امید بندھائیں اور آپ کے یقین کو مضبوط و مستحکم بنائیں۔حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ارفع و اعلیٰ ہے اور اس کی تعمیر میں شرکت کی ہو یہ وہ پہلی مسجد ہے جو اسلام میں تعمیر کی گئی ہے اور یہ وہ پہلی مسجد ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت صحابہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے بعض ارباب سیر اس طرح تعمیر کرتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو مسلمانوں کے لئے بنائی گئی ہے اگرچہ اس سے پہلے بھی مسجد بنائی گئی ہوگی لیکن وہ مسجد اسی کے ساتھ مخصوص ہوگی جس نے اسے بنائی کذا فی المواہب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وہ مسجد جو ابتدائے اسلام میں اپنے گھر کے دروازے پر انہوں نے بنائی تھی جس میں وہ نماز پڑھتے اور تلاوت قرآن کرتے تھے اور قریش کی عورتیں' بچے اور غلام ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔اکثر مفسرین کے نزدیک اس آیہ کریمہ کا شانِ نزول یہی مسجد قباء شریف ہے۔چنانچہ فرمایا: لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ حضور کا یقین تمام یقینوں سے بلند و بالا ہے۔اس کا جواب کئی طرح سے دیتے ہیں چنانچہ سہیلی فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس گھڑی مقام رجا یعنی امید میں تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام خوف و شہود میں۔کیوں کہ حق تعالیٰ (بے نیاز ہے) جو چاہتا ہے کرتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوف لاحق ہوا کہ حق تعالیٰ کی عبادت کرنے والے نہ رہیں گے۔تو آپ کا یہ خوف فرمانا اس کی عبادت ہے اور یہ کمال ہے نقص و عیب نہیں ہے اور خطابی فرماتے ہیں کہ کسی کو یہ وہم نہ کرنا چاہئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رب العزت حق تعالیٰ و تقدس کی معرفت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حالت میں زیادہ فائق تھے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس الحاح وزاری پر برانگیختہ

کرنے والی چیز صحابہ کرام پر شفقت اور ان کے قلوب کی تقویت تھی۔اس لیے حضور نے توجہ دعا اور الحاج وابتہال میں مبالغہ فرمایا تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قائم رہیں اور ان کے قلوب ثابت و مستحکم رہیں۔اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ خوب جانتے تھے کہ حضور کی دعا وسوال مقبول و مستجاب ہے۔پھر جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ سے وہ بات عرض کی جو بیان ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بس کیجئے تو معلوم ہو گیا کہ آپ کی دعا مستجاب ہو گئی اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اپنے دل میں قوت وطمانیت پیدا ہو گئی تھی۔لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہی بعد فرمایا: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ. عنقریب کفار کی جماعت کو ہزیمت ہوگی اور پشت دے کر بھاگے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں مقام خوف میں تھے اور یہ سب سے زیادہ کامل حالت نماز ہے۔حضور کی دعا سے پہلے ممکن تھا کہ اس دن نصرت الٰہی واقع نہ ہوتی اس لیے کہ نصرت الٰہی کا وعدہ اس واقعہ کے ساتھ معین ومخصوص نہ تھا کہ اسی روز اس کی نصرت نازل ہو بلکہ وعدہ الٰہی مجمل وغیر معین تھا۔خطابی فرماتے ہیں کہ یہ ہے وہ بات جو بظاہر ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''آج کے بعد تیری عبادت کرنے والے نہ رہیں گے'' یہ اس لیے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ آپ خاتم النبیین اور آخری نبی ہیں۔لہٰذا اگر آپ کو اور جو آپ کے ساتھ ہیں ان کو اس ہنگام میں وہ ہلاک کر دیں تو کوئی ایک بھی ایسا مبعوث نہ ہوگا جو ایمان وعبادت کی دعوت کرے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا میں خوب کوشش فرمانا اور اس میں مشقت برداشت کرنا اس بنا پر ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو دیکھا وہ غمرات موت (یعنی موت کی گہرائیوں) میں غوطہ زن ہیں اور فرشتے میدان جنگ میں کھڑے ہیں تو حضور نے چاہا کہ خود بھی جہاد میں کوشش کریں۔کیونکہ جہاد دو قسموں پر ہے ایک جہاد تلوار کے ساتھ اور ایک جہاد دعا کے ساتھ ہے۔سنت یہ ہے کہ امام لشکر کی پشت پر رہے اور ان کے ہمراہ قتال نہ کرے لہٰذا سب کوشش اور مشقت میں ہے۔اس لیے حضور نے نہ چاہا کہ ان دونوں قسموں کے جہاد سے خود راحت میں رہیں (مطلب یہ کہ لشکر اسلام کفار کے ساتھ نبرد آزما ہے اور میدان قتال میں استادہ ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام دعا میں سجدہ ریز ہیں اور رب تعالیٰ سے ان کی نصرت ومدد کی التجائیں کر رہے ہیں۔امام اور ماموم دونوں جہاد میں اپنی اپنی جگہ مشغول ہیں) ان سب کو صاحب لدنیہ نے نقل کیا ہے۔

اس مقام کے لحاظ ومناسب سے سیدی احمد مرزوق علیہ الرحمۃ جو کہ محققین علماء صوفیاء اور مشاہیر مشائخ عظام میں سے ہیں کا ایک کلام ہے جس کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ مقام ربوبیت کی غایت ادب میں سے ایک بات یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اعتماد کرنے اور اس کے وعدہ کو صادق جاننے کے باوجود یہ اعتقاد رکھنا لازمی ہے کہ اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔اس اعتبار سے دو اصل اور دو قاعدے ہیں۔ان دونوں کے درمیان تعارض کے وقت بطریق ایمان مطابقت کرنا واجب ہے لہٰذا اگر قبولیت کا وعدہ معین وقت میں نہیں ہے تو کوئی دشواری ہے ہی نہیں۔اگر بالفرض وقت معین میں بھی وعدہ کیا گیا ہو اور اس کی قبولیت اس وقت میں واقع نہ ہو تب بھی صدق وعدہ میں شک وتردد میں نہ پڑنا چاہئے اس لیے کہ وقوع وعدہ اسباب وشرائط کے ساتھ متعلق ہی جو کہ دانا ہے' مطلق حق عزشانہ اپنے علم کے ساتھ متاثر ومخصوص ہو اور بندہ کو ان اسباب وشروط کی اطلاع نہ دی گئی ہو: وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ کوئی بھی شے اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتی جسے وہ چاہے۔حق تعالیٰ پر یہ واجب نہیں ہے کہ جو قیود وشرائط اس کے علم میں ہیں اسے بیان فرمائے اور بندہ کو اس کا علم بخشے۔بسا اوقات اس کی حکمت بالغہ کا اقتضا سر وکتمان میں ہوتا ہے۔اس اعتبار سے کہ بندہ کی نظر میں سطوت ربوبیت ظاہر ہو اور اس پر احکام عبودیت کا اظہار ہو جس طرح کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ صلوٰت الملک الجلیل نے غایت ادب کیا کیوں کہ انہوں نے پہلے تو اپنی قوم سے کہا: وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ. یعنی جن کو تم خدا کا شریک گردانتے ہو ان سے نہیں ڈرتا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ فرمانا حق سبحانہ وتعالیٰ کے وعدہ پر قطعی اور حتمی یقین کی بنا پر نہ تھا کیونکہ اس کا وعدہ ہے کہ رسولوں پر کوئی

خوف نہیں ہے اور یہ کہ حق تعالیٰ کی مدد رسولوں کیلئے واجب ہے (کیونکہ وہ بے نیاز ہے اس پر کچھ واجب نہیں ہے) اس بنا پر استثنا کرتے ہوئے فرمایا: اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْئًا. مگر یہ کہ میرا رب جس قدر چاہے۔ یہ استثنا وسعت علم باری تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور بندہ کو اس کے علم کی اطلاع نہ پانے اور کسی بندہ کا حق تعالیٰ کے علم کا احاطہ کرنے کی قدرت نہ رکھنے کے سبب سے ہے۔ اس کے بعد فرمایا وَسِعَ رَبِّیْ کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا. میرے رب کا علم ہر شئے سے وسیع ہے۔ یہ فرمانا وعدہ صادق ہے عدم وثوق کا وہم پیدا نہ ہونے کیلئے ہے اور علم باری تعالیٰ کی وسعت پر نظر رکھنا متحقق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے جو یہ استثنا کیا ہے اس بنا پر نہیں کیا ہے کہ مجھے اس کے وعدہ پر وثوق واعتماد نہیں ہے یعنی اس نے جو وعدہ فرمایا ہے کہ "رسولوں پر دشمنان دین کا تسلط وغلبہ نہ ہونے دے گا بلکہ یہ استثنا علم حق کی وسعت پر نظر رکھنے کی بنا پر ہے۔ یہ بات حق تعالیٰ کی جناب میں اس کے حق وادب کے قائم رکھنے کیلئے ہے۔ اسی بناء پر علماء فرماتے ہیں کہ بشارت دینے والے انبیاء مرسلین کا خوف حق تعالیٰ کی شان بے نیازی کے خوف کی بنا پر ہے۔ اس بنا پر نہیں کہ حق تعالیٰ کے وعدہ پر وثوق واعتماد نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: وَمَا یَکُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَا. ہمیں یہ لائق نہیں کہ ہم تمہاری کفری ملت میں داخل ہوں۔ پھر فرمایا: اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْئًا وَّسِعَ رَبِّیْ کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا. مگر میرا رب جو چاہے میرے رب کا علم ہر شئے پر وسیع ہے۔" جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ فرمانا بھی علم باری تعالیٰ کی وسعت پر نظر رکھنے کی بنا پر ہے۔ اسی بنا پر سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے روز بدر فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنْ اَهْلَکْتَ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ لَنْ تُعْبَدَ عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ. اے خدا! اگر اس جماعت کو آج تو نے ہلاک کرا دیا تو روئے زمین پر ہرگز تیری عبادت نہ ہوگی۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے آئے اور عرض کیا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! نَاشَدْتَّکَ رَبَّکَ فَاِنَّ اللّٰهَ مُنْجِزٌ لَّکَ مَا وَعَدَکَ. اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے رب نے آپ کی دعا کو سنا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ سے وعدہ فرمایا ہے اسے ضرور پورا فرمائے گا۔

امام ابوحامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اول حال اتم واکمل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہیں کوئی اس قسم کا وہم نہ کرنا چاہئے کہ آپ نے وعدہ رب پر وثوق نہ فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعدہ رب کے صدق پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یقین رکھتے تھے۔ حاشا ایسا ہرگز نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک اللہ رب العزت کے وسعت علم اور اس کے ادب کے مقام میں تھی۔ یہ مقام معرفت صفات حق اور ملاحظہ حقیقت میں اعلیٰ ارفع اور اتم ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر ظاہر حکم شریعت پر تھی۔ کیونکہ شریعت میں صدق وعدہ حق واقع ہے۔ اسی طرح حق جل وعلا نے روز احد احزاب حنین اور داخلہ مکہ میں وعدہ فرمایا مگر اس کے شرائط کو مخفی رکھا۔ اس کی مثالیں انبیاء سابقین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین کے احوال میں بھی موجود ہیں جو کہ نزول بلا اعداء دین سے جہاد کے سلسلہ میں واقع ہیں۔ ان میں وہی اسرار و بھید ہیں جو بیان کئے گئے ہیں۔

خلاصہ مبحث یہ ہے کہ جس طرح حق سبحانہ وتعالیٰ کے اپنے وعدہ کریمہ میں عدم اتہام واجب ہے اسی طرح اس کے فعل میں اس کی حکمت بھی لازم ہے اور یہ سب کچھ اسی کے طرف سے ہے اول اس کی حکمت پر محمول ہے اور دوم اس کے قہر وغلبہ کے تحت ہے۔ دونوں مقامات میں قہر بھی ہے اور مقام معرفت بھی۔ مقربان بارگاہ عزت کا حال یہی ہے کہ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَلَا یُعْتَرَضُ عَلٰی مَا یَقُوْلُ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ. جو وہ کرتا ہے اس سے مت پوچھو اور جو وہ کہتا ہے اس پر اعتراض نہ کرو اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس وقت دونوں لشکر مل گئے اور ایک دوسرے کے مقابل ہو کر لشکر اسلام اور لشکر کفار گتھم گتھا ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی ریت کی لے کر کفار کے منہ پر پھینکی اور پڑھا شاھت الوجوہ ان کے چہرہ مسخ ہوں۔ جب وہ ریت ان کے چہروں پر پڑی تو کوئی مشرک ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں اور ناک کے دونوں سوراخوں میں ان کے ریزے نہ پہنچے ہوں۔ ان کے منہ پھر گئے اور شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے صنادید قریش میں سے کسی کو ہلاک کرایا اور کسی کو قید کرایا اور جو اسیر ہوئے وہ بھی ان کے سرداروں اور اشراف میں سے تھے۔

صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد کہ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی. اے محبوب! آپ نے وہ مشت خاک نہیں پھینکی جب آپ نے پھینکی بلکہ وہ اللہ نے پھینکی۔ یہ آیۃ کریمہ روز بدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشت خاک پھینکنے کے ضمن میں نازل ہوئی۔ اگرچہ ایسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روز حنین میں کیا تھا جیسا کہ انشاء اللہ آگے آئے گا۔

بلاشبہ ایک گروہ نے اس آیت پر یہ اعتقاد اختیار کیا کہ اس آیت سے مراد بندوں کی جانب سے سلب فعل ہے اور اس کی اسناد رب العزت کی طرف ہے۔ اس آیت سے ''مذہب جبر'' پر دلیل بنا کہ افعال کی نسبت اور قدرت بندوں کی طرف کرنا باطل ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے اور اس گروہ نے فہم قرآن میں غلطی کھائی ہے۔ اگر واقعۃً ایسا ہی تھا تو اس فعل امی کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے مثلاً مَا صَلَّيْتَ اِذْ صَلَّيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ صَلّٰی (تم نے نماز نہیں پڑھی جب تم نے نماز پڑھی لیکن اللہ نے نماز پڑھی) یا اس طرح کہ وَمَا صُمْتَ اِذَا صُمْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ صَامَ (تم نے روزہ نہیں رکھا جب کہ تم نے روزہ رکھا لیکن اللہ نے روزہ رکھا) اگر اس قاعدہ واصول کو بندوں کے تمام افعال طاعات اور معاصی میں پھیلایا جائے تو یقیناً یہ کھلی گمراہی ہوگی اور اگر اس قاعدہ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کے ساتھ مخصوص گردانا جائے تو بھی غلط ہے بلکہ یہ اس پر مبنی و منتج ہوگا کہ معجزہ فعل نبی نہیں ہے بلکہ فعل خدا ہے جسے ان کے ہاتھ سے ظاہر کرایا۔ بخلاف دیگر افعال کے کہ ان کا کسب بندہ کی طرف سے ہے اور ان کی تخلیق خدا کی طرف ہے اور معجزہ میں کسب بھی بندہ کی جانب سے نہیں ہے۔ لہٰذا اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ صُوْرَةً وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی حَقِيْقَةً نہیں پھینکا تم نے جبکہ ظاہر صورت میں تم نے پھینکا بلکہ حقیقت میں اللہ نے ہی پھینکا۔ یہ بھی مراد نہیں ہے کہ مَا رَمَيْتَ خَلْقًا اِذْ رَمَيْتَ كَسْبًا. تم نے پیدا کر کے نہیں پھینکا۔ جب تم نے کسب کر کے پھینکا اس لیے کہ یہ بھی تمام افعال میں جاری ہے۔

بعض یہ کہتے ہیں رمی کی ابتداء تو تمہاری طرف سے ہے لیکن اس کی نہایت یعنی کفار کی آنکھوں اور منہ پر پہنچانا خدا کی طرف سے ہے۔ اس کی نظیر حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ تو تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو ہلاک کیا۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ عکاشہ رضی اللہ عنہ .... کی تلوار ٹوٹ گئی۔ پھر وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی ان کے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا اس کے ساتھ جنگ کرو۔ وہ چھڑی عکاشہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں لمبی اور سخت کمر والی لوہے کی سفید تلوار بن گئی اور انہوں نے اس سے ہی قتال کیا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ عکاشہ رضی اللہ عنہ نے اس تلوار کا نام ''عون'' رکھا۔ یہ تلوار برابر حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی اور جملہ غزوات میں اس سے قتال کرتے رہے یہاں تک کہ جب وہ شہید ہوئے تو یہ تلوار ان کے ہاتھ میں تھی۔

ملائکہ کی آمد اور ان کی نصرت: غزوۂ بدر کے اعظم فضائل وخصائل میں سے ملائکہ کا آنا اور مشرکوں کے ساتھ ان کا قتال کرنا ہے۔ صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے سوا کسی غزوہ میں فرشتوں نے قتال نہیں کیا اور دیگر وقتوں میں دشمنوں کے مقابلہ میں محض امداد واعانت تھی۔ ان کا قتال کرنا اس عظیم الشان غزوہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ عماد بن کثیر اپنی تفسیر میں

اس کی تصریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ بجز روز بدر کے فرشتوں نے قتال نہیں کیا۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا فرشتوں نے بجز روز بدر کے کبھی قتال نہیں کیا اور ابن مرزوق فرماتے ہیں کہ یوم بدر کے سوا فرشتوں نے قتال نہیں کیا بلکہ قول مختار کے بموجب فرشتے حاضر ہوتے رہے ہیں۔ اس قول کو بعض علماء میں سے ترجیح دیتے ہوئے نہایت البیان فی تفسیر القرآن میں ارشاد حق تعالیٰ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ روز حنین فرشتوں نے قتال کیا یا نہیں۔ اس جگہ دو قول ہیں۔ قول جمہور یہی ہے کہ نہیں کیا لیکن اس قول کو مسلم کی اس حدیث سے جسے انہوں نے اپنی صحیح میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رد کرتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ روز احد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی اور بائیں جانب دو ایسے شخصوں کو دیکھا جو سفید لباس میں ملبوس تھے اور ان کو نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد کبھی دیکھا تھا۔ یعنی جبریل و میکائیل علیہما السلام اور یہ دونوں خوب شدید قتال کرتے تھے۔ امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام و اعزاز ہے کہ فرشتوں کو آپ کے ہمراہ قتال کرنے کیلئے نازل فرمایا۔ ظاہر یہ ہے کہ قتال ملائکہ یوم بدر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بام نووی فرماتے ہیں کہ یہی حق و صواب ہے اور یہ اس کے خلاف ہے جس نے یہ گمان کیا کہ قتال ملائکہ یوم بدر کے ساتھ مخصوص ہے۔

فرشتوں کے دیکھنے کی تحقیق: نیز اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کی رویت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ان کو صحابہ کرام اولیاء عظام دیکھتے ہیں۔ بندہ مسکین یعنی صاحب مدارج النبوۃ ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقن فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جبریل علیہ السلام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انسانی صورت میں بیٹھے دیکھنا ثابت شدہ ہے اور جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میرے چچا کے بیٹے ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا انہوں نے مجھے سلام کیوں نہیں کیا؟ اس کے بعد جب یہ مجلس ختم ہوگئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دریافت کیا کہ "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کون شخص بیٹھے ہوئے تھے؟ فرمایا جبریل علیہ السلام تھے۔ تم نے انہیں سلام کیوں نہ کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا مجھے ان کے جمال و جلال سے شرم و ہیبت دامنگیر ہوگئی تھی۔" ہاں اگر یہ کہا جائے کہ خاص صورت میں دیکھنا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے تو اس کی گنجائش ہے۔

روز بدر قتال ملائکہ کے بارے میں آیات و احادیث کا ذکر

اب ہم ان آیات و احادیث کو بیان کرتے ہیں جو روز بدر قتال ملائکہ کے باعث میں مروی ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ جب تم اپنے رب سے مناجات کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی۔ بے شک میں تمہاری مدد پے در پے ہزار فرشتوں سے کرنے والا ہوں۔

سورہ انفال میں اسی طرح ہے لیکن سورہ آل عمران میں یوں ہے کہ:

أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ ۝ یہ کفایت نہیں کرتا کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتوں کو اتار کر تمہاری مدد فرمائے۔

ان دونوں آیات کریمہ کے درمیان موافقت اس طرح ہے کہ پہلی آیت میں ایک ہزار وہ فرشتے ہیں جو مقدمۃ الجیش کے طور پر

ان لوگوں کے سامنے آئے تھے یا جنہوں نے قتال کیا تھا۔ وہ ایک ہزار تھے اور ان کے مقاتلہ میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ بیضاوی نے کہا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہزار کو تین ہزار کے ساتھ مرادف کیا گیا ہے یعنی ایک ہزار کے بعد تین ہزار فرشتے بھیجے لہٰذا اکثیر قلیل کے مددگار بنے۔ نیز سورۃ آل عمران میں فرمایا گیا ہے۔

بَلٰی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُسَوِّمِیْنَO

ہاں! اگر تم قائم رہے اور خدا سے ڈرتے رہے تو تمہارے پاس یہ فوراً آئے گی۔ تمہارا رب تمہاری مدد نشان زدہ پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا۔

مسومین یعنی معلمین میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی پیشانیاں اظہار علامت کیلئے تاباں ہوں گی۔ ان کا یہ اظہار اس کی نشانی و علامت ہے کہ پانچ ہزار فرشتے آئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا کہ اگر تم قائم رہے اور تقویٰ اختیار کیا تو وہ آئیں گے اور تمہارے خلاف کفار کو فوراً کچل دیں گے اور تمہاری مدد حق تعالیٰ پانچ ہزار فرشتوں سے فرمائے گا۔

مواہب لدنیہ میں ربیع بن انس سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے مسلمانوں کی مدد ایک ہزار فرشتوں سے فرمائی اس کے بعد تین ہزار کر دیئے اور اس کے بعد پانچ ہزار کر دیئے۔

ابوقتادہ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے روز بدر پانچ ہزار فرشتوں سے مدد فرمائی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حق تعالیٰ کی امداد پانچ ہزار کے ساتھ وقوع میں آئی ہے۔ امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ روز بدر ایسی تیز ہوا چلی کہ اس سے پہلے ایسی تیز ہوا کبھی نہ دیکھی تھی اس کے بعد پھر دوبارہ ایسی ہی تیز ہوا چلی۔ پھر تیسری مرتبہ بھی ایسی ہی تیز ہوا چلی اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلی مرتبہ جبریل علیہ السلام ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے۔ دوسری مرتبہ میکائل ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے اور تیسری مرتبہ اسرافیل ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے بنی غفار کے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں اور میرے چچازاد بھائی دونوں آگے نکل کر بدر کی ایک اونچی پہاڑی پر چڑھے۔ ہم اس زمانہ میں مشرکوں کے ساتھ تھے۔ ہم نے اس کا انتظار کیا کہ جو لشکر بھی شکست کھا کر بھاگے ہم انہیں لوٹیں۔ یکا یک ہم نے دیکھا کہ اس پہاڑ پر جس پر ہم تھے ایک ابر ہمارے قریب ہوا جس میں گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز تھی۔ اس وقت کسی کہنے والے کو کہتے سنا ''اقدم حیزوم'' حیزوم آگے بڑھ۔ تو میرا چچازاد بھائی مجھ پر آ پڑا اور اس کے دل کا پردہ پھٹ گیا اور اس نے اسی وقت جان دیدی۔ اس وقت میری یہ حالت تھی کہ میں ہلاکت کے قریب تھا لیکن میں نے ضبط کیا۔ علماء فرماتے ہیں کہ ''حیزوم'' (بفتح حاء وسکون یا وزاء مضموم) حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے اور اقدم بروزن انصر اور اکرم دونوں باب سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ساتھ اور میکائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ انسانی شکل وصورت میں ابلق گھوڑوں پر سوار اترے۔ اس وقت ان کے جسموں پر سفید لباس اور ان کے سروں پر سفید عمامے اور روز حنین سبز عمامے تھے جن کے سرے (شملے) وہ اپنے کندھوں کے درمیان چھوڑے ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ روز بدر فرشتوں کی پیشانیوں پر سفید عمامے اور روز حنین سبز عمامے تھے اور ان کی پیشاں گھوڑوں کے گوشوں میں تھیں۔ (یعنی وہ گھوڑوں پر سوار تھے) بعض روایتوں میں آیا ہے کہ روز بدر فرشتوں کی پیشانیوں پر سیاہ عمامے تھے اور روز حنین سرخ اور روایتوں میں سفید وسرخ اور زرد سب آیا ہے کہ کچھ فرشتے ایسے ہوں گے اور کچھ ویسے۔ فرشتوں کے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سنی جاتی تھیں مگر گھوڑے نظر نہیں آتے تھے اور جب مسلمان کسی کافر کا پیچھا کرتے تو قبل اس کے کہ وہ اس کے قریب ہوں وہ دیکھتے کہ ان کا سر زمین پر کٹا پڑا ہے۔ علماء

فرماتے ہیں کہ روز بدر فرشتوں کی ضرب سر یا بدن کے جوڑوں پر ہی واقع ہوئی یہ حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر میں ہے کہ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ O ای مفصل تو گردنوں کے اوپر یعنی سر پر ضرب لگاؤ اور ان کے ہر گرہ یعنی جوڑ پر مار لگاؤ۔ تفسیر بیضاوی میں ہے کہ ''فَوْقَ الْاَعْنَاقِ'' یعنی ذبح کرنے کی جگہ اور سروں پر ضرب لگاؤ۔ اور وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ O ای الاصابع. اور ان کے ہر جوڑ پر مار لگاؤ یعنی انگلیوں کی گرہوں پر کشاف میں ہے کہ بنان سے مراد اطراف ہے۔ مطلب یہ کہ ان کے سروں کو کاٹو اور اطراف کو توڑو۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ فرشتوں کے مقتول گردنوں اور جوڑوں میں سیاہی کی نشانی سے پہچانے گئے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک انصاری شخص کسی کافر کے پیچھے جا رہا تھا کہ اچانک اس نے کوڑے کے مارنے کی آواز اور ایک سوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا اقدم حیزوم تو اس انصاری نے دیکھا کہ اس کے سامنے وہ گرا پڑا ہے اور اس کا منہ پھٹا ہوا ہے اور اس کی گردن ٹوٹی ہوئی ہے۔ اس کے بعد وہ انصاری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور جو کچھ مشاہدہ کیا تھا۔ عرض کر دیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب مدد آسمان سیوم کی تھی۔

مروی ہے کہ جب مدینہ منورہ والے اصحاب بدر کو ان کی واپسی کے بعد تہنیت و مبارک باد دینے لگے تو انہوں نے کہا۔ اے مدینہ منورہ والو! ہمیں کس بات کی مبارک باد دیتے ہو کیونکہ یہ فتح ہماری قوت بازو کے زور سے نہ تھی بلکہ ہم نے کافروں کو دیکھا ہے کہ ان کے سر تن سے جدا پڑے ہیں اور ہم نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس نے ان پر تلوار ماری ہو۔ یہ کافروں کی بدبختی ہے کہ وہ ہاتھ پاؤں بندھے اونٹوں کی مانند گر پڑتے تھے ہم ان کے جسموں سے سر کو جدا کر دیتے تھے۔ یہ بات جب خواجہ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات کے سمع مبارک میں پہنچی تو فرمایا وہ فرشتے تھے جو یہ کام کرتے تھے۔ ان کی مراد یہ نہیں سب کا حال یہی ہوا تھا بلکہ کچھ کافروں نے اصحاب کے ساتھ مقابلہ و مقاتلہ بھی کیا اور بعض کافروں کا سر فرشتوں نے تن سے جدا کیا۔

منقول ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح اور ان اشقیاء کے مارے جانے کی خبر مکہ میں پہنچی تو ابولہب اور دیگر کافروں نے تعجب و حیرت کا اظہار کیا۔ جب ابوسفیان بن الحارث جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا بیٹا تھا مکہ پہنچا تو ابولہب نے اس سے کہا۔ اے میرے بھائی کے فرزند! آؤ تم تحقیقی خبر رکھتے ہو۔'' ابوسفیان بن الحارث نے کہا'' اے میرے چچا! جب ہم نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کیا تو ہم سب اپنی جگہ خشک' کھڑے ہو کر رہ گئے اور ہم یہی دیکھتے رہے کہ ہمارے ہتھیار ہمارے جسموں پر سے وہ اتار لیتے اور ہمارے ہاتھوں کو ہمارے کندھوں سے باندھ دیتے تھے۔ ہم نے زمین و آسمان کے درمیان سفید لباس کے لوگ دیکھے جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اور کوئی بھی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا۔ ابورافع' حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا خدا کی قسم' وہ تو فرشتے تھے۔ اس پر ابولہب انتہائی غیظ و غضب میں آیا اور اس نے میرے منہ پر مکہ مارا' مجھے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ پھر میرے سینہ پر چڑھ کر لاتیں مارنے لگا حالانکہ میں ضعیف و کمزور شخص تھا۔ میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہ زوجہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے میرا جو یہ حال دیکھا تو انہوں نے موٹی چوب اٹھا کر ابولہب کے سر پر ماری اور وہ ذلیل و خوار ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ سات دن کے بعد ''عدسہ'' کی بیماری نے اس پر حملہ کیا اور وہ مر گیا۔ عرب اس بیماری کو شوم و برا جانتے ہیں اس کے مرنے کے بعد خوف کی وجہ سے کوئی اس کے پاس نہ گیا اور وہ تین دن تک یونہی مرا پڑا رہا۔ تین دن کے بعد اجرت پر مزدور بلائے گئے تا کہ وہ اسے اٹھا لے جائیں اور مکہ سے باہر گڑھا کھود کر اس سے میں دبا دیں اور اس پر اور پتھر رکھ کر بند کر دیں۔

مواہب میں شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ کسی نے مجھ سے پوچھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ قتال ملائکہ کے بارے میں حکمت کیا تھی۔ باوجودیکہ جبریل علیہ السلام اس پر قادر ہیں کہ طبقہ زمین کو اپنے ایک بازو پر اٹھا کر بیک دم تمام

کافروں کو ہلا کر دیتے؟ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے جواب میں کہا کہ یہ اس لیے تھا کہ یہ فعل تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہو اور ملائکہ ان کی عون و مدد کیلئے ہوں کیونکہ دنیاوی سطح پر کمک کے طور پر لشکر ہی مدد کرتے ہیں۔

بندۂ مسکین یعنی صاحب مدارج النبوۃ شیخ عبد الحق محدث دہلوی ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین ورحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سوال کا بنیادی تعلق عوام سے ہے کہ وہ تدبیرات الٰہی، ترتیب اسباب اور اللہ جل جلالہ وعظم کمالہ کی غیر متناہی حکمتوں کی طرف سے صرف نظر نہ کریں ورنہ وہ اس طرح کیوں نہیں کہتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد و قتال کی ضرورت ہی کیا تھی۔ حق تعالیٰ قادر ہے کہ اپنے قہر و جلال سے تمام کافروں کو ہلاک کر دے اور ان کے کفر و ضلال کے نشانوں کو اپنے ہدایت و کمال کے نور سے ناپید کر دے۔ مگر بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے ثواب و جزا اور کافروں کے عذاب و عقاب کا مدار اسی پر ہے۔ ان کے سوا وہ چیزیں جو عالم اسباب و اوضاع سے متعلق ہیں۔ وہ ضبط و حصر اور گنتی و شمار کی حد و قدرت سے باہر ہیں اور اللہ ہی علیم و حکیم ہے۔

اسیران و مقتولان بدر کی تعداد: بدر میں مقتولان کفار کی تعداد ستر تھی اور اتنے ہی اسیر ہوئے تھے۔ مسلمانوں میں سے چودہ حضرات نے جام شہادت نوش کیا تھا جن میں چھ مہاجرین میں سے تھے اور آٹھ انصار میں سے تھے چھ قبیلہ خزرج کے اور دو قبیلہ اوس کے (رضی اللہ عنہم)

ان اشقیاء قریش کے ستر مقتولوں میں سے چوبیس نعشوں کیلئے آپ نے حکم فرمایا کہ بدر کے کنوؤں میں سے ایک کنویں میں ڈال دیں۔ یہ کنواں ناپاک و خراب تھا اور اس میں لوگ کوڑا کرکٹ اور نجاست ڈالا کرتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب دشمنوں پر غلبہ اور فتح پاتے تو تین روز اسی میدان میں مقام فرماتے چنانچہ اس جگہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز قیام فرمایا۔ تیسرے دن حکم فرمایا کہ آپ کی سواری لائی جائے پھر آپ سوار ہوئے اور صحابہ کی ایک جماعت بھی آپ کے ہمراہ ہوگئی۔ وہ خیال کرتے تھے کہ شاید کسی کام کیلئے تشریف لے جا رہے ہیں یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کنویں پر تشریف لائے جس میں کفار کی لاشوں کو ڈالا گیا تھا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک کا نام لے کر آواز دی اور فرمایا اے فلاں بن فلاں، اے فلاں بن فلاں۔ بعض روایتوں میں مزید صراحت ہے کہ فرمایا اوعتبہ بن ربیعہ، اوشیبہ بن ربیعہ، اوابوجہل بن ہشام مثلاً کیا تمہیں یہ خوش معلوم نہیں ہوتا تھا کہ تم خدا اور اس کے رسول کے فرمانبرداری کرتے اب جبکہ پردہ اٹھ گیا ہے اور خدا کے عذاب کو دیکھ لیا ہے تو تم مسلمان ہونے کی آرزو کرتے ہو۔ یہاں خوش سے مراد وہ خوشی ہے جس میں غم و اندوہ بھی شامل ہو اور بر طریق استعارہ ضد کو ضد کیلئے استعمال فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا "بلاشبہ ہم نے اسے حق سے پالیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا کیا تم نے بھی اسے حق سے پالیا ہے جو تم سے عذاب کی وعید فرمائی گئی تھی۔" ایک روایت میں یہ ہے کہ اے کنویں میں پڑے ہوئے لوگو! تم بدخویش اور عاقبت نااندیش ہو کہ تم نے مجھے جھٹلایا اور دوسرے لوگ تصدیق کرتے ہیں؟ اس پر سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان جسموں کو مخاطب فرما رہے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ان سے زیادہ اس بات کے سننے والے نہیں ہو جو کچھ میں خطاب کر رہا ہوں وہ خوب سن رہے ہیں لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔

سماع موتیٰ و حصول علم و شعور: وصل: جاننا چاہئے کہ یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ ہے اور مردوں کے سننے اور ان کو علم و شعور حاصل ہونے کا صریح ثبوت موجود ہے کیونکہ جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا ان کا علم ان کو حاصل ہوا۔ اسی طرح صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ دفنانے والے جب مردہ کو دفن کر کے لوٹتے ہیں تو مردہ لوگوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اہل بقیع کی زیارت کے سلسلہ میں مروی ہے کہ ان کو سلام کرو اور اس میں ان کو خطاب کرو اور کہو کہ اے

رہنے والو! تم پر سلام ہو! اے مسلمانو! تمہیں وہ سب کچھ مل گیا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور انشاء اللہ ہم بھی تمہارے ساتھ شامل ہونے والے ہیں۔

شیخ ابن الہمام شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ اکثر مشائخ اسلاف کا مذہب یہ ہے کہ مردے نہیں سنتے ہیں اور وہ ''کتاب الایمان'' میں تصریح کرتے ہیں کہ ''اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ اس سے کلام نہیں کرے گا پھر اس نے اس کے مرنے کے بعد اس سے کلام کیا تو وہ حانث یعنی قسم توڑنے والا نہ ہوگا۔ اس لیے کہ یہ قسم اسی پر منعقد ہوتی ہے جو فہم کی حیثیت وقابلیت رکھتا ہو اور مردہ ایسا نہیں ہے۔'' یہ حضرات علماء مسلم کی حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مردہ کا لوگوں کی جوتیوں کی آواز سننا اس پر ناطق ہے کہ مردے کو قبر میں رکھنے کے وقت کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ منکر نکیر کے سوال کا پیش خیمہ ہے۔ حالانکہ یہ تخصیص ظاہر کے خلاف ہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور ظاہر حدیث یہ ہے کہ یہ حالت مردے کو قبر میں حاصل ہے اور مردے کو وقت سوال میں زندہ گردانا ہے اور اس سے پہلے مقدمہ سوال کیلئے زندہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس حدیث مذکور کا جو کہ ان کے مذہب کے خلاف میں نص ہے۔ جواب دیتے ہیں کہ یہ حضور کے ساتھ مخصوص ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ہے۔ جیسا کہ قتادہ سے مروی ہے کہ فرمایا حق تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا تاکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کو انہیں سنواتے۔ یہ سنوانا زیادتی توبیخ اور حسرت ندامت کیلئے ہے۔ مخفی نہ رہنا چاہئے کہ اس پر محمول کرنا محض احتمال وتاویل ہے اور اس پر اس وقت تک محمول نہیں کیا جاسکتا جب تک امتناع سماع پر دلیل پوری موجود نہ ہو حالانکہ اللہ رب العزت اس پر قادر ہے اور اس ادراک کیلئے حواس کی حسیت امر وہبی ہے بغیر سبب کے بھی اللہ تعالیٰ خالص طور پر یہ حالت پیدا کرسکتا ہے۔ جیسا کہ کتب مذہب میں مسلمہ قاعدہ ہے اور کبھی اس طرح جواب دیتے ہیں کہ یہ صورت از قسم ضرب المثل اور کہاوت ہے حقیقت نہیں ہے۔ یہ جواب پہلے جواب سے بھی بعید تر اور کمزور تر ہے۔ منکرین کی جماعت کے مضبوط ترین شبہات میں سے یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیوں کر فرما سکتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ. یعنی آپ مردوں کو نہیں سناتے اور نہ آپ ان کو سنانے والے ہیں جو قبروں میں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تاویل کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی کی مراد یہ ہے کہ تم کہو تم جانتے ہو کہ جو کچھ میں نے کہا حق ہے اور کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم کی جگہ سماعت کا وہم ہوا۔ کیونکہ موتی کو انتقال کے بعد آخرت کی حقیقت کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سماع موتی کا انکار کیا اور انہوں نے ان قرآنی دو آیتوں سے استدلال کیا جو مذکور ہوئیں لیکن سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کا جواب دیتے ہیں اور ان کے قرآنی استدلال کو قبول نہیں کرتے اور ان کے قول کو تسلیم نہیں کرتے۔

مواہب لدنیہ میں اسمٰعیل سے نقل کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا صاحب فہم وذکاء اور صاحب کثرت روایات وعوامض علوم تھیں اس سے زیادہ اور کچھ متصور نہیں لیکن کسی ثقہ روایت کے رد کرنے کیلئے نص کے بغیر چارہ کار نہیں۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت یا اور کوئی ثقہ روایت۔ ایسی روایتوں کے رد کیلئے ایسی نص جو نسخ یا تخصیص یا استحالہ پر مشتمل ہو۔ ضرورت ہے اور آیت قرآنی متحمل ہے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ تم سنوا نہیں سکتے بلکہ مردوں کو خدا سنوارتا ہے۔ ان کو جو کافر قبروں میں ہیں اور مراد عدم سماع سے عدم اجابت حق ہے اور اسی دلیل کیلئے یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں جو کفار کو ایمان کی دعوت دینے اور ان کے حق کو قبول نہ کرنے کے سلسلہ میں ہے۔ نیز علماء فرماتے ہیں کہ آیت میں موتی سے مراد دل اور قبول سے مراد ان کے جسم ہیں جن میں ان کے دل مردہ پڑے ہوئے ہیں۔ بلاشبہ مواہب لدنیہ میں مذکور ہے کہ محمد ابن اسحٰق کے مغازی میں باسناد جید اور مسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں بھی باسناد حسن، سیّدہ

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مانند مروی ہے۔ لہٰذا سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے گویا اپنے انکار سے رجوع کرلیا اس سبب سے جو ان کے نزدیک صحابہ کبار کی روایتوں سے ثابت ہوگیا ہے۔ اس رجوع کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود اس قضیہ میں حاضر نہ تھیں۔ شرح مسلم میں بھی اسی کی مانند مذکور ہوا ہے۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ اخبار وآثار سماع موتی اور علم وشعور میں بہت ہیں اور ان کے برخلاف کوئی دلیل قطعی پایہ ثبوت کو شامل نہیں ہے۔ اس مقام میں مفصل بحث وگفتگو مشکوٰۃ کی شرح میں بیان کردی گئی ہے۔ (واللہ اعلم)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مشرکوں کی لاشوں کو کنویں میں ڈال دیا جائے تو عتبہ بن ربیعہ کو خاک مذلت سے گھسیٹ کر کنویں میں ڈالا جانے لگا۔ اس کے بیٹے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ حال دیکھا تو طبعی طور پر انہیں یہ گراں گزرا اور ناپسندیدگی چہرے سے ظاہر ہونے لگی۔ پھر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر نگاہ ڈالی اور ان کا رنگ متغیر دیکھا اور شکایت وحزن کا اثر چہرے پر نمایاں ملاحظہ کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابا حذیفہ رضی اللہ عنہ! گویا تمہارے دل میں اپنے باپ کے حال کو دیکھنے سے تغیر واقع ہوگیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے اسلام میں شک وتردد واقع نہیں ہے لیکن میرا باپ صائب الرائے، حلیم اور اچھے آداب واخلاق والا تھا میں تمنا رکھتا تھا کہ اس کی یہ خوبیاں اسے اسلام میں لے آئیں گی اور اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ اس سعادت سے محروم رہ گیا ہے۔ اس سے مجھے حزن وملال لاحق ہوا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کیلئے دعائے خیر فرمائی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک صفات اور عمدہ آداب واخلاق اپنی ذات میں حصول ایمان کیلئے برانگیختہ کرنے والے نہیں ہیں۔ ایمان محض ہدایت وفضل وعطائے الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔

عشق کاریست کہ موقوف ہدایت باشد

نیز معلوم ہوتا ہے کہ طبعی ناگواری جو اپنے اختیار میں نہیں ہے اس کا اعتبار نہیں جبکہ دل مرکز یقین برقرار وثابت ہو اور مقام صبر ورضا وتسلیم کا مدار بھی اسی حکم میں ہے۔ اس حدیث پاک کے یہ عمدہ فوائد ہیں۔ تصور کرنا چاہئے کہ صحابہ کرام کا یقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت پر کس قدر تھا کہ اپنے اس باپ کو جو اتنی خوبیوں کا مالک تھا۔ اسے اس حال میں خاک مذلت میں گھسیٹتے ہیں اور کنویں میں ڈال دیتے ہیں۔ ان کی طبیعت میں جو ملال وکراہت نے راہ پائی بھی تو وہ اس پر عتاب کرتے ہیں اور معذرت خواہی کرتے ہیں کیونکہ خالص حق منکشف ہوکر مرتبہ یقین تک پہنچ گیا تھا اور تمام موانعات وحجابات مرتفع ہوگئے تھے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ مکہ معظمہ سے بنی ہاشم کی ایک جماعت کو جبر واکراہ سے لائے ہیں تو جو کوئی تم میں سے کسی بنی ہاشم کو خاص کر حضرت عباس بن عبدالمطلب کو پائے تو لازم ہے کہ اس کو قتل کرنے میں جلدی نہ کرے۔ یہی ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ جو عتبہ بن ربیعہ کے بیٹے ہیں انہوں نے کہا ہم اپنے باپوں اور بھائیوں کو قتل کریں اور عباس رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیں۔ خدا کی قسم! اگر میں ان تک پہنچ گیا تو ان پر اپنی تلوار کی ضرب لگا کر ان کا کام تمام کردوں گا۔ یہ بات جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے ابوحفص سن رہے ہو۔ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ پہلا اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی کنیت سے مخاطب فرمایا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان کی گردن اڑا دوں کیونکہ یہ منافق ہوگئے ہیں۔ حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس بات کے کہنے کے ساتھ ہی مجھ پر از حد خوف ولرزہ طاری ہوا اور میں اپنے تئیں یہ کہنے لگا کہ اس گناہ کا کفارہ یہی ہوسکتا ہے کہ میں خود کو راہ خدا میں شہید کردوں چنانچہ وہ روز یمامہ میں شہید ہوگئے۔ (رضی اللہ عنہ)

اسیرانِ بدر: وصل: اسیران بدر کی بھی وہی تعداد تھی جوان کے مقتولوں کی تھی یعنی وہ بھی ستر تھے اور ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی تھے۔ عقیل بن ابی طالب (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے فرزند) اور نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے فرزند ہیں' یہ سب ایمان لے آئے تھے۔ ان ستر قیدیوں میں سے معلوم نہیں کہ کون کون ایمان لایا اور کون کون کفر پر باقی رہا (واللہ اعلم) اور اس وقت ان سب کے نام بھی میری نظر میں نہیں ہیں۔

مروی ہے کہ جب قیدیوں کی گردنوں میں طوق اور ان کے پاؤں میں زنجیریں ڈال کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لایا گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا حال عجب رکھا ہے کہ ان کو سلاسل واغلال یعنی زنجیر وطوق کے ذریعے جنت کی طرف کھینچتا ہے۔ مطلب یہ کہ از خود نہیں چاہتے کہ مسلمان ہوں اور جنت میں داخل ہوں مگر حق تعالیٰ ان کو بزور قوت باندھ کر اپنی بارگاہ میں لاتا ہے اور ان کو جنت میں داخل کرتا ہے۔ یہی حکم تمام تکالیف شرعیہ کا ہے کہ حق تعالیٰ بندوں کو مکلّف کر کے ان کو ان کا مقید بناتا ہے اور اس طرح اپنی درگاہ میں لاتا ہے اور جنت میں داخل کرتا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ پہلے ہی سے اسلام لائے ہوئے تھے لیکن انہوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔ روز بدر مشرکوں کے ساتھ باہر نکل آئے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی عباس کے سامنے آئے اس کو چاہئے کہ انہیں قتل نہ کرے اس لیے کہ وہ جبراً لائے گئے ہیں لیکن جس وقت انہیں فدیہ دینے کیلئے کھڑا کیا گیا اور انہوں نے کہا کہ میں مسلمان ہوں اور مجھے جبراً لایا گیا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اسلام لانے کو حق تعالیٰ جانتا ہے لیکن بظاہر تم نے ہمارے ساتھ جنگ کی ہے تمہیں فدیہ دینا چاہئے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ روز بدر اسلام لائے اور انہوں نے روز فتح ابواء میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا اور فتح مکہ کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور ان کے ساتھ ہجرت ختم کر دی گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ فتح خیبر سے پہلے اسلام لائے اور انہوں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور فتح مکہ کے دن اس کا اظہار کیا۔ حالانکہ ان کا اسلام لانا بدر سے پہلے ہے اور وہ مشرکوں کی خبریں لکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روزانہ کرتے تھے۔ حالانکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کو محبوب رکھتے تھے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو لکھوا کر بھیجتے تھے کہ تمہارا اپنی جگہ ٹھہرے رہنا تمہارے لیے بہتر ہے۔ نیز مروی ہے کہ ان کے اسلام لانے کا سبب یہ ہوا کہ وہ اپنے ہمراہ بیس اوقیہ سونا لائے تھے تاکہ مشرکوں کو کھانا دیں لیکن جنگ میں ان سے لے لیا گیا اور اسے مال غنیمت میں داخل کر دیا گیا۔ تو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس بیس اوقیہ سونے کو ان کے فدیہ میں محسوب کر لیں لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول نہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ تو وہ مال ہے جسے تم ہمارے خلاف جنگ میں کفار کی مدد کیلئے لائے تھے۔ اب وہ مسلمانوں کی غنیمت میں ہے۔ اسے فدیہ میں محسوب نہیں کیا جا سکتا تو انہوں نے کہا کہ میں اور کوئی مال نہیں رکھتا۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کا چچا لوگوں سے بھیک مانگے اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائے حضور نے فرمایا وہ سونا کہاں ہے جب تم مکہ سے نکل رہے تھے اور اپنی زوجہ ام الفضل رضی اللہ عنہا کے سپرد کر کے آئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کو اس کی خبر کیسے ملی؟ فرمایا مجھے میرے رب نے خبر دی۔ پھر وہ کہنے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صادق ہیں۔ بجز خدا کے کوئی اس سے باخبر نہیں تھا اس کے بعد وہ اسلام لائے اور کہنے لگے: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ.

بیان کیا جاتا ہے کہ جس شخص نے حضرت عباس کو اسیر کیا ہے ان کا نام ابوالیسر تھا۔ یہ ضعیف وکوتاہ قامت تھے اور حضرت عباس جسیم وبلند قامت تھے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ اپنے والد حضرت عباس کے شانہ تک اور حضرت عباس اپنے والد حضرت عبدالمطلب کے شانہ تک پہنچتے تھے۔ وہ بہت ہیبت والے طویل القامت تھے۔ لوگوں نے حضرت عباس سے پوچھا کہ ابوالیسر نے

تمہیں کیسے اسیر کیا وہ تو بہت نحیف اور قلیل الجثہ تھے اگر تم چاہتے تو ان کو اپنی مٹھی میں لے لیتے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ٹھیک ہے لیکن وہ میری آنکھوں میں ''خندمہ'' کی مانند نمودار ہوئے خندمہ مکہ کے پہاڑوں میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالیسر سے دریافت کیا کہ تم نے حضرت عباس کو کس طرح اسیر کیا؟ انہوں نے عرض کیا۔ میری مدد اس شخص نے کی جس کو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ بڑی ہیبت وعظمت والا تھا۔ فرمایا وہ عزت والا فرشتہ تھا جس نے تمہاری مدد کی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جس وقت مسلمانوں نے اسیران بدر کو باندھ کر قید کر لیا اور رات آئی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ بندش کی وجہ سے کراہنے لگے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کراہنے کی آواز سنی تو آپ سو نہ سکے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! نیند کیوں نہیں آ رہی ہے؟ فرمایا! اپنے چچا حضرت عباس کے کراہنے کی وجہ سے! جب انصار نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا حضرت عباس کے بند کو نرم کرنے میں پائی تو انہوں نے ان کے بند ڈھیلے کر دیئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بات ہے؟ میں عباس کے کراہنے کی آواز نہیں سنتا؟ صحابہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! ان کے بندوں کو ڈھیلا کر دیا گیا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام اسیروں کی بندشیں ڈھیلی کر دی جائیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حکم الٰہی کے پابند تھے۔ فعل وترک' لطف وقہر اور عفو واخذ میں سے کوئی چیز اس کے حکم کے بغیر نہ کرتے تھے اور کوئی بات اپنی مرضی وخواہش اور نفس کی پیروی میں نہ کرتے تھے اور جو کچھ بھی ہوتا اسے تقدیر الٰہی اور اس کا حکم قرار دیتے تھے اور اسی طرف توجہ فرماتے جس طرف اس کا حکم ہوتا۔

اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیرانِ بدر کے سلسلہ میں صحابہ کرام کی مجلس مشاورت قائم فرمائی اور ان کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ ان قیدیوں کے بارے میں کیا کرنا چاہئے آیا قتل کر دینا چاہئے یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ ان کو باقی رکھنا چاہئے ممکن ہے کہ حق تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق دے اور وہ اسلام لے آئیں۔ یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے فدیہ لے لیجئے تاکہ ان سے آپ کے اصحاب کی قوت و طاقت بنے۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا ''تم کیا رائے دیتے ہو؟'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں قتل کر دینا چاہئے اور ان کی گردنیں اڑا دینی چاہئے کیونکہ یہ سب کے سب کافر اور کافروں کے پیشوا ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ کو مال لینے سے مستغنی بنایا ہے۔ فلاں قرابت دار کو مجھے دیجئے اور عقیل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیجئے اور عباس رضی اللہ عنہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے تاکہ وہ ان کی گردنیں اڑائیں۔'' مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کی جانب میلان فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ بعض لوگوں کے دلوں کو مکھن سے زیادہ نرم اور بعض لوگوں کے دلوں کو پتھر سے زیادہ حق تعالیٰ نے سخت بنایا ہے۔ اے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تمہارا حال حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی مانند ہے کہ انہوں نے فرمایا: فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ یعنی جو میری پیروی کرے وہ تو میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے بلاشبہ تو ہی معاف فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تمہارا حال حضرت نوح علیہ السلام کی مانند ہے کہ انہوں نے فرمایا: لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا. اے رب کسی کافر کو روئے زمین پر آباد نہ چھوڑ۔

اس کے بعد وحی الٰہی آئی کہ ''اے محبوب! تم اپنے صحابہ کو اس شرط کے ساتھ قتل اور فدیہ میں اختیار دیدو کہ سال آئندہ اپنے میں سے ستر کو شہید کرائیں اور ان پر کافروں کی کامیابی ہو۔ تو صحابہ نے فدیہ میں اختیار دیدیا کہ سال آئندہ ہم اپنے میں سے ستر افراد کو شہید کرا دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا کہ سال آئندہ غزوۂ احد میں مسلمانوں میں سے ستر اصحاب شہید ہوئے جن میں حضرت حمزہ بن

عبدالمطلب اور حضرت مصعب بن عمیرہ رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ فدیہ لینے میں مشغول ہوئے تو جبریل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے۔

وَمَا كَانَ لِلنَّبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

کسی نبی کو سزاوار نہیں کہ اس کے قیدی ہوں یہاں تک کہ زمین میں ان کا قتل بکثرت ہو جائے۔ اے مسلمانو! تم دنیاوی ساز و سامان چاہتے ہو اللہ آخرت کا ارادہ فرماتا ہے اور اللہ ہی عزت و حکمت والا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کسی نبی کو نہیں چاہئے کہ اس کے قیدی ہوں جب تک کہ کافروں کا قتل بہت زیادہ نہ ہو جائے۔ نبی کو ان کے قتل میں مبالغہ کرنا چاہئے۔ اے مسلمانو! تم چاہتے ہو کہ فدیہ لے کر دنیاوی زندگی کا سامان فراہم کر لو مگر اللہ تعالیٰ آخرت کو اور دین کی سربلندی کو چاہتا ہے۔ خدا ہی غالب ہے جو اپنے دوستوں کو دشمنوں پر غلبہ دیتا ہے اور وہی حکیم و دانا ہے کہ ہر حال اور ہر وقت میں جو مناسب و لائق ہے۔ وہی حکم فرماتا ہے کبھی قتل و اثخان کا حکم فرماتا ہے جبکہ کافروں کی شوکت ہو اور کبھی قتل و فدیہ میں اختیار دیتا ہے اور کبھی احسان و فدیہ کے درمیان اختیار دیتا ہے جبکہ مسلمانوں کا غلبہ ہو۔ اس وقت فرمایا ہے۔

فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً

تو بعد میں یا تو ان پر احسان کرو اور یا فدیہ لے لو۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں گریہ فرما رہے ہیں؟ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اور حضرت ابوبکر کیوں گریہ فرما رہے ہیں۔ میں بھی گریہ کروں اگر مجھ سے ہو سکے ورنہ بکوشش گریہ کرنے میں تکلف کروں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنے اصحاب پر روتا ہوں کہ انہوں نے فدیہ کو اختیار کیا۔ بلاشبہ میرے سامنے ان کا عذاب اتنا قریب لایا گیا جتنا قریب یہ درخت ہے اور اس درخت کی طرف اشارہ فرمایا جو اس جگہ کے قریب تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر عذاب نازل کیا جاتا تو بجز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو حضرت عمر کی رائے کے موافق تھے' کوئی نجات نہ پاتا۔ علماء فرماتے ہیں کہ صحابہ نے جو یہ طریقہ اختیار فرمایا وہ اسیران بدر کے اسلام لانے پر انتہائی رغبت و شوق کی بنا پر تھا کہ شاید وہ مسلمان ہو جائیں اور اسی رغبت و میلان کی وجہ سے درجہ شہادت کی طرف گئے یا قریبی عزیز ہونے کی وجہ سے نرمی و مہربانی کا سلوک کیا یا اور کوئی وجہ ہو (واللہ اعلم) اور اسی موقع پر آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○

اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہوتا تو جو تم نے فدیہ لیا اس میں تمہیں بڑا عذاب پہنچتا۔

مطلب یہ کہ لوح محفوظ میں میرا حکم پہلے ہی سے مکتوب نہ ہوتا تو تم کو یقیناً فدیہ لینے کے بدلے میں عذاب عظیم پہنچتا۔ حکم سابق سے مراد یہ ہے کہ اجتہاد میں خطا کرنے والے پر عذاب و عتاب نہیں کیا جائے گا۔ یا یہ حکم پہلے سے ہی لکھا ہوا تھا کہ اہل بدر پر عذاب نہ ہوگا یا یہ لکھا ہوا تھا کہ کسی قوم پر اس وقت تک عذاب نہ کیا جائے گا جب تک صریح طور پر ممانعت نہ کر دی گئی ہو۔ یا یہ لکھا ہوا تھا کہ تمہارا فدیہ لینا تمہارے لیے حلال ہے۔ جیسا کہ فرمایا: فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا تو جو تمہیں غنیمت میں ملا تو اسے کھاؤ حلال طیب ہے۔ یہ اختیار دینا اور فدیہ کا لینا اجتہاد سے تھا نہ کہ وحی سے۔ حضور نے بعض احکام میں اجتہاد فرمایا تھا مثلاً اسی حکم میں یا جیسے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اور شہد کو حرام کرنے میں اور کبھی خطائے اجتہادی بھی واقع ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو اس پر قائم نہ رکھتا اور آگاہ فرما دیتا۔ یہی حکم تمام انبیاء علیہم السلام کا ہے جیسا کہ علماء بیان کرتے ہیں۔ اس موقع پر علماء ایک اعتراض کرتے ہیں کہ جب صحابہ کو قتل اور فدیہ میں اختیار

دیدیا گیا تھا اور انہوں نے فدیہ کہ اختیار کرلیا تو اس پر عتاب وعقاب کس بنا پر ہوا یہ تو اختیار دینے کے منافی ہے۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ اختیار دینا بر سبیل امتحان تھا جب طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو اختیار دیا گیا کہ دنیا یا آخرت کو پسند فرمالیں اور اس میں امتحان یہ تھا کہ آیا وہ اس چیز کو اختیار کرتے ہیں جس میں مرضی حق ہے یا اسے اختیار کرتے ہیں جس میں اپنا ذاتی میلان ہے تو انہوں نے اس چیز کو اختیار کیا جس میں ان کا ذاتی میلان تھا۔ اس پر نہیں عتاب فرمایا گیا اور توریشتی اختیار دیئے جانے والی بات کی صحت کو محال جانتے ہیں۔ اس بنا پر کہ یہ اس ارشاد کے مخالف ہے جو بظاہر آیت میں ہے۔ ترمذی بھی اس کی غرابت کا حکم کرتے ہیں۔ طیبی کہتے ہیں کہ غرابت کا حکم کرنا موجب طعن نہیں ہے اس لیے کہ ''غریب'' بسا اوقات صحیح بھی ہوتی ہے لیکن میں خدا کی توفیق سے کہتا ہوں کہ ''غریب'' کا مطلب اس جگہ بمعنی شاذ ہے۔ اکثر جہاں ترمذی ایسا حکم کرتے ہیں وہ شاذ کے معنی میں ہوتا ہے۔ اس کی تصریح صاحب جامع الاصول نے کی ہے۔ (واللہ اعلم)

''روضۃ الاحباب'' میں شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ کا قول شرح بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ ترمذی نسائی ابن حبان اور حاکم نے باسناد صحیح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور کہا کہ آپ اپنے صحابہ کو قتل اسیران اور فدیہ میں اختیار دے دیجئے۔ اس شرط کے ساتھ کہ سال آئندہ ان قیدیوں کے برابر مسلمانوں میں سے شہید کرائیں چنانچہ اصحاب کو اختیار دے دیا گیا اور انہوں نے فدیہ کو اختیار کیا۔ انتہی

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فدیہ لینے کا مصمم ارادہ کرلیا تو ان قیدیوں میں سے ایک جماعت جو بالکل مفلس تھی اور جن سے کچھ حاصل نہ ہوسکتا تھا انہیں آزاد کردیا گیا اور ان سے عہد لے لیا گیا کہ آئندہ کبھی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک نہ ہوں گے۔ ان میں ایک جماعت ایسی تھی جو کتابت کا ہنر جانتی تھی انہیں اس پر مقرر کیا کہ ان میں سے ہر ایک انصار کے دو دو بچوں کو لکھنا سکھائے۔ ان سے جو کچھ مال رکھتے تھے ان سے کہا گیا کہ اپنی استطاعت کے مطابق فدیہ میں سونا ادا کریں۔ عاصم بن ثابت کو حکم دیا (یہ عاصم بن ثابت عمر بن خطاب کے دادا تھے) کہ عقبہ بن ابی معیط شقی کو قتل کریں۔ یہ وہ عقبہ ہے جس نے نماز کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی رکھی تھی اور قتل کا ہی مستحق تھا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس قضیہ سے آخر رمضان مبارک اور شوال کے پہلے روز فارغ ہوگئے تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح کی بشارت کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کردیا۔ جب وہ چاشت کے وقت مدینہ پہنچے تو لوگ سیّدہ رقیہ بنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے فارغ ہوئے تھے۔ یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ رقیہ کے دفن میں موجود تھے بعد کو ان کی قبر پر تشریف فرما رہے اور اشک مبارک بہاتے رہے۔ (واللہ اعلم)

اصحاب بدر کی فضیلت میں احادیث کا بیان

فصل: اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت میں احادیث بکثرت واقع ہیں ان میں سے چند حدیثیں یہ ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَدِ اطَّلَعَ عَلٰی اَھْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ وَفِیْ رَوَایَۃٍ فَقَدْ وَجَبَتْ لَکُمُ الْجَنَّۃُ.

اللہ تعالیٰ اصحاب بدر کو باخبر کرتے ہوئے فرماتا ہے جو چاہو عمل کرو بلاشبہ میں نے تم کو بخش دیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے تمہارے لیے جنت واجب کردی ہے۔

اس باب میں حاطب بن ابی بلتعہ کے خط کا قصہ بھی ہے جو صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ نیز مروی ہے کہ حارثہ رضی اللہ عنہ ایک جوان شخص تھے جو روز بدر شہید ہوئے ان کی والدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور عرض کرنے لگیں۔ یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بتایئے کہ حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہاں ہیں اگر جنت میں ہے تو میں ثواب کی منتظر رہوں اور اگر کسی اور جگہ ہے تو میں اتنا روؤں...... کہ آپ دیکھیں گے کہ میں کتنا روتی ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا تم اس پر روؤ گی اور یہ خیال کرتی ہو کہ وہ ایک جنت میں ہے؟ وہ بہت سی جنتوں میں ہے اور وہ جنت الفردوس میں ہے۔''

یہ حدیث صحت پر مشتمل ہے کہ ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کیا یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنے صحابہ میں اہل بدر کو کیسا شمار فرماتے ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمام مسلمانوں میں ان کو سب سے زیادہ صاحب فضیلت شمار کرتا ہوں۔ اس پر جبریل علیہ السلام نے کہا ہم بھی ان فرشتوں کو جو غزوۂ بدر میں حاضر ہوئے افضل ملائکہ شمار کرتے ہیں۔

فتح سے واپسی کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی صفراء میں غنیمتوں کو تقسیم فرمایا اور شمشیر ذوالفقار جو غزوۂ بدر کی غنیمتوں میں سے تھی۔ اپنے لیے خاص فرمائی اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوۂ خندق میں عطا فرمادی۔ اس تلوار کو ذوالفقار (مہروں والی) اس بنا پر کہتے ہیں کہ اس کی پشت پر ریڑھ کی ہڈیوں کی مانند مہرے بنے ہوئے تھے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریش پر غالب ہوئے اسی بدر کے دن فارسیوں پر رومی غالب آئے تھے جو کہ مسلمانوں کی خوشی و مسرت کا موجب بنا۔ جیسا کہ پہلے بیان گزر چکا ہے۔

منقول ہے کہ ابوسفیان الموسی بدر سے لوٹنے کے بعد قریش کو روتے پیٹتے اور اظہار مصیبت کرنے سے روکتا تھا تا کہ ''شماتت اعداء کا موجب نہ ہو باوجویکہ اس کا ایک بیٹا حنظلہ بھی مارا گیا تھا اور ایک بیٹا عمرو نامی قید ہوا تھا۔ اس نے قسم کھائی کہ وہ اس وقت تک بیبیوں کے پاس جانے اور ان سے صحبت کرنے سے مجتنب رہے گا وہ نہ تو سر میں تیل ڈالے گا اور نہ زینت والے کپڑے پہنے گا جب تک کہ محمد (اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے صحابہ سے جنگ کر کے انتقام نہ لے لے گا۔'' اس کی بیوی ہندہ نے بھی اپنے باپ عتبہ اور اپنے بیٹے حنظلہ کے مارے جانے پر قسم کھائی تھی روز احد مشرکوں کا سرگروہ اور سردار ابوسفیان الموسی تھا۔

مروی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر سے مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے تو مدینہ منورہ کے وہ اصحاب جو کسی عذر سے پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ مقام ''روحا'' میں جو مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ہے آئے اور شرف استقبال سے مشرف ہوئے اور معذرت خواہی کی یہاں سب کی معذرت قبول فرمائی گئی اس لیے کہ یہ کسی متعین منصوبے کے تحت قتال کیلئے نکلنا نہ ہوا تھا بلکہ محض قافلہ کی سرکوبی وتاراجی منظور تھی۔ قتال تو اچانک واقع ہوگیا تھا لہٰذا کعب بن مالک سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی غزوے میں تخلف نہ کیا مگر غزوۂ تبوک میں۔ اس کے سوا میں نے غزوۂ بدر میں تخلف کیا اور کسی تخلف کرنے والے پر اس وقت یعنی بدر کے موقع پر عتاب نہ فرمایا گیا۔ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے قافلہ کے قصد سے ہی نکلے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر قصد اور تعین کے اچانک مسلمانوں اور دشمنوں کو جمع کرا دیا۔ انتہی۔ اس کے باوجود امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کر دیا ہے کہ فرمایا: لَایَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَنْ بَدْرٍ وَّالْخَارِجُوْنَ اِلٰی بَدْرٍ. بدر سے رہ جانے والے اور بدر کی طرف جانے والے مسلمانوں کے درمیان برابری نہیں ہے۔''

اس جگہ ایک عجیب وغریب حکایت لوگوں میں مشہور ہے وہ یہ کہ بدر کے پہاڑوں میں ایک جگہ ہے اس جگہ سے اس نقارہ کی سی آواز سنی گئی جو بادشاہوں کے زمانہ میں فتح ونصرت کے علامت کے طور پر بجایا جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حق تعالیٰ کی جانب سے اس

وادی میں مسلمانوں کی فتح ونصرت کی علامت کیلئے سنائی گئی تھی۔اس جگہ فتح مبین اورنصرت عظیم واقع ہوئی ہے۔گزشتہ علماء سے سنا گیا ہے کہ اس جگہ ہوا اس طرح لہراتی ہے کہ اس کی مانند آواز پیدا ہو جاتی ہے۔(واللہ اعلم)

صاحب مواہب لدنیہ جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عجیب وغریب آثار کے بیان کرنے کے شائق اور متلاشی رہتے ہیں۔ اس بات کو اعتبار واعتماد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ اکثر اوقات بہت سے ان حاجیوں سے جو اس جگہ سے گزرتے ہیں سنا کرتا تھا کہ وہ کہتے ہیں وہاں نقارہ جیسی آواز سنائی دیتی ہے۔مگر میں ان کی اس بات کا انکار کرتا رہتا تھا اور ہمیشہ ان کی بات کی تاویل کر دیتا تھا کہ ممکن ہے وہ جگہ سخت ہو اور چوپایوں کے سموں کی آواز گونجتی ہو۔اس پر وہ کہتے کہ وہاں کی زمین نرم وریگزار ہے اور وہاں جو اونٹ وغیرہ چلتے ہیں تو وہاں کی سخت زمین میں بھی ان کے پاؤں کی آواز نہیں پیدا ہوتی چہ جائیکہ نرم وریگزار جگہ میں آواز پیدا ہو۔وہ فرماتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا اور مجھے اس مقام شریف میں پہنچنے کی سعادت نصیب فرمائی تو میں سواری سے اتر کر پیدا چلنے لگا۔میرے ہاتھ میں کیکر کی لکڑی کی چھڑی تھی۔فرماتے ہیں کہ میں ان باتوں کو بالکل بھول گیا تھا جو میں لوگوں سے اس جگہ کے بارے میں سنا کرتا تھا۔میں دو پہر کے وقت جارہا تھا کہ ایک اونٹ والے نے مجھ سے کہا۔کیا تم نقارہ کی مانند آواز سنتے ہو؟ جب میں نے وہ آواز سنی تو میں لرز گیا اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور مجھے لوگوں سے سنی ہوئی حکایتیں یاد آ گئیں۔اس وقت فضائے آسمانی میں ہوا چل رہی تھی میں نے پھر نقارہ کی مانند آواز سنی جس سے میں مدہوش ہو گیا اور مجھ پر ایسی فرحت وہیبت طاری ہوئی کہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میری کیا حالت تھی۔اس کے بعد مجھے شک گزرا اور میں نے خیال کیا کہ شاید میرے ہاتھ میں جو چھڑی ہے اس سے ہوا ٹکراتی ہو اور میں ایسی آواز محسوس کرتا ہوں چونکہ اس عظیم الشان نشانی کی جستجو کا حریص ومتلاشی تھا لہٰذا میں نے اپنے ہاتھ سے چھڑی پھینک دی اور زمین پر بیٹھ گیا۔میں نے پھر نقارہ کی مانند آواز کو سنا جس سے میں حیرت ودہشت سے کھڑا ہو گیا۔یہ آواز اتنی صاف ومحقق تھی کہ میں کوئی شک وشبہ نہ کر سکا کہ یہ آواز نقارہ کی ہے یا کسی اور چیز کی۔ہم یمن کے نواح سے مکہ کی طرف جارہے تھے کہ ہم نے مقام بدر میں نزول کیا اور تمام دن بار بار اس آواز کو سنتا رہا۔مجھے بتلایا گیا ہے کہ یہ آواز ہر ایک نہیں سن سکتا۔(انتہی)

راقم السطور عفا اللہ عنہ یعنی شیخ محقق مؤلف مدارج النبوۃ رحمۃ اللہ جب اس مقام شریف میں پہنچ کر اس سے مشرف ہوئے اور بدر کے اس میدان کی زیارت کی جہاں مسلمانوں نے فتح ونصرت پائی تھی۔اس میدان کے مشاہدے سے وہ معرکہ جس میں حضور سیّدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام نے جنگ فرمائی اور مظفر ومنصور ہوئے یاد آ جاتا اور عالم تصور میں وہ منظر کھنچ جاتا۔میں نے اس جگہ کے دیکھنے اور اس آواز کے سننے کا ارادہ کیا۔میں نے اس وادی کے لوگوں کی اس جماعت سے جو وہاں کھڑی تھی حقیقت حال دریافت کی تو انہوں نے کہا۔ذٰلِكَ شَيْءٌ قَدْ يَكُوْنُ وَقَدْ لَايَكُوْنُ. یہ صحیح کبھی سنائی دیتی ہے اور کبھی نہیں سنائی دیتی۔انہوں نے اتنے اصرار سے کہا کہ میری طلب وشناخت نے شوق نے مزید ابھارا (واللہ اعلم) جب میں مکہ مکرمہ میں آیا اور وہاں کے علماء ومشائخ سے میں نے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی کہا (واللہ اعلم) ایک اور بات بڑی عجیب اور مضحکہ خیز یہ ہے جسے کہنا تو نہ چاہئے بہر حال میں جب اس مقام کی جستجو وتلاش میں گیا جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان بدر میں قیام فرمایا تھا اور ان بشارتوں کی جگہ کو دیکھنا چاہا جس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نشان دہی فرمائی تھی۔جسے میں نے تاریخ مدینہ میں بھی بیان کیا ہے تو اچانک مجھے وہاں ایک جاہل اعرابی کھڑا ملا۔وہ بار بار یہ کہتا جاتا تھا یہ ابوجہل کا مقام ہے اور کبھی کہتا یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقام ہے۔یہ ابوجہل کا مقام ہے جب اس نے بار بار یہی کہا تو میں نے کہا ''رح لعنة الله عليه'' یعنی تو جا ابوجہل پر خدا کی لعنت ہو۔تو اس نے بحکم جاہلیت جو اس کی طبیعت میں رچی ہوئی تھی کہا ''لالا كان قريشيا'' نہیں نہیں ایسا نہ کہو وہ قریشی تھا۔

سریۂ عمیر بن عدی: دوسرے سال کے واقعات میں سے حضرت عمیر بن عدی بن خرشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کو روانہ کرنا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمیر کو عصماء بنت مروان یہودیہ زوجہ یزید بن خطمی یہودی کے قتل کیلئے بھیجا۔ یہ ملعونہ عورت عصماء بڑی بے حیا اور یہودی عورتوں میں مشہور زبان دراز تھی۔ ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کی برائیاں کرتی اور مذمت کرتی رہتی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر ایذا پہنچاتی رہتی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو عصماء کے گھر پہنچے اور اس کے گھر میں داخل ہو گئے۔ اس کا گھر مدینہ سے باہر تھا۔ اس عورت کے قریب بچے تھے جن میں سے ایک کو وہ دودھ پلا رہی تھی۔ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان بچوں کو اس سے دور کیا اور اپنی تلوار اس کے سینہ پر رکھ کر پشت سے گزار دی اور اسی رات لوٹ آئے۔ صبح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا ''اس مروان کی لڑکی کو قتل کر دیا؟ عرض کیا ''ہاں'' فرمایا: لَا يَنْتَطِحُ فِيهَا عَنْزَانِ یہ کہاوت اور مثل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی مرتبہ سنی گئی۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے۔

مواہب میں ہے کہ حضرت عمیر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نابینا تھے۔ معارج النبوۃ میں کہا گیا ہے کہ عمیر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نابینا قدیم الاسلام تھے۔ محبت الٰہی میں خلوص نیت اور صفائے عقیدت رکھتے تھے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بسلامت مدینہ منورہ واپس لے آیا تو اس ملعونہ کو قتل کروں گا۔ حضرت عمیر نور بصر نہ رکھنے کے سبب سفر میں (یعنی بدر میں) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی سے رہ گئے تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقامت یعنی مدینہ منورہ میں داخل ہو کر اسے ٹٹول کر دیکھا کہ ایک بچہ اس کی چھاتی سے دودھ پی رہا ہے پھر اس بچے کو اس سے جدا کیا۔ (باقی قصہ اوپر مذکور ہو چکا ہے)

حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خوف سے کہ اس میں کوئی معصیت تو نہیں ہوئی ہے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے فعل کے بارے میں دریافت کیا کہ اس سے مجھ پر کچھ واجب تو نہیں ہوتا؟ لَا يَنْتَطِحُ فِيهَا عَنْزَانِ۔ یہ پہلی کہاوت ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی گئی۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذَا اَحْبَبْتُمْ اَنْ تَنْظُرُوْا اِلٰی رَجُلٍ نَصَرَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ بِالْغَيْبِ فَانْظُرُوْا اِلٰی عُمَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ۔ اگر تم محبوب رکھتے ہو کہ اس شخص کو دیکھو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی بے دیکھے مدد کی تو تم عمیر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھو۔'' اس وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس نابینا کو دیکھو کہ کتنی سعی کی اور خدا اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کیا کام کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں اعمیٰ یعنی نابینا نہ کہو بلکہ بصیر (دیکھنے والا) کہو۔ (انتہیٰ) مخفی نہ رہنا چاہئے کہ معارج النبوۃ کے سلسلے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فعل کو حِسْبَةً لِلّٰهِ۔ بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے کیا ہے۔ اسی بنا پر انہوں نے سریہ عمیر بن عدی۔ کا عنوان بھی نہیں دیا جس طرح کہ روضۃ الاحباب میں عنوان قائم کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

غزوۂ قرقرۃ الکدریٰ: دوسرے سال ہی میں غزوۂ قرقرۃ الکدریٰ واقع ہوا ہے۔ یہ ایک مقام کا نام ہے اور قرقرۃ زمین ''ملساء مطمئنہ'' کا نام اور ''کدریٰ'' ایک پرندہ کی قسم ہے جس کا رنگ تیرگی میں ہوتا ہے۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک میں لوگوں نے یہ خبر پہنچائی کہ قبیلہ بنی سلیم اور غطفان کے لوگ یہاں مجتمع ہو رہے ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین وانصار کی ایک جماعت بنا کر اور ایک علم مرتب کر کے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرما کر تشریف لے چلے اور مدینہ میں حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابن ام کلثوم کو خلیفہ بنایا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم اس جگہ پہنچے تو وہاں کسی کو نہ پایا۔صحابہ کی ایک ٹولی کو ان کی تلاش میں بھیجا تا کہ حزم واحتیاط کر لی جائے اور خود اپنے صحابہ کے ساتھ بطن وادی میں تشریف لے گئے۔وہاں بہت سے چرواہے ملے جو اونٹوں کو چرا رہے تھے ان میں ایک غلام تھا جس کا نام ''یسار'' تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا بنی سلیم اور غطفان کس جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں۔اس نے بتایا کہ پانی کے کنارے اترے ہوئے تھے اب معلوم نہیں کہاں ہیں۔اس کے بعد فرمایا ان تمام اونٹوں کو مدینہ منورہ کی طرف لے جاؤ۔ارباب سیر کہتے ہیں کہ وہ پانچ سو اونٹ تھے۔(واللہ اعلم) صحابہ کی تعداد دو سو تھی۔تقسیم کے وقت پانچواں حصہ نکالنے کے بعد ایک ایک صحابی کے حصہ میں دو دو اونٹ آئے۔معارج میں ہے کہ بعضوں نے تعداد زیادہ بتائی ہے۔اس روایت کے بموجب یا تو صحابہ کی تعداد دو سو سے کم ہوگی یا اونٹوں کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہوگی (واللہ اعلم) ''یسار'' رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آیا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزاد کر دیا۔حضور کے آزاد کردہ غلاموں میں یسار بہت مشہور ہیں مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھ رہے تھے تو حضور نے ملاحظہ فرمایا کہ یسار صحابہ کے ساتھ نماز میں مشغول ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یسار کی یہ حالت پسند آئی اور اسی وقت آزاد کر دیا۔اس مقام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت اقامت تین دن تھی۔بعض نے دو دن کہا ہے اور اس سفر کی مجموعی مدت پندرہ دن تھی۔بعض اہل سیر اس غزوۂ کو غزوۂ سویق کے بعد بیان کرتے ہیں اور بعض تیسرے سال کے واقعات میں شمار کرتے ہیں۔

سریہ سالم بن عمیر: مواہب لدنیہ میں غزوۂ قرقرۃ الکدر کے بعد سریہ سالم بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سالم بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابی عفکہ یہودی کے پاس بھیجا۔یہ یہودی بہت بوڑھا تھا اور اس کی عمر ایک سو بیس سال کو پہنچ گئی تھی۔یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف لوگوں کو ورغلاتا اور ابھارتا تھا۔ایسے اشعار پڑھتا تھا جس میں لوگوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منحرف ہو جانے کی ترغیب ہوتی تھی۔حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی طرف گئے اور اپنی تلوار اس کے جگر کے نیچے گھونپی اور اسے چرخ دیا۔وہ دشمن خدا چیخا اور جان دیدی۔روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ میں اس سریہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

غزوۂ قینقاع: اس کے بعد غزوۂ قینقاع (بفتح قاف وسکون یا وتثلیث نون اور پیش زیادہ مشہور ہے) واقع ہوا۔مدینہ منورہ میں یہ یہودی کی ایک بستی کا نام ہے اس بستی کے یہودی شجاعت اور صبر والے تھے۔یہ غزوۂ ہجرت کے بیسویں مہینہ کے شروع میں نصف شوال کو واقعہ بدر کے ایک ماہ بعد واقع ہوا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد کفار کی تین قسمیں بن گئی تھیں۔ایک قسم کفار کی وہ تھی جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کر لی تھی اور عہد کر لیا تھا کہ نہ تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کریں گے اور نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان کے دشمنوں کی مدد کریں گے۔اگر دشمن چڑھ کر آ جائیں گے تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں گے۔اس معاہدہ صلح میں یہودیوں کے تین گروہ تھے۔بنو قریظہ' بنو نضیر اور بنو قینقاع اور کفار کی دوسری قسم کی جنگجویوں کی تھی۔وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی وعداوت کے مقام میں کھڑے تھے جیسے قریش ان کے حلیف ومددگار وغیرہ اور کفار کی تیسری قسم وہ تھی جو نہ دوست تھے اور نہ دشمن جیسے عرب کے طوائف ومختلف قبیلے۔وہ انجام کار کے انتظار میں تھے کہ کیا پیش آتا ہے اور اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اپنی قوم کے ساتھ کس طرح نبٹتا ہے۔ان میں سے کچھ لوگ تو وہ تھے جو دل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ وفتح کی خواہش رکھتے تھے اور کچھ لوگ اس کے برعکس تھے۔کچھ لوگ ان میں سے ظاہر میں دوستی اور موافقت کا اظہار کرتے تھے اور باطن میں دشمن ومخالف تھے۔یہ لوگ منافق کہلاتے تھے کیونکہ ان کا باطن ظاہر کے خلاف تھا

اوران کا دل اوران کی زبان ایک نہیں تھی۔سب سے پہلے یہودیوں میں سے جس نے عہد کو توڑا اوروہ بنوقینقاع تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے ساتھ نصف شوال میں واقعہ بدر کے ایک ماہ بعد جنگ کی۔

مروی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر سے واپس تشریف لائے تو بنوقینقاع کے یہودیوں نے بغض وحسد اور عناد کا اظہار کیا اور کہنے لگے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان لوگوں کے ساتھ جنگ کی ہے جو محاربہ کا علم بخوبی نہ جانتے تھے۔اگر ہمارے ساتھ جنگ کریں تو معلوم ہو جائے کہ کس طرح ہم ان کے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ان کا نقض عہد کا سبب یہ ہوا تھا کہ ایک مسلمان عورت بازار میں ایک سنار کے آگے بیٹھی تھی کہ ایک یہودی اس عورت کے پیچھے آیا اور اس نے اس کا دامن اٹھا کر اس کی پشت کی جانب سے باندھ دیا۔مواہب میں اس فعل کو اس زرگر (سنار) کی طرف منسوب کیا ہے۔جب وہ عورت کھڑی ہوئی تو اس کا ستر کھل گیا اس پر لوگ ہنسنے لگے۔پھر وہ عورت فریاد کرنے لگی ایک مسلمان اس جگہ کھڑا تھا اس نے تلوار کھینچ کر اس یہودی کو یا اس سنار کو قتل کر دیا۔پھر یہود قوم جمع ہوئی اور اس مسلمان کو شہید کر دیا۔جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ سے باخبر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم یہود کو بلا کر نصیحت فرمائی کہ اس قسم کی حرکت سے باز آجاؤ اور اے قوم یہود خدا کے غضب سے ڈرو کہ کہیں تمہیں بھی وہ کچھ نہ پہنچے جو قریش کو پہنچا ہے۔اس پر وہ تمام یہود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بیہودہ گوئی کرنے لگے اور نامعقول باتیں بکنے لگے۔اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ یہ قوم نقض عہد پر آمادہ ہے۔اس کے بعد جبریل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے۔وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ ۝ اے محبوب! اگر آپ اس معاہدہ قوم کے نقض عہد سے ان واضح نشانیوں کے باوجود جو آپ پر روشن ہو چکی ہیں ڈرتے ہیں تو ان کے عہد کو ان کی طرف بر طریق عدل وراستی لوٹا دو۔جنگ کرنے میں جلدی نہ کرنا تا کہ تمہاری جانب سے خیانت لازم نہ آئے۔بیشک اللہ خیانت کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی تیاری شروع فرما دی اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ میں خلیفہ بنایا اور ایک علم سفید حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرمایا اور ان کی جانب متوجہ ہو گئے اور پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کئے رہے۔اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب وہیبت ڈال دیا اور وہ اپنے محصور ہو جانے سے تنگ آ گئے تو وہ اترے اور اس پر راضی ہو گئے کہ ان کے تمام اموال حضور کے ہوں گے اور ان کی عورتیں اور بچے ان کے رہیں گے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ان کے ہاتھ ان کی پشتوں پر باندھ دیئے جائیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کو قتل کرنے کا حکم فرمائیں۔عبداللہ بن ابی بن سلول مشہور منافق نے ان کے گناہوں کے بارے میں درخواست کی کہ ان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعراض فرمائیں اور وہ سوال کرنے ''گڑگڑانے'' بے حیائی اور بے ادبی میں حد سے گزر گیا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے چھوڑنے پر بہت تنگ کر دیا چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اور اس کی قوم پر لعنت بھیج کر ان کے خون سے درگزر فرمایا اور حکم فرمایا کہ وہ جلا وطن ہو جائیں۔یعنی مدینہ کی آبادی سے نکل جائیں۔ابن سلول اس میں بھی بہت گڑگڑایا مگر حضور نے قبول نہ فرمایا اور بنوقینقاع کا حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی کوئی معاہدہ وحلف تھا وہ بھی بحکم خدا اور رسول ایک ساتھ معاہدہ وحلف سے دستبردار ہو گئے۔ان کو گھروں سے نکال دیا پھر وہ ''اذرعات'' (بفتح ہمزہ وسکون ذال وضم راء) علاقہ شام میں ایک زمین ہے وہاں جا کر شامل ہو گئے۔کچھ زمانہ کے بعد وہ سب ہلاک ہو گئے اور ان کا مال واسلحہ مسلمانوں کا مال غنیمت بنا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے ان میں سے تین کمانیں، تین تلواریں اور تین نیزے منتخب فرمائے اور ایک زرہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور ایک زرہ سعد بن معاذ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ان میں تین سو یہودی زرہ پوش تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اس مال میں سے پانچواں حصہ (خمس) جدا کریں۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ پہلا خمس ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جدا کیا گیا۔

نماز عید قربان اور قربانی: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی قینقاع سے واپس تشریف لائے تو نماز عید قربان ادا فرمائی اور اغنیا صحابہ کے ساتھ قربانی کی۔

امیہ بن صلت شاعر کا مرنا: اسی سال امیہ بن الصلت شاعر فوت ہوا ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت میں دینی جذبہ رکھتا تھا اور خدا پرستی کا خواہاں تھا۔ اس نے پچھلی کتابیں پڑھی تھیں اور دین نصاریٰ اختیار کرلیا تھا اور بتوں کی پرستش سے اس نے کنارہ کشی کرلی تھی اور وہ نور نبوت کے ظہور کا منتظر تھا۔ اپنی ذات میں خوبیوں محسوس کر کے اپنی نبوت و رسالت کا خبط سا گیا۔ جب اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ظہور کی خبر سنی تو حسد اور سابقہ شقاوت ازلی کی بیماری میں گرفتار ہو کر کفر و انکار کی ضلالت میں پڑ گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے شعروں کو سن کر جو علم و حکمت کی باتوں پر مشتمل تھے اس کے بارے میں فرمایا: اٰمَنَ شِعْرُہٗ وَ کَفَرَ قَلْبُہٗ اس کی زبان ایمان لاتی ہے اور اس کا دل کفر کرتا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اٰمَنَ شِعْرُہٗ وَ کَفَرَ قَلْبُہٗ. اس کے اشعار سے ایمان چھلکتا ہے اور اس کا دل کفر کرتا ہے۔

غزوۂ سویق: اس کے بعد ماہ ذی الحجہ کی پانچ راتیں گزرنے کے بعد غزوۂ سویق واقع ہوا۔ محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ ماہ صفر میں یہ غزوہ واقع ہوا۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ ابوسفیان اموی نے غزوۂ بدر کی واپسی کے بعد قسم کھا رکھی تھی کہ وہ اس وقت تک عورتوں کو نہ چھوئے گا اور نہ تیل ڈالے گا جب تک کہ اصحاب رسول سے انتقام نہ لے لے۔ چنانچہ ابوسفیان قریش کے دو سو سوار ایک دوسری روایت کے مطابق چالیس سوار لے کر مکہ سے باہر نکلا اور مقام عریض تک آ پہنچا۔ یہ مقام مدینہ منورہ کے ایک گوشہ میں تین میل کی مسافت پر ہے۔ تو یہاں اس نے کھجوروں کا ایک باغ جلا دیا اور ایک انصاری کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد ابوسفیان نے یہ گمان کیا کہ اس نے اپنی قسم پوری کرلی ہے اور اصحاب رسول سے انتقام لے لیا ہے۔ وہ مکہ کی طرف لوٹ گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو سو مہاجر و انصار کی جماعت کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھ بوجھ کم کرنے کی غرض سے، راستہ میں سویق یعنی ستو پھینکتے گئے تھے۔ کیونکہ ان کا اکثر زادراہ یہ سویق ہی تھا۔ مسلمانوں نے اس کو اٹھالیا اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۂ سویق کہتے ہیں اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ اس سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانچ دن مدینہ طیبہ سے غائب رہے تھے۔ بعض اہل سیر غزوۂ سویق کو تیسرے سال میں بیان کرتے ہیں۔

اسی سال ماہ ذوالحجہ میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہوئے اور ماہ شوال میں حضرت عبداللہ ابن زبیر کی ولادت واقع ہوئی۔

ہجرت کے تیسرے سال کے واقعات

ہجرت کے تیسرے سال غزوۂ غطفان واقع ہوا۔ اس کو غزوۂ بنی ام (بفتح ہمزہ و میم) اور غزوۂ انمار (بفتح ہمزہ و سکون نون) بھی کہتے ہیں۔ یہ مقام نجد کے علاقہ میں سے یہ غزوہ بارہ ربیع الاوّل کو واقع ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ خبر ملی بنی ثعلبہ اور محارب کے لوگ نجد کے علاقہ میں مقام ذی امر میں جمع ہوئے ہیں تا کہ مدینہ منورہ کے گرد و پیش غارت گری کریں۔ ان کو دعثور (بفتح دال و سکون عین) بن

حارث محاربی نے مجتمع کیا ہے۔خطیب بغدادی نے اس کا نام ''غواث'' (بفتح غین وسکون واؤ) بیان کیا ہے۔ یہ ایک دلیر اور جنگجو شخص تھا۔حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو طلب فرمایا اور پھر حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم چار سو پچاس سواروں کے ساتھ باہر تشریف لے چلے۔ مدینہ منورہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا۔ جب حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر پہنچے تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور پہاڑوں میں روپوش ہوگئے۔ مسلمانوں کو بنی ثعلبہ کا ایک شخص ملا اسے پکڑ کر حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دعوت اسلام دی اور وہ مسلمان ہوگیا۔اس کو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہم نشینی میں دے دیا۔

اتفاق سے بارش ہوگئی جس سے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس اطہر اور صحابہ کے کپڑے بھیگ گئے۔حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لباس کو اتار کر خشک ہونے کیلئے ایک درخت کی شاخ پر پھیلایا اور خود اس درخت کے نیچے آرام فرما ہوگئے۔وہ لوگ پہاڑ سے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہے تھے۔انہوں نے دعثور سے کہا ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تنہا ایک درخت کے نیچے ٹیک لگائے تشریف فرما ہیں۔حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ سے دور ہیں۔امید ہے کہ تو ان پر قابو پالے گا۔دعثور شمشیر اٹھا کر حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے آکر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا آج کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچائے گا؟ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ وہی میرا محافظ ہے۔'' اس کے بعد جبریل علیہ السلام نمودار ہوئے اور ایک ہاتھ دعثور کے سینہ پر مارا' وہ گر پڑا۔حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور فرمایا ''کون ہے جو تجھے مجھ سے بچائے گا؟'' اس نے کہا کوئی نہیں اور میں کہتا ہوں ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ'' حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلوار اسے دے دی اور وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ گیا۔اس کی قوم نے اس سے کہا کہ تجھے کیا ہوگیا کہ تو تلوار سونت کر ان کے سرہانے بھی پہنچ گیا مگر کوئی وار نہ کیا۔اس نے کہا' میں نے ایک مرد سفید بلند و بالا دیکھا جس نے ایک ہاتھ میرے سینہ پر مارا جس سے میں پیٹھ کے بل زمین پر گر پڑا۔اس کے بعد دعثور نے اپنی قوم کو دعوت اسلام دی۔اس وقت یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْهَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ	اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہوئی۔ جب ایک قوم نے ارادہ کیا کہ تمہاری جانب دست درازی کرے تو اللہ نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے۔

اس کے بعد حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔اس سفر کی مدت گیارہ روز تھی۔

مواہب لدنیہ میں ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ واقعہ غزوۂ ذات الرقاع میں ہوا تھا۔انتہی۔مگر میں بتوفیق الٰہی کہتا ہوں کہ جو واقعہ غزوۂ ذات الرقاع میں صلوٰۃ خوف کی حدیث کے ضمن میں صحیح بخاری میں ہے۔ یہ ہے کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے محو خواب تھے اور آپ کی تلوار درخت کی شاخ سے آویزاں تھی۔اس وقت ایک اعرابی آیا اور حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کھینچ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کھڑا ہوگیا۔حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوگئے۔اعرابی نے کہا من یمنعك منی مجھ سے آپ کو کون بچائے گا؟'' حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ!'' اس کے بعد حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ سے تلوار چھین کر اسے دھکا دے دیا۔ بخاری میں اس کے ایمان لانے کا ذکر نہیں ہے مگر قسطلانی نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ وہ اسلام لے آیا اور وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ گیا۔پھر اس کے ذریعہ ایک خلق عظیم نے راہ ہدایت پائی۔اس کا مفصل تذکرہ غزوۂ ذات الرقاع میں انشاء اللہ آئے گا۔

قتل کعب بن اشرف یہودی: ہجرت کے تیسرے سال کے واقعات میں سے کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا قصہ ہے اور

یہ چودہ ربیع الاول کی رات میں واقع ہوا۔ مواہب میں اس کا عنوان ''سریہ محمد بن مسلمہ'' رکھا ہے۔ کعب بن اشرف ایک شاعر تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ہجو میں مشغول رہتا تھا اور کفار قریش کو جنگ کی ترغیبیں دیتا تھا۔ جب فتح بدر کی خبر اسے پہنچی اور اس نے سنا کہ صنادید قریش مارے گئے ہیں تو بہت ملول ہوا وہ قریش کی مزاج پرسی کیلئے مکہ گیا اور مقتولوں پر نوحہ اور مرثیہ خوانی کی۔ اس ضمن میں قریش کو جنگ پر ابھارا جب اس ملعون کی بری خصلت کی اطلاع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ نے حق تعالیٰ کی جانب میں دعا کی کہ ابن اشرف کے شر سے ہمیں محفوظ رکھ جس طرح کہ تو چاہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا اور اس کے حضور سے اس کے ہلاک وقتل کرنے کا حکم ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ کچھ لوگوں کو اس کے قتل کرنے کیلئے بھیجو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے تم میں سے جو ابن اشرف کے شر سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ اس کی عداوت ہم پر خوب ظاہر ہو چکی ہے اور وہ ہماری اور مسلمانوں کی برائیاں کرتا ہے۔ وہ مشرکوں کو ابھارتا اور انہیں جنگ پر مجتمع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے اور حکم فرمایا ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیۃ کریمہ کی تلاوت فرمائی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝

کیا تم نے ان لوگوں کو نہ دیکھا جن کو توریت کا کچھ حصہ ملا وہ نفس وشیطان کی پیروی کرتے ہیں اور ان لوگوں سے کہتے ہیں جنہوں نے کفر کیا اور یہ لوگ ایمانداروں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت بھیجتا ہے اور جس پر اللہ کی لعنت ہو تو اس کا کوئی بھی مددگار نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں مشورہ کریں۔ چار اور صحابہ نے بھی محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اتفاق کیا یعنی ابو نائلہ رضی اللہ عنہ (جس کا نام ملکان بن سلام تھا اور وہ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی اور زمانہ جاہلیت میں اس کے مشیر تھے) عباد بن بشر، حارث بن اوس بن معاذ اور ابو عیسیٰ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ سب قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ روضۃ الاحباب میں اس قصہ کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ہم نے بخاری کی حدیث کو ماخذ قرار دے کر اس کا ترجمہ کیا ہے اور اس کی موافقت [illegible] اور کمی وزیادتی کو اس ترجمہ کے ساتھ شامل کر دیا ہے۔ امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کے بارے میں فرمایا کہ کون ہے جو کعب بن اشرف کو قتل کرنے کیلئے تیار ہے۔ اس لیے کہ وہ خدا اور اس کے رسول کو ایذائیں پہنچاتا ہے۔ اس پر محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا آپ پسند فرماتے ہیں کہ میں اسے ہلاک کروں۔ فرمایا ہاں۔ پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''اگر اس کے قتل میں حیلہ جوئی کی جائے اور اسے فریب دیا جائے اور ایسی باتیں اس سے کی جائیں جو بظاہر شکایت اور نقض عہد بجناب رسالت سے متعلق ہوں تو کیا اس کے کہنے کی اجازت ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو چاہو کہو اور اسے جس طرح چاہو قتل کرو۔ اس کے بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعب کے پاس گئے اور اس سے کہنے لگے یہ شخص یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے صدقات مانگتا ہے یعنی زکوٰۃ وغیرہ میں اموال طلب کرتے ہیں۔ ہمیں دشواری ومشقت میں ڈال رکھا ہے (یعنی صدقات لینے اور احکام شرعیہ میں عمل کرانے سے) بخاری کی حدیث میں اتنا ہی ہے مگر روضۃ الاحباب میں اس قصہ کو اس سے زیادہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ ''یہ

شخص یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے سراسر آفت ہیں اور اہل عرب ہم سے جنگ کرنے کے درپے ہو گئے ہیں۔ تجارت و آمد و رفت کی راہ کو مسدود کر رکھا اور ہر وقت ہم سے صدقہ وغیرہ طلب کرتے ہیں حالانکہ ہم اتنا بھی حاصل نہیں کر سکتے جس سے ہم گزر سکیں۔ ہم کو رنج و تعب میں ڈال رکھا ہے۔'' کعب نے کہا'' بخدا ابھی سے تم ان سے ملول ہو گئے ہو۔ مطلب یہ کہ ابھی کیا ہوا ہے اس سے زیادہ ملال اور محنت و مشقت ان سے اٹھاؤ گے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا'' اب تو خود ہم اس کی پیروی کرتے ہیں اور انہیں قول دے دیا ہے اور ہم پسند نہیں کرتے کہ فوراً اپنے قول سے پھر جائیں۔ وہ ملعون اس بات سے بہت خوش ہوا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہم مشورہ سے اس کام میں مامور تھے۔ ابونائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے کہا ہمیں تم سے ایک ضرورت لاحق ہو گئی ہے کہ تم ہمیں وسق یا دو وسق شک راوی ہے از قسم عطام ہمیں قرض دو۔ وسق (بفتح واؤ وسکون سین) ایک وزن ہے جو ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ ایک روایت میں وسق کا ذکر نہیں ہے اتنا ہی ذکر ہے کہ ہمیں از قسم طعام قرض چاہئے۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں بیان کیا گیا ہے۔ کعب نے کہا'' ہم ہاں تمہیں قرض دیں گے اس شرط پر کہ تم کچھ میرے پاس گروی رکھو۔ انہوں نے کہا کیا چیز گروی رکھیں۔ کعب نے کہا اپنی عورتوں کو گروی رکھ دو۔ انہوں نے کہا ہم عورتوں کو کیسے گروی رکھ سکتے ہیں کیونکہ تم بہت خوبصورت اور خوش شکل ہو اور عرب کی عورتیں خوبصورتی اور خوش شکلی پر فریفتہ ہو جاتی ہیں۔ مبادا وہ اس میں گرفتار ہو کر مبتلا ہو جائیں۔'' انہوں نے یہ نہیں کہا کہ تو مبتلا ہو جائے اور ان عورتوں سے بدکاری کرنے لگے۔ بناوٹی ادب و تعظیم کی بنا پر کعب کی طرف بدکاری کی نسبت کرنے سے بچے کہ کہیں وہ ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اس نے کہا اگر عورتوں کو گروی نہیں رکھ سکتے تو اپنے بچوں کو گروی رکھ دو۔ انہوں نے کہا ہم بچوں کو گروی کیسے رکھ سکتے ہیں' لوگ ہمیں اس پر گالیاں دیں گے اور عیب لگائیں گے کہ ایک وسق یا دو وسق کھانے کے بدلے بچوں کو گروی رکھ دیا۔ یہ بات ہمارے لیے باعث شرم ہے لیکن ہم اپنے لامہ یعنی ہتھیار کو گروی رکھ سکتے ہیں۔ لامہ کی تفسیر اسلحہ کے ساتھ ہی کی گئی ہے مگر اہل لغت کہتے ہیں کہ لامہ کے معنی زرہ کے ہیں' پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعدہ کیا کہ اسے ہم رات میں لے آئیں گے۔ چنانچہ وہ رات میں آئے ان کے ساتھ ابونائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ ابونائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح محمد بن مسلمہ بھی اس کے رضاعی اخوت کی نسبت رکھتے تھے۔ بہرحال محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابونائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعب کو آواز دی۔ اس نے ان کو اپنے مکان کے اوپر بلانا چاہا اور انہوں نے چاہا کہ وہ اتر کر نیچے آئے تو وہ نو بیاہتا شخص تھا۔ اس کی بیوی نے اس سے کہا کہاں جا رہے ہو اور کس واسطے اس وقت تم باہر نکل رہے ہو؟ کعب نے کہا'' یہ کوئی غیر نہیں ہیں محمد بن مسلمہ اور اپنے بھائی ابونائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔'' بیوی نے کہا'' میں نے اس مرد کی آواز سنی ہے اس کی آواز سے خون ٹپک رہا ہے'' حیرت ہے کہ عورت نے اس مفہوم کو کہاں سے پالیا۔ ممکن ہے آواز بلند کرنے میں سختی ہو گئی ہو اور اس میں کرختگی پیدا ہو گئی ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ بات اس نے وقت وحال کے مشاہدہ سے جانی کیونکہ بے وقت رات میں ان کا آنا غیر عادی بات ہے۔ اس خصوصیت کی بنا پر اس نے جانا جس کا اسے پہلے علم تھا کہ تمام صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صدق محبت اور صفائے عقیدت رکھتے ہیں۔ یہ بدبخت کعب اس کا شوہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کے ساتھ خبث وعداوت رکھتا ہے۔ بے ارادہ اسے وحشت لاحق ہو گئی۔ ان تمام باتوں کے باوجود معلوم ہوتا ہے وہ عورت کسی قرینہ اور استدلال کے بغیر جان نہیں سکتی۔ قسطلانی کہتے ہیں یہ کنایہ طالب شر سے ہے اور ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ اِنِّیْ لَاَعْرِفُ فِیْ صَوْتِہِ الشَّرَّ (میں شر والی آواز کو پہچانتی ہوں) جب عورت نے اسے باہر نکلنے سے بہت زیادہ روکا تو کعب نے اس سے کہا'' عزت والے بزرگ شخص کو اگر اسے نیزہ مارنے اور قتل کرنے کیلئے بھی بلایا جائے تو یقیناً وہ بات مانتا اور بلانے والے کی طرف جاتا ہے۔ اس کے بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے چاروں ساتھیوں کے ساتھ جو باہم

اتفاق کرکے آئے تھے اور طے پایا تھا کہ جب کعب آئے گا تو میں اس کے سر کے بالوں کو سونگھوں گا اور جب تم دیکھو کہ میں نے بال مضبوطی سے پکڑ لیے ہیں تو تم تلوار سے گردن اڑا دینا۔ کعب چادر سے سر اور جسم کو لپیٹے نیچے آیا۔ اس کے سر سے خوشبو کی لپٹیں آ رہی تھیں۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''میں نے آج تک ایسی کوئی خوشبو نہیں دیکھی جیسی خوشبو تم سے آ رہی ہو۔ اس نے کہا'' میں نے عرب کی اس عورت سے نکاح کیا ہے جو خوشبو کو بہت پسند کرتی ہے اور ان میں وہ بہت خوبصورت'' محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا'' کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں تمہارے سر کی خوشبو کو سونگھوں؟'''' اس نے کہا' اجازت ہے'' انہوں نے اس کے بالوں کو پکڑ کے سونگھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی سنگھایا۔ پھر چھوڑ دیا۔ دوسری مرتبہ پھر سونگھا اور بالوں کو مضبوطی سے ہاتھ میں لپیٹ لیا اور کہا'' اس دشمن خدا کی گردن اڑا دو'' انہوں نے اس ملعون کو قتل کر کے اس کے ناپاک جسم سے ناپاک سر کو جدا کر دیا اور مدینہ طیبہ کی طرف چل دیئے۔ اتفاق سے حارث بن اوس کو ساتھیوں کی تلوار سے زخم لگا یا اور کعب کے گھر اور قلعہ والے باہر نکل آئے اور ایک دوسرے پر پل پڑے۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکے۔ جب یہ صحابہ بقیع میں پہنچے تو بلند آواز سے تکبیر کہی۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام لیل میں مشغول تھے۔ جب ان کی تکبیر کی آواز سنی تو جان لیا کہ وہ اس کا کام تمام کر کے آ گئے ہیں۔ آپ نے بھی تکبیر بلند فرمائی۔ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے تو اس دشمن خدا کا پلید سر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ذلت وحقارت کے ساتھ ڈال دیا۔ یہ پہلا سر ہے جو اسلام میں کاٹا گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکر خدا ادا فرمایا۔ لعاب دہن شریف حارث بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس زخم پر لگایا جو ساتھیوں کی تلوار سے پہنچا تھا اور اس سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ زخم اسی وقت ٹھیک ہو گیا۔ الحمد للہ۔

اس جگہ بعض ناقص الفہم کج طبع لوگوں کو خیال ہوتا ہے کہ کعب بن اشرف کے قتل میں یہ حیلہ کرنا اور دغا سے بلا کر مار ڈالنا کیا بارگاہ نبوت کے لائق تھا! وہ اتنی بات نہیں سمجھتے کہ ان کا یہ خیال طبیعت کی کجی اور عدم فہمی پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ وہ واجب القتل تھا اور حق تعالیٰ نے اس کے قتل کا حکم فرمایا تھا اس کے ساتھ کسی قسم کا معاہدہ بھی نہ تھا اسے جس طرح بھی ممکن ہوتا بہر طور قتل ہی کیا جاتا اور اگر جنگ میں مارا گیا ہوتا تب بھی تو یہی بات تھی کیونکہ اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ جنگ ایک داؤ ہے۔ مشرکین کو قتل کرنا اور ان کے شر وفساد کو دور کرنا اصلاح عالم کے قصد اور اہل خیر کی بھلائی کیلئے ہے۔ بعینہ اس کی مثال یہ ہے کہ میوہ دار درختوں کی اصلاح وافزائش کیلئے بے کار اور زائد شاخوں کو درختوں سے چھانٹا جاتا ہے تاکہ درخت کی افزائش ہو اور اگر ان کی یہ اصلاح وچھانٹ نہ ہو تو درخت نہ تو پھل دے اور نہ وہ بڑھے۔ کیا بجائے خود ایمان وتصدیق حق نہیں ہے۔ کیا اس کے حق ہونے میں کوئی شک وشبہ ہے۔

غزوۂ نجران: اسی تیسرے سال کے واقعات میں سے غزوۂ نجران ہے۔ اس کو غزوۂ بنی سلیم بھی کہتے ہیں۔ یہ ''فرع'' کے نواح میں ہے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ وہاں بنی سلیم کے لوگ جمع ہو رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین سو صحابہ کی جماعت کے ساتھ تشریف لے گئے۔ آپ نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ وہ اپنے کنوؤں' تالابوں پر بکھرے ہوئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں گشت فرمائی لیکن کوئی مقابلے کیلئے نہ نکلا اس کے بعد آپ نے مراجعت فرمائی۔ اس وقت مدینہ منورہ میں حضرت ابن ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ یہ سفر دس دن کا تھا۔ جیسا کہ مواہب میں ہے اور یہ غزوۂ مواہب میں ہی تحریر ہے کسی اور کتاب میں مذکور نہیں ہے۔

سریۂ قردہ: اسی سال قردہ کی جانب ایک لشکر روانہ کیا گیا۔ قردہ (بفتح قاف وراء اور بعض کے نزدیک بکسر قاف وسکون راء بھی ہے۔ ایک چشمہ کا نام ہے جو نجد کے چشموں میں سے ہے' اس کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قریش کا ایک قافلہ عراق کے راستہ سے شام کو جا رہا ہے۔ اس سے پہلے قریش حجاز کے رستہ سے شام جایا کرتے تھے لیکن بدر کے واقعہ کے بعد وہ ڈرنے لگے۔

انہوں نے وہ راستہ چھوڑ دیا۔ انہوں نے عراق کا راستہ اختیار کر لیا۔ وہ ایک کثیر جماعت کے ساتھ تجارت کیلئے نکلے تھے۔ اس قافلہ میں ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ بھی تھا۔ ان کے ساتھ کثرت سے مال اور چاندی کے برتن تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہجرت کے اٹھائیسویں مہینے ماہ جمادی الآخر کی پہلی تاریخ کو سو سواروں کے ساتھ روانہ فرمایا۔ وہ اس قافلہ کے سر پر پہنچ گئے' قافلہ کے بڑے بڑے لوگ بھاگ کھڑے ہوئے بقیہ پورے قافلہ کو گرفتار کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خمس اس میں سے جدا کر لیا جائے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ خمس بیس ہزار درہم اور ایک روایت میں پچیس ہزار درہم کا تھا۔ باقی مال غنیمت کو اہل سریہ تقسیم کیا گیا۔ ابن اسحٰق نے اس قضیہ کو کعب بن اشرف کے قتل کے قضیہ سے پہلے بیان کیا ہے۔

تاجر حجاز ابورافع کا قتل: اسی سال کعب بن اشرف کے قتل کے بعد تاجر حجاز ابورافع کا قتل واقع ہوا۔ اس کا قتل کعب کے قتل سے زیادہ عجیب وغریب ہے۔ صحیح بخاری میں اس باب میں دو حدیثیں ہیں اور ان میں قدرے اختلاف مذکور ہے۔ ہم ان دونوں حدیثوں کو نقل کرتے ہیں۔ روضۃ الاحباب میں ارباب سیر کہتے ہیں کہ ایک قول کے بموجب اس کا قتل چوتھے سال میں ہے۔ ایک قول کے بموجب پانچویں سال میں اور ایک قول سے چھٹے سال میں۔ قوی ترین وہی قول ہے۔ اس واقعہ کا تذکرہ ہم اس جگہ اس طریقہ سے کرتے ہیں جس طرح کعب کے قتل کا قصہ بیان کیا ہے۔ صحیح بخاری میں بھی ایسا ہی مذکور ہے۔ قسطلانی نے شرح میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ چھٹے سال کے ماہ رمضان میں واقع ہوا۔ ابورافع کا نام عبداللہ بتاتے ہیں اور بعض سلام (بتشدید لام اور بتخفیف لام) کہتے ہیں اور یہ ابی الحقیق (بصیغہ تصغیر) کا بیٹا اور کنانہ بن ابی الحقیق کا بھائی تھا۔ جو صفیہ کا شوہر تھا۔ اس کا ذکر غزوۂ خیبر میں آئے گا۔ یہ ابورافع' زمین حجاز میں ایک قلعہ کے اندر رہتا تھا۔ وہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانے میں مشغول رہتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ میں مشرکوں کی اعانت کرتا تھا۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ جب محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے (جو قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے) بتوفیق الٰہی کعب کے قتل کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ قبیلہ خزرج کے لوگوں میں بھی ولولہ پیدا ہوا کہ وہ بھی کعب کی مانند کسی اعداء دین کے قتل کا کام سرانجام دیں۔ باہمی مشورہ کے بعد انہوں نے ابورافع کو منتخب کیا۔ یہ بھی پیغمبر خدا اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں مشغول رہتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ میں اپنے مال ومنال سے مشرکوں کی مدد کرتا تھا۔ اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں ابورافع کے قتل کا شوق نہیں دلایا تھا بلکہ اہل خزرج نے اس کے قتل کی ازخود درخواست کی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔ خزرج والوں نے اپنی ایک جماعت اس کام کیلئے مقرر کر دی اور ان پر عبداللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنایا۔ اجازت کے بعد خیبر کی جانب جہاں ابورافع قلعہ میں رہتا تھا روانہ ہوئے۔ جب یہ وہاں پہنچے تو غروب آفتاب کا وقت تھا اور قوم کے جانور چراگاہ سے لوٹ کر قلعہ میں داخل ہو رہے تھے۔ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم اس جگہ بیٹھے رہو' میں قلعہ کے دربان سے میل جول پیدا کر کے تمہیں بھی داخل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ پھر وہ قلعہ کے قریب گئے اور انہوں نے اپنے سر کو لپیٹا اور اس طرح بیٹھ گئے جیسے قضائے حاجت کیلئے بیٹھتے ہیں۔ خود ایسا بنالیا گویا وہ اسی قلعہ کے باشندے ہیں۔ اس کے بعد دربان نے کہا "او بندۂ خدا اگر تو آنا چاہتا ہے تو جلدی آ کیونکہ میں دروازہ بند کروں گا۔ چنانچہ میں قلعہ میں داخل ہو کر جہاں گدھے بندھے ہوئے تھے وہاں چھپ کر بیٹھ گیا۔ میں وقت کا انتظار کرتا رہا جب لوگ ابورافع کے پاس سے کھانا کھا کر باتیں کر کے چلنے لگے اور وہ اس کے پاس سے نکل گئے۔ حرکات ساکن ہو گئے اور آوازیں بیٹھ گئیں یعنی سنسان اور ہو کا عالم طاری ہو گیا۔ میں نے دربان کو دیکھا کہ دروازے کی چابی طاقچہ میں رکھ کر سونے کیلئے چلا گیا ہے۔ میں اٹھا اور چابی

اٹھا کر دروازہ کو کھول دیا۔ یہ میں نے اس لیے کیا کہ اگر بالفرض قلعہ والوں کو میری خبر ہو جائے اور وہ مجھے جان لیں تو نکل کر بھاگ سکوں۔ اس کے بعد میں نے ابورافع کی جستجو کی۔ دیکھا کہ وہ بالا خانہ میں ہے اور جاگ رہا ہے اور قصہ خواں اسے قصہ سنا رہا ہے۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ وہ اسے افسانہ سنا رہا تھا۔ جب فارغ ہو گیا تو ابورافع سونے کیلئے چلا گیا۔ ان کے بعد میں نے بالا خانہ کے دروازے کھولے اور اندر چلا گیا اور جس کمرے کو میں کھولتا اسے اندر سے بند کر لیتا تا کہ اگر کسی کو میری آہٹ ہو جائے تو وہ مجھ تک نہ پہنچ سکے۔ یہاں تک کہ میں اس کمرے تک پہنچ گیا جہاں ابورافع کا کمرہ واقع تھا۔ میں نے اسے دیکھا کہ وہ اندھیرے کمرے میں اپنے اہل وعیال کے درمیان سو رہا ہے لیکن میں اتنا نہ جان سکا کہ وہ کمرے کے کس گوشہ میں سو رہا ہے۔ کیونکہ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس وقت میں نے اسے آواز دی اور میں نے پکارا۔ ''او ابورافع! وہ جاگ اٹھا اور کہنے لگا'' ''یہ کون ہے؟'' پھر میں نے اس کی آواز کی طرف تلوار چلائی۔ اس انتہائی خوف ودہشت کی بنا پر جو اس وقت مجھ پر طاری ہو گئی تھی تلوار کا وار کارگر نہ ہوا اور ابورافع چیخنے چلانے لگا' میں کمرہ سے باہر نکل آیا۔ کچھ دیر بعد میں اس کے کمرے میں داخل ہوا اور اپنی آواز کو بدل کر گویا میں اس کی مدد کرنے کیلئے آ گیا ہوں۔ میں نے کہا ''اے ابورافع! یہ آواز کیسی تھی؟'' اس نے کہا ''تیری ماں پر افسوس ہو کوئی شخص گھر میں ہے' اس نے تلوار کا مجھ پر وار کیا ہے۔'' اس مرتبہ بھی میں نے اس کی آواز پر تلوار ماری اب بھی اس کا وار کارگر نہ ہوا تو میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ میں گھونپ دی۔ اتنا زور لگایا کہ وہ اس کی پشت سے پار ہو گئی اور ہڈیوں کے ٹوٹنے کی میں نے آوازیں سنیں۔ اس کا کام تمام ہو گیا۔ پھر میں نے کمرے کے دروازے کھول کر زینہ میں داخل ہو کر نیچے آنا چاہا۔ چاندنی رات تھی میں نے خیال کیا کہ زمین ہے قدم بڑھایا دھڑام سے گر پڑا اور میرا پاؤں ٹوٹ گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔ پھر میں نے ٹوٹی ٹانگ پر اپنی دستار باندھی اور ایک پاؤں سے کودتا چل دیا اور اپنے ساتھیوں میں جا کر مل گیا۔ ہم اس وقت تک وہاں ٹھہرے رہے جب تک کہ ہم نے قلعہ کے باہر سے رونے پیٹنے اور نالہ وشیون کرنے کی آوازیں نہ سن لیں۔ ہم نے سنا لوگ کہہ رہے تھے کہ تاجر حجاز ابورافع مارا گیا۔ پھر میرے ساتھی مجھے اٹھا کر مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور بشارت دیتے ہوئے فرمایا ''اے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تمہیں مبارک ہو۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میری ٹوٹی ہوئی ٹانگ پر پھیرا' وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئی اور میں اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔

صاحب روضۃ الاحباب فرماتے ہیں کہ ابورافع کے قتل کے سلسلہ میں یہ روایت بخاری میں مرقوم ہے۔ سیر کی دیگر کتابوں میں اسے اور طریقہ سے بیان کیا گیا ہے لیکن جو کچھ صحیح بخاری میں مذکور ہے اس کا بیان کرنا زیادہ بہتر ہے۔

امام حسن مجتبیٰ کی پیدائش: اسی تیسرے سال میں پندرہ ماہ رمضان مبارک کو سبط رسول فلذۃ بتول ریحانہ مشموم امام مسموم نور دیدۂ مصطفیٰ امام حسن مجتبیٰ علی جدہ وعلیہ التحیۃ والثناء کی ولادت باسعادت ہوئی۔

نکاح سیّدہ اُم کلثوم بعثمان ذوالنورین: اسی سال سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ان کی ہمشیرہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرمانے کے بعد جن کی وفات غزوۂ بدر کے زمانہ میں ہوئی تھی سیّدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ساتھ منعقد ہوا۔

اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی کو اور سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خزیمہ کو اپنے عقد نکاح میں لائے۔

غزوۂ احد

اسی تیسرے سال ہجرت میں غزوۂ احد واقع ہوا جو ماہ شوال کی گیارہ راتیں یا سات راتیں گزرنے کے بعد ہوا۔ بعض لوگ نصف شوال کہتے ہیں اور مالک سے منقول ہے کہ بدر کے ایک سال بعد واقع ہوا اور انہیں سے یہ بھی منقول ہے کہ ہجرت کے اکتیسویں مہینہ کے شروع میں واقع ہوا۔ یہ غزوۂ بھی غزوات عظیمہ میں سے ہے۔ غزوات اسلام اور قوت دین میں یہ غزوۂ بدر کی مانند ہے بجز اس بات کے کہ بدر میں حسن و جمال اور فضل و کمال تھا اور غزوۂ احد میں حق تعالیٰ کی کبریائی اور اس کے جلال کا کرشمہ بھی ہے۔ اس بنا پر اس میں بدر کے قیدیوں کے فدیہ کا بدلہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس بنا پر بھی کہ بعض اصحاب اس مرکز استقامت سے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے متعین فرمایا تھا متزلزل ہوئے اور ثابت قدم نہ رہے اور مال غنیمت اور دنیاوی ساز و سامان کے اکٹھا کرنے کی طرف مائل ہو گئے۔ جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے: مِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ. کچھ لوگ تم میں سے دنیا کی خواہش رکھتے ہیں اور کچھ آخرت کا ارادہ رکھتے ہیں۔'' اس آیت میں اس متزلزل و وحشت کے سوا ان چیزوں کا بھی اشارہ فرمایا گیا جو آئندہ ذکر کی جائے گی۔ معارج میں کہا گیا ہے کہ وحشت میں مبتلا کرنے والا غزوۂ احد کا ہے اور آخر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی فتح و نصرت اور عزت و رفعت واقع ہوئی۔ مواہب میں بعض علماء سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو یہ کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست و ہزیمت ہوئی۔ اس سے توبہ کرائی جائے اور اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دینا چاہیے۔ اس لیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یقین کامل پر گامزن تھے لہٰذا ہزیمت کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا یقین کے نفی کو مستلزم ہے اور یہ موجب کفر ہے۔

احد (بضم ہمزہ حا) مدینہ منورہ کا ایک مشہور پہاڑ ہے اور یہ توحد سے بنا ہے۔ اس بنا پر کہ یہ دیگر پہاڑوں سے علیحدہ منفرد اور منقطع ہے۔ یہ پہاڑ کا ایک ٹکڑا ہے یہ مدینہ منورہ کے شمال کی جانب دو میل یا اس سے کچھ زیادہ مسافت پر واقع ہے۔ کوئی پہاڑ اس سے ملا ہی نہیں ہے۔ اس بنا پر اس کا نام احد ہے۔ یہ اہل ایمان و توحید کی نصرت کا مقام ہے۔ اس نکتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نام کا اس پر اطلاق اہل اسلام کی شہرت اور فضیلت دینے سے ہوا ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس پر اس نام کا اطلاق وجود اسلام سے پہلے سے ہے۔ احادیث کریمہ میں اس پہاڑ کے بکثرت فضائل وارد ہوئے ہیں اور کتاب ''جذب القلوب الی دیار المحبوب'' میں ان سب کو بیان کر دیا گیا ہے۔

جبل احد شریف کی فضیلت میں یہ حدیث بہت مشہور ہے کہ اُحُدٌ جَبَلٌ يُّحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ. احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔ ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک احد پہاڑ پر پڑی تو تکبیر بلند کر کے فرمایا۔ هٰذَا جَبَلٌ يُّحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ عَلٰى باب من ابواب الجنة. یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں جو جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہے۔ پھر مدینہ منورہ کے جنوب کی جانب ایک پہاڑ ہے جس کا نام ''عیر'' (بفتح عین و سکون یاء) ہے۔ اس کی شان میں فرمایا عَيْرٌ جَبَلٌ يُّبْغِضُنَا وَنُبْغِضُهٗ عَلٰى بَابٍ مِّنْ اَبْوَابِ النَّارِ. عیر وہ پہاڑ ہے جو ہم سے بغض و عداوت رکھتا ہے اور ہم بھی بغض و عداوت اس سے رکھتے ہیں۔ یہ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغض و عداوت اور سعادت و شقاوت جمادات میں بھی پیدا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث مذکور میں جانبین سے محبت یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے جبل احد کی طرف نسبت اور جبل احد کی جانب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت حقیقت پر محمول ہے۔ لہٰذا جبل احد جنت میں داخل ہوگا جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوں گے۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ. ''جو جس کے ساتھ محبت رکھے گا اسی کے ساتھ ہوگا۔''

پہاڑوں میں عشق ومحبت کا پیدا فرمانا، جمادات میں وجود تسبیح کے حکم پر ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ کائنات کی ہر چیز حق تعالیٰ کی حمد وتسبیح کرتی ہے اور جبکہ پہاڑ اور تمام جمادات حق تعالیٰ کی حمد وتسبیح اور اس کے ذکر کا محل ہیں تو اگر اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کے ساتھ بھی وہ موصوف ہوں تو کیا مشکل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جلیل المنزلت پہاڑ سے فرمانا کہ اُسْکُنْ یَا اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَیْکَ نَبِیٌّ اَوْ شَہِیْدٌ. اے احد ساکن رہ بلاشبہ تجھ پر نبی یا شہید ہے۔ یہ ارشاد عقل و فہم اور عشق ومحبت جو کہ لوازم فہم وعقل کے وجود پر دلیل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھروں کا سلام کرنا اور آپ کی جدائی میں استن حنانہ کا رونا اس مقصد پر دلائل واضح ہیں۔ محبت وعداوت کو وہاں کے رہنے والوں کی محبت وعداوت سے تاویل کرنا از قسم جہالت ونادانی ہے۔ اسی طرح یہ جو بعض کہتے ہیں کہ یہ ارشاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے اس مسرت وخوشی کے اظہار کی طرف اشارہ فرمانا ہے جو سفر سے واپسی کے وقت جبل احد کے دیکھنے سے جو اعظم وارفع آثار وعلامات اس شہر مدینہ طیبہ کا حامل ہے۔ مسرت وخوشی حاصل ہوتی ہے اور وہ زبان حال سے شہر مدینہ کے قریب ہونے اور وہاں کے رہنے والوں سے محبت کرنے کی خبر دیتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر اور بشارت دی ہے اور یہ کام محبت کرنے والوں کا ہے بغیر اس قید کے کہ علم وعقل اور قیاس کے ساتھ کوئی تنگی ودشواری ہو۔ لیکن تحقیقی بات وہی ہے جو ارباب بصیرت نے فرمائی ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ یہ بحث طویل ہے اب ہم اپنے مقصود کی طرف لوٹتے ہیں جو غزوۂ احد سے متعلق ہے۔

جب مشرکین قریش بدر سے بھاگ کر مکہ پہنچے اور ابوسفیان اپنے قافلہ کو مکہ لے آیا اور قافلہ کے مال کو ''دارالندوہ'' میں رکھا صنادید قریش اور ان کے بیٹے بدر میں مارے گئے تو ابوسفیان نے لوگوں سے کہا کہ اپنے اموال سے ہماری اعانت کرو تا کہ اس سے ایک لشکر کا سامان فراہم کریں اور اپنا کینہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نکالیں اور ان سے جنگ کر کے اپنا انتقال لیں۔ افسوس تم لوگ کتنے بے عقل ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سے تو اپنا کینہ نکالنے کی خواہش رکھتے ہو لیکن تم سے خدا جو (شرک وکفر اور ایذا رسانی کا) بدلہ لے گا اس کا علاج تمہارے پاس کیا ہے۔ کیا کرو گے کیوں کہ وہ فرماتا ہے: اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ. ''ہم مجرموں سے انتقال لینے والے ہیں۔''

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ تمام مال ایک ہزار اونٹ کے بوجھ کا تھا اور راس المال یعنی اصل قیمت اس کی پچاس ہزار مثقال تھی اور اس کا نفع بیس ہزار مثقال تھا چنانچہ انہوں نے راس المال تو مالکوں کو لوٹا دیا اور نفع کو لشکر کی تیاری کیلئے روک لیا۔ ان لوگوں کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَسَیُنْفِقُوْنَھَا ثُمَّ تَکُوْنُ عَلَیْھِمْ حَسْرَۃً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ ۵

بیشک جنہوں نے کفر کی اپنے اموال کو خدا کی راہ سے روکنے کیلئے خرچ کرتے ہیں تو وہ ان اموال کو خرچ کریں گے۔ اس کے بعد ان پر حسرت ہوگی پھر وہ مغلوب ہوں گے۔

اس کے بعد انہوں نے عرب کے چرب زبانوں کی ایک جماعت کو جن میں عمرو بن العاص بھی تھے قبائل عرب کی طرف بھیجا تا کہ ان کو مدد واعانت پر آمادہ کریں اور بہت بڑا لشکر جمع کریں اور ان کے ہم خیال ایک دل بن جائیں۔ عورتوں کی ایک ٹولی بھی ان کے ہمراہ بھیج تا کہ وہ بدر کے مقتولوں پر جن کے زخم ابھی تازہ تھے نوحہ کریں اور ایسے گانے گائیں جن سے جوش انتقال پیدا ہو۔ ان میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کا ولولہ ابھرے اور اس میں وہ مضبوط رہیں۔ اگرچہ ابوسفیان اس میں چنداں راضی نہ تھا لیکن اس کی بیوی ہندہ دختر عتبہ بن ربیعہ عورتوں کے بھیجنے میں مصر رہی۔ جب موجودہ لشکر کی گنتی کی گئی تو یہ تین ہزار نفری پر مشتمل تھا جن میں سات سو زرہ پوش تھے اور دو سو گھوڑے تھے، تین ہزار اونٹ اور پندرہ سو عورتوں کے ہودج تھے۔ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کیلئے نکل پڑے۔

سبحان اللہ کہاں جا رہے ہیں اور کس کام کیلئے جا رہے ہیں۔ کس سے جنگ کا ارادہ کر رہے ہیں۔ (نعوذ باللہ من الغفلۃ والشقاوۃ)

حضرت عباس بن عبدالمطلب نے جو اس وقت مکہ میں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خط بھیجا جس میں لشکر کفار کی تعداد اور اس کی پوری کیفیت درج تھی اور قاصد کو حکم دیا کہ وہ تین دن میں یہ خبر پہنچا دے۔

اس کے بعد لشکر کفار مدینہ طیبہ کی طرف چل دیا۔ اس لشکر کی سرداری ابوسفیان کے سپرد کی گئی کیونکہ وہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور دشمنی میں بہت سخت تھا۔ جب یہ لشکر کفار ذوالحلیفہ پہنچا جو مدینہ سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے تو اس نے وہاں تین دن قیام کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن المنذر کو جو صاحب عزم اور رزم تھے۔ لشکر کفار کی تعداد اور کیفیت معلوم کرنے کیلئے روانہ کیا چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ لکھا تھا یہ بھی ویسی ہی خبر لائے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ اَللّٰھُمَّ بِکَ اَحُوْلُ وَبِکَ اَصُوْلُ. "ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین وکیل ہے۔ اے خدا تجھ سے ہی میں طاقت مانگتا ہوں اور تجھ ہی سے میں رعب و دبدبہ چاہتا ہوں۔" اس میں اشارہ ہے کہ اگر کسی کو ایسی خبر ملے جس میں کسی دشمن وغیرہ کی طرف سے خوف وہراس ہو تو چاہئے کہ وہ بارگاہ الٰہی کی طرف رجوع کرے۔ اس پر توکل کرے اور اس سے استعانت واستمداد کی کوشش کرے۔

معارج النبوۃ میں واقدی سے منقول ہے کہ جب یہ مشرکین "ابواء" میں پہنچے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی قبر اطہر ہے تو انہوں نے چاہا کہ حضرت آمنہ کی قبر کو کھود کر ہڈیاں نکال لیں تاکہ اگر بالفرض ہماری عورتیں ان کی قید میں چلی جائیں تو ہم کہیں کہ تمہاری والدہ کی "عظام رَمیم" یعنی قبر کی ہڈیاں ہمارے قبضہ میں ہیں تو وہ لامحالہ اس کے بدلہ میں ہماری عورتوں کو واپس کر دیں گے۔ اگر عورتیں ان کی قید میں نہ آئیں تو ہم مال کثیر کے بدلہ میں یہ ہڈیاں ان کے حوالہ کر دیں گے۔ جب انہوں نے ابوسفیان سے اس بارے میں مشورہ کیا تو اس نے ان کی رائے کو بودہ اور کم عقل قرار دیا اور کہا کہ بنو بکر اور خزاعہ جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف و دوست ہیں اگر وہ اس بات پر مطلع ہو جائیں گے تو وہ ہمارے مردوں کی تمام قبروں سے ان کی ہڈیاں نکال لیں گے۔

اس کے بعد ابوسفیان وہاں سے لشکر کفار کے ساتھ چل دیا اور احد کے کنارے بطن وادی میں مدینہ طیبہ کے مقابل پڑاؤ ڈال دیا۔ جمعہ کی رات گزار کر ہفتہ کے دن فریقین ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے۔ بعض مشاہیر صحابہ نے مثلاً حضرت سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ اور سیّد بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دلاوران صحابہ کی جماعت کے ساتھ مسلح ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کیلئے کھڑے ہو گئے اور تمام رات جاگ کر پہرہ دیا۔ بعض اور مسلمانوں نے بھی اس رات مدینہ میں پاسبانی کی۔ "اس رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا جب صبح ہوئی تو فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں گایوں کو ذبح کر رہا ہوں اور میں نے دیکھا کہ میری تلوار میں رخنہ پڑ گیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ میں نے اپنے ہاتھوں کو زرہ میں مضبوطی سے ڈال لیا ہے۔" مواہب لدنیہ میں خواب کو اسی طرح بیان کیا گیا ہے لیکن روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ میں نے ایک زرہ پہن رکھی ہے اور ذوالفقار میں چند رخنے پڑ گئے ہیں اور گایوں کو مار ڈالا گیا ہے۔ اس کے پیچھے ذبح کیا ہوا دنبہ ہے۔ "ذوالفقار" منبہ بن حجاج سہمی کی تلوار کا نام ہے جو غزوۂ بدر کی غنیمت میں حاصل ہوئی تھی اور اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں کیلئے لے لیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ غزوۂ خندق میں آپ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی۔ صحیح بخاری میں مطلقاً تلوار بیان کی گئی ہے لیکن قسطلانی نے کہا ہے کہ مراد ذوالفقار ہے۔ نیز صحیح بخاری میں خواب کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تلوار کو گھما رہا ہوں تو وہ صدر یعنی درمیان سے ٹوٹ گئی۔ اس سے یہ تعبیر نکلی کہ مسلمانوں کو شکستگی

اور ہزیمت اٹھانی پڑی۔ فرماتے ہیں میں نے اس تلوار کو دوبارہ گھمایا تو وہ پہلے سے بہتر ہوگئی۔ اس کی یہ تعبیر تھی کہ بعد میں مسلمانوں کو فتح واجتماع سے حق تعالیٰ نے بہرہ ور فرمایا۔ ''اس خبر اور خواب کو روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ میں بیان نہیں کیا گیا۔''

اب باقی رہی وہ بات جو خواب کی بقیہ تعبیر کے سلسلہ میں بیان ہوئی ہے زرہ محکم سے مدینہ طیبہ اور ذوالفقار کے رخنہ سے مراد وہ مصیبت تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی چنانچہ آپ کا لب' دندان اور رخسار شریف مجروح ہوئے۔ ارباب سیرؔ فرماتے ہیں کہ ذوالفقار کے رخنہ سے مراد اہل بیت رسول میں سے کسی شخص کا شہید ہو جانا ہے۔ چنانچہ سیّد الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت واقع ہوگئی اور گایوں سے مراد صحابہ کرام کی شہادت ہوگی جو روز احد واقع ہوئی۔

مخفی نہ رہنا چاہئے کہ بقر اسم جنس ہے اور مواہب نے جو یہ کہا ہے کہ بقر سے مراد میرے صحابہ میں سے وہ لوگ مراد ہیں جو شہید ہوئے ہیں۔ بہتر ہے لیکن کبش یعنی دنبہ اس سے لشکر کفار مراد ہے۔ مطلب یہ کہ ان میں کوئی بڑا شخص ہے اور ان بڑوں میں سے ایک نام ''کبش الکتبہ'' بتاتے ہیں جو مارا گیا ہے۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے اور معارج النبوۃ میں ہے کہ اس سے دشمنوں کے بڑے لوگ مراد ہیں۔ (کذا قالو)

اس مسکین (یعنی مولف مدارج النبوۃ) کے ذہن میں ایسا آتا ہے کہ بقر سے عام صحابہ مراد ہوں گے اور کبش (دنبہ) سے خالص صحابی وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں جو حملہ کرنے میں مینڈھے کی مانند تھے (واللہ اعلم)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ انصار کے وہ حضرات جو غزوۂ بدر میں حاضر نہ ہوئے تھے۔ وہ عدم حاضری پر حسرت وافسوس کا اظہار کرتے رہتے تھے اور خواہش رکھتے تھے کہ کوئی ایسا قضیہ اور معرکہ پیش آئے جس میں اس کوتاہی کی تلافی اور جبر مافات کر سکیں۔ جس طرح کہ انہوں نے کعب بن الاشرف کے قتل میں خواہش کی تھی اس جیسی خدمت میں ہمارے ہاتھ سے بھی واقع ہوتا کہ ہم بھی پیچھے نہ رہیں۔

مسلمانوں کے درمیان اختلاف رائے واقع ہوا تھا بعض کی رائے یہ تھی کہ مدینہ طیبہ سے باہر نہ نکلنا چاہئے اور عورتوں اور بچوں کو کسی محفوظ جگہ بھیج دینا چاہئے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے شریف بھی انہیں کے موافق قائم ہوئی تھی اور عبداللہ بن ابی منافق بھی یہی رائے دیتا تھا لیکن حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہاجرین کی ایک جماعت' حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اوس وخزرج کے لوگ رائے دینے لگے کہ ہم نے مدینہ میں پناہ لے کر مقابلہ کیا تو دشمن اسے ہماری کمزوری پر محمول کرے گا جو اس کی جرأت وقوت کا موجب بنے گا۔ ہمیں حق تعالیٰ نے روز بدر باوجود یہ کہ ہم تین سو سے زیادہ نہ تھے اپنی نصرت سے سرفراز فرمایا تھا۔ آج تو بحمد اللہ ہمارا لشکر قوی' مستحکم اور بہت زیادہ ہے اور ہمارا دبدبہ اور رعب بہت ہے اور ہم مدتوں سے ایسے وقت کی آرزو میں تھے۔ مالک بن سنان' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ! خدا کی قسم ہمارے لیے دونوں صورتیں اچھی ہیں کامیاب وفتح یاب ہوں یا شہادت پائیں۔ ہمیں دونوں ہی محبوب ہیں۔'' حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر قرآن کریم نازل فرمایا۔ میں اس وقت روزہ افطار نہ کروں گا جب تک کہ میں مشرکوں کے ساتھ اپنی تلوار سے جنگ نہ کروں۔'' نعمان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انصار میں جانباز اور دلاوروں میں سے تھے۔ عرض کرنے لگے۔ ''یا رسول اللہ! گایوں کا ذبح ہونا جو خواب میں آپ کو دکھایا گیا ہے وہ میرا قتل ہونا ہے اور قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں میں جنت میں داخل ہوں گا۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کس سبب سے؟ عرض کیا'' اس سبب سے کہ میں خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں اور معرکہ جنگ سے میں منہ نہیں موڑتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم ٹھیک کہتے ہو اور حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ احد میں واقع شہادت پائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن صادق اگر یقین کرے بلکہ قسم کھائے کہ

میں جنت میں داخل ہوں گا تو درست ہوگا اور اچھا ارادہ کرنا ہی چاہئے۔ یہ حقیقت میں امید کا غلبہ اور وعدہ حق پر وثوق اور اس کی ذات پر حسن ظن ہے۔ انه لایجیب من رجاه. بلا شبہ حق تعالیٰ اسے ناامید نہیں فرمایا جو اس سے امید رکھے۔

غرضیکہ صحابہ کرام نے از حد مبالغہ اور اصرار کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکل کر جنگ کرنے کی طرف مائل ہو جائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رضامندی ظاہر فرمادی اگرچہ جبراً تھی۔ (واللہ اعلم)

اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے خطبہ میں لوگوں کو پند و نصائح فرمائے اور جد و جہد کی تلقین فرمائی۔ خبر دی کہ اگر تم نے صبر کیا اور ثابت قدمی دکھائی تو تمہاری نصرت ہوگی۔ حکم فرمایا کہ لشکر کو ترتیب میں مشغول ہو جائیں۔ اس پر وہ حضرات جو باہر نکل کر جنگ کرنے کے خواہش مند تھے بہت خوش ہوئے۔ جب آپ نے نماز عصر ادا فرمائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ شریف میں داخل ہوئے۔ حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ کی خدمت بجالانے کیلئے حجرے میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر دستار شریف کو درست کیا اور زرہ کو زیب تن اقدس کرایا۔ تمام اسلحہ جسم اطہر پر لگائے۔ حجرہ مبارکہ کے باہر ایک خلق کثیر صف باندھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے انتظار میں کھڑی تھی۔ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ زمام اختیار آپ کے دست اقدس میں ہی دیدی جائے اور آپ کو مجبور نہ کیا جائے اور نہ اصرار و مبالغہ کیا جائے۔ یہ گفتگو کر رہے تھے کہ خواجہ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیمات حجرہ مبارکہ سے مسلح' زرہ پہنے اور سر مبارک پر دستار شریف باندھے کمر سے پٹکا باندھے' تلوار حمائل کئے' نیزہ ہاتھ میں لیے خراماں خراماں باہر تشریف لائے۔ جب صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ہیبت میں دیکھا تو سب حیران و پشیمان ہوگئے۔ سب بیک زبان عرض کرنے لگے۔ "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ آپ کی رائے مبارک کے خلاف کچھ کہیں۔ جو بھی آپ کی مرضی مبارک ہو ہم وہی کریں گے' ہم سے غلطی ہوئی کہ اس باب میں ہم نے اصرار کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے میں تم سے کہہ رہا تھا تم نے نہ سنا اور برابر مبالغہ و اصرار کرتے رہے اب سزاوار نہیں ہے کہ جب اللہ کا نبی سلاح پہن لے تو اسے اتارے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان حکم و فیصلہ نہ فرمادے۔ اب جو کچھ میں تم سے کہوں اور کروں' سنو اور عمل کرو اور صبر و استقامت پر رہو۔ تمہاری نصرت ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ کی ابتدائے کار ہی اختلاف و کراہت پر تھی اور بالآخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی اختیار فرمانا پڑا کہ باہر نکلیں اور بحکم الٰہی: فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (جب تم عزم کرلو تو اللہ پر توکل کرو) اس وقت تین علم مرتب کئے گئے۔ مہاجرین کا علم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو' بعض کہتے ہیں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا اور قبیلہ "اوس" کا علم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور قبیلہ خزرج کا علم حضرت خباب بن المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا۔ حضرت عبداللہ بن ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ میں خلیفہ مقرر کیا اور احد کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اسلامی لشکر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ ان میں سو زرہ پوش تھے۔ لشکر اسلام کی تعداد ایک ہزار تھی اور ایک روایت کے بموجب نو سو تھی۔ سعدین یعنی حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں زرہ پہنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چل رہے تھے۔ جب یہ منزل شیخین میں پہنچے تو لشکر کا ایک غول دیکھا ان کی آواز کی سختی و کرختگی حضور کے سمع مبارک میں پہنچی۔ دریافت فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ عبداللہ ابن ابی حلیف یہود کے لوگ ہیں۔ فرمایا: لَا تَسْتَنْصِرُوْا بِاَهْلِ الشِّرْكِ عَلٰى اَهْلِ الشِّرْكِ. "شرک والوں کے ساتھ مشرکین پر مدد نہ لو۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ لشکر اسلام کی گنتی کی اور صحابہ کے بچوں کی ایک ٹولی کو ملاحظہ فرمایا اور ان کو ان کی صغرسنی کی بنا

پر مثلاً عبداللہ بن عمر بن خطاب، زید بن ثابت، اسامہ بن زید، زید بن ارقم، براء عازب، ابوسعید خدری، سمرہ بن جندب اور رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ کو فرمایا کہ یہ سب مدینہ منورہ واپس چلے جائیں۔ یہ کرنے لگے۔''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رافع تیرانداز ہے'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شامل لشکر رہنے کی اجازت دے دی۔ پھر سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رافعہ کو تو شمولیت کی اجازت مل گئی حالانکہ میں ان کو کشتی میں پچھاڑ سکتا ہوں۔ فرمایا اچھا تم دونوں کشتی کر کے دکھاؤ۔ جب کشتی ہوئی تو سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رافع کو پچھاڑ لیا اس پر سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی شمولیت کی اجازت مل گئی۔

جب آفتاب غروب ہو گیا تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان دی، آپ نے نماز باجماعت ادا فرمائی۔ رات اسی منزل میں ہوگئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی نجار میں قیام فرما تھے۔ آپ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پچاس افراد کے ساتھ لشکر کی پاسبانی کیلئے مقرر فرمایا۔ مشرکین قریب آتے اور دیکھتے کہ لشکر اسلام کیا کرتا ہے۔ لشکر کفار میں بھی عکرمہ بن ابوجہل کو مقرر کیا گیا کہ وہ لشکر کفار کی پاسبانی کریں۔ جب رات کا پچھلا پہر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور راہ بر کو طلب فرمایا تا کہ وہ دشمنوں کے سر پر عمدہ راستہ سے لے جائے۔ ابوخثیمہ حارثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خدمت کو قبول کیا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہوئے۔ ابوخثیمہ راہبر بنے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو احتیاط کے ساتھ احد تک پہنچا دیا۔ راہ میں ایک منافق کے احاطہ پر سے گزر ہوا جس کا نام مربع بن قبطی تھا جو ظاہر و باطن میں اندھا تھا۔ اس منافق نے لشکر اسلام پر خاک اچھالنا شروع کر دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا اگر آپ خدا کے رسول ہوتے تو میرے احاطہ میں داخل ہو کر میرے احاطہ کو خراب نہ کرتے۔ سعید بن زید اشہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے سر پر کمان مار کر اس کا سر توڑ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دَعْهُ فَاِنَّهُ الْاَعْمٰى اَعْمَى الْقَلْبِ. ''اسے چھوڑ دو یہ اندھا ہے، دل کا اندھا۔''

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد میں پہنچے تو نماز صبح کا وقت ہو گیا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان دی اور اقامت کہی۔ صفیں درست کی گئیں اور آپ نے نماز باجماعت ادا فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک زرہ اپنے جسم مبارک پر پہنے ہوئے تھے اس کے اوپر ایک زرہ زیب تن فرمائی اور خود سر مبارک پر رکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسباب کو اختیار کرنا اور اس سے لگاؤ رکھنا توکل کے منافی نہیں ہے کیونکہ سیّد المتوکلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کر کے بتایا ہے۔ درحقیقت، توکل، تقدیر الٰہی کے ساتھ اعتماد و بھروسہ رکھنا ہے اور اسباب سے علاقہ رکھنا یہ بھی منجملہ تقدیر اور داخل بندگی ہے۔ یہ کہ آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر شجاع تھے اور جو جتنا زیادہ شجاع ہو گا وہ جنگ میں اتنا ہی بے پرواہ نہ ہو گا اور وہ آلات حرب کی سب سے زیادہ نگہداشت کرے گا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی منافقوں کا سرگروہ تھا اپنے غول کے ساتھ جو اندازے میں تین سو تھے۔ اسی منزل سے یا اس سے پہلے لوٹ گیا لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ احد میں پہنچنے سے پہلے وہ سب واپس چلے گئے تھے کیونکہ احد مومنوں اور موحدوں کا مقام ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کفر و نفاق کی وجہ سے انہیں لوٹا دیا تھا۔

معرکۂ اُحد: وصل: جب لشکر اسلام احد میں پہنچا تو جانبین نے صفیں باندھیں۔ مسلمانوں نے احد کے نیچے یعنی اس کی جڑ میں صفیں باندھیں اور شور بختوں نے زمین شور میں صفیں باندھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود صحابہ کی صفوں کو درست فرما رہے تھے اور اس طرح صفیں باندھیں کہ احد پہاڑ پشت پر اور مدینہ مقابل یعنی سامنے آتا تھا۔ وہاں ایک پہاڑ ہے جسے عنین (بصیغہ تثنیہ اور بلفظ جمع بھی آیا ہے) کہتے ہیں اور یہ داہنی جانب واقع ہے۔ یہ عنین پہاڑ میں ایک شگاف تھا اور یہ خطرناک جگہ تھی۔ خطرہ تھا کہ دشمن پشت پر سے حملہ نہ کر دے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پچاس تیراندازوں کے ساتھ اس شگاف پر متعین

فرمایا کہ وہ اس کی حفاظت کریں اور لشکر کفار مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ نہ کرنے پائے۔ اگر وہ گھسنے کی کوشش کرے تو ان پر تیر اندازی کریں اور انہیں یہ تاکید بھی فرمائی کہ کوئی حال بھی ہو تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔ خواہ مسلمان غالب ہوں یا مغلوب۔ آپ نے تاکید میں مبالغہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اگر تم یہ دیکھو کہ ہمیں پرندے اٹھائے لیے جا رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا۔ جب تک کہ کسی کو تمہارے بلانے کیلئے نہ بھیجوں۔ اگر تم دیکھو کہ ہم نے لشکر کفار کو شکست دیدی ہے اس وقت بھی تم نہ ہلنا اور اگر وہ ہم سب کو قتل کر دیں تب بھی جنبش نہ کرنا۔

عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میمنہ پر اور ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میسرہ پر اور ابوعبیدہ بن جراح اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقدمہ یعنی ہراول پر اور مقداد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساقہ پر مقرر فرمایا۔

مشرکوں نے بھی اپنی صفوں کو درست کیا۔ خالد بن ولید کو میمنہ پر، عکرمہ بن ابی جہل کو میسرہ پر اور ابوسفیان کو قلب میں متعین کیا۔ صفوان بن امیہ کو ایک روایت میں ہے عمرو بن العاص کے پیچھے پہاڑ کے شگاف کے برابر میں مقرر کیا اور عبداللہ بن ربیعہ کو تیر اندازوں پر امیر بنایا اور جھنڈے کو طلحہ بن ابی طلحہ کے سپرد کیا۔ اسی کو کبش کتیبہ بھی کہتے ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جو شمشیر خواجہ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں تھی اس پر یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

فی الجبن عارونی الاقبال مکرمة　　　والمرء بالجبن لاینجو من القدر

بزدلی میں عار ہے، دشمن کا سامنا کرنے میں عزت اور آدمی بزدلی کر کے تقدیر سے نجات نہیں پا سکتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے۔ بہت سے لوگ اسے لینے کیلئے کھڑے ہو گئے مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس شمشیر کو اسی شان سے لیے رہے اور کسی کو نہ دی۔ پھر حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کا حق کیا ہے۔ فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ اس کو دشمنوں پر اتنا چلایا جائے کہ یہ گھس کر خم کھا جائے۔ ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اسے اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ تلوار عنایت فرما دی۔ ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرد شجاع تھے جو جنگ میں خراماں خراماں چل کر مقابل آتے تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تبختر کی اس صفت و حال میں دیکھا تو فرمایا۔ یہ وہ رفتار ہے جسے حق تعالیٰ دشمن رکھتا ہے مگر اس مقام میں نہیں۔ اس کے بعد ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان کارزار میں داخل ہوئے۔ وہ اپنے سر کو سرخ پٹی سے باندھے ہوئے تھے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب وہ سر پر سرخ پٹی باندھے داخل ہوئے تو انہوں نے بڑی شدت کے ساتھ جنگ کی اور مقابل آنے والا کوئی مشرک زندہ سلامت نہ بچا۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے اس ٹیلے پر پہنچ گئے جہاں ہند زوجہ ابوسفیان عورتوں کی ٹولی کے ساتھ مل کر رجزیہ اشعار گا رہی تھی، دف بجا رہی تھی اور بدر کے مقتولوں کو رو پیٹ رہی تھی۔ انہوں نے تلوار سونت کر چاہا کہ ہند پر وار کریں مگر انہوں نے اپنے ہاتھ کو روک لیا اور فرمانے لگے یہ تلوار بڑی گرامی قدر ہے۔ اس عورت کے خون سے اسے ناپاک نہیں کرنا چاہئے اس کے بعد جانبین سے جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ لشکر کفار میں سے سب سے پہلے جس نے لشکر اسلام کی جانب تیر پھینکا وہ ابوعامر فاسق تھا اسے ابوعامر راہب بھی کہتے ہیں۔ یہ اپنی قوم کے پچاس آدمیوں کو لے کر آیا تھا اور اس نے یہ نعرہ لگایا تھا کہ میں ہوں ابوعامر (لعنۃ اللہ علیہ) مسلمانوں نے اس کے جواب میں کہا: لَا مَرْحَبًا بِكَ وَلَا اَهْلًا يَا فَاسِقُ. یعنی نہ تجھے سلامتی ہے اور نہ تیری آمد تجھے مبارک ہے او فاسق۔ اس کے بعد اس نے اپنی قوم کے ساتھ تیر اندازی شروع کر دی اس کے ساتھ قریش کے چند بچے بھی تھے جو لشکر اسلام پر سنگباری

کرتے تھے۔ مسلمان بھی اس جماعت پر تیر پتھر پھینک رہے تھے یہاں تک کہ وہ فاسق اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ بدبخت ابوعامر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور نبوت کے ظہور سے پہلے آپ کے حالات اور آپ کی بعثت کی خبریں دیا کرتا تھا۔ بعثت کے بعد اس نے انکار کیا اور اپنے قول سے برگشتہ ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ وجدال کیا۔ اس کا پورا قصہ کتب سابقہ کی خبروں، بشارتوں اور امم ماضیہ کے حالات کے ضمن میں پہلے گزر چکا ہے۔ اس کے بعد طلحہ بن ابی طلحہ جو کفار قریش کا علمدار تھا نکلا اس نے آواز دی اور اپنا مقابل مانگا۔ اس کے مقابلہ کیلئے شیر بیشہ ہیجا، ہزبر میدان وفا سیّدنا علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجہہ میدان میں تشریف لائے۔ مقابلہ کیا اور تلوار اس کے سر پر ماری جو بھیجا چیرتی نکل گئی۔ پھر وہ لوٹ آئے اور اپنی صف میں شامل ہو گئے۔ صحابہ نے کہا آپ نے طلحہ کا کام تمام کیوں نہ کر دیا جواب دیا کہ جب وہ گرا تو اس کی شرم گاہ کھل گئی تھی۔ اس نے مجھے قسم دی کہ میں اسے چھوڑ دوں...... اس حالت میں اس کے دوبارہ درپے آنے میں مجھے حیا آئی اور میں نے یہ جان لیا کہ وہ بہت جلد ہلاک ہو جائے گا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اسے مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہلاک کیا۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ کبش کتیبہ جس کی ہلاکت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا وہ یہی تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے مشرکوں پر پے درپے حملے شروع کر دیئے اور ان کی صفوں کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد حضرت حمزہ بن عبدالمطلب میدان میں آئے اور عثمان بن ابی طلحہ کو قتل کیا جو کفار کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھا۔ ایک وار اس کے دونوں شانوں کے درمیان مارا اور ایک شانہ کاٹ ڈالا۔ اس کے پھیپھڑے نمودار ہو گئے پھر وہ لوٹ آئے اور نعرہ لگایا اَنَـا ابـنُ سَـاقِ الْحِجَجِ. میں حاجیوں کو پانی پلانے والے کا فرزند ہوں۔ اس سے مراد حضرت عبدالمطلب ہیں کہ حرم کا سقایہ ان کے سپرد تھا۔

اس کے بعد ابوسعد بن ابی طلحہ نے کافروں کا جھنڈا اٹھایا۔ اسے حضرت سعد ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہلاک کر دیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ کفار کے علم کو یکے بعد دیگرے دس اشخاص نے اٹھایا یہاں تک کہ ایک عورت جس کا نام عمرہ تھا اور وہ علقمہ حارثیہ کی بیٹی تھی۔ عملدر قریش ہوئی۔ وہ سب مارے گئے جس نے بھی اپنے لشکر سے سر نکالا وہ سر کے بل گرا۔ اس کے بعد مسلمان دشمنوں پر ایک دم ٹوٹ پڑے اور ان پر حملہ کر کے مشرکوں کو میدان سے بھگا دیا اور انہیں ہزیمت دیدی۔ وہ مغنیات جو گا رہی تھیں بجائے گانے کے رونے پیٹنے، چیخنے چلانے اور واویلا کرنے لگیں۔ انہوں نے دفوں کو ہاتھوں سے پھینک دیا اور اپنے دامنوں کو اٹھالیا۔ یہاں تک کہ ان کی پنڈلیاں اور ان کے پازیب کھل گئے اور وہ پہاڑ کی طرف بھاگنے لگیں۔

خالد بن ولید (اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے اور کفار کے ساتھ تھے) اس نے مشرکوں کی ایک ٹولی کے ساتھ لشکر اسلام کے پیچھے پہاڑ کے شگاف میں داخل ہونے کی کوشش کی تو ان تیراندازوں نے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں متعین کیا تھا تیر مار مار کر انہیں دھکیل دیا۔ خالد نے کئی حملے کئے مگر کوئی کارگر نہ ہوا بالآخر وہ لوٹ گیا اور گھات میں لگا رہا۔ بالآخر مسلمان لشکر کفار پر غالب آ گئے اور ان کو ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا۔ اچانک ایک چشمہ زخم بجمال شاہد اقبال پہنچا۔ وہ اس طرح کہ جب تیراندازوں نے یہ دیکھا کہ لشکر کفار کو ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑ گیا ہے اور مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ تیرانداز بھی اپنی جگہ سے ہل گئے ہیں تیرانداز دستہ کے امیر نے بھی بے صبری دکھائی۔ ہر چند کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام مبارک میں بار بار مبالغہ کے ساتھ تاکید فرمائی تھی کہ یہاں سے نہ ہلنا اور مرکز کو نہ چھوڑنا لیکن ان میں سے اکثر مال غنیمت کے لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چندلوگوں کے ساتھ جو تعداد میں دس تھے ثابت قدمی دکھائی۔ یہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔ اس وقت خالد بن ولید جو اس سے پہلے کئی مرتبہ اس رخنہ پر حملہ کر چکا تھا اور اس میں داخل ہو کر لشکر اسلام پر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن ہر بار تیر

اندازوں کے مقابلہ اوران کی کثرت تیراندازی سے غائب وخاسر ہوکرلوٹ گیا تھا۔مگر وہ مطلقاً مایوس نہ ہوا تھااور برابر گھات میں لگا ہوا تھا۔ وہ غفلت کا منتظر تھا کہ کب مسلمانوں کی یہ جماعت اس طرف سے غافل ہو۔ چنانچہ جب یہ لوگ غافل ہو گئے تو وہ عکرمہ بن ابوجہل مشرکوں کی ٹولی کے ساتھ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پرحملہ آور ہوگیااوران کوان کے چند ساتھیوں کے ساتھ جوگنتی کے چند نضر تھے شہید کر دیا۔ پھراس نے اس شگاف سے نکل کرمسلمانوں کے عقب پرحملہ کر دیا۔ اس نے مسلمانوں کوتلواروں پر رکھ لیااور بے دریغ قتل کرنے لگا۔لشکر اسلام میں اضطراب عظیم اور ہلچل پیدا ہوگئی اور تمام لشکر تتر بتر ہوگیا اوران کی حالت حد درجہ پراگندہ ہوگئی۔ مسلمان ایک دوسرے پر پل پڑے اوران میں پہچاننے کا شعور نہ رہا۔ چنانچہ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کومسلمانوں ہی سے دوزخم پہنچے اورابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوبھی مسلمانوں ہی سے دوزخم گئے۔ جب یہ معاملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو فرمایا یہ بھی اللہ کے ہی راستہ میں ہے۔ حضرت یمان' حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے والد مسلمانوں ہی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے اورتم پر رحمت کرے۔ وہ ہمیشہ ہی اپنے قاتلوں کے حق میں دعائے خیراور استغفار کرتے رہتے تھے۔ جب یہ معاملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو فرمایا تو حضرت یمان کی دیت ادا کرو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد کی دیت لے کرمسلمانوں پرہی صدقہ کردی۔

الغرض اشرار وکفار نے غلبہ پایااوراخیار بھاگنے لگےاورایک دم سارا معاملہ الٹ کررہ گیا۔ کافروں نے میدان جلادت میں قدم رکھااوراہل اسلام کےقتل میں مشغول ہوگئے۔ یہ بدقسمتی' نافرمانی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت انہیں پہنچی جو تیراندازوں کی جماعت سے صادر ہوئی تھی اور دنیاوی مال وزر کے جمع کی طمع اور میلان نے ان کواس حال میں پہنچایا جس سے لشکر اسلام کوشکست کا سامنا کرنا پڑا۔(اِنَّــا لِلّٰــهِ وَاِنَّــا اِلَيْــهِ رَاجِعُوْنَ) تاہم عنایت الٰہی ان مسلمانوں سے منقطع نہ ہوئی اورسب کومعاف فرمادیا گیا تاکہ مسلمانوں کومعلوم ہوجائے کہ حضرت حق جل وعلی جس کے ساتھ نظرعنایت وقبول رکھتا ہے۔اس کو اپنی بارگاہ سے دورنہیں فرماتا اوراسے ردنہیں کرتا۔ یہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پرایمان رکھنے کی بدولت اورآپ کے طفیل میں ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ میں ارشاد ہے:

اِنَّ الَّـذِيْنَ اٰمَـنُـوْا تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ اِنَّـمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَاكَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌO

بے شک وہ ایمان دار بندے جنہوں نے دونوں گروہوں کے ملنے کے دن منہ پھیرا تھا دراصل ان کو شیطان نے نبی کے بعض حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے پھسلایا تھا بلاشبہ اللہ نے ان سب کومعاف فرمادیااوراللہ غفوررحیم

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس وقت صحابہ چارقسموں میں بٹ گئے تھے۔ صحابہ کی ایک قسم جنگ میں مصروف تھی اور وہ شہید ہورہی تھی۔ دوسرا اگروہ بھاگ رہا تھااور پہاڑ کی گھاٹیوں اورکونوں میں چھپ رہا تھا۔ بعض شہر میں جاکرٹھہر گئے تھے ان میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جو جنگ کی آگ ٹھنڈی ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اس آیہ کریمہ کے شامل حال ہوکرعفو ومغفرت کی تحریر حال کی پیشانی اوران کے نامہ اعمال میں لکھی گئی۔ ایک جماعت مرکز صدق پر ثابت قدم رہی' راہ فرار سے محفوظ رہی (رضی اللہ عنہم اجمعین)

اس جگہ خیال ہوتا ہے کہ سبحان اللہ یہ وہی خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جنہوں نے بعد میں مسلمان ہوکراسے کثرت سے اسلامی فتوحات کیں کہ ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ ''خَالِـدٌ سَيْفٌ مِـنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ'' یعنی خالد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہےاوروہ تمام حجابات جودرمیان میں حائل تھے۔انورساطعہ کےوجوداور اَلْاُمُـوْرُ مَرْهُوْنَةٌ بَاَوْقَاتِهَا. (تمام کام اپنے وقتوں کے ساتھ

موقوف ہیں) کے اسرار کے ظہور سے مرتفع ہوگئے۔ یہ حال تھا حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اور انہیں کے باپ ولید بن مغیرہ تھے جو کافروں میں بہت سخت اور سب سے زیادہ جھگڑالو تھے جس طرح کہ ابوجہل، عکرمہ کا باپ تھا اور انہیں دونوں نامرادوں سے دو نیک بخت اور سعادت مند فرزند پیدا ہوئے۔ یعنی ولید بن مغیرہ سے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوجہل لعین سے حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ ان دونوں کے درمیان ایسے علاقہ کا اتفاق پڑا کہ ان دونوں فرزندوں کو تو اب ہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں اور ان دونوں کے باپوں کو لعنۃ اللہ علیہم کہتے ہیں۔ حق ہے: یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ. مردوں سے زندوں کو پیدا فرماتا ہے۔ بسا اوقات اس کا برعکس بھی ہوتا ہے کہ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ. کہ زندے سے مردہ پیدا کرتا ہے وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جس وقت مسلمانوں میں افتراق و انشقاق پھیلا ہوا تھا اور وہ ابتری کی حالت میں تھے۔ ابن قیمہ نے جو کہ ان بے سعادتوں کا رئیس تھا۔ بلند آواز سے کہا ''اَلَا اِنَّ مُحَمَّدًا قُتِلَ'' باخبر ہو جاؤ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل ہو گئے (معاذ اللہ) ایک روایت میں ہے کہ ابلیس ملعون جعال بن سراقہ کی آواز میں پکارا تھا۔ اس کی دلیل میں خباب بن جبیر اور ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ جعال بن سراقہ ہمارے پہلو میں تھا اور وہ آواز اس کے ماسوا کسی اور کی تھی۔ عجیب روایت یہ ہے کہ جسے صاحب معارج نے بیان کیا ہے کہ شیطان کی یہ آواز کہ (معاذ اللہ) ''حضور قتل ہو گئے'' مدینہ تک پہنچی۔ یہاں تک کہ مدینہ کے گھروں میں بھی سنی گئی اور سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ آواز سنی تو گھر کی عورتوں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر باہر نکل کر دوڑنے لگیں اور ہاشمی عورتیں بھی رونے لگیں۔ ایسا پتہ چلتا ہے کہ سیدہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس آواز کو سننے کے بعد مدینہ طیبہ سے احد پہنچ گئیں۔ جیسا کہ آپ کے ذکر شریف کے ضمن میں آئے گا۔

اگرچہ مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے تھے اور وہ ثابت قدم نہ رہے تھے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ ثابت و قائم تھے اور آپ کے گرد چودہ آدمیوں کے سوا کوئی نہ رہا تھا جن میں سات انصاری تھے اور سات مہاجرین میں سے تھے۔ مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر بن العوام، حضرت طلحہ بن عبداللہ اور ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے اور انصار میں سے حضرت خباب بن المنذر اور حضرت حارث بن صیحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ چودہ حضرات باقی رہے۔ بعض ارباب سیر روضۃ الاحباب میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان میں سے تھے۔

بندۂ مسکین ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین یعنی شیخ محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ ان میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ وہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی موجود تھے۔ ثابت قدم رہے تھے اور جب صحابہ مجتمع ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئے تو انہوں نے ان کو وہاں دیکھا اور جب ابوسفیان نے پکار کر کہا۔ هَلْ فِی الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ هَلْ فِی الْقَوْمِ ابْنُ اَبِیْ قَحَافَةَ هَلْ فِی الْقَوْمِ عَمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ. یعنی کیا مسلمانوں میں محمد ہیں؟ کیا مسلمانوں میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں؟ اور کیا مسلمانوں میں عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں؟ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی جواب نہ دو۔ بالآخر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے چین ہو گئے اور انہوں نے اس کا جواب دیا اس سے پہلے ارباب سیر کوئی تفصیل بیان نہیں کرتے کہ وہ تیراندازوں کے درمیان تھے یا ان لوگوں کے درمیان تھے جنہوں نے ہزیمت اٹھائی تھی یا ان لوگوں کے درمیان تھے جن کے قدم ڈگمگاتے تھے اور حالات میں شک و اشتباہ واقع ہو گیا تھا۔ کوئی تفصیل مذکور نہیں اس طرح یہ حکایت مشکل و مشتبہ ہی رہتی ہے۔ (واللہ اعلم) البتہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ روز احد اس وقت مدینہ منورہ چلے آئے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آیا اس نے پوچھا مجھے بتائیے کہ

کیا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ روز احد مدینہ چلے آئے تھے۔ فرمایا ہاں! پھر اس نے کہا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ روز بدر بھی غائب تھے اور موجود نہ تھے۔ فرمایا ہاں! پھر اس نے کہا کیا پتہ ہے کہ بیعت رضوان میں بھی پیچھے رہ گئے تھے اور موجود نہ تھے۔ فرمایا ہاں! اس پر اس مرد نے تکبیر بلند کی۔ اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا آمین! میں تجھے وہ بات بتاؤں جو تو پوچھنا چاہتا ہے اصل بات یہ ہے کہ روز احد جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ گئے تھے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے اس میں انہیں معاف کر دیا ہے اور اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ فرمایا جو پہلے گزر چکی ہے۔ اب رہا بدر سے غائب رہنا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی زوجہ محترمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی علالت کی بنا پر حضور کے ارشاد سے ان کی تیمارداری کیلئے رکے تھے۔ ان سے فرمایا تھا کہ تمہارا ثواب اتنا ہی ہے جتنا بدر میں حاضر رہنے والے شخص کا ہے اور ان کو برابر کا حصہ عنایت فرمایا۔ اب رہا بیعت رضوان سے ان کا غائب ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہل مکہ کی طرف بھیجا تا کہ وہ ان کو بتائیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے تشریف لائے ہیں۔ جنگ کے قصد سے نہیں آئے ہیں۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان سے زیادہ کوئی اور عزیز ہوتا تو آپ اس کو بھیجتے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو بھیجا اور بیعت رضوان کا وقوع' حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکہ مکرمہ روانہ ہو جانے کے بعد ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے دست اقدس کو اپنے بائیں دست اقدس پر مار کر فرمایا یہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس مرد سے فرمایا اس علم کو اپنے حال کے ساتھ شامل کر لے۔ یہ مرد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سوء اعتقاد رکھتا تھا لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جماعت میں داخل تھے جو شکست کھا گئی تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال مشخص اور مصرح بیان نہیں کیا گیا کہ وہ کس جماعت کے ساتھ تھے۔ اگر اس جماعت میں داخل تھے جو حضور کے ساتھ باقی رہے تھے تو حدیث میں ذکر کیوں نہ کیا گیا۔ (واللہ اعلم)

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت: وصل: اب رہا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا قصہ تو اس کا مجمل بیان یہ ہے کہ جب جنگ کیلئے صف بندی ہو گئی تو سباع بن عبدالعزیٰ خزاعی نکلا اور کہا کوئی ہے جو میرے مقابل باہر نکل کے آئے؟ اس پر حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان میں تشریف لائے اور اس پر حملہ کیا۔ اسے کل (گزشتہ دن) کی مانند وہ جہان سے چلا گیا اور نابود ہو گیا۔ وحشی ایک بڑے پتھر کے پیچھے چھپا بیٹھا تھا۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے قریب پہنچے تو وحشی نے اپنا ''حربہ'' ان پر اس طرح پھینکا کہ اس کا سرا دوسری طرف پار ہو گیا اور آپ کی شہادت واقع ہو گئی (حربہ خنجر نشانہ پر پھینک کر مارنے کو کہتے ہیں) یہ ہے اس واقعہ کی تفصیل۔

بخاری میں جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عبیداللہ بن عدی بن خیار کے ساتھ ایک سفر میں جا رہے تھے۔ جب ہم حمص میں پہنچے تو عبیداللہ بن عدی سے کہا' کیا وحشی کو دیکھنے کی تمہیں خواہش ہے کہ ہم اس سے دریافت کریں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیسے شہید کیا؟ اس نے کہا ہاں! خواہش تو ہے وحشی حمص میں رہتا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا پتہ دریافت کیا لوگوں نے کہا وہ سامنے ایک مکان کے سایہ میں بیٹھا ہے جو ایک بڑی مشک کی مانند ہے۔ اس کے بعد ہم اس کے پاس پہنچے اور اس کے سرہانے تھوڑی دیر کھڑے رہے اور اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ عبیداللہ بن عدی نے جو اپنے سر اور چہرے کو اپنے عمامے سے ڈھانپے ہوئے تھے۔ وحشی سے کہا تم مجھے پہچانتے ہو؟ وحشی نے کہا میں نہیں پہچانتا۔ پھر عبیداللہ نے چہرے کو کھولا اور کہا تم مجھے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید کرنے کے بارے میں کچھ بتا نہیں سکتے؟ اس نے کہا ضرور! بات یہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طعیمہ بن عدی بن خیار کو بدر میں مار ڈالا تھا۔ اس پر میرے مالک جبیر بن مطعم نے کہا اگر تو حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میرے

چچا طعمیہ بن عدی کے بدلہ میں قتل کر دے تو تو آزاد ہے۔ وحشی بیان کرتا ہے کہ اس کے بعد جب لوگ سال عینین میں نکلے (عینین ایک پہاڑ ہے جو احد کے برابر واقع ہے) اس سے مقصود غزوۂ احد ہے تو میں بھی لوگوں کے ساتھ جنگ کیلئے نکلا۔ پھر جب صف بندی ہو چکی تو سباع جنگ کیلئے باہر نکلا اور اس نے پکارا کہ کوئی ہے جو میرے مقابل آئے۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے مقابلہ کیلئے تشریف لائے اور انہوں نے کہا او سباع' اوام انمار مقطعۃ البظور کے بیٹے' تو خدا اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ان پر حملہ کیا اور اسے مار ڈالا اور اسے گزشتہ دن کی مانند کر دیا۔

وحشی بیان کرتا ہے کہ میں ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں چھپا بیٹھا تھا۔ جب حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے قریب ہوئے تو میں نے اپنا ''حربہ'' (خنجر) ان پر پھینکا۔ میں نے ناف اور عانہ کے درمیان نشانہ لگایا تھا یہاں تک کہ وہ ان کی رانوں کے درمیان نکل آیا اور یہی ان کا آخری وقت بنا۔ جب لوگ مکہ واپس آئے تو میں بھی ان کے ساتھ لوٹ آیا اور اس وقت تک وہاں ٹھہرا رہا جب تک کہ اسلام مکہ میں پھیلا۔ اس کے بعد میں طائف کی طرف بھاگ گیا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح فرمایا اور اہل طائف نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قاصدوں کو بھیجا تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قاصدوں کو کوئی گزند نہیں پہنچاتے۔ مطلب یہ کہ تو بھی اس جماعت کے ساتھ چلا جا سلامت رہے گا۔ یہاں تک کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آیا۔ جب مجھ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا ''کیا تو وحشی ہے؟'' میں نے کہا ''ہاں!'' فرمایا ''کیا تو نے ہی حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا ہے؟'' میں نے عرض کیا ''واقعہ تو یہی ہے جیسا کہ آپ کو پتہ چلا ہے فرمایا'' کیا تجھ سے ممکن ہے اپنے چہرے کو میرے سامنے سے ہٹالے (مطلب یہ کہ تو میرے سامنے ہو کر نہ بیٹھ' اگر پس پشت یا ادھر ادھر بیٹھے تو اچھا ہے) اس کے بعد میں چلا گیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رحلت فرما چکے تو میں نے مسیلمہ کذاب کی طرف یہ خیال کر کے خروج کیا اور باہر آیا کہ شاید میں مسیلمہ کو ہلاک کر سکوں۔ اس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے جرم کی مکافات کر سکوں۔ اس کے بعد میں اس کی طرف چلا' پھر وہی امر واقع ہوا جو کہ واقع ہو چکا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص کھڑا ہوا ہے دیوار کے درمیان گویا وہ ایک اونٹ سفید و سیاہ ہے جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنا حربہ اس کی طرف پھینکا اور اس کے دونوں پستانوں کے درمیان مارا جو اس کے دونوں شانوں کے درمیان سے نکل گیا۔ ایک انصاری شخص نے اس کی طرف جست لگائی اور اس کے سر پر تلوار ماری اس کے بعد لونڈی جو چھت کے اوپر کھڑی تھی چیخ اٹھی کہ ''امیر المومنین'' یعنی مسیلمہ کذاب کو ایک سیاہ رو غلام نے مار ڈالا' یہ حدیث بخاری کا ترجمہ ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب وحشی' طعیمہ بن عدی کے کہنے سے احد کی طرف سے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کرنے کے ارادہ سے چلا تو راہ میں ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان مادر معاویہ ملی یہ وحشی کے پاس جب بھی پہنچی اسے ترغیب دیتی کہ مردانہ شان سے رہنا۔ کیونکہ جب تک تو ہماری خاطرداری نہ کرے گا تجھے آزادی میسر نہ آئے گی' میں بھی تجھے بہت کچھ دوں گی کیونکہ میرے باپ عتبہ کو روز بدر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی مارا تھا۔ وحشی کہتا ہے کہ اتفاقاً میں نے میدان جنگ میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ شیر مست کی مانند اپنی قوم سے نکل کر آ رہے ہیں اور لشکر قریش کی صفوں کو درہم برہم کر رہے ہیں۔ اچانک سباع بن عبدالعزیٰ خزاعی کفار کی صفوں سے نکل کے آیا اور اس نے اپنا مقابل مانگا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے مقابل ہوئے اور اسے مار ڈالا۔ میں ایک پتھر کی اوٹ میں بیٹھا ہوا ان کے گھات میں تھا۔ میں حربہ خوب چلاتا ہوں میرا حربہ کم خطا کرتا ہے۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے خبری میں میرے پاس سے گزرے تو میں نے اپنا حربہ ان کے عانہ پر پھینکا' وہ دوسری طرف پار ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میری طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ میں یہ دیکھتے ہی بھاگ کھڑا ہوا پھر وہ زمین پر آ رہے۔ ان کے ساتھیوں کی

ایک جماعت ان کے پاس پہنچ گئی اور انہوں نے مخاطب کیا کہ ''اے ابوعمارہ!'' مگر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی جواب نہ دیا میں نے جان لیا کہ ان کا وقت آخر ہوگیا۔ میں نے ان کے چلے جانے کا انتظار کیا یہاں تک کہ وہ لوگ ان کے پاس سے چلے گئے۔ میں ان کے پاس پہنچا اور اپنے خنجر سے پیٹ کو چیر کر ان کا جگر نکالا اور اسے ہند بنت عتبہ کے پاس لے آیا اور کہا۔ ''یہ ہے تیرے باپ کے قاتل حمزہ کا جگر!'' اس نے مجھ سے لے لیا اور منہ میں چبا کر تھوک دیا۔ (گویا کہ ہند نے وحشی سے کہہ رکھا تھا کہ جب تو حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دے تو ان کا جگر میرے پاس لانا۔ یا پھر یہ سیاہ قاسی القلب از خود اسے اس کے پاس لے گیا تھا) اور ہند نے اپنے کپڑے، زیور اور تمام سونا چاندی مجھے دے دیئے۔ اور وعدہ کیا کہ جب مکہ پہنچوں گی تو تجھے سرخ سونے کی دس اشرفیاں اور دوں گی۔ ہند نے مجھ سے کہا مجھے وہ جگہ دکھاؤ جہاں ان کی لاش ہے؟ میں اسے وہاں لے گیا۔ اس نے ناک، کان اور ہاتھ پاؤں کاٹ لیے اور اپنے ساتھ مکہ میں لے آئی۔ اسی بنا پر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جگر کو چبانے والی ہند کو اٰکِلَةُ الْاَکْبَادِ (جگر کھانے والی) کہا جاتا ہے۔

مروی ہے کہ کافروں کے چلے جانے کے بعد مسلمان میدان جنگ میں آئے اور اپنے شہیدوں کو تلاش کرنے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے چچا کیا ہوئے، حمزہ کیا ہوئے؟ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ انہیں تلاش کرتے ہوئے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے۔ ان کی اس ہیبت و حالت کو دیکھ کر رونے لگے۔ واپس ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صورت واقعہ سے باخبر کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرہانے کھڑے ہو کر فرمایا۔ مَا وَقَفْتُ مَوْقِفًا اَغْيَظَ مِنْ هٰذَا. فرمایا کہ ''خدا کی قسم! اگر قریش میرے ہاتھ پڑ جائیں تو میں ان کے ستر آدمیوں کا مثلہ کروں'' اسی وقت جبریل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے۔ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ○

مطلب یہ کہ اگر تم عذاب کرو اور سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنا تم کو ستایا گیا ہے اور اگر صبر کرو تو یقیناً صبر کرنے والوں کیلئے صبر بہتر ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم! میں نے صبر کیا اور اپنے اس جوش سے درگزرا اور اس کے بدلے ستر مرتبہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے استغفار فرمائی۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خاطر درمیان میں نہ ہوتی تو میں حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدفون نہ کرتا اور انہیں سباع و طیور کے کھانے کیلئے چھوڑ دیتا اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کے شکموں سے حشر فرماتا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی یعنی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ دور سے آتی ہوئی نظر آئیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فرزند حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا جاؤ اپنی والدہ کو لوٹا کر لے جاؤ تاکہ وہ اپنے بھائی کو اس حال میں نہ دیکھیں۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ آخر میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں۔ وہ اور سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما رونے لگیں۔ ان کے رونے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی گریہ کناں ہوئے۔ فرمایا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتویں آسمان والوں کے درمیان ''اسد اللہ'' اور ''اسد رسولہ'' لکھا گیا ہے۔ فرمایا ان کیلئے قبر کھودیں اور دفن کریں۔ شہداء کے دفن اور ان پر نماز پڑھنے کا ذکر آخر باب میں آئے گا۔

صحابہ کرام کی شجاعتیں: وصل: دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اس غزوہ میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں اور انہوں نے محبت و اخلاص کا حق ادا کیا ہے۔ بعض اصحاب، شرف شہادت سے مشرب ہوئے اور بعض اصحاب باقی و زندہ رہے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جوانمردی: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب کفار نے

مسلمانوں پر غلبہ کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری نظروں سے اوجھل ہو گئے تو میں نے آپ کو مقتولوں اور شہیدوں میں جا کر تلاش کیا مگر نظر نہ آئے تو میں نے اپنے آپ سے کہا ممکن ہے حق تعالیٰ نے ہمارے فعل کی بنا پر ہم پر غضب فرمایا ہو اور اپنے نبی کو آسمان پر اٹھا لیا ہو۔ میں نے خود سے کہا اس سے بہتر یہی ہے کہ میں خوب جنگ کروں یہاں تک کہ میں شہید ہو جاؤں۔ میں نے تلوار سونت کر مشرکوں پر حملہ کر دیا اور ان کے پرے کے پرے الٹ دیئے۔ اچانک میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ بصحیح وسلامت ہیں۔ میں نے جان لیا کہ حق تبارک وتعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ آپ کی محافظت فرمائی ہے۔

منقول ہے کہ جب مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جوش میں آئے۔ آپ کی پیشانی ہمایوں سے پسینہ متقاطر ہوا اس حالت میں آپ نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملاحظہ فرمایا کہ آپ کے پہلوئے مبارک پر کھڑے ہیں۔ فرمایا کیا ہے تم کیوں اپنے بھائیوں کے ساتھ نہیں مل گئے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: لَا کُفْرَ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ایمان کے بعد کفر نہیں ہے۔ اِنَّ لِیْ بِكَ اُسْوَةً. بے شک میرے لیے آپ ہی کی اقتداء ہے مطلب یہ کہ مجھے تو آپ سے سروکار ہے۔ ان ساتھوں اور بھائیوں سے نہیں جو غنیمت کے درپے ہو گئے ہیں اور ہزیمت کھا گئے۔ ان سے مجھے کیا سروکار۔ اسی لمحہ کافروں کی ایک جماعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب حملہ آور ہوئی۔ فرمایا اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ! میری اس ٹولی سے حفاظت کرنا اور نصرت وخدمت کا حق بجالانا کیونکہ یہی وقت نصرت ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اس جماعت کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے گھیرے کو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد سے توڑ کر انہیں متفرق کر دیا اور بہت سوں کو واصل جہنم کیا۔

مروی ہے کہ اس نازک مرحلہ میں فرشتے بھی حاضر ہوئے تھے جبریل ومیکائیل علیہما السلام دو مردوں کی صورت میں سفید جامہ پہنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں کھڑے تھے اور آپ کی محافظت کرتے تھے اور کافروں کے ساتھ محاربہ میں مشغول تھے۔

مشہور یہ ہے کہ فرشتوں کا جنگ میں مشغول ہونا غزوۂ بدر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے ماسوا میں ان کی موجودگی اور امداد واعانت ثابت ہے نہ کہ محاربہ ومقاتلہ جیسا کہ غزوۂ بدر میں اس کا مطلب بیان ہو چکا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نزول ملائکہ ہزار بعد ہزار کے قتال کفار کیلئے بدر کے ساتھ مخصوص ہو۔ لیکن رہی جبریل ومیکائیل کی خدمت گزاری چونکہ وہ آپ کی بارگاہ کے مخصوص خدمت گزاروں میں سے ہیں۔ سو اس جگہ میں ہوگی اور ان دونوں نے محاربہ کیا ہوگا اس میں کوئی منافات اور تعارض نہیں ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمال بہادری دکھائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی تو جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے ساتھ کمال بہادری وجواں مردی دکھائی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّـهٗ مِنِّـیْ وَاَنَـا مِنْـهُ بلاشبہ یہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔ یہ کمال اتحاد واخلاص اور یگانگی کا اظہار ہے۔ حدیث میں ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمہ ارشاد فرمایا تو جبریل نے عرض کیا وَاَنَا مِنْکُمَا اور میں تم دونوں کا ہوں۔ بیان کرتے ہیں کہ غیب سے ایک آواز۔ لوگوں نے سنی جو کہ کہہ رہا تھا لَا فَتٰـی اِلَّا عَـلِـیٌّ لَاسَیْفَ اِلَّا ذُوْالْـفِـقَار کوئی جوانمرد نہیں بجز علی کے اور کوئی تلوار نہیں بجز ذوالفقار کے۔ معارج النبوۃ اور کشف الغمہ میں اس واقعہ کی مانند اس سے زیادہ تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کے آخر میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تم نے اپنی تعریف سنی جو وہ فرشتہ جس کا نام آسمان میں رضوان ہے کہہ رہا ہے۔ وہ کہتا ہے: لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَاسَیْفَ اِلَّا ذُوْالْفِقَار۔''

روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ یہ حدیث اسی طریقہ سے بعض اکابر محدثین سے مروی ہے اور اہل سیر نے اپنی کتابوں میں بیان

کیا ہے لیکن امام ذہبی جو اسماء الرجال کے بیان کرنے کے امام ہیں۔ وہ ''میزان الاعتدال'' میں اس کی تصنیف وتکذیب کرتے ہیں۔ (واللہ بندہ مسکین ثبتہ اللہ بمز ید الصدق والیقین یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ بظاہر نَادَ عَلِیًّا مَظْهَرُ الْعَجَائِبِ تَجِدْهُ عونا لَكَ فِی النَّوَائِبِ۔ کا قصہ اسی معاملہ اور معرکہ سے متعلق ہے جو کہ احد میں واقع ہوا لیکن حدیث کی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ (واللہ اعلم)

الغرض حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ نے مقابلہ ومحاربہ اور مجادلہ وشجاعت کا ایسا حق ادا کر دیا کہ اس سے زیادہ قصور نہیں کیا جا سکتا۔ قیس سے مروی ہے وہ اپنے باپ سعد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا احد کے دن مجھ پر سولہ تلوار کی واریں پڑیں جن میں سے چار واروں پر تو میں زمین پر آ گیا۔ ہر مرتبہ مجھے ایک مرد خوبرو وخوش بازو اٹھاتا اور وہ مجھے پاؤں پر کھڑا کر دیتا۔ کہتا کافروں پر حملہ کرو کیونکہ تم خدا اور اس کے رسول کی اطاعت میں ہو اور یہ دونوں تم سے راضی وخوش ہیں۔ جنگ سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اس واقعہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اسے پہچانتے ہو۔ میں نے عرض کیا نہیں لیکن دحیہ کلبی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شکل سے ملتی جلتی صورت تھی۔ فرمایا اے علی رضی اللہ تعالٰی عنہ! اللہ تعالٰی تمہاری آنکھوں کو خوب روشن کرے وہ جبریل علیہ السلام تھے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شجاعت: حضرت طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بھی روز احد بڑی دلاوری دکھائی اور یہی بہادری ان کیلئے داخلہ جنت کا سبب بنی۔ انہوں نے عظیم قتال کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنا حق پورا پورا ادا کیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالٰی تعالٰی نے اپنے ہاتھ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بنا رکھا تھا۔ ابن قمیہ کی تلوار کے واروں کو آپ ہاتھ پر روکتے رہے۔ ان زخموں سے ان کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے ہاتھ کو تیروں کی ڈھال بنائے رہے۔ جب ایک کافر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تیر پھینکا تو وہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی چھنگلیا پر لگا اور وہ بے کار ہو گئی۔ حدیث میں ہے کہ روز احد حضرت طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسی زخم کھائے تھے اس کے باوجود حفاظت کا حق ادا کرتے رہے۔ ایک مرتبہ تلوار کی دو ضربیں ان کے سروں پر پڑیں اور وہ انتہائی الم کی حالت میں گر کر بیہوش ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آ کر ان کے چہرے پر پانی کے چھینٹے دیئے اور ان کو ہوش میں لائے۔ ہوش میں آتے ہی انہوں نے پوچھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ فرمایا بخیریت ہیں اور آپ نے ہی مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ تو انہوں نے کہا الحمد للہ۔ اب ہر وہ مصیبت جو اس کے بعد ہو آسان ہے۔ ان کے بقیہ حالات ابن قمیہ ملعون کی شرارت کے احوال کے ذکر میں آئیں گے۔

انس بن نضر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شجاعت: ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالٰی عنہ جو انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے چچا ہیں۔ واقعہ بدر میں حاضر نہ تھے۔ انہوں نے چاہا کہ روز احد حاضر ہو کر تلاف مافات کر کے گزشتہ عدم حاضری کا بدلہ کریں۔ جب انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ ہم نے سنا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہادت پا چکے ہیں۔ اس کے بعد وہ صحابہ کے پاس پہنچے اور کہا کیا یہ جائز ہوگا کہ تم زندہ رہو اور تمہارے نبی کو شہید کر دیا جائے۔ یہ کہہ کر تلوار کشید کر کے دشمنوں پر حملہ آور ہوئے۔ اتفاقاً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ ملے۔ ایک روایت میں ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ ملے۔ ان سے فرمایا خدا کی قسم مجھے احد کی طرف سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ اس کے بعد لشکر کفار کے قلب پر حملہ کیا اور خوب داد شجاعت دی یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ یہ بات پایہ صحت کو پہنچی کہ ان کو کچھ اوپر اسی زخم آئے تھے

چنانچہ ان کا حشہ شریف شہیدوں کے درمیان معلوم نہیں ہوتا تھا۔ ان کی بہن نے ان کی انگلی کے ایک تل سے انہیں پہچانا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ کی شجاعت: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کے راستہ میں سب سے پہلے تیر چھوڑنے کی صفت سے موصوف تھے۔ (جیسا کہ پہلے غزوۂ میں ذکر ہو چکا ہے) اور روز احد بھی تیر اندازی پر مامور تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرماتے ہیں اِرْمِ سَعْدُ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ. اے سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیر پھینک تجھ پر میرے ماں باپ فدا۔ مالک بن زبیر ایک کافر تھا اور اس نے بہت سے مسلمانوں کو زخمی کر کے شہید کیا تھا اور بہت سوں کو زخمی کیا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے اس کی آنکھ پر تیر مارا جو اس کی گدی سے باہر نکل گیا اور وہ جہنم رسید ہوا۔ مسلمانوں نے اس شیطنت سے نجات پائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے دعا خیر کر کے فرمایا اَجَابَ اللّٰہُ دَعْوَتَكَ وَسَدَّ وَرَمْيَكَ. اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرمائے اور تمہارے تیر کا نشانہ درست رکھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے مستجاب الدعوات ہوئے کہ لوگ ان کی دعا کے متلاشی رہا کرتے تھے۔ منقول ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخر عمر میں نابینا ہو گئے۔ لوگوں نے ان سے کہا آپ لوگوں کیلئے تو شفا کی دعا فرماتے ہیں اپنے لیے کیوں دعا نہیں کرتے تا کہ حق سبحان وتعالیٰ تمہاری بینائی لوٹا دے۔ فرماتے اللہ تعالیٰ کی قضا مجھے بینائی سے زیادہ محبوب ہے۔ حق تعالیٰ جو چاہے کرے اپنے لیے تو اس کا حکم اپنی آنکھ کی بینائی سے زیادہ عزیز ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری کی جانبازی: حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑے تھے اور خود کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بنائے ہوئے تھے۔ وہ فن تیر اندازی میں کامل مہارت رکھتے تھے اور کمان کو بہت سخت کھینچا کرتے تھے۔ اس روز انہوں نے تین کمانیں توڑی تھیں۔ وہ نعرہ مار کر تیر کو اپنے ترکش سے نکال کر پھینکتے تھے ان کے پاس پچاس تیر تھے اور ہر تیر پر جب دشمن کی طرف اسے پھینکتے تو نعرہ لگاتے اور کہتے یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَفْسِیْ دُوْنَ نَفْسِكَ جَعَلَنِیَ اللّٰهُ فِدَاكَ. اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میری جان آپ کی جان سے کم ہے اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے اور میری جان وتن آپ پر فدا ہوں۔ جب ان کے تیر ختم ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین سے چوب اٹھا کر دیتے اور فرماتے: اِرْمِ یَا اَبِیْ طَلْحَةَ اے ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اسے پھینکو۔ چنانچہ جب وہ اسے کمان کے چلہ میں رکھ کر کھینچتے اور دشمن کی جانب پھینکتے تو وہ تیر بن جاتا اور جب کوئی مسلمان شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرتا اور اس کے پاس تیر موجود ہوتے تو فرماتے ان تیروں کو ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے چھوڑ جاؤ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرماتے لشکر اسلام میں ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چالیس مردوں سے بہتر ہے۔

حیرت وتعجب ہے کہ فن تیر اندازی میں ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اتنی مہارت و بصارت کے باوجود حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور ہوئے۔ ان کی ذات ضرب المثل بن گئی۔ ظاہر ہے کہ ان کی یہ شہرت اس بنا پر ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں تیر چلانے میں اولیت وسابقیت اور اس میں استقامت وثبات رکھتے تھے۔ (واللہ اعلم)

متعدد صحابہ کی فداکاریاں: روز احد ایک تیر حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ میں لگا اور ان کی آنکھ نکل کر ان کے رخساروں پر آ پڑی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھ کو اس کے حلقہ میں لوٹا کر فرمایا: اَللّٰهُمَّ اكْسُهُ جَمَالًا. اے خدا! ان کو حسن و جمال عطا فرما ان کی یہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ تیز روشن اور خوبصورت ہو گئی۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھجور کی ٹہنی عنایت فرمائی۔ یہ ٹہنی ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی جس طرح کہ بدر میں حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرمائی تھی اور انہوں نے ان کا نام عون رکھا

تھا۔اسی طرح حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اس تلوار کا نام عرجون رکھا۔حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ تلوار جس کا نام عون تھا۔امیر معتصم باللہ۔ کے ہاتھ دوسو دینار میں فروخت کی گئی۔(واللہ اعلم)

حضرت حنظلہ غسیل ملائکہ کی شہادت: بارگاہ نبوت کے دلاوروں اور جانبازوں میں سے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے ان کو حنظلۃ الغسیل اور غسیل ملائکہ بھی کہا جاتا ہے۔وہ مدینہ منورہ میں تھے اور احد کی رات ہی ان کی شادی ہوتی تھی۔رات کو اپنی زوجہ کے ساتھ شب باشی کی تھی۔صبح کے وقت غسل جنابت کر رہے تھے اور ایک جانب سر کو دھو رہے تھے کہ اچانک سنا کہ صحابہ پر تنگ وقت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ غیب سے ایک آواز سنی یَا غَسِیْلَ اللّٰہِ اَرْکَبْ.''اے خدا کے مغسول سوار ہو جاؤ'' انہوں نے اسی حالت جنابت میں بے چین ہو کر اور احد شریف آ کر داد شجاعت دی اور بہت سے کافروں کو جہنم رسید کر کے خود شہید ہو گئے۔(رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرمایا کہ فرشتے انہیں غسل دے رہے ہیں۔آپ نے ان کے اس حال پر تعجب کیا اور فرمایا ان کی زوجہ جس کا نام جمیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔یہ عبداللہ بن ابی کی بہن تھیں ان سے پوچھو اور انہوں نے حقیقت حال واضح کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ غسل جنابت کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ جنبی تھے۔بعض ائمہ مثلاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس حدیث سے یہ استدلال وتمسک کرتے ہیں اور اس کے قائل ہیں کہ جنبی شہید کو غسل دیا جائے۔

جمیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غسیل ملائکہ بیان کرتی ہیں کہ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان میں ایک دریچہ نمودار ہوا اور حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آسمان میں اس دریچہ سے داخل ہو گئے۔اس کے بعد وہ دریچہ بند ہو گیا اس کی میں نے یہ تعبیر لی کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہادت پائیں گے۔

ارباب سیر حضرت سہل بن سعد ساعدی سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سننے کے بعد میں حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا۔میں نے دیکھا کہ ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں یہ عجیب صورت دیکھ کر میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

عمرو بن جموح انصاری کا جذبہ شہادت: عمرو بن جموح انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی عجیب وغریب حکایت ہے وہ لنگڑے تھے اور ان کے چار صاحبزادے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غزوات وجہاد میں حاضری دیتے رہتے تھے۔جب انہوں نے چاہا کہ غزوۂ احد میں اپنی قوم کی موافقت کریں تو لوگوں نے کہا کہ تم لنگڑے شخص ہو۔وَلَیْسَ عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ. لنگڑے پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔تمہارے چار فرزند تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود ہیں۔انہوں نے کہا ان کی کتنی خوش نصیبی ہے کہ میرے فرزند تو جنت میں چلے جائیں اور میں تمہارے سامنے بیٹھا رہوں۔ان کی بیوی نے کہا مجھے نظر آتا ہے کہ تم بھاگ کر لوٹ آؤ گے۔عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات سن کر ہتھیار تھامے اور دعا مانگی کہ اَللّٰھُمَّ لَا تَرُدَّنِیْ اِلٰی اَھْلِیْ. اے خدا گھر نہ لوٹانا اور باہر نکل گئے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جا کر اپنی قوم کے منع کرنے کی بابت عرض کیا اور کہا میں تمنا رکھتا ہوں کہ اپنے اس لنگڑے پاؤں سے جنت کے باغوں میں سیر کروں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عَذَرَكَ اللّٰهُ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ. اللہ تعالیٰ نے تمہیں معذور رکھا ہے تم پر مواخذہ نہیں ہے۔حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے مکرر التجا کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میدان کارزار میں دیکھا کہ وہ خرام میں کرتے اور جنگ کرتے اور کہتے جاتے کہ خدا کی قسم میں جنت کا مشتاق ہوں۔ان کے چاروں بیٹے بھی میدان جنگ میں اپنے باپ کے عقب میں مصروف قتال تھے یہاں تک کہ وہ سب شہید ہو گئے۔

مروی ہے کہ ہند زوجہ عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے شوہر عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بیٹوں اور اپنے بھائی کو جو شہید ہو چکے تھے خود ان کے جسموں کو اٹھا کر اونٹ پر بار کر کے مدینہ میں لانا چاہتی تھی تا کہ انہیں دفن کرے مگر اونٹ زانو کے بل زمین پر بیٹھ جاتا۔ جب بھی اونٹ کو جھڑک کر اٹھانا چاہتی تو وہ سو جاتا۔ ایک مرتبہ اس نے اٹھا کر اس کا منہ احد کی جانب کر دیا تو وہ چلنے لگا۔ ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ماجرا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا یہ اونٹ مامور ہے اور ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاتے وقت کوئی بات تو نہ کہی تھی۔ اس نے کہا ہاں! احد شریف جاتے وقت روبقبلہ ہو کر یہ دعا مانگی تھی کہ اے خدا! مجھے میرے گھر کی طرف نہ لوٹانا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی وجہ ہے کہ اونٹ مدینہ کی طرف نہیں جاتا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت: غزوۂ احد کے صعب ترین واقعات میں سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ احد میں جب مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے ہاتھ میں مہاجرین کا علم تھا۔ ابن قمیہ ملعون ان کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے تلوار کے وار سے ان کا داہنا کاٹ ڈالا۔ انہوں نے علم کو بائیں ہاتھ میں لے لیا اور فرمانے لگے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. اور محمد نہیں ہیں مگر اللہ کے رسول' بیشک آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر رہے ہیں تو اس ملعون نے دوسرا وار کر کے بائیں ہاتھ کو بھی کاٹ دیا۔ حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ پھر یہی کلمہ پڑھا اور دونوں بازوؤں سے علم کو پکڑ کر اپنے سینہ سے ملالیا۔ اس کے بعد اس ملعون نے ایک تیر ان پر مارا وہ زمین پر آ رہے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ کلمہ جس کا آیۂ کریمہ کا جز ہے۔ وہ آیت اس وقت تک نازل نہیں ہوئی تھی مگر حق تعالیٰ نے ان کی زبان پر جاری کرادی۔ جب علم زمین پر آ رہا تو حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی ابوالروم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس علم کو اٹھالیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صورت میں ایک فرشتہ بھیجا تا کہ وہ مسلمانوں کے علم کو اٹھائے۔ آخر وقت میں جب جنگ سے فارغ ہو گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے آؤ۔ اس فرشتہ نے کہا میں مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں ہوں تب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانا کہ وہ فرشتہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کیلئے بھیجا۔ اس کے بعد ابوالروم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس علم کو لے لیا اور مدینہ طیبہ تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چلتے رہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجلہ صحابہ اور فضلائے صحابہ میں سے ہیں۔ انہوں نے حبشہ ہجرت کی اور بدر میں حاضر رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ منورہ روانہ فرمایا۔ ایک روایت میں ہے عقبہ اولیٰ کے بعد انصار کے ساتھ دین وفقہ کی تعلیم وتربیت کیلئے انہیں روانہ فرمایا تھا۔ اور یہ لوگوں میں بہت زیادہ صاحب نعمت اور عیش وکامرانی والے شخص تھے جب اسلام لے آئے تو دنیا میں زہد اختیار فرمایا۔ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ وہ گوسفند کی کھال کمر میں لپیٹے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کو دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو ایمان کیلئے روشن فرمایا ہے اور میں نے انہیں دیکھا کہ اہل بدر کیلئے انہوں نے دوسو درہم کے کپڑے خرید کر دیئے۔ اس کے بعد اس کے دل میں خدا اور رسول کی محبت میں ایسی فریفتگی پیدا ہوئی کہ اس حالت کو پہنچے جسے تم نے دیکھا۔ اس حدیث کو ابونعیم نے ''اربعین صوفیہ'' میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں اور دیلمی وابن عسا کر نے روایت کیا ہے۔

دلاوران میدان جلاوت وسپہ سالاران معرکہ شجاعت میں سے وہب بن قابوس مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھتیجے حارث بن

عقبہ بن قابوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔اگرچہ اول امر میں جبکہ مسلمانوں نے اخذ غنیمت میں شغف دکھایا تھا یہ بھی غارت وتاراج میں دست درازی کیلئے نکل آئے تھے لیکن جب خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل ان کے عقب میں داخل ہو گئے۔تو وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھتیجے حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برابر کھڑے ہوکر داد شجاعت دی اور ثابت قدم رہے۔اسی اثناء میں جب کافروں کا ایک غول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا تو حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔''مَنْ بِهٰذِهِ الْفِرْقَةِ'' کون ہے جو اس غول کا مقابلہ کرے اور انہیں دفع کرے اس وقت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ میں ہوں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد تیراندازی پر ہاتھ بڑھایا اور ان بتوں کے پجاریوں کو بھگا دیا۔اس کے بعد دشمنوں کا ایک غول اور نمودار ہوا۔اس وقت پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ بِهٰذِهِ الْكَتِيْبَةِ. ''کون ہے جوان شیطانوں کو دور کرے'' وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر وہی جواب دیا اور ان سب کو یا تلوار کی دھار پر رکھ کر واصل جہنم کیا یا بھگا دیا۔اس کے بعد پھر ایک ٹولہ نمودار ہوا۔حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ هٰؤُلَآءِ. ان کیلئے کون ہے؟ وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کیا اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قُمْ وَاَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ. قائم رہو اور جنت کی بشارت لو۔حضرت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بشارت سے سرفراز ہوکر کفار کی صف میں داخل ہو گئے۔کافروں نے ان کو گھیر کر شمشیر وسنان سے مجروح کر کے زمین پر گرا دیا۔ان کے بعد ان کے بھتیجے حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سوں کو واصل جہنم کر کے جام شہادت نوش کیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے ہیں۔ایسی موت سے محبت رکھتا ہوں جیسی موت مزنی برادروں نے پائی۔حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے روز احد جیسی دلاوری اور پامردی۔حضرت وہب بن قاموس غرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دیکھی ہے کسی معرکہ میں کسی کی نہیں دیکھی۔کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزنی کے سرہانے ان کے شہید ہونے کے بعد کھڑے ہوکر فرمایا: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكَ فَاِنِّيْ عَنْكَ رَاضٍ اللہ تم سے راضی ہو گیا اور میں بھی تم سے راضی ہو گیا۔اس کے بعد میں نے دیکھا کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود خود زخمی ہونے کے آپ نے اپنے قدم اقدس پر کھڑے ہوکر ان کو قبر میں اتارا اور وہ علم جو حضرت وہب مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھائے ہوئے تھے اس علم سرخ سے ان کی ڈھانپا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ان صحابہ کرام میں سے بعض حضرات ایسے ہیں جن کے حال پر اس دن عنایت الٰہی دستگیر ہوئی اور نور ہدایت ان کے دل میں جلوہ افروز ہوا جیسے کہ عمرو بن ثابت وقیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔وہ دین اسلام میں شک رکھتے تھے باوجود یہ کہ ان کی قوم ایمان لے آئی تھی اور وہ سب اسے ثبات واستقامت کی نصیحتیں کرتے تھے مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔اتفاقاً اسی روز جس دن مسلمان غزوۂ احد کو جارہے تھے۔عمرو بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل سے غفلت کا قفل کھلا اور نور یقین ان کے دل میں جاگزیں ہوا۔اپنے ہتھیار اٹھائے میدان جہاد میں آ گئے اور اس بہادری وشجاعت سے جنگ کی کہ زخمی وناتواں ہوکر شہید ہو گئے۔حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہ لمن اهل الجنة یہ جنتیوں میں سے ہیں۔

مغریق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نامی ایک شخص تھا جو احبار بنی اسرائیل میں سے تھا اور بہت مال وزر رکھتا تھا۔اس نے کتب سابقہ میں حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتیں پڑھی تھیں لیکن دین یہودیت پر قائم وبرقرار تھا۔اس دن جب حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد کی طرف تشریف لائے ہفتہ کا دن تھا۔اسی روز مغریق کے دل میں اسلام جوش زن ہوا اور مصمم ارادہ کر لیا پھر اس نے اپنی قوم کو بھی دعوت دی انہوں نے قبول نہ کیا۔مغریق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قوم سے کہا بلاشبہ اور یقینی بات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔ان پر ایمان لاؤ اور ان کی نصرت ومدد کر کے دنیا وآخرت کی سعادت حاصل کرو۔یہودیوں نے کہا آج ہفتہ کا دن ہے آج کے دن جنگ کرنا

جائز نہیں ہے۔ مغریق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ بات دین یہود میں ہے اور شریعت محمدیہ اس دین کی ناسخ ہے۔ اس کے بعد وہ کھڑا ہوا ہتھیار سنبھالے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور وصیت کی کہ میرے بعد میرا تمام مال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کیلئے ہے اور باعتقاد درست مشرکوں کے ساتھ جنگ میں مصروف ہو گیا۔ بالآخر مقابلہ کرتے ہوئے درجہ شہادت حاصل کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وصیت کے مطابق اس کے مال میں تصرف فرمایا۔ اس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مُغَرِيْقُ خَيْرُ يَهُوْدٍ. یہود میں مغریق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اچھا شخص تھا۔

مسلمان عورتوں کی خدمت گزاریاں: مردان اصحاب رضی اللہ عنہم کی دلاوری وشجاعت میں سے کچھ حصہ تو بیان ہو گیا مگر کچھ مسلمان عورتیں بھی ایسی ہمراہ تھیں جنہوں نے اس غزوہ میں خدمت گزاری کی اور پانی وغیرہ پہنچایا اور جہاد وقتال کیا۔ جیسے نسیبہ بنت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو معرکوں اور محفلوں میں شیر دل، بہادر اور شجاع عورت تھیں۔ جنہوں نے اپنے شوہر حضرت زید بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنے دونوں لڑکوں حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مل کر کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ نسیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں روز احد مشکیزہ اٹھا کر مسلمانوں کو پانی فراہم کرتی تھی۔ جب میں نے دیکھا کہ دشمنان اسلام کی چیرہ دستیاں بڑھ گئی ہیں اور انہوں نے مسلمانوں پر دراز دستی شروع کر دی ہے تو میں پانی دینے سے رک گئی اور کافروں کے ساتھ قتال میں مشغول ہو گئی۔ چنانچہ مجھے تیرہ زخم پہنچے ان میں سے ایک زخم تو سال بھر تک رستا رہا اور اس کا علاج کیا جاتا رہا۔ لوگوں نے ان سے پوچھا یہ زخم کس نے لگائے تھے؟ انہوں نے کہا ابن قمیہ ملعون نے۔ میں نے بھی اس پر متعدد وار کئے تھے لیکن وہ دو زرہ پہنے ہوئے تھا جس پر میری ضرب کارگر نہ ہوتی تھی جس وقت مجھے زخم پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے فرزند عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی کہ جلدی اپنی ماں کے پاس پہنچو اور ان کے زخموں کی مرہم پٹی کرو۔ نسیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور میرے بچے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے مقابلہ کر رہے تھے اور صحابہ ہزیمت کھا کر آپ کے آگے سے بھاگے جا رہے تھے۔ میرے پاس ڈھال نہ تھی اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک ایک شخص پر پڑی جس کے پاس ڈھال تھی۔ آپ نے فرمایا اے ڈھال والے اپنی ڈھال کسی ایسے شخص کو دیدے جو مشغول قتال ہے تو اس نے اپنی ڈھال ہاتھ سے پھینک دی۔ میں نے اس ڈھال کو اٹھا لیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد مشرکوں کے حملوں کو روکتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک کافر سوار نے مجھ پر تلوار کا وار کیا لیکن وہ کارگر نہ ہوا۔ میں نے اپنی تلوار کا وار اس کے گھوڑے پر کیا اس کا گھوڑا گر پڑا اور سوار گھوڑے سے جدا ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچشم خود یہ حال ملاحظہ فرما رہے تھے۔ آپ نے میرے لڑکے کو آواز دی کہ اے عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلدی اپنی ماں کے پاس آ۔ اس کے بعد میں نے اور میرے لڑکے نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کیا اور دونوں نے مل کر اس مشرک کو قتل کر دیا۔

عبداللہ بن نسیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ اس دن مشرکوں نے ایک زخم مجھے ایسا لگایا تھا جس سے خون نہ رکتا تھا۔ میری ماں نے میرے زخموں کو باندھا اور کہا اٹھ! اور قتال میں مشغول ہو۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں! جو طاقت و ہمت تم رکھتی ہو کس میں ہے؟ اسی اثناء میں وہ شخص جس نے مجھے زخمی کیا تھا ہمارے آگے سے گزرا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ماں سے فرمایا۔ اے ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! یہی وہ شخص جس نے تمہارے بیٹے کو زخمی کیا تھا؟ نسیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کافر کی پنڈلی پر تلوار ماری اور وہ زمین پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم اقدس کے نزدیک گر پڑا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا تبسم فرمایا کہ آپ کے نواجذ شریف نمودار ہو گئے اور فرمایا اے ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تم نے اپنے بیٹے کا قصاص اور بدلہ خوب لیا۔ خدا کا شکر ہے جس نے تم کو اپنے دشمن پر ظفر مند کیا اور تمہاری آنکھوں کو تمہارے سامنے اس کو ہلاک کر کے

روشن کیا۔ نسیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا فرمایئے کہ میں جنت میں آپ کے رفیقوں میں سے اہل بیت کے ساتھ ہوں۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں اوران کے فرزندوں اور شوہر کے حق میں دعا فرمائی کہ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُمْ رُفَقَائِیْ فِی الْجَنَّةِ. اے خدا! ان سب کو جنت میں میرا رفیق بنا۔ ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ نے کہا ہر وہ مصیبت جو اس دعا کے بعد مجھے پہنچے مضائقہ نہیں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ نسیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ معرکہ مسیلمہ کذاب میں بھی موجود تھیں۔ نسیبہ بیان کرتی ہیں کہ روز یمامہ میں مسیلمہ کذاب کو تلاش کر رہی تھی اچانک ایک شقی نے اپنی تلوار کا وار مجھ پر کیا۔ میرا ایک ہاتھ کٹ کر گر گیا۔ خدا کی قسم! اس کے باوجود میں قتال سے باز نہ آئی۔ ایک لحظہ کے بعد میں نے اس ملعون کو قتل کیا ہوا پایا۔ میں نے اپنے لڑکے عبداللہ کو دیکھا کہ وہ اس کے سر پر کھڑا ہے اور اپنی تلوار کو اس کے خون ناپاک سے پاک کر رہا ہے۔ اس وقت میں نے سجدۂ شکر ادا کیا اور اپنے زخم کی مرہم پٹی میں مشغول ہوئی۔ سبحان اللہ کیا عورت تھی جو بہت سے مردوں سے فائق تھی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ آدمی میں عمل چاہئے خواہ مرد ہو یا عورت۔ شیر جب اپنے کچھار سے نکلتا ہے تو ہر ایک یہی کہتا ہے کہ شیر نکل آیا یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ مادہ ہے یا نر۔

خواجہ کائنات کا زخمی ہونا: وصل: محاربہ اصحاب اور اس غزوۂ میں ان کا کفار کے ساتھ جنگ کرنا' کفار کو قتل کرنا' صحابہ کا شہید ہونا' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جاں نثاری کرنا اور عہد کا ایفاء کر کے اس کا حق ادا کرنا جیسے واقعات سے کہیں زیادہ واقعات ہیں لیکن اسی میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کو جو شدت ومحنت اور ایذاء وآزار پہنچا وہ جدا ہے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ کفار فجار لعنہم اللہ میں سے پانچ آدمیوں نے باہم عہد کیا تھا کہ سیّد کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) شہید کریں گے ان میں سے ایک عبداللہ بن قمیہ تھا جو اپنی قوم میں الجر واغلظ اور اشد تھا۔ دوسرا عتبہ بن ابی وقاص زہری جو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھائی تھا جس کے ہاتھ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لب ودندان شریف شکستہ ہوئے تھے۔ تیسرا عبداللہ بن شہاب زہری' چوتھا ابی ابن خلف۔ بعض کہتے ہیں کہ عبداللہ بن حمید اسدی بھی انہیں میں تھا۔

ان اشقیاء نے اتنا نہ جانا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاتھوں شہید ہونے والے نہیں جب تک کہ آپ کا دین مکمل ہو کر تمام دینوں پر غالب نہ آ جائے۔ اس وقت تک آپ اس جہان سے تشریف نہیں لے جائیں گے یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـؤُا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ. یہ کفار یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے پھونکوں سے بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو مکمل فرمانے والا ہے اگرچہ یہ کفار کتنا ہی برا مانیں۔

ابن قمیہ ملعون نے اس درج رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا پتھر پھینکا کہ آپ کا رخسار مبارک خون آلود ہو گیا اور خود کی کڑیاں آپ کے رخساروں میں ایسی پیوستہ ہوئیں کہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیٹھ کر اپنے آگے کے دونوں دانت کو خود کی ایک کڑی پر رکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک سے کھینچا تو ان کا دانت ٹوٹ کر گر پڑا۔ پھر دوسرا دانت کڑی پر رکھ کر کھینچا تو وہ دانت بھی ٹوٹ کر گر پڑا۔ اسی بنا پر ان کو اثرم کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک بھی زخمی ہوئی جس نے آپ کے محاسن شریف کو لہولہان کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر مبارک سے خون کو صاف کرتے جاتے اور فرماتے جاتے وہ قوم کس طرح نجات پائے گی جو اپنے نبی کے ساتھ یہ سلوک کرے۔ حالانکہ وہ نبی خدا کی طرف ہی بلاتا ہے جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور یہ آیت لائے۔ لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبُهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ. آپ کو اس سے کوئی سروکار نہیں مطلب یہ کہ ہر تصرف واختیار سب کچھ حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر چاہے تو بخش دے اور رحمت کے ساتھ انہیں توبہ کی توفیق دے دے یا

چاہے ان پر عذاب فرمائے۔ کیونکہ یہ ظالم لوگ ہیں اور آپ تو انداز و جہاد کے مامور بندے ہیں۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تہذیب نفس اور حسن ادب کا تعلیم فرمانا ہے۔ مبادالبشریت کی جانب رجوع فرمائیں اور دائرہ عبودیت سے باہر ہو جائیں۔ اس آیۂ کریمہ کا نزول اس وقت بھی بتاتے ہیں جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبائل کفار پر قنوت میں بددعا فرماتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خون کو صاف کرتے رہتے تھے اور اتنا موقع نہ آنے دیتے کہ خون کا قطرہ زمین پر ٹپکے۔ کیونکہ آپ نے فرمایا اگر اس خون کا کوئی جز وزمین پر آ رہے تو یقیناً اہل زمین پر آسمان سے ایسا عذاب نازل ہو جس سے وہ سب ہلاک ہو جائیں اور اس کے بعد زمین پر کوئی چیز نہ اُگے۔ آپ نے دعا مانگی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ. اے خدا! میری قوم کو معاف فرمادے کیونکہ وہ مجھے جانتی نہیں اور وہ میری حالت کی حقیقت کو پہچانتی نہیں ہیں۔

عتبہ بن ابی وقاص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ایسا پتھر پھینکا جس سے آپ کا لب زیریں لہولہان ہو گیا اور آگے کے نچلے دندان مبارک کو شہید کر دیا۔ عبداللہ بن شہاب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کہنی مبارک کو پتھر پھینک کر زخمی کر دیا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب روئے پر انوار سیّد ابرار صلی اللہ علیہ وسلم سے خون جاری ہوا تو میرے والد مالک بن سنان اپنے منہ کو اس جگہ رکھ کر خون چکیدہ پی جاتے تھے اس پر کچھ لوگوں نے کلام کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون مل جائے اسے آتش دوزخ نہیں چھوسکتی۔ مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک سے خون صاف کرتے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے سر پر پانی لاتے اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دھوتی تھیں۔ ہر چند کہ زخم دھویا جاتا مگر خون نہ رکتا۔ اس کے بعد بوریے کا ایک ٹکڑا جلایا اور اس کا خاکستر زخم پر چھڑکا تب خون بند ہوا۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم استخوان بوسیدہ سے اس زخم کا علاج فرماتے رہے یہاں تک کہ اس کا اثر تک نہ رہا۔ روضۃ الاحباب میں بروایت شیخ ابن حجر شرح بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ عبدالرزاق، معمر سے اور وہ زہری سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور پر شمشیر کے ستر زخم آئے تھے مگر حق تعالیٰ نے آپ کو سب کے شر سے محفوظ رکھا۔ علماء فرماتے ہیں کہ ستر کے عدد سے مراد شاید واقعتاً ستر ہی ہوں یا کثرت میں مبالغہ مقصود ہو۔

منقول ہے کہ ابن قمیہ ملعون نے اپنی شمشیر سے آپ پر وار کیا۔ من هئولاء اور آپ اس ملعون کی ضرب اور اپنے جسم اقدس کے ہتھیاروں کے بوجھ سے (آپ دوزرہ پہنے ہوئے تھے) اس غار میں آ رہے جو وہاں قریب ہی تھا یا ملاعنہ نے کھود رکھا تھا۔ چنانچہ آپ لوگوں کی آنکھوں سے پنہاں ہو گئے اور آپ کے زانو ہائے شریف خراشیدہ ہو گئے۔ وہیں اس ملعون نے آواز لگائی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) شہید ہو گئے اور شیطان لعین بھی اس کا ہم آواز ہو گیا۔ کہ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ (معاذ اللہ) ابوسفیان نے کہا اے گروہ قریش تم میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کس نے کام تمام کیا (معاذ اللہ) ابن قمیہ ملعون بولا ''میں نے'' ابوسفیان نے کہا ''ہم تیرے ہاتھ میں ویسے ہی کنگن پہنائیں گے جیسے عجمی لوگ اپنے بہادروں اور پہلوانوں کو پہناتے ہیں۔''

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار میں آ رہے تو حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس غار میں داخل ہوئے اور سرور عالم کو اپنے آغوش میں لے لیا تاکہ زمین سے اُٹھیں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اوپر سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو پکڑا اور زور لگایا یہاں تک کہ آپ اوپر تشریف لے آئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ پانچویں اشقیاء کے بارے میں بددعا فرمائی کہ یہ سال نہ گزار سکیں۔ چنانچہ ان میں سے کچھ تو وہیں مارے گئے اور کچھ اسی سال قعر جہنم میں جا گرے ابن قمیہ اس سگ ملعون نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تلوار کا وار کر کے کہا گویا

یہ میرا وار ہے کیوں کہ میں ابن قمیہ ہوں۔ سیّد رسل صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم نے فرمایا: اَقْمَاكَ اللّٰهُ وَاَذَلَّكَ. اللہ تعالیٰ تجھے ذلیل وخوار کرے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اسی سال وہ اپنے ریوڑ کے قریب ایک پہاڑ کی چوٹی پر سورہا تھا۔ حق تعالیٰ نے اس پر ایک مینڈھا مسلط کیا اور اس نے اپنا سینگ اس کے پیٹ میں مارا جو اس کے حلق سے پار ہو گیا۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے۔ اس انداز عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن قمیہ کے ہلاک ہونے کا قصہ روز احد کے قریب زمانہ کا نہیں ہے بلکہ ایک عرصہ کے بعد رونما ہوا۔ مگر معارج النبوۃ کی عبارت یہ ہے کہ مشرکوں کے مکہ مکرمہ لوٹ آنے کے بعد ایک دن ابن قمیہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر سو رہا تھا کہ بفرمان الٰہی ایک مینڈھا اسی وقت اس ملعون کے قریب آیا (آخر قصہ تک)

اب رہا ابی بن خلف کا قصہ! تو کسی وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تھا کہ تیرا قاتل میں ہوں گا۔ یہ خوف اس کے دل میں یقین کے ساتھ بیٹھ گیا تھا لہٰذا قریش کے مکہ سے خروج کے وقت' احد کی جانب وہ آنا نہ چاہتا تھا کہ کہیں وہ مارا نہ جائے۔ ابوسفیان اسے اصرار کر کے لایا تھا جیسا کہ گزرا۔ اس کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں کہ وہ اسیران بدر میں شامل تھا جب اس کا فدیہ قبول کیا گیا تو اس نے مکہ جانے کی اجازت پائی تا کہ وہ فدیہ ادا کرے۔ اس بے حیا نے لوٹتے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو وبکواس کی کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا ایک گھوڑا ہے میں اسے خوب دانہ پانی دوں گا تا کہ فربہ ہو جائے پھر اس گھوڑے پر سوار ہو کر آپ سے جنگ کروں گا اور آپ کو (خاک بدہن رو) قتل کروں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ اس گھوڑے پر سوار ہونے کی حالت میں ہی میں تجھے قتل کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ علماء فرماتے ہیں کہ بدترین خلق اور بدبخت ترین خلائق وہ ہے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قتل کریں۔

روز احد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابی ابن خلف سے ہشیار رہو کیونکہ یہ ناخلف بےخبری میں پیچھے سے نہ آ جائے۔ اگر تمہیں وہ نظر پڑ جائے تو مجھے بتا دینا۔ اچانک جنگ کے آخر میں وہ اپنے گھوڑے پر سوار نمودار ہوا جب اس کی نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو اس نے نالائقی کی باتیں کہنی شروع کر دیں۔ اس نے کہا ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ابی کے ہاتھ سے نہ بچ سکیں گے' اگر آج آپ میرے ہاتھ سے بچ گئے تو یہ کتنا بے حیا اور بے شرم تھا کہ باوجود اس اعتقاد کے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ پھر بھی یہ لاف زنی کرتا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں اشارہ فرمائیے ہم اس پر حملہ کریں اور اسے دوزخ میں پہنچائیں۔'' جب وہ ملعون قریب پہنچا۔ حضرت زبیر بن العوام بن الصمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نیزہ لیا اور ابی کی جانب پھینکا۔ ایک روایت میں ہے کہ اسی کا نیزہ اس کے ہاتھ سے لے کر اس پر پھینکا تھا یہ اس شقی کی گردن پر پڑا۔ اسی وقت اس نے اپنے گھوڑے کی لگام پھیری اور اپنی قوم سے مل گیا اور خود کو گھوڑے سے گرا دیا اور گائے بیلوں کی مانند ڈکرانے لگا۔ اس کی قوم نے اس سے کہا ''تیرا زخم تو ایک معمولی سی خراش سے زیادہ نہیں ہے۔ اتنی چیخ و پکار اور واویلا کیوں کرتا ہے۔'' اس نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ یہ زخم کس کی مار کا ہے۔ میں واقف ہوں کہ اس زخم سے میری جان نہ بچ سکے گی۔ اگر یہ زخم جو مجھ اکیلے کو لگا ہے تمام حجاز والوں کو لگ جائے تو وہ یکبارگی سب کے سب مر جائیں۔ اس لیے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے خبر دی ہے کہ تو میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ کہنے لگا اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے منہ پر کھجور کی گٹھلی بھی مار دیتے تو بھی میں مارا جاتا۔'' وہ یونہی چیختا چلاتا رہا پھر وہ ملعون' مشرکوں کے مکہ مکرمہ پہنچنے سے پہلے ''مرالظہران'' میں جو مکہ سے ایک منزل پر ہے واصل جہنم ہو گیا۔

مواہب لدنیہ میں واقدی سے منقول ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ابی ابن خلف بطن رابغ میں مرا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رات کا ایک پہر گزرنے کے بعد میں بطن رابغ میں جا رہا تھا۔ اچانک آگ کی ایک لپیٹ نمودار ہوئی۔ میں اس سے ہیبت

کھا گیا۔ اس کے بعد یکا یک اس آگ سے ایک شخص نمودار ہوا جو زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا اور پیاس سے چیختا چلاتا تھا اور ایک دوسرے سے کہتا تھا اسے پانی نہ دو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قتیل ابی بن خلف ہے۔

عبداللہ بن حمید بھی میدان احد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے سے گھوڑا دوڑاتا پھرتا تھا اچانک حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تلوار کی ایک ضرب سے اسے زمین پر ڈال دیا۔ عتبہ بن ابی وقاص کی کیفیت معلوم نہیں کی اس کی ہلاکت کس طرح ہوئی۔ عبداللہ بن شہاب کے بارے میں معارج میں مجملاً کچھ ذکر ہے کہ یہ پانچواں بدبخت بھی اسی سال انتہائی ذلت وخواری سے ہلاک ہوا۔

میدان احد کے آخری مناظر: وصل: ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد سے اس غار سے باہر تشریف لائے تو صحابہ کرام کو معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ احد کی گھاٹی کی طرف اپنے صحابہ کے ساتھ متوجہ ہوں اور پہاڑ کی بلندی یا قلعہ پر تشریف لے جائیں۔ مگر بر بنائے ضعف جو زخموں اور اس بدنی کوفت نے سبب جو ذات بابرکات کو عارض ہوئی تھی آسان نہ ہوا۔

ابوسفیان نے چاہا کہ مشرکوں کی جماعت کے ساتھ پہاڑ کے کسی بالائی گوشہ پر چڑھ کر اظہار تعلّی کرے اور یہ بھی چاہا کہ انہیں گھاٹی میں داخل ہونے سے روکے۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست اقدس دعا کیلئے اٹھایا اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ لَا تَذَرْ اَنْ يَعْلُوْنَا اے رب! ان کو نہ چھوڑ کہ یہ آگے بڑھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مشرکین کی راہ روکی اور ان کے ساتھ جنگ کی اور ان کو وہاں سے دور کیا۔

اس کے بعد وہ نامراد صحن معرکہ میں ادھر ادھر کتوں کی مانند دوڑنے لگے۔ سیر وتفریح کرتے، رجز خوانی کرتے، خوشی وشادمانی کا اظہار کرتے تھے اور ان کی عورتیں مثلاً ہندہ وغیرہ مسلمان شہیدوں کے پاس آئیں۔ حضرت حنظلہ غسیل ملائکہ کے سوا تمام شہیدوں کا مثلہ کرنے لگیں۔ ان کے شکموں کو چاک کرتیں، کلیجے نکالتیں، ناک کان کاٹتیں ڈوروں میں منسلک کر کے ہار بناتی تھیں اور اپنے گلوئے ناہنجار اور ناپاک ہاتھوں میں پہنتی تھیں۔ حضرت حنظلہ غسیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملائکہ کے مثلہ نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ وہ اس ابو عامر راہب کا بیٹا تھا۔ جسے ابو عامر فاسق کہتے ہیں یہ مشرکوں میں سے تھا اور یہی وہ پہلا شخص تھا جس نے سب سے پہلے حملہ کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی ضعف وناتوانی کے سبب ظہر کی نماز بیٹھ کر ادا فرمائی۔ یہاں تک کہ آپ نے ارادہ فرمایا کہ پہاڑ کی بلندی پر تشریف لے جائیں تو ایک بڑا پتھر سامنے آیا اس پر آپ نہ چڑھ سکے۔ اس موقع پر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اپنے شدید زخموں کے بیٹھ گئے تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا پائے اقدس ان کے کندھوں پر رکھ کر وہاں تشریف لے جائیں۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَوْجَبَ طَلْحَةُ. طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لیے جنت واجب کر لی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اس کے بعد ابوسفیان نے چاہا کہ یقین کے ساتھ معلوم کرے کہ خواجہ کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات ورزمرہ احیاء ہیں یا از جملۂ اموات وہ احد کے قریب آیا اور چیخ کر کہنے لگا کہ کیا اس قوم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے جواب نہ دو پھر اس نے پکار کر پوچھا کیا اس قوم میں ابن ابی قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا اسے جواب نہ دو۔ وہ پھر پکارا کیا اس قوم میں ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں؟ اس بار بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے جواب نہ دو۔ پھر اس نے اپنی قوم کی طرف رخ کر کے کہا میں نے جتنوں کے نام پکارے ہیں وہ سب مارے گئے ہیں اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے چین ہو گئے فرمایا: كَذَبْتَ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ او خدا کے دشمن تو جھوٹ بکتا ہے۔ جتنوں کے تو نے نام لیے ہیں وہ سب زندہ ہیں۔ اس کے بعد ابوسفیان بتوں کی تعریفیں کرنے لگا اس نے کہا: اُعْلُ هُبَلْ ہبل

کی بلندی ہو کہ تیری برکت سے ہماری ظفر ونصرت ہے چونکہ ابوسفیان نے مکہ سے نکلتے وقت کہا۔ اس سے استمداد اور تفاول کیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کہو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ. ابوسفیان نے اَلْعُزّٰی لَنَا وَلَا عُزّٰی لَکُمْ (بت عزیٰ ہمارا ہے تمہارا عزیٰ نہیں) اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ پھر ابوسفیان نے کہا: یَوْمٌ بِیَوْمِ الْبَدْرِ وَالْحَرْبِ سِجَالٌ. آج کا دن بدر کے بدلہ کا دن ہے اور جنگ ڈول کی مانند ہے۔ مطلب یہ کہ روز احد ہمارا فتح وغلبہ روز بدر کی مانند ہے کہ اس روز فتح ونصرت تمہیں حاصل ہوئی تھی اور جنگ ڈول کی مانند ہے کبھی ایک پانی سے بھری ہوتی ہے کبھی دوسری سے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کہو قَتْلَانَا فِی الْجَنَّةِ وَقَتْلَاکُمْ فِی النَّارِ. ہمارے شہداء جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین جہنم ہیں۔ اس کے بعد ابوسفیان نے کہا تمہارے مقتولوں کو مثلہ کر دیا گیا ہے مگر میں نے اس کا حکم نہیں دیا تھا اور میں اسے ناپسند بھی نہیں کرتا۔ اس کے بعد اس نے کہا ہماری اور تمہاری ملاقات آئندہ سال بدر میں ہوگی۔ اس کے بعد وہ اپنے گمان میں مظفر ومنصور لوٹ گیا مگر درحقیقت مخذول ومقہور لوٹا۔

جنگ کے خاتمہ کے بعد کے حالات: وصل: جب مشرکین مکہ لوٹ گئے تو صحابہ کے دلوں میں دغدغہ ہوا کہ مبادا وہ لوٹ کر مدینہ پر تاخت وتاراج نہ کریں۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا وہ دشمنوں کے عقب میں جائیں اور اس خبر کی تحقیق کریں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے تعاقب میں گئے اور یہ خبر لائے کہ مشرکین مکہ کی طرف چلے گئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کے بعد کفار قریش ہم پر کبھی بھی کامیاب نہ ہوں گے اور انشاء اللہ ہمیں مکہ مکرمہ کی فتح نصیب ہوگی۔

جب مشرکین مکہ لوٹ گئے تو مسلمان اپنے شہیدوں کی جستجو وتلاش میں مشغول ہو گئے۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو حضرت سعد بن ربیع بن عمرو انصاری عقبی بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال تحقیق کر کے بتائے کہ وہ زندوں میں ہیں یا شہیدوں میں۔ وہ بارگاہ نبوت کے مخلصوں اور محبوبوں میں سے تھے۔ ایک انصاری ان کی جستجو وتلاش میں گئے تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہیدوں کے درمیان پایا۔ اس وقت ان میں زندگی کی کچھ رمق باقی تھی تو ان انصاری نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام ان کو پہنچایا۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرا اسلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنا اور عرض کرنا کہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتا ہے۔ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفْضَلَ مَاجَزٰی نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِهٖ. اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزا مرحمت فرمائے اس سے افضل جو نبی کو اپنی امت کی جانب سے جزا ملے۔ اسی طرح صحابہ کرام کو میرا اسلام پہنچانا اور کہنا اگر تم نے خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری میں کوتاہی کی تو بارگاہ الٰہی میں کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔ یہ کہا اور جان، جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ اس کے بعد وہ انصاری رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آئے اور صورت حال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اَرْضَ عَنْ سَعْدِ بْنِ الرَّبِیْعِ. اے خدا! سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راضی ہو جا۔ سبحان اللہ کیا محبت واخلاص ہے کہ جان دے رہے ہیں اور شکر زبان پر جاری ہے عذر خواہی کر رہے ہیں۔ جس وقت انہیں یقین کامل حاصل ہو گیا کہ جو نعمت حق اور دین اسلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں درمیان سے حجابات مرتفع ہو گئے تو اب کہاں توقف واشتباہ کی گنجائش رہی۔

علماء فرماتے ہیں کہ شہید کو جس وقت جان دینا اور خود سے گزرنا ہوتا ہے اس وقت اس پر ایسی چیز منکشف ہوتی ہے اور اسے وہ چیز دکھائی جاتی ہے جو دوسروں پر منکشف نہیں ہوتی۔ مومن کا اصل مقصود یہی جان وروح کا اختیار کے ساتھ دے دینا ہے۔ دیگر اختیارات

اس کی فرع ہیں اور اس سے کم تر ہیں۔ حکایات مشائخ میں منقول ہے کہ جریری نے شیخ ابوعبداللہ حنیف سے فرمایا: اَلشَّھَادَۃُ ھُوَ بَذْلُ الرُّوْحِ وَلَا تَغُرَّ بِتُرُّھَاتِ الصُّوْفِیَۃِ اصل چیز درجہ شہادت میں روح ہی ہے تو تم صوفیہ کی بناوٹوں سے مغرور نہ ہو۔

شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھنے کے ضمن میں محدثین کرام اور اہل سیر سے روایتیں مروی ہیں۔ بعض کا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ ان کے بعد جو جنازہ آتا رہا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب رکھا جاتا رہا اور نماز پڑھی جاتی رہی یہاں تک کہ ستر نمازیں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گزاری گئیں۔ اکثر ائمہ محدثین کا قول یہ ہے کہ نماز بار بار نہیں پڑھی گئی اور یہی مذہب شوافع کا مختار ہے اسی پر احناف بھی ہیں۔ یہ مبحث بطول وتفصیل شرح سفر السعادۃ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ وہاں دیکھنا چاہئے فرمایا شہداء کیلئے غسل کا حکم نہیں ہے انہیں خون آلود کپڑوں میں دفن کر دیں۔ فرمایا حق تعالیٰ روز قیامت ان کو اس حال میں اٹھائے گا کہ ان کے زخموں سے خون بہتا ہوگا اور فرمایا رنگ تو خون کا ہوگا مگر اس کی خوشبوء مشک کی مانند ہوگی اور فرمایا کسی شہید کو یہاں سے کسی دوسری جگہ نہ لے جائیں۔ اور اگر کوئی اپنے شہید کو دوسری جگہ لے گیا ہے تو وہ دوبارہ یہیں لے آئے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ لے گئے تھے۔ فرمان نبوی کے بعد ان کو دوبارہ احد میں لائے۔

آپ نے یہاں تک فرمایا کہ جن شہداء کے درمیان الفت ومحبت زیادہ تھی ان کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیں۔ چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو ان کے بھانجے تھے ایک ہی قبر میں رکھا گیا۔ اس طرح کسی کسی میں تین تین شہیدوں کو یکجا دفن کیا گیا اور یہ بھی فرمایا کہ جو قرآن زیادہ پڑھا ہوا ہو اسے لحد میں رکھیں۔ دن کے آخری حصہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ واپسی فرمائی۔ ہر قبیلہ کے مرد وعورت آپ کے استقبال کیلئے نکل آئے۔ یہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی اور بقائے ذات اقدس پر شکر خدا بجالا رہے تھے اور ہر شخص جس کو جو مصیبت پہنچی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کے مقابلہ میں اس مصیبت کو آسان سمجھ رہا تھا۔

ایک عورت تھی جس کا باپ' بیٹا' شوہر اور اس کے جملہ اقارب شہید ہو گئے تھے وہ لوگوں سے دریافت کرتی پھرتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں؟ اگر وہ حیات ہیں تو کسی کے مرنے کا کوئی مضائقہ نہیں اور نہ کسی کا غم ہے۔

من ودل گرفدا شدیم چہ باک غرض اندر میان سلامت تست

جب آپ سلامت ہیں تو گویا سب موجود ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی عبدالاشہل میں پہنچے یہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ ہے تو کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رافع (حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ) باہر آئیں۔ یہ دوڑتی ہوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچیں تا کہ جمال جہاں آرا مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آنکھوں کو روشن کریں۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار تھے اور سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میری والدہ آ رہی ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی وخدمت گزار ہیں۔'' فرمایا ''مرحبا مرحبا'' پھر وہ آئیں اور قریب ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار مبارک سے مشرف ہوئیں۔ عرض کرنے لگیں ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب میں نے آپ کو سلامت پالیا تو اب ہر مصیبت کا گھونٹ پی سکتی ہوں'' سید رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان کے بیٹے عمرو بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعزیت کرتے ہوئے فرمایا۔ ''اے سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تمہیں بشارت ہو اور تم اپنے سب گھر والوں کو بشارت دیدو کہ جن مقتولوں نے شربت شہادت نوش کیا ہے۔ وہ جنت کے منازل میں ہیں اور وہاں سیر وتفریح کر رہے ہیں۔ ان کی شفاعت ان کے گھر والوں کیلئے قبول ہوگی۔ کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس حال

میں راضی ہیں'' اس بشارت کے بعد یہ تہنیت کا مقام ہے نہ کہ تعزیت کا۔ عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پسماندگان کیلئے دعا فرمائیے۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ حُزْنَ قُلُوْبِهِمْ وَاُجُرْ مُصِيْبَتِهِمْ. اے خدا! ان کے دلوں کے غم کو دور فرما اور ان کی مصیبتوں کا اجر دے۔ حکم دیا کہ جو زخمی ہوا اپنے گھر چلا جائے اور اپنا علاج کرے اور ہمارے ساتھ نہ چلے۔ ''بنی الاشہل کے حضرات بہت زیادہ زخمی تھے۔ تقریباً اس کے بیس افراد زخمی ہوئے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں آپ کے کاشانۂ اقدس تک آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شانۂ اقدس میں پہنچا کر پھر اپنے گھر آئے۔

مروی ہے جب مصیبت زدگان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کیلئے باہر نکلے تھے تو فاطمہ دختر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم راستہ کے کنارہ کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کو دیکھ رہی تھیں۔ جوق در جوق لوگ آتے تھے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان میں اپنے والد حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلاش کرتی تھیں مگر لوگوں میں وہ نظر نہ آئے تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے دریافت کیا۔ ''میرے والد کہاں ہیں؟ ان کو میں اس لشکر میں نہیں دیکھ رہی ہوں۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل بھر آیا اور چشم پرنم ہو گئیں۔'' آپ نے فرمایا ابھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں جب سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اپنے والد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی نہ دیکھا۔ سواری کی گام تھام کر عرض کرنے لگیں۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے والد کہاں ہیں'' فرمایا۔ ''تمہارا والد میں ہوں!'' عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کلام مبارک سے خون کی بو آ رہی ہے؟'' ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ صحابہ کے بھی آنسو نکل آئے۔ اس کے بعد فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے والد کے شہادت کی کیفیت بیان فرمائیے'' فرمایا ''اے بیٹی! اگر اس کی کیفیت بیان کروں تو تمہارا دل قابو میں نہ رہے گا'' اس سے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (دختر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی چیخ نکل گئی۔

اس مقام پر ایک عجیب حکایت ہے جسے ارباب سیر نقل کرتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اکثر انصار کے گھروں سے عورتوں کے رونے کی آواز سماعت فرمائی۔ مگر حضرت حمزہ کے گھر سے رونے کی آواز نہ سنائی نہ دی۔ فرمایا: لٰكِنْ حَمْزَةَ لَا بَوَاكِيَ لَهٗ. مطلب یہ کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے کوئی عورت رونے والی نہیں ہے۔ انصار نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے اپنی عورتوں سے کہا کہ پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر جاؤ اور ان کیلئے روؤ۔ اس کے بعد اپنے گھر آ کر اپنے شہیدوں کیلئے رو'' انصار کی عورتیں شام اور سونے کے وقت کے درمیان حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آئیں اور آدھی رات تک ان کیلئے روتی رہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خواب گاہ میں تشریف لے جا چکے تھے۔ جب بیدار ہوئے تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سے عورتوں کے رونے کی آوازیں سماعت فرمائیں۔ دریافت فرمایا ''یہ کیسی آوازیں ہیں؟'' عرض کیا ''یہ آپ کے چچا پر انصار کی عورتوں کے رونے کی آواز ہے'' پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور فرمایا: رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْكُنَّ وَعَنْ اَوْلَادِكُنَّ وَاَوْلَادِ اَوْلَادِكُنَّ. اللہ تعالیٰ تم سے اور تمہاری اولاد سے اور تمہاری اولاد کی اولاد سے راضی ہو۔ اتنا تو معارج النبوۃ میں مذکور ہے اور روضۃ الاحباب میں اتنا زیادہ ہے کہ فرمایا ''میرا مقصد یہ نہ تھا کہ عورتیں آئیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر روئیں'' اور آپ نے نوحہ کرنے سے منع فرمایا۔ اس مخالفت میں تاکید و مبالغہ فرمایا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

بندۂ مسکین ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین یعنی شیخ محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ لٰكِنْ حَمْزَةَ لَا بَوَاكِيَ لَهٗ. اس سے مقصود افسوس کے علاوہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مصیبت و غربت پر ہمدردی اور غم خواری کرنا تھا۔ کیونکہ وہ نہایت دردناک حالت کے ساتھ شہید کئے گئے تھے اور دوسری غربت یہ تھی کہ کوئی ایسا نہ تھا جو ان کیلئے روئے اور بغیر نوحہ کے

رونا ممنوع بھی نہیں ہے۔ لیکن انصار چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے اس بنا پر انہوں نے اس کا یہ مفہوم لیا حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ نہ تھا کہ عورتیں آئیں اور روئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب ان کی جانب سے اپنی خوشنودی کی خواہش کو ملاحظہ فرمایا تو ان کیلئے دعا فرمائی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس رونے نے نوحہ گری کی صورت اختیار کر لی ہو اور اس سے آپ نے منع فرمایا اور اس مخالفت میں مبالغہ و تاکید فرمائی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت تک نوحہ بھی مباح ہو اور اس کے بعد اس حکم کو منسوخ فرما دیا ہو (واللہ اعلم)

یہ بات پایۂ صحت کو پہنچی ہے کہ غزوۂ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے۔ چار مہاجرین میں سے اور چھیاسٹھ انصار میں سے اور کفار نگونسار کے لشکر میں سے تقریباً تیس افراد جہنم رسید ہوئے تھے۔

جب مسلمانوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! یہ مصیبت ہمیں کس بنا پر پہنچی تو حق تعالیٰ سے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ. مطلب یہ کہ جب تمہیں وہ مصیبت پہنچی یعنی قتل و جراحت اور تم میں سے ستر اصحاب روز احد شہید ہوئے تو بلاشبہ تم ان سے دونا روز بدر دشمنوں کو پہنچا چکے ہو کہ ستر کفار بدر میں مارے اور ستر کو قید کیا تھا۔ تو اے محبوب تم فرما دو۔ یہ جو کچھ تمہیں مصیبت پہنچی ہے تو بالاشبہ تمہارے اپنے ہی نفسوں کی طرف سے ہے۔ کہ تم نے مرکز کو چھوڑ کر حکم کی خلاف ورزی کی اور فتح کا وعدہ ثبات اور ہماری مطابقت کے ساتھ مشروط تھا اور تم نے اپنے اختیار سے مدینہ منورہ سے باہر جانے میں جلدی کی اور ہمارے حکم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کا انتظار نہ کیا اور اتنی دیر توقف نہ کیا۔ جیسا کہ شروع میں گزر چکا ہے یا اس بنا پر کہ تم روز بدر قیدیوں کے فدیہ لینے کو اختیار کیا تھا اور اس کے عوض یہ وعدہ کیا تھا کہ ان قیدیوں کے برابر یعنی ستر آدمیوں کی شہادت پیش کرو گے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی دلداری فرمائی اور فرمایا: مَا اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ دونوں گروہوں کے ملنے کے دن جو تمہیں مصیبت پہنچی اور قتل و ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا یہ حق تعالیٰ کی قضا سے تھا اور مومن چونکہ خوب جانتا ہے کہ جو کچھ اسے پہنچتا ہے وہ حق تعالیٰ سبحانہ کی طرف سے قضاء وقدر ہوتا ہے اس سے اس کی تسلی ہو جاتی ہے اور وہ اس مصیبت کو آسان کر دیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ قضا وقدر پر ایمان ویقین رکھنا غم واندوہ زائل کرتا ہے۔

شہداء احد کی مخصوص فضیلتیں: وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی شان میں خصوصیت کے ساتھ فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ مطلق شہادت کی فضیلت میں جو حدیثیں مروی ہیں وہ جدا ہیں۔ فرمایا جب یہ شہداء اس جہان سے منتقل ہو کر اس جہان میں پہنچے تو حق تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے قالب میں داخل فرمایا۔ روزانہ یہ پرندے جنت کی نہروں میں آتے پانی پیتے، جنت کے پھل کھاتے اور جنتی مکانوں، محلول، باغوں اور گلستانوں میں اڑتے رہتے ہیں اور جنت کی سیر کرنے کے بعد ساق عرش پر آویزاں طلائی قندیلوں میں آ کر شب گزارتے ہیں۔ جب وہ ان دولتوں سے سرفراز تھے اور ان ناز ونعمت کو پاتے ہیں تو بارگاہ الٰہی میں مناجات کرتے ہیں کہ کون ہے جو ہمارا پیغام ہمارے بھائیوں کو پہنچائے اور ہمارے اس قرب وحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، عیش وعشرت اور عمدہ وطیب کھانے پینے کی نعمتوں سے انہیں آگاہ کرے تاکہ وہ دنیاوی زندگانی کی مدت کو غنیمت جانیں اور غزوۂ جہاد میں خوب تندہی سے سعی وکوشش کریں اور خود کو ان سعادتوں کے حاصل کرنے اور درجہ شہادت کے پانے کا اہل بنائیں اور اس سے محروم نہ رہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا میں تمہارا رب ہوں، میں تمہارا پیغام ان تک پہنچاتا ہوں پھر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ — ان لوگوں کو جو خدا کی راہ میں شہید ہوئے تم مردہ نہ گمان کرو بلکہ وہ

اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جو انہیں عطا فرماتا ہے خوش ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ نے ان پر تجلی فرمائی اور فرمایا۔ اے شہیدو! اور اے میری راہ میں جان کو قربان کرنے والو! مانگو جو چاہو؟ انہوں نے کہا اے ہمارے مولیٰ! اے ہمارے رب! ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دے اور ہمیں دنیا میں بھیج دے تاکہ ہم وہاں تیری رضا میں دوبارہ شہید ہوں۔ فرمان ہوا ہم جس کو قبض کر لیتے ہیں دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجتے۔ اس جگہ شارحین کلام کرتے ہیں کہ از روئے حیات دنیا' دوسری شہادت کے حصول کی غرض سے دوبارہ بھیجنا کیا فائدہ کرتا ہے۔ یہی ثواب جو پہلی مرتبہ کی شہادت سے انہیں حاصل ہوا۔ دوسرا مرتبہ بھی حاصل ہوتا' زیادہ کسی چیز کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے۔ انہوں نے یہ خیال کیا ہو کہ دوسری مرتبہ کا ثواب اس سے زیادہ ہوگا چونکہ اس کا ارشاد ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ. اگر تم نے شکر کیا تو اور زیادہ دوں گا اور ممکن ہے کہ شہادت کی لذت اور اس کی چاشنی کا تصور ہو۔ اگرچہ ظاہر میں الم کی صورت رکھتا ہے مگر اس کا ثمرہ اور اجر جو حاصل ہوا اسے حاصل کرنے کا دوبارہ شوق و جذبہ پیدا ہوا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے یہ عرض کرنے کا مقصود' اس نعمت کی نفاست' اظہار رضا اور جو کچھ جزا میں حاصل ہوا اس پر شکر کرنا ہو۔ مطلب یہ کہ ہم کسی اور چیز کی خواہش نہیں رکھتے اور نہ کسی چیز کی تمنا ہے۔ ان نعمتوں سے بالاتر اور خوشگوار تر ہم اور کوئی چیز نہیں جانتے اور اگر ہم چاہیں گے تو اسی کو چاہیں گے اور یہ حاصل ہی ہے۔

یہ تو عالم برزخ میں حاصل ہے۔ دیدار الٰہی کا وعدہ تو آخرت کیلئے ہے ورنہ وہ اسے ہی طلب کرتے کیونکہ دیدار الٰہی تمام نعمتوں سے بالاتر ہے۔

ظاہر حدیث و آیت کا مطلب یہ ہے کہ شہداء کی حیات' حقیقی جسمانی حیات ہے۔ محض معنوی و روحانی نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض علماء کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے۔ باوجود حیات شہداء کے انبیاء علیہم السلام کی حیات' ان سے اعلیٰ و اتم اور اکمل ہے اور حیات انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ کتاب ''جذب القلوب الی دیار المحبوب'' میں تفصیل کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے اور اس کے تمام پہلوؤں کو بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر وفات کے ضمن میں کچھ اس میں سے بھی بیان کر دیا جائے گا۔

تنبیہ: علماء فرماتے ہیں کہ پرندوں کے قالب میں روحوں کو لانا بھی تعلق ارواح کا طریقہ ہے اور چونکہ پرندوں کے ابدان' ارواح انسانی کے تصرف و تدبیر کے قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ لہٰذا اس سے ان کی تنقیص لازم آتی ہے کیونکہ مرتبہ انسانی سے گھٹا کر مرتبہ حیوانی میں لانا ایک قسم کی تنقیص ہے تو یہاں یہ صورت نہیں ہے بلکہ اس کی صورت ان جواہرات جیسی ہے جو صندوق و ظروف میں رکھے جاتے ہیں لیکن اس تقدیر پر یہ اعتراض لاحق ہوتا ہے کہ جنت کی نعمتوں سے ان کا لذت پانا اور وہاں نعمتوں سے لطف اندوز ہونا کیا ہے؟ یہ بات آلات و حواس کے وجود کو ظاہر کرتی ہے؟ مگر یہ کہ اسے اس طرح بیان کیا جائے کہ یہ جنتی پرندے' انسانی ابدان ہیں جن میں حواس انسانی کو رکھا گیا ہوگا۔ گویا کہ وہ آدمی ہی ہیں مگر صورت پرندوں کی ہے جس طرح کہ دنیا میں انسانوں کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ جنت میں پرندوں کی صورت میں ہوں گے۔ اس سے تناسخ یعنی آواگون کا وہم پیدا ہو جاتا ہے کہ روح ایک بدن سے نکل کر دوسرے بدن میں داخل ہوگئی۔ زیادہ سے زیادہ یہی تو ہے کہ اس بدن کی صورت اس بدن کی صورت سے مختلف وجدا ہے تو اس وہم کا ازالہ اور دفعیہ یہ ہے کہ تناسخ کا بطلان' دنیا میں ہے کہ وہ حشر و نشر کو باطل بناتا ہے۔ اس جگہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ بدن برزخ میں ہے جہاں وہ بطور امانت ہے اور اس کے ساتھ متعلق ہے جسے دور کر دیا جائے گا اور یہ (حشر میں) بدن اصلی میں داخل ہو جائیں گے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ شہداء کی ارواح' ان پرندوں کے ساتھ متمثل اور متجسد ہوں گی۔ یہ قول ظاہر حدیث کے منافی و مخالف ہے

کیونکہ فرمان نبوی ہے کہ یَدْخُلُ فِیْ جَوْفِ طُیُوْرٍ پرندوں کے قالب میں داخل فرمایا۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید عالم برزخ میں مرتبہ طیور پر رکھا ہوا اور بعد از حشر ونشر ابدان اصلی پیدا کر کے مرتبہ انسانی میں پہنچا دیا جائے (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

مواہب لدنیہ میں ہے جسے حافظ عماد الدین ابن کثیر سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمیں مسند امام احمد میں ایک حدیث ملی ہے جس میں مسلمانوں کو بشارت دی گئی ہے کہ ان کی روحیں جنت میں رہتی ہیں اور وہاں وہ کھاتی پیتی اور اس کی سرسبزی وشادابی کو دیکھتی رہتی ہے۔ جن چیزوں سے انہیں سرفراز کیا جائے گا اس کا وہ مشاہدہ کرتی ہیں۔ اور یہ حدیث باسناد صحیح عزیز مروی ہے اور ائمہ اربعہ مذاہب میں سے تین امام اور ان کے متبعین اس میں مجتمع ہیں۔ اسے امام احمد شافعی سے وہ امام مالک سے وہ زہری سے وہ عبدالرحمن سے وہ اپنے والد کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا مومن کی روح ایک پرندہ ہے جنت کے درختوں سے (میوے) کھاتی ہے یہاں تک کہ حق تعالیٰ اسے اس کے جسم کی طرف لوٹائے گا جس دن کہ وہ اٹھائے جائیں گے۔ لہٰذا یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مومن کی روح بھی پرند کی صورت میں جنت میں ہے اور شہداء کی روحیں طائران سبز کے جوف وحواصل میں رہتی ہے لہٰذا روح شہداء عامۂ مومنین کی ارواح کی نسبت سے راکب کی مانند ہیں۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد سے فارغ ہو گئے تو خطبہ ارشاد فرمایا حق تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد مسلمانوں کی تعزیت فرمائی ان کو اس اجر وثواب کی خبر دی جو حق تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ اس کے بعد یہ آیۂ کریمہ تلاوت فرمائی:

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ	بہت سے لوگ وہ ہیں جنہوں نے جو اللہ تعالیٰ سے عہد کیا اسے سچ کر دکھایا۔ کچھ تو ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے عہد پورا کر لیا اور کچھ وہ بھی جو منتظر ہیں۔

حضرت ابی فردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم شہداء احد کی زیارت قبور کیلئے تشریف لے گئے۔ فرمایا اے میرے رب تو ہی عبادت کا مستحق ہے بلاشبہ تیرا یہ بندہ اور تیرا رسول گواہ ہے کہ یہ جماعت تیری رضا میں شہید ہوئی ہے۔ اس کے بعد فرمایا جو شخص ان کی زیارت کرتا ہے اور ان کی تحیت وسلام بجالاتا ہے۔ یہ قیامت تک ان کو جواب دیتے رہیں گے۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد کی زیارت کیلئے تشریف لے جاتے تو فرماتے۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی راہ پر گامزن رہے اور اسی طرح زیارت وسلام کرتے رہے۔

فاطمہ خزاعیہ کہتی ہیں کہ میں ایک روز صحرائے احد سے گزر رہی تھی تو میں نے کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عَمَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ. میں نے سلام کے جواب میں سنا: عَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ. عطاف بن خالد مخزومی اپنے ماموں سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں شہدائے احد کی زیارت کو گیا میرے ساتھ دو غلام تھے جو میرے گھوڑے کی حفاظت کرتے تھے۔ ان کے سوا کوئی موجود نہ تھا چونکہ میں نے سنا ہوا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انہیں سلام کرو کیونکہ یہ زندہ ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں تو میں نے سلام کیا اور سلام کا جواب سنا۔ انہوں نے فرمایا "بلاشبہ ہم تمہیں پہچانتے ہیں۔" اس پر میں ہیبت سے لرزہ براندام ہو گیا۔ پھر میں جلدی سے سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ شہدائے احد کی فضیلت میں اخبار وآثار بہت ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ چھیالیس سال کے بعد (کسی وجہ سے) بعض شہدائے اُحد کی قبروں کو کھولا گیا۔ وہ ویسی ہی تروتازہ

مثل غنچہ ہائے گل، اپنے کفنوں میں تھے۔تم یہی کہو گے کہ انہیں آج ہی دفن کیا گیا ہے۔ان میں سے بعضوں کو دیکھا گیا کہ زخموں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں جب زخموں سے ہاتھ اٹھایا گیا تو زخموں سے تازہ خون بہنے لگا۔ جب ان کے ہاتھوں کو چھوڑا گیا تو وہ زخموں پر ہی واپس پہنچ گئے۔

وہ واقعات جن کی بناء پر ان قبور شریفہ کو کھولا گیا ان میں سے ایک یہ تھا کہ کسی کا قریبی شخص کسی اجنبی کے ساتھ مدفون ہوگیا تھا یا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح اجازت کے ساتھ یا کسی قرینہ یا قیاس واجتہاد کے ساتھ وہ انہیں نکال کر علیحدہ دفن کرنا چاہتے تھے۔ بعض قبریں اس سیلاب کی وجہ سے کھل جاتی تھیں جو بعض وادیوں سے اندر ہی اندر پانی رس رس کر آ جاتا ہے مگر یہ قلیل الوقوع تھا۔ورنہ اکثر قبریں اس بنا پر کھلیں کہ حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی امارت کے زمانہ میں مشہد کے راستہ سے ایک نہر جاری کرائی تھی اور اکثر قبریں اسی سیل سے مکشوف ہوئیں اور شہداء کو ان کی قبروں سے باہر لایا گیا۔

تاریخ مدینہ میں امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ سے شفاء السقام فی زیارہ خیرالا نام میں منقول ہے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہر کھدوا رہے تھے اور وہ نہر ان شہداء کے قریب سے گزری تو ایک کدال حضرت سیّد الشہد حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدم اقدس پر لگا اور اس سے خون بہنے لگا۔اس زمانہ میں جبکہ یہ نہر کھودی جا رہی تھی۔ عامل نے مدینہ میں منادی کرائی کہ امیر المومنین کی نہر آ رہی ہے جس کسی کی عزیز کی قبر ہو وہ آ کر انہیں نکال کر کسی اور جگہ منتقل کر دے (واللہ اعلم)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب ابوسفیان اور مشرکین احد کی جنگ سے مکہ واپس ہونے لگے تو وہ اپنی واپسی پر پشیمان تھے وہ کہتے تھے کہ ہم نے زحمت اٹھائی لشکر جمع کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں نہبت عظیم برپا کی۔ان کے اخیار اصحاب کو شہید کیا ہنوز کام تمام بھی نہ ہوا تھا کہ لوٹ پڑے۔مصلحت یہ ہے کہ پھر لوٹ چلیں اور ان کے اصحاب کا مکمل استیصال کر دیں (نعوذ باللہ) اس کے بعد مکہ جائیں۔عکرمہ بن ابوجہل اس معاملہ میں ابوسفیان کے موافق تھا لیکن صفوان بن امیہ کی رائے مخالف تھی۔ وہ کہتا تھا "تمہاری یہ رائے اچھی نہیں ہے ممکن ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب اس مصیبت کی بنا پر جو انہیں پہنچی ہے۔اب تمہارے ساتھ غضب وانتقام کے جذبے سے مقابل آ جائیں اوس وخزرج کے تمام لوگ احد میں موجود نہ تھے لہٰذا اب وہ ان سب کو جمع کر کے تمہارے مقابلہ میں لے آئیں گے۔اس معاملہ میں بڑی سعی وکوشش کریں گے اور تم سے مقابلہ کریں گے اور بعد از مغلوبیت غالب آ جائیں گے اور معاملہ الٹ کر رہ جائے گا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کے لوٹ پڑنے کے ارادے کی خبر پہنچی تو مشرکوں کے دلوں میں خوف ورعب ڈالنے کیلئے چاہا کہ انہیں ڈرائیں اور جتلا دیں کہ اہل اسلام میں ان کے ساتھ جنگ کرنے کی شوکت وقدرت اب بھی موجود ہے۔یہ اتوار کا دن تھا۔ ابھی کل جنگ ہو چکی تھی۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اعلان کر دیں کہ حکم الٰہی یہ ہے کہ مشرکوں کے ساتھ جہاد کیا جائے اور لازم ہے کہ وہ شخص جو احد میں حاضر نہ تھا باہر نہ آئے یعنی وہی لوگ آئیں جو کل احد میں موجود تھے۔ مانا کہ غرض اس سے یہ تھی کہ مشرکین جان لیں کہ وہ حضرات جو احد میں حاضر تھے اور جنہوں نے جنگ وقتال میں حصہ لیا تھا ان میں کسی قسم کی کمزوری اور سستی طاری نہیں ہوئی ہے وہ اب بھی جنگ کر سکتے ہیں۔وہ یہ بھی جان لیں کہ اوس وخزرج کے وہ باقی ماندہ حضرات جو جنگ احد میں حاضر نہ تھے ابھی ہم ان کی امداد واعانت کے محتاج نہیں ہیں۔صحابہ نے جب یہ سنا کہ حکم الٰہی ایسا ہے تو انقیاد واطاعت میں کمربستہ ہوگئے اور زخموں پر پٹیاں باندھ کر جنگ کیلئے مستعد وتیار ہو کر نکل آئے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہتھیاروں سے مسلح تشریف لا کر برسر راہ کھڑے ہوگئے۔لشکر اسلام بھی قریب آ گیا۔ان حضرات کی شان میں آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا

لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ O (جن لوگوں نے اللہ اور رسول کی آواز پر لبیک کہی بعد اس کے جوان کو زخم وغیرہ پہنچے تھے اس لیے کہ انہوں نے نیکی کی اور خدا سے ڈرے ان کیلئے بڑا اجر ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اپنے والد کے گھر بار کی نگہداشت کی وجہ سے احد میں حاضر نہ ہوئے تھے۔عرض کیا کہ مجھے بھی اجازت دیجئے تاکہ اس غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہوں ان کو اجازت عطا ہوئی ان کے سوا کسی بھی ایسے شخص کو جو احد میں حاضر نہ تھا اجازت نہ مل سکی۔آپ نے ابن ام کلثوم کو مدینہ منورہ میں خلیفہ بنایا اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم سپرد فرمایا۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا۔حمراالاسد جو ایک مقام کا نام ہے یہ مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلہ پر بائیں جانب واقع ہے اور یہاں سے ایک راستہ ذوالحلیفہ کو جاتا ہے۔آپ وہاں تک تشریف لے گئے۔ جب رات ہوئی تو فرمایا پانچ سوجگہ آگ روشن کی جائے ظاہر ہے کہ یہ تدبیر لشکر کو دشمن کی نظر میں زیادہ بڑا دکھانے کیلئے تھی تاکہ مشرکین جب اس روشنی کی بابت سنیں اور دیکھیں تو ان پر خوف وہیبت طاری ہو (واللہ اعلم)

معبد بن ام معبد خزاعی جو ابھی اسلام سے مشرف نہ ہوا تھا لیکن وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت رکھتا تھا اس لیے کہ قبیلہ بنی خزاعہ کے لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف وہم سوگند تھے اس وقت مکہ جارہا تھا جب وہ ''حمراء الاسد'' میں پہنچا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور صحابہ کرام کی تعزیت حضور سے کی۔اس کے بعد وہ سفر کی غرض سے آگے چل دیا۔جب وہ ابوسفیان اور مشرکوں کے لشکر میں پہنچا تو ابوسفیان نے اس سے پوچھا کہ بتاؤ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا خبر رکھتے ہو؟ معبد نے جواب دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حاضرین معرکہ احد اور ان کے سوا بہت سے اصحاب کی جمعیت کے ساتھ تم سے انتقام لینے کیلئے مدینہ سے باہر آگئے ہیں اور میں نے ان کو...... ''حمراء الاسد'' میں چھوڑا ہے۔کفار نے کہا ''یہ کیا بات ہے'' معبد نے کہا ''خدا کی قسم میں ٹھیک کہتا ہوں میرا خیال ہے کہ قبل اس کے کہ تم اس منزل سے کوچ کرو ان کے لشکر کے گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھ لوگے اور ان کی آواز سن لوگے'' مخفی نہ رہنا چاہئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر حاضرین معرکہ احد کو اپنے ہمراہ نہ لیا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے مگر معبد نے چونکہ کہا حاضرین معرکہ اور ان کے سوا بڑی جمعیت کے ساتھ باہر نکلے ہیں۔اس نے اس پر جھوٹی قسم بھی کھائی تو ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اس نے یا تو دروغ مصلحت آمیز خیال کر کے قسم کھائی یا پھر اس نے ایسا ہی گمان کیا تھا اور تحقیق حال اور اس کی تفتیش نہ کر سکا تھا اور یوں ہی کہہ دیا ہو۔یا یہ بات ہو کہ اس زمانہ میں اس میں راست گوئی کا جذبہ نہ ہو۔بہر حال خدا ہی بہتر جانتا ہے اس خبر سے مشرکوں کا وہم قوی ہو گیا اور ان کے دل میں ایک خوف طاری ہو گیا اور پوری تیزی کے ساتھ مکہ کی جانب چل پڑے۔معبد نے فوراً ایک قاصد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور آپ کو صورت حال سے باخبر کیا۔ادھر ابوسفیان نے بھی ایک جماعت مدینہ کی طرف بھیجی کہ وہ مسلمانوں کو ڈرائے کہ ہم جنگ اور تمہیں نیست و نابود کرنے کے ارادے سے آنے والے ہیں ہشیار رہیں۔ یہ لوگ بھی حمراء الاسد پہنچے اور ابوسفیان کی بات مسلمانوں کو پہنچا دی۔مسلمانوں نے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ O اسی مفہوم کی خبر یہ آیہ کریمہ دے رہی ہے کہ

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ O

وہ حضرات جن سے لوگوں نے کہا کہ وہ تمہارے برخلاف جمع ہو گئے ہیں ان سے ڈرو تو اس سے ان کا ایمان اور زیادہ ہوا۔اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا وکیل ہے۔

اس میں یہ تنبیہہ ہے کہ مسلمان کو جب دشمن کی طرف سے کوئی خوف وہراس لاحق ہو تو یہ کلمہ کہے تاکہ ان کے شر سے نجات پائے۔

ماثورہ دعاؤں میں اتنا اضافہ مروی ہے۔ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُO

اسی جگہ یعنی حمراء الاسد میں ابوعزہ شاعر جو اسیران بدر میں سے تھا اور بغیر فدیہ لیے یہ عہد لے کر چھوڑ دیا گیا تھا کہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شریک نہ ہوگا مگر اس نے بدعہدی کی تھی اور وہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں موجود تھا گرفتار ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کر دینے کا حکم دیا اور فرمایا: لَایُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ مَرَّتَیْنِ. ''مسلمان ایک سوراخ سے دومرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔'' دوسرا شخص معاویہ بن مغیرہ جو واجب القتل تھا اور مسلمانوں کو ایذائیں دیتا تھا گرفتار ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو قتل کرنے کا حکم فرمایا۔

سریہ رجیع: واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے جو ہجرت کے چھتیسویں مہینہ ماہ صفر میں واقع ہوا۔ وہ سریہ رجیع ہے جو ''ہذیل'' کی طرف ہے۔ یہ مقام مکہ اور عسفان کے درمیان نواح حجاز میں ہے چونکہ اس قضیہ کا وقوع اس کے قریب ہی ہوا تھا اس لیے اس قضیہ کا یہی نام رکھ دیا گیا۔ اس قصہ میں عضل اور قارہ کی بات ہے۔ یہ دو گاؤں کے نام ہیں۔ دوسرا سریہ بیر معونہ کا ہے جو سال چہارم میں واقع ہوا ہے۔ اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ اس میں رعل اور ذکوان کا ذکر ہے۔ محمد بن اسحق کہتے ہیں کہ سریہ رجیع تیسرے میں ہے اور ''بیر معونہ'' چوتھے سال کے شروع میں ہے۔ ان دونوں سریے کا وقوع ایک دوسرے کے قریب ہے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ اصحاب رجیع اور بیر معونہ کی خبر ایک ہی رات میں آئی اور ترجمہ بخاری کا سیاق بھی یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ سریہ رجیع و بیر معونہ کا بھیجنا ایک ہی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اس لیے کہ رجیع کی طرف عاصم وحبیب اور ان کے اصحاب کے سریہ کو بھیجا گیا تھا۔ اور یہ عضل (بفتح عین وسکون ضاد اور آخر میں لام) اور قارہ (بقاف وراء) کے ساتھ ہے اور بیر معونہ سریہ قرار ہے اور وہ رعل ذکوان کے ساتھ ہے۔ بخاری نے دونوں کو جمع کر دیا ہے اس بنا پر کہ دونوں ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔ بخاری کی یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ دونوں ایک ہی قضیے ہیں۔

اب رہا سریہ رجیع کی تفصیل! وہ یہ ہے کہ احد سے واپسی کے بعد سفیان بن خالد ہذلی (بضم ہا وفتح ذال) لحیانی جو اشقیاء ناس میں سے تھا۔ عضل وقارہ کے قبیلہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ قریش کی تہنیت کیلئے مکہ پہنچا کیونکہ بظاہر احد میں ان کو ایک قسم کی فتح اور غلبہ نے منہ دکھایا تھا۔ جب وہ مکہ میں آئے تو انہوں نے سنا کہ سلافہ بنت سعد زوجہ طلحہ بن ابی طلحہ نے جو احد میں کافروں کی علمبردار تھی اور اس کا شوہر اور اس کا بیٹا مارا گیا تھا۔ اس نے اعلان کرایا ہے کہ جو کوئی عاصم بن ثابت (جنہوں نے اس کے شوہر اور دونوں بیٹوں کو واصل جہنم کیا تھا) کا سر لائے گا اسے سو منتخب اونٹ دیئے جائیں گے۔ مدارج النبوت کی عبارت سے بھی مستفاد ہوتا ہے اس کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سلافہ کا اعلان خاص طور پر عاصم بن ثابت کے بارے میں تھا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ اس عورت نے شرط لگائی تھی کہ جو کوئی ان کے بیٹوں کے قاتلوں میں سے کسی ایک کا سر لائے گا اسے بہترین سو اونٹ دیئے جائیں گے۔ اس کے چار بیٹے تھے ان میں سے دو کو تو حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہنم رسید کیا تھا۔ اور ایک کو طلحہ بن عبید اللہ نے اور ایک کو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جہنم رسید کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت کی شرط خاص طور سے عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نہ تھی اور حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام خاص طور پر یوں لیا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سریہ کے ہمراہ بھیجا تھا۔ بہر تقدیر سفیان بن خالد شقی مذکور کو اس میں یہ لالچ پڑا کہ اگر اس عورت کا مقصود حاصل ہو جائے تو سو اونٹ ہاتھ آجائیں گے۔ اس نے اس کیلئے ایک منصوبہ بنایا اور اس منصوبہ کے تحت اس نے اپنی قوم کے شریر لوگوں میں سے سات کو چنا اور ان کو مدینہ کی طرف روانہ کر دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر اسلام کا اظہار کریں۔ عرض کریں کہ وہ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کو ہمارے ہمراہ بھیجیں تاکہ وہ ہماری قوم کو اسلامی احکام وشرائع سکھائیں۔ ممکن ہے وہ سلافہ کے لڑکوں کے تین قاتلوں میں سے

کسی کو تمہارے ہمراہ روانہ کردیں اس طرح ہمارا مدعا حاصل ہو جائے گا۔ چنانچہ قوم عضل وقارہ کے یہ ساتوں آدمی مدینہ آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور ہماری قوم کی ایک جماعت بھی اسلام میں آ گئی ہے۔ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کو بھیجئے تا کہ وہ ہمیں قرآن پڑھائیں اور احکام شریعت سکھائیں۔

صحیح بخاری میں اس قصہ کا ذکر نہیں ہے اور حدیث کو یہیں سے شروع کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سریہ کو بھیجا اور عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنایا۔ پھر یہ سریہ عسفان اور مکہ کے درمیان روانہ ہو گیا۔ (آخر قصہ تک) اور جس طرح کہ کتب سیر میں اس قصہ کو بیان کیا گیا ہے۔ یہی ہے کہ سفیان بن خالد نے اپنی قوم کے سات شخصوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ بھیجا اور نفاق سے اسلام ظاہر کیا۔ ایک جماعت کو ساتھ بھیجنے کی درخواست کی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک سریہ کے ساتھ بھیج دیا۔ اس طریقہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ اس جماعت نے ثابت بن ابی الافلح (جو عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ہیں) کے یہاں قیام کیا اور عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ محبت ومودت کی بنیاد رکھی اور صبح وشام عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خوشامد وچاپلوسی کی باتیں کرنے لگے۔ کہتے کیا بات ہے کہ تم اپنے تمام آدمیوں کے ساتھ ہی رہتے حالانکہ ہمارے نبی ہمارے ساتھ بھیجیں گے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس صحابہ کو منتخب فرما کر ان سات آدمیوں کے ساتھ کیا جس میں عاصم، خبیب بن عدی، مرشد، عبداللہ بن طارق، خالد بن ابی البکر، زید بن الدثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ عاصم کو بقول صحیح اور بقول مرشد امیر بنایا۔ اس کے بعد یہ دس صحابہ ان سات عضل وقارہ کے منافقوں کے ساتھ اپنے ہتھیار لگا کر چل پڑے اور اس موضع تک پہنچے جس کا نام ''بدہ'' ہے جو عسفان اور مکہ کے درمیان ہے۔ ان منافقوں میں سے ایک جدا ہو کر سفیان بن خالد ملعون کے پاس چلا گیا اور حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اصحاب کے آنے کی خبر دی اور وہ جہنمی کتا، تقریباً دوسو دیگر ملعونوں کے ساتھ ایک روایت میں ہے کہ تقریباً سو تیر اندازوں کے ساتھ مسلمانوں کی طرف آیا۔ ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ اس روایت میں غیر تیر اندازوں کا شمار واعتبار نہیں کیا گیا ہے۔ صبح کا وقت تھا اور عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس موقع تک پہنچ گئے تھے جو رجیع کے قریب تھا وہ وہیں اتر گئے اور وہ کھجوریں جو مدینہ منورہ سے اپنے ہمراہ لائے تھے، کھاتے جا رہے تھے اور پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔ ابن سعد کی روایت میں اس طرح ہے کہ جب انہوں نے محسوس کیا (کہ ان کے ساتھ فریب کیا گیا ہے تو) عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی نے فدفد کی پناہ لی۔ فدفد بروزن جعفر ہے اور اونچے ٹیلے کو کہتے ہیں۔ پہلی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے ان سات منافقوں میں سے ایک کا جدا ہو جانا انہوں نے محسوس کر لیا تھا جس سے انہوں نے یہ جان لیا کہ یہ کافر وملعون ہیں۔ یہ مقام فریب ودغا ہے۔ قبیلہ بنولحیان کی ایک عورت اس نواح میں بکریاں چرا رہی تھی جب وہ رجیع کے پانی پر پہنچی تو دیکھا کہ وہاں کھجوروں کی گٹھلیاں پڑی ہیں۔ کہنے لگی خدا کی قسم! یہ کھجوریں یثرب کی ہیں اس لیے کہ مدینہ کے کھجوروں کی گٹھلیاں باریک وپتلی ہوتی ہیں۔ اس نشانی سے اس نے پہچانا اور کافروں سے کہا کہ اے لوگو تمہارے مطلوبوں کی جماعت نے رات اس پانی پر گزاری ہے۔ پھر کفار رجیع سے قدموں کے نشانوں پر چلنے لگے وہ بدبخت وملعون شخص جو راہ جدا ہو گیا تھا۔ ان کافروں کے آگے آگے آ رہا تھا۔ خالد بن ابی البکر نے عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کہا ''اے ابو سلیمان! تمہارے مہمان نے ہمیں فریب دیا ہے عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی تصدیق کی اور ساتھیوں کو جنگ کرنے کی ترغیب دی'' اور کہا۔ اے ساتھیو! درجہ شہادت کو غنیمت جانو اور اعدائے دین کے ساتھ جنگ کرو، کافروں نے جب دیکھا کہ مسلمان جنگ کرنے پر آمادہ ہیں تو وہ نصیحت کرنے لگے کہ خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو کیونکہ تم ہمارے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم مرنے سے نہیں ڈرتے کیونکہ ہم دین حق کے مددگاروں میں سے ہیں اور دین کی راہ میں جان دینا ہمارا کام ہے۔ کافروں نے کہا اے

عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ! جلدی نہ کرو اور خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو ہم تمہیں امان اور پناہ دیتے ہیں۔ عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے لوگو! میں کسی مشرک کی امان قبول نہیں کرتا اور کسی کافر کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیتا' ہم نے خدا کے ساتھ عہد کیا ہے اور اسی سے التجا کی ہے کہ میرے کسی عضو کو کوئی کافر نہ چھوئے گا۔ میں نے سنا ہے کہ طلحہ کی بیوی سلافہ نے نذر مانی ہے کہ میرے سر کے پیالہ میں شراب پئے۔ اس کے بعد کہا: اے خدا! ہمارے احوال کی خبر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اس کی خبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو وہ سب کچھ بتا دیا جو انہیں مصیبت پہنچی تھی۔ انہوں نے دعا مانگ کر تیراندازی شروع کر دی۔ جب تیر ختم ہو گئے تو نیزے سے مقابلہ شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کا نیزہ ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد تلوار نکال کر مقابلہ شروع کر دیا اور دعا میں کہا "اے خدا! میں نے پہلے دن سے ہی تیرے دین کی حمایت کی ہے تو آخری دن میں میرے جسم کو مشرکوں سے محفوظ رکھ۔" اس کے بعد کافروں نے تیروں کی بارش شروع کر دی اور عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

یہ جو انہوں نے دعا میں کہا تھا کہ "اے خدا! میں نے پہلے دن سے ہی تیرے دین کی حمایت کی ہے تو آخری دن میں میرے جسم کو مشرکوں سے محفوظ رکھ۔" اس میں اپنے عمل پر اجرت و مزدوری کی طلب اور اس کا استحقاق نہیں ہے بلکہ مقصود اظہار تمنا و آرزو ہے کیونکہ جب اس نے اپنے فضل سے یہ بات عطا فرمائی ہے تو میں اس کا بھی امیدوار ہوں کہ تو ایسا کرے۔ اس لیے کہ اہل حقیقت کا طریقہ باب قرب میں طلب اجر نہیں ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ شریعت کے معاملہ میں وعدہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے صدق پر بس نظر ہوتی ہے اور اہل غار کی بات میں آیہ کریمہ کی دلالت موجود ہے۔ کہ فرمایا: اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ. اگر تم نے اللہ کی مدد کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ یہ اس پر دلیل و حجت ہے جب ان ارباب شقاوت نے ارادہ کیا کہ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کو ان کے تن اقدس سے جدا کر کے سلافہ کے پاس لے جائیں اور شرط کے بموجب سو اونٹ حاصل کریں تو حق تعالیٰ نے زنبور یعنی بھڑوں کے ایک لشکر کو حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تن اقدس کی حفاظت کرلیے بھیجا اور انہوں نے ان کے جسم کو اپنے گھیرے میں لے لیا جو کافر بھی آگے بڑھتا ایک دم ہجوم کر کے اس پر حملہ کرتیں اور اپنے ڈنگ سے اسے کاٹ لیتیں اور اس کو حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے بھگا دیتی تھیں۔ یہاں تک کہ کسی کو طاقت نہ ہوئی کہ ان کے قریب آ سکتا۔ جب رات ہوئی تو حق تعالیٰ نے پانی کا ایک سیلاب بھیجا جو ان کے جسم شریف کو بہا کر لے گیا اور انہیں دشمنوں سے اوجھل کر دیا۔

مروی ہے کہ جب سفیان بن خالد اور اس کی قوم ملاعنہ' سلافہ بنت سعد کے پاس ان اونٹوں کی طلب میں گئی تو سلافہ نے کہا کہ میں نے تو یہ شرط لگائی تھی کہ جو کوئی میرے لڑکوں کے قاتلوں کو بجسم یا ان کا سر لائے گا تو میں اسے سو اونٹ دوں گی۔ تم تو کچھ بھی اپنے ساتھ نہ لا سکے میں اونٹ کس لیے تمہیں دوں چنانچہ یہ وہاں سے خائب و خاسر اور نامراد لوٹے۔ (لعنۃ اللہ علیہم اجمعین)

اس سریے کے چھ حضرات کفار کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ خبیب بن عدی' عبداللہ بن طارق اور زید بن الدثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ مشرک امن کا وعدہ کر کے پہاڑ سے نیچے لے آئے۔ بعد میں ان بدبختوں نے عہد شکنی کی اور ان کے ہاتھوں کو ان کی کمانوں کے چلے سے باندھ دیا۔ عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ان کی غداری دیکھی تو کسی حیلہ سے اپنے ہاتھوں کو بندش سے کھول لیا اور شمشیر تان کر دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ بالآخر کافروں نے سنگ باری کر کے ان کو شہادت کی سعادت سے بہرہ مند کر دیا۔ خبیب اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فروخت کرنے کیلئے مکہ لے گئے۔ خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حارث بن عامر بن نوفل نے خرید لیا تا کہ حارث بن عامر کے بدلے میں کیوں کہ اس کو خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مارا تھا قتل کرے اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صفوان بن امیہ نے پچاس اونٹوں میں خرید لیا تا کہ حارث بن عامر کے بدلے میں تمام ہو کیونکہ اس کو خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مارا تھا ان کو مکہ

معظّمہ میں ماہ ذیقعد میں لایا گیا تھا۔اس کے بعد ان دونوں کو محبوس کر دیا گیا تا کہ اشہر حرم یعنی حرمت والے مہینے گزر جائیں۔

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب وہ محبوس تھے لوگوں نے انگور کا خوشہ کھاتے دیکھا۔ حالانکہ مکہ مکرمہ میں اس زمانہ میں کسی قسم کا کوئی میوہ بازاروں میں نہ ہوتا تھا اور خوشہ انگور کا رزق دیا جانا حق تعالیٰ کی ہی جانب سے انہیں روزی پہنچانا تھا۔ جب اشہر حرم گزر گئے تو موضع تنعیم میں جو زمین حرم سے خارج ہے اور مکہ سے قریب ترین زمین حل ہے۔ وہاں خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زید کو سولی پر چڑھانے کیلئے لائے۔اس وقت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریش سے کہا کہ انہیں اتنی مہلت دیدی جائے کہ وہ دو رکعت نماز پڑھ لیں۔حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈالا کہ وہ ان کی اس خواہش کو مان لیں اور شہیدان حق کے درمیان ان کی یہ سنت یادگار رہے۔حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ یہ کہیں کہ وہ موت سے ڈرتا ہے تو میں نماز کو طویل کرتا۔اس وقت چند اشعار کہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''میں مرنے سے نہیں ڈرتا جبکہ میں مسلمان ہو کر مر رہا ہوں خواہ میرے جسم کے ایک ایک جوڑ کو جدا کر کے مجھے ہلاک کریں۔میری یہ ہلاکت ذات حق تعالیٰ کی خوشنودی و رضا میں ہے۔اگر خدا نے چاہا تو وہ میرے جسم کے ٹکڑوں پر برکتیں نازل فرمائے گا۔''

اس کے بعد ان کافروں پر لعنت بھیجی اور دعا کی کہ ''اے خدا! ان میں سے کسی کو نہ چھوڑ اور ان سب کو جدا جدا کر کے ہلاک فرما اور ان میں سے کسی ایک کو نہ چھوڑ۔'' ارباب سیر کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اس وقت جتنے موجود تھے ان میں سے اکثر کو تھوڑے ہی زمانہ میں بلاؤں میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا۔معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس واقعہ کے وقت موجود تھا۔میرے باپ نے مجھے ان کی دعا کے خوف اور ڈر سے زمین پر لٹا دیا تا کہ اس کے حق میں یہ بددعا اثر نہ کرے۔سبحان اللہ کیا جہل و عناد ہے اگر تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی دعا کا ایسا اثر مانتے ہو اس سے ڈرتے ہو اور اس کا اعتبار کرتے ہو تو کیوں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتے اور ان پر ایمان نہیں لاتے۔ یقیناً یقیناً آپ سے بھی وہ سب ڈرتے ہیں لیکن ان کی شقاوت اور ان کا عناد ان کا پیچھا نہ چھوڑتا تھا کہ وہ ایمان لائیں **نعوذ باللہ من ذالك**۔ اس کے بعد خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سولی پر اس طرح لایا گیا کہ ان کا چہرہ مبارک مدینہ طیبہ کی طرف رہے اور کعبہ سے رخ پھرا رہے۔حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مجھے اس سے کیا نقصان ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے: فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ تو تم جدھر رخ کرو گے اسی طرف حق تعالیٰ کا رخ ہے اور خود مدینہ منورہ، کعبہ کا اور ان کا حقیقی قبلہ ہے۔کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف فرما ہیں۔پھر کفار نے ان سے کہا دین اسلام سے منحرف ہو جاؤ تو تمہیں نجات دیدیں گے۔فرمایا قسم ہے رب العزت کی، اگر تمام روئے زمین مجھے دیدی تو میں دین حق سے منہ نہ موڑوں گا۔ایک جان کیا چیز ہے سو جانیں بھی ہوں تو اس پر فدا ہیں۔کفار کہنے لگے اس وقت تمہاری خواہش تو یہ ہوگی کہ تیری بجائے اس دار پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتے (معاذ اللہ) اور تو اپنے گھر میں سلامتی کے ساتھ رہتا۔خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''خدا کی قسم! میں تو یہ بھی گوارہ نہیں کرتا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک میں کانٹا چبھے اور میں گھر میں بیٹھا رہوں۔غرضیکہ کفار نے ہر قسم کا خوف دلایا، سختیاں کیں اور بیہودگیاں کیں کہ ان کو دین حق سے منحرف کر دیں مگر وہ منحرف نہ ہوئے یہاں تک کہ ان کو قتل کر دینے ہی کا فیصلہ قرار پایا۔اس وقت انہوں نے کہا ''اے خدا! میں اس جگہ دشمنوں کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا ہوں اور دوستوں میں سے کوئی یہاں نہیں ہے جو میرا پیغام تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائے۔اے خدا! تو ہی میرا اسلام بارگاہ رسالت میں پہنچا۔''

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف میں ایک جماعت کے ساتھ موجود تھا کہ یکا یک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی علامت ظاہر ہوئی۔اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا و رحمۃ اللہ علیہ اور

فرمایا خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریش نے شہید کر دیا ہے اور یہ جبریل امین ہیں جو ان کا سلام مجھے پہنچا رہے ہیں۔ اس کے بعد مشرکوں نے بدر کے پسماندوں کو بلایا جن کے باپ وغیرہ بدر میں مارے گئے تھے۔ چالیس آدمی برچھیاں تانے آگے آ گئے اور حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم اقدس میں چبھونے لگے۔ وہ ان کی ضرب سے اضطراب میں آتے اور جنبش کرتے یہاں تک کہ وہ ان کا چہرہ کعبہ کی جانب ہو گیا۔ اس وقت انہوں نے کہا حمد ہے اس خدا کی جس نے میرا رخ اس کعبہ کی جانب پھیرا جس سے وہ خود راضی ہے اپنے لیے اپنے نبی کیلئے اور تمام مسلمانوں کیلئے اگرچہ ان کا رخ بہرحال قبلہ حقیقی کی جانب تھا۔ لیکن انہوں نے چاہا کہ حق تعالیٰ اس رخ میں ظاہر و باطن، صورت و معنی اور حقیقت و شریعت کو جمع فرما دے۔ اس کے بعد ان اشقیاء میں سے ایک نے ان کے سینہ بے کینہ پر ایسا نیزہ مارا جو ان کی پشت سے پار ہو گیا۔ اس وقت زبان پر کلمہ توحید جاری ہو گیا اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے اس جہان سے دار آخرت میں چلے گئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ)

اس کے بعد حضرت زید بن الدثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لائے انہوں نے بھی حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی میں دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت لے کر پڑھی۔ کفار نے ان کے ساتھ بھی وہی کچھ بک بک کی جو حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر چکے تھے اور ان کے ساتھ بھی وہی کیا اور اسی طرح جس طرح حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تھا ان کو بھی شہید کیا اور وہ اس عالم سے اس عالم کی طرف گئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ) ارباب سیر کہتے ہیں کہ ان کو صفوان بن امیہ کے غلام نے جس کا نام نسطاس تھا شہید کیا۔

منقول ہے کہ جب حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر چکے تو ابوسفیان کہنے لگا ہم نے کسی کے اصحاب کو ایسا نہ دیکھا جتنے جانباز اور جاں نثار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب ہے جب حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دار پر لٹکا ہوا چھوڑ دیا تو ان اشقیاء کی فضیحت و رسوائی اس سعادت مندی کے ساتھ بہ نسبت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیادہ سخت و اشد ہو گئی۔ نیز ظاہر ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبہ بارگاہ رب العزت میں زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیادہ غالب و عالی تر تھا۔ اس وجہ سے ان کی عزت و رفعت زیادہ ہوئی اور حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کئی دن تک اسی طرح دار پر لٹکائے رکھا تا کہ ان کے قتل کی خبر سارے عرب میں پھیل جائے۔ ان کے حال کی حقیقت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعہ مکشوف ہو چکی تھی۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو جائے اور خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دار سے اتار کر لائے اور اس کے بدلے میں بہشت بریں پائے۔ حضرت زبیر بن العوام اور مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس خدمت کو اپنے اوپر لازم کر کے روانہ ہوئے۔ دن چھپ کر گزارتے اور رات کو سفر طے کرتے۔ اس طرح قطع منازل کر کے رات کے وقت تنعیم میں پہنچے جہاں حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دار پر لٹکایا ہوا تھا۔ چالیس آدمی دار کے گرد سوئے پڑے تھے یہ خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آہستگی سے اتار لائے۔ یہ چالیس دن گزر جانے کے بعد بھی ہنوز تر و تازہ تھے، ان کے زخموں سے خون ٹپک رہا تھا اور مشک کی مانند خوشبو سے مہک رہا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے پر انہیں بار کر کے دونوں رفیق لوٹ پڑے۔ جب صبح ہوئی تو قریش کو پتا چلا۔ ستر سوار ان کے تعاقب میں دوڑا دیئے۔ جب وہ ان کے قریب پہنچے تو حضرت زبیر حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جسم کو گھوڑے کی پشت سے اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ زمین نے اسی وقت ان کو اپنے اندر سمو لیا۔ اس سبب سے خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''بلیغ الارض'' یعنی زمین سے نگلنے والے کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار کی طرف رخ کر کے فرمایا میں زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں اور میری والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ یہ میرے ساتھی مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ہم دو شیر ہیں جو اپنے کچھار میں جا رہے ہیں راستہ کے موانعات اور رکاوٹوں کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ ہمارے ساتھ سفر طے کرو تو آ جاؤ اور اگر واپس مکہ

جانا چاہتے ہوتو جاؤ۔ کفار مکہ لوٹ آئے اور یہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مدینہ منورہ پہنچے۔ جبریل علیہ السلام اس مجلس مبارک میں موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ ''اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے ان دونوں صحابہ کی وجہ سے فرشتے مباہات کرتے ہیں۔''

سرایہ ابوسلمہ مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ہجرت کے پینتیسویں مہینے کے شروع میں سریہ ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی پیش آ گیا۔ یہ سریہ ڈیڑھ سو مہاجرین و انصار پر مشتمل تھا۔ اس میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح' سعد بن ابی وقاص' اسید بن حضیر اور ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ حضرات بھی شریک تھے جنہیں بنی اسد پر بھیجا گیا۔

اس سریہ کا موجب یہ تھا کہ بارگاہ نبوت میں اطلاع پہنچی کہ خویلد کے بیٹے طلحہ اور سلمہ اپنی قوم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے پر ابھارتے اور ممکن ہے کہ مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں آ کر لوٹ مار کریں۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ لشکر جمع کر کے مدینہ کی طرف چل دیا تھا' راستہ میں پشیمان ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ گیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے قریب بلا کر نصیحت فرمائی کہ قبل اس کے کہ وہ اس سے واقف ہوں تم لشکر جمع کر کے ان کے سر پر پہنچ جاؤ اور ان کی ہی زمین تاخت و تاراج کر دو۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک لشکر کے ساتھ روانہ ہو کر موقع قطن پہنچے جہاں بنی اسد کا پانی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اس کے نواح میں ایک پہاڑ کا نام ہے وہاں پہنچ کر جو کچھ پایا تھا غلہ اور مویشی میں سے سب کو تاراج کیا اور جو لوگ ہاتھ لگے ان کو قید کر لیا۔ باقی لوگ بھاگ کر اپنی قوم سے مل گئے اور انہیں مسلمانوں کی کثرت و تعداد کی خبر دی۔ بنو اسد کے لوگ اس خبر کے سنتے ہی ہر ایک گوشہ سے نکل کر بھاگ گئے اور ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کے گھروں میں داخل ہو کر غارت کیا اور غنایم کو قبضہ میں لے لیا۔ کوئی جنگ واقع نہ ہوئی اور یہ مدینہ واپس آ گئے۔ غنایم سے خمس (پانچواں حصہ) نکال کر تقسیم کر لیا۔ ہر ایک کو سات اونٹ اور چند بکریاں ملیں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ بنو اسد' ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل آئے اور صف بندی کی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مشرک کو قتل کر کے لشکر اسلام میں نعرہ لگایا کہ حملہ کر دو۔ پھر ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام لشکر اسلام یکبارگی حملہ آور ہوئے۔ لشکر کفار مکہ شکست کھا کر بھاگ گیا اور یہ صحیح و سالم مال غنیمت کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے۔ ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غائب رہنے کی مدت دس روز تھی۔

سریہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ہجرت کے پینتیسویں مہینہ کے شروع میں ہی حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا تاکہ سفیان بن خالد ہذلی کو جو عرب میں ٹھہرا ہوا تھا اور اس کا ذکر سریہ رجیع کے قصہ میں گزر چکا ہے۔ قتل کریں اور دین اسلام کو اس کے شر و فساد سے پاک کریں۔ اس کا باعث یہ تھا کہ وہ ملعون حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ساتھیوں کے شہید کرنے' ان کو فروخت کرنے اور حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سولی پر چڑھانے کا باعث تھا۔ باوجود اس شر و فساد کے اس نے یہ چاہا کہ ایک لشکر مرتب کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آئے اور جنگ کرے۔ جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بضم ہمزہ) کو جو کہ جہنی' انصاری' مدنی' عقبی اور بطل شجاع تھے اس شریر کے شر کو فنا کرنے کیلئے بھیجا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ سفیان بن خالد کو پہچانتے نہ تھے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ اس کی پہچان بتائیے تاکہ اسے شناخت کر کے قتل کر دوں۔ فرمایا وہ شخص ایسا ایسا ہے اور فلاں شکل ہے جب تم اسے دیکھو تو اس سے بچنا کیونکہ یہ شیطان ملاقات کے وقت خاطر و مدارت سے پیش آئے گا۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی اجازت چاہی کہ وہ جس طرح بھی چاہیں فریب میں مبتلا کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت مرحمت فرما دی۔ اس کے

بعد وہ تلوار لے کر قطع منازل کرتے ہوئے بطن عربہ پہنچ گئے۔ انہوں نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جس میں وہ تمام نشانیاں تھیں جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔ انہوں نے ان نشانیوں سے اسے پہچان لیا اور کہا صدق اللہ و رسولہ۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ جب سفیان کی نظر عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پڑی تو اس نے کہا یہ مرد کون ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں مرد خزاعی ہوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود کو خزاعی ظاہر کیا تھا ممکن ہے کہ اس میں کوئی مصلحت دیکھی ہو۔ انہوں نے سفیان سے کہا میں نے سنا ہے کہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کیلئے ایک لشکر فراہم کر رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تیرے ہم رکاب ہوں اور بہت سی خوشامدانہ باتیں کہیں۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے خیمہ میں داخل ہو گئے اور تیغ سے بے دریغ اس کا سر اڑا کر مدینہ طیبہ کی راہ لی۔ راہ میں وہ ایک غار میں پہنچ کر چھپ گئے۔ حق جل وعلیٰ نے ایک مکڑی (عنکبوت) کو حکم دیا کہ وہ غار کے دہانہ پر جالا تانے۔ لوگوں نے ان کی بڑی جستجو کی مگر نہ پا سکے۔ بالآخر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غار سے نکلے اور منزل مقصود کی راہ لی۔ رات کو سفر کرتے اور دن کو روپوش رہتے ہوئے مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد شریف میں دیکھا اور اس نامبارک وناپاک سر کو پائے اقدس کے نیچے ڈال دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ نے خوشی ومسرت کا اظہار کیا۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک عصا عطا فرمایا اور فرمایا کہ اس عصا کے ساتھ جنت میں ٹیک لگانا۔ مقصود جنت میں داخل ہونے اور اس پر یقین کرنے کی بشارت دینا تھا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ وہ عصائے مبارک ان کے ہاتھ میں ان کی وفات تک رہا۔ وفات کے وقت اپنے گھر والوں کو وصیت کی کہ اس عصائے مبارک کو ان کے کفن میں لپیٹ کر ان کے ساتھ قبر میں رکھ دینا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سفر کی مدت اٹھارہ روز تھی۔

ہجرت کے چوتھے سال کے واقعات

سریہ بیر معونہ: ہجرت کے چوتھے سال کے واقعات میں سے سریہ بیر معونہ کا قصہ ہے جو کہ ماہ صفر میں ہجرت کے چھتیسویں مہینہ کے شروع میں غزوۂ احد کے چار ماہ بعد واقع ہوا۔ بیر معونہ کے قصہ کو سریۃ المنذر بن عمرو اور سریۃ القرئی بھی کہتے ہیں۔ بیر معونہ بلاد ہذیل کا ایک موضع ہے جو مکہ اور عسفان کے درمیان واقع ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے جسے محمد بن اسحٰق اور دیگر ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ابو براء عامر بن مالک بن جعفر جو ''ملاعب الاسنہ'' یعنی ''سنان و بھالے کے ساتھ کھیلنے والا'' کے لقب سے مشہور تھا۔ بظاہر اس کی جنگ سنان کے ساتھ زیادہ تھی اور وہ قبیلہ نجد و بنی عامر میں سے تھا۔ وہ مدینہ منورہ آیا اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف کے شرف سے مشرف ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اسلام کا قلادہ تو اس نے اپنی گردن میں نہ ڈالا لیکن دین محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تعریف کی اور کہا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ کا دین مبارک شریف اور آپ کی ملت حنیف ہے۔ میری قوم بہت بڑی ہے اگر آپ اپنے صحابہ کی ایک جماعت میرے ہمراہ قبیلہ نجد و بنی عامر بھیجیں تو ممکن ہے کہ وہ دین متین کو قبول کر لیں۔ گویا کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں چاہتا تو ہوں کہ آپ کی دعوت قبول کر لوں اور آپ کے حکم کی اطاعت کروں لیکن قوم کا لحاظ رکھتا ہوں۔ اگر آپ ایسی جماعت کو بھیجیں جو انہیں دعوت اسلام دے اور وہ مسلمان ہو جائیں تو میں اس میں کوئی حرج نہیں جانتا۔ فرمایا میں نجدیوں سے بے خوف نہیں ہوں مجھے خطرہ ہے کہ وہ سرکشی کریں گے۔ ابو براء عامر نے یہ بھی کہا کہ آپ اپنے دل میں اندیشہ نہ فرمائیں آپ کے صحابہ میری پناہ میں ہوں گے۔ میں ان کی خود حفاظت کروں گا اور میں کسی کو ایسا موقع نہ دوں گا کہ وہ ان حضرات سے تعرض کریں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فقراء صحابہ میں ستر شخصیتوں کو اور ایک قول کے مطابق چالیس کو اور ایک روایت سے تیس کو اس کے ہمراہ بھیج

دیا۔ان اصحاب فقراء کا کام یہ تھا کہ دن کو یہ ازواج مطہرات کے حجروں میں پانی اور لکڑیاں پہنچاتے تھے۔ایک روایت میں یہ ہے کہ وہ فروخت کرتے تھے اور ان کی قیمت سے اصحاب صفہ کیلئے طعام خریدتے تھے۔ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے آب شیریں لایا کرتے تھے اور جب رات آتی تو نماز' ذکر اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے۔ان حضرات کو اقراء صحابہ یعنی صحابہ میں سب سے زیادہ قاری بھی کہتے تھے۔ان میں زیادہ تر انصاری تھے اور جب رات آتی تو نماز' ذکر اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے۔

جتنے ان کے اسماء لکھے گئے ہیں وہ سولہ مرقوم ہیں۔ہم ان کے ناموں کو جس قدر اس سریہ کے قصہ میں مذکور ہیں اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس سریہ کا امیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا اور کچھ خطوط نجد و بنی عامر کے رئیسوں کے نام لکھ کر انہیں دیئے۔

ابو براء عامر بن مالک کا ایک بھتیجا عامر بن طفیل بن مالک تھا جو سرکش' دین کا مخالف اور مسلمانوں کا دشمن تھا۔برخلاف اس کے ابو براء عامر میں تمرد و عناد اور مسلمانوں سے دشمنی اور عداوت نہ تھی۔جب یہ مسلمانوں کی جماعت بیر معونہ پر اتری اور اونٹوں کو عمرو بن امیہ ضمری اور حارث بن صمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سپرد کیا تو ان کے ساتھیوں میں سے تھے تاکہ وہ انہیں چراگاہ میں چرائیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی ایک اور ساتھی کو دیا کہ جس کا نام حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پھوپھی ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی تھے۔بخاری کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی بنی عامر کی جانب ''معبوث'' تھے لیکن ارباب سیر حضرت منذر بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر قوم بتاتے ہیں۔ممکن ہے کہ ان کی اصطلاح میں معبوث' امیر سے زیادہ عام ہو بہر تقدیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا گیا کہ وہ عامر بن طفیل کے پاس لے جائے۔حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔جب ان کی قوم کے قریب پہنچے تو ان دونوں آدمیوں سے کہا یہیں ٹھہرو میں جاتا ہوں اگر مجھے امن دیدی تو میں تو میں تمہیں بلالوں گا۔اگر انہوں نے مجھے قتل کر دیا تو تم اپنے ساتھیوں سے جا کے مل جانا۔اس کے بعد حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس پہنچے اور کہا مجھے امان دو تاکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی پہنچاؤں۔جس دوران وہ گفتگو میں مشغول تھے عامر بن طفیل نے کسی کو اشارہ کیا وہ شخص عقب میں آیا اور حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایسا نیزہ مارا کہ وہ پار ہو کر دوسری طرف نکل گیا۔اس کے بعد حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خون کو منہ اور سر سے صاف کیا اور کہا: اَللّٰہُ اَکْبَرُ فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَةِ۔ مطلب یہ کہ میں نے مقصود پالیا کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بجا آوری ہے اور حصول درجہ شہادت ہے۔اس کے بعد عامر بن طفیل نے بنی عامر سے مدد مانگی کہ اصحاب رسول سے جنگ کیلئے اٹھ کھڑے ہوں۔بنی عامر کو چونکہ معلوم تھا کہ یہ مسلمان ابو براء کی اپنی امان میں ہیں اور عامر بن طفیل مقصد پورا نہ کر سکتا تھا۔انہوں نے کہا ہم ابو براء کے امان کے عہد کو توڑنا قبول نہیں کر سکتے۔اس کے بعد تمام بنی عامر نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے سے انکار کر دیا۔پھر عامر بن الطفیل نے دیگر قبائل' سلیم' عصیہ' رعل اور ذکوان کے پاس آدمی بھیجے ان سے امداد و نصرت چاہی اور ایک کثیر جماعت فراہم کر کے بیر معونہ کی طرف روانہ ہو گیا اور اس لشکر انبوہ کے ساتھ مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔جب مسلمانوں نے خود کو گرداب بلا میں گھرا ہوا دیکھا تو بارگاہ الٰہی میں مناجات کرنے لگے اور کہنے لگے ہم کسی کو نہیں دیکھتے کہ ہمارا سلام تیرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور لے جائے تو ہی ہمارا سلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا۔اس پر جبریل علیہ السلام آئے اور ان دردمندوں کا سلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچایا۔ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شہیدوں کی خبر صحابہ کرام کو پہنچائی اور فرمایا تمہارے ساتھی مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں اور حق تعالیٰ سے مناجات کر رہے ہیں کہ ہمارے حال کی خبر ہمارے ساتھیوں کو پہنچا۔ہم تیری رضا چاہتے ہیں جس میں تو راضی ہے

ہم بھی راضی ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بَلِّغُوْا عَنَّا قَوْمَنَا اِنَّا قَدْ لَقِيْنَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا وَاَرْضَانَا۔ یعنی ہماری طرف سے ہماری قوم کوخبر پہنچا دو۔ کہ ہمارے رب نے ہم سے ملاقات کی تو وہ ہم سے راضی ہو گیا اور اس نے ہمیں راضی کیا۔ یہ آیت قرآن میں کچھ عرصہ تک پڑھی گئی اس کے بعد منسوخ التلاوہ ہو گئی۔غرضیکہ مسلمانوں نے بڑی جوانمردی اور ثبات قدمی سے مقابلہ کیا یہاں تک کہ سب کے سب اصحاب شہید ہو گئے۔بجز منذر رضی اللہ عنہ بن عمرو کے۔ان سے انہوں نے کہا اگر تم چاہو تو تمہیں امان دیدیں انہوں نے ان کی امان قبول نہ کی اور مقابلہ کیا یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔اور عمرو رضی اللہ عنہ بن عمیر ضمیری اور حارث رضی اللہ عنہ بن صمہ جو کہ اونٹوں کو چرانے چراگاہ لے گئے تھے جب واپس آئے اور چاہا کہ لشکر گاہ میں پہنچیں تو انہوں نے پرندوں کو لشکر کے گردمنڈلاتے دیکھا۔ایک غبار چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔کافروں کا لشکر سوار ہو کر بلندی پر جار ہا تھا اور یہ بھی دیکھا کہ ان کے تمام اصحاب شہید ہو چکے ہیں تو انہوں نے ایک دوسرے سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے۔عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا مناسب یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جائیں اور آپ کو سارا حال سنائیں۔حارث رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو منظور نہیں کیا اور کہا شہادت حاصل کرنے کا موقع ہے اسے غنیمت جاننا چاہئے۔اس کے بعد وہ کفار کی طرف چل دیئے اور ان سے مقابلہ شروع کر دیا۔ ان میں سے دو کافروں کو جہنم رسید کیا بالآخر دونوں گرفتار ہو گئے۔حارث رضی اللہ عنہ نے باوجود یہ کہ ان کے سر سے خون بہہ رہا تھا پھر جنگ شروع کر دی اور دو اور کافروں کو جہنم رسید کیا۔اس کے بعد وہ خود شہید ہو گئے۔عامر بن الطفیل نے عمرو رضی اللہ عنہ کو شہید نہیں کیا۔ ان کا سر منڈا کر انہیں آزاد کر دیا کیونکہ اس کی ماں کو آزاد کرنے کیلئے ایک بندہ درکار تھا۔عمرو رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا کہ وہ زندہ رہے اور اجازت دیدی کہ مدینہ منورہ چلا جائے۔عامر بن الطفیل نے کہا کیا تم اپنے تمام ساتھیوں کو پہچانتے ہو انہوں نے فرمایا ہاں میں سب کو جانتا ہوں۔پھر وہ اٹھا اور شہیدوں کے درمیان آیا اور ایک ایک کا نام ونسب پوچھا۔انہوں نے سب بتا یا دیا پھر کہا کیا کوئی تمہارے ساتھیوں میں سے ہے جس کو تم یہاں نہیں دیکھتے ہو؟ انہوں نے فرمایا ہاں' عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہمارے ساتھ تھے مگر اُن میں موجود نہیں ہے۔عامر بن الطفیل نے پوچھا وہ کیسے آدمی تھے؟ فرمایا ہم میں فاضل ترین اور سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے۔اس پر عامر نے کہا جب انہیں شہید کیا گیا تو میں نے دیکھا کہ ان کو آسمان کی طرف اٹھا کر لے جایا جار ہا ہے۔

یہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ ابتداء میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والدہ کے بھائی کے غلام تھے جو ان کی خدمت کرتے تھے۔وہ اس سے پہلے اسلام لے آئے تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دارارقم میں قیام فرمایا تھا۔اس عامر بن الطفیل نجدی ملعون شقی پر تعجب ہے کہ باوجود اس کے کہ اس نے اس جماعت مقدسہ کی کرامتیں اور برکتیں دیکھیں مگر ان کے قتل پر شرمندہ نہ ہوا اور ایمان نہیں لایا۔کسی شخص کیلئے اس سے زیادہ کیا شقاوت وعناد ہوگا۔

بنی کلاب کا ایک اور شخص جسے جبار بن سلمٰی کہتے ہیں ان کافروں کے درمیان تھا اس سے منقول ہے کہ اس نے بیان کیا جب میں نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ کے نیزہ مارا تو وہ دوسری طرف پار ہو گیا۔میں نے سنا کہ انہوں نے کہا ''فُزْتُ وَاللّٰهِ'' خدا کی قسم! میں مقصود کو پہنچ گیا۔میں نے دیکھا کہ اسے آسمان پر لے جایا جار ہا ہے۔میں نے اپنے دل میں بہت غور کیا کہ ''فُزْتُ وَاللّٰهِ'' کا کیا مطلب تھا۔ضحاک بن سفیان کلابی کے پاس گیا اس سے میں نے اس بارے میں دریافت کیا۔اس نے کہا ان کا مقصود یہ تھا ''فُزْتُ وَاللّٰهِ بِالْجَنَّةِ'' میں خدا کی قسم جنت میں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔پھر میں نے کہا مجھے دعوت اسلام دیجئے۔اس کے بعد میں مسلمان ہو گیا۔میں نے ان کا جو حال دیکھا تھا وہ میرے اسلام لانے کا موجب بنا۔سبحان اللہ! سعادت مندوں کا یہی حال ہے کہ اس حال کو

مشاہدہ کرنے اور اس کلام کو سننے سے ہی نورِ اسلام دل میں چمک اٹھا۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍO جو ذکر کی پیروری کرتے اور بے دیکھے رحمٰن سے ڈرتے ہیں انہیں کو آپ کو ڈرانا موثر ہے تو انہیں مغفرت اور اجر کریم کی بشارت دیجئے۔

منقول ہے کہ ضحاک بن سفیان نے ایک خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا جس میں جبار رضی اللہ عنہ بن سلمٰی کے اسلام لانے اور ان کا حضرت عامر بن فہیرہ کو آسمان پر لے جاتے دیکھنے کا حال تحریر کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ فرشتوں نے ان کے جسم کو دفن کیا اور ان کی روح کو علی علیین میں لے گئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ عامر بن الطفیل کہتا ہے کہ میں نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ کو بعد قتل آسمان کی جانب لے جاتے دیکھا اور میں آسمان کی طرف ان کے درمیان اور زمین کے درمیان دیکھتا رہا پھر ان کو آسمان میں رکھا گیا۔ قسطائی کہتے ہیں کہ واقدی روایت کرتے ہیں کہ ان کو زمین نے چھپالیا پھر مشرکوں نے ان کو دیکھا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد ابو براء اپنے بھتیجے کی غداری سے جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کی تھی بہت غمگین وافسردہ ہوا اور بہت افسوس کا اظہار کیا اور اسی رنج والم کے سبب وآخرت کی طرف منتقل ہو گیا۔ یہ ایک اور قسم ہے کہ ابو براء اسلام کی شرافت اور کمال نبوی کو جانتا تھا اور ایمان نہیں لایا انقیاد و اطاعت کا اظہار نہیں کیا اور دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوا۔ ابو براء اور عامر بن الطفیل کا موازنہ کرو تو معلوم ہو گا کہ عامر بن الطفیل پر شیطان مسلط تھا اور ابو براء پر دنیا غالب آئی (واللہ الہادی)

ایک روایت میں ہے کہ ربیعہ بن ابو براء نے عامر بن الطفیل کا پیچھا کیا اور قوم کی انجمن میں اس پر نیزہ مارا اور اسے ہلاک کرنے کے درپے ہوا مگر وہ ہلاک نہ ہوا۔ لیکن اس کے بعد اونٹ کے طاعون کی مانند وہ طاعون میں مبتلا ہوا اور گھوڑے پر ہی مر گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے بددعا فرمائی تھی کہ اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ عَامِرًا "اے خدا عامر سے ہمیں بچا۔ اسی عامر بن الطفیل کی حماقتوں میں سے یہ بات بھی تھی کہ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین باتیں اختیار کرنے کو کہا تھا یا تو تم سہل کے مالک رہو۔ سہل نرم زمین کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جن وادیوں میں رہتے ہو وہیں رہو یا اہل حدر بنو۔ حدر کلوخ کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ کسی شہر یا دیہات میں چلے چلو' یا مجھے اپنا خلیفہ بناؤ تاکہ میں غطفان والوں کے ساتھ ایک ہزار اشقر گھوڑے اور ایک ہزار اشغر اونٹ اور اشقر دواب کے ساتھ جنگ کروں' دواب سرخ کو کہتے ہیں اور انسانوں میں سفید وسرخ کو۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ عَامِرًا اے خدا عامر سے مجھے بچا۔

قنوت نازلہ: جب فقراء اصحاب رسول کے قتل ہونے کی خبر آپ کو پہنچی تو بہت غمزدہ اور ملول ہوئے۔ بہت کرب محسوس فرمایا یہاں تک کہ ایک ماہ تک اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس روز تک فجر کی نماز میں قنوت پڑھی اور رعل وذکوان اعصیہ اور تمام قبائل نجد پر بددعا فرمائی۔ مسلم میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا میں بنی لحیان کا ذکر بھی آیا ہے۔ وہ واقعہ بیر معونہ میں شریک نہیں ہیں بلکہ قضیہ رجیع میں ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر بھی بددعا فرمائی اور انہیں کے ساتھ شامل کیا۔ صاحب مواہب کہتے ہیں کہ سب کی خبریں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک ہی وقت میں پہنچیں اس بنا پر ایک دعا میں تمام طوائف وقبائل کو شامل کر لیا۔ بخاری کی حدیث میں لحیان کا ذکر ہے اس کی توجیہہ بھی یہی ہے۔

غزوۂ بنی نضیر: اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکابر صحابہ کرام مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' عمر رضی اللہ عنہ' علی رضی اللہ عنہ' طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ مہاجرین میں سے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ رضی اللہ عنہ' اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ وغیرہ انصاری میں سے (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے ساتھ بنی نضیر یہودیوں کی بستی کی طرف تشریف لائے۔ اس ضمن

میں جس کا ارباب سیر بیان کرتے ہیں بنی نضیر (بفتح نون وکسر ضاد) یہودی قبیلوں میں سب سے بڑا قبیلہ تھا۔ اس قضیہ کا وجوع چوتھے سال میں بیر معونہ کے بعد ہوا۔ جیسا کہ اسے ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے۔ سہیلی کہتے ہیں کہ غزوۂ بنی نضیر غزوۂ بدر کے چھ مہینہ بعد اور غزوۂ احد سے پہلے ہوا تھا اور بخاری بھی غزوۂ بنی نضیر کو غزوۂ بدر کے آخری ابواب میں کعب بن الاشرف اور ابورافع تاجر حجاز کے قتل کے ذکر اور غزوۂ احد کے بیان سے پہلے لائے ہیں مگر ابن اسحٰق کا قول زیادہ صحیح ہے۔

جب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم صحابہ کبار کے ساتھ یہودیوں کی بستی میں پہنچے تو یہودیوں نے کہا اے ابوالقاسم! کچھ دیر تشریف رکھیے تاکہ ہمیں آپ کی اور آپ کے صحابہ کی مہمان نوازی کا موقع ملے۔ یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے ہی آپ کی کنیت ابوالقاسم سے مخاطب کرتے تھے تاکہ لازم نہ آئے جو آپ کا اسم شریف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کتابوں اور صحیفوں میں لکھا ہوا ہے اور اس کے ملزم نہیں۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر کی دیوار سے پشت کی ٹیک لگا کر تشریف فرما ہو گئے پھر یحییٰ بن اخطب یہودی جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشد ترین دشمن تھا۔ یہود سے کہنے لگا اے گروہ یہود! ایسا اتفاق کبھی ہاتھ نہ آئے گا کہ ہمارے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایسی تنہائی ہو۔ کوئی ایسا نہیں ہے کہ وہ گھر کے اوپر جا کر بڑا سا پتھر آپ کے سر مبارک پر گرائے اور اس سے (معاذ اللہ) آپ کو ہلاک کر دے تاکہ ہم آپ کی زحمت سے نجات پائیں۔ عمرو بن حجاش (بضم جیم وتخفیف حاء) نے کہا میں اس کو سرانجام دوں گا۔ سلام بن اشکم اور کچھ اور لوگوں نے اس کو اس خیال بد سے منع کیا اور کہا فوراً ہی آپ کو آسمان سے تمہارے ارادے کی خبر دیدی جائے گی اور یہ ہمارے اور ان کے مکر وفریب سے آگاہ کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بغیر اس کے اپنے صحابہ سے کچھ فرمائیں اس طرح جیسے کسی شدید ضرورت سے اٹھتا ہے کھڑے ہو گئے اور مدینہ منورہ کی طرف چل دیئے۔ صحابہ نے جب یہ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی میں دیر ہو گئی تو وہ بھی آپ کے عقب میں چل دیئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حقیقت حال سے باخبر فرمایا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ کے نزول کا سبب یہی واقعہ ہے۔

يَـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْهَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ

اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو جو تم پر ہوئی کہ جب قوم نے ارادہ کیا کہ دست درازی کرے تو اللہ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا۔

جب یہود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کی خبر ہوئی تو کنانہ نے جو ان کے احبار وعلماء میں سے تھا ان سے کہا اے میری قوم میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری غداری سے خبردار کر دیا ہے۔ اے قوم تم خود کو فریب نہ دو کیوں کہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تم طمع رکھتے ہو کہ وہ خاتم الانبیاء حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہوں گے حالانکہ حق تعالیٰ اس نعمت سے جسے چاہے نوازے اور اس سعادت سے جس کو چاہے سرفراز فرمائے۔ ہم نے توریت میں نبی آخرالزمان کے جو صفات پڑھے ہیں وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف میں موجود ہیں۔ مجھے ایسا خیال آتا ہے کہ وہ تمہیں جلاوطنی کا حکم فرمائیں گے۔ اب مناسب یہی ہے کہ تم دو کاموں میں سے ایک کام کرو۔ سب سے بہتر وافضل تو یہ ہے کہ تم سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ کیونکہ اس میں دنیا وآخرت کی صلاح ہے اور ان شہروں سے باہر نہ نکلو یا جزیہ دینا مان لو تاکہ تمہارے جان و مال محفوظ رہیں۔ یہود نے کہا ہم جلاوطنی کو قبول کرتے ہیں لیکن موسیٰ علیہ السلام کے دین کو ترک کرنا گوارا نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بنی نضیر کے یہودیوں کے درمیان عہد وپیمان تھا۔ بدر میں جب مسلمانوں کو فتح ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ توریت میں جس نبی کا وعدہ کیا گیا ہے یہ وہی نبی ہیں اور جب روز احد مسلمانوں پر ہزیمت کی شکل بنی تو وہ شک میں پڑ گئے۔ انہوں

نے ابوسفیان کے ساتھ حلف کیا یعنی ان کے حلیف بن گئے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کو بنی نضیر کے پاس بھیجا کہ تم سب میرے شہروں سے نکل جاؤ اس لیے کہ تم نے غداری کی ہے۔ تمہیں دس دن کی مہلت ہے جو کوئی دس دن کے بعد یہاں پایا جائے گا اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ اس پر یہودیوں نے جلاوطنی کی تیاری شروع کر دی۔ صحرا سے اپنے اونٹوں کو لائے اور کچھ کرائے پر لے گئے تا کہ یہاں سے چلے جائیں۔ یکا یک عبداللہ بن سلول منافق، جو رئیس المنافقین تھا اس نے بنی نضیر کے پاس کسی کو بھیجا اور کہلوایا کہ تم اپنے وطنوں سے نہ نکلو۔ اپنے قلعوں میں ٹھہرے رہو اور بے فکر و بے غم بیٹھے رہو۔ میں دو ہزار آزمودہ کار جنگی جوانوں کے ساتھ تمہارا پشت پناہ ہوں اور بنی قریظہ اپنے حلیفوں کے ساتھ جو کہ بنی غطفان ہیں تمہارے معاون و مددگار ہوں گے۔ یہ منافق نادان، بمقتضائے نفاق انتہائی عداوت وحماقت پر اتر آیا اور اس نے اپنی حماقت سے ایسی عداوت کا اظہار کیا۔ حالانکہ وہ اتنا نہ سمجھا کہ قریش کس قدر بہادر وشجاع ہیں۔ وہ بے بس ہو کے رہ گئے۔ ان کے قلعوں کی کیا حقیقت ہے بہر حال یہود و بے بہود اس احمق منافق کی بات سے مغرور و مسرور ہو گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قاصد بھیج دیا کہ ہم از خود اپنے گھروں سے نہ نکلیں گے جو آپ چاہیں کریں۔ جب یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع مبارک میں پہنچی تو آواز بلند تکبیر کہی اور صحابہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت میں تکبیر بلند کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے غزوۂ کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں حضرت ابن رضی اللہ عنہ ام کلثوم کو خلیفہ مقرر فرمایا۔ علم تیار کر کے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے آئے۔ آپ نے عصر کی نماز بنی نضیر کی بستی کے میدان میں ادا فرمائی۔ ان کی بستی مدینہ منورہ سے قریب ہے جب یہود نے لشکر اسلام دیکھا تو قلعوں کے دروازے بند کر کے سنگ باری اور تیر اندازی شرع کر دی۔ عشاء کے وقت تک یوں ہی جنگ ہوتی رہی۔ جب مسلمانوں نے نماز عشاء ادا کر لی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چند اصحاب کے ساتھ قیام گاہ مبارک میں تشریف لے آئے اور تمام صحابہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سرداری میں دیدیا۔ دونوں روایتوں میں اختلاف ہے کہ صبح تک یہودیوں کا محاصرہ کیے رہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ مبارک بنی حطمہ کے میدان میں نصب کیا گیا تھا۔ یہودیوں کے تیراندازوں میں ایک شخص ''غرورا'' نامی تیرانداز تھا اس نے ایسا تیر پھینکا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ اقدس میں جا گرا۔ خیمہ کو وہاں سے لیجا کر دوسری جگہ نصب کیا۔ امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس کی گھات میں رہے۔ اچانک دیکھا کہ وہ چند آدمیوں کے ساتھ برہنہ شمشیر لیے باہر آیا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کیا اور اس بد بخت کے سر کو اس کے ناپاک جسم سے جدا کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سہیل رضی اللہ عنہ اور ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ کیا کہ بقیہ ساتھیوں کو بھی قتل کریں۔ وہ سب کے سر کاٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ دن تک یہودیوں کا محاصرہ جاری رکھا۔ ابی ابن سلول منافق اور دیگر قبائل بنی نضیر کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بلوہ رضی اللہ عنہ مازنی اور عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام کو حکم فرمایا کہ یہودیوں کی کھجوروں کے درخت کاٹ ڈالے جائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جلا دیئے جائیں اور اس پر ابو بلوہ مازنی تو ان کو کاٹتے تھے جنہیں ''عجوہ'' کہا جاتا ہے اور کہتے ان کا کاٹنا یہودیوں پر نہایت شاق اور گراں ہے۔ ''عجوہ'' کھجوروں میں سب سے بہتر قسم کی کھجور ہے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام کمتر قسم کی کھجوروں کے درخت کو کاٹتے تھے۔ وہ فرماتے مجھے معلوم ہے کہ عنقریب یہودیوں کے تمام املاک مسلمانوں کے تصرف میں آنے والے ہیں لہٰذا ان میں جو بہتر قسم ہے وہ مسلمانوں کیلئے رہنے دیتا ہوں۔

روضۃ الاحباب میں اس طرح منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے تمام درختوں کو کاٹنے کا حکم فرمایا بجز اس قسم کے درخت کے جن کو ''عجوہ'' کہتے ہیں۔ صحابہ ان درختوں کے کاٹنے میں مشغول ہو گئے۔ یہ روایت پہلی روایت کے منافی ومخالف ہے کیونکہ اس روایت میں بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مطلق کاٹنے یا جلانے کیلئے ہے۔ دوسری روایت میں یہ حکم ہے مگر یہ صورت ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے وہ حکم دیا ہو اس کے بعد دوسری مرتبہ یہ حکم دیا ہو۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ بنی نضیر نے مسلمانوں سے کہا تم مسلمان ہو تمہیں حلال نہیں ہے کہ نخلستان کو کاٹو۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فساد سے منع فرماتے ہیں لہٰذا نخلستان کو کاٹنے کا کیسے حکم دے سکتے ہیں۔ اس پر مسلمانوں میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ بعض نے کہا ہم تو کاٹیں گے اور بعض نے کہا ہم نہیں کاٹیں گے۔ اس پر حکم ہوا کہ یہودیوں کے تمام آثار ونشانات کو ناپید کردو۔

''نعوذ باللہ من غضب اللہ ورسولہ'' حق تبارک وتعالیٰ کی جناب سے حکم آیا

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّيْنَةٍ اَوْتَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۝

اور جو لنیت سے کاٹتے ہو اور چھوڑتے ہو تم ان کو کہ وہ جڑوں پر قائم رہیں تو یہ اللہ کے حکم سے ہے تاکہ فاسقوں کو رسوا کرے۔

صاحب مواہب سہیلی سے نقل کرتے ہیں کہ بعض مسلمانوں کے دل میں نخلستان کے کاٹنے اور اس کے حکم فرمانے میں شک وشبہ کی قسم سے کوئی دغدغہ لاحق ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی۔ وہ فرماتے ہیں کہ لینہ ایک قسم کی کھجور ہے جو عجوہ اور برنی کے سوا ہے۔ لہٰذا آیت میں اس کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام کھجوروں کو نہیں ختم کر دیا مگر صرف انہیں کھجوروں کو جو ان کی غذا تھی اور ان کی غذا عجوہ اور برنی تھی۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ''مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّيْنَةٍ'' فرمایا اور ''من نخلنته'' نہ فرمایا جو عموم پر دلالت کرتا ہے جو ایسے درخت کاٹنے کی کراہت پر تنبیہ ہے جس سے سرے سے درخت ہی ختم ہو جائے۔ اس کے برعکس ایسے درختوں کے کاٹنے کا حکم ہے جس سے دشمن غذا پاتے ہیں۔ صاحب کشاف نے تفسیر کی ہے کہ درختوں کو پست کردو۔ بیضاوی نے بھی تفسیر میں اسی کی پیروی کی ہے اور کہا ہے کہ آیت میں دلیل ہے کہ کافروں کے گھروں اور بستیوں کو ویران کرنا اور ان کے درختوں کو کاٹنا ان پر شدت تغلیظ کی غرض سے جائز ہے۔ صراح میں ہے کہ ''لینۃ'' کھجور کی ایک قسم ہے قاموس میں ہے لینہ لون سے ہے جو کھجور کے آگے کا رنگ ہے۔

بخاری ومسلم میں بروایت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجور کے درختوں کو جلوایا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس قصہ کے بارے میں فرمایا۔

وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِيْ لُؤَيٍّ حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرٌ

بویرہ بصیغہ تصغیر اس جگہ کا نام ہے جہاں بنی نضیر کا نخلستان تھا ظاہر ہے کہ کاٹنا اور جلانا دونوں واقع ہوا ہوگا۔

القصہ حق تعالیٰ نے بنی نضیر کے دل میں ایک خوف ہیبت اور رعب طاری کر دیا۔ انہوں نے کسی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں بھیجا کہ آپ ہمیں چھوڑ دیں تاکہ ہم آپ کے شہروں سے نکل جائیں اور راہ مسافرت اختیار کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج تمہاری التجا نا قابل پذیرائی ہے (ہم نے تمہیں پہلے ہی دس دن کی مہلت دیدی تھی اس مہلت سے فائدہ اٹھا سکتے تھے) اب یہی صورت ہے کہ تم تمام اسلحہ سے دست کش ہو کر صرف اتنا مال واسباب جتنا جلدی وتیزی میں سواریوں پر لادسکو لے جا سکتے ہو۔ اس پر وہ راضی ہو گئے۔ آیہ کریمہ میں ہے ''هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ.'' (تا قول سبحانہ وتعالیٰ)

اس یاد کو تازہ رکھتی ہے چنانچہ چھ سو اونٹ بار کر کے کچھ شام کی طرف چلے گئے اور کچھ خیبر کی جانب اور کچھ کسی اور طرف جلاوطن

ہو گئے۔ وہ اپنی ضلالت اور شر و فساد کی بناء پر سرگرداں ہوئے اور دینی اشاعت ان کے شر و فساد سے پاک وصاف ہوئی۔ اور مضمون کریمہ اِنَّ الْمَدِيْنَةَ تَنْفِيْ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ. بلاشبہ مدینہ خباثت کو صاف کرتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کو صاف کرتی ہے۔ وجود میں آیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ یہ ذلیل وخوار یہود نکلتے وقت خود کو بناتے سنوارتے' دف بجاتے' گاتے ہوئے مدینہ سے نکلے اور غزاء و جہاد کا مشریعت کا مقصد ہی اہل کفار وعناد کے شر و فساد سے دینی آماجگاہ کو پاک وصاف بنانا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ درختوں سے ان ناکارہ وخراب شاخوں کو چھانٹا جائے جو پھل آنے میں رکاوٹ پیدا کریں۔ اگر کوئی کہے کہ اگر یہی وجہ ہے تو ان کو قتل کرنا چاہئے تا کہ شرک کے آثار مٹیں' فساد کا مادہ ختم ہو اور جلاوطن کرنے میں تو ان کے خبث کا وجود باقی رہتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ان سے غداری اور بدعہدی واقع ہوئی تھی اس کی سزا میں ان کو جلاوطنی کا حکم دیا گیا تھا' جو لوگ جنگ وقتال پر آمادہ ہوئے اور اس کیلئے وہ استادہ ہو گئے وہ قتل کر دیئے گئے۔ باقی کو جلاوطن فرما دیا اور بغیر قتال کے قتال کا حکم نہ فرمایا۔ چونکہ یہ سب حکم الٰہی سے ہے اس لیے اس میں گفتگو کا دامن تنگ ہے اور اتنا بھی جو کچھ کہا گیا ہے وہ مشرکوں اور مفسدوں کے قتل میں نکتہ وحکمت کے طور سے بیان ہوا ہے ورنہ اصل بنیاد حکم الٰہی ہے۔ خواہ وہ قتل میں ہو یا جلاوطنی میں۔ باقی اموال وجہات' ضیاع وعقائد اور منقولات ومحصولات فی کے حکم میں داخل ہیں اور فی کفار کا وہ مال ہوتا ہے جو بغیر جنگ کے ہاتھ آ جائے اور انصار وغنیمت وہ مال ہے جو جنگ وقتال کے ذریعہ ہاتھ آئے۔ یہ اصطلاح ارباب سیر کے درمیان خاص ہے بسا اوقات ایک کو دوسرے کے معنی میں بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ فی کا تمام مال خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہوتا ہے اور خمس وقسمت کی اس میں گنجائش نہیں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے اموال' فدک وغیرہ کو اپنے اور اپنے اہل وعیال' ومتعلقین اور مسلمانوں کی ضرورتوں پر خرچ فرمایا۔ آپ اس کام کیلئے مہیا اور فراہم کرتے تھے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ بنی نضیر کا اسلحہ پچاس زرہ' پچاس خود' تین سو چالیس تلواریں تھی۔ ان میں سے جس چیز کو جس کیلئے چاہتے عطا فرماتے تھے۔ منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف آوری کے وقت مہاجرین کو انصار کے گھروں میں اقامت ورہائش کرا کے ان میں باہمی سلسلہ اخوت قائم فرمایا تھا۔ انصار مہاجرین کی ہر اعتبار سے خبر گیری رکھتے تھے حتیٰ کہ اپنے مالوں میں' باغوں میں اور تمام چیزوں میں ان کو شریک بناتے تھے بلکہ اگر انصار میں کسی کی کئی بیبیاں تھیں تو ان میں سے کچھ کو اپنے سے جدا کر کے اپنی رفیق کی زوجہ بنا دیا تھا۔ جب بنی نضیر کے املاک پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبضہ تصرف پایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی تعریف ومدح فرما کر دعائے خیر فرمائی۔ انہوں نے جو مہاجرین کے ساتھ احسان وامداد اور اعانت کا طریقہ برتا تھا اس پر ان کی شکر گزاری فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا ''اے گروہ انصار! اگر تم چاہو تو بنی نضیر کے اُن املاک کو جسے حق تعالیٰ نے مجھے عنایت فرمایا ہے تم پر تقسیم فرما دوں۔ مہاجرین بدستور تمہارے گھروں میں مقیم رہیں اور اگر تم چاہو تو انہیں مہاجرین میں تقسیم کر دوں۔ ان کو تمہارے گھروں سے نکال کر علیحدہ بسا دوں تا کہ یہ خود اپنے معاش پر متکفل ہوں اور تم سے مستغنی ہو جائیں۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جو کہ انصار کے رئیس واکابر میں سے تھے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! ہماری خواہش یہ ہے کہ ان اموال کو فقراء مہاجرین پر تقسیم فرمائیے کیونکہ وہ حضرات دین کی خاطر' اس کی محبت میں خانماں برباد ہو کر اور اپنا مال واسباب لٹا کر اپنے' اپنے عزیز واقارب' قبیلوں سے بچھڑ کر مفلسی وغربت کی زندگی گزار رہے ہیں اور ان مہاجرین کو بدستور سابق ہمارے گھروں میں ہی متمکن ومستقر رہنے دیجئے۔ کیونکہ ہمارے گھروں میں خیر وجمعیت اور روشنی' انہیں کے وجود کی برکت سے ہے۔ جب ان دو نیک بختوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا تو باقی انصار نے بھی انہیں کا اتباع اختیار کیا۔ خواجہ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات ان باتوں سے بہت خوش اور محفوظ ہوئے اور

ان کو دعائے خیر میں مشمول مخصوص فرما کے فرمایا: اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَاَبْنَاءَ الْاَنْصَارِ وَاَبْنَاءَ اَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ. (اے خدا انصار پر اور ان کی اولاد پر اور ان کی اولاد کی اولاد پر رحمت نازل فرما) اس کے بعد بنی نضیر کے املاک کو مہاجرین پر تقسیم فرما دیا۔ بعض اکابر مہاجرین کو اراضی عنایت فرمائی اور بعض تہیدست وضرورت مند انصار کو کچھ سامان عطا فرمایا اور اسلحہ میں سے شمشیر ابن ابی الحقیق کو جو نہایت عمدہ ونفیس تھی۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمائی (صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سبط رسول کی وفات: اسی سال حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرزند حضرت عثمان بن عفان، نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات واقع ہوئی۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ ایک مرغ نے ان کی چشم مبارک میں چونچ ماری تھی جس سے وہ بیمار ہو گئے اور اسی بیماری میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اسی سال حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جو امہات المومنین اور ازواج مطہرات میں تھیں وفات واقع ہوئی۔

اس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا اور اسی سال ان کے پہلے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد مخزومی نے وفات پائی۔ اسی سال فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف والدہ امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ مروی ہے کہ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب وہ گزر جائیں تو مجھے اطلاع دینا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ان کیلئے بقیع میں قبر کھودی جائے اور لحد بنائی جائے۔ جب قبر کھد کر تیار ہو گئی تو سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں داخل ہوئے، لحد میں لیٹے اور کچھ قرآن پڑھا، ان کی قبر کے پاس نو اور ایک روایت میں ہے ستر تکبیروں کے ساتھ نماز پڑھی اور ان کے مناقب میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص ضغطہ قبر یعنی قبر کی سختی سے محفوظ نہیں ہے بجز فاطمہ رضی اللہ عنہ بنت اسد کے صحابہ نے عرض کیا ''اور قاسم بھی نہیں؟'' یعنی آپ کے وہ فرزند جن کا نام قاسم رضی اللہ عنہ تھا اور وہ صغرسنی میں ہی اس عالم سے تشریف لے گئے تھے۔ فرمایا ''ابراہیم رضی اللہ عنہ بھی نہیں!'' مطلب یہ کہ تم قاسم کے بارے میں کیا پوچھتے ہو ان سے چھوٹے فرزند ابراہیم بھی اس سے محفوظ نہیں ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے خبر دی کہ ام جعفر رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ وعقیل رضی اللہ عنہ، فوت ہو گئیں فرمایا اٹھو! ہم اپنی ماں کے پاس جاتے ہیں۔ پھر حضور اٹھے اور صحابہ بھی اٹھے اور نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ جیسا کہ صحابہ کی شان تھی کہ کَاَنَّ عَلٰی رُءُ وْسِھِمُ الطَّیْرُ. گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں چل دیئے۔ جب فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازے پر پہنچے تو اپنے بدن مبارک سے قمیض اتاری اور ان کو دے کر فرمایا۔ غسل کے بعد اس سے ان کا کفن بنانا۔ جب ان کا جنازہ تیار ہو کر باہر آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کا پایہ اپنے مبارک کندھوں پر رکھا اور تمام راستوں میں کبھی آگے سے اور کبھی پیچھے سے کاندھا دیتے رہے۔ جب ان کی قبر میں پہنچے تو لحد میں داخل ہو کر لیٹے۔ اس کے بعد آپ باہر تشریف لے آئے اور فرمایا: بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی اِسْمِ اللّٰہِ. کہہ کر انہیں لحد میں اتارا۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے فاطمہ رضی اللہ عنہ بنت اسد کے بارے میں دو چیزیں آپ سے ایسی دیکھی ہیں جو کسی کے بارے میں ہم نے نہیں دیکھیں۔ ایک تو یہ کہ آپ نے اپنی قمیض مبارک اتار کر اس سے ان کا کفن بنایا، دوسرے یہ کہ آپ نے ان کی لحد میں اتر کر کچھ دیر آرام فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قمیض مبارک پہنانے کا مطلب یہ تھا کہ ان کو دوزخ کی آگ نہ چھوئے اور لحد میں لیٹنے کا مقصود یہ تھا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ ان کی قبر میں وسعت دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوطالب...... کے بعد ان کے سوا کوئی

نہ تھا جس نے میرے ساتھ نیکوکاری کی ہو۔ میں نے ان کو اپنی قمیض مبارک پہنائی تا کہ بہشتی حلہ انہیں حاصل ہو اور ان کی قبر میں میں لیٹا تا کہ وہ قبر کی مصیبتوں سے نجات پائیں۔

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب فاطمہ رضی اللہ عنہ بنت اسد فوت ہوئیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے سرہانے بیٹھ کر فرمایا۔ ''اے میری ماں! میری والدہ کے بعد ان کی بہت تعریف فرمائی اور اپنی قمیض کا انہیں کفن دیا۔ اس کے بعد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ انصاری اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کیلئے قبر کھودو اور لحد کو اپنے دست مبارک سے بنایا۔ اپنے دست مبارک سے اس کی مٹی نکالی لحد کی فراغت کے بعد اس میں داخل ہوئے اور فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِيْ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ اِغْفِرْ لِاُمِّيْ فَاطِمَةَ بِنْتِ اَسَدٍ وَوَسِّعْ عَلَيْهِ مَدْخَلَهَا بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْاَنْبِيَآءِ قَبْلِيْ فَاِنَّكَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ۔ اور چار تکبیریں پڑھ کر لحد میں اتارا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی قبر میں داخل نہ ہوئے مگر پانچ شخصوں کے۔ تین عورتوں کی قبروں میں اور دو مردوں کی۔ ایک سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی قبر میں اور چار مدینہ میں۔ چنانچہ سیّدہ خدیجۃ رضی اللہ عنہا کا لڑکا تھا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی۔ اس کی قبر میں داخل ہوئے اور تیسرے عبداللہ رضی اللہ عنہ مزنی جنہیں ذوالنجادین کہتے ہیں۔ چوتھے ام رضی اللہ عنہ سومان جو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ تھیں اور پانچویں فاطمہ رضی اللہ عنہ بنت اسد کی قبر میں۔

اسی سال چوتھی شعبان کو ریحانۃ الرسول، نور دیدہ بتول، امام شہید سعید، ابوعبداللہ حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے پچاس دن بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نخل امید سے بارور ہوئی تھیں اور یہ جو عورتوں کو حیض و نفاس لاحق ہوتا ہے۔ سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی ذات مبارکہ میں ایسی کوئی پلیدی نہ تھی اسی بنا پر ان کا ''حور جنت'' نام رکھا گیا۔ (رضی اللہ عنہا)

غزوۂ بدر صغریٰ: اسی سال وہ غزوۂ بدر واقع ہوا جس کا ابوسفیان نے غزوۂ احد سے واپسی کے وقت وعدہ کیا تھا اسے بدر صغریٰ بھی کہتے ہیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ابوسفیان نے احد سے لوٹتے وقت مسلمانوں سے کہا تھا کہ ہم آئندہ سال بدر میں تم سے ملیں گے اور حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے جواب دیا کہ ہاں انشاء اللہ! بعض روایتوں میں ہے کہ کسی صحابی نے جواب دیا تھا۔ بیضاوی کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ ''ہاں!''

چنانچہ وعدہ کے موافق دوسرے سال ہی ابوسفیان سامان جنگ فراہم کرنے اور قتال کی تیاری کرنے میں مشغول ہو گیا۔ قریش کو مکہ سے نکلنے کی ترغیب و تحریص دینے لگا لیکن یہ بہ تکلیف اور بے دلی سے کرتا تھا تا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ ابوسفیان ڈر گیا ہے وہ میدان جنگ میں آنے سے گھبراتا ہے۔ نعیم بن مسعود اشجعی نے جو مدینہ سے مکہ پہنچا تھا قریش کو شوکت اسلام، سامان جنگ کی تیاری و فراہمی اس وعدہ کے موافق جو اس سال کیلئے تھا بتائی اور کہا کہ مدینہ لشکر اسلام سے ایسا کھچا کھچ بھرا ہوا ہے جیسا کہ انار میں دانا ہوتا ہے۔

ابوسفیان نے نعیم بن مسعود سے ملاقات کی اور کہا ہم نے غزوۂ احد میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعدہ کیا تھا لیکن اس سال قحط اور خشکی ن بلا کی ہے کہ ہمارے جانوروں کو جنگل میں چارہ نہیں ملتا۔ اگر تم ایسا کرو کہ مدینہ جا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ان کے صحابہ کو

ڈراؤ تاکہ وہ جنگ کی غرض سے باہر نہ آئیں تاکہ فتح وعدہ اور خوف ان کی جانب سے ہو۔اگر یہ کام انجام دے دیا تو ہم تجھے سہ سالہ بیس اونٹ دیں گے۔نعیم مدینہ پہنچا اور اپنے سر کو ایسا منڈایا گویا کہ وہ عمرہ کر کے آیا ہے۔کشاف سے پتہ چلتا ہے کہ واقعتہً وہ عمرہ کرنے گیا تھا۔لشکر اسلام کو قریش کے لشکر کی تیاری اور اس کی شان وشوکت اور اس کے نکلنے کے بارے میں بتایا اور کہا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ مدینہ سے باہر نہ نکلو۔میرا گمان ہے کہ اگر تم نے ان سے مقابلہ کیا تو ایک واپس نہ آئے گا بجز اس کے جو بھاگ کر جان بچالے۔نعیم کی بات سچ جان کر مسلمانوں نے باہر جانے میں کچھ گرانی محسوس کی۔یہاں تک کہ ایسا معلوم ہونے لگا کہ کوئی اس غزوہ میں نہ نکلے گا۔یہ خبر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع شریف میں پہنچی اور اصحاب کا خوف معلوم ہوا اور گمان فرمایا کہ کوئی ان میں سے باہر نہ نکلے گا۔مگر جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور غزوہ کے حالات کے بارے میں عرض ومعروض کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسرور ہوئے اور فرمایا قسم ہے اس ذات کریم کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے' میں جنگ کیلئے ضرور نکلوں گا خواہ اس غزوہ میں میرے ساتھ کوئی نہ نکلے۔جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو تمام مسلمان خوش ہو گئے اور ان کے دل میں شیطان کا پیدا کردہ خوف ووسوسہ جاتا رہا اور ان کے باطن میں قوت وشوکت غالب ہو گئی۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کو مدینہ مطہرہ میں خلیفہ مقرر فرمایا اور علم حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کو عنایت فرمایا۔ آپ پندرہ سو جوانمردوں کو ساتھ لے کر تشریف لے چلے۔سیر کی کتابوں میں اسی طرح مذکور ہے مگر صاحب کشاف نے ستر کہا ہے اور بیضاوی نے اسی کی پیروری کی ہے۔حالانکہ یہ بات قطع نظر صحت روایت کی معقولیت سے بھی بعید ہے کہ ایسے اہم موقع پر ستر افراد کے ساتھ نکلیں۔البتہ یہ کہ پہلا جتھہ ستر کا نکلا ہو اس کے بعد پے در پے اور نکلے ہوں۔اس لشکر میں دس گھوڑوں سے زیادہ نہ تھے اور مسلمانوں نے بہت سا مال غنیمت اپنے ساتھ لیا تھا اور بدر میں اتر کر آٹھ روز تک وہاں قیام کیا تھا۔سامان تجارت کو خوف نفع کے ساتھ فروخت کیا یہاں تک کہ ایک درہم سے دو درہم حاصل ہوئے اور خوش وخرم' اطمینان وسکون کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مدینہ منورہ واپس ہوئے۔مشرکوں کے ساتھ ملاقات اور جنگ کا اتفاق نہ پڑا۔اس موقع پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ

وہ لوگ جن سے لوگوں نے کہا کہ کفار تمہارے برخلاف جمع ہو چکے ہیں تو ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زیادہ ہوا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے کتنا اچھا وکیل ہے پھر وہ خدا کی نعمت وفضل کے ساتھ لوٹے اور انہیں کوئی برائی نہ چھوئی......

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان دو ہزار اشقیاء کو لے کر مکہ سے چلا تھا جس میں پچاس گھوڑے تھے اور''مرالظہر ان'' جو کہ مکہ سے سات آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے پہنچ کر یہ بہانہ کرتا ہوا واپس ہوا کہ جنگل خشک ہیں' جانوروں کیلئے چارہ اور لوگوں کیلئے دودھ میسر نہیں ہے۔مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ لشکر اسلام کی شوکت وتمکنت کی وجہ سے اس پر رعب وخوف طاری تھا۔صفوان بن امیہ نے ابوسفیان سے کہا یہ کیا کرتے ہو' تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سے جنگ کا وعدہ کیا ہے اگر ایسا نہ کرو گے تو وہ ہم پر دلیر ہو جائیں گے۔اس کے بعد وہ خندق کی جنگ کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔جیسا کہ آگے بیان آ رہا ہے۔مکہ والوں نے اس سفر کا نام''جیش السویق'' رکھا کیونکہ وہ ستو کے سوا کوئی طعام نہ رکھتے تھے' وہ کھاتے تھے۔مکہ والے ابوسفیان پر طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے کہ کیا تم ہمیں ستو کھلانے کیلئے لے گئے تھے۔غزوۂ سویق جو دوسرے سال کے واقعات ہیں مذکور ہوا وہ اور ہے۔اس وقت وہ اپنے ہمراہ ستو لے کر گئے تھے اور بھاگ پڑے تو ستو کو راہ میں پھینک گئے۔

رجم: اسی سال ایک مرد نے یہودی عورت کے ساتھ زنا کیا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شریعت کے حکم کے مطابق دونوں کو رجم کرنے یعنی سنگسار کرنے کا حکم فرمایا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں ذمی تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اپنے دین پر عمل کریں گے اور توریت میں زنا کا حکم یہ ہے کہ زانی اور زانیہ کا منہ کالا کر کے دونوں کو اونٹ پر بٹھا کر شہر میں پھرایا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جھوٹ بکتے ہو زانی اور زانیہ کا حکم توریت میں بھی رجم ہی ہے اور قرآن و توریت اس حکم میں موافق ہیں۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو کہ احبار یہود میں سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے ابتدائے زمانہ میں ہی اسلام لے آئے تھے۔ انہوں نے بھی ان کو جھٹلایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا توریت لے کے آؤ۔ چنانچہ وہ توریت کو لا کر پڑھنے لگے۔ یہودی جب رجم کی آیت پر پہنچے تو ہاتھ رکھ کر رجم کی آیت کو چھپا لیا حضرت ابن سلام نے اسے پڑھا اور وہ زانی سنگسار کیے گئے۔

اسی سال حضور نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ توریت کے سواد خط کو سیکھیں مبادا کہ یہودی اپنے رسائل و کتب میں تغیر و تبدل اور تحریف و تبدیل عمل میں لائیں۔ چنانچہ انہوں نے پندرہ دن میں سیکھ لیا۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے۔ گویا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو توریت سیکھنے کا حکم فرمانا اسی قصۂ رجم کے بنا پر واقع ہوا تھا لیکن ایک اور حدیث میں یہ آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہود ہمیں خطوط لکھ کر بھیجتے ہیں اور ہم بھی ان کو مراسلے لکھتے ہیں۔ انہیں فرامین بھیجتے ہیں ان کو حکم دیتے ہیں کہ خط لکھیں اور ان کے خط پڑھیں مگر ہم ان کی دیانت پر اعتماد نہیں رکھتے اور ان سے مطمئن نہیں ہیں کہ کیا سیکھیں اور کیا پڑھیں۔ اس لیے تم ان کے سواد خط کو سیکھ لو تا کہ ہم ان کے مکر و فریب سے محفوظ رہیں۔ پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کی خط و کتابت کو پندرہ دن میں سیکھ لیا۔

چوری پر ہاتھ کاٹنا: اسی سال طعمہ بن ابیرق کے چوری کرنے کا واقعہ ہے جو کہ قبیلہ بنی ظفر سے تھا اور اس نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بن نعمان انصاری کے گھر سے جو ان کا ہمسایہ تھا ایک زرہ چرائی تھی۔ آٹا چمڑے کی تھیلی میں ڈال کر لے جانے لگا تھا مگر آٹا سوراخوں سے گرنے لگا اس سے وہ ڈرا کہ اس سے حال ظاہر ہو جائے گا اور اس نشان سے اس کا پتہ چل جائے گا۔ پھر اس نے زید ابن سمین یہودی کے گھر میں اسے پھینک دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے سپرد کر دیا۔ دوسرے دن ابن سمین یہودی کے گھر کا سراغ ملا اور زرہ اور آٹے کے چمڑے کی تھیلی اس کے یہاں سے برآمد ہو گئی۔ اس سے مواخذہ اور پوچھ گچھ کرنے لگے۔ زید نے کہا یہ کام طعمہ کا ہے وہی اسے میرے گھر لا کر ڈال گیا ہے یا یہ کہا کہ میرے پاس بطور امانت رکھ گیا ہے۔ یہود کی ایک جماعت اس پر گواہی دینے لگی۔ اس کے بعد قتادہ رضی اللہ عنہ اور زید دونوں طعمہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کیا یہ کام تیرا ہے؟ اس نے انکار کیا باوجود یکہ اس کی قوم اس سے واقف تھی کہ زمانہ جاہلیت میں اس کی عادت تھی۔ اسے پکڑ کر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عدالت میں لائے تو لوگوں نے کہا طعمہ اس خیانت سے بری ہے اور یہ گناہ یہودی نے کیا ہے۔ وہ خیال کرتے تھے کہ چونکہ طعمہ مسلمان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حمایت کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصد فرمایا کہ اس یہودی کو سزا دی جائے فوراً آیت نازل ہوئی۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًاO	بے شک ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی تا کہ لوگوں کے درمیان جو اللہ آپ کو دکھائے فیصلہ فرمائیں اور خائنوں کے دشمن نہ ہو۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن سمیں سے دست کشی اختیار فرمائی اور طعمہ کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ اس پر طعمہ بھاگ گیا اور مکہ چلا گیا۔ وہاں بھی اس نے چوری کی جب لوگ اس سے باخبر ہوئے تو انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اس نے ایک دیوار میں نقب لگائی' دیوار اس پر گر پڑی اور وہ مر گیا۔ صاحب کشاف نے کہا کہ وہ مرتد ہو گیا اور اپنی جان چوری میں برباد کی۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ وہاں سے بھاگا اور ایک کشتی میں سوار ہو گیا۔ کشتی میں بھی اس نے تھیلی چرائی اور اسے لوگوں نے دریا میں ڈال دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ چوری ایسی بدعادت ہے کہ وہ جدا نہیں ہوتی اور جان وسر اس کام میں چلا جاتا ہے۔ اگر گناہ اور بدعادتوں کا یہی حال ہوتا ہے۔

شراب کی حرمت: بقول مشہور اسی سال میں ایک قول سے چھٹے سال میں اور ایک قول سے آٹھویں سال میں۔ بعض اس قول کو ترجیح دیتے ہیں شراب کی حرمت واقع ہوئی۔ مفسرین کہتے ہیں کہ حرمت شراب کے بارے میں سب سے پہلی آیت یہ نازل ہوئی: وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا. کھجور وانار کے کچھ پھلوں میں سے تم اس سے نشہ بناتے ہو اور عمدہ رزق۔ یہ آیت اباحت میں عام تھی کیونکہ لوگ اس کو کھانے پینے میں عام طور پر استعمال کرتے تھے لیکن بعض وہ صحابہ کرام جو کمال عقل اور وفور رائے سے آراستہ تھے اس مفاسد کی بنا پر جو اس کے پینے سے مرتب ہوتا ہے اس سے اجتناب کرتے تھے جیسے ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں کبھی اس کا ارتکاب نہ کیا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا

اے محبوب! تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں تم فرما دو ان دونوں میں بہت بڑا گناہ اور لوگوں کے منافع ہیں۔ اور ان دونوں کا گناہ ان دونوں کے نفع سے بہت بڑا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ حرمت شراب کا پیش خیمہ ہے جب یہ آیت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پڑھی تو کہنے لگے اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا بَيَانًا شَافِيًا فِي الْخَمْرِ. اے خدا ہمارے لیے شراب کے بارے میں بیان واضح فرما۔ اس کے بعد بعض صحابہ اس آیت کی بنا پر شراب سے مکمل طور پر بچنے لگے اور کہنے لگے وہ چیز جس میں بہت بڑا گناہ ہو اس سے بچنا ضروری ہے۔ کچھ لوگ اس لحاظ سے کہ اس میں نفع ہے کبھی ارتکاب کر لیتے تھے یہاں تک کہ ایک روز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے محفل ضیافت قائم کر رکھی تھی اور شراب پی کر حد سکر یعنی نشہ میں پہنچ گئے تھے۔ اس وقت شام کی نماز کا وقت آ گیا۔ اس نماز میں ان کے امام نے قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ کو اس طرح پڑھا کہ کلمہ ''لا'' جہاں جہاں ہے اسے چھوڑ گئے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جانو جو تم پڑھتے ہو۔

اس پر صحابہ کی ایک جماعت نے کہا وہ چیز جو نماز کے ترک کی طرف لے جائے اور نماز میں وہ جائز نہ ہو اسے کس طرح استعمال کر سکتے ہیں۔ پھر وہ اس کے استعمال سے باز آ گئے اور کچھ لوگ اس کو اسی وقت پیتے تھے کہ نماز کا وقت نہ آئے اور اتنا کہ اس سے نشہ نہ ہو۔ یہ طریقہ اس وقت تک رہا کہ ایک انصاری نے محفل ضیافت قائم کی اور بھنے ہوئے اونٹ کے پارچے کھلائے۔ جب کھانا کھا چکے تو انہوں نے شراب پی اور مست ہو کر ایک دوسرے پر تفاخر کا اظہار کرنے لگے اور ایسے اشعار جو تفاخر ومباہات پر مبنی ہوں پڑھنے لگے۔ سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے ایک قصیدہ پڑھا جس میں انصار کی مذمت اور اپنی قوم پر تفاخر تھا۔ ایک انصاری نے بھنے ہوئے اونٹ کے گوشت کی ہڈی سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کے سر پر دے ماری جس سے ان کا سر پھٹ گیا۔ حضرت سعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انصار کی شکایت کی۔ جب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اعظم کو اس حال کا پتہ چلا تو پھر دوبارہ یہی دعا مانگی: اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا بَيَانًا شَافِيًا فِي الْخَمْرِ. تو اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ o اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ O

اے ایمان والو! بلاشبہ شراب' جوا' پانسہ پھینکنا اور تیر سے فال لینا سب ناپاک شیطانی عمل ہے۔تو اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ بلاشبہ شیطان تو یہ چاہتا ہی ہے کہ تم میں دشمنی اور بغض شراب پینے اور جوئے سے پڑے اور وہ تم کو اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتا ہے تو کیا تم باز آ وَ گے۔

اس آیت میں حرمت شراب میں بہت زیادہ مبالغہ وتاکید ہے اور یہ ان دس دلیلوں پر مشتمل ہے۔جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مدینہ طیبہ کے بازاروں میں اعلان کردو تاکہ لوگ جان لیں اور باخبر ہو جائیں کہ بلاشبہ شراب حرام کر دی گئی ہے۔اس کے بعد تمام مسلمان اس سے باز آ گئے اور جن گھروں میں شراب کے مٹکے تھے انہوں نے ان کو بہادیا۔ چنانچہ شراب مدینہ کی گلی کوچوں میں بہ رہی تھی حرمت شراب اور اس کے پینے والے کی وعید وسزا میں بکثرت احادیث ہیں جو پایۂ ثبوت کو پہنچی ہیں اور حدیث کی کتابیں ان سے بھری ہوئی ہیں۔

سال پنجم کے واقعات

ہجرت کے پانچویں سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحکم الٰہی ام المومنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو نکاح میں لائے اور بقول اہل سیران کے زفاف میں آیت حجاب نازل ہوئی۔ چنانچہ اس کا قصہ ازواج مطہرات کے ضمن میں انشاءاللہ تعالیٰ مذکور ہوگا۔

غزوۂ مریسیع: اسی سال غزوۂ مریسیع (بضم میم وفتح راء وسکون یا) واقع ہوا۔ یہ بنی خزاعہ کے چشمہ کا نام ہے اس کو غزوۂ بنی المصطلق (بضم میم وسکون صاد وفتح طاء وکسر لام) بھی کہتے ہیں۔ مصطلق ایک شخص کا لقب ہے جس کا نام خزیمہ بن سعد بن عمرو ہے جو بنی خزاعہ کے بطن سے ہے اور صلق' سخت وکرخت آواز کو کہتے ہیں۔اس غزوہ کا وقوع دوشنبہ کے دن پانچویں ہجری کے ماہ شعبان کی دو راتیں گزرنے کے بعد ہوا۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ شنبہ کا دن تھا اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا ہے کہ یہ چوتھے سال میں ہوا ہے۔ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ سبقت قلم ہے کہ بجائے پانچ کے چار لکھ گئے۔ مختار یہ ہے کہ ۵ ہجری میں ہوا ہے۔اس غزوہ کے وقوع کا سبب یہ ہے کہ حارث بن ابی ضرار نے جو کہ اس قبیلہ کا سردار تھا۔بعض قبائل عرب کو مدعو کیا تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کیلئے لشکر فراہم کرے۔ جب یہ خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریدہ بن الحصیب (بحاء وصاد بر صیغہ تصغیر) اسلمی کو جو کہ مشہور صحابی ہیں اس جماعت کی طرف بھیجا تاکہ تحقیق کر کے لائیں اور انہیں اجازت دی کہ ''الحرب خدعة'' (جنگ ایک داؤ ہے) کے تحت جو مقتضائے حال ہو ان سے گفتگو کریں۔حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ اس جماعت کی طرف گئے اور انہوں نے گفتگو میں فرمایا کہ سنا گیا ہے کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کا ارادہ رکھتے ہو؟ اگر یہ بات واقع کے مطابق ہے تو میں تمہاری معاونت کروں گا اور تمہارے ساتھ جنگ میں شریک ہوں گا۔اس جماعت نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے بڑی تعظیم وتکریم کے ساتھ سلوک کیا۔انہوں نے کہا ہاں! ہمارا ارادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کا پختہ عزم کے ساتھ ہے۔ اس پر حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تب تو مجھے اجازت دو تاکہ جا کر اپنے لوگوں کو مجتمع کر کے لاسکوں۔اس بہانہ سے وہ ان کے پاس سے آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں تمام حال پیش کیا۔اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر اسلام مجتمع کر کے تشریف لے چلے۔ مدینہ منورہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو خلیفہ بنایا اور مہاجرین کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کو

دیا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اکر کو دیا اور انصار کا کا علم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو مقدمہ لشکر پر متعین فرمایا۔ اس لشکر میں تیس گھوڑے مہاجرین کے تھے اور بیس گھوڑے انصار کے۔ بہت سے منافقوں نے بھی غنیمت اور دنیاوی سامان کے لالچ میں لشکر اسلام کے ساتھ موافقت کی اور راہ میں کافروں کے جاسوسوں کو پکڑا اور ان کے لشکر کے بارے میں پوچھا۔ پہلے تو وہ انکار کرتے رہے بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ڈرانے دھمکانے سے انہوں نے اعتراف کیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انہیں قتل کیا گیا۔ جب حارث کو خبر پہنچی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک لشکر کے ساتھ اس کی طرف بڑھے چلے آرہے ہیں تو بنی مصطلق کے دلوں میں اس سے رعب وخوف پڑ گیا اور بہت سے وہ لوگ جو اطراف واکناف سے حارث بن ضرار کی جماعت میں جمع ہوئے تھے جدا ہونے لگے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی منزل کی راہ لی۔ حارث کے پاس بجز بنی مصطلق کے کوئی نہ رہا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پہنچ کر چشمہ مریسیع پر قیام فرمایا۔ اس سفر میں امہات المومنین میں سے سیّدہ عائشہ صدیقہ اور سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہمراہ تھیں۔ کفار نے اپنے لشکر کو مرتب کر کے میدان جنگ میں مقابلہ کیلئے پاؤں رکھا۔ جب دونوں طرف سے صفیں درست ہوگئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ وہ کفار کو خبردار کریں کہ اگر وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دیں تو ان کا خون اور تمام مال واسباب محفوظ رہیں گے۔ انہوں نے اس کا انکار کیا۔ لشکر اسلام نے یکبارگی ان پر حملہ کر دیا' پہلے ہی حملہ میں مشرکوں کے علمبردار کو قتل کر دیا اور انہیں شکست ہوگئی۔ ان کے دس آدمی مارے گئے' باقی تمام مردوں اور عورتوں کو اسیر بنالیا اور بہت سامال غنیمت از قسم چوپائے انعام اور سپاہ ہاتھ آیا۔ مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص شہید ہوا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ان کی غفلت کی حالت میں حملہ کا حکم دیا جبکہ وہ جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ اس کے بعد جنگ کرنے والوں کو قتل کیا اور بچوں کو قید کر لیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جنگ کی آگ ٹھنڈی ہو جانے کے بعد بنی مصطلق کا ایک شخص آیا اور وہ شرف اسلام سے مشرف ہوا۔ اس نے کہا ہم جنگ کے دوران مردان سفید جامہ کو ابلق گھوڑوں پر سوار لشکر اسلام کے درمیان دیکھتے رہے ہیں۔ وہ ایسے تھے کہ ہم نے ان جیسے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے اور جویریہ جو امہات المومنین میں سے ہیں۔ اسی غزوہ کی قیدیوں میں سے تھیں اور اسی حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب تقسیم غنایم اور اسیروں سے فارغ ہوئے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ ایک چشمہ پر تشریف فرما تھے۔ اچانک جویریہ بنت الحارث بن ضرار داخل ہوئی اور یہ عورت بہت ملیح اور صاحب حسن و جمال تھی جو کوئی اسے دیکھتا اس پر فریفتہ ہو جاتا۔ اس وقت میرے دل میں آتش غیرت پیدا ہوگئی کہ مبادا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف مائل ہو جائیں اور ان کو اپنے ازواج میں داخل فرمالیں۔ بالآخر وہی ہوا جب جویریہ رضی اللہ عنہ آئی تو سب سے پہلی بات اس نے یہ کہی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمان ہوتی ہوں اور اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُهٗ پڑھتی ہوں۔ کہا کہ میں حارث بن ضرار کی بیٹی ہوں اور اس قبیلہ کی سردار اور پیشوا ہوں اور اب میں لشکر اسلام کے ہاتھ میں قید ہوں۔ ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کے حصہ میں آئی ہوں۔ اس نے مجھے مکاتب بنایا ہے اور میں اتنے مال کی طاقت نہیں رکھتی کہ بدل کتابت میں ادا کرسکوں۔ میں امید رکھتی ہوں کہ آپ میری مدد فرمائیں گے تاکہ میں ادائے کتابت کرسکوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایسا کروں گا اور اس سے بھی زیادہ میں تیرے ساتھ حسن سلوک کروں گا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس سے بہتر سلوک کیا ہوگا؟ فرمایا ''میں ادائے کتابت کر کے تجھے اپنے حبالۂ عقد میں لاکر اپنی زوجیت سے سرفراز کروں گا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کے پاس کسی کو بھیجا اور مکاتبت کی رقم ان کو سپرد کرائی۔ آزاد ہونے کے بعد ان کو اپنے نکاح میں لے لیا۔ صحابہ عظام جب اس حقیقت سے مطلع ہوئے تو انہوں

نے باہم خیال آرائی فرمائی اور کہا کہ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ سیّد کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم پاک کے عزیزوں اور رشتہ داروں کی اسیری اور قید میں رکھ کر غلام بنائیں اور سب نے ان سب کو آزاد کر دیا۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ بنی المصطلق کے قیدیوں کی تعداد ایک سو نوے سے زیادہ تھی۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نہیں جانتی کہ کوئی عورت اپنی خیر و برکت میں سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ بزرگ ہو۔

ارباب سیر سیّدہ جویرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے اپنے قبیلہ میں ایک خواب دیکھا کہ گویا ''ایک ماہتاب عالم تاب یثرب سے طلوع ہو کر اتر رہا ہے یہاں تک کہ وہ ماہتاب میری آغوش میں آ گیا۔ میں نے اپنے اس خواب کو کسی سے نہ کہا یہاں تک کہ اس کی تعبیر سامنے آ گئی۔ سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہ کا نام اسیری سے پہلے ''برہ'' بمعنی نیکوکار تھا سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام ''جویریہ'' رکھا۔ نام کی یہ تبدیلی اپنی عادت شریف کی بنا پر تھی کہ آپ ناموں کو بدل دیا کرتے تھے۔ اگرچہ نام اچھا ہی ہو لیکن اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ کراہت محسوس کرتے تھے کہ مثلاً کوئی کہے کہ گھر میں ''برہ'' ہے؟ اور اس کا جواب ہے کہ ''برہ'' نہیں ہے یعنی نیکی و بھلائی نہیں ہے۔ جس طرح کہ مفلح و یسار بمعنی جائے فلاح اور فراغت وغیرہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مطلب یہ کہ ایسا نام رکھا جائے جس کے پکارنے میں کوئی بے برکتی اور بدشگونی نہ ہو۔

اسی غزوہ میں اس منافق ملعون ابوالفضل نے جس کا نام عبداللہ بن ابی سلول تھا اور جو منافقوں کا سردار تھا۔ اس نے کہا: لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ. (اگر ہم مدینہ لوٹے تو ضرور عزت والے لوگ ذلیلوں کو وہاں سے نکال دیں گے) اس طرح اس نے مسلمانوں کی تذلیل و تحقیر کی۔ اس ملعون نے یہ بات اس بنا پر کہی تھی کہ سنان (بکسر سین) بن وبر (بفتح واؤ و سکون باء) جہنی جو قبیلہ خزرج کی طرف سے عمرو بن عوف کا حلیف و ہم سوگند تھا اور جہجاہ بن سعید غفاری جو کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اجیر و مزدور تھے۔ ان دونوں کے درمیان ادنیٰ سی بات پر جھگڑا واقع ہوا۔ وہ جھگڑا یہ تھا کہ دونوں کے ڈول کنوئیں میں گر پڑے تھے اور یہ دونوں ڈول ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور مشابہ تھے۔ ان دونوں میں سے ایک ڈول نکل آیا۔ سنان نے کہا ''یہ میرا ڈول ہے'' اور جہجاہ نے کہا ''یہ میرا ڈول ہے۔'' ارباب سیر کہتے ہیں کہ ڈول سنان کا تھا۔ یہ جھگڑا اتنا بڑھا کہ جہجاہ نے ایک گھونسہ سنان کے منہ پر مار دیا۔ اس کے منہ سے خون بہنے لگا۔ اس کے بعد سنان نے جو انصار کا حلیف تھا انصار سے استغاثہ کیا اور جہجاہ نے مہاجرین کی طرف رخ کیا۔ دونوں طرف کی جماعتیں ہتھیار باندھ کر نکل آئیں۔ قریب تھا کہ فتنے کی آگ بھڑک اٹھے کہ مہاجرین کے ایک گروہ نے سنان سے درخواست کی کہ وہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائے۔ سنان ان کے کہنے کی بنا پر اپنے حق سے دستبردار ہو گئے۔ یہ خبر جب عبداللہ بن ابی منافق کو پہنچی اور یہ پہلے ہی گزر چکا ہے کہ اس غزوہ میں منافقین بھی ہمراہ تھے۔ یہ منافق ملعون ابن ابی بھی از قبیلہ انصار تھا۔ جب اس نے سنا کہ جہجاہ نے جو مہاجرین سے منتسب ہے سنان کے ساتھ جو انصار کا حلیف تھا ایسا سلوک کیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عداوت کی بنا پر کفر و نفاق کی رگ پھڑکی اور ان منافقوں سے جو اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس نے کہا مہاجرین کے ہاتھوں میں جو اتنی قدرت و طاقت پیدا ہوئی ہے وہ ہمارے واسطہ سے ہے اور ان کے وجود کی بقا ہم سے وابستہ ہے۔ وہ ایسا سلوک کرتے ہیں جس طرح کہ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ کہاوت مشہور ہے کہ سَمِّنْ كَلْبَكَ يَاكُلُكَ اپنے کتے کو فربہ کرتا کہ وہ تجھے کھائے۔ اس نے کہا اگر ہم مدینہ لوٹے تو ضرور بہت زیادہ عزت والے وہاں سے ان کو جو بہت خوار ہیں نکال دیں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ. اس ملعون نے ''اعز'' سے مراد اپنے آپ کو لیا اور ''اذل'' سے مراد ذات بابرکات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو لیا۔ (نعوذ باللہ منہا) ممکن ہے کہ ''اعز'' سے خود کو اپنے متبعوں کو لیا ہو اور ''اذل'' سے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو مراد لیا ہو۔ جیسا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اس کے ردّ میں فرماتا ہے وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ. اور اللہ ہی کیلئے عزت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کیلئے وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن منافقین نہیں جانتے۔ اسی پر شاہد ہے۔ (واللہ اعلم)

جس مجلس میں اس ملعون نے یہ بات منہ سے نکالی تھی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم انصاری اس میں تشریف فرما تھے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جو کچھ سنا تھا نقل کر دیا۔ اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں حاضر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ کو قسم کھا کر اپنی بات کی سچائی کا یقین دلایا۔ اس کے بعد اس منافق ملعون کی یہ بات پورے لشکر اسلام میں پھیل گئی اور انصار کی ایک جماعت نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم کی سرزنش کرتے ہوئے کہا کہ ''تم نے ایک قوم کے سردار پر جھوٹ باندھا ہے'' زید رضی اللہ عنہ نے کہا۔ خدا کی قسم میں نے یہ بات اس سے خود سنی ہے اور مجھے امید ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ میں ضرور وحی بھیجے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیجئے کہ میں اس منافق ملعون کی گردن اڑا دوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر میں نے اس کے قتل کا حکم دیا تو لوگ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کراتے تھے۔'' اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو کوچ کرنے کا حکم فرمایا۔ باوجودیکہ دھوپ اور ہوا بہت گرم وشدید تھی مگر مقصود یہ تھا کہ صحابہ کرام منافقین کے بارے میں سوچ و بچار نہ کر سکیں اور اس گفتگو میں نہ پڑیں۔ اس پر حضرت اسید رضی اللہ عنہ بن حضیر نے عرض کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا بات ہوئی جو آپ نے اتنی شدت وتمازت میں کوچ کا حکم فرمادیا۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے ساتھی یعنی عبداللہ بن ابی نے کیا کہا ہے؟ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ چاہیں تو ہم اسے مدینہ سے نکال دیں کیونکہ اعز آپ ہیں اور اذل وہ ملعون ہے اور عزت اللہ کیلئے ہے اور اس کے رسول کیلئے اور مسلمانوں کیلئے ہے۔'' اس کے بعد انہوں نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کے ساتھ نرمی اور مدارات فرمایئے کیونکہ آپ کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے پہلے مدینہ کے تمام لوگ اس پر متفق تھے کہ مدینہ کی بادشاہی کا تاج اس کے سر پر رکھیں۔ اسے مدینہ کا سردار اور امیر بنائیں لیکن آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے اس کی امارت وحکومت کا امکان ختم ہو گیا اور اب اس کی بیچارگی وحسد اسے ایسی بیہودہ باتیں کہنے پر مجبور کرتی ہے۔ بعض انصار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف سے نکل کر اس ملعون منافق سے کہا کہ ''اس قسم کی باتیں تیرے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ہوئی ہیں اگر تو نے ایسا کہا ہے تو چل کر معافی مانگ لے اور اگر نہیں کہا ہے تو انکار کر دے اور قسم کھالے مگر خبردار جھوٹ نہ کہنا کیونکہ قرآن تیری مذمت میں نازل ہو جائے گا۔''

اس پر وہ ملعون منافق آیا اور اس نے قسم کھا کر کہا میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے جسے زید رضی اللہ عنہ میری طرف منسوب کرتے ہیں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بہت غمزدہ اور دل شکستہ ہو گیا۔ اس کے بعد سورہ منافقین نازل ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر فرمایا ''تمہیں بشارت ہو کہ حق تعالیٰ نے تمہاری تصدیق فرمائی اور اس منافق کی تکذیب کی۔ پھر حضرت عبداللہ بن الصامت رضی اللہ عنہ ابن ابی کے پاس آئے اور اس کی خوب مذمت فرمائی اور فرمایا۔'' اٹھ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چل تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیرے لیے استغفار کریں۔ وہ سیاہ باطن کوردل اپنی گردن جھٹکنے لگا۔ اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ O	اور جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے چلو تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لیے استغفار کریں تو وہ سروں کو جھٹکتے ہیں اور تم دیکھتے

ہو کہ وہ حاضر ہونے سے کتراتے ہیں یہ لوگ متکبر و گردن کش ہیں۔

مروی ہے کہ ابن ابی ملعون کا ایک لڑکا تھا جو مسلمان موحد مخلص اور محب بارگاہ نبوت تھا۔ لوٹتے وقت جب مسلمان وادی عقیق پر پہنچے تو وہ لڑکا سر راہ کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ جب اس کا باپ پہنچا اور اس نے شہر میں داخل ہونا چاہا تو وہ اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اسے روک کر کہنے لگا کہ ''کہو بنی آدم میں سب سے زیادہ عزت والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور سارے عالم میں سب سے زیادہ ذلیل و خوار تو ہے۔'' جو بھی اس کیفیت کو دیکھتا تعجب کرتا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے اور یہ ملاحظہ فرمایا کہ ابن ابی کا بیٹا اسے مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے تلوار کھینچ کر روک رہا ہے اور اس کا باپ کہہ رہا ہے کہ اَنَا اَذَلُّ مِنَ الصِّبْيَانِ وَاَنَا اَذَلُّ مِنَ النِّسَآءِ میں بچوں سے زیادہ ذلیل ہوں اور میں عورتوں سے زیادہ خوار ہوں۔'' مگر وہ بیٹا بدستور داخل ہونے میں مانع ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چھوڑ دو کہ وہ داخل ہو جائے' پھر اس نے باپ کا راستہ چھوڑ دیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ بنی المصطلق سے واپسی کے وقت مدینہ منورہ کے قریب اتنی شدید اور تیز آندھی چلی کہ لوگوں نے گمان کیا شاید دشمنوں نے مدینہ طیبہ پر حملہ کر دیا ہے اور وہ لوٹ مار کر رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوف نہ کرو' مدینہ طیبہ ہر آفت و خوف سے محفوظ ہے اور اس کا کوئی گوشہ اور کوئی گھاٹی ایسی خالی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ پاسبانی و محافظت میں مقرر نہ ہو لیکن آج کوئی عظیم النفاق منافق مر گیا ہے۔ وہ زید بن رفاعہ تھا جو ابن ابی کا دوست تھا اور اس منافق کے مرنے سے ابن ابی کو بڑا رنج و ملال ہوا تھا۔ کیونکہ یہ دونوں منافقین آپس میں بڑی محبت رکھتے تھے۔ حدیث میں اسی طرح ہے لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ تیز آندھی چلنے سے مدینہ کے لوٹ مار ہونے کا خدشہ کہاں سے پیدا ہوا۔ تیز تیز آندھی کے چلنے سے اس منافق کے مرنے کا کیا تعلق ہے؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے اس غزوے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھائیس دن صرف ہوئے۔

آیہ تیمّم: اسی سال تیمّم کی آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ بخاری و مسلم میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے اس کے بعد تیمّم کی حدیث بیان کی۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ فتح الباری میں ابن عبدالبر کا قول ہے کہ جو تمہید سے منقول ہے کہ آیت تیمّم کا نزول غزوۂ بنی المصطلق میں ہوا تھا جو غزوۂ مریسیع ہے اور استذکار میں اسی پر جزم کیا ہے اور ابن سعد اور ابن حبان نے اسی کی طرف سبقت کی ہے۔

ہار کی گمشدگی: روضۃ الاحباب میں ارباب سیر کی نقل کرتے ہیں کہ اسی سفر میں یا کسی اور سفر میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار مدینہ طیبہ کے قریبی منزل میں گم ہو گیا تھا۔ اس منزل کا نام صلصل بروزن بلبل ہے۔ یہ منزل مدینہ کے قریب ہی واقع ہے۔ اس ہار کے گم ہو جانے کے سبب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منزل میں توقف فرمایا تا کہ گمشدہ ہار مل جائے۔ اس منزل میں پانی نہ تھا' لوگوں کے پاس بھی پانی موجود نہ تھا اور نماز کا وقت فوت ہونے کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شکایت کرنے لگے کہ ان کی وجہ سے لوگ اس بلا میں مبتلا ہوئے ہیں۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آغوش میں اپنا سر مبارک رکھے محو استراحت تھے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر غصہ کا اظہار شروع فرمایا اور سختی کا اظہار کیا۔ اپنے ہاتھ کو نیزے کی مانند سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کوکھ میں مارا لیکن سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس خوف سے جنبش تک نہ کی کہ مبادا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک خواب سے بیدار ہو جائے۔ چنانچہ صبح ہو گئی پانی موجود نہ تھا کہ وضو کر کے ادائے فرض کرتے۔ اس وقت حق تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے آیت تیمّم نازل فرمائی۔ لشکر اسلام نے صبح کی نماز تیمّم کے ساتھ ادا کی۔ حضرت سیّد رضی اللہ عنہ بن حضیر نے فرمایا

مَا هِيَ بِاَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا اٰلَ اَبِيْ بَكْرٍ اے اولادِ ابوبکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے۔

مطلب یہ کہ مسلمانوں کو تمہاری بہت سی برکتیں پہنچی ہیں۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد جب اونٹ کو اٹھایا گیا تو ہار اونٹ کے نیچے سے برآمد ہو گیا۔ گویا کہ اس میں یہی حکمت الٰہی تھی کہ شریعت کے احکام میں مسلمانوں کیلئے آسانی اور سہولت مہیا کی جائے۔

عزل کا مسئلہ: اسی غزوۂ بنی المصطلق میں جب مسلمانوں کو باندیاں ملیں اور خواہش نے ان پر غلبہ کیا اور مسافرت نے طول کھینچا تو بطریق ملک یمین باندیوں کے ساتھ ہم بستری کرتے تھے۔ عزل مادہ تولید کو عورت کی شرمگاہ سے باہر نکالنے کو کہتے ہیں تاکہ وہ حاملہ نہ ہو جائیں اور صحابہ باہم کہا کرتے کہ ہم عزل کیا کرتے تھے۔ درآنحالیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما تھے اور ہم نے آپ سے مسئلہ دریافت نہ کیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ عزل جائز ہے یا نہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم عزل کرو یا نہ کرو جسے پیدا ہونا ہے پیدا ہو کے رہیگا۔'' اس سے اباحت کے معنی بھی نکلتے ہیں اور حرمت کے بھی۔ فقہ میں مذہب یہ قرار پایا ہے کہ باندی میں تو عزل جائز ہے مگر حرہ یعنی آزاد عورت (بیوی) میں اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے اور منکوحہ باندی کے بارے میں مروی ہے کہ مولیٰ کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔

قضیہ افک: اسی سال اور اسی غزوۂ بنی المصطلق میں ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ''افک'' کا قضیہ پیش آیا۔ افک (بکسر وفتح الف) کذب کے معنی میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ افک دروغ بالغ کامل کو کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں افک بہتان ہے اور پھیرنے اور لوٹانے کے معنی میں بھی آتا ہے اور کذب میں بھی اپنی جگہ سے پھیرنا پایا جاتا ہے۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے افک کا قصہ عجیب و غریب قصوں میں سے ہے اور غصہ سے خون جگر ٹپکتا ہے۔ صحیح بخاری میں اس قصہ کو متعدد جگہوں میں بیان کیا ہے۔ ایک کتاب غزوات میں ہے جس کا ترجمہ کیا جائے گا جو کمی بیشی نظر میں آئے گی۔ اسے کسی دوسرے باب میں درج کیا جائے گا۔ (والعون من اللہ تعالیٰ)

زہری غزوہ سے اور دوسری جماعت سے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے۔ قرعہ میں ان میں سے جس کا نام نکل آتا آپ اسے اپنے سفر میں ہمراہ لے جاتے۔ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان اس غزوہ میں بھی قرعہ اندازی فرمائی جس میں آپ نے غزوہ فرمایا۔ حدیث بخاری میں ایسا ہی مبہم واقع ہوا ہے مگر شارحین نے بیان کیا ہے کہ مراد غزوہ مریسیع ہے جسے غزوۂ بنی المصطلق بھی کہتے ہیں۔ تو قرعہ میرے نام کا نکل آیا۔ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں گئی۔ چونکہ یہ واقعہ بعد نزول آیت حجاب تھا اس لیے میرے لیے ہودج بنایا گیا۔ میں ہودج میں اٹھائی جاتی اور اس میں اتاری جاتی تھی۔ پھر ہم نے سفر کی مسافت طے کی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور ہم مدینہ کے قریب آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت ہی کوچ کا اعلان فرما دیا۔ پھر میں اعلان کے وقت کھڑی ہوئی اور ہودج سے نکل کر قضائے حاجت کیلئے تنہا چلدی یہاں تک کہ میں لشکر سے باہر نکل گئی۔ جب قضائے حاجت سے فارغ ہو کر اپنی جائے قیام پر واپس آئی اور اپنے سینہ پر ہاتھ پھیرا تو میں نے دیکھا کہ میرا گردن بند یعنی ہار جو مہرہائے ظفار سے بنا ہوا تھا ٹوٹ گیا ہے۔ پھر میں دوبارہ وہاں پہنچی جہاں میں نے قضائے حاجت کی تھی، وہاں ہار کو تلاش کرنے لگی اور مجھے اس کی تلاش میں دیر ہو گئی۔ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد وہ لوگ آئے جو میرے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھتے تھے اور مجھے اٹھاتے تھے۔ انہوں نے میرے ہودج کو اٹھا کر میرے اونٹ پر کس دیا اور وہ اس گمان میں رہے کہ میں ہودج میں ہوں۔ اس زمانہ میں عورتیں سبک اور ہلکی ہوتی تھیں۔ ان لوگوں کو ہودج کے خالی ہونے کا پتہ نہ چلا ویسے بھی میں اس زمانہ میں کم عمر اور ہلکی پھلکی تھی۔ انہوں نے ہودج کے ہلکے پن کو محسوس نہ کیا اور اونٹ

کو اٹھا کر روانہ ہو گئے۔ میں وہیں تھی جہاں میرا ہار گم ہوا تھا۔ میں اسے تلاش کر رہی تھی اور سارا لشکر نکل گیا۔ جب میں واپس آئی تو میں نے وہاں کسی کو نہ پایا' نہ کسی بلانے والے کو اور نہ کسی جواب دینے والے کو۔ اس کے بعد میں اسی منزل میں جس میں تھی ٹھہر گئی۔ میں نے خیال کیا کہ جب وہ مجھے نہ دیکھیں گے تو تلاش کریں گے اور میری جستجو میں واپس آئیں گے۔ پھر اسی دوران جب کہ میں اپنی منزل میں بیٹھی ہوئی تھی مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گئی۔ صفوان رضی اللہ عنہ بن المعطل سلمی ذکوان لشکر کے پیچھے رہتے تھے اور ان کو اس پر مقرر کیا تھا کہ کسی کی گری پڑی اور بھولی ہوئی چیز اٹھا کر اس کے مالک کو پہنچائیں۔ مثلاً پیالہ' کپڑا وغیرہ۔ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب صبح ہوئی تو صفوان رضی اللہ عنہ نے منزل میں مجھے دیکھا اور سمجھا کہ کوئی لشکری سوتا ہوا رہ گیا ہے۔ پھر انہوں نے مجھے پہچانا چونکہ انہوں نے مجھے حجاب سے پہلے دیکھا ہوا تھا۔ انہوں نے پہچانتے ہی کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کا یہ کہنا یا تو اس بنا پر تھا کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا صحرا میں تنہا رہ جانا ایک مصیبت اور عظیم واقعہ ہے کہ ان کو چھوڑ دیا۔ یا یہ مسلمانوں کیلئے ان کی وجہ سے مصیبت ہے۔ یا یہ استرجاع کرنا اس خیال سے ہے کہ کسی آفت و ہلاکت میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے یا اس قوت کی بنا پر جو بعد میں رونما ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ صفوان رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا مر چکی ہیں اس بنا پر استرجاع کیا۔ فرماتی ہیں ان کے استرجاع پڑھنے پر میں بیدار ہوئی اور میں نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ خدا کی قسم! انہوں نے مجھے ایک بات تک نہ کہی اور نہ اس سے زیادہ کچھ اور ان سے میں نے سنا جو انہوں کلمہ استرجاع ادا کیا تھا۔ اس کے صفوان رضی اللہ عنہ اونٹ کو لائے اور اپنے اونٹ کو زمین پر بٹھایا اور اونٹ پر پاؤں رکھا تا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیلئے سوار ہونا آسان ہو جائے اور سہارا دینے کی احتیاج نہ رہے۔ میں کھڑی ہوئی اور اونٹ کی طرف چلدی اور اس پر سوار ہو گئی۔ اس کے بعد وہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر روانہ ہو گئے یہاں تک کہ ہم آئے اور لشکر میں پہنچے اس حالت میں کہ لوگ اترے ہوئے تھے۔ اس کے بعد اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس وقت اچانک منزل گاہ میں ان منافقین کی طرف گزر ہوا جہاں ابن ابی اور اس کے موافق و پیروکار اترے ہوئے تھے۔ پھر ان اہل افک یعنی کذابوں نے زبان درازی کی اور ہلاک ہوئے جن کو ہلاک ہونا تھا۔ اس افک میں سب سے زیادہ یاوہ گو اور درپے ہونیوالا عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ وہ ہر جگہ اس کا چرچا کرتا اور پھیلاتا پھرتا تھا اور طرح طرح کی باتیں اپنی طرف سے ملا کر لوگوں میں شک وتردد پیدا کرتا تھا۔ سب سے عجیب وغریب بات یہ کہ چند مسلمان بھی اس افک میں ان منافقوں کے ہم نوا بن گئے۔ حضرت حسان بن رضی اللہ عنہ ثابت' مسطح رضی اللہ عنہ (بکسر میم وسکون سین وفتح طاء) بن اثاثہ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ کی بیٹی کا بیٹا تھا اور حمنہ رضی اللہ عنہ بنت جحش' جو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش ام المومنین کی بہن تھیں اور کچھ اور لوگ بھی جن کے نام مذکور نہیں ہیں۔ اس بھنور میں پھنس گئے اور حضرت عروہ جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں۔ مجھے ان ناموں کا علم نہیں ہے بجز اس کے کہ وہ "عصبہ" تھے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمان باری ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ. بیشک وہ لوگ جنہوں نے افک کیا وہ تم میں سے عصبہ تھے اور عصبہ دس سے چالیس تک کے گروہ کو کہتے ہیں۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں مدینہ منورہ پہنچی تو میں بیمار ہو گئی اور میری بیماری نے ایک ماہ تک طول کھینچا حالانکہ لوگ اہل افک کے قول میں مبتلا ہو گئے تھے اور یہ بات لوگوں میں خوب پھیل گئی تھی۔ مجھے اس کا بالکل پتہ تک نہ ہوا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک اس دوران بہ نسبت اپنی بیماری کے بدلا ہوا پاتی تھی اور میں حیران تھی اس کی کیا وجہ ہے؟ اس بیماری میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وہ لطف وعنایت نہ پاتی تھی جو اپنی دوسری بیماریوں میں دیکھتی تھی۔

صرف اتنا ہی عمل مبارک تھا کہ گھر میں تشریف لاتے اور گھر والوں کو سلام کرتے جیسا کہ سنت مستمرہ شریفہ تھی اور دریافت کرتے کہ اس عورت کا کیا حال ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ تمہارے بیمار کا کیا حال ہے۔ صرف اتنا ہی دریافت کرتے اس کے بعد لوٹ

جاتے اور میرے پاس نہ آتے اور نہ تشریف رکھتے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بے التفاتی سے میرا دل ٹوٹ جاتا حالانکہ حقیقت حال کا مجھے پتہ تک نہ تھا۔ یہاں تک کہ بیماری نے مجھے بہت کمزور کر دیا۔اس کے بعد ایک رات میں مسطح رضی اللہ عنہ کی والدہ کے ساتھ ''مناصع''یعنی اس جگہ کی طرف گئی جہاں لوگ قضائے حاجت کیلئے جاتے تھے چونکہ اہل عرب کی عادت تھی کہ قضائے حاجت کیلئے صحرا میں جاتے تھے اور اس زمانہ میں ''بیت الخلاء'' نہ ہوتا تھا۔ میں رات ہی کو قضائے حاجت کیلئے باہر نکلا کرتی تھی۔اس کے بعد قضائے حاجت سے فارغ ہو کر مسطح رضی اللہ عنہ کی والدہ کے ساتھ لوٹ رہی تھی تو ام مسطح رضی اللہ عنہ کا پاؤں اپنی چادر میں الجھ گیا اس وقت کہا ہلاک ہو اور منہ کے بل مسطح رضی اللہ عنہ گرے''اس پر میں نے کہا تم ایسی بات کہتی ہو اور اس شخص کو گالی دیتی ہو جو بدر میں حاضر رہا ہے۔ ایک روایت میں ہے وہ شخص جو اول مہاجرین میں سے ہے پھر ام مسطح رضی اللہ عنہ نے کہا''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اے بے سمجھ کیا تم نے نہ سنا کہ مسطح رضی اللہ عنہ نے کیا کہا ہے اور کیا کہتا پھر رہا ہے۔''اس پر انہوں نے اہل افک کی باتیں بیان کیں۔سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میری بیماری اور بڑھ گئی۔ایک روایت میں ہے کہ ایک دھواں سا میرے سر میں چڑھا اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ جب میں گھر آئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے اور فرمایا تمہارے اس بیمار کا کیا حال ہے؟ اس پر میں نے عرض کیا۔''کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر چلی جاؤں۔''میرا مقصد اس سے یہ تھا کہ میں اس حکایت اور اس خبر کے بارے میں دریافت کروں۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت مرحمت فرما دی اور میں نے اپنی والدہ سے کہا''اے اماں کیسی باتیں میں سن رہی ہوں جو لوگ کہتے پھر رہے ہیں؟''میری والدہ نے کہا بیٹی! حوصلہ رکھو! تمہارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا' غم نہ کرو۔ خدا کی قسم! کسی مرد کے پاس ایسی عورت کم ہو گی جو خوبرو' نیک خصلت اور بزرگ وذی مرتبت ہو اور وہ اس سے محبت رکھتا ہو اور وہ عورت اس سے محبت رکھتی ہے اور اس پر جان چھڑکتی ہو۔مگر یہ کہ لوگ اس پر طرح طرح کی باتیں بنائیں اور اشرار ان پر غالب آئیں۔''اس پر میں نے کہا''کیا واقعۃً لوگوں نے ایسا کہا ہے اور لوگوں میں اس کا چرچا ہوا ہے اور ایسی افواہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع مبارک تک پہنچی ہیں اور انہیں میرے باپ نے بھی سنا ہے؟ اس کے بعد مجھ پر رونا غالب آیا اور میں تمام رات روتی رہی یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔نہ میں نے سرمہ لگایا اور نہ میں رات کو سو سکی۔دن بھی یوں ہی روتے گزر گیا مگر آنسو نہ رکے اور نہ نیند آئی۔میرے والد ماجد دوسرے کمرے میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔انہوں نے جو میرے رونے کی آواز سنی تو وہ بھی روتے ہوئے نکل آئے اور مجھے تسلی وتشفی دی اور فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! صبر کرو' روؤ نہیں اور دلفگار نہ ہو۔انتظار کرو کہ حق تعالیٰ کیا حکم فرماتا ہے۔سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے بارے میں پریشانی ہوئی اور میری خستہ حالت کو ملاحظہ فرمایا تو اکثر ان اوقات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم غمزدہ بیٹھے رہا کرتے تھے۔اس باب میں نزول وحی نے بھی طول کھینچا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بلایا تا کہ ان سے مشورہ فرمائیں' استفسار کریں اور میرے حال کے بارے میں ان سے حقیقت واضح کرائیں۔حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل کی پاکی کے بارے میں جو وہ خیال رکھتے تھے اور جو محبت وعنایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل اقدس میں ان کی طرف سے تھی جانتے تھے۔عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کے اہل میں بجز خیر وخوبی کے کچھ نہیں جانتے لیکن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حق تعالیٰ نے آپ کیلئے عورتوں کی تنگی نہیں فرمائی ہے۔عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا بہت سی عورتیں ہیں اس باندی سے دریافت کیجئے؟ مطلب یہ کہ اس بریرہ رضی اللہ عنہ باندی سے پوچھئے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں رہتی ہے وہ صحیح صحیح حالات بیان کر دے گی۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور فرمایا اے بریرہ رضی اللہ عنہ!

کیا تم نے کوئی چیز عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں دیکھی ہے جس سے تمہیں کچھ شک وشبہ ہوا ہو؟ بریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں اس سے زیادہ کوئی بات نہ دیکھی کہ وہ ایک خردسال' بے سمجھ لڑکی ہے جو سوتی رہتی ہے' بکری آتی ہے اور آٹا کھا کر چلی جاتی ہے اسے کوئی خبر نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ میں نے اس میں کسی قسم کا کوئی عیب نہ دیکھا۔ بتقاضائے عمر بچپنے کی غفلت و بے پرواہی ہے۔ صحیح بخاری میں اتنا ہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور بریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا اور یہ جواب دیا۔

لیکن بعض علماء سیر حضرت عمر بن الخطاب' حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ مشورہ کرنے اور ان کے جواب دینے کا قصہ بھی بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا جواب اسی طرح نقل کیا ہے لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے جسم اقدس پر جبکہ مکھی تک نہیں بیٹھتی کیونکہ وہ نجاستوں پر بیٹھتی ہے اور اس کے پاؤں اس سے آلودہ ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ آپ کیلئے کیسے گوارہ کرے گا کہ جو اس سے کہیں زیادہ بدترین ہو اس سے آپ کی حفاظت نہ فرمائے۔'' حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ کا سایہ شریف تک زمین پر نہیں گرتا مبادا کہ وہ زمین نجس و ناپاک ہو۔ حق تعالیٰ جب آپ کے سایہ کی اتنی حفاظت کرتا ہے تو آپ کے حرم محترم کی ناشائستگی سے کیوں نہ حفاظت فرمائے گا۔'' حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ نے اتنا گوارہ نہیں فرمایا کہ نماز کی حالت میں آپ کے پائے اقدس کی نعلین مبارک میں آلودگی ہو اور اس کی آپ کو خبر دے دیتا تاکہ آپ اپنے نعلین کو پائے اقدس سے اتار دیں تو اگر یہ واقعہ نفس الامر میں وقوع پذیر ہوتا تو یقیناً آپ کو اس کی خبر دے دیتا۔ خاطر جمع رکھے حق تعالیٰ آپ کو حقیقت حال کی ضرور خبر دے گا۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ باتیں سماعت فرمائیں تو مسجد شریف میں تشریف لے گئے' خطبہ دیا اور فرمایا ''کون ہے جو میری مدد کرے اور اس شخص سے انتقام لے جس نے بلاشبہ مجھے اور میری اہل کو ایذا پہنچائی۔'' اس سے عبداللہ بن ابی مراد تھا اور فرمایا ''قسم ہے خدا کی میں اپنی اہل سے پارسائی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ بلاشبہ لوگوں نے اس شخص کے بارے میں بیان کیا ہے جس سے میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ اس سے حضرت صفوان بن المعطل رضی اللہ عنہ مراد لیا کیونکہ منافقوں نے ان کو اس فعل شنیع کے ساتھ متہم کیا تھا۔ حالانکہ حضرت صفوان بجائے خود فاضل و عابد شخص تھے چہ جائے کہ ان پر یہ اتہام لگایا جائے جو شخص ذرا بھی عقل وفہم رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس شخص میں اس وہم وفہم کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ مگر یہ کہ وہ منافق ہو اور غایت نفاق وحسد میں شیطان نے اس کی راہ بند کر رکھی ہو۔ ... ابی تو کھلم کھلا منافق ہی تھا اور عجیب نہیں کہ حمنہ رضی اللہ عنہ بھی قید نفاق وحسد میں گرفتار ہو مگر تعجب احسان رضی اللہ عنہ اور مسطح رضی اللہ عنہ پر ہے کہ وہ اس بلاء خبط اور جنون میں کیسے گرفتار ہو گئے۔

القصہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منافق ملعون کی تہدید وتوبیخ فرمائی وہ قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کی مدد کروں گا اور اس سے انتقام لوں گا۔ اگر وہ قبیلہ اوس سے ہوا جو ہمارا قبیلہ ہے تو میں خود اس کی گردن اڑاؤں گا اور اگر ہمارے بھائیوں کے قبیلہ سے ہے یعنی خزرج سے ہے تو آپ مجھے فرمایئے تاکہ میں آپ کا حکم بجالاؤں۔'' اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ جو قبیلہ خزرج کے سردار تھے کھڑے ہوئے اور سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ سے کہا ''تم دروغ کہتے ہو۔'' اس پر حضرت اسید رضی اللہ عنہ بن حضیر جو کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کے چچا کے بیٹے تھے کھڑے ہوئے اور سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ سے کہا ''تم دروغ کہتے ہو منافقوں کی طرفداری کرتے ہو اور منافقوں کی جانب سے جھگڑا کرتے ہو۔'' اس کے بعد یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ قبیلہ اوس وخزرج کے درمیان شیطان کے وسوسہ سے

جنگ واقع ہو جائے اور قدیمی عصبیت کی رگ بھڑک اٹھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو باز رکھا اور خاموش کر دیا۔ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے والد کے گھر میں تھی وہیں یہ باتیں مجھ تک پہنچ رہی تھیں میں گریہ وزاری کرنے لگی میں اتنی بے طاقت ہوگئی کہ میں نے یہ خیال کیا کہ یہ رونا میرے جگر کو پھاڑ دے گا۔ یہاں تک کہ دو دن اور دو راتیں اسی طرح گزر گئیں۔ میرے لیے بجز جاگنے اور رونے کے کوئی کام نہ تھا۔ میرے والد اور والدہ دونوں میرے پاس ہوتے میں بھی روتی تھی اور میرے ساتھ وہ بھی روتے رہتے تھے۔ ایک انصاری عورت تھی جو مجھ سے محبت رکھتی تھی وہ میرے پاس آئی۔ وہ بھی رونے لگی ہم اسی حال میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے ہمیں سلام کیا اور میرے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ جب سے یہ قضیہ درپیش آیا تھا جسے ایک ماہ گزر گیا تھا وہ میرے پاس نہ بیٹھے تھے اور نہ اس سے پہلے کوئی وحی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے بارے میں آئی تھی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''کیا حال ہے؟'' میری والدہ نے کہا ''تپ ولرزہ ہے'' اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی نشست کی حالت میں کلمہ شہادت پڑھ کر فرمایا کہ ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میرے حضور تمہارے بارے میں ایسی ایسی باتیں پہنچی ہیں لہٰذا اگر تم بری و پاک ہو تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری پاکی بیان فرمائے گا اور تمہاری برات کی خبر نازل فرمائے گا۔ اگر تم کسی گناہ میں اتر چکی ہو اور کوئی چیز تم سے صادر ہوگئی ہے تو خدا سے استغفار کرو اور اس سے توبہ ورجوع کرو۔ بلاشبہ جب بندہ گناہ کا اعتراف کرتا ہے اور اس سے توبہ کرتا ہے تو وہ یقیناً اسے بخش دیتا ہے۔'' اس کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گفتگو ختم فرمائی تو میرے آنسو تھم گئے یہاں تک کہ میری آنکھوں میں ایک قطرہ تک نظر نہ آتا تھا۔ یہ اس خوشی کی بنا پر تھا جو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک سے بشارت پائی تھی۔

میں نے اپنے والد سے کہا کہ میری طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیجئے۔ والد محترم نے فرمایا میں ہمت نہیں پاتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا عرض کروں۔ اس کے بعد میں نے اپنی والدہ سے کہا جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے آپ جواب دیجئے۔ انہوں نے کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح عرض کروں۔ اس کے بعد میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں خوردسال لڑکی ہوں، میں نے قرآن کریم زیادہ نہیں پڑھا ہے بلاشبہ خدا کی قسم! اس سلسلہ میں جتنا کچھ آپ نے سنا ہے اور جتنا کچھ آپ کے دل میں جاگزیں ہوا ہے اور آپ نے اس کی تصدیق فرمائی ہے اب اگر میں آپ سے عرض کروں کہ میں اس سے پاک ومنزہ ہوں تو آپ اس کی تصدیق نہیں کریں گے اور میری بات کا یقین نہ فرمائیں گے۔ اگر میں اس بات کا اعتراف کروں جس کے بارے میں خدا خوب جانتا ہے کہ میں پاک ہوں تو آپ اس کی تصدیق کریں گے لہٰذا میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں میں اپنے بارے میں اور آپ کے بارے میں کوئی مثال نہیں پاتی۔ بجز اس مثل و کہاوت کے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے فرمائی ہے کہ انہوں نے فرمایا: فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَّاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ. (اب صبر جمیل ہی ہے اور اللہ ہی مدد کرنے والا ہے اس پر جو کچھ تم بیان کرتے ہو۔)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو انتہائی حزن وملال کی حالت میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام حافظہ میں نہ آیا۔ ایک روایت میں ہے اس وقت منہ سے بجائے حضرت یعقوب کے یوسف علیہ السلام کا نام نکل گیا اور کہا کہ حضرت یوسف نے کہا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ یہ انتہائی حزن واضطراب کی غمازی کرتا ہے کہ پدر یوسف علیہ السلام بھی نہ کہا۔ بعض نسخوں میں ہے کہ انہوں نے کہا حضرت یعقوب علیہ السلام کے والد نے فرمایا لیکن بخاری کی بعض روایتوں میں یعقوب بھی آیا ہے اور یہ بالکل صحیح ہے ممکن ہے کہ راوی نے اپنی طرف سے درستگی کی ہو۔ (واللہ اعلم)

بہر حال سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اتنا عرض کرنے کے بعد اپنے رخ کو پھیر لیا۔ میں نے خدا پر توکل کر لیا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میں پاک ہوں۔ میں جانتی تھی کہ حق تعالیٰ میری پاکی بیان فرمائے گا اور میری پاکی کی خبر دے گا لیکن خدا کی قسم میرا یہ خیال تک نہ تھا کہ میرے بارے میں وحی آئے گی اور اسے پڑھا جائے گا۔ کیونکہ اپنے وجود میں میری شان بہت کم تر ہے کہ خاص میرے بارے میں حق تعالیٰ کلام فرمائے۔ البتہ میں اتنی ضرور امید رکھتی تھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ایسا خواب ضرور دکھائے گا جس سے میری پاکی آپ پر ظاہر ہو جائے گی۔ اس کے بعد خدا کی قسم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اس مجلس میں میرے پاس سے اٹھے بھی نہ تھے اور میرے گھر والوں میں سے ہی کوئی اٹھ کر باہر گیا تھا کہ یکا یک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی آثار نمودار ہوئے اور آپ اس شدید کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ جو نزولِ وحی کے وقت آپ پر طاری ہو جاتی تھی یہاں تک کہ آپ کی پیشانی مبارک سے موتیوں کی مانند پسینہ نمودار ہو جاتا تھا اور یہ اس گرانی و بوجھ کی وجہ سے ہوتا تھا جو کلام آپ پر اترتا تھا۔ اس کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کیفیت سے باہر آئے اور اپنی حالت میں آ گئے اس وقت آپ کا حال مبارک یہ تھا کہ آپ تبسم فرما رہے تھے۔ سب سے پہلی بات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی یہ تھی کہ ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! حق تعالیٰ نے بری قرار دے کر تمہیں پاک گردانا ہے اس تہمت سے تمہاری پاکی بیان فرمائی ہے اور تمہاری شان میں قرآن بھیجا ہے۔'' اس کے بعد مجھ سے میری والدہ نے کہا ''اٹھو اور حضور کے پاس جاؤ میں نے عرض کیا ''خدا کی قسم! میں آپ کی طرف نہیں جاؤں گی۔'' بعض روایتوں میں آیا ہے کہ میرے والد نے فرمایا ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرو'' میں نے کہا میں شکر نہیں کروں گی۔ شکر صرف اپنے رب کا ادا کروں گی جس نے مجھے پاک قرار دیا اور میرے حق میں قرآن اتارا۔'' یہ حال کی مستی اور از خود رفتگی تھی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اس وقت طاری تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور میں نے اپنا ہاتھ آپ کے دست مبارک سے کھینچ لیا۔

الحمد للہ کہ منافقوں اور دروغ گویوں کا منہ کالا ہوا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھا جو اس وقت نازل ہوا تھا اور کہا: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ.

اِنَّ الَّـذِيْـنَ جَـآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

بیشک جنہوں نے بہتان اٹھایا وہ تم میں سے عصبہ ہیں اسے اپنے لیے برا خیال نہ کرو بلکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

اس کے بعد آپ نے سورہ نور کی دس آیتوں تک تلاوت فرمائی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش و خرم مسجد میں تشریف لائے اور صحابہ کو جمع فرما کر خطبہ دیا۔ اس کے بعد نازل شدہ آیتوں کو صحابہ کے سامنے پڑھا۔

مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم برات سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں نازل شدہ آیتوں کو پڑھ چکے تو تہمت لگانے والوں کو طلب فرمایا اور ان پر حد قذف جاری فرمائی اور ہر ایک کو اسی اسی کوڑے لگوائے اور یہ چار آدمی تھے۔ حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت' مسطح رضی اللہ عنہ بن اثاثہ' حمنہ رضی اللہ عنہ بنت جحش اور عبداللہ بن ابی۔ بعض روایتوں میں عبداللہ بن ابی منافق پر اجراء حد کا ذکر نہیں کیا گیا (واللہ اعلم)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم رضی اللہ عنہ نے ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے میرے حال کے بارے میں دریافت کیا اور فرمایا ان کو تم کیسا جانتی ہو' یا تم کس طرح دیکھتی ہو ان کو۔ ''ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا'' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے کان اور آنکھ کی اس سے حفاظت کرتی ہوں کہ میں ان کے بارے میں کچھ سنوں حالانکہ میں نے کچھ سنا نہ ہو اور دیکھوں حالانکہ میں نے دیکھا نہ ہو۔ خدا کی قسم! میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتی بجز خیر و خوبی کے'' سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ وہی زینب رضی اللہ عنہا ہیں جو حضور کی ازواجِ مطہرات کے درمیان مجھ سے برابری کرتیں اور خود کو

میرے حسن و جمال اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں میری قدر و منزلت میں مشابہ بنا دیتی تھیں۔ مگر حق تعالیٰ نے ان کے اپنے ورع وتقویٰ کی بنا پر ان کو محفوظ رکھا کہ وہ رشک و حسد کریں اور بری بات منہ سے نکالیں۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''لیکن ان کی بہن حمنہ رضی اللہ عنہ بنت جحش ان سے لڑتی تھی کہ وہ اس بارے میں کیوں کچھ نہیں کہتیں۔ تو وہ ہلاکت میں پڑی اور ان لوگوں میں شامل ہو گئیں جو ہلاکت میں پڑے۔ راوی حدیث عروہ بیان کرتے ہیں کہ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''لیکن وہ شخص جس کے بارے میں ایسی ناگفتہ بہ باتیں کہی گئیں یعنی حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ وہ فرماتے ہیں کہ سبحان اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں نے کسی عورت کا پردہ نہیں اٹھایا۔ مطلب یہ کہ میں نے کسی بھی عورت کے ساتھ جماع نہیں کیا'' قسطلانی شارع صحیح بخاری فرماتے ہیں کہ یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ گئی ہے کہ صفوان رضی اللہ عنہ نامرد تھے' ان کا آلہ تناسل ناکارہ تھا اور وہ ریشہ اور کپڑے کی دھجی کی مانند تھا۔

عروہ سے مروی ہے کہ صفوان رضی اللہ عنہ بن ثابت کو برا کہتا تھا۔ عروہ کہتے ہیں کہ میں نے بھی حسان رضی اللہ عنہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے مذمت کی۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''اسے برا نہ کہو کیونکہ وہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں مشرکوں کی ہجو اور مذمت کر کے مخاصمت و مفاخرت کرتا ہے۔''

بندہ مسکین عفا اللہ عنہ یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ پر حیرت و تعجب ہے کہ باوجودیکہ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰہَ یُؤَیِّدُ حَسَّانًا بِرُوْحِ الْقُدُسِ. مَا دَامَ یُنَافِحُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ (بے شک حسان کی روح القدس سے تائید فرماتا ہے جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منافحت و مخاصمت کرتا رہتا ہے) پھر بھی وہ اس خطرناک جان لیوا بھنور میں پھنس گئے' نفس و ہوا اور شیطان کے پھندے میں مبتلا ہو گئے۔ اور حدیث میں بھی ان کی روح القدس سے تائید پانا منافحت کی حالت کے ساتھ مشروط ہے۔ تمام احوال کے ساتھ شامل نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ شاعرپنے نے ان کو اس شناعت اور بلا میں مبتلا کیا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ.

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مدح و ستائش شروع کر دی تاکہ گزشتہ غلطیوں کی تلافی ہو جائے لیکن اس غلطی و قصور کی کس طرح تلافی ممکن ہے جو حد سے بڑھ جائے البتہ توبہ و ندامت باقی ہے۔

مسروق جو کہ اکابر تابعین میں سے ہیں اور سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے راویوں میں سے ہیں وہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مدح میں بہت سے اشعار کہے ہیں ان میں ایک شعر یہ ہے: جس کا مضمون یہ ہے کہ ''سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا' عفیفہ پاک دامن' صاحب' منزلۃ اور عقل و فراست ہیں جن کو کسی شک و شبہ سے متہم قرار نہیں دیا جا سکتا اور وہ بھوکی صبح کرتی ہیں ان عورتوں کے گوشت سے جو غافل ہیں۔'' یہ اس طرح اشارہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ کرنی چاہئے۔ اس لیے کہ بحکم قرآن' غیبت کرنا مسلمان بھائیوں کے گوشت کو کھانا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا. کیا تم میں سے کوئی اسے پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ اس پر سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: لٰکِنَّكَ لَسْتَ كَذٰلِكَ. لیکن اے حسان رضی اللہ عنہ تم غیبت کرنے والے کی مانند نہیں ہو۔ مطلب یہ کہ تم نے جیسی غیبت کی ہے اس کی مانند کوئی غیبت گری نہ ہوگی۔ سروق بیان کرتے ہیں کہ اس پر میں نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا پھر آپ کیوں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو اپنی بارگاہ میں آنے دیتی ہیں؟ حالانکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''اندھا ہو جانے سے زیادہ سخت کون سا عذاب

ہے۔'' حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس قضیہ کے بعد نابینا ہو گئے۔ یہ بدلہ ہے اس کا کہ انہوں نے حق کو نہ دیکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا'' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منافحت اور مہاجات کرتے تھے۔'' اے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی کیا شان حق شناسی اور حسن خلق ہے۔

اب رہے مسطح رضی اللہ عنہ بن اثاثہ تو وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ کی بیٹی کے بیٹے تھے۔ اور ان کی صغر سنی میں ہی ان کے والد وفات پا گئے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو محتاجی اور قرابت داری کی وجہ سے پال رکھا تھا۔ وہ ان کی غمخواری کرتے اور کھانے پہننے کی دیکھ بھال رکھتے تھے۔ جب انہوں نے افک کے قضیہ میں ابن ابی منافق کی موافقت کی تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے بحکم بشریت قسم کھائی کہ آئندہ کبھی مسطح رضی اللہ عنہ پر خرچ نہیں کروں گا۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ. یعنی دین میں صاحبان فضیلت اور مال کی فراخی میں صاحبان وسعت قسم نہ کھائیں کہ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِي الْقُرْبٰى. اپنے خویشوں کو نفقہ نہ دیں گے۔

مطلب یہ کہ اس بات پر قسم نہ کھائیں کہ اپنے اقارب، مسکینوں، مفلسوں محتاجوں اور خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نفقہ نہیں دیں گے۔ مسطح رضی اللہ عنہ بھی خویش، مسکین اور مہاجر ہے۔ ولیعفوا والیصفحوا. چاہئے کہ درگزر اور عفو سے کام لیں اور جو جرم ان سے صادر ہوا اس سے روگردانی کر کے چشم پوشی سے کام لیں۔ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ. کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخشے لہٰذا تم بھی دوسروں کی خطاؤں سے درگزر کرو۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ اور اللہ باوجود انتقام پر کمال قدرت کے مجرموں کو بخشنے والا اور ان پر مہربانی فرمانے والا ہے۔ لہٰذا تم بھی اخلاق الٰہی سے اپنے آپ کو متصف بناؤ کیونکہ اسی میں ایمان کا کمال ہے۔ اس پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' یہ حق ہے ہم اسی کو پسند کرتے ہیں جس کو ہمارا رب پسند کرتا ہے۔'' اس کے بعد مسطح رضی اللہ عنہ کا جو روزینہ مقرر تھا اسے جاری فرما دیا۔ اور فرمایا'' اسے اس سے کبھی نہ روکوں گا۔''

مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ لوگ دنیا و آخرت کی محبت میں چار قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو شروع سے ہی ایذا دیتے ہیں بغیر اس کے کہ انہیں کوئی ایذا پہنچائے، یہ قسم ان سب سے میں ذلیل تر اور ادنیٰ ترین ہے اور دائرہ اعتبار سے خارج ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو بدلے میں ایذا و آزار پہنچاتے ہیں اور شریعت کے فرمان کے مطابق اس کی سزا دیتے ہیں یہ عوام مسلمان ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جو عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں اور انتقام سے کام نہیں لیتے یہ خواص مسلمان ہیں۔ چوتھی قسم میں وہ ہیں جو برائی کے بدلے میں نیکی اور ظلم و جفا کے بدلے میں ایثار و وفا سے کام لیتے ہیں۔ یہ اخص خواص اور صدیقوں کا مقام ہے۔ اس آیہ کریمہ میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اکبر کو تنبیہ و تربیت فرمانا مقصود ہے کہ وہ مقام صدیقیت میں قائم رہیں اور دائرہ کمال سے باہر نہ نکلیں۔ اس تنبیہ کے باوجود یہ بات بھی ہے کہ صاحب صفات حمیدہ اگرچہ ذمائم اور شنائع میں گرفتار ہو گیا ہے وہ پھر بھی رحم و شفقت کے لائق ہے گویا مسطح رضی اللہ عنہ کی ان کی بدریت نے شفاعت کی اور حق تعالیٰ ان کا حامی ہوا کیوں کہ اِنَّ اللّٰهَ اَطَّلَعَ عَلٰى اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ. بیشک اللہ بدر والوں کو آگاہ فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ جو چاہو عمل کرو۔ بے شک میں نے تم کو بخش دیا ہے اسی واسطے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ام مسطح رضی اللہ عنہ کو اس وقت منع کیا تھا جب انہوں نے مسطح رضی اللہ عنہ کو برا کہا تھا کہ تم اسے برا کہہ رہی ہو جو بدر میں حاضر ہوا اور اولین مہاجرین میں سے ہے لہٰذا انہیں ان مفہومات کلیہ کے ضمن میں داخل کر کے ان پر رحم و شفقت کرتے ہیں اور اہل سنت و جماعت اس آیت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق کی فضیلت پر استدلال کرتے ہیں جیسا کہ حکیم ثنائی نے کہا ہے۔

بود چنداں کرامت و فضلش　　　که اولوا لفضل خواند ذوالفضلش

اوراگرفضل کو مال ومنال کی زیادتی پرمحمول کریں جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ میں ہے کہ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ. وہ زمین میں پھرتے ہیں اوراللہ کے فضل کوتلاش کرتے ہیں۔اورفضل اس معنی میں قرآن کریم میں بکثرت آیا ہے۔اس کا قول ''وَالسَّعَۃُ'' مستدرک قرار پائے گا۔کمالایخفی۔

رفع شبہات: (تنبیہ) لوگوں کے ذہنوں میں ایسا بیٹھا ہوا ہے کہ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قضیہ افک میں سہل انگاری سے کام لیا (واللہ اعلم) لیکن بعض کتب سیر میں جس طرح حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سایہ کی حالت سے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی وتسکین مذکور ہے اس طرح علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نعلین شریفین کا قصہ بھی مذکور ہے۔البتہ ابتدائے قصہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید سے پوچھا تو کہا اللہ تعالیٰ نے آپ پر کام تنگ نہیں فرمایا ہے اوران کے سوابہت سی عورتیں ہیں۔جب انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوتنگی' حرج' حیرت' پریشانی اورتنگدلی لاحق ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس غم واندوہ کورفع کرنے کیلئے بعد کووہ راہ اختیار فرمائی۔ان کا یہ طریقہ اخوت' محبت اورخیرخواہی میں ہوگا۔ظاہر ہے کہ جومحبت وخیرخواہی حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی وہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہ ہوگی۔اس بناپرحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت سے ایسی بات کہی لیکن تعجب ہے جوعلاقہ محبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔حضرت امیر نے اس کالحاظ وپاس نہ فرمایااوراس طرف توجہ نہ کی۔''لاواللہ'' فرمایا جیسا کہ عرب کی بول چال ہے اور کہا کہ بریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیجئے' وہ دن رات ان کی خدمت میں رہتی ہے وہ ان کے احوال کی خبر رکھتی ہوں گی۔
جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کاارادہ فرمایاتو تمام صحابی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خیروخوبی میں متفق ہوگئے۔اس جگہ اخبارواحادیث بھی بکثرت موجود ہیں مگرکتب صحاح میں جو کچھ مذکور ہے۔میں نے اسے نقل کیا ہے اورہم پربجزنقل کے کچھ لازم نہیں ہے۔''والعہدۃ علی الراوی'' ساری ذمہ داری روایت کرنے والوں پر ہے۔ہم بصفائے مودت وخلوص محبت' باعتبار نسبت' بہردوجانب موصوف ہیں (واللہ الحمد) صحیح بخاری زہری سے روایت کرتے ہیں اوراس بات میں اصل زہری کی حدیث ہے۔''کتاب صغیر'' کااتباع کرنے والے ہیں اوروہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اکابرتابعین میں سے ہیں۔تمام حدیثوں کوروایت کرکے اوران سب کوجمع کرکے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جومذکور ہوئی۔ایک اوربھی ہے جوزہری سے روایت کی گئی ہے۔زہری کہتے ہیں کہ مجھ سے ولید بن عبدالملک بن مروان نے پوچھا کہ کیاتمہیں ایسی کوئی روایت پہنچی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں داخل ہیں جنہوں نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پرتہمت لگائی ہے؟ میں نے کہاایسی کوئی روایت نہیں پہنچی اوروہ ان میں داخل نہیں ہیں لیکن مجھے تمہاری قوم یعنی قریش کے دوشخصوں نے خبردی ہے۔ایک ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف' دوسرے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام ہیں۔ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن خودمشہورتابعی' ائمہ وعلما' ذی شان میں سے ہیں اورمدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔اورابوبکر بن عبدالرحمٰن بھی علماوفقہاء سبعہ میں سے ہیں۔زہری کہتے ہیں کہ ان دونوں شخصوں نے مجھے بتایا کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہم سے فرمایا کہ ''علی رضی اللہ عنہ میری شان میں مسلم رہے یعنی ساکت وخاموش رہے۔'' (مسلم بکسر لام مشددہ ماخوذازتسلیم بمعنی ساکت ہے) اورابوذر نے جوبخاری کے راویوں میں سے ایک راوی ہے اس نے فتح لام کے ساتھ روایت کیا ہے جوسلامت سے ہے۔مطلب یہ کہ اس قضیہ میں غوروفکرکرنے اوراس میں پڑنے سے اپنے آپ کوبچائے رکھا۔بخاری کی ایک اورروایت میں اتنے لفظ اورزیادہ ہیں کہ فَرَجَعُوْہُ فَلَمْ یَرْجِعْ. اس کے بعدلوگوں نے ان کی طرف اس مسئلہ میں رجوع کیاتووہ اپنے ایک حرف سے رجوع نہ ہوئے۔یعنی لفظ مسلم کے بغیرکوئی جواب نہیں دیااورفرمایا کہ روایت میں اسی طرح ''مسلم'' مروی ہے۔بلاشبہ زہری کامقصوداپنی روایت کی تقویت و

تائید ہے یا بعض ان روایتوں سے احتراز ہے جس میں مسیاءً ''بجائے مسلماً'' کے مروی ہے اور علماء فرماتے ہیں بخاری کے پرانے اور قدیمی نسخے میں لفظ مسباءً پایا گیا ہے۔
''مسیئا'' پایا گیا ہے۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

اس جگہ ایک اور حدیث ہے اور وہ بھی بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن شریف بھاری ہوا اور درد و تکلیف نے شدت اختیار کی تو آپ نے اپنی ازواج مطہرات سے باریاں موقوف کرنے کی اجازت چاہی تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تیمارداری کرا سکیں۔ اس پر تمام ازواج مطہرات نے آپ کو اجازت دیدی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ اپنے شانہ اقدس سے مسجد شریف کی جانب اس طرح تشریف لے جاتے کہ آپ دو شخصوں کے درمیان سہارا لیے ہوئے ہوتے اور آپ دونوں پر اپنا بوجھ دیئے ہوئے ہوتے اور آپ کے دونوں پائے اقدس زمین میں لے کر کھینچتے جاتے۔ یہ انتہائی ضعف و نقاہت کی وجہ سے تھا۔ ان دو شخصوں میں سے ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہوتے اور دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے۔ اس حدیث کے راوی عبید اللہ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے جو کچھ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا۔ میں نے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے فرمایا تم جانتے ہو کہ وہ دوسرا شخص کون ہے؟ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کا نام لیا نہیں۔ عبید اللہ کہتے ہیں میں نے کہا میں نہیں پہچانتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب ہیں۔ اب شراح حدیث' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام نہ لینے میں اختلاف رکھتے ہیں۔ بعض کا یہ وہم ہے کہ یہ اس نزاع کی وجہ سے ہے جو ان کے مابین تھے۔ اس وجہ سے ان کا نام نہ لیا حالانکہ حق و صواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ ایک جانب تو متعین تھا کہ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری جانب متعین نہ تھا کبھی کوئی ہوتا اور کبھی کوئی۔ کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوتے' کبھی حضرت فضل رضی اللہ عنہ بن عباس ہوتے' کبھی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ہوتے اور یہ سب اہل بیت نبوت میں سے ہیں اس بنا پر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام متعین و مشخص کر کے نہ لیا۔ (واللہ اعلم)

غزوۂ خندق

ہجرت کے اسی پانچویں سال کے واقعات میں سے غزوۂ خندق کا واقعہ ہے۔ اس کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔ غزوۂ خندق اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ اس غزوۂ میں مدینہ طیبہ کے گرد خندقیں کھودی گئی تھیں۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے قاموس میں ہے کہ خندق' کندہ کا معرب ہے اور غزوۂ احزاب اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ قریش کے ساتھ دشمنی کی بنا پر یہود کے متعدد و قبائل اور ان کے گروہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ و قتال میں مجتمع ہوئے تھے۔ وہ سب متفق ہو کر آئے تھے۔ خندق بنانا عرب کی عادت نہ تھی لیکن حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف اشارہ کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فارس والوں کو جب دشمن گھیرتے ہیں تو خندق کھودتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مشورہ قبول فرمایا اور سلع کی جانب خندق کھودنے کا حکم فرمایا۔ بذات شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود مصروف عمل ہوئے حالانکہ بھوک کی وجہ سے شکم اطہر پر پتھر باندھے ہوئے تھے جیسا کہ آپ کی عادت شریفہ تھی۔ یہ بات طعام کے ضمن میں عادت شریفہ کے باب میں گزر چکی ہے۔ اس وجہ سے صحابہ میں ذوق و شوق پیدا ہوتا تھا بلاشبہ حق تعالیٰ نے سورہ احزاب میں ابتدائی آیتیں اس باب میں نازل فرمائی ہیں۔ اس غزوہ کے وقوع کی تاریخ میں ارباب سیر اختلاف کرتے ہیں

چنانچہ موسیٰ بن عقبہ نے کہا کہ اس کا وقوع سال چہارم کے ماہ شوال میں ہوا۔ ابن اسحٰق نے کہا ہے کہ سال پنجم میں ہوا۔ دیگر اہل مغازی نے بھی اسی پر جزم کیا اور بخاری نے موسیٰ بن عقبہ کے قول کی جانب میلان کیا ہے۔ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے استدلال کیا جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روز احد عرض کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احد میں غزوۂ کی شرکت کی اجازت دیجئے اس وقت ان کی عمر چودہ برس کی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جہاد کی اجازت نہ دی۔

اور روزِ خندق ان کو جہاد کی اجازت دے دی کہ وہ پندرہ سال کے ہو گئے تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ غزوۂ اُحد اور خندق کے درمیان ایک سال سے زیادہ کا زمانہ نہ تھا۔ اور اُحد تیسرے سال میں واقع ہوا تھا۔ اس لئے خندق چوتھے سال میں ہوگا۔ ان کی یہ حجت مکمل نہیں ہے ویسے یہ ثابت شدہ ہے کہ غزوۂ خندق سال پنجم میں ہوا' ممکن ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے غزوۂ اُحد کے وقت چودھویں سال میں قدم رکھا ہوا اور احزاب میں پندرہ سال مکمل کر چکے ہوں۔ بیہقی نے یہی جواب دیا ہے اور شیخ ولی الدین عراقی کہتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ یہ غزوہ چوتھے سال میں ہوا۔ ہم نے چونکہ روضۃ الاحباب کی روش پر سنوات کو قائم رکھا ہے اور انہوں نے پانچواں سال لکھا ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی یہی لکھا ہے۔

اس غزوۂ کا واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے یہودیوں کی جماعت کو جلاوطن کر دیا تھا اور وہ مختلف شہروں میں جا بسے تھے۔ ان کی ایک ٹولی جو خیبر میں جا بسی تھی وہ مکہ پہنچی اور قریش سے کہنے لگی۔ ہم اس لیے آئے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور ان کی قوت شکنی میں عہد و پیمان کریں۔ ابوسفیان نے کہا مرحبا بکم و اهلا۔ ہمارے نزدیک اس سے بہتر کیا بات ہوگی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت و دشمنی پر ہماری مدد کی جائے۔ اس کے بعد کعبہ کے پردوں کے قریب آئے اور عہد باندھا۔ ابوسفیان کہنے لگا ''اے گروہ یہود! تم اہل کتاب میں ہو اور علماء و احبار میں سے ہو۔ بتاؤ کہ ہمارا دین بہتر ہے یا محمد کا دین ہم وہ لوگ ہیں جو خانہ کعبہ کی تعمیر میں کوشش کرتے' بڑے بڑے کوہان والے اونٹوں کو ذبح کرتے اور بیت اللہ کے حاجیوں کو کھانا پانی اور دودھ دیتے ہیں۔ بتوں کی پوجا کرتے ہیں جو ہمارے باپ دادا کی رسم ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نیا دین ظاہر کیا ہے اور نئی باتیں پیدا کی ہیں۔ بتاؤ ہم راہ راست پر ہیں یا وہ۔ یہود جو دین و دنیا دونوں کو بیچ ڈالنے والے ہیں کہنے لگے۔ ''تم بہ نسبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ راہ راست پر ہو۔'' اس وقت یہ آیت اتری:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ○ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا○

اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا وہ ایمان لائے بتوں پر اور شیطان پر اور کہنے لگے ان سے جنہوں نے کفر کیا کہ یہ ایمان داروں سے زیادہ سیدھا راستہ ہے۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور جس پر اللہ کی لعنت ہو اس کا ہرگز کوئی مددگار نہیں۔

جب یہود کا قریش کے ساتھ عہد استوار ہو گیا' قول و قرار ہو چکے اور وہ ان کی طرف مجتمع ہو گئے تو مکہ سے یہود باہر نکلے۔ قبیلا ورہ غطفان کی طرف چل دیئے جو قیس کا قبیلہ ہے ان کو بھی برانگیختہ کیا اور معاہدہ کیا کہ ایک سال کی خیبر کی کھجوریں ان کو دیں گے۔ اس کے بعد لشکر قریش باہر نکلا' ان کا سردار ابوسفیان بن حرب تھا۔ اس کے ساتھ تین سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے۔ یہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مرالظہر ان میں قبائل عرب' اسلم' اشجع' ابومرہ' کنانہ' فرازہ اور غطفان بڑی تعداد کے ساتھ آ کے مل گئے۔ ان سب کی مجموعی تعداد دس ہزار کی ہوگئی۔ ان کے برعکس مسلمانوں کی لشکر کی مجموعی تعداد تین ہزار تھی۔ ان میں چھتیس گھوڑے تھے اس سبب سے اس غزوہ کو

غزوۂ احزاب کہتے ہیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی جاہ میں یہ خبر پہنچی تو مہاجرین وانصار کو طلب فرمایا اور احزاب کے بارے میں مشورہ کیا۔ پھر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر خندق کھودنے پر اتفاق ہوا۔ اس کے بعد آپ ان مقامات پر پہنچے جہاں خندقیں کھودنے کی ضرورت تھی چونکہ مدینہ منورہ کے بعض گوشے عمارتوں اور بازاروں سے مسدود و محفوظ تھے لہٰذا ان مقامات کو جو کوہ سلع کی طرف جانب شرق کھلا میدان تھا خندقیں کھودنے کیلئے اختیار کیا گیا اور لشکر کوہ سلع کے دامن میں ٹھہر گیا اور سرخ چمڑے کا خیمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے نصب کیا گیا۔ سب سے پہلے خندقوں کیلئے نشانات لگائے گئے اور ہر دس آدمیوں کیلئے چالیس گز تقسیم فرمائے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر دس آدمیوں کیلئے دس گز حصہ میں آئی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ دس آدمیوں کے برابر کام کرتے تھے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ روزانہ پانچ گز کھودتے تھے اور اس کی گہرائی بھی پانچ گز ہوتی تھی۔ مہاجرین وانصار حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نزع کرنے لگے۔ ہر ایک یہی چاہتا کہ سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ شامل ہو کے کام کریں، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ. سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ قیس بن صعصعہ ایک شخص تھا جو بدنظری میں مشہور تھا اور اس کی بدنظر لوگوں کو لگتی تھی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو اس نے نظر لگائی تو حضرت سلمان بحکم "العین حق" بدنظری حق ہے بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ یہ خبر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو فرمایا کہ قیس بن صعصعہ کو وضو کرانا چاہئے اور وضو کے پانی کو ایک برتن میں جمع کر کے اس آب وضو کو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ پر بہائیں اور برتن کو ان کی پشت کی طرف سے ٹیڑھا کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئے۔ ایسا ہی واقعہ ایک اور موقع پر کسی دوسری جگہ بھی واقع ہوا ہے کہ عامر رضی اللہ عنہ بن ربیعہ نے سہل رضی اللہ عنہ بن حنیف کو غسل کرتے دیکھا تو عامر کی نظر سہل رضی اللہ عنہ کو لگ گئی۔ انہوں نے کہا میں نے ایسا نرم نازک وحسین وجمیل جسم والا شخص نہیں دیکھا۔ اگرچہ وہ پردہ نشین عورت ہی ہو۔ عامر رضی اللہ عنہ کا اتنی بات کہنا تھا کہ سہل رضی اللہ عنہ زمین پر گر پڑے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دیتے ہوئے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سہل رضی اللہ عنہ بن حنیف زمین پر گر پڑے ہیں اور وہ سر نہیں اٹھا سکتے۔ فرمایا کسی نے ان کے بارے میں کچھ کہا ہے جس کی وجہ سے یہ ہوا۔ لوگوں نے کہا ہاں عامر رضی اللہ عنہ نے ایسا کہا تھا جس سے سہل رضی اللہ عنہ زمین پر گر پڑے۔ اس کے بعد حضور رضی اللہ عنہ نے ان کا علاج اس طرح بتایا کہ عامر رضی اللہ عنہ کو غسل کراؤ، وہ منہ دھوئے، دونوں ہاتھ، دونوں کہنیاں، دونوں رانیں، دونوں پاؤں، اس کی انگلیاں اور زیر تہبند کو دھوئیں۔ پھر اس غسالہ کو سہل رضی اللہ عنہ پر بہایا جائے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئے۔ القصہ صحابہ کرام خندق کھودنے میں مشغول ہو گئے۔ کھدائی کا سامان مثلاً کدال، پھاوڑہ، چھینی اور ہتھوڑہ وغیرہ بنو قریظہ کے یہودیوں سے عاریۃً لیا تھا۔ بنو قریظہ مسلمانوں کے ساتھ اس وقت صلح سے رہتے تھے اور اپنے عہد و پیمان پر قائم تھے۔ قریش کا مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنا انہیں ناگوار تھا۔ ہوا اس وقت بہت ٹھنڈی چل رہی تھی، صحابہ پر بھوک کا غلبہ تھا بایں ہمہ کھودنے میں مشغول تھے اور کندھوں پر اور سروں پر مٹی ڈھوتے تھے۔ ان کے پاس غلام نہ تھے کہ وہ کام کرتے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ محنت ومشقت اور کھدائی میں رنج وتعب اور بھوک کی نقاہت کو ملاحظہ فرماتے تو آواز بلند فرماتے۔ اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشَ الْاٰخِرَةِ فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ.

ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ قول حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا ہے جو فضلائے صحابہ اور ان کے شعراء میں سے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شعر کو قبول فرما کر پڑھا۔ اسی طرح صحابہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم آواز ہو کر کہتے نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعْنَا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا. یعنی ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاد پر بیعت کی ہے جب تک ہم زندہ ہیں ہمیشہ قائم

رہیں گے۔ بعض روایتوں میں آخر میں اتنا زیادہ مروی ہے کہ:

وَالْعَنْ عَضَلاً وَّاَنْصَارَهُ هُمْ كَلَّفُوْنَا ثِقْلَ الْحِجَارَةِ

اے خدا عضل وقارہ اور اس کے مددگاروں پر لعنت کر کہ انہوں نے ہمیں پتھروں کے بوجھ کی تکلیف دی ہے۔

صحیح بخاری میں براء بن عاذب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب روز احزاب ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کو کھودا تو لوگوں نے دیکھا کہ خندق کی مٹی کو اٹھاتے تھے یہاں تک کہ آپ کے بطن اقدس کی تابانی کو مٹی نے ڈھانپ لیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کثیر الشعر تھے اس وقت آپ کے یہ اشعار لوگوں نے سنے جو ابن رواحہ کے کلمات ہیں۔ آپ فرماتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَوْلاَ اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلاَ تَصَدَّقْنَا وَلاَ صَلَّيْنَا

فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَيْنَا

اِنَّ الْاُوْلٰى بَغَوْا عَلَيْنَا اِنْ اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

اور ''ابینا ابینا'' کے کلمہ کو بلند آواز سے فرماتے۔ مطلب یہ کہ ''اے خدا! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ ہم تصدیق لاتے اور نہ نماز پڑھتے۔ تو ہم پر سکینہ نازل فرما اور دشمنوں سے جنگ کرتے وقت قوموں کو برقرار رکھ۔ بے شک پہلے گروہ نے ہم پر چڑھائی کی۔ اگر وہ فتنہ کا ارادہ رکھتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں۔''

یہ جو حدیث میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کثیر الشعر تھے قسطلانی کہتے ہیں یہ سینہ مبارک کے موئے شریف تھے۔ کہا کہ یہ اس کے معارض ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف میں بیان کیا گیا ہے کہ كَانَ دَقِيْقُ الْمَسْرُبَةِ یعنی سینہ اطہر میں مجتمع بالوں کی ایک لکیر تھی تو ان کا دقیق ہونا کثرت کے منافی نہیں ہے مطلب یہ کہ منتشر نہ تھے بلکہ مستطیل تھے۔

روز خندق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بیشمار نشانیاں اور علامتیں ظاہر ہوئیں چنانچہ ان میں سے ایک وہ ہے جسے صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم خندق کھودنے میں مصروف تھے کہ اچانک ایک بڑا پتھر بہت سخت نکل آیا جس پر چھینی اور ہتھوڑا کچھ اثر نہ کرتا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پتھر کی چٹان نکل آئی ہے جو خندق کی کھدائی میں رکاوٹ ڈال رہی ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم اطہر پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا تھا۔ اور ہم نے بھی کافی وقفہ سے کوئی چیز چکھی تک نہ تھی حضور نے ہتھوڑا لے کر اس چٹان پر مارا تو وہ ریت کی مانند ریزہ ریزہ ہو گیا۔ یہ روایت بخاری کی ہے۔ مسند احمد نسائی میں باسناد حسن، براء رضی اللہ عنہ سے اس سے زیادہ روایت کی گئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خندق کھودنے کا حکم فرمایا تو ہمارے سامنے پتھر کی ایک چٹان ایسی برآمد ہوئی جس پر ہتھوڑا چھینی کچھ اثر نہ کرتے تھے۔ اس کیلئے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ تشریف لائے اور ہتھوڑا لے کر بسم اللہ کہہ کے اس پر ایک ضرب لگائی تو وہ ایک تہائی ریزہ ریزہ ہو کے بکھر گیا۔ اور فرمایا: اللہ اکبر مجھے شام کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں۔ خدا کی قسم! بلاشبہ میں نے شام کے سرخ محلات کو اس ضرب سے دیکھ لیا ہے۔ اس کے بعد دوسری ضرب لگائی اور دوسری تہائی کو توڑ دیا اور فرمایا ''اللہ اکبر مجھے فارس کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں خدا کی قسم! میں نے مداین کے سفید کنگرے اس گھڑی دیکھے ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مداین کے کنگروں کی نشانیاں بیان فرمائیں۔ اس پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا'' قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا بلاشبہ وہ کنگرے ایسے ہی ہیں جیسے آپ نے بیان فرمائے ہیں۔ مداین فارس کا ایک شہر ہے جسے نوشیرواں نے آباد کیا ہے اس کے بعد تیسری ضرب لگائی تو بقیہ پتھر بھی ریزہ ریزہ ہو گیا۔ فرمایا'' اللہ

اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں مرحمت فرمائی گئیں خدا کی قسم میں صنعا کے دروازوں کو یہاں سے جہاں اس وقت کھڑا ہوں دیکھ رہا ہوں" ان معجزات میں سے جو ان دنوں رونما ہوئے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر کھانے میں زیادتی فرمانا ہے جس کا ذکر باب معجزات میں گزر چکا ہے۔

ایک معجزہ یہ ہے کہ ایک لڑکی ہاتھ میں کچھ کھجوریں لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا ہے؟ اس نے کہا تھوڑی سی کھجوریں ہیں جسے میری ماں نے میرے باپ کے ناشتہ کیلئے بھیجا ہے۔ فرمایا ان کھجوروں کو سامنے لاؤ۔ اس نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دست مبارک میں رکھ دیا۔ اس کے بعد آپ نے ایک کپڑا منگایا اور یہ کھجوریں اس میں ڈال دیں۔ پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ تمام اہل خندق کو آواز دو۔ اس کے بعد تمام اہل خندق حاضر ہوئے اور ان سب نے خوب دل بھر کے کھایا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ خندق کا کام بیس روز تک جاری رہا۔ واقدی کہتے ہیں کہ چوبیس روز تک رہا۔ امام نووی نے روضہ میں پندرہ دن فرمائے ہیں۔ بعض روایتوں کے مطابق کامل ایک مہینہ تک کھدائی ہوتی رہی ہے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ چھ دن میں کام مکمل ہو گیا تھا۔

خندق کی کھدائی سے فارغ ہو چکے تب لشکر کفار نمودار ہوا' وہ قبائل جو ان کی حمایت اور موافقت میں تھے وہاں آن اترے۔ یہ دس ہزار تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ سلع کے دامن میں تین ہزار صحابہ کی جماعت کے ساتھ قیام فرمایا۔ لشکر اسلام اور لشکر کفار کے درمیان خندق حائل تھی اس کے بعد دشمن خدا' حی بن اخطب' ابوسفیان کے کہنے سے اور اپنی اس ذاتی عداوت سے جو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی اور اس عداوت سے جو بنی نضیر کی جلاوطنی سے اسے حاصل ہوئی تھی۔ کعب کے پاس آیا جو بنو قریظہ کی طرف سے صاحب عہد و پیمان تھا۔ اسے قریش کی طرف بلایا چونکہ بنی قریظہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد کے پابند تھے۔ انہوں نے اس سے انکار کر دیا اور اس پر دروازہ بند کر دیا۔ کعب نے حی کو گالی دے کر کہا او بدبخت ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کر رکھا ہے ہم اس عہد کو توڑ نہیں سکتے۔ اس نے پھر دروازہ کھولنے پر اصرار کیا اور حیلے بہانے بنائے۔ کعب پر طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا "شاید تو اس ڈر سے دروازہ نہیں کھولتا کہ کہیں میری ضیافت نہ کرنی پڑے۔" چونکہ عرب کے درمیان' بخل و خست سے زیادہ شنیع کوئی اور خصلت نہ تھی۔ کعب پر یہ بات بہت دشوار و گراں گزری۔ اس نے دروازہ کھول دیا اور اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ہر چند حیئ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور عہد شکنی پر ابھارتا مگر وہ نہ مانا اور انکار کر دیا لیکن حیئ بھی حیلہ گری میں آدھا شیطان تھا مکر و فریب میں پھانس کر اپنا مدعا نکالیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ بنی قریظہ کی خبر لائیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت کو ان کے ساتھ بھیجا تاکہ بنو قریظہ کو پند و نصیحت کر کے خلاف ورزی اور عہد شکنی سے باز رکھیں۔ لیکن انہوں نے ان سب کو خبیث ترین' بدترین حالت اور افعال میں مبتلا پایا۔

جب قریش اور قبائل عرب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور مسلمانوں کے استحصال پر اٹھ کھڑے ہوئے اور بنو قریظہ کے نقض عہد کی خبر نے اس میں اور شدت پیدا کر دی۔ مسلمانوں کو شدید خوف لاحق ہو گیا اور وہ بلائے عظیم میں مبتلا ہو گئے ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ. لیکن کمزور دل مسلمانوں کی حالت' خوف اور کفار کی شوکت سے قابو سے باہر ہو گئی اور انتہائی رعب و خوف سے ان کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے اس کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ

یاد کرو جب تم پر تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے کفار امنڈ کر آئے اور تمہاری آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور تمہارے دل خنجروں میں

بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ○ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالاً شَدِيْدًا ○ اٹک گئے اور اللہ کے ساتھ قسم قسم کا گمان کیا۔ اس جگہ مسلمانوں کو آزمائش میں مبتلا کیا اور ان کو خوب شدت کے ساتھ جھنجھوڑا گیا......

منافقین اور ضعیف الایمان لوگ کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وعدہ دیتے تھے کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے ہمارے ہاتھوں میں ہوں گے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم لاچار و مجبور ہو کے رہ گئے ہیں۔ اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا یاد کرو جب منافقوں نے ضعیف الاعتقاد لوگوں سے کہا اللہ اور اس کے رسول نے نہیں وعدہ کیا مگر دھوکہ کا۔

ان میں سے کچھ لوگوں نے اجازت چاہی اور بہانے تراشے کہ ہمارے گھر خالی ہیں اور کوئی ان کی محافظت کرنے والا نہیں ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ؕ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ○ یاد کرو جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے یثرب والو تمہارے لیے ٹھہرنے کی جگہ نہیں لوٹ چلو اور ان میں سے ایک فریق نے نبی سے اجازت مانگی کہ ہمارے گھر خالی ہیں حالانکہ وہ خالی نہیں، نہیں چاہتے مگر وہ فرار ہونا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو تین سو افراد کے ساتھ مدینہ منورہ کے مکانات، قلعوں اور گھروں کی حفاظت کیلئے روانہ کر دیا۔ قریش نے بیس روز یا چوبیس روز یا ستائیس روز تک باختلاف اقوال، مسلمانوں کا محاصرہ جاری رکھا، یہاں تک کہ اس محاصرہ سے تنگ آ گئے۔ اس محاصرہ کے دنوں میں روزانہ رات کو حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی پاسبانی کرتے تھے۔ مشرکین آتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی طرف رخ کرتے تھے لیکن اتنی طاقت نہ پاتے تھے کہ خندق کو عبور کر سکیں۔

القصہ دونوں لشکروں کے درمیان خوب مقاتلہ و محاربہ واقع ہوا۔ خصوصاً حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس غزوے میں ایسا مقابلہ و مقاتلہ کیا جو عقل و فہم کی حدود سے ماوراء ہے۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ لَمُبَارَزَةُ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ يَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ اَعْمَالِ اُمَّتِيْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ. یعنی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یوم خندق مقابلہ کرنا قیامت تک کی میری امت کے اعمال سے افضل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا فرمائی اور اپنی وہ تلوار جس کا نام ذوالفقار تھا ان کو عطا فرمائی۔ جتنی مشقت و محنت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو رنج و تعب اس غزوے میں پہنچا کسی غزوے میں نہ پہنچا تھا۔ اگرچہ احد میں بھی شدتیں، تکلیفیں اور مشقتیں تھیں لیکن وہ سب ایک دن کیلئے تھیں۔ اس دن قریش تنہا تھے لیکن روز خندق تو تمام قبائل عرب مجتمع ہو کر اپنے آپ کو ہلاک کرنے اور استحصال کرنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

اس غزوۂ عظیمہ نے واقعات میں سے ایک قصہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کے مجروح ہونے کا ہے۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں۔ خندق کے دنوں میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے برابر کفار نے جنگ شروع کر رکھی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہنے پیادہ یا سوار کھڑے تھے۔ دو روایتیں ہیں۔ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "میں ان دنوں حضرت سعد بن معاذ کی والدہ کے ساتھ مدینہ کے قلعہ میں سے ایک قلعہ میں تھی کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ تنگ و چھوٹی زرہ پہنے ہوئے گزرے۔ یہ زرہ ہاتھ اور پاؤں کیلئے پوری اور کافی نہ تھی کیونکہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مرد عظیم اور طویل القامت تھے۔ ام سعد

رضی اللہ عنہا نے کہا اے میرے بیٹے! جلدی جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچو۔ میں نے کہا اے ام سعد رضی اللہ عنہا! اگر وہ اس سے بڑی زرہ پہنتے تو بہتر ہوتا۔ مجھے خوف ہے کہ ان کے ہاتھوں میں کوئی تیر نہ لگ جائے۔ ام سعد رضی اللہ عنہا نے کہا خدا وہی حکم کرتا ہے جو ہونا ہوتا ہے۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ خندق کے کنارے پہنچے تو حبان بن العرق نے لشکر کفار کی صف سے نکل کر ان پر ایک تیر پھینکا اور کہا خُذُوْا اَنَا اِبْنُ الْعَرْقَہ یعنی لو اس تیر کو روکو میں عرقہ کا بیٹا ہوں۔ وہ تیر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اکحل پر کھایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حَرَّقَ اللّٰہُ وَجْھَکَ فِی النَّارِ جہنم کی آگ میں تیرا منہ جھلسے۔ اکحل ایک رگ کا نام ہے جو کہنیوں کے جوڑ میں ہوتی ہے جب وہ کٹ جائے تو آدمی کے جسم کا سارا خون نکل جاتا ہے۔ اس رگ کو ''عرق الحیٰوۃ'' اور ''ہفت اندام'' بھی کہتے ہیں۔ ہر عضو میں اس کی شاخیں ہیں۔ ہاتھ میں اس رگ کا نام اکحل ہے اور پشت میں ابہر اور ران میں زرا (بفتح نون) ''عرق النسا'' جو ایک مرض کا نام ہے اس کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے اور انہوں نے جانا کہ اس زخم سے میری زندگانی دشوار ہے تو دعا کی اے خدا اگر تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے ساتھ اور بھی جنگ لڑنی ہے تو تو مجھے نہ مارنا کہ ان کے ساتھ میں مقابلہ کروں ورنہ اس تیر کو جو مجھے لگا ہے میری شہادت کا ذریعہ بنا۔ لیکن اتنی مہلت دے کہ میں بنو قریظہ کی عہد شکنی کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ اسی وقت ان کے زخم سے خون بہنا موقوف ہو گیا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے۔ بنی قریظہ کا انجام اس کے بعد معلوم ہو گا۔ صحیح بخاری میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی۔ ''اے خدا! تو جانتا ہے کہ میرے نزدیک کوئی قوم اس قوم سے زیادہ محبوب نہیں ہے جس سے میں جہاد کروں تیرے دین کی خاطر جس قوم نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اور ان کو گھر سے نکالا۔ اے خدا! ابھی قریش سے اور لڑنا باقی ہے تو مجھے ان کے لئے باقی رکھ کہ میں ان کے ساتھ جہاد کروں اور اگر جنگ اُٹھالی گئی ہے اور باقی نہیں ہے تو مجھے اس زخم سے مار دے' اس کے بعد زخم کھلا اور خون جاری ہو گیا اور ان کی دعا مستجاب ہوئی۔ (رضی اللہ عنہ)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک روز کفار نے متفق ہو کر خندق کی ہر جانب یکبارگی جنگ شروع کر دی۔ اس دن رات تک جنگ جاری رہی۔ چنانچہ ظہر' عصر اور مغرب کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور تمام صحابہ سے فوت ہو گئی۔ اس کا وقوع ''صلوٰۃ خوف'' کی مشروعیت سے پہلے ہے' یا یہ سبب نسیان کے ہو۔ مقابلہ بند ہو جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اذان و اقامت کہیں اور ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد ہر نماز کیلئے اقامت کہی اور اسی ترتیب کے ساتھ قضا کو ادا فرمایا اور کافروں پر بددعا کی۔ مَلَاءَ اللّٰہُ بُیُوْتَھُمْ وَقُبُوْرَھُمْ نَارًا کَمَا شَغَلُوْنَا. عَنْ صَلٰوۃِ الْوُسْطٰی. اللہ ان کافروں کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جنہوں نے نماز وسطیٰ سے ہمیں باز رکھا'' نماز وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے۔ یہ حدیث اس میں ناطق وصریح ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے اور وہ اختلاف جو صحابہ اور علماء میں صلوٰۃ وسطیٰ کی تعیین میں ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس کا وقوع بر بنائے اجتہاد ہے جو اس حدیث کے اطلاع پانے سے پہلے ہے لیکن مطلع ہونے کے بعد اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور ظاہر حدیث یہ ہے کہ آفتاب غروب ہو گیا تھا اور صراحت بھی موجود ہے کہ ''حتیٰ غابت الشّمس یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ حَتّٰی احْمَرَّتِ الشَّمْسُ وَاصْفَرَّتْ یہاں تک کہ سورج سرخ ہو گیا یا زرد پڑ گیا۔ اور بخاری کی حدیث میں ہے کہ بَعْدَ مَاکَادَ الشَّمْسُ یَغْرِبُ. اس کے بعد قریب تھا کہ سورج غروب ہو جائے اور ممکن ہی کہ مشغولیت کی بنا پر نماز کا وقت گزر گیا ہو اور بعد مغرب نماز پڑھی ہو۔ جیسا کہ شیخ تقی الدین بن دقیق العید نے فرمایا اور موطا میں ظہر بھی مذکور ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ مشرکوں نے انہیں چار نمازوں کے اوقات میں مشغول رکھا اور نماز عصر کے فوت ہونے کا خصوصیت سے ذکر فرمانا اس کی کثرت فضیلت کی بنا پر ہو گا۔ (واللہ اعلم)

کفار قبیلوں میں تفرقہ واختلاف برپا ہوا اس اختلاف وتفرقہ کا سبب یہ تھا کہ نعیم رضی اللہ عنہ بن مسعود اشجعی غطفانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر مسلمان ہوگیا۔ اس نے کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں مومن ومسلمان ہوکر حاضر ہوا ہوں اور کوئی ایک شخص بھی میرے اسلام کی خبر نہیں رکھتا۔ میری خواہش ہے کہ حق خدمت واعانت' آپ کے صحابہ اور غلاموں کی نسبت کے ساتھ بجا لاؤں اور ان قبیلوں کے درمیان تفرقہ وجدائی اور اختلاف پیدا کروں کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیتے ہیں کہ میں جو چاہوں کہوں؟'' فرمایا کہو فَاِنَّ الْحَرْبَ خُدْعَةٌ کیوں کہ جنگ ایک داؤ ہے۔ اس کے بعد نعیم رضی اللہ عنہ بن مسعود قریش اور قبائل کے پاس گئے اور ہر ایک سے ایسی باتیں کہیں جن سے ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ وہ ایک دوسرے سے متنفر اور بیزار ہوگئے ان میں باہمی اختلاف پیدا ہوگیا اور سب کے سب مرکز اتفاق واستقامت سے متزلزل ہوگئے۔ نعیم سب سے پہلے بنی قریظہ کے پاس پہنچے اور کہا ''تم جانتے ہو کہ تمہارے ساتھ میری دوستی اور محبت کتنی ہے۔ ذرا غور کرو کہ قریش اور غطفان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑنے نکلے ہیں اور تم اس میں ان کی مدد کر رہے ہو اور تم نہیں جانتے کہ یہ کچھ نہ کرسکیں گے لاچار ہوکر اور غم اٹھا کر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں گے۔ تم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کے حوالے کر جائیں گے تم ان کے ساتھ مقابلہ کی قوت نہیں رکھتے وہ تم سب کو کچل دیں گے۔ اس کے بعد وہ قریش اور غطفان کے پاس گئے اور ان سے بھی اس قسم کی باتیں کیں اور ان کے اتفاق واتحاد کو پارہ پارہ کردیا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر ہے جو لشکر احزاب پر آپ نے فرمائی تھی۔ آپ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ مُنَزِّلَ الْكِتٰبِ وَسَرِيْعَ الْحِسَابِ اِهْزِمِ الْاَحْزَابَ اللّٰهُمَّ اِهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ. اے خدا! تو قرآن کا نازل فرمانے والا ہے اور جلد حساب کرنے والا ہے۔ ان قبیلوں کو شکست دے۔ اے خدا ان کو شکست دے اور ان کو لڑکھڑا دے اور ان پر ہماری مدد فرما۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کی جنگ کے آخری تین دنوں میں ظہر وعصر کے درمیان مسجد فتح میں مسلسل دعا مانگی یعنی روز دوشنبہ، سہ شنبہ اور چہارشنبہ۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مستجاب ہوئی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی واقعہ پیش نہ آیا مگر یہ کہ اس گھڑی میں نے دعا کی اور وہ مقبول ہوئی۔ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ چہارشنبہ کے دن ظہر وعصر کے مابین دعا مانگنا وقت قبولیت دعا ہے اور اس وقت میں دعا مانگنی چاہئے۔ گویا کہ انہوں نے اس وقت کو اس جگہ سے اخذ کیا ہے۔ سیّدنا امام احمد حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے روز خندق عرض کیا یارسول اللہ! کوئی دعا ہے جسے میں پڑھوں کیونکہ ہمارے دل منہ کو آرہے ہیں۔ فرمایا یہ پڑھو: اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا. اور ابن ظفر کی کتاب 'ینبوع الحیٰوۃ'' میں ہے کہ حضور نے یہ دعا مانگی:

يَا صَرِيْخَ الْمَكْرُوْبِيْنَ وَيَا مُجِيْبَ الْمُضْطَرِّيْنَ اِكْشِفْ هَمِّيْ وَغَمِّيْ وَكَرْبِيْ تَرٰى مَا نَزَلَ بِيْ وَبِاَصْحَابِيْ.

آپ کی دعا مقبول ہوئی اور حق تعالیٰ نے آندھی اور زلزلہ بھیجا جس سے لشکر کفار تلپٹ ہوگیا اور ان کی دیگیں اوندھے منہ گر پڑیں۔ ان کے خیمے اکھڑ گئے اور حق تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت بھیجی جنہوں نے خیموں کی طنابیں کاٹ دیں اور ان میں آگیں لگا دیں اور ان کے دلوں میں ایسا خوف اور رعب ڈالا جس سے فرار کے سوا کوئی چارہ نہیں دیکھا۔ جس طرح کہ قرآن کریم ان کی حالت کی خبر دے رہا ہے کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ○ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا. یعنی اے ایمان والو! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہوئی جبکہ تمہارے پاس لشکر آیا تو اللہ نے ان پر آندھی بھیجی اور وہ لشکر جو تمہیں نظر نہیں آتا تھا اور اللہ دیکھ رہا تھا جو تم کر رہے تھے اور اللہ جنگ میں مسلمانوں کو کافی ہے اور اللہ قوی وغالب ہے۔

اس کے بعد بادصبا نے میخوں کو اکھاڑ دیا اور ان کو گرادیا' دیگیں زمین پر الٹ گئیں' کفار کے چہرے خاک آلود ہو گئے اور سنگریزوں نے ان پر مار لگائی اور انہوں نے اپنے لشکر کے ہر گوشہ سے تکبیروں کی آوازیں سنیں۔ پھر وہ راتوں رات بھاگ کھڑے ہوئے اور وزنی و بوجھل سامان پھینکتے چلے گئے۔

شیخ عمادالدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب کو رحمۃ للعلمین نہ بناتا تو وہ آندھی ان کے اوپر اس باد عقیم سے زیادہ سخت ہوتی جو قوم عاد پر بھیجی گئی تھی اور ابن مردویہ اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک عجیب نکتہ بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ احزاب والی رات میں بادصبا نے بادشمال سے کہا آؤ ہم دونوں رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی مدد کریں۔ بادشمال نے جواب میں بادصبا سے کہا اِنَّ الْحُرَّةَ لَاتَسِيْرُ بِاللَّيْلِ. حرہ یعنی اصیل وآزاد عورت رات کو نہیں چلا کرتی۔ بادصبا نے کہا حق تعالیٰ تجھ پر غضب فرمائے اور اسے عقیم یعنی بانجھ بنا دیا۔ تو جس ہوا نے اس رات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی وہ بادصبا تھی۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ. میری مدد بادصبا سے کی گئی اور قوم عاد دبور یعنی بادشمال سے ہلاک ہوگئی۔ صبا وہ ہوا ہے جو مطلع ثریا سے اٹھتی اور بنات النعش تک چلتی ہے اور اس کے مقابل دبور اور بادشمالی ہے۔ یہ وہ ہوا ہے جب تم قبلہ رو کھڑے ہو تو تمہارے سامنے آئی ہے اور تمہارے داہنے ہاتھ ہوتی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ ہوا وہ ہے جو مطلع شمس اور بنات النعش کے درمیان یا مطلع شمس سے نسر طائر کے مسقط تک چلتی ہے اور قریب یہ ہے کہ وہ رات میں چلتی ہے اسے قاموس میں ذکر کیا گیا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس رات جس رات وہ بھاگے ہیں کافروں کے لشکر میں گئے تو دیکھا کہ ایک ہوا کا طوفان ان میں ظاہر ہوا جس سے دیگوں کے سرپوش اڑ گئے اور وہ اندھے گر پڑے ان کے خیمے اکھڑ گئے اور آگ بگولے انہیں ہنکا کر لیے جا رہے تھے۔ ان کے گھوڑے لشکر کے درمیان دوڑنے کودنے اور پھرنے لگے۔ سنگریزوں کی آوازیں آنے لگیں جو ان پر پڑ رہے تھے۔ ابوسفیان کو دیکھا کہ وہ اپنے خیمہ سے باہر آیا وہ آگ سے تاپ رہا تھا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے تیر کمان میں رکھا اور چاہا کہ اس پر پھینکیں لیکن چونکہ انہیں حکم رسول تھا کہ کسی پر دست درازی نہ کرنا چنانچہ انہوں نے تیر کو کمان کے چلے سے نکال لیا۔ کاش کہ وہ مار دیتے اور لوگوں کو اس کے شر سے نجات دیتے۔ مگر اس نے آپ ہی چھٹکارا حاصل کیا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کفار اب دوبارہ ہم پر حملہ کرنے نہیں آئیں گے اب ہم ہی ان پر حملہ کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس غزوہ کے بعد انہیں اتنی فرصت اور طاقت ہی نہ ہوئی کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے آتے۔ ان کے مقابل لشکر کو لاتے۔ سال آئندہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے ارادہ سے حدیبیہ تشریف لے گئے جو فتح مکہ کا پیش خیمہ اور ابتداء تھی۔ تمام فتوحات کا دروازہ تھا کیونکہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (بیشک ہم نے تمہیں واضح فتح دی) کا اسی طرف اشارہ ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں لشکر کفار سے واپس آیا تو راستہ میں بیس سواروں کو دیکھا جو سفید عمامے باندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تم اپنے آقا کو خبر دیدو کہ حق تعالیٰ نے کفار کے لشکر سے آپ کو رو خلاصی عنایت فرمادی۔ جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ میں پہنچا تو آپ نماز میں مشغول تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی اہم معاملہ درپیش آتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب آنے کا اشارہ فرمایا۔ میں قریب گیا اور آپ نے مجھے بشارت دی۔ تبسم فرمایا اس طرح کہ آپ کے دندان مبارک کا نور درخشاں ہو گیا۔

الحمد للہ قریش نافرجام کا یہ انجام تھا۔ ابوسفیان ناعاقبت اندیش جو لشکر اس مقصد سے لایا تھا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاذ اللہ

استحصال کردے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کس طرح استحصال کرسکتا تھا کیونکہ حق تعالیٰ تو آپ کو اور آپ کے اقبال کو بڑھانا چاہتا ہے۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ ابوسفیان غزوۂ خندق سے لوٹنے کے بعد اپنی قوم میں بیٹھا ہوا تھا کہنے لگا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو مدینہ طیبہ جائے اور گھات میں لگا رہے تا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا انتقام لے۔ کیونکہ وہ بازاروں میں آتے جاتے اور تبلیغ رسالت' دوست و دشمن سے بے خوف ہو کر کرتے رہتے ہیں۔ اس پر ایک بدوی کھڑا ہوا اس نے کہا اگر'' تو میری تقویت کرے تو میں اس کام کو انجام دوں گا۔ چنانچہ میں ایک تیز و بران خنجر رکھتا ہوں' ایک لحظہ میں ان کا کام تمام کردوں گا۔ پھر ابوسفیان نے اس کی سواری کیلئے ایک وانٹ دیا اور زادراہ بھی سپرد کیا اور اسے اس راز کو چھپانے کی نصیحت کی۔ وہ مدینہ کی جانب چل دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قبیلہ کی مسجد میں تشریف فرما نصیحت میں مشغول تھے۔ وہ بدوی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے کہا'' یہ ابن عبدالمطلب ہیں؟'' حضور نے فرمایا'' ہاں میں ابن عبدالمطلب ہوں!'' وہ بدوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' یہ وہ شخص ہے جو میری ہلاکت کا درپے ہے۔'' فرمایا'' سچ بول! کیونکہ سچائی ہی تجھے چھڑا سکتی ہے'' اس پر اس نے ساری حقیقت حال بیان کردی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امان دے کر فرمایا'' جا' جہاں تیرا جی چاہے'' اس بدوی نے کہا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ. اس کے بعد اس نے کہا یا رسول اللہ! جب میں نے آپ کو دیکھا تو میرا طائر عقل پرواز کرگیا اور میرا جسم لرزنے اور کانپنے لگا کہ کوئی بھی میرے دلی ارادے سے واقف نہیں تھا۔ بجز میرے اور ابوسفیان کے اور میں نے سمجھ لیا کہ ابوسفیان کی جنگ اور شیطان کی جنگ سے آپ کا محافظ ونگہبان خدا ہے۔ وہ بدوی یہ باتیں کہتا جاتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے جاتے تھے (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم)

غزوۂ بنوقریظہ: اسی سال غزوۂ خندق کے متصل ہی غزوۂ بنوقریظہ واقع ہوا۔ بنی قریظہ کا قبیلہ یہودیوں کا تھا اور یہ قبیلہ بنی نضیر کا ہم پلہ نہت بڑا قبیلہ تھا۔ بادی النظر میں لوگوں کو ایسا وہم ہوتا ہے کہ یہ غزوۂ اس بنا پر واقع ہوا کہ انہوں نے نقض عہد کیا تھا اور قریش کی حمایت میں کمر بستہ ہوکر آگئے تھے۔ ان میں حی بن اخطب جس نے بنوقریظہ کو نقض عہد پہ آمادہ کیا تھا یہ۔ ان کے ساتھ یہ رہ پڑا تھا۔ انہیں چاہئے تو یہ تھا کہ بانی شر و فساد سے قطع تعلق کر کے نکال باہر کرتے مگر حقیقتاً اس غزوۂ کا باعث یہ نہ تھا بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوۂ خندق سے واپسی کے فوراً بعد جبریل علیہ السلام کا شانہ نبوت میں آئے۔ عجلت دکھاتے ہوئے کہا کہ حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ فوراً اور اسی وقت بنی قریظہ پر پہنچنا چاہئے اور انہیں مہلت نہ دینی چاہئے اور یہ کہ میں (جبریل) نے اور میرے ساتھ بہت سے فرشتوں نے ابھی جسموں سے ہتھیار نہیں اتارے ہیں۔ جیسا کہ قصہ کے بیان کے ضمن میں تفصیل کے ساتھ معلوم ہو جائے گا۔ اگر ایسا نہ بھی ہو بلکہ بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تدبیروں میں سے ہو تب بھی حقیقت میں یہ حکم الٰہی کے تحت ہوگا۔ یہی تقدیر الٰہی ہے اور تمام غزوات کا یہی حال ہے لیکن اس غزوۂ میں جبریل بھی آئے اور حکم الٰہی پہنچایا۔ ایسا حکم جو اس قوم کے قتل سے وابستہ ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے یہ سب باتیں اسی باب سے متعلق ہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو اسی روز غزوۂ بنوقریظہ واقع ہوا۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں رونق افروز تھے اور سر و تن مبارک سے گرد و غبار کو جھاڑ کر جسم اقدس سے ہتھیار اتار کر غسل فرما رہے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ سر مبارک کے ایک جانب کو دھو لیا تھا اور دوسری جانب کو ابھی دھویا نہ تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہ کے گھر میں تشریف فرما تھے چونکہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ جب غزوہ سے یا کسی سفر سے تشریف لاتے تو پہلے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ کے گھر آتے اور ان کو بوسہ دیتے۔ اچانک ایک شخص نے گھر کے باہر سے سلام عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور باہر تشریف لائے' میں بھی ان کے پیچھے دروازہ پر چلی گئی۔ یہ وحیہ رضی اللہ عنہ کلبی

تھے جن کے چہرے پر اور ان کے سامنے کے دانتوں پر غبار جما ہوا تھا اور سفید اونٹ پر سوار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک سے ان کے سر پے گرد کو جھاڑا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ باتیں کیں۔ جب گھر میں تشریف لائے تو فرمایا یہ جبریل علیہ السلام تھے اور انہوں نے مجھے حکم رب پہنچایا ہے کہ میں فوراً بنو قریظہ کی جانب سے متوجہ ہو جاؤں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ سر پر استبرق کا عمامہ باندھے خچر پر سوار جس پر قطیفہ دیبا کی چادر تھی سوار ہو کر آئے تھے۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے اور ہتھیار اتار کر غسل فرمایا تو جبریل علیہ السلام آئے اور کہا آپ نے تو ہتھیار اتار دیئے۔ مگر ہم نے ابھی تک نہیں اتارے چلیے اللہ تعالیٰ آپ کو حکم فرماتا ہے کہ بنو قریظہ کی صرف چلیں۔ خدا کی قسم میں جا کر ان کے قلعوں میں تہلکہ ڈالتا ہوں اور ان کو پامال کرتا ہوں اور ان میں زلزلہ ڈالتا ہوں جس طرح کہ مرغی کے انڈے کو پتھر پر مارتے ہیں۔ جبریل علیہ السلام فرشتوں کے ساتھ واپس چلے گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گویا میں نے کوچہ بنی غنم میں جبریل علیہ السلام کی سواری سے گرد و غبار کو اڑاتا ہوا دیکھا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مدینہ میں اعلان کر دیں اور کہہ دیں کہ اے خدا کے شہسوارو سوار ہو جاؤ اور ان کو بتا دو کہ جو خدا کے حکم کا فرمانبردار اور ماننے والا ہے اسے چاہیے کہ نماز عصر بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے نہ پڑے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مقدمہ الجیش پر مقرر فرمایا اور ان کے ہاتھ میں علم دیا۔ حضرت ابن رضی اللہ عنہ ام کلثوم کو مدینہ میں خلیفہ بنایا۔ وہ اپنے گھوڑے پر جس کا نام لحیف تھا سوار ہوئے دو گھوڑے کوتل کے ساتھ تھے۔ آپ مسلمانوں کو تیار کر کے تشریف لے چلے۔ آپ کے داہنے ہاتھ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' بائیں ہاتھ پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور آگے آگے مہاجرین و انصار کے اکابر حضرات تھے۔ یہ سب تین ہزار کا لشکر تھا۔ ان میں چھتیس گھوڑے تھے۔ راہ میں بنی نجار کو ملاحظہ فرمایا کہ سوار ہو کر انتظار میں کھڑے ہیں۔ دریافت فرمایا تم سے یہ کس نے کہا کہ ہتھیار پہن کر انتظار میں کھڑے رہنا۔ انہوں نے کہا وحیہ کلبی نے کہا تھا' فرمایا ''وہ جبریل علیہ السلام تھے جو پہلے روانہ ہوئے ہیں۔'' جب عصر کی نماز کا وقت ہو گیا تو بعض صحابہ نے راستہ ہی میں نماز پڑھ لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر محمول کیا۔ بعض صحابہ نے نماز عصر نہ پڑھی مگر جب بنو قریظہ پہنچ گئے' انہوں نے عشاء کے وقت بعد نماز عشاء ادا کی اور ان کا یہ عمل حکم عمل ظاہر پر عمل کرنے میں تھا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں نماز عصر نہ پڑھنے کا حکم دیا تھا کہ بنو قریظہ میں پہنچ کر پڑھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جماعتوں کے عمل کو مسلم و برقرار رکھا اور کسی ایک کو زجر و توبیخ نہ فرمائی۔ یہ قضیہ ان مجتہدین کرام کیلئے بھی حجت بنتا ہے جو اپنی رائے اور اپنے اجتہاد پر عمل کرتے ہیں اور اہل ظواہر محدثین کی جماعت کیلئے بھی حجت بنتا ہے۔ جو ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں اور رائے اور اجتہاد کو داخل نہیں کرتے۔

نماز عصر کا ذکر بخاری کی روایت میں ہے مسلم کی روایت میں نماز ظہر آیا ہے۔ بخاری و مسلم دونوں ایک شیخ اور ایک سند کے ساتھ متفق و موافق ہیں۔ مسلم کی موافق ابو یعلی ابن سعد' اور ابن حبان نے کی ہے۔ ان دونوں روایتوں کی جمع و تطبیق میں بہت سے احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ ظہر کا حکم ان لوگوں کیلئے دیا جنہوں نے ابھی ظہر نہ پڑھی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ تم ظہر وہاں پہنچنے سے پہلے نہ پڑھو۔ جو حضرات ظہر پڑھ چکے تھے ان سے حکم فرمایا کہ عصر کی نماز بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے نہ پڑھیں۔ چنانچہ انہوں نے وہاں پہنچ کر نماز پڑھی اور جمع و تطبیق میں بعض یہ کہتے ہیں کہ ظہر کا حکم طاقتور لوگوں کیلئے اور ان کیلئے جو بنی قریظہ کے قریبی منزلوں میں رہتے تھے کہ وہ وہاں پہنچنے سے پہلے ظہر نہ پڑھیں۔ ضعیفوں اور کمزوروں کیلئے حکم فرمایا کہ نماز عصر وہاں پہنچنے سے پہلے نہ پڑھیں جیسا کہ امام قسطلانی نے بیان کیا (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کی بستی میں شام اور سونے کے وقت کے درمیان پہنچے اور بقول ابن اسحٰق پچیس روز محاصرہ کیا۔ ابن سعد کی روایت میں پندرہ روز ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ دن سے رات تک ان پر تیر برساتے تھے۔ کہتے ہیں

کہ ان ایام محاصرہ میں کھانا' کھجوروں کا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ کتنا اچھا کھانا ہے'' جب محاصرہ نے طول کھینچا تو حق تعالٰی نے ان کے دلوں میں رعب وخوف ڈالا۔ وہ کہنے لگے ہم بنی نضیر کی مانند جلاوطنی اختیار کرتے ہیں اور ہمیں چھوڑ دیجئے تاکہ ہم اپنے بال بچوں کے ساتھ نکل جائیں اور جتنا کچھ ہمارے اونٹ سامان اور ہتھیار اٹھا سکیں لے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول نہ فرمایا۔ پھر وہ کہنے لگے ہم مال واسباب اور ہتھیاروں سے بھی دستکش ہوتے ہیں' ہمیں اجازت دیجئے کہ اپنے بیوی بچوں کا ہاتھ پکڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلاَ اَنْ تَنْـزِلُوْا عَلَيَّ. مگر یہ کہ تم سب میرے حضور حاضر ہو۔ اس پر وہ سب حیران ہو کے رہ گئے۔ اس کے بعد کعب بن اسد جو یہودیوں کا سردار تھا اور حی بن اخطب ملعون جو کعب کی امان میں اس سے عہد باندھ کر اس کے قلعہ میں گھس آیا تھا اور وہ بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ دونوں نے اپنی قوم سے کہا ''اے گروہ یہود! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ کیونکہ یہ وہی خدا کے رسول ہیں جن کے اوصاف توریت میں بتائے گئے ہیں اور تم بھی جانتے ہو کہ یہ وہی نبی آخرالزمان ہیں۔ ہم نے ان کی تکذیب اور ان کا انکار' حسد اور عناد کی بنا پر کیا ہے۔ اگر تم ایمان لے آئے تو تمہارے مال تمہاری جانیں سب سلامت رہیں گی۔'' یہودیوں نے اس سے انکار کیا اور کہنے لگے ہم اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتے۔ توریت پر کسی اور کتاب کو فوقیت نہیں دے سکتے۔ سبحان اللہ کتنی جہالت' عناد اور ہے کہ باوجود علم و معرفت کے اور یہ جانتے ہوئے کہ دنیا وآخرت کی سلامتی اسی میں ہے قبول نہیں کر سکتے۔

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ — وہ آپ کو خوب جانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔ انہوں نے آپ کا انکار کیا اور ان کے نفسوں نے ان کو ورغلایا۔

توریت بھی ان کو یہی حکم دیتی ہے مگر اس کے باوجود ان کا سردار کعب بھی ایمان نہ لایا۔ انقیاد واطاعت نہ کی اور ان کی پیروی میں جہنم رسید ہو گیا محض اس خوف سے کہ لوگ کہیں گے کہ جان کے ڈر سے ایمان لے آیا۔ اس کی قوم اسے برا کہے گی۔ اس کے بعد کعب نے اپنی قوم سے کہا میں تم کو تین باتوں کا اختیار دیتا ہوں ایک یہ کہ تم ایمان لے آؤ جیسا کہ میں نے کہا دوسرے اگر تم اس سے انکاری ہو تو آؤ ہم اپنے بچوں اور عورتوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے باہر نکلیں۔ محمد واصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں اور پھر دیکھیں خدا کیا کرتا ہے۔ اگر مارے جائیں اور ہلاک ہو جائیں تو کسی کو اپنے پیچھے نہ چھوڑیں گے جو ذلیل ورسوا ہوں۔ اگر ہم کامیابی پا گئے تو عورتیں اور بچے پھر پیدا ہو جائیں گے۔ یہود کہنے لگے ''یہ کیسے گوارہ کریں کہ بے گناہوں کو مار ڈالیں اور وہ زندگانی بھی کوئی زندگانی ہے جو بیوی بچوں اور عزیزوں کے بغیر گزاری جائے۔'' پھر اس نے کہا ''اگر تم یہ بھی نہیں کر سکتے تو آؤ آج رات ہفتہ کی رات ہے محمد اور اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سے بے خوف ہوں گے۔ اچانک رات میں ان پر حملہ کریں اور شب خون ماریں گے اور دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے۔'' یہود نے کہا اس رات کی تعظیم ہمارے دین میں ہے کس طرح ہم پچھلوں کی مانند اس کی بے حرمتی کریں اور اس سزا کے مستوجب بنیں جو مسخ وخسف وغیرہ کی ہے۔

اس غزوۂ کے عجیب وغریب واقعات میں سے ابولبابہ رفاعہ بن عبدالمنذر راوی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کیونکہ وہ ان کے دوست اور حلیف تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا تاکہ ان کے پاس جائیں اور وہ اپنے کام میں ان کے ساتھ مشورہ کریں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیجا۔ جب قلعہ میں ابولبابہ رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو یہود ان کے استقبال کیلئے آئے اور یہود کی عورتیں و بچے ان کے آگے رونے پیٹنے لگیں۔ محاصرہ کی شدت اور اپنے حال کی پریشانی کی شکایت کرنے لگے اس طرح پر کہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو رحم آ گیا۔ یہود ان سے پوچھنے لگے کہ تمہاری کیا رائے ہے کیا ہم اتر جائیں۔ انہوں نے کہا ہاں اتر جاؤ اور ساتھ

ہی ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حلق پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کیا مطلب یہ کہ اگر تم اترو گے تو تم ذبح کر دیئے جاؤ گے۔ معاً اس بات کے کہتے ہی ابولبابہ رضی اللہ عنہ پشیمان ہوئے اور استرجاع پڑھنے لگے اور کہنے لگے میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خیانت کی ہے۔ اس کے بعد ابولبابہ رضی اللہ عنہ قلعہ سے شرمندہ اور گریہ کناں نکلے بغیر اس کے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں اور اپنے ساتھیوں سے ملیں۔ مسجد نبوی شریف میں پہنچ کر مسجد کے ستون کے ساتھ خود کو باندھ دیا (آج بھی وہ ستون مسجد نبوی شریف میں ''ستون ابولبابہ رضی اللہ عنہ'' کے نام سے موسوم اور متعین ہے۔ اس پر لکھا ہوا ہے کہ ''اسطوانہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ'') اور کہنے لگے میں یہاں سے اس وقت تک نہ جاؤں گا جب تک کہ حق تعالیٰ میرے اس گناہ کو نہ بخش دے۔ لازم ہے کہ کوئی شخص مجھے اس ستون سے نماز کے سوا غیر وقت نماز میں نہ کھولے اس وقت تک جب تک کہ میری توبہ قبول نہ ہو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ملی تو فرمایا میں کیا کر سکتا ہوں اگر میرے پاس آتے تو میں استغفار کرتا چونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ وَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا. اور اگر وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے استغفار کریں اور اے حبیب! تم بھی ان کیلئے استغفار کرو تو یقیناً وہ اللہ کو بہت توبہ کا قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔

اب جبکہ انہوں نے خود درگاہ حق میں حاضر ہو کر خود کو باندھ لیا ہے تو میں اس وقت تک انہیں نہیں کھول سکتا جب تک کہ حق تعالیٰ ان کے گناہ کو نہ بخشے اور ان کی توبہ کو قبول نہ فرمائے۔ ان کی بیٹی آتی وہ کھجوریں ان کے منہ میں دیتی اور چند گھونٹ پانی پلا جاتی تھی۔ نماز کے وقت ان کو کھولا جاتا تا کہ نماز پڑھیں یا قضائے حاجت کر لیں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے خود کو بڑی بھاری زنجیر سے باندھا تھا یہاں تک کہ پندرہ دن اسی طرح گزر گئے۔ حتیٰ کہ ان کی سماعت جاتی رہی اور وہ نہ سن سکتے تھے۔ قریب تھا کہ ان کی بینائی بھی جاتی رہے اسی طرح پندرہ دن گزر رہے اور ان کی توبہ کی قبولیت کی وحی آئی۔ یہ اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہ کے گھر رونق افروز تھے۔ سحری کا وقت تھا کہ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس بات پہ آپ کو ہنسی آئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ شاد و خنداں رکھے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول کی گئی اور ان کے گناہ کو بخش دیا گیا۔'' ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں جا کر انہیں بشارت دیدوں'' فرمایا ''اگر تمہاری خواہش ہے تو جا کر بشارت دیدو۔'' اس کے بعد سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑی ہوئیں۔ یہ واقعہ آیت حجاب کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ پھر سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا ''اے ابولبابہ رضی اللہ عنہ! تمہیں بشارت ہو تمہاری توبہ قبول ہوگئی۔'' اس کے بعد مسجد میں موجود حضرات دوڑے تا کہ انہیں کھولیں۔ انہوں نے کہا ''اس وقت تک نہ کھولو جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لا کر اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں۔'' جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کیلئے مسجد میں تشریف لائے تو ان کی بندشوں کو کھولا۔ صاحب مواہب لدنیہ کہتے ہیں بیہقی نے دلائل النبوۃ میں مجاہد کی سند سے روایت کیا ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد: فَاعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ (تو انہوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا) حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی شان میں ہے جس وقت کہ انہوں نے یہود کے کہنے پر اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو ذبح کر دیں گے۔ اگر تم میرے حکم سے نیچے اترو گے۔ بیہقی نے کہا اور محمد ابن اسحٰق نے بھی یہی گمان کیا کہ ان کا بندھنا اسی دوران میں تھا۔ ہمیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسی روایت پہنچی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ مسجد نبوی میں ان کا بندھنا ان کے تخلف یعنی پیچھے رہ جانے کی وجہ سے غزوۂ تبوک سے تھا۔ جیسا کہ ابن المسیب نے کہا اور اسی وقت مذکورہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔ پوشیدہ نہ رہنا چاہئے کہ مشہور وہی پہلا قول ہے اور کتب سیر میں یہی لکھا ہے۔ اب رہا تبوک سے تخلف کا واقعہ تو وہ ان تین شخصوں کے ساتھ منحصر

وموقوف ہے جس کو قرآن نے بیان کیا ہے کہ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا اگر وہ حضرات جو تخلف کو تین شخصوں پر منحصر نہیں کہتے اور کچھ ان کے ماسوا بھی بتاتے ہیں۔ جن میں ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں تو ان میں سے توبہ کی مقبولیت ان تین شخصوں کے ساتھ ہے (واللہ اعلم)

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا خود کو باندھنا سرمستی اور مدہوشی کے سبب تھا۔ جیسا کہ ارباب حال کو ہوتا ہے ورنہ توبہ تو ندامت اور پشیمانی ہی کا نام ہے۔ یہ جان کو گھلانا اور نفس کو عذاب دینا توبہ کی شکل نہیں ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ پر بھی اپنے احوال میں مستی اور مدہوشی طاری ہو جایا کرتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو برقرار رکھنا ثابت وصحیح ہے۔ مشائخ صوفیہ کیلئے اس میں حجت ودلیل ہے اور ان کے منکرین پر رد وابطال ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اس آیۂ کریمہ کے نزول کے وقت جھومنا اور وجد کرنا کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ. (بیشک تم اس کو جس کو تم چاہتے ہو ہدایت نہیں دے سکتے ہو) اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا دعا کے ذکر کے وقت یہ کہنا کہ لَا تَحْرُوْمُ مُعَاذًا وَاَهْلَهُ هٰهُنَا. (معاذ رضی اللہ عنہ کو اور اس کے گھر والوں کو اس سے محروم نہ رکھنا) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا برات اور پاکیزگی کے نزول کے وقت جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: يَا عَائِشَةُ اشْكُرِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ. (اے عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکر بجالاؤ) اور اس کے جواب میں انہوں نے کہا انا لا اشکر الا ربی. (میں شکر نہیں بجالاتی بجز اپنے رب کے) اس قسم کی اور بھی باتیں دیگر اصحاب کی ملتی ہیں۔ یہ سب اسی سرمستی اور مدہوشی کے زمرہ میں ہیں۔

القصہ! جب بنو قریظہ محاصرہ سے تنگ آ گئے تو وہ مطیع ہو کر قلعہ سے اتر کر باہر آنے پر راضی ہو گئے اور وہ بارگاہ نبوت کے حکم پر عاجز ومجبور ہو گئے۔ طے پایا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ جو فیصلہ کریں گے تسلیم ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کو حکم دیا ان یہودیوں کے مردوں کے ہاتھوں کو ان کی گردن سے باندھ دو اور حضرت عبداللہ بن سلام کو حکم دیا کہ ان کی عورتوں، بچوں اور ان کے مال ومتاع کو جمع کرو۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ اس قلعہ سے پندرہ سو تلواریں، تین سو زرہ، دو ہزار نیزے، پندرہ سو ڈھالیں برآمد ہوئیں اور بکثرت مال ومتاع نکلا۔ گائے، بھینس، بکری اور جانوروں کا تو شمار ہی نہیں۔ اس پر قبیلہ اوس کے لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جس طرح بنی قینقاع کے بارے میں جو کہ عبداللہ بن ابی منافق کے خلفاء تھے رحم وکرم فرمایا تھا اور ان کے سات سو آدمیوں کو جن میں چار سو زرہ پوش تھے بخش دیا تھا۔ اب بنی قریظہ کے بارے میں جو ہمارے حلیف ہیں، عہد شکنی پر پشیمان وشرمندہ ہیں مرحمت وکرم گستری فرمائیں اور ان کے جرموں سے درگزر فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اوسیوں کے جواب میں کچھ نہ فرمایا اور شان بے نیازی دکھائی۔ اس کے بعد کسی کو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جو زخمی ہونے کی وجہ سے اس غزوہ کی شرکت سے پیچھے رہ گئے تھے، بلانے کیلئے بھیجا اور ان کو دراز گوش پر سوار کر کے لائے۔ جب یہ بنی قریظہ کے نواح میں پہنچے تو اوسیوں کی جماعت نے ان کو جالیا اور کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کا فیصلہ آپ پر چھوڑا ہے اور بنی قریظہ آپ کے حلیفوں میں سے ہیں۔ انہوں نے سب سے منہ موڑ کر اپنی امیدیں آپ سے وابستہ کر رکھی ہیں۔ آپ نے عبداللہ بن ابی کو دیکھا ہے کہ اس نے اپنے حلیفوں کو جو بنی قینقاع تھے کس طرح کوشش کر کے چھڑایا ہے۔ آپ بھی بنی قریظہ کے حق میں شفقت ومرحمت کا مظاہرہ فرمائیں تا کہ وہ قتل کی مصیبت سے نجات پائیں۔ قبیلہ اوس کے لوگوں نے طرح طرح سے منت وسماجت کی مگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور ان کو کوئی جواب نہ دیا۔ جب ان کی منت وسماجت حد سے بڑھ گئی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''یہ وقت ایسا نہیں ہے کہ راہ خدا میں مجرموں کی سفارش کی جائے۔'' اس پر وہ ناامید ہو گئے اور سمجھ لیا کہ ان کے قتل کا حکم ہوگا۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ مجلس مبارک کے قریب پہنچے۔ بخاری میں آیا ہے کہ جب مسجد کے قریب آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قوموا الی سید کم. اپنے سردار کی تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاؤ۔ اوس کی جماعت کھڑی ہو گئی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دراز گوش سے اتار کر لائے اور ان کے نیچے چمڑے کا

فرش بچھایا گیا۔ بعض لوگ اس سے قیام کے ثبوت پر استدلال کرتے ہیں کہ مجلس میں داخل ہونے والے کیلئے کھڑا ہوا جائے۔ جیسا کہ آج بھی متعارف ہے مگر ان کا استدلال نامکمل ہے اس لیے کہ یہ قیام حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دراز گوش سے اتارنے کیلئے تھا کیونکہ وہ زخمی تھے اور وہ جسیم اور عظیم الجثہ شخص تھے۔ تعظیم و تکریم غرض نہ تھی۔ اس لیے فرمایا: قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ. جیسا کہ بخاری کی حدیث میں مروی ہے اور سیّدکم نہ فرمایا۔ تعجب ہے کہ روضۃ الاحباب میں بسیدکم نقل کیا ہے اور اس نکتہ کا انہوں نے لحاظ نہ رکھا۔ اس حدیث کے شارحین فرماتے ہیں کہ اگر بقصد تعظیم و تکریم بھی ہو تو اس دن اس میں مصلحت تھی کیونکہ ان کو فیصلہ اور حکم دینے کیلئے بلایا گیا تھا۔ ان کیلئے اتنا اہتمام کرنا کہ فرش بچھایا گیا اور ان کی اتنی تعظیم و توقیر کی گئی۔ یہ سب ان کے حکم کو ماننے اور ان کے آگے سر اطاعت جھکا دینے کیلئے تھا۔ اب رہا مسجد کا مطلب جو بخاری کی روایت میں آیا ہے تو یہ وہ جگہ ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے علاقہ میں نماز کیلئے ایک جگہ خط کھینچ دیا تھا اور اقامت کے دوران اس میں نمازیں پڑھتے تھے۔ اس سے مسجد نبوی شریف مراد نہیں ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں بیٹھ گئے تو ان کے زخم سے خون رک گیا۔ قبیلہ اوس کے لوگوں نے پھر وہی نرمی و شفقت کرنے کی بات حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے بنی قریظہ کے یہود کیلئے شروع کر دی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کا عہد و میثاق تم سے ہے کہ جو کچھ میں حکم کروں گا تم سب راضی ہو گے۔'' سب نے جواب دیا ''ہم راضی ہوں گے۔''

ارباب سیر کہتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور آپ کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھ کر آپ کو خاص طور پر خطاب کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کو متوجہ کرنے سے اجتناب کیا اور کہا کہ ''جو کوئی بھی یہاں موجود ہے میرے حکم پر راضی ہے؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''حکم وہی ہے جو تم حکم کرو گے۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ''بنی قریظہ کے مردوں کو قتل کیا جائے' ان کی عورتیں اور بچے غلام و باندی بنائے جائیں۔ ان کے ساز و سامان اور اموال کو مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے سعد رضی اللہ عنہ! ان کے بارے میں تم نے وہ حکم دیا ہے جو حق تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سے حکم کیا تھا۔'' ایک روایت میں ہے کہ فرمایا تم نے حکم خدا کے ساتھ حکم دیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ بحکم ملک یعنی تم نے ملک کے حکم سے حکم دیا ہے۔ ملک' بکسر لام بمعنی حق تعالیٰ اور بفتح لام بمعنی جبریل علیہ السلام' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے سعد رضی اللہ عنہ! ان کے بارے میں حکم دو۔'' اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا ''خدا اور اس کا رسول ہی حکم دینے کا سزاوار ہے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ تمہیں حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ''ان کے بارے میں تم حکم کرو۔''

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ''بنی قریظہ کے ہاتھوں کو گردن میں بندھے ہوئے مدینہ طیبہ لے جاؤ اور قید کر دو۔''

ارباب سیر کہتے ہیں کہ قید کی حالت میں ان کے آگے کھجوریں ڈال دی جائیں چونکہ ان کے ہاتھ بندھے ہوتے تھے وہ انہیں دانتوں سے اٹھا کر کھاتے تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ زمین میں خوب گہرا گڑھا کھودا جائے' خندق کی مانند اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تلواریں کھینچ کر ان کی گردنیں اڑائیں اور خون کو خندق میں بہا دیا۔ جب حی بن اخطب کو ہاتھ باندھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا تو فرمایا ''او دشمن خدا! بالآخر حق تعالیٰ نے تجھے میرے ہاتھ میں قید کرا دیا' تجھ پر ذلت و خواری مسلط کر دی اور مجھ کو تجھ پر غالب کر کے حاکم بنایا۔'' اب بھی وہ شقی' شوخی اور بے ادبی سے باز نہ آیا۔ کہنے لگا ''میں اپنے آپ کو آپ کی دشمنی و عداوت میں ملامت

نہیں کرتا لیکن مَنْ یَخْذُلِ اللّٰہُ فَمَالَهٗ مِنْ عَزِیْزٍ. جس کو اللہ رسوا کرے اسے کوئی عزت نہیں ملتی۔ میں نے اپنی عزت تلاش کی۔ حق تعالیٰ نے آپ کو ظفر مند فرما دیا۔'' یہ ملعون' حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی عداوت وعناد رکھتا تھا اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پر بے اختیار تھا۔ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو یہ حی بن اخطب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صبح سے شام تک رہتا تھا اور منافقت برتتا تھا۔ جب شام کو اپنے گھر جاتا تو اس کا بھائی یاسر بن اخطب اس سے پوچھتا کہ کیا یہ وہی ہستی مقدس ہے جن کے اوصاف توریت میں ہم پڑھتے ہیں۔ وہ کہتا ہو ہو یعنی یہ وہی ہیں لیکن میں اپنے دل میں بجز عداوت کے کچھ نہیں پاتا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ جو امہات المومنین میں سے ہیں اسی کی بیٹی ہیں جو غزوۂ خیبر میں اسیر ہوئیں' بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو آزاد کر کے اپنے نکاح میں لائے۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حیدر کرار نے حی بن اخطب کیلئے ذوالفقار کھینچی تو حی نے گردن سامنے کر دی یہاں تک کہ امیر المومنین نے تیغ مار کر اسفل العافلین پہنچا دیا اس کے بعد کعب بن اسد بستہ لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے کعب! ایمان لے آ تو تو خوب جانتا ہے کہ میں رسول برحق ہوں'' کعب نے کہا ''میں آپ کی تصدیق تو کرتا اور آپ کی اطاعت کرتا لیکن اس شرم سے کہ لوگ کہیں گے کہ عاجز ہو کر جان کے خوف سے ایمان لے آیا' میں دین یہود پر مرتا ہوں۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسے بھی اس کے ساتھیوں سے ملا دو'' اس دن رات تک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بنی قریظہ کے قتل میں مشغول رہے جب رات ہو گئی تو ان کے بقیہ کو مشعل کی روشنی میں جہنم رسید کیا گیا۔

ارباب سیر کہتے ہیں ان کی مجموعی تعداد چار سو تھی۔ ایک فرقہ نے چھ سو کہا ہے اور ایک جماعت نے سات سو کہا ہے۔ ایک گروہ نے نو سو کہا ہے۔ مگر پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ بطریق جمع علماء نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ چار سو اصل ہوں اور باقی ان کے متبوع یعنی ان کے خدام وموالی وغیرہ ہوں۔ ان کے اموال کو مسلمانوں پر تقسیم فرمایا اور بعض قیدیوں کو آزاد کر دیا اور بعض کو ہبہ فرمایا اور ریحانہ بنت عمرو کو خاص اپنے لیے اختیار فرمایا اور ملک یمین کے طور پر ان میں تصرف فرمایا۔ آپ نے چاہا کہ انہیں آزاد کر کے زوجہ بنالیں مگر انہوں نے اسی کو پسند رکھا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اور آپ کو اسی میں زیادہ آسانی ہے۔ (واللہ اعلم)

اس مقام میں دو عجیب وغریب حکایتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ بنی قریظہ کے یہودیوں میں ایک بوڑھا تھا جس کا نام زبیر بن باطاء تھا۔ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کسی سابقہ حق کی بنا پر جو زبیر ان پر رکھتا تھا۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ''اسے مجھے عنایت فرما دیجئے۔'' فرمایا ''بخش دیا'' پھر عرض کیا کہ ''اس کے بیوی بچوں کو بھی قید غلامی سے آزاد فرما دیجئے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ عرض بھی قبول فرمائی۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا ''اس کے ساز وسامان اور املاک بھی اسے عطا فرما دیجئے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی منظور فرمالیا۔ اس کے بعد زبیر نے کعب بن اسد کا حال پوچھا کہ ''کہاں ہے اور ابن اخطب کیا ہوا اور فلاں کہاں اور فلاں کیا ہوا۔'' جواب دیا کہ سب کے سب راہ عدم کو سدھار گئے' وہ سب مارے گئے۔ زبیر نے کہا ''خدا کی قسم! ان ساتھیوں کی جدائی اور ان کی مفارقت موت سے زیادہ تلخ ہے تو اب اس سابقہ خدمت کے حق میں جو میری تمہارے ساتھ ہے۔ مجھے بھی ان کے ساتھ پہنچا دو۔ اس کے بعد ثابت رضی اللہ عنہ نے تلوار کھینچ کر اس واجب القتل کو پہنچا دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ثابت رضی اللہ عنہ نے زبیر کو زبیر کے سپرد کر دیا تا کہ وہ خود اپنا سر اپنے آپ ہی جدا کرے۔''

دوسری حکایت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ بنی قریظہ کی عورتوں میں سے ایک عورت تھی جس نے اپنے شوہر کی یاد میں اپنے آپ کو ہلاک کیا۔ وہ اس کے فراق میں روتی تھی' اس کی محبت میں جلتی تھی یکا یک کسی نے اس کو آواز

دی وہ ہنسی خوشی اس کے پاس گئی اس نے کہا کیا مجھے قتل کرنے کیلئے بلایا ہے؟ اس سے کہا گیا کہ اسلام میں قاعدہ نہیں ہے کہ عورتوں کو مارا جائے۔اس نے کہا بنی قریظہ کی ہی شادی شدہ عورت ہوں' میں اور میرا شوہر دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ جب محاصرہ نے شدت اختیار کی تو میرے شوہر نے مجھ سے کہا''اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر قابو پالیا تو مردوں کو تو وہ قتل کر دیں گے اور عورتوں کو قیدی بنا کر باندی بنالیں گے۔میں نے اپنے شوہر سے کہا افسوس وصال کے دن ختم ہو رہے ہیں اور میں تیرے بغیر خوش نہیں رہ سکتی۔شوہر نے کہا اگر تو سچ کہتی ہے اور تیرا یہی حال ہے تو تیرے مارے جانے کی ایک تدبیر اور حیلہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو زبیر بن باطاء کے قلعہ کے سایہ میں بیٹھے ہیں چکی کا پاٹ اٹھا کر ان کے سروں پر لڑھکا دے۔ممکن ہے کہ کوئی مارا جائے اور تجھے اس کے قصاص میں قتل کر دیں۔اس نے اس پتھر کو لڑھکا دیا اور وہ خلاد رضی اللہ عنہ بن سوید کے لگا اور اس سے وہ مارا گیا۔اس بنا پر اسے قصاص میں طلب کیا۔سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مدت گزر گئی مگر میں قصاص میں مارے جانے پر اس کے ہنسنے اور خوش ہونے کو بھول نہ سکی چہ خوب۔ باطل عشق و محبت کی فریب کاریاں اس حد کو پہنچتی ہیں کہ اپنی جان کو قربان کرتے وقت اس پر مسرت وخوشی کا اظہار کرتی ہیں۔جس طرح کہ وہ یہودی بوڑھا زبیر بن باطاء نامی تھا اور یہ ناپاک ونافرجام عورت تھی۔ان بدبختوں کو ایمان لانا اور اسلام میں داخل ہونا ان کے نزدیک اس سے بہت دشوار اور مشکل تھا۔(نعوذ باالله من الجهل والغواية)

جب مسلمان بنو قریظہ کے یہود کے قتل سے فارغ ہو گئے تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے زخم کھل گئے اور خون بہنے لگا یہاں تک کہ وہ جاں بحق تسلیم ہو گئے (رضی اللہ عنہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سرہانے تشریف فرما تھے اور ان کے سر کو اپنے زانوئے مبارک پہ رکھے ہوئے تھے۔فرمایا''اے خدا سعد رضی اللہ عنہ کو تو اپنی رحمتوں میں ڈھانپ لے انہوں نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی' اسلام کے جو حقوق ان پر عائد تھے ادا کئے اور ان کی روح کو بہترین طریقہ سے جس طرح تو اپنے محبوبوں کی روحوں کو قبض فرماتا ہے قبض کر۔'' جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی تو آنکھیں کھولیں اور کہا''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔جیسا کہ چاہئے آپ نے تبلیغ رسالت ادا فرمائی۔'' پھر اپنے سر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زانوئے مبارک سے اٹھالیا اور عذر خواہی کرتے ہوئے رخصت کی اجازت مانگی۔ چند لمحہ بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ رحمت الٰہی سے واصل ہو گئے (رضی اللہ عنہ) استبرق کا عمامہ باندھے جبریل علیہ السلام آئے اور کہا''اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے اصحاب میں سے کسی نے وفات پائی ہے جس کی روح کے استقبال کیلئے آسمانوں کے دروازے کھلے ہیں۔'' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مکان میں تشریف لے گئے اور ان کی تجہیز وتکفین فرمائی۔فرمایا ستر ہزار فرشتے ان کے جنازہ میں موجود ہیں۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ طویل القامت اور بڑے تومند تھے لیکن ان کا جنازہ بہت ہی ہلکا تھا۔لوگ اس پر بہت حیران ہو رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''ان کے جنازہ کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اس بنا پر یہ ہلکا ہے۔''

نیز حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی قبر کے دباؤ سے محفوظ رہتا تو وہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ ہوتے لیکن قبر نے اس بندہ صالح پر تنگی کی' اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان پر کشادگی اور فراخی فرمائی اور فرمایا ان کی موت کی وجہ سے عرش الٰہی جنبش میں آیا۔اس حدیث کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔علماء اس کی تاویل میں مختلف الرائے ہیں ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ حدیث ظاہر پر محمول ہے اور اہتزاز عرش یعنی اس کا حرکت کرنا...... یا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روح آنے کی خوشی میں' یا ان کے مرنے کے حزن وملال میں اور حق تعالیٰ نے عرش میں تمیز وادراک کو پیدا فرمایا جس کی بنا پر اسے فرح وخوشی اور غم واندوہ حاصل ہوا۔جیسا کہ پتھروں کے بارے میں فرمایا: وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ. بے شک کچھ پتھر ایسے ہیں جب وہ اللہ کے خوف سے نیچے اترتے ہیں اور یہی ظاہر حدیث ہے۔یہی

مذہب مختار مارزمی کا ہے۔انہوں نے کہا کہ ظاہر عرش کی حرکت میں ہے اور عقل کے اعتبار سے بھی یہ بعید نہیں ہے کہ عرش ایک جسم ہے اور اجسام حرکت وسکون کو قبول کرتے ہیں۔بعض علماء اہتزاز سے بشارت اور سرور کا حاصل کرنا مراد لیتے ہیں نہ کہ حرکت وجنبش۔عرب کا محاورہ ہے کہ فلاں شخص مکارم سے اہتزاز کرتا ہے اس سے ان کی یہ مراد نہیں ہوتی کہ فلاں جسم حرکت و اضطراب میں آ گیا بلکہ اس سے خوشی وسرور مراد لیتے ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ یہ ان کی وفات کی تعظیم سے کنایہ ہے اور عرب کسی عظیم شی کو عظیم اشیاء سے منسوب کرتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں کہ جہان تاریک ہو گیا اور اس کے مرنے سے قیامت قائم ہو گئی۔ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ اہتزاز سے مراد جنازہ اور نعش ہے۔یہ بات باطل ہے اور اس کی مذکورہ صریح روایتیں رد کرتی ہیں۔یہ مسلم ہے کہ اِهْتَزَّ لِمَوْتِهِ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ. ان کی موت سے عرش الٰہی جنبش میں آیا۔بعض کہتے ہیں کہ مراد حاملین عرش ہیں۔براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حریر کا جوڑا پیش کیا گیا جسے صحابہ چھوتے اور اس کی نرمی پر حیرت و استعجاب کرتے تھے۔اعرابی کہتے تھے کہ یہ آسمان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھیجا گیا ہے۔اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کا رومال جنت میں اس سے بہتر اور نرم تر ہے۔یہ غایت مبالغہ ہے اس لیے کہ رومال ادنیٰ اور کمتر کپڑا ہے جو بدن کو خشک کرنے اور میل وغیرہ پونچھنے کے کام آتا ہے لہٰذا جب یہ کپڑا اتنا نفیس واعلیٰ ہے تو ان کے دیگر لباس کے کپڑے کا کیا حال ہوگا۔یقیناً وہ اس سے بھی زیادہ نفیس واعلیٰ ہوں گے۔''

ابونعیم بروایت محمد بن المنکدر بیان کرتے ہیں کہ کسی نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کی قبر سے ایک مٹھی مٹی لی اور وہ اسے اپنے ساتھ لے گیا۔اس کے بعد اس نے دیکھا کہ وہ مٹی تو مشک اذخر ہے' اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ یہاں تک کہ آپ کے چہرہ انور پر حیرت وتعجب کا اثر نمودار رہا۔ابن سعد حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔وہ بیان کرتے کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی قبر کھودی تھی تو اس سے مشک کی خوشبو پھیل رہی تھی۔یہ کرامت و بزرگی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول رضی اللہ عنہ کی خوشنودی ورضا حاصل کرنے کی بدولت ہے اور اسی ضمن میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا وہ حکم فرمانا ہے جو حق تعالیٰ نے ان کی زبان حق ترجمان سے فرمایا جسے قبیلہ اوس کے لوگ ظاہر حال پر نظر کر کے اور عرف وعادت میں مبتلا ہو کے اس کو نہ پا سکے۔اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''تم نے وہ حکم دیا جو سات آسمان سے خدا کے حکم کے مطابق ہے۔'' انہوں نے اوس کے لوگوں کی منت وسماجت کی طرف التفات نہ فرمایا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ اس مخصوص کیفیت اور اس ذلت وخواری کے ساتھ بنی قریظہ کے قتل کے قضیہ نے کہ ایک دن میں اتنے شخصوں کی گردن ماری گئی جس سے وہ خندق خون سے لبریز ہو گئی۔غرابت وندرت سے خالی نہیں ہے اور اس میں کوئی غرابت بھی نہیں ہے چونکہ بحکم الٰہی تمام کافر واجب القتل ہیں۔اگر ہزار بارہ سو کو کسی جگہ قتل کر دیا جائے تو کیا فرق پڑتا ہے۔وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً۔ تمام مشرکوں کو قتل کر دو۔میں ان کو ذلیل وخوار کرنا شوکت اسلام اور عزت مسلمین کیلئے ہے۔ممکن ہے کہ بعض کمزور طبیعتوں میں یہ خیال گزرے کہ یہ رفق ومہربانی کی صفت کے خلاف ہے تو یہ خیال آرائی طبیعت کی کجی اور جادۂ مسلمانی سے انحراف کی وجہ سے ہے جبکہ یہ متحقق وثابت ہے کہ ایمان واعتقاد کی صفت یہ ہے کہ جو کچھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں اور عمل فرمائیں وہ سب فرمودہ خدا اور حق ہے تو یہ وسوسے اور خلجان نامعقول' باطل ہیں اور عدم صدق ایمان کی علامت ہے۔اگر حکم الٰہی بنونضیر کیلئے جلاوطنی کا اور بنوقریظہ کیلئے قتل کا تھا تو اس میں کیا نزاع ہے۔جو کوئی یہ کہے کہ وہاں کیوں جلاوطن کیا اور یہاں کیوں قتل کیا يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ. اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔'' کسی کو خدا کے فعل وحکم میں چون وچرا کا کیا حق ہے۔اگر کوئی حکمت تلاش کرے اور فرق کی جستجو کرے تو وہ بات دوسری ہے۔ممکن ہے کہ بنوقریظہ کا خبث وشرک کہ انہوں نے نقض عہد کیا اور ان قریشیوں کے ساتھ جو اللہ اور اسلام کے دشمن ہیں شامل ہو کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے مقاتلہ ومقابلہ پر کمر بستہ ہو کر کھڑے ہوئے۔ حی بن اخطب جو اعدائے دین میں اشد تھا کے ساتھ رشتہ محبت باندھا اس بنا پر مستحق قتل اور زیادہ عذاب کے مستوجب بنے ہوں۔ یہ توجیہہ اس کی خاطر سے جو عقل وطبیعت میں گرفتار ہے ہم نے بیان کی ہے ورنہ حکمت کے جاننے کی بھی کیا حاجت ہے۔ حکمت کو بھی حکیم مطلق پر چھوڑنا چاہئے اور ایمان رکھے کہ اس میں جو بھی حکمت ہے اس حکمت پر تمہارا باخبر ہونا شرط ایمان نہیں ہے۔ حالانکہ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر حکمت کی رعایت واجب نہیں ہے کیونکہ وہ مختار مطلق ہے۔ اگرچہ ہر فعل میں بیشمار حکمتیں پنہاں ہیں لیکن اگر حکمت کی رعایت نہ فرمائے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے اور کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ کہے کہ ایسا کیوں نہیں کیا۔ عقل کا دست تعرض اس کے عز وجلال کے دامن سے کوتاہ ہے۔ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ. کا مطلب یہی ہے اور یہی اعتقاد رکھنا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے۔

ظاہر ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کے حکم دینے سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ حکم الٰہی اس قضیہ میں یہی ہے۔ انہوں نے خود ہی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حکم میں رضا مندی ظاہر کی تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے دل میں الہام ہو گیا تھا کہ اس قضیہ میں خدا کا حکم یہی ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی میں رضا ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم نے وہی حکم دیا ہے جو ساتویں آسمان سے حق تعالیٰ کا ہے'' اس مقام میں اوس کے لوگوں کی نظر ظاہر میں قاصر تھی کیونکہ انہوں نے ان کیلئے منت وسماجت کی تھی اور انہوں نے سابقہ عہدوں اور اس کے حقوق کو ملحوظ رکھا تھا۔ وہ حق کو کیسے دیکھتے کہ یہی حق ہے۔ ظاہر کو دیکھتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری کرم اور آپ کی چشم پوشی پر اعتماد کرتے ہوئے عرض کیا اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو جواب نہیں دیا اور خاموشی وتغافل کو اختیار فرمایا۔ عفا اللہ عنہم ان کے سوا اور کسی صحابی نے اس باب میں دم نہ مارا' ایمان کامل اور اسلام صادق یہی ہے جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نے کیا کہ تمام دن' رات کے کچھ حصہ تک قتل کرنے اور خون بہانے میں مشغول رہے۔ بعض طبیعتیں' ناقص اور ٹیڑھی ہوں گی اگرچہ ان میں کفر کی کوئی رگ نہ ہو لیکن جہالت اور کفار کی بستیوں کے ہمسایہ رہنے کی وجہ سے ان کی خونریزی سے ان کی طبیعتوں میں ناگواری پیدا ہوئی ہو گی حتیٰ کہ اگر ایسے لوگوں سے کسی جانور کے ذبح کرنے کو کہا جائے تو وہ یہ بھی نہیں کر سکتے اگرچہ وہ جانور مر جائے۔ بعض درویشوں سے ایسی باتیں دیکھی گئی ہیں ان کو بھی شاید یہی عارضہ لاحق ہوتا ہو گا' وہ اس پر قدرت نہ رکھتے ہوں گے لیکن یہ گوشہ جہالت کے بغیر نہیں ہے اور جہالت عذر نہیں ہے۔ اتباع چاہئے۔

نہ بے حکم شرع' آب خوردن خطاست　　　　دگر خوں بفتوی بریزی رواست

اگر تم یہ کہو کہ اگر حکم الٰہی یہی تھا کہ اس قوم کے تمام لوگوں کو قتل کر دیا جائے تو زبیر بن باطاء کو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کی عرض پر بخش دینا کیا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے زبیر بن باطاء کو بخش دینے کا حکم ہوا چونکہ بخش دینا اور اہل حرب کو فدیہ لے کر یا احسان کر کے امان دے کر چھوڑنا یہ بھی حکم شرع میں سے ہے۔

احکام شرع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک ومختار ہیں: مذہب صحیح ومختار یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام مفوض ہیں جس کو جو چاہیں حکم فرمائیں۔ کسی فعل کو کسی پر حرام قرار دیں اور اسی فعل کو کسی پر مباح قرار دیں۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں جیسا کہ متبعین حق سے مخفی نہیں ہے حق تعالیٰ جل وعلیٰ نے پیدا کر کے ایک شریعت لازم فرمائی اور وہ سب اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرما دی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

قبیلہ مزنیہ کا مشرف بہ اسلام ہونا: اسی سال کے واقعات میں سے یہ ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ بن حارث مزنی اپنے قبیلہ

مزنیہ کے چار سو افراد کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر دولت اسلام سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی بستی کی طرف لوٹا دیا اور فرمایا تم جہاں بھی رہو گے مہاجرین میں داخل ہو گے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب اپنے شہروں کی طرف لوٹ گئے۔ یہ بلال رضی اللہ عنہ بن حارث فرع کے نواح میں عامل تھے جو کہ مدینہ طیبہ سے پانچ دن کی مسافت پر واقع ہے اور یہ فتح مکہ کے دن مزنیہ کی طرف سے حامل لواء تھے۔ انہیں سے ان کے بیٹے حارث اور علقمہ بن وقاص نے روایت کیا ہے اور انہیں سے بخاری و مسلم کے سوا چار راویوں کے واسطہ سے حدیث روایت کی گئی ہے اور ان کا ایک فرزند جن کا نام حسان تھا وہ بصرہ کے محدث گزرے ہیں جو ایک سو ساٹھ ہجری میں تھے اور ان کی عمر اسی سال تھی۔

چاند گرہن: اسی سال چاند گرہن واقع ہوا۔ روضۃ الاحباب میں چاند گرہن کو اسی سال میں بیان کیا گیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ مدینہ طیبہ کے یہودیوں نے طشت بجائے' وہ کہتے تھے کہ ہم پر جادو کیا گیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خسوف پڑھی جب تک کہ چاند روشن نہ ہو گیا۔

سورج گرہن: ہجرت کے دسویں سال میں حضرت ابراہیم فرزند جلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن سورج گرہن ہوا۔ جیسا کہ اپنی جگہ ذکر آئے گا لوگوں نے گمان کیا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کی بنا پر سورج گرہن میں آیا۔ یہ گمان اس اعتقاد کی بنا پر تھا جو ان میں مشہور تھا کہ چاند گرہن یا سورج گرہن یا تو کسی عظیم موت پر واقع ہوتا ہے یا کسی عظیم حادثہ پر۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاند و سورج خدا کی نشانیوں میں سے ہیں کسی کی موت پر یہ گہنائے تو نہیں ہیں۔ تم نماز پڑھو' صدقہ دو اور استغفار کرو' ان کی نمازوں کی کیفیت بیان کی جا چکی ہے۔

غزوۂ دومتہ الجندل: اسی سال غزوۂ دومتہ الجندل (بضم دال یا بفتح دال) واقع ہوا۔ یہ اس پہاڑ کا نام ہے جو وہاں سے کوفہ تک دس منزل پر ہے اور دمشق تک بھی دس منزل ہیں۔ (کذا قیل)

ارباب سیر کہتے ہیں کہ دومتہ الجندل ایک قلعہ کا نام ہے اس کی بنیاد پتھر پر رکھی گئی ہے۔ یہاں کی پیداوار کھجوریں اور جو ہیں۔ مواہب میں کہا گیا ہے یہ ایک شہر ہے اس کے اور دمشق کے درمیان پانچ رات کی مسافت ہے اور مدینہ منورہ سے پندرہ سولہ راتوں کی مسافت ہے۔ یہ نام دومی بن اسمٰعیل کے نام پر ہے جس نے وہاں قیام کیا تھا۔ قاموس میں کہا گیا کہ اسے دوماجندال بھی کہتے ہیں۔

اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ قدس میں خبر پہنچی کہ اس سرزمین میں بہت بڑی جمعیت اکٹھی ہوئی ہے جو مسافروں کو بہت تنگ کرتی ہے اور ظلم و تعدی کے ساتھ پیش آتی ہے۔ اکیدر جو اس جگہ کا حاکم ہے نصرانی ہے وہ بہت بڑا لشکر جمع کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ و مقاتلہ کیلئے کھڑا ہو گیا ہے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لے چلے۔ سباع رضی اللہ عنہ بن عرطفہ کو مدینہ میں خلیفہ بنایا' اور راہ بتانے کیلئے ''راہبر'' کا تعین فرمایا اور سرکشوں کے قلع قمع فرمانے کیلئے روانہ ہو گئے۔ رات کو قطع مسافت فرماتے' دن کو قیام فرماتے اور راستہ چھوڑ کر نزول فرماتے تھے۔ جب ان شہروں کے نواح میں پہنچے تو ''راہبر'' نے عرض کیا کہ دشمنوں کے جانور اور مویشی قریب ہیں۔ وہ ان سب کو گھیر کے لے آئے ان کے چرواہے بھاگ کھڑے ہوئے اور جدھر نہ اٹھا منتشر ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے میدان میں اقامت فرمائی اور وہاں کوئی باقی نہ رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کئی دن توقف فرمایا اور ہر طرف لشکر کے چھوٹے چھوٹے رسالے (سرایا) بھیجے۔ وہ ہر طرف پھیل گئے مگر کسی کو نہ پایا البتہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ نے ایک شخص کو پکڑا اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس قوم کی خبر پوچھی اس نے کہا جب لشکر اسلام کے آنے کی خبر یہاں کے رہنے والوں کو پہنچی تو وہ تیزی کے ساتھ بھاگ کھڑے

ہوئے اور یہ شخص ایمان لے آیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحیح وسالم اطمینان وسکون کے ساتھ غنیمت لے کر واپس آئے۔ اس سفر کی مدت ایک ماہ سے زیادہ تھی۔

روضۃ الاحباب میں ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس سفر کے دوران حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کی والدہ نے وفات پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قبر پر نماز پڑھی تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری والدہ کی وفات اچانک واقع ہوئی ہے میرا خیال ہے کہ اگر وہ مہلت پاتیں تو کچھ مال صدقہ کرتیں۔ اگر میں مال صدقہ کروں تو کیا اس کا ثواب ان کو پہنچے گا یا نہیں؟ فرمایا یقیناً پہنچے گا اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا پانی۔ اس پر حضرت سعد بن عبادہ نے ایک کنواں کھودا اور اس کو والدہ کے نام پر وقف کر دیا اور کہا: هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ. یہ کنواں ام سعد رضی اللہ عنہ کیلئے ہے۔

میت کو صدقہ کا ثواب پہنچانا: علماء کا عبادت بدنی کا ثواب میت کو پہنچنے میں اختلاف ہے اور عبادت مالی میں نہیں ہے۔ یہ باتفاق جائز ہے۔ علماء بیان کرتے ہیں کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام کے اس جہان سے رخصت ہونے کے بعد لوگوں نے خواب میں دیکھا اس باب میں ان سے پوچھا کہ ہم مردوں کو ثواب پہنچانے کی نیت سے قرآن پڑھتے ہیں کیا حال ہے کیا تمہیں پہنچتا ہے؟ فرمایا ہم دنیا میں اس کے خلاف فتویٰ دیتے تھے اب معلوم ہوا کہ پہنچتا ہے۔ (واللہ اعلم)

سریہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح بجانب سیف البحر: اسی سال ماہ ذی الحجہ میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح کا سریہ تھا۔ معارج النبوۃ میں منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ سیف البحر کی جانب بھیجا۔ اس سفر میں زادراہ کھجوریں تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر شخص روزانہ ایک کھجور پر گزر کرتا تھا اور آخر میں یہ حال ہوا کہ آدھی کھجور پر قناعت کرنی پڑی۔ ایک عرصہ اسی حالت میں گزرا۔ جب اس پر انہیں بہت دشواری لاحق ہوئی تو حق تعالیٰ نے ایک بڑی مچھلی دریا سے ساحل پر پھینک دی تین سو آدمیوں نے ایک ماہ تک اس کا گوشت کھایا۔ اور کتاب مستقصی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے اونٹ کے ساتھ اس مچھلی کی ایک پسلی کے نیچے سے گزر جاتا تھا۔ (انتہی)

مشکوٰۃ شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم جیش الخبط پر جہاد کر رہے تھے اور ہم پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا گیا تھا۔ پھر ہمیں سخت بھوک سے دوچار ہونا پڑا تو حق تعالیٰ نے دریا سے ایسی مچھلی عطا فرمائی کہ ہم نے اس جیسی مچھلی کبھی نہ دیکھی تھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ہم نے دریا کے کنارے ایک آبی جانور پایا بغیر اس کے کہ ہم اسے مچھلی کہیں کچھ اور کہہ سکتے ہیں۔ ایک روایت میں ''دابۃ العنبر'' آیا ہے یعنی وہ آبی جانور جس کو عنبر کہتے ہیں۔ وہ ایک بڑی مچھلی ہوتی ہے جس کے پوست سے ڈھال بناتے ہیں اور اس ڈھال کو بھی عنبر کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ''دابۃ العنبر'' اس بنا پر اس کا نام ہو کہ عنبر جو ایک پاکیزہ مشہور خوشبو کا نام ہے اس سے نکلتی ہو۔ قاموس میں ہے کہ عنبر ایک بحری جانور کا فضلہ ہے یا کسی ایسے چشمہ سے ہے جو بحر میں ہے اور نام مسمکہ بحریہ ہے۔ اس کے پوست سے ڈھال بناتے ہیں تو ہم نے اس سے نصف ماہ تک گوشت کھایا۔ اس کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ایک ہڈی لی۔ طیبی نے کہا کہ اس ہڈی سے مراد پسلی ہے پھر ایک سوار اس ہڈی کے نیچے سے گزر گیا۔ سنن میں مروی ہے کہ حضور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ہڈی کو کھڑا کر کے دیکھا تو اس کے نیچے سے ایک اونٹ گزر گیا۔ جب ہم واپس آئے تو ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قصہ کو بیان کیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رزق کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف بھیجا ہے اسے کھاؤ اور اگر اس میں سے کچھ حصہ تمہارے پاس باقی ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ان کے دلوں کو خوش

کرنے کیلئے فرمایا تھا اور اس کے حلال ہونے کی تاکید میں مبالغہ فرمایا۔ اس بنا پر فرمایا کہ یہ رزق بطریق خارق عادت یعنی بطور کرامت انہیں حاصل ہوا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم اس میں سے کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول فرمایا۔ (متفق علیہ)

''خبط'' درخت سے پتوں کو لکڑی کے ذریعہ جھاڑنے کو کہتے ہیں اور اس سریہ یعنی لشکر کے رسالہ کو ''جیش خبط'' بھی کہتے ہیں۔ اس بنا پر کہ بھوک سے بیتابی کی حالت میں پتوں کو جھاڑ کر اور اسے ابال کر کھانا پڑا۔ اور ان پتوں کی گرمی کی وجہ سے ان کے منہ میں چھالے اور زخم پڑ گئے تھے۔ ان کے لب اونٹ کے لبوں کی مانند ہو گئے تھے۔ روضۃ الاحباب میں اس سریہ کا ذکر نہیں پایا جاتا البتہ چھٹے سال کے آخر میں محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کے سریہ کا ذکر کر کے اتنا ہی لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح کو چالیس شخصوں کے ساتھ ان کے مقتل کی جانب بھیجا تاکہ اس جماعت سے انتقام لیں۔ جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔

ہجرت کے چھٹے سال کے واقعات

فرضیت حج: ہجرت کے چھٹے سال میں بقول جمہور حج اسلام فرض ہوا اور علماء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ حج اسلام کی فرضیت نویں سال میں ہے۔ جمہور علماء کی دلیل یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ. اور تم اللہ کیلئے حج و عمرے کو پورا کرو۔ اس آیت کا نزول چھٹے سال میں ہے اور فرماتے ہیں کہ اتمام حج سے مراد اس کے مبادیات کو سرانجام دینا ہے۔ اس کی تائید علقمہ سروق اور ابراہیم نخعی جو اجلہ تابعین میں سے ہیں کی قرات بلفظ ''اقیموا'' کرتی ہے۔ طبرانی نے باسانیہ صحیحہ اس قرأت کو روایت کیا ہے۔ دیگر علماء کی جماعت جو یہ کہتی ہے کہ اس کی فرضیت نویں سال میں ہے ان کی دلیل وہ آیت ہے جو سورہ آل عمران کے شروع میں ہے اس آیۂ کریمہ میں ہے کہ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً. اور اللہ کیلئے لوگوں پر فرض ہے کہ بیت اللہ کا حج کریں جو اس کی طرف جانے کی طاقت رکھتا ہے۔ یہ آیت سال نہم میں نازل ہوئی جسے ''عام الوفود'' کہتے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحاج بنا کر مکہ مکرمہ بھیجنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کو بعد میں مشرکوں کو سنانے کیلئے سورہ برأت لے کر بھیجنا یہ سب نویں سال میں ہے۔ دلیل و حجت کے اعتبار سے بعض علماء کے نزدیک یہی قول راجح و مختار ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اسباب سفر مہیا کرنے میں مشغول ہو گئے مگر سورت کے اہتمام کی بنا پر اس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جانا ممکن نہ ہوا' غزوات کے اہتمام اور وفود کے بھیجنے میں مصروف رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ لوگوں کو حج کرائیں۔ یہ علماء فرماتے ہیں کہ آیۂ کریمہ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ اگرچہ ہجرت کے چھٹے سال میں نازل ہوئی لیکن یہ آیت حج و عمرہ کی فرضیت پر دلالت نہیں رکھتی۔ اس لیے کہ ''اَتِمُّوا الْحَجَّ'' کے ظاہری معنیٰ' مبادیات کو پورا کرنے کا حکم ہے حج و عمرہ نہیں ہے بلکہ اس کا حکم ہے کہ حج و عمرے کے مبادیات کو شروع فرما کر اس کی ادائیگی تک اسے مکمل کر لو۔ لہٰذا ممکن ہے کہ بعد از شروع' اتمام حج کا حکم چھٹے سال میں نازل ہوا ہو اور اس کی فرضیت کی ابتداء نویں سال میں ہوئی ہو۔ فتح الباری میں علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت تقاضا کرتی ہے کہ فرضیت حج اس سے مقدم ہو۔ مطلب یہ کہ اَتِمُّوْا سے مراد' بعد از شروع' اتمام استکمال حج وغیرہ ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ حج و عمرہ اس سے پہلے شروع ہوگا۔ اگر اس سے پہلے حج و عمرہ نہ ہو تو بعد از شروع اس کے اتمام و استکمال کے کیا معنیٰ ہوں گے؟ (انتہیٰ) یہ بات ظاہر ہے کاتب الحروف کو فتح الباری کے دیکھنے سے پہلے ایسا تو وارد ہوا تھا لیکن اب خیال آتا ہے کہ بعد از شروع اتمام حج و عمرہ سے فرضیت مستلزم نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ نفل ہوا اور اس کے اتمام کا حکم بعد از شروع صادر رہا ہو۔ جیسا کہ اہل مکہ کی قدیم رسم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی

ہجرت سے پہلے حج ادا کئے ہیں البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کتنے ادا کئے ہیں۔ان کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔اس کے اتمام کے ساتھ حکم دینے میں یہی بات کافی ہے اور اس کی فرضیت زمانہ اسلام میں ہوئی اگرچہ یہ توجیہہ دوری رکھتی ہے۔(واللہ اعلم)

غزوۂ ذات الرقاع: اسی سال میں جمہور مورخین واہل سیر کے قول سے غزوۂ ذات الرقاع واقع ہوا۔ابن اسحٰق کے نزدیک چوتھے سال میں بعد از واقعہ بنی نضیر ہے اور ابن سعد ابن حبان کے نزدیک بعد از غزوۂ خندق و بنو قریظہ ہے۔بخاری نے اس کو غزوۂ خیبر کے بعد کہا ہے۔اس کے باوجود اس کا ذکر غزوۂ خیبر سے پہلے اور غزوۂ خندق کا بنو قریظہ کے بعد کیا ہے' یا ممکن ہے کہ متعدد بار ہوا ہو۔ایک خیبر سے پہلے اور دوسرا اس کے بعد۔مواہب میں اس جگہ کلام طویل لا طائل کیا ہے لیکن سبب وقوع اور اسے اس نام سے موسوم کرنے میں جتنا ضروری ہے اسی قدر یہاں بیان کرتے ہیں۔

اب رہا اس کے وقوع کا سبب وہ یہ ہے کہ ایک شخص مدینہ منورہ میں بکریاں فروخت کرنے کیلئے لایا۔اس نے اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ غطفان کے بنی انمار اور بنی ثعلبہ نے ایک لشکر جمع کیا ہے اور وہ مدینہ منورہ کا قصد رکھتے ہیں۔اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چھ سو صحابہ کے ساتھ ایک روایت میں ہے۔سات سو صحابہ کے ساتھ تشریف لے چلے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا۔بعض کہتے ہیں کہ ابوذر رضی اللہ عنہ غفاری کو بنایا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع نخل میں قیام فرمایا۔یہ مقام غطفان کی آراضی میں سے نجد میں ہے جو مدینہ منورہ سے دو دن کی مسافت پر ہے۔تو اس کے مواضع اور بستیوں میں بجز عورتوں کے کسی کو نہ پایا۔ان کے مرد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی سنتے ہی بھاگ کر پہاڑوں اور ٹیلوں میں روپوش ہو گئے۔مسلمانوں نے ان کے اموال کو تاراج کیا کوئی متعرض نہ ہوا۔ایک روایت میں آیا ہے۔بعض ان عورتوں کو جو گھروں میں رہ گئی تھیں اسیر کر لیا۔اس غزوۂ میں مدت سفر پندرہ روز تھی اور جب نماز کا وقت آتا تو متوقع خوف کی بنا پر کہ اگر نماز میں سب مشغول ہوئے تو وہ حملہ نہ کر دیں۔صلوٰۃ خوف گزاری' نماز خود متعدد وجوہ سے مروی ہے کہ کتاب سفر السعادۃ میں ان سب کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔یہ پہلی نماز خوف تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی۔اس کے بعد بغیر لڑے مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

اب رہا اس غزوۂ کا ذات الرقاع نام رکھنا۔تو اس کی وجہ یہ ہے جو صحیح بخاری سے معلوم ہوتی ہے۔ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ میں باہر نکلے' ہم چھ آدمی تھے ہمارے پاس ایک اونٹ تھا جس پر ہم نوبت بہ نوبت سوار ہوتے تھے۔ہم سب کے پاؤں زخمی ہو گئے اور میرے پاؤں اس طرح زخمی ہوئے کہ ان کے ناخن اتر گئے تھے۔ہم سب اپنے پاؤں پر رقعے یعنی پٹیاں اور کپڑے لپیٹے ہوئے تھے۔اس بنا پر اس غزوۂ کا نام ''ذات الرقاع'' یعنی پٹیوں والا ہو گیا۔نیز صحیح بخاری میں کہتے ہیں کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد نا گوار جانا کہ اس کو بیان کریں تا کہ عمل اور تزکیہ نفس میں فساد لازم نہ آئے۔

اہل مغازی اور غزوۂ کو ''غزوۂ ذات الرقاع'' کی تسمیہ کی کئی وجوہ بیان کرتے ہیں۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ سب کسی ایسے پہاڑ پر اترے جس کے ہر رقعہ اور ہر قطعہ رنگ برنگا تھا۔دوسری یہ ہے کہ اس جگہ کچھ درخت تھے جن کو ذات الرقاع کہتے تھے۔تیسری یہ کہ یہ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے مگر مختار وجہ اول ہی ہے۔

اس غزوۂ کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ انصاری ایک اونٹ پر سوار تھے۔وہ چاہتے تھے کہ اونٹ تیز چلے مگر وہ اونٹ بہت کمزور اور سست رفتار تھا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا عصا شریف مارا تو وہ اونٹ تند و تیز رفتار ہو گیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا اتنی تیز کیوں چلتے ہو عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے نئی شادی کی ہے۔فرمایا باکرہ سے کی ہے یا ثیبہ سے۔فرمایا باکرہ سے کیوں نہ کی تا کہ وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے۔حضرت جابر

رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرے والد غزوۂ احد میں شہید ہو گئے اور ۹ بیٹیاں یا سات بیٹیاں چھوڑی ہیں۔اس لیے میں نے ذن ثیبہ کی ہے تا کہ ان کی خدمت وتربیت کر سکے۔اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اونٹ کو اس شرط پر خرید لیا کہ مدینہ تک اس پر سوار ہو کر جائیں اور شہر مدینہ میں سپرد کر کے اس کی قیمت وصول کر لیں۔جب مدینہ منورہ پہنچ گئے تو اونٹ کی قیمت ان کو دیدی اور اونٹ کو بھی انہیں ہی عطا فرما دیا۔اس حدیث سے رخصت بیع مشروط معلوم ہوتی ہے اور فقہاء اس سے منع کرتے ہیں۔مگر یہ کہ کسی دوسری حدیث سے ہو۔بعض کہتے ہیں اس حدیث میں اضطراب ہے اور اس میں طویل بحث ہے جو اپنی جگہ مذکور ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوۂ میں ایک درخت کے سایہ میں محوخواب تھے ایک اعرابی آیا اور اپنی تلوار کھینچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے اعرابی نے کہا کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچائے۔فرمایا اللہ! اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ پڑی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں تلوار لے کر فرمایا کون ہے جو تجھے مجھ سے روکے گا؟ اعرابی نے کہا مجھے بخش دیجئے۔فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں۔اعرابی نے کہا میں عہد کرتا ہوں کہ آپ سے کبھی جنگ نہ کروں گا اور نہ اس جماعت میں شریک ہوگا جو آپ سے لڑے۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سرا سے بخش دیا اور وہ اعرابی لوٹ کر اپنی قوم میں گیا اور کہا میں تمہارے پاس سب سے بہتر شخص کے پاس سے آیا ہوں۔واقدی نے اس کا اسلام لانا اور پھر اپنی قوم کے بہت سے لوگوں سے اسلام قبول کرانا بیان کیا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ اعرابی کی پیٹھ میں درد ہوا بلاشبہ اس کی مانند ایک اور قصہ غزوۂ غطفان میں گزر چکا ہے۔

غزوۂ بنولحیان: اسی سال غزوۂ بنولحیان ماہ ربیع الاول میں واقع ہوا اور ابن اسحٰق کے نزدیک جمادی الاولی میں بنو قریظہ کے چھ ماہ بعد واقع ہوا تھا۔ابن حزم کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ پانچویں سال میں واقع ہوا۔

اس کا سبب یہ تھا کہ جب حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بن ثابت اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ بن عدی اور ان کے دیگر ساتھیوں کا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر تیسرے سال میں گزر چکا ہے تو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر رنج وغم کا اظہار فرماتے رہے۔مگر پیہم غزوات کے باعث اتنی مہلت نہ مل سکی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو لے جا کر بنی لحیان کی سرکوبی فرما سکتے اور ان صحابہ کا بدلہ لے سکتے۔یہاں تک یہ سال یعنی ہجرت کا چھٹا سال آ گیا۔اس وقت آپ دو سو مہاجرین اور انصار کی جمعیت لے کر جن میں بیس سوار تھے۔بنی لحیان کی سرکوبی کی طرف متوجہ ہوئے اور ایسا طریقہ اختیار فرمایا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ شام کی جانب تشریف لیے جا رہے ہیں۔اس سے مقصد یہ تھا کہ اچانک ان پر پہنچ جائیں اور انہیں ہلاک کریں۔مدینہ منورہ میں حضرت ابن رضی اللہ عنہ ام کلثوم کو خلیفہ بنا کر تیزی کے ساتھ اس مقام میں پہنچ گئے جہاں (سریہ رجیع کے) مسلمانوں کو شہید واسیر کیا گیا تھا۔ان کیلئے استغفار کے بعد دعائے خیر فرمائی۔بنولحیان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر پاتے ہی راہ فرار اختیار کی اور پہاڑوں پر چڑھ کر روپوش ہو گئے۔اپنی جانوں کو گرداب ہلاکت سے بچا لیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دو روز وہاں مقیم رہے اور چاروں طرف لشکر کی ٹوکیوں کو یعنی سرایا کو بھیجا۔اس کے بعد عسفان پہنچے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ایک قول کے مطابق حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کو ایک جماعت کے ساتھ ایک روایت میں ہے کہ دس سواروں کے ساتھ 'کراع' الغمیم روانہ فرمایا تا کہ لشکر اسلام کا غلغلہ و دبدبہ قریش کے کانوں میں پڑے اور ان میں گھبراہٹ اور خوف پیدا ہو۔یہ حضرات مقررہ مقام تک پہنچے مگر کسی مخالف یا دشمن سے مڈبھیڑ نہ ہو سکی۔اس کے بعد وہاں سے لوٹ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہو گئے۔اس سفر کی پوری مدت چودہ شبانہ روز تھی۔

سریہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ برسر بنی کلاب: اسی سال حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کو تیس سواروں کے ساتھ ربیع

الاول میں بنی کلاب کی سرکوبی کیلئے بمقام ضریہ بضم ضاد وتشدید یاء روانہ فرمایا جو کہ مدینہ طیبہ سے چوبیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور فرمایا کہ اچانک ان کے سروں پر پہنچو۔ حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ دن کو پوشیدہ رہتے اور رات کو قطع مسافت کرتے تھے۔ وہ رات کو اچانک ان پر جا پہنچے اور ان پر شب خون مارا۔ چند کافروں کو قتل کیا تھا کہ باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ ان لوگوں کی اونٹ بکریاں مدینہ منورہ لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچواں حصہ نکال کر تقسیم فرما دیا۔ ایک سو پچاس اونٹ اور تین ہزار بکریاں تھیں۔ اس سفر کی مدت پندرہ روز تھی ایک روایت میں ہے کہ انیس روز تھی۔

واضح رہنا چاہئے کہ سریہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ دو ہیں۔ اس کو روضۃ الاحباب میں حاشیہ پر سریہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ بقرطا (بضم قاف وفتح راو طاء) لکھا ہے۔ اس میں اتنا ہی لکھا ہے جتنا بیان کیا گیا۔

سریہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ بر سر بنی ثعلبہ: نیز دوسرا سریہ تھی حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کی طرف منسوب کر کے ذی القصہ (بضم قاف وفتح صاد مشددہ) بھیجا گیا۔ منقول ہے کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو دس شخصوں کے ساتھ بنی ثعلبہ کے بستیوں میں سے موضع ذی القصہ کی طرف بھیجا۔ رات کا وقت تھا کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ان پر جا پہنچے قریب سو آدمی تھے۔ سب جمع ہو گئے اور اسی وقت دونوں طرف سے تیر اندازی شروع ہو گئی۔ بالآخر کفار نے یک بارگی حملہ کیا اور نیزوں پر اٹھا کر ان کو شہید کر دیا۔ حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔ ان کے ٹخنوں پر زخم آیا تھا۔ ایک مسلمان مرد حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کے پاس پہنچا اس نے ان کو اٹھایا اور اپنے کندھوں پر بٹھا کر مدینہ طیبہ لے آیا۔ اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو ربیع الآخر میں چالیس مردوں کے ساتھ بھیجا۔ اس مرتبہ ان کی تباہی ہوئی اور کفار بھاگ کر پہاڑوں پر جا چھپے بس ایک شخص ملا اس نے اسلام قبول کر لیا اسے چھوڑ دیا گیا۔ بعد میں ان کے مویشیوں اور مال و اسباب کو ان کے گھروں سے جمع کر کے مدینہ منورہ لے آئے۔ خمس نکالنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر تقسیم فرما دیا۔ معارج النبوۃ میں ثمامہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ باندھنے اور قید کرنے کا قصہ غرابت سے خالی رہے ہیں اور اسے بھی چھٹے سال کے واقعات میں شمار کر کے حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ سے منسوب کیا ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ:

سریہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ بجانب نجد: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک جماعت کو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نجد کی جانب روانہ فرمایا۔ وہ قبیلہ بنی حنیفہ کے ایک شخص کو جو اہل یمامہ کا سردار تھا اور اس کا نام ثمامہ رضی اللہ عنہ بن اثال تھا ہاتھ باندھ کر قید کر کے بارگاہ نبوت میں لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجد کے ایک ستون سے باندھ دو۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمایا اے ثمامہ رضی اللہ عنہ! کیا حال ہے اور تیری رائے اپنے بارے میں کیا ہے؟ اس نے جواب دیا ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں ٹھیک ہوں اگر آپ مجھے قتل کریں تو آپ ایک خونی کو ماریں گے'' مطلب یہ کہ آپ ایسے شخص کو قتل کریں گے جو مستحق قتل ہے اور اگر آپ احسان فرمائیں گے تو آپ ایک شکر گزار پر احسان فرمائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ اگر جان بخشی فرمائیں گے تو میں احسان مند ہوں گا اور اگر آپ مجھ سے فدیہ میں مال چاہیں گے تو میں آپ کو جتنا مال چاہیں گے پیش کر دوں گا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے تشریف لے آئے۔ جب دوسرا دن ہوا تو یہی سوال فرمایا اور یہی جواب اس نے دیا یہاں تک کہ تیسرے دن بھی اس نے یہی جواب دیا۔ تیسرے دن حکم فرمایا ''اسے کھول دو اور رہا کر دو'' اس کے بعد ثمامہ رضی اللہ عنہ کھجور کے ایک درخت کے پاس گیا جو مسجد کے قریب ہی تھا' وہاں اس نے غسل کیا اور مسجد میں داخل ہو کر بلند آواز سے کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. اور اس نے کہا ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کی قسم روئے

زمین پر کوئی آپ سے زیادہ میرے نزدیک دشمن نہ تھا اب آپ کا روئے انور میرے نزدیک تمام لوگوں کے چہروں سے زیادہ محبوب ہے اور کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ میرے نزدیک برا نہ تھا۔ اب تمام دینوں سے زیادہ مجھے آپ کا دین محبوب بن گیا ہے اور کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ مجھے مبغوض نہ تھا۔ اب آپ کا شہر تمام شہروں سے زیادہ مجھے محبوب ہو گیا ہے۔ اس نے کہا آپ کے لشکر نے مجھے پکڑ لیا۔ میں چاہتا تھا کہ عمرہ بجالاؤں تو اب آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ اس پر اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی اور حکم دیا کہ عمرہ بجالاؤ۔ جب ثمامہ رضی اللہ عنہ مکہ کے قریب پہنچے تو کسی نے کہا تو صابی یعنی اپنے دین سے برگشتہ ہو گیا ہے۔ دوسرے دین میں داخل ہو گیا ہے کفار مسلمانوں کو ''صابی'' کہا کرتے تھے۔ ان کا مقصود و مطلب یہ ہوتا تھا کہ دین حق سے نکل کر دین باطل کو اختیار کر لیا ہے۔ اس پر ثمامہ رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم میں صابی نہیں ہوا ہوں لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر اسلام لے آیا ہوں۔ پھر کہا ''خدا کی قسم! تم ثمامہ رضی اللہ عنہ سے گندم کا ایک دانہ نہ پاؤ گے جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیں گے۔'' اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے اور بخاری نے اختصار کر کے بیان کیا ہے۔

غزوۂ ذی قرد: اسی سال غزوۂ ذی قرد (بفتح قاف وراء ودال) واقع ہوا۔ ذی قرد ایک چشمہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے ایک برید (ایک پیمائش ہے) کے فاصلہ پر ہے۔ جیسا کہ اثنائے قصہ میں معلوم ہوگا۔ اس کو غزوۂ غابہ بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی ایک موضع کا نام ہے۔ غابہ دراصل ایک جنگل ہے اس غزوۂ کا وقوع حدیبیہ سے پہلے ہے۔ اس پر اہل سیر کا اتفاق ہے اور بخاری نے کہا ہے کہ خیبر سے تین دن پہلے ہے۔ مسلم نے بھی اس کی مانند کہا ہے اور حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ غزوۂ ذی قرد کے بارے میں تاریخ میں جو کچھ صحیح میں مروی ہے۔ وہ بہ نسبت اہل سیر کے زیادہ صحیح ہے۔ (واللہ اعلم)

اس غزوۂ کے وقوع کا سبب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیس لقچے تھے یعنی ایسے دودھ والے اونٹ جو بچہ جننے کے قریب تھے۔ وہ غابہ میں چرتے تھے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ غفاری بھی وہاں رہتے تھے۔ اتفاق سے ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ چند روز کیلئے وہاں سے چلے آئیں اس کیلئے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی باوجود اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی تھی۔ انہوں نے منت و سماجت میں اصرار و مبالغہ کیا تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیدیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں غطفان سے مطمئن نہیں ہوں مبادا کہ وہ تم پر حملہ آور ہوں اور اجازت دیدی۔ مزید فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ گویا غطفان تم پر حملہ آور ہیں اور انہوں نے تمہارے بیٹے کو شہید کر دیا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے حال پر تعجب ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرما رہے ہیں اور میں اصرار کرتا رہا بالآخر وہی ہوا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ یہ واقعہ عجیب ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایسا واقعہ ہوا باوجودیکہ وہ جلیل القدر اور عظیم المرتبت ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کی طلب کے ہمیشہ خواستگار رہے ہیں۔ اور ان سے اس معاملہ میں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم توقف فرما رہے تھے اصرار و مبالغہ کی جرأت سرزد ہوگی۔ تقدیر الٰہی یہی تھی۔

القصہ عتبہ بن حصین فزاری چالیس کافروں کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ اونٹوں کو لوٹ کر لے گیا اور ان کے دونوں چرواہوں کو شہید کر کے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو بھی شہید کر دیا۔ اتفاقاً مسلمہ رضی اللہ عنہ بن الاکوع اور حضور رضی اللہ عنہ کے غلام غلام رباح رضی اللہ عنہ سحری کے وقت اس طرف گئے ہوئے تھے۔ سلمہ رضی اللہ عنہ نے رباح رضی اللہ عنہ سے کہا تم جاؤ' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دیدو اور میں ان کے تعاقب میں جاتا ہوں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو ندا فرمائی یَا خَیْلَ اللّٰہِ ارْکَبِیْ. اے خدا کے لشکر یو سوار ہو جاؤ۔ یہ کلمہ اعلان کا پہلا جزو ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سو صحابہ کے ساتھ ایک

روایت میں ہے سات سوصحابہ کے ساتھ سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ میں حضرت ابن رضی اللہ عنہ ام کلثوم کو خلیفہ مقرر فرمایا۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے نیزے پر علم لہرایا اور فرمایا آگے بڑھو۔ تمہارے ساتھی بھی تم سے مل جائیں گے۔ مطلب یہ کہ لشکری بھی تمہارے پیچھے آ رہے ہیں۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن الاکوع تو پہلے ہی ان کے تعاقب میں جا چکے تھے۔ یہ سلمہ رضی اللہ عنہ بڑے بہادر اور شجاع شخص تھے' جنگوں میں پیدل رہ کر سواروں پر حملے کرتے تھے اور سواروں کو نیچے گرا لیا کرتے تھے۔ اور تیر اندازی میں تو یگانہ روزگار تھے اور درخت کے نیچے (بیعت رضوان) انہوں نے تین مرتبہ بیعت کی۔ ابتداء میں' درمیان میں اور آخر موت میں وہ بیان کرتے ہیں کہ رباح رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع دینے کیلئے بھیجنے کے بعد میں ایک ٹیلہ پر کھڑا ہوا اور تین مرتبہ بآواز بلند کہا ''واصباحاہ'' یہ کلمہ غارت گری کی خبر دینے کیلئے ہے۔ اس کے بعد میں کفار کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ شمشیر و کمان میرے پاس تھی' تیروں کو ان کی جانب پھینکتا اور ہر تیر سے کوئی نہ کوئی زخمی گرتا رہا۔ اس جنگل میں درخت بہت تھے جب کوئی سوار مجھ پر تیر چلاتا تو میں کسی درخت کی اوٹ میں ہو جاتا اور تیر کے زخم سے محفوظ رہتا۔ کبھی کسی اونچی چوٹی پر چلا جاتا اور وہاں سے ان پر پتھر برساتا۔ یہاں تک کہ وہ مجھ سے تنگ آ گئے اور مجھ سے اپنی جان بچانے کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کو چھوڑ کر میرے آگے سے بھاگ گئے۔ پھر میں اونٹوں کو مدینہ طیبہ کی جانب ہنکا کر دوبارہ ان کافروں کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ میں نے تیروں کے زخموں سے سب کو عاجز و سراسیمہ کر دیا۔ چنانچہ وہ اپنے نیزوں اور کپڑوں کو پھینکنے لگے تاکہ میں ان کے جمع کرنے میں مشغول ہو جاؤں اور جنگ سے ہاتھ کھینچ لوں۔ جو بھی ان میں سے پھینکتا میں ایک پتھر اس کے اوپر رکھ کر ان کے تعاقب میں بڑھتا رہتا۔ یہاں تک کہ تیس نیزے اور تیس چادریں اس طرح ان سے لیتا رہا جب دو پہر کا وقت ہو گیا تو فرازہ کے کفار کی ایک جماعت اپنی قوم کی مدد کو پہنچ گئی اور ان سب نے میری طرف رخ کر لیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ سوار جن کو مقدمہ پر متعین فرمایا تھا۔ درختوں کے درمیان سے نمودار ہو گئے سب سے آگے اخرم اسدی (نجا) جو بہت بہادر جوانمرد' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سعادت مندوں میں سے تھے اور ان کے پیچھے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ جن کو ''فارس رسول اللہ'' بھی کہتے ہیں۔ یہ اسی قصہ کے آخر میں آئے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَخَیْر فُرْسَانِهَا الْیَوْمَ اَبُوْ قَتَادَةَ (گھوڑ سواروں میں آج سب سے بہتر ابوقتادہ ہیں) وَخَیْرُ رِجَالِنَا سَلْمَةُ (اور پیدلوں میں سب سے بہتر سلمہ ہیں) ان کے پیچھے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بن اسود کندی تھے۔ اس کے بعد جب مشرکوں کی نظر مسلمانوں پر پڑی تو بھاگنے کا رخ اختیار کیا۔ اخرم رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ میں نے پہاڑ سے اتر کر ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا صبر کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی صحابہ بھی پہنچ جائیں۔ اخرم رضی اللہ عنہ نے کہا اے سلمہ رضی اللہ عنہ! اگر تم خدا اور روز جزا پر ایمان رکھتے ہو اور یقین رکھتے ہو کہ جنت و دوزخ برحق ہے تو میرے اور شہادت کے درمیان حائل نہ ہو۔ اس پر میں نے ان کے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی اور اخرم رضی اللہ عنہ نے خود کو عبدالرحمٰن پسر عتبہ بن حصین کے قریب پہنچایا اور اس پر نیزے کا وار کیا لیکن کارگر نہ پڑا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن پسر عتبہ نے نیزہ اخرم پر مارا اور ان کو شہید کر دیا۔ ان کے گھوڑے پر وہ سوار ہو گیا۔ پھر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ عبدالرحمٰن کے قریب پہنچے اور اسی نیزے سے جس سے حضرت اخرم رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا اس پر ضرب لگائی اور یہی ضرب کارگر ثابت ہوئی اور انہوں نے اسے دوزخ پہنچا دیا۔ وہ اس کے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ (جیسا کرو گے ویسا بدلہ پاؤ گے) کا قضیہ درست ہوا۔ سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبدالرحمٰن مارا گیا تو ہم کفار کے تعاقب میں روانہ ہوئے وہ سب اس گھاٹی میں داخل ہوئے جہاں پانی کا چشمہ تھا جس کو ذی قرد کہتے ہیں اور یہ غزوہ اسی کی طرف منسوب ہے۔ کفار نے چاہا کہ اس چشمہ سے پانی پئیں چونکہ ہم ان کے قریب پہنچے تھے اس لیے وہ خوف سے پانی نہ پی سکے۔ وہ کنارہ سے ہی تیزی کے ساتھ بھاگنے اور راہ فرار اختیار کرنے لگے۔ میں نے

تنہا اس پوری جماعت کا غروب آفتاب تک تعاقب جاری رکھا اور میں ان کے دو گھوڑے لے کر واپس لوٹا۔

سبحان اللہ و ماشاء اللہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی کیا مردانگی اور کیسی جوانمردی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ایمان و محبت ہے۔ یہ شجاعت نہ اونٹوں کی وجہ سے اور نہ ان کے گم ہونے کی بنا پر ہے بلکہ تمام مال و متاع کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک میں کیا قدر و قیمت ہے کہ اس کی خاطر لشکر کشی فرمائیں اور خود بنفس نفیس تشریف لے جائیں۔ مقصود تو دفع فساد دین اسلام کی شوکت کا اظہار اور کفار کو نگونسار کرنا ہے۔

القصہ حضرت سلمہ فرماتے ہیں کہ جب میں لوٹ کر ذی قرد میں آیا تو میں نے دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ اس جگہ قیام پذیر ہیں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس اونٹ کو جو دشمنوں کے اونٹوں میں سے مسلمانوں کے مال غنیمت میں پہنچا ہے ذبح کر کے اس کا جگر اور اونٹ کا کوہان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھون رہے ہیں۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کفار کی قوم پیاسی بیتاب اور سراسیمہ بھاگی جا رہی ہے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے صحابہ میں سے سو آدمیوں کا انتخاب کر کے ان کا تعاقب کروں اور کسی کو زیست حیتون۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم ایسا کروں گے میں نے عرض کیا قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو معزز و مکرم بنایا میں ایسا کروں گا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا تبسم فرمایا کہ آپ کے دندانہائے مبارک کی تابانی نظر آنے لگی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا ''اے اکوع کے بیٹے اِذَا مَلَكْتَ فَاسْجَحْ. جب تم قابو پالو تو رفق و نرمی برتو'' مطلب یہ کہ شدت و سختی نہ برتو۔ مقصود تو اعدائے دین کی ذلت و خواری ہے۔ بحمد اللہ وہ حاصل ہوگئی ہے اور فرمایا ان لوگوں کی غطفان میں مہمانی ہو رہی ہے۔ اس کے بعد ایک شخص غطفان سے آیا اور وہ خبر لایا کہ انہوں نے ایک اونٹ ذبح کر لیا تھا اور اس کی کھال اتار رہے تھے کہ ایک جانب سے گرد و غبار نمودار ہوئی انہوں نے تصور کیا کہ یہ گرد لشکر اسلام کی ہے۔ وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس کے بعد مدینہ منورہ سے بنی عمرو اور بنی عوف کے لوگوں کی کمک آئی جن پر سوار پیادہ سب تھے۔ مگر یہاں تو کام تمام ہو گیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے سواروں میں آج بہترین شخص ابو قتادہ رضی اللہ عنہ ہیں اور پیادوں میں بہترین شخص سلمہ رضی اللہ عنہ ہیں اور پیادہ اور سوار کا حصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمایا۔ اور مجھے اپنا رویف بنایا یعنی اپنی سواری پر اپنے پس پشت مبارک بٹھایا۔ رہے قسمت وز ہے نصیب' اس جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ایک رات قیام فرمایا اس کے بعد مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ اس غزوہ کی مدت سفر پانچ راتیں تھیں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر میں بھی نماز خوف گزاری وہ کہتے ہیں کہ اس غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے زمین پر آرہے۔ جس کی وجہ سے آپ کی پنڈلی یا ران زخمی ہو گئی۔ اور جب مدینہ پہنچے تو اس بناء پر نماز بیٹھ کر پڑھی۔ اور صحابہ کو بھی حکم فرمایا کہ امام کی متابعت کی خاطر نماز بیٹھ کر پڑھیں۔ لیکن بہت سے علماء کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے۔ اس لیے کہ یہ پایہ صحت کو پہنچا ہوا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں نماز بیٹھ کر پڑھی اور صحابہ نے کھڑے ہو کر اقتدار میں پڑھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برقرار رکھا۔

سریہ عکاشہ بن محصن اسدی بر سر بنی اسد: اسی سال عکاشہ بن محصن اسدی کو چالیس مردوں کے ساتھ بنی اسد کی قوم کی جانب اس مقام کی طرف جس کو موضع غمر (بغین) کہتے ہیں بھیجا۔ جب یہ اسی بستی کے نواح میں پہنچے اور وہاں کے لوگوں کو عکاشہ (بضم عین و کاف مخفف) کے آنے کی خبر پہنچی تو راہ فرار اختیار کر کے اپنے گھروں کو خالی چھوڑ گئے۔ جب ان کی بستی میں داخل ہوئے تو وہاں کسی کو نہ دیکھا۔ البتہ ان میں سے ایک شخص ہاتھ آیا اسے امان دے کر اسے اس جگہ کا ''رہبر'' بنایا جہاں ان کے مویشی اور جانور تھے وہ وہاں لے گیا اور ان میں سے دو سو اونٹ ہاتھ لگے۔ وہ لیکر مدینہ منورہ لوٹ آئے۔

سریہ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ برموضع جموم: اسی سال حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو جمعیت کے ساتھ بنی سلیم میں موضع جموم کی طرف جو بطن نخلہ کے قریب ہے بھیجا۔ وہاں پہنچ کر ان کے مویشیوں پر قبضہ کیا اور کچھ لوگوں کو اسیر کر کے مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ روضۃ الاحباب میں اتنا ہی لکھا ہوا تھا۔ مواہب لدنیہ میں اس طرح ہے کہ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کے سریہ کو بنی سلیم کی طرف جو موضع جموم میں تھا اور اسے جموح بھی بولتے ہیں مدینہ طیبہ کے چار کوس کے فاصلہ پر بطن نخلہ کے گوشہ میں ہے چھٹے سال کے ماہ ربیع الاول میں بھیجا۔ انہوں نے وہاں مدینہ کی ایک عورت کو پایا جس کا نام حلیمہ تھا۔ اس عورت نے بنی سلیم کے محلوں میں سے ایک محلّہ کی رہنمائی کی۔ وہاں انہوں نے اونٹوں' بکریوں اور قیدیوں کو پایا۔ ان قیدیوں میں اس عورت کا شوہر بھی تھا ان سب کو لے کر حضرت زید رضی اللہ عنہ لوٹ پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت اور اس کے شوہر کی جاں بخشی فرمائی۔

سریہ دیگر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ برموضع عیص: اسی سال دوسری مرتبہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو موضع عیص (بکسر عین وسکون یا) کی طرف جو مدینہ طیبہ سے چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ ماہ جمادی الاولیٰ میں ستر سواروں کے ساتھ قریش کے کاروان کی طلب میں شام سے آ رہا تھا بھیجا۔ انہوں نے کاروان کو جا پکڑا اور جو کچھ ان کے پاس تھا لے لیا۔ بہت سی چاندی جو صفوان بن امیہ کے پاس تھی قبضہ میں کر لی اور ان سب کو قید کر لیا۔ ان اسیروں میں ابوالعاص بن الربیع' شوہر سیّدہ زینب بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ اس کے بعد ان کی زوجہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو امان دے کر اپنی پناہ میں لے لیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امان کو جائز رکھا۔ اس کے بعد وہ مکہ چلے گئے اور ایمان لا کر مدینہ لوٹ آئے۔ حضرت ابوالعاص کا مکمل قصہ یہ ہے کہ پہلے وہ بدر کے قیدیوں میں سے تھے۔ مکہ والوں نے جب اپنے قیدیوں کے فدیئے بھیجے تو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہ اس وقت انہیں کے پاس تھیں اور اس زمانہ میں مومنہ عورت کا نکاح مشرک کے ساتھ درست تھا۔ انہوں نے ابوالعاص کے فدیہ میں وہ ہار بھیجا جو سیّدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کے گلوئے مبارک میں بندھتا تھا اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے جہیز میں دیا گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس ہار کو دیکھا تو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہ کی یاد آئی اور آپ پر رقت طاری ہوگئی۔ صحابہ سے فرمایا اگر تم ابوالعاص سے فدیہ نہ لو اور ان پر احسان کرو اور چھوڑ دو تو بہتر ہوگا۔ پھر سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو لانے کیلئے لوگوں کو بھیجا۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ آ گئیں۔ ہنوز ابوالعاص مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے یہاں تک کہ ہجرت کے چھٹے سال بغرض تجارت شام گئے اور قریش کے کاروان کے ساتھ واپس آ رہے تھے کہ مسلمانوں نے کاروان کو جا پکڑا اور تمام قافلہ والوں کو قید کر لیا۔ ان میں ابوالعاص بھی قید ہو گئے۔ انہوں نے کسی کو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ وہ اپنی امان اور پناہ میں لے لیں۔ پھر سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی عرض کو قبول فرمالیا اور انہیں رہائی مل گئی۔ اس پر لوگوں نے ابوالعاص سے کہا مسلمان ہو جاؤ تا کہ جو تمہارے ہمراہ مال ہے وہ تمہارا ہو جائے۔ انہوں نے کہا حاشا پناہ بخدا میں اپنے اسلام کو اس مال سے آلود کروں۔ اس کے بعد ابوالعاص مکہ چلے گئے اور لوگوں کو مال سپرد کر کے کہا اے مکہ والو اپنا پورا مال سنبھال لو۔ کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ. اسد الغابہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا ان کو گھیرنا اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی امان میں آنا۔ شام کے سفر میں جانے کا وقت ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ شام کی تجارت سے واپسی کے وقت یہ واقعہ ہوا۔ جیسا کہ اہل سیر نے بیان کیا ہے اور شیخ نے بھی اصابہ میں یہی تحقیق کی ہے۔

سریہ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بوادی القریٰ: اسی سال زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو رمضان المبارک میں ''وادی القریٰ'' کی طرف روانہ فرمایا۔ اس واقعہ کا سبب یہ تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بغرض تجارت شام کی جانب جا رہے تھے ان کے ساتھیوں نے

بہت سا مال انہیں سپرد کر رکھا تھا۔ جب وہ وادی القریٰ کے قریب پہنچے تو قبیلہ فرازہ کی شاخ بنی بدر نے ان کی راہ روکی اور ایک دوسرے کے درمیان خوب جنگ وقتال ہوا۔ وہ لوگ بہت تھے اور مسلمان کم۔ کفار غالب آئے مسلمانوں کو بہت زدوکوب کیا اور ان کا مال لوٹ لیا۔ مسلمان بالآخر شکست کھا کر مدینہ طیبہ لوٹ آئے اور اس واقعہ کی ساری کیفیت بارگاہ رسالت میں پیش کی۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور جمعیت ان کے ہمراہ بھیجی۔ یہ دن میں چھپے رہتے اور رات کو سفر طے کرتے۔ اس کے بعد زید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے وہاں صبح کے وقت پہنچ کر ان سے بدلہ لے لیا۔ بعض لوگوں کو قتل کیا اور بہت سی عورتوں کو اسیر کیا اور باقی لوگ بھاگ گئے۔ یہ چند سریئے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کے روضۃ الاحباب میں بیان کئے گئے ہیں۔ مواہب لدنیہ نے کچھ اور بھی بیان کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بسوئے اُم قرفہ: حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو رمضان مبارک میں ام قرفہ فاطمہ بنت ربیعہ بن زید فراریہ کیلئے روانہ کیا۔ یہ ام القریٰ کے نواح میں تھی۔ یہ مدینہ سے سات رات کی مسافت پر ہے یہ وہاں کی ملکہ اور سردار تھی۔ اس جگہ بھی سریہ وادی القریٰ کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ میں ام قرفہ کو گرفتار کیا جو بہت بوڑھی تھی۔ اسے بہت سخت مار لگائی اور اس کے دونوں پاؤں کو رسی سے باندھ کو دو اونٹوں کے پاؤں سے باندھ دیا اور پھر دونوں اونٹوں کو بھگایا جس سے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ جب زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ مدینہ طیبہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ مبارک پر دستک دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شانہ اقدس سے بغیر قمیض مبارک پہنے اسی حال میں باہر تشریف لائے۔ آپ کا لباس مبارک آپ کے بغل میں تھا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ کو آغوش میں لے کر ان کا بوسہ لیا اور اس عورت کا حال پوچھا۔ انہوں نے اپنی ظفر مندی کی داستان سنائی۔

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بسوئے طرف: ایک اور سریہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کا بسوئے طرف واقع ہوا ہے۔ یہ ایک چشمہ ہے جو مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہ پندرہ مردوں کے ساتھ بنی ثعلبہ میں پہنچے وہاں انہوں نے اونٹوں اور بکریوں کو پایا، تمام بدوی بھاگ گئے تھے۔ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ نے بیس اونٹوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں صبح کی، کسی جنگی آدمی سے ملاقات نہ کی۔ وہ چار راتیں سفر میں رہے۔

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بسوئے بخشی: حضرت زید رضی اللہ عنہ کا ایک اور سریہ بخشی کی جانب ہے جو وادی القریٰ کے پیچھے ہے۔ یہ جمادی الاخریٰ میں ہوا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ بن خلیفہ کلبی قیصر کے پاس گئے تھے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی جانب روانہ کیا تھا۔ قیصر نے ان کو تحائف اور خلعت دی تھی۔ راہ میں ہنید بخشی کے غلاموں کے ساتھ مل گیا اور اس نے ان پر راہزنی کی۔ پھر جب بنی الطیف کے لوگوں نے سنا تو وہ دوڑ کر ان پر حملہ آور ہوگئے اور سامان لوٹ کر لے گئے۔ حضرت دحیہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوئے اور ساری حقیقت بیان کی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو پانچ سو آدمیوں کے ساتھ اور دحیہ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ ان کے ہمراہ بھیجا۔ یہ دن کو پوشیدہ رہتے اور رات کو قطع سفر کرتے۔ اسی طرح صبح کے وقت اس قوم پر تاخت کی۔ ان کو قتل کیا اور سختیاں کیں۔ ہنید اور اس کے بیٹے کو قتل کر کے ایک ہزار بکریوں اور ایک سو عورتوں، بچوں کو قابو میں کر لیا۔ ادھر زید رضی اللہ عنہ بن رفاعہ حذامی اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اپنا ایک خط پیش کیا جس میں اس نے اپنے اور اپنی قوم کیلئے لکھا کہ چند رات پہلے اسلام لے آئے تھے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ ان سب کو ان کے

اموال کے ساتھ چھوڑ دو۔ انہوں نے انہیں ان کے مال واپس کر دیئے۔

سریہ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بسوئے وادی القریٰ: ایک اور سریہ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کا وادی القریٰ کی جانب ماہ رجب میں بھیجا گیا۔ اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو معرکہ کارزار سے زخمی اٹھا کر لایا گیا۔ کیونکہ ان میں زندگی کی کچھ رمق باقی تھی۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی لشکر کشیاں بہت ہیں۔ بعض میں وہ غالب رہے اور بعض میں مغلوب۔ روضۃ الاحباب میں ان سرایا کے ذکر نہ ہونے کی وجہ معلوم نہیں اور معارج النبوۃ میں بھی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

سریہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف بسوئے بنی کعب: اسی سال حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کو قبیلہ بنی کعب کی جانب اس مقام میں جسے دومۃ الجندل کہتے ہیں بھیجا گیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اپنے سامنے بٹھایا اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا۔ ایک اور روایت میں غزوہ کا ذکر بھی آیا ہے اور فرمایا اغزبسم اللہ و فی سبیل اللہ. خدا کے نام سے راہ خدا میں جہاد کرو' جہاد کرو ہر اس سے جو کافر ہے۔ نام خدا کے ساتھ' غنیمت میں خیانت نہ کرنا' فریب نہ کرنا اور بچوں کو قتل نہ کرنا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ فرمایا اگر وہ دعوت اسلام قبول کر لیں تو ان کے سردار کی لڑکی کو طلب کرنا۔ اس کے بعد وہ روانہ ہوئے اور دومۃ الجندل پہنچے وہاں تین روز توقف کیا اور ان کو دعوت اسلام دیتے رہے۔ پھر اصبغ بن عمرو بن کلبی جو ان کا سردار تھا اسلام لے آیا اور بہت سے لوگ اس کے ساتھ اسلام لائے۔ جن کو الام کی توفیق نہ ہوئی انہوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔

ظاہر ہے کہ تمام غزوات اور لشکر کشیوں میں یہی طریقہ رہا ہوگا اگرچہ سب جگہ اس کی تصریح مذکور نہیں ہے اس لیے کہ حکم شریعت یہی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے اصبغ کی لڑکی سے جس کا نام تماضر تھا نکاح کیا اور مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ ان سے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن سلمہ بن عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔ جو امام دین' اکابر تابعین اور مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے تھے۔

سریہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بسوئے فدک: اسی سال حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کو سو افراد کے ساتھ قبیلہ بنی سعد بن بکر کی جانب موضع فدک بھیجا گیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ بنی سعد بن بکر کے لوگ ایک لشکر جمع کر رہے ہیں تا کہ خیبر کے یہودیوں کو کمک پہنچائیں اور وہ سب مل کر مدینہ طیبہ پر حملہ کریں۔ اس بنا پر ان کو بھیجا گیا۔ رات قطع مسافت کرتے اور دن کو پوشیدہ رہتے یہاں تک کہ فدک اور خیبر کے درمیان ان پر اچانک حملہ کر دیا۔ بنوسعد نے شکست کھائی۔ پانچ سو اونٹ اور ایک ہزار بکریاں قبضہ میں آئیں۔ اس کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بغیر اس کے کہ کوئی نقصان ہو مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔

قضیہ عکل: اسی سال عکل (بضم عین) اور عرینہ (بضم عین) کا قضیہ واقع ہوا۔ اس کو سریہ کرز (بضم کاف) بن جابر فہری بھی کہتے ہیں۔ ابن اسحاق نے کہا کہ یہ بعد غزوۂ ذی قرد ماہ جمادی الاخریٰ میں واقع ہوا تھا۔ بخاری نے اس کا ذکر حدیبیہ کے ماہ ذیقعدہ میں کیا ہے اور واقدی نے ماہ شوال میں ذکر کیا ہے۔ ابن سعد و ابن حبان نے انہیں کا اتباع کیا ہے۔

صحیح بخاری میں کتاب المغازی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عکل اور عرینہ کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور زبان سے اسلام کا اظہار و اقرار کیا۔ پھر وہ کہنے لگے یا نبی اللہ ہم اونٹ' بکریوں والے ہیں اور ہم اہل زراعت نہیں ہیں۔ ہماری زمینیں چارہ اور کھجوریں نہیں اگاتی ہیں۔ ہم شہری زندگی کے بھی حاوی نہیں ہیں۔ انہوں نے مدینہ کی آب و ہوا کو

ناگوار اور گراں جانا۔ یہ ان کے مزاج کے موافق نہ آئی اور وہ بیمار ہو گئے۔ ان کے پیٹوں پر ورم آ گیا اور ان کا رنگ وروپ پیلا پڑ گیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ان کو اونٹ دیدؤ دو یا تین یا دس تک حکم فرمایا۔ فرمایا ان کا دودھ اور ان کا پیشاب پیو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ مسجد قبا کے نواح میں جبل 'عیر'' کے قریب تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیا۔ وہ صحت مند اور تندرست ہو گئے۔ اس مسئلہ میں علماء کے کئی قول ہیں۔ ایک یہ کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب پاک ہے اگر وہ پاک نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پینے کا حکم نہ دیتے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پینا علاج کی غرض سے تھا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ نجس وحرام تو ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا وحی کے ذریعہ اس قوم کیلئے مخصوص تھا تو جس سے وہ تندرست ہو کر اپنے حال پر آ گئے لیکن پھر وہ اظہار اسلام کے بعد کافر ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو شہید کر کے اونٹ لے گئے۔ جب یہ خبر بارگاہ رسالت میں پہنچی تو ان کے تعاقب وتلاش میں بھیجا اور حکم دیا ان کی آنکھوں میں سلاخ پھیر کے دھوپ میں ڈال دیں تا کہ مر جائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ مقطوع الاعضاء کو داغا نہ جائے۔ جیسا کہ عام عادت ہے وسعت بریدہ کو داغ دیتے ہیں تا کہ خون بند ہو جائے اور ہلاکت کی طرف نہ لے جائے۔ بخلاف ان لوگوں کے کہ انہیں داغ نہ دیں تا کہ خون جاری رہے اور وہ ہلاک ہو جائیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان میں سے ایک کو دیکھا ہے جو دانتوں سے زمین کو کاٹتا تھا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ مروی ہے کہ وہ پانی مانگتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تمہارے لیے جہنم کی آگ ہے۔ آنکھوں میں سلاخ پھیرنا' کاٹنا' دھوپ میں ڈالنا اور داغ نہ دینا بطریق قصاص تھا چونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہوں کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ اونٹ لے جانے سے پہلے اصحاب صفہ کی جانب آگے بیٹھے تھے۔ اس مقام میں ممکن ہے کہ بعض نادان اور کم فہم لوگ یہ خیال کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی حرکتیں اور ان کا کفر پہلے ہی کیوں نہ مکشوف ہوا؟ اور ان کو کیوں مسلمانوں کے درمیان چھوڑ دیا اور کیوں نہ انہیں ان کے پاس سے نکال دیا۔ یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احوال سے باخبر ہونا اور ان کے انجام سے مطلع ہونا وحی اور اعلام الٰہی سے ہوتا ہے۔ اس وقت ایسا نہ ہوا تھا اس میں ایسی حکمتیں ہوں گی جسے بجز علام الغیوب کے کوئی نہیں جانتا۔ یہی حکم تمام اہل کشف اور ارباب خبر اولیاء کا ہے۔ ان ناپاکوں کی تعداد آٹھ تھی' اونٹوں کی تعداد پندرہ تھی اور لشکر بیس سواروں کا تھا۔

ابن مردویہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام تھا جس کا نام یسار رضی اللہ عنہ تھا۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ خوب اچھی طرح نماز ادا کر رہا ہے آپ نے اس کو آزاد کر کے ان اونٹوں کی حفاظت اور اس کی خدمت کیلئے بھیج دیا۔ یہ وہیں رہتے تھے۔ پھر عرنیہ کی ایک قوم آئی انہوں نے اظہار اسلام کیا۔ اسی دوران انہیں بیماری تپ ولرزہ لاحق ہو گیا اور ان کے پیٹ بڑھ گئے۔ تب انہوں نے یسار رضی اللہ عنہ پر تعدیاں کیں اور ذبح کر کے ان کی آنکھوں میں کانٹے چھبوئے اور اونٹوں کو چرا کر ساتھ لے گئے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تعاقب میں مسلمانوں کی ایک جماعت بھیجی اور کرز رضی اللہ عنہ بن جابر فہری کو ان پر امیر مقرر فرمایا وہ ان کو پکڑ کر لے آئے۔ ان کے ہاتھ کاٹے گئے اور آنکھوں میں سلاخیں پھیری گئیں یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو گئے۔ لعنۃ اللہ علیہم''۔ حق تعالیٰ نے آنکھوں میں سلاخیں پھیرنے کو مکروہ جانا'' اور یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ.

صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ مردویہ کا یہ قول کہ حق تعالیٰ نے آنکھوں میں سلاخیں پھیرنے کو مکروہ جانا'' مسلم کی روایت کی مخالف ہے کیوں کہ آنکھوں میں سلاخیں پھیرنا یا اس قسم کی اور باتیں قصاص کے طریقہ پر تھیں۔ تو حق تعالیٰ کے نزدیک یہ کیسے مکروہ ہوں

گی۔ اور فتح الباری میں ہے کہ ابن التین نے گمان کیا ہے کہ عرنیہ اور عکل ایک ہی قبیلہ کے نام ہیں حالانکہ ان کا یہ گمان غلط ہے بلکہ یہ دو جداگانہ قبیلے ہیں۔ عکل، عدنان سے ہیں اور عرنیہ قحطان سے۔

سریہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ: اس سال کے واقعات میں سے سریہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، بسوائے اسیر بن رزم یہودی خیبر کی جانب ہے اس کا سبب یہ تھا کہ جب ابو رافع بن ابی الحقیق مارا گیا تو یہود نے اسیر کو امیر بنایا۔ اس نے غطفان وغیرہ قبائل میں گشت کی تا کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے کیلئے جمع کرے، جب یہ خبر بارگاہ رسالت میں پہنچی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کو تین شخصوں کے ساتھ حقیقت حال معلوم کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ وہ خبر لائے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو انہی حضرات کے ساتھ بھیجا۔ یہ اسیر کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیری طرف بھیجا ہے تا کہ تو بارگاہ رسالت میں پہنچے اور تجھے خیبر پر عامل بنائیں اور تجھ پر احسان فرمائیں۔ وہ ان کی اس طمع میں آ گیا اور اپنے ساتھ تین یہودیوں کو لیا تا کہ ایک مسلمان کے ساتھ ایک یہودی ہو اور چلدیا۔ جب موضع قرقرہ میں پہنچے تو لشکر اسلام میں سے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن انیس نے تلوار سے اسے قتل کر دیا۔ اور اپنے اونٹ سے کود پڑے۔ اس کے بعد تمام مسلمانوں نے اس کے ساتھیوں کو مار ڈالا بجز ایک شخص کے مسلمانوں میں سے کوئی بھی شہید نہ ہوا۔ پھر یہ لوگ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم کو ظالم قوم سے نجات دی۔

عمرو بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کا مکہ بھیجنا: اسی سال کے واقعات میں سے عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمیری کا ابوسفیان بن حرب کی طرف مکہ بھیجنا ہے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ابوسفیان نے ایک شخص کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دست درازی کیلئے مدینہ بھیجا تا کہ دھوکہ سے اپنے خنجر کے ساتھ دست درازی کرے۔ پھر وہ مدینہ آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی مسلمان ہو گیا جس کا ذکر آخر غزوۂ خندق میں گزر چکا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمیری کو بھیجا اور سلمہ بن اسلم کو ان کے ہمراہ کیا۔ ایک روایت میں ہے جبار رضی اللہ عنہ بن صخر کو ابوسفیان کی طرف بھیجا کہ اگر ہاتھ لگے تو اس کو قتل کر دیں۔ چنانچہ حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ، مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ وہ ایک رات طواف کر رہے تھے کہ اچانک معاویہ بن ابوسفیان بن حرب کی نظر ان پر پڑ گئی۔ معاویہ نے قریش کو ان کے وجود گرامی کی خبر کر دی۔ قریش نے ان کے بارے میں پوچھ گچھ کی اور تلاش کیا اور کہنے لگے مکہ والو! عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ آ گیا ہے اس سے غافل نہ رہنا۔ چونکہ زمانہ جاہلیت میں عمرو بن امیہ اچانک قتل کر دینے میں مشہور تھے۔ مکہ والوں نے ان کی جستجو اور قتل کرنے میں اجتماع کیا۔ جب مکہ والے عمرو رضی اللہ عنہ اور سلمہ رضی اللہ عنہما کے حال سے باخبر ہو گئے تو یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اور سلمہ بن ابی اسلم مدینہ لوٹ گئے اور عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ پہاڑوں اور مکہ کی گھاٹیوں میں چھپ گئے۔ عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ بیان کرتے ہیں کہ اس دوران مجھے عثمان بن مالک ملا۔ میں نے خنجر اس کے سینہ میں گھونپ دیا۔ وہ اتنی زور سے چیخا کہ بہت سے لوگوں نے اس کی آواز سنی اور اس طرف متوجہ ہو گئے۔ اور میرے پکڑنے کے درپے ہو گئے۔ میں ایک غار میں گھس گیا اور پھر اس غار سے دو[سر]ے غار میں چلا گیا۔ اس غار میں میں نے ایک کانے شخص کو دیکھا جو اپنی بکریوں کو دھوپ سے سایہ میں لے آیا تھا۔ اس نے ٹیک لگاتے ہوئے یہ شعر پڑھا۔

فَلَسْتُ بِمُسْلِمٍ مَا دُمْتُ حَيًّا   وَلَسْتُ اَدِيْنُ دِيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ

میں جب تک زندہ ہوں مسلمان نہ ہوں گا اور میں مسلمانوں کے دین کو اختیار نہ کروں گا'' پھر وہ شان رسالت میں بکواس کرنے لگا۔ میں نے اتنی دیر صبر کیا کہ وہ ملعون سو جائے۔ پھر میں نے کمان کی نوک کو اس کی صحیح آنکھ پہ رکھ کر اتنی زور سے دبایا کہ اس کے دماغ تک گھس

گئی۔اور اپنی جان داروغہ دوزخ کو دیدی (لعنتہ اللہ علیہ)۔پھر جب میں غار سے باہر نکلا تو قریش کے دو جاسوس میرے پاس آ گئے۔ ایک کو تو میں نے تیر مارا اور دوسرا بھاگ کھڑا ہوا۔اس کے بعد میں صحیح وسلامت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدمبوسی سے مشرف ہو گیا۔ میرا وہ ساتھی بھی عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گیا تھا۔جب ابوسفیان نے حقیقت حال سے باخبری پائی تو اپنی حفاظت میں کوشش کرنے لگا اور اس میں مبالغہ سے کام لینے لگا۔حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن اُمیہ ضمیری فرماتے تھے افسوس کہ ابوسفیان کی موت نہ آئی تھی اور وہ میرے ہاتھ سے بچ گیا۔

دعائے استسقاء: اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے طلب باراں فرمائی ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہجرت کے چھٹے سال رمضان مبارک میں مدینہ منورہ میں قحط پڑا۔لوگوں نے بارگاہ رسالت میں استسقاء اور استغاثہ کیلئے عرض کیا۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور حق تعالیٰ نے بارش فرمائی۔

صاحب سفر السعادت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائے استسقاء چھ صورتوں میں واقع ہوئی ہے اول وجہ یہ کہ جمعہ کے دن خطبہ کے دوران بارش کی دعا مانگی اور فرمایا اَللّٰهُمَّ اَسْقِنَا' اَللّٰهُمَّ اَسْقِنَا' اَللّٰهُمَّ اَسْقِنَا' اَللّٰهُمَّ اَسْقِنَا. جیسا کہ بخاری ومسلم' موطاء وابوداؤد اور نسائی میں بروایات متنوعہ سیّدنا انس رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں قحط پڑا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے اچانک ایک عرابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَادْعُ لَنَا. مال ہلاک ہو گئے بچے بھوکے مر گئے ہمارے لیے دعا فرمایئے' ایک روایت میں ہے قَحَطَ الْمَطَرُوْا اِحْمَرَتْ اَشْجَارُ وَهَلَكَتْ اَلْبَهَائِمُ. بارش نے خشکی ڈالی' درخت سوکھ گئے اور جانور تباہ ہو گئے ایک روایت میں ہے۔ هَلَكَتْ الْمَوَاشِيْ وَاهَلَكَتِ الْعَيَالُ وَهَلَكَ النَّاسُ. مویشی تباہ ہو گئے گھر والے ہلاک ہو گئے اور لوگ ہلاک ہو گئے۔اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک اٹھائے اور فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ اَسْقِنَا. اَللّٰهُمَّ اَسْقِنَا چار مرتبہ کہا۔ایک روایت میں ہے تین مرتبہ کہا اور ایک روایت میں ہے کہ اَللّٰهُمَّ اَسْقِنَا دو مرتبہ یا تین مرتبہ کہا حضرت انس رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اس وقت آسمان میں ہم بادل کا ٹکڑا تک نہ دیکھ رہے تھے لیکن ابھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک نیچے بھی نہ لائے تھے کہ بادل پہاڑوں کی مانند امنڈ کر آ گئے اور برسنے لگے۔اس دن بھی دوسرے دن بھی اور تیسرے دن بھی حتیٰ کہ دوسرا جمعہ آ گیا اور بارش برابر ہوتی رہی۔دوسروں جمعہ پھر وہی اعرابی آیا اور اس نے کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! هَدَمَ الْبِنَاءُ وَغَرَقَ الْمَالُ مکانات گر گئے اور مال غرق ہو گئے' ایک روایت میں ہے هَلَكَتِ الْاَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ مال تباہ ہو گئے راستے بند ہو گئے' دعا فرمایئے تاکہ اللہ تعالیٰ بادل کھول دے۔اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک اٹھائے ایک روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی آدم کی زود رنجی پر تبسم فرمایا اور دعا کی اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اے خدا ہمارے گرد بارش فرما ہم پر نہیں' ایک روایت میں اتنا زیادہ ہی اَللّٰهُمَّ عَلَى الْاٰكَامِ وَالضِّرَابِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ. اے خدا کھیتوں پر' باغوں پر' چشموں پر اور درختوں کی جڑوں پر بارش فرما' اور جس طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم انگشت مبارک سے اشارہ فرماتے جاتے اس طرف سے بادل چھٹتا جاتا۔یہاں تک کہ مدینہ کے اوپر سے بادل صاف ہو گیا۔اور وادیاں جل تھل ہو گئیں۔گرداگرد بارش ہوتی رہی۔اور یہ سلسلہ ایک مہینہ تک جاری رہا۔جس نواح سے بھی کوئی آتا بارش کی خبر دیتا۔ایک روایت میں ہے کہ مدینہ پر سے بادل چھٹ گیا اور یہاں ایک قطرہ تک نہ برسا۔یہ واقعہ مسجد نبوی شریف میں جمعہ کے دن خطبہ کے دوران کا ہی۔

دوسری صورت وہ ہے جسے ابوداؤد و ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسم سے قحط اور خشک سالی کی شکایت کی اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عید گاہ کے میدان میں منبر رکھا جائے اور صحابہ کو ایک خاص دن معین کر کے بتایا کہ وہاں پہنچ جائیں۔ چنانچہ معینہ دن میں صحابہ وہاں پہنچ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طلوع آفتاب کے بعد نہایت تواضع وخشوع اور انکساری کے ساتھ باہر تشریف لائے جب عید گاہ پہنچے تو منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ اس خطبہ کا اتنا حصہ محفوظ ہے فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ. لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ تَفْعَلُ مَا تُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَآءُ اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَّبَلَاغًا اِلٰى حِيْنٍ.

اللہ کے نام سے شروع جو رحمٰن ورحیم ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو جہانوں کا رب ہے۔ رحمت والا مہربان مالک قیامت کے دن کا۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اے خدا تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اے خدا تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو غنی ہے اور ہم محتاج ہیں۔ ہم پر بارش بھیج اور بنا ہمارے لیے اس بارش کو قوت اور بلاغ اس پریشانی میں۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو اٹھایا اور تضرع وابتہال شروع فرمایا۔ اور دستہائے مبارک کے اٹھانے میں خوب مبالغہ کیا حتیٰ کہ آپ کے دونوں بغل شریف کی سفیدی ظاہر ہوگئی پھر روبقبلہ ہو کر حاضرین کی طرف سے پشت کی اور چادر مبارک کو اس طرح پلٹا کہ داہنا کنارہ بائیں کو اور بایاں کنارہ داہنے کو اور اندر کا حصہ باہر کو اور باہر کا حصہ اندر کی طرف ہوگیا۔ آپ کی چادر شریف سیاہ رنگ کی تھی۔ اسی طرح قبلہ رو کھڑے ہو کر دعاء مانگی۔ اس کے بعد منبر سے نزول فرمایا اور نماز شروع فرمائی اور بغیر اذان واقامت کے دو رکعتیں پڑھیں۔ اور قرأت میں جہر فرمایا پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۂ سبح اسم ربك الا علیٰ پڑھی۔

دوسری رکعت میں هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ○ تلاوت فرمائی سورہ قاف اور اقتربت الساعة بھی مروی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے آخر میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو حق تعالیٰ نے بجلی اور کڑک کے ساتھ بادل بھیجے جو برسنے لگے۔ یہاں تک کہ مسجد نبوی شریف میں پہنچنے تک سیل رواں ہوگیا۔ جب لوگوں کی جلدی اور پریشانی مشاہدہ فرمائی تو تبسم فرمایا یہاں تک کہ آپ کے دندان ہائے مبارک ظاہر ہوگئے۔ فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ حق تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی مسجد میں جمعہ کے علاوہ استسقاء فرمائی۔ جیسا کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں بروایت یزید رضی اللہ عنہ بن عبداللہ سلمیٰ نقل کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو قبیلہ بنی فرازہ کا وفد عورتوں اور بچوں کے ساتھ تباہ حال آیا۔ قحط کی شکایت کرتے ہوئے عرض کیا "یا رسول اللہ! اپنے رب سے ہمارے لیے بارش کی دعا کیجئے اور اپنے رب سے ہماری شفاعت فرمائیے تاکہ آپ کی وجہ سے وہ شفاعت فرمائے۔ فرمایا: سبحان اللہ! افسوس ہے تم پر۔ سب شفاعت رب تعالیٰ سے کرو ایسا کون ہے جس سے رب تعالیٰ شفاعت کرے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ اور فرمایا! اللہ تعالیٰ تمہاری آہ وزاری اور تمہاری فریاد واستغاثہ پر اپنی شان کے لائق تبسم فرماتا ہے۔ اعرابی درمیان میں کھڑا تھا۔ اس نے کہا کیا رب العزت تبسم فرماتا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! تبسم فرماتا ہے اس پر اعرابی کی اس بات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آ گئی پھر منبر پر تشریف لائے اور دست مبارک دعا کیلئے دراز فرمائے اور بارش کیلئے دعا فرمائی یہاں تک کہ ایک ہفتہ تک بارش ہوتی رہی۔ الحدیث۔

اس تیسری صورت میں نماز استسقاء اور خطبہ محفوظ نہیں ہے بلکہ محض دعا فرماتا ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کی مسجد نبوی شریف میں دعا فرمائی اور بیٹھ کر استسقاء کی۔ منبر پر بھی نہ چڑھے۔ اس روز کی دعا سے صرف اتنا محفوظ ہے کہ فرمایا: اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُّرِيْعًا عَاجِلاً غَيْرَ رَائِيًا۔ ایک روایت میں غَيْرَ اٰجِلٍ نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے ایک مکان میں دعا فرمائی۔ جو مسجد کے باہر ''زوراء'' کے قریب ہے جسے احجار الزیت بھی کہتے ہیں اور وہ مسجد نبوی کے باب السلام کے قریب واقع ہے اس جگہ ایک مرتبہ استسقاء فرمائی۔

چھٹی صورت غزوات میں واقع ہوئی ہے کہ بعض غزوات میں مشرکوں نے چشموں پر قبضہ کرلیا اور پانی کے کنارے پڑاؤ ڈالا۔ مسلمان بے آب رہ گئے اور جب ان پر تشنگی غالب ہوئی تو بارگاہِ رسالت میں عرض کیا۔ منافقوں اور مشرکوں نے کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوتے (معاذ اللہ) تو مسلمانوں کیلئے بارش کی دعا مانگتے جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے استسقاء کیا۔ ان کی مراد ظاہر ہے کہ پتھر پر عصا مار کر اس سے بارہ چشمے نکالنے سے رہی ہوگی۔ یہ خبر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو فرمایا وہ ایسا کہتے ہیں تو اے مسلمانو! تم ناامید نہ ہو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ تمہیں بھی پانی عطا فرمائے۔ اس وقت آپ نے اپنے دست مبارک اٹھائے اور دعا کی۔ اسی وقت بادل نمودار ہوا جس سے عالم تاریک ہو گیا اور بارش ہونے لگی۔ جس سے بڑی بڑی وادیاں لبریز ہو گئیں۔ یہ وہ چھ صورتیں ہیں جن کو سفر السعادت میں بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش پر قحط میں مبتلا ہونے کی دعا فرمانا ہے۔ اس دعا میں فرمایا: اَللّٰهُمَّ سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ۔ ایک روایت میں ہے: سَبْعًا كَسَبْعِ يُوْسُفَ۔ مطلب یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی مانند اتنے ہی سال یا سات سال تک ان پر مسلط رہا قحط۔ پھر ان کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آکر گڑگڑانا اور آہ وزاری کرنا بھی مشہور و معروف ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جب بھی آپ بارش کی دعا کا آغاز فرماتے تو اپنے بدن اقدس کے کچھ حصے سے لباس کو اتار دیتے تاکہ بارش کا پانی اس پر پڑے اور فرماتے: لِاَنَّهٗ حَدِيْثُ عَهْدِ الْبَرِيَّةِ۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک استسقاء میں کوئی نماز مسنون نہیں ہے۔ وہ یہی دعا و استغفار ہے بموجب فرمان باری تعالیٰ عزاسمہ کے۔

اَسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ۝ — اپنے رب سے استغفار کرو کیونکہ وہ غفار ہے جو تم پر آسمان سے موسلادھار بارش برساتا ہے۔

نیز اکثر حدیثوں میں وجوہ استسقاء مذکور میں نماز نہیں ہے۔ بجز ایک صورت اور وجہ کے کہ آپ عیدگاہ تشریف لے گئے دو رکعت نماز پڑھی اور خطبہ دیا۔ یہ حدیث اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ پایہ صحت کو نہیں پہنچی ہے یا یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ نیز سنت تو جب ہوتی جبکہ آپ اس پر سختی کے ساتھ مواظبت فرماتے یا باوجود بعض دفعہ ترک فرمانے کے اکثر اوقات اس پر عمل فرمایا ہو۔ حالانکہ بجز ایک مرتبہ کے پھر کبھی ایسا نہ کیا۔ یہ بات پایہ صحت کو پہنچی ہے کہ امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے استسقاء کی اور وہ یہی دعا استغفار تھی۔ اگر استسقاء میں نماز مسنون ہوتی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ ہوتا جبکہ عام مشہور ہو اور زمانہ نبوت سے بھی وہ بہت قریب تھے۔ ان سے اس کا ترک صادر ہونا ان کے علم کے باوجود ناممکن تھا۔ ان کی مراد جو یہ کہتے ہیں کہ استسقاء میں نماز واجب نہیں ہے اصل مراد یہ ہے کہ جماعت اور دیگر خصوصیات کے ساتھ نماز مسنون نہیں ہے۔ ورنہ اگر کوئی تنہا تنہا نماز پڑھے اور تضرع وزاری کرے اور دعا استغفار کے طریقہ کو اس طرح ظاہر کرے تو نہ صرف درست بلکہ احسن ہے۔ غرضیکہ استسقاء

کے بارے میں جتنی حدیثیں مروی ہیں وہ اضطراب سے خالی نہیں ہیں۔ بہت سی وہ حدیث جو ان خصوصیات اور کیفیات پر مشتمل ہیں ان کی سندیں ضعف کے بغیر نہیں ہیں۔ لہٰذا امام اعظم رحمۃ اللہ نے اس کے خلاصہ ومقصود کو اخذ فرمایا اور وہ دعا استغفار ہے اور نماز کو بھی جائز رکھا اور جماعت وخطبہ وغیرہ کا بھی اثبات فرمایا جبکہ ان کا ماخذ یقینی اور حتمی ہو۔ صاحبین اور تینوں ائمہ کے نزدیک استقاء میں جماعت اور ابی حنیفہ رحمہم اللہ کے ساتھ ہیں مگر اب مذہب حنفیہ میں صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ استقاء میں مقصود اصلی اتباع سنت' اقامت مراسم عبودیت چاہے بارش ہونا اور دعا کا مقبول ہونا اس کے فضل پر موقوف ہے۔

عمرۂ حدیبیہ کے واقعات

ہجرت کے چھٹے سال ماہ ذی قعدہ کی چاند کو دوشنبہ کے دن آپ کا عمرہ کے قصد سے حدیبیہ جانا ہوا۔

حدیبیہ ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے نو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ مقام حل وحرم کا جامع ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ زیادہ تر علاقہ حرم ہے۔ اصل میں حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے یا کسی درخت کا جو اس مقام میں ہے۔ اب یہ اس مقام کا نام ہی ہوگیا ہے۔ وہ خاص جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں متعین ومعلوم تھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں وہ جگہ مبہم ومجہول ہوگئی۔ لوگ اس کے پانے اور زیارت کرنے سے محروم ہوگئے۔ آپ کے سفر کی سمت تو معلوم ہے لیکن مخصوص جگہ غیر یقینی ہوگئی ہے۔ صحیح بخاری میں سعید بن المسیب جو اکابر تابعین سے ہیں۔ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ان حضرات میں سے تھے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب دوسرے سال گئے تو ہم نے بتایا لیکن اس جگہ کو پہچان نہ سکے۔ طارق بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ میں حج کیلئے گیا تو میں نے ایک جماعت کو پایا جو حدیبیہ میں نماز پڑھ رہی تھی۔ اس زمانہ میں مکہ مکرمہ آنے کا راستہ یہی حدیبیہ تھا اب حدیبیہ داہنے ہاتھ پر رہ جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جماعت دیکھی جو اس مقام کی مسجد میں نماز پڑھ رہی تھی۔ میں نے پوچھا ''یہ مسجد کیسی ہے اور کیوں اس جگہ بنائی گئی ہے''۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ جگہ اس درخت کی ہے جہاں صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درخت کے نیچے بیعت کی تھی جسے بیعت رضوان کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

بے شک اللہ ان مسلمانوں سے راضی ہوگیا جو آپ کے دست اقدس پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

مطلب یہ کہ حدیبیہ میں وہ جگہ جس درخت کے نیچے بیعت واقع ہوئی یہ ہے۔ لوگوں نے اس جگہ مسجد بنالی ہے جس طرح مدینہ منورہ میں تمام آثار مصطفویہ میں اور آپ کے راستوں میں مسجدیں بنی ہوئی ہیں۔ لوگ اس جگہ کو متبرک جان کر حصول برکت کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت طارق فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن المسیب کے پاس آیا اور ان سے یہ حال بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے والد نے مجھ سے تعین کیا ہے کہ ہم سے اس جگہ کو جہاں درخت واقع تھا بھلا دیا گیا ہے۔ لہٰذا ہم اس جگہ کو پانے کی قدرت نہیں رکھتے وہ جگہ ہم پر مبہم ہوگئی ہے۔ حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام تو اس جگہ کو پا نہ سکے پھر تم نے کیسے جان لیا اور پالیا؟ گویا تم ان سے زیادہ جاننے والے ہو حالانکہ ان کا علم ومعرفت بقرائن امارات کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں تھے تم سے بیشتر اور زیادہ تر تھا۔ البتہ لوگوں نے اپنے قیاس وگمان سے اس جگہ کے قریب مسجد بنالی ہوگی۔ لیکن رہا خاص اس جگہ کا تعین تو یہ کسی کو میسر نہیں ہے۔ حضرت سعید بن المسیب کے کلام میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ بزرگوں اور مقربوں کے مقابلہ میں زیادہ جاننے اور علم رکھنے کا دعویٰ' نامعقول اور نامقبول ہے جو کچھ انہوں نے فرمایا' بتایا اسی پر اکتفا کرنی چاہیے اور

اسے مان لیا جائے۔ باب آداب وتواضع وانکسار میں یہ عظیم اصول اور قاعدہ ہے اسے یاد رکھنا اور ملحوظ رکھنا چاہیے۔ لشکر اسلام کی تعداد میں مختلف روایتیں مروی ہیں۔ ایک روایت میں چودہ سو ہے۔ ایک روایت میں پندرہ سو' ایک روایت میں تیرہ سو ہے۔ ان روایتوں کی جمع وتوفیق میں کہتے ہیں کہ واقعۃً چودہ سو سے زیادہ تھے لیکن جنہوں نے پندرہ سو کہا انہوں نے کسر کو بڑھا دیا ہوگا۔ جنہوں نے چودہ سو کہا انہوں نے کسر کو حذف کر دیا۔ حساب میں یہ عرب کی عادت اور سہل انگاری ہے۔ وہ کسر کا لحاظ و پاس نہیں کرتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب مواہب نے بیان کیا۔ ایک روایت میں پندرہ سو بیس واقع ہے۔ ان تمام روایتوں کو اس طرح جمع کرنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال کچھ اوپر چودہ سو صحابہ کے ساتھ مدینہ طیبہ سے چلے۔ اسی جمع پر امام نووی نے اپنی کتاب میں اعتماد کیا ہے۔ اب رہی تیرہ سو کی روایت۔ ممکن ہے کہ راوی اتنی ہی تعداد سے باخبر ہوا ہو اور زیادہ کی اسے خبر نہ ہوئی ہو لیکن جس نے ان سب کو دیکھا اس نے مجموعہ کو نقل کر دیا اور اصول حدیث میں مقرر روایت کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد اور جماعت آ کر شامل ہوگئی ہو جس کی اس راوی کو خبر نہ ہوئی ہو لیکن جس نے ان سب کو دیکھا اس نے مجموعہ کو نقل کر دیا۔ اصول حدیث میں مقرر ومبین ہوگیا ہے کہ ثقہ راوی کی زیادتی قابل تسلیم ہے۔ مخفی نہ رہنا چاہیے کہ اسی توجیہہ وتاویل کو سولہ سو اور سترہ کی روایت میں جیسا کہ بعض روایتوں میں آیا ہے ان پر اطلاق کر سکتے ہیں۔ (واللہ اعلم) لیکن اس میں ایک بات یہ ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے اس کی ظاہر عبادت اسی طرح متعارف ہے کہ ہزار اور چار سو تھے یا ہزار اور پانچ سو تھے۔ یا ہزار اور تین سو تھے۔ اس طرح نہیں ہے کہ چودہ سو' پندرہ سو اور تیرہ سو تھے۔ اس کی تاویل اس طرح کی گئی ہے کہ سو سو کی جماعتیں جدا جدا بنی ہوئی تھیں۔ ان پر تیرہ سو یا چودہ سو یا پندرہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس بنا پر یہ نکتہ ظاہر کرتے ہیں کذا قیل یہ غزوہ حدیبیہ ان فتوحات اور فیوضات عظیمہ کا مبدا اور سرچشمہ واقع ہوا ہے جو اس کے بعد حاصل ہوئیں۔ حضرت براء بن عاذب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تم فتح کو فتح شمار کرتے ہو یعنی وہ فتح جو اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا. میں واقع ہوا ہے۔ اسے فتح مکہ پر محمول کرتے ہو بلاشبہ فتح مکہ یقیناً فتح ہے ہم تو بیعت رضوان کو فتح شمار کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ فتح مکہ تو فتح ہے ہی لیکن بیعت رضوان فتح عظیم ہے۔

مفسرین کا آیہ کریمہ ''اِنَّا فَتَحۡنَا'' میں فتح کی مراد میں اختلاف ہے۔ آیا یہ فتح مکہ ہے یا فتح حدیبیہ یا دیگر فتوحات جو بعد از حدیبیہ واقع ہوئیں۔ بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں فتح مکہ کا وعدہ کیا گیا ہے اور اسے بصیغہ ماضی تعبیر فرمانا تحقق وقوع کی بنا پر ہے۔ یا اس فتح کے ساتھ ہے جو باتفاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سال میں حاصل ہوئی جیسے فتح خیبر اور فدک یا صلح حدیبیہ کی خبر دینا ہے اور اس کو فتح سے تعبیر وتسمیہ فرمایا ہے۔ اس بنا پر کہ اس کے وقوع سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں پر غلبہ و فتح مندی حاصل ہوئی ہے کہ مشرکین صلح کے متلاشی ہوگئے۔ (ان میں جارحانہ حملوں کی اب سکت نہیں رہی ہے۔ اسلام کی قوت وطاقت کا احساس ہوگیا ہے اور اپنے عجز کا اعتراف کر لیا ہے۔ اب سلامتی صلح میں ہی ہے فافہم) اور یہ صلح فتح مکہ کا سبب اور زینہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد تمام عرب کے لئے فارغ ہوگئے ہیں چنانچہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات فرمائے اور بہت سے مقامات کو فتح کیا اور بہت بڑی خلقت اسلام میں داخل ہوگئی۔ حدیبیہ میں بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہوئیں۔ روم کی فتح اور اس کا فارس پر غلبہ اسی سال ہوا۔ سورۂ روم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح ہونے کو پہنچوایا گیا ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فتح کی تعبیر میں یہ اختلاف پرانا ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ آیتوں میں اس کی مراد مختلف ہے۔ چنانچہ آیہ کریمہ اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا. میں مراد حدیبیہ ہے اس لیے کہ وہ فتح کا مبدا اور سرچشمہ ہے۔ اس پر ایسی صلح مرتب ہوئی جس میں امن اور رفع جنگ واقع ہے۔ حضرت حق سبحانہ کے قول وَاَثَابَهُمۡ فَتۡحًا قَرِيۡبًا سے فتح خیبر مراد ہے اور اس ارشاد باری سے کہ فَجَعَلَ مِنۡ دُوۡنِ ذٰلِكَ فَتۡحًا قَرِيۡبًا اس سے بھی فتح حدیبیہ مراد ہے۔ اس فرمان سے کہ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ. اس سے فتح مکہ

ہی مراد ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ ''اپنے صحابہ کے ساتھ مکہ معظمہ کی زیارت اور عمرہ کرنے گئے ہیں اور خانہ کعبہ کی کنجی آپ کے دست مبارک میں ہے۔ کچھ صحابہ نے سر منڈائے ہیں اور کچھ صحابہ نے بال ترشوائے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کو اپنا یہ خواب سنایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور خیال کیا کہ اس خواب کی تعبیر اسی سال ظہور پر ہوگی۔ جب حدیبیہ کا واقعہ ایک اور نہج پر قرار پایا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے یہ کب فرمایا تھا کہ اسی سال واقع ہوگا۔ (یہ تو تمہاری اپنی تعبیر اور اپنا خیال تھا) اب میں حدیبیہ کے پورے قصہ کو بیان کرتا ہوں۔

واقعہ غزوۂ حدیبیہ: واضح رہنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس خواب کے دیکھنے کے بعد اسباب سفر کی فراہمی میں مشغول ہو گئے۔ صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ میں عمرہ کیلئے جاؤں گا تم بھی مستعد و تیار ہو جاؤ۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو مدینہ طیبہ میں خلیفہ مقرر فرما کر چھوڑ دیا۔ اکثر صحابہ نے بجز تلوار کے اور کوئی ہتھیار نہ لیا۔ کیونکہ وہ تلوار کو مسافروں کا ہتھیار رکھتے ہیں۔ کچھ صحابہ نے (مثلاً حضرت عمر بن الخطاب' حضرت سعد بن عبادہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اپنے جسموں پر پورے ہتھیار آراستہ کرنے کا اہتمام کیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جائز قرار نہ دیا اور ہدی کے اونٹوں کو جمع فرمایا۔ ستر اونٹ تھے۔ ابو جہل کا وہ اونٹ جو غزوۂ بدر میں غنیمت میں ہاتھ آیا تھا اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ملک خاص میں لے آئے تھے اور اس میں تھا۔ صحابہ میں سے جن کو استطاعت تھی ہدی کو ساتھ لے لیا۔ اس کے بعد ظہر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھی اور اونٹوں پر قلاوے ڈالے اور اشعار فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ عمل فرمایا تھا صحابہ نے بھی وہی کیا۔ اشعار اونٹ کے کوہان کو دونوں جانب سے چیرنے کو کہتے ہیں تاکہ اس سے خون جاری ہو جائے۔ یہ سنت ہے لازم ہے کہ اس میں گہرا زخم نہ لگائے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے اشعار کا مکروہ ہونا منقول ہے۔ بلاشبہ دیگر ائمہ نے اس پر طعن کیا ہے۔ صحیح حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اشعار کرنا مروی ہے۔ پھر اسے مکروہ قرار دینے کے کیا معنی ہیں؟ لیکن امام اعظم کا مکروہ قرار دینا مبالغہ کرنے اور گہرا زخم پہنچانے میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام لوگ اسی طرح گہرا زخم لگاتے ہیں اور اشعار سے مقصود خبردار کرنا ہے کہ یہ ہدی کا جانور ہے۔ گردن میں جوتیوں کا لٹکانا وغیرہ بھی اسی غرض مذکور کی بنا پر سنت ہے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر قریش کو پہنچی تو ان سب نے اتفاق کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے اور قرب و جوار کے قبائل' دیگر اطراف سے جماعتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر متفق کر کے لے آئے اور جنگ کی تیاری کر کے مکہ سے نکل آئے۔ موضع بلدہ میں جو مکہ کے باہر جدہ کے راستہ میں ہے لشکر کفار نے پڑاؤ ڈال لیا۔ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل کا ہراول دستہ بنایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ قریش سدراہ ہیں اور مکہ میں داخل ہونے میں مانع ہیں۔ تو صحابہ کو مشورہ کیلئے جمع فرمایا۔ فرمایا کہ ''کیا یہ مناسب ہے کہ ہم ان لوگوں کے اہل و عیال پر حملہ کر دیں جو قریش کی مدد کیلئے گئے ہیں۔ وہ لوگ اپنے اہل و عیال کی مدد کیلئے قریش سے جدا ہو جائیں پھر قریش سے ہم بآسانی جنگ کر سکتے ہیں؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اس سال عمرہ کی نیت سے نکلے ہیں اور کسی سے جنگ کرنے کی تیاری یا اس کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں۔ ہمیں اس ارادہ پر قائم رہنا چاہیے البتہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے میں بالفعل قریش مانع آئے تو اس وقت ہم ان سے جنگ کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بات اچھی لگی اور ان کی رائے کو درست فرمایا۔ فرمایا: خدا کا نام لے کر چلو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی مرضی مبارک تھی لیکن صحابہ کے دلوں کا حال اور ان کی رائے

معلوم کرنے کیلئے یہ ارشاد فرمایا۔ مسند امام احمد کی حدیث میں اتنا زیادہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اپنے صحابہ سے مشورہ کرنے والا اور کسی کو کبھی نہیں دیکھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مقام غمیم میں خالد بن ولید قریش کے لشکر کا ہراول دستہ لیے بیٹھا ہے تم داہنے راستہ سے چلو تا کہ صبح کو اچانک ان پر پہنچیں۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے جو راستہ اختیار کیا وہ نہایت دشوار اور سخت ترین تھا۔ وہاں سے گزرنا انتہائی دشوار اور مشکل تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریگزار کی صعوبتیں ملاحظہ فرمائیں تو آپ نے صحابہ کے زخموں پر مرہم رکھتے ہوئے فرمایا یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ یہ عبارت معارج النبوۃ کی ہے اور حقیقت میں بحکم حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ. ہے فرمایا راہ خدا میں جس قدر صعوبتیں برداشت کی جائیں اور خود جنت و دوزخ کی بارہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مثالیں دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ فرمایا: رَأَيت لجنة في عرض هذا الحائط. میں نے جنت کو اس دیوار میں دیکھا ہے۔ کچھ ایسا ہی معاملہ اس جگہ بھی درپیش ہوا ہوگا۔

جب پہاڑیوں سے گزرے اور ہموار زمین پر پہنچے تو فرمایا: نَسْتَغْفِرُ اللهَ وَنَتُوبُ اِلَيْهِ. گویا اس راہ کی دشواریوں کے سلسلہ میں کسی دل میں کوئی خیال گزرا ہوگا۔ اس پر آپ نے استغفار کر کے تنبیہ فرمائی۔ راوی بیان کرتا ہے کہ خدا کی قسم ان مجاہدین کے وجود گرامی کا خالد کو اس وقت تک پتہ نہ چلا جب تک کہ لشکر اسلام کا گرد و غبار اس کی آنکھوں میں نہ گھس گیا۔ اسی وقت بھاگ کر قریش سے مل گیا اور ان کو حقیقت حال سے باخبر کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام ثنیہ میں پہنچے جو حدیبیہ کے قریب ہے (اسے ثنیۃ المرار بضم میم یا بکسر میم کہتے ہیں) تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصواء زانو کے بل بیٹھ گئی۔ ہر چند اسے جھڑکا گیا اور لوگوں نے حل حل کی آوازیں بلند کیں (یہ آواز اونٹ کو اٹھانے کیلئے نکالی جاتی ہے۔ اسی طرح نخ نخ اونٹ کو بٹھانے کیلئے بولتے ہیں) مگر وہ اونٹنی نہ اٹھی۔ لوگوں نے کہا ''خلات القصویٰ'' اونٹنی تھک گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَاخَلَأَتِ الْقُصْوىٰ وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ. یعنی قصویٰ چلنے سے تھکی نہیں ہے اور نہ اس کی یہ عادت ہے۔ لٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيْلِ. لیکن اسے ہاتھی کے روکنے والے نے روک دیا ہے یعنی حق تعالیٰ نے ان ہاتھیوں کو جو خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کیلئے لائے گئے تھے جس طرح روک دیا تھا اور اسے بٹھا دیا تھا۔ اس حکم ربی کا یہاں بھی احتمال ہے چونکہ صحابہ مکہ میں داخل ہونا چاہتے تھے اور قریش داخل ہونے میں مانع اور حارج تھے۔ لامحالہ ان میں قتال واقع ہونا جو حرمت حرم کے منافی تھا۔ اگرچہ ان کا ارادہ نہ تھا مگر حق تعالیٰ نے ان کو اس سے باز رکھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ حالت منکشف ہوئی اور آپ کے فہم عالی میں یہ نکتہ آیا۔ فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ ہر وہ بات جو قریش حرمت و تعظیم کعبہ کے سلسلہ میں کہیں گے میں اسے قبول کر لوں گا۔ اس کے بعد اونٹنی کو اشارہ فرمایا وہ کھڑی ہو گئی اور چلنے لگی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے راہ کو چھوڑ کر حدیبیہ کے میدان میں کنویں کے کنارے نزول فرمایا۔ اس کنویں میں بہت کم پانی تھا لوگوں نے اس سے تھوڑا تھوڑا پانی کھینچا۔ بالآخر تھوڑی دیر میں پانی ختم ہو گیا اور کنواں خشک ہو گیا۔ صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تشنگی کی شکایت کی۔ اس پر آپ نے ایک تیر کو کمان کے چلہ میں رکھ کر کھینچا اور کنویں میں چھوڑا۔ جب وہ تیر کنویں میں پہنچا تو پانی جوش مارنے لگا اور تمام لشکر سیراب ہوتا رہا۔ چونکہ اس منزل میں پانی کی کمی تھی اس لیے یہاں کئی معجزے ظہور میں آئے ان میں سے ایک تو یہی تھا۔ ایک اور مرتبہ پانی کی کمی کی شکایت کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنویں کے کنارے وضو فرمایا اور وضو و کلی کے پانی کو کنویں میں ڈال دیا۔ کنویں میں پانی جوش مارنے لگا۔ تمام لوگوں اور جانوروں نے خوب سیر ہو کے پیا۔ ایک اور مرتبہ لوگ آئے اور عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس منزل میں بالکل پانی نہیں ہے بجز آپ کے پیالہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا پھر دست مبارک کو پانی کے پیالے میں رکھ دیا۔ اس کے بعد آپ کے انگشتہائے مبارک سے چشمہ کی مانند پانی جوش مارنے لگا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو اس حدیث کے راوی ہیں لوگوں نے دریافت کیا۔ تم کتنے لوگ تھے۔ فرمایا: پندرہ سو تھے۔ اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہم سب کو کافی ہوتا اور کم نہ ہوتا۔ اسی دوران لوگوں نے بے آبی کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی جس سے بارش ہوئی اور سب جل تھل ہو گئے۔ یہ بات صحت کو پہنچی ہے کہ جب رات کو بارش ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ سے فرمایا ''تم جانتے ہو کہ تمہارا رب کیا فرماتا ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا ''خدا اور اس کا رسول ہی دانا تر ہیں''۔ فرمایا ''حق تعالیٰ فرماتا ہے میں نے بارش بھیجی تو میرے بندوں نے اس حال میں صبح کی کہ بعض کافر ہیں اور بعض مومن۔ مطلب یہ کہ اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بارش بھیجی ہے تو وہ میرے مومن بندے ہیں اور جو یہ کہیں کہ ستاروں کی وجہ سے بارش ہوئی ہے تو وہ میرے کافر بندے ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ چاند کا فلاں منزل میں آنا بارش کا سبب ہوتا ہے اور وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جب چاند فلاں منزل میں آ جاتا ہے تو یقیناً بارش ہوتی ہے اور ناممکن ہے کہ بارش نہ ہو۔ لیکن اس کے برخلاف اگر یہ فلاں منزل میں نہ آئے تو ہرگز بارش نہ ہوگی۔ یہ اعتقاد اور یہ لفظ کفر ہیں لیکن اگر یہ اعتقاد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب چاند اس منزل میں آ جاتا ہے تو تقدیر الٰہی اور حق تعالیٰ کی تخلیق سے بارش ہوتی ہے۔ اگر حق تعالیٰ نہ چاہے تو نہیں ہوتی اور اگر چاند اس منزل میں نہ آئے اور حق تعالیٰ چاہے کہ بارش ہو تو ہو جاتی ہے۔ جس طرح کہ اسباب علوی و سماوی فراہم ہونے پر ہوتی ہے تو یہ کفر نہ ہوگا اور زبان سے نہ کہیں تو ایمان و توحید سے اور زیادہ قریب و مناسب ہوگا۔ بعض روایتوں میں دیکھا گیا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِصِحَّتِہَا۔ ایک مرتبہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ استسقاء کرتے تھے فرمایا اگر چاند کی منزل کا لحاظ کر کے دعا کرو تو بہتر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سبب حقیقی جو حق تعالیٰ کا فضل ہے اور سبب عادی جو چاند کا اس منزل میں ہونا ہے دونوں کی رعایت جمع ہو جائے۔ اگر چاند کا اس منزل میں آنا حقیقی سبب اور یقینی علت ہوتو استسقاء یعنی بارش کی دعا مانگنے کی کیا حاجت ہے۔

کفار قریش کا مغرور ہونا: وصل: جب مشرکوں نے یہ دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرم کی حرمت کو ملحوظ رکھ رہے ہیں، جنگ و محاربہ اور ان کے قلع و قمع کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تو مشرکین مغرور ہو گئے۔ اپنی جہالت، بیوقوفی، بدخوئی اور بدبختی میں قائم ہو کر تمرد و سرکشی میں مضبوط و مستحکم بن گئے۔ اپنا مدعا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ثابت کرنے کیلئے لوگوں کو درمیان میں لے آئے۔ سب سے پہلے بدیل بن ورقا خزاعی کو ان کے قبیلہ کے چند لوگوں کے ساتھ بھیجا۔ یہ بدیل کا قبیلہ عہد جاہلیت اور اسلام میں بارگاہ نبوت کے مخلصوں اور محبوں میں سے تھا اور ہمیشہ مکہ والوں کی خبریں اور ان کے بھید مدینہ طیبہ بھیجا کرتے تھے۔ یہ بدیل بن ورقہ اس وقت تک مسلک اسلام سے وابستہ نہ ہوئے تھے اور بعض ان کو صحابی متقدم الاسلام لکھتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ اور ان کے بیٹے عبداللہ اور حکیم بن حزام روز فتح مکہ اسلام لائے تھے۔ حنین و طائف اور تبوک میں وہ اور ان کے بیٹے حاضر ہوئے اور عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شہید ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔ القصہ بدیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ قریش اور دیگر قبائل عرب کے لوگ متفق ہو کر حدیبیہ کے کنوؤں کے کنارے اترے ہوئے ہیں۔ ان کا مقصود یہ ہے کہ آپ سب کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور خانہ کعبہ کی زیارت سے باز رکھیں اور آپ نہ مانیں گے تو یہ مقام قتال پر اتر آئیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم کسی کے ساتھ قتال و جدال کیلئے نہیں آئے ہیں۔ ہمارا مقصد زیارت کعبہ اور عمرہ ادا کرنا ہے۔ فرمایا: قریش جنگ کی طرف بہت مائل ہیں یہ ان کیلئے نقصان کا موجب ہے۔ اگر وہ چاہیں تو ہم ایک مدت معین کرتے ہیں۔ اس مدت میں ہمارے اور ان کے درمیان جنگ نہ ہوگی۔ مجھے دیگر تمام مشرکوں کیلئے چھوڑ دیں کہ میں ان سے جہاد کروں۔ اگر میں مغلوب ہو گیا تو ان کا مقصود ہی میرا مغلوب ہونا اور میرا زبوں ہونا ہے وہ حاصل ہو جائے گا۔ اگر میں ان پر غالب آ گیا تو اگر وہ چاہیں تو دیگر تمام لوگوں کی مانند میری پیروی اور متابعت کر لیں

اوراگر نہ کریں گے تو صلح کی معینہ مدت تک جنگ وجدال اور حرب وقتال سے دور بیٹھے رہیں۔اگر قریش میری ان باتوں سے جو میں نے کہی ہیں انکار اور روگردانی کریں تو قسم ہے اس خدائے پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں اس وقت تک ان سے جنگ کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھ سے میری گردن جدا نہ ہو جائے۔ بلاشبہ رب العزت اپنا حکم نافذ فرمائے گا اور اپنے دین کی مدد فرمائے گا۔ بدیل نے کہا کہ میں بہت جلد آپ کی ان باتوں کو قریش تک پہنچاتا ہوں۔اس کے بعد وہ مجلس شریف سے اٹھا اور مشرکین کے لشکر کی جانب چلا گیا اور ان سے کہا۔ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنی ہیں۔اگر تم اجازت دو تو میں تمہیں سناؤں ان کے بیوقوف لوگ جیسے عکرمہ بن ابی جہل اور حکم بن العاص وغیرہ کہنے لگے ہیں۔ہمیں ان کی باتیں سننے کی ضرورت نہیں ہے لیکن مشرکوں کے عقلمند اور صائب الرائے لوگوں نے کہا کہو جو کچھ تم نے ان سے سنا ہے۔پھر بدیل نے جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا بیان کر دیا اور کہا اے گروہ قریش! تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ وقتال میں جلد بازی نہ کرو۔ وہ خانہ کعبہ کی زیارت کیلئے آئے ہیں۔ان کا تمہارے ساتھ جنگ کا ارادہ نہیں ہے۔تمہیں یہی زیب دیتا ہے کہ تم جدال وقتال سے ہاتھ اٹھالو۔قریش نے بدیل کی باتوں کا یقین نہ کیا اور گمان کیا کہ بدیل نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سازش کر لی ہے اس لیے کہ قبیلہ خزاعہ کے لوگ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلصوں میں سے رہے ہیں۔اس اثناء میں عروہ بن مسعود ثقفی کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے گروہ قریش! میں تمہارے بیٹوں کے مانند ہوں اور تم سب بمنزلہ باپ کے ہو۔انہوں نے کہا ٹھیک ہے ایسا ہی ہے۔پھر کہا۔" کیا میرے ساتھ تم خیانت وعداوت کے اتہام کا شبہ رکھتے ہو۔انہوں نے کہا نہیں۔اس وقت عروہ نے اپنے سابقہ حقوق جو ان کے ساتھ پہلے سے موجود تھے۔ بیان کیے یہ عروہ وہ شخص تھا جو لوگوں کے ساتھ پہلے ہی بہت سے حقوق اور معاہدے رکھتا تھا۔جیسا کہ اثنائے بیان میں ظاہر ہوگا۔ یہ خیال نہ کرنا کہ یہ عروہ ابن مسعودؓ حضرت عبداللہ ابن مسعود کے بھائی ہوں گے بلکہ یہ عروہ ابن مسعود ثقفی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلی ہیں۔عروہ بن مسعود ثقفی اس وقت تک مسلمان نہ ہوا تھا آخر میں مسلمان ہو کر حاضر ہوا اور اس کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں تھیں۔اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ ان میں سے چار کو رکھ لو باقی کو رخصت کر دو۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اپنے وطن لوٹا اور اپنے وطن پہنچ کر اپنی قوم کو دعوت اسلام دی۔مگر انہوں نے انکار کیا اور سرکشی پر اتر آئے یہاں تک کہ نماز فجر کا وقت تھا اس کے مکان میں کھڑکی تھی۔ اس نے کھڑکی کے دروازوں کو کھول کر اذان کہی۔کلمہ شہادت پر تھے کہ کسی ثقفی نے ان پر تیر پھینکا اور وہ شہید ہو گئے۔جب یہ خبر بارگاہِ رسالت میں پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن مسعود کی داستان اور ان کا قصہ صاحب یٰس کہ داستان اور ان کے قصہ کی مانند ہے کہ وہ اپنی قوم کی طرف گیا اور اسے قوم نے شہید کر دیا۔ القصہ عروہ نے قریش سے کہا کہ جو بات تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنی ہے پسندیدہ اور مستحسن ہے۔اس کا ماننا لازم ہے۔اگر مجھے اجازت دو میں جاؤں اور ان سے باتیں کروں تاکہ میں دیکھوں وہ کیا کہتے ہیں اور کیا مصلحت ہے۔اس کے بعد عروہ سرور کائنات علیہ افضل الصلوات کی خدمت میں آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات جو بدیل سے فرمائی تھی ارشاد فرمائی۔عروہ نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بتاؤ اگر تم نے اپنوں کا استحصال کر دیا تو کیا کام سرانجام دیا۔ آپ سے پہلے کسی اہل عرب نے اپنی اصل کو ہلاک وفنا نہیں کیا اور اپنی قوم کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا جیسا تم کرو گے۔اگر انہوں نے مغلوب کر دیا تو معلوم ہے کہ کیا حال اور کیا انجام ہوگا۔ بلاشبہ آپ کے گرد اوباش لوگ جمع ہو گئے ہیں۔جب ایسا وقت آئے گا تو آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔عروہ نے یہ بیہودہ اور معقولیت آمیز بات زمانہ کے عرف وعادت پر قیاس کر کے کہی تھی کہ جس طرح دنیاوی ارباب دولت اور طالبان دنیا غداری کرتے ہیں اور مغلوب سلاطین وملوک کے ساتھ قہر وغضب اور جبر وتشدد کا سلوک کرتے ہیں۔ایسا ہی یہاں بھی ہوگا لیکن یہاں نبوت ورسالت' دعوت الی الحق' امر الٰہی اور وحی آسمانی میں ان باتوں کی کوئی گنجائش نہ تھی۔حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو اس مجلس میں موجود تھے عروہ کی بات پر غیظ وغضب میں آ گئے اور اس کے بتوں کی اہانت کے درپے ہو گئے۔ انہوں نے اسے عام عرب کے عرف کے مطابق گالی دی اور فرمایا اُمْصُصْ بَظْرَ اللَّاتِ (لات کی شرمگاہ کو چاٹ) اُمْصُصْ کے معنی ہیں چاٹنا اور بظر اس گوشت کے لوتھڑے کو کہتے ہیں جو عورتوں کے ختنہ کرنے کے بعد اس کی شرمگاہ میں لٹکی رہ جاتی ہے اور ''لات'' قریش وثقیف کے مشہور بت کا نام ہے جس کو وہ پوجتے تھے۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ جب کسی کو غلیظ گالی دینی ہوتی تو اُمْصُصْ بَظْرَ اُمِّكَ (اپنی ماں کی شرمگاہ چاٹ) کہتے تھے اسی بنا پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے عروہ کو گالی دینے میں مبالغہ کیا اور ماں کی جگہ لات کا نام استعمال کیا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ایسی غلیظ گالی دینے کی ضرورت نہ پیش آتی آپ کو غصہ اس بات پر آیا کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں غرور وتکبر سے کام لے رہا تھا۔ آپ کے صحابہ کو بے وفا اور بھاگ جانے والا قرار دے رہا تھا۔ لہٰذا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَنَحْنُ نُفِرُّ مِنْهُ وَنَدَعُهُ کیا ہم بھاگ جائیں گے اور آپ کو تنہا چھوڑ دیں گے۔ عروہ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بات پر سر اٹھایا اور کہنے لگا ''یہ کون ہیں جو ایسی بات کہتے ہیں؟'' صحابہ نے بتایا کہ ''یہ ابوبکر صدیق ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) عروہ کہنے لگا ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ آگاہ ہو قسم ہے خدا کی تمہارا ایک حق مجھ پر ثابت ہے اور میں اسے اتار نہ سکا ہوں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں تمہیں جواب دیتا اور تمہیں سزا دیتا''۔ عروہ پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا حق یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں عروہ پر دیت لازم ہو گئی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عقبہ کے بھائیوں نے اس کی مدد کی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے دس جوان اونٹ دیئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر عروہ نے اپنے تمام ساتھیوں اور دوستوں سے مدد مانگی تھی لیکن کسی نے ایک گائے یا دو گائے سے زیادہ نہ دیا تھا مگر حضرت صدیق نے دس گائے عنایت فرمائی تھیں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ عروہ بات کرنے کے دوران بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن مبارک یعنی داڑھی شریف تک ہاتھ پہنچاتا تھا۔ جیسا کہ کمینہ خصلت عربوں کی عادت تھی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کے کندے کو اس کے ہاتھ پر مار کر فرمایا ''او بے ادب! اپنے ہاتھ کو بچا کے رکھ حد ادب سے تجاوز نہ کر'' عروہ نے پوچھا ''یہ کون ہے جو مجھے ایذا پہنچاتا ہے میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں اس سے زیادہ گستاخ نہیں دیکھا (معاذ اللہ) لوگوں نے بتایا ''یہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں''۔ عروہ نے کہا ''اے غدار! میں نے نفاذ حکم اور اصلاح غدر میں تمہاری سعی کی ہے اور تمہیں راہ دکھائی ہے تم میرے ساتھ یہ سلوک کرتے ہو''۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے غدر اور عروہ کا اس کی اصلاح میں سعی کرنا کیا ہے؟ اگرچہ بات میں بات نکل رہی ہے اور واقعہ طول پکڑتا جاتا ہے لیکن چونکہ ارباب سیر نے بیان کیا ہے اس لیے ہم بھی بیان کرتے ہیں۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کسی وقت مغیرہ رضی اللہ عنہ قبیلہ ثقیف کے بنی مالک کے تیرہ شخصوں کے ساتھ اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس کے پاس گئے تھے۔ مقوقس نے مغیرہ رضی اللہ عنہ پر بنی مالک کو ترجیح دی اور انہیں عطایائے شائستہ اور ہدایائے بائستہ سے نوازا۔ جب یہ جماعت اسکندریہ سے لوٹی تو راستہ میں ایک رات شراب میں بدمست ہو کر پڑ گئے۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اس حسد اور عداوت کی بنا پر جو اس جماعت کے خلاف پیدا ہو گئی تھی۔ ان سب کو قتل کر دیا اور ان کا مال ومتاع لے کر مدینہ آ گئے۔ اس کو غنائم میں شمار کیا اور مسلمان ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے مغیرہ رضی اللہ عنہ تمہارا ایمان لانا تو صحیح ہے لیکن تمہارے اس مال کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ ہم اس میں سے خمس نہ لیں گے''۔ جب یہ خبر مکہ میں پہنچی تو بنی مالک کے سردار مسعود بن عمرو سے اسی عمروہ نے ان کے بارے میں گفت وشنید کی اور معاملہ کی درستی و اصلاح میں بڑی کوشش کی۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ پر دیت تیرہ مقتولوں کی واجب تھی جو ان کے ورثاء کو ادا کرنی تھی۔ جب مقتولوں کے ورثاء دیت لینے پر آمادہ ہو گئے تو مغیرہ رضی اللہ عنہ کا خاندان اور اس کی قوم جنگ وجدال پر نکل آئی۔ عروہ نے کوشش کر کے مختلف حیلوں اور

بہانوں سے معاملہ رفع دفع کر دیا۔ عروہ کا اپنی گفتگو میں اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا۔
ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ عروہ بن مسعود گوشہ چشم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں صحابہ کرام کو دیکھ رہا تھا اور ان کے آداب وتعظیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام وعظمت کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ حیران تھا جب مشرکوں میں واپس گیا تو عروہ نے کہا ''اے گروہ قریش! میں بڑے بڑے متکبر ومغرور سلاطین وبادشاہوں کی مجلسوں میں رہا ہوں اور ان کی صحبتیں اٹھائی ہیں۔ قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے دربار میں پہنچا ہوں اور ان کے درباروں میں رہا ہوں لیکن ان میں سے کسی بادشاہ کے کسی خدمتگار کو ایسا ادب واحترام کرتے نہیں دیکھا۔ جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتے ہیں۔ جب وہ اپنے دہن مبارک سے لعاب شریف نکالتے ہیں تو صحابہ اسے اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے رخساروں پر ملتے ہیں۔ جب کسی ادنیٰ اور معمولی کام کی تعمیل کا حکم دیتے ہیں تو اس کی تعمیل کیلئے وہ بزرگ ترین صحابہ سبقت کرتے ہیں جب ان کے حضور کوئی بات کرتا ہے وہ آواز کو دبا کے بات کرتے ہیں۔ جب وہ گفتگو فرماتے ہیں تو انتہائی ادب واحترام کے ساتھ سنتے ہیں اور نگاہ ملا کر بات نہیں کرتے۔ ان کے روئے مبارک پر کوئی نگاہ نہیں جما سکتا جب وضو کرتے ہیں تو وضو کا پانی لینے میں جھگڑتے ہیں۔ چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پر خونریزی شروع ہو جائے گی۔ جب داڑھی شریف اور سر میں کنگھی کر کے آراستہ فرماتے ہیں اور کوئی موئے مبارک ہوتا ہے تو عزت واحترام کے ساتھ تبرک جان کر لے لیتے ہیں اور اس تبرک کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ وہ حالات ہیں جن کا میں نے مشاہدہ کیا ہے۔ پھر صحابہ کرام کی شجاعت مردانگی' یکجہتی اور ایک دوسرے سے محبت وایثار بیان کرتے ہوئے کہا اس سے زیادہ خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔ خدا کی قسم میں نے ایسا لشکر دیکھا ہے جو تم سے کبھی بھی منہ نہ موڑے گا جب تک کہ تم سب کو مار نہ ڈالے' یا تم پر غالب نہ آ جائے۔ عروہ چونکہ آخر کار ایمان لانے والا اور مرد پختہ کار اور قدر شناس تھا اور جتنا تعصب دیگر مشرکوں میں تھا اس میں نہ تھا۔ اس لیے اس نے جو کچھ دیکھا تھا بے کم وکاست بیان کر دیا لیکن یہ اشقیا پھر بھی انکار پر قائم رہے اور کہنے لگے یہ نصیحت کی باتیں ہمارے کانوں کو اچھی نہیں لگتیں۔ ہم اسی ارادہ پر قائم اور مستحکم ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے اور خانہ کعبہ کی زیارت نہ کرنے دیں گے۔ اس وقت تو لوٹ جائیں اور سال آئندہ آئیں۔
جب عروہ کی کوشش اور اس کے آنے جانے سے صلح کی بنیاد رکھی گئی تو قبیلہ احابیش کا ایک آدمی جس کا نام حلیس تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے کی غرض سے کھڑا ہوا اور قریش سے اجازت لے کر لشکر اسلام کے نزدیک پہنچا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص اس قوم سے تعلق رکھتا ہے جو ''بدنہ'' یعنی قربانی کے جانوروں کی بہت تعظیم کرتے ہیں۔ قربانی کے اونٹوں کو اپنی جگہ کھڑا کر کے اس کے آگے سے گزارو۔ اس کے بعد آپ لبیک کہتے ہوئے صحابہ کے ساتھ حلیس کے استقبال کو آئے جب اس نے اس حالت کا مشاہدہ کیا کہ یہ حضرات زیارت کرنے والے ہیں جنگ وقتال کا ارادہ نہیں ہے تو اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا اور کہنے لگا ''سبحان اللہ! اس قوم کو سزاوار نہیں ہے کہ ان کو خانہ کعبہ کی زیارت وطواف سے روکیں۔ یہ حضرات تو عمرہ ہی کیلئے آئے ہیں اور کہنے لگا هَلَكَتْ قُرَيْشٌ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ. کعبہ کے رب کی قسم! قریش ہلاک ہوں گے۔ وہ اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کیے بغیر لوٹ گیا اور قریش کے پاس آ کر کہنے لگا میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کو دیکھا ہے وہ اونٹوں کا اشعار' اور تقلید کر کے خانہ کعبہ بیت اللہ کی زیارت کیلئے آئے ہیں۔ میں اچھا نہیں جانتا کہ ان کو اس سے روکا جائے۔ قریش نے حلیس کو اس قضیہ میں نا قابل اعتبار جان کر اس کے مشورے کو نادانی اور سادہ لوحی پر محمول کیا اور انتہائی شقاوت وقسارت سے کہنے لگے۔ ''اے حلیس! تو مرد اعرابی یعنی دیہاتی ہے تو امور ملکی نہیں جانتا'' حلیس ان کی اس بات سے غضبناک ہو گیا اور کہنے لگا ''اے قریش! ہم تم سے اس معاملہ میں موافقت نہیں کرتے۔ قسم ہے اس خدا کی حلیس کی جان جس کے قبضہ میں ہے اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ کے طواف سے روکو گے تو میں تمام احابیش

کے لوگوں کے ساتھ تم سے جدا ہو کر چلا جاؤں گا۔قریش نے عذر خواہی اور اس کی دلجوئی اور تسکین دہی کرتے ہوئے کہا''اے حلیس! ان باتوں کو چھوڑ و ہم اپنی مرضی کے موافق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح کر رہے ہیں''۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں۔کہ جب قریش کی جانب سے لوگ آ رہے تھے اور قریش کی قساوت دور کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور ان اشقیاء کی شدت میں بھی کمی نہ ہوتی تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چاہا کہ کسی کو بھیج کر اس معاملہ میں سعی فرمائیں۔آپ نے پہلے بنی خزاعہ کے ایک شخص کو بھیجا جس کا نام حراش بن امیہ کعبی تھا۔اسے ایک اونٹ دیا تاکہ وہ ان کے دلنشیں کرائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا زیارت کعبہ اور عمرہ ادا کرنے کے لیے ہے جنگ وقتال نہیں ہے جب وہ قریش کے پاس پہنچے تو وہ ان کے اونٹ کے درپے ہو کر حراش بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے پر اتر آئے۔ان کی قوم نے جو مکہ میں تھی ان کی حمایت کر کے چھڑایا اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس بھیج دیا۔اس کے بعد سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔''تمہیں مکہ جانا چاہیے تاکہ انہیں سمجھاؤ کہ ہم جنگ کے ارادے سے نہیں بلکہ عمرہ کرنے آئے ہیں''۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر روشن ہے کہ قریش کی عداوت میرے ساتھ کس قدر ہے اور ان کی شدت وغلظت کس حد تک ہے۔اگر وہ مجھ پر قابو پالیں تو یقیناً زندہ نہ چھوڑیں اور بنی عدی میں سے مکہ میں کوئی نہیں ہے جو ان کی شرارتوں پر میری حمایت کر سکے اور میری حفاظت کر سکے۔اگر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیجیں تو بہت مناسب ہوگا کیونکہ وہ قریش کے نزدیک زیادہ عزیز ہیں اور مکہ میں ان کے عزیز واقارب بہت ہیں''۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو بلایا اور مکہ مکرمہ کی جانب بھیجا۔ تاکہ ابوسفیان اور صنادید قریش کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مافی الضمیر سمجھائیں۔اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور کے ارشاد کے بموجب مکہ کی طرف چلے۔مقام ملاح میں مشرکوں سے ملے اور ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا۔مگر کفار اپنی اسی جہالت وتعصب پر اڑے رہے کہ اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گزرنے دیں۔اور بیت اللہ کی زیارت کرنے دیں''۔سبحان اللہ! یہ کتنے جاہل لوگ ہیں کہ اپنی شدت وجہالت پر اڑے ہوئے ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نرمی فرماتے ہیں اور ان کو سمجھاتے ہیں کہ جنگ کا ارادہ نہیں ہے۔اگر آپ شدت ومحاربہ اختیار فرماتے تو اسی وقت ان کی جانیں منہ کو آ جاتیں۔جیسا کہ آخر قصہ میں ظاہر ہوگا۔

اس کے بعد ابان بن سعید بن العاص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعظیم وتکریم کا اظہار کیا' انہیں اپنی سواری پر بٹھا کر خود ان کے پیچھے بیٹھ کر ردیف بن گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ لے گیا۔حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ابوسفیان اور دیگر صنادید قریش کو پہنچا دیا۔یہ لوگ اپنی قوم کے ساتھ یہاں پر نہیں آئے تھے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سب کو بھی اس بات میں قوم کا ہم خیال پایا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ارادہ فرمایا کہ لوٹ چلیں۔اس وقت انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خاطر داری کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہا۔''اگر تم چاہو تو اٹھو اور طواف کر لو''۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں اس وقت تک طواف نہیں کر سکتا جب تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کر لیں''۔مشرکین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بات سے برہم ہو کر اور غصہ میں آ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رخصت کی اجازت نہ دی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے تو صحابہ عرض کرنے لگے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کتنے خوش نصیب ہیں کہ وہ مکہ مکرمہ پہنچ کر خانہ کعبہ کی زیارت کریں گے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے میرا یہ خیال ہے کہ وہ ہمارے بغیر زیارت نہ کریں گے''۔بعض روایتوں میں آیا ہے کہ دس اور مہاجرین بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مکہ مکرمہ گئے۔جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدت اقامت مکہ مکرمہ میں دراز ہوئی اور لشکر اسلام میں یہ خبر پھیلی کہ حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ کو دیگران دس مہاجرین کے ساتھ جو مکہ گئے تھے مکہ والوں نے شہید کر دیا ہے۔ اس خبر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ملال ہوا۔ ایک درخت سے پشت مبارک لگا کر صحابہ کرام سے ثابت قدم رہنے پر بیعت لی کہ اگر جنگ واقع ہوئی تو منہ نہ پھیریں گے۔ قرآن کریم میں اس بیعت کی خبر اس آیت میں دی جاتی ہے کہ:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ — بلاشبہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کرتے تھے۔

اسی بنا پر اس بیعت کو ''بیعت رضوان'' کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی بیعت رضوان میں حاضر ہوا سے آگ نہ پہنچے گی۔ ایک روایت میں ہے جو کوئی حدیبیہ میں موجود تھا اسی طرح اہل بدر واحد کے بارے میں مروی ہے۔ اس بیعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے اس کے بعد آپ نے داہنے ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے آپ نے خود بیعت فرمائی۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی حکمت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پھیلانے سے بیعت لینا مقصود ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قریش نے اس بیعت کی خبر سنی تو ان میں ایک خوف اور ان کے دلوں میں ہراس پیدا ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس پر وہ پریشان ہو گئے، صلح اختیار کی اور اپنے خطیب سہیل بن عمرو کو اس مہم کیلئے بھیجا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ سہیل بن عمرو کے آنے سے پہلے حلیس کے واپس جانے کے بعد کرز بن حفص قریش کی اجازت سے لشکر اسلام میں داخل ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دور سے دیکھ کر ہی فرمایا تھا کہ یہ کرز بن حفص جو آ رہا ہے مرد فاجر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ مرد غادر ہے یعنی مکار وفریبی شخص ہے اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو شروع کی۔ اسی گفتگو کے دوران اچانک سہیل بن عمرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں داخل ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سہل امرنا'' ہمارا کام آسان ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے فرمایا: قَدْ سَهُلَ لَکُمْ اَمْرُکُمْ اب تمہارا کام تمہارے لیے آسان ہو گیا اور کرز بن حفص اور خویطب بن عبدالعزیٰ بھی سہیل کے ہمراہ تھے لیکن اس مہم کی ذمہ داری سہیل پر تھی۔ یہ سہیل بن عمرو روز بدر کفار کے درمیان امیر بنا تھا اور قریش کا خطیب تھا۔ اس پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کے دانتوں کو توڑ ڈالیے تاکہ اس کے بعد یہ آپ کے برخلاف خطبہ نہ دے سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امید ہے کہ وہ اس مقام میں کھڑا ہو گا اور ایسا خطبہ دے گا جو محمود و پسندیدہ ہو گا۔ چنانچہ وہ فتح مکہ کے بعد اسلام لایا اور اس مقام میں جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھڑے ہونے، خطبہ دینے اور اس کے محمود ہونے کی خبر دی تھی۔ وہ مقام وہ تھا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان سے تشریف لے گئے اور مکہ میں بعض لوگ مرتد ہو گئے۔ اس وقت سہیل کھڑے ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا خطبہ دیا۔ گویا کہ حضرت ابوبکر خطبہ کو سن رہے تھے اور لوگوں کو تسکین دی۔ لوگوں کو اختلاف سے باز رہنے کی تلقین کی۔ پھر سہیل نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عمواس کے طاعون میں سن اٹھارہ ہجری میں وفات پائی۔ ان کی اولاد میں سے کوئی باقی نہ رہا اور ابوجندل جو سہیل کے بیٹے تھے وہ بھی اسی طاعون میں وفات پا گئے تھے۔

القصہ سہیل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صلح کی تمہید میں گفتگو کے آغاز کرنے کی پہل کی اور کہا ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری ایک جماعت آپ کی قید میں ہے ان کو آزادی اور رہائی دیجئے۔ اس کا واقعہ یہ تھا کہ روز حدیبیہ لشکر اسلام کی تعداد کا اندازہ کرنے کیلئے کہ مسلمان کتنے ہیں اور شاید کہ مسلمانوں سے جنگ کی نوبت آ جائے۔ اس کیلئے کفار نے پچاس آدمیوں کو بھیجا۔ اتفاق سے ان پچاسوں آدمیوں کو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کی اس جماعت نے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے

ساتھ بھیجا تھا گرفتار کرلیا اوران کو بارگاہ نبوت میں لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قید کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ جب سہیل نے ان کی بازیابی کا مطالبہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے صحابہ کو یعنی حضرت عثمان ان کے ساتھ دس مہاجرین کو جو مکہ گئے تھے اور رات سے گھیر رکھا ہے بھیج دوتا کہ میں بھی تمہارے قیدیوں کو چھوڑ دوں۔ اس پر خویطب بن عبدالعزیٰ اور کرز بن حفص نے سہیل کے اتفاق سے کسی کو مکہ بھیجا تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ کو جنہیں مکہ مکرمہ میں روک رکھا ہے بھیج دیں۔ اس کے بعد ان قیدیوں کی بھی رہائی ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان اپنے دس ساتھیوں کے ساتھ لوٹ آئے۔ معارج النبوۃ میں اسی طرح لکھا ہے لیکن روضۃ الاحباب میں اس طرح ہے کہ کفار قریش کے ان پچاس آدمیوں کو جن کو محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ لائے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت ان کے ساتھ مہربانی فرمائی اور سب کو مکہ مکرمہ بھیج دیا۔ اس روایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا آنا اس وقت مذکور ہے جب وقوع صلح اور صلح نامہ کی کتاب سے فراغت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن عمرو کو اپنے پاس روک لیا اور فرمایا کہ جب تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہ آ جائیں ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ اس کے بعد اس نے قریش کو لکھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیج دوتا کہ میں خلاصی پاؤں۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کو رخصت کر دیا۔ اسی طرح مواہب میں بھی مرقوم ہے۔ (واللہ اعلم)

صلح نامہ حدیبیہ: اس کے بعد خویطب بن عبدالعزیٰ اور کرز بن حفص اور سہیل بن عمرو نے صلح کے سلسلہ میں گفتگو کی۔ سب سے پہلی شرط جو سہیل نے رکھی یہ تھی کہ اس سال تو یہاں سے آپ لوٹ جائیں اور آئندہ سال عمرہ کیلئے تشریف لائیں۔ دس سال تک ہمارے اور آپ کے درمیان صلح رہے گی، جنگ و مقابلہ اور جدال مرتفع رہے گا۔ ایک دوسرے کے شہری امن و سلامتی سے رہیں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعرض نہ کریں گے۔ حلیف اور ہم عہد ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچائیں گے۔ مشہور یہ ہے کہ مدت مصالحت دس سال تھی۔ جیسا کہ سیر کی کتابوں میں مذکور ہے لیکن ابوداؤد میں بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابونعیم مسند میں حضرت عبداللہ ابن دینار رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ مدت مصالحت چار سال تھی۔ اسی طرح حاکم نے مستدرک میں روایت کیا جیسا کہ مواہب لدنیہ میں منقول ہے۔

دوسری شرط یہ تھی کہ سال آئندہ جب آئیں تو تین دن سے زیادہ قیام نہ کریں گے اور یہ کہ تلواریں نیام میں رہیں گی۔ تیسری شرط عجیب شنیع تھی وہ یہ کہ جو کوئی ہماری جانب سے بغیر اجازت کے از خود تم میں چلا جائے اسے ہماری طرف لوٹا دیں گے اگرچہ مسلمان ہو کر ہی پہنچے اور جو کوئی آپ کی طرف سے آ جائے گا اسے ہم نہ لوٹائیں گے۔ مسلمانوں نے اس شرط پر تعجب کیا اور کہنے لگے ہم کس طرح اسے لوٹائیں گے جو مسلمان ہو چکا ہو۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب سہیل نے اس شرط کا ذکر کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا ہی ہوگا۔ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس شرط پر راضی ہوتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور فرمایا ''اے عمر رضی اللہ عنہ! جو کوئی ان کے پاس سے ہمارے پاس مسلمان ہو کر آئے گا اور ہم اسے لوٹائیں گے تو حق تعالیٰ اس کیلئے کشادگی اور آزادی کی راہ پیدا فرما دے گا۔ جو کوئی ہم میں سے انحراف کر کے مشرکوں کی طرف جائے گا ہمارا اس سے کیا سروکار ہے وہ کفار کی صحبت کے ہی لائق ہے' اس آخری شق کا وقوع بہت کم ہوگا اور یہ کمتر واقع ہوگا۔ لیکن شق اول وقوع پذیر ہوگا لیکن بالآخر عاقبت بخیر اور معاملہ احسن وجود میں آئے گا۔ جیسا کہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ کا قصہ آخر قضیہ میں مذکور ہوگا اور خوب واضح ہو جائے گا۔ اسی گفتگو کے دوران ابوجندل رضی اللہ عنہ جو سہیل بن عمرو کے لڑکے تھے اور وہ پہلے سے مسلمان تھے۔ ان کو ان کے باپ نے قید خانہ میں بیڑیاں پہنا کر محبوس کر رکھا تھا۔ وہ کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے خود کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا۔ سہیل نے کہا ''اے محمد صلی

اللہ علیہ وسلم! یہ پہلا امر ہے جس پر صلح قرار پا چکی ہے ان کو میرے سپرد فرمایئے اور ہماری طرف لوٹایئے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''صلح نامہ کی کتابت سے ابھی ہم فارغ نہیں ہوئے ہیں۔ یہ شرط صلح کے تمام ہونے کے بعد سے نافذ ہوگی مگر اس نے مکابرہ ومجادلہ ضد وہٹ دھرمی دکھائی اور کہنے لگا۔ ''اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو ہم صلح نہیں کرتے اور کسی بات میں بھی ہمارے اور تمہارے درمیان صلح نہیں ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا ''اس ایک معاملہ کو میری خاطر سے مستثنیٰ رکھو اور نرمی وآسانی پیدا کرو''۔ اس نے کہا ''میں نہیں کرتا''۔ پھر فرمایا ''مان لے'' اس نے کہا ''میں نہیں مانتا''۔ ہر چند حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرار فرمایا اور منوانے میں مبالغہ کیا مگر سہیل نے قساوت وعداوت کی بنا پر جو بیٹے کے مسلمان ہو جانے سے پیدا ہوئی تھی قبول نہ کیا۔ کرز ابن حفص باوجود یکہ وہ فاجر وغادر تھا اس نے کہا ہم مانے لیتے ہیں مگر سہیل نے قبول نہ کیا۔ آخر کار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو اس کے سپرد کر دیا اور فرمایا ''اب ان پر عذاب وایذا نہ کرنا''۔ کرز اس کا ضامن ہو گیا۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ نے کہا ''اے مسلمانو! مجھے مشرکوں کے سپرد نہ کرو میں مومن ومسلمان ہو کر تمہاری پناہ میں آیا ہوں، تمہیں معلوم نہیں ان کافروں نے مجھ پر کس کس طرح کے عذاب پہنچائے ہیں''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے ابو جندل رضی اللہ عنہ! صبر کرو اور دل کو خوش رکھو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر اعتماد رکھو یقیناً وہ تمہارے لیے کشادگی اور آزادی کی راہ پیدا فرمائے گا۔ اب ان لوگوں کے ساتھ شرط واقع ہو چکی ہے اور عہد باندھا جا چکا ہے۔ غدر وبیوفائی ہمارا کام نہیں ہے۔ صبر کرو۔ فَاِنَّ الصَّبْرَ مِفْتَاحُ الْفَرَجِ بلاشبہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔

اس مقام میں علماء دو وجہیں بیان کرتے ہیں ایک یہ کہ ایسی حالت میں جیسی ان کی ہے اجر وثواب نقد ہے اور اس کا حصول عزیمت ہے۔ باقی اگر رخصت پر عمل کرے، ظاہر کو باطن کے موافق نہ بنائے اور اپنے اسلام کو کافروں پر ظاہر نہ کرے تو بھی جائز ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ باپ کتنی ہی دشمنی اور بے مہری کرے۔ نسبت پدری کا علاقہ نہیں ٹوٹتا جب تک کہ وہ مر نہ جائے۔ اسی بنا پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو ابھارا کہ وہ باپ کو قتل کر دے اور خوب ظاہر ووضاحت کے ساتھ اسے سمجھایا کہ یہ مشرکین نجس ہیں ان کا خون کتوں کے خون کی مانند ہیں تم اپنے باپ کو قتل کر دو۔ مگر ابو جندل رضی اللہ عنہ باپ کو قتل نہ کر سکے اور اپنے باپ کو مارنے، اس کے ہلاک کرنے میں بخیلی دکھائی اور باپ سے بھی اس کا وجود سرزد نہ ہو سکا اور وہ بھی اپنے بیٹے کو ہلاک وقتل کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔

غرضکہ گفت وشنید سے جب صلح کی شرائط طے پا گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قلم دوات اور کاغذ حضرت اوس رضی اللہ عنہ بن خولی انصاری کو دیا تاکہ وہ صلح نامہ لکھیں۔ یہ خط وکتابت میں مہارت رکھتے تھے۔ سہیل نے کہا ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! صلح نامہ آپ کے چچا کے فرزند علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات اس بنا پر ہوگی کہ مصالحت، معاہدہ اور اس کے نقص کے معاملہ میں احق واولیٰ شخص عصبات اور اس کے گھر والے ہی ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر سورہ توبہ کے پڑھنے کیلئے جس میں نقض عہد اور منافقین کی توبہ تھی۔ حج کیلئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحاج کر کے بھیجنے کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یا حضرت عثمان لکھیں چونکہ عثمان رضی اللہ عنہ بھی عصبات میں سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا لکھو۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سہیل نے کہا ہم ''رحمٰن'' کو نہیں پہچانتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا ''الرحمٰن الرحیم'' کیا ہے؟ ہم اسے نہیں جانتے۔ لکھو 'بسمک۔ جیسا کہ عام طور پر لکھا جاتا ہے اور جاہلیت میں متعارف ومعہود تھا کہ خط کے عنوان پر ''بسمک'' لکھتے تھے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کا کلمہ نہ تھا اسے تو دین اسلام نے وضع کیا ہے۔ اس پر مسلمانوں نے کہا واللہ ہم نہیں لکھیں گے۔ مگر ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے علی! لکھو 'بِسْمِكَ اللّٰهُمَّ''' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے ایسا ہی لکھا ہے یعنی ''بِسْمِكَ اللّٰهُمَّ

حالانکہ یہ سہیل کا جھگڑا پن ہے اس لیے کہ دونوں کلاموں کا مضمون ایک ہی ہے اور جو کچھ کافروں نے چاہا اس میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے۔ خرابی تو اس صورت میں تھی اگر وہ اپنے شیطانوں اور بتوں کے نام کا مطالبہ کرتے۔

اس کے بعد فرمایا لکھو ھٰذَا مَا قَاضٰی بِہٖ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ فرمایا ہے یہ وہ ہے۔) حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے اسے لکھ لیا۔ سہیل نے کہا ''ہم آپ کی رسالت کا اقرار نہیں کرتے۔ خدا کی قسم! اگر ہم جانتے کہ آپ خدا کے رسول ہیں تو اس کے گھر کی زیارت سے ہم آپ کو نہ روکتے۔ اس میں لکھئے ''محمد بن عبداللہ'' سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں۔ لکھو محمد بن عبداللہ اور لفظ رسول اللہ کو محو کر کے اس کی جگہ ابن عبداللہ لکھ دو۔ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے کہا میں ایسا ہرگز نہیں کرسکتا کہ میں وصف رسالت کو محو کردوں۔ روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کاغذ کو ہاتھ سے رکھ دیا اور ہاتھ تلوار پر لے گئے۔ حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محو کرنے سے انکار کرنا' از باب ترک امتثال نہیں ہے جو مستلزم ترک ادب ہے بلکہ عین امتثال و ادب ہے جو انتہائی عشق و محبت پر دلالت کرتا ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے تحریر لے کر لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محو کر کے اس کی جگہ ابن عبداللہ لکھ دیا۔ واضح رہنا چاہیے کہ اس حدیث کی ظاہر عبارت ایسی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس لفظ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے لکھا۔ بعض کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اس کے لکھنے کا حکم فرمایا۔ جیسا کہ قیصر و کسریٰ کو خطوط لکھنے کے بارے میں مروی ہے۔ اور کلام عرب میں ایسا مجاز متعارف ہے۔ اس باب میں بحث طویل ہے آخر مبحث میں اس پر ہم خبردار کریں گے۔

معارج النبوۃ میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے علی رضی اللہ عنہ! تمہیں بھی ایسا ہی معاملہ آگے درپیش ہوگا۔ بیان کرتے ہیں کہ جب قضیہ صفین میں صلح قرار پائی تو صلح نامہ میں لکھا گیا کہ یہ کتابت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی مصالحت معاویہ بن ابوسفیان کے ساتھ ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا لفظ امیر المومنین کو کاٹ دو اور لکھو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ اگر میں ان کو امیر المومنین جانتا تو ان کے ساتھ جنگ نہ کرتا اور ان کی پیروی و اطاعت کرتا۔ اس پر علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا اور جس طرح حضرت امیر معاویہ نے کہا لکھا گیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے دن صحابہ کرام انتہائی اندوہناک اور غمگین ہوگئے تھے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ان کے تصور میں یہ خیال جاگزیں ہوگیا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کا نتیجہ اسی سال ظاہر ہوگا' مکہ کی فتح حاصل ہوگی اور مسلمان مسجد حرام میں داخل ہوں گے۔ تاریخ میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس دن میرے دل میں بڑا ہیجان برپا تھا اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح سامنے آیا کہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہ آیا تھا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا کیا آپ نبی برحق نہیں ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نبی برحق ہوں'' میں نے عرض کیا ''کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ اور مخالفین باطل پر نہیں ہیں''۔ فرمایا ''ہاں۔ تم حق پر ہو اور مخالف باطل پر ہیں''۔ میں نے عرض کیا ''پھر کس لیے ہم ایسی ذلت و حقارت برداشت کریں؟ اور ایسی صلح کر کے لوٹیں؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے خطاب کے بیٹے! بلاشبہ میں خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں اور خدا کے حکم کے بغیر میں کچھ نہیں کرتا۔ وہی میرا معین و مددگار ہے۔ وہ مجھے یونہی نہ چھوڑے گا''۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صلح وحی کے ساتھ واقع ہوئی تھی اور رائے اور اجتہاد سے نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ''کیا آپ نے ہم سے وعدہ نہیں فرمایا تھا کہ عنقریب ہم مکہ میں داخل ہوں گے اور خانہ کعبہ کا طواف بجالائیں گے؟ فرمایا ''ہاں میں نے

وعدہ کیا ہے لیکن میں نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اسی سال''۔اے عمر رضی اللہ عنہ تم غم نہ کرو تم ضرور خانہ کعبہ کی زیارت کرو گے اور طواف بجالاؤ گے''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسی طرح غم واندوہ میں مبتلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک سے اٹھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ ان سے ایسی ہی گفتگو کی جس طرح کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تھی۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحمت فرمایا تھا۔ یہ حکایت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کمال علم، وفور صدق ویقین اور متابعت پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے مَاصَبَّ اللّٰہُ فِیْ صَدْرِیْ شَیْئًا اِلَّا وَصَبَبْتُ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقِ. اللہ تعالیٰ نے جو کچھ میرے سینہ میں بھرا میں نے وہ سب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سینہ میں بھر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''اے عمر رضی اللہ عنہ جاؤ' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب سعادت ہاتھ میں لو' کسی قسم کا اعتراض نہ کرو۔ وہ خدا کے بھیجے ہوئے ہیں جو کچھ کرتے ہیں وحی سے کرتے ہیں۔ اس میں مصلحت ہوگی اور خدا ان کا ناصر و مددگار رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول دریافت کرنے اور معلوم کرنے کیلئے تھا نہ کہ برسبیل شک وانکار حاشا وہ اس سے پاک ہیں''۔ اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر گزر گئی۔ اس دن جو وسوسہ شیطانی اور نفس کا دھوکہ میرے دل میں لاحق ہوا تھا اس پر میں برابر استغفار میں مشغول ہوں' اعمال صالحہ مثلاً روزہ' نوافل' غلاموں کو آزاد کرنا اور صدقہ وخیرات کے ذریعہ توسل کرتا ہوں تا کہ اس کا کفارہ ہو اور میں بری ہو جاؤں''۔

منقول ہے کہ صلح حدیبیہ کی مدت میں اتنے مشرکین مسلمان ہوئے جو ابتدائے بعثت سے وقت مصالحت تک کی تعداد کے مساوی ہو گئے تھے۔ اور صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے اسلام میں صلح حدیبیہ کے برابر کوئی فتح نہ تھی لیکن یہ بات عقل کی سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ ایسا بھید ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور رب تعالیٰ کے درمیان تھا لیکن لوگ عجلت پسند ہیں اور حق تعالیٰ عجلت سے منزہ و پاک ہے۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ اس صلح پر جو مصالح مترتب ہوئے اور روشن واضح ثمرات وفوائد ظاہر ہوئے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں مکہ فتح ہوا۔ مکہ والے اسلام میں داخل ہوئے اور عام لوگ خدا کے دین میں داخل ہوئے۔ اس لیے کہ صلح سے پہلے کفار مسلمانوں کے ساتھ مختلط اور ملے جلے نہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوضاع واطوار اور آپ کے حالات ان پر ظاہر نہ تھے۔ جیسا کہ چاہیے اور صحبت وخلوت کسی کے ساتھ نہ رکھتے تھے۔ جو وہ جانتے اور علم حاصل کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و صفات کی خبر ہوتی اور ان پر حقیقت واضح وروشن ہوتی۔ جب صلح حدیبیہ واقع ہوئی تو کفار مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے اور مدینہ طیبہ آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے احوال سے باخبر ہوئے اور صحابہ کفار کے سامنے بے دھڑک قرآن پڑھتے اور بے خوف مباحثہ ومناظرہ کرتے اور مسلمان بے جھجک مکہ مکرمہ جاتے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ تنہائیوں میں بیٹھتے۔ اپنے یاروں' دوستوں میں بیٹھتے' ان کو نصیحتیں کرتے۔ جب اہل مکہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال شریفہ' معجزات ظاہرہ' آثارہ بینہ کو سنا اور آپ کی نبوت کی نشانیوں' آپ کے حسن سیرت اور جمال طریقت سے وہ باخبر ہوئے تو ان کے دلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہوئی۔ ان کے باطن' ایمان واحکام کی طرف مائل ہوئے حالانکہ یہ وہی لوگ تھے جو اس سے پہلے اہل کفر وطغیان کی باتوں اور نفس و شیطان کی فریب کاریوں کے سوا کچھ نہ سنتے تھے۔ پھر صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان بہت بڑی جماعت اسلام لے آئی۔ اور اسلام اور مسلمانوں سے خاص لگاؤ پیدا ہوا یہاں تک کہ نور فتح مکہ طلوع ہوا۔ دین کے براہین روشن ہوئے اور اہل عرب' قبائل قریش کے سوا جو وادیوں اور پہاڑوں میں رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے اسلام کو فتح مکہ اور وہاں کے رہنے والوں کے مسلمان ہونے پر موقوف کر رکھا تھا جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور قریش اسلام لے آئے تو حق تعالیٰ کا یہ فرمان حق ظاہر ہوا کہ:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ o وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا o جب اللہ کی مدد اور فتح آئی اور تم نے دیکھا کہ لوگ خدا کے دین میں فوج درفوج داخل ہوتے ہیں۔

ان تمام امور وفتوح کا مبداوسرچشمہ یہی صلح حدیبیہ تھی۔ مفسرین کی بیشتر جماعت حق سبحانہ کے قول "اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا"۔ میں فتح سے یہی صلح حدیبیہ کا قصہ مراد لیتی ہے۔ اس کے ساتھ وہ اقوال بھی ہیں جو پہلے ذکر کیے گئے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا مشرکوں کے ساتھ ایسی صلح (کسی مسلمان کیلئے نبی کے سوا) جائز ہے کہ جو کوئی مسلمان ان کی طرف آئے اس کو انہیں لوٹا دیں گے۔ علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ جائز ہے بر بنائے قصہ ابوجندل رضی اللہ عنہ، ابوبصیر رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت علماء کی یہ کہتی ہے یہ جو کچھ واقع ہوا منسوخ ہے۔ اس کی ناسخ یہ حدیث ہے کہ فرمایا اَنَا بَرِئٌ مِنْ مُسْلِمٍ بَيْنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ یعنی میں اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکوں کے درمیان ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا قول یہی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک عاقل و مجنون اور بچوں کے درمیان حکم میں فرق ہے۔ مطلب یہ کہ مجنون اور بچے تو لوٹائے نہ جائیں گے اور عاقل کو لوٹایا جائے گا۔

دست اقدس سے کتابت فرمانے کی بحث: تنبیہ: پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ علماء سیر اور تواریخ کے درمیان اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسم شریف کی خود کتابت فرمائی۔ جیسا کہ قریش نے چاہا یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ لکھو۔ پہلے قول کے قائلین ظاہر حدیث سے استدلال وتمسک کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا مجھے وہ جگہ بتاؤ جہاں 'محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحریر ہے۔ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وہ جگہ بتائی۔ پھر آپ نے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کو محو فرما کے محمد بن عبداللہ کو اس کی جگہ لکھا۔ اسی طرف ابوالولید باجی جو علماء مغرب کے اعاظم میں سے ہیں گئے ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے باوجود اس کے کہ آپ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اسے تحریر فرمایا ان کے زمانہ کے اندلس کے علماء نے ان کو برا کہا اور ان کی طرف کفر وزندقہ کی نسبت کی۔ بایں سبب کہ ان کا قول نص قرآنی کے مخالف ہے۔ اسی معنی میں ان علماء میں سے ایک نے یہ شعر کہا۔ شعر:

بَرِءْتُ مِمَّنْ شَرٰى دُنْيَا بِاٰخِرَتِهٖ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ كَتَبَهٗ

مطلب یہ کہ میں اس شخص سے بیزار ہوں جس نے دنیا کے بدلے اپنی آخرت بیچی اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاشبہ خود لکھا۔

علماء اندلس نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تحریر و کتابت اور دیکھ کے پڑھنے سے مبرا ومنزہ بتایا۔ آپ کو نبی امی پیدا فرمایا اور اسے آپ کی نبوت کا برہان قرار دیا۔ فرمایا: وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ اور آپ نے اس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھی تھی اور نہ اپنے دست مبارک سے اسے آپ نے لکھا۔ اس وقت یقیناً باطل لوگ شک میں پڑتے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کتابت ثابت کرنا اس برہان کے ابطال کا موجب ہوگا اور موجب کفر ہوگا۔ جب علماء کے درمیان یہ مناظرہ اور مجادلہ برپا ہوا تو امیر وقت نے ان سب کو جمع کیا۔ ان علماء پر امیر وقت نے اپنے علم ومعرفت کا اظہار باجی کی حمایت میں کیا اور کہا کہ یہ قرآن کے منافی نہیں ہے بلکہ مفہوم قرآن سے ماخوذ ہے۔ اس لیے کہ نفی کو نزول قرآن سے ماقبل کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امیت متحقق وثابت ہوگئی اور اس کا ظہور، آپ کے معجزہ کے طور پر ہوا تو شک وارتیاب سے محفوظی حاصل ہوگئی۔ اس میں کوئی مانع اور حارج نہیں ہے کہ بغیر سیکھے تحقق امیت کے بعد کتابت سے واقف ہو جائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایک اور معجزہ ہے۔ ابن دحیہ نے بیان کیا ہے کہ افریقہ کے علماء کی جماعت نے اس معنی میں باجی کی موافقت کی ہے اور ابن دحیہ اکابر علماء میں سے ہیں۔ ابوذر جو امام بخاری کے راویوں میں سے ایک ہیں۔ ابوالفتح نیشاپوری اور دیگر

علماء عصر سب موافقت کرتے ہیں۔ بعض علماء تو ابن ابی شیبہ کی اس روایت سے جو بطریق مجاہد از عون بن عبداللہ مروی ہے۔ استدلال کرتے ہیں کہ کہا: مَامَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَتَبَ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت نہ ہوئی یہاں تک کہ کتابت فرمائی۔ مجاہد نے کہا میں نے اس مقولہ کو شعبی سے بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ عون نے ٹھیک کہا۔ بلاشبہ میں نے بھی کسی سے ایسا ہی سنا ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے آثار واخبار مروی ہیں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حروف وتحریر اور حسن تصویر پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کاتب سے فرمایا قلم کو اپنے کان پر رکھو یہ تمہاری یادداشت کیلئے زیادہ معاون ہے۔ حضرت امیہ سے فرمایا جبکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحریر کر رہے تھے سیاہی کو سیاہ رکھو (یعنی پھینکی نہ ہو) اور قلم کو بناؤ۔ اور باء کو پورا لکھو، سین کو کھینچ کر لکھو اور میم کو گول بناؤ۔ (یعنی بسم اللہ کو اس طرح لکھو) وہ فرماتے ہیں کہ اس بات سے اگرچہ یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے لکھا لیکن بعید نہیں ہے کہ آپ کو صنعت وانداز کتابت بھی مرحمت فرمایا گیا ہو۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو ہر چیز کا علم فرمایا ہے۔ جمہور نے جواب میں ان تمام حدیثوں کو ضعیف قرار دیا اور قضیہ حدیبیہ کے جواب میں کہا کہ یہ قصہ ایک ہی ہے اور کاتب حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ مسور بن مخرمہ کی حدیث میں جو صلح حدیبیہ کے باب میں اصل ہے تصریح کی گئی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں مروی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان حروف کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھا۔ اب رہا وہ نکتہ جو راوی کے قول میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کاغذ کو لے کر فرمایا اس کلمہ کی جگہ بتاؤ جس کے محو کرنے سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا تھا تو یہ اس قدر ہے کہ آپ نے خود محو فرمایا نہ کہ اس کی جگہ خود لکھا۔ گویا راوی کے قول میں حذف کتابت ہے اور تقدیر کلام یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حذف فرما کر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دیدیا پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس جگہ لکھا۔ لہٰذا کتب کے معنی حکم کتابت ہوگا۔ یہ بات کلام میں بہت ہے جیسا کہ قیصر وکسریٰ کی طرف سے خطوط لکھنے میں ہے اور حدیث کو ظاہر پر محمول کرنے کی تقدیر پر لازم نہیں آتا کہ اس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے لکھا ہو۔ بغیر اس بات کے کہ لکھنا جانتے ہوں اور صفت کتابت سے واقف ہوں اور اس کتابت کے بعد اپنی صفت امیت سے باہر آ گئے ہوں۔ اس لیے کہ بکثرت ایسے لوگ ہیں جو لکھنا نہیں جانتے مگر بعض کلمات کی صورتوں ان کی وضعوں کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔

اپنے ناموں کو اس کے باوجود ان سے امیت خارج نہیں ہوتی۔ جیسا کہ بہت سے بادشاہ ایسے گزرے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس سے کتابت جاری ہوئی ہو باوجود عدم علم بکتابت کے۔ لہٰذا خواہش کے موافق بر طریق اعجاز ظہور میں آیا ہو خصوصاً اس خاص وقت میں۔ اس بات سے آپ امی ہونے سے باہر نہیں آتے۔ یہ جواب ابوجعفر سمنائی نے دیا ہے جو ائمہ اصول میں سے ہیں اور ابن جوزی نے ان کے اتباع میں ان سب کو بیان کیا ہے۔

بندہ مسکین عبدالحق بن سیف الدین خصہ اللہ بمزید الصدق والیقین یعنی صاحب مدارج النبوۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اپنے دست مبارک سے اسم شریف کی کتابت میں خصوصیت کے ساتھ بحث کرنے میں خلاف اور تنگی کو گنجائش دیتا ہے حالانکہ حدیث شریف کی ظاہر عبارت بھی اس کی نظیر ودلیل ہے۔ اس لیے کہ اس کا واقع ہونا بطریق معجزہ ہے اور اس امیت کے جو مدار اعجاز اور برہان نبوت ہے اس کے منافی نہیں ہے۔

اگر کوئی کہے کہ امیت اور عدم وجود خط وکتابت جب تک نزول قرآن اور اقامت حجت متحقق ہے مادہ شبہ کی چشم ہوگا؟ بعد ازاں اگر وجود کتابت حاصل ہو تو کوئی موجب ضرر نہیں ہے اور شک وارتیاب کے گرداب میں نہیں پڑے گا۔ یہ بات محل نظر ہے اس لیے کہ اگر

ایسا ہوتا تو شبہ لوٹ سکتا ہے اور معاند کہہ سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خط وکتابت کو جانتے تھے مگر چھپائے ہوئے تھے۔ قرآن کریم میں جو فرمان باری ہے کہ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ معاند کو کیا فائدہ دیتا۔ شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حق وصواب یہی ہے کہ "کتب" کے معنی لکھنے کا حکم فرمانا ہے۔ (واللہ اعلم)

بعد صلح حدیبیہ قربانی کرنا: جب صلح نامہ کی کتابت مکمل ہوگئی تمام اکابر صحابہ کرام اور بعض مشرکین نے بھی اپنی گواہیاں لکھ دیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ اب اٹھو اور اپنے ہدی کے اونٹوں کو ذبح کردو۔ اپنے سر کے بال ترشوالو اور احرام سے باہر آ جاؤ۔ صحابہ کو چونکہ عمرہ ادا کیے بغیر لوٹنے کی وجہ سے حد درجہ رنج وملال لاحق تھا کوئی ایک صحابی نہ اٹھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پورا کرنے کیلئے کھڑا نہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوکر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ میں تشریف لائے اور صحابہ کا امتثال حکم شریف میں توقف کرنے کی شکایت فرمائی۔ سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں معذور جانئے کیونکہ ان کو عظیم صدمہ اور ملال پہنچا ہے۔ ان کے دل فتح مکہ کی آس لگائے ہوئے تھے اور یقین کیے ہوئے تھے کہ عمرہ کرکے لوٹیں گے۔ باوجود فقدان مطلوب آپ نے قریش کے ساتھ صلح کرلی اور جو کچھ ان کو آپ سے خواہش تھی قبول نہ فرمایا۔ اگر آپ کی خاطر مبارک میں یہ ہے کہ صحابہ قربانی کریں اور اپنے سر منڈوائیں۔ تو آپ اٹھیے اور کسی سے کچھ نہ فرمایئے' اپنے اونٹوں کا نحر فرمایئے اور اپنے سر مبارک کو مونڈیئے۔ جب وہ دیکھیں گے کہ آپ ایسا کررہے ہیں تو ان کو بجز آپ کی متابعت کوئی چارہ نہ ہوگا۔ وہ سب بھی وہی کرنے لگیں گے جو آپ کریں گے"۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور حلق فرمایا۔ صحابہ بھی کرنے لگے لیکن غم واندوہ سے صحابہ کا حال اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ وہ خود کو ہلاک کردیں اور مار ڈالیں۔ اس کے بعد کچھ صحابہ نے سر منڈایا اور کچھ صحابہ نے بال ترشوائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اغْفِرِ الْمُحَلِّقِيْنَ. اے خدا سر منڈانے والوں کو بخش دے' اس پر صحابہ نے عرض کیا: وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. یعنی بال ترشوانے والے بھی بخشے جائیں۔ دوسری اور تیسری مرتبہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اَللّٰهُمَّ اغْفِرِ الْمُحَلِّقِيْنَ. ہی کہا۔ صحابہ نے عرض کیا: وَالْمُقَصِّرِيْنَ. چوتھی مرتبہ اَلْمُقَصِّرِيْنَ فرمایا: بار باریہی دعا فرماتے رہے اور سر منڈانے والوں کی فضیلت کی زیادتی کو ملحوظ رکھا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل کا وہ اونٹ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں میں تھا مشرکوں نے چاہا کہ آپ کو اس کے ذبح سے باز رکھیں۔ سہیل بن عمرو جو صلح میں مرتب ومسبب تھا اس نے مشرکوں کو بہت جھڑکا اور برا کہا۔ کہا کہ اگر ایسی ہی تمہاری خواہش ہے تو اس اونٹ کے عوض سو اونٹ دیدو شاید کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مان جائیں۔ پھر وہ سو اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا اور فرمایا "اگر اس اونٹ کو اس کیلئے مقرر نہ کردیا ہوتا تو تمہاری عرض داشت قبول کرلی جاتی"۔ عجب ہے ان بدبختوں نے اس اونٹ کو شرائط میں داخل کیوں نہ کیا یا ممکن ہے کہ قبول نہ فرمایا۔ علماء فرماتے ہیں کہ ابوجہل ملعون کے اس اونٹ کو ذبح کرنے کا مقصد کفار کو غیظ میں لانا اور ان کے دلوں کو توڑنا تھا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس اونٹوں کو جن میں ابوجہل کا اُونٹ بھی تھا اپنے دست مبارک سے نحر فرمایا۔ باقی کو ناجیہ رضی اللہ عنہ بن جندب کو دیا کہ مکہ مکرمہ لے جاکر مروہ میں ذبح کریں اور ان کے گوشت کو وہاں کے فقراء ومساکین میں تقسیم کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہدی کے تمام اونٹوں کو حدیبیہ میں ہی نحر کیا گیا۔ اسی جگہ سے امام شافعی کے نزدیک نحر کے لیے حرم شرط نہیں ہے لیکن امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم تھا اور کچھ غیر حرم۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب قربانی اور بالوں کے نزدیک اور کاٹنے سے سب فارغ ہوگئے تو حق تعالیٰ نے ایک آندھی بھیجی یہاں تک کہ مسلمانوں کے بالوں کو وہ آندھی مکہ مکرمہ لے گئی اور انہیں حرم میں پھیلا دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے

سر مبارک کے بالوں کو کھجور کے درخت پر جو کہ قریب تھا رکھا اور صحابہ کرام ان مو ہیائے مبارک کے حصول کیلئے ایک دوسرے پر اثر دہام کرکے آئے۔ام عمارہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں بڑی سعی وکوشش سے ان میں سے چند مو ہیائے مبارک کی حصول یابی میں کامیاب ہوئی جو میرے پاس ہیں۔ میں بیماروں کیلئے پانی میں غسل دے کر اس غسالہ کو پلاتی ہوں اور وہ شفایاب ہوتے ہیں۔

حدیبیہ کے مقام میں لشکر اسلام کی اقامت تقریباً بیس روز رہی۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب واپس ہو کر منزل ''ضجنان'' ایک روایت میں ''کراع الغمیم'' کے قریب پہنچے تو سورۂ اِنَّا فَتَحْنَا جو دینی و دنیوی مقاصد اور ظاہری و باطنی کمالات کی جامع ہے نازل ہوئی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا آج رات مجھ پر ایسی سورۂ نازل ہوئی ہے جس کو میں ہر اس چیز سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں جس پر سورج طلوع کرے۔ صحابہ پر سورۂ اِنَّا فَتَحْنَا کی تلاوت فرمائی۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مبارک باد دی اور صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تہنیت ادا کی۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ مفسرین کی مراد اس فتح سے صلح حدیبیہ ہے جو کہ فتوحات کثیرہ اور فیوضات عظیمہ کا مبداء و مقدمہ ہے۔اس امر کی وضاحت خوب اچھی طرح ہو چکی ہے۔مفسرین کی ایک جماعت اس سے فتح مکہ مراد لیتی ہے اور بعض لوگ فتح خیبر مراد لیتے ہیں۔اگرچہ یہ فتوحات اس وقت تک وجود میں نہیں آئی تھیں اور ان کا وقوع نہ ہوا تھا مگر اس کا تحقق صیغہ ماضی کے ساتھ ذکر کرکے کر دیا۔جیسا کہ اہل زبان عرب کی عادت اور قرآن مجید کی روش ہے۔ (واللہ اعلم)

اس قصہ کے عجائب و غرائب میں سے ابوبصیر کا قصہ ہے جو عتبہ بن اسد ثقفی کے بیٹے اور بنی زہرہ کے ہم سوگند و حلیف تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صلح فرما چکے اور حدیبیہ سے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو یہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے فرار ہو کر سات دن پیدل مسافت طے کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے۔ کفار قریش نے ان کے مطالبہ کیلئے دو شخصوں کو بھیجا۔ان میں سے ایک تو بنی عامر میں سے تھا اس کا نام معلوم نہ ہوا اور دوسرا کوثر نامی اس کا ملازم و ساتھی تھا۔ان دونوں نے ایک خط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہیے کہ بمقتضائے صلح' جو صلح حدیبیہ میں طے ہو چکا ہے ابوبصیر کو لوٹا دیں''۔ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے مشرکوں کا خط پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا اور اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو ان کے سپرد کر دیا۔ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے مشرکوں کی طرف بھیجتے ہیں''۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس قوم نے ہمارے ساتھ عہد باندھا ہے اور تم جانتے ہو کہ ہمارا کام غدر و بے وفائی نہیں ہے۔ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے کام میں کشادگی فرمائے گا اور فراخی و آزادی کی کوئی سبیل پیدا کر دے گا''۔ پھر وہ دونوں مشرک ان کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب انہوں نے ذوالحلیفہ پر پڑاؤ کیا تو ابوبصیر رضی اللہ عنہ نصر اللہ عنہ وہاں کی مسجد میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی اور راستہ کا کھانا جو وہ اپنے ساتھ رکھتے تھے اپنے سامنے رکھا اور ان دونوں ساتھیوں کو بھی اپنے سامنے بلایا تاکہ ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائیں اور ایک دوسرے سے انسیت پیدا ہو۔ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے عامری کا نام و نسب پوچھا اور کہا کہ یہ تیری تلوار تو بڑی عمدہ معلوم ہوتی ہے۔عامری نے تلوار کو نیام سے نکال کر کہا تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں نے بارہا اس کو آزمایا ہے اور اس نے بہت کام دیا ہے۔ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے دینا میں دیکھوں؟ عامری نے غفلت و بے پرواہی سے تلوار ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیدی۔ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ میں تلوار لیتے ہی ایک ضرب سے اس کو جہنم رسید کر دیا۔کوثر نے جو یہ حال دیکھا الٹے قدم مسجد سے نکل کر بارگاہ نبوت کی جانب بھاگا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کو دور سے بھاگتے ہوئے ملاحظہ فرمایا۔جب یہ قریب آیا تو اس نے کہا میرے ساتھی کو قتل کر دیا گیا ہے اور میں خطرے میں ہوں۔ اتنے میں ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے بھی عامری کی تلوار حمائل کیے اس کی سواری پر سوار اسی وقت مدینہ منورہ پہنچ گئے اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے۔''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے تو مجھے سپرد کرکے اپنے

عہد کا ایفا فرما دیا۔ اب مجھے حق تعالیٰ نے ان سے آزادی بخشی اور ان کے شر سے محفوظ رکھا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَيْلٌ لِاَبِيْ بَصِيْرٍ مُسْعِرُ حَرْبٍ لَوْ كَانَ لَهُ اَحَدٌ ''یعنی یہ ابوبصیر جنگ کی آگ کو بھڑکانے والا اور تیز کرنے والا ہے اور کوئی جو اس کی امداد و اعانت کرے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو چاہیے کہ بھاگ جائے اور جو مسلمان مکہ مکرمہ میں محبوس و ممنوع ہیں ان کے ساتھ مل جائے۔ شارحین کے نزدیک اس کا یہی مطالبہ ہے۔ اس عبارت کا مطلب ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے عمل کی مذمت و برائی کرنا نہیں ہے بلکہ مراد تعجب ہے کہ یہ شخص عجیب مرد فرزانہ اور بہادر ہے۔ اگر کوئی اس کی نصرت و اعانت کرے تو یہ بڑے بڑے کام کر سکتا ہے اگرچہ سیاق کلام اور اقتضائے مقام سرزنش اور شکایت کے غماز ہیں۔ کہ یہ شخص جنگ اور فتنہ کی آگ کو بھڑکائے گا' اور کوئی ہے جو اسے سمجھائے کہ یہ ہمارے پاس نہ آئے اور یہاں سے چلا جائے۔ کیونکہ اس کی ہمارے پاس موجودگی' فتنہ اور جنگ کا باعث بن سکتی ہے اور یہ کہ کوئی ہے جو انہیں پکڑ کر دوبارہ قریش کے سپرد کر دے۔ اس میں فرار کی طرف بھی تلقین و تعلیم ہے۔ (فافہم)

ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ بات سنی تو فوراً واپس ہوئے اور مسجد سے نکل کر بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ساحل دریا پر پہنچ کر ''منزل عیص'' میں ٹھہر گئے۔ یہ منزل قریش کے شام کی طرف تجارت کی غرض سے جانے والے قافلوں کی گزرگاہ تھی۔ پھر تو رفتہ رفتہ ایسا ہوا کہ جو کوئی اہل مکہ میں سے مسلمان ہوتا وہ ان کے پاس آ جاتا اور یہ لوگ اسی طرح مجتمع ہوتے جاتے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوجندل رضی اللہ عنہ کو جو سہیل بن عمرو کا بیٹا تھا' جو حدیبیہ میں مسلمان ہو کر آیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس کے باپ کے سپرد کر دیا تھا۔ پیغام پہنچایا اور ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے قصہ کی خبر پہنچائی۔ تو وہ بھی باپ کے پاس سے بھاگ کر ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے یہاں تک کہ ایسے لوگوں سے ایک بہت بڑی جماعت بن گئی اور یہ قریب تین سو کے ہو گئے۔ قریش کا جو قافلہ بھی شام کی طرف جاتا یہ حضرات اس قافلہ کو سر راہ پکڑ لیتے۔ قافلہ کے لوگوں کو قتل کر دیتے اور ان کے اموال پر قبضہ کر لیتے تھے۔ چنانچہ قریش اس صورت حال سے تنگ آ گئے اور اپنے کیے پر پشیمان ہونے لگے۔ ابوسفیان بن حرب کو قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور خدا کی قسم دی کہ اس جماعت کو اپنے پاس بلا لیں۔ ہم اس شرط کو اٹھاتے ہیں ہم میں سے جو کوئی آپ کے پاس آئے گا امان میں رہے گا' ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کے بعد خواجہ کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات نے کسی کو ان کی طرف بھیج کر انہیں اپنے ظل عاطفت میں بلا لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک خط ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے نام لکھا کہ تم اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ ہمارے حضور آ جاؤ۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو پہنچا تو وہ نزع کے عالم میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ گرامی ہاتھ میں لیا سر' آنکھوں پر رکھا اور جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ اس کے بعد ابوجندل رضی اللہ عنہ نے ان کو غسل دے کر تجہیز و تکفین کر کے دفن کیا' ان کی قبر کے پاس ایک مسجد بنائی اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ آ گئے۔

بادشاہوں کی طرف وفود و فرامین کی ترسیل

اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف و اکناف کے سلاطین اور بادشاہوں کی طرف وفود اور فرامین ارسال فرمائے۔ بعض اہل سیر کا خیال ہے کہ ترسیل فرامین کا عمل ہجرت کے ساتویں سال ماہ محرم سے تعلق رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ چونکہ یہ چھٹے سال کے آخر اور ساتویں سال کے شروع میں تھا یا یہ کہ چھٹے سال میں ارادہ فرمایا۔ ساتویں سال اس پر عمل ہوا یا یہ کہ کچھ کو چھٹے سال میں بھیجا اور کچھ کو ساتویں سال میں۔ اس بنا پر ان کو اشتباہ لاحق ہو گیا۔ (واللہ اعلم)

انگشتری مبارک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ارادہ فرمایا کہ ان بادشاہوں کوفرمان ارسال فرمائیں تو صحابہ نے عرض کیا۔ بادشاہ لوگ جس خط پر مہر نہ ہوا سے درخور اعتناء نہیں گردانتے اور نہ اسے پڑھتے ہیں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگشتری بنوائی اور صحابہ میں سے جن کو مقدرت تھی انہوں نے بھی اپنے لیے سونے کی انگشتری بنوالی۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ مردوں کو (دنیا میں) سونا پہننا حرام ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے انگشتری نکال دی۔ صحابہ نے بھی نکال دی اور فرمایا چاندی کی انگشتری بناؤ جس کا حلقہ اور نگینہ بھی چاندی کا ہو اور نگینہ پر ''محمد رسول اللہ'' نقش ہو۔ اس طرح کہ اللہ ایک سطر میں ''رسول دوسری سطر میں اور محمد تیسری سطر میں''۔

ایسی مہر کے ساتھ جن بادشاہوں کے نام فرامین نبوی بھیجے گئے ان میں سے ایک نجاشی شاہ حبشہ' دوسرا ہرقل شاہ روم' تیسرا اکسریٰ شاہ فارس مداین کے نام' چوتھا مقوقس حاکم اسکندریہ' پانچواں حارث بن ابی شمر غسانی حاکم شام کے نام' چھٹا ہودہ بن علی حنفی والی یمامہ کا تھا۔ یہ چھ اشخاص ہیں جن کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط ارسال فرمائے۔ بعض اہل سیر ساتویں شخص کا نام بھی بتاتے ہیں وہ منذر بن سادی حاکم بحرین ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہر ایک قاصد جس بادشاہ کی طرف بھیجا گیا حق تعالیٰ نے اسے اس بادشاہ کی زبان الہام فرمادی۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا۔

مکتوب گرامی بجانب نجاشی شاہ حبشہ: نجاشی (بفتح نون یا بکسر نون وجیم مخففہ) کا نام اصحمہ بن الحر ہے اور ان کی طرف عمرو بن امیہ ضمری کو قاصد بنا کر بھیجا گیا تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سعادت مندوں میں سے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی انہیں پہنچا تو انہوں نے اس کا احترام کیا اور تخت سے اتر کر زمین پر آئے' ادب وتعظیم کے ساتھ مکتوب گرامی کو لے کر بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگالیا۔ حکم دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی نامہ کو پڑھیں۔ اس کا مضمون اس مفہوم کا تھا۔ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' محمد رسول اللہ کی جانب سے نجاشی شاہ حبشہ کی طرف میں تمہاری طرف اس خدا کی حمد وثنا بھیجتا ہوں جو بادشاہ برحق اور مالک مطلق ہے۔ اور وہ ہر عیب ونقص سے پاک ومنزہ ہے۔ وہ ہر آفات وعیوب سے محفوظ' آیات ومعجزات کے ذریعہ اپنے نبیوں کا مصدق اور اپنے بندوں کو قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ رکھنے والا ہے۔ وہی ان کو درجات رفیعہ پر فائز کرنے والا ہے۔ وہ ہر شئے پر غالب اور جبار' متکبر اور علیم ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ روح اللہ اور اس کے کلمہ ہیں۔ اور اس کلمہ کو مریم بتول' طیبہ اور حصینہ کی طرف القا فرمایا۔ اور وہ عیسیٰ سے وابستہ ہوئیں' پھر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو اپنی روح سے پیدا فرمایا اور اس روح کو ان میں پھونکا جس طرح کہ آدم علیہ السلام کو دست قدرت سے پیدا کیا تھا اور ان میں اپنی روح پھونکی تھی۔ اما بعد بلاشبہ میں تمہیں دین اسلام کی طرف بلاتا ہوں اور اس سے پہلے تمہاری طرف اپنے چچا کے فرزند حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو اور ان مسلمانوں کو جو ان کے ساتھ تھے بھیجا ہے۔ تمہیں سزاوار ہے کہ تجبر وتکبر کو اختیار نہ کرنا' سمع قبول سے میری نصیحت سننا اور انقیاد واطاعت کے زمرے میں داخل ہونا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی نجاشی نے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا۔ کہا کہ اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو خود چل کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا اور شرف حضوری کی سعادت سے بہرہ مند ہوتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی نامہ کا جواب اس مضمون کا لکھا ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب' نجاشی شاہ حبشہ کی طرف سے اے خدا کے نبی تم پر سلام ورحمت اور اس خدا کی برکتیں ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی مجھے اسلام کی راہ دکھانے والا ہے۔ اما بعد بلاشبہ آپ کا گرامی نامہ مجھے ملا۔ جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق آسمان وزمین کے رب

کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ کھجور کی گٹھلی پر جو چھلکا ہوتا ہے اتنا بھی (اس سے زیادہ) نہیں ہے۔ یقیناً میں نے آپ کی لائی ہوئی شریعت کی حقیقت کو جانا اور آپ کے چچا کے صاحبزادے اور آپ کے صحابہ کا اعزاز واحترام کیا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے راست گو رسول ہیں' گزشتہ نبیوں نے اور پچھلی کتابوں نے آپ کی تصدیق کی ہے۔ میں آپ کے چچا کے صاحبزادے کے واسطے سے آپ کی بیعت کرتا ہوں اور آپ کے دست اقدس پر اسلام قبول کرتا ہوں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اور میں آپ کی خدمت اقدس میں اپنے بیٹے ارحی بن اصحمہ کو حاضر کرتا ہوں۔ اے خدا کے رسول! اگر آپ حکم فرمائیں تو میں بھی آپ کی خدمت مبارک میں حاضر ہو جاؤں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ آپ نے فرمایا حق وصدق ہے۔ والسلام علیک یا رسول اللہ۔

دوسرا مکتوب گرامی بنام نجاشی: منقول ہے کہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور مکتوب نجاشی کو لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ ام حبیبہ بنت ابوسفیان کو جو کہ حبشہ کے مہاجرین میں سے ہیں ہمارا پیغام نکاح دے کر مدینہ منورہ روانہ کر دو۔ جس قدر مہاجرین حبشہ میں ہیں ان سب کو بھیج دو۔'' چنانچہ نجاشی نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ دیا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن سعید بن العاص کو وکیل بنایا تا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں انہیں دیدیں اور چار سو مثقال سونا مقرر کیا۔ تمام مہاجرین کو ساز وسامان مہیا کر کے دو کشتی میں بٹھا کر عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمری کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ نجاشی نے ہاتھی دانت کی ایک صندوقچی طلب کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں خطوط مبارک کو اس صندوقچی میں رکھ کر محفوظ کر کے کہا کہ جب تک یہ دونوں گرامی نامے اہل حبشہ میں رہیں گے ان میں خیر و برکت رہے گی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی نامے حبشہ کے بادشاہوں کے ہاتھوں میں اب تک باقی ہیں اور وہ ان کی تعظیم وتکریم بجا لاتے ہیں۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ یہ نجاشی اصحمہ تھا جس کی طرف مسلمان ہجرت کر کے نبوت کے پانچویں سال گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہجرت کے چھٹے سال فرمان عالی وقار لکھا تھا۔ اصحمہ نجاشی ہجرت کے نویں سال رحلت کر گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ لیکن ان کے بعد نجاشی والی حبشہ ہوا آپ نے اس کی طرف بھی مکتوب شریف بھیجا تھا اور دعوت اسلام دی تھی لیکن معلوم نہ ہوا کہ وہ اسلام لایا یا نہیں۔ مؤرخین نے ان دونوں نجاشیوں کے درمیان خلط ملط کیا ہے اور فرق ملحوظ نہیں رکھا ہے۔ صحیح میں جو یہ منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو خط لکھا تو یہ وہ نجاشی نہیں ہے جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی ہے۔ انتہی (واللہ اعلم)

مکتوب گرامی بنام ہرقل شاہ روم: لیکن ہرقل مشہور بکسر ہا وفتح را وسکون قاف ہے اور بسکون را وکسر قاف بھی کہتے ہیں۔ یہ قیصر روم کا نام ہے۔ قاموس میں ہے کہ یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے سکہ اور اشرفیاں بنائیں اور دیناروں پر ٹھپہ لگایا۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے احداث بیعت کیا۔ اس کی طرف مشہور صحابی وحضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کلبی (بفتح دال) کو قاصد بنا کر بھیجا گیا تھا۔ یہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کلبی وہی ہیں جن کی شکل وصورت اختیار کر کے جبریل علیہ السلام بارگاہ نبوت میں اکثر حاضر ہوتے رہے۔ یہ بڑے حسین وجمیل اور خوبصورت تھے۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو یہ حکم عالی از بارگاہِ رسالت پہنچا کہ مکتوب گرامی کو حاکم بصریٰ کے پاس لے کر جاؤ۔ وہ کسی کو تمہارے ساتھ بھیجے گا تا کہ وہ تمہیں ہرقل کے پاس لے جائے۔ اس پر حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ بموجب حکم عالی وقار جب ملک شام میں بصریٰ پہنچے۔ یہاں سے حارث بن ابی شمر کو جو اس خطہ کا ایک معزز شخص تھا اور عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم طائی کی صحبت میں رہا تھا اس کو ساتھ لے کر ہرقل کے دار السلطنت کی طرف روانہ ہو گئے۔ اتفاق سے ہرقل اس وقت بیت المقدس کی زیارت کیلئے گیا ہوا

تھا۔ چونکہ اس نے نذر مانی تھی کہ جب خسرو پرویز کے قبضہ سے روم کے بعض وہ علاقے جو رومیوں کے ہاتھ سے نکل کر فارسیوں کے قبضے میں چلے گئے تھے جب دوبارہ واپس مل جائیں گے تو وہ قسطنطنیہ سے برہنہ پا' بیت المقدس حاضری دے گا' مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھے گا اور عبادت کرے گا۔ چنانچہ جب رومی' فارسیوں پر غالب آ گئے تو اس نے حکم دیا کہ راستہ میں فرش بچھایا جائے اور اس پر گل وریا حین ڈالے جائیں۔ جب یہ بچھائے جا چکے تو وہ ان پر پاؤں رکھتا ہوا بیت المقدس گیا اور اپنی منت پوری کی۔ اسی زمانہ میں جبکہ وہ بیت المقدس میں تھا اس نے ایک رات ستاروں کی روش اور ان کے احکام اور اثرات پر غور کیا اور اسے ایسا معلوم ہوا کہ ان کے اثرات اور احکام کے زیر اثر اس کی ذات میں ایک تغیر وتبدل واقع ہوگا۔ چنانچہ وہ خبیث النفس اور منکر الہیہ ہو کر اٹھا۔ اس کے مصاحبوں نے اس سے پوچھا کہ آج ہم تجھے مکدر اور غمگین دیکھ رہے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا کہ فلکی ارضاع کی روش سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ملک الختان نے ظہور کیا ہے یعنی اس قوم کے بادشاہ نے ظہور کیا ہے۔ جس قوم میں ختنہ کرنے کی سنت ہے' قریب ہے کہ ان کا دست تسلط ہماری مملکت کے علاقہ میں داخل ہو جائے اور ان شہروں کے رہنے والوں پر وہ غلبہ وفتح پالیں۔ تم لوگ مجھے بتاؤ کہ ایسی کون سی قوم ہے جن میں ختنہ کرنے کی سنت ہے؟ مصاحبوں نے کہا ''اس زمانہ میں تو یہودی ہی ہیں جو ختنہ کرتے ہیں'' اس پر اس نے حکم دیا کہ ''جہاں بھی یہودی ہیں انہیں قتل کردو'' اسی دوران قیصر کے کان میں لوگوں نے یہ بات پہنچائی کہ ''ایک شخص عرب میں ظاہر ہوا ہے جس کے عجیب وغریب واقعات اور نرالے واقعات کے ظہور کی اطلاعیں آ رہی ہیں اور نقل کرنے والے اسے نور نبوت کے ظہور سے تعبیر کرتے ہیں اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال شریف بیان کرتے ہیں۔ یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ وہ شخص مختون ہے۔ ہرقل نے کہا ''ستاروں کی رہنمائی سے مجھ پر جو منکشف ہوا ہے اور جس جماعت کے بادشاہ کے ظہور کا پتہ چلا ہے وہ یہی جماعت ہے'' اسی اثناء میں حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کلبی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی لے کر عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم بصریٰ کے مصاحب کے ساتھ پہنچ گئے۔ انہوں نے وہ مکتوب گرامی ہرقل کو پہنچایا۔ اس مکتوب گرامی کا مضمون یہ تھا۔ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد بن عبداللہ بندۂ خدا اور اس کے رسول کی طرف سے ہرقل عظیم روم کی جانب سلام ہو۔ اس پر جو راہ راست کی پیروی کرے۔ اما بعد میں تمہیں کلمہ اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ گے تو تم سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں دونا اجر دے گا اور اگر تم اس بات سے پہلوتہی اور روگردانی کرو گے اور میرے دین کو قبول نہ کرو گے تو تم پر مزارعوں اور رعایا کا گناہ ہوگا۔ اے اہل کتاب:

تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ O

''آؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ایک دوسرے کو خدا کے سوا ارباب نہ بنائیں۔ اب اگر تم اعتراض کرو تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو ہم مسلمان ہیں''۔

ہرقل جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی نامہ کے مضمون سے باخبر ہوا تو اس کی ہیبت سے اس کی پیشانی پر پسینہ جاری ہو گیا اور اس کی مجلس میں شور وغوغا برپا ہو گیا۔ اس نے اپنے ارکان دولت سے کہا ''تلاش کرو کہ میری سلطنت میں کوئی ایسا شخص ہے جو اس دعوئے نبوت کرنے والی ہستی کی قوم میں سے ہوتا کہ میں اس کے حالات اس سے دریافت کروں''۔ اتفاق سے ابوسفیان بن حرب صلح حدیبیہ کے بعد تجارت کی غرض سے شام گیا ہوا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی لڑائیاں کر چکا تھا۔ لوگ ہرقل کے حکم سے اسے اس کے پاس بیت المقدس لے گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ابوسفیان سے نقل کرتے ہیں۔ اس نے بیان کیا کہ ہم قیصر روم کے دربار میں پہنچے تو اس نے پوچھا ''تم میں سے کون ہے جو قرابت داری کے اعتبار سے اس سے بہت قریب تر ہو'' میں نے کہا: ''میں اس سے نزدیک

تر ہوں کیونکہ وہ میرے چچا کے فرزند جلیل ہیں''۔ابوسفیان کی یہ بات بظاہر درست نہ تھی۔اس کا اس رشتہ سے یہ مقصد تھا کہ اس کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد کے درمیان اس کی نسبت ثابت تھی کیونکہ ابوسفیان کا جد امیہ بن عبدالشمس بن عبدمناف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف کے بیٹے تھے۔اس نسبت سے کئی پشتوں کے بعد دونوں کا خاندان ایک ہو جاتا تھا۔ابوسفیان نے مزید بیان کیا کہ اس کے بعد ہرقل نے مجھے اپنے سامنے بلایا اور میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے کھڑا کر دیا۔ ترجمان سے کہا''اس کے ساتھیوں سے کہہ دو کہ میں ابوسفیان سے اس ہستی مقدس کے حالات میں سے کچھ چیزیں دریافت کروں گا۔اگر یہ خلاف واقعہ جواب دے تو تم اس کی تکذیب کر دینا''۔ابوسفیان نے کہا''خدا کی قسم!اگر میں اس بات کی شرم وحیا نہ رکھتا کہ مجھ سے جھوٹ نقل ہو تو میں بہت سی باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ اور بہتان کی باندھتا''۔ابوسفیان نے سچ کہا وہ عداوت اور اختلاف جو اسے بارگاہ نبوت سے تھا اس کا تقاضا یہی تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھتا۔یہ جو اس نے تکلفاً کہا کہ حیا وشرم مانع آئی تھی غلط ہے کیونکہ حیا تو ایمان کا شعبہ ہے اور ایمان ہی اس میں نہ تھا۔ہاں لوگوں کے سامنے ذلت ورسوائی کا البتہ خوف تھا اور یہ کہ ہرقل نے اس پر اس کے ساتھی مقرر کر رکھے تھے کہ اگر یہ جھوٹ بولے تو مجھے بتانا تاکہ میں اسے سزا دوں۔اس کو انہی کا ڈر تھا ورنہ کوئی اور امر مانع نہ تھا۔

ابوسفیان نے بیان کیا کہ اس کے بعد ہرقل نے مجھ سے پوچھا کہ''اس ہستی مقدس کا اصل ونسب تمہارے درمیان کیا ہے؟''میں نے کہا''وہ ہمارے درمیان صاحب نسب شریف عظیم ہیں اس لیے کہ بنی ہاشم عبدمناف میں عظمت وشرافت والے گزرے ہیں''۔یہ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اولاد ابراہیم رضی اللہ عنہ میں سے اسمٰعیل رضی اللہ عنہ کو برگزیدہ فرمایا اور اولاد اسمٰعیل رضی اللہ عنہ میں سے قریش کو قریش میں سے ہاشم کو اور اولاد ہاشم میں سے عبدالمطلب کو برگزیدہ فرمایا۔چنانچہ میں ان تمام برگزیدگان میں سب سے برتر برگزیدہ ہوں ہرقل نے کہا''انبیاء مرسلین علیہم السلام اسی طرح شریف النسب ہوتے ہیں تاکہ ان کے پیروکاروں کو ان کی پیروی واتباع میں کسی قسم کی جھجک اور شرم وعار لاحق نہ ہو''۔پھر ہرقل نے پوچھا''کیا کسی نے ان سے پہلے بھی قریش کی قوم اور عرب میں سے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟''میں نے کہا''نہیں''اس نے کہا''اگر کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہوتا تو اس کا وہم لاحق ہو سکتا تھا اور میں کہتا کہ اس نے اپنے پیشرو کی بات کی تقلید کی ہے''۔بیان کرتے ہیں کہ ہرقل نے پوچھا''ان کے آباء میں سے کسی نے بادشاہی کی ہے؟''میں نے کہا''نہیں''اس نے کہا''اگر ایسا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ وہ شخص ہے جو اپنے باپ کی بادشاہت چاہتا ہے اور نبوت کو اس کا ذریعہ بنا کر اپنے باپ کی مملکت حاصل کرنا چاہتا ہے''ہرقل نے پوچھا''قوی اور بڑے لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں یا کمزور محتاج لوگ؟''میں نے کہا''محتاج لوگ''اس نے کہا''انبیاء علیہم السلام کی زیادہ تر ضعیف محتاج لوگ ہی پیروی کرتے ہیں''۔ہرقل نے پوچھا''ان کے پیروکار روز بروز بڑھتے جاتے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں؟''میں نے کہا''زیادہ ہوتے جاتے ہیں''۔اس نے کہا''اسی طرح ایمان کا کام بتدریج زیادہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ حد کمال کو پہنچ جاتا ہے''۔ہرقل نے پوچھا''کیا کوئی شخص ان کے دین سے برگشتہ ہوا ہے اور ان کے دین مبین کو مکروہ وناپسندیدہ جان کر اس سے پھرا ہے؟''میں نے کہا''نہیں''اس نے کہا۔''ایمان کی چاشنی ایسی ہی ہوتی ہے جب یہ دل میں سرایت کر جاتی ہے تو جان وروح سے پیوستہ ہو جاتی ہے اور دل سے نہیں نکلتی''۔ہرقل نے پوچھا''دعویٰ نبوت سے قبل کیا لوگ اسے کذب ودروغ کے ساتھ متہم قرار دیتے تھے؟''میں نے کہا''نہیں''اس نے کہا''ٹھیک ہے اور اب یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ لوگوں پر جھوٹ باندھے اور خدا سے جھوٹ منسوب کرتے''۔ہرقل نے پوچھا''کیا وہ غدر کا دعویٰ کرتا ہے۔مطلب یہ کہ وہ جنگ وغیرہ میں جو عہد وپیمان کسی کے ساتھ کرتا ہے کیا اسے توڑتا اور خلاف عہد کرتا ہے؟''میں نے کہا''نہیں''اس نے کہا''نبیوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ غدر نہیں کرتے اس لیے کہ غدر وبدعہدی دنیا کے طالبوں سے سرزد ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام طالب دنیا نہیں ہوتے''۔ابوسفیان

کہتے ہیں کہ میں نے اتنا اور زیادہ کہہ دیا کہ ''ان دنوں ہمارے اور ان کے درمیان ایک قسم کی صلح واقع ہو چکی ہے اور عہد و پیمان قائم ہو چکا ہے۔ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں نے یہ گمان کیا تھا کہ ان باتوں کے درمیان میری اس بات سے شاید ایک قسم کی منقصت لازم آئے گی اور اس میں تنقیص کا پہلو نکل آئے گا مگر یہ بات بطریق امکان واحتمال تھی۔خدا کی قسم! ہرقل نے اس بات کی طرف التفات ہی نہ کیا اور اس نے جان لیا کہ یہ ایسا احتمال ہے جو اپنی طرف سے اٹھایا گیا ہے۔اس کے بعد ہرقل نے پوچھا ''تمہارے اور ان کے درمیان جنگ واقع ہوئی ہے یا نہیں؟'' میں نے کہا ''ہاں'' اس نے کہا ''جنگ کی کیفیت اور اس کی حالت بیان کرو؟'' میں نے کہا ''کبھی وہ ہم پر غالب ہوئے ہیں جیسے بدر میں اور کبھی ہم ان پر غالب ہوئے ہیں یعنی احد میں'' اس نے کہا ''انبیاء کا حال ایسا ہی تھا کبھی دشمن کے غلبہ سے مغلوب ہو جاتے لیکن بالآخر اور انجام کار غلبہ ونصرت انہیں کا ہوتا'' ہرقل نے پوچھا ''وہ تمہیں کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟'' میں نے کہا ''وہ حکم فرماتے ہیں کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو' کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو اور جو کچھ تمہارے آباؤ اجداد کہتے اور کرتے ہیں اسے چھوڑ دو۔وہ ہمیں نماز' روزہ' صدقہ' راست گوئی' پارسائی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں''۔اس نے کہا ''جو کچھ تم نے بیان کیا یہی سب انبیاء علیہم السلام کی صفات حمیدہ اور عادات محمودہ ہیں۔'' تعجب ہے کہ ہرقل نے ابوسفیان سے یہ کیوں نہ پوچھا کہ پھر تم ان کی اطاعت کیوں نہیں کرتے اور ان پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ممکن ہے کہ اس نے یہ خیال کیا ہو کہ وہ یہی جواب دیں گے کہ وہ ہمارے باپ دادا کے خلاف حکم دیتے ہیں۔لیکن ہرقل نے یہ نہ پوچھا اس لیے کہ اسے معلوم تھا کہ یہ کافر ومعاند ہیں۔اہل سیر کہتے ہیں کہ ہرقل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی نامہ کو ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر صندوق میں محفوظ رکھا۔وہ مکتوب اس کی اولاد میں رہا اور کسی بادشاہ نے اپنے محل سے اسے باہر نہ کیا۔

اس کے بعد قیصر روم ہرقل نے ابوسفیان سے کہا ''جو کچھ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات بیان کیے ہیں اگر یہ واقع کے مطابق ہیں تو عنقریب وہ اس مملکت پر غلبہ پائیں گے اور ان شہروں پر فرمانروائی کریں گے۔میں وثوق سے جانتا ہوں کہ ایک نبی ان اوصاف کا ضرور پیدا ہوگا۔لیکن یہ یقین سے نہیں جانتا کہ وہ نبی تمہاری قوم میں سے ہوگا۔اگر میں جانتا' ممکن ہوتا تو میں ضرور ان کے پاس حاضر ہونے کی سعی وکوشش کرتا اور اس سعادت سے بہرہ مند ہوتا''۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہرقل' حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو خلوت میں لے گیا اور اس نے کہا ''خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ وہ نبی مرسل ہیں اور وہ وہی ہیں جس کے ہم منتظر تھے۔جن کی صفتیں آسمانی کتابوں میں ہم نے پڑھی ہیں مگر میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے ان کی پیروی کی تو رومی مجھے ہلاک کر دیں گے۔اس کے بعد ہرقل نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو ایک اور شخص کے پاس بھیجا جو رومیوں میں سے تھا اور اس کا نام ''صنعاطر'' تھا۔یہ نصاریٰ کا پیشوا اور دین عیسوی کا امام تھا۔جب حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے تو اس نے بھی یہی کہا کہ خدا کی قسم! محمد برحق ہیں اور تم نے جو صفتیں بیان کی ہیں ان کو ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھا اور ان کی نبوت میں کوئی شبہ نہیں رکھتے''۔اس کے بعد صنعاطر کھڑا ہوا اور کینسہ میں آیا۔اس نے کہا ''اے روم کے لوگو! احمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہمارے پاس ایک خط آیا ہے۔اس خط میں ہمیں دین حق کی دعوت دی ہے' ان کی رسالت کی حقیقت آفتاب کی مانند روشن ہے۔تم اقرار کرو کہ اللہ ایک ہے اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں'' نصاریٰ نے جب صنعاطر سے یہ شہادت وگواہی سنی تو رومیوں نے نیزوں اور تلواروں سے اسے شہید کر دیا۔اس کے بعد حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ لوٹ آئے اور سارا حال ہرقل سے بیان کیا۔ہرقل نے کہا ''میں نے تم سے کہا تھا کہ میں نصاریٰ سے ڈرتا ہوں۔خدا کی قسم! صنعاطر قوم میں مجھ سے زیادہ بزرگ اور اہل روم مجھ سے زیادہ ان کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے''۔یہ پایۂ صحت کو پہنچی ہے کہ جب ہرقل کو صنعاطر کی خبر پہنچی تو وہ بیت المقدس سے حمص آیا جو

اس کا دارالسلطنت تھا اور روم کے بڑے بڑے لوگوں کو اپنے دربار میں بلایا اور ان کو سکرہ میں ٹھہرایا۔ سکرہ ایسے محل کو کہتے ہیں جس کے گرداگرد دیہات کی مانند چھوٹے چھوٹے گھر ہوں۔ اس نے حکم دیا کہ ان کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ اس کے بعد اس محل کے ایک دریچہ سے نمودار ہوا اور کہنے لگا۔ ''اے روم کے لوگو! اگر تم اپنی بھلائی' اپنی نجات اور راہ راست کی خواہش رکھتے ہو۔ چاہتے ہو کہ تمہارا ملک برقرار رہے تو اس نبی کی متابعت اور پیروی اختیار کرو جو مبعوث ہوا ہے''۔ رومیوں نے جب اس سے یہ بات سنی تو الگ الگ ہو کر بھاگنے اور لاتیں مارنے لگے جس طرح گدھا دولتیاں مارتا ہے۔ انہوں نے اپنے منہ دروازے کی طرف پھیر لیے لیکن ان دروازوں کو بند پایا۔ ہرقل نے جب ان کی اس نفرت کو دیکھا تو وہ ان کے ایمان سے مایوس ہو گیا۔ حکم دیا کہ ''وہ سب لوٹ آئیں'' جب وہ لوٹ آئے تو اس نے ان کو تسلی دی اور کہنے لگا ''میں نے یہ بات تمہاری آزمائش اور دین میں تمہاری سختی وصلابت کے امتحان کیلئے کہی تھی۔ میں نے یہ جان لیا کہ تم ثابت قدم ہو''۔ اس پر سب راضی ہو گئے اور سجدہ کر کے واپس چلے گئے۔

امام بخاری اپنی صحیح میں کہتے ہیں کہ ہرقل آخر کار یہ تھا۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا ہرقل دنیا سے مسلمان گیا ہے یا نہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ہرقل نے دنیا کو عقبیٰ پر ترجیح دی اور شرف اسلام سے مشرف نہ ہوا۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث سے ظاہر ہوا کیونکہ اس کے دو سال بعد غزوۂ موتہ میں مسلمانوں کے ساتھ اس نے جنگ کی۔ اس جنگ میں کثرت سے مسلمان شہید ہوئے۔ جیسا کہ ان شاء اللہ آگے آئے گا۔ نیز مروی ہے کہ لشکر کو لیس کر کے تبوک کی جانب جنگ کیلئے آیا۔ علماء کی دوسری جماعت کا یہ خیال ہے کہ ممکن ہے کہ پوشیدہ طور پر ایمان لے آیا ہو اور اپنی ہلاکت' اپنی بادشاہت زائل ہونے کے خوف سے یہ معاصی ظہور پذیر ہوئے ہوں۔ لیکن مسند امام احمد بن حنبل میں مروی ہے کہ اس نے تبوک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خط لکھا کہ ''میں مسلمان ہوں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جھوٹ کہتا ہے بلکہ وہ اپنی نصرانیت پر ہے''۔ (واللہ اعلم)

مؤرخین کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خود اسے یا اس کے بیٹے کو مسلمان پکڑ لائے۔ ظاہر یہی ہے کہ اسی کو یعنی ہرقل ہی کو لائے تھے۔ کذا فی فتح الباری (واللہ اعلم)

احوال کسریٰ شاہ فارس

رہا کسریٰ شاہِ مداین (فارس) کا حال! تو کسریٰ' بکسر کاف اور بفتح کاف وسکون سین' بصیغہ مکبر' مصغر' خسرو کا معرب ہے اور یہ شاہ فارس کا لقب ہے۔ اس زمانہ میں کسریٰ یعنی شاہ فارس پرویز بن ہرمز بن نوشیروان تھا۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ نوشیروان بادشاہ تھا حالانکہ یہ غلط ہے اس لیے کہ نوشیروان حضور اکرم سیّد البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ولادت کے وقت تھا۔ جیسا کہ زبانوں پر مشہور ہے کہ وُلِدْتُ فِیْ زَمَنِ الْمَلِكِ الْعَادِلِ۔ میں بادشاہ انصاف پسند کے زمانہ میں پیدا ہوا۔ مگر محدثین کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ شرک کی صفت کے ساتھ عدل کی صفت کی جائے حالانکہ شرک بذات خود ظلم عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ عدل سے مراد رعایا کی دیکھ بھال' فریادرسی اور دادرسی ہے جسے محاورہ میں عدل کہتے ہیں۔ لیکن اسم عادل کی ادائیگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ہو بہت بعید ہے۔

شاہ فارس کے پاس مکتوب گرامی لے جانے والے قاصد حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے جو قدیم الاسلام صحابی اور سابقین اولین مہاجرین میں سے ہیں۔ سہم بن عمرو بطن کی طرف منسوب ہیں جو قریش کی شاخ ہے۔ انہیں حکم فرمایا کہ بحرین کے حاکم کے پاس لے جاؤ وہ کسریٰ تک پہنچا دے گا مکتوب گرامی کا مضمون یہ تھا۔

مکتوب گرامی بنام کسریٰ پرویز: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔محمد رسول اللہ کی جانب سے بنام کسریٰ شاہ فارس سلام ہواس پر جو راہِ راست کی پیروی کرے اور خدا پر ایمان رکھے۔گواہی دے کہ خدا ایک' محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں بلاشبہ میں خدا کا رسول ہوں۔تمام لوگوں کی طرف تا کہ میں خوف دلاؤں' ڈراؤں اور کافروں پر حجت قائم کر دی۔ مسلمان ہو جاؤ گے تو سلامت رہو گے اور اگر انکار و سرکشی کرو گے تو مجوسیوں کا وبال تم پر ہوگا''۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی پہنچا تو اس نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو ایسا خط لکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ میرے بندے اور رعایا ہیں۔(نعوذ باللہ) کیا پرویز اتنا بھی نہ جانتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندہ خاص ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں پر سردار اور حاکم بنایا ہے۔مؤرخین کہتے ہیں کہ اس نے گستاخانہ یہ بھی کہا کہ ''محمد نے اپنے نام کو میرے نام کے اوپر لکھا ہے''۔حالانکہ وہ جاہل کیا اتنا بھی نہ جانتا تھا کہ خط کا انداز تحریر ہی ایسا ہے کہ میں فلاں بن فلاں ہوں اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی تو بالائے عرش لکھا ہوا ہے تو کیا ہے اور تیرا نام کیا ہے۔اس پر وہ کافر غصہ میں آ گیا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کو پارہ پارہ کر دیا اور پاگل پنے کی باتیں کرنے لگا۔حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن حذافہ کی طرف اس نے التفات تک نہ کیا اور مکتوب گرامی کا جواب تک نہ لکھا۔جب یہ خبر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچی تو فرمایا: مَزَّقَ کِتَابِیْ مَزَّقَ اللّٰہُ مُلْکَہٗ اس بدبخت نے میرے خط کو کیا پارہ پارہ کیا ہے۔حق تعالیٰ اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا''۔اس کے بعد خسرو نے باذان اپنے یمن کے حاکم کو لکھا کہ ''ایسا سنا گیا ہے کہ ایک شخص ملک عرب حجاز میں نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔لازم ہے کہ دو معتمد علیہ شخصوں کو اپنی طرف سے بھیجو تا کہ انہیں باندھ کر میرے سامنے لے آئیں''۔باذان نے اس کے حکم سے اپنے خزانچی کو جس کا نام بانویہ تھا' فارس کے عقلمندوں اور بہادروں میں سے تھا۔ایک اور فارسی شخص کے ساتھ جس کا نام خرخرہ تھا اور وہ بھی فارسیوں میں امتیازی شان رکھتا تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تفتیش و تحقیق کیلئے بھیجا۔ایک خط لکھا کہ ان دو شخصوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس پہنچو کیونکہ اس نے تم کو بلایا ہے۔یہ دونوں طائف پہنچے اور وہاں کے صنادید قریش سے مثلاً ابوسفیان اور صفوان بن امیہ وغیرہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال شریف کے بارے میں پوچھا۔انہوں نے بتایا کہ وہ یثرب میں رہتے ہیں اور یہ صنادید قریش اپنے دل میں بہت خوش ہوئے کہ فارس جیسے بادشاہ کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بگاڑ ہو گیا ہے۔امید ہے کہ اب ہماری خواہشات کے مطابق کام ہو جائے گا''۔

القصہ یہ دونوں مدینہ منورہ پہنچ کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مقدس میں پہنچے اور گفتگو شروع کی۔یہ کہنے لگے کہ شہنشاہ کسریٰ نے ملک یمن کے حاکم باذان کو خط لکھا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ اپنے معتمد مصاحبوں میں سے دو شخصوں کو آپ کے پاس بھیجا جائے۔چنانچہ حاکم یمن باذان نے اس بنا پر ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے کہ ہم آپ کو شہنشاہ خسرو کے پاس لے جائیں۔اگر ہمارے ساتھ آپ خوشی و رغبت سے چلیں تو باذان شہنشاہ کو سفارش لکھ دے گا تا کہ وہ گزشتہ جرم سے معافی دیدے۔اگر آپ انکار و منع کریں تو کسریٰ کی صولت و سطوت آپ کو معلوم ہے اور آپ یہ جانتے ہیں کہ وہ کس طرح کا بادشاہ ہے وہ آپ کی قوم کو ہلاک کر دے گا اور آپ کے شہروں کو تباہ و برباد کر دے گا''۔اس کے بعد باذان کا خط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا۔جب ان کی بکواس اور بیہودہ باتوں سے مطلع ہوئے تو تبسم فرمایا۔ایک روایت میں ہے کہ یہ بانویہ خرخرہ اپنی کلائیوں میں سونے کے کنگن ڈالے' ریشمی لباس پہنے' کمر میں زریں و سیمیں پٹکہ باندھے' داڑھیاں منڈائے' موچھیں چھوڑے ہوئے جس سے ان کے لب ڈھکے ہوئے تھے جیسا کہ مجوسیوں کی روش ہے آئے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اس ہیبت اور شکل میں دیکھا تو اسے مکروہ جانا اور فرمایا ''افسوس ہے تم پر تم کو ایسی وضع کا حکم دیا گیا ہے اور کس نے تم کو حکم دیا ہے کہ داڑھی منڈواؤ اور موچھیں بڑھاؤ؟'' انہوں نے کہا ''ہمارے رب یعنی کسریٰ نے' رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ داڑھی لمبی کروں اور موچھوں کو پست کروں''۔اس کے بعد فرمایا بیٹھ جاؤ۔اس پر وہ دونوں دوزانو ہو کے بیٹھ گئے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوت اسلام دی اور ثواب وعتاب کی ترغیب وتربیت فرمائی۔وہ کہنے لگے۔''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اٹھو راہ سفر اختیار کرو تاکہ آپ کو شہنشاہ کے سامنے لے جائیں اور اگر تخلف کرو گے تو شہنشاہ عجم ایک ضرب سے آپ کو اپنے حال پر لے آئے گا۔سب کو قتل کر دے گا یا جلاوطن کر دے گا''۔مروی ہے کہ یہ دونوں ناپاک کافر باوجودیکہ نازیبا رویہ اختیار کیا تھا اور بے ادبی سے بات کرتے تھے لیکن ان پر عظمت نشان نبوت اور مجلس اقدس کی ہیبت اتنی طاری تھی کہ ان کا جوڑ جوڑ لرز رہا تھا۔قریب تھا کہ خوف ودہشت سے پگھل جائیں اور ان کا جوڑ جوڑ کھل جائے کیونکہ وہ بارگاہ نبوت میں بے ادبی سے پیش آ رہے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف رکھتے ہوئے ارادہ فرمایا کہ باذان کے خط کا جواب لکھا جائے۔آپ نے فرمایا''آج تو تم دونوں اپنی قیام گاہ میں جا کر ٹھہرو کل آنا پھر دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے۔جب یہ دونوں قاصد مجلس شریف سے باہر آئے تو ایک نے دوسرے سے کہا''اگر اس مجلس مبارک میں ہم کچھ دیر اور ٹھہرتے تو اندیشہ تھا کہ ہیبت سے ہلاک ہو جاتے''۔دوسرے نے کہا ساری عمر میں مجھ پر اس قسم کی ہیبت کبھی بھی غالب نہ ہوئی تھی جتنی آج اس شخص کی مجلس میں غالب ہوئی تھی۔معلوم ہوتا ہے کہ تائیدات الٰہیہ سے تائید یافتہ ہے اور اس کا کام خدا کا کام ہے۔جب یہ دونوں قاصد دوسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''اپنے صاحب یعنی باذان کو خبر دو کہ میرے رب نے تیرے شہنشاہ کا بوجھ اتار دیا ہے یعنی خسرو قتل کر دیا گیا ہے۔سات گھنٹہ پہلے رات کا وقت تھا کہ اس کے بیٹے''شیرویہ'' کو اس پر مسلط کیا گیا یہاں تک کہ اس نے اس کا پیٹ چاک کر دیا۔یہ منگل کی رات تھی اور جمادی الاخریٰ کی دس تاریخ ٦ ہجری تھا۔اسی طرح باذان کے قاصدوں سے فرمایا''اپنے صاحب سے کہہ دو کہ بہت جلد میرا دین کسریٰ کی مملکت پر غالب آئے گا۔اگر تو مسلمان ہو جائے تو جتنا علاقہ تیرے قبضہ تصرف میں ہے تجھے ہی دے دیا جائے گا اور تجھے فارسیوں پر حاکم مقرر کر دوں گا۔اس کے بعد یہ دونوں رخصت پا کے لوٹے اور مدینہ طیبہ سے باہر آئے۔جب یمن پہنچے تو جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا باذان کو پہنچا دیا اور جو کچھ مجلس اقدس میں مشاہدہ کیا تھا وہ سب باذان سے کہہ دیا۔اس نے پوچھا کہ کیا ان کے پہریدار اور محافظ ہیں؟ انہوں نے کہا''نہیں'' وہ تو بازاروں اور کوچوں میں بے تردد چلتے پھرتے ہیں''۔باذان نے کہا''خدا کی قسم! جو کچھ تم نے نقل کیا ہے وہ بات بادشاہوں کے کلام میں نہیں ہوتی۔میرا خیال یہ ہے کہ وہ نبی ورسول ہیں اور ان کی نبوت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔کوئی بادشاہ ان پر ایمان لانے میں مجھ پر سبقت اور پہل نہ کرے گا''۔اسی دوران شیرویہ پسر پرویز کا خط باذان کو پہنچا جس کا مضمون یہ تھا کہ''کسریٰ فارس کے بڑے بڑے لوگوں اور اعیان سلطنت کو بغیر جرم وخیانت کے مار ڈالتا تھا اور مملکت کی جماعت عظیمہ کے درمیان تفرقہ اندازی کرتا رہتا تھا۔اس بنا پر میں نے اسے قتل کر دیا ہے اور لوگوں کو اس کے شر سے محفوظ کر لیا ہے۔لازم ہے کہ تم میری اطاعت کرو اور لوگوں کو میری اطاعت وفرمانبرداری کی دعوت دو۔خبردار! اس صاحب دولت سے جنہوں نے زمین عرب وعجم میں دعویٰ نبوت فرمایا ہے قطعاً تعرض نہ کرنا۔اس وقت تک جب تک کہ میرا فرمان ان کی شان میں تمہیں نہ ملے۔باذان جب اس تمام قصہ سے باخبر ہوا تو بلا توقف وتاخیر صدق واخلاص کے ساتھ کلمہ شہادت زبان پر لایا اور تمام فارسی لوگوں نے جو اس مملکت میں رہتے تھے اس کے ساتھ موافقت کی اور دولت ایمان سے مشرف ہو گئے۔فارسیوں کے باقی حالات جو شیرویہ کی حکومت کے بعد رونما ہوئے اور اس کا جیسا معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا تاریخ کی کتابوں میں دیکھنا چاہیے۔

مقوقس شاہ مصر و اسکندریہ کا حال

اب رہا مقوقس کا حال! (مقوقس بضم میم و فتح قاف اول و سکون واو و کسر قاف ثانی و سین مہملہ) یہ حاکم مصر و اسکندریہ تھا اس کی طرف حضرت حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ قاصد تھے جو مشہور صحابی ہیں۔ اس کے نام مکتوب گرامی کا مضمون، ہرقل کے نام مکتوب گرامی کے مطابق ہے۔ جب حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ اسے پہنچایا تو اس نے اس مکتوب مقدس کا ادب و احترام کیا۔ اس کے حق میں اچھی باتیں کہیں اور حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو خلوت میں بلایا۔ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات و نعوت کو حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے سنا وہ سب ان صفات کے مطابق تھیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان فرمائی تھیں۔ وہ کہنے لگا یہ وہی رسول ہیں جن کی تشریف آوری کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے بلاشبہ وہ غالب ہوں گے اور ان ممالک میں ان کے صحابہ کا قبضہ ہوگا لیکن وہ ایمان نہیں لایا اور انقیاد و اطاعت قبول نہ کی۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ جب حضرت حاطب رضی اللہ عنہ مقوقس کے پاس پہنچے تو فرمایا ''اے مقوقس! تجھ سے پہلے اس ملک میں ایک شخص گزرا ہے جو گمان کرتا اور دعویٰ کرتا تھا کہ ''اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى'' میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سے انتقام لیا تو تو اپنے غیر سے عبرت لے تاکہ تجھ سے کوئی دوسرا عبرت نہ لے''۔ مقوقس نے کہا ''ہمارا ایک دین ہے، ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے بجز اس صورت میں کہ کوئی اور دین اس سے بہتر ہو''۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں تجھے خدا کے دین کی طرف بلاتا ہوں جو دین اسلام ہے۔ اللہ اس دین کے ذریعہ دوسرے دینوں سے بے نیاز کردے گا بلاشبہ اس نبی مکرم نے لوگوں کو دعوت اسلام دی۔ مگر قریش سخت ترین لوگ تھے، دشمن ترین لوگ یہود اور ان سے قریب ترین لوگ نصاریٰ ہیں۔ قسم ہے مجھے اپنی زندگی کی! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ایسی نہیں ہے جیسی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت نبی آخر الزمان محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہے اور ہمارا تمہیں قرآن کی طرف بلانا ایسا ہی ہے جیسے تم لوگ اہل توریت کو انجیل کی طرف بلاتے ہو۔ ہر نبی نے جس قوم کو پایا تو وہ قوم ان کی امت بن گئی لہٰذا اس قوم پر حق ثابت ہے کہ وہ قوم اس نبی کی اطاعت کرے اور تو نے اس نبی کو پایا ہے لہٰذا ایمان لاکر ان کی امت میں داخل ہو جا۔ ہم تجھے دین مسیح سے منع نہیں کرتے بلکہ دین مسیح کا حکم تجھے بتاتے ہیں (کہ اس کا حکم ہے کہ نبی آخر الزمان پر ایمان لانا) اس پر مقوقس نے کہا ''میں نے اس نبی کے بارے میں غور و فکر کرلیا ہے اور مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ وہ کسی قابل نفرت چیز کا حکم نہیں دیتے اور نہ کسی ایسی چیز سے روکتے ہیں جو رغبت و شوق سے متعلق ہو۔ میں باخبر ہوگیا ہوں کہ وہ نہ ساحر قاتل ہیں اور نہ کاہن کاذب، ابھی میں مزید غور و فکر کر رہا ہوں''۔

اس کے بعد اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی نامہ کو لیا، ہاتھی دانت کی صندوقچی میں رکھ کر محفوظ کرلیا اور کاتب کو حکم دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں خط لکھے۔ اس کا مضمون یہ تھا ''محمد بن عبداللہ کے حضور منجاب مقوقس عظیم القبط۔ امابعد میں نے آپ کا گرامی نامہ پڑھا اور جو کچھ اس میں تحریر تھا اور جس کی آپ نے دعوت دی میں نے سمجھا۔ بلاشبہ میں جانتا ہوں۔ ایک ایسا نبی باقی رہا ہے جو خاتم الانبیاء ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ اس کا ظہور ملک شام سے ہوگا اور میں نے آپ کے قاصد کی آمد کو گرامی جانا۔ میں آپ کی طرف ماریہ اور سیرین رضی اللہ عنہ کو بھیجتا ہوں جو کہ قبط میں عظیم المرتبت ہیں۔ کچھ لباس و تحائف اور ایک اونٹ آپ کی سواری کیلئے پیش کرتا ہوں۔ والسلام'' مقوقس نے اس سے زیادہ نہ لکھا اور اسلام نہیں لایا۔ انتہی۔

استیعاب میں اس طرح منقول ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے

مقوقس شاہ اسکندریہ کی طرف بھیجا۔ میں نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ دیا تو اس نے مجھے اپنے محل میں اتارا اور میں نے کئی راتیں اس کے پاس گزاریں۔ پھر اپنے بطارقہ کو جمع کر کے کہا ''مجھے اپنے آقا کے بارے میں بتاؤ کہ کیا وہ خدا کے رسول ہیں؟'' میں نے کہا ''ہاں وہ خدا کے رسول ہیں''۔ اس نے کہا ''کیا بات ہے کہ انہوں نے اپنی اس قوم پر بددعا نہ کی جنہوں نے ان کو اپنے شہر سے نکالا؟'' میں نے کہا وہ کیا بات ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم نے پکڑا بقول نصاریٰ سولی پر چڑھایا اور بددعا نہ کی کہ حق تعالیٰ ان کو ہلاک کر دیتا''۔ مقوقس نے کہا: تم ٹھیک کہتے ہو حق تعالیٰ کی طرف سے ایسا ہی حکم آیا تھا۔ جب حضرت حاطب رضی اللہ عنہ مقوقس کے پاس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آئے تو فرمایا ''خبیث نے اپنی بادشاہت کی وجہ سے بخیلی کی حالانکہ اس کی بادشاہت باقی نہ رہے گی''۔ مقوقس نے حضرت فاروق عظیم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تحفوں کو قبول فرمایا۔ ان میں سے سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو ایمان لانے کے بعد اپنے لیے خاص فرمایا اور ملک یمین کے طور پر ان سے تصرف فرمایا۔ ان سے حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور سیرین کو حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کو مرحمت فرما دیا۔ ان سے عبدالرحمٰن بن حسان پیدا ہوئے۔

تنبیہ: روضۃ الاحباب سے معلوم ہوتا ہے کہ مقوقس نے چار تر کی باندیاں تحفے میں بھیجی تھیں۔ ایک ماریہ' دوسری ان کی بہن سیرین' ایک خواجہ سرا' ایک سفید اشتر جسے دلدل کہتے ہیں اور ایک دراز گوش جسے عفیر یا یعفور کہتے ہیں۔ ایک نیزہ' بیس قد کا لباس اور ہزار مثقال سونا۔ یہ تحفے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تھے اور حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو سو مثقال سونا' پانچ کپڑے انعام میں دیئے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہ کو بطور ملک یمین اپنے تصرف میں رکھا اور ان سے حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ سیرین رضی اللہ عنہ کو حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کو دیا بقیہ دو کنیزوں کا نام اور ان کا حال معلوم نہیں۔ دراز گوش پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی سواری فرماتے تھے یہاں تک کہ حجۃ الوداع میں وہ مر گیا۔ روضۃ الاحباب میں اسی طرح ہے۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ اس دراز گوش نے اپنی جان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے غم و فراق میں ایک کنویں میں ڈوب کر دے دی اور اس کنویں میں اس کی قبر بنی۔ دلدل کو اپنی سواری کیلئے خاص فرمایا۔ بعد ازاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس پر سواری کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مصرع:

''چہارم علی شاہ دلدل سوار''

دلدل سے مراد وہی سفید اونٹ ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد اس پر امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے سواری کی۔ یہاں تک کہ حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں وہ مر گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے دانت گر گئے تھے' آٹے کو پانی میں گھول کر اسے دیتے تھے۔

خواجہ سرا کا حال دسویں سال میں حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بیان میں معلوم ہوگا۔ مواہب لدنیہ میں تحائف میں شہد کا بھی بیان ہے جو ''بنہان'' کا تھا۔ یہ شہد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند آیا اور بنہان کے شہد میں برکت کی دعا فرمائی۔ بنہان مصر کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بَارَكَ اللّٰهُ فِيْ عَسَلِ بَنْهَانَ. اللہ بنہان کے شہد میں برکت دے۔ سیر کی کتابوں میں سیّدہ ماریہ قبطیہ اور دلدل کا ذکر مشہور ہے۔ (واللہ اعلم)

مکتوب گرامی بنام حارث بن ابی شمر غسانی: حارث بن ابی شمر غسانی (بفتح غین وتشدید سین) کا حال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شجاع رضی اللہ عنہ بن وہب اسدی کو اس کے پاس قاصد بنا کر بھیجا۔ جب وہ شام کی سرحد میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ حارث شامی' دمشق کے غواط گیا ہے تاکہ ہرقل کے لیے جو ایلیا یعنی بیت المقدس میں تھا تحائف مرتب کر کے بھیجے۔ شجاع کئی روز غواط میں

رہے لیکن حارث سے ملاقات نہ ہوسکی۔ حارث کا ایک پہریدار تھا جس کے دل میں اسلام کی محبت جاگزین ہوگئی تھی۔ شجاع رضی اللہ عنہ نے اس کا ذریعہ حاصل کرنا چاہا تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی حارث کو پہنچائیں۔ کئی دن گزر گئے مگر وہ نظر نہ آیا۔ اتفاق سے ایک دن حارث برآمد ہوا جو تخت پر بیٹھا تھا اور تاج سر پر رکھا تھا۔ شجاع رضی اللہ عنہ نے آ کر اس سے ملاقات کی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی اسے دیا گیا تو اس نے اسے پڑھ کر زمین پر ڈال دیا' ناوا جب باتیں زبان پر لایا اور حکم دیا کہ گھوڑوں کی نعلبندی کی جائے تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کیلئے چلیں۔ ایک عرض داشت ہرقل کو بھیجی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی آنے اور خود کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ پر آمادہ ہونے کا قصہ لکھ کر بھیجا۔ قیصر نے کہلا بھیجا کہ کچھ دیر ٹھہرو۔ پہلے میرے پاس آ کر مقتضائے حال کے بموجب گفتگو کرو پھر عمل کرو۔ جب ہرقل کا خط حارث کو پہنچا تو شجاع رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پوچھا ''تم اپنے آقا کے پاس کب جاؤ گے؟'' انہوں نے کہا ''کل جاؤں گا''۔ اس کے بعد انہیں سو مثقال سونا دے کر رخصت کر دیا۔ اس کے پہریدار نے شجاع رضی اللہ عنہ سے جب یہ حال سنا تو اس پر رقت طاری ہوگئی اور وہ رو کر کہنے لگا کہ میں نے انجیل میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور ان کے دین و شریعت کے بارے میں وہی توصیف پڑھی جو تم نے بیان کی ہے۔ اب میں ایمان لاتا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا ہوں لیکن حارث سے میں خوفزدہ ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دے گا۔ حاجب یعنی اس پہریدار نے شجاع رضی اللہ عنہ کی دعوتیں کیں اور عزت و احترام بجالایا۔ چند کپڑے اور کچھ زادِ راہ ان کے ہمراہ کیا اور وہ لوٹ آئے۔ جب شجاع رضی اللہ عنہ مدینہ میں آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت حال بیان کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہلکہ'' یعنی ہلاک ہوا یا اس کا ملک تباہ ہو۔ اس کے بعد فتح مکہ کے سال میں حارث واصل جہنم ہوا اور اس کی مملکت جبلہ بن ایہم غسانی کے قبضہ میں آئی۔ بعض اہل سیر کا خیال ہے کہ حارث مسلمان ہوگیا تھا لیکن قیصر کے خوف سے اظہار نہ کیا جس طرح کہ قیصر کے بارے میں کہتے ہیں کہ ایمان لے آیا تھا مگر اس نے اسے چھپایا۔ (واللہ اعلم)

مکتوب گرامی بنام ہودہ بن حنفی والی یمامہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مکتوب گرامی ہودہ بن حنفی یمامہ کے حاکم کے نام بھیجا۔ اس کی طرف سلیط رضی اللہ عنہ بن عمرو عامری کو قاصد بنایا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی ہودہ کو پہنچا اور اس نے اسے پڑھا تو سلیط کا اعزاز و اکرام کیا اور اپنے محل میں ٹھہرایا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا۔ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' محمد رسول اللہ کی جانب سے ہودہ بن حنفی کے نام۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ واضح رہنا چاہیے کہ میرا دین عنقریب منتہائے خف و حافر تک ظاہر ہوگا۔ خف اونٹ بکری وغیرہ کے سموں کو اور حافر گھوڑے خچر اور گدھے وغیرہ کے کھروں کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں تک چار پایوں کے پاؤں پہنچتے ہیں اور آبادی کا آخری کنارہ ہے وہاں تک میرا دین پہنچے گا۔ ''لہٰذا مسلمان ہو جا تا کہ دنیا و آخرت کے خوف و آفتوں سے سلامت رہے۔ ہودہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کے جواب میں اس مضمون کا خط لکھا کہ ''کیا عمدہ طریقہ کسی قوم کو دعوت دینے کا ہے۔ میں اپنی قوم کا شاعر و خطیب ہوں۔ اہل عرب مجھ سے ڈرتے ہیں اور میری ہیبت ان کے دل میں ہے۔ وہ میرے مقام کو عظیم جانتے ہیں لہٰذا میرے لیے چند کام انجام دیجئے تا کہ میں آپ کی متابعت کرلوں۔ آپ اپنے بعض شہروں کا حل و عقد میرے سپرد کیجئے' انہیں میرے اقتدار میں دیجئے تا کہ میں آپ کی متابعت کروں اور آپ کی طرف آؤں''۔ اس نے سلیط کو جائزہ دیا اور ہجر کا بنا ہوا نفیس جوڑا پہنایا اور پھر ان کے لائق انعام دے کر روانہ کر دیا۔ جب سلیط لوٹ کر مدینہ آئے اور اس کا خط جس میں امارت و حکومت کا مطالبہ کیا گیا تھا حضور کو پیش کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَوْ سَئَالَنِیْ سَبَابَۃً مِنَ الْاَرْضِ مَا اَعْطَیْتُہٗ وَمَا اَجَرْتُہٗ ھَلَکَ مَا فِیْ یَدِہٖ ۔ وہ اگر مجھ سے زمین سے ایک خوشہ کھجور کے برابر بھی مانگے تو میں اسے نہ دوں اور جائز نہ رکھوں۔ جو کچھ اس کے ہاتھ میں ملک ہے ہلاک ہو جائے۔ سبابہ بفتح سین وتخفیف با کھجور کے خوشہ کو کہتے ہیں اسے ملح بھی کہتے ہیں۔ کھجور کے اول حصہ کو طلع' پھر

ملح پھر لیر پھر رطب اس کے بعد تمر کہتے ہیں۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ فن سیر کے بعد بعض اکابر نے سبابہ کو انگشت سبابہ لکھا ہے اور ترجمہ کیا گیا ہے کہ اگر زمین سے ایک انگلی کی برابر بھی مانگے تو میں نہ دوں۔ (واللہ اعلم)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو جبریل علیہ السلام ہودہ کے مرنے کی خبر لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بعد یمامہ میں ایک کذاب پیدا ہوگا جو نبوت کا دعویٰ کرے گا اس کے بعد وہ قتل ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مسیلمہ کذاب لعنۃ اللہ علیہ کے قصہ کی طرف اشارہ فرمایا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مارا گیا۔ چنانچہ اس کا قصہ تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ اپنے محل میں مذکور ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ مکتوبات گرامی ہیں جو اس وقت کے بادشاہوں کے نام لکھے گئے تھے۔

ساتواں مکتوب گرامی بحرین کی جانب: بعض ارباب سیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور مکتوب بھی بیان کرتے ہیں جو منذر رضی اللہ عنہ بن سادی والی بحرین کی جانب بھیجا گیا تھا۔ یہ علاء رضی اللہ عنہ بن الحضر ی کے ہاتھ بھیجا گیا تھا۔ مواہب لدنیہ میں ہے جسے واقدی اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے اس مکتوب گرامی کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کتاب میں ان کی وفات کے بعد پایا اور میں نے وہاں سے اس کے مضمون کو نقل کیا۔ وہ یہ کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاء رضی اللہ عنہ بن حضرمی کو منذر رضی اللہ عنہ ساوی کی طرف ایک مکتوب گرامی کے ساتھ لکھا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ منذر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مضمون کا جواب دیا تھا کہ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آپ کے اس گرامی نامہ کو پڑھا جو بحرین والوں کیلئے لکھا گیا ہے تو ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اسلام سے محبت کا اظہار کیا اور خوش ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے۔ اور کچھ لوگوں نے ناپسند کیا اور اسلام میں داخل ہونے سے راضی نہ ہوئے۔ جیسے یہود و مجوس۔ لہٰذا اب آپ جو حکم فرمائیں گے میں اس پر عمل کروں گا''۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ انہیں لکھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے منذر کے نام۔ سلام ہو تم پر' میں تمہاری طرف سے اس خدا کی حمد بجالاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ اما بعد میں تمہیں اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں۔ جو شخص کسی کو نصیحت کرتا ہے اور کسی کے ساتھ خیر خواہی کرتا ہے وہ کسی کی خیر خواہی نہیں کرتا۔ مگر اپنے لیے اور جو کوئی میرے قاصدوں کی اطاعت کرتا ہے۔ اور ان کا اتباع کرتا ہے بلاشبہ وہ میرا ہی اتباع و اطاعت کرتا ہے۔ جو میرے قاصدوں کی خیر خواہی کرتا ہے وہ میری ہی خیر خواہی کرتا ہے۔ میرے قاصدوں نے تمہاری خیر خواہی کی تعریف کی ہے۔ میں تم سے تمہاری قوم کے بارے میں شفاعت و سفارش کرتا ہوں لہٰذا مسلمانوں کو تعلیم دین' احکام شریعت کے سیکھنے میں مشغول رکھو اور ان کی خطاؤں پر عفو و درگزر سے کام لو۔ جب تک راہ صلاح پر رہو گے۔ جو اپنی یہودیت اور مجوسیت پر قائم ہے اس پر جزیہ قائم کرو۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ نہ ان کا ذبیحہ کھائیں اور نہ ان سے رسم مناکحت رکھیں۔ جزیہ لینے کا منصب علاء الحضرمی کے سپرد کیا جاتا ہے اور علاء رضی اللہ عنہ الحضرمی جزیہ کا مال وصول کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھیجا کرتے تھے۔

واضح رہنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے مکاتیب و خطوط جو دینی و دنیوی معاملات میں اقوام و اعیان اور مختلف اشخاص کو لکھ کر بھیجے گئے تھے۔ بہت زیادہ ہیں' اس جگہ ان مکاتیب و خطوط کا بیان مقصود تھا جو بادشاہوں کو لکھے گئے بلکہ وہ جو ہجرت کے چھٹے سال میں لکھے گئے ہیں۔ اسی بنا پر منذر رضی اللہ عنہ بن ساسی حاکم بحرین کا مکتوب جو اوپر مذکور ہوا۔ روضۃ الاحباب میں ہجرت کے آٹھویں سال کے واقعات میں بیان کیا گیا ہے جو فتح مکہ کے بعد ہے۔ اور جبلہ بن ایہم غسانی کے نام مکتوب گرامی جو حارث بن آل شمر غسانی مذکور کے مرنے کے بعد بادشاہ ہوا۔ ساتویں سال میں غزوۂ خیبر کے بعد لکھا گیا لہٰذا معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس جگہ ان مکاتیب کا

ذکر مقصود ہے جو آفاق کے بادشاہوں کے نام چھٹے سال میں لکھے گئے تھے۔

مکتوب گرامی بجانب ملک عمان: مواہب لدنیہ میں اس جگہ ایک مکتوب گرامی مذکور ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک عمان کے نام' حضرت عمرو بن العاص کے ہاتھ سے بھجوایا۔ کوئی پتہ نہیں چلتا کہ یہ اس سال میں بھیجا گیا تھا چونکہ اس مقام کے مناسب تھا اس لیے لکھ دیا ہوگا۔ اس مکتوب گرامی کا مضمون یہ ہے۔ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد بن عبداللہ ورسولہ کی جانب سے جیفر اور عبد جلند کے فرزندوں کے نام۔ سلام اس پر جو راہ راست کی پیروی کرے۔ اما بعد میں تجھے دعوت اسلام دیتا ہوں۔ اسلام لے آ۔ تاکہ سلامتی میں رہے بلا شبہ میں تمام لوگوں کی طرف خدا کا رسول ہوں یہاں تک کہ جب تک کوئی زندہ ہے میں ڈراتا ہوں یعنی جب تک وہ حیات قلبی کے ساتھ زندہ ہے۔ ہم نے کافروں پر حجت قائم کردی ہے تو اگر اسلام لے آئے تو میں تجھے ہی حاکم مقرر کرتا ہوں اور تیرے ملک پر تجھے ہی برقرار رکھتا ہوں۔ اگر تو انکار کرتا ہے اور اسلام سے راہ فرار اختیار کرتا ہے تو تیرے ملک کو چھین لیا جائے گا اور میرے گھوڑے تیرے میدانوں میں گشت کررہے ہوں گے۔ میری نبوت تیرے ملک پر غالب ہوگی۔ اس مکتوب گرامی کو ابی رضی اللہ عنہ ابن کعب نے لکھا اور خط پر مہر لگائی۔ اور عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں چل دیا اور عمان پہنچا۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے ارادہ کیا کہ عبد سے ملوں۔ کیونکہ وہ جلند کے دونوں بیٹوں عبد و جیفر سے اخلاق میں اچھا اور نرم ترین تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ میں خدا کے رسول کا قاصد ہوں اور تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ اور تیرا بھائی سن وسال اور ملک کے اعتبار سے تجھ پر مقدم ہے اور میں تجھ کو اس کی طرف لے چلتا ہوں تاکہ وہ خط پڑھ کر تجھے بھی سنا دے۔ اس پر اس نے کہا ''تم کیسی دعوت دیتے ہو؟'' میں نے کہا ''میں خدائے وحدہ لاشریک لا کی طرف بلاتا ہوں کہ اس پر ایمان لاؤ اور اس کے سوا جس کی پیروی اور عبادت کرتے ہو اسے چھوڑ دو۔ گواہی دو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں'' عبد نے کہا ''اے عمرو رضی اللہ عنہ! تم اپنی قوم کے سردار کے بیٹے ہو بتاؤ تو کہ تمہارے باپ نے کیا کیا تاکہ اس میں ہم ان کا اتباع واقتداء کریں؟'' میں نے کہا ''میرا باپ مر گیا ہے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا۔ میں چاہتا تھا کہ کاش وہ مسلمان ہو جاتا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتا۔ اس وقت تک میں بھی باپ کی مانند محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا تھا یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے میری ہدایت فرمائی اور میں مسلمان ہوگیا''۔ اس نے کہا ''تم کب مسلمان ہوئے'' میں نے کہا ''ابھی قریب ہی کے زمانہ میں'' اس نے پوچھا ''ایمان لانے کے بعد کہاں رہے؟'' میں نے کہا ''نجاشی شاہ حبشہ کے پاس''۔ اور میں نے اس کو خبر دی کہ نجاشی بھی اسلام لے آیا ہے''۔ اس نے پوچھا ''پھر اس کی قوم اور اس کے ملک کی رعایا نے کیا کیا؟'' میں نے کہا ''وہ برقرار ہے اور اس نے اس کی پیروی کی''۔ اس نے پوچھا ''نصاریٰ کے دانش مندوں اور ان کے راہبوں نے کیا کیا۔ کیا وہ اس کے تابع رہے اور اس کی پیروی کی؟'' میں نے کہا ''ہاں'' اس نے کہا ''اے عمرو رضی اللہ عنہ! سوچ کے بولو کیا کہہ رہے ہو؟ کسی شخص کو جھوٹ بولنے سے بڑھ کر کوئی خصلت ذلیل ورسوا کرنے والی نہیں ہے؟'' میں نے کہا ''میں جھوٹ نہیں بول رہا اور جھوٹ تو ہمارے دین میں حلال بھی نہیں ہے'' اس کے بعد اس نے کہا ''مجھے بتاؤ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز کا حکم دیتے ہیں اور کس چیز سے منع کرتے ہیں؟'' میں نے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اس کی معصیت ونافرمانی سے منع کرتے ہیں۔ وہ صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں اور ظلم وشر سے منع کرتے ہیں۔ وہ زنا' شراب خوری' بتوں کی پرستش اور صلیب کے ماننے سے منع کرتے ہیں۔ عبد نے کہا ''کتنی اچھی تعلیم ہے اور کیسی عمدہ ان کی دعوت ہے۔ اگر میرا بھائی میری مانے اور میری موافقت کرے تو ہم دونوں سوار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی تصدیق کریں۔ لیکن میرا بھائی اپنے ملک اور اس کی بادشاہت کا حریص ہے وہ کب اسے چھوڑے گا''۔ میں نے کہا ''اگر وہ اسلام لے آئے تو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اس کی قوم پر ہی حاکم برقرار رکھیں گے۔اس کے بعد وہ اپنے مالداروں سے صدقہ لے کر اپنے فقیروں اور محتاجوں پر لوٹائے گا''۔اس نے کہا''خدا کی قسم! یہ عادت تو بڑی عمدہ ہے اور صدقہ کیا ہے مجھے اس کی تفصیل بتاؤ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اموال میں کس طرح صدقات کو فرض قرار دیا ہے''۔اس کے بعد میں نے پوری تفصیل سے صدقہ کے احکام بتائے اور اونٹوں پر صدقہ کی تفصیل بتائی تو اس نے کہا''اے عمرو رضی اللہ عنہ! کیا ان اونٹوں سے بھی صدقہ لیا جاتا ہے جن کو ہم درختوں سے چراتے اور چشموں پر لے جاتے ہیں''۔میں نے کہا''ہاں''اس نے کہا''خدا کی قسم! ہم اپنی قوم کو ایسا نہیں پاتے کہ وہ اس حکم کی اطاعت کریں''۔ عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے چند روز انتظار کیا یہاں تک کہ عبد اپنے بھائی کے پاس پہنچا۔اس نے میری آمد کی خبر کی۔بعدازاں ایک دن اس نے مجھے اپنے پاس بلایا۔میں اس کے پاس گیا تو اس کے ندیموں نے میرے بازو پکڑ لیے لیکن اس نے ان کو منع کیا اور کہا کہ''اسے چھوڑ دو''انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور میں نے آگے بڑھ کر چاہا کہ میں بیٹھ جاؤں۔مگر انہوں نے مجھے بیٹھنے نہ دیا اور بیٹھنے سے منع کیا۔میں نے اس کی طرف دیکھا۔اس نے کہا''اپنا مقصد بیان کرو''میں نے مہر شدہ مکتوب گرامی اسے دیا۔اس نے اس کی مہر توڑ کر خط کو پڑھا جب آخر تک اس نے پڑھ لیا تو اس نے اپنی بھائی کو دیا۔اس نے بھی پڑھا لیکن میں اس کے بھائی کو اس سے زیادہ نرم دیکھتا تھا۔اس کے بعد اس نے کہا''مجھے بتاؤ کہ قریش کا انجام کیا ہوا؟''میں نے کہا''ان سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی قبول کر لی ہے''۔اس نے کہا''کیا رغبت و شوق سے دین کو قبول کیا ہے یا تلوار سے مغلوب و مقہور ہو کر؟'' اور پوچھا''کن لوگوں نے ان کے ساتھ موافقت کی ہے؟''میں نے کہا''لوگوں نے اسلام میں رغبت و شوق کا اظہار کیا اور بغیر جبر و اکراہ کے اسلام کو اختیار کیا اور اپنی عقلوں کو حق کی ہدایت کے موافق بنایا۔کیونکہ وہ پہلے گمراہی میں تھے۔اب میں نہیں جانتا کہ تیرے سوا کوئی باقی رہا ہو۔اگر آج تو اسلام نہیں لاتا تو تجھے یونہی نہ چھوڑ دیں گے۔اسلام کے گھوڑے تجھے پامال کر دیں گے۔اسلام لے آ تاکہ تو سلامتی میں رہے اور تجھی کو تیری قوم پر حاکم مقرر کیا جائے ورنہ اسلام کے گھوڑے تجھ پر دوڑے آتے ہیں''۔اس نے کہا''آج تو مجھے مہلت دو۔کل میرے پاس آنا تاکہ میں کوئی جواب دے سکوں''۔اس کے بعد میں اس کے بھائی کے پاس گیا۔اس نے کہا''اے عمرو رضی اللہ عنہ! میں امید رکھتا ہوں کہ میرا بھائی سلامت رہے گا اگر اس نے اپنے ملک کی بخیلی نہ کی''۔جب دوسرا دن ہوا تو میں اس کے پاس گیا۔اس نے انکار کیا اور مجھے داخل ہونے کی اجازت نہ دی پھر میں واپس ہو کر اس کے بھائی کے پاس گیا اور میں نے اسے بتایا کہ میں تیرے بھائی کے پاس نہیں پہنچ سکا۔تو مجھے اس کے پاس پہنچا۔اس نے کہا''میں تمہاری اس دعوت کے بارے میں غور کر رہا ہوں جس کی تم نے مجھے دی ہے۔میں کمزور ترین عرب ہوں۔اگر میں اس شخص کے مقابلہ میں اس چیز پر قادر ہوتا جو میرے ہاتھ میں ہے اور میں اس سے ڈرتا ہوں کہ اس کے گھوڑے یہاں پہنچیں۔اگر اس کے گھوڑے یہاں پہنچے تو میں خوفزدہ ہوں ایک ایسی جنگ سے جس کی مانند اس کو کبھی قتال سے سابقہ نہ پڑا ہوگا''۔میں نے کہا''میں کل یہاں سے جا رہا ہوں''جب اسے میرے جانے کا یقین ہو گیا تو میرے نکلنے کے بعد دونوں بھائیوں نے تنہائی میں مشورہ کیا۔جب صبح ہوئی تو کسی کو مجھے بلانے کیلئے بھیجا۔اس کے بعد انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور وہ دونوں بھائی مسلمان ہو گئے۔انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لے آئے۔(والحمد للہ)

قضیہ ظہار خولہ بنت ثعلبہ: اسی سال قضیہ ظہار خولہ رضی اللہ عنہ بنت ثعلبہ بن قیس بن مالک بن الجراح کا اس کے شوہر اوس بن اخرم رضی اللہ عنہ انصاری کے ساتھ پیش آیا۔ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ خولہ بڑی حسین و جمیل، عقلمند اور صالحہ عورت تھی۔اس کا شوہر اوس بن اخرم رضی اللہ عنہ کم فہم اور جنون میں مبتلا تھا جو آخر عمر میں ضعیف، فقیر، نابینا اور بدخلق ہو گیا تھا۔ایک دن اس نے خولہ رضی اللہ عنہ کو ہم بستری کیلئے بلایا۔اس نے کہنا نہ مانا تو وہ جوش و غصہ میں آ گیا۔اس نے کہا: اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ۔تو مجھ پر میری ماں کی کمر کی

مانند ہے۔ یہ کہہ کر گھر سے نکل آیا۔ جب غصہ کی آگ ٹھنڈی ہوئی تو پشیمان ہوا اور چاہا کہ صلح ہو جائے۔ خولہ رضی اللہ عنہ نے کہا صلح کی کوئی صورت ممکن نہیں جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقت حال بیان نہ کر دی جائے۔ پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور سارا حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ظہار زمانہ جاہلیت میں طلاق کا حکم رکھتا تھا مگر ابھی تک مجھ پر اس بارے میں کوئی وحی نہیں آئی ہے۔ خولہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! میرا معاملہ نہایت دشوار ہے اگر میں اس کے بچوں کو چھوڑتی ہوں تو ضائع ہو جائیں گے اور اگر اپنے پاس رکھتی ہوں تو بھوکے رہیں گے۔ اس مشکل کو حق تعالیٰ ہی آسان فرمائے گا''۔ منقول ہے کہ جب خولہ رضی اللہ عنہ نے اپنا حال عرض کر دیا تو اس کے بعد وہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے ایک گوشہ میں جا کر سر کو سجدے میں رکھ کر رونے لگی اور قاضی الحاجات سے اپنی حاجت عرض کرنے لگیں۔ کہا کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْكُوْا اِلَيْكَ وَحْدَتِیَ وَوَحْشَتِیْ وَفِرَاقَ زَوْجِیْ وَوَجْدِیْ ۔ اے خدا میں تجھ سے اپنی بے کسی' بیچارگی' اپنے شوہر کی جدائی اور اپنی بے چینی کی شکات کرتی ہوں۔ ابھی خولہ نے سر کو اٹھایا نہ تھا کہ جبریل امین آئے اور سورہ مجادلہ کی ابتدائی آیتیں جن میں ظہار کا حکم اور اس کے کفارہ کا بیان ہے لائے۔ ارشاد باری ہوا قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا. بے شک اللہ نے اس کی بات سنی جو تم سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑتی ہے اور اللہ سے شکایت کرتی ہے اور اللہ تم دونوں کے سوال و جواب کو سنتا ہے۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حق تعالیٰ کی کمال سماعت سے حیران ہوگئی کیونکہ خولہ نے اپنا واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بر سبیل خفیہ عرض کیا تھا چنانچہ کسی نے اس کو نہ سنا اتنی آہستہ بات کہی کہ میں باوجود یکہ گھر میں تھی اس کا کچھ حصہ بھی نہ سن سکی۔ حضرت حق عزاسمہ نے سن لیا اور فی الفور آیت بھیجی اور فرمایا کہ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات باعتبار عرف و عادت فرمائی ورنہ حق تعالیٰ کے علم و سمع میں بلند آواز' پست آواز دونوں یکساں ہیں۔

کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد مسلمانوں میں خولہ رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت' بارگاہ رب العزت میں قرب خاص حاصل ہو جانے کے سبب بڑھ گئی۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب ان کو دیکھتے تو ان کا اعزاز و اکرام فرماتے اور کہتے قد سمع اللہ بھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اشراف قریش وغیرہ کی جماعت کے ساتھ جا رہے تھے کہ خولہ رضی اللہ عنہ پہنچی اور اپنی کوئی حاجت فاروق اعظم سے بیان کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے رہے تمام لوگ بھی کھڑے رہ گئے اور وہ تعجب کرنے لگے کہ اس بوڑھی عورت کی خاطر اتنے اشراف کو کھڑا رکھنے کے کیا معنی ہیں۔ فرمایا: ''یہ وہ عورت ہے جس کی شکایت حق تعالیٰ ساتوں آسمانوں کے اوپر سے سنتا ہے''۔

غرضیکہ ظہار کے کفارہ کا حکم جب نازل ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ ایک غلام کو آزاد کرنے کے بعد تم خولہ رضی اللہ عنہ سے صحبت کر سکتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا ''میں اتنی قدرت نہیں رکھتا'' فرمایا دو مہینہ پے در پے روزے مسلسل رکھو' انہوں نے عرض کیا ''میں یہ بھی نہیں کر سکتا''۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا حال ایسا ہے کہ اگر ایک دن میں میں دو چار یا تین بار نہ کھاؤں تو میری آنکھوں تلے اندھیرا آ جاتا ہے۔ فرمایا: ''ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ'' عرض کیا ''میں اس کی بھی مقدرت نہیں رکھتا''۔ اتنے میں ایک شخص مجلس میں آیا اور ایک تھیلی کھجوروں کی لایا جس میں پندرہ صاع کے قریب کھجوریں ہوں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان کھجوروں کو لے جاؤ اور فقراء میں تقسیم کر دو تاکہ تمہارے ظہار کا کفارہ ہو جائے''۔ انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے سے زیادہ فقیر کسی کو نہیں جانتا۔ اگر حکم ہو تو اپنے اوپر اور اپنے اہل و عیال پر تقسیم کر دوں''۔ فرمایا ''ایسا ہی کرو'' یہاں پر علماء میں اختلاف ہے کہ اگر صاحب کفارہ فقیر ہو تو جائز ہے کہ خود پر صرف

کرے۔ اکثر ائمہ کا مذہب ظاہر حدیث پر نظر کرتے ہوئے اسی پر ہے کہ جائز ہے لیکن ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ اب تو تم اسے کھالو آئندہ کفارہ دیدینا۔

اونٹ اور گھوڑوں کی دوڑ: ہجرت کے چھٹے سال کے واقعات میں اونٹوں اور گھوڑوں کے درمیان مسابقت یعنی دوڑ کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کو دوڑائیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کریں تاکہ دیکھا جائے کہ کون سا اونٹ اور گھوڑا تیز چلتا ہے اور کون سا آگے بڑھتا ہے۔ یہ بھی جہاد کے آلات واسباب میں سے ہے اور اسی باب میں اس حدیث کو بیان کیا گیا ہے اور اس دوڑانے میں شرط بھی جائز ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ کریں کہ جو آگے بڑھ جائے گا اسے اتنا مال انعام میں ملے گا۔ یہ شرط اگر ایک طرف سے ہو تو جائز ہے اور اگر دونوں طرف سے ہو تو قمار یعنی جوا ہے اور یہ حرام ہوگا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی تھی جس کا نام ''قصوا'' تھا کوئی اونٹ اس پر سبقت نہیں لے جاسکتا تھا۔ ایک اعرابی آیا جس کے پاس اونٹ بہت کمزور تھا اس نے قصوا سے دوڑانے میں بڑھا دیا۔ یہ واقعہ مسلمانوں پر بہت گراں گزرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی کیلئے فرمایا ''حق تعالیٰ کی شان برحق ہے۔ دنیاوی چیزوں سے جو بلند واونچی ہوتی ہے حق تعالیٰ اسے پست و نیچا کر دیتا ہے۔ اسی ارشاد کے موافق لوگوں کا یہ مقولہ ہے کہ ''ہر کمالے را زوال'' دہر شرفے را وبال'' کعبہ معظمہ اپنی اس تمام عظمت وکرامت کے باوجود جو اسے حاصل اور عالم کی بقا اس کے وجود پر قائم ہے۔ جب قیامت کا زمانہ قریب آئے گا تو حق تعالیٰ ایک حبشی کو مقرر کرے گا یہاں تک کہ وہ اس کا ایک ایک پتھرا کھاڑ ڈالے گا۔ اس کے بعد قیامت قائم ہو جائے گی۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (ہر شے کو فنا ہونا ہے بجز ذات باری تعالیٰ کے) کی سطوت ظہور پذیر ہوگی۔

ایسی دوڑ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسافت معین فرماتے کہ یہاں سے وہاں تک دوڑیں اور مضمر وغیر مضمر گھوڑوں کے درمیان فرق رکھتے۔ مضمر یعنی سبک وتیز رفتار گھوڑوں کیلئے حصباء سے ثنیۃ الوداع تک مقرر فرماتے۔ یہ دونوں مدینہ منورہ کے قریب کے مقامات کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے۔

مضمر ان گھوڑوں کو کہا جاتا ہے جن کو علف یعنی دانہ چارہ دیتے ہیں تاکہ فربہ اور قوی ہو جائیں۔ پھر اس علف کو کم کرتے ہیں یہاں تک کہ قوت یعنی بھوک تک رہ جائے اور اسے گھر میں محفوظ رکھتے ہیں اسے جھول اوڑھائے رکھتے ہیں تاکہ گرم ہو کر پسینہ آئے۔ جب اس کا گوشت خشک ہو جاتا ہے اور گھوڑا قوی و تیز رفتار وسبک ہو جاتا ہے۔ یہ ریاضت چالیس دن میں مکمل ہوتی ہے۔ ضمیر لغت میں لاغری اور سبکی گوشت کے معنی میں آتا ہے۔ مضمار جس کے معنی میدان کے ہیں اسی سے بنا ہے لہٰذا گھوڑا جب سبک وتیز رو ہو تو بہت دوڑتا ہے اسی لیے اس کے دوڑ کی مسافت زیادہ رکھی گئی ہے اور غیر مضمر گراں اور سست رفتار ہو تو کم دوڑتا ہے۔ اسی بنا پر اس کے دوڑ کی مسافت کم اور مختصر رکھی گئی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ لَا سَبَقَ اِلَّا فِیْ نَصْلٍ اَوْ خُفٍّ اَوْ حَافِرٍ۔ مطلب یہ کہ مسابقت اور دوڑ نہیں ہے مگر تیر اندازی یا خف یعنی اونٹ یا حافر یعنی گھوڑے ہیں۔ خف کے معنی اونٹ کے سم کے ہیں اور حافر کے معنی گھوڑے کے کھر کے ہیں۔ اونٹ کا سم چونکہ درمیان میں چاک ہوتا ہے اس لیے خف کہتے ہیں اور گھوڑے کا کھر میں چونکہ چاک نہیں ہوتا اس لیے حافر کہتے ہیں۔ ہاتھی اور گدھا اونٹ اور گھوڑے کے حکم میں ہوگا۔ اکثر جہاد اور غزوات میں زیادہ تر گھوڑے ہوتے ہیں۔ بعض حضرات پیدل دوڑنے اور پتھر پھینکنے کو بھی اسی کے ساتھ شامل کرتے ہیں۔

اُم رومان رضی اللہ عنہا والدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات: چھٹے سال کے واقعات میں سے ام رومان رضی اللہ عنہا

والدہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا واقعہ پیش آیا ہے۔ام رومان رضی اللہ عنہا کا نام زینب بنت عامر ہے۔ان کی نسبت میں بہت زیادہ اختلاف ہے لیکن اس پر اتفاق ہے کہ وہ بنی غنم بن مالک بن کنانہ میں سے تھیں۔حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں ایک والدہ سے ہیں۔محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی والدہ اسماء بنت عمیس شعمیہ ہیں۔حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بڑے فرزند ہیں ان کی والدہ قتیلہ ہیں۔بعض قتلہ بغیر تصغیر کے بتاتے ہیں۔اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی والدہ شقیقہ ہیں۔ام رومان رضی اللہ عنہا کی وفات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طاہرہ طیبہ کے زمانہ میں تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دفن کے وقت موجود تھے۔ایک روایت میں ہے کہ آپ ان کی قبر میں داخل ہوئے تھے۔فرمایا: جو چاہتا ہے کہ حور العین کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ ام رومان رضی اللہ عنہا کو دیکھے۔(رضی اللہ عنہا)

اسی سال کے آخر میں اور ایک قول کے بموجب ساتویں سال کے شروع میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ان کے اسلام لانے کی تفصیل اور ان کے تمام حالات کے بیان میں بڑی لمبی تفصیل ہے۔

ہجرت کے ساتویں سال کے واقعات اور غزوۂ خیبر کا ذکر

خیبر ایک بڑے شہر کا نام ہے جس میں متعدد قلعے اور بکثرت کھیتیاں ہیں۔یہ مدینہ منورہ سے آٹھ برید کے فاصلہ پر شام کی جانب ہے۔(کذا فی المواہب) قاموس میں ہے کہ خیبر مشہور قلعہ کا نام ہے۔اہل سیر نے کہا ہے کہ مدینہ یعنی شہر بہت سے گھروں کے مجموعہ کو کہتے ہیں جو بڑائی اور عمارتوں میں قریہ یعنی گاؤں سے بڑا ہو۔اور مصر کے مرتبہ کو نہ پہنچا ہو۔سب سے کمتر قریہ یعنی گاؤں ہے اور سب سے بالاتر مصر ہے۔مدینہ دونوں کے درمیانی حیثیت کا نام ہے۔بعض حضرات مدینہ کو مصر و بلد سے بالاتر کہتے ہیں اور مصر کے ہم مرتبہ قرار دیتے ہیں۔خیبر قلعوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔اس بنا پر ہر ایک قلعہ گاؤں کے مرتبہ میں ہوگا اور مدینہ ان کے مجموعہ کا نام ہے۔یہ سب قلعے آٹھ ہیں۔(۱) کیسہ'(۲) ناعم'(۳) صعب'(۴) شق'(۵) غموص'(۶) بطاۃ'(۷) سطیح'(۸) سالم۔

اس غزوہ کا وقوع ہجرت کے ساتویں سال میں ہے۔ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۷ ہجری کے ماہ محرم کے آخری دنوں میں تشریف لے گئے اور دس یا بارہ روز تک ان کا محاصرہ فرمایا۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فتح کرا دیا۔بعض نے کہا ہے کہ یہ آخر سن چھ ہجری میں ہے۔یہ امام مالک سے منقول ہے اور اسی پر ابن حزم نے جزم کیا ہے۔حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ قول راجح وہی ہے جسے ابن اسحٰق نے کہا ہے۔ان دونوں قولوں کو جمع کرتے ہوئے کہا کہ ''جس نے آخر سن کہا ہے''۔

اس نے ہجری سال کی ابتداء ماہ ربیع الاول سے مراد لی ہے۔اور اس نے اعتبار کیا ہے کہ حقیقت میں سابق یہی ہے اور اس طرح محرم آخر سال میں ہو جاتا ہے۔جیسا کہ مواہب نے بیان کیا۔ابن سعد'ابن ابی شیبہ'ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کی طرف اٹھارہ رمضان کو نکلا۔یہ غلط ہے اور صواب یوں ہے کہ یہ بات فتح مکہ کیلئے ہے جو آخر رمضان میں ہوئی تھی غلطی سے اس کی جگہ خیبر لکھا گیا۔چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے ایک ہزار چار سو صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لے گئے۔مواہب میں ایک ہزار ایک سو پیدل اور دو سو سوار مروی ہے۔

اس غزوہ کے وقوع کا سبب یہ تھا کہ جب حق تعالیٰ نے حدیبیہ سے واپسی کے وقت سورۂ ''اِنَّا فَتَحْنَا'' نازل فرمائی اور بشارت دی۔اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وقوع فتح اور غنائم کا وعدہ فرمایا۔حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ۔اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا جنہیں تم حاصل کرو گے تو ان غنائم کو تمہارے لیے مقرر

کر دیا''۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وعدہ غنائم کو فتح خیبر پر محمول فرمایا۔ اگر چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تو ریہ کی تھی اور اشارہ میں بات فرمایا کرتے تھے لیکن اس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو صاف صاف بتا دیا۔ فرمایا: ''لشکر کی تیاری کرو کیونکہ ہم غزوۂ خیبر کیلئے جانے والے ہیں''۔ مدینہ منورہ میں سباع رضی اللہ عنہ بن عرفطہ غفاری کو خلیفہ بنا کر چھوڑ دیا۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ہمراہ لیا اور دیگر بیس مسلمان عورتوں کو بھی تیمارداری' مرہم پٹی اور دیگر خدمات کیلئے ساتھ لے لیا۔ لشکر کے مقدمہ پر عکاشہ بن محصن اسدی کو اور میمنہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کو اور میسرہ وغیرہ پر دیگر صحابہ کو مقرر فرمایا۔ لشکر اسلام میں دو سو گھوڑے سوار تھے اور تین گھوڑے تو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔ کثرت سے اونٹ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اس سفر میں کوئی شخص اس غرض سے ہمارے ساتھ شامل نہ ہو جسے دنیاوی مال کی طمع ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن سلول منافق نے ہمراہ جانے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں یہ بات فرمائی اس منافق نے یہود کو خبر بھیجی کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے استحصال کا ارادہ رکھتے ہیں۔ خبردار اپنے قلعوں میں داخل نہ ہونا باہر نکل کر ان کے ساتھ جنگ کی تیاری کرو۔ کیونکہ سامان جنگ تمہارے پاس بہت زیادہ ہے اور تمہارے خدام ''خَذَلَهُمُ اللهُ'' بہت کثرت سے ہیں''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منافقوں کو اس غزوۂ میں شریک ہونے سے منع فرمانے کا سبب یہ تھا چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں سے کثیر مغانم کا وعدہ کیا گیا تھا اور اس پر صراط مستقیم کی ہدایت مترتب ہوتی تھی۔ اس بنا پر اس غزوے کو منافقوں کی ناپاکی سے پاک رکھا اور نہ چاہا کہ ان مغانم میں مخلص مسلمانوں کے ساتھ منافقین بھی شریک ہوں۔ (واللہ اعلم) اس غزوے کا مکمل قصہ' جزئی اور کلی واقعات کے ساتھ کتب سیر میں مذکور ہے۔ ہماری روش چونکہ اختصار کی ہے اس لیے ہم ان بڑے بڑے کلی واقعات کو اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں جن میں فوائد عظیمہ اور حجج قاہرہ مضمر و مذکور ہیں (و باللہ التوفیق)

جاننا چاہیے کہ صحیح بخاری میں سلمۃ بن الاکوع کی حدیث مروی ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کیلئے نکلے۔ ہم قطع مسافت کر رہے تھے کہ ایک رات ہم میں سے عامر رضی اللہ عنہ بن سنان بن الاکوع سے کہا گیا تم ہمیں اپنے ان اشعار ورجز میں سے کچھ سناتے نہیں جو تمہیں یاد ہیں۔ چونکہ عامر رضی اللہ عنہ شاعر اور حدی خواں شخص تھا اور بلند آواز سے خوب پڑھا کرتا تھا۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ جب ان پر راہ کی تھکن لاحق ہوتی اور ان کے چلنے سے مجبور ہو جاتے تو حدی پڑھتے یہاں تک کہ اونٹ مست ہو کر تیزی کے ساتھ مسافت طے کر لیتے۔ اس پر عامر رضی اللہ عنہ اونٹ سے نیچے اتر آئے اور حدی پڑھنے لگے اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے وہ اشعار جن کے شروع میں یہ ہے کہ اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا۔ خوش آوازی اور عمدہ لحن ونغمہ کے ساتھ پڑھا۔ اس کے بعد صحابہ کرام کا وقت ان کی خوش آوازی کے ساتھ نغمہ پڑھنے سے اچھا گزر گیا۔ ان پر ایک رقت طاری ہوگئی اور ان کے اونٹ بھی مست ہو کر تیزی سے سفر طے کرنے لگے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ کون ہے؟ جو اونٹوں کو چلاتا اور حدی گاتا ہے''۔ صحابہ نے عرض کیا عامر رضی اللہ عنہ بن الاکوع ہیں۔ فرمایا: ''یرحم اللہ'' ایک روایت میں ہے فرمایا ''غَفَرَ لَكَ رَبُّكَ'' اس پر لشکر اسلام میں سے کسی نے عرض کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان کیلئے شہادت واجب ہوگئی' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس لیے انہیں کچھ عرصہ اور رہنے نہ دیا کہ ہم ان سے بہرہ مند ہوتے اور وہ ہمارے ساتھ کچھ عرصہ اور حیات رہتے؟'' چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ مبارکہ یہ تھا کہ جس کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی دعا فرماتے وہ شرف شہادت سے مشرف ہو جاتا۔ مواہب لدنیہ میں مقید کر کے لکھا ہے کہ اس غزوہ اور جہاد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کیلئے بھی ایسی دعا فرمائی بالآخر وہ شہید ہوگیا۔

واضح رہنا چاہیے کہ روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ میں اس حدیث میں ایک ہی شعر لکھا ہے اور اس کے بعد کے اشعار کو چھوڑ دیا ہے لیکن مواہب میں ان تمام اشعار کو بیان کر کے ان کی شرح بھی کی گئی ہے۔ اس مقام کا اقتضا یہ ہے کہ ہم ان سب کو یہاں نقل کر دیں کیونکہ اس میں کچھ نکات ہیں۔ اگرچہ وہ موجب تطویل ہوں گے۔

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا ۔ اے خدا اگر تو نہ ہوتا یعنی اگر تیری رحمت نہ ہوتی تو ہم راہِ راست نہ پاتے۔ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا ۔ نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ ہم نماز پڑھتے۔ فضل و کرم یہ ہے کہ ہمیں راہ راست دکھائی اور نماز و زکوٰۃ کی توفیق دی۔ فَاغْفِرْ فِدَاءً لَكَ مَا اتَّقَيْنَا ۔ تو تو ہمیں بخش دے ہم تجھ پر فدا ہوں تاکہ ہم میں تقویٰ پیدا ہو۔ وَثَبِّتْ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا ۔ اور ہمارے قدموں کو اپنی جگہ قائم رکھ اگر ہمارے مقابلہ میں تیرے دین کے دشمن آئیں فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا اور ہم پر سکون و قرار اور آسانی کو نازل فرما۔ اِنَّا اِذَا اَصْبَحَ بِنَا اَتَيْنَا ۔ جب ہم صبح کریں اور ہم پر قتال واقع ہو اور شدائد و دشواریاں آئیں تو ہم اس سے گریز نہ کریں۔ وَبِالصِّيَاحِ عود علینا ۔ اور چیخ و پکار اور خوف و دہشت سے ہم متزلزل نہ ہوں۔ ''بعض روایتوں میں یہ شعر زیادہ آتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا ۔ جن لوگوں نے ظلم کیا اور ہم پر بغاوت کی۔ اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا ۔ جب وہ آزمائش و امتحان اور فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم انکار کرتے اور فتنہ میں نہ پڑتے۔ مروی ہے کہ لفظ ''اَبَيْنَا'' بلند آواز سے پڑھتے اور بار بار کہتے ابینا ابینا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ نے اس رجز کو کسی غزوہ میں کہا تھا اور عامر بن الاکوع نے اس مقام میں پڑھا اور صحابہ کو وجد میں لے آئے۔

ان شعروں میں فِدَاءً لَكَ'' کے قول میں علماء اعتراض کرتے ہیں کہ فداء کا اطلاق' حق تعالیٰ کی طرف نسبت کر کے درست نہیں ہے اور یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ ''اے خدا ہم تجھ پر فدا ہوں''۔ اس لیے کہ فدا ہونا ایسے موقع پر بولا جاتا ہے کہ جب کسی شخص پر آفت یا تکلیف آنے والی ہو اور دوسرا کوئی شخص اس آفت اور تکلیف کو اپنی جان یا نفس پر لے کر اسے رہا کرنا چاہے اور اپنے آپ کو اس پر فدا کر دے۔ فدیہ بھی اسی معنی کے اعتبار سے ہے اور حق سبحانہ و تعالیٰ اس سے پاک و مبرا ہے۔ علماء اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ لفظ اسی طرح واقع ہوا ہے بغیر اس بات کے کہ...... اس کے حقیقی معنی مراد ہیں جس طرح کہ یہ بولتے ہیں کہ قاتلہ اللہ یعنی اللہ سے اس نے جنگ کی۔ دعا میں حقیقۃً قتل و ہلاکت مراد نہیں ہے یا جیسے کہتے ہیں تَبَّتْ يَمِيْنُكَ يَا تَبَّتْ يَدَاهُ وغیرہ اس قسم کے الفاظ اور مقولے عرف و عادت اور محاورہ میں عام طور سے بولے جاتے ہیں۔ مگر ان سے حقیقی معانی مراد نہیں ہوتے۔ یہ ایک قسم کا مجاز و استعارہ ہے اس لیے کہ فدا ہونے والا جس پر فدا ہو رہا ہے اس کی رضا و خوشنودی کے حصول میں مبالغہ کرتا ہے اور اپنی جان کے عوض کسی خوف و ناگواری کے پہنچنے کے سبب اس سے بدلہ کرتا ہے۔ گویا شاعر کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی جان کو تیری رضا میں خرچ کرتا ہوں۔ اگرچہ جہت صحیحہ کی طرف سے معنی کا پھیرنا بھی ممکن ہے لیکن لفظ استعارہ و تجویز کا اس میں اطلاق' ورود شرح اور اس کی اجازت پر منحصر و موقوف ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہماری ان کوتاہیوں پر جو آپ کے حق میں اور آپ کی نصرت میں ہیں ہمیں نہ پکڑیئے۔ اس معنی میں لفظ اَللّٰهُمَّ سے مراد دعا نہیں ہے بلکہ تیمن و برکت کیلئے اس سے کلام شروع کیا گیا ہے اور ''لولا انت'' سے مخاطب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لیکن اس کے بعد ان کا کہنا کہ فَاَنْزِلْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا. بظاہر منافات رکھتی ہے۔ اس لیے کہ یہ خدا کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا و مناجات ہے۔ ممکن ہے کہ اپنے رب سے سوال کرنے کے معنی میں ہو کہ حق تعالیٰ سے سکینہ نازل ہونے اور ثابت رہنے کی دعا و سوال کیجئے۔

بندۂ مسکین ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین یعنی صاحب مدارج النبوۃ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ دعا و سوال بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جو کہ رب العزت کی جانب سے وکیل و سفیر ہیں۔ تو تصرف و تمکن کا ہاتھ انہیں کا ہے اور تدبیر کار و زمام اختیار

آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اگرچہ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ درحقیقت یہ معنی دوسرے احتمال وتاویل کی بناپر راجع ہے لیکن کلام میں کسی تقدیر کی ضرورت نہیں ہے۔

روضۃ الاحباب میں کسی سیر کی کتاب سے منقول ہے کہ جب عامر رضی اللہ عنہ حدی پڑھنے سے خاموش ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ سے فرمایا ''کیاتم ہمارے لیے حدی نہیں کہوگے اوراونٹوں کی رفتار میں تیزی نہیں لاؤ گے؟'' اس پر انہوں نے بھی حدی پڑھی اور وہی اشعار پڑھے جو عامر رضی اللہ عنہ نے پڑھے اوراخیر کا ایک شعراس میں زیادہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''رحمہ اللہ'' چنانچہ غزوۂ موتہ میں انہوں نے بھی شہادت پائی۔ سبحان اللہ۔ عجب دربار گہربار ہے کہ اس دربار کی خدمت کا اجروثواب ایسی رحمت کا حصول ہے کہ جان دیں اور شہید ہو جائیں۔ درحقیقت لطف ورحمت یہی ہے کہ اس جہان کی تنگ دامانی سے چھٹکارا پائے۔

اتفاقا بسر کوئے کسی افتادہ است ۔۔۔ کہ درآں کوئے چومن کشتہ بسے افتادہ است

اس مقام میں بجز جان قربان کرنے کے کوئی چارہ نہیں ہے۔

جاننا چاہیے کہ غنا کے اقسام میں سے ایک حدی ہے جس کا سننا باتفاق مباح ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنا ہے اور پسند فرمایا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حدی کہنے والا تھا جس کا نام انجشہ تھا۔ یہ بہت خوش آواز تھے اور حسن صوت رکھتے تھے۔ حدی کے معنی تحسین رجز' مباح بصوت نرم وشیریں اور گداز کے ہیں۔ یہ سفر کی کوفت کو کم کرنے اور نفس کے سرورو جذب کو بڑھانے کیلئے ہے۔ اس سے اونٹ تیز رفتاری کے ساتھ راہ قطع کرتا اور بھاری بوجھوں کو اٹھا لیتا ہے۔ ایک قسم اور ہے جسے ''رکبانی'' کہتے ہیں جسے سفر کی کلفت کم کرنے کے لیے سواریوں میں گاتے ہیں۔ یہ بھی مباح ہے۔ امیرالمومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سفروں میں بہت سنا کرتے تھے۔ غنا کی ایک قسم اور ہے جسے نشید کہتے ہیں۔ وہ اشعار وقصائد اورغزل کو صوت حسن کے ساتھ خلاف محل' اونچی آواز سے خاص اتار چڑھاؤ کے ساتھ قواعد موسیقی کی رعایت کرکے اور خوب بنا سنوار کے گاتے ہیں۔ اس میں کلام طویل ہے۔ آخر باب عبادات میں اس میں سے کچھ گزر چکا ہے۔

خیبر کے واقعات: وصل: خیبر والوں کو جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزیمت کی اطلاع ملی تو انہوں نے کنانہ بن ابی الحقیق کو اپنے حلیف وہم سوگند غطفانیوں کے پاس بھیجا اوران سے مدد مانگی۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے خیبر والوں کی بات کو درخور اعتناء نہ جانا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان میں سے چار ہزار جنگی مرد نکلے' پہلی منزل میں آسمان سے ایک آواز سنی کہ جن کو تم اپنے گھروں پر چھوڑ کے آتے ہوان پر تباہی آ گئی۔ اس پر وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔ نیز مروی ہے کہ غطفانیوں نے اپنے عقب سے حسن وحرکت کی آواز سنی اور انہوں نے گمان کیا کہ مسلمان تاخت وتاراج اور تباہ کرنے کیلئے آ گئے ہیں۔ اس پر وہ واپس چلے گئے۔ یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے تھا۔ اس کے باوجود ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ دس ہزار سوار خیبریوں کے لشکر میں تھے۔ وہ تمام ذلیل وخوار ہوئے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب قلعہ خیبر کے درمیان تشریف لائے اور چشم مبارک ان بستیوں پر ڈالی تو دعا پڑھی۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرْضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيٰطِيْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا ذَرَيْنَ اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا شَرِّ مَافِيْهَا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی یہ دعا پڑھی۔اس دعا کا پڑھنا جس وقت کہ کسی شہر یا گاؤں کو دیکھے یا ان میں داخل ہو تو ماثور و منقول ہے۔فرمایا: اُدْخُلُوْا عَلٰی بَرَکَتِ اللّٰہِ۔اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر پہنچے جسے ''منزلہ'' کہتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منزل میں اقامت فرمائی اور ایک جگہ نماز کے لیے متعین فرمائی۔اس جگہ نماز تہجد ادا فرمائی' فجر کی نماز بہت تڑکے پڑھی اور متوجہ ہو گئے۔چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ علی الصباح آپ پیش قدمی فرماتے تھے۔

قادر مطلق نے اس رات خیبر والوں پر خواب غفلت مسلط کر دی گو وہ پہلے سے باخبر تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں مگر اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی انہیں خبر نہ ہوئی۔حالانکہ انہوں نے جب سے یہ سنا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف آ رہے ہیں تو وہ ان بستیوں کی حفاظت کرتے' ہر رات چند سوار دیکھ بھال کرتے اور جستجو میں لگے رہتے۔لیکن اس رات وہ سب غفلت کے مارے سوتے رہ گئے۔یہاں تک کہ ان کے مرغوں نے بھی بانگ نہ دی اور ان کے چوپائے حرکت و جنبش کرنے سے رکے رہے۔جب آفتاب طلوع ہوا تو بیدار ہوئے' اپنے بیلچے اور کدال لے کر نکلے کہ کھیتوں میں جائیں۔اچانک لشکر اسلام دور سے ان کی نظروں میں آیا سب نے بھاگنے کی راہ لی اور کہنے لگے۔''وَاللّٰہِ مُحَمَّدٌ وَالْخَمِیْسَ'' خدا کی قسم! یہ محمد اور خمیس ہیں یعنی لشکر کی پانچ ٹولیوں کے ساتھ آ گئے ہیں۔''خمیس'' بہت بڑے لشکر کو کہتے ہیں جس کو پانچ حصوں پر تقسیم کیا گیا ہو یعنی (۱) مقدمہ' (۲) میمنہ' (۳) میسرہ جن کو جناحین یعنی دو بازو بھی کہتے ہیں اور (۴) قلب (۵) ساقہ۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حال مشاہدہ فرمایا تو تکبیر بلند فرمائی۔فرمایا: اَللّٰہُ اَکْبَرُ خَرِبَتْ خَیْبَرَ اِنَّا اِذَ اَنْزَلْنَا بِسَاحَۃِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ۔صحیح بخاری میں ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو مسلمانوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی اور کہا ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ'' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے لوگو! اپنے نفسوں پر رفق و نرمی کرو۔تم کسی غائب کو نہیں پکار رہے ہو جس کو پکار رہے ہو وہ تم سے نزدیک ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے'' ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ میں ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' پڑھ رہا ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن قیس! میں نے عرض کیا ''لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!'' فرمایا ''میں تمہیں ایسا کلمہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے؟'' میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ضرور رہنمائی فرمائیے۔فداک ابی و امی (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) فرمایا وہ کلمہ ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' ہے۔

بندۂ مسکین نصۂ اللہ بمزید الیقین یعنی صاحب مدارج النبوۃ فرماتے ہیں کہ اس کلمہ کا جنت کے خزانوں میں سے ہونے کی تحقیق و تاویل میں شارحین بہت سی باتیں بیان کرتے ہیں۔مجھے یاد ہے کہ شیخ ولیٔ مقتدانا عبدالوہاب حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے شارحین کے اقوال نقل کرنے اور ان کی تاویلات بیان کرنے کے بعد فرمایا ان باتوں کو یہیں چھوڑ دو۔انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہو جائے گا کہ اس کے حقیقی معنی کیا ہے۔انتہیٰ۔

مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ اس کلمہ کی تکرار اور اس پر ہمیشہ قائم رہنا عمل خیر کی توفیق کی معاون ہے۔

جب ان کا لشکر قلعہ میں پناہ لے چکا اور سلام بن مشکم کو خبر پہنچی تو سلام بن مشکم کی ترغیب و ترہیب سے جو ان کا سردار و بزرگ تھا۔ جنگ کرنے پر ان کے دل آمادہ ہوئے اور اہل و عیال کو قلعہ کتیبہ میں محفوظ کر کے کھانے پینے کی چیزوں کی جس کا پہلے سے قلعہ ناعم میں ذخیرہ کر رکھا تھا اور زیادہ شدت سے حفاظت کے انتظامات کر کے ان کے دلیر و بہادر اور جنگ آزما لوگ قلعہ عظاۃ میں اکٹھے ہو گئے۔

سلام بن مشکم باوجودیکہ وہ بہت سخت بیمار تھا اسی قلعہ میں آ گیا اور جہنم رسید ہوا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جنگ کا شوق دلایا۔ اور اجر آخرت، رفع درجات اور بے حد و غایت ثواب پانے کا مژدہ سنایا۔ فرمایا: ظفر و نصرت تمہاری ہے اگر تم ثابت قدم رہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاح و مشورہ فرمایا اور حباب رضی اللہ عنہ المنذر کی عرض پر جو کہ رزم و حرب کے آزمودہ کار تھے موضع رجیع میں جو لشکر کیلئے بہترین اور عمدہ جگہ تھی لشکر کو ٹھہرایا۔ قلعہ بطاق سے یہود نا بہبود نے جنگ شروع کی اور قلعہ کے اوپر سے تیر برساتے تھے۔ جب رات ہوگئی تو رجیع کے قیام گاہ میں واپس تشریف لے آئے۔ دوسرے دن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو منزل کی خلافت سپرد کر کے اور لشکر کے امور کی انجام دہی تفویض فرما کے قلعہ کے نیچے جنگ گاہ میں تشریف لے آئے۔ اسی طرح ہر روز ہوتا رہا یہاں تک کہ قلعہ نطاۃ فتح ہوا۔ ان دنوں میں پچاس مسلمان زخمی ہوئے۔ اس غزوے میں جو واقعات رونما ہوئے ان میں سے ایک واقعہ یہ تھا کہ ان دنوں میں ہوا بہت گرم تھی۔ محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ جو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے ہوا کی گرمی کی شدت اور ہتھیاروں کے بوجھ کی بنا پر قلعہ ناعم کے سایہ میں اس خیال سے لیٹ گئے کہ اس جگہ جنگ کرنے والوں میں سے کوئی نہیں ہے اور وہ سو گئے۔ یہاں تک کہ ان کے نامردوں میں سے ایک نے جس کا نام کنانہ بن ابی الحقیق ہے یا مرحب یہودی۔ ''عَلٰی اِخْتِلَافِ الْقَوْلَیْنِ وَالصَّحِیْحُ الْاَوَّلُ'' اس نے قلعہ کے اوپر سے ایک پتھر محمود رضی اللہ عنہ کے سر پر پھینکا جس سے ان کا سر پاش پاش ہو گیا اور انہیں دنوں میں اس زخم کی شدت میں شہادت پائی اور فردوس میں جا کر آرام پذیر ہوئے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ خباب المنذر رضی اللہ عنہ نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یہود کو کھجوروں کے درخت اپنی اولاد سے زیادہ پیارے ہیں۔ حکم ہو تو ان درختوں کو کاٹ ڈالا جائے تاکہ ان کی حسرت اور زیادہ ہو۔ اس کے بعد کچھ صحابہ اس کام میں مصروف ہو گئے چونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قلب شریف محل رفق اور آنکھ مقام رقت رکھتی تھی۔ جب انہوں نے یہ دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حق تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے کہ خیبر فتح ہوگا اور یہ وعدہ ضرور پورا ہونا ہے تو درختوں کے کاٹنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ اگر حکم فرمائیں تو قطع نخیلات سے ہاتھوں کو رکوا دیا جائے اور یہ اچھا ہوگا''۔ فرمایا ''روک دو'' ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ تقریباً چار سو درخت کاٹ ڈالے گئے تھے۔ قلعہ نطاق کے سوا کس جگہ درختوں کی کٹائی واقع نہیں ہوئی تھی۔ یہ سب یعنی قطع اور منع قطع دونوں صحابہ کی رائے اور اجتہاد سے تھا اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے بھی ان کے ساتھ موافق ہوگئی تھی تاہم خدا کی جانب سے کوئی مخالفت اور عتاب واقع نہ ہوا جس طرح کہ بدر کے قیدیوں کے فدیہ کے سلسلہ میں ہوا تھا۔ (واللہ اعلم)

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک رات حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لشکر اسلام کے پہرہ پر مقرر تھے چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کسی ایک صحابی کو لشکر اسلام کی حفاظت و پہرے پر مقرر فرمایا کرتے تھے۔ مسلمان ایک یہودی کو پکڑ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لائے۔ انہوں نے اس یہودی کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس یہودی نے کہا مجھے اپنے نبی کے پاس لے چلو ان سے کوئی بات کہنی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس یہودی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا دیا۔ اس نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ''اے ابوالقاسم! مجھے امان دیجئے تاکہ واقع کے مطابق کچھ عرض خدمت کروں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امان دی۔ اس یہودی نے کہا خیبر والوں کی حالت یہ ہے کہ لشکر اسلام کی سختی اور اس کی صولت و ہیبت سے وہ انتہائی ہراساں ہیں۔ خصوصاً آج کی جنگ کی ہیبت سے تو بہت ہی خوفزدہ ہیں اور انہوں نے ارادہ کیا ہے کہ آج رات قلعہ شق میں منتقل ہو جائیں۔ آلات حرب اور غلہ و ذخائر کو ایک پوشیدہ جگہ میں چھپا دیا ہے اور میں اس جگہ کو جانتا ہوں۔ جب کل یہ قلعہ مفتوح ہو جائے تو اس جگہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادموں کو دکھا دوں

گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہودی نے کہا ''میرے اہل وعیال اس قلعہ میں ہیں ان کو بھی میرے ساتھ بخش دیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بخش دیا۔ دوسرے دن نطاۃ فتح ہوگیا' اس کا قلعہ بھی مفتوح ہوگیا اور یہودی اپنے اہل و عیال کے ساتھ ایمان لے آیا۔

چوتھا واقعہ یہ ہے کہ ایک حبشی غلام تھا جو ایک یہودی کی بکریوں کی رات میں نگہبانی کرتا تھا۔ اس سے پہلے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قلعہ کے دروازہ پر آئیں۔ دیکھا کہ مسلح ہو کر جنگ پر تیار کھڑے ہیں۔ اس نے یہودیوں سے پوچھا تمہارا یہ کیا حال ہے؟ یہودیوں نے کہا ''ہم چاہتے ہیں کہ اس شخص سے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے جنگ کریں۔ اس بات کو سن کر اس میں ہوشیاری پیدا ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ فرمایا ''اسلام کی اور تم کہہ دو اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس نے کہا جب میں یہ کہہ دوں گا تو میرا کیا ہوگا۔ فرمایا: جنت ملے گی اگر تم اس پر ثابت قدم رہے تو وہ غلام اسی وقت مسلمان ہوگیا۔ اس نے کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بکریاں بطور امانت میرے قبضہ میں ہیں' میں چاہتا ہوں انہیں اس کے مالک کے سپرد کردوں''۔ فرمایا ''ان بکریوں کو لشکر کے باہر لے جاؤ اور اس کو ہنکال کر اس کے پیچھے چند کنکریاں پھینکو۔ بلاشبہ حق تعالیٰ تمہاری طرف سے اس امانت کو ادا کردے گا''۔ غلام نے ایسا ہی کیا۔ تمام بکریاں دوڑتی ہوئی غلام کے مالک کے گھر پہنچ گئیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف اور آپ کا معجزہ تھا کہ تمام بکریاں بے توقف اور بے اختیار دوڑتی ہوئی یہودیوں کے گھر آ گئیں۔ اس کے بعد وہ حبشی ہتھیار اٹھا کر میدان جنگ کی طرف چلا گیا اور جنگ کرتا ہوا درجہ شہادت کو پہنچ گیا۔ مسلمان اسے اٹھا کر لشکر اسلام کے خیموں میں لے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے حال کی خبر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عَمَلاً قَلِیْلًا وَّاَجْرًا کَثِیْرًا۔ کام تھوڑا کیا اور مزدوری زیادہ پائی۔ مطلب یہ کہ نہ نماز پڑھی' نہ روزہ رکھا اور نہ کوئی اور طاعات و عبادات کی۔ ایمان کے بعد ایک ہی عمل کیا اور وہ اسلام پر جان دینا ہے لیکن خوب یاد رکھنا چاہیے کہ یہ عمل ہے ایمان کے تمام اعمال کا اصل اصول ہے۔ سب سے زیادہ شاق اور دشوار ترین عمل' عمل جہاد' جان کی بازی ہے اور کیا باقی رہا۔ درحقیقت حق تعالیٰ جل شانہ کا ہی فضل وکرم ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس کے خیمہ میں تشریف لائے اور خیمہ کے اندر اس کے سرہانے کھڑے ہو کر فرمایا۔ حق تعالیٰ نے اس بندۂ حبشی پر کرم فرمایا اور اسے جنت میں پہنچا دیا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ دو حوریں جنت کی اس کے سرہانے کھڑی ہیں۔ مخفی نہ رہنا چاہیے کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ فلاں بندے کو لے گئے اور جنت میں داخل کر دیا ہے۔ چونکہ جنت اس وقت بھی موجود ہے لہٰذا جنت میں داخل کرنا درست ہوگا۔ لیکن کیا اس شخص کو جنت سے نکال کر عرصات محشر میں لائیں گے؟ حالانکہ جنت میں داخل ہونے کے بعد وہاں سے نکالنا واقع نہیں ہے۔ حدیث میں بعد نماز آیۃ الکرسی کے پڑھنے کی فضیلت میں واقع ہوا ہے کہ مَا یَمْنَعُهٗ مِنْ دَخُوْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا الْمَوْتُ۔ جنت میں داخل ہونے سے کوئی رکاوٹ نہیں بجز موت کے اور ممکن ہے کہ جنت میں داخل ہونے کی تیاری اور مستعدی مراد ہو۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ سبز پرندوں کے جوف میں ارواح کا دخول مراد ہو۔ جیسا کہ شہداء کی فضیلت میں وارد ہوا ہے۔

پانچواں واقعہ یہ ہے کہ ایک دن مسلمان قلعہ صعب کے محاصرہ اور جنگ میں مشغول تھے کہ مرحب یہودی قلعہ سے باہر نکلا۔ میدان جنگ میں آ کر اپنا مقابل طلب کرنے لگا۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ بن سنان الاکوع جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدی پڑھتے وقت ترحم واستغفار فرمایا تھا۔ وہ مرحب کے مقابل آئے۔ اس یہودی نے ان پر تلوار کا وار کیا۔ عامر رضی اللہ عنہ نے اس کا وار اپنی ڈھال پر روکا اور اس کی تلوار ان کی ڈھال پر جم کے رہ گئی۔ اس کے بعد عامر نے اپنی تلوار کا وار مرحب پر کیا مگر ان کی تلوار مرحب سے خطا ہو کر

ان کے اپنے زانو پر آ گئی اور اپنی ہی تلوار سے وہ مجروح ہو گئے۔ اسی زخم سے وہ جنت کو سدھارے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ''رَحِمَهُ اللهُ وَغَفَرَلَهٗ رَبُّهٗ'' کے مصداق بنے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ سلمہ رضی اللہ عنہا بن الاکوع روتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے صحابہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عامر رضی اللہ عنہ کا عمل رائیگاں گیا کیونکہ وہ اپنی ہی تلوار سے مارے گئے اور اپنی جان کے قاتل بنے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ غلط کہتے ہیں۔ بلاشبہ ان کو دونا اجر وثواب ہے اور اپنی دونوں انگشت مبارک کو ملا کر فرمایا ''اِنَّهٗ لَجَاهَدَ وَمُجَاهِدٌ'' یقیناً انہوں نے جہاد کیا وہ مجاہد ہیں۔

چھٹا واقعہ یہ ہے کہ قلعہ صعب کے محاصرہ کے دوران مسلمانوں کو بڑی شدت سے بھوک کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح کہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ فاقہ کشی ہلاک نہ کر دے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ صمدیت میں سوال کیا تا کہ ان کی عسرت' آسانی وفراخی سے بدل جائے اور ان کی مشقت راحت میں منتقل ہو جائے۔ اور کوئی ایسا قلعہ جس میں غذا وطعام بہت ہو فتح کرا دے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم حضرت منذر رضی اللہ عنہ بن الحباب کو دیا۔ لشکر اسلام نے ایک دم حملہ کیا' خود کو قلعہ صعب کے دروازہ پر پہنچا دیا اور جنگ میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ قلعہ کھل گیا۔ بے شمار ساز وسامان اور غذا وطعام اس قلعہ میں سے باہر لائے اور بکثرت شراب بہائی۔ عبداللہ بن حمار رضی اللہ عنہ ایک مرد مسلمان تھے لیکن کبھی کبھی شراب کی طرف ہاتھ بڑھا لیا کرتے تھے۔ آج بھی انہوں نے خیبر والوں کی شراب کے چند گھونٹ پی لیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نصیحت فرمائی۔ صحابہ نے انہیں لعنت وملامت کی۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان ملامت کرنے والوں میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عمر رضی اللہ عنہ! ان پر لعنت نہ کرو یہ خدا اور اس کے رسول سے محبت کرتے ہیں'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل محبت ارتکاب معصیت کے ساتھ من وجہ جمع ہو جاتی ہے۔ ہاں محبت کامل وہ ہے جو موافقت واتباع کے ساتھ ہو۔ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ۔ کامل محبت کرنے والا وہی ہے جو محبوب کا اتباع کرے۔ ہر مسلمان خدا اور رسول کی محبت کے ساتھ موصوف ہے۔ جس طرح کہ ایمان کامل وناقص ہوتا ہے اسی طرح محبت کا حال بھی ہے۔

ساتواں واقعہ یہ ہے کہ قلعہ غموص کے محاصرہ میں مسلمان مشغول تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو درد سر عارض ہو گیا۔ اس بنا پر بنفس نفیس خود لشکر اسلام کی کمان کرنے تشریف نہ لے جا سکے۔ ہر روز کسی ایک مہاجر وانصار کے بزرگ کو کمان سپرد فرماتے اور نصرت کا علم اسے دے کر جنگ میں روانہ فرماتے تھے۔ چونکہ قلعہ غموص دیگر قلعوں سے زیادہ مستحکم تھا اس کی تسخیر آسانی سے نہ ہو سکی۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ علم اٹھا کر لشکر اسلام کو لے کر قلعہ پر آئے۔ ہر چند سعی وکوشش کی مگر مراد حاصل نہ ہوئی۔ دوسرے دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ علم لے کر شجاع وصف شکن اصحاب کے ساتھ ابطال قتال وجدال ارباب ضلال کیلئے آئے اور مقاتلات عظیمہ سرانجام دیا مگر بے نیل ومرام لوٹ آئے۔ تیسرے روز پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ سخت ترین محاصرہ وقتال کیا مگر عنان مراد ہاتھ نہ آئی اور لوٹ آئے۔

خیبر شکن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شجاعت: وصل: چونکہ ازل سے ارادہ الٰہی اسی پر تھا کہ یہ فضل خاص فتح خیبر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ مزید خصوصیت شامل ہو۔ چونکہ قلعہ قموص خیبر کے تمام قلعوں سے زیادہ سخت اور مستحکم تھا اس لیے اس کو آپ کے ہاتھ پر فتح کرایا۔ اسے خیبر کے تمام قلعوں اور ان کے شہروں کا مقدمہ اور اساس بنایا۔ اگرچہ ان میں سے کچھ قلعے مثلاً نطاۃ اور صعب وغیرہ۔ اس سے پہلے فتح ہو چکے تھے لیکن اتمام فتح خیبر اور اکمال جناب مرتضوی سے منسوب ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَّجُلاً يُّحِبُّهُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ

يَفْتَحُ اللهُ عَلَيْهِ ۔''کل میں اس شخص کوعلم دوں گا'' یا یہ فرمایا ''کل وہ شخص جھنڈا لے گا جس کو اللہ اور اس کا رسول پسند فرماتا ہے اور اللہ اس پر فتح فرمائے گا''۔ایک روایت میں آیا ہے کہ رَجُلٌ كَرَّارٌ وَغَيْرُ فَرَّارٍ یعنی وہ مرد بار بار پلٹ پلٹ کر دشمن پر حملہ کرے گا اور پیچھے نہ ہٹے گا۔روضۃ الاحباب میں اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ شخص بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے پیچھے ہٹنے والا نہیں ہے۔جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر بشارت اثر اور یہ مژدہ سعادت ثمر دیا تو تمام صحابہ راہ میں دیدۂ امید اور چشم انتظار لیے قبول درگاہ پر بیٹھ گئے۔تاکہ یہ دولت نصیب میں آئے اور اس فضیلت کے ساتھ مخصوص ہوں۔حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم حق کے سامنے گیا اور سلام عرض کر کے دوزانو ہو کے بیٹھ گیا پھر اس امید کے ساتھ اٹھا کہ میں اس فضیلت کا مستحق ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے بجز اس روز کے امارت کو کبھی پسند نہیں کیا اور نہ کبھی خواہش کی۔ایک روایت میں ہے کہ قریش کی جماعت ایک دوسرے سے کہتی تھی یہ تو طے سمجھو کہ علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب تو اس مراد سے فائز نہ ہوں گے کیونکہ ان کی آنکھ اس شدت سے درد کرتی ہے کہ وہ اپنے پاؤں تک نہیں دیکھ سکتے''۔

منقول ہے کہ جب امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بشارت کو فرماتے سنا تو ان کی خواہش میں لگن پیدا ہوئی اور دل چشم توکل میں اور امید بر فضل خدا رکھ کر دعا مانگی۔اَللّٰهُمَّ لَامَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ۔ ''اے خدا! جب تو دینا چاہے تو کوئی روکنے والا نہیں اور جب تو باز رکھے تو کوئی دینے والا نہیں''۔حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ درد چشم کی بنا پر خیبر کے سفر سے تخلف کر کے مدینہ طیبہ میں ہی رہ گئے تھے۔انہیں سخت ترین آشوب چشم تھا اور وہ اپنے سے کہا کرتے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہو کر مشغلہ جہاد سے دور رہ کر اچھا نہیں کیا ہے۔سفر کی تیاری کر کے مدینہ طیبہ سے چل دیئے۔اثناء راہ میں یا خیبر پہنچنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آمد کی اطلاع ملی۔جب دن ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے ہر طرف سے عرض کیا وہ یہیں ہیں لیکن ان کی آنکھ اتنی درد کرتی ہے کہ وہ اپنے پاؤں تک کو نہیں دیکھ سکتے''۔فرمایا: ان کو میرے پاس لاؤ۔مسلمہ رضی اللہ عنہا بن الاکوع گئے اور ان کو ہاتھ سے پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر کو اپنی مبارک ران پہ رکھا' اپنا لعاب دہن مبارک ان کی چشم مبارک میں لگایا اور دعا مانگی۔ اسی وقت ان کی آنکھ سے درد جاتا رہا اور انہیں شفائے کلی حاصل ہوگئی۔اس کے بعد انہیں کبھی درد چشم اور درد سر لاحق نہ ہوا۔ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بھی پڑھی۔اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنْهُ الْحَرَّ وَالْقَرَّ ۔اے خدا! ان سے گرمی وسردی دونوں کو دور رکھ''۔چونکہ اکثر ابن آدم کا اسی سے سابقہ پڑتا ہے۔خصوصاً جنگ کے معرکوں میں اور ان دنوں خیبر کی ہوا بہت گرم تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں سردی سے دور رہنے کو بھی شامل فرما دیا۔ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سخت گرمی میں روئی کا لباس پہنتے اور سخت سردی میں باریک کپڑے کا لباس پہنتے تو انہیں کوئی نقصان وضرر نہ پہنچتا تھا۔جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس بیماری سے نجات پالی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خاص زرہ انہیں پہنائی اور ذوالفقار ان کی میان میں باندھی۔فرمایا: جاؤ التفات نہ کرنا جب تک کہ حق تعالیٰ تمہارے ہاتھ پر قلعہ فتح نہ فرما دے۔عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کہاں تک میں ان سے قتال کروں؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس وقت تک قتال کرو جب تک وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی نہ دیں۔جب وہ اس کی گواہی دیں گے تو وہ اپنے خونوں اور مالوں کو بچالیں گے۔مگر اس کے حق کے ساتھ اور ان کا حساب خدا پر ہے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ جب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ علم لے کر راہ میں آئے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میں اس وقت تک ان سے جنگ کرتا رہوں گا جب تک کہ وہ ہماری مانند نہ ہو جائیں یعنی مسلمان نہ ہو جائیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''عجلت نہ کرو اور جاؤ جب میدان کارزار میں پہنچو تو پہلے ان کو دعوت اسلام پیش کرو اور حق تعالیٰ کے وہ حقوق جو اس نے اپنے بندوں پر واجب کیے ہیں یاد دلاؤ''۔ خدا کی قسم! اگر تمہارے سبب سے حق تعالیٰ ایک شخص کو بھی ہدایت دیدے تو یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تم ہزار سرخ اونٹ خدا کی راہ میں صدقہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ ہدایت کرنا موجب ثواب آخرت ہے اور اس دنیاوی متاع سے افضل وبہتر ہے جو راہ خدا میں خرچ کیا جائے۔ راہ حق بتانا افضل ترین اعمال ہے اور صدقہ کرنا ایسی عبادت ہے جو اس کی مانند مقدس یعنی فدیہ وکفارہ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں واقع ہوا ہے کہ ذکر کرنا' سونے چاندی کو راہ خدا میں خرچ کرنے سے افضل ہے۔

اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ علم لے کر روانہ ہوئے اور قلعہ غموص کے نیچے آ گئے۔ انہوں نے علم کو سنگریزوں کے ایک ٹیلے پر جو قریب تھا نصب کیا۔ احبار یہود میں سے ایک نے جو قلعہ کے اوپر کھڑا تھا پوچھا کہ ''اے صاحب علم تم کون ہو؟ اور تمہارا نام کیا ہے؟'' فرمایا ''میں علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب ہوں''۔ اس کے بعد اس یہودی نے اپنی قوم سے کہا ''قسم ہے توریت کی! تم اس شخص سے مغلوب ہو گئے۔ یہ فتح کیے بغیر نہ لوٹے گا''۔ ظاہر مفہوم یہ ہے کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صفات اور ان کی شجاعت کو جانتا تھا۔ کیونکہ توریت میں اس نے آپ کا وصف پڑھا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے اوصاف سابقہ کتابوں میں لکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے جو قلعہ سے باہر نکلا وہ حارث یہودی تھا جو مرحب کا بھائی تھا۔ اس کا نیزہ تین من کا تھا۔ اس نے نکلتے ہی جنگ شروع کر دی اور اس نے کئی مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس کے سر پر پہنچ گئے اور ایک ہی وار سے اسے دوزخ میں پہنچا دیا۔ مرحب کو جب اپنے بھائی کے مارے جانے کی خبر ملی تو وہ خیبر کے بہادروں کی جماعت کے ساتھ اسلحہ سے لیس ہو کر انتقام لینے کیلئے باہر نکلا۔ کہتے ہیں کہ مرحب خیبر والوں میں بڑا بہادر' بلند قد وقامت والا بڑا جنگجو شخص تھا۔ خیبر کے بہادروں اور شجاعوں میں اس کی برابری کا کوئی دوسرا شخص نہ تھا۔ اس روز وہ دو زرہ پہن کر' دو تلواریں حمائل کر کے' دو عمامے باندھ کر اور اس کے اوپر خود رکھ کر یہ رجز کہتا ہوا معرکہ کارزار میں آیا۔

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اِنِّيْ مَرْحَبُ　　　شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبٌ

کسی مسلمان کو ہمت نہ ہوئی کہ اس کے مقابل آتا اور میدان قتال میں اترتا۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی یہ رجز پڑھتے ہوئے آئے۔

اَنَا الَّذِيْ سَمَّتْنِيْ اُمِّيْ حَيْدَرَا　　　ضِرْغَامُ اٰجَامٍ وَلَيْثٌ قَسْوَرَةٌ

''میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا۔ ضرغام ہوں اجام ہوں اور حملہ آور لیث ہوں''۔ ضرغام اجام اور لیث تینوں شیر کے مترادف المعنی الفاظ ہیں۔ معرکہ کارزار میں رجز پڑھنا عرب کے شجاعوں' بہادروں کی عادت ہے۔ اس مقام میں اپنی تعریف کرنا جائز ہے تاکہ مخالف کے دل میں رعب وہیبت بیٹھے اور شوکت ودبدبہ ظاہر ہو۔ مرحب نے پیش دستی کر کے چاہا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سر پر تیغ کا وار کرے۔ مگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سبقت کر کے اچھل کر ضرب ذوالفقار اس ملعون غدار کے سر پر ایسی رسید کی کہ خود کو کاٹتی زنجیروں کو چاٹتی حلق تک آ گئی۔ ایک روایت میں ہے اس کی رانوں تک پہنچی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے زین کے قابوس تک پہنچی۔ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کے بعد اہل اسلام بامداد حضرت امیر میدان میں اتر آئے اور یہودیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ یہود کے شجاعوں میں سے سات کو جہنم رسید کر دیا۔ ان کے باقی ساتھی ہزیمت اٹھا کر قلعہ میں داخل ہونے لگے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی ان کے تعاقب میں بڑھتے گئے۔ اسی حالت میں ایک یہودی نے آپ کے دست اقدس پر ایک وار کیا اور آپ کی ڈھال زمین پر گر پڑی۔ دوسرا یہودی اس ڈھال کو اٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت امیر کو جوش آیا اس حالت میں قوت ربانی

کی طرف سے ایسی روحانی قوت وارد ہوئی کہ آپ خندق کو پھاند کر قلعہ کے دروازہ پر پہنچ گئے اور قلعہ کے آہنی دروازہ کا ایک پٹ اکھاڑ ڈالا۔ اس کی ڈھال بنا کر جنگ میں مشغول ہو گئے۔

سیدنا امام باقر سلام اللہ علیہ وعلی آباء العظام واولادہ الکرام سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ نے در خیبر کو اکھاڑنے کے لیے جھنجھوڑا تو سارا قلعہ کانپنے لگا۔ چنانچہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حی بن اخطب تخت سے گر پڑی اور اس کا چہرہ زخمی ہو گیا۔ غالباً خصوصیت کے ساتھ صفیہ رضی اللہ عنہا میں یہ جنبش سرایت کرنے میں حکمت وعلامت اور خاص مناسبت ہو جس کی بنا پر وہ اسیر ہوئیں۔ آخر میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آئیں تاکہ وہ متنبہ ہو جائیں اور باطنی علاقہ جنبش میں آ کر اس دولت وسعادت کے قبول کرنے کی صلاحیت واستعداد ان میں پیدا ہو جائے۔ جیسا کہ آئے گا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جنگ سے فارغ ہونے کے بعد دو جب کے فاصلہ پر آپ نے اس دروازہ کو پس پشت دور پھینکا۔ کہتے ہیں کہ بعد میں سات قوی وتنومند آدمیوں نے مل کر اس در کو ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر پلٹنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے اور چالیس آدمیوں نے مل کر چاہا کہ اسے اٹھالیں مگر عاجز رہ گئے۔ روضۃ الاحباب' معارج النبوۃ اور سیر کی دیگر کتابوں میں ایسا ہی منقول ہے۔ معارج النبوۃ میں منقول ہے کہ اس در کا وزن آٹھ سو من تھا۔

مواہب لدنیہ میں مروی ہے کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے جس باب خیبر کو اکھاڑا تھا اسے ستر آدمی انتہائی مشقت اور کوشش کے باوجود ہلا تک نہ سکے۔ ابن اسحٰق کی روایت میں سات آدمی مذکور ہیں اور حاکم' بیہقی نے۔ لیث بن ابی سلیم سے وہ ابو جعفر محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے وہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے جس در خیبر کو اکھاڑ کر اٹھالیا تھا اس کے بعد جب اس پر تجربہ کیا گیا تو اسے چالیس آدمی بھی نہ اٹھا سکے۔ کہا کہ لیث روایت میں ضعیف ہے۔ بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ جب قلعہ پر پہنچے تو آپ نے ایک دروازہ اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا۔ اس کے بعد جب ہم میں سے لوگوں نے چاہا کہ اسے اٹھا کر اپنی جگہ نصب کر دیں تو اسے چالیس آدمی بھی نہ اٹھا سکے اور کہا کہ ہمارے شیخ نے فرمایا کہ یہ تمام روایتیں واہی اور لغو ہیں۔ بعض علما نے ان روایتوں کو منکر قرار دیا ہے۔ (انتہی کلام المواہب)

صحیح بخاری میں فتح امیر المومنین کی حدیث مذکور ہے۔ اس میں باب خیبر اکھاڑنے کا ذکر نہیں ہے لیکن مشہور ہے اور کتب احادیث میں مذکور ومسطور ہے۔

معارج النبوۃ میں ایک عالم سے ایک غریب حکایت منقول ہے کہ جب چالیس آدمی اس کے اٹھانے سے عاجز رہ گئے تو حضرت امیر کے دل میں ایک شگفتگی پیدا ہوئی اور اپنی اس قوت وشوکت پر ناز فرمایا۔ اسی وقت جبریل علیہ السلام آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ "علی رضی اللہ عنہ سے فرمائیے کہ اس در کو دوبارہ اٹھا کر اپنی جگہ نصب کرو"۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ گئے ہر چند کوشش وسعی فرمائی مگر وہ ہلا بھی نہ سکے۔ جبریل نے کہا حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ علی رضی اللہ عنہ جان لیں کہ یہ کام ان کا نہ تھا بلکہ ہمارا تھا۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ کام روحانی قوت سے تھا جو میں نے اکھاڑا اور جسمانی قوت سے نہ تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ عالم قدرت سے تھا نہ کہ عادت سے اور عالم حقیقت سے تھا نہ کہ مجاز سے۔

القصہ جب قموص کے قلعہ والوں نے اور خیبر کے تمام قلعے والوں نے حضرت امیر کی اس قوت وقدرت کا مشاہدہ کیا تو وہ سب فریاد کرنے لگے۔ "الامان الامان" اس کے بعد حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے ان کو اس شرط پر امان دی کہ ہر آدمی اونٹ پر کھانا لاد کر ان شہروں سے نکل جائے۔ اور نقد اور تمام ساز وسامان اور اسلحہ مسلمانوں کیلئے چھوڑ دیں۔ کسی چیز کو

چھپا کر نہ رکھیں اور اگر کوئی ایسا مال برآمد ہو جسے بتایا نہیں گیا ہے تو امان بھی ان کے عہد و پیمان کی مانند مسلوب وختم ہو جائے گی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جب فتح کی خبر پہنچی تو اس نعمت کا شکر ادا فرمایا کیونکہ یہ سبب ظہور عبرت اسلام تھا۔ جب حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کفار کی مہم کو طے کرنے کے بعد بارگاہِ رسالت میں آنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے استقبال واستبشار کے لیے خیمہ مبارک سے باہر تشریف لائے۔ ان کو آغوش میں لے لیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ فرمایا: بَلَغَنِیْ ثَنَاءُ کَ الْمَشْکُوْرُ وَصَنِیْعُکَ الْمَذْکُوْرُ قَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَرَضِیْتُ اَنَا عَنْکَ ۔'' مجھے تمہاری مشکورانہ تعریفیں پہنچیں اور تمہاری بہادریاں بیان ہوئیں۔ بے شک اللہ ان سے راضی ہوا اور میں تم سے راضی ہوا''۔ اس کے بعد حضرت امیر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ رونا خوشی کا ہے یا غم کا'' علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ ''نہیں یہ گریہ خوشی کا ہے۔ میں کیوں نہ اس پر خوش ہوں کہ آپ مجھ سے راضی ہیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں ہی تنہا تم سے راضی نہیں بلکہ خدا' جبریل' میکائیل اور تمام فرشتے تم سے راضی ہیں''۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ قلعہ قموص سے جس کا حاکم کنانہ بن ابی الحقیق تھا سو زرہیں' چار سو تلواریں' ہزار نیزے اور پانچ سو کمانیں حاصل ہوئیں۔ بے شمار ساز و سامان بکثرت ہاتھ آیا اور سب کو جمع کیا گیا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ کنانہ بن ابی الحقیق کو جو خیبر کے رئیسوں میں سے تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے۔ اس نے پہلے تو بکری کے بچہ کی کھال میں سونا' زیور' موتیوں کے ہار اور جواہرات بھرا۔ جب اس کی ثروت زیادہ ہوگئی تو گوسفند کی کھال میں بھر لیا۔ پھر جب اور زیادہ ہوئی تو اس کو گائے کی کھال میں بھرا۔ پھر جب اس میں بھی نہ سما سکا تو اونٹ کی کھال میں بھر لیا۔ جب مکہ والوں کو شادی وغیرہ میں پریشانی اور ضرورت ہوتی تو گروی رکھ کر اس سے زیور و جواہرات جس قدر ضرورت ہوتی عاریۃً لے لیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ سے دریافت کیا ''ابی الحقیق کا خزانہ کہاں ہے؟'' اس نے کہا ''اے ابوالقاسم! اس کو تو' جنگی سامان کی فراہمی اور دیگر ضرورتوں میں ہم خرچ کر چکے اب اس میں سے کچھ باقی نہیں ہے اور قسم کھائی''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تہدید فرمائی۔ اگر اس کے بعد اس کے خلاف ظاہر ہوا تو تمہارا خون مباح ہوگا اور امان سے نکل جاؤ گے؟ حضرت ابوبکر' حضرت عمر فاروق' حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہم کو اور یہود کی ایک جماعت کو اس پر گواہ بنالیا۔ حالانکہ جس زمانہ میں قلعہ نطاۃ فتح ہوا تھا۔ اس مال کو اس نے ایک ویرانہ میں مدفون کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس کی خبر دیدی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کو طلب فرمایا اور فرمایا آسمانی خبر کے حکم سے تو جھوٹا نکل آیا ہے۔ اس کے بعد سیّد رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ابن عوام کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ اس ویرانہ میں بھیجا۔ یہاں تک کہ کھود کر اس مال کو وہاں سے نکال لائے۔ جب یہودیوں کی غداری ظاہر ہوگئی تو اس شرط وعہد کے رو سے جو انہوں نے کیا تھا ان سے امان اٹھ گئی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کو محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کے سپرد کر دیا تا کہ وہ اسے اپنے بھائی محمود رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کے عوض قتل کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو جنگ قموص کی جانب بھیجتے وقت محمد بن مسلمہ سے فرمایا تھا کہ تمہیں بشارت ہو کہ کل تم اپنے بھائی کے قاتل کو قتل کرو گے بالآخر خیبر کے یہودیوں پر احسان کیا اور ان کے خون سے درگزر فرمایا۔ ان کی عورتوں کو قید کیا اور ان کے اموال کو غنیمت بنایا۔ حکم دیا کہ تمام غنیموں کو ساز و سامان' کھانے وغیرہ کی اشیاء' اسلحہ اور تمام مویشیوں کو قلعہ نطاۃ میں جمع کریں۔ اور منادی کرائی کہ اگر ایک رسی یا سوئی بھی چھپاؤ گے تو غنیمت میں خیانت متصور ہوگی جو موجب عار و عیب اور آتش دوزخ ہے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ ایک حبشی غلام تھا جس کے سپرد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفری ساز و سامان تھا اور ''کرکرہ'' اس کا نام تھا۔ انہیں دنوں وہ مر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جہنم میں ہے۔ صحابہ نے

جستجو کی تو اس کے سامان میں سے ایک ریشمی چادر ملی جسے اس نے تقسیم غنیمت سے پہلے قبضہ میں لے لیا تھا۔ نیز مروی ہے کہ خیبر کے دن ایک شخص مر گیا۔ صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کیلئے عرض کیا۔ فرمایا: اپنے ساتھی کی نماز تم پڑھ لو میں نہیں پڑھوں گا۔ اس پر لوگوں کے چہرے فق ہوگئے۔ فرمایا: ''تمہارے اس ساتھی نے غنیمت میں خیانت کی ہے''۔ اس کے بعد اس کے سامان کی تلاشی لی گئی تو یہود کے مہروں میں سے چند مہرے نکلے جن کی قیمت دو درہم سے زیادہ نہ تھی۔ نیز بخاری و مسلم کی حدیث میں مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک غلام کو بھیجا جس کا نام مدعم تھا۔ اس اثناء میں کہ وہ اپنا بوجھ اتار رہا تھا ایک تیر اسے آ کر لگا جس کا پھینکنے والا معلوم نہ ہوا۔ پھر وہ اسی زخم سے مر گیا۔ لوگوں نے کہا یہ مستحق جنت ہوگیا کیونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری میں شہادت پائی ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہرگز نہیں'' قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس نے روز خیبر تقسیم غنیمت سے پہلے ایک چادر لے لی ہے۔ اب اس پر آتش دوزخ لپٹ مار رہی ہے''۔ جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ایک شخص ڈول کی ایک رسی...... اور دوسرا شخص ڈول کی دو رسیاں لایا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک رسی یا دو رسی آگ کی ہے۔ اس باب میں وعیدیں بہت کثرت سے ہیں لیکن فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ کھانے پینے اور پھل کی قسم میں سے اگر کھالے تو جائز ہے۔ اگر گائے یا اونٹ ذبح کر کے کھالے تب بھی جائز ہے۔

جب تمام مال غنیمت جمع ہوگیا تو پانچواں حصہ نکال کر پیادہ کو ایک حصہ اور گھوڑے کو دو حصہ کے اعتبار سے تقسیم فرمایا۔ گویا ہر وہ شخص جو گھوڑا رکھتا تھا اسے تین حصے ملے۔ اسی طرح نافع نے اس حدیث کی تفسیر کی ہے۔ امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ گھوڑے سوار کے دو حصے ہیں۔ ایک اس کا اپنا اور دوسرا ان کے گھوڑے کا۔ لیکن وہ عورتیں جو لشکر اسلام کی خدمت' ان کے مریضوں اور مجروحوں کی تیمار داری کیلئے ہمراہ لائے تھے ان کے لیے سہم یعنی حصہ نہ تھا بلکہ انہیں مال غنیمت میں سے کچھ عطا فرما دیا۔ پھر حکم فرمایا کہ خیبر کے غنائم کو فروخت کر دو اور ان کے رواج و برکت کیلئے دعا فرمائی۔ چنانچہ تاجر لوگ ہر طرف سے آئے اور انہوں نے خوب ذوق و شوق کے ساتھ خریدا۔ دو دن میں وہ تمام مال فروخت ہوگیا حالانکہ گمان یہ تھا کہ عرصہ تک اس کی فروختگی سے فارغ نہ ہوں گے کیونکہ وہ مال ہی اس کثرت سے تھا۔

منقول ہے کہ جب یہود کی غداری ظاہر ہوگئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باوجود ان کے قتل نہ کرنے سے ان پر احسان رکھا اور حکم فرمایا کہ خیبر کی زمین سے باہر نکل جاؤ۔ اس کے بعد خیبر والوں نے تضرع و زاری شروع کر دی اور کہنے لگے کہ اہل اسلام مطمئن رہیں کہ ہم ان کھیتوں اور باغوں کی خدمت بجالائیں گے۔ ان کی حفاظت کا فرض ادا کریں گے' ہمیں اجرت پر رکھ لیا جائے۔ ہم ان کی خدمت کریں گے اور مسلمان اس معاملہ میں تردد سے فارغ رہیں گے۔ مسلمانوں کو اطمینان رکھنا چاہیے کہ ہمیں اصل و ملکیت میں کوئی دخل نہ ہوگا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر رحم فرمایا اور ان کو ان پر مقرر فرما کے متعین کر دیا کہ آدھی پیداوار بیت المال میں پہنچائیں اور آدھی پیداوار اپنے عمل کی اجرت میں اٹھالیں۔ اس معاملہ کو مخابرہ کہتے ہیں کیونکہ یہ خیبر والوں کے ساتھ واقع ہوا تھا۔ اور خمس یعنی پانچویں حصہ میں سے بنی ہاشم اور بنی المطلب کو کچھ حصہ مرحمت فرمایا۔ اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت جبیر بن معطم رضی اللہ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ ہم بنی ہاشم کی فضیلت کا انکار نہیں کرتے ہیں اس لیے کہ آپ کا وجود گرامی انہیں میں سے ہے لیکن ہماری قربت اور بنی المطلب کی آپ سے نسبت ایک مرتبہ میں ہے تو یہ کیسے ہوا کہ ان کو تو بنی المطلب کے سہم سے دیا اور ہم کو محروم چھوڑ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ بنی ہاشم اور بنی المطلب اس طرح ہیں اور اپنی انگشت ہائے مبارک کی تشبیک فرمائی یعنی ایک کو دوسرے میں ملایا۔ فرمایا: ہم اور بنی المطلب آپس میں کبھی جدا نہیں ہوئے

نہ دور جاہلیت میں نہ زمانہ اسلام میں۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبدالشمس کو اور بنی نوفل کو کچھ نہ دیا۔ یہ بات ثبوت کو پہنچی کہ ان غنیمتوں کو خیبر کے معرکہ میں موجود حاضر ہونے والوں کے سوا کسی کو نہ دیا۔ بجز ان لوگوں کے جو حبشہ کے مہاجرین تھے اور یہ فتح کے دن ہی دریا کے راستہ سے وہاں پہنچے تھے۔ مثلاً حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کی زوجہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس اور ترپین یا چپن اشعریوں میں سے جن کے سردار ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے اور مکہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کی خبر پہنچی۔ چونکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے' ایمان لاتے ہی اپنے شہروں میں چلے گئے تھے اور اس وقت لوٹ کر آئے تھے۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ جب ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کی خبر پہنچی تو ہم یمن میں تھے۔ اس کے بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کر کے وہاں سے چلا۔ میرے ساتھ میرے دو بھائی بھی تھے۔ میں ان دونوں میں چھوٹا تھا۔ ایک کا نام ابو بردہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے کا نام ابورہم رضی اللہ عنہ تھا جو ہماری قوم کے اکیاون یا باون یا ترپین افراد کے ساتھ تھے۔ پھر ہم کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی نے ہمیں شاہ حبشہ نجاشی کے پاس اتارا۔ مخفی نہ رہنا چاہیے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے ہجرت کی تھی۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت یمن سے نجاشی شاہ حبشہ کی ملاقات کیلئے چلے تھے یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دینے کے ارادہ سے کہ یکا یک کشتی بے اختیار حبشہ کی جانب چل دی۔ اس عبارت سے کہ ''ہمیں کشتی نے حبشہ نجاشی کے پاس جا اتارا۔ یہی دوسرے معنی ظاہر ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ پہلے معنی مراد ہوں اور مناسب حال بھی اسی معنی کے ہیں۔ جب صحابہ حبشہ گئے تو انہوں نے بھی ان کے ساتھ شامل ہونے کے قصد سے ہجرت کی ہوگی (واللہ اعلم) بہر تقدیر کہتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے حبشہ میں ملاقات کی۔ ان کے ساتھ حبشہ میں ٹھہر گئے یہاں تک کہ ہم خیریت کے ساتھ حاضر ہوئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نیاز ہم نے اس وقت حاصل کیا جبکہ آپ خیبر کو فتح فرما چکے تھے۔ یعنی آنا اس وقت ہوا جبکہ فتح حاصل ہو چکی تھی۔ معرکہ جنگ میں ہم نہیں حاضر ہو سکے تھے۔ بعض اصحاب جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق بھی تھے ہم سے کہتے تھے۔ مطلب یہ کہ اپنے آپ کو ہم پر ترجیح دیتے تھے اور کہتے تم تو ہجرت میں تھے' ہم نے غزوات اور جہاد میں حاضری دی۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس زوجہ جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ایک دن ام المومنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی غرض سے گئیں۔ یہ اسما رضی اللہ عنہ بڑی دانا عقلمند' صاحب فراست اور حسین وجمیل عورت تھیں۔ انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ ہجرت کی پھر وہ اپنے شوہر کے ساتھ خیبر میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئی تھیں کہ اچانک حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اس وقت یہ اسماء رضی اللہ عنہا ان کے پاس موجود تھیں۔ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کو دیکھ کر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''یہ کون عورت ہے جو تمہارے پاس بیٹھی ہے؟ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا ''یہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس ہیں'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''یہ حبشہ کی عورت ہیں'' مطلب یہ کہ یہ وہ عورت ہے جو حبشہ سے دریا کے راستہ آئی ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا۔ ''ہاں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب میں وہ ہاں ہاں کہتی رہیں۔ ظاہر مفہوم یہ ہے کہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اتنا ہی جواب دیتیں جتنا ان سے پوچھا جاتا۔ لیکن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا صاحب قوت واستعداد تھیں۔ انہوں نے جواب میں کہنا شروع کیا کہ ''ہم پہلے سن چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ اس بارے میں بہت کچھ کہتے ہیں''۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے تم سے ہجرت میں سبقت کی ہے اس لیے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ نسبت تمہارے زیادہ مستحق اور قریب تر ہیں۔ اس پر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا غصہ میں آئیں اور کہا ہرگز ایسا نہیں ہے۔ خدا کی قسم!

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس لیے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے اور تمہارے جاہلوں کو نصیحت فرماتے تھے۔ مطلب یہ کہ تم امن وامان اور دنیاوی ودینی ناز ونعمت میں تھے۔ اور ہم دور دراز علاقہ میں دشمنوں کی سرزمین حبشہ میں تھے اس لیے کہ وہاں سب کافر تھے بجز نجاشی کے۔ اور یہ کہ ہم سخت محنت ومشقت میں تھے اور یہ سب خدا کیلئے تھا۔ خدا کی قسم! میں اس وقت تک کچھ نہ کھاؤں گی اور نہ پیئوں گی جب تک کہ میں جو کچھ تم نے کہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان نہ کردوں اور یعنی کہوں گی کہ یہ ہمیں ایذا دیتے ہیں اور ہمیں خوفزدہ کرتے ہیں لہٰذا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کروں گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقت حال دریافت کروں گی۔ خدا کی قسم! میں جھوٹ نہ بولوں گی اور کوئی غلط بات نہ ملاؤں گی۔ جو کچھ تم سے سنا ہے اس سے زیادہ نہ کہوں گی۔ اس دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف لے آئے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ''یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا ایسا کہتے ہیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم نے عمر رضی اللہ عنہ سے کیا کہا'' میں نے عرض کیا کہ ''میں نے یہ یہ کہا ہے اور وہ تمام گفتگو بیان کر دی جو ان کے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوئی تھی''۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عمر رضی اللہ عنہ کو اور ان کے ساتھیوں کو میرے حضور میں تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے زیادہ استحقاق نہیں ہے۔ ان کی ایک ہجرت ہی مکہ سے مدینہ تک اور تمہاری اے کشتی والو دو ہجرتیں ہیں۔ ایک مکہ سے حبشہ تک اور دوسری حبشہ سے مدینہ تک۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب سفینہ میرے پاس فوج در فوج اور ٹولیوں کی ٹولیاں بن کر آتے اور مجھ سے یہ حدیث پوچھتے تھے۔ ان کے نزدیک دنیا کی کوئی چیز اس سے زیادہ خوش کرنے والی اور بزرگ تر نہ تھی۔ اور اپنے آپ کی اس بنا پر کہ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے فرمایا بڑی عظمت کرتے' تعریف کرتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شان کو بہت اونچا فرمایا۔ میں نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اس حدیث کو بار بار سنانے کا مجھ سے اصرار کرتے تھے کیونکہ اس میں انہیں ایک ذوق اور سرور ملتا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فتح خیبر کے بعد حاضر ہوئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر غنیمت تقسیم فرمائی۔ ہمارے سوا کسی ایسے پر جو فتح خیبر میں حاضر نہ تھا غنیمت تقسیم نہ فرمائی۔ البتہ روضۃ الاحباب میں بعض کتب مغازی سے منقول ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھی کچھ مال دیا باوجودیکہ وہ غزوے میں موجود نہ تھے۔ لیکن اس بنا پر کہ وہ حدیبیہ میں حاضر تھے۔ انتہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حاکم ومختار ہیں جس کو جو چاہیں عنایت فرمائیں لیکن یہ علت بیان کرنا کہ وہ حدیبیہ میں حاضر تھے۔ اس سے ٹوٹ جاتی ہے کہ حدیبیہ میں تو بہت سے حضرات موجود تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ (واللہ اعلم) غزوۂ خیبر میں پندرہ مسلمان شہید ہوئے اور ترانوے یہودی مارے گئے۔

خیبر کے قضایا و احکام: وصل: غزوۂ خیبر کے حالاتِ واقعات جہاں تک توفیق نے رفاقت کی بیان کر دے۔ اب وہ واقعات و قضایا اور احکام بیان کرتے ہیں جو اس غزوۂ میں وقوع پذیر ہوئے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ام المومنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح فرمانا۔ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا حی بن اخطب کی بیٹی ہیں جس کا ذکر گزر چکا ہے خصوصاً غزوۂ خندق میں اور اسی غزوۂ میں وہ مارا گیا تھا۔ اب وہ کنانہ بن ابی الحقیق کی زوجیت میں تھیں جو خیبر میں مارا گیا جیسا کہ گزر چکا ہے۔ وہ خیبر کے قیدیوں میں تھیں اور نوبیاہتا سترہ سالہ تھیں۔ چنانچہ لوگوں نے ان کے حسن وجمال کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لیے منتخب کر لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم غنیمت میں سے بہت سی چیزیں اپنے لیے انتخاب فرما لیا کرتے تھے جیسے تلوار' گھوڑا' جانور وغیرہ۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی عورتوں اور بچوں کے قیدیوں کیلئے حکم فرمایا اور ان قیدیوں میں صفیہ رضی اللہ عنہا

بھی تھیں تو وہ دحیہ کلبی کے حصہ میں آئیں۔لوگوں نے کہا کہ وہ حسینہ وجمیلہ قبیلہ کی سردار یہود کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی بیٹی اور حضرت ہارون نبی علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔مناسب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہو۔صحابہ میں دحیہ رضی اللہ عنہ کی مانند بہت ہیں اور غنیمت میں صفیہ رضی اللہ عنہا کی مانند کم اور اسے دحیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص کرنا بہت سے صحابہ کی دل آزادی کا موجب ہوگا۔اس میں عام مصلحت یہی ہے کہ ان کو دحیہ رضی اللہ عنہ سے واپس لے کر اپنے لیے مخصوص کرلیا جائے۔ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے فرمایا ان قیدی باندیوں میں سے کوئی اور لے لو۔بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے چچا کی لڑکی ان کے بدلے میں مرحمت فرمائی۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو سات باندیوں کے بدلے خریدا اور لفظ قیدی کا اطلاق بر سبیل مجاز ہے۔مراد ان کے ہاتھ سے لینا ہے اور سات باندیوں کو انہیں دینے میں منافات نہیں ہے۔دوسری روایت میں جو یہ ہے کہ ان کے بدلے ان قیدیوں میں سے کسی اور کو لے لو اس کی زیادتی کی نفی پر دلالت نہیں ہے۔ممکن ہے کہ پہلے ایک فرمایا ہو اور بعد میں سات کا اضافہ کر دیا ہو۔بہر تقدیر اس میں ہبہ سے واپسی نہیں ہے۔مسلمانوں میں اختلاف ہوا کہ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا ازواجِ مطہرات امہات المومنین میں سے ایک ہوں گی یا ملک یمین میں رہیں گی اور کہا کہ اگر حجاب نہ کینا تو ملک یمین میں سے ہیں۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد فرمایا اور نکاح کیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر بنایا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم منزل صہبا میں پہنچے تو بعد از طہارت حیض ان سے زفاف فرمایا۔حلیس کو ان کا ولیمہ کیا اور حضرت انس سے فرمایا کہ جو بھی حضرات ملیں صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ پر بلا لو۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب آپ نے مدینہ طیبہ کی جانب مراجعت فرمائی تو سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو ردیف بنایا اور ان پر اس عبا شریف کا پردہ ڈالا گیا۔جو اپنے اونٹ پر بچھایا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زانو کو ان کیلئے رکھتے۔سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کے زانوئے مبارک پر پاؤں رکھ کر سوار ہوتی تھیں۔سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے فضائل اور دیگر حالات ازواجِ مطہرات کے ضمن میں انشاءاللہ آئیں گے۔

منقول ہے کہ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے فتح خیبر سے پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ چودھویں رات کا چاند ان کے آغوش میں آگیا ہے۔پھر اس خواب کو اپنے پہلے شوہر کنانہ سے بیان کیا۔اس نے کہا شاید تو یہ خواہش رکھتی ہے کہ اس بادشاہ کی بیوی بنے جو ہمارے اس میدان میں فروکش ہے اور ایک طمانچہ اس زور سے صفیہ رضی اللہ عنہا کے رخسار پر مارا کہ ان کی آنکھ نیلی ہوگئی۔شب زفاف میں بھی کنانہ کے طمانچہ کا اثر صفیہ رضی اللہ عنہا کے رخسار مصفّٰی پر ظاہر تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سبب دریافت فرمایا تو ساری حقیقت حال بیان کردی۔

اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان سے زفاف: دوسرا واقعہ ام المومنین سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان بن حرب بن امیہ سے زفاف فرمانا ہے۔ان کی والدہ صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ جو حضرت عثمان بن عفان کی چچی تھیں۔سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا پہلے عبید اللہ بن جحش جو سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے کی زوجیت میں تھیں اور ان کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔دوسری ہجرت مدینہ طیبہ کی طرف ہے۔ان سے حبیبہ رضی اللہ عنہا لڑکی پیدا ہوئی اس سے ان کی کنیت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا مقرر ہوئی۔اصل نام رملہ تھا۔بعض کہتے ہیں کہ ہند ہے مگر اول زیادہ صحیح ہے۔اس کے بعد ان کا شوہر عبید اللہ مرتد ہوگیا اور اس نے دین نصاریٰ اختیار کرلیا۔وہ حبشہ میں مرگیا۔سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر ثابت قدم رہیں۔جس زمانہ میں حضرت عمرو بن امیہ ضمیری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد بن کر حبشہ پہنچے اور وہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خواب میں

دیکھا کہ کوئی شخص ان کو "اے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اے ام المومنین" کہہ کر مخاطب کر رہا ہے۔ جب وہ بیدار ہوئیں تو اپنے خواب کی خود ہی تعبیر لی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف فراش سے مشرف ہوں گی۔ پھر جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات گرامی پہنچائے تو ایک اور مکتوب گرامی نجاشی کو لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا دختر ابوسفیان کو جو کہ حبشہ کے مہاجرین میں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیغام دیں اور مدینہ طیبہ روانہ کر دیں۔ دیگر مہاجرین حبشہ کو بھی بھیج دیں۔ اس کے بعد نجاشی نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ دیا۔ انہوں نے اسے قبول کیا اور تمام مہاجرین کو تیار کر کے دو کشتیوں میں عمرو بن امیہ ضمیری رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ ان حالات کا تذکرہ ٦ ھ کے واقعات میں گزر چکا ہے۔

مروی ہے کہ نجاشی نے اپنی باندی کو جس کا نام ابرہہ تھا ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تا کہ وہ وکیل کا تعین کریں اور عقد نکاح انجام پائے۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے از حد خوشی کا اظہار کیا' ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں جتنا زیور تھا اتار کر اس باندی کو دے دیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن سعید بن عاص کو اپنا وکیل بنایا اور نجاشی نے ایک محفل مرتب کی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور وہ تمام مسلمان جو حبشہ میں تھے جمع کیا اور خوب کھانا تیار کیا۔ چار سو مثقال سونا یا چار ہزار درہم کا مہر مقرر کیا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تا کہ اپنی تیاری اور ضروریات پر صرف فرمائیں۔ سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے پچاس مثقال سونا اس ابرہہ باندی کو بھیجا اور عذر خواہی کی کہ اس روز جبکہ تم خوشخبری لائی تھیں۔ واقعہ کے مطابق انعام نہ دے سکی تھی۔ اس پر نجاشی نے ان زیوروں کو جو اس نے پہلے ابرہہ کو عنایت فرمائے تھے اور اس پچاس مثقال سونے کو اٹھا کر دوبارہ سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا۔ کہلوایا کہ آپ ان چیزوں کی مستحق وسزاوار ہیں کیونکہ اپنے شوہر کے پاس جا رہی ہیں اور آپ سے ایک چیز کی درخواست کرتا ہوں وہ یہ کہ بارگاہِ رسالت میں میرا سلام عرض کرنا اور عرض کرنا کہ میں آپ کے صحابہ کے دین پر ہوں۔ اور ہمیشہ درود وسلام بھیجتا رہتا ہوں۔ نجاشی کی عورتوں نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کیلئے عطر وخوشبویات بھیجیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جب اس عقد کے استحکام کے سلسلہ کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شرجیل رضی اللہ عنہ بن حسنہ کو بھیجا کہ سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو مدینۂ منورہ لائیں۔ مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے زفاف فرمایا اور جب انہوں نے نجاشی کا سلام پیش کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس وقت کچھ اوپر تیس سال کی تھیں اور ان کا وصال ہجرت کے چوالیس سال میں ہوا۔ باقی حالات ازواجِ مطہرات کے ضمن میں آئیں گی۔ (انشاء اللہ)

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے دوران ایک مرتبہ ابوسفیان مدینہ منورہ آیا۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو ارادہ کیا کہ بستر پر بیٹھے۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اس بستر پر بیٹھنے کی مہلت نہ دی اور فرمانے لگیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طاہر ومطہر بستر ہے اور تم ابھی کفر وشرک کی نجاست سے آلودہ ہو۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور اشعری جماعت کا آنا بھی اسی مجلس میں ہے۔ مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو فرمایا میں نہیں جانتا کہ ان دونوں خوشیوں میں سے یعنی فتح خیبر اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے آنے سے کس سے خوش ہوں۔ مطلب یہ کہ دونوں خوشیاں برابر کی ہیں اور ان سب کو غنائم میں سے حصہ دیا اگرچہ یہ معرکہ جنگ میں موجود نہ تھے۔

<u>یہود کا زہر دینا</u>: غزوۂ خیبر کے واقعات میں سے ایک واقعہ اہل خیبر کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دینا ہے اور یہ زہر دینے والی زینب بنت حارث یہودیہ تھی جو مرحب کی بھتیجی اور سلام بن مشکم کی بیوی تھی۔ اس نے پہلے لوگوں سے پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بکری کا

کون سا حصہ پسند کرتے ہیں۔ لوگوں نے بتایا ران اور شانے کے گوشت کو پسند کرتے ہیں تو اس نے ایک بکری کے بچہ کو لیا اور زہر آلود کیا۔ اس میں ایسا زہر ملایا جو فوری اثر کرنے والا اور اسی گھڑی ہلاک کرنے والا تھا۔ اس نے اس بارے میں یہودیوں سے پوچھا تھا تو انہوں نے ایسے زہر کی رہنمائی کی تھی۔ پھر اس نے اس زہر کو ران اور شانے میں زیادہ کیا۔ اس کے بعد اس نے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ صحابہ کی ایک جماعت بھی اس مجلس مبارک میں موجود تھی اور ان میں بشر رضی اللہ عنہ بن براء بھی تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ حصہ لے کر سامنے کے دانتوں سے کاٹا اور بشر بن براء نے دوسرا حصہ لے لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسے تھوک دو۔ یہ ران کہتی ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے''۔ بشر بن براء رضی اللہ عنہ نے بھی عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں جس وقت لقمہ کو چبارہا تھا تو ایک کراہت ونفرت خود میں پارہا تھا اور میں منہ سے اسے نکال کر پھینکنا نہ چاہتا تھا کہ مبادا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے میں بے رغبتی ہو۔ اس کے بعد بشر رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ تھے کہ ان کا رنگ سبز وسیاہ ہوگیا اور اسی وقت انتقال کر گئے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک سال تک بیمار رہے اس کے بعد وفات پائی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ یہود کے تمام سردار جو یہاں موجود ہیں حاضر ہوں اور زینب بنت حارث یہودیہ بھی حاضر ہو۔ جب وہ سب حاضر ہوگئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں تم سے ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں کیا سچ بولو گے'' انہوں نے کہا ''ہاں! اے ابوالقاسم'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ''تمہارا باپ کون ہے؟'' مراد یہ کہ تمہارے قبیلہ کا جداعلیٰ کون ہے اور کس کی اولاد سے ہو۔ انہوں نے کہا ''فلاں ہمارا باپ ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم جھوٹ کہتے ہو تمہارا باپ فلاں ہے''۔ انہوں نے کہا ''آپ سچ فرماتے ہیں اور ٹھیک کہتے ہیں''۔ غالباً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دریافت فرمانا راست گوئی پر تنبیہ کرنا اور ان کی حالت کا امتحان لینا ہوگا۔ زہر خورانی کے واقعہ کے سلسلہ میں ان سے سچ بولنے پر اقرار کرانا اور مجبور کرنا ہوگا۔ سوال کے جواب میں ان کا جھوٹ بولنا یا تو قصداً ہوگا جیسا کہ جھوٹ بولنے کی اور افتراء کرنے کی ان کی عادت مستمرہ تھی یا جہل ونسیان کی بنا پر ہوگا۔ اگر قصداً جھوٹ بولا تو ظاہر ہے کہ یہ بات حقیقت حال پر مطلع ہونے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینا مقصود ہوگا۔ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمارا جھوٹ آپ پر کھل جائے گا اور آپ کو خدا کی طرف سے غیبی اطلاع مل جائے گی۔ جب آپ پر ظاہر ہوگیا اور ان کی حالت آپ پر منکشف ہوگئی تو انہوں نے اقبال کرلیا۔ اس قضیہ کے بعد زہر کے بارے میں پوچھا۔ صحیح بخاری میں ایک اور سوال بھی بیان کیا ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ''کیا تم سچ بولو گے اگر تم سے کچھ پوچھا جائے''۔ انہوں نے کہا ''ہاں ابوالقاسم'' اگر ہم نے جھوٹ بولا تو آپ پر ہمارا جھوٹ کھل جائے گا جس طرح کہ آپ پر ہمارے جداعلیٰ کے بارے میں ہمارا جھوٹ کھل گیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا ''جہنمی کون لوگ ہیں؟'' مطلب یہ کہ دوزخ میں ہمیشہ کون لوگ رہیں گے۔ یہود نے جواب دیا ہم لوگ دوزخ میں چندروز رہیں گے۔ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً۔ ہمیں ہرگز آگ گنتی کے چندروز کے سوا نہ چھوئے گی۔ اس کے بعد ہمارے خلیفہ آگ میں تم لوگ رہو گے اور ہمیشہ رہو گے۔ اس میں انہوں نے مسلمانوں سے خطاب کیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے فرمایا: اِخْسَؤُا فِيْهَا۔ دور ہو اور جہنم میں جاؤ۔ لَانَخْلُفُكُمْ فِيْهَا اَبَدًا۔ ہم تمہارے کبھی بھی آگ میں خلیفہ نہ بنیں گے۔ لفظ ''خسا'' کتے کو دھتکارنے کو کہتے ہیں۔ یہ مصدر لازم ومتعدی دونوں میں مستعمل ہے۔ اس کے بعد فرمایا اگر میں تم سے کچھ سوال کروں تو تم کیا راست گوئی سے کام لو گے۔ انہوں نے کہا ''ہاں'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا تم اس بکری میں زہر ملا کر لائے تھے'' انہوں نے کہا ''ہاں! آپ کو کیسے یہ راز معلوم ہوگیا؟'' فرمایا ''مجھے اس ران نے بتایا جو کہ آپ کے دست مبارک میں تھی''۔ فرمایا زہر خورانی پر تمہیں کس بات نے برانگیختہ کیا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس عورت سے پوچھا۔ ''اس سے تو کیا

چاہتی تھی اور تیرا مقصد کیا تھا؟'' اس کے جواب میں یہودیوں نے کہا یا اس عورت نے کہا'' اس سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ (معاذ اللہ) جھوٹے نبی ہیں تو ہم آپ سے نجات پا جائیں گے اور ہمیں چین نصیب ہو جائے گا۔ اگر نبی برحق ہیں تو آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا''۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس عورت کو آپ نے سزا دی یا رہا کر دیا اور کچھ نہ فرمایا۔ چنانچہ بیہقی کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے کچھ نہ فرمایا۔ بروایت ابونصرہ' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مانند مروی ہے لیکن دوسری روایتوں میں آیا ہے کہ اسے قتل کرا دیا۔ بیہقی نے فرمایا ممکن ہے کہ ابتداء میں چھوڑ دیا ہو اور نہ چاہا ہو کہ اپنے آپ کے بدلے میں اسے قتل کریں۔ لیکن جب حضرت بشر رضی اللہ عنہ کی اس سے وفات ہوئی تو بطریق قصاص یا بطریق سیاست وسزا اسے قتل کرا دیا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ بعض ائمہ شوافع کا مذہب یہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کھانے میں زہر ملا کر کسی کو دیدے یہاں تک کہ وہ مر جائے تو قصاص واجب ہو جاتا ہے لیکن ائمہ احناف اور جمہور ائمہ شوافع رحمہم اللہ کے نزدیک ایسی حالت میں قصاص جائز نہیں ہے۔ لہٰذا ان کے مذہب کی بنا پر اگر قتل کی روایت صحیح ہو تو قصاص واجب ہو جاتا ہے اور صولی کا قصہ جو قتل کی روایت میں واقع ہے اس کی تائید وتوجیہہ ظاہر کرتی ہے۔ (واللہ اعلم)

زہری سے مروی ہے کہ وہ عورت اسلام لے آئی۔ اس بنا پر اس کو چھوڑ دیا۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ ''مغازی سلیمان'' میں اس طرح مروی ہے کہ زینب بنت حارث یہودیہ نے کہا اگر آپ (معاذ اللہ) جھوٹے نبی ہیں تو میں لوگوں کو آپ سے نجات دیدوں۔ مگر بلاشبہ مجھ پر ظاہر وروشن ہو گیا کہ آپ نبی برحق ہیں۔ میں آپ کو اور تمام حاضرین کو گواہ بناتی ہوں کہ میں آپ کا دین اختیار کرتی ہوں اور پڑھتی ہوں اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس روایت میں اس کے اسلام لانے میں زہری کی موافقت ہے اور جب حضرت بشر کا انتقال ہو گیا تو اسے قتل کرا دیا۔ اس لیے کہ اب قصاص واجب ہو گیا تھا۔ (انتہی)

لیکن اس جگہ ایک شبہ وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ چونکہ اسلام ماقبل کے گناہوں کو نابید کر دیتا ہے خواہ حق اللہ ہو یا حق الناس تو اسلام لانے کے بعد اس سے قصاص کیوں لیا گیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنا کچھ اس زہر آلود بکری سے چکھا اس کے ضرر کو دفع کرنے کیلئے اپنے دونوں شانوں کے درمیان سے خون نکلوا دیا اور اپنے ان صحابہ سے بھی جنہوں نے اس کے لقمہ کو چبایا یا حلق سے اتارا تھا ان سب کو حکم دیا کہ سر کے پچھنے لگوائیں۔

بخاری نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض موت میں فرمایا کرتے تھے ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میں اس گوشت کی اذیت ہمیشہ اپنے میں پاتا رہا ہوں جسے خیبر میں کھایا تھا اور میں اس وقت بھی اس زہر سے اپنی ابہر کو کٹتا محسوس کرتا ہوں''۔ ابہر دل کی ایک رگ کا نام ہے۔ جب یہ کٹ جاتی ہے تو آدمی مر جاتا ہے۔ گویا کہ اس زہر کا اثر ہمیشہ آپ کے بدن میں موجود رہا اور اس نے اب سرایت کیا تھا۔

علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نماز عصر کیلئے آفتاب کو لوٹانا: غزوۂ خیبر کے واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپسی پر منزل صہبا پہنچے' سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمایا اور اسی منزل میں نماز عصر ادا فرمائی۔ نماز پڑھنے کے بعد سر مبارک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے زانو پر رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ سو گئے یہاں تک کہ وحی کے آثار نمودار ہوئے۔ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے نماز عصر نہیں پڑھی تھی اور نزول وحی کی مدت اتنی طویل ہو گئی کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سے وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا ''کیا نماز عصر پڑھ لی؟''

عرض کیا ''نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے نہیں پڑھی''۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مناجات کی اور کہا ''اے رب اگر علی رضی اللہ عنہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے تو آفتاب کو حکم دے کہ لوٹ آئے تاکہ وہ نماز عصر ادا کرلیں۔حق تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو قبول فرمایا باوجودیکہ آفتاب غروب ہوچکا تھا دوبارہ طلوع ہوا یہاں تک کہ اس کی شعاعیں پہاڑوں اور ٹیلوں پر پڑنے لگیں اور مخلوق خدا نے آنکھوں سے دیکھا۔حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حبس شمس کے واقعات

سورج کو روکنا اور اسے لوٹانا تین مقامات میں وارد ہوا ہے۔ایک شب معراج کے بعد جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اس رات واپسی پر قریش کے قافلہ کو میں نے راہ میں دیکھا اور یہ نشانی بھی بتائی کہ ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا اور قافلہ کے کچھ لوگ اس کی تلاش میں سرگرداں تھے۔اس پر قریش کے لوگوں نے پوچھا ''بتایئے وہ قافلہ کب تک یہاں پہنچے گا''۔فرمایا ''بدھ کے دن''جب بدھ کا دن آیا تو قریش اس قافلہ کا انتظام کرنے لگے کہ کب پہنچتا ہے یہاں تک کہ دن تمام ہونے لگا اور قافلہ نہیں آیا۔اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی چنانچہ اس دن سورج کو غروب ہونے سے حق تعالیٰ نے ایک گھنٹہ کیلئے روک دیا۔پھر قافلہ پہنچ گیا۔اس حدیث کو یونس بن بکر نے ابن اسحٰق کے مغازی میں بیان کیا ہے۔

دوسرا واقعہ حبس شمس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے روز خندق میں بیان کیا گیا ہے جبکہ اس جنگ میں نماز عصر قضا ہوگئی۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور جیسا کہ بعض روایتوں میں آیا ہے۔مشہور یہ ہے کہ بعد از غروب آفتاب قضا پڑھی تھی اور تیسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نماز عصر قضا ہوگئی۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور سورج لوٹایا گیا اور انہوں نے نماز ادا کی۔

ان حدیثوں میں محدثین کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ سب حدیثیں اس صحیح حدیث کے مخالف ہیں جو حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے باب میں آئی ہے۔کیونکہ اس حدیث میں سورج کو روکنا حضرت یوشع علیہ السلام کے ساتھ خاص ہونا معلوم ہوتا ہے۔وہ حدیث یہ ہے جسے مشکوٰۃ نے بخاری ومسلم سے بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے۔انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء سابقین میں سے ایک نبی علیہم السلام جہاد کیلئے نکلے۔کہتے ہیں کہ اس سے مراد یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔جب وہ نماز عصر کے وقت بستی کے قریب ہوئے اور قریب تھا کہ آفتاب غروب ہوجائے۔اس پر اس نبی نے آفتاب کو حکم دیا کہ تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں۔خدا سے دعا کی کہ ''اے خدا سورج کو رکنے کا حکم دے کہ وہ ہمارے لیے ٹھہرا رہے'' چنانچہ اس رکنے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ غروب کے بعد واپس لوٹایا جائے۔ایک یہ کہ لوٹائے بغیر روکے رکھا جائے۔ایک یہ کہ اس کی رفتار کو سست کردیا جائے چنانچہ آفتاب کو روک دیا گیا اور حق تعالیٰ نے اس بستی کو ان پر فتح کرا دیا۔اگرچہ اس روایت میں حبس آفتاب یوشع علیہ السلام کیلئے خاص کرکے مذکور نہیں ہے۔لیکن ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَمْ تُحْبَسِ الشَّمْسُ عَلٰى اَحَدٍ اِلَّا يُوْشِعَ بِنْ نُوْنٍ۔کسی پر آفتاب کو نہیں روکا گیا مگر یوشع بن نون پر۔

چنانچہ مواہب میں مذکور ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام جمعہ کے دن ظالموں سے جنگ کر رہے تھے جب آفتاب کے غروب کا وقت قریب ہوا تو خوف کیا اگر آفتاب جنگ کے ختم ہونے سے پہلے غروب ہوگیا تو ہفتہ کا دن شروع ہوجائے گا تو ہمیں اس دن جنگ کرنا حلال نہ ہوگا۔انہوں نے خدا سے دعا کی اور حق تعالیٰ نے آفتاب کو رد فرمایا یہاں تک کہ وہ جنگ سے فارغ ہوئے۔

بعض علماء ان مذکورہ حدیثوں اور یوشع بن نون علیہ السلام کی حدیث کے درمیان اس طرح موافقت کرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ مراد

یہ ہو کہ انبیاء سابقین علیہم السلام میں حضرت یوشع رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کے لیے حبس شمس نہیں کیا گیا یا یہ مراد ہو کہ میرے سوا کسی نبی کیلئے حبش شمس نہیں کیا گیا مگر یوشع علیہ السلام کیلئے۔ دونوں احتمالات کا نتیجہ اور معنی ایک ہی ہیں۔ یا یہ بات ہو کہ یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حبس شمس یا ردشمس کے وقوع سے پہلے صادر ہوئی ہو۔ واللہ اعلم لہٰذا معلوم ہوا کہ ردشمس یا حبس شمس کے بارے میں محدثین کا کلام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں خاص نہیں ہے بلکہ ان تینوں مواقع میں جو مذکور ہوئیں ان میں کلام ہے۔

اب رہا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کیلئے ردشمس کی حدیث میں کلام! تو جو کچھ علماء نے بیان کیا ہے ہم بغیر تعسف وتعف کے انہیں نقل کرتے ہیں۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ۔ چنانچہ مواہب لدنیہ میں ہے کہ اس حدیث کو امام طحاوی (فائق علی البخاری) جو کہ اکابر علماء احنف میں سے ہیں وہ اصل میں شافعی المذہب تھے۔ اس سے انہوں نے مذہب حنفی کی طرف رجوع فرمایا۔ انہوں نے شرح مشکوٰۃ الآثار میں نقل کیا ہے جسے قاضی عیاض مالکی نے نقل کیا ہے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ احمد بن صالح' محدثین میں بڑے ثقہ بزرگ وعالم ہیں وہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں فرماتے ہیں کہ کسی ایسے شخص کو جسے علم میں دسترس ہو لائق نہیں ہے کہ وہ سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کی حدیث کے حفظ میں تخلف وتغافل کرے اور اس لیے کہ ان کی حدیث نبوت کی علامتوں اور نشانیوں میں سے ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور ابن جوزی نے تو اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ بلاشبہ اس حدیث کی سند میں احمد بن داؤد ہے اور یہ شخص متروک الحدیث اور کذاب ہے۔ جیسا کہ دارقطنی نے کہا ہے۔ ابن حبان بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ نیز ابن جوزی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو ابن شاہین نے نقل کر کے کہا کہ یہ حدیث باطل ہے اور اس کے وضع کرنے والے کی غفلت ظاہر ہے کہ اس نے فضیلت کی ظاہری صورت تو دیکھ لی۔ اس کے عدم فائدہ پر غور نہ کیا' یہ نہ جانا کہ نماز عصر غروب آفتاب سے قضا ہو جاتی ہے اور رجوع شمس سے یہ ادا نہیں ہو سکتی۔

ابن تیمیہ نے روافض کے رد میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں اس حدیث کو نقل کر کے اس کی سند اور اس کے راویوں کے بارے میں کہا ہے کہ یہ وضعی ہے۔ کہا کہ تعجب ہے کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ باوجود اپنی اتنی جلالت قدر اور علو مرتبت کے جو انہیں علوم حدیث میں حاصل ہے کس طرح اس میں خاموش رہے' اس کی صحت کو مبہم رکھا اور اس کا ثبوت نقل نہیں کیا۔ کاتب حروف عفا اللہ عنہ (یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اس قائل کا یہ کہنا کہ غروب آفتاب سے نماز عصر قضا ہو جاتی ہے اور رجوع شمس سے ادا نہیں ہو سکتی محل نظر ہے۔ اس لیے کہ قضا اس صورت میں ہوتی ہے جبکہ آفتاب عیبوبیت میں قائم و باقی رہے اور وقت فوت ہو جائے۔ لیکن اگر وقت بھی لوٹ آئے تو کیوں ادا نہیں ہو سکتی کیونکہ ادا کے معنی یہی ہیں کہ اس کے وقت میں نماز ادا کی جائے۔ اگرچہ یہ اعادہ وقت سے ہو۔ نیز حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت قدر اور علو مرتبت کے اعتراف کے بعد تردد وتوقف مناسب ہے؟ (مطلب یہ کہ جب ان کے مرتبہ وکمال اور مقام کا اعتراف ہے تو اب اس میں تردد وتوقف کیوں کرتے ہو۔ اس میں غور وفکر کرنا چاہیے) نہ کہ اس کے بطلان وانکار پر یقین کرنا چاہیے۔ اس کے باوجود کہ امام طحاوی اور احمد بن صالح جیسے اکابر سے اس کی صحت ظاہر ہو چکی ہو۔ بات یہ ہے کہ ابن جوزی وضع کا حکم کرنے اور اس کا ادعا کرنے میں بڑا اجلد باز ہے۔

اس بات میں اس کا قول موثق اور لائق اعتنا نہیں ہے جس طرح کہ شیخ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث میں دعویٰ کیا ہے کہ سُدُّوْا كُلَّ بَابٍ اِلَّا بَابَ عَلِيٍّ (مسجد نبوی کی طرف تمام دروازوں کو بند کر دو بجز علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کے) ابن جوزی نے اس کو وضعی قرار دینے میں مستعد ہو کر اس طرح صحت حدیث بیان کی ہے کہ فرمایا: سُدُّوْا كُلَّ خَوْخَةٍ اِلَّا خَوْخَةَ اَبِیْ بَكْرٍ (ہر دروازہ کو بند کر دو بجز ابوبکر کے دروازے کے) تاریخ مدینہ منورہ میں ہم نے اسے بیان کیا ہے۔ شیخ محمد سخاوی' مقاصد حسنہ میں فرماتے ہیں کہ امام

احمد نے کہا ''لا اصل لہٗ'' یعنی اس کی کوئی اصلیت نہیں اور ابن جوزی نے ان کی پیروی کرتے ہوئے اسے موضوعات میں نقل کر دیا ہے حالانکہ امام طحاوی اور قاضی عیاض رحمہما اللہ نے اسے صحیح قرار دیا اور ابن مندہ اور ابن شاہین سے اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کی حدیث کو اور ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے۔ (انتہی)

نیز مواہب میں منقول ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر میں باسناد حسن روایت کیا ہے جس طرح کہ شیخ الاسلام بن عراقی نے شرح تقریب میں اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس سے نقل کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے فرمایا کہ یوشع کی حدیث سے معلوم نہ ہوا کہ ردشمس حضرت یوشع رضی اللہ عنہ کے خصائص میں سے ہے۔ لہٰذا وہ حدیث جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے ردشمس میں روایت کی گئی ہے ضعف پر دلالت کرتی ہے اور اس حدیث کی صحت احمد بن صالح مصری نے بیان کی ہے لیکن کتب صحاح وحسان میں نقل نہیں کیا گیا۔ باوجود تجسس وتلاش کے حسن ومنفرد ہی یہ حدیث منقول ہے کیونکہ اہل بیت میں سے ایک مجہول وغیر معروف عورت نے نقل کیا جس کا حال کسی کو معلوم نہیں ہوا۔ (انتہی)

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ ان کا یہ کہنا کہ ''کتب صحاح میں ذکر نہیں کیا گیا اور حسن ومنفرد ہے'' یہ قابل غور وفکر ہے کیونکہ جب امام طحاوی' احمد بن ابی صالح' طبرانی' قاضی عیاض رحمہم اللہ اس کی صحت' اس کے حسن ہونے کے قائل ہیں اور انہوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ تو اب ان کا یہ کہنا کہ کتب صحاح وحسان میں ذکر نہیں کیا درست نہ ہوگا۔ لازم نہیں ہے کہ تمام ہی کتب صحاح وحسان میں مذکور ہوں نیز ان کا یہ کہنا ''اہل بیت میں سے ایک مجہول وغیر معروف عورت نے نقل کیا ہے جس کا حال کسی کو معلوم نہیں''۔ یہ بات سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کے حال کے بارے میں کہنا ممنوع ہے اس لیے کہ وہ جمیلہ وجلیلہ' عاقلہ ودانا عورت ہیں اور ان کے احوال معلوم ومعروف ہیں۔ وہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی زوجیت میں تھیں اور ان سے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ تولد ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں۔ ان سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے ان کے بعد وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں اور ان سے یحییٰ بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے سے رہ جانا اور اس میں تاخیر کرنا بعید ہے حالانکہ اس میں کوئی بعد نہیں ہے اور ایسے حوادث وحوائج بہت ہیں جن کی بنا پر ایسے امور رونما ہوسکتے ہیں۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو (ظہر) کی نماز کے بعد کسی کام سے بھیجا تھا۔ غزوۂ خیبر کے کام بہت زیادہ تھے۔ ان کے جانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر ادا کی ہوگی اور اس میں علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ شریک نہ ہوئے تھے۔ اس بنا پر یہ واقعہ رونما ہوا ہوگا۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

قصۂ لیلۃ التعریس: اسی غزوے کے واقعات میں سے لیلۃ التعریس کا قصہ ہے۔ تعریس آخر شب میں سونے کیلئے مسافر کے اترنے اور ٹھہرنے کو کہتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر غزوۂ خیبر کی واپسی میں ایک رات سفر میں نیند کا غلبہ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر شب میں خواب واستراحت کیلئے قیام فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ ہم سو جائیں تو ہمارے لیے رات کی نگہبانی کرنا اور جاگتے رہنا۔ صبح سے ہوشیار رہنا' جب صبح ہو جائے تو ہمیں بیدار کر دینا تاکہ صبح کی نماز ہاتھ سے نہ جائے لیکن نماز تہجد سونے سے پہلے ادا فرمائی تھی۔ یہاں تک کہ نیند کا اتنا غلبہ ہوا کہ اس نے مہلت نہ دی۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر خواب یا ضعف یا بیماری مانع ہوتی تو قیام شب قضا فرما دیتے اور ان میں زوال آفتاب سے پہلے شب کی نماز کو ادا فرماتے۔ اس واقعہ میں کوئی بھید ہوگا کہ اس کا نفع ضعفائے امت کو پہنچے۔ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ شب بیداری

کیلئے آمادہ وتیار ہوئے اور نماز میں مشغول ہوگئے۔ اتنی نمازیں پڑھیں جتنی خدا نے ان کو توفیق دی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے سو گئے۔ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے تاکیداً فرمایا تھا کہ ''اے بلال رضی اللہ عنہ اپنی آنکھوں کو نیند سے خبردار رکھنا۔ یہ بار گراں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی گردن پہ پڑا۔ جب صبح کا وقت قریب ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے کجاوے سے ٹیک لگائی اور طلوع فجر کی طرف متوجہ ہوئے اور غور سے آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ اچانک حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آنکھیں بوجھل ہونے لگیں اور بے اختیار نیند آ گئی۔ حالانکہ اپنے اونٹ سے تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ اپنی دستار کو کھول کر اس سے ''احتباء'' کیا چنانچہ نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی بیدار ہوئے اور نہ کوئی اور صحابی یہاں تک کہ سورج طلوع کر آیا۔ اس کے بعد سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سونے' نماز کے فوت ہو جانے سے حق تعالیٰ کے قہر و جلال اور اس کی تجلّی سے ڈرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور حضرات بھی بیدار ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو آواز دی اور فرمایا ''اے بلال رضی اللہ عنہ! یہ کیا ہوا تم کیوں سو گئے تھے اور اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''میں کیا عرض کروں مجھے بھی اسی نے آ گھیرا تھا جس نے آپ کو گھیرا تھا' اس قوت بیداری کے باوجود جو آپ کو حاصل ہے''۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''بلال رضی اللہ عنہ کے پاس شیطان آیا حالانکہ وہ نماز میں کھڑے تھے''۔ شیطان نے بلال رضی اللہ عنہ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور انہیں اس طرح تھپک تھپک کر سلا دیا جس طرح بچے کو تھپک تھپک کر سلاتے ہیں اور بلال رضی اللہ عنہ سو گئے''۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے ان کے سو جانے کی کیفیت دریافت فرمائی تو انہوں نے ویسا ہی عرض کیا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا ''اَشْھَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَالْحَق '' یہ مقام تجدید ایمان اور تصدیق وشہادت رسالت کا ہے تاکہ کسی قسم کا وسوسہ شیطانی دخل انداز نہ ہو۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا اپنے اونٹوں کو یہاں سے اٹھا کر لے چلو۔ صحابہ نے اپنے اونٹوں کو اٹھایا اور وہاں سے چل دیئے۔ اس وادی سے چلے جانے کا سبب بیان کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ کسی نے کہا کہ چونکہ اوقات ممنوعہ مکروہہ میں قضا نماز جائز نہ تھی۔ جیسا کہ مذہب حنفیہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ وہاں سے کوچ کرنا اس لیے تھا کہ آفتاب بلند ہو جائے اور کچھ علماء اوقات مکروہہ میں نماز کی ممانعت کو نوافل کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ شوافع کہتے ہیں کہ اس وادی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کوچ فرمانے کا سبب یہ تھا کہ وہ شیطان کی جگہ تھی۔ جیسا کہ روایت میں صراحت بھی مذکور ہے یہاں تک کہ وضو کرنے' اذان دینے' اقامت کہنے میں آفتاب بلند ہو جاتا اور نماز ممنوعہ و مکروہہ وقت میں واقع نہ ہوتی اور وہاں سے کوچ کرنے کی حاجت نہ رہتی۔

دوسری جگہ پہنچنے کے بعد پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا' بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم فرمایا اور اقامت کے ساتھ انہیں صحابہ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ ایک حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ قضا نماز کیلئے اذان نہیں ہے اور مذہب شوافع کا ایک قول بھی یہی ہے۔ اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ نہ اذان ہے' نہ اقامت۔ ہدایہ میں کہا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس کی صبح میں نماز فجر کی قضا اذان و اقامت کے ساتھ پڑھی۔ شیخ ابن الہمام اس باب میں احادیث صحیحہ لائے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اذان تنہا دخول وقت کی خبر دینے اور مسلمانوں کے بلانے کیلئے مشروع ہے۔ اس جگہ تو وہ سب موجود ہی تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اذان صرف خبر دینے کیلئے ہی نہیں ہے بلکہ کلمات اذان کے ذکر کے ذریعہ ثواب حاصل کرنا بھی ہے اور تکمیل نماز بھی اسی سے مشروع ہے۔ اسی بنا پر افضل یہ ہے کہ ایک فرد بھی اذان و اقامت کہے جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری چرانے والے چرواہے کو دیکھا کہ وہ اذان دیتا ہے اور نماز

پڑھتا ہے۔فرمایا:''هٰذَا عَلَى الْفِطْرَةِ'' یہ دین فطرت پر ہے۔امام شافعی کا دوسرا قول تو بڑا ہی عجیب ہے کہ نہ اذان کہے اور نہ اقامت۔
جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس حال میں مضطرب و پریشان دیکھا تو ان کی تسلی کیلئے فرمایا کہ ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا اگر وہ چاہتا تو اس کے سوا زمانہ میں بیدار کرتا اور فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز بھول جائے تو اسے چاہیے کہ جب یاد آئے اسی وقت پڑھ لے''۔احادیث میں سونے کا ذکر بھی آیا ہے۔ایک اور روایت میں واقع ہوا ہے کہ نیند نسیان میں داخل ہے اور اس کا مستلزم رکھا ہے۔

تنبیہ:اس جگہ یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ایک جگہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تَنَامُ عَيْنَایَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِیْ ۔میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل جاگتا ہے۔مطلب یہ کہ میری نیند اور میرا سونا بس اتنا ہی ہے کہ میں آنکھیں تو بند کر لیتا ہوں لیکن میرا دل آگاہ وخبر دار رہتا ہے اور فرمایا کہ ''میں اپنی خواب کی حالت میں بھی تمہاری باتیں سنتا ہوں'' چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نیند ناقص وضو نہیں اور پہلا وضو ہی باقی رہتا ہے۔علماء نے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں شمار کیا ہے۔بعض علماء کہتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام اس معاملہ میں یکساں ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے خواب اور رویا وحی ہے۔یہ وحی دل کی بیداری کے بغیر کیسے ہو سکتی ہے لہٰذا جب دل بیدار رہتا ہے تو پھر طلوع فجر کی خبر کیوں نہ ہوسکی؟

اس کے جواب میں علماء فرماتے ہیں کہ طلوع وغروب کا معلوم کرنا آنکھ کا کام ہے اور جب آنکھ بند ہو تو طلوع وغروب کا علم نہیں ہو سکتا۔جس طرح کہ کوئی تہہ خانے میں بیدار بیٹھا ہو یا آگے پیچھے ہر طرف تہ در تہ پردے پڑے ہوں اس صورت میں طلوع وغروب کا علم نہیں ہوسکتا۔چنانچہ تنہا دل کی بیداری کافی نہیں لیکن اب بھی ایک شبہ باقی رہتا ہے کہ وحی یا الہام سے یہ کیوں معلوم نہ ہوسکا جس طرح ایک ماہر علم نجوم تہہ خانے میں ہی کیوں نہ بیٹھا ہو۔گھڑیوں کے حساب سے جان لیتا ہے کہ فجر طلوع ہوگئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حکمت الٰہی نے یہ اقتضاء کیا کہ کشف نہ ہوا اور اس بارے میں وحی نازل نہ ہوئی تاکہ قضائے خوائت کی تشریع کا سبب اور شرف اتباع ادراک ہو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سہو ونسیان کے عارض ہونے کے سلسلہ میں کہا گیا ہے۔

بندہ مسکین (یعنی صاحب مدارج النبوۃ رحمۃ اللہ) فرماتے ہیں کہ یقیناً دل بیدار ہوگا اور نیند وخواب کا اس پر کچھ اثر نہ ہوگا۔لیکن ممکن ہے کہ اس وقت آپ کو مشاہدہ ربانی حاصل ہو اور آپ اس میں اتنے مستغرق ہوں کہ اس مشاہدہ کے ماسواء ہر صور ومعانی سے آپ بے نیاز وغافل ہوں جس طرح کہ بعض وقتوں میں خصوصاً وحی وغیرہ کی کیفیت میں ایسی صورت ہو جاتی ہے۔اس کا باعث عدم ادراک نسیان' غفلت اور نیند نہیں ہے بلکہ قلب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک عظیم حالت کا طاری ہو جانا ہے جسے خدائے عز وجل کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ خواب اور فراموشی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ابتلاء الٰہی تھا۔جو تدبیر کے اختیار کرنے اور معاملہ کو خدا کے سپرد نہ کرنے کے سبب ہوا کیونکہ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رات کی نگہبانی پر مقرر فرما کر تدبیر اختیار فرمائی تھی اور حق تعالیٰ کو نظر انداز کر دیا تھا۔صوفیائے کرام کے نزدیک یہ بڑا بنیادی قاعدہ ہے جسے وہ اسقاط تدبیر اور ترک اختیار کہتے ہیں اور یہ بات ہے بھی درست لیکن ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ایسی بات اچھی نہیں لگتی۔اس سے سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام رفعت اور بارگاہ عزت میں اعتراض کرنے کا وہم پیدا ہوتا ہے حالانکہ ان اسباب سے تمسک کرنا' اس کی رعایت کرنا مرتبہ تحقیق وتمکین کی انتہا ہے اور یہ منافی توکل تفویض نہیں ہے۔وہاں تدبیر واختیار ممنوع ہے جہاں نفس کی طرف سے ہو نہ کہ اس جگہ جہاں حکم شرع ہو جیسا کہ اپنے مقام میں تحقیق کی جا چکی ہے یہاں تک کہ اس مقام میں حال کیا اقتضا کرتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیّد کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیمات کے حال شریف میں عقلی قیاس سے بلکہ اپنی معرفت کی

دریافت سے کلام کرنا حسن ادب کے دائرے سے باہر ہے اور اس کا حکم متشابہات میں حکم کرنے کی مانند ہے۔

لحم خر کی حرمت: اس غزوہ خیبر کے واقعات میں سے گھریلو گدھوں کے گوشت کا حرام قرار دینا بھی ہے۔ چنانچہ حدیث مبارک میں مروی ہے کہ جس دن خیبر فتح ہوا اور شام کا وقت آیا تو مسلمانوں نے خوب آگ جلائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ آگ کیسی ہے؟ اور کیا چیز پکا رہے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا آگ پر گوشت پکا رہے ہیں۔ فرمایا: ''کس کا گوشت؟'' عرض کیا ''پالتو گدھوں کا گوشت''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''زمین پر الٹ دو اور ہانڈیوں کو توڑ دو''۔ اس پر کسی نے عرض کیا ''توڑ دیں یا ان کو دھو ڈالیں''۔ فرمایا ''دھو ڈالو'' بعض علماء کہتے ہیں کہ حمار انسی یا حمار اہلی یعنی پالتو گدھا فرمانا۔ حمار وحشی یعنی جنگلی گدھے سے احتراز کیلئے ہے کیونکہ حمار وحشی حلال ہے اور پالتو گدھا بھی حلال تھا مگر اب حرام کر دیا گیا۔ (کذا فی المواہب)

ایک روایت میں آیا ہے کہ عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روز خیبر ہمیں بھوک لگی تو ہم نے گدھے کا گوشت پکانے کیلئے ہانڈیاں آگ پہ رکھیں۔ کچھ ہانڈیاں پک گئی تھیں اور کچھ ابھی کچی تھیں۔ اس کے بعد اعلان ہوا کہ انہیں پھینک دو اور ہانڈیوں کو توڑ دو۔ حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ فرماتے ہیں کہ اس کو حرام قرار دینا اس بنا پر تھا کہ ان میں سے خمس نہ نکالا گیا تھا۔ بعض فرماتے ہیں کہ بوجھ لادنے کی وجہ سے تھا چونکہ اس وقت ان کی ضرورت تھی۔ اس کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ گدھے کا گوشت کھا لیا گیا ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔ پھر ایک اور شخص آیا اس نے بھی کہا کہ گدھے کا گوشت کھا لیا گیا ہے؟ یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا جب تیسرے شخص نے آ کر کہا کہ گدھوں کو ناپید وفنا کر دیا گیا ہے اس مرتبہ حکم فرمایا کہ اعلان کر دو کہ خدا اور اس کا رسول، گدھوں کے گوشت کو منع فرماتا ہے۔ حق یہ ہے کہ ممانعت کی وجہ حرمت ونجاست ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی مروی ہے کہ ہم خیبر میں صبح کے وقت داخل ہوئے۔ اس وقت اہل خیبر کھیتی باڑی کا سامان لیے نکل رہے تھے۔ جب انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہنے لگے ''وَاللهِ مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيسُ'' خدا کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پنج رکنی بہت بڑے لشکر کے ساتھ آ گئے ہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللهُ اَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ اِنَّا اِذَا اَنْزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ۔ اس کے بعد ہم نے گدھوں کا گوشت پایا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کرائی کہ خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم گدھوں کے گوشت سے منع فرماتا ہے۔ اس لیے کہ وہ ناپاک و پلید ہے۔ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث کے منافی نہیں ہے اور یہ تاویل کرنا کہ خمس نہ نکالنے کی وجہ سے حرام قرار دیا، یا بوجھ لادنے کی بنا پر منع فرمایا۔ یہ ان لوگوں کی تاویل ہے جو گدھوں کے گوشت کی اباحت کے قائل ہیں۔ جیسا کہ امام مالک سے نقل کرتے ہیں اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ مطلقاً حرام ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ گدھوں کے گوشت کو حرام قرار دیا اور رخصت دی۔ ایک روایت میں ہے کہ اجازت دی۔ ایک روایت میں ہے کہ گھوڑے کے گوشت کا حکم فرمایا۔

گھوڑے کے گوشت کا حکم: صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ گھوڑے کے گوشت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور سلف وخلف اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ وہ مباح ہے کہ کوئی کراہت اس میں نہیں ہے اور اسی کے حضرات عبداللہ بن زبیر، ابن مالک اور اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم قائل ہیں۔ مسلم نے سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں گھوڑے کو ذبح کرتے اور کھاتے تھے۔ درآنحالیکہ ہم مدینہ طیبہ میں تھے۔ دارقطنی کی روایت میں ہے کہ ہم اور اہل بیت نبوت کھاتے تھے۔ فتح الباری میں ہے کہ سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ ''ہم مدینہ میں تھے'' اس سے مستفاد

ہوتا ہے کہ اس کا وقوع' فرضیت جہاد کے بعد تھا۔ لہٰذا اس سے اس شخص کا رد ہوتا ہے جو آلات جہاد ہونے کی بنا پر اس کے کھانے کے منع ہونے پر استناد کرتا ہے اور سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ ''اور اہل بیت نبوت بھی کھاتے ہیں'' اس سے اس شخص کے گمان کا رد ہے جو کہتا ہے کہ اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے آگاہ تھے۔ اس بنا پر کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر نہ ہوتی تو آل ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ایسا گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی چیز میں زمانہ نبوت میں ایسا اقدام کریں۔ بجز اس بات کے کہ ان کے علم میں اس کا جواز ہو کیونکہ آل ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ اختلاط رکھتے اور صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل دریافت کرنے میں بہت زیادہ شوق وشغف رکھتے تھے۔ اس بنا پر راجح اور مختار یہی ہے کہ صحابی جب یہ کہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسا کرتے تھے۔ تو ضرور ان کے پاس حکم رفع ہوگا۔ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے باخبر ہوں گے اور اسے برقرار رکھا ہوگا۔ جب یہ حکم مطلق صحابہ کے بارے میں ہے تو آل ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کیسے علم نہ ہوگا۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ گھوڑے کے گوشت کے کھانے میں کراہت کی طرف گئے ہیں۔ صاحبین اور غیر صاحبین نے اس کی مخالفت کی ہے اور اس کی حلت میں اخبار متواترہ سے استدلال کیا ہے (انتہی) بلاشبہ بعض تابعین نے اس کی مطلقاً حلت کو تمام صحابہ سے بغیر کسی 'استثناء کے روایت کیا ہے چنانچہ ابن ابی شیبہ بسند صحیح برشرط شیخین' حضرت عطاء سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیشہ سلف اسے کھایا کرتے تھے۔ اس میں یہ صراحت ہے کہ ان سے پوچھا کیا آپ کی سلف سے مراد' اصحاب رسول ہیں۔ حضرت عطا نے فرمایا ''ہاں'' لیکن یہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی کراہت منقول ہے جسے ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق دونوں نے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول جامع صغیر میں ہے کہ گھوڑے کے گوشت کو میں مکروہ جانتا ہوں''۔ اور ابوبکر رازی نے مکروہ تنزیہی پر محمول کر کے کہا کہ امام ابوحنیفہ نے اس میں مکروہ تحریمی کا اطلاق نہیں فرمایا اور ان کے نزدیک گھوڑا احمار اہلی کی مانند نہیں ہے اور صاحب محیط وہدایہ اور ذخیرہ تحریمی کی تصحیح کرتے ہیں۔ یہ کہ یہ قول اکثر احناف کا ہے اور قرطبی نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ امام مالک کا مذہب کراہت پر ہے۔ فاکہانی نے کہا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک مشہور کراہت ہے اور ان کے محققین کے نزدیک صحیح تحریم ہے اور ابن ابی حمزہ نے کہا کہ مطلقاً جواز پر دلیل واضح ہے۔ لیکن امام مالک کے نزدیک اس کے کھانے کی کراہت اس بنا پر ہے کہ وہ جہاد میں استعمال ہوتا ہے لہٰذا کراہت خارجی سبب سے ہے نہ کہ ذات حیوان میں۔ اباحت پر متفق علیہ روایت ہے۔ اگر ذبح کے وقت کوئی بات ایسی لاحق ہو جائے جو عام طور پر ذبح کے وقت ہو جاتی ہے جس کی بنا پر اس ذبیحہ کا کھانا متروک وممتنع ہو جاتا ہے تو اس سے قول تحریم لازم نہیں آتا۔

اب رہا بعض تابعین کا یہ کہنا کہ اگر لحم فرس کا کھانا حلال ہوتا تو اضحیہ (قربانی) جائز ہوتی تو یہ قول وحشی حیوانات سے ٹوٹ جاتا ہے باوجود یکہ وہ ماکول ہیں مگر ان کے ساتھ اضحیہ (قربانی) مشروع نہیں ہے لیکن ابوداؤد ونسائی کے نزدیک خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لحوم اخیال وحمر کی ممانعت فرمائی ہے۔ ضعیف ہے۔ اگر اس کا ثبوت تسلیم کر لیا جائے تب بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معارض نہیں ہوتی جو کہ جواز پر دلالت کرتی ہے اور اس کے موافق اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ بلاشبہ خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کی حدیث کو امام احمد وبخاری دارقطنی وخطابی' ابن عبداللہ وعبدالحق اور دیگر اکابر علماء ومحدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ بعض محدثین نے گمان کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث تحریم پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے کہا: رُخِّصَ فِی الْخَیْلِ (لحوم فرس میں رخصت دی گئی) اور رخصت بمعنی استباحت' قیام مانع کے ساتھ مخطور ہے۔ (مطلب یہ کہ جہاں ''رخصت'' فرمایا گیا اور اس میں ممانعت کی روایت بھی موجود ہو تو اس رخصت سے مباح مراد لینا ممنوع ہے لہٰذا یہ رخصت' اس مخمصہ کے

سبب پر دلالت کرتی ہے جو انہیں درپیش تھا۔ اس لیے یہ مطلقاً علت پر دلالت نہیں کرتی۔ اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ اکثر روایتوں میں لفظ اذن بمعنی اجازت آیا ہے۔ جیسا کہ مسلم میں ہے اور اسی میں ایک روایت یہ ہے کہ ہم خیبر کے زمانہ میں لحوم فرس اور لحوم حمر وحشی کھاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حمار اہلی سے منع فرمایا۔ دارقطنی کے نزدیک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حمر اہلی سے منع فرمایا اور لحوم خیل کا حکم فرمایا۔ لہٰذا حدیث دلالت کرتی ہے کہ ''رخص'' بمعنی ''اذن'' ہے اور اگر رخصت' مخمصہ کے بنا پر ہوتی ہے تو اس کیلئے پالتو گدھے زیادہ مناسب ہوتے کیونکہ وہ ہوتے بھی کثرت سے ہیں اور گھوڑوں کی اس وقت بڑی قدر و قیمت اور عزت تھی۔ اس بنا پر یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لحوم فرس کے کھانے کی اجازت اباحت عامہ کی بنا پر تھی نہ کہ کسی خاص ضرور کی بنا پر۔ یہ سب باتیں مواہب لدنیہ میں مذکور ہیں اور فتاویٰ سراجیہ میں مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لحم فرس مکروہ ہے۔ اس میں صاحبین اور امام شافعی رحمہم اللہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور قاضی امام صدر الاسلام نے فرمایا کہ کراہت سے مراد تحریم ہے اور ان کے بھائی فخر الاسلام شیخ امام علی بزدری نے فرمایا کہ کراہت سے مراد تنزیہہ ہے۔ شیخ الاسلام امام سرخسی نے فرمایا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے جو کچھ فرمایا وہ احوطہ ہے اور صاحبین نے جو فرمایا وہ لوگوں کیلئے وسع ہے۔ کتاب ''خلاصہ'' میں کہا گیا ہے کہ لحم فرس مکروہ ہے اور اصح یہ ہے کہ کراہت تحریمی ہے اور کافی میں کہا گیا ہے کہ مکروہ بکراہت تنزیہی ہے اور یہی صحیح ہے۔ اسی کی طرف فخر الاسلام اور ابونعیم اپنی اپنی ''جامع'' میں گئے ہیں اور امام اسجابی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ امام سرخسی نے فرمایا یہ لوگوں کیلئے طرف ظاہر کی بنا پر ارفق زیادہ نرمی ہے کہ وہ بلانکیر لحم فرس بیچیں۔ ''کفایۃ المنتہیٰ'' میں کہا گیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے لحم فرس کی حرمت سے اپنی رحلت سے تین دن پہلے رجوع فرمالیا تھا اسی پر فتویٰ ہے اور اس کی اباحت پر ماوراالنہر کے علماء کا اتفاق' حنفیوں کیلئے اس کے کھانے اور اس کی جرأت پر کافی ہے اور احناف کے بعض اتقیاء سے ایسا سنا گیا ہے کہ وہ خود تو نہیں کھاتے تھے لیکن اس سے مہمانوں کی ضیافت کرتے تھے (واللہ اعلم)

لہسن و پیاز کا حکم: اسی غزوہ کے واقعات میں سے لہسن کے کھانے کی حرمت ہے۔ صحیح یہ ہے کہ لہسن و پیاز کا کھانا حرام نہیں ہے لیکن اس کے کھانے کے بعد مساجد اور مجالس خیر میں جانا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس کی بو سے لوگوں کو ایذا ہوتی ہے اور ہر ذی ناب درندوں کی حرمت واقع ہوئی۔ تقسیم سے پہلے غنائم کے فروخت کی حرمت واقع ہوئی اور وطی پیش از استبرا یعنی حاملہ باندیوں سے بچہ پیدا ہونے سے پہلے جماع کرنے اور عورتوں سے متعہ کرنے کی ممانعت واقع ہوئی' متعہ وقت معین تک نکاح کرنے کو کہتے ہیں۔

حرمتِ متعہ: اسی غزوہ خیبر کے واقعات میں سے حرمت متعہ ہے۔ ابتدائے اسلام سے غزوۂ خیبر تک متعہ مباح تھا اس کے بعد غزوے میں اسے حرام قرار دے دیا گیا۔ پھر اس غزوے کے بعد فتح مکہ تک یعنی یوم اوطاس تک مباح کر دیا گیا۔ یوں اوطاس' فتح مکہ کے بعد ہے اسے فتح مکہ کے ساتھ اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ یہ فتح مکہ کے بالکل متصل ہی واقع ہوا۔ اس کے تین دن کے بعد اسے ہمیشہ کیلئے حرام قرار دے دیا گیا۔ اس کی حرمت ابدی و دائمی ہے۔ اس میں بجز روافض کے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

ایک شخص کا خودکشی کرنا: اس غزوۂ خیبر کے واقعات میں سے اس شخص کے خودکشی کرنے کا واقع ہے جس نے بے مثال جنگ کی اور کسی مشرک کو نہ چھوڑا۔ یہاں تک اس نے اپنی تلوار سے یا تو اسے ہلاک کر دیا یا اسے شدید زخمی کر دیا۔ چنانچہ مسلمان آپس میں کہنے لگے ایسی جرأت وکارکردگی میدان کارزار میں ہم میں سے کسی کی نہیں ہے۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچائی اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فلاں شخص ایسے کارنامہ سرانجام دے رہا ہے جو کسی اور نے نہیں انجام دیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خبردار ہو جاؤ اور جان لو کہ وہ شخص بلاشبہ اہل نار میں سے ہے''۔ اس پر مسلمانوں کو بڑی حیرت ہوئی کہ وہ شخص تو معرکہ

کارزار میں ایسی بے جگری سے مشرکوں کے ساتھ جنگ کر رہا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرما رہے ہیں۔ دیکھنا چاہیے کہ حقیقت حال کیا ہے قریب تھا کہ شک کے گرداب میں مبتلا ہو جائیں۔ اس پر ہم میں سے ایک شخص نے کہا ''آج میں اس کے ساتھ رہتا ہوں اور ساتھ ساتھ پھرتا ہوں تا کہ دیکھوں کہ حقیقت حال کیا ہے؟ دوسری روایت میں ہے کہ میں اس کے پیچھے لگ گیا اور جہاں وہ جاتا میں بھی جاتا، جہاں وہ کھڑا ہوتا میں بھی کھڑا ہو جاتا اور جہاں وہ تیزی دکھاتا میں بھی تیزی کرتا۔ اس نے بڑی شدت سے جنگ کی اور بڑی بے جگری سے لڑا یہاں تک کہ وہ شدید زخمی ہو گیا۔ وہ اپنے شدید مجروح ہونے سے تنگ آ گیا اور اس نے اپنی تلوار کے دستہ کو زمین پر رکھ کر اس کی نوک کو اپنے دونوں پستانوں کے درمیان رکھا اور اس پر جھول گیا۔ اس طرح اس نے اپنی جان کو ہلاک کر لیا۔ بہر تقدیر جب اس شخص نے جو اس کے پیچھے لگا ہوا تھا اس کی یہ حقیقت حال دیکھی تو وہ دوڑتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا ''اشھد انك رسول الله'' فرمایا۔ کیا بات ہے اور کیوں تجدید شہادت کرتے ہو؟ عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس شخص نے مشرکوں کے ساتھ خوب جنگ کی اور آپ نے خبر دی کہ وہ اہل نار میں سے ہے تو ہم لوگوں کو آپ کی یہ خبر بڑی گراں گزری۔ میں حقیقت حال معلوم کرنے کیلئے اس کے پیچھے لگ گیا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ وہ بہت شدید زخمی ہو گیا اور اس نے اپنی جان کو اپنے ہاتھ سے ہلاک کر دیا۔ قاتل نفس اور خودکشی کرنے والا شخص جہنم میں ہے'' اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''آدمی ظاہر میں جنت کے عمل کرتا ہے حالانکہ وہ اہل نار میں سے ہوتا ہے''۔ مطلب یہ کہ اپنے عمل پر مغرور نہیں ہونا چاہیے اور دوسرا شخص ظاہر میں اہل نار کے عمل کرتا ہے حالانکہ وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے۔

یہاں سے لازم نہیں آتا کہ ہر قاتل نفس، اہل نار سے ہے مگر یہ کہ وہ خودکشی کو حلال جانتا ہو۔ یا یہ مراد ہو کہ وہ اہل نار میں سے ہے اگر حق تعالیٰ اسے نہ بخشے۔ قسطلانی نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ نیز فرمایا کہ ممکن ہے کہ وہ منافقین میں سے ہو یا قتل نفس کو حلال جاننے کی وجہ سے مرتد ہو گیا ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خبر دینا کہ وہ اہل نار میں سے ہے اسی بنا پر تھا۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منادی کر دو کہ مومن کے سوا جنت میں کوئی داخل نہ ہوگا اور حق تعالیٰ اپنے دین کی مرد فاجر سے بھی تائید و تقویت کرا لیتا ہے۔

فتح فدک: اور بھی کئی واقعات ایسے ہیں جو اگرچہ خیبر کے غزوہ میں داخل نہیں ہیں لیکن ان کے ساتھ اور ان کے قریب ہی واقع ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک فتح فدک ہے۔ فدک ایک موضع کا نام ہے جو خیبر کے نزدیک ہے۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے حوالی میں تشریف لائے تو محیصہ رضی اللہ عنہ بن مسعود حارثی کو حویصہ رضی اللہ عنہ بن مسعود حارثی کے بھائی ہیں۔ فدک میں بھیجا تا کہ وہاں کے رہنے والوں کو اسلام کی دعوت دیں اور خبر دیدیں کہ خدا کے نبی تم سے جنگ کرنے تشریف لائیں گے جس طرح کہ خیبر والوں سے جنگ کرنے کیلئے تشریف لائے ہیں۔ فدک کے لوگوں نے کہا خیبر والوں کے پاس دس ہزار جنگجو ہیں ہمیں گمان نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ٹھہر سکیں۔ محیصہ رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ یہ لوگ صلح صفائی کی طرف نہیں آئے تو لوٹ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سارا حال عرض کر دیا۔ اس کے بعد ان کے سرداروں کی ایک جماعت فدک کے کچھ یہودیوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تا کہ صلح کا معاملہ پختہ کر لیں۔ بحث و تمحیص اور گفتگو کے بعد یہ طے پایا کہ آدھی زمین فدک کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیں اور آدھی زمین اپنے لیے رکھ لیں۔ یہ سلسلہ حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک رہا۔ اس وقت امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو زمین فدک سے نکال دیا اور شام کی طرف بھیج دیا۔ وہ آدھی زمین جو ان کے پاس تھی اسے پچاس ہزار درہم بیت المال سے خرید لیا۔ فدک کا ذکر اور اس کے اموال کا حال انشاء اللہ اپنی جگہ آئے گا۔

اسی طرح اہل خیبر کو خیبر سے نکالا۔ یہود نے کہا اے عمر رضی اللہ عنہ! کیا وجہ ہے جس چیز کو ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مقرر فرمایا تم اس کے خلاف کرتے ہو۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جان لو میں اس دن موجود نہ تھا اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے فرمایا جب تک ہماری مرضی رہی تم اس پر قائم رہے۔ اب ہم نہیں چاہتے ہماری مرضی نہیں ہے۔ بخاری کی حدیث میں ہے جو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور اپنا مصمم اور پختہ ارادہ فرمایا کہ ان یہودیوں کو نکال کے رہیں گے۔ پھر بنی الحقیق کے ایک شخص نے آ کر کہا۔ اے امیر المومنین ہمیں نکالتے ہو حالانکہ ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں مقرر فرمایا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تیرا گمان ہے کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو بھلا دوں گا جو تجھ سے کہا کہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا۔ جبکہ تو نکالا جائے گا اور راتوں رات اونٹ دوڑیں گے۔ مطلب یہ کہ تم لوگ کئی راتوں میں یہاں سے نکلو گے۔ اس یہودی نے کہا یہ بات تو ابولقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بطریق ہزل و مزاح فرمائی تھی۔ نہ کہ بر سبیل جد و جزم۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''او دشمن خدا! تو جھوٹ بکتا ہے'' اس کے بعد ان کو جلاوطن کر دیا اور ان کے اموال کی قیمت دیدی جو بھی کچھ ان کا ساز و سامان، اونٹ وغیرہ تھے حتیٰ کہ رسیوں اور پالان وغیرہ کی بھی قیمت دیدی۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس ہوئے تو وادی القریٰ کی جانب توجہ فرمائی۔ منزل صہبا میں قیام فرمایا اور وہیں سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے زفاف ہوا اور اسی منزل میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کیلئے روشمس واقع ہوا۔ (جیسا کہ گزر چکا ہے)

غزوۂ وادی القریٰ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وادی القریٰ میں نزول فرمایا تو ان لوگوں کا چار دن تک محاصرہ فرمایا وہ بھی جنگ کیلئے آمادہ ہو گئے اور قتال کیلئے نکل آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قتال کیلئے صف بندی فرمائی اور کسی صحابی کو علم مرحمت فرمایا۔ (ارباب سیر کا علمبردار کے نام میں اختلاف ہے) اور ان کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو تمہارے جان و مال محفوظ و مصئون رہیں گے اور تمہارا حساب حق تعالیٰ پر ہوگا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نصیحت قبول نہ کی اور جنگ پر ہی مصرر رہے۔ اس دن شام تک جنگ جاری رہی۔ یہودیوں کے دس آدمی جہنم رسید ہوئے۔ دوسرے دن صبح کے وقت فتح واقع ہوئی اور بکثرت اثاثہ اور بے شمار مال و متاع مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی القریٰ کے یہودیوں پر احسان فرمایا ان کی اراضی اور ان کے باغات کو انہیں کے قبضہ میں رہنے دیا تاکہ وہ مزدوری پر کام کریں۔ وادی القریٰ کے یہودیوں کو خبر ''تیما'' کے یہودیوں کو پہنچی تو وہ ڈر گئے اور صلح کر کے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ اس طرح بہت سے سرایا (چھوٹے چھوٹے لشکر) روانہ فرمائے۔ سریہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سریہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، سریہ بشر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ، سریہ غالب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ لیثی کا مینہ پر سریہ غالب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ مذکور بنی الملوح اور ان کا سریہ فدک پر یہ تمام سرایا اسی سال واقع ہوئے۔

عمرۃ القضاء: اسی سال عمرۃ القضاء جو صلح حدیبیہ میں طے پایا تھا واقع ہوا۔ اس کا وقوع ماہ ذی القعدہ ۷ ہجری میں ہوا تھا۔ اس کو ''عمرۃ القضاء'' سے موسوم کرنا شوافع کے نزدیک اس بنا پر بتاتے ہیں کہ قضاء بمعنی صلح ہے یعنی وہ عمرہ جو صلح حدیبیہ میں طے پایا تھا کہ سال آئندہ آئیں اور عمرہ ادا کریں۔ اسی بنا پر اس کا نام ''عمرۃ الصلح'' و ''عمرۃ القضاء'' اور ''عمرۃ القضیہ'' بھی واقع ہوا ہے۔ احناف کے نزدیک یہ نام اس بنا پر ہے کہ یہ قضائے عمرہ ہے جو کہ روکنے اور راہ بند کرنے کی وجہ سے حدیبیہ میں فوت ہو گیا تھا۔ اس اختلاف کا مبنیٰ یہ ہے کہ کسی نے عمرہ کا احرام باندھا اور اسے بیت اللہ سے روک دیا گیا۔ اس کے قضا کے وجوب میں اختلاف ہے۔ مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے کہ اس پر ہدی یعنی دم واجب ہے۔ عمرہ کی قضا اس پر واجب نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا مذہب اس کے برعکس ہے یعنی قضا واجب ہے اور دم واجب نہیں۔ امام شافعی کی حجت یہ آیہ کریمہ ہے کہ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (پھر اگر تم روک

دیئے جاؤ تو ہدی میں سے جو میسر ہو) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ شروع کرنے سے عمرہ لازم ہو گیا پھر جب اسے روک دیا گیا تو ادا نہیں ہوا' مانع اور رکاوٹ ختم ہو جانے کے بعد قضا لازم ہے۔ شافع کہتے ہیں کہ حدیبیہ کا عمرہ فاسد نہ ہوا تھا بلکہ پورا ہو گیا تھا۔ اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرے کی تعداد چار شمار کرتے ہیں لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ حدیبیہ کا عمرہ بھی گنا گیا اور اس کا اعتبار کیا گیا ہے۔ یہ بات اس میں داخل ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا اجر حصول کی بنا پر ثابت ہے۔ ظاہر ہے کہ عمرہ وجود میں نہیں آیا اور طواف وسعی واقع نہیں ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ غزوۂ خیبر سے واپسی اور اس مہم کو مکمل فرمانے کے بعد اور مدینہ طیبہ کے اطراف واکناف میں سرایا بھیجنے کے بعد ہجرت کے ساتویں سال ابتدائے ماہ ذیقعدہ میں ''عمرۃ القضاء کی تیاری میں مشغول ہوئے اور حکم فرمایا کہ جو صحابہ حدیبیہ میں موجود تھے۔ وہ اس سفر میں موافقت کریں اور پیچھے نہ رہیں۔ ان کے ماسوا بھی جو چاہے شریک ہو جائے اس کے بعد ان میں سے جو حضرات بقید حیات تھے تیاری شروع کر دی اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے کچھ اور حضرات بھی جو بیعۃ رضوان میں حاضر نہ تھے وہ بھی ہمراہ ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب سعادت میں چل دیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابودہم غفاری کو مدینہ میں خلیفہ بنایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو ہزار صحابہ اور سو گھوڑے اصیل اور ساٹھ ہدی (ایک روایت میں ہے اسی اونٹ اور جنگی اسلحہ یعنی خود' زرہیں' نیزے وغیرہ) ساتھ لے کر باہر نکلے۔ جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو گھوڑوں کو محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کے سپرد فرمایا اور اسلحہ بشر بن سعد کو دیا۔ احرام باندھا تلبیہ کہا۔ مسلمانوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام باندھے اور تلبیہ کہی۔ گھوڑوں اور اسلحہ کو آگے بھیج دیا۔ جب مرالظہر ان پہنچے جو مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے وہاں قریش کی جماعت ملی۔ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں انہوں نے پوچھا: ''کہ کہاں ہیں؟'' فرمایا کل تک تشریف لے آئیں گے اور اسی منزل میں قیام فرمائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور بطن ماجح کے قریب نزول فرمایا۔ پھر جب قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کو سنا۔ اسلحہ اور گھوڑوں کو دیکھا تو پوچھنے لگے یہ کیا ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے ارادے سے آئے ہیں اور صلح کو توڑتے ہیں؟ فرمایا صلح اپنی جگہ قائم ہے۔ یہ بطور احتیاط ساتھ لیا ہے اس سے کفار کو اطمینان ہو گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام میں اوس رضی اللہ عنہ بن خولی انصاری کو دو سو صحابہ کے ساتھ چھوڑا اور مکہ مکرمہ کے ارادہ سے تشریف لے چلے اور اپنی سواری قصواء پر سوار ہوئے۔ مسلمانوں نے اپنی شمشیریں نیام میں کر کے حمائل کیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان تلبیہ پڑھتے ہوئے چل دیئے۔ قریش ان خبروں کو سننے کے لیے پہاڑوں پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد و پیش چل رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع ''ہدایا'' کے ذی طویٰ میں داخل ہوئے۔ اور کوکبہ رسالت نے شنبہ سے حجون پر طلوع فرمایا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ جو مخلصین صحابہ اور شعراء اسلام میں سے تھے۔ اونٹ کی مہار تھامے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے اور یہ رجز پڑھتے جا رہے تھے۔ ''خَلُّوْا بَنِی الْکُفَّارِ عَنْ سَبِیْلِهٖ'' اے کافروں کی اولاد! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ چھوڑ دو اور ایک طرف ہو جاؤ۔ ''اَلْیَوْمَ نَضْرِبُکُمْ عَلٰی تَنْزِیْلِهٖ'' آج کے دن ہم تم کو ان کے قرآن پر ماریں گے۔ ''ضَرْبًا یُزِیْلَ الْهَامَ عَنْ مَقِیْلِهٖ'' اور ایسی مار لگائیں گے کہ سر کے بل گرا دیں گے۔ ''وَیُذْهِلُ الْخَلِیْلَ عَنْ خَلِیْلِهٖ'' اور بھول جاؤ گے اپنے دوست کی دوستی۔ بعض روایتوں میں اتنا زیادہ آیا ہے کہ ''قَدْ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ فِیْ تَنْزِیْلِهٖ فِیْ صُحُفٍ تُتْلٰی عَلٰی رَسُوْلِهٖ بِاَنَّ خَیْرَ الْقَتْلِ فِیْ سَبِیْلِهٖ'' بلاشبہ رحمٰن نے اپنے قرآن میں اور دیگر صحیفوں میں جو اس کے رسول تلاوت کرتے ہیں اس میں نازل فرمایا ہے کہ خدا کی راہ میں قتل کرنا بہترین عمل ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''اے ابن رواحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر پڑھتے ہو؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عمر رضی اللہ عنہ! ان سے کچھ نہ کہو اور شعر گوئی سے نہ روکو بلاشبہ ان کے اشعار تیز تر جاتے ہیں

اور کفار کے دلوں میں تیروں کی مانند چبھتے ہیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تلبیہ پڑھتے ہوئے کعبہ معظمہ تک تشریف لائے یہاں تک کہ حجر اسود کا استیلام فرمایا اور آپ کا استیلام فرمانا اس عصائے مبارک سے تھا۔ جو سر کج کی لکڑی کا آپ کے دست مبارک میں اکثر رہا کرتا تھا جو چوگان کی مانند تھا جسے محجن کہتے ہیں اور اپنی سواری پر سوار طواف فرمایا اور آپ اضطباع کیے ہوئے تھے۔ اضطباع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر شریف کے کپڑے کو داہنے بغل شریف کے نیچے اور بائیں شانہ پر ڈالے ہوئے تھے۔ صحابہ نے بھی ایسا ہی کر رکھا تھا اور جب مشرکوں نے طعنہ مارا کہ یثرب کے بخار اور وہاں کی متعفن ہوا نے صحابہ کو سست و کمزور بنا دیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو فرمایا کہ قوت و شوکت کا مظاہرہ کر کے مشرکوں کو دکھائیں اور پہلے تین پھیروں میں رمل کریں یعنی اکڑ کر تیز قدم رکھیں۔ آخر کے چار پھیرے اپنے حال پر کریں رمل اس طرح دوڑ کر اور اکڑ کر چلنے کو کہتے ہیں۔ جیسے پہلوان چلتے ہیں اور تمام پھیروں میں رمل کا حکم نہ فرمایا اور یہ صحابہ پر شفقت و مہربانی فرمانے کی بنا پر ہے۔ فرمایا پہلے تین پھیروں میں بھی رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان آہستہ آہستہ چلیں اس لیے کہ مشرکین تم کو نہ دیکھ سکیں گے کیونکہ مشرکین قعیقعان کے پہاڑ پر تھے جو رکن شامی اور رکن عراقی کے مقابل تھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ اس رجز کے اشعار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طواف کے وقت پڑھتے جاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اس ذکر کو بھی پڑھو ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَاَعَزَّ جُنْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ'' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے اپنے بندے سے نصرت کا وعدہ فرمایا اور ان کے لشکر کو عزت دی۔ ایک ایک ہو کر احزاب یعنی قبائل بھاگے۔ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ ذکر شروع فرمایا تو تمام صحابہ بھی ان کے ساتھ ہم آواز ہو کر پڑھنے لگے۔ طواف کے بعد مسجد سے باہر تشریف لائے اور اسی سواری پر صفا و مروہ کے درمیان سعی فرمائی۔ حکم فرمایا کہ ہدی کو مروہ کے قریب لایا جائے۔ یہ منحر ہے اور مکہ مکرمہ کے تمام کوچے منحر یعنی قربان گاہ ہیں اور ان میں نحر و قربان جائز ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ کے پاس قربانی دی اور حلق فرمایا یعنی سر مبارک کے بال منڈوائے اور صحابہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ صحابہ کی ایک جماعت کو بطن ماجج بھیجا کہ وہ ان کے ہتھیاروں کی محافظت کریں اور ان کے پاس رہیں اور جو صحابہ وہاں ہیں آ کر اپنے نسک ادا کر لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونے کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ ظہر کی نماز آپ نے وہاں پڑی۔ ایک روایت میں ہے کہ ''عمرۃ القضاء'' میں حضور خانہ کعبہ میں داخل نہ ہوئے اور قریش نے اندر داخلہ سے باز رکھا کیوں کہ صلح میں اس کا ذکر نہ تھا۔ واقدی نے اس روایت کو ترجیح دی ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ خانہ کعبہ کے اوپر کھڑے ہو کر اذان دیں اور یہ بھی ایک ہی مرتبہ حکم تھا۔ اس کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب سے فرمایا کہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام عقد پہنچائیں۔ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا معاملہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا۔ کیونکہ ان کی بہن ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر تھیں۔ اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا عقد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احرام میں تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ احرام سے باہر آ گئے تھے اس میں اختلاف ہے۔ یہ مبحث اصول فقہ میں مقرر و مذکور ہو چکا ہے۔ اگر ازواج مطہرات کے ذکر میں اس قصہ کے ذکر کا موقع آیا تو انشاء اللہ تعالیٰ بیان کر دیا جائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین دن مکہ مکرمہ میں رہے جب چوتھا روز ہوا تو قریش نے کسی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کے پاس بھیجا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لے جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ قریش ایسا کہتے ہیں۔ فرمایا: ہاں ایسا ہی کرتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو قریش کے پاس بھیجا کہ ان سے کہو کہ اتنی مہلت دیدو کہ سیّدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ولیمہ میں اس جگہ کر لوں اور تمہارے لیے کھانا تیار کر لوں۔ کفار قریش نے کہا

''ہمیں تمہارے کھانے کی ضرورت نہیں ہے ہماری زمین سے باہر چلے جاؤ'' چہ خوب! زمین خدا کی ہے۔ اگر ہے تو اس کے نائب وخلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کل کو پتہ چل جائے گا کہ یہ زمین ان کی کیسے ہے اور کس کے قبضہ میں آئی ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ مجلس شریف میں حاضر تھے۔ جب مبالغہ اور درشت خوئی ان بدبختوں کی حد سے بڑھی تو برداشت نہ کر سکے اور فرمانے لگے ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں جائیں گے جب تک کہ ہماری مرضی نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تسلی وتسکین فرمائی اور حکم دیا کہ اعلان کر دو کہ صحابہ میں سے کوئی شخص رات مکہ میں نہ گزارے اور اپنے غلام ابورافع رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ سیّدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہمارے بعد لے آنا اور خود مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لے آئے۔ جو عہدو پیان فرمایا اس پر صبر وتحمل سے کام لیا اور ذرہ بھر خلاف ورزی نہیں فرمائی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے تشریف لے جارہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی عمارہ رضی اللہ عنہ (انہیں کی نسبت سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعمارہ تھی) وہ اپنی والدہ سلمٰی بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مکہ میں رہتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے یاعمٌ یاعمٌ کہتی ہوئی آئیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عم یعنی چچا اس بنا پر پکارا کہ یہ عرب کی عادت ہے۔ یا اس بنا پر کہ حضرت حمزہؓ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو جالیا اور عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے چچا کی بیٹی کو مشرکوں کے درمیان کیوں بے باپ (یتیم) چھوڑتے ہیں۔ میں ان کو اپنے ساتھ لے چلوں گا۔ اس کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیّدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ ''اپنے چچا کی بیٹی سے کہو کہ وہ ہودج میں آجائے'' جب مدینہ منورہ پہنچے تو ان تینوں کے درمیان جھگڑا ہوا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں لایا ہوں میرے چچا کی بیٹی ہے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے فرمایا میرے چچا کی بیٹی ہے اور ان کی خالہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا میری زوجیت میں ہیں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ''میرے بھائی کی بیٹی ہے ان کے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخاۃ تھی اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان نسبت مواخات قائم فرمائی تھی''۔ بعض رضاعی اخوت بھی بتاتے ہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ فرمایا اور فرمایا۔ ''اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْاُمِّ'' خالہ ماں کے قائم مقام ہے۔ ظاہر حدیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھگڑا مکہ مکرمہ میں واقع ہوا ہوگا۔ (واللہ اعلم) اس روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں انہیں لایا ہوں اور مکہ مکرمہ سے لانے کا سبب میں بنا ہوں۔ حضرت فاطمہ بنت رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہا میرے گھر میں ہیں۔ وہ ان کی پرورش کی زیادہ حقدار ہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے لیے حکم فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم فرمانے کے بعد ان کی دلجمعی اور تسکین خاطر فرمائی۔ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْكَ'' ''تم مجھ سے ہو اور میں تم سے۔ حضرت جعفر سے فرمایا ''اَشْبَهْتَ خَلْقِیْ'' ''تم میرے اخلاق وصفت میں مشابہ ہو۔ حضرت زید سے فرمایا ''اَنْتَ مَوْلَانَا وَاَخُوْنَا'' ''تم دین میں میرے بھائی اور ہمارے محب ومحبوب ہو۔ نیز حضرت جعفر بن ابی طالب سے فرمایا تم ان کی نگہداشت اور پرورش کے زیادہ حقدار ہو اس لیے کہ ان کی خالہ تمہارے گھر میں ہیں۔ خالہ بمنزلہ ماں کے ہے اور فرمایا اپنی پھوپھی اور خالہ پر عورت نکاح نہیں کی جاتی۔ اس کے بعد حضرت جعفر ان عنائیوں سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر فرمائی تھیں بہت خوش ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس پر حضرت جعفر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف ایک پاؤں سے گھومنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے حبشہ میں دیکھا ہے کہ

وہ اپنے بادشاہوں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں اور نجاشی بھی جب کسی کو اپنی کسی بات سے خوش کرتا ہے تو وہ شخص اس کے گرد ایک پاؤں سے چکر لگاتا ہے۔ نیز ارباب سیر نقل کرتے ہیں کہ جب زید سے فرمایا "اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا" تو زید رضی اللہ عنہ نے حجل کیا یعنی فرح و سرور سے رقص کرنے لگے۔ حجل ایک پاؤں اٹھا کر دوسرا پاؤں رکھنے کو کہتے ہیں۔ صراح میں ہے کہ حجل اور حجلان کے معنی پرند کی مانند کود کر چلنے اور چہچہانے کے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خالہ ماں کا حکم رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ اس سے خصانت یعنی حق پرورش کا خاص حکم ہے۔ بعض اس قصہ سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ حق خصانت میں خالہ عمہ پر مقدم ہے۔ اس لیے کہ صفیہ بنت عبدالمطلب اس زمانہ میں موجود تھیں۔ نیز یہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ خصانت میں ماں کے اقارب باپ کے اقارب پر مقدم ہیں (کذا فی المواہب) مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد سلمہ بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب تھے کر دیا۔ (ربیب اسے کہتے ہیں کہ جو بیوی کے ساتھ بچہ اس کے پہلے شوہر سے آئے) صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "آپ نے اپنی زوجیت میں کیوں نہ لے لیا کیوں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی بیٹی ہیں۔ فرمایا: "میرے رضاعی بھائی حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہے"۔

بظاہر اس قصہ میں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ قریش نے حضرت عمارہ رضی اللہ عنہا کو کیوں چھوڑ دیا حالانکہ صلح نامہ میں بندرج تھا کہ جو کوئی ہمارے پاس نکل کر آپ کی طرف جائے تو آپ کو اسے واپس کرنا ہوگا لہٰذا حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کس لیے کفار کی طرف واپس نہ کیا گیا؟ مواہب میں جواب دیتے ہیں اس لیے کہ انہوں نے اس کو طلب نہیں کیا تھا گویا شرط یہ تھی کہ اگر وہ مطالبہ کریں تو واپس کر دیں گے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بچی تھیں اور ان کی جانب سے دارالاسلام میں داخل ہونے کیلئے نکلنا صادر نہیں ہوا۔ نیز جواب دیتے ہیں کہ یہ شرط مردوں کیلئے تھی عورتوں کے بارے میں نہ تھی۔ اگر عام تھی تو عورتوں کے بارے میں حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے منسوخ ہو گیا۔ "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ" "اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کرنے والی آئیں تو تم ان کا امتحان کرو۔ اللہ ان کے ایمان کو زیادہ جاننے والا ہے پھر اگر تمہیں ان کا مومن ہونا معلوم ہو جائے تو ان کو کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ۔

اس جگہ پر روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ میں اس سال میں عمرۃ القضاء کے بعد دو داستانیں بیان کی ہیں۔ اگر چہ ان کا ذکر بادشاہوں کے خطوط اور وفود کے بھیجنے کے باب میں چھٹے سال میں لکھنا زیادہ مناسب تھا لیکن چونکہ رعایت منظور و معتبر تھی اس لیے دونوں قصوں کو سال ہفتم میں انہوں نے لکھا ہے۔ پہلا قصہ جبلہ بن ایہم غسانی کے نام خط بھیجنے کا ہے۔ یہ شخص حارث بن ابی شمر غسانی کے بعد غسان کا بادشاہ ہوا ہے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ جبلہ بن ایہم کو پہنچا اور دعوت اسلام ملی تو وہ مسلمان ہو گیا۔ تحائف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے اور دین اسلام پر برقرار رہا۔ یہاں تک کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک مرتبہ حج کو آیا اور طواف میں مشغول تھا کہ اچانک ایک فرازی کا پاؤں اس کی ازار پر پڑ گیا جس سے اس کا تہ بند کھل گیا۔ اس پر جبلہ نے فرازی کے منہ پر طمانچہ مارا جس سے اس کی ناک پھٹ گئی۔ فرازی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور دعویٰ کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جبلہ کو قصاص دینے کا حکم فرمایا یا کسی طرح اس فرازی کو اپنے حق سے دستبردار ہونے پر راضی کرنے کا حکم فرمایا۔ جبلہ نے کہا "آپ مجھے اس کا قصاص ادا کرنے کا حکم فرماتے ہیں حالانکہ میں بادشاہوں اور یہ بازاری شخص

ہے''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اسلام نے اس کے اور تمہارے درمیان برابری قائم فرمائی ہے اور تم کو اس پر کوئی فضیلت نہیں بجز تقوے کے'' اس پر جبلہ نے کہا ''میں اس دین سے برگشتہ ہوتا ہوں اور دین نصرانی میں داخل ہوتا ہوں''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر ایسا کرو گے تو تمہاری گردن ماردی جائے'' جبلہ نے کہا ''آج کی رات مجھے مہلت دیجئے تا کہ میں اپنے معاملہ میں سوچ لوں''۔ جب رات آئی تو وہ بھاگ گیا اور روم چلا گیا اور نصرانی بن گیا۔ وہ ارتداد پر ہی نَعُوْذُ بِاللہِ مِنْ ذَالِكَ مرا۔

بعض ارباب سیر کہتے ہیں کہ وہ پھر دوبارہ اسلام میں لوٹ آیا تھا اور اسلام پر ہی دنیا سے گزر گیا اور سابقہ حرکت پر وہ پشیمان ہو گیا تھا۔ اس کے کئی شعر منقول ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ وہ کہتا ہے۔ میں دین اسلام کے بعد نصرانی ہوا۔ اس طمانچہ کے عار سے جس کا قصاص لیا جاتا ہے حالانکہ قصاص دینے میں کوئی ضرر و نقصان نہ تھا۔ کاش کہ میری ماں مجھے نہ جنتی۔ کاش کہ میں ربیعہ اور مضر کے ہاتھ میں قید ہوتا' کاش کہ میں شام کا ادنیٰ آدمی ہوتا جو اندھا بہرا بن کر قوم کے ساتھ بیٹھتا' کاش کہ میں چراگاہوں میں اونٹ چراتا اور میں اس کا انکار نہ کرتا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا''۔ (واللہ اعلم)

دوسری داستان فردہ بن عمرو حذامی کے اسلام کی ہے جو شاہ روم کی جانب سے سرزمین بلقاء میں عمان پر حاکم تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط لکھا اور ایک سفید اونٹ جسے فضہ کہتے تھے اور ایک گھوڑا' ایک گدھا' چند ریشمی کپڑے' قبائے سندس اور سونا بطور تحفہ بھیجا۔ لکھا کہ میں مسلما ہو گیا ہوں اور حق تعالیٰ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کا اقرار کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ وہی رسول مکرم ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قاصد کا جس کا نام مسعود بن سعد تھا اعزاز فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ گھر لے جا کر مہمانداری کرو۔ اس کے تحفوں کو قبول فرمایا' ریشمی کپڑوں کو ازواجِ مطہرات میں تقسیم فرمایا اور سفید اونٹ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا۔ قبا مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بن نوفل کو مرحمت فرمائی۔ گھوڑا اور گدھا اسید ساعدی کے سپرد فرمایا تا کہ وہ ان کی دیکھ بھال کریں۔ خط کا جواب اس مضمون کا لکھوایا۔ ''بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ' مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کی جانب سے فردہ بن عمرو کے نام۔ اَمَّا بَعْدُ تمہارا قاصد ہمارے پاس پہنچا اور تحفے تم نے بھیجے ہیں وصول ہوئے۔ تم نے اپنے اسلام کو مجھ پر ظاہر کیا' اگر تم نے نیکی کی' خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کی' نماز پڑھی' مال کی زکوٰۃ دی تو حق تعالیٰ تمہیں راہ راست پر رکھے گا''۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ پانچ سو درہم مسعود بن سعد کو دیدو اور اسے لوٹا دو۔

منقول ہے کہ بادشاہ روم کو جب فردہ کے اسلام کی خبر پہنچی تو اسے اپنے سامنے طلب کیا۔ اس نے کہا اپنے دین سے لوٹ جا تا کہ حکومت تیرے ہاتھ میں رہے اس نے کہا ''میں کیسے لوٹوں جبکہ میں یقین سے جانتا ہوں کہ یہ وہی نبی برحق ہیں جن کی تشریف آوری کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔ یہ تو بھی خوب جانتا ہے لیکن تو اپنی بادشاہت پر مغرور ہے'' اس پر بادشاہ روم نے عرصہ دراز تک اسے قید میں رکھا اس کے بعد اسے قید خانہ سے نکال کر سولی پر چڑھا دیا۔ اگر یہ بادشاہ روم وہی ہرقل ہے تو اس پر افسوس ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنی نصرانیت پر قائم تھا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ اس کے بارے میں اختلاف اور ایمان کی گنجائش نہیں رہتی۔ نَعُوْذُ بِاللہِ مِنْ شَرِّ الدُّنْيَا وَ شَرِّ الْفِتَنِ وَشَرِّ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ یہ وہ واقعات ہیں جو روضۃ الاحباب سال ہفتم میں بیان کیے گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ واقدی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جبلہ اور فردہ کی طرف مکتوب گرامی بھیجنے کی تاریخ معلوم نہیں ہے۔ چونکہ بعض اکابر اہل سیر نے ان دونوں دستخطوں کو سال ہفتم کے دوران ذکر کیا ہے اس لیے ہم نے بھی اس کتاب میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے لیکن گمان غالب یہ ہے کہ سال ہشتم میں یا اس کے بعد یہ واقع ہوا ہو گا کیونکہ کہتے ہیں کہ اس کی حکومت حارث بن ابی شمر غسانی کے بعد ہے۔ اس نے سال ہشتم میں وفات پائی تھی۔ (انتہی واللہ اعلم)

ہجرت کے آٹھویں سال کے واقعات

آٹھویں سال کے شروع ماہ صفر میں بقول جمہور اہل سیر' خالد رضی اللہ عنہ بن ولید بن مغیرہ قرشی مخزومی' عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص بن وائل قرشی سہمی' اور عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ عبدری جمحی جس کے قبضہ میں خانہ کعبہ کی کنجی تھی مسلمان ہوئے۔ بعض اہل سیر کے نزدیک ان کا اسلام ساتویں سال کے آخر میں واقع ہوا اور بعض پانچویں سال بھی کہتے ہیں۔ لیکن خالد رضی اللہ عنہ بن ولید جو کہ اپنی زندگی میں قریش کی طرف سے جنگیں کرتے رہے اور بیگانگی وعناد پر قائم رہے لیکن ان کے جوہر ذاتی میں چونکہ وہ چیز موجود تھی جس سے ان کے ایمان واسلام کی توقع تھی۔ ان کے بشری حجابات اور نفسانی مکائد کا اٹھنا ایک وقت پر موقوف تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ جب ارادہ ازل اس سے وابستہ ہوا کہ میں مسلمان ہو جاؤں تو اسلام کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہمارے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صلح حدیبیہ واقع ہوئی تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ قریش میں کوئی قوت وشوکت باقی نہیں رہی ہے اور میں نجاشی کے پاس بھی نہیں جا سکتا تھا کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع ہو چکا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ ہرقل روم کے پاس جا کر نصرانی ہو جاؤں۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں اپنے شہروں ہی میں رہوں گا اور انتظار کروں کہ پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اسی دوران جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضا کی ادائیگی کیلئے تشریف لائے تو میں باہر گیا ہوا تھا اور میرے بھائی ولید رضی اللہ عنہ بن ولید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مکہ آئے۔ انہوں نے مجھے بہت تلاش کیا مگر میں مل نہ سکا۔ تو انہوں نے ایک خط اس مضمون کا میرے پاس بھجوایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں یاد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خالد رضی اللہ عنہ ان میں سے نہیں ہیں جس پر اسلام کی حقیقت ابھی تک پوشیدہ ہو۔ اگر وہ مسلمان ہو جائیں اور اپنی شجاعت کو دین اسلام کی تقویت میں صرف اسلام کی تقویت میں صرف کریں تو یقیناً ان کیلئے بہتر ہوگا اور ہم ان کو دوسروں پر فوقیت دیں گے۔ تو اے بھائی آؤ اور اس دولت سے بہرہ یاب ہو بہت بھلائی تم سے فوت ہو چکی ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس خط کو پڑھا تو اسلام کی رغبت ومحبت مجھ پر غالب آ گئی۔ اس کے بعد میں نے مدینہ طیبہ میں حاضری دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ پھر میں صفوان بن امیہ کے پاس گیا اور اس سے کہا ''اے ابو وہب! تم نہیں دیکھتے کہ ہم ایک لقمہ سے زیادہ نہیں رہ گئے ہیں اور دولت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا دبدبہ عالم پر چھا چکا ہے۔ ہماری دنیا وآخرت کی بھلائی اسی میں ہے کہ ہم ان کی خدمت میں جلد سے جلد حاضر ہو کر ان کی بزرگی سے مشرف ہوں۔ صفوان نے میرے سینہ پہ ہاتھ مار کر شدت سے انکار کیا اور کہا کہ اگر قریش میں سے میرے سوا کوئی باقی نہ رہے تب بھی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت نہ کروں گا۔ اس کے بعد میں عکرمہ بن ابو جہل سے ملا اور ان کو صراط مستقیم کی دعوت دی۔ انہوں نے بھی انکار میں سر ہلا دیا۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا یہی وقت وہاں حاضر ہونے کا ہے کیونکہ اگر فتح مکہ مکرمہ وجود میں آ گئی تو سب لاچار ومجبور ہو جائیں گے اور بھاگنے کی راہ نہ پائیں گے۔ لامحالہ وہ سب مسلمان ہو جائیں گے۔ چنانچہ جب میں ان کی موافقت سے ناامید ہو گیا تو عثمان رضی اللہ عنہ بن ابی طلحہ کو دیکھا کیونکہ وہ میرے دوست تھے۔ انہوں نے میری موافقت کی اور ان کی ہمراہ ہم مدینہ طیبہ کی طرف چل دیئے۔ جب میں موضع ''ہدۃ'' میں پہنچا تو میں نے عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو دیکھا کہ وہ حبشہ سے آ کر مدینہ طیبہ جانا چاہتے ہیں تا کہ مسلمان ہو جائیں۔ اس کے بعد ہم سب مل کر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ہمارے آنے کی خبر ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا اب تو اپنے جگر گوشوں کو اللہ نے تمہاری طرف بھیج دیا ہے۔ یہ اس جماعت کے آنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ لوگ اکابر وصنادید قریش میں سے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ طیبہ آیا تو میں نے عمدہ کپڑے پہنے اور سیّد

کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شرف باریابی کے قصد سے چلا۔ راستہ میں میرا بھائی ولید رضی اللہ عنہ مجھے ملا۔ انہوں نے کہا جلدی چلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے آنے کی خبر پہنچ گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاداں تمہارے حاضر ہونے کے انتظار میں تشریف فرما ہیں۔ جب میں مجلس ہمایوں میں حاضر ہوا اور دور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ملاحظہ فرمایا تو تبسم فرمایا میں نے عرض کیا ''السلام علیك یا رسول الله '' خندہ پیشانی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے عرض کیا ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ '' فرمایا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَاكَ لِلْاِسْلَامِ '' اس خدا کی حمد جس نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی اور فرمایا ''اے خالد رضی اللہ عنہ میں جانتا ہوں کہ تم عقل رکھتے ہو اور میں امید رکھتا تھا کہ تمہیں نیکی کی ہدایت ملے گی۔ میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ میں نے نیکی کی راہوں میں حق کے ساتھ کیسی کچھ دشمنیاں کی ہیں۔ اب دعا فرمایئے کہ حق تعالیٰ انہیں معاف فرمادے اور میرے ان گناہوں کو بخش دے''۔ فرمایا اسلام سب کو مٹا دیتا ہے اور تمام گناہوں کو محو کر دیتا ہے۔ اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ دین خدا کی تائید و تقویت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بھی اور بعد وفات بھی مساعی جمیلہ انجام دیتے رہے۔ مسیلمہ کذاب اور دیگر مرتدوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں بھی رؤسا قریش اور ان کے اکابر میں سے تھے۔ ان کی والدہ لبابہ رضی اللہ عنہا بنت حارث جو کہ سیّدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حارث زوجہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن تھیں۔ انہوں نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی دور خلافت میں ۲۱ھ یا ۲۲ ہجری میں وفات پائی۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کا واقعہ انہیں سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب میں جنگ احزاب سے لوٹا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرا خیال ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ترقی میں ہیں اور روز بروز بلند ہوتے جارہے ہیں۔ میں مناسب یہ سمجھتا ہوں کہ میں نجاشی کے پاس جاؤں۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری قوم پر غالب آ گئے تو ہم نجاشی کے ملک میں رہ جائیں گے اور اگر ہماری قوم غالب آئی تو ہم اپنے وطن مالوف لوٹ آئیں گے۔ میرے تمام ساتھیوں نے میری رائے سے اتفاق کیا اور ان میں سے کچھ میرے رفیق سفر بھی بن گئے۔ اس کے بعد ہم نے سفر کی تیاری شروع کردی' نجاشی کے لیے کچھ تحفے لے کر حبشہ پہنچ گئے اور وہاں رہنے لگے۔ یہاں تک کہ عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد بن کر نجاشی کے پاس آئے۔ عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نجاشی کے پاس گیا اور اس سے میں نے عمر رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمری کو مانگا تاکہ انہیں میں قتل کر کے قریش کے سامنے سرخرو بنوں۔ نجاشی نے یہ بات سن کر اپنے گالوں کو توبہ کرنے کے انداز میں تھپتھپایا اور کہا کہ میں کیوں کر ایسی ہستی مقدس کے قاصد کو تمہارے حوالہ کر سکتا ہوں جس پر ناموس اکبر (جبریل علیہ السلام) اترتا ہے اور وہ خدا کا رسول برحق ہے۔ اے عمرو رضی اللہ عنہ! میری بات غور سے سن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کر۔ جان لے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام مخالفوں پر غالب آئیں گے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون پر غالب ہوئے تھے۔ اس پر میں نجاشی کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا اور اس کے پاس سے آنے کے بعد میں نے اپنے اسلام کو اپنے رفیقوں سے پوشیدہ رکھا۔ میں مدینہ طیبہ کے ارادہ سے چل دیا۔ راستہ میں مجھے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید ملے میں نے پوچھا کہاں جارہے ہو؟ انہوں نے فرمایا ''خدا کی قسم! صراط مستقیم ظاہر ہو چکی ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں۔ میں جارہا ہوں تاکہ مسلمان ہو جاؤں''۔ میں نے کہا میں بھی اسی قصد سے جارہا ہوں۔ اس کے بعد ہم مدینہ طیبہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کلمہ توحید عرض کیا۔ اس کے بعد میں حاضر ہوا۔
عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا دست اقدس بڑھایئے تاکہ میں بیعت کروں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا

دست مبارک بڑھایا لیکن میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا''۔ فرمایا اے عمرو رضی اللہ عنہ! کیا بات ہے' ہاتھ کیوں کھینچ لیا؟ میں نے عرض کیا'' میں چاہتا ہوں کہ ایک شرط کرلوں''۔ فرمایا'' کیا شرط کرتے ہو؟'' عرض کیا'' شرط یہ ہے کہ میرے گناہ بخشے جائیں'' فرمایا'' اے عمرو رضی اللہ عنہ! تمہیں معلوم نہیں کہ ایمان پچھلے تمام گناہوں کو معاف کردیتا ہے اور دار کفر سے ہجرت کرکے دارالسلام آنا اور حج کرنا ہر ایک عمل پچھلے کیے ہوئے تمام گناہوں کو ناپید اور محو کردیتا ہے۔ لیکن عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ کے اسلام لانے کے بارے میں کچھ مروی نہیں ہے۔ اتنا مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خانہ کعبہ کی چابی لے لی تھی۔ پھر جب حق تعالیٰ کا ارشاد اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کردو) نازل ہوا تو وہ چابی انہیں واپس فرمادی اور فرمایا'' اے ابن طلحہ رضی اللہ عنہ! لو اس کو اب تم سے کوئی نہ لے سکے گا' بجز ظلم وستم کے۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تک مدینہ میں رہے۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ واپس چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کی یہاں تک کہ ۴۳ھ میں وفات پائی۔

سریہ غالب لیثی بسوئے کدید: اسی سال غالب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ لیثی کو قبیلہ بنی الملوح پر (بضم میم وفتح لام وکسر واؤ مشددہ) بھیجا تاکہ موضع کدید (بروزن جدید) جائیں۔ جب رات ہوئی تو ان پر شب خون مارا اور ان کے اونٹوں کو گھیر کے لے چلے۔ اچانک ان کے عقب میں ایک جماعت نمودار ہوئی۔ جب خبر ہوئی تو دیکھا کہ وہ قریب آچکے ہیں یہاں تک کہ صرف ایک نالہ درمیان میں باقی تھا اور وہ ان کے مقابلہ کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ اس وقت حق تعالیٰ نے پانی کی ایک رو بھیجی جس سے وہ نالہ بھر گیا اور کسی ایک میں بھی اس کے عبور کرنے کی ہمت نہ رہی۔ حالانکہ اس سے پہلے کوئی ابر وباراں نہ ہوا تھا۔ وہ سلامتی کے ساتھ مدینہ منورہ لوٹ آئے۔

سریہ فدک: اسی سال انہی غالب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ لیثی کو فدک بھیجا گیا تاکہ وہاں کے کفار کی سرکوبی کریں۔ مروی ہے کہ اس سریہ (لشکر) میں ایک شخص تھے جن کا نام اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید تھا۔ انہوں نے ایک کافر کے تعاقب میں جس کا نام نہیک بن مرو اس تھا گھوڑا دوڑایا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اس کے قریب پہنچے اور مارنے کیلئے تلوار اٹھائی تو وہ کہنے لگا'' اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس کے ایمان لانے کو یاس وناامیدی پر محمول کرکے معتبر نہ جانا اور تلوار کا وار کرکے اسے قتل کردیا۔ جب مدینہ منورہ پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حقیقت حال بیان کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر بہت عتاب فرمایا اور فرمایا: هَلَّا شَقَقْتَ قَلْبَهٗ کیا تم نے اس کا دل چیر کے دیکھ لیا تھا۔ صاحب کشاف کہتے ہیں کہ آیہ کریمہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا (اے ایمان والو! جب تم زمین میں کسی قتل کرو تو خوب دیکھ بھال لو) اسی قضیہ میں نازل ہوئی اور بیضاوی میں مقداد رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی لکھا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت مقداد ایک شخص کے پاس پہنچے جو بکریاں چرا رہا تھا۔ انہوں نے چاہا کہ اسے قتل کردیں۔ اس پر اس نے کہا'' لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' اس کے باوجود حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کردیا اور فرمایا کہ وہ اپنے مال اور اہل کو بچانا چاہتا تھا۔ غالب بن عبداللہ لیثی کے اس سریہ کو بعض اہل سیر نے ساتویں سال میں منفعہ (بفتح میم) پر جو کہ بطن نحلہ کے قریب ہے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ گزرا اور اسی سال بہت سے سرایا لشکر روانہ کیے گئے جس کا سلسلہ سریہ موتہ تک رہا۔

سریہ موتہ: موتہ (بضم میم وسکون واد) یہ ایک موضع کا نام ہے جو بلقاء کے قریب بیت المقدس سے دو منزل کے فاصلہ پر ہے۔ اس کا ذکر ہرقل کے نام مکتوب گرامی بھیجنے کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ جملہ سرایا میں یہ سریہ بہت مشہور ہے کیونکہ اس میں صعوبت' شدت اور سخت جنگ وقتال واقع ہوا تھا۔ اس کے وقوع کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بصرے کے بادشاہ کے نام ایک مکتوب

گرامی لکھا۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن عمیر ازدی کو دیا کہ وہ اس کے پاس لے جائیں۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب روانہ ہوئے۔ جب موضع موتہ میں پہنچے تو شرجیل بن عمر غسانی جو قیصر کے امراء میں سے تھا ان کے مقابل میں آیا۔ اس نے پوچھا کہاں جارہے ہو۔ انہوں نے فرمایا شام جارہا ہوں۔ شرجیل نے کہا گویا تم محمدی قاصد ہو؟ انہوں نے فرمایا ''ہاں! میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں''۔ اس پر شرجیل نے حضرت حارث کو شہید کر دیا۔ اس سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قاصد کو کسی نے قتل نہیں کیا تھا اور اس کے سوا کسی بادشاہ کے نزدیک قاصدوں کو قتل کرنے کی عادت نہ تھی۔ تمام بادشاہوں کے نزدیک قاصدوں کی امان امر مسلم تھی۔ ایک مرتبہ مسیلمہ کذاب کا ایلچی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا باوجود اس کے کہ اس نے بڑی گستاخیاں کی اور کلمات کفر بکے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل نہ کیا۔ فرمایا: ''اگر تو ایلچی نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کر دیتا''۔

حضرت حارث رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر جب سمع مبارک میں پہنچی تو بہت شاق گزرا۔ صحابہ سے فرمایا ''دشمنوں کی سرکوبی کیلئے چلو'' چنانچہ موضع ''جرف'' میں تقریباً تین ہزار صحابہ مجتمع ہو گئے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا ''میں حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو تمہارا امیر مقرر کرتا ہوں۔ اگر وہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امیر بنیں گے۔ اگر جعفر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ امیر مقرر ہوں گے۔ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جس کو چاہیں امیر بنالیں۔ یہ فرمان اور یہ ترتیب امارت، یا تو وحی والہام الٰہی سے واقع ہوئی یا حق تعالیٰ نے زبان حق ترجمان پر ایسا ہی جاری فرمایا تھا اور ایسا ہی واقع ہوا جس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزندوں سے فرمایا تھا۔ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ۔ ''مجھے خوف ہے کہیں یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا نہ کھالے'' (واللہ اعلم)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں موجود تھا۔ اس نے کہا ''اے ابوالقاسم رضی اللہ عنہ! اگر آپ دعوئے نبوت میں صادق ہیں تو جن امیروں کے نام آپ نے لیے ہیں وہ سب ضرور قتل ہو جائیں گے اس لیے کہ انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام جب کسی لشکر دشمن پر روانہ کرتے تو اگر سو شخصوں کو اس طریقہ پر امارت متعین کرتے تو وہ سب کے سب قتل ہو جاتے تھے''۔ اس کے بعد وہ یہودی حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے کہنے لگا۔ ''اے زید رضی اللہ عنہ! میں تم سے شرط لگاتا ہوں کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں تو تم اس سفر سے نہ لوٹو گے''۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں تجھے بتاتا ہوں کہ وہ راست گفتار نبی برحق ہیں۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہدایت فرمانے اور لشکر کا نظم قائم رکھنے کیلئے تھا اور لفظ ''اگر'' جو کلمہ شکیہ ہے سے ظاہر فرمانا تو وہ بر بنائے احتیاط اور عدم اظہار جزم کیلئے تھا۔ اور یہودی کی بات بکواس تھی اور یہ دلی خباثت اور باطنی عداوت کی بنا پر تھی جو یہودیوں میں عام تھی۔ اس طرح حضرت زید رضی اللہ عنہ کے دل میں خوف و دہشت اور احتمال و اشتباہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے یہ توقع نہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر حضرت زید رضی اللہ عنہ کو امیر بنانے میں فوقیت دیں گے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے جعفر رضی اللہ عنہ! تم جاؤ اور رسول خدا کے حکم کی اطاعت کرو۔ تم نہیں جانتے کہ تمہاری بھلائی کس میں ہے''۔ یہ واقعہ اس حالت کے مشابہ ہے جو دوسرے سال میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو جہاں ان کے والد ماجد شہید ہوئے تھے امیر مقرر کر کے بھیجا تھا تاکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے والد زید رضی اللہ عنہ کا کفار سے بدلہ وانتقام لے سکیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ روانہ فرمایا تھا۔ لوگوں نے اس پر

چہ میگوئیاں کرتے ہوئے کہا کہ یقیناً اس میں کوئی حکمت ہوگی کہ اکابر مہاجرین وانصار کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے تابع بنایا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات دائمی ہے۔ اسامہ رضی اللہ عنہ امارت کے مستحق ہیں اور ان کے والد بھی اس کے سزاوار تھے۔ بالآخر وہ مہم حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے سر ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے دن قریب آ گئے۔ جیسا کہ انشاء اللہ آگے آئے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عنایت ومحبت کا اثر تھا جو ان کے والد کو حاصل تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا متبنیٰ یعنی لے پالک بیٹا بنایا تھا۔ یہاں تک کہ نازل ہوا کہ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآءِهِمْ لے پالک بیٹوں کو یعنی متبنیٰ کو ان کے والد کے ناموں سے پکارو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ عقد فرمایا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو متعدد سریوں (لشکروں) پر امیر مقرر فرمایا۔ وہ سابقین اولین مہاجرین میں سے تھے اور ان حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اگر کوئی پوچھتا تو صحابہ "حب رسول اللہ" کہہ کر موسوم کرتے تھے۔ "حب" کے معنی محبوب کے ہیں۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گود یا اپنے دوش مبارک پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ ابن علی المرتضیٰ کو بٹھا کر فرمایا کرتے۔ "اے خدا! میں ان دونوں سے محبت وشفقت کرتا ہوں تو تو بھی ان دونوں کو محبوب فرما۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے مَنْ اَحَبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَلْيُحِبَّ اُسَامَةَ۔ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ سے محبت رکھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے وظیفہ کو اپنے فرزند حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے زیادہ مقرر فرمایا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے کہا" آپ نے ان کا وظیفہ مجھ سے زیادہ کیوں مقرر فرمایا اور مجھ پر ان کو کیوں فضیلت دی حالانکہ کسی مشہد میں انہوں نے مجھ سے زیادہ سبقت نہیں کی۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تم سے زیادہ محبوب تھے"۔ گویا اس میں یہ اشارہ ہے کہ میں نے اپنے محبوب پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب کو ترجیح دی ہے۔ غرض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عنایت حضرت زید رضی اللہ عنہ واسامہ رضی اللہ عنہ پر اس مرتبہ میں تھی کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم جیسے اکابر کو ان کے تابع بنا کر ان کے ہمراہ بھیجتے تھے۔ ان حضرات کو یہ حق پہنچتا ہے کسی کو خاک اُٹھا کر بلندی پر پہنچائیں جس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام برگزیدگی میں ہے کہ ان کو مسجود ملائک بنایا۔ اب اگر یہ تقرری وحی کے ذریعہ ہے تب بھی مجال سخن نہیں اور اگر اجتہاد سے ہے تب بھی حق وصواب ہوگا۔ یقیناً اس میں کوئی پسندیدہ غرض ومصلحت ہوگی۔ اسی بنا پر ہادی و مرشد طالبان اخلاق کی تہذیب اور انہضام نفس کے لیے مریدوں کی خواہشات نفسانی کو توڑتے ہیں۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے اپنے ارشاد میں اشارہ فرمایا کہ تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی اطاعت کرو تم نہیں جانتے کہ تمہاری بھلائی کس میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا٥ (پھر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ اور حکم فرمایا۔ تمہارے دلوں میں کوئی تنگی واقع نہ ہو اور مکمل طور پر اسے تسلیم کرلو) تاکہ کوئی جہالت وکوتاہ نظری کے اقتضاء میں یہ گمان نہ کرے کہ یہ باب' طبیعت بشریہ کی مانند ہے۔ البتہ اس کے ذاتی جوہر میں نفس وطبیعت کا کچھ حصہ باقی ہے لیکن اس قدر نہیں جتنا کہ دیگر افراد بشر میں ہوتا ہے کہ وہ برخلاف حق چل پڑتے ہیں۔

القصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید علم تیار کر کے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو مرحمت فرمایا اور "ثنیۃ الوداع" تک ان کے ساتھ مشایعت فرمائی اور انہیں نصیحت کی کہ جب میدان جنگ میں اترو تو حارث بن عمر کو اور ان تمام لوگوں کو جو وہاں موجود ہوں اسلام کی دعوت دینا۔ اگر قبول کرلیں تو فبہا ورنہ حق تعالیٰ سے نصرت واعانت مانگنا۔ رخصت فرمایا اور جب یہ لوگ چل دیئے تو مسلمانوں کیلئے دعا

فرمائی۔ مناجات کی کہ حق تعالیٰ تمہیں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے اور سالم و غانم تمہیں لوٹائے۔ اس پر ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا لیکن میں خدائے رحیم و کریم سے مغفرت و شہادت کی خواہش رکھتا ہوں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی حمایت و رعایت کے زیر سایہ رہتا تھا اور میں نے یتیموں کی پرورش میں ان جیسا کسی کو نہ دیکھا۔ جب وہ موتہ کی جانب روانہ ہوئے تو میں بھی ردیف بن کران کی سواری پر قطع مسافت کر رہا تھا۔ اس سفر کی راتوں میں سے ایک رات انہوں نے کچھ اشعار کہے جن سے شہادت کی بو آ رہی تھی۔ اسے سن کر میں رونے لگا۔ اس پر انہوں نے مجھے تسلی و تسکین دیتے ہوئے فرمایا" اے فرزند! تمہارا کیا نقصان ہوگا اگر حق تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمائے تاکہ میں مشارق و مغارب اور دنیاوی کدورات و حوادث سے نجات پاکر قرب حق تعالیٰ کے سایہ میں اور عالم قدس کی فضا کی میں راحت و چین حاصل کرلوں۔ اس کے بعد وہ اپنی سواری سے اترے اور نماز میں مشغول ہو گئے اور دعا و مناجات کرنے لگے۔ جب وہ اس سے فارغ ہوئے تو مجھ سے فرمایا" اے فرزند! غالباً حق تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمالی اور وہ مجھے نعمت خوشگوار شہادت سے بہرہ مند فرمائے گا"۔

جب حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ لشکر اسلام کے ساتھ موتہ کی جانب روانہ ہوئے دشمنوں کو پتہ چلا تو شرجیل نے بہت بڑا لشکر جمع کیا اور ہر اول دستوں کو آگے روانہ کر دیا۔ مسلمانوں نے مقام "معان" میں پڑاؤ کیا۔ معان ارض شام کی ایک جگہ کا نام ہے۔ وہاں مسلمانوں نے دشمنوں کی کثرت اور ان کے لشکر عظیم کی خبر سنی۔ شرجیل نے اپنے بھائی شدوس کو پچاس آدمیوں کے ساتھ آگے بھیجا تاکہ لشکر اسلام کی خبر لائے اور مسلمانوں کی تحقیق کرے۔ مسلمانوں نے اس جماعت کو گھیر لیا اور جنگ کر کے شدوس کو قتل کر دیا۔ اس کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ شرجیل اس خبر کو سنتے ہی ہراساں ہو گیا اور قلعہ میں داخل ہو کر دوسرے بھائی کو ہرقل کے پاس بھیجا اور مدد مانگی۔ ہرقل نے بہت بڑی تعداد شرجیل کی مدد کے لیے نامزد کی اور قبائل عرب کے مشرکین بھی بہت بڑی تعداد میں اس میں شامل ہو گئے۔ چنانچہ دشمنوں کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ سے بھی متجاوز ہو گئی۔ جب مسلمانوں کو اس کی خبر ملی تو انہوں نے اس کی منزل میں اقامت کر لی اور مجلس مشاورت قائم کی۔ لوگوں نے کہا ہم بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھ کر صورت حادثہ کی اطلاع دیتے ہیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا تو ہمیں واپس بلائیں یا ہماری مدد کے لیے لشکر ارسال فرمائیں۔ اس پر ان کے دلیروں میں سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ نے فرمایا: اے مسلمانو! تم اس چیز کو ناپسند کرتے ہو جس کے اجر و ثواب کے حاصل کرنے کی خاطر اپنے گھروں سے نکلے ہو یعنی درجۂ شہادت سے گھبراتے ہو کیونکہ حضرت عبداللہ بن رواحہ مرتبۂ شہادت کے حد درجہ متمنی اور خواہش مند تھے فرمانے لگے ہم نے کثرت تعداد کی بنا پر دشمنوں پر فتح مندی حاصل نہیں کی ہے بلکہ یہ اس دین کی قوت ہے جس نے ہم کو بدر کے دن غالب رکھا ہے۔ تم جانتے ہو کہ ہماری تعداد کتنی تھی اور حق تبارک و تعالیٰ کی قدرت نے ہماری کیسی مدد فرمائی۔ اب بھی ہم دو خوبیوں سے خالی نہیں ہیں یا تو فتح مند ہوں گے یا شہادت پائیں گے۔ اگر ہم غالب آ گئے تو فہو المراد۔ ورنہ شہادت کی سعادت حاصل کر کے جنت میں اپنے ان ساتھیوں سے مل جائیں گے جو شہادت کا مرتبہ پا چکے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمت و قوت دلانے سے مسلمانوں کے دل قوی و مضبوط ہو گئے اور وہ دشمنوں کی جانب روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ مقام موتہ پہنچ گئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں غزوۂ موتہ میں حاضر تھا جب مشرکوں کا لشکر نمودار ہوا تو اتنے ہتھیار، گھوڑے، دیباج اور حریر میں نے دیکھے کہ میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ ثابت بن قرم انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا" اے ابو حریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم غزوہ بدر میں موجود نہ تھے اگر موجود ہوتے تو تم دیکھتے کہ حق تعالیٰ نے قلت تعداد کے ساتھ کس طرح مدد فرمائی۔ غرضیکہ جب دونوں لشکر آمنے سامنے آئے اور صفیں سیدھی ہو گئیں تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ علم لہراتے میدانِ کارزار میں تشریف لائے اور خوب جنگ کی۔ یہاں تک کہ تیروں نے مجروح کر کے انہیں شہید کر دیا۔ان کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے علم سنبھال لیا اور پیادہ ہو گئے گھوڑے کو لوٹا دیا اور جنگ میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کا داہنا ہاتھ کٹ کر گر گیا تو علم کو اپنے بائیں ہاتھ میں لے لیا اور جنگ کرتے رہے پھر بایاں ہاتھ بھی کٹ کر گر گیا تو علم دونوں بازوؤں میں داب لیا اس کے بعد کسی اعداء دین نے ایک تلوار ان کی کمر پہ ماری اور وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر آ رہے (رضی تعالیٰ اللہ عنہ) اللہ اللہ' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس جنگ میں موجود تھا' مقتولوں اور شہیدوں کے درمیان جب میں نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلاش کیا تو ان کے جسم اقدس پر میں نے پچاس زخم شمار کیے اور ان میں سے کوئی ایک زخم بھی ان کی پشت کی جانب نہ تھا۔مواہب لدینہ میں بیان کرتے ہیں کہ ان کے جسم اطہر کے آدھے حصہ میں کچھ اوپر اسی زخم پائے گئے' ان میں سے سامنے کی جانب دو ضربہ تلوار اور برچھیوں کی انی کے ستر زخم تھے۔ بخاری میں مروی ہے کہ میں نے ان کے جسم پر کچھ اوپر نوے گھاؤ نیزوں کے پائے۔

ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم تھام لیا اور رجز پڑھتے ہوئے جنگ میں مشغول ہو گئے جس کا مضمون یہ تھا کہ ''اے نفس! تو کیوں شہادت میں ذوق وشوق نہیں رکھتا اور کیوں جنت کو ناگوار سمجھتا ہے''۔اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تین دن سے کچھ نہ کھایا تھا۔ان کے چچا کے لڑکے نے تھوڑا سا گوشت دیا۔ جب انہوں نے اسے دانتوں سے چبایا اسی لمحہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی انہوں نے اسی دم تھوک دیا اور فرمایا ''اے نفس! جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو دنیا سے چلے گئے اور تو ابھی دنیا میں مشغول ہے'' اور اس وقت فرمایا اگر تیرا دل عورتوں سے وابستہ ہے تو میں اپنی بیویوں کو طلاق دیتا ہوں اور اگر غلاموں سے لگا ہوا ہے تو ان سب کو آزاد کرتا ہوں اور جس قدر باغ و بستان کا میں مالک ہوں ان سب کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کرتا ہوں۔اب تو تیرے پاس کچھ نہیں ہے تو شہادت کی طرف تیرا دل کیوں مائل نہیں ہوتا اور اس سے کیوں بھاگتا ہے خدا کے نام پر آ۔ اس کے بعد وہ معرکہ کارزار میں داخل ہوئے اور جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ چونکہ حکم یہ تھا کہ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن رواحہ شہید ہو جائیں تو مسلمان کسی ایک کی امارت پر متفق ہو جائیں۔اس وقت حضرت ثابت بن احرام انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سبقت دکھائی اور علم تھام لیا اور کہنے لگے ''اے مسلمانو! کسی ایک کی امارت پر متفق ہو جاؤ سب نے کہا تم ہی اس کام کو سمجھالو''۔انہوں نے کہا ''میں اس منصب کو نہیں سنبھال سکتا''۔اس کے بعد تمام مسلمانوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر اتفاق کیا اور ان کو اختیار دیا۔حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''اے ثابت رضی اللہ عنہ تم امجھ سے زیادہ اس کام کے مستحق ہو۔کیوں کہ تم بدر میں موجود تھے اور میں نے اس علم کو تمہارے لیے تھاما تھا''۔اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم لے لیا۔ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نوبت آئی تو مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا اور مشرکین ان پر پل پڑے تھے۔اس وقت مسلمانوں میں سے جن کو شہید ہونا تھا شہید ہوئے' ہر چند حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان کو روکتے رہے مگر بے سود رہا۔اس وقت حضرت قطنہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بالالفاظ بلند کہا ''اے مسلمانو! جنگ کرتے ہوئے مرجانا فرار ہو کر مرنے سے بہتر ہے''۔اس بات سے مسلمانوں کو تنبیہ ہوئی اور وہ رک گئے اور پلٹ کر حملہ آور ہوئے۔بعض کہتے ہیں کہ ہزیمت نہ ہوئی تھی بلکہ وہ بکھر گئے تھے اور علیحدہ علیحدہ ہو گئے تھے۔بہر حال حضرت خالد ولید رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا اور پوری شدت کے ساتھ قتال عظیم کیا۔صاحب مواہب حاکم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حملہ کیا اور مشرکوں کی بہت بڑی جماعت کو تہ تیغ کیا اور غنیمت پائی۔منقول ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس دن میرے ہاتھ میں نو تلواریں

ٹوٹیں اور میرے ہاتھ میں بجز صفحہ ایمانی کے جو میرے پاس تھا کچھ نہ رہا۔ غرضیکہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس دن اپنی ان گزشتہ غلطیوں کی تلافی فرمائی جو مشرکوں کی طرف سے ہوکر روز احد وغیرہ میں لشکر اسلام کو پہنچائی تھی۔ ممکن ہے کہ جنگ موتہ میں ان کی تلواروں کا ٹوٹنا ان کے مطابق ہو جو مشرکوں کی ہمراہی میں میدان جنگ میں ٹوٹیں تھی۔ آخر الامر یہ فضیلت ظاہر ہوکر رہی کہ "خالد سیف من سیوف اللہ" خالد خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ یہ بات اس مقولہ کے مطابق تھی کہ "ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہے"۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیف من سیوف اللہ" کا جو لقب حاصل ہوا تھا وہ اسی روز کے لیے تھا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس روز بڑی شدت کی جنگ لڑی۔ جب رات ہوگئی تو دونوں فریقوں نے ہاتھ کھینچ لیے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم اٹھایا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے صفوں کی ترتیب کو اور طرح سے درست کیا۔ مقدمہ کو ساقہ بنایا۔ ساقہ' میمنہ میسرہ کیا اور میسرہ کو میمنہ۔ مخالفوں نے جب یہ حال دیکھا تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ مسلمانوں کی امداد کے لیے کوئی اور لشکر پہنچ گیا ہے اس بات سے ان کے دل میں رعب وخوف پیدا ہو گیا اور انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا تعاقب کیا اور دلیری ومردانگی کا پورا پورا حق ادا کیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس جگہ ایک قلعہ تھا جس وقت لشکر اسلام موتہ کی طرف آرہا تھا تو انہوں نے ایک مسلمان کو اس جگہ شہید کر دیا تھا اس قلعہ کو فتح کرنے کے بعد ان اشرار کی ایک جماعت اس قلعہ میں چھپی ہوئی تھی ان سب کو قتل کر دیا گیا۔ خلاصہ یہ کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جانب سے اس قضیہ میں بڑی ہی کوشش وسعی وجود میں آئی وَكَانَ سَعْيُهُ مَشْكُوْرًا.

احادیث کریمہ میں آیا ہے کہ جب سپاہ اسلام' لشکر کفار کے ساتھ مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی شریف میں تشریف فرما تھے' آپ کی نظر مبارک سے حجابات اٹھ گئے تھے اور اہل موتہ کے تمام حالات بچشم خود اس طرح ملاحظہ فرمارہے تھے۔ جس طرح میدان کارزار میں خود تشریف فرما ہوکر معائنہ فرمارہے ہوں' اپنے صحابہ سے فرماتے جاتے کہ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے علم اٹھایا اور وہ شہید ہوگئے اس کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے علم لیا وہ بھی شہید ہوگئے۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ نے علم تھا وہ بھی شہید ہوگئے۔ آپ یہ فرماتے جاتے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے جاتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے یعنی خالد رضی اللہ عنہ نے علم لے لیا ہے اور ان کے ہی ہاتھ پر فتح حاصل ہوگی۔ اسی دن حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا لقب سیف اللہ ہو گیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

فرماتے ہیں کہ شیطان نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں زندگانی کو آراستہ کر کے دکھایا اور چاہا زندگانی کی محبت ان کے دل میں ڈالے۔ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شیطان سے کہا یہ وقت ایسا ہے اس وقت مومن کامل کے دل میں ایمان' راسخ اور ثابت رہنا چاہیے۔ تو اس لیے آیا دنیاوی زندگانی کی میرے دل میں محبت ڈالے۔ انہوں نے قدم آگے بڑھایا اور جنگ کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی اور اپنے صحابہ سے بھی فرمایا کہ ان کے لیے استغفار کرو۔ بلاشبہ وہ جنت میں داخل ہوگئے اور اس کے باغوں میں گشت فرما رہے ہیں۔ ان کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے علم اٹھایا شیطان ان کے پاس بھی آیا اور وسوسے ڈالنے لگا۔ وہ بھی ٹھکرا کر معرکے میں داخل ہوئے اور شہید ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بھی دعائے خیر فرمائی اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا تم بھی دعا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان موت کے وقت وسوسہ ڈالتا ہے اور زندگانی کی محبت کو آراستہ کر کے میت کو دکھاتا ہے۔ لہٰذا حدیث میں تعلیم وتلقین کے لیے یہ دعا آتی ہے کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَمُوْتَ فِیْ سَبِیْلِكَ مُدْبِرًا اَنْ یَتَخَبَّطَنِیَ الشَّیْطٰنُ عِنْدَ الْمَوْتِ. اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی فرمایا کہ وہ بھی جنت میں داخل ہوگئے اور حق

تعالیٰ نے دو بازو یاقوت کے۔ ایک روایت میں ہے موتیوں کے ان دونوں ہاتھوں کے بدلے جو راہ خدا میں کٹ کر گرے تھے انہیں عطا ئے جس سے وہ آڑتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرشتوں کے ساتھ اڑتا دیکھ رہا ہوں۔ نیز وہی یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس سے جعفر بن ابی طالب رضی تعالیٰ عنہ ملاء اعلیٰ میں فرشتوں کے ساتھ گزرے۔ اس حال میں کہ ان کے دونوں بازو خون سے رنگے ہوئے تھے۔ نیز مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں جنت میں داخل ہوا تو جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات میں جنت میں آئے۔ میں نے دیکھا کہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ حضرت جبرائیل و میکائیل علیہما السلام کے ساتھ اڑ رہے تھے۔ مواہب میں سہل سے منقول ہے کہ یہ جو بازو اور پروں کے بارے میں مروی ہے اس سے پرندوں کے بازو اور ان کے پروں کی مانند ہونا مراد نہیں ہے۔ اس لیے کہ آدمی کی صورت و ہیئت' اکمل واشرف صورت ہے' لہٰذا پرندوں کی صورت میں ان کا تبدیل ہونا مناسب نہ ہوگا۔ اس بنا پر بازوؤں اور پروں سے مراد وہ ملکی صفت اور قوت روحانیہ ہے۔ جو انہیں عطا فرمائی گئی ہے اور قرآن کریم میں عضو کی جناح سے اس ارشاد میں تاویل و تعبیر کی گئی ہے کہ فرمایا وَ اضۡمُمۡ یَدَكَ اِلٰـى جَنَاحِكَ. اور اپنے ہاتھ اپنے بازو سے ملاؤ''۔ اور علماء کرام فرشتوں کے بازوؤں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ صفات ملکیہ ہیں جو بغیر مشاہدہ و معائنہ کے معلوم نہیں ہو سکتے لہٰذا یہ متحقق و ثابت شدہ نہیں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کے چھ سو بازو ہیں اور دو سے زیادہ بازو سے اڑنا معہود نہیں ہے چہ جائیکہ اس سے زیادہ ہوں۔ چونکہ اس بارے میں کوئی اثر و خبر وارد نہیں ہے لہٰذا اس پر بغیر اس کی حقیقت پر بحث و گفتگو کے ایمان لانا چاہیے۔ (انتہی) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مقام احتمال و محال میں یہ یقینی ہے۔ کچھ علماء سے منقول ہے اور جو کچھ وہ دعویٰ کرتے ہیں اس کی دلالت میں کوئی صرحت اور نص نہیں ہے اور کوئی محال و مانع نہیں ہے کہ ظاہر پر محمول کریں۔ مگر اس بنا پر کہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے کہ معہود و عادت ایسی نہیں ہے تو یہ قیاس' غائب کا شاہد پر ہے اور ضعیف استدلال ہے اور صورت بشریہ کا اکمل و اشرف ہونا۔ خبر کو ظاہر پر محمول کرنے سے مانع نہیں ہے اس لیے صورت باقی ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

نیز صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی قبر پر تحیۃ کرتے تو فرماتے اَلسَّلَامُ عَلَیۡكَ یَا ذَاالۡجَنَاحَیۡن. اے دو بازوؤں والے تم پر سلام ہو۔ صحیح بخاری میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ اہل موتہ کی شہادت کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اتنے غمزدہ ہو کے بیٹھے کہ آپ کے روئے انور سے حزن و ملال پہچانا جاتا تھا۔ میں دروازہ کے جھریوں سے دیکھ رہی تھی کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عورتیں ان پر رو رہی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا: '' جا کر ان سے منع کر دو۔ وہ شخص اسی وقت گیا اور لوٹ آیا اور کہا کہ میں نے انہیں منع کیا وہ باز نہیں آئیں۔ پھر فرمایا جاؤ انہیں منع کر دو وہ شخص گیا اور واپس آیا کہا کہ خدا کی قسم غالب آ گئیں وہ باز نہیں آئیں اس پر آپ نے فرمایا'' خاک ان کے منہ میں ڈالو۔ یہ انکار و ممانعت میں مبالغہ ہے کہ وہ باوجود منع کرنے کے باز نہیں آتیں۔ ظاہر یہ ہے کہ ان عورتوں کا رونا نوحہ کے ساتھ تھا ورنہ بغیر نوحہ کے رونا ممنوع نہیں ہے ورنہ اس میں اتنا مبالغہ کیوں فرماتے۔ بعض کہتے ہیں کہ رونا بغیر نوحہ کے تھا اور منع فرمانا تنزیہہ کیلئے ہے۔ اس لیے کہ منع کرنے کے بعد صحابیات کی سرکشی کرنا تحریری ممانعت میں بعید ہے اور اسی بنا پر عورتوں نے اس شخص کے منع کرنے کو نہ مانا اور انہوں نے خیال کیا کہ یہ شخص از خود گمان کرنے والا ہے اور اپنی طرف سے منع کر رہا ہے۔ نہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہے یا اس کی وجہ یہ ہو کہ درد و مصیبت اور اس کی حرارت سے عورتیں مغلوب ہوں گی۔ جیسا کہ مجمع البحار میں قرطبی سے منقول ہے اور غزوۂ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کی شہادت پر

رونے کے بارے میں بھی اس کے متعلق کچھ کلام گزر چکا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو تین دن تک تعزیت کے لیے آزاد رکھا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا آج کے دن کے بعد میرے بھائی پر نہ رونا اور پھر حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچوں کی دلجوئی اور دلداری فرمائی۔ فرمایا: کہ محمد بن جعفرؓ میرے چچا ابی طالب کے ہم شبیہ ہیں اور عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخلاق میں ان کے اخلاق کی مانند ہیں اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

تین دن سے زیادہ سوگ کی ممانعت: مسائل فقہیہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ تین دن سے زیادہ سوگ اور تعزیت نہ کرنی چاہیے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اس عورت پر خدا کی لعنت ہو جو اپنے شوہر کے سوا کسی دوسرے پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت عمیس سے منقول ہے جو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ تھیں کہ جب ان کی شہادت کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے فرمایا ''ان کے بچے کہاں ہیں'' میں ان کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سونگھا اور بوسہ دیا اور گود میں لے لیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! نے جعفر کے بارے میں کچھ سنا ہے؟'' فرمایا ''ہاں وہ شہید ہو گئے ہیں۔ میں اٹھی اور بے خودی میں فریاد کرنے لگی عورتیں میرے پاس جمع ہو گئیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' 'اے اسماء رضی اللہ عنہا فریاد نہ کرو اور ناشائستہ کلمات نہ بولو اور سینہ پر ہاتھ نہ مارو۔ یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور باچشم پرنم سیّدہ فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے۔ تو ملاحظہ فرمایا کہ یا وہ عماہ یا عماہ (اے چچا اے چچا) کہہ کر رو رہی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مانند ہیں ''فَلْتَبْكِ الْبَاكِيَةُ'' رونے والی کو رونا چاہیے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے لیے کھانا بھیجو اس لیے کہ انہیں مصیبت نے گھیر رکھا ہے جس کی وجہ سے کھانے پینے کی مہلت نہیں رکھتے۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ اہل غزوۂ موتہ جب مدینہ طیبہ واپس آئے تو لوگوں نے طعن وتشنیع شروع کر دی کہ تم بھاگ کر آئے ہو۔ یہاں تک کہ کبرائے اہل موتہ گھروں میں بیٹھ گئے اور لوگوں کی طعن وتشنیع کی بنا پر وہ گھر سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حاشا یہ حضرات بھاگنے والوں میں سے نہیں بلکہ اہل کرار یعنی پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والوں میں سے ہیں اور دشمنوں کے ساتھ جنگ کر کے فتح حاصل کرنے والے ہیں انہیں چاہیے کہ اپنے گھروں سے نکلیں۔ غرضیکہ سریہ موتہ بہت سخت وصعب ترین سرایا میں سے ہے اور اس کی فتح وکامیابی میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بہت بڑا اثر تھا۔

سریہ عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص بجانب ذات السلاسل: اسی سال حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سریہ ذات السلاسل کی طرف سے واقع ہوا۔ اس لشکر کو ''ذات السلاسل'' کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے۔ اس بنا پر کہ مشرکوں نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں سے باندھ رکھا تھا تاکہ بھاگ نہ سکیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سلاسل ایک چشمہ کا نام تھا جو وہاں وادی القراء کے پیچھے تھا۔ یہ مقام مدینہ طیبہ سے دس روز کے فاصلے پر تھا۔ اس قضیہ کا وقوع ماہ جمادی الاخریٰ ۸ھ ہے بعض ۷ھ کہتے ہیں اور ابن ابی خالد نے کتاب ''صحیح التاریخ'' میں اسی پر جزم کیا ہے اور ابن عسا کر نے نقل کیا ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ یہ سریہ غزوۂ موتہ کے بعد واقع ہوا تھا۔ مگر ابن اسحٰق نے غزوۂ موتہ سے پہلے کہا ہے۔ اس کے وقوع کا سبب یہ ہے کہ بارگاہِ رسالت میں خبر پہنچی کہ قبیلہ قضاعہ بلی (بکسر باو کسر لام وتشدید یا) اور بنو القین (بفتح قاف وسکون یا) نے متفقہ طور پر اطراف مدینہ طیبہ پر تاخت وتاراج کرنے کا ارادا کیا

ہے۔اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا مسلح و آمادہ ہو جاؤ میں چاہتا ہوں کہ ایک لشکر کے ساتھ تمہیں بھیجوں تا کہ تمہارے ہاتھ غنیمت آئے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! میں دنیا کے لیے مسلمان نہیں ہوا ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ وَالرَّجُلُ الصَّالِحُ'' نیک مال اور نیک آدمی اچھا ہوتا ہے۔ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العاص نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! عرصہ دراز تک میں دین کی بنیادوں کو کھوکھلا کرتا رہا ہوں اب میں چاہتا ہوں کہ تاسیس اساس اسلام میں کچھ مجھ سے خدمت ظاہر ہو اور میں راہ خدا میں جنگ ومعرکہ کی کوشش کروں۔فرمایا: ٹھہرو میں اس کا تمہیں موقع فراہم کروں گا۔یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع کی مبارک میں ان قبائل مذکورہ کے اجتماع کی خبر پہنچی اور ان کے فساد انگیزی کی اطلاع ملی۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفید علم تیار فرمایا اور تین سو مسلمانوں کی ایک جماعت بنائی جن میں اعیان انصار و مہاجرین میں سے حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زید' سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ عامر بن ربیعہ' حبیب رضی اللہ عنہ بن سنان رومی' سیّد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حضیر اور سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبادہ وغیرہ رضی اللہ عنہم شامل تھے اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو امیر نامزد فرمایا تا کہ اعداء دین کے قلع وقمع کرنے میں کمربستہ ہو کر دلیری اور دلاوری دکھائیں۔روضہ الاحباب میں محمد بن اسحٰق سے منقول ہے کہ اس لشکر کا امیر' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خصوصیت کے ساتھ نامزد کرنے میں حکمت یہ تھی کہ ان کی ماں کی طرف سے قبیلہء بلی کے ساتھ قرابتداری تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے اسلام کے ساتھ انسیت پیدا ہو (انتہی) اگر نامزدگی کی یہی وجہ تھی تو اعیان واکابر انصار و مہاجرین کی تعیین میں کیا خصوصیت ہوگی؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا معاملہ' علم سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔اس سلسلہ میں کچھ اشارہ غزوۂ موتہ کے سلسلہ میں کیا جا چکا ہے۔ممکن ہے کہ یہ بھی ہو (واللہ ورسولہ اعلم) غرضیکہ جب حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ سے نکلے اور مشرکوں کی جانب متوجہ ہوئے تو انہوں نے سنا کہ کچھ اور بدوی قبائل کے لوگ بھی جمع ہو گئے ہیں اور مخالفت میں دشمنوں کے ساتھ مل گئے ہیں۔مسلمانوں کی اتنی قلیل تعداد' ان کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتی۔اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے ایک قاصد بارگاہِ رسالت میں بھیجا تا کہ صورت حال عرض کر کے مدد کی درخواست کریں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت ان کی مدد کے لیے تیار فرمائی جن میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے اور اس جماعت پر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا۔رخصت کے وقت حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ جب یکجا ہو جاؤ تو تمام امور میں منقطع ہو جانا اور اختلاف نہ کرنا۔جب یہ دوسری جماعت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ شامل ہوئی اور نماز کا وقت آیا تو حضرت عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ چونکہ تم میری مدد کے لیے آئے ہو اس لیے تم میرے تابع رہو اور میرے پیچھے نماز پڑھو۔حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا پہلی بار جماعت کی سرداری تم سے متعلق ہے اور اس جماعت کی امارت میرے ساتھ وابستہ ہے۔عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں حرج جانا اس وقت حضرت ابوعبیدہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت یاد آ گئی اور مخالفت سے باز آ گئے اور ان کے پیچھے نماز پڑھی۔

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ امارت میں یہ واجب نہیں ہے کہ امیر افضل ہو اور نماز میں ضروری ہے کہ احق امامت کرے۔خواہ کوئی ہو جو اعلم' اقرا اور اورع ہو' وہ امامت کا حقدار ہے۔اس بنا پر سب کو لازم ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھتے۔ لیکن چونکہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعویٰ کیا کہ چونکہ وہ امیر ہیں اور وہی امامت کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کے مقابلہ میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی امیر تھے انہوں نے نزاع کیا۔بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کے بموجب

اختلاف نہ کیا اور تمام امور پر متفق ہو گئے اور نزاع سے باز آ گئے۔ چونکہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نیک خصلت اور نرم مزاج تھے فرمایا ''اے عمرو! نرمی برتو سختی نہ کرو کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں مجھے یہ نصیحت فرمائی تھی کہ جب تم مل جاؤ تو ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرنا۔ اگر تم مخالفت کی راہ چلو گے تو میں نہیں چلوں گا''۔

منقول ہے کہ جب یہ دشمن کے قریب پہنچے تو سخت سردی کی وجہ سے مسلمانوں کے اعضاء شل ہو گئے۔ مسلمانوں نے چاہا کہ آگ جلا کر بدن کو تاپیں مگر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اس سے منع کیا لشکری اس مخالفت سے تنگ آ گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہوں سے آ کر اس کی شکایت کی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں گفتگو کی۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ''جس نے آگ جلائی ...... میں اس کو اسی آگ میں ڈال دوں گا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی اس بارے میں مخالفت کی اور ان کو تنبیہ فرمائی۔ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''اے عمر رضی اللہ عنہ: تم میرے مامور ومحکوم ہو میرا حکم مانو اور فرمانبرداری کرو''۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا ''ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہم پر اسی لیے امیر مقرر فرمایا ہے کہ وہ جنگی مصلحتوں کو خوب جانتے ہیں۔ صبر وتحمل سے کام لو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تابع رہو اور جاننا چاہیے کہ رسول خدا نے جو کچھ حکم فرمایا ہے اور پسند کیا ہے یقیناً اس میں حکمت جمیلہ اور عاقبت حمیدہ ہوگی۔ اگر چہ حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ الفاظ نہیں ہیں لیکن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے کلام کا خلاصہ اور اس کی شرح یہی ہے۔ اس کے بعد سب اتفاق کے ساتھ کفار کی جانب روانہ ہوئے۔ ان قبیلوں کے کچھ لوگ تو اپنے گھروں کو خالی کر کے بھاگ گئے اور کچھ لوگوں نے جنگ کی لیکن مغلوب ہو کر بھاگے اور دوسرے شہروں کی جانب چلے گئے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے چند روز وہاں توقف فرمایا اور اطراف وجوانب میں سواروں کو بھیجا وہ بکریاں اور اونٹ لاتے اور ذبح کر کے کھاتے رہے۔ اس سفر میں اس سے زیادہ غنیمت حاصل نہ ہوئی جو قابل تقسیم ہوتی۔ اس کے بعد وہ سب مدینہ طیبہ لوٹ آئے۔ روضۃ الاحباب میں اسی طرح لکھا ہے۔ معارج النبوۃ میں ہے کہ جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمک لے کر پہنچے اور لشکر اسلام مخالفوں کے شہروں میں داخل ہوا اور تاخت وتاراج کا طریقہ اختیار کیا تو بہت سے مویشی قبضے میں آئے اور یہ حصول مقصود کے ساتھ واپس لوٹے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ واپسی کے وقت ایک رات حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو احتلام ہوا۔ ہوا بہت سرد تھی ساتھیوں سے کہا مجھے احتلام ہو گیا اگر غسل کرتا ہوں تو ہلاک ہو جاؤں گا اس کے بعد قدرے پانی طلب کیا۔ استنجا کر کے وضو کیا اور تیمم کیا اور لشکر اسلام کی امامت کر کے نماز پڑھائی۔ یہ حکایت غرابت وندرت سے خالی نہیں ہے۔ غالباً عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابھی احکام شرعیہ کی تعلیم اور اسے یاد کرنے کا موقعہ میسر نہ آیا ہوگا ورنہ اتلاف جان کے خوف سے جنابت کے لیے صرف تیمم ہے نہ کہ وضو اور تیمم دونوں۔ غرض یہ کہ جس جگہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ اور اعیان مہاجرین وانصار موجود ہوں وہاں اپنے فہم ورائے اور معلومات پر عبادت میں اکتفا کرنا بغیر ان سے فتویٰ دریافت کیے درست نہ ہوگا۔ حربی معاملات اور اس کی تدبیریں اور بات ہے شرعی احکام اور اس کا علم اور چیز ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باہمی گفتگو اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے اکڑنے کا معاملہ پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''رَحِمَ اللّٰهُ اَبَا

عُبَیْدَۃَ۔ ''اللہ ابوعبیدہ پر رحم وفضل فرمائے اور جب جنابت کا قصہ سنایا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور فرمایا: ان کے معاملے میں غور کرو کہ اپنے لیے کیسے خلاصی پیدا کی اور جب آگ جلانے سے منع کرنے کا واقعہ پیش ہوا تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا'' میں نے اس لیے آگ جلانے سے منع کیا تھا کہ اگر آگ جلائی جاتی تو مشرکین ہماری قلت تعداد سے واقف ہو جاتے۔

جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جیش ذات السلاسل سے واپس آئے تو ان میں زعم وغرور کی بو نے راہ پالی تھی اور اپنے آپ کو سمجھنے لگے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسے لشکر کا امیر بنایا جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ شامل تھے۔ ان پر میرا امیر بنانا اسی بنا پر ہے کہ بارگاہِ رسالت میں میری قرب ومنزلت ان سے زیادہ ہے۔ اپنے اس خیال کی تحقیق وثبوت کے لیے بارگاہ رسالت میں آئے اور دریافت کیا۔'' یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آدمیوں میں کون سب سے زیادہ محبوب ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا! انہوں نے عرض کیا۔'' میں مردوں کے بارے میں دریافت کررہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے والد۔ میں نے عرض کیا'' ان کے بعد کون؟'' فرمایا عمر! عرض کیا پھر کون؟'' اس طرح کئی شخصوں کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لیے۔ اس کے بعد وہ خاموش ہو رہے مبادا کہ سب کے آخر میں میرا نام نہ آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب نے خیالی قلعہ کو ڈھادیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا امیر بنانا تالیف قلوب کے حکم میں ہے۔ بعض حدیثوں میں ان کے مناقب کے سلسلہ میں آیا ہے کہ فرمایا: اَسْلَمَ النَّاسُ وَاٰمَنَ عَمْرُوبْنُ الْعَاصِ. لوگ اسلام لائے اور عمرو بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ العاص ایمان لائے۔ ممکن ہے کہ یہاں ناس سے ان کے قرابتدار اور ان کے قبیلہ کے لوگ مراد ہوں (واللہ اعلم)

سریۃ الخبط: اسی سال حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الجراح کو تین سو صحابہ کے ساتھ جن میں مہاجرین وانصار تھے جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں آیا ہے اور نسائی کی روایت میں کچھ لوگ زیادہ بھی مذکور ہے امیر بنا کے قبیلہ جہنیہ کی طرف بھیجا اور اس لشکر میں حضرت عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ قبیلہ جہنیہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان پانچ روز کا فاصلہ ہے۔ اس سریہ کو سریۃ الخبط (بفتح خاو با موحدہ) اور سریہ سیف البحر بھی کہتے ہیں۔ خبط ان پتوں کو کہتے ہیں جو درخت سے جھڑے ہوئے ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کو ایک'' جراب'' (تھیلا) کھجوریں دی تھیں۔ جب وہ ختم ہوگئیں تو انہوں نے درختوں کے پتے جھاڑ کر کھائے جس سے ان کے ہونٹ سوج کر اونٹوں کے ہونٹوں کی مانند ہوگئے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان پتوں کو پانی میں بھگو کر کھاتے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پتے خشک تھے۔ بخلاف پہلی روایت کے کہ اس سے پتوں کا سبزہ تازہ ہونا معلوم ہوتا ہے اگرچہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تھا کہ تمام لشکری اپنے اپنے توشے جمع کردیں۔ مگر وہ بھی دو مزدور کے برابر تھا۔ اس میں تھوڑا تھوڑا روزانہ دیتے رہے یہاں تک کہ وہ بھی ختم ہوگیا اور ایک ایک کھجور سے زیادہ نہ ملا۔ اس وجہ سے اس کا نام سریۃ الخبط رکھا گیا۔ لشکر کا نام سیف البحر اس بنا پر ہے کہ سیف دریا کے کنارے کو کہتے ہیں چونکہ ان کے سفر کی آخری حد دریا کا کنارہ تھا اس بنا پر اس کا یہی نام ہوگیا۔ اس سریہ کا وقوع ماہ رجب ۸ھ میں ہوا تھا۔ شیخ ابن حجر شرح بخاری میں نقل کرتے ہیں کہ آٹھویں سال میں اس کے وقوع کا قول غیر محمود ہے اس لیے کہ صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس سریہ کو اس لیے بھیجا تھا تاکہ قریش کے قافلہ پر تاخت کریں۔ یہ بات آٹھویں سال میں نہیں بنتی کہ اس میں ایسا ہوا ہو کیونکہ ان دنوں میں قریش کے ساتھ صلح قائم تھی۔ لہٰذا صحیح یہی ہے کہ یہ سریہ چھٹے سال میں قضیۂ حدیبیہ سے پہلے ہوا ہوگا۔ (انتہیٰ)

مواہب لدنیہ میں شیخ الاسلام ابن العراقی سے منقول ہے کہ یہ سریہ فتح مکہ سے پہلے آٹھویں سال کے ماہ رمضان میں قریش کے عہد وپیمان توڑنے کے بعد واقع ہوا تھا اس بنا پر آٹھویں سال کے وقوع میں کوئی منافات نہیں ہے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ اس سفر میں

کسی دشمن سے مڈبھیڑ واقع نہ ہوئی اور لوٹ آئے (انتہی)

اس سفر کی عجیب وغریب بات وہ ہے جسے بخاری ومسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جیش خبط میں جہاد کے لیے گئے ہوئے تھے ہم پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر تھے۔ وہاں ہمیں سخت فاقہ کشی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس وقت دریا نے ایک مری ہوئی مچھلی پھینکی۔ ہم نے اتنی بڑی مچھلی پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس کا نام عنبر بتاتے ہیں۔ ہم سب اس مچھلی کو پندرہ دن تک کھاتے رہے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ایک ہڈی لیکر کھڑی کی تو اس کے نیچے سے سوار گزر گیا۔ اس کے بعد جب ہم بارگاہِ رسالت میں پہنچے اور ہم نے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا تم نے اس رزق کو کھایا ہے جسے حق تعالیٰ نے تمہارے لیے باہر نکالا ہے۔ اگر کچھ باقی ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ اس پر ہم نے اس میں کچھ حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ مچھلی پہاڑ کی مانند تھی اور ایک روایت میں ہے کہ مچھلی ٹیلہ کے مانند تھی اور اس کا نام عنبر تھا۔ اس کی کھال سے ڈھال بنائی جاتی ہے۔ ہڈی سے مراد پہلو یعنی پسلی کی ہڈی ہے جو دونوں طرف سے جڑی ہوئی ہوتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ ایک شخص لشکر اسلام میں بہت طویل القامت تھا۔ وہ پالان والے اونٹ پر سوار ہو کر پسلیوں کے نیچے سے گزر گیا اور اس کا سر اس ہڈی سے جالگا۔ صحیح مسلم اور مسند امام احمد سے مروی ہے کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ مچھلی کی آنکھ کے حلقے میں بیٹھیں تو تیرہ آدمی اس میں سما گئے۔ موہب لدینہ میں اس جگہ دو جیش کا ذکر کیا ہے ایک جیش ابوقتادہ بسوئے ارض محارب نجد' جسے ۸ھ کے ماہ شعبان میں روانہ کیا تھا اور ان کے ساتھ پندرہ آدمی تھے جو غطفان کی سرکوبی کے لیے گئے تھے۔ انہوں نے جو ہاتھ آیا اسے قتل کیا اور بہت سی باندیوں کو قید کیا اور سو اونٹ اور دو سو بکریاں غنیمت میں آئیں۔ یہ سفر پندرہ دن کا تھا اور دوسرا جیش بھی ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا ہے جو اضم کی جانب گیا تھا اس میں محلم بن رضی اللہ عنہ جثامہ تھا۔ عامر بن اضیط سامنے آیا تو محلم نے اسے قتل کر دیا۔

اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک جیش کا امیر بنا کر اضم کی جانب بھیجا جو مدینہ طیبہ سے ایک برید کے فاصلے پر ہے۔ اس جیش میں محلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن جثامہ بھی تھے عامر بن اضیط راہ میں سامنے آیا اور اس نے صحابہ کو سلام کیا چونکہ صحابہ اسے مسلمان تصور نہیں کرتے تھے اس بنا پر اس کے سلام کا جواب انہوں نے نہ دیا۔ محلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو قتل کر دیا۔ جب یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عتاب فرمایا اور کہا کہ تم نے مسلمان کو کیوں قتل کیا۔ انہوں نے عرض کیا اس بنا پر کہ اس نے موت کے ڈر سے اظہار اسلام کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا تاکہ اس کی نیت وارادہ کو معلوم کر لیتے اور فرمایا زبان سفیر ہے جو دل کی ترجمان ہے۔ اس پر آیہ کریمہ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا ضَرَبْتُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَتَبَيَّنُوا۟ وَلَا تَقُولُوا۟ لِمَنْ أَلْقَىٰٓ إِلَيْكُمُ ٱلسَّلَـٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا. ''ایمان والو! جب تم خدا کی راہ میں جہاد کر رہے ہو تو قتل میں دیکھ بھال کر لیا کرو اور جو تمہیں السلام علیکم کہے اسے یہ نہ کہو کہ وہ مومن نہیں ہے''۔ تو یہ آیت اس وقت نازل ہوئی۔ اس کے بعد محلم رضی اللہ عنہ آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے دو زانوں ہو کے بیٹھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت ومعافی مانگیں۔ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نازیبا حرکت سے کوفت وناراضگی میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ وَلَا عَفَى اللّٰهُ عَنْكَ (نہ تجھے اللہ بخشے اور نہ تجھے خدا معاف کرے) اس کے بعد محلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حال میں کھڑا ہوا کہ اپنے آنسوؤں کو اپنی چادر سے پونچھتا تھا اور محلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی گھڑی اور ایک روایت میں ہے کہ سات دن کے بعد جان کو قابض ارواح کے سپرد کر دیا۔ جب اس کو دفن کیا گیا تو زمین نے

نکال باہر کیا اس طرح تین مرتبہ کیا گیا ہر بار زمین نکال باہر کرتی رہی۔ بالآخر اس کو دو پتھروں کے درمیان رکھ دیا۔ یہ خبر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع ہمایوں میں پہنچی تو فرمایا زمین نے محلم رضی اللہ عنہ کو نگل لیا اور زمین اس کو نگلتی ہے جو اس سے بدتر ہو۔ لیکن حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہیں نصیحت فرمائے تاکہ تم عبرت حاصل کرو۔

روضۃ الاحباب میں ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سریہ فتح مکہ کے شروع میں ذکر کیا ہے اور کہا کہ اس سے پہلے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کی جانب سفر فرمائیں ماہ رمضان ۸ھ میں ابوقتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبیلہ اضم کی جانب بھیجا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو گمان ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف جانے کا مقصد فرماتے ہیں جس طرف یہ جماعت بھیجی ہے۔ مکہ کا ارادہ نہیں ہے۔ اس کے بعد اس جیش کا ذکر کیا اور پھر فتح مکہ کا قضیہ شروع کیا اور مواہب میں بھی ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جیش کو فتح مکہ کے ذکر سے پہلے بیان کیا گیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین شخصوں کا نام تھا اور وہ جس نے عامر بن اضبط کو قتل کیا وہ اس محلم رضی اللہ عنہ کے سوا ہے جس محلم کو زمین نے نکال باہر کیا تھا (واللہ اعلم)۔ مواہب میں ایک اور سریہ کا بھی ذکر کیا ہے جس کو سریہء ابوالعوجا کہتے ہیں۔ جسے بنی سلیم کی طرف ماہ ذوالحجہ ۷ھ میں بھیجا تھا۔ یہ پچاس آدمیوں کا لشکر تھا۔ جس کو کافروں نے ہر طرف سے گھیر کر جنگ کی یہاں تک کہ ان میں سے اکثر کو انہوں نے شہید کر دیا اور مقتولوں میں ابن ابی العوجا' زخمی پائے گئے تھے انہیں اٹھا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ اس پر یہ سال تمام ہوا۔

فتح مکہ مکرمہ

ہجرت کے آٹھویں سال کے واقعات میں سے مکہ مکرمہ زَادَھَا اللّٰہُ تَعْظِیْمًا وَّتَشْرِیْفًا کی فتح کا واقع ہونا ہے۔ یہ واضح فتح عظیم ہے۔ جس پر سورۂ "اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا" ناطق ہے۔ اگرچہ مفسرین کی ایک جماعت اس پر ہے کہ اس فتح مبین سے مراد فتح حدیبیہ ہے جو کہ اپنی ذات میں سراپا فتح تھی اور فتوحات عظیمہ کا سرچشمہ و مبداء تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ اعظم فتوحات ہے کیوں کہ حق تعالیٰ نے اس ذریعہ اپنے دین کو غالب وقوی بنایا اور اپنے رسول کو مظفر و فتحمند کیا اپنے لشکر کو عزیز بنایا اور اپنے حرم پاک کو امن کی جگہ قرار دیا اور اس بلد امین اور اپنے بیت اقدس کو مشرکوں سے پاک کیا اور ایسی فتح و ظفر عنایت فرمائی جس پر تمام آسمان و زمین والے مبارکباد دینے لگے۔ اہل عرب تمام اطراف واکناف میں راہ اختیار میں چشم انتظار کھولے بیٹھے تھے کہ اگر یہ ہستی مقدس یعنی حضور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم میں واپس تشریف لے آئے اور یہ بلد معظم اور بیت مکرم ان کے قبضہ اقدس میں آ جائے تو ہم بھی داخل ہو کر توقف و تردد کی قید سے نجات پا جائینگے جب نصر عظیم اور فتح مبین وجود میں آئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑتے بھاگتے حاضر ہو کر اسلام لانے لگے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا۔

جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور لوگوں کو تم دیکھ کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی ثنا کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس سورۂ مبارکہ میں اکمل دین' ارتفاع حجاب شک وارتیاب اور صدق ویقین کے نور کے سطوع کی جانب اشارہ ہے۔ فتح مکہ کے حاصل ہونے کے بعد مشرکوں کے لیے کوئی جائے فرار باقی نہ رہی اور ان کو کوئی باقی نہ رہا۔ خواہی نخواہی اسلام میں داخل ہوئے۔ اس دن کچھ لوگوں کا اسلام پختہ ہوا اور تصدق قلبی کی علامتیں اور نشانیاں ان سے ظاہر ہوئیں اور کچھ لوگوں کا نہ ہوا اور ظاہر آیہ کریمہ قُلْ یَوْمَ

الْفَتْحِ لَا يَنفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوٓا اِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ (اے نبی فرما دو فتح کا دن ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ان کے ایمان کو نفع نہیں پہنچا تا اور وہ غور وفکر سے کام نہیں لیتے ہیں) میرا اسی طرف اشارہ ہے کہ فتح کے دن ایمان لانا نہ نافع ہے اور نہ مقبول۔ جواب میں علماء فرماتے ہیں کہ مراد وہ کافر ہیں جو فتح میں مارے گئے اور اس حالت میں ایمان لائے۔ لہٰذا قتل کی حالت میں ان کا ایمان لانا نفع نہیں پہنچا تا اور بعض کہتے ہیں کہ اس آیت میں یوم الفتح سے مراد روز قیامت ہے۔ کیونکہ وہ دن کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کی نصرت اور انسانوں کے درمیان حکومت کے ساتھ فیصلہ کرنے کا دن ہے۔ فتح کے معنی حکومت کے ساتھ فیصلہ کرنے کے آئے ہیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کے ارشاد میں ہے: رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ. اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما اور تو ہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (واللہ اعلم)

اس مواہب ربانی کے حصول کا باعث اور فتح صمدانی کے ظہور کا سبب یہ ہوا کہ وہ صلح جو حدیبیہ میں واقع ہوئی تھی اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے حلیفوں کے ساتھ تعرض نہ کریں گے اور ہر کوئی جس فریق کو چاہیے اختیار کرسکتا ہے۔ جو چاہے قریش کے عہد وحلف میں آئے خواہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد وحلف میں داخل ہو۔ چنانچہ بنی بکر قریش کے ہم سوگندی میں داخل ہوئے اور خزاعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و پیمان میں آئے اور بنی خزاعہ پہلے ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع ہو رہے تھے اگرچہ وہ ایمان نہیں لائے تھے اور بنی بکر اور بنی خزاعہ کے درمیان زمانہء جاہلیت سے نزاع واختلاف اور عداوت قائم تھی اور آپس میں بہت کچھ جنگ وجدال واقع ہو چکا تھا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعث کا قضیہ درمیان میں آیا تو وہ اس میں اتنے مشغول ہوئے کہ اپنے اصلاح کے احوال پر انہوں نے غور تک نہ کیا۔ صلح حدیبیہ کے واقع ہونے کے بعد جب وہ اپنے حال میں آئے اور دل کو اطمینان ملا اور فرصت پائی وہ پھر اپنے باہمی نزاع وعداوت کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہاں تک کہ ایک دن بنی بکر کا ایک شخص سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کر رہا تھا قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص وہاں کھڑا تھا۔ اس نے منع کیا مگر وہ باز نہ آیا اس پر وہ جوش اور غصہ میں آ گیا اور اس کے سر کو توڑ دیا۔ اس نے بنی بکر سے جا کر فریاد وفغاں کی۔ نقاثہ (بضم نون) جو بنی بکر کی شاخ تھی خزاعہ کے ساتھ جنگ کے لیے کھڑے ہو گئے اور بنی مدلج سے مدد مانگی۔ بنی مدلج نے ان کی مدد سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے قریش سے مدد مانگی۔ قریش کے نادان و بے وقوف لوگوں کی ایک ایسی جماعت نے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موروثی عداوت رکھتی تھی جیسے عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ اور سہل بن عمرو وغیرہ نے اپنی ہیئت بدل کر اور اپنے چہروں پر موٹی نقاب ڈال کر بنی بکر کی حمایت ورفاقت میں خزاعہ پر شبخون مارا اور خوب جنگ وقتال کیا۔ یہاں تک کہ جنگ کرتے ہوئے زمین حرم میں داخل ہو گئے۔ بنو خزاعہ نے بلند آواز سے نوفل بن معاویہ سے جو بنو بکر کا سردار تھا کہا کہ خدا کا خوف کرو اور حرم کی حرمت کا پاس ولحاظ کرو۔ نوفل بن معاویہ نے کہا یہ بات اگرچہ بڑی ہے اور میں اسے جانتا ہوں لیکن آج اس پر عمل کرنے کی فرصت نہیں پاتا۔ کہتے ہیں کہ اس جنگ میں بنی خزاعہ کے بیس آدمی مارے گئے۔ قریش نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ کسی نے ان کو پہچانا نہیں ہے اور یہ معاملہ پوشیدہ رہے گا۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی رات اس کی خبر دیدی گئی تھی۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس رات میں بنی بکر اور بنی خزاعہ کا واقعہ ہوا تھا اس کی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ''اے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ مکرمہ میں یہ حادثہ واقع ہوا ہے اور قریش نے عہد شکنی کی ہے''۔ میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ قریش عہد شکنی میں دلیری دکھائیں گے؟ حالانکہ شمشیروں نے ان کو فنا کر دیا ہے؟ فرمایا ''انہوں نے عہد کو اس معاملہ کے لیے توڑا ہے جسے خدا نے ان کے ساتھ چاہا ہے''۔ میں نے عرض کیا ''یہ معاملہ خیر ہے یا شر؟'' فرمایا ''انشاء اللہ خیر ہی ہوگا''۔

طبرانی نے معجم صغیر میں سیّدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث نقل کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک رات سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے ہوئے تین بار ''لبیک لبیک'' فرمایا اور تین مرتبہ ''نصرت نصرت'' میں مدد کرتا ہوں' میں مدد کرتا ہوں'' فرمایا! جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئی تو میں نے عرض کیا۔''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باتیں کرتے ہوئے سنا ہے کیا کوئی شخص تھا جس سے آپ گفتگو فرمارہے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ راجز بنی کعب تھا جو قبیلہ بنی خزاعہ سے ہے۔ وہ مجھ سے مدد مانگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ قریش نے بنی بکر کی مدد کی یہاں تک کہ ہم پر شب خون مارا ہے۔ اس کے تین دن بعد عمرو بن سالم خزاعی چالیس سواروں کے ساتھ مکہ سے مدینہ منورہ آیا اور جو کچھ واقعہ پیش آیا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر کے نصرت و اعانت کی درخواست کی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اس حال میں کہ آپ چادر مبارک زمین سے گھسیٹ رہے تھے اور فرمایا ''میری مدد نہ ہوگی اگر میں نے تمہاری مدد نہ کی۔ جس طرح میں اپنی مدد کرتا ہوں اسی طرح تمہاری مدد کروں گا''۔ اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی اتحاد و اخلاص کی طرف اشارہ فرمایا اور ان کے دلوں کی تسلی و تشفی فرمائی۔ گویا آسمان پر ایک بادل چھایا ہوا ہے۔ اس کے بعد فرمایا ''یہ بادل فریاد کرتا ہے اور بنی کعب کی خبر دیتا ہے''۔ پھر ان سے فرمایا ''تم اپنے گھروں کو جاؤ اور غم و فکر نہ کرو۔ کیوں کہ فتح و نصرت کے دن قریب آگئے ہیں'' اور اپنے صحابہ سے فرمایا ''گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ ابوسفیان آیا ہوا ہے اور صلح کی مدت بڑھانے اور اس کی تجدید کی درخواست کر رہا ہے اور خائب و خاسر ہو کر مکہ لوٹ گیا ہے''۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب قریش اپنے فعل سے پشیمان ہوئے تو ابوسفیان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ معذرت خواہی کر کے کہے کہ یہ فعل میرے مشورے سے واقع نہیں ہوا ہے اب از سر نو صلح کی تجدید و توکید کر کے اس کی مدت بڑھا دیجئے۔ چنانچہ ابوسفیان مدینہ طیبہ آیا اور پہلے اپنی بیٹی سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو ام المومنین میں سے تھیں اس کے گھر گیا اور اس نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر استراحت پر بیٹھے۔ سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بستر شریف کو لپیٹ ڈالا۔ ابوسفیان نے کہا ''اس بستر کو مجھ سے بچاتی ہو؟ اس پر سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ''ہاں! یہ بستر سیّد المطہرین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور تم مشرک و نجس ہو''۔ اس پر وہ اپنی بیٹی کے پاس سے چلا آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا ہر چند تجدید عہد کی بات کی جواب نہ پایا۔ اس کے بعد ناامید ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا۔ وہاں سے بے نیل و مرام لوٹا۔ پھر سیّدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔ ''تمہاری بہن سیّدہ زینب بنت رسول اللہ نے ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امان دی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امان کو جائز رکھا اور معتبر جانا''۔ سیّدہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا یہ معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے۔ اس کے بعد وہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے آستانہ پر پہنچا وہاں سے بھی ناامید لوٹا۔ غرضیکہ وہ خائب و خاسر ہو کر مکہ کو لوٹ گیا۔ جب ابوسفیان مکہ سے لوٹ گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی تیاری میں مشغول ہو گئے اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے انہوں نے دیکھا کہ سامان سفر کی تیاری ہو رہی ہے فرمایا ''عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ کیا ہے یہ کیسی تیاری ہے؟ انہوں نے کہا مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان سفر تیار کرنے کا حکم دیا ہے اس سے زیادہ میں نہیں جانتی اور نہ میں کچھ بیان کر سکتی ہوں''۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سامنے ہو کر عرض کیا ''یارسول اللہ! کیا سفر کی تیاری ہے؟ فرمایا ہاں لیکن تم اس بات کو پوشیدہ رکھنا اور دعا مانگی اَللّٰھُمَّ خُذْ عَلٰی اَبْصَارِھِمْ فَلَا یَرَوْنِیْ اِلَّا بَغْتَةً. اے خدا کفار کی بینائیوں کو لیلے کہ وہ مجھے نہ دیکھیں مگر اچانک' اور تمام صحابہ سے فرمایا سفر کی تیاری کر لو اور اپنے اپنے ہتھیار ساتھ لیلو۔ لیکن قصد و ارادہ کو کسی شکل پر واشگاف کر کے بیان نہ فرمایا۔ حاطب بن ابی ملتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل مکہ کی طرف ایک خط لکھا

اوراس میں ان کوخبر دار کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پرلشکر تیار کر کے لا رہے ہیں۔اس خط کا مضمون یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کی تیاری فرمار ہے ہیں اور میرا گمان یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے سوا وہ کسی اور طرف نہیں جائیں گے۔اپنے حال کی فکر کرنی چاہیے والسلام: اس خط کو ایک مزنی عورت کے سپرد کیا کہ وہ قریش کو پہنچادے۔حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دے دی۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ حضرت زبیر بن العوام اور مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا! خاخ کے باغ میں جاؤ وہاں ایک عورت ہودج میں سوار ملے گی اس کے پاس ایک خط ہے وہ خط اس سے لے آؤ۔یہ تینوں اس کے پاس پہنچے اس نے بالوں کی چوٹی میں وہ خط چھپا رکھا تھا۔یہ تینوں وہ خط لے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا اور اس سے پوچھا یہ تیری کارگزاری ہے تو نے یہ کیا ہے اس سے تیرا کیا مقصد تھا؟ اس نے عرض کیا ''یارسول اللہ! مجھ پر جلدی نہ فرمائیے خدا کی قسم میں مومن ہوں اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں میں ایک مرد ملصق (ملا ہوا) اور قریش میں حلیق ہوں اور ان کی ذات سے نہیں ہوں اور مکہ میں کوئی ایسا نہیں ہے جو میرے مال و اہل کی حمایت وحفاظت کرے اور وہ حضرات جو مہاجرین میں سے آپ کے ساتھ ہیں مکہ مکرمہ میں ان کے عزیز واقارب ہیں جو ان کے مال و اہل کی حمایت وحفاظت کرتے ہیں۔اسی بات نے مجھے اس فتنہ میں ڈالا ہے میں نے یہ عمل نفاق وارتداد سے نہیں کیا'' یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماروں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ اَطَّلَعَ عَلٰى اَهْلِ بَدْرٍ وَّقَالَ اعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ. بلاشبہ اہل بدر کے لیے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو چاہو کرو بلاشبہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔اسے طبرانی نے روایت کیا۔ایک روایت میں ہے اِنِّیْ غَافِرٌ لَّكُمْ ''میں تمہاری بخشش چاہنے والا ہوں۔اس پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے اور عرض کرنے لگے اللہ اور اس کا رسول بھی زیادہ جانتا ہے اس وقت آیہ کریمہ نازل ہوئی: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ ...... فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ. اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو راز دار دوست نہ بناؤ.......... وہ سیدھے راستہ سے گمراہ کر دیں گے''۔فتح الباری میں منقول ہے کہ حضرت فاروق اعظم کا یہ کہنا ہے کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں''۔اس کے باوجود کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق فرمائی اور ان کے عذر کو مقبول قرار دیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان کے نزدیک منافقوں میں سے تھے اور ان کے علم میں یہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم کی مخالفت کرے وہ واجب القتل ہے۔لیکن انہوں نے اپنے علم پر جزم نہ کیا اور اس کے قتل کی اجازت چاہی اور اس پر اسم منافق کا اطلاق اس بنا پر کیا کہ جو حرکت اس سے سرزد ہوئی تھی اس نے اس کو چھپایا تھا اور حاطب رضی اللہ عنہ نے جو غدر تھا وہ اس کی تاویں تھی اور اس نے یہ سمجھا تھا کہ اس قسم کے عمل سے کوئی ضرر نقصان واقع نہ ہوتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ یَا اَغْفِرُ لَكُمْ یہ مستقبل کو ماضی کے ساتھ تعبیر کرنے کے طریقہ پر ہے اور تحقیق وقوع کے مبالغہ کے لیے ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ اہل بدر کی اس حاصل شدہ حالت کے اکرام واعزاز میں یہ خطاب ہے کہ ان گزشتہ گناہوں کو بخش دیا گیا ہے اور وہ اس قابل اور لائق ہیں کہ ان کے آئندہ گناہ بھی بخش دیئے گئے ہیں اور بلاشبہ حق تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کی صداقت کو ظاہر فرمایا جو کچھ جس کے بارے میں حضور اکرام صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔اس لیے کہ وہ ہمیشہ اہل جنت کے اعمال پہ رہیں گے یہاں تک کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہو جائیں اور اگر فرض کیا جائے کہ ان سے کوئی گناہ صادر ہو ہی جائے تو توبہ کرنے اور عمل نیک اختیار کرنے میں وہ سبقت کریں گے اور قطعی طور پر ان کے احوال میں سے ہر ایک جانتا ہے کہ جیسی کچھ کہ ان کی سیرتوں کے بارے میں مطلع کیا گیا اور خبر دی گئی ہے حقیقت میں وہ ویسے ہی ہیں۔اسے صاحب مواہب نے قرطبی سے نقل کیا ہے۔

بعض اہل مغازی بیان کرتے ہیں کہ حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو خط لکھا تھا اس کا مضمون یہ تھا ''اے گروہ قریش تم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیل وسیل کی مانند ایک لشکر لیکر تشریف لا رہے ہیں۔ خدا کی قسم اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا بھی تم پر تشریف لائیں تو حق تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائے گا اور اپنے وعدہ کو سچا کر دکھائے گا لہٰذا تم اپنی فکر مناؤ''۔ سہیلی نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ (انتہی)

اس خط میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو کفر و نفاق پر دلالت کرنے والی ہو بجز اس کے کہ انہوں نے بھید کو کھولا اور اس امید پر عذر خواہی کی کہ شاید اسے مان لیا جائے۔ بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عذر کو اس وقت قبول فرمایا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق فرمادی اور حضرت فاروق اعظم کو ان کے قتل سے باز رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے مسجد سے نکال دو تو لوگ یکے بعد دیگرے ان کی پشت پر ہاتھ مار کر باہر نکالنے لگے مگر وہ بار بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک کو مڑ مڑ کر دیکھتے جاتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحم و کرم فرمائیں گے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوٹا لاؤ اور ان سے فرمایا میں نے تو تمہارے جرم کو معاف کر دیا اب تم حق تعالیٰ سے اپنی معفرت چاہو اور آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکابر مہاجرین اور ارباب دانش و بنیش میں سے تھے۔ ان کو یہ رسوائی اور ذلت ان کی غفلت سے پیش آئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مقوقس شاہ اسکندریہ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

مکہ مکرمہ کی جانب روانگی: وصل: جب مکہ مکرمہ کے سفر کا عزم مکمل ہو گیا تو بعض اصحاب کو قبائل عرب میں سے اسلم، غفار جہنیہ، اشجع، سلیم وغیرہ کی طرف بھیجا جو داخل اسلام ہو چکے تھے کہ انہیں خبر کریں اور سب جمع ہو کر سامان جنگ لے کر شامل ہو جائیں۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس رمضان مبارک ۸ھ بروز چہارشنبہ بعد نماز عصر مدینہ طیبہ سے تشریف لے گئے۔ جیسا کہ واقدی نے کہا ہے اور امام احمد کے نزدیک باسناد صحیح حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہم عام الفتح میں دوسری ماہ رمضان کو چلے۔ اس بنا پر جو تاریخ واقدی نے کہی ہے وہ ضعیف ہے اور تعین تواریخ میں اور بھی کئی قول مروی ہیں مثلاً بارہ، سولہ، سترہ، اٹھارہ اور انیس پہلے دونوں صحت کے زیادہ قریب ہیں اور دوسرا زیادہ صحیح ہے (واللہ اعلم)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے اور لشکر کو ملاحظہ فرمایا تو سات سو مہاجرین میں سے تھے جن میں سے تین سو گھوڑے رکھتے تھے اور چار ہزار انصار میں سے تھے جن میں سے پانچ سو گھوڑے رکھتے تھے۔ اسی طرح قبائل مذکورہ میں سے چار سو پانچ سو اور ایک ہزار عدد مخصوص کے ساتھ پیش خدمت ہوئے اور اثناء راہ میں بھی آ کر شامل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ مجموعی تعداد دس ہزار کی ہو گئی۔ بعض نے بارہ ہزار بھی کہی ہے۔ وجہ جمع یہ ہو سکتی ہے کہ دس ہزار مدینہ سے چلے ہوں اور دو ہزار بعد ازاں آ کر شامل ہو گئے ہوں چنانچہ مروی ہے کہ قبیلہ بنو سلیم تقریباً دو ہزار افراد کے ساتھ جن میں سے اکثر گھوڑ سوار تھے بعد میں آ کر شامل ہوئے اور مدینہ طیبہ میں حضرت ام مکتوم رضی اللہ عنہا کو اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا اور ازواج مطہرات میں سے سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ہمراہ لیا۔ جب منزل کدید جو ایک چشمہ کا نام ہے اور قدید و عسفان کے درمیان واقع ہے علم اور جھنڈوں کو صحابہ کرام کے سپرد فرمایا۔ منزل قدید میں روزہ افطار کیا اور حکم دیا کہ روزہ افطار کر لیں اور اعلان کرایا کہ (سفر میں) جو افطار نہ کرے گا گنہگار ہو گا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ فرمایا جو چاہے افطار کرے اور جو چاہے روزہ سے رہے۔ سفر میں افطار و روزہ دونوں جائز و اختیاری ہیں ایک دوسرے کی فضیلت میں بحسب رعایت و مصلحت و ملاحظہ اوقات حدیثیں مختلف آئی ہیں۔ تمام حدیثیں حالت سفر میں جواز افطار پر متفق ہیں۔

کچھ اہل مکہ بھی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ کی جانب آ رہے تھے ان میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا' اپنے اہل واعیال کے ساتھ تھے اور منزل سقیا میں اور ایک قول کے بموجب جھنہ میں ایک قول کے بموجب ذوالحلیفہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے پر اظہار مسرت فرمایا اور حکم دیا کہ اپنا سامان تو مدینہ طیبہ بھیج دو اور خود ہمراہ رہو اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تمہاری ہجرت آخری ہجرت ہے۔ جس طرح کہ میری نبوت آخری نبوت ہے۔ نیز راستہ میں ہی ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حارث بن عبدالمطلب جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حارث کے فرزند تھے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ بن امیہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا و اہانت میں بہت بڑھ چڑھ کر مشغول رہتے تھے آئے اور مسلمان ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے اپنا رخ انور پھیر لیا اور سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عرض والتجا سے ان کے گناہوں سے درگزر فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ سیّدنا علی المرتضیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ رحمت وکرم میں حاضر ہو کر وہ عرض کرو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا تھا کہ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخَاطِئِيْنَ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ.

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بعد کبھی شرم وحیا کے باعث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر نہ اٹھایا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو کر مرالظہر ان پہنچے وہاں سے مکہ کی مسافت چار فرسخ ہے اور اب اس جگہ کو "وادی فاطمہ" کہتے ہیں۔ یہ نام فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منسوب نہیں ہے بلکہ یونہی اس کا نام پڑ گیا ہے۔ جس طرح کہ دیگر مقامات کے نام ہیں' اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہر شخص اپنے خیمہ کے آگ روشن کرے اور دس ہزار یا بارہ ہزار جگہ آگ روشن ہوئی ہوگی۔ اس وقت تک قریش کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے اور آپ کے حالات کی انہیں کچھ خبر نہ تھی لیکن خائف وغمگین رہتے تھے اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کے بعد ابوسفیان بن حرب سے قریش نے کہا جاؤ اور حالات کا تحقیق کرو۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات وبازیابی کا موقعہ ملے تو ہمارے لیے اس سے امان حاصل کرو۔ پھر ابوسفیان' حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بدیل بن ورقا کے ساتھ نکلا۔ انہوں نے دیکھا کہ تمام وادی آگ سے روشن ہے۔ انہوں نے پوچھا یہ کیسی آگ روشن ہے۔ پھر انہوں نے خیموں کو دیکھا اور گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سنی۔ اس طرف حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ افسوس اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس شوکت و دبدبہ کے ساتھ اچانک قریش پر حملہ کریں تو ان سب کا استیصال ہو جائے اور ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاص اونٹ پر سوار ہوا اور لشکر سے باہر آیا تا کہ کوئی مکہ کا آدمی ملے تو میں اس سے صورت حال کہوں تا کہ وہ مکہ والوں کو خبر کرے کہ وہ اپنا انجام سوچ لیں۔ اچانک میں نے ابوسفیان کی آواز کو پہچان لی۔ اور کہا کیا ابوالفضل ہیں' میں نے جواب دیا: ہاں اُس! اس نے کہا "اے ابوالفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ! میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں یہ کیسا واقعہ ہے؟ میں نے کہا "افسوس ہے تجھ پر یہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں جوبارہ ہزار کا لشکر تم پر لائے ہیں۔ اس نے کہا: اے عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ! ہمارا کیا بنے گا؟ میں نے کہا "میرے اس اونٹ پر پیچھے بیٹھ جاؤ تا کہ میں تم سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے جاؤں اور تمہارے لیے امان حاصل کروں۔ پھر وہ میرے اونٹ پر سوار ہو گیا اور بدیل بن ورقا اور حکیم بن خزام رضی اللہ عنہ مکہ لوٹ گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ بدیل اور حکم بھی ابوسفیان کے ہمراہ بارگاہِ نبوت میں آئے اور مسلمان ہو گئے ممکن ہے کہ مکہ پہنچ کر دوبارہ آئے ہوں اس کے بعد ہم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خیمے کے

سامنے پہنچے۔ جب انہوں نے ابوسفیان کو دیکھا تو انہوں نے اپنی جگہ سے جست کی اور تلوار لے کر ان کے پیچھے دوڑے اور چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچنے سے پہلے ابوسفیان کے قتل سے فارغ ہو جائیں۔ کیوں کہ ابھی وہ امن وامان میں نہ تھے اور نہ ایمان لائے تھے۔ میں نے بھی اونٹ کو تیز دوڑایا۔ یہاں تک کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے پہلے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ میں پہنچ گئے اور میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ابوسفیان کو امان دے کر اپنی پناہ میں لے لیا ہے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے قتل کرنے کے درپے ہیں اور فرمایا اے عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آج رات ابوسفیان کو اپنے خیمے میں رکھو اور صبح کو میرے حضور پیش کرو''۔ جب صبح ہوئی اور میں ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افسوس ہے تجھ پر اے ابوسفیان! ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ تو جانے کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ ابوسفیان نے کہا ''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں! آپ کتنے رحیم وکریم اور بردبار ہیں۔ باوجود اتنی ایذا وستم پہنچنے کے آپ اتنی مہربانی اور لطف فرماتے ہیں۔ اب میں نے جان لیا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ کوئی ہوتا تو ہمیں نفع پہنچاتا اور ہماری مدد واعانت کرتا۔ اس کے بعد فرمایا ''کیا ابھی وقت نہیں آیا تو جانے کہ میں خدا کا رسول ہوں''۔ اس نے کہا ''میں ابھی تک ایک شک دل میں رکھتا تھا اور مجھے تھوڑا سا توقف تھا''۔

اس کا سینہ تصدیق رسالت کے لیے نہ کھلا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''خرابی ہو تیری اے ابوسفیان! بات کو طول نہ دے اور کلمہ توحید کے ساتھ زبان کو کھول۔ ورنہ اسی گھڑی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آجائینگے اور تیری گردن اڑادیں گے''۔ اس وقت ابوسفیان نے کہا ''اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوسفیان صاحب فخر وشرف شخص ہے اور عزت ومنزلت کو پسند کرتا ہے۔ اسے کسی ایسے مرتبہ سے نوازیئے جس سے مکہ والوں کے سامنے سرفراز ہو سکے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَھُوَ اٰمِنٌ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں آجائے وہ امن سے ہے؛ اور اپنے ہتھیار پھینک دے امن میں ہے اور جو اپنے گھر میں رہے وہ امن میں ہے اور جو کوئی مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا امن میں ہے''۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں ایک زمانہ میں جبکہ ابتدائے وقت میں مشرکین مکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے تھے اسی وقت ابوسفیان اپنی پناہ میں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے گھر لے آیا تھا۔ آج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعزاز اکرام فرمانا ابوسفیان کے اس دن کے بدلہ اور جزاء میں اور ان کے غرور وتکبر کے توڑنے کے لیے تھا اور دوسروں کے لئے امن کا حکم ساتھ ہی دیا تاکہ وہ خیال نہ کریں کہ یہ فضیلت اسی کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ یہ ایسا احسان عام ہے کہ وہ بھی عموم میں داخل ہے۔

جب ابوسفیان جانے لگا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اسے مکہ مکرمہ جانے نہ دو بلکہ اپنے ساتھ رکھو اور کسی تنگ جگہ میں رکھو تاکہ لشکر اسلام اس کی نظر کے سامنے سے گزرے اور رعب وہیبت اسلام اس کے دل میں جاگزیں ہو اور اس کے نخوت وعناد کا سر کچلے۔ اس پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آواز دی اور فرمایا ''اے ابوحنظلہ ٹھہر جا اور آگے نہ بڑھ اور لوٹ آ''۔ ابوسفیان لوٹ آیا اور کہنے لگا۔ ''اے بنی ہاشم! کوئی غدر دل میں رکھتے ہو؟'' انہوں نے فرمایا ''اہل بیت نبوت غدر وبے وفائی نہیں کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان کو تنگ گزرگاہ میں لیجا کر اور اسے روک کر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ لشکر اسلام فوج در فوج باعزت وشوکت گزرتا رہا اور حضرت عباس ہر ایک کی ابوسفیان کے سامنے تعریف کرتے رہے اور آتش حسد وغیرت سے اس کا دل جلاتے رہے۔ سب سے پہلے سپاہ شوکت پناہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے جو بنی

سلیم کے ہزاروں افراد کے ساتھ تھے اور اس فوج کے درمیان دو علم تھے' ابوسفیان نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا یہ کون ہے؟ فرمایا یہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور جب حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ' ابوسفیان کے برابر پہنچے تو تین مرتبہ پورے جاہ وچشم کے ساتھ بآواز بلند تکبیر کہی۔ جس سے ابوسفیان کی روح میں زلزلہ پڑ گیا اور اس کا دل دہل گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ پانچ سو پہلوانوں اور دلاوروں کے ساتھ تکبیر بلند کرتے ہوئے سیاہ علم کے ساتھ گزرے۔ ابوسفیان نے پوچھا یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ حضرت زبیر بن العوام ہیں۔ اس نے کہا ''تمہاری بہن کا فرزند؟'' انہوں نے ''ہاں''۔ اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے بنی غفار کے تین سو حضرات ظاہر ہوئے اور اس جماعت کا علم حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں تھا وہ بھی تکبیر بلند کرتے ہوئے گزرے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قبیلہ کی تعریف فرمائی۔ ابوسفیان نے کہا ''ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں ہے اتنے میں بنوکعب بن عمر کے لوگ پانچ سو کی تعداد میں پہنچ گئے اور اس فوج کا علم بشر بن سفیان کے ہاتھ میں تھا۔ ابوسفیان نے پوچھا ''یہ کن لوگوں کی ٹولی ہے؟'' حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف وہم سوگند ہیں''۔ اس کے بعد قبیلہ مزنیہ کے ہزار آدمی گزرے جن کے درمیان تین علم تھے۔ ابوسفیان نے ان لوگوں کی تعریف سننے کے بعد بھی یہی کہا کہ مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کے بعد قبیلہ جہنیہ کے لوگ پہنچے جو آٹھ سو شجاع تھے اور ان کے چار علم تھے۔ ان کے پیچھے قوم اشجع کے تین سو افراد گزرے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بنی اشجع کی تعریف فرمائی تو ابوسفیان نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ دشمن یہ لوگ تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اسلام کی محبت ڈال دی۔ ابوسفیان نے کہا ''میں نے ان کو دیکھ لیا مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔ یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج خاص نمودار ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ پہ سوار تقریباً پانچ ہزار اعیان مہاجرین اور اشراف انصار کے جھرمٹ میں جو کہ سب کے سب مسلح ومکمل رکاب فلک فرسا میں آراستہ وپیراستہ تکبیر کہتے ہوئے پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہاتھ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے دست اقدس پر حضرت اسید بن حضیر تھے اور آپ ان سے محو گفتگو تھے۔ ابوسفیان نے جب اس خدائی لشکر کو اس عظمت وحشمت کے ساتھ دیکھا تو اس کی چشم عقل خیرہ ہوگئی اور انتہائی ہیبت وحیرت اس پر چھا گئی۔ ابوسفیان نے کہا ''اے عباس رضی اللہ عنہ! تمہارے بھتیجے کی بادشاہت نبوت تو بہت قوی وعظیم ہوگئی ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ''افسوس ہے تجھ پر اے ابوسفیان! یہ رسالت ونبوت ہے بادشاہت وسلطنت نہیں ہے۔ منقول ہے کہ اس روز حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے قبضہء اقتدار میں انصار کا علم تھا اپنے ہزار انصار کے ساتھ آگے چل رہے تھے جب وہ ابوسفیان کے برابر پہنچے تو فرمایا ''ابوسفیان! اَلْيَوْمُ الْمَلْحَمَةِ الْيَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْحُرْمَةُ الْيَوْمَ اَذَلَّ اللّٰهُ قُرَيْشًا'' آج کا دن خون بہانے اور قتل کرنے کا ہے' آج حرمت حرم کو حلال بنا دیا گیا ہے۔ آج اللہ تعالیٰ نے قریش کو ذلیل وخوار کر دیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف رخ پھیر کر فرمایا ''اے اوس وخزرج کے لوگو! آج کے روز احد کا انتقام تم قریش سے لے لو''۔ جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوسفیان کو خوف ودہشت کے گرداب میں ڈال دیا تو ابوسفیان فریاد وفغان کرتا ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے اپنی قوم کے قتل کرنے کا حکم دیا ہے؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے تو کوئی ایسا حکم نہیں دیا۔ ابوسفیان نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات نقل کی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات اپنی طرف سے کہی ہے اور سہو وخطا سے کہہ دی ہے ورنہ آج تو لطف ومرحمت کا دن ہے۔ آج تو وہ دن کہ حق تعالیٰ قریش کو عزت دے گا اور آج تو وہ دن ہے کہ حق تعالیٰ اپنے گھر کی عظمت اور

بڑھائے گا۔تم سب خاطر جمع رہو اور ایمان لے آؤ۔ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلاف واقعہ بات کہی ہے۔آج تو وہ دن ہے کہ حق تعالیٰ اپنے گھر کی عظمت بڑھاتا ہے اور اسے خلعت پہناتا ہے۔ابوسفیان نے کہا "آپ تمام لوگوں میں کتنے نیکوکار ہیں اور کتنے رحیم و کریم ہیں۔میں حق تعالیٰ کو شفیع گردانتا ہوں کہ قریش کے ساتھ جو آپ کی قرابت داری ہے اس پر نظر فرماتے ہوئے ان کے خون سے درگزر فرمایئے اور اپنے عزیز اقرباء پر رحم و کرم اور عطوفت مبذول فرمایئے۔ پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے عزیز اقرباء کی رعایت دامن گیر ہوئی اور عرض کیا "یا رسول اللہ! ہم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مامون نہیں ہیں۔مبادہ کہ وہ قریش کو کوئی آزار پہنچائیں۔اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اپنے والد سے علم لے لو۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا کہ وہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے علم لے لیں اور نرمی و مہربانی کے ساتھ مکہ مکرمہ داخل ہوں۔اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے فرمایا: کہ تمہیں مکہ مکرمہ جانا چاہیے۔اور قریش کو ڈرانا چاہیے کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور قتل و سیری سے نجات پائیں۔ورنہ ہلاک ہو جائیں گے۔"ابوسفیان دوڑتا ہوا مکہ مکرمہ آیا اور خبر دی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے جو گھر میں رہ کر دروازہ بند کر لے اور جو ہتھیار پھینک دے اور جو میرے گھر آجائے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے گے وہ امان میں رہے گا۔قریش نے کہا قبحک اللہ (اللہ تجھے روسیا کرے) یہ کیسی خبر ہمارے لیے لایا ہے۔گویا قریش کو ابھی تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچنے کا یقین نہ آیا تھا۔انہوں نے پوچھا تیرے پیچھے یہ کیسا گردوغبار اٹھتا ہوا آرہا ہے اور وہ کون ہیں؟ممکن ہے کہ ان کا یہ پوچھنا خبط' خرابی دماغ' حیرت' سرگردانی' خبث باطنی اور تکلیف و تجاہل سے ہو۔کیوں کہ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا ابوسفیان سے پہلے مکہ لوٹ آئے تھے ظاہر ہے کہ انہوں نے انہیں بتا دیا ہوگا۔ابوسفیان نے کہا "افسوس ہے تم پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے لشکر و سپاہ کے ساتھ با جاہ و حشم تشریف لے آئے ہیں۔اب تم میں ان کا مقابلہ کرنے اور جنگ کرنے کی تاب و تواں باقی ہی نہیں رہی ہے۔ابوسفیان کی بیوی جس کا نام ہند بنت عتبہ اکلتہ الا کباد تھا اس نے اپنے شوہر کی داڑی پکڑ کے اسے خوب ذلیل و خوار کیا اور کہنے لگی "اے غالب کی اولاد!اس احمق کو مار ڈالو تاکہ ایسی بات منہ سے نہ نکالے"۔ابوسفیان نے کہا "جس طرح چاہے مجھے ذلیل و رسوا کرو اور جس طرح چاہے میرے ساتھ سلوک کرو لیکن خدا کی قسم اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو تمہاری گردنیں اڑا دیں گے۔جاؤ گھروں میں گھس جاؤ اور دروازہ بند کر لو۔تم سب کی تدبیر اور علاج یہی ہے۔(رجعنا الی القصة)

القصہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرالظہر ان سے آگے بڑھنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ مہاجرین کی جماعت کو لیکر مکہ کے بلندی کے راستے سے جسے کدا کہتے ہیں "حجوں" میں داخل ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ مبارک بھی وہاں جا کر نصب کریں۔وہاں سے آگے نہ جائیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار کریں اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہتھیار بند جماعت کے ساتھ حکم دیا نرمی و مہربانی کے ساتھ بطن وادی کی راہ سے روانہ ہوں اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تمام فوج کو اسفل مکہ کی راہ سے جسے کدا کہتے ہیں داخل ہوں اور اپنے علم کو مکہ کے منتہائے عمارت میں نصب کریں اور غسل کرنے کے بعد اور بدن اقدس پر ہتھیار آراستہ کرنے اور جماعتوں کو متعین کرنے کے بعد آپ اپنے مخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ سوار ہوئے جب آپ کی نظر مبارک حق تعالیٰ کی فتح و نصرت اور اقامت نعیم غیر متناہی پر پڑی تو اپنی ہجرت کا وقت یاد آ گیا اور تصور کیا کہ کس طرح آپ تنہا و پنہاں اور دشمنوں سے گریزاں مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لائے تھے اور تھوڑی ہی مدت کے بعد نمایاں اور واضح طور پر بایں شوکت و عظمت باجاہ و جلال اور بے شمار لشکر کے ساتھ واپس تشریف لا رہے

ہیں۔اپنے سر مبارک کو تواضعاً للّٰہ جھکاتے ہیں۔یہاں تک کہ آپ کی لحیہ ءمبارکہ پالان کی لکڑی سے مل جاتی ہےاوراسی پالان کے اوپر سجدہء شکر بجالاتے ہیں اور حق تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔مروی ہے کہ اونٹ کے پالان کےاوپر''سورۂ انافتحنا'' کی ابتدائی آیتیں بآواز بلند ترجیع وتر دید صورت کے ساتھ پڑھتے تھے۔ترجیع حلق میں آواز گھمانے کو کہتے ہیں جیسے کہ آ آ آ۔بعض کہتے ہیں کہ ترجیع اونٹ کی حرکت ورفتار کی بنا پر پیدا ہوتی ہے کیوں کہ درست باہر نہیں آتی تھی۔حق یہ ہے کہ بر بنائے غلبہء شوق وسرور اوراس نعمت عظمٰے کے شکرانہ میں تھی اور قرآن کو تغنی وخوش الحانی سے علی الاطلاق پڑھنے میں احادیث وارد ہیں۔صاحب سفرالسعادۃ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات تغنی سے قرآن کریم پڑھااوراس میں ترجیع فرماتے جس طرح خوش آواز حفاظ پڑھتے ہیں۔روز فتح مکہ بھی سورۂ فتح کواسی طرح پڑھا(انتھی)اسی حال کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے سبحان اللہ!کیا شریف وقت اور سعید ساعت ہے کہ نور ایمان کی تابانی کے ظہور کا وقت ہے اور ظلمت کفر کے اضمحلال وزوال کا وقت ہےاور حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کااس وقت کیا مقام اور کیا حال ہوگا۔اے خداوندا میں اس وقت وساعت کی حرمت سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ ایسا ایمان وسرورعطا فرما جو تیرے فضل ورحمت سے متعلق ہے۔جس کے بارے میں تونے ارشادفرمایا ہے کہ: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا مفسرین کہتے ہیں کہ فضل سے ایمان اور رحمت سے قرآن مراد ہے۔

حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام لشکر کوحکم دیا کہ کوئی شخص کسی اہل مکہ سے اور حرم کے مجاوروں سے جنگ وقتال کے ساتھ نہ پیش آئے۔بجزان نادانوں اور ناسمجھوں کے جوان کے ساتھ جنگ کریں۔اپنی مدافعت میں ان کو معاف نہ کریں۔

منقول ہے کہ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مقام کی طرف روانہ ہوئے جہاں حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کاحکم دیا تھا تواس جگہ عکرمہ بن ابوجہل' صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو جو کہ ابھی عداوت وشقاوت اور خبث باطنی میں مبتلا تھے اور ظلمت کفر وضلالت سے نہ نکلے تھے کمال بے طاقتی سے بنی بکر بنی حارث کے کچھ لوگوں کے ساتھ اور کچھ ہزیل واحابیش کی مدد واعانت سے آئے اور جنگی ساز وسامان سے لیس ہوکر سرراہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جا پکڑا۔یہ سب خیرہ وگمراہ لوگ جو ابھی تک اپنے بدبخت باپ دادا کے دین کی تقویت کی سعی میں مشغول تھے۔اتنا نہ جانتے تھے کہ اب کس کے بل بوتے پر فتح ونصرت کی تمنا وتوقع رکھتے ہیں۔ابوسفیان کونہیں دیکھتے کہ وہ بھی کلمہء اسلام زبان سے جاری کرنیکی توفیق پاچکا ہےاور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کونہیں دیکھتے کہ کس طاقت اور مقام رفعت وسعادت پر فائز ہوچکے۔مگر یہ بدبخت یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ لوگ جان لیں کہ اگر زمرۂ اسلام میں داخل ہونا بھی پڑا ہے تو جبرواکراہ کے طور پر ہوئے ہیں رغبت وشوق سے اسلام قبول نہیں کیا ہے۔تاکہ ان کے باپ دادا کی خبیث روحیں ان سے راضی ہوں۔

لامحالہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوضرورت پیش آئی کہ ان کے ساتھ مقاتلہ کریں اور خندمہ کے مقام میں جنگ عظیم واقع ہوئی۔یہاں تک کہ''خرورہ'' کے مقام تک جسے عوام اب''عرور'' کہتے ہیں جو خانہ کعبہ کے متصل ہے جنگ نے طول کھینچا اور ان ذلیل وخوار سرکشوں میں سے اٹھائیس آدمی غازیوں کی تیغ آبدار سے جہنم رسید ہوئے اور دوشخصوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں سے شربت شہادت نوش کیا۔ایک حنیش بن الاشعر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے کرز بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

جب حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کواس جنگ کی اطلاع پہنچی تو فرمایا میں نے خالد رضی اللہ عنہ کو جنگ کرنے سے منع کیا تھا وہ کیوں لڑے۔لوگوں نے عرض کیا''یارسول اللہ!بہت بڑی جماعت ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے آئی تھی۔انہوں نے اپنی مدفعت میں

ان سے جنگ کی ہے۔ جیسا کہ اس کی طرف اشارہ فرمایا گیا تھا۔ اس کے ساتھ مجبوراً مقاتلہ محاربہ کرنا پڑا۔ فرمایا: قَضَآءُ اللّٰہِ خَیْرٌ. اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر بہتر ہے۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عتاب فرمایا اور کسی کو ان کے پاس بھیجا کہ جا کر حکم پہنچائے کہ ضَعْ عَنْھُمُ السَّیْفَ یعنی ان کو تلوار کی ضرب سے باز رکھو اور ان کو قتل نہ کرو۔ مگر اس قاصد نے ان سے یہ کہا کہ ضَعْ فِیْھِمِ السَّیْفَ یعنی تلوار کی دھار پر رکھو اور ان کو قتل کرو' اس پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دن ستر آدمیوں کو مارا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک میں یہ بات آئی تو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تم نے خلاف کیوں کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ میں کیا کرتا اس قاصد نے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا مجھے یہ حکم پہنچایا کہ ضَعْ فِیْھِمِ السَّیْفَ (ان کو قتل کردو)

اس سلسلہ میں عجیب وغریب بات یہ ہے کہ جسے بعض مفسرین بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلایا جس کو حکم دے کر بھیجا تھا اور فرمایا! میں نے تم سے کیا کہا تھا؟ اس قاصد نے کہا'' جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے حکم لیکر چلا تو ایک شخص مجھے ملا جس کا سر آسمان تک پہنچا تھا اور خنجر اس کے ہاتھ میں تھا اس نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ'' خالد رضی اللہ عنہ سے کہنا ضَعْ فِیْھِمِ السَّیْفَ ورنہ اس خنجر سے تجھے ہلاک کردوں گا۔ مجبوراً میں نے خالد رضی اللہ عنہ سے یہی کلمہ کہا' جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو فرمایا صَدَقَ اللّٰہُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہٗ. اللہ بھی سچا ہے اور اس کا رسول بھی سچا ہے۔ اس دن جب روز احد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے تو میں نے کہا تھا کہ اگر میں قریش کو پاؤں تو ان کے ستر آدمیوں کو قتل کروں گا۔ اس دن حق تعالیٰ نے مجھے منع فرمادیا تھا۔ لیکن آج خدا نے چاہا کہ جو کچھ نبی کی زبان سے ادا ہوا وہ سچ کر دکھایا جائے۔ اسی غرض سے یہ بات ظہور میں آئی ہے اور قریش کے ستر آدمی مارے گئے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مکہ کے اوباش اور نادان لوگ سرکشی دکھاتے ہیں اور مقاتلہ پر آمادہ ہیں فرمایا: اُحْصُدُوْھُمْ حَصْدًا. ''کاٹ دو انہیں خوب کاٹنا''۔ ابوسفیان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کہا۔ ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قریش ہلاک ہوگئے اس پر خواجہء کائنات نے ان پر رحم فرمایا اور حکم دیا کہ ''اب قریش کو نہ مارو''۔ اس کے بعد ان اشقیاء کا وہ گروہ جو جنگ کررہا تھا ہزیمت کھا کر بھاگ کھڑا ہوا اور پہاڑوں اور ان کو گھاٹیوں میں جا چھپا اور بعض کو ہ وبیابان کو نکل گئے اور بعض گھروں میں گھس کر دروازے بند کرکے بیٹھ گئے اور قتل ہونے سے چھوٹ گئے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بسبب اژدھام کثیر یا بغرض تعلیم احکام سواری پر ہی مسجد حرام میں داخل ہوئے اور اس بقعہ نور کو اپنے نور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لباس نور علیٰ نور پہنایا اور مجن اپنے دست مبارک کے عصا سے جو ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں رہا کرتا تھا حجر اسود کا استلام کیا اور زبان حق ترجمان کو تکبیر کے ساتھ کشادہ فرمایا اور مسلمانوں نے بھی موافقت اور اتباع کے قصد سے تکبیر بلند کی۔ یہاں تک کہ تکبیر کا غلغلہ مکہ مکرمہ میں گونج گیا اور مشرکین مکہ کے پہاڑوں پر چڑھے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور سن رہے تھے اور آتش عداوت وحسد میں جل بھن بھی رہے تھے۔

خانہءکعبہ سے بتوں کا توڑنا: وصل: جب طواف سے فارغ ہوئے تو بتوں کی پلیدی سے بیت الحرام کی تطہیر کی طرف توجہ فرمائی اور حرم پاک کی عزت وحرمت کو پاک کیا۔ اہل سیر لکھتے ہیں کہ مشرکوں نے تین سو ساٹھ بت خانہءکعبہ کے اطراف وجوانب میں نصب کررکھے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ شیطان نے ان بتوں کے پاؤں کو سیسہ سے زمین میں جما رکھا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم اس عصائے مبارک سے جوآپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں رہتا تھا بتوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے جَـآءَ الْـحَـقُّ وَزَهَـقَ الْبَـاطِـلُ اِنَّ الْبَـاطِلَ كَـانَ زَهُوْقًـا حق آ گیا اور باطل فرار ہوگیا۔ بلاشبہ باطل کو تو فرار ہونا ہی تھا اور وہ بت منہ کے بل گر پڑے۔ ایک روایت میں ہے کہ قفا یعنی گدی کے بل گر پڑتے۔ دونوں روایتوں میں مطابقت اس طرح کرتے ہیں ہے اگر عصا کا اشارہ منہ کی طرف ہوتا تو وہ گدی کے بل گر پڑتے اور اگر گدی کی طرف اشارہ ہوتا تو منہ کے بل گر پڑتے تھے۔ بعض سیر کی کتابوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روز فتح مکہ خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت پائے۔ جس کی طرف قبائل عرب حج کرتے اور ان کے لیے قربانی کرتے تھے۔ اس پر بیت اللہ نے خدا سے شکایت کی اور مناجات کی کہ اے میرے رب! کب تک تیرے سوا میرے اردگرد بتوں کی پوجا ہوتی رہے گی؟ پھر خدا نے بیت اللہ کی طرف وحی بھیجی کہ عنقریب میں تیرے لیے اپنے نور کو پیدا کروں گا اور تیری طرف ایسی قوم کو بھیجوں گا جو کرگسوں کی مانند دھیمی چال سے آئیں گے اور ان پرندوں کی مانند جو ذوق و شوق کے ساتھ اپنے انڈوں کی طرف آتے ہیں۔ ایسے تیری طرف آئیں گے اور تلبیہ کے ساتھ آواز بلند کرتے ہوں گے اور اساف و نائلہ اور ہبل کو جو بڑے بڑے بت ہیں توڑ دیں گے مروی ہے کہ اساف کو وہ صفا پر نصب تھا اور نائلہ کو وہ مروہ پر۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ دراصل یہ دونوں بت قبیلہ جرہم کے مرد و عورت تھے جنہوں نے خانہ کعبہ میں زنا کیا تھا۔ اس بنا پر حق تعالیٰ نے ان کو مسخ کر کے دونوں کو پتھر کا کر دیا اور قریش نے اپنے کمال جہالت وفرط ضلالت سے انہیں پوجنا شروع کر دیا اور ان دو پتھروں سے اپنے سر مارنے لگے۔ جس وقت ان دونوں بتوں کو توڑا گیا تو ان میں سے ایک سیاہ رنگ کی کلموئی عورت باہر نکلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ہے نائلہ جو آج کے بعد ابد تک کبھی نہیں پوجی جائے گی اور جب بت ہبل کو توڑا گیا تو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوسفیان سے فرمایا یہ ہے وہ بت ہبل جس پر روز احد تم ناز کرتے تھے اور نعرہ لگاتے تھے کہ "اعل ہبل" (بلندی ہو ہبل کی) آج وہ توڑ دیا گیا ہے ابوسفیان نے کہا "مجھے چھوڑ دو اور میری سرزنش نہ کرو اگر خدائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور خدا ہوتا تو ضرور ہماری مدد کرتا اور اس کے برخلاف صورت رونما ہوتی"۔

بعض سیر کی کتابوں میں ہے کہ چند بڑے بڑے بت اونچی جگہوں پر نصب تھے جن تک ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ان میں سب سے اونچا اور بڑا بت وہ تھا جسے ہبل کہتے تھے۔ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا "یارسول اللہ! اپنے قدم ناز کو میرے کندھوں پہ رکھئے اور ان بتوں کو گرا دیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اے علی رضی اللہ عنہ! تم میں بار نبوت کے اٹھانے کی طاقت نہیں ہے تم میرے کندھوں پہ آؤ اور ان بتوں کو گراؤ۔ امتثالاً لِّلْاَمْرِ' رسول اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر آئے اور ان کو گرایا۔ اس حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا خود کو کیا دیکھتے ہو۔ عرض کیا "یارسول اللہ! میں ایسا دیکھتا ہوں کہ گویا تمام حجابات اٹھ گئے ہیں اور میرا سر عرش سے جا ملا ہے اور جدھر میں ہاتھ پھیلاؤں وہ چیز میرے ہاتھ آ جاتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اے علی رضی اللہ عنہ! تمہارا کتنا اچھا یہ وقت ہے کہ تم کار حق ادا کر رہے ہو اور میرا حال کتنا مبارک ہے کہ میں بار حق اٹھائے ہوئے ہوں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بتوں کو زمین پر گرا دیا اور وہ دو ٹکڑے ہو گئے تو خود کو دوش رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زمین پر گرا دیا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ خود کو خانہ کعبہ کے قریب گرا دیا اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب احترام کی بناء پر تھا۔ جب وہ زمین پر گرے تو تبسم فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کس چیز نے تمہیں ہنسایا۔ عرض کیا اس چیز نے مجھے ہنسایا کہ میں نے خود کو اتنی بلندی سے گرایا اور مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں تکلیف کیسے پہنچتی جبکہ تمہیں اٹھانے والا محمد

صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور تمہیں اتارنے والا جبرائیل علیہ السلام۔ بعض علماء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اٹھانے اور بتوں کے گرانے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بحکم آیہ کریمہ اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ (بلاشبہ اے کافرو تم اور روہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں) یہ بت جہنم کے ایندھن تھے۔ اگر دنیا میں ان کو حضور اکرم صلی اللہ صلی علیہ وسلم کا دست اقدس چھو جاتا آخرت میں آتش دوزخ ان کو نہ پہنچتی اور اس کے ایندھن نہ بنتے۔

معارج النبوت میں اس سے زیادہ عجیب وغریب چیز روایت کی گئی ہے ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے تھے۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا روٹیاں تنور میں لگا رہی تھیں۔ آگ کی گرمی سے ان کا بدن نازنین گرم ہو گیا اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ چند روٹیاں تنور میں اپنے دست اقدس سے لگائیں۔ وہ سب کی سب کچی نکلیں۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حیران رہ گئیں کہ جتنی روٹیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے لگائیں وہ سب کچی رہ گئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ! ''تعجب نہ کرو۔ ان روٹیوں کو میرا ہاتھ چھو جانے کا شرف حاصل ہو گیا ہے اور جو چیز ہمارے ہاتھ سے چھو جائے آگ اس پر اثر نہیں کرتی۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے گرد و پیش کو بتوں کی نجاست و پلیدی سے پاک فرمایا تو ارادہ فرمایا کہ خانہ کعبہ میں داخل ہوں۔ اس وقت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا تا کہ خانہ کعبہ کی چابی کو ان سے لیں چونکہ قدیم الایام سے اس کی چابی ان کے سپرد تھی اور چابی عثمان کی والدہ کے قبضہ میں تھی جس کا نام سلامہ بنت سعد تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ والدہ کے پاس گئے اور ان سے چابی مانگی ان کی والدہ نے چابی دینے سے انکار کیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم چابی دو ورنہ اپنی کمر سے تلوار نکالتا ہوں۔ پھر ماں کے ہاتھ سے چابی لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے کعبہ کا دروازہ کھولا۔ (رواہ مسلم) ابن سعد اپنی کتاب طبقات میں عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ سے روایت کرتے ہیں کہ زمانہء جاہلیت میں ایسا دستور تھا کہ خانہ کعبہ کو دوشنبہ اور پنج شنبہ کے سوا نہ کھولتے تھے ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے دروازہ کھولنے کے لیے فرمایا تا کہ اس جماعت کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھی کعبہ میں داخل کریں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سختی برتی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر فرمایا اور بردباری سے کام لیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عثمان رضی اللہ عنہ! ایک دن ہوگا کہ یہ چابی میرے ہاتھ دیکھو گے یہاں تک کہ میں جسے چاہوں گا عطا فرماؤں گا''۔ میں نے کہا ''اس دن قریش ہلاک وخوار ہو جائیں گے۔ اس دن سے یہ بات میرے دل میں جگہ کر گئی کہ ضرور ایسا ہو کے رہے گا۔ جب فتح کا دن آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اے عثمان رضی اللہ عنہ چابی لاؤ''۔ میں لایا اور میرے ہاتھ سے لے کر پھر میرے ہی ہاتھ میں دیدی اور فرمایا ''لو قیامت تک کوئی تمہارے ہاتھ سے نہ لے گا مگر ظلم سے۔ اے عثمان رضی اللہ عنہ! میں نے ایک دن تم سے نہ کہا تھا کہ یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا عطا فرماؤں گا میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں شہادت دیتا ہوں کہ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے یہ تجدید وشہادت وایمان اس معجزے کے مشاہدے کی بنا پر ہے ورنہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان لانا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ فتح مکہ کے سال سے پہلے ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن طلحہ کو چابی کے لیے طلب فرمایا تو حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کعبہ کی کنجی انہیں عطا فرمائی جائے اور منصب سدانت کعبہ کو سقایہ کے ساتھ ان کے لیے جمع فرما دیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی

المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا'' یارسول اللہ! منصب حجابت کعبہ کو اپنے اہل بیت کے سپرد فرمائیں جس طرح کہ سقایہ زمزم کو انہیں مرحمت فرمایا ہے (واللہ اعلم) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منصب حجابت کو اپنے لیے چاہتے تھے یا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقویت فرما رہے تھے کہ جس طرح سقایہ زمزم انہیں حاصل ہے اسی طرح حجابت کعبہ بھی انہیں ہی حاصل ہو۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ چابی کو حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے لے آئیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اس کے اہل کے سپرد فرمائیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ چابی عثمان رضی اللہ عنہ کے ہی ہاتھ میں دے دی جائے اور ان سے معذرت کرو جب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ چابی لے کر ان کے پاس گئے تو انہوں نے کہا یہ کیا کہ زبردستی لے گئے اور معذرت کے ساتھ لے آئے؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا'' تمہاری شان میں قرآنی آیت نازل ہوئی ہے اور جبرائیل نے آکر کہا ہے کہ جب تک روئے زمین پر یہ بیت اللہ قائم ہے اس کی چابی اور اس کی سدانت قیامت تک انہیں کے لیے ہے اور جب حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات پائی تو انہوں نے اپنے بھائی شیبہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔ عثمان رضی اللہ کا کوئی فرزند نہ تھا اور انہیں کو بنی شیبہ کہتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

الغرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ رضی اللہ عنہ' بلال رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس کے دروازہ پر کھڑا کیا۔ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہا اندر چلے گئے اور دروازہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بند کیا تاکہ اژدھام نہ ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طویل وقفہ تک اندر رہے اور خانہ کعبہ کے گوشوں میں دعا و تضرع فرماتے رہے۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے اور نکلتے وقت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ انبیاء و فرشتوں کی تصویروں کو جنہیں کفار دیوارہائے کعبہ میں منقش کر رکھا ہے مٹا دو۔ پھر انہوں نے تمام تصویروں کو مٹا دیا مگر حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہ السلام کی اس تصویر کو باقی رکھا جس میں دونوں تیر و قمار ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں بھی مٹا دو یہ قوم نہیں جانتی کہ انبیاء ہرگز قمار نہیں کھیلا کرتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈول پانی کا طلب فرمایا اور ان دونوں تصویروں کو بھی دھو دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر دو رکعت نماز پڑھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے جو اسامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر نماز نہیں پڑھی۔ اعتماد بھروسہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پر ہے کیوں کہ وہ مثبت ہے نہ کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت پر کیوں کہ وہ نافی ہے اور اصولِ فقہ کے قواعد میں سے ہے کہ مثبت نافی پر مقدم ہے کیونکہ اس کے ساتھ علم کی زیارتی ہے نافی میں یہ نہیں ہے اور یہ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال شریف سے واقف تھے چونکہ وہ اوّل سے آخر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی کام سے باہر بھیجا گیا تھا اس بنا پر وہ نماز سے مطلع نہ ہوئے ظاہر ہے کہ وہ کام پانی کا ڈول لانے کا تھا تاکہ اس سے تصویروں کو دھویا جا سکے۔ جیسا کہ ایک روایت میں صراحت کے ساتھ بھی آیا ہے یہ ہے وجہ تطبیق و جمع' حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایتوں کے درمیان اور اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایک روایت میں ہے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں امام احمد اور طبری سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اندرونِ کعبہ نماز پڑھی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی ان روایتوں کی جمع میں علماء فرماتے ہیں کہ اسامہ رضی اللہ عنہ جس روایت میں اثبات کرتے ہیں وہ اپنے غیر پر اعتماد کرتے ہیں اور جس میں نفی کرتے ہیں وہ اپنے علم کے بموجب نفی کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے تو میں کہوں گا کہ میں نے نہیں دیکھا تو اس میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خانہ کعبہ کا دروازہ کھول کر باہر تشریف لائے تو چوکھٹ کے دونوں بازو پکڑے کھڑے ہو گئے ۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ لوگوں کے اژدھام کو درکعبہ سے دور ہٹا رہے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذکر کو جو حمد ثنائے الٰہی اور ادائے شکر نعیم نامتناہی پر مشتمل تھا پڑھا اور کہا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ. لَا شَرِيْكَ لَهٗ. صَدَقَ وَعْدَهٗ. وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ وَاَعَزَّ جُنْدَهٗ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔اس کا کوئی شریک نہیں ۔اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور قبائل کو ایک ایک کر کے ہزیمت دی اور اپنے لشکر کو غالب فرمایا۔اعیان قریش خوف وبیم کی حالت میں کھڑے ہوئے تھے کہ دیکھئے کیا حکم ہوتا ہے اور کیا فرمائیں گے۔اس وقت اہل مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''کیا کہتے ہو اور کیا گمان رکھتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟'' لوگوں نے کہا: نَقُوْلُ خَيْرًا وَنَظُنُّ خَيْرًا. ہم اچھا کہتے ہیں اور اچھا گمان رکھتے ہیں اَخٌ كَرِيْمٌ وَابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ وَقَدْ قَدَرْتَ آپ بخشش فرمانے والے بھائی کے فرزند ہیں بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پہ قدرت پائی ہے۔'' جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر تھے انہوں نے اخ کریم کر کے مخاطب کیا اور جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے ہم عمر تھے انہوں نے ابن اخ الکریم کنایہ کر کے مخاطب کیا اور ان کا کہنا کہ ''قد قدرت'' طلب عفو کی طرف اشارہ ہے کہ قدرت کے باوجود معاف اور درگزر فرمائیں۔چونکہ اس عبارت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے بھائیوں سے درگزر فرمایا۔ جبکہ ان کے بھائیوں نے کہا تھا: لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے فرمایا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ. آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں اللہ تمہیں بخشے۔وہ ارحم الراحمین ہے۔چونکہ ابتدائے سوال ان کی جانب سے ہوا تھا انہوں نے پوچھا ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرمائیں گے اور آج ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے کہا'' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے شروع میں ان سے دریافت کرنا یہ ایک قسم کا توبیخ وتہدید میں عتاب آلود خطاب تھا۔جیسا کہ ظاہر و باہر ہے (واللہ اعلم) اور فرمایا اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ جاؤ اب تم آزاد ہو''۔قید سے رہائی پا چکے ہو۔کسی نے کیا خوب کہا ہے:

بشکر وصل کہ حاصل بکام دل کردم ستمگران حسد پیشہ را بحل کردم

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور جاہلیت کی رسوم و عادات کو بیخ برکندہ کیا اور قصاص دیت کے احکام کو جو اہل جاہلیت اس میں افراط وتفریط کرتے تھے' بیان فرمائے کہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے۔کسی کو کسی پر کوئی فضل وزیادتی نہیں ہے بجز تقویٰ و پرہیز گاری کے اور اس آیۂ کریمہ کو پڑھا يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى فِىْ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ. خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا' امیر المومنین علی المرتضیٰ کی بہن کے گھر تشریف لائے اور تازہ غسل فرما کر آٹھ رکعت ہلکی' چاشت کی پڑھی اور فرمایا ''ہذہ سبحۃ الضحیٰ'' سبحۃ نماز نافلہ کو کہتے ہیں اور سبحہ کی طرف اضافت کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وقت کے سبب سے موسوم ہے۔بعض گمان کرتے ہیں کہ یہ نماز فتح کے شکرانہ کے طور پر تھی اور نماز چاشت کے مشروعیت میں ام ہانی رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث عمدہ ہے۔اس نماز میں علماء کا بہت اختلاف ہے شرح سفر السعادۃ میں تفصیل وتحقیق کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے وہاں دیکھنا چاہیے۔تحقیق یہ ہے کہ نماز چاشت کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے پڑھنے کا ثبوت دائمی نہیں ہے۔لیکن وہ نماز جسے اشراق کہتے ہیں دائمی تھا اور اس میں تاکید بھی تھی۔دونوں نمازوں پر ''صلوٰۃ الضحیٰ'' کا اطلاق احادیث میں واقع ہوا ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیام گاہ کی طرف متوجہ ہوئے۔راہ میں شعب ابی طالب اور خیف بنی کنانہ نظر سے گزار وہ محنت

ومشقت کی یاد آئی جو مشرکوں کے ہاتھ سے اس جگہ پہنچی تھی جس وقت کہ مشرکوں نے کفر وانکار اور بنی ہاشم کے ساتھ ترک مناکحت اور ان کے ہاتھ خرید وفروخت نہ کرنے پر حلف وقسم اٹھائی تھی کہ جب تک وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالہ نہ کریں گے یہ معاہدہ جاری رہے گا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ تمام مناظر یاد آئے اب فتح مکہ کی نعمت اور دشمنانِ دین پر غلبہ پانے پر شکر بجالائے۔ جب ظہر کی نماز کا وقت آیا تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دیں۔ یہ بھی کیسا شریف وقت اور عظیم نعمت تھی کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامان اجلال کے دست ادراک میں آئی۔ اس وقت کی حقیقت تو عرشیوں سے پوچھنی چاہیے کہ یہ آواز وہاں تک پہنچی ہوگی۔ بلکہ وہاں سے گزر کر اور اوپر گئی ہوگی۔ اس مقام میں اذان کے کلمات بھی مروی ہیں جس طرح کہ باب اذان میں گزرا ہے' اے مالک الملک اس وقت مبارک اور ساعت سعید کے طفیل' مسلمانوں کو دین پر ثابت رکھ اور کلمہ اسلام کے شہرہ کو اور زیادہ بلند فرما۔ آمین۔

مشرکوں نے جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز سنی تو ان میں سے کچھ لوگوں نے جیسے خالد بن اسید برادر عتاب بن اسید' حارث بن ہشام برادر ابوجہل' اور حکم بن العاص نے یاوہ گوئی سے کام لیا۔ اس پر جبرائیل علیہ السلام آئے اور جو کچھ ان لوگوں نے بکواس کی تھی سب کی خبر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو طلب فرمایا اور جس نے جو کچھ کہا تھا سب کی خبر دی اور انہیں ان کی باتوں سے خبردار کیا۔ یہ بات ایک جماعت کے اسلام لانے کا سبب بنی۔ جیسے حارث رضی اللہ عنہ بن ہشام' عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید وغیرہ۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان بن حرب بھی ان لوگوں کے ساتھ یاوہ گوئی میں شامل تھا۔ اس نے کہا تھا کہ میں کچھ نہیں کہتا جو کچھ میں کہوں گا میرا خیال ہے کہ یہ سنگریزے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کی خبر دیدیں گے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے سامنے ان کی کہی ہوئی باتوں کو دہرایا تو ابوسفیان نے کہا کہ میں نے اتنی بات سے زیادہ کچھ نہیں کہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور تصدیق کی۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں ایمان جاگزیں ہوگیا تھا اور اس کا اسلام' حسن پذیر ہوگیا تھا۔ روز فتح مکہ کے بعض مسلمانوں کو ''حسن اسلامہ'' کہا جاتا ہے اور بعض کے بارے میں علماء اختلاف کرتے ہیں۔ بہر تقدیر ایسے مسلمانوں کو ''مؤلفتہ القلوب'' کہتے ہیں۔ اس لفظ کا مطلب اور ان کے معاملہ کے بارے میں ''غزوۂ حنین'' اور اس کے غنائم کی تقسیم کے ضمن میں واضح ہوگا۔ معاویہ بن ابوسفیان از مسلمانان فتح اور مولفتہ القلوب میں سے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا اسلام لانا ان کے باپ کے اسلام سے پہلے ہے قبل اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوں اور کہتے ہیں کہ مکہ کی راہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔

القصہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا پر تشریف لائے اس طرح کہ آپ کی نظر مبارک کے سامنے خانہ کعبہ تھا پھر دست مبارک اٹھا کر شکرانہ نعمت بجالائے اور اس جگہ بیٹھے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں استادہ تھے۔ قریش کا ایک ایک آدمی آتا جاتا بیعت کرتا جاتا تھا۔ مردوں کے بعد عورتیں آئیں اور انہوں نے بیعت کی اور شرف مبایعت سے مشرف ہوئیں عورتوں کے ساتھ بیعت زبانی تھی دست اقدس کے ساتھ نہ تھی

عورتوں کی بیعت کا طریقہ: ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ عورتوں سے بیعت لینے کا طریقہ یہ تھا کہ چادر مبارک کا ایک کنارہ دست اقدس میں پکڑتے اور دوسرا کنارہ ان کے ہاتھ میں دیا جاتا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک پیالہ پانی کا لایا جاتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست اقدس اس میں داخل کرتے۔ اس کے بعد ان کو دیا جاتا تاکہ وہ اپنا ہاتھ اس میں ڈالیں۔ مگر صحیح یہی ہے کہ زبان سے تھی۔ جیسا کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں صراحت سے آیا ہے عورتوں سے بیعت لینے کے بارے میں یہ آیہ کریمہ بیان فرمائی ہے کہ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ. اے نبی جب آپ کے

پاس ایماندار عورتیں اس پر بیعت کرنے آئیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو نہ شریک کریں گی اور نہ چوری کریں گی۔

مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو قتل کرنے سے منع فرمایا اور ان کے ساتھ لطف و احسان فرمایا تو انصار نے غیرت کھائی اور بعض انصار کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم اور اپنے خاندان کی طرف مائل ہو گئے اور ان کے ساتھ مہربانی و کرم کا سلوک فرمایا اب ہمیں تنہا چھوڑ دینگے اور ان کی جانب اور اپنے شہر تشریف لے آئیں گے۔ حالانکہ انصار کا گمان یہ تھا کہ چونکہ قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ایذا و آزار پہنچائے ہیں، قتل و غارت، عداوت و دشمنی کا مظاہرہ کیا ہے اس لیے ان کے اعمال کا بدلہ وانتقام لیں گے اور ایک سرے سے ان سب کا قتل عام فرمائیں گے۔ جیسا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کا قول پہلے گزر چکا ہے مگر انہوں نے اتنا نہیں سمجھا کہ رحمتہ للعالمین اور ہادی الضالین یعنی گمراہوں کو راہ ہدایت دکھانے والے بھی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اہل جہاں کی ہدایت و رہنمائی ہے انتقام و بدلہ لینا تو دنیاوی بادشاہوں کا کام ہے۔ انصار اسی گفتگو میں تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آثار وحی نمودار ہوئے جب متجلی ہوئے تو انصار سے فرمایا کہ تم ایسا ایسا کہتے ہو۔ انہوں نے اعتراف کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حاشا و کلا۔ میں ایسا کروں۔ میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں حکم الٰہی سے میں نے تمہاری طرف ہجرت کی۔ میری زندگی تمہارے ساتھ ہے اور میری ممات بھی تمہارے ساتھ ہے۔ انصار رو کر عرض کرنے لگے واللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے یہ بات کسی بدگمانی سے نہیں کہی تھی بلکہ اس انتہائی محبت اور قلبی لگاؤ سے کہی تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب دوسروں کے ہو جائیں گے اور ہمیں چھوڑ دیں گے۔ چونکہ اس قوم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نزاع وجدال اور حرب و قتال، اعلائے کلمہء اسلام اور اظہار دین کے لیے تھا۔ دنیاوی جاہ و چشم مطمح نظر نہ تھا۔ جب یہ بات حاصل ہو گئی تو انتقام کس لیے لیتے۔

فتح مکہ کے دوسرے دن بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا ''اے لوگو! بلا شک و شبہ حق تعالیٰ نے جب سے آسمان و زمین پیدا ہوئے ہیں مکہ مکرمہ کو حرام قرار دے دیا ہے۔ یہ اس کی قدیمی حرمت کی طرف اشارہ ہے اور اسی طرح اس کی حرمت قیامت تک رہے گی۔ کسی بندۂ مومن کے لیے جو خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو حلال نہیں ہے کہ وہ مکہ میں خون بہائے، درخت اکھیڑے اور گھاس توڑے اور اگر کوئی رخصت چاہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتال سے تمسک و استدلال کرے یعنی وہ کہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی تھی اور وہ تمہیں اجازت نہیں دیتا اور نہ تمہارے لیے حلال کرتا ہے جس طرح مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ ہوا اسی طرح میرے بعد بھی ہے اور مجھ پر بھی صرف ایک دن کی ایک گھڑی کے لیے حلال ہوا تھا اس کے بعد اس کی حرمت اپنے حال پہ لوٹ آئی ہے۔ جیسا کہ پہلے حرام تھا۔ یہ بات اس لیے فرمائی کہ جند بن ادلع ہذلی مکہ میں آیا اور خراش بن امیہ کعبی خزاعی نے اسے قتل کر دیا۔ جب اس کی خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور اس پر زجر کیا اور فرمایا قتل سے اپنے ہاتھ کو روک لو اور اس شخص سے جس نے قتل کیا تھا حکم دیا کہ وہ اس کی دیت ادا کرے۔ اس کے بعد اگر کوئی کسی کو قتل کرے تو مقتول کے ورثا کو قصاص دیت کے درمیان اختیار ہے۔ اس پر خزاعہ نے سو اونٹ اس مرد کے دیت میں دیئے گویا یہ قتل بالشبہ تھا کہ قاتل نے اس قتل کو حلال اعتقاد کیا تھا۔

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال نہ فرمایا اور جو قتال واقع ہوا وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے نہ تھا اور بعد از وقوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب فرمایا تھا۔ لیکن اس کی ابتداء قریش کے اوباش لوگوں کی طرف سے ہوئی تھی تو اپنی مدافعت کے لیے اشارۃً اجازت بھی دے دی تھی اور یہ جنگ ایک گھڑی سے زیادہ

نہ تھی۔ اسی بناء پر علماء کا اختلاف واقع ہوا ہے کہ فتح مکہ غلبہ جنگ سے ہوئی یا امن وصلح سے۔ جو لوگ امن وصلح کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ''مرالظہر ان'' میں امن دیدی تھی اور ان کے گھروں اور جائے امن کی نشاندہی فرمادی تھی اور یہ کہ اموال غنیمت کو ان میں تقسیم نہیں کیا گیا۔ (واللہ اعلم)

مجرمین کا قتل اور بعض کی معافی: وصل: اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو امن دے دی تھی اور ان کے قتل کی ممانعت فرمادی تھی لیکن ایک جماعت کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دے دیا اور ان کے خون بہانے کی اجازت دی اور حکم دیا کہ حل وحرم میں جہاں پائے جائیں قتل کر دیئے جائیں۔ لیکن بعض کے قتل سے نجات پائی۔ ایسے لوگ مردوں میں گیارہ اور عورتوں میں چھ تھے۔ مردوں میں سے چار قتل کیے گئے اور سات مامون رہے۔ مواہب میں ہے کہ عورتوں میں سے چار عورتیں ماری گئیں اور ایک میں اختلاف ہے اور دو مامون رہیں۔ اب ایسے تمام مردوں اور عورتوں کا ذکر کرتے ہیں تا کہ حقیقت حال ظاہر ہو جائے۔

ابن خطل کا قتل: ان میں سے ایک ابن خطل ہے۔ اس کا نام جاہلیت میں عبدالعزیٰ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ بعض لوگ بلال نام بتاتے ہیں جو کہ مشتبہ وملتبس ہے کیوں کہ اس کے بھائی کا نام بلال ابن خطل تھا۔ اس کا قصہ یہ ہے وہ فتح مکہ سے پہلے مدینہ منورہ آیا اور مسلمان ہوا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بعض قبیلوں کی طرف بھیجا اس کے ساتھ ایک انصاری شخص تھا اس کے ساتھ ایک خزاعی مسلمان خدمت گاری میں تھا۔ وہ ایک منزل میں اترا اور اس خزاعی کو حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کر کے اس کے لیے کھانا تیار کرے اور خود سو گیا۔ اس خزاعی نے بھی خدمت میں کوتاہی کی وہ بھی سو گیا اور کھانا تیار نہ کیا۔ جب دیکھا کہ کھانا تیار نہیں ہوا ہے تو غصہ میں آ کر خزاعی کو قتل کر دیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر میں مدینہ گیا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ سے قصاص لیں گے۔ اس پر وہ مرتد ہو گیا اور صدقہ کے جانوروں کو لیکر اہل مکہ سے جاملا اور ان سے کہا کہ تمہارے دین کو میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے بہتر پایا ہے۔

اہل سیر کہتے کہ اس کی دو باندیاں تھی جو اس کے آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں گاتی تھیں۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اس نے خانہ کعبہ میں پناہ لی اور غلاف کعبہ سے لپٹ گیا۔ جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طواف فرمارہے تھے کسی صحابی نے اسے دیکھا اور عرض کیا ''یا رسول اللہ! یہ ابن خطل ہے اور غلاف کعبہ سے لپٹا ہوا ہے؟ فرمایا ''جہاں ہو قتل کر دو۔ تو فرمان کے بموجب وہیں قتل کر دیا گیا۔ اس کے قاتلوں میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس طرف سعید بن حریث رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بڑھے اور سعید رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر قتل کر دیا کیوں کہ سعید رضی اللہ عنہ عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ جوان تھے (الحدیث) اور ابن ابی شیبہ سے برداشتا ابو عثمان نہدی سے نقل کیا ہے کہ ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے حال میں قتل کیا کہ وہ غلاف کعبہ سے لپٹا ہوا تھا۔

یہ روایت تعیین قاتل میں دیگر روایتوں سے زیادہ صحیح ہے اور دیگر روایتوں کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ وہ قتل کرنے کے ارادہ سے آگے بڑھے تھے لیکن ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا تھا اور ابن ہشام نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے کہ سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے قتل میں شریک تھے جیسا کہ مواہب لدینہ میں ہے۔

عبداللہ بن ابی السرح: دوسرا شخص عبداللہ بن ابی السرح تھا۔ جب اس کے قتل کا حکم ہوا تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چھپ گیا۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رضاعی بھائی تھا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا کر دیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! عبداللہ بن السرح بیعت کے لیے حاضر ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور اس کی جانب نظر فرمائی اور کچھ

نہ فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیسری مرتبہ عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیعت سے انکار فرمایا اور صحابہ کرام کی طرف رخ پھیر کر فرمایا ''کیا تم میں کوئی ایسا مرد رشید نہیں ہے کہ وہ کھڑا ہوتا جبکہ میں نے اس کی بیعت سے انکار کیا تھا' اسے قتل کر دیتا؟ اس پر صحابہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کیا معلوم کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک میں کیا ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اشارہ فرماتے تو ہم اسے قتل کر دیتے''۔ فرمایا ''کسی خدا کے نبی کو سزاوار نہیں ہے کہ ''خَـائِـنَةَ الْاَعْيُنِ'' یعنی آنکھ کا اشارہ کرے' آخر حدیث تک۔ مواہب لدینہ میں اتنا ہی مذکورہ ہے اور یہ عبداللہ بن ابی السراح ان چار شخصوں میں لایا گیا جن چار شخصوں کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ نے فرمایا! میں ان کو امان نہیں دوں گا خواہ وہ حرم میں ہوں یا حل میں اور معلوم نہیں کہ آخر حدیث میں جو لفظ ''الحدیث'' ہے اس سے کیا اشارہ مراد ہے اور اس کا پورا قصہ کیا ہے وہی ہے جو سیر کی کتابوں میں مذکور ہے یا کچھ اور؟

بحرحال روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ میں جو قصہ بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ شروع میں ایمان لایا۔ چونکہ لکھنا جانتا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کاتب وحی قرار دیا اور قرآن کریم کی کتابت میں اس سے خیانت اور تبدیل کلمات سرزد ہوئی۔ مثلاً بجائے عزیز حکیم کے علیم لکھ دیتا یہاں تک کہ اس سے یہ بات سرزد ہوئی کہ وہ کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں جانتا کہ کیا لکھتے ہیں اور میں جو کچھ بولتا ہوں وہی لکھ دیتا ہوں بلکہ جس طرح ان پر وحی آتی ہے مجھ پر بھی آتی ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی خیانت سے باخبر ہوئے تو وہ مدینہ میں نہ ٹھہر سکا اور مکہ مکرمہ بھاگ گیا اور فتح مکہ کے دن امیر المومنین سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کو اپنا شفیع بنایا اور ان سے کہا میں آپ کی پناہ لیتا ہوں میرے لیے امان لیجئے اور میرا خون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاف کرا دیجئے۔ کیونکہ میرا جرم بہت بڑا ہے اور میں اب اس سے تو شرمندہ ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چند دن کے بعد اسے بارگاہ نبوت میں لے گئے اور اس کی ماں کے حقوق جو ان پر تھے بیان کر کے بہت کچھ سفارش کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے امان دیدیں۔ حضور کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جواب میں کچھ نہ فرمایا۔ بہت کچھ مبالغہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو بوسہ دیا اور آغوش مبارک میں پڑ کر تضرع وزاری کی اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عبداللہ کو امان دیدیجئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے امان دیدی''۔

ارباب سیر بیان کہتے ہیں کہ عبداللہ اگرچہ ایمان لے آیا تھا اور امان پائی تھی لیکن جب بھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا شرمندگی سے منہ چھپا کر ہٹ جاتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا رضاعی بھائی جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے بھاگ جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متبسم ہو کر فرمایا ''میں نے اسے امان دیدی ہے''۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا! بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امان عنایت فرمادی لیکن جب بھی اسے اپنا جرم عظیم یاد آتا ہے شرمندہ ہو جاتا ہے اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر شریف کی تاب نہیں لاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اَلْاِسْلَامُ يَـمْـحُوْ مَـا كَـانَ قَبْلَهٗ** اسلام ماقبل کے تمام جرموں کو مٹا دیتا ہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ بن ابی السرح سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا تو اس کے بعد لوگ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو آتے تو وہ ان کے درمیان شامل ہو کر سلام عرض کرتا۔

عکرمہ بن ابوجہل کی معافی اور اسلام: تیسرا شخص عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ یہ شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی میں بہت شہرت رکھتا تھا اور کیوں نہ ہوتا کہ ابوجہل ملعون کا بیٹا تھا اور وہ شناخت میں اپنے ملعون باپ کا وارث و جانشین تھا اور تمام غزوات میں ان اشقیاء کا سردار و سرکردہ تھا چونکہ سعادت کا حصہ آخر میں اس کے نام کے ساتھ لکھا ہوا تھا بالآخر اس کا ظہور رہا۔

علامہ سیوطی ''جمع الجوامع میں ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ خواب میں جنت میں داخل ہوئے انگور کا خوشہ یا کھجور کا خوشہ آپ کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ یہ خوشہ ابوجہل کی طرف سے ہے''۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ابوجہل کو جنت سے کیا نسبت۔اس بات کی تاویل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بالفعل ظاہر نہ ہوئی۔جب مکہ فتح ہوا اور عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابوجہل زمرۂ اسلام میں داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ اس خواب کی تعبیر یہ تھی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ روز فتح ایک صحابی عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔جب اس کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو تبسم فرمایا۔صحابہ نے متبسم ہونے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا ''عالم غیب میں میں ایسا دیکھ رہا ہوں کہ یہ مقتول اپنے قاتل عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہاتھ ڈالے دونوں جنت میں ٹہل رہے ہیں۔

عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کا قصہ طویل ہے۔ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو عکرمہ خوف کی وجہ سے وہاں نہ ٹھہر سکا۔جب اس نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو مباح قرار دیا ہے تو وہ بھاگ کر ساحل کی طرف چلا گیا اور کشتی میں سوار ہو کر یمن کی طرف چل دیا اچانک سمندر میں طغیانی آ گئی۔تمام کشتی والے بارگاہِ الٰہی میں تضرع وزاری کرنے لگے۔لوگوں نے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے بھی کہا کہ ''تم بھی خدا کو یاد کرو اس نے کہا اس خدا کو جس کی طرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں بلاتے ہیں۔جس سے میں بھاگتا ہوں''۔کہتے ہیں کہ اس کی نظر کشتی کے ایک تختہ پر پڑی جس پر لکھا ہوا دیکھا کہ ''كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ'' تیری قوم نے اسے جھٹلایا حالانکہ وہ حق ہے۔اسے مٹانے والا ساتھ تھا ہر چند چاہا کہ ان حروف کو مٹائے اور اسے چھیلے مگر نہ چھیل سکا۔اس پر اس کے دل میں ایک ہل چل پیدا ہوئی۔اس کی بیوی ام حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حارث بن ہشام برادر ابوجہل مسلمان ہو کر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے امان لے کر اس جستجو وتلاش میں نکلی ہوئی تھی۔جب وہ اس کے پاس پہنچی تو اس سے کہا ''اے میرے چچا کے بیٹے! میں خلائق میں سب سے زیادہ کریم اور لوگوں میں سب سے زیادہ رحمدل کے پاس سے آئی ہوں اٹھ اور چل کہ میں نے تمہارے لیے امان لے لی ہے۔جب امان کی خبر اس نے سنی تو وہ حیران ومتعجب ہو کر کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان تمام ایذاؤں کے باوجود جو مجھ سے انہیں پہنچتی ہیں' مجھے امان دیدی ہے؟ ام حکیم رضی اللہ عنہا نے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے زیادہ کریم ہیں جتنی کہ تعریف کی جائے۔اس کے بعد عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی کے ساتھ لوٹے جب مکہ کے قریب پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مومن ہو کر آ رہا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا ''خبردار! ان کے والد کو دشنام نہ دینا تاکہ اسے ایذا نہ پہنچے۔پھر عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے دروازہ پر آئے ان کی بیوی نے اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا کر خیمہ میں داخل ہونے کی اجازت مانگی اور عرض کیا میں عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لائی ہوں کیا حکم ہے؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے اس حال میں اٹھے کہ آپ کے دوش مبارک سے چادر شریف گر پڑی اور انتہائی خوشی ومسرت کے ساتھ آگے بڑھے اور فرمایا آ جاؤ۔جب وہ داخل ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پڑی تو فرمایا: ''مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ'' سوار ہو کر ہجرت کرنے والے تمہارا آنا خوشی کا موجب ہے؛ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور عکرمہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے رہے اور عرض کیا ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ میری بیوی کہتی ہے کہ آپ نے مجھے امان دیدی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں میں نے امان دیدی ہے۔عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّكَ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ. اس وقت انتہائی شرمساری سے اپنے سر کو جھکا کر عرض کرنے لگے ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ آپ سب سے زیادہ کریم' سب سے زیادہ راست گو اور سب سے زیادہ وفادار

ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے مانگ جو مانگنا چاہے اگر میری قدرت میں ہوا تو عطا فرماؤں گا۔ عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہر وہ دشمنی جو میں آپ کے ساتھ کر سکتا تھا میں نے کی ہے اور ہر وہ اقدام جو اہل شرک کی تقویت اور آپ کی دشمنی میں ممکن تھا میں نے کیا اور ہر وہ بے ادبی و گستاخی جو آپ کے ساتھ ہو سکتی تھی مجھ سے سرزد ہوئی ہے اور ہر وہ بات جو آپ کی غیبت اور برائی میں کہی جا سکتی ہے میں نے کہی ہے۔ اب دعا فرمایئے کہ حق تعالیٰ مجھے معاف فرما دے اور مجھے بخش دے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس دعا کے لیے اٹھایا اور جو کچھ عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا اس کی معافی مانگی۔ عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جتنا روپیہ پیسہ اور سونا چاندی زمانہء جاہلیت میں بندگان خدا کو راہ حق سے برگشتہ کرنے میں میں نے خرچ کیا ہے۔ میری تمنا ہے کہ اتنا ہی راہ حق میں صرف کروں اور جتنی جنگ خدا کے محبوبوں کے ساتھ لڑی ہے اس سے دوگنی جنگ اب میں اس کے دشمنوں کے ساتھ لڑوں۔ اس کے بعد حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار کے ساتھ ہر اس عہدو دوستی کو جو وہ رکھتے تھے توڑ دیا اور دین کی تقویت اور راہ خدا میں جہاد کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں غزوۂ اجنادین میں شہید ہوئے سبحان اللہ! ابوجہل لعین کا بیٹا ایسا صاحب ایمان ویقین ہوا! یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ مردے سے زندہ کو نکالتا ہے' کے معنے صادق ہوئے۔ یہ سب خدا کی ہی توفیق و مدد سے ہے۔

<u>صفوان بن امیہ کا حال</u>: چوتھا شخص صفوان بن امیہ جو کفار قریش کا سربراہ اور اپنی قوم کا بڑا شخص تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت و مخالفت میں سخت و شدید تھا۔ جب سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روز فتح اس کے خون کا بہانا مباح قرار دیا ہے تو وہ بھاگ گیا اور ارادہ کیا کہ دریا کے راستہ سے کہیں نکل جائے۔ عمیر رضی اللہ عنہ بن وہب جمحی کے لیے مقربوں اور مخلصوں میں سے تھے انہوں نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر کے اس کے لیے امان چاہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عرض والتماس کو قبول فرما کے دو مہینہ کی امان صفوان کو دیدی۔ اس کے بعد حضرت عمیر رضی اللہ علیہ وسلم صفوان کے پیچھے گئے اور اس کے کان کو یہ مژدہ سنایا۔ صفوان نے جب اپنے حال پہ نظر ڈالی اور اپنے قبیح افعال کو دیکھا تو اس نے تعجب کیا اور کہنے لگا خدا کی قسم میں اس وقت تک نہ لوٹوں گا جب تک کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے میرے لیے امن کی کوئی نشانی نہ لاؤ۔ تاکہ مجھے اعتماد وثوق حاصل ہو۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! صفوان چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جودوکرم سے دور رہا ہے اسے یقین نہیں آتا اور اس وقت تک آنا نہیں چاہتا جب تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نشانی نہ عطا فرمائیں''۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عمامہ شریف ایک روایت میں ہے کہ اپنی چادر مبارک ان کو مرحمت فرمائی کہ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' صفوان کو پہنچائیں اس کے بعد لوٹ کر آیا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ عمیر رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا ہے کہ میرے لیے دو ماہ کی امان ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں تجھے چار ماہ کی امان دیتا ہوں۔ صفوان پھر بھی اسلام لانے میں متردد ومتوقف رہا اور شرک کے باوجود غزوۂ حسنین وطائف میں رکاب ہمایوں میں رہا۔

اس وقت اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص عنایتیں اور انعام واکرام ہوئے تو وہ اسلام لایا اور ''مؤلفتہ القلوب'' میں شامل ہوا۔ ایسے لوگوں کا ذکر حنین کے غنائم کی تقسیم میں انشاء اللہ آئے گا۔

<u>حویرث بن نقید کا حال</u>: پانچواں شخص حویرث (بصیغہ تصغیر) بن نقید (بصیغہ تصغیر) تھا یہ شقی شاعر تھا اور بارگاہِ رسالت کی بڑی ہجو کیا کرتا تھا۔ روز فتح جب اپنا مباح الدم ہونا سنا تو گھر میں بیٹھ گیا اور گھر کے دروازہ کو بند کر لیا۔ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اس کے گھر آکر اسے تلاش کیا۔ لوگوں نے کہا صحرا چلا گیا ہے۔ حویرث نے جب جانا کہ حضرت علی المرتضیٰ اس کی طلب میں آئے ہیں تو ٹھہر رہا

یہاں تک کہ علی المرتضٰی اس کے گھر سے دور چلے گئے تو وہ گھر سے نکلا اور چاہا کہ کسی دوسرے گھر جا چھپے۔ حضرت علی المرتضٰی کو وہ ایک کوچہ میں مل گیا اور اس کی گردن اڑا دی۔

اگر کوئی یہ کہے کہ حکم تو ایسا دیا گیا تھا کہ جو گھر میں بیٹھ رہے اور اپنے دروازے کو بند کر لے تو وہ مامون ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ حکم اعیان قریش کے ساتھ مخصوص ہو اور وہ چونکہ ان میں سے نہ تھا نیز وہ گھر سے باہر نکل آیا تھا اس لیے وہ اس حکم سے خارج ہو گیا تھا۔ نیز ان لوگوں کے خون بہانے کا حکم زیادہ تر فتح مکہ سے پہلے ہی سے تھا اور یہی ظاہر ہے۔ اس لیے کہ ان کے جرم و گناہ جو موجب مباح الدم ہوئے پہلے سے تھے۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تھے۔

مقیس بن صبابہ کا حال: چھٹا شخص (بکسر میم وسکون قاف وفتح یا) بن صبابہ (بضم صاد) تھا اس کا جرم یہ تھا کہ اس کا بھائی ہشام بن صبابہ مدینہ میں آیا اور مسلمان ہوا۔ غزوۂ مریسیع میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک انصاری بنی عمرو بن عوف میں سے تھے انہوں نے گمان کیا کہ وہ یعنی ہشام بن صبابہ مشرک ہے خطا میں اسے قتل کر دیا۔ اس کا بھائی مقیس مدینہ آیا اور بھائی کا خوں بہا طلب کیا چونکہ وہ خطا میں مارا گیا تھا حکم فرمایا کہ انصار اس کی دیت مقیس کو دیں۔ مقیس دیت لے کر مسلمان ہو گیا۔ دیت لینے کے باوجود اس نے انصاری پر حملہ کر کے شہید کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ لوٹ گیا۔ روز فتح وہ مشرکوں کی ایک جماعت کے ساتھ کسی گوشہ میں شراب پینے میں مشغول تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کا حکم فرمایا اس پر تمیلہ بن عبداللہ لیثی اس کی خبر پا کر گئے تھے اور اسے اسے قتل کر دیا۔

ہبار بن الاسود کا حال: ساتواں شخص ہبار (بفتح ہا وتشدید با) بن الاسود تھا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ایذائیں پہنچائیں تھیں منجملہ ایک حرکت شنیعہ اس کی یہ تھی کہ ابوالعاص بن الربیع، شوہر سیّدہ زینب بنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے قیدی ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر احسان فرماتے ہوئے اس وعدہ پر مکہ بھیجا تھا کہ جب مکہ پہنچ جائیں تو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روانہ کر دیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام ابورافع رضی اللہ عنہ کو اور سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہا کو بھیجا تا کہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ طیبہ لے آئیں۔ جب وہ مکہ پہنچے تو ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہودج تیار کر کے اس میں سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بٹھا دیا اور مدینہ طیبہ روانہ کر دیا۔ پھر جب ہبار بن الاسود کو اس کا پتہ چلا تو چند قریش کے اوباش لوگوں کو ساتھ لے کر ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور ایک نیزہ سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر مارا وہ اونٹ سے ایک بڑے پتھر پر گر پڑیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا' وہ بیمار ہو گئیں اور اسی بیماری میں ان کی وفات ہو گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اس شنیع حرکت پر بہت غصہ تھا اور اس کا خون بہانا مباح قرار دیدیا۔ ایک مرتبہ ایک لشکر کو مکہ مکرمہ کے اطراف میں بھیجا اور اہل لشکر کو حکم دیا کہ اگر تم ہبار کو پاؤ تو اسے جلا دینا اس کے بعد فرمایا: ''اِنَّمَا یُعَذِّبُ بِالنَّارِ رَبُّ النَّارِ'' آگ کا عذاب خدا ہی دے سکتا ہے' اگر اسے پاؤ تو ہاتھ پاؤں کاٹ کر قتل کر دینا مگر وہ ہاتھ نہ آیا چونکہ وہ مکہ میں تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو اسے بہت تلاش کیا گیا مگر ہاتھ نہ آیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے تو ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس صحابہ میں تشریف فرما تھے کہ یہ ناگہاں نمودار ہوا اور زور سے کہنے لگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اسلام کا اقرار کرتا ہوا حاضر ہوا ہوں بلاشبہ میں اس سے پہلے ذلیل وگمراہ تھا اب حق تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت دی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں آپ کی نظر میں شرمسار اور گناہگار ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک جھکا لیا اور اس کی معذرت خواہی پر حیا فرمائی کہ اس پر عتاب فرمائیں۔ اس کا اسلام قبول کرتے ہوئے فرمایا ''اے ہبار! میں نے تجھے معاف کیا اور اسلام تمام

جرموں کو ختم کر دیتا ہے اور گزشتہ گناہوں کو بنیادوں کی فنا کر دیتا ہے۔

حارث بن طلا طلا کا حال: آٹھواں شخص حارث بن طلا طلا تھا یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے والوں میں سے تھا فتح مکہ کے دن سیدنا علی المرتضیٰ نے اس پر قابو پا کر قتل کیا۔

کعب بن زہیر کا حال: نواں شخص کعب بن زہیر تھا۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا تھا اور روز فتح بھاگ گیا تھا اس کے بعد وہ اپنے بھائی بحر بن زہیر کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلے اس نے اپنے بھائی کو بھیجا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ایمان کو قبول فرمالیں گے اور اس کے خون کو معاف فرمادیں گے؟ چنانچہ بحر آیا اور شرف اسلام سے مشرف ہوا اور کعب کو خبر پہنچائی کہ آ جائے اور مسلمان ہو جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیرے گناہ کو معاف فرمادیں گے۔ وہ اسی وقت دوڑتا ہوا خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور یہ قصیدہ انشاء کیا قصیدہ بَانَتْ سَعَادُ فَقَلْبِیْ الْیَوْمَ مَتْبُوْلٌ میری محبوبہ جس کا نام سعادہ وہ مجھ سے جدا ہوئی آج میرا دل مبتلا ہے اور یہاں تک اس نے کہا کہ: اِنَّ الرَّسُوْلَ لَسَیْفٌ یُسْتَضَاءُ بِہٖ بیشک رسول ایسی شمشیر ہے جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ مُھَنَّدٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلٌ اللہ کی تلواروں میں سے تیز دھار والی وہ تلوار کاٹنے والی''۔ نُبِّئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَدَنِیْ. مجھے خبر ملی ہے کہ اللہ کے رسول نے معافی کا مجھ سے وعدہ فرمایا۔ وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَامُوْلٌ اور اللہ کے رسول کا معاف فرمانا آپ کی خصلت کریمہ ہے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا سنو یہ کیا کہتا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت خوش ہوئے اور اپنی چادر مبارک بطور انعام اسے پہنائی۔ یہ مانا کہ کعب بن زبیر کا اسلام لانا ہجرت کے نویں سال میں ہے لیکن اس کا ذکر آٹھویں سال میں فتح مکہ کے زمانہ میں مباح الدم قرار دینے والوں کے زمرے میں کیا گیا چونکہ توبہ پر ابھارنے والا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے پر آمادہ کرنے والا واقعہ اسی آٹھویں سال اور فتح مکہ کے ضمن میں ہے اس لیے یہاں ذکر کیا گیا۔ روضۃ الاحباب میں اسی سال میں اتنا ذکر کیا گیا ہے نویں سال میں اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ ہم بیان کریں گے۔

وحشی قاتل حمزہ کا حال: دسواں شخص وحشی سیّد الشہداء حضرت حمزہ بن المطلب رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے۔ تمام مسلمان اس کے قتل کرنے کے بہت درپے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم بھی فرمادیا تھا مگر وہ طائف چلا گیا اور وہیں رہنے لگا تھا یہاں تک کہ جس زمانہ میں طائف کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جارہا تھا تو لوگوں نے کہا تو بھی وفد کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ جا۔ کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قاصدوں کو قتل نہیں کرتے ہیں تو ان کے ساتھ چلا جا اور ایمان لے آ۔ اس پر وہ ان کے ہمراہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا ''اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ''، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا تو وحشی نہیں ہے؟'' اس نے کہا ''ہاں میں وحشی ہوں'' .... فرمایا ''بیٹھ جا اور مجھے بتا کہ میرے چچا کو تو نے کس طرح شہید کیا ہے۔ اس کے بعد اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی پوری کیفیت بیان کی' پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرے سامنے نہ آنا اور اپنا چہرہ مجھے نہ دکھانا''۔ وحشی کہتے ہیں کہ جب بھی میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتا تو میں سامنے نہ آتا اور بھاگ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پس پشت بیٹھ جاتا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب سے جنگ ہوئی تو میں بھی لشکر اسلام کے ساتھ اس جنگ میں چلا گیا اور وہی حربہ یعنی خنجر کا وار جس سے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تھا میں نے مسیلمہ کذاب پر پھینکا چنانچہ حربہ اس کی پشت سے باہر نکل گیا۔ اس کے بعد ایک انصاری شخص آیا اس نے تلوار سے اس پر حملہ کیا میں نہیں جانتا کہ وہ میرے حربہ کی ضرب سے مارا گیا یا اس کی تلوار کے زخم سے۔ لیکن میں نے ایک عورت

کو ایک چھت کے اوپر سے یہ کہتے سنا کہ ایک سیاہ رو غلام نے مسیلمہ کو ہلاک کر دیا۔ منقول ہے کہ وحشی کہا کرتے تھے کہ ''قَتَلْتُ خَیْرَ النَّاسِ فِی الْجَاھِلِیَّةِ وَقَتَلْتُ شَرَّ النَّاسِ فِی الْاِسْلَامِ میں نے زمانہ جاہلیت میں سب سے بہتر شخص کو قتل کیا اور زمانہء اسلام میں سب سے بدتر شخص کو قتل کیا''۔ غزوۂ احد کے بیان میں گزر چکا ہے کہ ایک جماعت اس کے دیکھنے کے لیے گئی تھی تا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید کرنے کی کیفیت اس سے سنیں۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک گوشہ میں بھری مشک کی مانند کسی درد میں مبتلا بدصورت پڑا ہے۔ پھر وحشی نے ان سے وہ کیفیت بیان کی بعض سیر کی کتابوں میں بارگاہِ رسالت میں وحشی کے آنے کو اس انداز سے نقل کیا ہے جو اثر سے خالی نہیں ہے۔ اور اسے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وحشی آیا اور اس نے کہا کہ میں حاضر ہوا ہوں اور مجھے امان دیجیے تا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا کے کلام کو سنوں۔ کیوں کہ اس میں میری مغفرت اور نجات ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں پسند کرتا تھا کہ تجھ پر میری نظر اس طرح پڑتی کہ تو امان کا مانگنے والا نہ ہوتا۔ مطلب یہ کہ میں تجھے قتل کا حکم دیتا لیکن اب جبکہ تو نے امان مانگی ہے تو میں تجھے امان دیتا ہوں تا کہ تو خدا کا کلام سنے۔ اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا یُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُھَانًا o

اور وہ لوگ جو عبادت میں اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک نہیں کرتے اور نہ کسی ایسی جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور زنا نہیں کرتے اور جو ایسا کرے وہ گنہگار ہو کر ملے گا اور اس کے لیے قیامت میں دونا عذاب ہو اور اس میں وہ ہمیشہ ذلیل وخوار رہے گا۔

وحشی نے کہا میں شرک میں مبتلا رہا ہوں اور میں نے ناحق خون بھی کیا ہے اور زنا کا بھی مرتکب ہوا ہوں۔ کیا ان حالتوں کے ساتھ حق تعالیٰ مجھے بخشش دے گا؟ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور کچھ نہ فرمایا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا

مگر جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل کیئے تو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جن کے گناہوں کو نیکی سے بدل دیتا ہے اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

وحشی نے کہا اس آیت میں شرط کی گئی ہے کہ گناہوں سے مغفرت اسے حاصل ہوگی جو گناہوں کے بعد توبہ کرلے اور اس سے عمل صالح وجود میں آئیں ممکن ہے کہ مجھ سے وجود میں نہ آئے میں تو آپ کے زیر سایہ ہوں۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ. بیشک اللہ اسے نہیں بخشتا جو اس کے ساتھ شرک کرے اس کے ماسوا جس کو چاہے بخش دے؛ وحشی نے کہا۔ ''اس آیت میں مغفرت مشیت الٰہی کے ساتھ وابستہ ہے۔ ممکن ہے کہ میں ان لوگوں میں ہوں جن کے ساتھ حق تعالیٰ کی مشیت مغفرت میں وابستہ نہ ہو۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ رَّحِیْمُo

اے محبوب! فرمادو اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بیشک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

وحشی نے کہا ''اب میں کوئی قید اور شرط نہیں دیکھتا اور اسی وقت مسلمان ہوگیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ بندوں کے تمام

گناہوں کو بخش دیتا ہے بغیر قید مشیت اور شرط توبہ کے اگر چہ شرک ہو لیکن مذہب یہ ہے کہ یہ بات واضح ہے کہ آخرت میں عذاب کا ہونا بحکم نص قرآن وحدیث متحقق الوقوع ہے۔ اگر کوئی کہے کہ بعد از وقوع جزا وعقاب وعذاب بالآخر عفو ورحمت ومغفرت ظہور میں آئے گی اور یہ بات خلود وابدیت کے منافی ہے کیوں کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: "خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا" وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے (واللہ اعلم)

عبداللہ بن الزبعری کا حال: گیارہواں شخص عبداللہ بن الزبعری، شعرائے عرب میں سے تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ہجو کیا کرتا تھا اور مشرکوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارا کرتا تھا۔ روز فتح جب اس نے سنا کہ خون کا بہانا لازم قرار دیدیا گیا ہے تو وہ بھاگ گیا اور یمن کے علاقہ میں نجران بن زید سبا کے مقام پر چلا گیا۔ کچھ عرصہ وہاں رہا اور اپنی جاہلیت کی حرکتوں سے پشیمان ہوا اور نور اسلام اس کے دل میں جگمگایا تو اس نے سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دور سے آتا دیکھا تو فرمایا یہ ابن زبعری ہے جس کے چہرے پر نور اسلام جگمگا رہا ہے۔ ابن زبعری قریب پہنچا تو اس نے کہا السلام علیکم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس خدائے وحدہ لاشریک کی حمد وثنا ہے جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے قصور بہت ہیں اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ بڑی بے ادبیاں کی ہیں اب میں ان سب سے پشیمان ہوں۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَاكَ اِلَی الْاِسْلَامِ. اس خدا کی حمد وثنا ہے جس نے تجھے اسلام کی ہدایت دی۔ واضح رہنا چاہیے کہ اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ کتب کلامیہ میں منقول ہے کہ جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی کہ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ. (جو کچھ تم خدا کے سوا پوجتے ہو وہ سب جہنم کے ایندھن ہیں) اس پر ابن زبعری نے کہا تھا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پوجتے ہیں وہ بھی (معاذ اللہ) جہنم میں ہوں گے۔ جب وہ جہنم میں ہوں گے تو ہمارے معبود بھی جہنم میں ہوں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَيْلَكَ مَا اَجْهَلَكَ بِلِسَانِ قَوْمِكَ. خرابی ہو تیری تو اپنی قوم کی زبان سے کتنا جاہل ہے۔ اس میں کلمہ "ما" کی طرف اشارہ ہے جو غیر ذوی العقول کے لیے ہے جس طرح کہ نحو کی کتابوں میں مسلمہ قاعدہ ہے۔ اسی بناء پر وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا. جیسے اقوال الٰہیہ میں تاویل کرتے ہیں اب رہی وہ عورتیں جن کے قتل کا حکم روز فتح مکہ صادر فرمایا گیا وہ چھ ہیں ان میں سے کچھ مامون ہوئیں اور کچھ مقتول ہوئیں۔

ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا حال: پہلی عورت ہند بنت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ابوسفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھی۔ اس کا قصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے کے بارے میں مشہور ومعروف ہے خصوصاً روز احد اس نے سیّد الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مثلہ کیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ بعد فتح جس وقت عورتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لیے آئیں تو یہ بھی اپنے منہ پر نقاب ڈال کر ان کے درمیان آئی اور مسلمان ہوگئی۔ اس کے بعد اس نے منہ سے نقاب اٹھا کر کہا "میں ہند رضی اللہ عنہا بنت عتبہ ہوں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب مسلمان ہو کر آئی ہوں تو اچھا ہوا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیۂ بیعت تلاوت فرمائی جس میں واقع ہے کہ "وَلَا يَسْرِقْنَ" (چوری نہ کریں) تو ہند رضی تعالیٰ اللہ عنہا نے کہا "یا رسول اللہ! ابوسفیان رضی اللہ عنہ خرچ دینے میں بخیل وکنجوس شخص ہے۔ اگر اس کے مال میں سے اتنا لے لوں جو بچوں کے خرچ کے لیے ضروری ہے تو جائز ہوگا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس قدر مال لے سکتی ہے جس سے بچوں کی جائز ضرورتیں پوری ہوسکیں۔ جب

فرمایا "وَلَا یَزْنِیْنَ" اور زنا نہ کریں تو ہند نے کہا "هَلْ تَزْنِی الْحُرَّةُ" کیا آزاد عورت زنا کرتی ہے؟ اس نے زنا سے اپنی پاکیزگی کی طرف اشارہ کیا صحیح بخاری میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا "یارسول اللہ! روئے زمین پر کوئی خیمہ نشین ایسا نہیں تھا جس کی خواری کو آپ سے زیادہ محبوب رکھتی تھی۔ اب جو صبح کی ہے تو حال یہ ہے کہ روئے زمین پر کوئی خیمہ نشین ایسا نہیں ہے جس کی عزت کو آپ سے زیادہ محبوب رکھتی ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایضاً" یعنی ایسا ہی ہے۔ حدیث کے شارحین نے ایضاً کے دو معنی بیان کیے ہیں ایک معنی یہ کہ جتنا تیرے دل میں ایمان زیادہ جڑ پکڑے گا اتنا ہی تیرے دل میں محبت زیادہ ہوگی۔ دوسرے معنے یہ کہ تیری نسبت' میرا بھی یہی حال تھا۔ پہلے معنی زیادہ بہتر وظاہر ہیں۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی تلاوت فرمائی ظاہر مراد آیت بیعت ہے۔ اس کے بعد ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا "میری خواہش ہے کہ ہاتھ سے ہاتھ ملا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں عورتوں سے مصافحہ کے ذریعہ بیعت نہیں کرتا اور میرا سو عورتوں سے بیعت فرمانا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک عورت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت عورتوں کے ساتھ زبانی تھی دست اقدس سے نہ تھی۔ جیسا کہ گزرا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ ہند رضی اللہ عنہا جب اپنے گھر گئی تو اس نے اپنے گھر کے تمام بتوں کو توڑ ڈالا اور کہنے لگی ہم تمہارے غرور و فریب میں مبتلا تھے اور دو بکریاں ہدیئے کے طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسل کی خدمت میں بھیجیں اور معذرت خواہی کی کہ ہمارے پاس بکریاں کم ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریوں میں برکت کی دعا فرمائی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اس کی بکریاں حق تعالیٰ نے بہت زیادہ کردیں۔ ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت ہے۔

قریبہ اور قرتنا کا حال: دوسری اور تیسری عورت قریبہ اور قرتنا دو باندیاں ابن خطل کی گانے والیاں تھیں۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو گاتی تھیں۔ قریبہ تو ماری گئی مگر قرتنا بھاگ گئی۔ لوگوں نے اس کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے امان مانگی سید عالم نے اسے امان دے دی پھر وہ آئی اور مسلمان ہوگئی۔

ارنب کا حال: چوتھی عورت ارنب ابن خطل مذکور کی باندی تھی۔ وہ بھی اسی روز ماری گئی۔

سارہ بنی المطلب کی باندی کا حال: پانچویں عورت سارہ بنی المطلب کی باندی تھی بعض کہتے ہیں کہ عمرو بن ہشام کی باندی تھی۔ یہ وہ عورت ہے جس کے ہاتھ حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی ملتعہ نے قریش کے نام خط لکھ بھیجا تھا اس میں اختلاف ہے کہ وہ مرتد ہو کر مکہ میں آ گئی تھی اور روز فتح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے وہ ماری گئی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ لوگوں نے اس کے لیے امان مانگی اور اسے امان دیدی گئی تھی اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں موضع ابطح میں گھوڑے نے اوپر سے اسے گرادیا تھا جس کے سبب وہ مرگئی تھی۔ شرح ابن حجر میں مروی ہے کہ وہ مسلمان ہوگئی تھی اور حمیدی نے ایک قول کیا ہے کہ وہ ماری گئی تھا (واللہ علم) جیسا کہ روضۃ الاحباب میں مذکور ہے۔

ام سعد کا قتل: چھٹی عورت ام سعد ہے وہ بھی قتل کی گئی۔ اس قدر مذکور ہے اور کوئی پتہ نہیں کہ وہ کون ہے اور اس کا جرم کیا تھا اور سے کس نے قتل کیا۔

تنبیہات: امام مالک نے کہا ہے جیسا کہ بخاری کی روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روز فتح مکہ مکرمہ احرام کے ساتھ داخل نہ ہوئے تھے جیسا کہ گمان کرتے ہیں۔ اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے امام مالک سے بطریق جزم روایت کیا ہے۔ اس کی شاہد وہ روایت بھی ہے جسے مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بغیر احرام کے کبھی مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہوئے بجز روز فتح مکہ کے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لیے احرام واجب ہے یا نہیں۔ امام شافعی کا مشہور مذہب مطلقاً عدم وجوب ہے اور ایک قول میں مطلقاً وجوب ہے البتہ جو شخص دوبار داخل ہو اس کے داخلہ میں اختلاف ہے۔ ظاہر تر عدم وجوب ہے اور آئمہ ثلاثہ سے مشہور وجوب ہے اور ایک روایت میں ہر ایک سے دوبار داخل ہونے میں عدم وجوب ہے اسی پر علماء جزم کرتے ہیں جس طرح کہ مکہ حاجتمندوں کے لیے استثنا ہے اور احناف ان کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں جو داخل میقات ہیں جیسا کہ مواہب میں مذکور ہے۔

اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں کہ داخلہ مکہ مکرمہ کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس پر خود تھا یا سیاہ عمامہ۔ ان میں علماء اس طرح تطبیق دیتے ہیں کہ داخلہ مکہ کے وقت ممکن ہے کہ شروع میں تو خود ہو اس کے بعد اسے دور کر کے عمامہ شریف باندھا ہو۔ اس بناء پر جس نے جس طرح مشاہدہ کیا بیان کر دیا۔ حضرت عمرو بن حریث کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت خطبہ دیا کہ آپ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے لیکن یہ خطبہ باب کعبہ کے قریب تھا جبکہ آپ اندرون کعبہ سے باہر تشریف لائے تھے اور یہ داخل ہونے کے بعد کا ہے۔ یہ توجیہہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایتوں کے جمع میں فرمائی ہے۔ بعض اس طرح جمع کرتے ہیں کہ عمامہ خود کے اوپر لپیٹا ہوا تھا یا خود کے نیچے عمامہ تھا۔ تا کہ خود کے لوہے کی گرمی سے سر مبارک محفوظ رہے۔ لہٰذا جس نے صرف خود کا ذکر کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرب کی مکمل تیاری فرمائی تھی۔ اور جس نے عمامہ کا ذکر کیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احرام میں نہ تھے (چونکہ حالت احرام میں سر کھلا ہوتا ہے)

فتح مکہ کے بعد مدت اقامت: وصل: پہلے معلوم ہو گیا...... ہو گا کہ مدینہ طیبہ سے روانگی دسویں رمضان ۸ھ چارشنبہ بعد نماز عصر ان اختلافات کے ساتھ جو تعیین تاریخ میں ہے' ہوئی تھی اور داخلہ مکہ مکرمہ اور اس کا فتح ہونا اسی مہینہ کی بیس تاریخ کو ہوا تھا۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے بقیہ دن اور شوال کے چھ دن مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا'

مواہب لدینہ میں کہا گیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام پندرہ دن رہا تھا۔ ایک روایت میں ہے انیس دن ایک اور روایت میں ہے کہ ستر دن اور ترمذی میں اٹھارہ دن ہے اور کہا گیا ہے کہ اصح روایت بضع عشر یعنی دس سے کچھ دن زیادہ کی ہے۔ قیام کے ان دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں قصر ادا فرماتے تھے۔

قیام مکہ کے دوران فیصلہ مقدمات: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران کئی مقدموں کا فیصلہ فرمایا جن میں سے ایک فاطمہ نامی عورت کا ہے جو اسود بن الاسود کی بیٹی اور ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن۔ عبد الاسد مخزومی کی بھتیجی کا ہے جو بنی مخزوم کی اشراف قبیلہ میں سے تھی اس نے چوری کی اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لائے بعد از ثبوت چوری اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا دیا''۔ اس کی قوم کو اس حکم سے بڑی وحشت ہوئی۔ انہوں نے چاہا کہ کوئی سفارشی مل جائے اور ممکن ہے کہ اس کی سفارش سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ کاٹنے سے درگزر فرمائیں۔ اس پر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو محبوب و مقرب بارگاہ تھے سفارشی بنا کے لائے اور انہوں نے اس قوم کی از حد منت و سماجت سے متاثر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' اے اسامہ رضی اللہ عنہ! تم خدا کے حدود کے نفاذ میں سفارش کرتے ہو''۔ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جلال اور غضب دیکھا تو عرض کرنے لگے۔'' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے استغفار فرمائیے مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے''۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو: خبردار ہو جاؤ پچھلی امتیں اسی بنا پر ہلاک ہوئیں کہ جب ان کے کسی بڑے آدمی سے چوری سرزد ہوتی تو اسے چھوڑ دیتے اور اس پر حد قائم نہ کرتے اور جب کسی کمزور آدمی سے یہ سرزد ہوتا تو اس

پر حد جاری کر دیتے۔ قسم ہے اس رب العزت کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹتا''۔ پھر اس مخزومی عورت کے ہاتھ کاٹے گئے۔ اللہ تعالیٰ امام تاج الدین سبکی کو جزائے خیر دے جو مذہب شوافع کے ایک امام ہیں انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبہ کے نقل کرنے میں جس میں سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام نامی صراحت کے ساتھ ہے ان کا اسم گرامی نقل نہیں کیا اور ادب ملحوظ رکھا اور پسند نہ کیا کہ اس مقام میں ان کے اسم گرامی کا ذکر کیا جائے اور لکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر فلاں بھی چوری کرے (اور اپنے اہل بیت میں سے ایک کا نام لیا) تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جائیں''۔ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْ تَعْظِيْمِهٖ وَرِعَايَةِ اَدَبِهٖ مَعَ الزَّهْرَاءِ سَلَامُ اللّٰهِ عَلَيْهَا وَعَلٰى سَائِرِ بَيْتِ النُّبُوَّةِ اَجْمَعِيْنَ. اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدود الٰہیہ میں شفاعت کرنا حاکم کے پاس مقدمہ پہنچ جانے کے بعد حرام ہے اور حاکم کے پاس مقدمہ پیش ہونے سے پہلے اگر اس کے لیے سفارش کی جائے اور وہ شریر اور موذی نہ ہو تو جائز ہے۔ لیکن تعزیر میں دونوں صورتوں کے اندر سفارش جائز ہے۔ خصوصاً اشراف کے معاملہ میں۔

دوسرا مقدمہ جو قیام مکہ کے دوران پیش ہوا وہ ایک ایسے شخص کا ہے۔ جس نے بارگاہ نبوت میں آ کر عرض کیا تھا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جب حق تعالیٰ اپنے رسول پر مکہ مکرمہ کو فتح کرا دے گا تو میں بیت المقدس جا کر وہاں نماز پڑھوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہاں ہی پڑھ لو یعنی مسجد الحرام میں۔ اس نے تین مرتبہ عرض کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ میں فرمایا ''بیت الحرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری جگہ کسی اور شہر میں ہزاروں نمازوں سے افضل ہے''۔ اس حدیث میں ایسا ہی واقع ہوا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ بیت الحرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔ نیز مروی ہے کہ مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) میں نماز پڑھنا ایک ہزار نماز کے برابر ہے اور مسجد نبوی شریف مدینہ طیبہ میں دس ہزار اور مسجد حرام میں مکہ مکرمہ میں ایک لاکھ کے برابر ہے۔ لہٰذا مسجد حرام میں نماز اس کے غیر سے زیادہ ہے' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ چوں کے مکہ سے مدینہ کی فضیلت کے قائل ہیں تو مسجد مدینہ کی نماز کو اس کے سوا نماز پڑھنے سے افضل کہتے ہیں۔ اگر چہ باعتبار عدد کمیت زیادہ ہو لیکن مسجد مدینہ میں باعتبار کیفیت و نفاست اور بابرکت حوار سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہے۔ تعداد کی زیادتی' قامت کی کمی کے منافی نہیں ہے جس طرح ایک گوہر ہزار درہم کے برابر ہے۔ یہ بحث تاریخ مدینہ میں (جس کا نام ہے جذب القلوب الی دیار المحبوب) ثابت کیا گیا ہے اور مسائل فقہیہ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی نذر مانے کہ کسی مفضول مسجد میں نمازیں پڑھے گا تو فاضل مسجد میں نماز پڑھنے سے نذر سے عہدہ برا ہو جائے گا۔ جس طرح مسجد اقصیٰ میں یا مسجد مدینہ میں نماز پڑھے گا تو وہ مسجد حرام میں پڑھ لے یا نذر مانی کہ مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھے گا تو وہ مسجد مدینہ میں پڑھ لے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شخص سے فرمانا جس نے بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی کہ وہ یہاں ہی پڑھ لے۔ اسکے بعد اسکے افضل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

دیگر احکام و قضایا جو قیام مکہ مکرمہ کے دوران واقع ہوئے ان میں سے شراب' خنزیر' مردار اور بت کی قیمت کی مخالفت ہے اور کاہن کی وہ اجرت جو اسے کہانت کے بدلے میں دیجائے اور مردار کی چربی جس سے مشک اور کشتیوں کو چکناتے ہیں ان سب کو ممنوع قرار دیا ورفرمایا حق تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے کہ ان پر چربیوں کو حرام کیا گیا تھا مگر انہوں نے ان کو فروخت کیا اور انہوں نے اس کی قیمت کھائی۔ س حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کا کھانا حرام ہے اس کی قیمت بھی حرام ہوگی۔

ان ایام کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تیس ۔اروں کے ساتھ موضع نخلہ میں عزیٰ کے بت خانہ کو نیست و نابود کرنے کے لئے بھیجا۔ عزیٰ عرب کا مشہور بت تھا۔ حضرت خالد رضی

اللہ تعالیٰ عنہ قطع منازل کر کے وہاں پہنچے اور اس بت خانہ کو تباہ کر کے آ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اس بت کو توڑ دیا عرض کیا ہاں! فرمایا ''اس میں کوئی چیز دیکھی انہوں نے کہا۔ ''نہیں'' فرمایا ''تم نے بت عزیٰ کو نہیں توڑا حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوبارہ گئے اور بہت تلاش کے بعد ایک کلموئی ننگی عورت پراگندہ بال کی نمودار ہوئی تلوار کھینچ کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض حال کیا فرمایا ''وہ عزیٰ تھی۔ تمہارے شہروں میں اب دوبارہ عزیٰ نہ پوجی جائے گی۔ یہ عزیٰ قریش کو معبود اور تمامہ وبنی کنانہ کی بزرگ ترین بتوں میں سے تھی۔ چنانچہ وہ لات وعزیٰ کی قسمیں کھاتے تھے۔ لات' طائف میں بنی ثقیف کا بت تھا۔ حدیث میں مروی ہے فرمایا: مَنْ تَحَلَّفَ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰی فَلْيَقُلْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ جو لات وعزیٰ کی قسم کھائے سوا سے چاہیے کہ لا الہ الا اللہ کہے۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سواع کے بت خانہ کو تباہ کرنے کے لیے بھیجا جو قبیلہ کا بت تھا اور مکہ سے تین سو میل کے فاصلے پر تھا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں جب وہاں پہنچا تو اس بت خانہ کے پجاری نے مجھ سے کہا ''کیا چاہتا ہے'' میں نے کہا ''رسول خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس بت خانہ کو تباہ کر دوں''۔ اس نے کہا ''تو یہ کام نہ کر سکے گا اور تجھے وہ بت اس سے باز رکھے گا''۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں قریب گیا اور اس بت کو توڑ دیا۔ پھر میں نے پجاری سے کہا ''تو نے دیکھ لیا؟'' اس پجاری نے کہا ''میں اللہ تعالیٰ پر اسلام لاتا ہوں''۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت سعید بن زید اشہلی کو بیس سواروں کے ساتھ موضع مشلل کی جانب جو حرمین کی شریفین کے درمیان ہے ''منات'' کے بت کی تباہی کے لیے بھیجا چونکہ یہ بت خانہ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ اوس وخزرج اور غسان کا معبود تھا اور وہ منات کو پوجتے تھے جب اس بت خانہ میں پہنچے تو پجاری نے کہا کس غرض سے آئے ہو۔ انہوں نے فرمایا ''منات کو برباد کرنے کے لیے''۔ پجاری نے کہا ''تم اور اس کے قبیلہ کے لوگ جانیں''۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ اس بت کی طرف بڑھے اس میں ایک کلموئی عورت برآمد ہوئی جو اپنے سینہ پر ہاتھ مارتی اور نوحہ کرتی تھی حضرت سعید نے تلوار کی ایک ضرب سے اس کے ٹکڑے کر دیئے اور بت خانہ کو برباد کر دیا اور حضور اکرم صلی اللہ کی بارگاہ میں واپس آ گئے۔

ایک عظیم واقعہ ہے جو شناعت سے خالی نہیں ہے وہ یہ کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو موضع نخلہ سے واپسی اور بت عزیٰ کو توڑنے کے بعد تین سو مہاجرین اور انصار اور بنی سلیم کے ساتھ یلملم کی جانب قبیلہ جذیمہ پر بھیجا تا کہ اس پر قبیلہ والوں کو دعوت اسلام دیں۔ نہ اس لیے کہ جنگ کریں ان کا حال یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا کا نام فاکہ بن مغیرہ تھا اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ کا نام عوف تھا۔ جب یہ دونوں یمن سے تجارت کر کے واپس آ رہے تھے اور وہ یلملم پہنچے تو بنی خزیمہ نے مال کی لالچ میں دونوں کو قتل کر کے ان کا مال لے لیا تھا۔ جب بنو خزیمہ نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے کی خبر پائی تو خرم واحتیاط کے طور پر ہتھیار باندھ کر باہر آئے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا ''تم کون ہو؟'' انہوں نے کہا ''ہم مسلمان ہیں اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے دین کے احکام پر ایمان لائے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں اور ہم اپنی بستیوں میں مسجدیں بنا کر آذان واقامت کہتے ہیں اور جماعت کے ساتھ جمعہ قائم کرتے ہیں''۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''پھر ہتھیار باندھ کر ہمارے سامنے کیوں آئے ہو''۔ انہوں نے کہا ''ہمارے اور ہمارے عرب کی ایک قوم کے درمیان دشمنی ہے ہم نے خوف کیا کہ تم ان میں سے ہو گے''۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے عذر کو قبول نہ کیا اور ان سے کہا ''تم اپنے ہتھیار اتار دو''۔ انہوں نے حکم کے بموجب عمل کیا اور جسموں سے ہتھیار دور کر دیئے۔ اس وقت فرمایا ''ان کے ہاتھوں کو کندھوں سے باندھ دیئے جائیں۔ پھر ایک

ایک کو اپنے ساتھیوں کی قید میں دیدیا کہ رات میں ان کی حفاظت کریں۔ جب سحر ختم ہوئی تو حکم دیا کہ جس کے پاس جو قیدی ہے وہ اپنے قیدی کو قتل کر دے۔ بنو سلیم نے سردار کے حکم کے ماتحت ان بے گناہ قیدیوں کو قتل کر دیا لیکن مہاجرین و انصار نے اپنے قیدیوں کو باقی رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب انہوں نے ہتھیار اتار ڈالے تو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں تہ تیغ کرنا شروع کر دیا اور اس قبیلہ کے تقریباً سو آدمیوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد بنی خزیمہ میں سے ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاظر ہوا اور حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو سلوک کیا تھا سب عرض کر دیا۔ حضور غضب میں آئے اور دو تین بار فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَبْرَءُ اِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ اے خدا میں تیرے حضور برات کا اظہار کرتا ہوں جو خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا'' اور امیر المومنین سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو رقم دے کر قبیلہ بنی جزیمہ کی طرف بھیجا تا کہ مقتولوں کو دیت اور تلف شدہ اموال کا عوض دے کر انہیں راضی کریں اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ملامت کریں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضور کے حکم سے اس قبیلہ کی طرف گئے ان کے معاملات کو سرانجام دیا۔ اور دیت وغیرہ انہیں دی اور انہیں راضی کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

اہل سیر بیان کہتے ہیں کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرصہ تک ناراض رہے جب بنی جذیمہ راضی ہو گئے اور انہوں نے اور چند دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی تو انہیں معاف فرمایا' یہ مقام حیرت اور تعجب ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فعل کیسے سرزد ہوا۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ اجتہادی خطا کی بنا پر واقع ہوا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا اجتہاد کہتا تھا کہ وہ جنگ کی غرض سے آئے تھے اور جھوٹ موٹ کی عذر خواہی کر رہے تھے اور صحابہ کی رائے اس کے برخلاف تھی۔ ''وَالْمُجْتَهِدُ يُخْطِئُ وَيُصِيْبُ'' مجتہد سے خطا بھی ہوتی ہے اور صواب بھی ہوتا ہے؛ اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کا حکم دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دیت اپنے پاس سے دیا کرتے تھے۔ جس طرح کہ خیبر میں یہود سے مخاصمت کے وقت واقع ہوا تھا (واعلم اعلم)

روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بنی جزیمہ کا قصہ اہل سیر نے کہا اسی طرح بیان کیا ہے جس طرح مذکور ہوا۔ لیکن احادیث کی کتابوں میں صحت کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خزیمہ کی طرف بھیجا تا کہ انہیں اسلام کی دعوت دیں مگر انہوں نے اپنے اسلام کی ادائیگی اچھی نہ کی اور اسلمنا (ہم مسلمان ہیں) کی جگہ انہوں ن صبانا صبانا (ہم صابی ہوئے ہم صابی ہوئے) کہا۔ اس پر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ شراح حدیث کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ نے ان کے صریح اسلام کی جگہ دوسرا کنایہ یہ کا لفظ استعمال کرنے پر گمان کیا کہ وہ اسلام سے انکار کے طور پر کہہ رہے ہیں اور حقیقت کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اس تاویل کی بنا پر انہیں قتل و قید کیا (واللہ اعلم۔ انتہی)

یہ روایت جو احادیث کی کتابوں میں مذکور ہے موجب اشتباہ و محل التباع ہو سکتی ہے لیکن جو کچھ سیر کی کتابوں میں مذکور ہے وہ تو انتہائی بعید اور غایت درجہ شنیع ہے کہ اس قوم نے صراحت کے ساتھ اسلام کا اظہار کیا اور شرائع و شعار کی اقامت اور نبوت کی تصدیق واضح طور پر کی اور انہوں نے کہا کہ ہم۔ نے جنگ کے لیے ہتھیار نہیں پہنے ہیں۔ اس کے باوجود انہیں قتل کیا گیا اور یہ بیان کہ اس قوم نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کو زمانہ جاہلیت میں قتل کیا تھا سوظنی کا موجب ہے اور یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں سابقہ عداوت کی بنا پر قتل کیا تھا نہ کہ دین کی بنا پر۔ حالانکہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں فرمایا گیا ہے کہ ''خَالِدٌ سَيْفٌ مِنْ سُيُوْفِ اللهِ'' خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار

ہے اور خدا کی تلوار سے ناحق قتال جاری ہو جائے۔ جیسا کہ قتل خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نویرہ کا واقعہ ہے کہ فرمایا "من صاحبکم عمر بن الخطاب" اور اس سے موخذہ کیا گیا۔ اسی کی مانند یہ واقعہ ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں جب مکہ معظمہ میں قاضی علی بن جاراللہ کے پاس تھا جو بنی ظہر سے اور اولاد حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تھے ان سے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا روز فتح کے بارے میں ذکر آیا اور بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم صریح کے قتال میں ان سے عجلت واقع ہونے کا تذکرہ آیا تو قاضی صاحب مذکور پر شرمندگی وانفعال طاری ہو گیا اور اس کے دفعیہ میں فرمایا: وَاللهِ كَانَ فِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَتُوبٌ مِنَ الْاِسْتِعْجَالِ وَالْمُبَادَرَةِ اِلَى الْقِتَالِ خدا کی قسم حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدلہ میں ایک قسم کے عجلت پسند اور جنگ میں جلدی کرنے والے تھے"۔

تنبیہ: صابی کے معنی ایک دین سے منحرف ہو کر دوسرا دین اختیار کر لینے کے ہیں اور کفار قریش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صابی کہتے تھے۔ کہ انہوں نے آباء کے دین کو چھوڑ کر نئے دین کو اختیار فرمایا اور مسلمانوں کو مباہ کہتے تھے کہ انہوں نے نئے دین کو اختیار کر لیا ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ لفظ پسند نہ آیا حالانکہ اس لفظ معنیٰ یہ تھے کہ وہ کہتے کہ "اسلمنا أسلمنا" (واللہ اعلم بحقیقہ الحال علی وجہ الکمال)

غزوۂ حنین

ہجرت کے آٹھویں سال کے واقعات میں سے غزوۂ حنین کا واقعہ ہے۔ حنین (بصیغہ تصغیر) ایک چشمہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے تین رات کی مسافت پر واقع ہے اور طائف کے قریب ہے۔ اس غزوہ کو "غزوۂ ہوازن" بھی کہتے ہیں۔ ہوازن اس جگہ رہنے والے قبیلہ کا نام ہے۔ اس غزوہ کا واقعہ یہ ہے کہ جب سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کی فتح اور اس کے بعد کے قواعد وقوانین سے فارغ ہوئے تو دو قبیلوں کے سوا عرب کے تمام زمرۂ اطاعت وانقیاد میں آ گئے ان منحرف قبائل میں ایک ہوازن تھا دوسرا قبیلہ ثقیف یہ دونوں پہلوان، گردن کش، صاحب مال واسباب تھے اور یہ دونوں بغض وحسد اور عداوت میں گرفتار رہے ان دونوں قبیلوں کے سردار ایک دوسرے سے ملے اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ والوں پر غالب آ گئے ہیں اور اہل مکہ چونکہ جنگ اور حرب کے ماہر و دانہ تھے اس لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان پر غالب آ گئے اگر یہ ہمارے ساتھ جنگ کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ جنگ کسے کہتے ہیں اور اب ممکن ہے کہ وہ ہماری طرف بھی رجوع کریں اس لیے قبل اس کے کہ وہ ہم پر حملہ کرنے آئیں اگر ہم ان پر حملہ کر دیں تو بہتر ہوگا"۔ یہ گفتگو انہوں نے سرکشی اور از راہ غرور وتکبر کہی تھی کیوں حقیقت یہ ہے کہ یہ باتیں انہوں نے مسلمانوں کی بھلائی اور خیر خواہی میں کہی تھیں کیوں کہ مسلمانوں کو خوشخبری دی گئی تھی کہ ان کو غلبہ ونصرت مال ومنال اور وافر ساز وسامان ملے گا اور وہ اتنا زیادہ ہوگا کہ انہیں کسی دوسری جگہ سے اتنا تنا نہ ملا ہوگا۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ جب حضور اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ ہوازن اپنے اہل واعیال اور تمام مویشی اور اموال لے کر نکلے ہیں تو فرمایا انشاء اللہ یہ سب مسلمانوں کا غنیمت بنے گا القصہ جب حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ یہ قبیلے مسلمانوں سے جنگ کرنے کا قصہ رکھتے ہیں تو حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ کے دن شوال کی چھ تاریخ کو مکہ مکرمہ سے بارہ ہزار مدنی لشکر اسلام اور دو ہزار طلقاء وحلفاء کے ساتھ روانہ ہوئے۔ سو زرہیں صفوان بن امیہ سے طلب فرمائیں صفوان نے دریافت کیا۔ "مستقلاً درکار ہیں یا عاریتاً۔ فرمایا قبضہ کے طور پر نہیں اور ایسی عاریتاً کہ اگر تلف ہو جائیں گی تو ہم ان کا ضمان مرحمت فرمائیں گے"۔ کیسی اوندھی عقل تھی کہ وہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ توقع رکھتا تھا کہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جبراً قبضہ وغضب فرمائیں گے۔ اس لشکر اسلام میں

اسی اشخاص مشرکین میں سے بھی تھے جیسے صفوان بن امیہ وغیرہ حضرت عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن اسد کو مکہ مکرمہ پر عامل قرار دیا۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حنین میں منگل کی رات دسویں شوال کو پہنچے۔ہوازن کا سردار مالک بن عوف نفری اور ثقیف کا سردار کنانہ بن عبد یالیل ثقفی تھا انہوں نے رسول حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کی تیاری کی اور میدان کارزار میں نکل آئے بعض قریب و جوار اور قبائل بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔اس طرح کفار کا چار ہزار کا مرتب لشکر میدان میں آ گیا۔ان میں ایک شخص درید بن صمہ بوڑھا' تجربہ کار اور اندھا تھا کہتے ہیں کہ اس نے ایک سوبیس سال عمر پائی ایک اور روایت میں ہے ایک سو ساٹھ سال کی۔اس نے مالک بن عوف نضری سے کہا کو اہل وعیال اور مال واسباب لیکر نہ نکلو لیکن اس نے اس کا کہنا نہ مانا۔اس پر اس نے کہا کہ اے ہوازن! مالک تم سب کو ذلیل وخوار کرے گا اور تمہاری عورتوں' بچوں اور مال وسباب کو دشمن کے حوالے کرے گا۔اور تم سب کو دشمن کے حوالے کر کے بھاگ کھڑا ہوگا۔اس بنا پر لوگوں میں اختلاف برپا ہو گیا۔مالک نے کہا ''اگر تم میرا کہنا نہ مانو گے اور میری اطاعت نہ کرو گے تو میں اپنے آپ کو ہلاک کر دوں گا''۔یہ کہہ کر نیام سے تلوار نکالی اور نوک اپنے سینہ پر رکھ کر کہنے لگا کہ ''اگر تم میری اطاعت نہیں کرو گے تو میں اس تلوار پر جھول جاؤں گا۔تا کہ یہ میری پشت سے پار ہو جائے''۔ہوازن کہنے لگے ''یہ جوان اور جاہل ہے۔اگر ہم نے اس کی اطاعت نہ کی اور اس کا کہنا نہ مانا تو یہ جہالت سے اپنے آپ کو مار ڈالے گا اور درید ایک بوڑھا' عاجز و نابینا شخص ہے جو اس لائق نہیں ہے کہ وہ سرداری کر سکے اور کسی ایسے دوسرے شخص کو ہم جانتے نہیں جو سرداری کے لائق ہو۔لہٰذا درید سے انہوں نے منہ موڑ لیا اور مالک کے ساتھ متفق ہو گئے اور یہ سب حنین کی طرف چلدیئے۔

منقول ہے کہ مالک بن عوف نے ایک جماعت کو لشکر کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا وہ جماعت تحقیق وجستجو کر کے لرزتی کانپتی مالک کے پاس پہنچی۔اس نے پوچھا تمہاری پریشانی کی وجہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جب لشکر اسلام میں پہنچے تو تم نے سفید پوش لوگوں کو ابلق گھوڑوں پر سوار دیکھا۔جن کی مانند ہم نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔اب مناسب یہی ہے کہ ہم یہیں سے لوٹ جائیں۔اگر ہمارے سپاہیوں نے ان کو دیکھا تو ان کی بھی وہی حالت ہو جائے گی جو ہماری ہوئی ہے۔مالک نے ان کی بات کا یقین نہ کیا۔اور دوسرے لوگوں کو تفتیش حال کے لیے بھیجا انہوں نے بھی آ کر یہی حال بیان کیا کہ یہ فرشتے تھے جو لشکر اسلام کی مدد کے لیے آئے ہوئے تھے جس طرح کہ غزوۂ بدر میں آئے تھے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کا نزول بدر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔بعض کہتے ہیں کہ فرشتوں کا قتال وحرب کرنا بدر کے ساتھ مخصوص ہے اور حنین میں ان کا آنا مسلمانوں کی امداد واعانت' تقویت وتائید اور ان کے دلوں کو ثابت برقرار رکھنے کے لیے تھا۔یہ قتال وحرب کے لیے نہیں آئے تھے۔

الغرض مالک بن عوف ان نشانیوں کے دیکھنے کے باوجود اپنے ارادہ سے باز نہ آیا اور اسی طرح مصر رہا۔اہل سیر کہتے ہیں کہ جب لشکر اسلام کی کثرت وشوکت مسلمانوں کی نظر میں آئی تو مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا ''آج ہم قلت کی بنا پر مغلوب نہ ہوں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات مکروہ وشاق گزری کیونکہ مشعر عجب وغرور تھی'۔

اہل سیر کہتے ہیں لشکر کی ہزیمت وشکستگی کی جو صورت پیش آئی تھی اس کا سبب یہی تھا کہ مسلمان جان لیں کہ فتح ونصرت کثرت تعداد اور تیاری پر نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے ''وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ'' کوئی چیز مدد دینی والی نہیں بجز اللہ تعالیٰ کی مدد کے اور یہ آیۂ کریمہ بھی اسی مطلب کے لیے نازل ہوئی کہ فرمایا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا

اور بلا شک وشبہ حق تعالیٰ نے بہت سی جگہوں میں تمہاری مدد فرمائی اور حنین کے دن جبکہ تم نے اپنی کثرت پر گھمنڈ کیا تو تم کو کوئی چیز بے نیاز نہ کر سکی

واضح رہنا چاہیے کہ ممکن ہے یہ بات اس مقام میں اس بنا پر ناگوار ومکروہ جانی گئی ہو کہ اس کے قائل نے عجب وگھمنڈ کے قرینہ کے معنے میں سمجھا ہو ورنہ یہ بات صحیح ہے اس لیے کہ ابوداؤد وترمذی وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ۔ خَيْرُ الصَّحَابَةِ اَرْبَعَةٌ وَخَيْرُ السَّرَايَا اَرْبَعُمَأتِهٖ وَخَيْرُ الْجَيْشِ اَرْبَعَةَ الَافٍ لَنْ يُّغْلَبَ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا مِنْ قِلَّةٍ بہترین صحابہ چار ہیں' بہترین سریہ چار سو کا ہے اور بہتر لشکر چار ہزار کا ہے قلت کی بنا پر ہرگز ہرگز بارہ ہزار غالب نہ آئیں گے'' اور اس غزوہ میں مسلمانوں کا لشکر بارہ ہزار اشخاص کا تھا۔ یہ بات نہیں ہے کہ اس کے قائل نے لشکر کی تعداد کو دیکھ کر یہ کہا ہو بلکہ اس کی کثرت وشوکت کو دیکھ کر اس نے یہ بات کہی تھی۔

اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ یہ صحیح ہے کہ اس بات کے کہنے والے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ تھے جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے (واللہ اعلم)

اہل سیر کہتے ہیں کہ مالک بن عوف لشکر اسلام کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنے لشکر کے ساتھ وادی حنین میں داخل ہو گیا تھا اور لوگوں کو گھات میں بٹھا دیا تھا اور حکم دے دیا تھا کہ جس وقت لشکر اسلام بے خبری میں اس میدان میں پہنچے تو تم سب ایک دم ان پر تیروں کی بارش شروع کر دینا۔

نبی کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کاذب کے وقت (ایک روایت میں ہے کہ سحر کے وقت دونوں روایتیں مقصود میں ایک جیسی ہیں) لشکر تیار کر کے اور ان کو علم اور جھنڈے دے کر روانہ ہوئے چونکہ وادی حنین میں گھاٹیاں تنگ اور دشوار تھیں اور ان میں گڑھے تھے اس لیے سب ایک ساتھ اس جگہ سے نہ گزر سکتے تھے چند آدمیوں کی ٹولیوں کی شکل میں یہ دشوار گزار گھاٹیوں میں داخل ہو گئے۔ کافروں نے اس وقت کو غنیمت جانا اور کمین گاہوں سے نکل کر ایک دم لشکر اسلام پر حملہ آور ہو گئے اور تیروں کی بارش شروع کر دی۔ وہ سب تیرانداز تھے مقدمہ لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بنی سلیم پر مشتمل تھا وہ سب غیر مسلح تھے۔ وہ پیچھے لوٹ پڑے ان کے پیچھے کفار قریش بھی ہمراہ تھے اور ان میں کچھ ایسے نو مسلم اور ضعیف الاعتقاد جن کے دلوں میں ابھی ایمان نے جڑ نہیں پکڑی تھی ساتھ تھے وہ بھی بھاگ پڑے۔ باقی صحابہ بھی برداشت نہ کر سکے بچاؤ کی خاطر متفرق ومتزلزل ہو گئے اور لشکر اسلام میں ایسا تفرقہ پڑا کہ معدودے چند ہی مقابل رہے۔ ان دلاوروں اور ثابت قدموں میں سے سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ' ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حارث' ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ' پسران حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ' قثم و فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زید' ام یمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی' ابن ام ایمن' عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زبیر بن عبدالمطلب' عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب چند اور اہل بیت میں سے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عمر و بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کے ثابت قدم اصحاب میں سے تھے۔ کچھ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے تھے اور کچھ داہنے اور بائیں تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب سعادت تھامے کھڑے تھے اور ابوسفیان بن الحارث سواری کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ داہنی رکاب اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بائیں رکاب تھامے ہوئے تھے اس دن کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری اونٹ پر تھی جس کا نام دلدل تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ سفید خچر تھا جسے فروہ جزامی نے ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا۔ جیسا کہ اپنی جگہ اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ایسے موقعوں پر جو جنگ و حربہ کا مقام ہو خچر کی سواری' کمال شجاعت قوت کی زیادتی اور قبضہ وقدرت کے اضافے کا موجب بنتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ نبوت کی خصوصیات میں سے ہے ورنہ عام عادت تو خچر کی سواری اطمینان اور سیر وسیاحت کی سواریوں میں سے ہے۔ وہ جنگ کے لیے مناسب نہیں ہے۔ بجز گھوڑے کے۔ کیوں کہ اس کی پیدائش ہی کروفر ہے۔اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جنگ کے موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جب فرشتے آئے تو وہ ابلق گھوڑے پر ہی سوار تھے۔اسی بنا پر گھوڑے کے سوا کسی سواری کے لیے غنیمت کا حصہ نہیں دیا جاتا۔ نہ خچر کے لئے نہ اونٹ کے لیے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر پر سوار فرمانا اس بات کے اظہار کے لیے ہے کہ میرے نزدیک جنگ اور امن دونوں قوت قلب' شجاعت نفس اور اللہ عزوجل پر توکل واعتماد میں برابر ہیں۔ اس کے باوجود آپ حملہ کرتے اور سوراری کو اشرار اور دشمنوں کی جانب بڑھاتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان کی سرکوبی فرمائیں۔ مگر ابوسفیان رضی اللہ تعالٰی عنہ بن الحارث سواری کی لگام تھامے روکتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جاتے۔(درآنحالیکہ حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی رکاب تھامے ہوئے تھے) جان لو میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور فرماتے کہ ''اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ'' تاکہ مسلمانوں کے دلوں کی تقویت اور ڈھارس بندھے اور مسلمانوں کو حق تعالٰی کے وعدہ نصرت کی یاددلاتے اور فرماتے: اِلَیَّ اَیْنَ یَا عِبَادَ اللّٰهِ اِلَیَّ اَیْنَ اَیُّهَا النَّاسُ'' میں موجود ہوں کہاں ہو اللہ کے بندو' میں موجود ہوں کہاں ہو اے لوگو' اور فرماتے ''اے خدا کے مددگار و اور اے نبی کے مددگارو! مطلب یہ کہ میں خدا کا نبی ہوں اور نبی دروغ بات نہیں کہتا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ حق کی نصرت کا وعدہ حق ہے''۔اسی بنا پر حق تعالٰی نے فرمایا:

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا

پھر حق تعالٰی نے اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر سکینہ نازل فرمایا اور وہ لشکر اتارا جن کو وہ دیکھتے نہ تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ ''انا ابن عبدالمطلب'' میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں اور یہ فرمایا کہ ''انا ابن عبداللہ'' میں عبد اللہ کا فرزند ہوں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی شہرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب کے ساتھ زیادہ مشہور معروف تھی۔ بہ نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ کے۔اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کا انتقال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کی موجوگی میں ہو گیا تھا اور لوگوں کے دلوں میں حضرت عبدالمطلب کی قدر ومنزلت بہت زیادہ تھی اور کوئی بھی ان کے مرتبہ ومنزلت پر نہیں پہنچا تھا اور یہ مقام خوارق عادت اور غرائب کے ظہور کا تھا۔ جب یہ لوگ ایسے روبفرار ہوئے کہ بلانے سے بھی کوئی نہ لوٹا تو کفار کی ایک جماعت اور قریش کے کچھ ایسے لوگ جو نومسلم تھے اور ہوازن کا سینہ حرب وحقد ار حسد وکینہ سے صاف نہ ہوا تھا وہ خبث باطن کا اظہار کرنے لگے۔کوئی کہتا ہے کہ ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی سوایسے بھاگے جارہے ہیں گویا وہ دریا کے کنارے ہی جاکے ٹھہریں گے'' اور کلال بن خلیل جو صفوان بن امیہ کا ماموں تھا کہنے لگا آج وہ دن ہے کہ ''جادو باطل ہو جائے گا'' بعض اہل سیر' ابوسفیان بن حرب سے بھی اس قسم کی باتیں نقل کرتے ہیں۔اس نے صفوان بن امیہ سے کہا ''مبارک ہو تجھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی (معاذ اللہ) بھاگ کھڑے ہوئے ہیں''۔ چونکہ صفوان کا کفر وشرک کا بت قدرے ٹوٹ چکا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ممنون عنایت ہو کر زمرۂ امن وامان میں داخل ہو گیا تھا اس لیے ان باتوں پر اس نے خوشی ومسرت کا اظہار نہ کیا اور کہنے لگا خدا تیرا منہ توڑے۔قریش کے کسی ایک شخص کی رہنمائی اور اس کی تربیت میں میرا آنا اس سے بہتر ہے کہ میں ہوازن کے کسی ایک شخص کی تربیت میں ہو جاؤں''۔

القصہ جب تمام لوگ تتر بتر ہو گئے اور حضور اکرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم معدودے چند کے ساتھ اپنی جگہ ثابت وقائم رہے تو حضور

اکرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ساتھیوں کو پکارو اور انہیں اس طرح آواز دو کہ ''اے گروہ انصار اور اے اصحاب سمرہ'' سمرہ اس درخت کا نام ہے جس کے نیچے حدیبیہ میں بیعت واقع ہوئی تھی اور ان کو اصحاب الشجرہ اور بیعت الرضوان بھی کہتے ہیں۔

نیز ارباب سیر کہتے ہیں کہ ''یا اصحاب سورۃ البقرہ'' کہہ کے بھی ندا کی گئی۔ مراد تعظیم ہے کیوں کہ وہ اصحاب اسی صورۃ پر ایمان لائے ہوئے ہیں جس کا نام سورۂ بقرہ ہے اور وہ قرآن کی سب سے بڑی سورۃ ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ انتہائی جہیر الصوت اور بلند آواز والے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب اور اقتضائے مقام کے لحاظ سے بلند آواز سے اصحاب کو پکارا۔ تاکہ وہ سب جمع ہو جائیں۔ جب انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز سنی تو جواب دیا اور کہا ''یالبیک یالبیک'' اور اس طرح جمع ہونے لگیں۔ یا جس طرح کہ شہد کی مکھی کے بادشاہ کے گرد جس کا نام یعسوب ہے مکھیاں جمع ہونے لگیں یا جس طرح اونٹ اور گائے اپنے بچوں کو تلاش کر کے جمع ہوتے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز کی جانب سب دوڑنے لگے اور بعض اصحاب جن کے گھوڑے سست رفتار تھے اور وہ تیز نہیں دوڑ سکتے تھے وہ ہتھیار پھینک کر اور سواریوں سے زمین پر کود کر تیزی کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب آنے لگے۔ یہاں تک کہ تقریباً سو صحابہ جمع ہو گئے اور دشمنوں پر حملہ کر کے جنگ میں مشغول ہو گئے۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اَلْاٰنَ حَمِیَ الْوَطِیْسُ'' اب تنور کی گرمی ہوئی''۔ طیس گرم تنور کو کہتے ہیں جس میں روٹیاں پکائی جاتی ہیں اور مثل و کہاوت اس وقت استعمال کی جاتی ہے جب جنگ خوب شدت پر ہو۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت کلامی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہ جملہ کسی سے نہیں سنا گیا۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری سے زمین پہ تشریف لائے اور ایک مٹھی سنگریزوں کی لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے سواری پر ہی خاک طلب فرمائی اور ''شاہت الوجوہ'' (ان کے منہ پھریں) دم کر کے دشمنوں کی جانب پھینکی تو یہ مشت خاک مشرکوں کے تمام لشکریوں کی آنکھوں اور منہ پہ پڑی اور کوئی کافر ایسا باقی نہ تھا جس کی آنکھ میں یہ خاک نہ پڑی ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ ان کی آنکھیں اور منہ ان سنگریزوں سے بھر گئیں۔ فرمایا: قسم ہے رب محمد کی وہ شکست کھا گئے۔ اور دعا مانگی کہ اے خدا اپنے وعدہ کو سچا کر دے اور کافروں کو اس کے سزاوار نہیں اور نہ وہ ان کے لائق ہیں کہ وہ مسلمانوں پہ غلبہ پائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ دعا مانگی: اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَاِلَیْکَ الْمُشْتَکٰی وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَبِکَ الْمُسْتَغَاثُ وَعَلَیْکَ التُّکْلَانُ.

اور فرمایا: ''اِنْھَزَمُوْا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ'' ''رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کافر بھاگے''۔ اس وقت جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کیا اے محمد! اللہ تعالیٰ نے آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کلمات تلقین فرمائے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت تلقین فرمائے تھے جبکہ بنی اسرائیل کے لیے دریائے نیل میں راستہ بنایا گیا تھا۔ اس جگہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْہُ بَلَآءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ

آپ نے نہیں پھینکا جبکہ آپ نے پھینکا لیکن اللہ نے پھینکا۔ تاکہ مومنوں کو اس بلا حسن سے آزمائے بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کی جانب جو سنگریزے پھینکے اس کی آواز ایسی معلوم ہوئی تھی جیسے آسمان سے طشت میں پھینکے گئے ہوں۔ اور ان کافروں کی اولاد جن کے باپ لشکر ہوازن میں تھے اپنے آباء سے نقل کر کے کہتے ہیں کہ جب ہماری طرف سنگریزے پھینکے گئے تو کوئی آنکھ ایسی باقی نہ تھی جس میں وہ نہ پڑے ہوں اور

ہمارے دل تڑپنے لگے اور ان میں قلق واضطراب لاحق ہوگیا اور ایک عظیم ہیبت ہم پر طاری ہوگئی وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایسی آوازیں سنیں جیسے طشت پر ہتھوڑا مارا جاتا ہے۔ اور اسی دوران آسمان سے ابر سیاہ کی مانند نمودار ہوا جو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان چھا گیا اسی دوران غور سے دیکھا تو سیاہ چیونٹیوں سے تمام میدان لبریز ہوگیا تھا اور تمام وادیاں اس سے بھر گئیں تھیں وہ کہتے تھے کہ ہر پتھر اور درخت ہر جگہ مخالفوں کی نظر میں ایسے سوار نظر آتے تھے جو زمین و آسمان کے درمیان علاقے سفید لباس میں ابلق گھوڑوں پر سوار ہیں اور دونوں شانوں کے درمیان علاقے چھوڑے ہوئے ہیں اور ہم میں اتنی تاب وتواں نہ تھی کہ ان کی طرف نگاہ بھی اٹھا سکیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حق تعالیٰ نے اس روز اپنے نبی کریم کی پانچ ہزار فرشتوں سے مدد فرمائی۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد ہوازن پوچھتے تھے کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو سفید لباس میں ملبوس ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور ہم مارے نہیں گئے مگر انہیں کے ہاتھوں سے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے غزوۂ حنین میں بھی قتال کیا ہے۔ جس طرح کہ بدر میں کیا تھا۔ اور وہ قول جس نے یہ کہا ہے کہ ''فرشتوں کا نزول امداد واعانت کے لیے تھا قتال بدر کے ساتھ مخصوص ہے'' ضعیف ہے اس کے بعد مسلمانوں نے نیام سے تلوار نکال کر کافروں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا۔ گویا کہ آسمان سے ان پر ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے اور ان کو شکست دیدی۔

ہوازن کا لشکر اتنی دیر بھی کھڑا نہ رہ سکا جتنی دیر میں اونٹنی کا دودھ دوہا جاتا ہے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

شیبہ بن عثمان حجمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں قریش کی ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین میں آئی میں بھی ان میں تھا اور اس مقصد کے ماتحت ساتھ تھا کہ اگر موقعہ میسر آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دوں گا۔ یہ کینہ اپنے باپ کے روز احد مارے جانے کی بنا پر تھا اور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے اور نیت سے چلا میرا پختہ عزم تھا کہ اگر تمام لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع ومنقاد ہو جائیں تو بھی میں ہرگز نہ ہوں گا۔ میں اس ارادے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقب میں آیا اور چاہا کہ آپ پر تلوار کا وار کروں کہ اچانک میں نے دیکھا ایک آگ کا شعلہ بجلی کی مانند نمودار ہو کر میری طرف لپکا اور قریب تھا کہ وہ مجھے جلا ڈالے۔ اتنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی 'اے شیبہ! قریب آؤ۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا' اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس میرے سینہ پر مار کر فرمایا ''اے خدا' اسے شیطان کے شر سے محفوظ رکھ'' حق تعالیٰ نے اسی وقت میرے دل سے وہ واعیہ اور کینہ دور فرمایا'' خدا کی قسم! آپ اسی لمحہ میری آنکھ کان سے زیادہ محبوب ہوگئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ کافروں کے ساتھ جنگ کرو۔ اس کے بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چلتا اور کافروں سے جنگ کرتا تھا۔ خدا کی قسم! اگر اس وقت میرا باپ بھی زندہ ہوتا تو یقیناً میں اسے تلوار سے قتل کر دیتا۔ اس کے بعد کافروں نے ہزیمت کھائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ میں تشریف لائے اور میں بھی خیمہ اقدس میں داخل ہوا تاکہ آپ کے جمال جہاں آراء سے مشرف ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے شیبہ! حق تبارک وتعالیٰ نے جو تمہارے لیے چاہا اس سے بہتر تھا جو تم اپنے لیے اپنے دل میں چاہتے تھے۔ اس کے بعد جو کچھ میرے دل میں تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرما دیا۔ پھر میں نے عرض کیا ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ'' اس کے بعد میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لیے استغفار فرمائیے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ'' ''اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخش دیا''۔

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ سیاق حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں ایمان اسی وقت جاگزیں ہوگیا تھا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر دستِ اقدس مارا اور محبت پیدا ہوگئی تھی جس کے باعث کافروں سے انہوں نے جنگ کی۔ لیکن لفظ شہادت ظہور میں نہیں آیا تھا اس وقت وہ اس سے بھی مشرف ہوگئے اس حدیث میں اس پر دلیل موجود ہے کہ

ایمان کی حقیقت وہی تصدیق قلبی ہے اور زبانی اقرار احکام ایمان کے اجراء کے لیے اس پر زائد ہے۔ جب وہ بھی حاصل ہو تو ایمان مکمل ہو گیا۔

صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ان سے لوگوں نے پوچھا کیا تم حنین کے دن بھاگے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہاں! لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرار نہیں ہوئے تھے اور مرکز استقامت ثابت و مستقیم تھے اور جب ہم نے ہوازن پر حملہ کیا تو وہ متفرق و منتشر ہو گئے۔ اس کے بعد ہم غنائم کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے جمع ہو کر تیروں کے نرغہ میں لے لیا۔ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عارب اس طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ یہ جو فرار و پریشانی کی آزمائش ہم پر مسلط ہوئی یہ ہماری ہی غلطی کی بناء پر تھی کہ ہم دنیاوی مال و متاع کی طرف متوجہ اور اس کے متعلق ہو گئے اور غزوۂ احد میں بھی ایسا ہی واقع ہوا تھا۔ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بغلہء بیضاء پر سوار فرماتے جاتے تھے:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبُ   اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبُ

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی موقعہ پر اور کسی مقام میں فرار وانہزام جائز نہ تھا اور اس دربار عالی میں اس کی صورت بھی کیسے ممکن تھی جبکہ آپ شجاعت کے اعلیٰ منزل کے حامل اور وعدہء حق پر اعتماد کامل رکھتے تھے کیسے متزلزل اور فرار کی شکل بن سکتی ہے اور اس پر اجماع ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب انہزام کا اعتقاد ناجائز ہے اور قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الشفاء میں مرابط مالکی سے اس بارے میں نقل کرتے ہیں کہ جو کوئی یہ کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے راہ فرار اختیار کی (معاذ اللہ) تو اس سے توبہ کرائی جائے۔ اگر وہ اس سے توبہ کر لے تو فبہا۔ ورنہ اسے قتل کر دینا چاہیے۔ اور کہا کہ علامہ دمیاطی نے فرمایا ہے اگر یہ قائل توبہ لینے کے ساتھ اصل مسئلہ میں جو کہ سب وشتم ہے مخالف ہے تو یہ صورت ممکن ہے (اور اس سے توبہ لے لی جائے گی کہ وہ سب وشتم کا قصد نہیں رکھتا تھا) اور اگر اصل مسئلہ کے موافق ہے تو سب وشتم کرنے والے کی توبہ مقبول کرنا مشکل ہے۔ چونکہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کرنے والے کی توبہ مقبول ہے یا نہیں۔ اور یہ کہ اس کا قتل بربنائے ارتداد ہے یا بطریق تعزیر۔

وصل: ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس غزوہ میں چار مسلمان شہید ہوئے ایک ان میں سے ایمن رضی اللہ عنہ بن ام ایمنؓ جو کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ماں کی طرف سے بھائی تھے اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں سے تھے۔ خدام کا ذکر آخر کتاب میں انشاء اللہ آئیگا اہل شرک وشقائق میں سے ستر افراد جہنم رسید ہوئے اور ان میں سے بہت سے تو دائرہ اسلام میں آ گئے اور باقی بھاگ گئے۔ ان بھاگنے والے کافروں کی تین ٹولیاں ہیں۔ مالک بن عوف تو طائف کے قلعہ کی طرف بھاگ گیا اور ایک ٹولی بطن نخلہ کی طرف بھاگ گئی اور ایک جماعت اپنے اموال کی حفاظت میں جو کہ اوطاس میں تھا دوڑ پڑی اور مسلمان ان کے تعاقب میں لگ گئے اور ان کو قتل کیا حضور اکرم صلی اللہ علایہ وسلم نے حکم دیا کہ ''مَنْ قَتَلَ قَتِیْلاً فَلَهُ سَلَبُهٗ'' جس نے جس کافر مقتول کو ہلاک کیا اس کا سامان اسی کا ہوگا۔

ایک روایت میں ہے کہ جس نے جس کافر کو مارا اور اس پر گواہ گزرے تو سامان ہتھیار کپڑے اور مقتول کا جانور سب اس کا ہوگا۔ حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی دوران ایک کافر کو مارا تھا۔ اس مقتول کا سامان دوسرے شخص کے ہاتھ میں پہنچ گیا تھا۔ جب انہوں نے بارگاہِ رسالت میں صورت حال بیان کی تو اس شخص نے کہا اس کافر کا سامان میرے پاس ہے۔ مگر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوقتادہ کو راضی کر دیجیے کہ اس مقتول کا سامان مجھے چھوڑ دیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ''خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے شیروں میں سے کسی شیر کو جس نے راہ خدا میں جنگ کی ہو محروم نہ رکھیں گے اور اس سامان کو جو اس کا حق ہے

تجھ سے دلائیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ٹھیک کہا قتیل کا سامان اسے لوٹا دو پھر ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زرہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے ایک باغ خریدا۔

اس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک مقتولہ عورت پر ہوا لوگ اس کے گرد کھڑے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ کیسا اژدھام ہے لوگوں نے کہا ایک کافرہ عورت ہے جسے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کر دیا ہے۔ حضور کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا کہ انہیں بتا دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں بچوں اور مزدوروں کو قتل کرتے سے منع فرماتے ہیں۔ غالباً یہ بات حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے تشریعی حکم تھا اس سے پہلے انہیں معلوم نہ تھا۔

اس کے بعد ابوعامر اشعری کو جو کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے چچا تھے ایک جماعت کے ساتھ جس میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العوام ابوموسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشعری اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے اوطاس کی طرف بھاگنے والے کافروں کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔ مسلمان قطع مسافت کر کے دشمنوں پر پہنچ گئے اور جنگ وقتال برپا ہوئی اور درید بن الصمہ جو کہن سال بوڑھا تھا اور اس قوم کا سردار تھا جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے وہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا اور حضرت ابوعامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس لشکر کے امیر تھے انہوں نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ ان کی شہادت کی کیفیت میں روایتیں مختلف ہیں۔ اصح یہ ہے کہ جنگ کے دوران بنی جشم کے ایک شخص نے حضرت ابوعامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانو پر تیر مارا اور وہ تیر ان کے زانوں میں بیٹھ گیا اور ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جشمی شخص کے پیچھے بڑھ گئے اور اس پر قابو پا کر اسے قتل کر دیا اور چاہا کہ تیر کو ابوعامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانوں سے نکالیں جب نکالا تو خون بہت زیادہ نکلا اور حضرت ابوعامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زندگی سے ناامید ہوئے تو فرمایا ''اے بھتیجے میرا اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا اور التماس کرنا کہ میرے لیے حق تعالیٰ سے آمرزش فرمائیں اس کے بعد اس لشکر کی امارت میرے سپرد فرمائی اور حق تعالیٰ نے میرے ہاتھ پر فتح آسان فرما دی جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور آپ کے خیمہ مبارک میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ ایسے بوریے پر جو کھجور کی چھال سے بنا ہوا تھا آرام فرما ہیں اس بوریئے کی دھاریوں کے نشانات آپ کے پہلوؤں اقدس پر پڑے ہوئے تھے۔ میں نے حضرت ابوعامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ اور ان کی معروضات پیش خدمت کیں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگایا اور وضو فرمایا اور دو رکعت نماز پڑھی بعد ازاں دست مبارک اٹھایا اتنا کہ آپ کے بغل شریف کی سفیدی میں نے دیکھی اور دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ عَامِرٍ وَاجْعَلْهُ مِنْ اَعْلٰى اُمَّتِيْ فِي الْجَنَّةِ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لیے بھی طلب آمرزش فرمایئے؟ تو فرمایا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ وَاَدْخِلْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مُدْخَلًا كَرِيْمًا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوموسیٰ اشعری کا نام ہے اور قیس ان کے والد کا نام ہے اس حدیث میں دعا سے پہلے وضو اور نماز کا استحباب ہے اور یہ کہ بزرگوں کی حاضری کے وقت کو عمدہ اور غنیمت جانے اور ایسے وقت میں ان سے دعا اور طلب آمرزش کی درخواست کرے اور دعائے آمرزش کے لیے اتنا اہتمام کرنا تمام دعاؤں میں اصل وقاعدہ یہی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ حنین کے تمام مال غنیمت کو ''جعرانہ'' میں جمع کریں اور اسے مضبوط و محفوظ رکھیں تا کہ فراغت کے بعد تقسیم کیا جائے۔ جعرانہ بکسر جیم وعین وتشدید را اوطاس کے قریب ایک جگہ کا نام ہے جو حنین اور مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں تشریف لا کر حنین کی غنیمتوں کو تقسیم فرمایا اور پندرہ سولہ روز وہاں اقامت فرمائی۔ جعرانہ ایک عورت کا نام ہے اس کے نام سے یہ جگہ موسوم ہوئی اور وہیں سے راتوں رات مکہ مکرمہ آ کر عمرہ گزارا۔ جیسا کہ آئندہ ذکر

آئے گا اور منادی کو حکم فرمایا کہ وہ اعلان کردے کہ جو خدا پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ اموال غنیمت میں خیانت نہ کرے اس پر جس نے بھی غنیمت میں سے کچھ لیا تھا اسے لوٹا دیا۔ حتیٰ کہ عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سوئی لی تھی اور اپنی زوجہ کو دیدی تھی کہ وہ اس سے ان کے کپڑے سی دے۔ جب یہ اعلان سنا تو بیوی سے سوئی لے کر غنائم میں لوٹا دی۔ حنین کے غنائم بہت زیادہ تھے اور کسی غزوے اور لشکر میں اتنا ہاتھ نہ آیا تھا۔ بلکہ اس کے لگ بھگ بھی ہاتھ نہ آیا تھا اور باندیوں کے بارے میں حکم فرمایا کہ جو حاملہ ہیں وضع حمل تک ان سے وطی نہ کی جائے اور جو غیر حاملہ ہیں ان سے ایک حیض آنے تک وطی نہ کی جائے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ان قیدی عورتوں میں ایک عورت تھی جس کا نام شیما بنت الحارث بن عبدالعزیٰ تھا کسی صحابی سے اس نے ذکر کیا اور کہا کہ میں تمہارے آقا کی رضائی بہن ہوں۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ لوگ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ میں لائے اور شیما نے کہا ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں تمہاری رضائی بہن ہوں'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا تم کوئی ثبوت اور نشانی رکھتی ہو؟ پھر اس نے بعض واقعات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دلائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما کر اپنی چادر مبارک اس کے لیے بچھائی اور اسے اس پر بٹھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو رخسار مبارک پر بہنے لگے۔ حضرت حلیمہ اور ان کی قوم کا حال دریافت فرمایا اس نے کہا وہ تو دنیا سے رحلت کر گئیں۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو ہمارے پاس رہو تم معزز مکرم رہو گی اور اگر تم چاہو تو تمہیں تمہارے گھر انعام و اکرام کے ساتھ واپس کر دیں۔ اس نے اس دوسری شق کو اختیار کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک باندی، تین غلام اور بکریاں دے کر رخصت کر دیا اور شیما زیور ایمان سے منور ہو کر اپنے گھر لوٹ گئی تھی۔

بعض کتابوں سے یہ مفہوم مترشح ہوتا ہے کہ شیما جعرانہ میں آئیں جہاں اموال کی تقسیم واقع ہوئی تھی ان دونوں روایتوں میں جمع تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ شیما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہاں آئی ہوں گی اور رخصت کے لیے فرمایا ہوگا کہ تم اپنی قوم میں واپس جانے کے لیے جعرانہ میں ٹھہرو، میں طائف سے لوٹ کر جعرانہ آؤں گا، وہاں تمہیں اسباب معیشت دوں گا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ تشریف لائے تو شیما کو اور اس کی قوم کو بکثرت مویشی اور مال دے کر تونگر بنا دیا۔ اس بنا پر جس راوی نے جعرانہ میں دیکھا اس نے یہ بیان کر دیا اور جس راوی نے وہ دیکھا وہ بیان کر دیا (واللہ اعلم)

فتح قلعہ طائف: وصل: چونکہ مالک بن عوف، ثقیف و ہوازن کے مشرکوں کی ایک جماعت کے ساتھ حنین سے فرار ہو کر طائف چلا گیا تھا اور طائف کے قلعہ میں پناہ لے چکا تھا اور جنگ اور شکست کھانے سے ایک سال پہلے سے ہی قلعہ کو ساز و سامان سے تیار کر رکھا تھا وہ اس قلعہ میں گھس کر اس کے دروازوں کو بند کر کے اس کے تمام مداخل و مخارج اس میں آنے جانے کے راستوں کو مضبوط کر کے بیٹھ گیا اور جنگ کا مصمم ارادہ کر لیا طائف بہت بڑا شہر ہے جو مکہ مکرمہ سے دو منزل یا تین منزل کے فاصلے پر واقع ہے اور عرفات کے راستہ سے اور وادی نعمان سے جو ایک پہاڑ کا نام ہے ایک رات درمیان میں گزار کر جاتے ہیں۔ طائف میں انار و انگور اور دیگر فواکہ بہت کثرت سے ہوتے ہیں اسی جگہ کو عجمی لوگ حجاز کہتے ہیں وہاں کے میوے اور ہوا عمدہ ہیں۔ حجاز، ولایت یعنی دارالحکومت کا نام ہے اور طائف اس کا ایک شہر ہے۔

اخبار میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام اس باغ کو جو اصحاب مریم کے قبضہ میں تھا جس کا قصہ سورہ ''نون والقلم'' کے شروع میں مذکور ہے اکھیڑ کر مکہ مکرمہ لائے اور خانہ کعبہ کا طواف کرایا اور اس جگہ لا کے رکھ دیا۔ اس بنا پر اس علاقہ کو طائف کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس سے پہلے یہ باغ صنعا کے نوا میں تھا اور اس زمین کو جہاں طائف ہے ''دج'' کہتے ہیں اور بعض روایتوں میں اس پر حرم کا اطلاق بھی واقع ہوا ہے ایک نظم میں جسے کسی عالم نے نظم کیا ہے لکھا ہے کہ

وحرم الهادی وورج لطائف حرم والجزاء ثقفی بحرم

''حرم ہادی'' سے مراد مدینہ طیبہ اور ورج سے یہی طائف کی زمین مراد لی ہے اور کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ اور ورج، تعظیم واحترام کے اعتبار سے حرم ہیں لیکن جزا نہیں ہے جیسا کہ حرم مکہ میں ہے''۔اور یہی حنفی مذہب ہے۔

القصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پوری کیفیت کی خبر ہوئی تو آپ نے قلعہ کو فتح کرنے کا مصمم ارادہ فرمالیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہزار افراد کا مقدمہ لشکر بنایا اور جب راہ میں اس مقام سے گزرے جس کا نام ''اینہ'' (بکسر م لام وفتح یائے مخفہ) تھا اور وہاں مالک بن عوف نضری کا ایک محل فرمایا اس محل کو ویران کر کے جلا دو اور آثار شرک کا قلع قمع کر دو۔ لازمی ہے کہ اس محل میں بت بھی رہیں گے۔

طائف کی طرف تشریف لے جانے سے پہلے طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمرو دوسی کو ذی الکفین کے بت خانے کی طرف بھیجا جو لکڑی کا ایک بت تھا تا کہ وہ اسے تباہ و برباد کر دیں۔ وہ اپنی قوم سے مدد لیکر اور اسے تباہ کر کے طائف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہو گئے۔ طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمرو دوسی کا ایک شعر اس بت کے بارے میں منقول ہے انہوں نے کہا

يَا ذَالْكَفَّيْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِكَ

اے ذوالکفین میں تیرے پوجنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ مِيْلَادُنَا اَقْدَمُ مِنْ مِيْلَادِكَ مسلمانوں کی ولادت تیری ولادت سے بہت پرانی ہے؛ مطلب یہ کہ مشرکوں نے تجھے لکڑی سے چھیل کر بنایا ہے اور ہمیں حق تبارک وتعالیٰ نے پیدا فرمایا: اِنِّیْ حَشَيْتُ النَّارَ فُؤَادَكَ. بیشک میں نے تیرے دل میں آگ روشن کی ہے۔ مطلب یہ کہ میں نے تجھے جلا دیا ہے؛ حضرت طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خدمت کو سرانجام دے کر چار دن کے بعد اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ جوان کے موافق تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کے شامل ہو گئے۔ یہ قلعہ کے فتح کرنے اور نقب لگانے کے کچھ اوزار و آلات بھی اپنے ساتھ لے آئے۔

جب لشکر اسلام طائف کے قلعہ کے نیچے آ کے ٹھہرا تو قلعہ والوں نے عظیم تیر بازی شروع کر دی اور بہت سے مسلمانوں کو زخمی کر دیا۔ جس سے کچھ تو درجہ شہادت کو پہنچے ہوازن کی قوم فن تیر اندازی میں بہت ماہر و یگانہ تھی۔ پھر حکم ہوا کہ لشکر ہمایوں اس جگہ سے کوچ کر کے اس بلندی پہ جا کے قیام کرے جہاں اب مسجد طائف ہے اس غزوہ میں امہات المومنین میں سے سیّدہ زینب اور سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن ہمراہ تھیں وہ ان کے لیے خیمے نصب کیے گئے اور صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اس قوم کے پھلوں کے درختوں کو جو کہ کثرت سے کاٹنے میں مشغول ہو جائیں تا کہ کفار کے نگونساری اور ان کے ذلیل وخواری کا سبب بنے۔ جب ان کے مالک اس سے باخبر ہوئے تو درخواست کرنے لیے اور تضرع وزاری کر کے کہنے لگے کہ خدا کے لیے اور رحم وکرم فرماتے ہوئے ان درختوں کے کاٹنے سے رک جایئے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اِنِّیْ اَدْعُهَا لِلّٰهِ وَلِلرَّحِمِ'' میں اللہ کے لیے اور رحم وکرم کے واسطے سے ان درختوں کو چھوڑتا ہوں۔ اس جگہ بھی محاصرہ کی مدت اٹھارہ روز اور ایک روایت میں ہے پندرہ روز اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس روز رہی اور بڑی عظیم جنگ واقع ہوئی اور اسلام میں پہلی مرتبہ منجنیق رکھی گئی اور ان اوزار و آلات سے جو طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمرو دوسی، ذوالکفین کی واپسی کے وقت اپنے ساتھ لائے تھے کام لیا گیا۔ اس جنگ میں کفار کی ایک جماعت ماری گئی اور صحابہ کی بہت بڑی جماعت زخمی ہوئی اور بارہ مرد شہید ہوئے چار انصاری، سات قریشی اور ایک قبیلہ لیث سے۔ ان شہداء میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سب سے بڑے فرزند حضرت عبداللہ بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ ابو محجن ثقفی نے ان پر تیر پھینک کے زخمی کیا پھر وہ زخم مندمل ہو گیا اور کچھ عرصہ دراز کے بعد وہ زخم پھر ہرا ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں اس زخم کی بنا پر دنیا سے رخصت ہوئے اور عبداللہ بن امیہ جو سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی تھے وہ بھی انہیں بارہ شہداء میں سے تھے۔

مواہب لدینہ میں حافظ بدرالدین عراقی کی شرح تقریب سے منقول ہے کہ اس غزوے میں ابوسفیان صخر بن حرب کی آنکھ جاتی رہی۔ اس کے بعد ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حال میں آئے کہ ان کی آنکھ ان کے ہاتھ میں تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کیا چیز پیاری ہے آیا وہ آنکھ جو جنت میں تمہارے لیے ہو یا وہ آنکھ جو دنیا میں دعا کرنے سے حق تعالیٰ لوٹا دے؟ انہوں نے کہا مجھے جنت میں آنکھ ملنا زیادہ محبوب ہے اس سے کہ دنیا میں ملے کہہ کر ہاتھ سے آنکھ کا ڈھیلا پھینک دیا۔ معلوم ہوا کہ دوسری آنکھ سے بھی وہ جنگیر موک میں حضرت فاروق اعظم کی خلافت کی کے زمانہ میں نابینا ہو گئے تھے (انتہی)

محاصرہ کے دوران ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کے ذریعہ اعلان کرایا کہ جو غلام قلعہ میں مسلمانوں کی طرف اتر کے آئے گا وہ آزاد ہوگا۔ اس پر تقریباً بیس غلام اہل طائف کے کسی بہانے سے اتر کے آئے ان میں سے ایک نفیع رضی اللہ تعالیٰ (بصیغہ تصغیر) بن الحارث بھی تھے جو بکرہ سے اترے اسی بنا پر وہ ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لقب سے موسوم ہوئے اور اخیار صحابہ میں سے ہوئے ہیں ان تمام غلاموں کو آزاد کر دیا گیا اور ان کی غلامی کو حق تعالیٰ کی بندگی کے ساتھ وابستہ کر دیا اور ان میں ہر ایک کو کسی نہ کسی صحابہ کے سپرد فرمادیا کہ وہ ان کی ضروریات اور حوائج کا پاس و لحاظ رکھیں۔ طویل عرصہ کے بعد جب اہل طائف حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے غلاموں کو ہمیں واپس کر دیا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اولٰئك عتقاء الله خدا کے آزاد کردہ ہیں وہ تمہاری غلامی میں نہیں رہ سکتے۔ ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نسب میں اس طرح مروی ہے کہ نفیع بن الحارث بن کلدہ ثقفی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ نفیع بن مبروح بن کلدہ ہے اور کہتے ہیں کہ وہ حارث بن کلدہ یا مسروح بن کلدہ کے غلام تھے۔ جنہیں متبنّٰی بنا رکھا تھا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ طائف کے محاصرہ کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ حکم دیا کہ گردونواح میں پھیل جائیں انہوں نے قرب و جوار کے دشمنوں سے جنگ و قتال کی اور ہوازن و ثقیف کے بتوں کو جو اس نواح میں تھے توڑ دیا اور مشرکوں کے آثار و دیار کو برباد کیا۔ پھر بارگاہِ رسالت میں لوٹ آگے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک علی المرتضیٰ کے روئے منور پر پڑی تو تکبیر بلند کی اور خلوت و تنہائی میں خفیہ طور پر بہت سی باتیں ہدایت فرمائیں۔ جب اس خلوت و تنہائی کا زمانہ طویل ہو گیا سو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کہنے لگے کہ عجب ہے کہ دور دراز کی باتیں اپنے چچا کے فرزند سے فرماتے ہیں اور دوسروں سے نہیں کہتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا اَنۡجَیۡتُهٗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَنۡجَا میں ان کے ساتھ راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ راز کی باتیں کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ میں از خود ان سے راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ مجھے حکم دیتا ہے تو ان سے راز کی باتیں کرتا ہوں۔

جب محاصرہ کو پندرہ سولہ دن ایک روایت میں ہے کہ چالیس روز گزر گئے تو کوچ کرنے کا حکم صادر فرمایا اور حکم فرمایا کہ قلعہ کے فتح کرنے کے پابند نہ بنو۔ یہاں سے منتقل ہو جاؤ۔ یہ امر صحابہ پر شاق گزرا اور کہنے لگے تعجب ہے کہ ہم کوچ کر جائیں اور ہم پر طائف مفتوح نہ ہو یہ کیا صورت ہوئی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی توبیخ و سرزنش کے لیے فرمایا اگر تم چاہتے ہو تو جنگ کر کے دیکھ لو۔ یہاں تک کہ تمہیں فتح حاصل ہو جائے دوسرے دن انہوں نے جنگ کی اور بہت زیادہ زخمی ہوئے۔ وہ پشیمان اور شرمندہ ہوئے اور حکم بجالانے پر آمادہ ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّا قَافِلُوۡنَ غَدًا اِنۡشَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی. ہم انشاءاللہ کل یہاں سے

کوچ کرنے والے ہوں گے' صحابہ نے اظہار مسرت کیا جب سامان سواریوں پر لادنے لگے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا مطلب یہ کہ جب میں نے کوچ کرنے کا حکم دیا تو ٹھہر گئے اور توقف کیا اب خود اس کے خواہاں ہو۔ کہنے لگے یا رسول اللہ ثقیف کے تیروں نے تو ہمیں چھلنی کر دیا ان پر دعائے بد فرمایئے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے خدا ان کو ہدایت دے اور انہیں اسلام پر میرے قریب فرما''۔

اہل سیر کہتے ہیں محاصرہ کے زمانہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ دودھ کا ایک بڑا پیالہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا ہوا ہے قبل اس کے کہ آپ نوش فرمائیں ایک مرغ نے آکر اپنی چونچ اس پیالہ میں ڈالی اور اسے گرا دیا۔ اس خواب کو جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان فرمایا چونکہ وہ فن تعبیر میں کامل مہارت رکھتے تھے تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ خواب اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قلعہ کے فتح کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ٹھیک کہتے ہو میں نے بھی یہی تعبیر لی ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے معاملہ میں نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن معاویہ دیلمی سے مشورہ کیا انہوں نے کہا کہ یہ لوگ لومڑی صفت ہیں جو بلوں میں پناہ لیتے ہیں اگر ان کو پکڑا جائے تو ہاتھ نہیں آتے اور اگر ان کو چھوڑ دیا جائے تو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے' جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف کے فتح کی اجازت نہیں ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ایسا سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح کی اجازت نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اجازت نہیں ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا تو مجھے حکم دیجئے تاکہ میں کوچ کا اعلان کر دوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعلان کر دو اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوچ کا اعلان کر دیا اور لوگ کوچ کرنے کی تیاری کرنے لگے۔

مواہب لدنیہ میں شیخ محی الدین نووی سے منقول ہے انہوں نے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام پر رفق ومہربانی اور شفقت کے طور پر اور اس صعوبت وسختی کی وجہ سے جو کفار کی طرف سے انہیں محاصرہ کے ذریعہ پہنچ رہی تھی کہ کفار تو اپنے قلعہ میں محفوظ و مامون ہیں اور انہیں زخم وجراحت پہنچا رہے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوچ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ باوجودیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا اور امید رکھتے تھے کہ یہ قلعہ بغیر محنت ومشقت کے اس کے بعد فتح ہوگا۔ مگر جب صحابہ نے ٹھہرنے پر اصرار کیا اور جنگ کرنے پر مُصر ہوگئے تو ٹھہر گئے اور جب ان کو بے تحاشہ زخم پہنچے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قصد کی طرف رجوع کیا جو پہلے ہی ان پر رفق وشفقت کی وجہ سے کیا تھا۔ پھر جو کچھ انہوں نے دیکھا اس وقت انہیں شفقت کی قدر معلوم ہوئی اور کوچ کے موافق بنے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے بدبجانے پر بطریق تعجب تبسم فرمایا۔ انتہی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ کرتے وقت صحابہ سے فرمایا کہ تم یہ کہو: لَآ اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ وَصَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اور جب کوچ کرنے لگے تو فرمایا کہ یہ کہو: عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ. یہ کلمہ وطن لوٹتے وقت پڑھنا مسنون ماثور ہے۔ اب غور کرنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے جہاد کے لیے نکلتے وقت ساز وسامان جنگ مثلاً گھوڑے ہتھیار دیگر اوزار وآلات جہاد کی تیاری اور صحابہ کو جمع کرتے وقت کچھ پڑھتے ہوں گے۔ جب یہ تمام اسباب سفر وجہاد مکمل ہو جاتا تو یہ سب کسی صحابی کو سپرد کر کے خود خالی ہو جاتے ہیں اور اپنے تمام امور کو حق تبارک وتعالیٰ کو سونپ دیتے اور اس طرح پڑھتے کہ اٰئِبُـــوْنَ

تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللهُ وَحْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اس وقت ''ہزم الاحزاب وحدہ'' پڑھ کران تمام اسباب کی نفی کی طرف اشارہ فرماتے اور حقیقت بھی یہی ہے اس لیے کہ انسان اور اس کے تمام افعال حق تعالیٰ کے ہی پیدا کردہ ہیں۔سب اسی کی مخلوق ہے وہی تدبیر بناتا اعانت فرماتا اور جس طرح اس کی مشیت ہوتی امور کو جاری فرماتا ہے اور اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے اختیار عدل کرتا ہے۔تمام امور اسی کی طرف صادر ہوتے ہیں اور ہر معاملہ اسی کی جانب رجوع ہوتا ہے۔اگر حق تبارک وتعالیٰ چاہے تو کفار کو بغیر جنگ وقتال کے ہلاک فرمادے چنانچہ ارشاد باری ہے:وَلَوْ يَشَآءُ اللهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ اگر اللہ چاہتا تو ان کی مدد نہ کرتا لیکن وہ ایک کو دوسرے کے ساتھ آزمانا چاہتا ہے تو وہ صبر وشکر کرنے والوں کو اجر وثواب عنایت فرماتا ہے...........اور فرماتا ہے: لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ لہٰذا ہر مکلّف پر واجب ہے کہ دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرے سامان و اسباب کے مہیا کرنے میں بھی اور اس کی طرف رجوع والتجا کرنے میں بھی۔جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے کہ پہلے مقام ربوبیت کی ادب اور تشریح اُمت کے لیے اسباب فراہم کرتے پھر حق تعالیٰ کی جانب رجوع ہوتے اور معاملہ اس کے سپرد فرمادیتے اور حق تبارک وتعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس سے اپنی قدرتِ عالیہ اور حکمت غامضہ میں سے جو چاہتا ظاہر فرماتا۔جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ذخیرہ فرمایا ہے۔واللہ اعلم بحقیقۃ الحال علی وجہ الکمال۔

وصل:حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف سے کوچ کرکے جعرانہ تشریف لائے جہاں حنین کی غنیمتیں جمع کی گئی تھیں اور وہ چھ ہزار بردے' چوبیس ہزار اونٹ' چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھا ایک اوقیہ کا وزن چالیس درہم وزن کا ہوتا ہے ایک روایت میں ہے کہ بکریاں اتنی زیادہ تھیں کہ ان کا شمار ہی نہ ہوسکتا۔تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست جود وسخا کو لوگوں پر کشادہ فرمایا بالخصوص ان مولفۃ القلوب پر جن کے دلوں میں ابھی نور ایمان قوی نہ ہوا تھا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کو جمع کرکے لانے کا حکم دیا۔پھر بکریوں کو اور اونٹوں کو شمار کرکے لوگوں پر تقسیم فرمایا۔ہر شخص کو چار اونٹ اور چالیس بکریاں اگر وہ پیادہ تھا عنایت فرمائے اور اگر سوار تھا تو بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں مرحمت فرمائیں اور ایک گھوڑے سے زیادہ کا حصہ نہ دیا

اہل سیر کہتے ہیں کہ تمام نقدیوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع کیا گیا تھا۔ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آکے کہنے لگا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!آج آپ تمام قریش سے زیادہ تونگر ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ابوسفیان نے کہا۔ ''اس میں سے کچھ مجھے بھی عطا فرمائیے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ ان کو انعام میں دو۔ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میرے بیٹے یزید کو بھی حصہ عنایت فرمائیے۔یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بڑے بیٹے کا نام تھا اور یزید بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے چچا پر نام رکھا گیا تھا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ اور دیدو۔پھر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا ''میرے دوسرے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی حصہ دیجیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:چالیس اوقیہ چاندی اور ۱۰۰ اونٹ اور دے دو اس پر ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں خدا کی قسم!آپ زمانہ جنگ میں بھی کریم تھے اور زمانہ آشتی میں تو بہت ہی کریم ہیں۔آپ از حد مروت فرماتے ہیں حق تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔اسی طرح حکیم رضی اللہ عنہ بن حزام کو سو اونٹ دے دیے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ وہ اور زیادہ چاہتا ہے تو فرمایا سو اونٹ اور دیدو اور رؤساء عرب کی جماعت کثیرہ کو جیسے سہل رضی اللہ عنہ بن عمرو' صفوان رضی اللہ عنہ بن امیہ' خویطب رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیٰ' اسید رضی اللہ عنہ بن حارثہ ثقفی' حارث بن ہشام برادر ابوجہل قیس بن عدی' اقرع بن حابس تمیمی وغیرہ اس کے علاوہ اور

لوگوں کومثلاً علاء بن جاریہ ثقفی' مخرومہ بن نوفل' سعید رضی اللہ عنہ بن بوع' عثمان رضی اللہ عنہ بن نوفل' ہشام رضی اللہ عنہ بن عمرو عامری وغیرہ کو پچاس پچاس اونٹ دیئے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ عطا مجموعہ غنائم میں سے مرحمت فرمائے یا خمس میں سے ایک جماعت کا خیال ہے کہ خمس میں سے تھے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ مجموعہ غنائم میں سے تھے۔ یہ قول راجح تر ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اموال ونقود کو لشکر اسلام اور اہل مکہ وغیرہ پر صرف فرمایا اور انہیں خوش کیا کچھ وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے تھے ایمان لے آئے اور وہ لوگ جو ضعیف الایمان تھے حصول رضا وخوشنودی کے سبب ان میں تقویت پیدا ہوئی۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ اسی دوران ایک گھاٹی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا صفوان رضی اللہ عنہ بن امیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو گھاٹی بکریوں اور مویشیوں سے بھری ہوئی تھی صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھور گھور کر انہیں دیکھتا تھا اور اس کی نظر بھرتی نہ تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشہ چشم سے اس کیفیت کو ملاحظہ فرمایا اور کہا ''کیا یہ تجھے اچھے معلوم ہوتے ہیں؟'' اس نے کہا ہاں!'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان سب کو میں نے تجھے بخشا۔ صفوان رضی اللہ عنہ نے ان سب کو فوراً اپنے قبضے میں لے لیا اور کہنے لگا ''خدا کی قسم کوئی شخص داد ودہش میں اتنی سخاوت نہیں کر سکتا بجز حق تعالیٰ کے نبی کے''۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا اور مولفتہ القلوب میں داخل ہو گیا۔ عرب کے بعض نادانوں اور جفا شعار لوگوں سے اس ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آزار بھی اٹھائے اور فرمایا: رَحِمَ اللّٰہُ مُوْسٰی اُوْذِیَ بِاَکْثَرَ مِنْ ھٰذَا فَصَبَرَ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحمت فرمائے وہ اس سے زیادہ ستائے گئے مگر صبر کیا''۔

عیینۃ بن حصن اور اقرع بن حابس کو سو اونٹ دیئے اور عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مرداس کو سو سے کم ارنٹ دیئے۔ وہ غصہ میں آ گیا اور یہ شعر کہنے لگا

اتجعل نهبی ونهب الفیل — بین عیینه والاقرع
وما کنت دون امرء منهما — ومن تضع الیوم لا یرفع

اور اس سے ایک شعر یہ بھی ہے جو نحو کی کتابوں کی غیر متصرف کے باب میں آتا ہے

وَمَا كَانَ حِصْنٌ وَلَا حَابِسٌ — يَفُوْقَانِ مِرْدَاسٍ فِيْ مَجْمَعٍ

مطلب یہ کہ عباس بن مرداس اپنے باپ مرداس پر حصن وحابس کے اوپر فخر کرتا ہے۔ جو عیینہ اور اقرع کے باپ ہیں۔ جب یہ اشعار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع میں پہنچے تو فرمایا: اِقْطَعُوْا عَنِّیْ لِسَانَهٗ مجھ سے اس کی زبان کو قطع کرو تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے اونٹوں کے احاطہ میں لے گئے اور سو اونٹ دیدیئے پھر وہ سب سے زیادہ خوش ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تو میری مدح میں شعر کہتا ہے اس پر اس نے عذر خواہی کی اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں میں اپنی زبان میں ایسی سرسراہٹ محسوس کرتا ہوں جیسے چیونٹی چلتی ہے جب تک کہ میں کوئی شعر نہ کہوں اور میں شعر گوئی میں مجبور و بے اختیار ہوں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم کناں ہو کر فرمایا۔ ''عرب شعر گوئی نہیں چھوڑ سکتے جس طرح اونٹنی اپنے بچے کو نہیں چھوڑ سکتی۔

بعض سیری کتابوں میں آیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک میں یہ شعر پہنچے تو فرمایا تو نے ایسا شعر کہا ہے کہ:

اتجعل نهبی ونهبت العنید — بین عیینه والاقرع

حضرت ابوبکر صدیق اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مصرعہ کو موزوں اور مقفی نہ دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین العینیہ والا قرع۔ فرمایا: چاہے اس طرح کہلو چاہے اس طرح کہلو دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ شاعر نہیں ہیں اور نہ آپ کے لیے شعر گوئی سزاوار ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ نہ ہم نے آپ کو شعر سکھایا اور نہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق ہے؛ بعض کہتے ہیں کہ وزن کے ساتھ شعر پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آسان نہ تھا اور آپ موزوں وغیر موزوں میں فرق نہ فرماتے تھے۔ (سبحان اللہ)

غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر خاص و عام کو انعام وعطایا سے سرفراز فرمایا اور مخلوق کے ظاہر و باطن کو محفوظ و معمور فرمایا۔ خصوصاً اہل مکہ کو جو مؤلفۃ القلوب وغیرہ میں سے ہیں حد وشمار سے زیادہ نوازا اور وہ انصار جو بارگاہ بیکس پناہ کے مخلصوں اور مخصوصوں میں سے تھے ان کو منزہ، مبرا، معاف اور محروم رکھا۔ اہل مکہ کی مانند ان پر داد و دہش نہ فرمائی۔ اہل سیر کہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انصار اندوہ گیں ہوئے کہ وہ قریش جنہیں حسد و نفاق کی بو ابھی بس رہی ہے اور مخلص نہیں ہیں اور دیگر وہ قبائل عرب جنہوں نے راہ خدا میں کوئی محنت و مشقت نہیں اٹھائی ہے انہیں تو مالا مال کر دیا گیا ہے اور ہمیں محروم رکھا گیا ہے حالاں کہ کافروں کا خون ہماری تلواروں سے ابھی خشک بھی نہیں ہوا ہے۔ انصار کی یہ چہ میگوئیاں جب سمع مبارک تک پہنچیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھیج کر انہیں بلایا اور جس خیمہ میں آپ تشریف فرما تھے اس میں انہیں بٹھایا اس وقت انصار کے سوا کسی کو اجازت نہ تھی کہ خیمہ میں داخل ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''اے گروہ انصار! یہ کیسی باتیں میں تمہاری طرف سے سن رہا ہوں کیا تم نے ایسا کہا ہے یا نہیں؟'' وہ عرض کرنے لگے ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حاشا وکلا جو ہمارے اکابر وروؤسا میں سے کسی نے ایسا کہا ہو۔ البتہ ہم نوجوانوں اور نئے چاہنے والوں کا ذمہ نہیں لیتے ممکن ہے کہ انہوں نے ایسی بات زبان سے نکالی ہو۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سوچو تو بھلا' کیا میں نے تم کو کافر و گمراہ نہیں پایا تھا پھر حق تعالیٰ نے تمہیں راہ رست دکھا کر ایمان کی دولت سے سرفراز فرمایا اور ایمان ایسی دولت ہے جو اس داد و دہش اور بخششوں سے اعظم واجل ہے۔ اس سے پہلے کیا میں نے تمہارے اندر ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی و عداوت نہیں پائی تھی پھر حق تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں باہمی الفت ومحبت پیدا فرمائی'' واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے باہمی تنازعات اور خونریزیاں از حد تھیں اور قبیلہ اوس وخزرج دونوں ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے درمیان ایک سو بیس سال سے جنگ جاری تھی۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا.

اے مسلمانو! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہوئی جبکہ تم دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن کر صبح اٹھے۔ حالانکہ تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو تم کو اس سے بچایا'' اور تم کو غنائم سے تونگر بنایا اور تمہارے مال واولاد میں میرے وجود کی بدولت برکت دی''۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا: وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً ان کے سوا بکثرت اس مضمون کی آیات کریمہ ہیں۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں کو جو انصار پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پہنچی تھی یاد دلائیں۔ مگر انصار خاموش رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے''۔ انصار عرض کرنے لگے۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ ہم جواب میں کیا عرض کریں وَلِلّٰهِ الْمِنَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ. اللہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل واحسان ہم پر بہت زیادہ ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم چاہو تو یہ کہہ سکتے ہو اور اس کہنے میں تم صادق وراست گو ہو گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جانب اس حال میں آئے کہ آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا اور ہم نے آپ کی تصدیق کی اور کوئی آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی پرواہ نہ کرتا تھا اور نہ کوئی آپ کی مدد کرتا تھا ہم نے آپ کی نصرت واعانت کی۔ آپ باہر آئے ہوئے اور نکالے ہوئے تھے ہم نے اپنے گھروں میں جگہ دی۔ آپ بے زر و مال تھے تو ہم نے انس ومحبت اور جوانمردی وخدمت کی۔ آپ خائف تھے ہم نے آپ کو بے غم و بےفکر کیا'' ۔ جب یہ باتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق انصاف وتواضع اور شکر گزاری میں سنیں تو انصار عرض کرنے لگے۔ ''نہیں نہیں بلکہ خدا اور اس کے رسول کا ہم پر احسان ہے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ کا وجود گرامی ہم میں نہ ہوتا تو ہمارے اور دوسروں کے درمیان کیا فرق تھا۔ آپ کے وجود گرامی کی بدولت ہی تو ہم مشرف' معزز' ممتاز اور منفرد ہوئے اور دنیا و آخرت میں انشاء اللہ معزز مکرم ہوں گے۔ ہم کیا ہیں اور ہم کون ہیں۔ سب کچھ آپ کی بدولت اور آپ کے طفیل میں ہے۔ ہم خدا اور اس کے رسول سے خوش وراضی ہیں ہم آپ نظر کرم کے محتاج ہیں ہم آپ کی متابعت کے خواستگار ہیں نہ کہ دنیاوی ساز وسامان کے۔ مصرعہ

چوں تو داریم بمعنی ہمہ داریم ہمہ

انصار کے اکابر بزرگ حضرات رونے لگے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس اور زانوئے مبارک کے بوسہ سے سرفراز ہوئے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی کے لیے اور قریش کے ساتھ دیناوی عطا ونعم کی تخصیص کا سبب بیان کرنے کے لیے فرمایا کہ قریش جاہلیت سے قریب العہد ہیں اور ان کو بہت مصیبتیں پہنچی ہیں میں نے چاہا کہ اس مال وعطا کے ذریعہ ان کی مصیبتوں کی تلافی کردوں اور ان کے دلوں کو ایمان واسلام کی طرف مائل کردوں اور فرمایا جعیل بن سراقہ ضمری جو فقرائے اصحاب صفہ میں سے ہیں اور ہمارے اکثر غزوات میں ہمراہ رہے ہیں انکو بھی ان غنائم سے کچھ نہیں دیا ہے اور عیینہ واقرع کو سوسو اونٹ دیئے اس لیئے کہ جعیل کے ایمان واخلاص پر میں اعتماد رکھتا ہوں'' اور فرمایا'' اے گروہ انصار کیا تم اس سے راضی نہیں کہ اورلوگ تو اونٹ وبکریاں لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم خدا اور رسول خدا کے ساتھ گھروں کو واپس ہو؟ خدا کی قسم جس شان کے ساتھ تم گھروں کو لوٹو گے وہ ان لوگوں سے بہتر ہے جو اونٹ وبکریاں لے کر جائیں گے'' اور فرمایا اے انصار! تم غصہ میں نہ آؤ میں نے مال مولفتہ القلوب کو دیا ہے اور تم کو ان میں سے شمار نہیں کرتا اور تمہارے کمال اخلاص پر مکمل اعتماد رکھتا ہوں'' ۔ فرمایا اگر لوگ وادی اور گھائیوں میں چلیں گے تو میں انصار کی وادی اور گھاٹیوں میں چلوں گا۔ یہ لوگ وثار یعنی ظاہری لباس میں ہیں اور انصار ی شعار یعنی اندرونی لباس میں ہیں۔ جو جسم کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ انصار میرے کرش اور عیبت ہیں کرش بفتح کاف وسکون را بمعنی معدہ عیال اور اولا دصغار کے ہیں اور عیبت بفتح عین مہملہ وسکون یا بمعنی چمڑے کی زنبیل یعنی صندوق جس میں کپڑے محفوظ کیے جاتے ہیں جسے بقچہ بھی کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ بقچہ اور صندوق میں جس طرح سامان اور کپڑے محفوظ رہتے ہیں اور اسی طرح ان کے دل اور سینوں میں اسرار وانوار محفوظ رہتے ہیں اور فرمایا '' اے انصار! میں حیات وممات ہر حالت میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس کے بعد انہیں ایک قسم کی دنیاوی بشارت بھی دی اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں ایک دستاویز لکھ دوں کہ میرے بعد بحرین خاص تمہارے لیے ہو۔ جو بہترین مقام ہے اور مجھے اس کی فتح سے مخصوص و محفوظ کیا گیا۔ انصار گریہ وزاری کرتے ہوئے عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے بعد ہمیں اس کی حاجت نہیں ہے اور دنیاوی مال ومتاع کی ضرورت نہیں ہے اور وہ دن نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ عنایت ہمارے سروں سے گم ہو جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' جان دینے اور اس جہان سے جانے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ میرے بعد تمہیں بہت سے کام کرنے ہوں گے تم صبر کرنا اور تقویٰ اختیار کرنا۔ تا کہ بغیر پشیمانی اور بغیر شرمساری کے خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کے ملو اور وعدہ کیا گیا ہے کہ تمہارے ساتھ میری ملاقات حوض کوثر پہ ہوگی۔ جس کا طول وعرض صنعا اور عمان کے برابر ہے اور اس کے جام و پیالے

آسمان کے ستاروں سے زیادہ ہیں۔اس کے بعد انصار نے شکر الٰہی ادا کیا کہ وہ مال پر فریفتہ نہ ہوئے اور خدا اور رسول سے دور نہ ہٹے او حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص عنایتوں کے ساتھ مخصوص ہوئے (الحمد للہ)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ میں اموال و بردے تقسیم فرما چکے تو ہوازن کی ایک جماعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اسلام سے مشرف ہوئی اور انہوں نے اپنی بقیہ قوم کے اسلام لانے کی خبر پہنچائی۔ان میں ابوبُرقان بھی شامل تھا جو کہ سیّدہ حلیمہ سعدیہ کی نسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی چچا ہوتا تھا اور زہیر بن سرجی تھا وہ کہنے لگے ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم پر جو بلا ومشقت پڑی ہے وہ آپ سے مخفی نہیں ہے۔اب ہم پر احسان وکرم فرمایئے جس طرح کہ حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر منت ورحمت فرمائی ہے ہم آپ سے آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارے اموال و بردے ہمیں واپس فرمادیں؟ اس لیے کہ ان بردوں اور قیدیوں میں آپ کی وہ رضاعی پھپھیاں' خالائیں اور ان کے اقرباء بھی ہیں۔جنہوں نے آپ کی عالم طفلی وشیر خوارگی میں کفایت و نگہداشت کی اور خدمت کی ہے؟'' اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں تو غنائم کو تقسیم کر چکا اور میں اس انتظار میں رہا کہ تم آؤ اور اس بارے میں گفتگو کرو مگر تم نے دیر کی اور نہیں آئے اب میں کیا کرسکتا ہوں۔میرے ساتھ لوگوں کی جماعت ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو سب سے محبوب بات میرے نزدیک یہ ہے کہ سچ بولا جائے لہٰذا تمام اموال و بردے تو متعذر دشوار ہیں۔البتہ تم اموال یا بردوں میں سے کسی ایک کو پسند کرلو جو بھی تمہیں پسند ہو''۔انہوں نے کہا ''اہل وعیال کو چھوڑ کر اونٹ' بکریوں اور نقدیوں کی کیا بات کریں۔ ظاہر ہے کہ ہم بردوں اور قیدیوں کو پسند کرتے ہیں''۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس قدر بنی ہاشم کے نصیب وحصے میں ہیں (ایک روایت میں ہے کہ بنی عبدالمطلب کے پاس ہیں) ہم تمہیں واپس کرتے ہیں اور تمہاری خاطر سے دیگر لوگوں سے بھی کہوں گا کہ وہ اپنے حصے سے دستبردار ہوجائیں۔اس کی صورت یہ ہے کہ جب ظہر کی نماز ہو تو تم کھڑے ہوجانا اور مجھے مسلمانوں کے لیے شفیع بنانا اور کہنا کہ ہمارے بچے اور عورتیں ہمیں واپس کردیں۔اس کے بعد میں بھی مسلمانوں سے تمہارے لیے سفارش کروں گا''۔ہوازن کے لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب عمل کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجمع اصحاب میں کھڑے ہوئے اور بعد حمد و ثناء باری تعالیٰ کے جیسا کہ ذات حق لائق وسزاوار ہے فرمایا کہ ''اے مسلمانو! تمہارے بھائی ہوازن مسلمان ہوگئے ہیں اور میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرض لے کر آئے ہیں اور یہ طے پایا ہے کہ ان کے قیدیوں کو تم سے لے کر انہیں لوٹا دیں اب یہ تمہاری مرضی پر ہے کہ بطیب خاطر اپنے حصوں سے دستبردار ہو یا نہ ہو۔کسی پر جبر نہیں ہے اس کے بدلے اور عوض میں سب سے پہلے جو مال خمس حاصل ہوگا۔ اس میں جو موجود ہوں گے انہیں میں عطا فرماؤں گا''۔صحابہ عرض کرنے لگے ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کو بطیب خاطر مانتے ہیں کسی عوض اور بدلے کی خواہش نہیں رکھتے''۔ان کے بعد مہاجرین کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جس قدر ہمارا حصہ ہے ہم سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں''۔انصار نے بھی ایسا ہی عرض کیا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں تمہارے راضی اور غیر راضی کو نہیں جانتا۔تم جاؤ اپنے عرفاء اور وکلاء کو بھیجو تاکہ وہ مجھے اس بارے میں گفتگو کریں''۔اس کے بعد لوگ چلے گئے اور ان کے عرفاء ووکلاء آئے اور عرض کرنے لگے ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تمام حضرات راضی ہیں اور بطیب خاطر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کو قبول کرتے ہیں''۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حصہ سے اور بنی ہاشم ومہاجرین وانصار نے اپنے حصوں سے دستبرداری کی تو اقرع بن حابس تمیمی جو بنی تمیم کا سردار تھا کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں اور بنی تمیم اپنا حصہ چھوڑنے پر راضی نہیں ہیں اور عیینہ بن حصین فزاری جو بنی فزارہ کا بڑا تھا کہنے لگا ''ہم اور ہماری قوم اس سے راضی نہیں ہیں'' اور عباس بن مرداس نے کہا ''میں اور بنی سلیم

بھی راضی نہیں ہیں''۔ بنی سلیم نے اس کو جھٹلا دیا اور وہ کہنے لگے ''جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ سب رسول خدا کا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مالک ومختار ہیں۔ جس کو چاہیں عنایت فرمائیں''۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ''جو کوئی راضی نہیں ہے وہ اپنے بردوں اور اسیروں کو لوٹا دے۔ میں اسے سب سے پہلی غنیمت میں سے جو حق تعالیٰ عنایت فرمائے گا ایک بردہ کے عوض چھ اونٹ دوں گا''۔ مذکورہ جماعت کے لوگ چونکہ عرب کے جفا شعار اور ان میں سخت ترین لوگ اور ان مولفتہ القلوب میں سے تھے جن کے سینوں سے ابھی تک جاہلیت کی ظلمت وشدت دور نہ ہوئی تھی اور تہذیب اخلاق سے آراستہ نہ ہوئے تھے خصوصاً۔ عینیہ بن حصن تو انتہائی شدت وخشونت اور قساوت رکھتا تھا جیسا کہ احادیث مذکورہ میں وارد ہوا ہے ممکن ہے کہ اسلام کے صفات حسنہ سے متصف ہو گئے ہوں (واللہ اعلم)

بہر حال جب لوگوں نے دیکھا کہ ان اسیروں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنا اہتمام فرمار ہے ہیں تو ہوازن کے تمام قیدیوں کو آزاد کر کے انہیں واپس کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے بھی ان اسیروں کو کپڑے' خلعت اور عطیات مرحمت فرمائے۔ بعدازاں ہوزان سے پوچھا کہ مالک بن عوف جوان کا رئیس تھا اور جس نے معرکہ جنگ وجدال گرم کیا تھا کہاں ہے'' انہوں نے کہا'' وہ طائف میں ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' اگر وہ آ کر مسلمان ہو جائے تو اس کے اہل وعیال اور اس کے مویشی واموال کے علاوہ سو اونٹ مزید میں اسے عنایت فرماؤں گا''۔ جب یہ بات مالک کو معلوم ہوئی تو وہ خوش ہوا پھر وہ بھی جعرانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا اور اپنے اہل عیال اور وعدہ کے مطابق اونٹ اس نے حاصل کیے۔ اس وقت اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں چند اشعار کہے جن میں سے چند یہ ہیں ۔

مَا اِنْ رَاَیْتُ وَلَا سَمِعْتُ بِمِثْلِهٖ فِی النَّاسِ کُلِّهِمْ بِمِثْلِ مُحَمَّدٍ

وَفّٰی وَاَعْطٰی لِلْجَزِیْلِ اِذَا اعتدی وَلِمَنْ تَشَاءُ یُخْبِرْكَ عَمَّا فِیْ غَدٍ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مؤلفتہ القلوب میں شامل کر کے اس کی قوم پر اور دیگر قبائل پر جو اسلام سے مشرف ہو چکے تھے امیر بنایا۔ اس نے ان قبایل کی مدد سے گروہ ثقیف سے مقاتلہ کیا یہاں تک کہ وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم غنائم اور یہاں کے معاملات سے فارغ ہو گئے تو مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت فرمانے کا عزم کیا بدھ کی رات کو جبکہ ماہ ذیقعدہ کی بارہ راتیں باقی تھیں جعفرانہ کے مقام میں عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ مکرمہ تشریف لائے اور عمرہ ادا کر کے واپس لوٹ گئے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ نماز عشاء صحابہ کے ساتھ پڑھ کر سوار ہوئے اور نماز فجر بھی انہیں کے ساتھ پڑھی گویا راتوں رات آنا جانا ہوا۔ بہت سے لوگوں کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ چونکہ یہ مقام جعرانہ' مکہ معظّمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔ چنانچہ دن کے آخری حصہ میں سوار ہو کر تشریف لے گئے اور رات کے آخری حصہ میں واپس تشریف لے آئے جیسا کہ ان شہروں میں عام سفر کا رواج ہے اس کوہستان میں ایک کنواں ہے جو بہت چھوٹا اس طشت کی مانند ہے جس میں آٹا گوندھتے ہیں۔ اس کنویں کا پانی نہایت شیریں اور ٹھنڈا ہے ممکن ہے کہ لشکر اسلام نے اپنی اقامت کے دوران اسے کھودا ہو یا یونہی بارش کے سیلاب سے ایک گڑھا سا بن گیا ہو (واللہ اعلم)

قدوۃ الاولیاء شیخ امام عبدالوہاب متقی قادری فرماتے ہیں کہ میں جعرانہ بارہا پیدل روزہ رکھ کر گیا ہوں ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ میں وہاں سو گیا خواب میں جمال باکمال سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوا جب بھی میں آنکھ کھول کر دوبارہ سوتا جمال جہاں آراء سے مشرف ہوتا۔ انہوں نے کتنی بار فرمایا یہ مجھے یاد نہیں رہا۔ کاتب الحروف (شیخ محقق رحمتہ اللہ) بھی بقصد مشایعت وہاں حاضر ہوا اور خواب میں دیدار

سے مشرف ہونے کے خیال سے سویا لیکن وہ قابلیت وطالع کہاں! کہ اس سعادت سے بہرہ مند ہوتا (وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ)

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ تشریف لے جانے کا قصد فرمایا اور حضرت عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن اسید اموی بن ابوالعیص بن اُمیہ عبدالشمس کو جو کہ روز فتح مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور سادات قریش میں سے بہتر وفاضل شخص تھے مکہ معظمہ کی ولایت پر مقرر فرمایا۔ بعض اسماء الرجال کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ سے حنین کی طرف تشریف لے جاتے وقت انہیں مکہ کا عامل مقرر فرمایا تھا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک عامل رہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی انہیں کو برقرار رکھا تھا یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت کے دن وہ پچیس سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی مکہ میں چھوڑا تا کہ وہاں کے مسلمانوں کو قرآن کریم اور احکام شرع سکھائیں اور دین وملت کے احکام کا اجرا فرمائیں۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بیت المال سے روزانہ ایک درہم کا وظیفہ مقرر فرمایا۔ حضرت عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسا اوقات خطبہ کے دوران فرمایا کرتے کہ ''اے لوگو! خدا اس کے کلیجے کو بھوکا رکھے جو ایک درہم روزانہ پر قناعت نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ نے میرے لیے ایک درہم مقرر فرمایا ہے اور میں اس پر بہت خوش ہوں اور مجھے مزید کسی چیز کی حاجت نہیں ہے''۔ گویا کہ اس شخص میں زہد وقناعت کا لحاظ رکھا گیا تھا جو کہ بنی امیہ میں بہت کم تھا اور یہ صحیح ہے کہ ان کی صفت بہتر وفاضل سے فرمائی گئی ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مرالظہران تشریف لائے تو غنیمت میں سے جتنا کچھ باقی تھا اس جگہ سب تقسیم فرما دیا اور آخر ذیقعدہ یا اوائل ذوالحجہ میں مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے اور اس سال لوگوں نے اس طرح حج کیا جس طرح عرب جاہلیت میں کیا کرتے تھے حضرت عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن اسید نے مسلمانوں کے ساتھ حج کیا بغیر اس کے کہ ان کو امیر الحاج بنایا گیا ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کو امیر الحاج مقرر فرمایا تھا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلوب کے لیے ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حرب کو بلا دیمن میں بخران پر والی مقرر فرمایا۔ سفر مکہ مکرمہ کی مجموعی مدت دو ماہ سولہ دن تھی۔

اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امہات المومنین میں سے سیّدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت زمعہ کو طلاق دیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان کو طلاق دیدی تھی بہر حال سیّدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا ''خدا کی قسم میرے دل میں کسی مرد کی خواہش نہیں ہے۔ لیکن میری تمنا ہے کہ کل روز قیامت میں آپ کی ازواج میں محشور ہوں۔ میرے لیے اتنی ہی سعادت کافی ہے اور اپنی باری کو سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حق میں چھوڑ دیتی ہوں۔ تا کہ یہ بات بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا باعث ہو جو ان کے ساتھ ہے۔

حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت: اسی سال حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ علیہ السلام سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متولد ہوئے اور ان کا اسم گرامی ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکھا۔ ان کی ولادت ۸ھ اور ان کی وفات ۱۰ھ میں ہوئی۔ ان کی مدت عمر سولہ ماہ کی ہے ایک روایت میں اٹھارہ ماہ ہے۔ بعض کتابوں میں ایک سال دو ماہ چھ دن ہے اس میں سب کا اتفاق ہے ان کی وفات ۱۰ھ میں ہوئی۔ ان کی مدت عمر سولہ ماہ کی ہے مفصل تذکرہ اولاد کرام کے ضمن میں آئے گا۔

سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات: اسی سال سیّدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوجہ ابوالعاص بن الربیع نے وفات پائی۔ ان سے دو اولاد تھیں ایک کا نام علی تھا جو بلوغ کے قریب پہنچے تھے۔ مروی ہے کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روز فتح مکہ اپنا ردیف بنایا تھا اور دوسری اولا دلڑکی تھی جن کا نام امامہ تھا اور بعد وفات سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی وصیت کے بموجب امیر المومنین سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان سے نکاح فرمایا۔

غلہ کی گرانی: اسی سال مدینہ طیبہ میں غلہ کی گرانی واقع ہوئی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب نرخ گراں ہوا تو لوگوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لیے غلہ کا نرخ مقرر فرما دیجیے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّزَّاقُ ۔ نرخ مقرر فرمانے والا خدا ہے اسی کے قبضہ قدرت میں قبض و بسط ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ سے اس حال میں ملوں کہ کسی پر زیادتی کا مجھ سے مطالبہ نہ ہو۔ نہ خون کا اور نہ مال کا۔

منبر شریف کی تعمیر: اسی سال اور ایک قول سے ساتویں سال منبر شریف کا بنانا واقع ہوا مطلب یہ کہ مسجد نبوی شریف میں منبر بنایا گیا جس پر کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے تھے اس سے پہلے منبر نہ تھا۔ اس کے بنانے والے کے تعیین میں مختلف روایتیں ہیں مگر اس پر سب متفق ہیں کہ منبر شریف کے بننے سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے اور جب منبر بن گیا اور ایک روایت میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر پر تشریف لائے تو وہ ستون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں رونے لگا۔ یہ حدیث مشہور اور حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہے اور اس کی خصوصیات بھی متعدد۔ احادیث صحیحہ سے ثابت شدہ ہیں۔ محدثین روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف کے بننے سے پہلے کھڑے ہو کر صحابہ کرام کو خطبہء عالی رتبہ سے مشرف فرمایا کرتے اور بسبب طول قیام تھکن عارض ہو جاتی تو پشت مبارک کو مسجد شریف کے ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے جب منبر شریف بنا تو روز جمعہ ستون کے آگے سے گزر کر منبر پر تشریف لائے جب اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آگے نہ پایا تو رونے اور فریاد کرنے لگا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ۔ ستون ایسا روتا تھا جیسے کسی اونٹ کا بچہ گم ہو جائے اور وہ اونٹ روئے۔ ایک روایت میں ہے کہ بچہ ماں کو بلانے کے لیے جس طرح روتا ہے وہ ایسا روتا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اس شخص کی مانند روتا تھا جس کا محبوب و معشوق اس سے جدا ہو جائے اور وہ اس کی محبت میں روئے چنانچہ اس ستون کے رونے سے حاضرین مسجد کے دل بھر آئے اور وہ بھی رونے لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس طرح اس نے آہ و آزاری کی کہ وہ پھٹ گیا چنانچہ حاضرین کو گمان ہوا کہ وہ گر پڑے گا اور وہ اس سے خوفزدہ ہو گئے۔ بعض اپنی جگہ سے اچھل پڑے یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف سے اترے اور اس ستون کے پاس تشریف لے گئے اور اس پر دست اقدس رکھ کر اس کو آغوش شریف سے لپٹا لیا اور فرمایا "اگر تو چاہے تو تجھے باغ میں لوٹا دیں اور تجھے اپنی جگہ جما دیں تا کہ تو دوبارہ سرسبز و شاداب ہو کر پھل دے اور اگر تو چاہے تو تجھے جنت کی زمین میں جما دیں تا کہ تو جنت کی کیاریوں اور اس کے چشموں کے پانی سے سیراب ہو اور انبیاء اولیاء اور صلحاء تیرے پھل تناول فرمائیں۔ جتنی دیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ستون کو اپنے آغوش مبارک میں لیے رہے فرماتے رہے نَعَمْ قَدْ فَعَلْتُ نَعَمْ قَدْ فَعَلْتُ (ہاں میں نے کیا ہاں میں نے کیا) صحابہ کرام نے دریافت کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کیا کہتا ہے؟" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں نے اس سے دریافت کیا کہ کیا دنیا میں رہنا چاہتا ہے یا جنت میں تو اس نے جنت میں رہنا پسند کیا۔ اس پر میں نے کہا قد فعلت ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان هذا بكالما فقد من الذكر. یہ ستون ذکر سے محرومی کی بنا پر رویا ہے۔

حضرت امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جب وہ منبر شریف کی حدیث بیان کرتے تو فرماتے اے مسلمانو! جب ایک لکڑی کا ٹکڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی سے آہ و فغاں کرتا ہے تو تمہیں تو اس سے زیادہ سزاوار ہے کہ لقائے محبوب کے مشتاق

بنو۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ستون کو اسی جگہ دفن کرا دیا۔

منبر شریف' اثل غابہ کی لکڑی کا بنایا گیا۔ اثل غابہ ایک درخت کا نام ہے جو چوب گز کے مشابہ مگر اس سے بڑا ہوتا ہے۔ غابہ ایک جنگل کا نام ہے جہاں بہت درخت ہیں یہ مدینہ طیبہ سے نو میل کے فاصلے پر ہے۔ منبر شریف کا طول بقول صحیح دو گز تھا اور چوڑائی ایک گز۔ ہر سیڑھی کی چوڑائی ایک بالشت تھی۔ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجمعین کے زمانے تک یہ منبر اا پنے حال پر رہا۔ سب سے پہلے جس نے قبطی کپڑے کا غلاف چڑھایا وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ انہوں نے اپنی خلافت کے چھ سال بعد نچلی سیڑھی سے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار کیا تھا اس سیڑھی پر استادہ ہونے لگے جو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوس مبارک کی جگہ تھی (اور سبب یہ بتایا کہ آقا اور خادم میں مساوات کا امکان ہی نہیں برخلاف حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نشست گاہ کے۔ کہ وہاں تو ہم مساوات ممکن ہے۔ نافہم مترجم غفرلہ)

ایک قول یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی امارت کے زمانہ میں سب سے پہلے منبر پر غلاف چڑھایا۔ جس وقت کہ شام سے مدینہ آئے اور چاہا کہ منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے شام منتقل کر کے لے جائیں۔ جب انہوں نے منبر شریف کو اپنی جگہ سے ہلایا تو ایسی تاریکی پھیلی کہ سارا شہر تاریک ہو گیا۔ آفتاب کو گہن لگا حتی کہ دن میں ستارے نظر آنے لگے۔ اس پر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خیال محال سے باز آ گئے اور پشیمان ہو کر صحابہ کرام سے معذرت خواہی کرنے لگے اور کہنے لگے میرا مقصد اس کی دیکھ بھال تھی کہ اسے گھن وغیرہ تو نہیں لگا۔ اس کے بعد چھ درجے اور بڑھائے اور منبر نبوی شریف کو اس کے اوپر رکھا تا کہ بلند ہو جائیں اور تمام حاضرین مسجد خطیب کو دیکھ سکیں۔ جیسا کہ تاریخ مدینہ میں ہے۔

روضۃ الاحباب میں اس طرح منقول ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام سے مروان کو جو مدینہ کا حاکم تھا لکھا کہ منبر شریف کو مدینہ طیبہ سے شام منتقل کر دے ممکن ہے کہ پہلے مروان کو بھی لکھا ہو اور جب وہ خود شام سے مدینہ منورہ آئے تو خود نے بھی ایسا ارادہ کیا ہو یا اس کے بعد مروان لکھا ہوا ہو۔ (واللہ اعلم)

بعد ازاں جب مہدی خلیفہ بنا تو اس نے چاہا کہ اس میں کچھ اور اضافہ کرے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسے منع کیا۔ جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منبر طول زمانہ کے لحاظ سے بوسیدہ ہو گیا۔ دیگر خلفائے عباسیہ نے منبر کی تجدید کی اور منبر نبوی شریف کے بقیہ درجوں کی بقصد تبرک زیب و زینت دی۔ بعض کہتے ہیں کہ چھ سو چون (۶۵۴ھ) ہجری میں مسجد نبوی شریف میں جب آگ لگی تھی تو منبر نبوی شریف کے علاوہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منبر جل گیا تھا مگر۔ صحیح یہ ہے کہ اس آگ سے خلفائے عباسیہ کا بنایا ہوا منبر جلا تھا۔ (واللہ اعلم)

اس کے بعد ہر بادشاہ کے دور میں اس مقام کی تجدید ہوتی رہی اور پہلے منبر کو بدلتے رہے۔ الی یومنا ھذا۔ اس وقت سلطان روم مراد خاں بن سلطان خاں نصرہٗ اللہ و نصر سن نو سو اٹھانوے ہجری میں رخام کی لکڑی سے منبر عالی کو بنایا اور اس کے اوپر سات پہلو کا قبہ بنایا یہ تاریخ سلطان مراد کے منبر بنانے اور اس کی تعمیر کرنے کی ہے (خیال ہے کہ حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ نے اپنے زمانہ حیات تک کے حالات کا تذکرہ کیا ہے اور اسی زمانہ میں یہ کتاب مدارج النبوۃ تصنیف فرمائی ہے۔ مترجم غفرلہ)

رياض جنت: حدیث صحیح میں مروی ہے کہ مَابَيْنَ قَبْرِىْ وَمِنْبَرِىْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے''۔ ایک روایت میں ہے مَابَيْنَ حُجْرَتِىْ وَمِنْبَرِىْ رَوْضَةٌ ایک روایت میں ہے

مَابَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ مِنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ عَلٰی بخاری میں اتنا زیادہ ہے مِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ اور بعض روایتوں میں نَزْعَۃٍ مِّنْ نَزْعِ الْجَنَّۃِ ہے اور نزع کی تفسیر بعض نے باب سے کی ہے اور بعض نے درجہ سے اور بعض نے وہ ''باغ جو بلند جگہ پر ہو'' سے کی ہے اور علماء نے ان احادیث کی تاویل و تحقیق میں متعدد وجوہ بیان کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بقعہ شریف کو روضہ جنت سے تشبیہہ دینے میں نزول رحمت اور حصول سعادت' ان حضرات کے لیے مراد ہے جو وہاں بیٹھ کر ذکر و اشغال کرتے ہیں۔ جس طرح کہ مسجد کو ریاض جنت سے تشبیہ دینے میں ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ

اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّۃِ فَارْتَعُوْا سے اس کی جانب اشارہ ملتا ہے۔ اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ اس طرف عظیم الشان میں شرف عبادت و طاعت کا بیان کرنا مقصود ہے کہ اس سے روضہ رضوان حاصل ہوتا ہے جس طرح کہ حدیثوں میں آیا ہے کہ: اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ تلواروں کے سایہ میں جنت ہے اور اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّھَاتِ ماؤں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ اس اعتبار سے تلواروں سے شغف رکھنا اور ماؤں کی خدمت گزاری کرنا نعیم خلد کا مستحق بناتی اور ریاض جنت کا سزاوار کرتی ہے۔ یہ تاویلات ان اہل ظاہر کی ہیں' جن کی حقیقت تک رسائی نہیں ہوئی۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کلام اپنی حقیقت پر محمول ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک اور منبر شریف کے درمیان کی جگہ حقیقت میں جنت کے باغوں میں کی ایک کیاری ہے اور کل قیامت کے دن وہ جگہ فردوس اعلیٰ میں منتقل ہوگی اور دیگر تمام روئے زمین کی مانند وہ فنا و ہلاک نہ ہوگی۔ جیسا کہ ابن فرحون نے امام مالک رحمتہ اللہ سے نقل کر کے علماء کے اتفاق کو بھی اس کے ساتھ شامل کیا ہے اور شیخ ابن حجر عسقلانی اور دیگر محدثین نے بھی اس قول کو ترجیح دی ہے۔ ابن حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کہ اکابر علماء مالکیہ سے ہیں فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ فی نفسہ یہ بقعہ شریف جنت کی کیاریوں میں سے ہو اور اسے وہاں سے دنیا میں بھیجا گیا ہو جس طرح کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے بارے میں مروی ہے اور بعد قیام قیامت اسے اپنے اصلی مقام میں لے جایا جائے۔ لزوم رحمت اور استحقاق جنت اس جگہ عبادت و اذکار میں مشغول ہونے والوں کے لیے اس مقام کی زیادتی فضیلت اور علو مرتبت کو لازم ہے۔ جس طرح کہ حضرت خلیل علیہ السلام کا مرتبہ خلت' جنت میں اس پتھر کی وجہ سے ممتاز ہوگا اسی طرح کہ سیّد عالم حبیب خدا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس روضہ پر اختصاص پائیں گے۔ اگرچہ چشم ظاہر میں دنیا کی تمام اراضی کی نسبت پر وجود میں آیا ہے مگر اس میں کوئی حجاب نہیں ہے۔ اس لیے کہ جب تک انسان اپنی تخلیق میں طبعی کیفیات کے حجابوں میں محجوب اور عادات بشریہ کے احکام میں مغلوب ہے اس وقت تک حقائق اشیاء کا انکشاف اور امور آخرت پر اطلاع اس سے ممکن نہیں۔ لیکن شارع علیہ السلام کی خبروں سے کسی ایسے وہم میں مبتلا نہ ہونا چاہئے کہ جب یہ بقعہ شریفہ از روئے ریاض جنت کی ایک کیاری ہے تو وہ تشنگی و برہنگی وغیرہ امور کا اس جگہ پایا نہ جانا جو جنت کے لوازم و خواص میں سے ہے اور جنت کے رہنے والوں کو یہ چیزیں لاحق نہ ہوں گی جیسا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: اِنَّکَ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْھَا وَلَا تَعْرٰی ۝ وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْھَا وَلَا تَضْحٰی (بے شک جنت میں تمہارے لیے نہ بھوک ہوگی نہ برہنگی اور نہ اس میں تمہارے لیے پیاس ہوگی اور نہ چاشت کا کھانا) تو یہ باتیں اس جگہ فی الحال نہیں پائی جاتیں؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے جنت کے یہ لوازم' اس بقعہ شریف کو وہاں سے جدا کر کے اور منتقل کر کے لانے کے بعد اس سے علیحدہ کر لیے گئے ہوں۔

اسی طرح یہ جو حدیث میں آیا کہ فرمایا میرا منبر میرے حوض پر ہے اور یہ کہ میرا منبر جنت کے ترعہ پر ہے اس میں بھی تاویلات کرتے ہیں کہ اس سے اس طرف اشارہ فرمانا مقصود ہے کہ اس جگہ آنا اور اس سے برکت حاصل کرنا اور اس کے حضور میں اعمال خیر میں مشغول ہونا آخرت میں حوض نبوی پر حاضر ہونے کا موجب و سبب ہوگا اور اس کا مستحق بنائے گا یا یہ کہ ممکن ہے اس منبر شریف کو حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کل قیامت کے دن تمام مخلوق خدا کے ساتھ اسے بھی اعادہ سے مشرف فرمائیں اور حوض کوثر کے کنارے پر جسے ترعہء جنت سے تعبیر فرمایا ہے قائم فرمائیں جیسا کہ علماء رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے۔

واضح رہنا چاہیے کہ روضۃ الاحباب میں حضرت علاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرمی کو منذر بن ساوی کی جانب بھیجنے کو اس جگہ بیان کرنے کے بعد تنبیہ کی ہے کہ اکثر اہل سیر' حضرت علاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرمی کو منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب بھیجنے کے قصہ کو سال ششم یا ہفتم میں بادشاہوں کی طرف مکاتیب و وفود بھیجنے کے ضمن میں بیان کرتے ہیں لیکن صاحب طبقات نے وضاحت کی ہے کہ جعرانہ سے واپسی کے وقت ان کا بھیجنا عمل میں آیا تھا اور بعض کتب سیر میں حدیبیہ کے بعد ان کا بھیجنا واقع ہوا ہے انتہی کاتب حروف (شیخ محقق رحمۃ اللہ) بعض کتب سیر کی موافقت میں اسے اس جگہ بیان کر چکا تھا اور مقام کی مناسبت بھی وہی ہے اگر روایت صحیح ہو اور خود اکثر اہل سیر بھی اسی طرف ہیں۔ بہر حال اس کا ذکر کیا جا چکا ہے خواہ یہاں ہوتا یا وہاں ہو چکا۔

عبدالقیس کے وفد کی آمد: اسی سال کے واقعات میں عبدالقیس کے وفد کے آنے کا واقعہ ہے۔ وفد لوگوں کی اس جمعیت کو کہتے ہیں جو قاصد بن کر آئے اور پیام و خط وغیرہ پہنچائے۔ عبدالقیس بن قصی قبیلہ اسد جو ربیعہ کی اولاد میں سے ہیں انکے جد اعلیٰ کا نام ہے اسی سال ان کا وفد بارگاہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں حاظر ہوا۔ اس وفد میں بیس آدمی تھے اور ان کا سردار وہ شخص تھا جس کو وہ ''اشج'' کہتے تھے۔ اس وفد کے آنے سے ایک دن پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مشرق کی طرف سے کچھ سوار تمہارے پاس آ رہے ہیں جو اپنی خوشی و رغبت سے اسلام میں داخل ہوں گے اور ان کے سردار کی یہ یہ نشانیاں ہیں اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ الْقَيْس. اے خدا عبدالقیس والوں کی بخشش فرما۔ جب یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ میں حاضر ہوئے تو فرمایا مِنَ الْقَوْمِ کس قبیلہ سے ہو یا فرمایا: مِنَ الْوَفْدِ کس کی طرف سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا ہم ربیعہ ہیں یعنی ربیعہ بن معد بن عدنان کی اولاد واحظ میں سے ہیں۔ اس قبیلہ کا جد اعلیٰ قریش سے اوپر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں جیسا کہ نسب نامہ میں ظاہر ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ وَالْوَفْدِ. اے لوگو اے قاصدو تمہارا آنا تمہیں مبارک ہو اور تم کشادہ و فراخ جگہ میں آئے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے جو کسی عزیز و محبوب کے آنے پر فرماتے تھے اور فرمایا کہ یہ قوم خوار و رسوا اور پشیمان نہ ہو۔ وفد عبدالقیس کے لوگوں نے کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں ممکن نہ ہوا کہ حاضر ہو سکتے بجز حرمت والے مہینوں میں۔ مطلب یہ کہ ان مہینوں میں عرب کے درمیان باہمی جنگ و جدال نہیں ہوتا اور یہ اشہر حرم چار مہینے ہیں ذی قعدہ' ذی الحجہ' محرم اور رجب۔ کیونکہ ہمارے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وہ قبیلہ حائل ہے جو کفار مضر بن نزار برادر ربیعہ بن نزار ہیں۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد شریف کا نام ہے اور یہ مضر' حضرت خلیل علیہ السلام کے دین پر تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مضر کو دشنام نہ دو کیوں کہ وہ دین اسلام پر تھے۔ مضر ان کا نام اس بنا پر ہے کہ وہ مض یعنی لبن حامض (ترش دودھ) کو پسند کرتے تھے اور اس کے پینے کے بڑے شوقین تھے۔ یا اس بنا پر ان کا یہ نام تھا کہ وہ سفید رنگ کے تھے اور ان کا چہرہ سفید تھا اور ان کو مضر احمر بھی کہتے ہیں۔ نیز یہ بھی اہل سیر بتاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد کی میراث سے زر سرخ یعنی سونا پایا تھا اور ربیعہ نے گھوڑے پائے تھے یا اس بنا پر ان کا نام ہے کہ جنگوں میں ان کا اشعار سرخ علم تھے' جیسا کہ قاموس میں مذکور ہے۔

اس کے بعد عبدالقیس کے وفد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں مفصل و بین ایسا حکم فرمایئے جو حق باطل کے درمیان فارق ہو۔ جس میں کوئی اشتباہ و التباس باقی نہ رہے۔ تاکہ ہم اپنی قوم کو جسے چھوڑ آئے جا کر بتائیں۔ یا جو ہمارے سامنے آئے اسے بتائیں تاکہ ہم اور وہ اس پر عمل کر کے جنت میں داخل ہوں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو

ایمان نماز، روزہ، زکواۃ اور غنیمت میں سے ادائے خمس کا حکم دیا۔ پھر انہوں نے اپنی قوم کے لیے ان برتنوں کا حکم پوچھا جن میں وہ پیتے اور نبیذ وغیرہ ڈالتے تھے۔ مقصود یہ کہ جس وقت شراب حلال تھی اور جن برتنوں میں اسے رکھتے اور استعمال کرتے تھے اب جبکہ شراب حرام ہوگئی ہے کیا ان برتنوں کو وہ کسی اور استعمال میں لا سکتے ہیں اور ان سے کوئی اور کام لے سکتے ہیں یا ان برتنوں سے شراب پینے کی مشابہت کی بنا پر پرہیز واجتناب کریں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایسے چار برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا جو شراب کے استعمال کے لیے خاص ہیں۔ ایک خم یعنی سبز مٹکا، جس میں شراب و نبیذ کا لہن اٹھاتے ہیں۔ دوسرا برتن دبا یعنی خشک کدو جس کو رنگ کر کے صراحی نما بناتے ہیں۔ تیسرا برتن نقیر، یہ ایک درخت کی جڑ ہوتی ہے جسے کھوکھلا کر کے برتن بناتے ہیں اور اس میں نبیذ ڈالتے ہیں۔ چوتھا برتن مزفت، جو زفت سے رنگ کر بناتے ہیں۔ زفت اور قیر اس رنگ کو کہتے ہیں جو کشتی وغیرہ پر چڑھایا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان امور واحکام کو یاد رکھنا اور اپنی قوم کو اور اس کو جو تم سے ملے اور وہ یہاں نہ آسکے اسکی خبر دینا۔

علماء کا اختلاف ہے کہ جب شراب کے آثار کا قلع قمع ہو جائے اور اس کی حرمت قائم وثابت ہو جائے تو ان برتنوں کا استعمال حرام نہ ہوگا۔ چونکہ اس کے حرام ہونے کا وقت تازہ اور قریب تھا اس بنا پر اس سے منع کیا گیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ مشابہت کی بنا پر یہ مکروہ ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ یہ وفد جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور جمال باکمال دیکھا تو سواریوں پر سے زمین پر اتر پڑے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس اور پائے اقدس کو بوسہ دے کر محبت وشوق کا اظہار کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس جذبہ شوق کر جائز و برقرار رکھا اور اس سے انہیں منع نہ فرمایا۔ لیکن ان کا سردار جسے شج بعد القیس کہتے ہیں اس کو اس جماعت کے ساتھ نہ دیکھا وہ اپنی سواری کو لیکر جائے قیام چلا گیا تھا جہاں اس نے غسل کر کے عمدہ و پاکیزہ کپڑے پہنے اور حلم و وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ چل کر مسجد نبوی شریف میں آیا یہاں دوگانہ پڑھا اور دعا مانگی اس کے بعد وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں حاضر ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اس وضع وآداب کو پسند کیا اور تحسین فرمائی اور ارشاد فرمایا: اِنَّ فِیْكَ لَخَصْلَتَیْنِ یُحِبُّهُمَا اللّٰهُ الْحِلْمَ وَالْاَنَاءَ ةُ. بلاشبہ دو خوبیاں تم میں ایسی ہیں جو خدا کو محبوب ہیں ایک حلم دوسرا وقار۔ حلم کی تعریف جلد بازی نہ کرنا اور امور میں تدبیر کرنا اور مصلح میں غور وفکر کرنا ہے اور اناءۃ کی تعریف جودت نظر ہے اور اس کا حاصل وقار وگرانباری ہے اور ایک روایت میں اَلْحِلْمُ وَالْحَیَاءُ آیا ہے اور ایک روایات میں اَلْحِلْمُ وَالتَّوْءَ ۃُ آیا ہے معنی کے اعتبار سے سب کا ایک ہی مطلب ہے۔

روضۃ الاحباب میں اشج نامی سردار سے بڑی نکتہ سنج گفتگو نقل کر کے کہا ہے کہ جب یہ وفد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو پوچھا کہ عبداللہ اشج تم میں کون ہے انہوں نے کہا میں ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ارباب سیر کہتے ہیں کہ وہ خوبصورتی نہ رکھتا تھا حضور اکرم صلی اللہ غعلیہ وسلم رخ انور سے اسے بار بار دیکھتے تھے۔ گویا تعجب کرتے تھے کہ ایسے مرد حقیر کو انہوں نے کس بنا پر اپنا سردار بنایا ہے۔ انہوں نے یہ مفہوم جان لیا اور کہنے لگے ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں کی جلد وکھال پانی نہیں پیتی ہے مرد میں جو چیز مطلوب ہے وہ زبان ودل ہے کہ وہ مفاہیم ومطالب کو خوب جانتی ہو اور زبان، فصیح اللسان ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن کر اپنے قریب بلایا اور اپنے پہلو میں بٹھایا اور فرمایا تم اپنی ذات پر اور اپنی قوم پر مجھ سے بیعت کرو مطلب یہ کہ اپنی قوم کے ایمان لانے کے تم ضامن بنو۔ انہوں نے کہا درست ہے، ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم قبول کرتے ہیں ایسا ہی کریں گے۔ اشج نے کہا لوگوں کو ان کے اپنے دین سے پھیرنا مشکل کام ہے البتہ میں اپنی ذات پر بیعت کرتا ہوں آپ کسی کو ہماری طرف بھیجئے جو انہیں اسلام کی دعوت دے جو پیروی کرے گا۔ ہمارے ساتھ ہوگا اور جو انحراف کرے گا ہم اس سے جنگ کریں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے ٹھیک بات کہی۔ بلاشبہ تم میں، دو خوبیاں ہیں جن کو حق تعالیٰ پسند فرماتا ہے ان میں سے ایک حلم وبردباری ہے اور دوسرا وقار

ہے۔ اشج نے کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دونوں خصلتیں مجھ میں پیدائشی ہیں۔ اس کے بعد اس نے کہا میں خدا کا شکر بجالاتا ہوں کہ مجھ میں ایسی خوبی پیدا فرمائی جو اسے پسند ہے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ وفد مدینہ طیبہ میں دس دن رہا اور قرآن و احکام شرعیہ کو سیکھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو تحائف دیئے اور اشج کو سب سے زیادہ عنایت فرمایا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جانے کی اجازت مرحمت فرمائی (رضی اللہ عنہا)

ہجرت کے نویں سال کے واقعات

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہجرت کے نویں سال کے شروع محرم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کی طرف جو مسلمان ہو گئے تھے عمال مقرر فرمائے کہ وہ جا کر زکوٰۃ کے اموال وصول کر کے لائیں اور عمال کو نصیحت فرمائی کہ پرہیز گاری کرنا اور لوگوں سے اعلیٰ قسم کے مال کا مطالبہ نہ کرنا اور لوگوں کو بھی نصیحت فرمائی کہ زکوٰۃ کے عاملین کو پوری پوری زکوٰۃ دیکر راضی کریں کیوں کہ ان کی رضامندی اسی میں ہے۔ اگر وہ انصاف و عدل سے کام لیں گے تو وہ اپنے لیے کریں گے اور اگر ظلم کریں گے تو خود اپنے پر کریں گے تمہارا فائدہ ان کی رضامندی میں ہے۔ ان عاملین زکوٰۃ میں سے ایک بشر بن سفیان کعبی تھے جن کو خزاعہ کے بنی کعب پر مقرر فرمایا۔ جس وقت بشر بنو کعب کے پاس پہنچے سو وہ سب بنی تمیم کے چشمہ پر جمع ہوئے بشیر نے ان کے مویشیوں کو جمع کر کے ان میں سے زکوٰۃ کے جانور علیحدہ کیے تو وہ بنی تمیم کی نظر میں اپنی کم ظرفی' خست اور سابقہ جہالت و قساوت جفاؤ شدت اور عدم حسن اسلام کی بنا پر بہت برا معلوم ہوا اور کعب سے کہنے لگے کہ کس لیے اتنا کثیر مال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے ہو اور کیوں اپنے مال کو اپنے قبضہ سے نکالتے ہو۔ اس کے بعد وہ سب تیر و کمان اور تلواریں لے آئے اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل صدقات کو ان مویشیوں کے لے جانے سے روکا بنو کعب نے کہا ''ہم دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت و فرمانبرداری کا ہم نے اقرار کیا ہے اور زکوٰۃ فرائض و واجبات میں سے ہے'' بنو تمیم کہنے لگے۔ ''خدا کی قسم ہم نہ چھوڑیں گے کہ حضور اکرام صلی اللہ علیہ وسلم عامل ایک اونٹ بھی یہاں سے لے جا سکے''۔ بشر نے جب یہ صورت حال دیکھی تھی وہاں سے چلے آئے اور بسرعت تمام مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے اور بنی تمیم کا حال بارگاہ نبوت میں پہنچ کر بیان کر دیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کون ہے تم میں جو بنی تمیم سے انتقام لے'' سکینہ بن حصین فرازی نے کہا ''خدا کی قسم میں بنی تمیم کے تعاقب میں جاتا ہوں اور اس وقت تک واپس نہ آؤں گا جب تک کہ ان سب کو بارگاہِ رسالت میں حاضر نہ کر دوں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس سوار' جن میں مہاجرین و انصار میں سے کوئی نہ تھا ان کے ہمراہ کیے اور بنی تمیم پر روانہ کیا' جب عتبہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مخالفوں کی بستیوں میں پہنچے تو ان کے اکثر گھروں کو لوگوں سے خالی پایا۔ آبادی میں بنی تمیم کے جو لوگ موجود تھے ان پر حملہ کیا اور گیارہ مرد' پندرہ عورتوں ایک روایت میں ہے گیارہ عورتوں اور تیس بچوں) کو گرفتار کر کے مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ اس کے بعد بنی تمیم کی ایک جماعت ان قیدیوں کے مطالبہ کے لیے مدینہ منورہ آئی اور اقرع بن حابس' جس کا ذکر تقسیم غنائم کے باب میں گزر چکا ہے اور جو فصیح و بلیغ خطیب اور شاعر تھا اس کو بھی وہ اپنے ہمراہ لائے۔ تا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مفاخرت کرے۔ وہ مسجد نبوی شریف میں داخل ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں قیلولہ فرما رہے تھے۔ یہ آنے والے نہیں جانتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس حجرے میں تشریف فرما ہیں۔ اس لیے ہر حجرے کے دروازے پر پہنچتے اور شور و غوغا مچاتے اور کہتے کہ ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) باہر آیئے ہمارے بچوں اور عورتوں کو کس لیے قیدی بنایا ہے ہم نے کیا گناہ کیا ہے''۔ ہر چند حضرت بلال

رضی اللہ عنہ اور مسجد کے دیگر حضرات انہیں اس شور وغوغا سے باز رکھتے اور انہیں تسکین دیتے اور کہتے کہ مسجد میں آوازیں اونچی نہ کرو اور ادب کا لحاظ رکھو مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے بے وقوفو! کچھ دیر ٹھیرو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر کے لیے تشریف لائیں گے''۔ اتنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ انور سے باہر تشریف لائے اور فرمایا ''اے لوگو کیا ہوا ہے کہ تم نے مجھے نیند سے بیدار کیا''۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک سے اپنی آنکھیں ملتے جاتے تھے اس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو خدا جانتا ہے کہ ان لوگوں نے بھی نماز پڑھی یا ہنوز اسی نادانی و جہالت میں تھے اور یا پھر انہیں نماز پڑھنی نہ آتی ہو اور یا طبعی غصہ واضطراب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے نماز میں شریک نہ ہو سکے ہوں۔ (واللہ اعلم)

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعد ادائے نماز حجرہ شریف کی جانب تشریف لے جانے لگے تو ان لوگوں نے آپ کو سر راہ گھیر لیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بات کا اعادہ کرنے لگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور ان کے جواب میں کچھ نہ فرمایا اور حجرہ میں داخل ہو گئے نماز ظہر کی سنت پڑھنے کے بعد باہر تشریف لائے اور صحن مسجد میں اقامت فرمائی۔ بنی تمیم میں سے اقرع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حابس نے گفتگو کا آغاز کیا اور کہا ''ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم عرض کریں''۔ فرمایا ''کہو''۔ اس نے کہا کہ ہماری مدح زین ہے اور ہماری مذمت شین ہے مطلب یہ کہ ہماری ستائش ہماری آرائش ہے اور ہماری بدگوئی ہمارا عیب ہے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم جھوٹ کہتے ہو یہ شان حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ہے کہ اس کی مدح اس کا زین ہے اور اس کا زم اس کی شین ہے'' اور فرمایا ''تمہارا مقصد اس بات سے کیا ہے؟'' بنی تمیم کے لوگوں نے کہا ''ہم اپنے شاعر و خطیب کو ساتھ اس لیے لائے ہیں تاکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مفاخرت کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں شعر گوئی پر مبعوث نہیں ہوا ہوں اور نہ مجھے مفاخرت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود لاؤ کیا لیاقت رکھتے ہو''۔ پھر عطارو بن حاجب سے جو ان میں خطیب و فصیح ترین شخص تھا کہا اٹھو اور خطبہ دے''۔ عطارو اٹھا اور خطبہ دیا جو حمد و ثنا اور قبیلہ بنی تمیم کے فخر و شرف پر مبنی تھا۔ جب عطارو خطبہ سے فارغ ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن قیس بن شماس انصاری کو حکم دیا جو اکابر صحابہ اعلام انصار اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب تھے کہ وہ عطار کے جواب میں خطبہ دیں۔ پھر حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ پڑھا جو نہایت فصیح و بلیغ تھا اور حمد و ستائش حق سبحانہ وتعالیٰ، ذکر شہادتین، درود بر نبی مختار، فضل مہاجرین وانصار، متابعت رسول رب کردگار صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و اعانت پر مشتمل تھا اور وہ خطبہ ان کی حیرت و عبرت کا موجب بنا۔ اس کے بعد بنی تمیم کا شاعر زبرقان بن بدر نامی کھڑا ہوا اور فضل و افتخار پر مشتمل اشعار پڑھے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ ان کے جواب میں شعر کہو۔ حضرت حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قصیدہ غراء فی البدیہہ ان کے جواب میں پڑھا۔ پھر بنی تمیم کی جانب سے اقرع بن حابس کھڑا ہوا اور شعر بدعویٰ و افتخار پڑھے۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بامر رسول مختار ان کے جواب میں قصیدہ غرا اس سے زیادہ ابلغ پڑھا۔ اس پر اقرع بن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگا ''خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عالم غیب سے تائید و نصرت دی جاتی ہے اور کوئی فضل و مکرمت آپ سے اٹھا نہ رکھا گیا۔ آپ کے خطیب ہمارے خطیب سے فصیح تر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہمارے شاعر سے بلیغ تر ہیں۔ آپ کی ہر شے ہماری ہر شے سے بہتر ہے پھر وہ مقام انصاف و تسلیم میں آئے اور مطیع و منقاد ہوئے اور سلامتی کے ساتھ ایمان لے گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قیدیوں اور اسیروں کو چھوڑ دیا اور ان کے لائق انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا۔

ان لوگوں کے بارے میں یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی: اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ، وَلَوْ

اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ بے شک وہ لوگ جو حجروں کے پیچھے سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں سے اکثر لوگ بے عقل ہیں۔ اگر وہ اتنا انتظار کرتے کہ اے محبوب تم خود ان کی طرف تشریف لاتے تو ان کے لیے یقیناً یہ بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے''۔ اس آیۂ کریمہ میں صفت رحمت و مغفرت کے ساتھ عفو و درگزر کی خبر دینے کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن سیاق کلام اور لوگوں کی سوء ادبی پر غور کیا جائے تو اس میں ایک قسم کی تہدید و توبیخ اور انتقام بھی نظر آتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر غفاریت اور رحمانیت کی صفت نہ ہوتی تو جو ان سے بے ادبی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا ترک ہونا صادر ہوا ہے اس بنا پر وہ مستحق عذاب اور عقاب عظیم کے سزاوار بن چکے تھے ان صفات کا ہی ظہور واثر تھا کہ وہ صرف نصیحت و درگزر سے گزر گئے۔ اس آیۂ کریمہ سے پہلے بھی رفع صوت' بلند آوازی سے بات کرنے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نام و کنیت سے مخاطب کرنے کی ممانعت میں آیت نازل ہو چکی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ اے ایمان والو اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز سے بات نہ کرو جس طرح کہ تم ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں شعور بھی نہ ہو۔ بنی تمیم کے یہ لوگ بھی اس آیت کے حکم میں داخل و مصدوق ہیں لیکن اس آیت کریمہ کے سبب نزول کے سلسلہ میں صحیح بخاری میں مروی ہے کہ کسی اور وقت میں بنی تمیم کے کچھ لوگ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے درخواست کی کہ کسی کو ہم پر امیر مقرر فرما دیں۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قعقاع بن معد بن زرارہ کو (جو بنی تمیم کے ایک شخص کا نام تھا) ان کا امیر مقرر فرما دیجئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اقرع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حابس کو امیر مقرر فرما دیجئے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ دخل اندازی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گراں گزری اور فرمایا''تمہارا مقصد میری مخالفت کرنا ہے؟''انہوں نے کہا''میرا مقصد آپ کی مخالفت کرنا نہیں بلکہ ان کی بھلائی کرنا مقصود ہے مطلب یہ کہ جو بات میرے خیال میں بھلی اور مصلحت وقت کے مطابق نظر آئی میں نے عرض کر دی۔ اس پر دونوں بزرگوں میں تیز گفتاری ہوگئی اور یہ جدال و نزاع' اتباع حق کے اظہار میں واقع ہوا تھا نہ کہ غلبہ و ترفع کے مقصد و ارادہ سے اور جزبہ اتباع کی یہ خوبی تمام صحابہ میں موجزن تھی۔ اس بنا پر دونوں کی باہمی آوازیں بلند ہوگئیں۔ اس موقعہ پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ مطلب یہ کہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کرنے سے پہلے تم آگے فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرو' اور جب نازل ہوا کہ: وَلَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ (اپنی آوازوں کو اونچا نہ کرو) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کے ساتھ کہا کہ''میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رازدارانہ طور پر آہستگی سے کلام کے سوا بات ہی نہ کروں گا اس طرح جس طرح کوئی دوسرے کو سمجھانے کے طریقے پر بآہستگی بات کرتا ہے۔ بیضاوی میں منقول ہے یہ قسم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں ہی نے کھائی تھی اس پر نازل ہوا کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ بیشک جو حضرات اپنی آوازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پست رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ ان کے دلوں میں تقویٰ کا امتحان لیتا ہے۔ ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور منہ میں کنکریاں ڈال کر بیٹھا کرتے تھے تاکہ بات کرنے میں تنگی دشواری ہو۔ نیز مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن قیس شماس جو طبعاً

بلند آواز تھے گھر میں بیٹھ رہے اور مجلس شریف کی حاضری موقوف کر دی مبادا کہ آواز کی بلندی لازم آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی جستجو ہوئی اور فرمایا ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن قیس نہیں آتے اور نہ وہ نظر ہی آتے ہیں وجہ کیا ہے؟ اس پر حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن قیس نے حاضر ہو کر عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی ہے اور میں جہیر الصوت یعنی بلند آواز والا ہوں میں ڈرتا ہوں کہ میرے اعمال ضائع نہ ہو جائیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم اس مقام میں نہیں ہو۔ تم خیر کے ساتھ زندہ رہو گے اور خیر کے ساتھ رحلت کرو گے اور تم جنت میں داخل ہو گے''۔

تنبیہ: بنی تمیم کی یہ شدت' قساوت اور جاہلانہ مفاخرت' گویا بمقتضائے ان کی جبلت وطبیعت تھی۔ صحیح بخاری میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بنی تمیم کی ایک جماعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے بنی تمیم بشارت کو قبول کرو مطلب یہ کہ داخلہ جنت کی بشارت قبول کرو۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصول عقائد کی تعلیم و تبلیغ فرمائی اور اس کے مبداء و مال کی خبر دی اور فرمایا اس بشارت کو تسلیم کرو' انہوں نے کہا بشارت تو آپ نے دی کچھ ہمیں دیجئے بھی تو مطلب یہ کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے پاس ہم اس لیے آئے ہیں کہ دنیاوی مال ومتاع میں سے کچھ عطا فرمایئے بشارت اپنی جگہ رہے بالفعل ہمیں تو مال ومتاع مطلوب ہے۔ ان کی یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزری اور ناگواری کا اثر آپ کے روئے انور سے ظاہر ہونے لگا۔ اتنے میں یمن سے ایک جماعت اشعریوں کی آئی جو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوم تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے اشعریو تم اس بشارت کو قبول کرو جسے بنی تمیم نے قبول نہیں کیا ہے۔ اشعریوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اسے قبول کرتے ہیں''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں بنی تمیم کو ایسی تین خصلتوں کی بنا پر پسند کرتا ہوں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ایک یہ کہ ''بنی تمیم میری امت میں سے دجال پر سخت ترین لوگ ہیں اور ان کی ظاہری سختی اور درشتی اس جگہ کام آئے گی جب وہ اسے دجال پر استعمال کریں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بنی تمیم کی ایک باندی تھی جو اسی قضیہ سریہ عیینہ بن حصین کے سلسلہ میں لائی گئی تھی اور ظاہر ہے کہ چند ہی روز وہ باندی ان کی خدمت میں رہی ہوگی۔ یا کسی اور وقت آئی ہوگی۔ (واللہ اعلم)

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اسے آزاد کردو کیوں کہ یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے یعنی عرب ہے۔ تیسری بات یہ کہ جس وقت بنی تمیم کے صدقات وزکوٰۃ آئے ہوئے تھے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ صدقات ایک قوم کے ہیں یا یہ فرمایا یہ صدقات میری قوم کے ہیں۔ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی تمیم کی اپنی ذات اقدس کی طرف نسبت فرمائی اور اس طرح ان کی دلجوئی اور تالیف قلوب فرمائی۔ کیوں کہ یہ وہی قوم ہے جس نے بنی کعب کو صدقات دینے سے روکا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے اور اب یہ خود ہی اپنی زکوٰۃ کو ادا کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آہستہ آہستہ انکے دلوں میں ایمان جڑ پکڑتا گیا ہوگا اور تہذیب واخلاق کا حصہ بھی انہیں ملا ہوگا۔ پھر یہ کہ انہی عیینہ بن حصین کے بارے میں اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ کسی قماش کے درشت خو تھے اور یہ وہی ہیں جن کے بارے میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث ہے کہ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے آنے کی اجازت دیدو برا آدمی ہے۔ جب وہ اندر آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشروئی کا اظہار فرمایا اور اس سے خندہ پیشانی سے گفتگو فرمائی۔ (جب وہ چلا گیا تو) سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو اسے ایسا ایسا فرماتے تھے مگر جب وہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی ومسرت کے ساتھ خندہ پیشانی سے گفتگو فرمائی؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں سب سے برا شخص وہ ہے جسے

لوگ اس کی فحش کلامی کی بنا پر چھوڑ دیں اور اس سے بچیں۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس کی یہ خصلت اسلام لانے سے پہلے یا اس کے حسن اسلام سے پہلے تھی۔ایک مرتبہ یہی عیینہ بن حصین اپنے بھتیجے کے ذریعہ جس کا نام حر بن قیس بن حصین تھا اور وہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقرب و ملازم تھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا ''اے عمر رضی اللہ عنہ! ہمیں کچھ مال و متاع نہیں دیتے اور ہمارے ساتھ انصاف نہیں کرتے؟'' اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ آیا اور چاہا کہ اسے کچھ سزا دیں۔اس پر حر بن قیس نے پڑھا: خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ اور کہا کہ یہ شخص جاہلوں میں سے ہے۔درگزر فرمائیے۔ان لوگوں کا ظاہر حال تو یہ ہے کہ عاقبت کیسی ہوگی خدا جانے اگر ایمان حاصل و ثابت ہے تو ان پر صحابیت کی تعریف صادق ہے اور صحابی کا حکم ظاہر ہے کہ کیا ہے (واللہ اعلم)

اسی سال ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عقبہ قرشی اموی کو جو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسری ماں سے بھائی تھے اور ان کی والدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور وہ فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے تھے بنی المصطلق کی جانب صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ چونکہ زمانہ جاہلیت میں ولید اور بنی المصطلق کے درمیان دشمنی تھی۔جب اس قوم نے سنا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے آ رہے ہیں تو قدیمی عداوت سے قطع نظر کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم کے فرستادہ ہونے کے لحاظ سے ان کی تعظیم واحترام اور مہمان نوازی کی خاطر بیس آدمیوں کو لے کر استقبال کے لیے نکلے۔جب ولید نے اس جماعت کو دور سے دیکھا تو شیطان نے پرانی دشمنی یاد دلائی کہ یہ جماعت ان کے قتل کے لیے آ رہی ہے۔وہ راہ سے ہی لوٹ پڑے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم سے عرض کیا کہ وہ لوگ تو لشکر مرتب کر کے ہتھیار بند ہو کے جنگ کے ارادے سے نکل آئے ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا وہ مرتد ہو کر لشکر جمع کر رہے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے ارادہ فرمایا کہ لشکر جمع کر کے ان پر غزا کریں۔اتنے میں وہ لوگ بھی مدینہ آ گئے اور ان سواروں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم سے ملاقات کی اور جو حقیقت تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم سے عرض کر دی۔ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ ان کی طرف بھیجا کہ وہ احتیاط کے ساتھ صحیح صورت حال کی تفتیش کریں۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اذان دیتے' نماز پڑھتے' مسجد یں تعمیر کرتے اور شعائر اسلام ادا کرتے ہوئے دیکھا۔وہ لوٹ آئے اور جو کچھ مشاہدہ کیا تھا سب عرض کر دیا۔یہاں تک کہ یہ بات ثابت ہوگئی کہ ولید نے جھوٹ اور بہتان سے کام لیا ہے اس وقت یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی یٰۤاَیُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو قبل اس کے کہ تم نادانی سے کسی قوم پر پہنچو۔پھر جب تم صبح کرو تو اپنے کیے پر نادم ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا: اَلتَّاَنِّىْ مِنَ اللّٰهِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطٰنِ اطمینان اللہ کی جانب سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے۔ایک روایت میں ہے کہ اَلتَّاَنِّىْ مِنَ الرَّحْمٰنِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطٰنِ. آہستگی رحمٰن کی جانب سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے'' اس کا فسق یہی جھوٹ' بہتان اور شر و فساد کا ارادہ کرنا ہے گویا اس آیۂ کریمہ میں ایک غیبی خبر کی طرف اشارہ ہے۔اس لیے کہ اس ولید بن عقبہ کو امیر المومنین سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کا والی بنایا تھا اور اس نے شراب پی پھر اس پر حد لگائی گئی تھی' صحیح بخاری میں یہ ہے کہ امیر المومنین سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اس پر حد جاری فرمائی تھی۔

اس آیۂ کریمہ کے نازل ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے اس قوم پر نوازش فرمائی اور حضرت عباد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن بشر انصاری کو ان کے لیے متعین فرمایا کہ وہ صدقات ان سے وصول فرمائیں اور تعلیم قرآن اور احکام شرح انہیں سکھائیں۔

اسی سال قطبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عامر بن حدیدہ کو بیس مردوں کے ساتھ قبیلہ خثعم کی طرف بھیجا اور ان پر تاخت کرنے کا حکم دیا۔ وہ گئے اور قتال عظیم واقع ہوا اور دونوں فریق زخمی ہوئے اور ان کے اونٹ' بکریاں اور عورتوں کو مدینہ کی طرف لے آئے اور خمس نکالنے کے بعد انہیں تقسیم کیا جن میں سے ہر شخص کو چار اونٹ ملے اور ہر اونٹ کے مقابل دس بکریاں ہوئیں۔

اس کے بعد ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سفیان بن عوف کلابی عامری کو جو ایک شجاع شخص تھا تیار کیا ان کے لیے سو سواروں کا بھی انتظام کیا یہ سو سوار وہ تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم کے سرہانے تلوار لیکے کھڑے ہوتے تھے۔ انہیں بنیکلاب کے ان لوگوں کی طرف ماہ ربیع الاول میں بھیجا۔ جو پہلے اسلام میں داخل ہوئے تھے انہوں نے وہاں پہنچ کر ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اس پر انہوں نے جنگ کی اور ان کو شکست و ہزیمت دی اور مال غنیمت لے کے آگئے۔

اسی سال علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مجز مدلجی' منسوب بہ قبیلہ مدلج' بن صبرہ۔ کو ربیع الآخر میں تین سو آدمیوں پر امیر مقرر کر کے اہل حبشہ کے ان لوگوں کی طرف بھیجا جو جدہ میں آئے ہوئے تھے اور فساد پھیلا رہے تھے۔ علقمہ اس جزیرہ میں پہنچے جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے وہ علقمہ کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے پھر علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ کی جانب لوٹ آئے بعض لوگوں نے جلدی کی اور بسرعت اپنے اہل وعیال کی طرف چلے گئے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حزافہ سہمی بھی ان میں تھے۔ حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو متعجلین پر امیر مقرر کیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حزافہ کے مزاج میں ہزل ومزاح تھا۔ ایک رات انہوں نے اپنے منزل میں پڑاؤ کیا اور سردی سے محفوظ رہنے کے لیے آگ روشن کی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے از راہ مزاح اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ آگ میں کود پڑو۔ جب انہوں نے اپنے امیر کی اطاعت میں آگ میں کودنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے آگ میں کودنے سے منع کر دیا اور کہا کہ بیٹھ جاؤ میں تو مزاح کر رہا تھا۔ جب مدینہ منورہ پہنچے اور بارگاہِ رسالت میں سارا حال بیان کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا ''اگر کوئی تمہیں معصیت و نافرمانی کا حکم دے تو اس میں اس کی اطاعت نہ کرو۔ اس قضیہ کے سلسلہ میں روضۃ الاحباب اور مواہب میں اتنا ہی ذکر کیا گیا ہے۔

مواہب میں کہا گیا ہے کہ اسے حاکم اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بحوالہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو صحیح کہا ہے۔ بخاری میں اس قضیہ کو اس طرح بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ ''باب سریۃ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حزافہ فداء السہمی وعلقمہ بن مجز زالمدلجی ویقال لہا انہا سریۃ انصار'' اس کے بعد انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے اتنا زیادہ کیا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیش کو روانہ کیا اور ایک انصاری شخص کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور ساتھیوں کو حکم دیا کہ امیر جو حکم دے اس کی اطاعت کرنا۔ پھر کسی بات پر وہ شخص جسے ان پر امیر بنایا گیا تھا غصہ میں آیا اس نے کہا کہ لکڑیاں جمع کرو انہوں نے لکڑیاں جمع کیں پھر کہا کہ انہیں جلاؤ۔ انہوں نے اسے جلایا۔ پھر کہا کہ اس آگ میں کود جاؤ۔ کچھ لوگوں نے ارادہ کیا کہ آگ میں کود جائیں اس پر بعض نے بعض کو اس سے منع کیا اور روکا انہوں نے کہا کہ ہم آگ سے بھاگ کر تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہوئے ہیں اور آگ ہی میں خود گر جائیں مطلب یہ کہ نارِ جہنم کے خوف سے تو ہم ایمان لائے ہیں اور آگ میں ہی جھکنے کا کیا مطلب ہے؟ اس دوران جس میں یہ باہمی بحث وتمحیص ہوئی اور آگ بجھ گئی اور امیر کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ جب اس کی خبر حضور اکرم کو پہنچی تو فرمایا اگر وہ لوگ آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر وہ قیامت تک آگ سے باہر نہ نکلتے۔ امیر کی فرمانبرداری اطاعت میں ہوتی ہے نہ کہ معصیت میں۔ (انتہی)

بخاری کے اس مضمون کا مفہوم ارباب سیر کے اس مضمون وکلام سے مختلف ہے جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس لیے کہ اہل سیر کے

کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر تھے اور انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان عجلت پسند لوگوں پر امیر بنایا تھا اور بخاری کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مبعوث ہوئے تھے یہ اشکال ومخالفت آسان ہے۔ اس لیے کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مبعوث تھے اور انہوں نے حضرت عبداللہ کو امیر بنا دیا۔ گویا دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مبعوث ہوگئے اور دوسری اشکال یہ ہے کہ آخر بخاری نے اس سریہ کو سریہ انصار اور بعض نسخوں میں سریہ انصاری کس معنی میں کہا ہے۔ جبکہ حضرت عبداللہ انصاری نہ تھے۔ صاحب مواہب لدینہ نے حضرت شیخ ابن حجر عسقلانی سے بخاری کے قول ویقال انها سرية الانصاری کے بارے میں نقل کر کے کہا کہ اس میں متعدد ومختلف قصوں کی جانب اشارہ ہے اور ظاہر بھی یہی ہے کیوں کہ سیاق کلام اور اسم امیر میں اختلاف ہے اور دونوں کے درمیان تاویل کرنے سے احتمال اور بعید ہوتا جاتا ہے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خزافہ سہمی قرشی کے مہاجر ہونے کو انصاری کے ساتھ موصوف کرنے سے یہ امکان پیدا ہوتا ہے کہ شاید انصار یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناصر ومددگار آیا ہو۔ غرضکہ یہ تاویل بہت ہی بعید ہے۔ ابن قیم نے متعدد قصوں کی جانب میلان کیا ہے اور ابن جوزی نے کہا کہ ان کا قول ومن الانصار یہ بعض روایتوں کا وہم ہے۔ فتح الباری میں کہا گیا ہے کہ اس کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے امام احمد نے روایت کی ہے کہ فرمان باری تعالیٰ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحب امر کی) حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حذافہ بن قیس بن عدی کے بارے میں نازل ہوا۔ جن کو ان کے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔

اسی سال ربیع میں آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو قبیلہ بنی طے کے فلس کی جانب بھیجا۔ وہاں ایک بڑا بت خانہ تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ڈیڑھ سو انصاری ڈیڑھ سو اونٹ پر سوار تھے اور ابوسعد کے نزدیک دو سو مرد تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بت کو توڑا اور اس بستی کو ویران کیا اور اس بت خانہ کو بیخ وبن سے اکھاڑ کے پھینک دیا او بکثرت اونٹ اور بکریوں کو غنیمت میں حاصل کر کے خمس نکالا اور پھر اسے حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقسیم فرمایا۔ آل حاتم بھی تقسیم کیے گئے اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ مدینہ منورہ آ گئے۔ عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حاتم جو قبیلہ طے کا سردار تھا بھاگ کر شام چلا گیا لیکن اس کی بہن سقانہ بنت حاتم قید میں آئی۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مکان کی طرف سے گزرے جہاں اسیران کو محفوظ کیا جاتا تھا آل حاتم بھی اسی مکان میں محبوس تھے حاتم کی بیٹی بیٹھی ہوئی تھی وہ بڑی خوبصورت حسین وجمیل اور فصیح عورت تھی۔ وہ کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا باپ مرگیا ہے اور میرا بھائی غائب ہے مجھ پر احسان فرمایئے حق تعالیٰ آپ پر فضل وکرم فرمائیگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا وافد یعنی فدیہ دینے والا کون ہے؟ اس نے کہا "میرا بھائی عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حاتم"۔ فرمایا وہ تو خدا اور رسول خدا سے بھاگا ہوا ہے"۔ یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ دوسرے دن بھی اسی طرح گذر ہوا۔ سقانہ کہتی ہے میں نے پھر وہی بات عرض کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب مرحمت فرمایا۔ تیسرے دن توجہ فرمائی اور سواری اور سفر خرچ انعام فرما کر مجھے رخصت کر دیا اس کے بعد میں شام چلی گئی اور اپنے بھائی سے ملی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کی نسبت فرمایا تھا کہ "وہ خدا اور رسول خدا سے بھاگا ہوا ہے"۔ میں نے اس سے بیان کر دیا۔ اس بات کا اس پر بڑا اثر ہوا وہ کہنے لگا۔ بھلا خدا اور رسول سے کہاں بھاگ سکتا ہوں"۔ اس کے بعد وہ مدینہ

منورہ آیا اور شرف اسلام سے مشرف ہوا اس کی تفصیل انشاء اللہ سال دہم میں مذکور ہوگی۔

اسی سال طائف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی اور غزوۂ تبوک کے درمیان کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زہیر بن کعب کا قصہ واقع ہوا جیسا کہ غزوۂ فتح مکہ کے دوران سال ہشتم میں اس ضمن میں مذکور ہو چکا ہے جن لوگوں کے خون کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جرم میں کہ یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتے تھے۔ مباح قرار دیا تھا اور ان میں ابن الزبعری اور ہبیرہ بن ابی وہب شامل تھے اسی جرم میں کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کو بھی مباح کرار دیا تھا اور جس طرح اور لوگ بھاگتے تھے یہ بھی بھاگ گیا تھا۔ بعد ازاں واپس آیا اور چاہا کہ اپنے بھائی کے ساتھ جس کا نام بجیر بن زہیر تھا اور وہ شاعر تھا لیکن وہ اس شناعت میں گرفتار نہ تھا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور معذرت چاہ کر طلب مغفرت کرے۔ اس پر اس کے بھائی نے کہا تم یہیں ٹھہرو، میں اس ہستی مقدس کے پاس جاتا ہوں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنتا ہوں اور آپ کے روئے انور سے مشرف ہو کر رضامندی و ناراضگی کا اندازہ لگاتا ہوں۔ پھر بجیر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال باکمال سے مشرف ہوا اور آپ کے کلام کو سنا اور ایمان لایا۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ اس کا باپ زہیر اہل کتاب کے پاس بیٹھا کرتا تھا اور اس نے سن رکھا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا وقت قریب آ گیا ہے اور اس نے خواب میں دیکھا تھا کہ آسمان سے ایک لمبی رسی لٹکی ہوئی ہے وہ اسے پکڑنے کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے لیکن اس کا ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچتا ہے اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے کو خبر دی اور وصیت کی کہ اگر تم نبی آخر الزماں کا زمانہ پاؤ تو ان پر ایمان لانا۔ پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے تشریف لائے تو بجیر نے کعب بن زہیر کو خط لکھا کہ کیا کہتے ہو اور کیا رائے ہے کیا دل میں خواہش ہے کہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر توبہ کریں اور معافی مانگیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں معافی مانگنا مقبول ہے اور آپ توبہ کرنے والے اور معافی مانگنے والے کو کچھ نہیں فرماتے۔ اگر تو ایسا نہیں کر سکتا تو جا اپنے سر کی خیر منا، اس کے بعد اظہار حال میں بجیر کی طرف کچھ اشعار لکھے بجیر نے ان اشعار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ایسا محمول کیا وہ جھوٹ کہتے ہیں کہ جو یہ کہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ آ جائے آپ اسے قتل کر دیتے ہیں گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ ہے (واللہ اعلم) یہی خوف و ہیبت اس کے توبہ میں دیری کا باعث تھا۔ اس پر بجیر نے بھی اشعار لکھے اور حقیقت حال ظاہر کی، جب بجیر کا خط کعب کو ملا۔ تو اس پر زمین کی وسعت تنگ ہو گئی۔ سانس لینا دوبھر ہو گیا اور دشمن خوف ہوئے اور یقین کر لیا کہ اب کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور مارا جائیگا۔ اس کے بعد جب کوئی چارہ نہ رہا تو کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قصیدہ لکھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا کی اور اس میں اپنا خوف و تمنا اور سخن چینوں اور دشمنوں کی شماتت کا اظہار کیا۔ پھر وہ مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوا اور قبیلہ جہنیہ کے اپنے ایک دوست کے یہاں جا کے ٹھہر۔ پھر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں لے گیا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرا کے کہا یہ خدا کے رسول ہیں جنہیں تو دیکھ رہا ہے۔ اٹھ آپ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ......امان مانگ۔ اس پر کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر بیٹھ گیا اور اپنے ہاتھ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پہ رکھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہچانتے نہ تھے۔ پھر اس نے عرض کیا۔ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زہیر تائب ہو کر اور مسلمان بن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے امان طلب کرتا ہے کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی توبہ اور اسلام قبول فرمائیں گے اگر وہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! اس پر اس نے کہا'' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ہی کعب رضی اللہ عنہ ہوں'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' کعب رضی اللہ عنہ بن زہیر تو ہے؟'' اسی دوران میں ایک انصاری نے جو

وہاں موجود تھا جست لگائی اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اجازت دیجئے کہ میں اس دشمن خدا کی گردن ماردوں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسے کچھ نہ کہو یہ توبہ کرکے آیا ہے۔ پھر کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس انصاری پر خشمگیں ہوا کہ اس بات کیوں کہی۔ جبکہ مہاجرین میں سے کسی نے بجز اس کے بھائی بجیرا کے کچھ نہ کہا تھا۔ اس کے بعد کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا قصیدہ لامیہ پڑھا جس کا پہلا شعر یہ ہے کہ

بابت سعادقلبی الیوم متبول   یتم اثر ھالم یعد مکبول

اور اس نے کہا:

نُبِئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَدَنِیْ   وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَامُوْلٌ

لَا تَاْخُذُوْ فِی الْوَشَاۃِ   وَلَمْ اذنب وَلَوْ کَثُرَتْ فِی لاَ قَاوِیْلِ

ان الرسول نور لیتسضاء بہ   مھند من سیوف اللّٰہ مَسْلُوْل

اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا دیکھو کیا کہتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اچھے اشعار کو پسند فرماتے تھے اگرچہ آپ خود شعر گوئی سے پاک تھے اور اپنی ذات مبارک کی مدح وثنا کو محبوب رکھتے تھے کیوں کہ بلاشک وشبہ وہ صدق وحق ہیں۔ اس خوشی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک اپنے جسم اقدس سے اتار کر اسے عطا فرمائی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس چادر مبارک کے عوض دس ہزار درہم دینا چاہتے تھے مگر کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے قبول نہ کیا اور کہا کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جامعہ مبارک کو کسی کے لیے ایثار نہیں کرسکتا۔ جب تک کعب نے وفات پائی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعب کے ورثاء کو بیس ہزار درہم بھیجے اور ان سے وہ چادر شریف لے لی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ آج تک بادشاہوں کے پاس وہ چادر مبارک موجود رہی ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بعد مہاجرین کی مدح کی اور کچھ اشعار انصار کی مدح میں اس بناء پر کہ وہ ان کے اوپر خشمناک ہوئے تھے اسلام لانے کے بعد کہے اور یہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زہیر شعراء فحول میں سے تھے ان کا بھائی بجیر ان کا بیٹا عوام بن عقبہ سب شاعر تھے اور ان لوگوں نے اپنے اشعار سے نفع اٹھایا کہ وہ مقبول درگاہ رساں ہوئے۔

واقعہ ایلاء

اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ تک ایلاء کیا اور ان کے قریب نہ گئے۔ ایلاء کے لغوی معنی قسم کھانے کے ہیں اور فقہائے کے نزدیک مرد کا اپنی عورت کے پاس چار مہینے تک نہ جانے پر قسم کھانے کا نام ایلاء ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ چار مہینے تک نہ عورت سے تعرض کرے اور نہ اس کے قریب جائے۔ جیسا کہ آیۂ کریمہ میں ہے لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ. جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء وقسم کھاتے ہیں وہ چار مہینہ تک رکے رہیں اور اگر اس سے قبل چلے جائیں تو قسم کا کفارہ دیں یہ بدلہ ہے اس کا جو انہوں نے اپنے اوپر لازم کیا تھا مثلاً اگر یہ کہا کہ میں اگر تم سے چار ماہ قربت کروں تو میرا غلام آزاد ہے اور اگر چار ماہ گزر جائیں اور قربت نہ کرے تو امام اعظم اور ان کے اصحاب کے نزدیک طلاق بائن واقع ہوجائے گی۔ حضرت سفیان ثوری اور بعض دیگر علماء کا بھی یہی مذہب ہے اور تینوں اماموں کے نزدیک چار ماہ گزرنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ بلکہ مرد کو قید کیا جائے گا اور مجبور کیا جائے گا کہ یا تو وہ رجوع کرے یا قسم کا کفارہ دے یا طلاق دے۔ اگر اس نے طلاق نہ دی تو اس سے جبراً ایک طلاق دلوائی

جائے اور اس سے جدا کر دیا جائے۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلاء فرمانا ایک قسم ہے جو ایک ماہ تک ان کے قریب نہ جانے کے لیے کھائی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی جانب سے کچھ ناگواری محسوس فرمائی اور غمگین ہوئے اس پر آپ نے قسم کھائی کہ ایک ماہ تک ان کے قریب نہ جا کر ان کے عمل کی انہیں سزا دینگے تا کہ وہ اپنے کیے پر پشیمان ہوں۔ یہ قصہ کتب سیر میں متعدد طریقوں سے آیا ہے اور ان کی تفاصیل روضۃ الاحباب میں مذکور ہیں۔ مجملاً ایک یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات نے نفقہ ولباس مانگا تھا اور چند چیزیں ایسی مانگی تھیں جو موجود نہ تھیں۔ اس بنا پر آپ ملول ہوئے اور یہ قسم کھائی' دوسرا قول یہ ہے کہ بعض ازواجِ مطہرات کے یہاں آپ نے شہد نوش فرمایا تھا جس پر دیگر ازواج نے رشک کیا اور کہنے لگیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن اقدس سے مغافیر کی بو محسوس کرتے ہیں۔ مغافیر ایک گوند کا نام ہے جس میں بو ہوتی ہے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر شہد کو حرام قرار دیدیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے گھر میں موجود نہ تھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو طلب فرمایا اور خدمت لی۔ سیّدہ حفصہ نے اس پر رشک کیا اور رونے لگیں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور انہیں منع فرمایا کہ کسی سے نہ کہنا۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کیں یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ۔ اے نبی اپنی بیبیوں کی خوشنودی کی خاطر اسے کیوں حرام فرماتے ہیں جو آپ کے لیے حلال فرمایا گیا''۔ یہ بھی خاطر مبارک پر ملال کا سبب ہوا اور قسم یاد کی۔ ان تمام اقوال کے جمع کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ تمام باتیں ایلاء کا سبب بنی ہوں۔ ان کو ایسا فرض کر لینا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کی ناگواریاں پہنچتی رہتی ہوں گی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم درگزر فرماتے رہتے تھے یہاں تک کہ جب حد ہو گئی تو آپ نے ایلاء فرمایا لیکن احادیث کے الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی حضورِ اکرم کو ملال پہنچتا آپ ایلا فرماتے گویا کہ ایلاء متعدد بار واقع ہوا ہے لیکن ایسا لازم نہیں ہے کہ اس لیے کہ ایلاء کے معنی قسم کے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی ایک معاملہ میں متعدد قسمیں کھا لے تو اس پر قسم توڑنے کا ایک ہی کفارہ لازم ہوگا۔

بہر حال بہ اختلاف اقوال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عزلت نشیں ہو گئے اور ایک حجرے میں قیام فرمایا اور ایک حبشی غلام کو جس کا نام رباح تھا حجرے کے دروازہ پر مقرر فرمایا کہ کسی کو بغیر اجازت اندر نہ آنے دے۔ مدینہ منورہ میں شور برپا ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات کو طلاق دیدی ہے۔ صحابہ میں سے جس نے یہ خبر سنی وہ مسجد میں آیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ خبر سنی تو میں بھی مسجد شریف میں پہنچا میں نے دیکھا کہ صحابہ کی ایک جماعت درِ مصطفیٰ پر بیٹھی رو رہی ہے۔ میں نے رباح سے کہا جاؤ میرے لیے حضور سے اجازت لو وہ گئے کچھ دیر بعد واپس آ کے جواب دیا کہ میں نے آپ کے لیے اجازت مانگی مگر کوئی جواب مرحمت نہ ہوا۔ چند مرتبہ اسی طرح ہوا بالآخر میں لاچار ہو گیا اور بلند آواز میں کہا اے رباح! جاؤ اور حضورِ اکرم سے میرے لیے اجازت مانگو حضور نے غالباً یہ گمان فرمایا ہو کہ اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سفارش کے لیے آیا ہوں۔ خدا کی قسم! اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دیں تو میں ان کی گردن ماردوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سرمو تجاوز نہ کروں۔ میں نے یہ کہا اور لوٹ پڑا۔ اچانک میں نے رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز سنی کہ وہ مجھے بلا رہا ہے اور کہہ رہا ہے ''اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! آؤ اجازت مل گئی ہے''۔ اس کے بعد میں حاضر ہوا اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے اپنی ازواجِ مطہرات کو طلاق دیدی ہے؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نہیں''! میں نے کہا ''اللہ اکبر'' اس کے بعد میں مسجد شریف میں آیا اور صحابہ کو میں نے یہ بتایا اور انہیں یہ معلوم ہوا کہ ان کا گمان غلط تھا۔ حاضری کے دوران حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے عورتوں کے احوال میں ایسی باتیں کہیں جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے اور تبسم فرمایا۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر ایک دن آئے اور داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ دیکھا کہ بہت سے صحابہ در مصطفیٰ پر کھڑے ہیں مگر کسی کو حاضر ہونے کی اجازت نہ مل سکی۔ الحمدللہ کہ حضرت صدیق اکبر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاضری کی اجازت مل گئی۔ ان کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور اجازت چاہی انہیں بھی اجازت مل گئی۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ انتہائی غمگین واندوہگیں تشریف فرما ئیں۔ انہوں نے ملال خاطر مبارک کی وجہ دریافت کی حضور اکرم نے فرمایا یہ جو میرے گرد بیٹھی ہوئی ہیں اپنی ازواج کی طرف اشارہ فرمایا ''یہ مجھ سے نفقہ طلب کرتی ہیں اور ایسی چیز کا مطالبہ کرتی ہیں جو موجود نہیں ہے''۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ! کاش کہ آپ ملاحظہ فرماتے کہ میری بیوی' خارجہ کی بیٹی اگر مجھ سے نفقہ مانگتی تو میں اٹھ کر اس کا گلا گھونٹ دیتا''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گردن پر دو ہتھڑ مارا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گردن پر دو ہتھڑ مارا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ! ہم مکہ مکرمہ میں اپنی عورتوں پر غالب رہتے تھے اور جب ہم مدینہ منورہ آئے تو چونکہ یہاں کی عورتیں اپنے شوہروں پر غالب رہتی ہیں چنانچہ ہماری عورتوں نے بھی مدینہ منورہ کی عورتوں کی عادت پکڑ لی ہے اور اس خو بو کو انہوں نے ان سے ہی سیکھا ہے''۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے اپنی بیوی سے بلند آواز میں بات کی اور کوئی بات کہی۔ اس نے بھی مجھے اسی لہجہ میں جواب دیا مجھے اس کی یہ حرکت بری معلوم ہوئی میں نے کہا ''مجھ سے اس بدتمیزی سے کیوں بات کرتی ہو''۔ اس نے کہا ''میں کیوں نہ کروں جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج بھی ایک روایت میں ہے کہ تمہاری بیٹی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی بات کرتی ہے''۔ کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی بیوی آپ سے ایک طرف ہو کے بیٹھ جاتی یہاں تک کہ ساری رات اسی غصہ میں گزار دیتی میں نے کہا ''اگر حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایسی بات سرزد ہوتی ہے تو وہ ناامید وزیاں کار ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رنجیدہ ہونا اور ایلاء فرمانا اور عورتوں سے کنارہ کشی کر کے گوشہ نشیں ہونا ازواج مطہرات کے نفقہ کی طلب اور تکلیف مالا یطاق کی وجہ سے تھی۔

یہ بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر کاشانہء اقدس میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ موٹے کپڑے کی تہبند باندھے برہنہ پہلو کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی پر آرام فرما ہیں اور اس چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو اقدس پر پڑے ہوئے ہیں اور ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے ہے اور پائے اقدس کی جانب سلم کے پتے بچھے ہوئے ہیں۔ کاشانہء اقدس میں بجز ایک صاع جو اور گرم پانی کے کوزے کے علاوہ کچھ موجود نہ تھا۔ چند غیر پختہ کھالیں دیوار پر لٹکی ہوئی تھیں۔ جب میں نے یہ حال دیکھا تو مجھ پر شدت کا گریہ طاری ہوا اور میری آواز گھگھیا گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے خطاب کے بیٹے کیوں رو رہے ہو''۔ میں نے عرض کیا میں کیوں نہ رووں آپ کا یہ حال میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اتنی شدت ومحنت برداشت فرمائیں اور قیصر وکسریٰ باغوں اور نہروں میں کفر وطغیان کے باوجود عیش و عشرت کی زندگی گزاریں اور آپ خدا کے رسول ہوتے ہوئے اتنی مشقت وشدت میں رہیں۔ دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ آپ پر اور آپ کی امت پر عیش وفراخی کو کشادہ فرمائے''۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے ہو کے بیٹھ گئے اور فرمایا اے خطاب کے بیٹے! کہاں ہو

اور کہاں کی باتیں کررہے ہو اور کن لوگوں کا ذکر کررہے ہو۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کو دنیا میں ہی عیش وراحت دیدی گئی ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں اٹھا کے رکھ دی گئی ہیں'' ۔ اس پر میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رَضِیْنَا بِاللّٰہِ وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلاً ۔ ہم اللہ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی وخوش ہیں''۔

غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ کامل ازواج سے کنارہ کشی فرما کر خلوت نشینی فرمائی وہ مہینہ انتیس دن میں پورا ہوا۔ جب آپ اس خلوت سے باہر تشریف لائے تو سب سے پہلے سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے۔ انہوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے قسم کھائی تھی کہ ایک ماہ تک ہمارے یہاں تشریف نہ لائیں گے۔ میں نے اختر شماری کرکے دن کاٹے ہیں اور گنا ہے کہ آج انتیس دن سے زیادہ نہیں ہوئے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کبھی مہینہ انتیس دن سے زیادہ کا نہیں ہوتا ہے اور یہ مہینہ انہیں میں سے تھا''۔

نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حکایت سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں عسرت وتنگی غالب تھی اور نفقہ دینا دشوار اور ازواج کی جانب سے اس کی طلب باعث ملال اور موجب ایلاء ہوا۔ اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی کہ

يَآ يُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلاً. وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا۝

اے نبی! اپنی بیبیوں سے فرمادو۔ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بیشک اللہ نے تمہاری نیکی والیوں کے لیے بڑا اجر تیار کررکھا ہے۔

خلاصۂ واقعہ یہ ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات نے آپ سے دینوی سامان طلب کیے اور نفقہ میں زیادتی کی درخوست کی تھی۔ یہاں تو کمال زہد تھا سامان دنیا اور اس کا جمع کرنا گوارہ ہی نہ تھا اس لیے کہ یہ خاطر اقدس پر گراں گزرا اور یہ آیت نازل ہوئی اور ازواجِ مطہرات کو تخییر دی گئی۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیبیاں تھیں۔ پانچ قرشیہ حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت ام سلمہ بنت امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' اور چار غیر قرشیہ' حضرت زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا' حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا' حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب خیبریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت جویریہ بنت حارث مصطلقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ آیت سنا کر اختیار دیا اور فرمایا کہ جلدی نہ کرو اپنے والدین سے مشورہ کرکے جو رائے ہو اس پر عمل کرو انہوں نے عرض کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں مشورہ کیسا۔ میں اللہ کو اور اس کے رسول ......کو اور آخرت کو چاہتی ہوں اور باقی ازواج نے بھی یہی جواب دیا (خزائن العرفان از مترجم غفرلہ)

اس پر جس نے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا وہ ثابت وقائم رہی اور جس نے دنیا اور اس کی زندگی کو چاہا وہ نکل گئی اس کا نہ دین رہا اور نہ ہی دنیا رہی۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ ایک عورت تھی جس نے دنیا کو اختیار کیا۔ وہ نکل گئی۔ ایک مرتبہ کسی نے اس کو راستہ میں دیکھا وہ کھجوروں کی گٹھلیاں چن رہی ہے تاکہ اس کی غذا بنا کے زندگی گزارے۔ اس نے اس عورت سے پوچھا ''تو کون ہے جو اس حال میں گرفتار ہے''۔ اس نے کہا: اَنَا الشَّقِيَّةُ الَّتِي اِخْتَرْتُ الدُّنْيَا. میں وہ بدبخت عورت ہوں جس نے دنیا کو اختیار کیا۔ جب یہ آیت نازل

ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال اور ان کے فراق کا غم دامنگیر ہوا کہ مبادہ وہ دنیا اور اس کی زندگی کو اختیار کر لیں۔ فرمایا: ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اللہ تعالیٰ کا مجھے ایسا حکم ہوا ہے تم کیا چاہتی ہو جواب میں جلدی نہ کرو اپنے ماں باپ سے مشورہ کر کے عمل کرو''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس بات میں میں اپنے ماں باپ سے کیا مشورہ کروں میں خدا اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ایک التجا ہے کہ میری یہ گزارش کسی اور بی بی سے بیان نہ فرمائیں''۔ ان کے منع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی بی بی آپ کے حبالہ عقد اور زوجیت سے نکلنا چاہے تو اس طرح نکل جائے اور یہ بات از روئے طبع' غیرت و محبت کی بنا پر تھی نہ کہ از روئے غیرت و اعتقاد' اور یہ اظہار محبت يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ. (اپنے بھائی کے لیے وہ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرے) کے منافی و خلاف نہیں ہے۔ یہ خصلت عورتوں میں جبلی و طبعی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بات ان سے معفو و معزور ہے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گمان کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس محبت کی بنا پر جو آپ کی ان سے تھی قبول فرمائیں گے اور ان کی یہ گزارش رد نہ فرمائیں گے۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حقانیت حضور اکرم کو کسی کیس اتھ متعلق نہیں رکھتی۔ فرمایا: اے عائشہ! یہ کیا بات ہے جو بی بی بھی مجھ سے اس بارے میں پوچھے گی کہ عائشہ نے کیا اختیار کیا میں اسے ضرور یہ بات بتا دوں گا اس فرمان میں بھی ایک خاص اشارہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رعایت اور پاس خاطر کا ملحوظ رکھا گیا وہ یہ کہ اگر کسی نے نہ پوچھا تو میں نہ کہوں گا لیکن اگر پوچھا تو میں بتا دوں گا اور فرمایا: إِنَّ اللهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُتَعِّتًا وَلَا مُتَعَنِّتًا وَلٰكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا بلاشبہ حق تعالیٰ نے مجھے کسی کو مشقت و شدت میں ڈالنے والا مبعوث نہیں فرمایا اور نہ کسی کی خطا و گناہ اور لغزش کی جستجو کرنے والا بنا کر بھیجا لیکن حق تعالیٰ نے مجھے سکھانے والا اور دین کے احکام میں آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

واقعہ رجم عورت: اسی سال غامدیہ سبیعیہ عورت کا سنگسار کرنا واقع ہوا۔ غامد یہ غامد سے منسوب ہے جو قبیلہ کے باپ کا نام تھا۔ یہ عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور زنا کا اقرار کیا اور اپنے زنا پر اقامت حد سے طہارت چاہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تغافل فرمایا جیسا کہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ لوگوں کی عیب پوشی فرماتے اور اغماض کرتے تھے۔ مگر وہ عورت اقامت حد کے سوا پر راضی نہ ہوئی اور کہنے لگی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے میرے گناہ سے پاک فرمائیں مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اقامت حد میں توقف فرماتے۔ یہ عورت چونکہ زنا سے حاملہ تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضع حمل تک صبر کر کیوں کہ وہ بچہ جو تیرے پیٹ میں ہے بے گناہ ہے۔ جب وہ بچہ متولد ہو گیا تو وہ پھر آئی اور عرض کیا ''اب اقامت حد عطا فرمائی جائے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کا بچہ چونکہ چھوٹا ہے اگر میں اسے سنگسار کراتا ہوں تو بچہ کی نگہداشت کون کرے گا''۔ انصاری شخص کھڑا ہوا اور وہ اس کی رضاعت کا کفیل بنا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ کو ماں کے ساتھ ہی رکھا تا کہ وہ اسے دودھ پلائے۔ جب مدت رضاع ختم ہو گئی تو وہ عورت بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں آئی اور اقامت حد کی خواہش ظاہر کی اور کہا ''یارسول اللہ! میں نے بچہ کا دودھ چھڑا دیا ہے اب وہ روٹی کھاتا ہے'' اور اقامت حد پر اصرار کیا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے رجم کا حکم فرمایا یہاں تک کہ اسے سینہ تک زمین میں دفن کیا اور سنگسار کیا گیا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ایک پتھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے سر پر مارا اور خون جاری ہوا اور اس کی چھینٹے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پڑے اس پر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے دشنام دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسے دشنام نہ دو' خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر خراج و عشر وصول کرنے والا عامل جو

ظلم وزیادتی سے (لگان وٹیکس وغیرہ) وصول کرتا ہے ایسی توبہ کرے تو وہ بھی بخشا جائے۔ اس کا گناہ اس سے بہت عظیم وقبیح ہے''۔ روضۃ الاحباب میں مکس (عامل) کی تفسیر طمغاجی سے کی گئی ہے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نکالنے کا حکم فرمایا اور نماز جنازہ پڑھنے کے بعد اسے دفن کیا گیا۔ حدیث کے الفاظ اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ ثُمَّ أَمَرَ فَصُلِّيَ عَلَيْهَا. لفظ ''صلی'' مجہول و معروف دونوں طرح سے پڑھے گئے ہیں۔ بصیغہ مجہول کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم فرمایا کہ زمین سے نکال کر اس کی نماز جنازہ پڑھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس نہ پڑھائی اور بصیغہ معروف کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور اکرم نے خود بھی نماز پڑھی۔ قاضی عیاض مالکی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک صحیح مسلم کی روایت بفتح صاد ولام یعنی بصیغہ معروف صلی ہے اور طبری ابن ابی شیبہ اور ابوداؤد کے نزدیک بضم صاد وکسر لام یعنی بصیغہ مجہول صلی آیا ہے اور محدود یعنی جس پر حد قائم کی گئی ہو اس کی نماز جنازہ کے بارے میں اسی طرح مروی ہے۔ لیکن مدیون پر جس نے اپنا قرض ادا نہ کیا ہو متفقہ روایات مروی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔ اسی طرح وہ شخص جس نے اپنے آپ کو خود ہلاک کیا یا جس نے غنیمت میں خیانت کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز نہ پڑھی۔ بلکہ بعض کہتے ہیں کہ خودکشی کرنے والے کی سرے سے نمازِ جنازہ ہے ہی نہیں مسلک مختار یہ ہے کہ جو بھی قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھے اس کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیے امام احمد نے فرمایا بادشاہ وحاکم قاتل نفس (خودکشی) کی خود نماز جنازہ نہ پڑھے بلکہ دوسرے لوگوں سے پڑھوائے۔

واضح رہنا چاہیئے کہ روضۃ الاحباب میں غامدیہ عورت کے سنگسار کرنے کا ذکر اسی سال میں بیان کیا گیا ہے اور تعجب ہے کہ حضرت ماعز کے رجم کا ذکر جو اس باب میں اصل اور مشہور ہے نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ شہرت کی وجہ سے انہوں نے ذکر نہ کیا ہو مگر یہ وجہ کمزور ہے۔ (مشکوٰۃ کی ظاہر عبارت یہ بتاتی ہے کہ اس کا وقوع بھی اسی سال ہوا ہے واللہ اعلم) بہر حال اس کا ذکر کرنا ازبس ضروری ہے۔

حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رجم: ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شخص کے گھر میں تھے جس کا نام ہزال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا وہ بھی اسلمی تھا انہوں نے اس کی باندی سے جو آزاد کردہ تھی زنا کیا۔ جب یہ واقعہ اس شخص کے سامنے آیا تو اس نے کہا کہ تمہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا چاہیے اور اپنا حال بیان کرنا چاہیے کہ آپ کیا فرماتے اور کیا حکم کرتے ہیں چنانچہ وہ بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے پاک فرمایئے''۔ حضور اکرم نے فرمایا افسوس ہے تجھ پر جا خدا سے بخشش مانگ اور توبہ کر''۔ پھر وہ تھوڑی دیر کے بعد آئے اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے پاک فرمایئے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کس چیز سے تجھے پاک کروں''۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجملاً یہ جانا تھا کہ اس سے کوئی خطا غلطی واقع ہوئی ہے خاص زنا کرنا معلوم نہ ہوا تھا۔ ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''زنا سے اور اس کی ناپاکی سے''۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخ انور دوسری طرف پھیر لیا۔ ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی طرف آ کے کھڑے ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنا رخ انور پھیر لیا اور فرمایا ''کیا یہ شخص دیوانہ ہے جو یہ بات دیوانگی سے کہہ رہا ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دیوانہ نہیں ہے بلکہ فرزانہ ہے'' فرمایا ''کیا شراب پیئے ہوئے ہیں جو اس کی مستی ونشہ میں یہ کہہ رہا ہے؟'' اس پر ایک شخص اٹھا اور اس نے اس کا منہ سونگھا مگر اس نے شراب کی بو نہ محسوس کی۔ پھر فرمایا ''ممکن ہے کہ اس نے عورت کا بوسہ لیا ہو یا اسے چمٹایا ہو یا اُسے اپنے ساتھ سلایا ہو یا اس کے ساتھ تخلول کیا ہو اور زنا کے مقدمات ومبادیات کی ہوں اور اس کو یہ زنا کہہ رہا ہو'' ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نہیں' میں نے زنا کیا ہے''۔ نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے جس کے گھر میں ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور جہاں زنا واقع ہوا تھا

اوراس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونے کا مشورہ دیا تھا۔ فرمایا: ''اگر تو ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پردہ پوشی کرتا اور اُس کے زنا کے قصہ کو ظاہر نہ کرتا تو تیرے لیے بہتر ہوتا''۔ غرضیکہ جب حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار مرتبہ اقرار کرلیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے رجم وسنگسار کرنے کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد انہیں مدینہ منورہ کے سنگستان میں لایا گیا اور انہیں سنگسار کیا گیا۔ جب انہیں پتھروں کے مارسے شدت کی تکلیف ہوئی تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس پر ایک شخص کے ہاتھ اونٹ کا جبڑا الگ گیا اس نے اسی ہڈی کو اٹھا کر ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مارا اور اس کے بعد اتنا سنگسار کیا کہ وہ جاں بحق تسلیم ہو گیا۔ اس کے بعد وہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سارا قصہ دہرایا کہنے لگے جب اسے سنگساری سے سخت تکلیف ہوئی اور وہ قریب ہلاکت کے پہنچ گیا تو بھاگ کھڑا ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسے کیوں نہ چھوڑ دیا کہ وہ خدا سے توبہ کرتا اور خدا اس کی توبہ قبول فرماتا اور رحمت وکرم کے ساتھ توبہ فرماتا''۔ اس کے بعد حضور اکرم نے حضرت ماعز بن مالک کے لیے استغفار فرمائی اور فرمایا بلاشبہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس توبہ کو ساری امت میں تقسیم کیا جائے تو وہ سب کو کافی ہو اور سب کے لیے کارآمد ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت حد کا نام توبہ رکھا' اس بنا پر کہ اس سے طہارت' برات اور نجات ہوتی ہے جس طرح کہ توبہ سے حاصل ہوتی ہے۔ درحقیقت توبہ قتل نفس کے حکم میں ہے اور اس جگہ خود حقیقت میں ماعز نے قتل نفس کیا اور جان دی۔ اس سے زیادہ بالاتر کیا ہوگا کہ خدا طلبی اور اس کی راہ پر چلتے ہوئے جان دے دی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت رویم قدس سرہ نے ایک طالب حق کو رخصت ووداع کرتے وقت یہ نصیحت فرمائی کہ ھُوَ بَذْلُ الرُّوْحِ وَلاَ تَغْتَرَّ بِتُرَهَاتِ الصُّوْفِيَةِ خدا کی راہ میں چلنے کا مطلب' جان دینا ہے صوفیوں کی باتوں پر مغرور نہ ہونا

مقصود جامی از طلبم گفتہ کہ جست　　　مقصود او ھمیں کہ رھد جاں دریں طلب

اگر کوئی یہ کہے کہ جب حضرت ماعز ری اللہ تعالیٰ عنہ مغفور ہو گئے اور انہوں نے ایسی توبہ کی جس کا اوپر ذکر ہوا تو ان کے لیے استغفار کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ استغفار زیادتی مغفرت اور ترقی درجات کے لیے ہے جس کی کوئی حد ونہایت نہیں۔ مشکوٰۃ میں حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ رجم کے بعد بیان کیا کہ جَآءَتْ اِمْرَأَةٌ مِنْ غَايَةَ

غزوۂ تبوک وغزوۂ جیش العسرت

اس سال کے واقعات میں سے غزوۂ تبوک کا عظیم واقعہ ہے۔ تبوک ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ طیبہ اور شام کے درمیان مدینہ منورہ سے چودہ منزل کے فاصلے پر ہے بعض کہتے ہیں کہ ایک قلعہ کا نام ہے اور قاموس میں ہے کہ مدینہ اور شام کے درمیان ایک خطہ ارضی کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک چشمہ کا نام ہے جو اس جگہ واقع ہے۔ چونکہ اس سفر میں لشکر کی آخر مسافت اس چشمہ تک ہوئی تھی اس بنا پر اس کو اس نام سے موسوم ومنسوب کیا گیا جیسا کہ مسلم کی حدیث میں اس قصہ کے دوران مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا ''آخری حدود ہے جب تم تبوک کے چشمہ پر پہنچو''۔ بوک کے لغوی معنی ''لکڑی وغیرہ سے اتنی گہری زمین کھودنا پانی نمودار ہو جائے'' کے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ بہت سے صحابہ اس چشمہ پہ پہنچ کر اپنے پیالوں کو اس میں ڈال کر پانی کو ہلاتے ہیں تاکہ پانی نکل آئے اور فرمایا: نَازَلْتُمْ بَتُوْكُوْنَهَا فَسُمِّيَتْ تِلْكَ الْغَرَاةُ تَبُوْكَ. تم اترو گے اور پانی کو ہلا کر چشمہ سے نکالو گے اسی بنا پر اس غزوہ کا نام تبوک رکھا گیا۔ صحاح میں اسی طرح مذکور ہے۔

اس غزوے کو غزوۂ فاضحہ بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس میں منافقوں کی فضیحت ورسوائی بہت زیادہ ہوئی تھی۔ غزوۂ عسرت اور جیش

عسرت بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس میں لشکر والوں کو مشقت، بھوک و پیاس بہت محسوس ہوئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسافت طویل تھی اور ہوا بہت گرم۔ دشمن کا لشکر قوی تھا اور قحط سالی تھی۔ لشکر بہت زیادہ تھا اور زادراہ اور سامان بہت کم تھا لشکر اسلام کی عسرت و تنگی کا یہ عالم تھا کہ فقراء صحابہ میں سے اٹھارہ اصحاب کے لیے ایک اونٹ سے زیادہ نہ تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے ہیں اور کرم خوردہ کھجوروں کا آٹا اور گھن لگے جوار اور بودار گھی سفر کا توشہ تھا اور پانی تو انتہائی کمیاب تھا باوجود جو سواری کی قلت کے اونٹوں کو ذبح کرتے اور اس کے آنتوں اور رگوں کی تری سے ہونٹوں کی خشکی دور کرتے تھے درختوں کے پتے کھاتے تھے جس سے مسوڑھے سوجھ گئے اور ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی مانند ہو گئے تھے۔ اغنیاء صحابہ بھی مدینہ سے باہر جانے میں بحکم طبع ناگواری محسوس کرتے تھے کیوں کہ میووں کے پکنے کا زمانہ تھا اور انہیں درختوں کے سایوں میں بیٹھنا اور پھلوں سے لطف اندوز ہونا طبعی طور پر مطلوب و مرغوب تھا اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی؛

يَاۤ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَالَكُمْ إِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ إِلَّا قَلِيْلٌ

اے ایمان والو تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جائے خدا کی راہ میں میں کوچ کرو تو تم بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھ جاتے ہو۔ کیا تم نے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے پسند کر لی اور جیتی دنیا کا اسباب آخرت کے سامنے نہیں مگر تھوڑا۔

اس طرح تن آسانوں اور فراغت طلب کرنے والوں پر طعن و تشنیع کا کوڑا رسید کیا۔ اس غزوہ کے لیے مدینہ طیبہ سے روانہ ہونے کی تاریخ بلا اختلاف روز پنجشنبہ ماہ رجب ۹ ھ تھی۔ اس غزوے کا سبب یہ تھا کہ ان دنوں ایک قافلہ شام سے مدینہ طیبہ آیا اور انہوں نے خبر پہنچائی کہ شام روم بہت بڑا لشکر جمع کر چکا ہے اور قبائل کثیرہ مثلاً لحم، جزام، عاملہ اور عسان وغیرہ قبائل عرب میں سے جو نصرانی تھے ہرقل سے بڑے خوش ہیں اور وہ سب دین نصاریٰ کے غلبے کے لیے جمع ہو کر نکل آئے تھے اور وہ سب متفق و مجتمع ہو کر مدینہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ ان شہروں اور بستیوں کے نصرانیوں نے ہرقل سے یہ جھوٹ کہہ رکھا تھا کہ وہ ہستی مقدس جس نے دعویٰ نبوت کیا ہے دنیا سے کوچ کر چکی ہے اور یہ کہ ان کے اصحاب میں سخت قحط و تنگی پڑی ہوئی ہے اور ان کا مال و متاع ضائع ہو چکا ہے اور ان کی مملکت کو بآسانی قبضہ میں لایا جا سکتا ہے۔ اس پر ہرقل نے روم کے سرداروں میں سے قباد نامی شخص کو چالیس ہزار نامزد کر کے مدینہ کی طرف روانہ کیا۔ یہ خبر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہرقل اپنی نصرانیت پر قائم تھا اور اس وقت جبکہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنا مکتوب گرامی بھیجا تھا اور اس نے مسلمانوں کے دین کی طرف رغبت کا اظہار کیا تھا کوئی اصلیت نہیں رکھتا۔ اگر ہو بھی تو دنیا کی محبت اور حکمرانی اور اس کی قوم نے اسے نہ چھوڑا کہ وہ ایمان لاتا اور دین اسلام کا تابع بنتا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف لشکر کشی کا مصمم ارادہ فرما لیا تو صحابہ کرام کو قبائل کی طرف لشکر جمع کرنے کے لیے بھیجا اور ہر اس شخص کو جو جس قبیلہ کی طرف منسوب تھا اسے اسی قبیلہ کی طرف لشکر اور ساز و سامان جمع کرنے کے لیے بھیجا اور صحابہ کو سپاہ کی تیاری اور فقراء و مساکین پر تصدیق و انفاق اور راہ خدا میں اعانت و جہاد کی ترغیب و تحریص فرمائی۔ ہر شخص نے اپنی ہمت و طاقت اور حوصلہ و امکان کی حد تک لشکر کی تیاری میں امداد کی اور مال و متاع خرچ کیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا تمام مال و اسباب اٹھا کر لے آئے اور جو کچھ تھا راہ خدا میں صرف کر دیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا آدھا جتنا بھی ان کی ملکیت میں تھا جدا کر کے لے آئے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر تبوک کی تیاری کا شوق دلایا تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ آج تو میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سبقت لے

جاؤں گا۔ آج تو میرے پاس بہت مال ہے جس میں سے آدھے مال کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ''اپنے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا ہے'' میں نے عرض کیا ''اتنی ہی مقدار میں ان کے لیے چھوڑ دیا ہے''۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور جتنا کچھ مال ان کے پاس تھا سب لے آئے۔ ان سے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا ''اپنے اہل وعیال کے لیے کتنا ذخیرہ چھوڑا ہے؟ انہوں نے کہا: اَدَّخَرْتُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ میں نے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے''۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا بَیْنَکُمْ مَا بَیْنَ کَلِمَتَیْکُمَا. تمہارے درمیان میں فرق مراتب اور تفاوت اتنا ہی ہے جتنا تمہاری ان دو باتوں کے درمیان'' پھر میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا ''میں آپ سے کسی بات میں سبقت نہیں کر سکتا''۔

بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدقہ چھپا کے لائے اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میرا صدقہ ہے اور خدا میرے نزدیک معاذ ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور آشکارا کر کے صدقہ لائے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ صدقہ میرا ہے اور خدا کے واسطے میرے نزدیک معاذ ہے'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عمر رضی اللہ عنہ! بدون زہ کے تم نے اپنے گمان کو زہ کیا اور فرق تمہارے صدقہ کے درمیان یہی ہے جو تمہارے کلموں کے درمیان ہے۔ یہ واقعہ یا تو اسی قصہ تبوک کا ہے یا کسی اور موقعہ کا۔ روضۃ الاحباب کی عبارت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کسی اور موقعہ کا ہے۔

ایک اور حدیث میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک چاندنی رات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کوئی شخص ایسا ہے جس کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کی گنتی کے مساوی ہوں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ان کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کی مقدار میں ہیں''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا ''تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیکیاں کتنی ہوں گی؟'' فرمایا ''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام نیکیاں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک نیک کے برابر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ......... کی نیکیاں ان سے بھی زیادہ ہیں یا یہ مراد ہو کہ کمیت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیکیاں اگرچہ زیادہ ہوں لیکن کیفیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیکیاں بالاتر ہیں۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں مروی ہے کہ کثرت صوم وصلوٰۃ کی بنا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فضیلت نہیں دی گئی بلکہ ان کے دل میں جو خیر رکھا گیا ہے اس کی وجہ سے ہے۔ مطلب یہ کہ صدق واخلاص اور معرفت کی بنا پر انہیں افضیلت حاصل ہے۔

بندہ مسکین ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین یعنی شیخ محقق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمانا کہ ''چاندنی رات تھی''۔ بیان واقع ہے اور مراد آسمان کے تمام ستارے ہیں تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ چاندنی رات میں تو ستارے کم ہوتے ہیں اور کم نظر آتے ہیں۔ اس غزوے میں انفاق فی سبیل اللہ میں شریک غالب حضرت بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور مُجَهِّزُ جَيْشِ الْعُسْرَةِ. (جیش عسرت کا سامان مہیا کرنے والے) ان کے مدائح اور مناقب میں سے ہے، مروی ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک قافلہ مرتب فرما رہے تھے تاکہ تجارت کے لیے شام بھیجیں۔ انہوں نے یہ ارادہ ترک فرما دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دوسو اونٹ جن پر پالان، پوشش اور چادر وغیرہ پڑے ہوئے ہیں ہر طرح مکمل ہیں مع دوسو اوقیہ چاندی پیش خدمت ہیں۔ ان سے لشکر کی ضروریات مکمل فرمائیے''۔ ایک روایت میں ہے کہ تین سو اونٹ چہار بستہ مکمل اور ایک مثقال سونا لائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ڈال دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِرْضِ عَنْ عُثْمَانَ فَاِنِّیْ عَنْهُ رَاضٍ. اے خدا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راضی ہو بلاشبہ میں تو ان سے راضی ہو گیا''۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں تیس ہزار کالشکر اسلام تھا اس میں سے دو تہائی لشکر کا سامان حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فراہم کیا تھا اور مَنْ جَھَّزَ جَیْشَ الْعُسْرَۃِ فَلَهُ الْجَنَّةُ. (جو جیش عسرت کی تیاری میں سامان فراہم کرے اس کے لیے جنت ہے) کی بشارت سے مشرف ہوئے۔ نیز مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے خدا قیامت کے دن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حساب اٹھادے۔ مواہب لدنیہ میں قتادہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیش عسرت میں ہزار اونٹ اور سات سو گھوڑے سواری کے دیئے اور عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ہزار دینار اپنی آستین میں لائے جس وقت کہ جیش عسرت کی تیاری کی جارہی تھی۔ انہوں نے وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں الٹ دیئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان دیناروں کو غور سے ملاحظہ فرما رہے تھے اور فرمایا ''عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آج کے بعد جو کرے انہیں نقصان نہ کریگا''۔ ایک روایت میں آیا ہے ''غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ یَا عُثْمَانُ مَا اَسْرَرْتَ وَمَا اَعْلَنْتُ'' اللہ تعالیٰ نے اے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمہیں بخش دیا وہ سب جو ظاہر تم سے ہوا اور جو چھپا کر تم سے ہو'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا توجہ اور التفات سے ملاحظہ فرمانا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عیاں کرنے کے لیے تھا کہ جو کچھ وہ لائے بہت لائے تاکہ وہ اس قبولیت سے خوشی و مسرت محسوس کریں۔ ایک روایت میں ہے کہ دس ہزار دینا لائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''اس کے بعد جو کچھ کریں کچھ نقصان نہ دے گا''۔ اس میں عفو درگزر کی بشارت ہے کہ جو بھی گناہ و غلطی کی قسم میں سے صادر ہو وہ سب معاف ہے۔ یہ مضمون اس ارشاد کے موافق ہے جو اہل بدر کے لیے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ اِطَّلَعَ عَلٰی اَھْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ. بیشک اللہ تعالیٰ بدر والوں کو خبردار کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو بھی عمل تم سے (از قسم تقصیر گناہ) سرزد ہو بلاشبہ میں نے تمہیں معاف فرمادیا ہے''۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں مطلق العنان کر دیا ہے اور انہیں آزاد چھوڑ دیا کہ جو چاہے کریں اور نہ یہ مراد ہے کہ ان سے ضرور ہی یہ واقع ہو۔ البتہ یہ عفو و غفران کے اعزاز کے ساتھ ان کو بشارت اور عزت افزائی ہے اور حضرت امیر المومنین عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بعض صحابہ کی طرف سے مواخذہ جات اور اعتراضات بھی واقع ہوئے ہیں۔ علماء نے ان کے جوابات بھی دیدئے ہیں اور مجبوریاں بھی ظاہر کی ہیں جیسا کہ وہ اپنی جگہ بیان ہوئے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جسے قبول درگاہ ہاتھ آجائے۔ خدا اور اس کے رسول کی رضا حاصل ہو جائے اور بارگاہ قبولیت میں مقام پالے۔ اس کے حق میں عفو مغفرت کی امید انشاء اللہ تعالیٰ پوری پوری ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ چالیس ہزار درہم لائے اور عرض کیا ''میرے پاس اسی ہزار درہم تھے آدھا اپنے اہل و عیال کے خرچے کے لیے چھوڑ دیا اور آدھا اجر و ثواب حاصل کرنے کے لیے پیش کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان میں برکت دے جو لائے اور جو کچھ چھوڑا''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے آپ کا مال بہت زیادہ بڑھا۔ اسی طرح تمام اشراف و اغنیاء مہاجرین و انصار نے بے دریغ مال خرچ کرنے کی جانب ہاتھ کشادہ کیے۔ بعض کی عورتوں نے ہاتھ پاؤں کے زیورات اور گردن و کان کے آویزے اتار کر پیش کیے عاصم بن عدی چند وسق کھجور لے آئے اور ابوعقیل انصاری ایک صاع کھجوریں لائے اور کہا آج رات میں نے صبح تک پانی کھینچنے کی مزدوری کی ہے۔ جو مزدوری مجھے ملی ہے اسمیں سے ایک صاع اپنے اہل و عیال کے خرچ کے لیے دیدیا اور ایک صاع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا ہوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ایک صاع کھجوروں کو

تمام اموال کے اوپر رکھا۔

منافقین نے لمز وعیب اور تمسخر میں زبان کھولی اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی: اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. وہ جو عیب لگاتے ہیں ان مسلمانوں کو جو کہ دل سے خیرات کرتے ہیں اور ان کو جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت سے تو وہ ان سے ہنستے ہیں اللہ ان کی ہنسی کی سزا دے گا ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ صحابہ میں سے ایک صحابی جن کا نام عتبہ بن زید رضی اللہ عنہ تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں مال وزر تو رکھتا نہیں کہ راہ خدا میں پیش کرسکوں البتہ اپنی عزت وآبرو کو لوگوں پر حلال کرتا ہوں وہ جس طرح چاہیں میرے ساتھ پیش آئیں ان سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور جو خدمت چاہیں مجھ سے لے لیں اور جس طرح مدد چاہیں لیں انہیں معاف ہوگا''۔ فرمایا حق تعالیٰ نے تمہارے صدقہ کو قبول کرلیا''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اموال کو ضرورت مندوں پر خرچ فرمایا تاکہ وہ اپنی تیاری کریں اور فرمایا بہت سی نعلین (جوتیاں) ساتھ لو کیوں کہ جوتیاں پہننا سواری کا حکم رکھتا ہے۔ مروی ہے کہ کچھ صحابہ کرام حاضر ہوئے جن کے نام سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں انہوں نے عرض کیا ہم پاپیادہ ہیں سواری نہیں رکھتے ہمارے لیے سواری کا انتظام فرمادیجئے تاکہ سوار ہوکر جہاد میں شریک ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لیے سواری کی قسم میں سے کچھ موجود نہیں پاتا اور نہ اس وقت اتنا صدقہ کا مال ہے جس سے تمہاری ضرورت پوری ہو سکے۔ اس پر یہ ضرورت منداصحاب مجلس مبارک سے غمگین ہوکر حسرت سے روتے ہوئے نکلے کہ وہ ایسی کوئی چیز نہ پا سکے جو خرچ کر سکتے۔ اس جماعت کا نام ''گروہ بکائین'' ہوا جیسا کہ آیۂ کریمہ میں ہے۔

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَنْ لَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ۝

اور ان پر کوئی موخذا نہیں جو تمہارے حضور حاضر ہوں کہ تم انہیں سواری عطا فرماؤ۔ تم سے یہ جواب پاکر میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کروں اس پر یوں واپس جائیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ابلتے ہوں اس غم سے کہ خرچ کا مقدور نہ پایا۔

یہ آیۂ کریمہ انہیں لوگوں کے حال کی خبر دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات حمیدہ میں لکھا ہوا ہے کہ آپ زبان مبارک پر کبھی ''لا'' یعنی 'نہیں' نہ آیا لیکن بعض اوقات بحکم ضرورت اور باقتضا مال عذر بھی فرمایا ہوگا۔ اس کے باوجود علما فرماتے ہیں کہ ''لا اُعطی و لا اجد'' کے درمیان فرق ہے یہ بحث اوائل کتاب ہذا میں اخلاق شریف کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

مروی ہے کہ ابن یامین بن عمر نے ان میں سے دو شخصوں کو ایک اونٹ دیا اور حضرت عباس بن عبدالمطلب نے ان میں سے دو شخصوں کو اونٹ دیا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان میں سے تین شخصوں کو اونٹ دیا۔ نیز مروی ہے کہ ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ مجھے میرے ساتھیوں نے یعنی اشعریوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ میں ان کے لیے حضور سے سواری حاصل کروں میں حضور کی بارگاہِ عالی میں آیا اور عرض کیا ''یا نبی اللہ! مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا گیا ہے کہ آپ ان کی سواری مرحمت فرمائیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''واللہ میں ان کی سواری کا انتظام نہیں کرسکتا''۔ اس پر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے سے غمزدہ ہوکر لوٹا اور یہ بھی خوف دامنگیر ہوا کہ کہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے مانگنے پر دلگیر نہ ہوئے ہوں اور مجھ سے ناراض نہ ہوگئے ہوں۔ اس کے بعد میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب مرحمت فرمایا تھا

ان سے بیان کیا۔ پھر زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اچانک میں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دیتے سنا کہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن قیس کہاں ہیں؟ یہ ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشعری کا نام ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میں یہاں ہوں۔ تو انہوں نے کہا کہ رسول خدا تمہیں بلاتے ہیں حاضر ہو۔ پھر جب میں بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہوا تو فرمایا۔ لو یہ چھ اونٹ ہیں۔ اپنے ساتھیوں کے سوار ہونے کے لیے دیدو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اونٹوں کو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خرید فرمایا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے وہ اونٹ اپنے ساتھیوں کو دیدئے میں اپنی جگہ بے حد پریشان اور شرمندہ تھا کہ میں نے اس کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا نہ فرمانے پر قسم یاد کی تھی۔ میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے تو عطا نہ فرمانے پر قسم یاد کی تھی۔ اب آپ نے عطا فرما کر قسم کو توڑا ہے یہ کیا بات ہے؟ فرمایا خدا نے تمہیں سوار کیا ہے اور اس کا مجھے حکم دیا ہے کہ میں جب کسی معاملہ میں قسم یاد کرلوں اور میں دیکھوں کہ قسم توڑنے میں بھلائی اور خیر ہے تو میں قسم کا کفارہ دیدوں۔

چونکہ اس سفر میں محنت ومشقت اور سختیاں زیادہ تھیں منافقوں کی اس جماعت نے جن کو معذورین کہتے ہیں عذر ظاہر کیے تھے اور ایک جماعت نے بغیر عذر کے تخلف اختیار کیا اور بیٹھے رہے اور یہ دوسروں کو بھی ہوا کی سخت گرمی ومشقت وغیرہ سے خوف دلا کر روکتے رہے ان کا تذکرہ اور تفصیل سورۂ توبہ میں واقع ہوئی ہے' ان منافقوں میں ایک شخص جد بن قیس تھا اس نے آکر کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے مدینہ میں رہنے کی اجازت دیجئے اور نامعقول عذر پیش کیا کہ میں عورتوں کا دلدادہ ہوں جب میں بنی الاصفر کی عورتوں کو دیکھوں گا تو مجھ سے صبر نہ ہوگا اور میں فتنہ میں پڑ جاؤں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تجھے اجازت دی اور اپنا رخ انور اس کی طرف پھیر لیا اور یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی:

وَمِنْهُمْ مَنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ○

ان میں سے کوئی تم سے یوں عرض کرتا ہے کہ مجھے رخصت دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالیے سن لو وہ فتنہ میں ہی پڑے اور بے شک جہنم گھیرے ہوئے ہے کافروں کو۔

بنی الاصفر روم کا نام ہے۔ کیوں کہ ان کے جداعلیٰ کا نام روم بن عیص بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام ہے۔ جو زرد رنگ کا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس روم بن عیص نے بادشاہ حبشہ کی بیٹی سے نکاح کیا تھا جس نے سفید اور سیاہی کے درمیان زرد رنگ کی اولاد پیدا ہوئی۔ کہتے ہیں کہ کسی زمانہ میں حبشیوں نے روم پر...... غلبہ پالیا تھا اس زمانہ میں انہوں نے ان کی عورتوں سے وطی کی۔ جن سے یہ زرد رنگ کی اولاد پیدا ہوئی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اصفر روم بن عیص کا نام ہے (واللہ اعلم)

منافقوں کا ایک گروہ طمع غنیمت اور دنیاوی مال کی لالچ میں ہمراہ ہوا اور ان کی روانگی اور واپسی کے دوران حرکات شنیعہ اور کلمات ناپسندیدہ وجود میں آئے جب لشکر اسلام مرتب ہوگیا تو حکم ہوا کہ سب لوگ مدینہ طیبہ کے باہر ''ثنیۃ الوداع'' میں جمع ہوجائیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لشکر کے امیر ہوئے۔

عبداللہ بن سلول منافق اپنے حلیفوں اور ساتھیوں کے ساتھ لشکر سے باہر نکلا اور ذباب کے مقابل (جو ایک جگہ کا نام ہے) علیحدہ ہوکر اس نے پڑاؤ کیا وہ کہنے لگا کہ ''محمد'' بنی الاصفر سے جنگ کرنے جارہے ہیں اور وہ یہ جانتے ہیں کہ ان کے ساتھ جنگ کرنا آسان ہے۔ خدا کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کے ساتھی واصحاب پابند طوق وسلاسل ہیں اور وہ اطراف واکناف عالم میں متفرق ہوگئے ہیں۔ جب ان منافقوں کے لوٹنے کی خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع ہمایوں میں پہنچی تو فرمایا اگر اس میں کچھ ہوتا تو وہ ہم سے پیچھے نہ رہ

جاتا اور فرمایا خدا کا شکر کرو کہ شریروں کے شر سے نجات پا گئے۔

بخاری و مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ سے تشریف لے جانے کا عزم فرمایا تو حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو اپنے اہل میں خلیفہ بنایا اس پر علی المرتضیٰ رضی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا ''یارسول اللہ میں کسی غزوۂ میں پیچھے نہیں رہا ہوں کیا وجہ ہے کہ اس مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے چھوڑے جارہے ہیں اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ رہے ہیں؟'' فرمایا ''اے علی! رضی اللہ عنہ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ تمہاری بمنزلہ ہارون کے جو موسیٰ علیہ السلام سے نسبت ہے مجھ سے نسبت ہو لیکن فرق یہ ہے کہ ہارون علیہ السلام نبی تھے اور میرے بعد کسی کو نبوت نہ ہوگی۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے میقات جاتے وقت اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم پر خلیفہ بنایا تھا جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ اور جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہ قوم میں خلیفہ بنو۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو مدینہ طیبہ میں چھوڑا تو منافقوں اور حاسدوں نے کہا کہ ''رسول خدا نے علی المرتضیٰ کو ناراض ہونے کی وجہ سے چھوڑا ہے''۔ اس پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مقام حرب باد میں پہنچے اور صورت واقعہ عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لوگ جھوٹ کہتے ہیں۔ میں نے تمہیں اس لیے چھوڑا ہے کہ تم میرے اہل بیت اور اپنے اہل بیت یعنی سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں میرے خلیفہ رہو اور ان سب کی دیکھ بھال کرسکو۔ اس حدیث سے شیعہ (روافض) یہ استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا حق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہے اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں وصیت ہے۔ اس کے برخلاف علماء اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ اس حدیث میں کوئی حجت ان کے لیے نہیں ہے۔ اس لئے کہ حدیث واضح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کی غیبوبت کی مدت کے لیے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اپنا خلیفہ بنایا اور اس جگہ اہل بیت پر خلیفہ بنانے سے امت پر خلیفہ بنانا لازم نہیں آتا۔ جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم میں مناجات کے زریعہ اپنی غیبوبیت کی مدت میں خلیفہ بنایا تھا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے خلیفہ نہیں ہوئے تھے چونکہ حضرت ہارون کی وفات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چالیس سال پہلے ہوئی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نماز میں لوگوں کی امامت کے لیے خلیفہ بنایا تھا۔ لہٰذا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اہل بیت اطہار کی دیکھ بھال کرتے تھے اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کی امامت کرتے تھے۔ اگر خلافت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ہوتی تو ان کو امامت کے لیے بھی درجہ اولیٰ واتم حکم ہوتا اور ''آمدی'' نے جو علماء اصول حدیث میں سے ہیں اس حدیث کی صحت میں کلام کیا ہے۔ لیکن غلط و خطا ہے اور ائمہ حدیث سب اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں اور محدثین کا قول معتمد ہے۔ صحیح بخاری و مسلم دونوں میں مروی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ''اِلَّا اَنَّهٗ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ'' (مگر یہ کہ میرے بعد نبوت نہیں ہے) یہ کلمہ موجود نہیں ہے۔ یہ بات بھی نا قابل قبول ہے اور ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہے اور اگر ہو بھی تب بھی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے حصر پر دلالت نہیں رکھتی اور نہ رابط ہے اس وجود پر کہ بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ بے واسطہ خلیفہ ہوں اور حضرت علی المرتضیٰ کو اہل بیت اطہار پر خلیفہ مقرر کرنے کے بعد علماء اختلاف رکھتے ہیں کہ مدینہ طیبہ پر کسے خلیفہ بنایا۔ بعض کہتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا اور کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ صحیح روایت یہی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ سباع بن عرفطہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا اور ایک روایت میں ہے کہ

ابودہم غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا اور ایک روایت یہ ہے کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا اور ابن عبدالبر نے اس روایت کو ترجیح دی ہے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے اور ''ثنیۃ الوداع'' میں علم اور جھنڈوں کی ترتیب میں مشغول ہوئے اور بڑا علم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا۔ اسی طرح انصار کے ہر قبیلے سے فرمایا کہ اپنا اپنا علم تیار کریں اور حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک انصاری شخص تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے انہیں علم عطا فرمایا اس کے بعد ان سے لے کر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرحمت فرما دیا۔ حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! غالباً حضور مجھ سے ناراض ہو گئے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نہیں''۔ خدا کی قسم۔ لیکن قرآن والے کا حق مقدم ہے۔ کیونکہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم سے زیادہ قرآن کو سینہ میں لیے ہوئے ہیں اور قرآن ہی انسان کو مقدم کرنے والا ہے اگرچہ گوش بریدہ سیاہ فام غلام ہو''۔

جب اس مقام میں لشکر کا شمار کیا گیا تو ایک قول کے بموجب تیس ہزار کی تعداد شمار میں آئی جیسا کہ مذکور ہوا اور بعض نے ستر ہزار کہا اور یہ بہت زیادہ مشہور روایت ہے اور ایک گروہ تو ایک لاکھ بتاتا ہے اور ایک روایت میں چالیس ہزار ہے اس لشکر میں دس ہزار گھوڑے سوار اور بارہ ہزار اونٹ سوار تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقدمہ پر، حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبداللہ کو میمنہ پر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عوف کو میسرہ پر مقرر فرمایا اور جب ثنیۃ الوداع سے لشکر نے کوچ کیا تو اس منزل میں بھی منافقوں کی ایک جماعت نے اختلاف کیا جب لشکر اسلام یہاں سے موضع جرف میں پہنچا تو عبداللہ بن ابی ابن سلول منافق اپنے حلیفوں اور فرمانبرداروں کے ساتھ نکل آیا اور لشکر اسلام قطع منازل اور طے مراحل کے بعد تبوک میں پہنچا تو وہاں دو ماہ ایک روایت میں ہے بارہ دن ایک روایت میں ہے بیس دن ٹھہرا رہا۔ تاکہ شب و روز مسافت کی کوفت سے آسودہ ہو جائیں۔

قیصر روم اور لشکر نصاریٰ نے مسلمانوں کے شوکت کی خبر سنی اور مسلمانوں کے دین کی عزت اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت اعجاز کا تصور کیا تو ان کے دلوں میں ایک خوف و رعب طاری ہو گیا اور ان کی طرف سے کوئی حرکت اور نہضت یعنی کوچ کرنا وجود میں نہ آیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہرقل شاہ روم نے جب سنا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود شام میں پہنچ کر تبوک میں توقف و اقامت فرمائی ہے تو بنی غسان کے ایک شخص کو مقرر کیا کہ وہ لشکر اسلام میں جائے اور صورت و سیرت کے صفات، عادات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات و خصائل و شمائل اور اوضاع و اطوار جیسا کہ کتب سابقہ میں مذکور ہیں معلوم کرے۔ وہ شخص ہرقل کے حکم کے بموجب تبوک آیا اور مکمل تحقیق و تفتیش کر کے ہرقل کو خبر دی اس پر ہرقل نے اعیان ممالک اور دیار روم کے تمام اشراف کو جمع کر کے نصرانیت کے ترک اور قبول دین اسلام پر ترغیب و تحریص دی۔ لوگ قیصر کی بات سن کر غصہ میں آ گئے اور اس غصہ نے ہنگامہ کی صورت اختیار کر لی یہاں تک کہ قیصر کو اپنی حکومت کے زوال کا خطرہ پیدا ہو گیا اور اس سے باز آیا۔ اسی قسم کی ایک حکایت رسل و مکاتیب کے ارسال کے باب میں اس مکتوب گرامی کے ضمن میں جو ہرقل کو بھیجا گیا تھا واقع ہوئی تھی۔ اب یہاں سے بھی یہی معلوم ہوا کہ اس نے اپنے لشکر کو دین اسلام کی طرف بلایا تھا لیکن چونکہ انہوں نے اس سے انکار کیا تھا اس لیے وہ اس قصد سے باز آ گیا۔

مواہب میں صحیح بن حبان سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوے میں بھی ایک مکتوب گرامی ہرقل کے نام بھیجا اور اسے اسلام کی دعوت دی قریب تھا کہ وہ اسلام قبول کر لے مگر نہ کر سکا۔ مسند امام احمد میں مروی ہے کہ ہرقل نے لکھا کہ ''میں نے اسلام قبول کر لیا ہے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جھوٹ کہتا ہے وہ دشمن خدا اپنی نصرانیت پر قائم و باقی ہے''۔ واللہ علم بحقیقہ

الحال علی وجہ الکمال۔

القصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولایت شام جانے اور وہاں کے سربراہوں اور حاکموں کے ساتھ بات کرنے کے بارے میں اعیان انصار و مہاجرین سے مشورہ فرمایا اور ان صحابہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مشورہ فرمانا بحکم الٰہی ''وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ'' کے تحت تھا۔ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر حضور تشریف لے جانے پر مامور ہیں تو تمام آپ کے ملازم رکاب فلک فرسا ہوں گے اور جہاں آپ توجہ فرمائیں گے اور قدوم اجلال فرمائیں گے ہم سب آپ کے ساتھ ہوں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں خدا کی جانب سے مامور ہوں تو تم سب سے کیوں مشورہ کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاہ روم کا لشکر بہت بڑا ہے اور بہت زیادہ ہے اور لشکر اسلام کی حالت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باخبر ہیں اور قیصر روم اپنے کیے اور کہے پر شرمندہ و پشیمان بھی ہو چکا ہے اور آپ کی ہیبت و شوکت کا غلغلہ ان شہروں میں خوب پھیل چکا ہے آپ کا خوف و رعب ان رومیوں کے دلوں پر غالب آ چکا ہے اگر امسال لوٹ کر دوسرے سال قصد فرمائیں تو انسب و اولیٰ ہوگا اور حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا بلند و برتر ہے۔ چونکہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے درست و صواب تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عنان مراجعت' بجانب مستقر عزت و کرامت منعطف فرمائی۔ منقول ہے کہ منزل تبوک کے قیام کے زمانہ میں یحیر بن رویہ جو ایلہ کا بادشاہ تھا۔ بارگاہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور جزیہ دینا قبول کیا۔ باہمی مصالحت واقع ہوئی اور اسے ایک عہد نامہ میں لکھا گیا۔ یہیں اہل جبر اور اورح بھی آئے انہوں نے بھی جزیہ دینا قبول کیا اور ان کے لیے بھی صلح نامہ لکھا گیا یہاں تک وہ صلح نامہ کی تحریر اب تک ان کی قوم میں موجود و باقی ہے جیسا کہ روضۃ الاحباب میں مذکور ہے۔

تبوک کے سفر کے فوائد و حکمتوں میں سے یہ تھا کہ فقراء صحابہ کی دستگیری و اعانت عمل میں آئی اور اغنیاء صحابہ کے لیے حصول ثواب اور توفیق انفاق کا موقع ہاتھ آیا اور منافقین کے ضمائر و بواطن کا ظہور ہوا جن کی وجہ سے آیات قرآنیہ کا نزول ہوا اور جوز جر دتو بیخ اور تشدید کے موجب بنے اور مسلمانوں کی عزت کا حصول اور لشکر اسلام کی جلالت و شوکت اور اس کے دبدبہ کا ایسا ظہور رہا کہ وہ بادشاہ جو قیصر روم تھا اور وہ دیگر سلاطین جو اطراف و اکناف میں حکمران تھے ان سب کے دلوں میں رعب و خوف طاری ہو گیا اور یہ بات کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس ان کے اوپر حملہ آور نہ ہوئے اور ان سے مقابلہ و محاربہ کرنے سے اعراض فرمایا اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نزاہت و عزت تھی کیوں کہ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک نصرانیوں کے مساوی و برابر ٹھہرتی اور عام لوگوں کے دلوں میں مساوات و ہمسری اور برابر ظاہر ہوتی۔ یا اس احتمال سے مقابلہ نہ کیا کہ عالم اسباب کی نظر میں ظاہر غلبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت قرار پاتا (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس تشریف فرما تھے۔ جس سے مسلمانوں کو ان پر غلبہ حاصل ہوا اور آج جبکہ آپ عالم ظاہر میں موجود نہیں تو غلبہ نہیں پا سکتے اس وہم کا استیصال بھی مقصود تھا) اگرچہ حکم الٰہی اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ. (بے شک یہی مسلمان ہیں جن کی مدد کی گئی ہے اور بیشک ہمارا لشکر ہی غلبہ پانے والا ہے) پر نظر ہوا اور مسلمانوں کا غلبہ اپنے وقت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت موعود و مشہود ہے اور ممکن ہے کہ حکمت الٰہی یہی ہو کہ آپ حق تعالیٰ کی جانب سے محاربہ و قتال کے لیے مامور نہ ہوئے ہوں اور معاملہ مشورہ' رائے اور اجتہاد تک ہی موقوف رہے۔ (واللہ علیم وحکیم)

اس سفر کے لیے مدینہ طیبہ سے نکلنے' مقام تبوک میں پہنچنے اور وہاں اقامت فرمانے پھر وہاں سے لوٹتے وقت مدینہ طیبہ واپس آنے تک جو معجزات و علامات نبوت اور قضایا و وقائع ظہور پزیر ہوئے وہ بھی اس سفر کے موائدہ و نتائج اور مفید فیض فضل و کمال ہے۔ جیسا

کہ کتب سیر میں مذکور ومسطور ہے۔فقراء صحابہ میں سے ایک کی حکایت بیان کی جاتی ہے آپ کے احباب میں سے ایک شخص عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذوالبجادین نامی اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے۔تبوک میں انہوں نے وفات پائی۔ان کا تذکرہ نہایت ذوق افزا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں رحمۃ اللہ علیہ کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزنیہ قبیلہ کے باشندوں میں سے تھے اور وہ اپنے والد سے یتیم ہوگئے تھے۔مسلمان ہونے سے پہلے ان کے پاس کچھ نہ تھا اور ان کے چچا ان کی کفالت کرتے تھے۔یہاں تک کہ وہ جوان ہوئے اور ان کے پاس کئی اونٹ وبکریاں اور غلام پیدا ہوئے۔ان کے دل میں اسلام کی محبت مرکوز تھی اور ہمیشہ چاہتے تھے اسلام قبول کرکے مسلمانوں کے زمرہ میں داخل ہوجائیں۔لیکن اپنے چچا کے خوف سے ایمان نہ لاسکتے تھے۔یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ سے واپس آگئے اس وقت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے چچا سے کہا اے چچا! میں ساری عمر تیرے اسلام لانے کا منتظر رہا مگر تیری طرف سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا شوق اور جزبہ نہیں پایا۔اب میں مزید اپنی عمر کا بھروسہ نہیں رکھتا مجھے اجازت دے کہ میں جاکر مسلمان ہوجاؤں؟ اس کے چچا نے کہا خدا کی قسم! اگر تو ایمان لے آیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی تو جو کچھ میں نے تجھے دے رکھا ہے سب چھین لوں گا۔حتیٰ کے تمہارے جسم پر جو کپڑے ہیں انہیں بھی اتارلوں گا۔حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''خدا کی قسم میں مسلمان ہوتا ہوں اور شرک وبت پرستی کو چھوڑتا ہوں اور میرے ہاتھ میں جو مال واسباب ہے تو سب لیلے میں اس سے دست کش ہوتا ہوں آخری وقت میں تو ہر چیز یوں بھی چھوڑنی ہوگی میں اس کی خاطر دین حق سے باز نہیں آسکتا''۔یہ کہہ کر سب کچھ چھوڑ دیا اور کپڑے اتار کے اپنی والدہ کے پاس آگئے ان کی ماں نے جب یہ حال دیکھا تو کیفیت پوچھی انہوں نے فرمایا ''بت پرستی اور دنیا طلبی سے بزار ہوں میری تمنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر مومن وموحد ہوجاؤں۔مجھے کچھ کپڑا دو جس سے میں اپنا ستر چھپاؤں''۔ماں نے انہیں چادر دی انہوں نے اس کے دو حصے کیے ایک حصہ کا تہ بند اور دوسرے کی چادر بنائی۔اس سبب سے ان کا لقب ''ذوالبجادین رضی اللہ عنہ'' ہوا۔بجاد کے معنی گلیم درشت (موٹی چادر) کے ہیں۔اس کے بعد وہ بارگاہ بیکس پناہ کی طرف چلدیئے۔

سحر کے وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ پہنچے اور مسجد نبوی شریف میں ٹھہرے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے باہر تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک ان پر پڑی تو فرمایا تم کون ہو؟'' انہوں نے کہا ''میں فقیر ومسافر آپ کا عاشق جمال ہوں میرا نام عبداللہ العزیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے''۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تمہارا نام عبداللہ اور تمہارا لقب ذوالبجادین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے ہمارے کاشانہ اقدس کے قریب ہمارے پاس رہو''۔اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصحاب صفہ کے درمیان جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان رہا کرتے تھے رہنے لگے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم یاد کیا کرتے تھے اس زمانہ میں صحابہ لشکر تبوک کی تیاری میں مشغول تھے اور وہ مسجد شریف میں ذوق وشوق کے ساتھ بلند آواز سے قرآن کریم پڑھا کرتے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ملاحظہ فرماتے ہیں کہ یہ اعرابی بلند آواز سے قرآن کریم پڑھتے ہیں ان کی بلند آوازی لوگوں کی نماز وقرأت میں مزاحم ہوتی ہے''۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عمر رضی اللہ عنہ! ان کو اپنے حال میں چھوڑ دو۔اس لیے کہ وہ نکالا ہوا اور خدا اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے والا ہے''۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب حال سے جو کچھ صادر ہو وہ ادب اور اولی کے خلاف نہیں ہوتا اور یہ کہ غایت ادب میں بعض صحابہ معذور ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہجرت ہمیشہ باقی ہے اور اس قول کے رد میں ہے کہ ''لا ھجرۃ بعد الفتح'' اور ہجرت مکہ سے مدینہ کے ساتھ مخصوص ہے۔حقیقتاً ہر وہ شخص مہاجر ہے جو اس چیز سے ہجرت کرے جس کی مخالفت حق تعالیٰ نے فرمائی ہے۔اس کے بعد

لشکر اسلام روانہ ہونے لگا تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا فرمایئے کہ میں راہ خدا میں شہید ہو جاؤں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کسی درخت کی چھال لاؤ۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیکر کے درخت کی چھال لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ان کے بازو پر باندھ کر فرمایا ''اے خدا میں اس کے خون کو کافروں پر حرام قرار دیتا ہوں''۔ انہوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا مقصود تو شہادت ہے''۔ فرمایا جب تم راہ خدا میں جہاد کی نیت سے نکل آئے اور تمہیں بخار آ جائے اور اس بخار سے تم دنیا سے چلے جاؤ تو تم شہید ہو گے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے ہوئے تبوک تک پہنچ گئے۔ اس مقام میں انہیں بخار آیا اور وفات پائی۔ حضرت بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزنی فرماتے ہیں کہ رات کا وقت تھا جبکہ انہیں دفن کے لیے لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ موذن ایک چراغ ہاتھ میں لیے ہیں اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر کے اندر تشریف فرما ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو قبر میں اتار رہے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں اپنے بھائی کو عزت کے ساتھ لاؤ۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لحد میں خشت خام چنیں۔ پھر دعا مانگی اے خدا! یہ میری خدمت میں دن رات رہا ہے میں نے اس سے راضی ہوں اور تو بھی اس سے راضی ہو جا''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ کاش کہ میں اس صاحب لحد کی جگہ ہوتا۔

سلسلہ واقعات میں سے ایک واقعہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ کو اکیدر حاکم دومۃ الجندل کی جانب بھیجنا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو سواروں پر امیر بنا کے اکیدر بن عبدالملک نصرانی کی سرکوبی کے لیے بھیجا جو بڑا ملک تھا اور دومۃ کا حاکم تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بنی کلاب کے ملک میں بھیج رہے ہیں اور تھوڑی سی جماعت میرے ساتھ کر رہے ہیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زبان معجز بیان سے ارشاد فرمایا وہ وقت قریب ہے کہ تم اسے پہاڑوں اور جنگلوں میں شکار کھیلتا پاؤ گے اور جنگ کی زحمت اٹھائے بغیر وہ تمہارے قابو آ جائے گا۔ پھر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بموجب فرمان عالی شان روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ دومۃ الجندل کے قلعہ کے قریب پہنچ گئے اکیدر قلعہ میں تھا چاندنی رات انتہائی روشن تھی اور اکیدر بام خانہ پر اپنی بیوی کے ساتھ شراب نوشی میں مشغول تھا اچانک ایک پہاڑی گائے آئی اور قلعہ دیوار سے سر مارنے لگی اس کی بیوی نے اوپر سے دیکھا اور شوہر سے کہا کبھی اتنی روشن رات دیکھی ہے اور کبھی ایسا شکار ہاتھ میں آیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اکیدر چونکہ پہاڑی گائے کے شکار کا شوقین تھا۔ بام سے اترا اور گھوڑے پر سوار ہوا اس کا بھائی حسان بھی دیگر چند خادموں کے ساتھ سوار ہوا اور یہ سب شکار کی تلاش میں نکل آئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو دیکھ رہے تھے۔ گائے نے تو راہ فرار اختیار کی اور اکیدر اس کے تعاقب میں چلا اور خود حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شکار بن گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اکیدر کے بھائی حسان نے مقابلہ کی ٹھانی بالآخر مارا گیا اور اس کے غلام و خدام بھاگ کر قلعہ میں داخل ہو گئے اور اکیدر پنجہ ءتقدیر میں اسیر ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرما دیا تھا کہ جب اکیدر تمہارے ہاتھ آ جائے تو اسے زندہ میرے پاس لے آنا اگر وہ سرکشی کرے اور نہ آئے تو قتل کر دینا۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اکیدر سے فرمایا اگر تو چاہے تو تجھے جان کی امان دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلوں بشرطیکہ قلعہ کی کنجیاں میرے حوالے کر دے اور قلعہ کو ہمارے لیے کھول دے۔ اکیدر نے مان لیا۔ اکیدر کا ایک اور بھائی تھا جس کا نام مصاد تھا۔ جو قلعہ کی حفاظت پر مقرر تھا اس نے پہلے تو قلعہ کو کھولنے میں رکاوٹ کی بالآخر خواہی نخواہی دروازہ

کھولدیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اکیدر کے ساتھ دو ہزار اونٹ اور چھ سو بردے ایک روایت میں ہے آٹھ سو گھوڑے اور چار سو زرہ اور چار ہزار نیزوں کے دینے پر صلح کی اور تسلیم کیا کہ قلعہ کی حکومت حسب سابق تیرے حوالہ رہے گی۔ اکیدر اور اس کا بھائی مصاد دونوں خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے عالی کا اقتضاء جو بھی ان کے بارے میں ہو نافذ ہو اور حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمرو بن امیہ ضمری کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں دومتہ الجندل کی فتح اور اکیدر کے پکڑے جانے اور اس کے بھائی حسان کے مارے جانے کی خبر پہنچائے اور زربفت کی چادر کو جو حسان کے سلب میں تھی۔ نشان کے طور پر ان کے ہمراہ بھیجی۔ جب عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے تو بعض لوگ اس زربفت کی چادر کو ہاتھوں سے مل کر اس کی خوبی و نرمی پر تعجب کرنے لگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ رومال جو جنت میں ان کے پاس ہے اس سے زیادہ نرم و بہتر ہے غزوۂ خندق کے ضمن میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے ایام میں پہلے گزر چکا ہے کہ عجم کے بادشاہوں میں سے کسی نے ایک ریشمی جامہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا اہل عرب آتے اسے چھوتے اور تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ جامہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آسمان سے اترا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رومال اس سے زیادہ نرم و بہتر ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیدر اور مصاد کے خون سے درگزر فرمایا اور ان پر جزیہ قائم کر دیا اور ان کے لیے امان نامہ تحریر فرما دیا بعض اہل سیر کہتے ہیں کہ جب وہ مدینہ آئے تو اسلام لے آئے۔ بہر صورت جو امان نامہ ان کو .....حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کرایا اس مضمون کا متن تھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ لِاُكَيْدَرَ اَجَابَ اِلَى الْاِسْلَامِ وَخَلَعَ الْاَنْدَادَ وَالْاَصْنَامَ ...... اس نامہ کے آخر میں تحریر تھا کہ: يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ بِحَقِّهَا۔ یہ امان نامہ اس قول کی تائید کرتا ہے (اللہ اعلم)

مسجد ضرار: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں مدینہ طیبہ تک مسجدیں تعمیر ہوئیں جس طرح کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان اور ان کے سوا ان مقامات میں جہاں جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت فرمائی تھی یا نماز پڑھی تھی لوگوں نے مسجدیں تعمیر کی تھیں۔ یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موضع ذی آوان میں نزول فرمایا اور یہ جگہ مدینہ منورہ سے ایک گھڑی کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد ضرار کی تعمیر کی خبر پہنچی جو منافقوں نے مسجد قبا شریف کے روبرو بنائی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے گرانے اور برباد کرنے کا حکم فرمایا اس مسجد کی تعمیر اور اس کی بربادی کا پورا قصہ یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل اس جگہ قبیلہ بنی خزرج کے اکابر میں سے ابو عامر راہب تھا جو دین نصرانیت اختیار کیے ہوئے تھا اور توریت و انجیل کے علم میں مہارت پیدا کر لی تھی اور بہت زیادہ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتا تھا۔ اس کے دماغ میں سرداری کا جنون سمایا ہوا تھا وہ ابتدا میں ہمیشہ اہل مدینہ پر نبی آخر الزماں کے اوصاف و شمائل بیان کیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ ان کے اوصاف جن و ملک سے میں نے سنے ہیں۔ جیسا کہ مختصر تذکرہ کتب سابقہ اور امم ماضیہ میں پائے جانے والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے باب میں کیا جا چکا ہے۔ لیکن جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے اور اس شہر پاک کے مسلمان حضور کے جمال باکمال کے شیفتہ شیدا ہوئے اور لوگوں نے دین اسلام کو اختیار کیا تو اس شقی ......باطن کے کانوں سے آتش حسد کا شعلہ بھڑکا اور دنیا کی محبت، سرداری کی چاہت اور شیطان کے اغواء نے اس کی راہ ماری اور وہ

لوگوں کوحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے روکنے لگا۔لوگوں نے اس سے کہا'' کیا تو وہ نہیں ہے جوحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت وصفت ہمارے سامنے بیان کیا کرتا تھا اب کیا ہوا کہ لوگوں کو ان کی متابعت سے روکتا ہے۔اس نے کہا یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کی میں صفت بیان کیا کرتا تھا یہ اور کوئی ہیں جو ان کی مشابہت رکھتے ہیں جن کے بارے میں کہتا تھا وہ آئندہ ظاہر ہوں گے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور دعوت اسلام دی اس نے قبول نہ کیا اور سرکشی وعناد کی راہ اختیار کی۔ جب غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو عزت و شوکت حاصل ہوئی تو وہ مدینہ سے بھاگ کر مکہ مکرمہ چلا گیا اور کفار قریش کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عناد و جنگ کرنے پر اکسانے لگا۔غزوۂ احد میں کفار کی جانب سے سب سے پہلے جس نے لشکر اسلام پر تیر پھینکا وہ یہی تھا۔اس پر مسلمانوں نے اس کا لقب فاسق رکھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعائے بد کی اور فرمایا اے خدا اسے یکہ وتنہا بے یار و مددگار ہلاک کر'' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ غزوۂ احد کے بعد بھاگ کر روم چلا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ یہ حنین میں موجود تھا اور وہاں سے فرار ہو کر ہرقل کے پاس چلا گیا اور اس کا ملازم و مقرب بن گیا اور وہ چاہتا تھا کہ ہرقل سے لشکر لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے نکلے مگر ایسی کوئی صورت نہ بن پڑی۔ پھر اس نے وہاں سے مدینہ کے منافقوں کے نام ایک خط لکھا کہ تم مسجد قبا شریف کے مقابل اپنے محلّہ میں میرے لیے مسجد بناؤ تا کہ جب میں مدینہ آؤں تو وہاں بیٹھوں اور افادۂ علوم میں مشغول ہو جاؤں اور وہ مسجد میرے اور تمہارے درمیان کمین گاہ کی حیثیت رکھے گی تا کہ وقت کے مطابق اس جگہ سوچ بچار اور صلاح و مشورہ کر سکیں۔ان منافقوں نے یہ مسجد تعمیر کر دی اور غزوۂ تبوک سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی تک یہ مکمل ہو چکی تھی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس ہو کر تشریف لا رہے تھے تو منافقوں نے آ کر چرب زبانی اور نفاق کا اظہار کرنا شروع کر دیا اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے بیماروں اور کمزوروں کو سرما ء بارش سے بچانے کے لیے ایک جگہ بنائی ہے ہم آرزومند ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں قدم رنجہ ہو کر اپنی نماز سے اس مسجد کو مشرف بنائیں اور ہم پر احسان فرمائیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منافقوں کے جواب میں فرمایا'' اس وقت تو ہم جہاد میں مشغول ہیں اگر میں آیا اور خدا نے چاہا تو نماز پڑھوں گا۔ پھر جب واپسی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم موضع ذی آوان میں تشریف لائے تو وہ لوگ پھر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا وعدہ یاد دلایا۔اس وقت جبریل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے۔وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ .... (تا قول باری تعالیٰ) وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن وخشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مالک بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کچھ اور لوگوں کو بلایا اور فرمایا اس مکان کو جسے ان ظالموں نے بنایا ہے اکھاڑ کے پھینکدو۔ وہ چلے گئے اور جو فرمان تھا بجالائے۔ان بارہ منافقوں کے نام جو اس کے بنانے میں شریک تھے سیر کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔اور وہ جگہ رفتہ رفتہ کوڑا گھر بن گئی۔ یہاں تک کہ ہر قسم کی پلیدی و نجاست اس جگہ ڈالی جانے لگی۔اہل سیر کہتے ہیں کہ اس جگہ کو اکھاڑ پھینکنے کے بعد مدتوں اس جگہ سے دھواں نکلتا رہا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے اور ارادہ فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوں تو اہل مدینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال اور پیشوائی کے لیے شہر سے باہر آ گئے اور ان کی عورتوں اور بچوں اور لڑکیوں نے گانا شروع کیا۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

بعض کہتے ہیں کہ یہ اشعار اس وقت کہے گئے جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لائے تھے۔صاحب مواہب لدنیہ نے فرمایا کہ یہ قول وہم خطا ہے۔اس لیے کہ مقام'' ثنیات الوداع'' شام کے رخ پر واقع ہے۔مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ میں

داخل ہونے والا اس مقام کو نہیں دیکھ سکتا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ میں ایک قوم ایسی ہے جو کسی وادی کی سیر نہیں کرتی۔ مگر یہ کہ وہ تمہارے ساتھ رہتی ہے۔ اور یہ بات اس حکم کے مطابق ہے کہ ''نِيَّةُ الْمُؤْمِنِيْنَ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ'' مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور یہ تمہارے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے اور ایک اور فرقہ ہے جو تم میں سے ہوتے ہوئے بھی تم سے جدا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے بالائی حصہ پر صعود فرمایا تو فرمایا ''هٰذِهٖ طَابَةٌ وَهٰذَا اُحُدٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ'' یہ شہر پاکیزہ ہے اور یہ احد پہاڑ ہے جو ہمیں محبوب رکھتا ہے اور ہم اسے محبوب رکھتے ہیں اور جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے قصیدۂ غراء میں جو نہایت فصیح و بلیغ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کی اور وہ قصیدہ مواہب میں مذکور ہے اس کے چند اشعار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کے ضمن میں پہلے لکھے جا چکے ہیں۔

تخلف کرنے والوں کا حال: وصل: واضح رہنا چاہیئے کہ متخلفین یعنی غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے منافقین میں سے بہت ہیں جن میں معذور بعذر صحیح بھی ہیں اور بعذر غیر صحیح بھی ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو بغیر عذر اور بلا شک وارتیاب کے اس غزوے سے پیچھے رہ گئے وہ صحابہ میں سے پانچ افراد ہیں۔ ابوذر غفاری' ابوخیثمہ سالمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ' مرارہ بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ہلال بن اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان پانچوں کی صورت یہ ہے کہ

۱۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ طیبہ سے چلے لیکن ان کا اونٹ راستہ میں تھک کے رہ گیا۔ وہ اپنا ضروری سامان اپنے کندھے پر اٹھا کر منزل تبوک پہنچے۔ جب حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دور سے لوگوں نے آتے دیکھا تو عرض کرنے لگے۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کوئی دور سے پیادہ اور تنہا آ رہا ہے؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور مرحبا کہہ کر فرمایا: رَحِمَ اللّٰهُ اَبَاذَرٍّ تَمْشِيْ وَحْدَهٗ وَتَمُوْتُ وَحْدَهٗ وَتُبْعَثُ. اللہ تعالیٰ ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحمت فرمائے تنہا کوچ کرے گا اور تنہا اٹھایا جائیگا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کیا حال ہے؟ تو انہوں نے اونٹ کا تمام ماجرا عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میرے اہل میں بہت عزیز ہو' جتنے قدم تم نے ہماری طرف اٹھائے ہیں اللہ تعالیٰ ہر قدم کے بدلے ایک گناہ معاف فرمائے۔

۲۔ ابوخیثمہ' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی دن بعد غزوے کی طرف روانہ ہوئے تھے واقعہ یہ ہے کہ ایک دن وہ اپنے گھر آئے وہ دن سخت گرمی کا تھا ان کی دو بیویاں تھیں ہر ایک عریشہ پر پانی کا چھڑکاؤ کر کے صراحیوں میں ٹھنڈا پانی مہیا کر کے اور عمدہ قسم کے کھانے پکا کر لگائے ہوئے بیٹھی تھیں۔ ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عریشہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر اپنی بیویوں کو اور ان کے اس اہتمام کو دیکھا اور کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بیابان میں سخت آفتاب کی گرمی اور گرم و تیز ہواؤں میں ہوں اور ابوخیثمہ ٹھنڈے سایہ میں سرد پانی اور عمدہ کھانے اور اپنی بیویوں میں عیش و لطف اٹھائے یہ بات محبت اور انصاف سے بہت بعید ہے۔ خدا کی قسم میں اس عریشہ میں نہیں داخل ہوں گا جب تک کہ میں خدا کے نبی سے نہ ملوں۔ اس کے بعد تھوڑا سا زادراہ لیا اور اپنے اونٹ کو کھینچتے ہوئے باہر نکل آئے۔ ہر چند ان کی عورتوں نے ان سے بات کی مگر انہوں نے کوئی بات نہ کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقب میں روانہ ہو گئے اور منزل تبوک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مل گئے اور ساری کیفیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا خیر فرمائی لیکن بقیہ تین صحابی جو کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ' مرارہ بن ابربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ہلال بن اُمیہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ مشہور ہیں اور ان میں عمدہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک کا قصہ اور ان کی توبہ ہے کیونکہ آیہ کریمہ: وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ انہیں تینوں اصحاب کو شامل ہے اور یہی تینوں محل عتاب وخطاب اور عفوو درگزر کے مستحق بنے ہیں۔

۳۔ لیکن کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہی کچھ عجیب ہے ان کے ضمن میں ان دو صحابہ کا بھی ذکر آ جاتا ہے۔ کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ خزرجی بیعت عقبہ میں موجود تھے اور عقبہ ثانیہ کے وقت ان ستر افراد میں سے ایک تھے اور ایک قول یہ ہے کہ ترپن افراد میں سے ایک تھے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ ان کی توبہ کا قصہ طویل ہے اس کے باوجود میں نقل کرتا ہوں جو انہیں سے مروی ہے حضرت کعب فرماتے ہیں غزوۂ تبوک سے میرا رہ جانا ابتلائے محض تھا اس میں میرا ظاہری قصد واختیار نہ تھا اور کوئی ایسا عذر بھی نہ تھا جس کی بنا پر میرا رہ جانا مناسب ہوتا۔ تمام سامان تیار تھا اور میری عمدہ سواری بھی تیار تھی کبھی کسی غزوے میں میرے پاس دو اونٹ نہ تھے۔ تبوک کے سفر کے لیے میں نے دو اونٹ خریدے تھے لیکن ہوا انتہائی گرم تھی مدینہ طیبہ کی کھجوریں پکی ہوئی تھیں اور طویل سفر درپیش تھا اور طبعی طور پر لوگوں کے دل نہ چاہتے تھے کہ آفتاب کے سایہ سے جائیں اور میں اس بات کے موجود ہونے سے کہ اسباب وسواری تو مہیا ہے کوئی فکر نہ رکھتا تھا اور دل میں عزم تھا کہ جس دن کوچ ہوگا میں بھی نکل کے چلدوں گا جب روانگی ہوئی تو میں نے اپنے دل میں کہا آج تو مجھے کچھ کام ہے کل کو روانہ ہو جاؤں گا۔ اسی طرح دو تین دن تعویق وتاخیر میں گزر گئے۔ یہاں تک کہ لشکر اسلام دور چلا گیا اور وقت ضائع ہوگیا۔ جب معاملہ ہاتھ سے نکل گیا تو مجھے عظیم وحشت وغمگینی لاحق ہوئی یہاں تک کہ میں گھر سے نکلتا تو یاس وغم اور زیادہ ہوتا اور اس سے دل اور پریشان ہوتا کہ مدینہ میں سوائے ان منافقین کے جنہوں نے جھوٹی عذرداری کی اور ان کمزوروں اور ضعیفوں کے جن کا عذر بجا تھا کوئی نہ رہا تھا میں شرمساری اور حسرت واندوہ کی آگ میں جلتا تھا کہ کیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غزوے میں نہ گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کہیں یاد نہ فرمایا۔ بجز اس غزوۂ تبوک کے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انصاری مدنی اور عقبی تھے اور بعض کہتے ہیں کہ انصاریوں کے حلیف تھے ان سے پوچھا۔ انہوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے اپنے دو کپڑوں نے باز رکھا جو ان کی نظر میں بہت اچھے تھے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا بری بات ہے جو تم کہہ رہے ہو۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم بجز نیکی کے ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کی خبر مجھے ملی تو میں اور زیادہ غمگین ہوا یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔ میں حیران وپریشان تھا کہ کل میں کیا عذر بیان کروں گا اور کس طرح خدا اور اس کے رسول کے غصہ سے نجات پاؤں گا۔ عزیز واقرباء طرح طرح کے بہانے بناتے کہ ایسا کرو ویسا کرو۔ حتیٰ کہ وہ دن بھی آ گیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ رونق افروز ہو گئے۔ تمام باطل اندیشے اور جھوٹے بہانے میں نے دل سے نکال پھینکے اور میں نے خیال کیا سچ کے سوا کسی میں میری نجات نہ ہوگی۔ اگرچہ منافقین جھوٹی قسمیں کھائیں گے اور باطل عذر بیان کریں گے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر ان کے عذر قبول فرمائیں گے اور باطن کو خدا کے سپرد فرمائیں گے۔ اس کے بعد میں حاضر ہوا اور میں نے سلام عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف نگاہ اٹھائی اور ایسا خشم آمیز تبسم فرمایا کہ میرے ہوش جاتے رہے۔ فرمایا: ''اے کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تم کیوں پیچھے رہے کیا تمہیں اسباب سفر مہیا نہ تھا''۔ میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بلاشبہ جس قدر سامان کی ضرورت تھی سب کچھ موجود تھا۔ لیکن میرے نفس نے مجھے غافل بنا دیا اور مجھ پر کسلمندی وکاہلی غالب آ گئی شیطان نے میری راہ اچک لی اور مجھے محرومی ورسوائی کے گرداب میں ڈال دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اٹھو اور جاؤ یہاں

تک کہ حق سبحانہ وتعالیٰ تمہارے بارے میں حکم فرمادے۔ میرے عزیز واقارب مجھے برا بھلا کہتے کہ دوسروں کی مانند کیوں نہ تم نے کوئی عذر بیان کیا اور کوئی جھوٹ کیوں نہ بول دیا۔ میں نے کہا میں وحی کے نازل ہونے سے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ میرے جھوٹ کی گواہی نہ دیدے اگر میرا معاملہ کسی دنیا دار سے ہوتا تو میں جو چاہتا کہہ دیتا لیکن یہاں تو سچائی کے سوا کوئی رستہ ہی نہ تھا۔ اس کے بعد میں نے لوگوں سے پوچھا میرے اس واقعہ کی مانند کسی اور کو بھی ایسا معاملہ درپیش آیا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مرارہ بن ابر بیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی یہی صورت واقعہ ہے اور وہ دونوں بھی اسی بلا میں گرفتار ہیں۔ اس وقت میرے دل میں ڈھارس بندھی اور میں نے دل میں کہا یہ دونوں مسلمان صالح ہیں اب دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منع فرما دیا کہ ہمارے ساتھ نشست و برخاست گفت وشنید' میل جول کوئی نہ کرے۔ تمام صحابہ نے ہم سے کنارہ کشی کی اور ہمارا حال دگرگوں ہو گیا۔ اسی نہج پر ہمارے اوپر پچاس دن گزر گئے یہاں تک کہ ہم اپنی جانوں سے بیزار ہو گئے اور جہاں مجھ پر تنگ ہو گیا ان پچاس دنوں میں مرارہ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو گھر سے باہر نکلے ہی نہیں۔ وہ پیرانہ سالی کا ضعف بھی رکھتے تھے اور میں جوان تھا اور دلیری دکھاتا تھا نماز کے لیے نکلتا تھا اور ترساں ولرزاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف کے ایک گوشہ میں بیٹھ بھی جاتا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دزدیدہ نگاہ محبوبانہ میری طرف فرماتے اور میری شکستگی اور پریشان حالی ملاحظہ فرماتے تھے اور جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب دیکھتا تو تغافل فرماتے اور اعراض فرماتے اور اگر کسی کام کے لیے باہر نکلتا تو کوئی مسلمان مجھ سے بات نہ کرتا اور نہ مجھے کوئی سلام کرتا نہ جواب' یہاں تک کہ ایک دن میرا ضبط وتوان جواب دے گیا اور میرا دل بھر آیا' میں مدینہ طیبہ سے باہر نکلا چونکہ ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے چچا کے صاحبزادے تھے جو مجھے بہت چاہتے تھے ان کا مدینہ کے باہر ایک باغ تھا وہاں کوئی تعمیر کرا رہے تھے۔ میں ان کے پاس گیا اور اور انہیں سلام کیا انہوں نے جواب نہ دیا اور مجھ سے منہ پھیر لیا۔ میں نے کہا "اے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ! تم جانتے ہو کہ میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں اور نفاق و شرک میرے دل میں نہیں ہے۔ کس لیے تم مجھ سے بات نہیں کرتے اور مجھے جواب نہیں دیتے۔ یہاں تک کہ میں نے یہ بات تین مرتبہ کہی آخر میں صرف اتنا کہا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُـهٗ اَعْـلَـمُ. اس کے بعد مجھے اپنے حال پر رونا آ گیا اور بہت زیادہ رویا اور مدینہ طیبہ چلا آیا۔ اچانک ایک نصرانی کو میں نے دیکھا جو شام کی جانب سے آ رہا تھا اور میرے بارے میں لوگوں سے پوچھتا پھر رہا تھا۔ جب لوگوں نے مجھے دیکھا تو اس سے کہا وہ ہے جس کی تم تلاش کر رہے تھے۔ یہ ایک قاصد تھا جو شاہ غسان کی طرف سے میرے نام ایک خط لایا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا کہ "اے کعب رضی اللہ عنہ! واضح ہو کہ میں نے سنا ہے کہ تمہارے آقا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل تم سے گراں ہے اور تم کو اپنے پاس سے نکال دیا ہے اور ان کے صحابہ تمہارے ساتھ ظلم و جفا کرتے ہیں تم ایسے شخص نہیں ہو کہ ایسی جگہ رہو جہاں تم پر ظلم و جفا ہو اور تمہیں مہجور مطرود کر دیا جائے۔ جب تم اس خط کے مضمون سے باخبر ہو تو بلاتوقف فوراً آ جاؤ تا کہ تم ہماری نوازشوں اور مہربانیوں کو دیکھو جب میں نے اس خط کو پڑھا تو اپنے دل میں کہا۔ یہ بھی ان بلاؤں میں سے ایک بلا ہے جو مجھ پر نازل ہوئی ہے۔ اس سے زیادہ بری اور کیا بلا ہو گی کہ ایک کافر کی طمع مجھ پر اور میرے دین پر پڑے اور مجھے کفر کی طرف بلائے۔ میرا غم اور بڑھ گیا اور اس خط کو میں نے آگ میں ڈال کر جلا دیا اور قاصد کو اپنے سامنے سے نکال دیا اور کہا کہ جاؤ اپنے بادشاہ سے کہہ دینا میرے اپنے آقا کی مجھ پر بےعنایتی اور بےالتفاتی' تیری عنایت والتفات سے لاکھ درجے بہتر وخوشتر ہے اور آپ کی مہجوری تیری نزدیکی سے بہتر ہے۔

گر وصال تو نباشد بفراق تو خوشم　　　هم فراق تو مرا به که وصال دگراں

اس کے بعد میں گھر چلا گیا۔ میں نے دیکھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھیجا ہے کہ میں اپنی بیوی سے جدا رہوں۔

میں نے پوچھا کیا یہ حکم ہے کہ میں طلاق دیدوں؟ اس نے کہا نہیں! بلکہ حکم یہ ہے کہ اس سے صحبت نہ کرو۔ اس پر میں نے اپنی بیوی کو اس کے باپ کے گھر بھیج دیا اور وہ دو شخص یعنی ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن امیہ اور مرارہ بن ابربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی یہی حکم فرمایا کہ وہ عورتوں سے دور رہیں اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ان عورتوں نے ان سے کہا کہ وہ ہم سے دور رہیں اور ہم سے خدمت نہ لیں اور نہ ہم سے مباشرت قائم رکھیں۔ مروی ہے کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئی اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا شوہر ضعیف و بوڑھا ہے اور اس کا کوئی خدمت گار نہیں ہے مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی خدمت کروں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں خدمت بجاؤ لیکن لازم ہے کہ مباشرت اور مجامعت واقع نہ ہو۔ اس عورت نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کی قسم وہ تو انتہائی حزن و ملال میں بے حس و حرکت ہیں اور مسلسل گریہ وزاری میں مشغول ہیں مجامعت کا محل کہاں ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے گھر کے کسی آدمی نے مجھ سے کہا۔ ''کیا خیال ہے اگر تم بھی اجازت مانگ لو کہ تمہاری بیوی تمہاری خدمت گزاری کرے؟ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا خدا کی قسم میں ایسا ہرگز نہ کروں گا اس لیے کہ میں نہیں جانتا کہ مجھے اجازت ملے یا نہ ملے اور یہ کہ میں جوان ہوں مجھے کسی دوسرے کی خدمت کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب پچاس دن گزر گئے تو ایک رات میں انتہائی دلتنگی و شکستگی کی حالت میں چھت کے اوپر پڑا ہوا تھا کہ اس حالت میں اچانک میں نے آواز سنی۔ میں نے غور سے دیکھا تو کوئی شخص ٹیلہ پر کھڑا آواز دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے ''اے کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک تمہیں خوشی مبارک ہو تمہاری توبہ مقبول ہوگئی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوہ سلع پر جو کہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک کے گھر کے قریب ہے آکر اعلان فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کعب بن مالک کی توبہ قبول کر لی ہے۔ اس کے بعد میرے یار دوست برابر آنے لگے اور یہ بشارت مجھے پہچانے لگے اور لوگوں میں شور مچ گیا کہ مخلصین کی توبہ مقبول ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے سر کو زمین پہ رکھا اور سجدہ شکر بجالایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے مہاجرین نے مجھے مبارک بادیاں دیں اور انصار خاموش رہے۔ پھر میں نے جب سلام عرض کیا تو رسول خدا کا روئے مبارک میں نے دیکھا جو کہ چودھویں رات کے چاند کی مانند درخشاں و تاباں تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ تھی کہ جب آپ کو کوئی خوشی و مسرت پہنچتی تو آپ کا روئے انور درخشندہ و تابندہ ہو جاتا۔ فرمایا اے کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمہیں بشارت ہو اس دن کی جب سے تم ماں کے بطن سے پیدا ہوئے ہو اس دن سے بہتر کوئی دن تم پر نہیں آیا۔ جان لو کہ کوئی دن تم پر اس سے بہتر نہ گزرا ہوگا۔ آؤ کہ تمہاری توبہ بارگاہ رب العزت میں قبول ہوگئی وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

شکر ایزد میان من او صلح فتاد حوریاں رقص کناں دست بشکرانہ زدند

میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قبول توبہ کے شکرانہ میں اپنا تمام مال خدا کی راہ میں پیش کرتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ میں نے عرض کیا اس کا آدھا مال۔ فرمایا نہیں' میں نے عرض کیا تہائی مال' فرمایا تہائی اچھا ہے اور تہائی بہت ہے''۔

حضرت سعید سے منقول ہے کہ میں ہلال بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف گیا اور ان کو بشارت دی تو وہ سجدے میں گر کر تضرع و زاری اور گریہ کرنے لگے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا وہ اپنا سر نہ اٹھائیں گے جب تک کہ روح جسم سے پرواز نہ کر جائے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ان دنوں میں وہ کھانا پینا بہت کم کرتے تھے اور بسا اوقات کئی کئی دن صوم وصال کرنے اور گریہ وزاری اور نالہء و سوگواری تو ہمیشہ ہی جاری رہا۔

مشائخ عظام میں سے حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا توبہ نصوح کی پہچان کیا ہے۔ فرمایا: کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود توبہ کرنے والے پر تنگ ہو جائے اور اس کا سانس بھی اس پر تنگ ہو جائے۔ جس طرح کہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کی توبہ کا قصہ ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے ارشاد یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ. (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ) میں صادقین سے مراد یہی تینوں صحابہ کرام ہیں جنہوں نے پیچھے رہ جانے کے معاملے میں منافقوں کے برخلاف راست گوئی سے کام لیا اور مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ کا نزول قبول توبہ کے بعد ان کے حق میں ہوا۔

ارباب سیر کہتے کہ غزوۂ تبوک کے بعد مسلمانوں نے اپنا اسلحہ بیچنا شروع کر دیا اور وہ کہنے لگے جہاد منقطع ہو گیا۔ جب اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع مبارک میں پہنچی تو فرمایا: لَا یَزَالُ عَصَابَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ یُجَاهِدُوْنَ عَلَی الْحَقِّ حَتّٰی یَخْرُجَ الدَّجَّالُ. میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر جہاد کرنے والی باقی وقائم رہے گی یہاں تک کہ دجال کا خروج ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو۔

تنبیہ: غزوۂ تبوک سے تخلف یعنی رہ جانے والوں میں تین صحابہ کے نام تو یہی مشہور ہیں جن کی توبہ قبول کرنے کے بارے میں حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں خبر دی کہ: لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ. تا قول حق سبحانہ وتعالیٰ: اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ دو اور صحابی ہیں ایک حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا اونٹ راستہ میں تھک کر بیٹھ گیا اور بعد میں پیدل چل کر تبوک پہنچ کر ملے۔ دوسرے ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو مدینہ میں رہے اور چند دن کے بعد جا کے مل گئے۔ مواہب لدنیہ میں چند اور نام بھی گنائے ہیں۔ ایک حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جنہوں نے بنی قریظہ کو اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے انہیں بتایا تھا کہ مسلمان تمہیں ذبح کر دیں گے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے اس اشارے سے جو تم اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے بتایا غافل ہے اور ان پر عتاب فرمایا اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی جانب تشریف لے جا رہے تھے تو ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تخلف کیا اور متخلفین کی جماعت میں قرار پائے۔ جب انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے سلام کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخ انور ان سے پھیر لیا اس پر حضرت ابولبابہ ڈرے اور خود کو ستون سے باندھ لیا اور کہا یہ میری جگہ ہے میں اس وقت تک جدا نہ ہوں گا جب تک کہ حق تعالیٰ یا تو مجھے دنیا سے رخصت کر دے یا میری توبہ قبول فرمائے۔

(الحدیث) اور بیہقی کے نزدیک حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اس آیہ کریمہ کے تحت مروی ہے کہ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِ. حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ وہ دس اشخاص تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ تبوک میں تخلف کیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ان میں سے سات نے مسجد شریف کے ستونوں سے اپنے آپ کو باندھ دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آگے سے گزر گئے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو فرمایا یہ کون ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا یہ ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے وہ ساتھی ہیں جنہوں نے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ سے تخلف کیا'' اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں معاف فرما کر کھولدیں''۔ فرمایا ''خدا کی قسم! نہ میں انہیں کھولوں گا اور نہ انہیں معذور رکھوں گا۔ جب تک کہ حق تعالیٰ نہ انہیں کھلوائے اور انہیں معاف نہ فرمائے۔ انہوں نے مجھ سے اعراض کیا اور غزوے سے تخلف کیا۔ اس پر آیہ کریمہ نازل ہوئی وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا

بِذُنُوْبِهِمْ. پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھیجا تا کہ انہیں کھول دیں۔ اور معافی کی بشارت دے دیں۔ یہ کلام مواہب کا اس مقام میں ہے اور پہلے بنی قریظہ کے غزوہ میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مگر مشہور یہ ہے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غلطی اور ان کا مسجد کے ستون سے باندھنا بنی قریظہ کے غزوہ قضیہ سے متعلق تھا۔ لیکن اس روایت کی ظاہر عبارت اس میں ہے کہ اس وقت تو صرف عتاب تھا اور مسجد کے ستون سے باندھنا غزوۂ تبوک میں واقع ہوا۔ اس عبارت میں ان دس شخصوں کے نام نہیں گنائے گئے کہ کون کون تھے۔ سیر کی کتابوں میں یہی تین نام اور دو اور نام یعنی ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

مہاجرین میں سے ابوامیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ برادر ام المومنین سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام بھی متخلفین کے زمرہ میں ہے جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی معذرت خواہی سے معذور رکھا اور ان کی غلطی سے درگزر فرمایا۔ جیسا کہ آخر کتاب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں کے ذکر میں انشاء اللہ مذکور ہوگا۔

اسی سال غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد پے در پے وفود کی آمد و رفت ہوئی اور بحکم آیۂ کریمہ: وَرَأَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللهِ اَفْوَاجًا. اور آپ دیکھیں گے کہ لوگ دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں۔' اکناف و اطراف سے لوگ آتے اور ربقۂ اسلام میں داخل ہوتے جاتے تھے۔ اس بنا پر اس سال کو 'سنۃ الوفود' (وفدوں کا سال) نام رکھا گیا۔ مسجد نبوی شریف میں ایک ستون ہے جسے: اُسْطُوَانَةُ الْوُفُوْدِ. کہتے ہیں یہ الفاظ اس پر لکھے ہوئے ہیں۔ گویا اکثر اوقات وفود سے اسی جگہ ملاقات فرماتے تھے۔ وفد' وفود اور وفادہ کے معنی داخل ہوئے اور وارد ہونے کے ہیں اور وفد ایسے منتخب لوگوں کی جماعت کو کہتے ہیں جو بڑے لوگوں بادشاہوں سے ملنے کے لیے بھیجتے ہیں۔ وافد اس کا واحد ہے جیسے رکب سے راکب۔

بعض کہتے ہیں کہ وفود کی ابتداء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جعرانہ سے واپسی کے بعد ۸ھ کے آخر سے ہے مگر اکثر کا قول یہی ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ہے اور یہی صواب ہے اس لیے کہ بعض وفود کی ابتداء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جعرانہ سے اور کثرت سے آنا جانا ۹ھ میں ہی ہوا۔ محدثین اور اہل سیر کی کثیر جماعت نے ان وفود کو ضبط کیا ہے ان سب کی تعداد جسے انہوں نے بیان کیا ہے ساٹھ سے زیادہ ہے اور ہر کتاب میں ان میں سے بعض وفود کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن ان میں سے ایسے وفود جن میں نادر قصے' عجیب حکایتیں یا مفید کلمے یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر مشتمل ہیں ہم بیان کرتے ہیں۔ سب سے پہلے وہ جو روضۃ الاحباب میں ہیں نقل کرتے ہیں چونکہ اس کتاب کی ترتیب اسی کے نہج پر ہم نے رکھی ہے۔ ان کے بعد وہ جو میں نے مواہب اور دیگر کتابوں میں دیکھا ہے بیان کروں گا و باللہ التوفیق۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ وفود کی آمد پر لباسہائے فاخرہ زیب تن فرماتے اور صحابہ کو بھی آراستہ و پیراستہ رہنے کا حکم فرماتے اور ان وفود کو اچھے گھروں اور مکانوں میں ٹھہراتے ان کی مہمان نوازی فرماتے اور ہر ایک کو ان کے حالات کے مطابق انعام و اکرام سے نوازتے تھے نویں سال میں جو وفود ان میں سے ایک وفد اسد بن خذیمہ کا تھا اور اس قوم کے دس اشخاص آئے اور مسلمان ہوئے انہوں نے احسان جتلاتے ہوئے کہا کہ چونکہ ہم قحط سالی کے زمانہ میں دور دراز سے بادیہ پیمائی کر کے آئے ہیں اور راتوں کو آسودہ ہو کر کھانا نہیں کھایا اور رغبت و شوق کے ساتھ بغیر اس کے کہ ہم پر لشکر کی کشی ہوتی آئے اور اسلام لائے۔ اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی: یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ یہ لوگ آپ پر......... احسان جتلاتے ہیں کہ اسلام لائے تم فرما دو اپنے اسلام لانے کا احسان

نہ جتلاؤ بلکہ اللہ ہے جس نے تم کو ایمان کی ہدایت دے کر احسان فرمایا اگر تم اسلام لانے میں صادق ہو' ان لوگوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ احسان جتلانا اگر غفلت' نادانی اور ناسمجھی کی بنا پر تھا تو اس کی کوئی وجہ نہیں کیوں کہ اسلام کا فائدہ اور اس کا نفع دنیا اور آخرت میں انہیں کی طرف راجع ہے اور خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم' اس سے نفع پہنچنے سے منزہ و مستغنی ہے اور ان کے افعال سے ان کی ذات مقدس پاک و برتر ہے اور منت واحسان ایسی نعمت کا نام ہے جسے نعمت دینے والا (منعم) اس سے جسے نعمت دی ہے کسی بدلے اور جزا کی طمع نہ رکھے۔ یہ بارگاہِ رسالت ہے جو حقیقتہ مظہرہ بارگاہ ربوبیت ہے اور اگر ان کا یہ احسان جتلانا اظہار خدمت ونصرت کی بنا پر تھا تو بھی یہی حکم رکھتا ہے ممکن ہے کہ ان کا یہ کہنا' مجرائے خدمت' حصول نوازش طلب نزول رحمت اور طلب عنایت وشفقت کے لیے ہو۔ ایسی طلب کو بھی حسن ادب نہ رکھنے کی بنا پر منت واحسان سے موموسم فرمایا گیا ہے۔ اگر حقیقت حال کو سمجھ جائے تو مستغرق نعمت توفیق ہوتے' اور سر کو اونچا نہ کر سکتے تھے۔

تو بندگی چو' گدایاں بشرط مزد مکن | کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

اس تنبیہ کی جانب حق تعالیٰ نے اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فرما کر اشارہ کیا کہ یہ بھی اس تقدیر پر ہے کہ تمہارا اسلام صحت واستقامت پیدا کر دے۔ ممکن ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ اگر تم اسلام کی خبر دینے میں سچے ہو تو اسلام کی قبولیت پر احسان جتلانا بلکہ عرض حال پر زبان کھولنا اور حصول لطف وکرم کا اظہار کرنا بھی اس کے منافی ہے۔

دوسرا وفد فزارہ کا ہے جو تقریباً بیس اشخاص پر مشتمل آئے تھے اور اپنا اسلام لانا ظاہر کیا تھا۔ اس وفد میں خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حصین اور حر بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیس بن حصین فزاری بھی تھے اور یہ سب اس عینیہ بن حصین فزاری کے قبیلہ سے ہیں جو مولفتہ القلوب میں سے ہے اور اس کی سختی طبع اور ظلم و جفا کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اور اس ضمن میں اس کی بہت سی حکایات ہیں خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا بھائی اور حر بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیس برادر زادہ تھا اور یہ حر بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیس امیر المومنین سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ کا مقرب تھا۔ جس کا ذکر پہلے بھی گزر چکا ہے۔

الغرض یہ جماعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئی اور فقر وفاقہ کا اظہار کیا اور قحط اور تنگی کی شکایت کی اور بارش کا مطالبہ کیا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور دعا کی یہاں تک کہ کامل ایک ہفتہ تک بارش ہوتی رہی پھر دوسرے ہفتہ آپ نے یہ دعا فرمائی کہ کھیتوں' باغوں اور چشموں پر بارش ہو شہر مدینہ میں نہ ہو۔ اسی وقت ابر چھٹ گیا اور آفتاب نکل آیا۔ اس قصہ کا کچھ اشارہ چھٹے سال کے واقعات میں گزر چکا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی آیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ هَلَكَتِ الْمَوَاشِيْ وَجَاعَ الْعَيَالُ وَانْقَطَعَتِ السَّبِيْلُ وَاحْمَرَّتِ الْاَشْجَارُ. مویشی ہلاک ہو گئے' گھر والے بھوکے مر گئے خشک سالی پھیل گئی اور درخت سوکھ گئے؛ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی یہاں تک کہ دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔ دوسرے جمعہ اسی شخص نے یا کسی اور شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیجئے بارش رک جائے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ پہاڑوں' وادیوں' چشموں' کھیتوں اور باغوں میں بارش برسے اسی وقت بادل چھٹ گیا اور سورج نمودار ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ قصہ ہے اور فزارہ کا قصہ اور (واللہ اعلم)

تیسرا وفد بنی مرہ کا تیرہ افراد پر مشتمل آیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ ان کا سردار حارث رضی اللہ عنہ بن عوف تھا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کی قوم اور خاندان لوی بن غالب کی نسل سے ہیں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور ان کے احوال پر عنایت فرماتے ہوئے ان کے شہروں کی بابت دریافت کیا انہوں نے قحط کی شکایت کی اور بارش کی التجا کی۔ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اللھم اسقھم الغیث اے خدا انہیں بارش سے سیراب فرما' حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ ہر ایک کو دس اوقیہ چاندی اور چار سو درہم انعام میں دیدو اور حارث کو بارہ اوقیہ دو۔ جب وہ اپنی منزلوں میں واپس گئے اور انہوں نے تحقیق کی تو جس روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں بارش کی دعا فرمائی تھی اسی روز ان شہروں میں بارش ہوئی تھی۔

چوتھا وفد بنی البکا کا آیا اور شرف اسلام سے مشرف ہوا۔ ان میں معونہ رضی اللہ عنہ بن نورء بن عبادہ بن البکا نامی ایک شخص تھا اس کی عمر سو سال تھی اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا بشر رضی اللہ عنہ نامی تھا۔ معونہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک اس پر پھیریں تاکہ یہ میرے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے چہرے پر دست اقدس پھیرا اور اسے چند بکریاں عنایت فرمائیں اور ان کے لیے دعائے برکت فرمائی اس کے بعد جب کبھی بھی بنی بکاء کے علاقہ میں قحط و تنگی ہوتی تو اس قوم کو تنگی لاحق نہ ہوتی ان میں ایک اور شخص عمرہ رضی اللہ عنہ نام کا تھا اور اس کا نام عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ رکھا اور اسے اس کے شہر کی آراضی میں سے ایک قطعہ زمین عطا فرمایا۔

پانچواں وفد کنانہ کا آیا اور مسلمان ہوا۔ اس وفد کا سردار واثلہ بن اسقع لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت لشکر تبوک کی تیاری میں مشغول تھے۔ پھر واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیعت کر کے اپنے قبیلہ کی طرف لوٹ گیا اور اپنی قوم کو اپنے حال کی خبر دی۔ اس کے باپ نے کہا خدا کی قسم میں تجھ سے کبھی بات نہ کروں گا اور وہ اس سے بیزار ہو گیا لیکن اس کی بہن مسلمان ہوگئی وہ تیاری کر کے مدینہ طیبہ لوٹ آیا۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک تشریف لے جا چکے تھے اور لشکر پیچھے جا رہا تھا۔ واثلہ نے کہا کوئی ہے کہ مجھے سوار کرے اور غنیمت میں جو میرا حصہ آئے اسے لیلے۔ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عجرہ نے اسے سوار کرلیا۔ جب یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تبوک میں حاضر ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اکیدر سے جنگ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ جب وہ مال غنیمت جو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ لے کر آئے تھے تقسیم کیا گیا تو اس کے حصہ میں چھ اونٹ یا کچھ زیادہ آئے۔ وہ اپنا حصہ شرط کے بموجب کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عجرہ کے پاس لائے۔ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبول نہ کیا اور کہا میں نے تجھے خدا کے لیے سوار کیا تھا میں نہیں چاہتا کہ اسے کسی غرض کے ساتھ آلودہ کروں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین سال خدمت کی اور وہ اصحاب صفہ میں سے تھے۔ پھر وہ بصرے میں جا رہے۔ اس کے بعد شام چلے گئے اور دمشق میں سن پچاسی یا چھیاسی ہجری میں وفات پائی۔ انہوں نے اٹھانوے سال کی عمر پائی اور دمشق میں وفات پانے والے یہ آخری صحابی تھے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

چھٹا وفد بنی ہلال بن عامر کا تھا اور ان میں زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبداللہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبد بن احرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور قبیصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مخارق تھے زیاد اپنی خالہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر گیا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تو غصہ میں واپس تشریف لے چلے۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میری بہن کا لڑکا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ آئے اور تشریف رکھی۔ بعد ازاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لے گئے۔ زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا اس وقت زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے قریب بٹھایا اور بہت دعائیں دیں اور دست مبارک اس کے سر پر پھیرا بنو ہلال کہتے ہیں اس کے بعد ہم اس کے چہرے میں برکت و نور کا اثر زیادہ مشاہدہ کرتے رہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زوجہ کے عزیزوں سے محبت وشفقت فرمانا حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ میں سے ہے۔ نام عبد بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکھا جس طرح کہ وفد بنی البکار میں عبدعمرو کا نام عبدالرحمٰن رکھا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر خدا کی طرف عبد کی نسبت کرنا اچھا نہیں ہے۔ (واللہ اعلم) قبیصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن محارق نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے قرض کا ایک بوجھ اٹھا رکھا ہے۔ جیسے کسی اور کی طرف سے فتنہ وفساد کے دور کرنے اور لوگوں میں اصلاح احوال کی غرض سے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے واقعہ یہ ہے کہ میری قوم کے ایک شخص نے کسی شخص کو قتل کر دیا تھا جس سے اس پر دیت لازم ہوگئی۔ میں نے فتنہ کی آگ بجھانے کی خاطر قرض لے کر اس کی دیت ادا کر دی۔ اب میں حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتا ہوں کہ اس قرض کی ادائیگی میں میری دستگیری واعانت فرمائی جائے۔ فرمایا: ہمارے پاس ٹھہرو تاکہ کوئی صدقہ آئے تو اس سے تیرا قرض ادا کروں۔ اس کے بعد فرمایا کسی سے سوال کرنا اور گدائی کرنا ان تین باتوں کے سوا کسی جگہ حلال نہیں ہے۔ ایک یہ کہ قرض کا بوجھ اٹھا رکھا ہے اس کے لیے لوگوں سے سوال کرنا حلال ہوگا تاکہ جو مال حاصل ہو اس سے وہ قرض ادا کر سکے۔ جب قرض ادا ہو جائے تو سوال کرنے سے اپنے آپ کو باز رکھے۔ دوسرا یہ کہ کسی کو کوئی حادثہ پہنچا اور اس کا مال تباہ ہوگیا تو اس کے لیے لوگوں سے سوال کرنا حلال ہے تاکہ اپنے حال پر آئے۔ تیسرا یہ کہ جسے فاقہ پہنچا ہے اور تین عاقل وہشیار آدمی اس کی قوم کے گواہی دیں فلاں کو فاقہ پہنچا ہے۔ ثبوت فقر وفاقہ میں یہ مبالغہ ہے مقصود یہ ہے کہ فقر وفاقہ معلوم وظاہر ہو۔ لہٰذا اس کا بقدر حاجت سوال کرنا حلال ہے اور فرمایا اے قبیصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تین صورتوں کے سوا میں سوال کرنا حرام ہے اور جو ایسا کھاتا ہے حرام کھاتا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ سوال کرنے اور گدائی کی مذمت کے بارے میں بہ کثرت احادیث مروی ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس شخص کا سوال کرنا جس کے پاس ایک دن کا کھانا ہو حرام ہے۔ اگر ایک دن سے کم ہو یا کوئی چیز اس کے پاس ایسی نہ ہو جس سے شرمگاہ کو چھپا سکے اسکے لیے سوال کرنا حلال ہے۔ یا وہ فقیر جسے ایک دن کا کھانا میسر ہو یا وہ کھانے پر قادر ہو اسے سوال کرنا حرام ہے۔ بے ضرورت سوال کرنے کی ممانعت میں تمام علماء متفق ہیں۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ حرام ہے یا مکروہ۔ تین شرطوں کے ساتھ ہے ایک یہ کہ اپنے نفس کو ذلیل و خوار نہ کرے دوسرے یہ کہ سوال میں گڑگڑائے نہیں۔ تیسرے یہ کہ مسئول عنہ کو اذیت نہ دے۔ اگر ان تین شرطوں میں سے کوئی شرط بھی مفقود ہو جائے تو باتفاق حرام ہے۔ ابن المبارک (فقیہ) سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ سائل لوجہ اللہ سوال کرے اور اسے کچھ دے دیا جائے اس لئے کہ دنیا خبیث ہے جب سائل لوجہ اللہ مانگتا ہے تو اس نے اس کی تعظیم کی جس کی تحقیر خدا نے کی ہے لہٰذا زجر وتوبیخ کے طور پر کچھ نہ دیا جائے اور اگر کوئی کہے کہ بحق خدا یا بحق محمد دے تو مسئول عنہ پر دینا واجب نہیں ہے اور جس نے جھوٹی حاجت بیان کر کے کچھ پایا وہ اس کا مالک نہیں بنتا۔ اسی طرح اگر کوئی جھوٹ کہے کہ میں علوی ہوں اور اگر کوئی اسے اصلاح کی غرض سے دیدے اور باطن میں وہ ارتکاب معصیت کرتا ہے اگر دینے والا جانتا ہے تو نہ دے۔ اگر دیدیا تب بھی مالک نہ ہوگا اور اس پر حرام ہے اور اسے مالک پر لوٹانا واجب ہے۔ اسی طرح کسی کو کوئی چیز اس کی بدزبانی یا اس کے شر وفساد سے بچنے کی غرض سے دی تو اس پر حرام ہے اور اگر فقیر ایسا آئے جو سوال کرنے کی غرض سے مسئول عنہ کے ہاتھوں کو بوسہ دے تاکہ وہ اسے کچھ دیدے تو مکروہ ہے اور افضل یہ ہے کہ مسئول عنہ دست بوسی کے لیے منع وزجر کے قصد سے ہاتھ نہ بڑھائے اور ایسے سائل کو ہرگز نہ دینا چاہیے جو دروازوں پر ڈھول تاشہ وغیرہ بجاتے آتے ہیں کیونکہ مطرب وگویے سب کے سب فحش وبدکار ہیں۔ یہ مسائل مطالب المومنین میں بیان کیے گئے ہیں ساتواں وفد عامر بن صعصعہ کا آیا۔ ان میں عامر بن طفیل بن مالک بن جعفر بن کلاب اور ارید بن ربیعہ (ایک روایت میں ہے) ارید بن قیس اور خالد بن جعفر اور حسان بن اسلم بن مالک تھے۔ یہ چند لوگ روٴسا قوم اور ان کے شیاطین تھے۔ یہ عامر بن طفیل وہی

بد بخت اور شقی ہے جس نے ستر قاریوں کو شہید کیا تھا اور بڑی بد بختیاں کی تھیں جیسا کہ سال چہارم کے واقعات بیئر معونہ کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ اب اس وفد میں بھی غداری و فریب کاری کے قصد سے آیا تھا اور اس نے اربد سے طے کیا تھا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو باتوں میں مشغول رکھوں گا اور تو پیچھے سے آ کر بے دریغ تیغ کا وار کرنا اور ان کا خون بہانا تا کہ ہمارے دل ان کی طرف سے چین پا جائیں۔ جب یہ شیاطین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو عامر نے کہا ''اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو میرے لیے کیا ہو گا؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو دوسرے مسلمانوں کا حال ہو گا''۔ اس نے کہا ''مجھے اپنے بعد اپنا خلیفہ بنائیے'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تجھے اور تیری قوم کو اس کا حق نہیں پہنچتا اس کے مستحق اور حضرات ہیں تو نہیں جانتا''۔ اس نے کہا ''مجھے اعرابیوں اور صحرانشینوں پر ولایت دید یجئے اور آپ دیہات اور شہروں پر حاکم رہیئے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں تجھے ایک جماعت پر سردار مقرر کر دوں گا تا کہ راہ خدا میں تو جہاد کرے اور دنیا و آخرت کی سعادت تیرے نصیب میں ہو''۔ اس نے کہا: ''میں قوم کا سردار ہوں خدا کی قسم میں جا کر پیادہ و سوار کا لشکر جرار آپ کے مدمقابل لاتا ہوں''۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ پر سوار کا لشکر لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر اربد مذکور کے ساتھ نکل آیا اور اربد سے کہا میں نے تو تجھے تاکید کی تھی تو نے عمل کیوں نہ کیا''۔ اربد نے کہا ''خدا کی قسم جب بھی میں نے ارادہ کیا کہ تلوار اٹھا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وار کروں تو تجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حائل دیکھتا۔ تو کیا میں تجھے تلوار سے قتل کر دیتا''۔ جب یہ دونوں جہنمی کتے مجلس مبارک سے نکل گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ عَامِرًا اے خدا! عامر کے شر سے محفوظ رکھنا۔ ایک روایت میں ہے کہ عامر اور اربد کے شر سے محفوظ رکھ۔ اس کے بعد آسمان سے بجلی گری جس نے اربد کو جلا ڈالا اور عامر کے گلے میں ایک گلٹی نکلی جس طرح اونٹ کی گردن میں غدود ہوتے ہیں۔ راستہ میں سلولیہ عورت کے گھر گیا اور ٹھہرا۔ کہتے ہیں کہ یہ کہاوت اور مثل عرب میں بن گئی کہ: غُدَّةٌ كَغُدَّةِ الْبَعِيْرِ وَالْمَوْتُ فِيْ بَيْتِ سَلُوْلِيَّة اور یہ اس وقت بولتے ہیں جب محبت کی نوع میں کوئی ناگواری پیش آئے۔ اس کے بعد عامر سلولیہ کے گھر سے نکلا اور سوار ہوا اور راستہ میں ہی کچھ مدت بعد جہنم رسید ہو گیا' وہ گھوڑے کی پشت پر ہی مر گیا۔ اس وفد کا حال علماء سیر اسی قدر بیان کرتے ہیں اور عنوان میں وفد عامر اور وفد بنی عامر کہتے ہیں۔ مگر روضۃ الاحباب میں وفد عامر بن صعصعہ کہا گیا ہے۔ بنی عامر صعصعہ کی ایک شاخ ہے پھر عامر بن طفیل اور اربد علیہما اللعنۃ بیان کہا ہے اور اس کا ذکر نہیں کیا کہ اس وفد میں کتنے آدمی تھے اور کتنے ایمان لائے۔ ظاہر یہ ہے کہ مذکور اشقیاء کے سوا باقی سب ایمان لے آئے ہوں گے (واللہ اعلم)

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر و اربد پر مذکورہ دعا فرمایا: اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ عَامِرٍ وَاَغْنِ الْاِسْلَامَ عَنْ عَامِرٍ . اے خدا بنی عامر کو ہدایت دے اور عامر سے اسلام کو بے نیاز کر؛ یعنی عامر بن الطفیل سے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی عامر ہدایت پا گئے اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ بنی عامر میں جو عامر نام ہے وہ عامر بن طفیل کے سوا ہے۔ وہ عامر بن مالک بن جعفر ہے اور اس کی کنیت ابوالبر ہے اور وہ عامر بن طفیل کا چچا ہے جو مالک کا بیٹا ہے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا اور بڑی چاپلوسی کی تھی اور کہا تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کے حکم کو اور آپ کے دین کو برگزیدہ جانتا ہوں۔ لیکن وہ مسلمان نہ ہوا اور قاریوں کی ایک جماعت تعلیم قرآن و احکام شریعت کے لیے لے گیا اور کہا کہ میں ان کو اپنے قرب میں رکھوں گا اور کسی قسم کا ضرر و نقصان نہ پہنچنے دوں گا۔ آپ کوئی اندیشہ نہ فرمائیں۔ پھر عامر بن طفیل اس کا بھتیجا شقاوت پر اتر آیا اور وہ سب کچھ کیا جو بیر معونہ کے قصہ میں تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے۔

آٹھواں وفد عبدالقیس کا ہے اور وفد عبدالقیس کا ذکر سال ہشتم میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے جس طرح روضۃ الاحباب میں بیان کیا گیا ہے۔ مگر مواہب لدنیہ میں وفود کے سال میں اس کا ذکر کیا گیا ہے اور کسے کہتے ہیں کہ عبدالقیس کے دو وفد تھے ایک وفد فتح مکہ سے پہلے اور یہ پرانا وفد تھا جو سال پنجم یا اس سے پہلے آیا تھا اور ان کا قصبہ بحرین تھا۔ اس وفد میں تیرہ مرد یا چودہ سوار تھے اور اس وفد میں ایمان اور شراب کے برتنوں کے بارے میں مسائل دریافت گئے گئے تھے۔ اس وفد کا سردار کبیر الشان اشج تھا جس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ الْحِلْمُ وَالْاَنَاةُ. الحدیث۔ بے شک تجھ میں دو خوبیاں ہیں ایک بردباری دوسرا وقار۔ اسے مسلم نے ابوسعید سے روایت کی اور دوسرا وفد 'سنتہ الوفود' یعنی وفود کے سال میں آیا اس وفد میں چالیس آدمی تھے۔ جیسا کہ ابن مندہ نے ابوالخیر ساجی سے حدیث روایت کی اور کہا کہ وفد کے دوبارہ آنے کی تائید حدیث کے یہ الفاظ کر رہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بات ہے کہ تمہارے سب رنگ بدلے ہوئے ہیں''۔ یہ الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہلے دیکھا ہے اور ان کا یہ کہنا کہ ''یارسول اللہ واللہ ورسولہ اعلم'' اور ان کا یہ کہنا کہ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارُ مُضَرَ اور پہلے وفد میں حج کا ذکر نہ کرنا کیونکہ حج کی فرضیت اس وقت نہیں ہوئی تھی یہ سب باتیں وفد کے دو مرتبہ آنے پر دلالت رکھتی ہیں (واللہ اعلم)

نواں وفد یہ ہے کہ ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شخص تھا جسے سعد بن بکر نے وفد کے طور پر بھیجا تھا مواہب میں بخاری سے بروایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد شریف میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص اونٹ پر سوار آیا پھر اس نے اونٹ کو بٹھایا اور اسے باندھ کر مسجد میں آیا اور کہا کہ تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟'' صحابہ نے جواب دیا کہ یہ مرد سفید تکیہ لگائے تشریف فرما ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت صحابہ کے درمیان تکیہ لگائے تشریف فرما تھے۔ اس نے کہا ''اے فرزند عبدالمطلب!'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں جواب دے رہا ہوں ضمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہو کیا کہنا چاہتے ہو''۔ اس نے کہا ''میں چند باتیں سخت و درشت آپ سے دریافت کروں گا میرے سوال سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گراں خاطر نہ ہوں اور مجھ پر غصہ نہ فرمائیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دریافت کر جو تیرے دل میں آئے''۔ ضمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرخ وسفید دراز گیسو والا شخص تھا۔ اس نے کہا ''آپ کو قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو بھیجا اور آپ سے پہلوں کو بھیجا کیا حق تعالیٰ نے آپ کو ہماری طرف بھیجا ہے؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں''۔ اس کے بعد اس نے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے بارے میں پوچھا اور اسی طریقہ پر کہ ہر بار قسم دیتا اور پوچھتا تھا اور کہتا کہ ''میں قسم دیتا ہوں آپ کو کہ کیا آپ پر خدا نے نماز کو فرض فرمایا ہے؟'' اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ''ہاں اسی طرح اس نے زکوٰۃ اور حج کو پوچھا۔ پھر اس سے کہا ''جو کچھ آپ لائے ہیں میں اس پر ایمان لاتا ہوں''۔ ابن اسحٰق نے اپنی کتاب مغازی میں اتنا زیادہ بیان کیا ہے کہ اس نے کہا کہ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ خدا نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ان بتوں کو ہم چھوڑ دیں جن کو ہمارے ماں باپ پوجتے ہیں اور معبود ٹھہراتے تھے اور ہم ان سے بیزار ہو جائیں؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ نَعَمْ پھر اس شخص نے کہا ''میں ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنی سعد بن بکر کا بھائی ہوں انہوں نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے کہ میں آپ سے آپ کے دین کے بارے میں دریافت کروں اور کچھ آپ سے سنوں انہیں جا کر بتاؤں۔ اس کے بعد وہ مسجد سے نکلا اور اونٹ کو کھول کر سوار ہو کر چلا گیا۔ پھر جب وہ اپنے قبیلہ میں پہنچا اور سب سے پہلی بات جو اس نے اپنی قوم سے کہی وہ لات ومنات اور ہبل کی اہانت اور برائی میں کہی۔ لوگوں نے کہا ''اے ابن ثعلبہ، خاموش رہ! یہ کیسی باتیں ہیں۔ جو تو کہہ رہا ہے اس سبب سے تو برص یا جزام یا جنون کے مرض میں مبتلا ہو جائے گا''۔ اس نے کہا ''تمہاری نادانی وجہالت پر تعجب ہے۔ یہ بت کیا ہیں؟ نہ نقصان پہنچا

سکتے ہیں اور نہ نفع‘ حق تعالیٰ نے ایک رسول بھیجا ہے اور اس پر ایک کتاب نازل فرمائی ہے۔ جو تمہیں تعلیم ہدایت دیتا ہے اور گمراہی سے نکالتا ہے۔ میں خدا کی یکتائی اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ میں ان کی جانب سے اوامر ونواہی لے کر آیا ہوں‘‘۔ راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم رات بھی نہ گزری تھی کہ اس قبیلہ کے تمام لوگ مسلمان ہو گئے اور مسجد کی تعمیر‘ اقامت صلوٰۃ واذان اور ادائے زکوٰۃ میں کمر بستہ ہو گئے اور جس میں اختلاف وشبہ ہوتا وہ آ کے دریافت کر لیتے تھے۔

دسواں وفد بلی کا آیا۔ ابورویفع ثابت بلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں رہا کرتے تھے وہ اسی بلی قبیلہ کے تھے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ’’یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میری قوم کے لوگ ہیں‘‘۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’مَرْحَبًا بِكَ وَبِقَوْمِكَ‘‘ تمہارا آنا اور تمہاری قوم کا آنا مبارک ہو‘‘۔ عرض کیا ’’یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لوگ آپ کی بارگاہ میں اسلام کے اقراری اور اپنی تمام قوم کی طرف سے اسلام کے کفیل بن کر آئے ہیں‘‘۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ خَيْرًا يَهْدِهٖ لِلْاِسْلَامِ اللہ تعالیٰ جس پر بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے وہ اسے اسلام کی ہدایت دیتا ہے۔ اس وفد میں ایک بوڑھا شخص تھا جسے لوگ ’’ابوالضیف‘‘ کہتے تھے اس نے کہا ’’یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ایسا شخص ہوں کہ مجھے ضیافت اور مہمانی کا بڑا شوق ہے۔ کیا مجھے اس میں کوئی اجر وثواب ہوگا؟‘‘ فرمایا ’’ضرور‘ ضرور ہوگا ہر نیکی اور ہر برائی جو بھی مسلمان کرے خواہ وہ تونگر کرے یا فقیر مقبول ہے۔ اس نے کہا ’’یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مہمانی کی مدت کتنی ہے؟‘‘ فرمایا تین روز اور تین دن کے بعد جتنے دن ہوں وہ صدقہ ہے اور کسی مہمان کو حلال نہیں ہے کہ تمہارے پاس اتنا عرصہ ٹھہرے کہ تمہیں حرج واقع ہو‘‘۔

گیارہواں وفد تجیب کا آیا۔ تجیب بر صیغہ مضارع اجابت سے ہے۔ یہ تیرہ آدمی تھے اور اپنی زکوٰۃ ومویشی اور موال لائے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مرحبا فرمایا اور کہا کہ اپنے زکوٰۃ کے مال کو واپس لے جاؤ اور اپنی بستی کے فقیروں اور ضرور تمندوں پر تقسیم کر دو انہوں نے کہا ’’ہم اتنا مال زکوٰۃ لائے ہیں جتنا ہمارے ضرورت مند فقیروں سے بچ رہا ہے‘‘۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ’’تجیب کے وفد کی مانند عرب کا کوئی وفد نہیں آیا؟‘‘ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’حق تعالیٰ نے فرمایا ’’حق تعالیٰ نے ہدایت دی اور اپنا لطف وکرم زیادہ فرمایا۔ ہر وہ شخص جو کسی نیکی کا ارادہ کرتا ہے حق تعالیٰ اس کے سینہ کو کھول دیتا ہے‘‘۔

نقل ہے کہ جب ان لوگوں نے فرائض وسنن اور قرآن کے بارے میں مسائل دریافت کیے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبت اور زیادہ ہو گئی اور ان پر اور زیادہ لطف وکرم فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ ان کی خوب اچھی مہمانداری کرو‘‘۔ رخصت کے وقت تمام وفود سے زیادہ ان کو انعام ونوازش سے سرفراز فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو اطاعت وعبادت میں کوشش کرتا ہے اور دین کی راہ میں سعی وطلب کرتا ہے۔ دنیاوی فوائد بھی اس پر مرتب ہوتے ہیں۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا تم میں سے کوئی باقی ہے؟‘‘ انہوں نے کہا ’’ایک جوان خادم ہے جو سب سے چھوٹا ہے اسے ہم نے اپنی اقامت گاہ میں محافظت کے لیے چھوڑ دیا ہے‘‘۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی اپنے پاس بلایا۔ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں آیا تو اس نے عرض کیا ’’یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اسی قوم کا ایک فرد ہوں ان کی حاجتیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پوری فرما دیں میری حاجت بھی پوری فرمائیے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’بتا تیری کیا حاجت ہے؟‘‘ اس نے کہا ’’خدا کی قسم میں اپنی بستی سے اس لیے نہیں آیا ہوں کہ مجھے دنیا کا مال عنایت فرمائیں جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوروں کو انعام فرمایا ہے۔ یارسول اللہ میں اس لیے آیا ہوں کہ حق تعالیٰ سے مانگیں کہ وہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحمت فرما دے اور میرے دل کو دنیا کے مال سے بے نیاز کر دے اور میرے دل میں غنا یعنی بے نیازی ڈال دے‘‘۔ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کو طالب دین اور آخرت کا شوقین ملاحظہ فرمایا اور اس کی بلند ہمتی مشاہدہ کی تو اس پر اور زیادہ عنان توجہ مبذول فرمائی اور دعا کی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ وَاجْعَلْ غِنَاہُ فِیْ قَلْبِہٖ۔ اس کے بعد جس قدر اس وفد کے اور لوگوں پر انعام فرمایا تھا اسے بھی عطا فرمایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعاء برکت بھی فرمائی۔ پھر وہ اپنی قوم میں سب سے بہتر سب سے موقر اور ان کا سردار و امیر بن گیا۔ وہ ان کی امامت کرتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو آخرت کا طالب ہوتا ہے اسے دنیا بھی ملتی ہے اور آخرت بھی۔ اس کے بعد وہ سب اپنے قبیلہ کی طرف لوٹ گئے۔ آئندہ سال اس قوم کی ایک جماعت حجۃ الوداع میں منٰی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جوان کا حال ان لوگوں سے پوچھا ان لوگوں نے کہا ہم نے اس جیسا قانع و صابر شخص نہ کسی کو دیکھا اور نہ سنا اگر تمام جہان اس کے حصہ میں آ جائے تو وہ اس کی طرف التفات بھی نہ کرے

گرچہ گرد آلود فقرم شرم باد از ہمتم گر بآب چشمہ خورشید دامن تر کنم

بارہواں وفد وارم از قبیلہ لخم آیا۔ ان کے دس آدمی تھے اور ان کا سردار ہانی بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نامی تھا اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کئی گھوڑے اور ایک قبا زربفت کی اور ایک مشکیزہ خمر کا ہدیئے میں لائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ نے شراب حرام قرار دیدی ہے۔ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''میں اسے فروخت کیے دیتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے شراب حرام کی ہے اس نے اس کی خرید و فروخت بھی حرام کی ہے۔ گھوڑوں اور قباء کو قبول فرمایا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ قبا' حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو عطا فرمادی۔ انہوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس کا کیا کروں کیوں کہ یہ مردوں پر تو حرام ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس میں سے سونا علیحدہ کر کے کچھ کا اپنی بیوی کا زیور بنادو اور کچھ کو اپنے خرچ میں لے آ ؤ اور ریشمی کپڑے کو فروخت کر دو اور اس کی قیمت سے فائدہ اٹھاؤ''۔ اس پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبا کو آٹھ ہزار درہم میں ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

روضۃ الاحباب میں اتنے ہی وفود کا ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس سال اور بھی وفود آئے ہیں لیکن ان کی تفاصیل فن سیر کی مبسوط کتابوں میں مذکور ہے۔ صاحب معارج النبوۃ نے تو اس سے بھی بہت کم کا ذکر کیا ہے اس سال اس کثرت کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں وفود آئے کہ اگر ان سب کا ذکر کیا جائے تو کتاب بہت طویل ہو جائے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے' دسویں سال میں اس کتاب میں کچھ اور وفود کا ذکر کیا جائے گا۔

بندہ مسکین عبد الحق بن سیف الدین خصہ اللہ بمزید العلم والیقین نے مواہب لدنیہ سے ان تمام وفود کو نقل کر دیا ہے جو معانی مفیدہ پر مشتمل تھے چونکہ اس کتاب میں سنوات کے ذکر کی قید نہیں ہے۔ اس لیے انہوں نے تمام وفود کو ایک باب کے تحت جمع کر کے بیان کر دیا ہے خواہ وہ وفد کسی سال میں آیا ہو۔ کیوں کہ ہمارا مقصود واقعات کا جاننا اور اس کا علم ہے خواہ وہ کسی سنہ میں ہو۔ ایک وفد ہوازن کا ہے جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے جعرانہ تشریف لائے تھے تو انہوں نے آ کر مسلمانوں کے قبضہ میں جوان کے غلام و باندیاں اور اموال تھے ان کی استدعا کی تھی اور ان کی استدعا اسیروں کے بارے میں قبول فرمائی تھی۔ جس کا قصہ تفصیل کے ساتھ اپنی جگہ گزر چکا ہے۔ اس کا وقوع سال ہشتم میں تھا اور دوسرا وفد ثقیف کا تھا جو تبوک سے واپسی کے بعد آیا تھا اس کا اصل قصہ یہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے تو صحابہ نے عرض کیا تھا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ثقیف کے تیروں نے ہمیں چھلنی کر دیا ہے۔ ثقیف پر بددعا فرمایئے''۔ حضور اکرم نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِھْدِ ثَقِیْفًا وَأْتِ بِھِمْ اے خدا ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو لا''۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ واپس تشریف لا رہے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے عروہ بن مسعود

ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر مسلمان ہوگیا اور درخواست کی کہ اسے اپنی قوم کی طرف بھیجا دیا جائے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور انہوں نے اپنی قوم کو دعوت اسلام دی۔ سحری کا وقت تھا وہ اپنے مکان کی چھت پر آ کر قوم کو دعوت دے رہے تھے اور اپنے دین کا ان کے سامنے اظہار کر رہے تھے کسی نے ان پر تیر چلایا اور اس تیر نے ان کو شہید کر دیا۔ مزید احوال آخر کتاب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں کے بیان میں آئے گا۔ عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید کر دینے کے بعد ثقیف چند ماہ ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد باہمی مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ ہم عربوں کے ساتھ جو ہمارے چاروں طرف ہیں جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور وہ سب بیعت کر کے اسلام لا چکے ہیں لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عبد یا لیل کو بھیجنا چاہیے چنانچہ انہوں نے چند آدمی اس کے ساتھ کیے ان میں سے ایک عثمان بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ پھر وہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مسجد شریف کے گوشہ میں ایک خیمہ نصب کرایا۔ ان لوگوں کی ایک دوخواست تو یہ تھی کہ ''لات'' کے بت خانہ کو نہ توڑیں اور اسے تین سال تک باقی رکھیں۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست قبول نہ فرمائی اور ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کہ وہ اس بت خانہ کو توڑ ڈالیں اس کے بعد انہوں نے دوسری درخواست یہ کی کہ انہیں نماز پڑھنے سے معاف رکھا جائے اور اپنے ہاتھوں سے بتوں کے توڑنے کا حکم نہ دیا جائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا ہی ہوگا مقصود ہو تو بتوں کا توڑنا ہے کوئی توڑے۔ اپنے ہاتھ سے توڑنا زیادہ بہتر ہے لیکن نماز کی معافی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ جس دین میں نماز نہیں ہے اس میں خیر نہیں ہے۔ پھر جب وہ اسلام لے آئے تو ان پر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العاص کو امیر مقرر فرمایا وہ اگرچہ سن وسال میں ان سے بہت کم عمر تھے لیکن اسلام اور تعلیم قرآن میں وہ بہت شایق تھے اس کے بعد وہ اپنے شہروں کی طرف لوٹے ابوسفیان اور مغیرہ بھی ان کے ساتھ گئے اور لات کے بت خانہ کو توڑ دیا۔ عثمان بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں سورۂ بقر کی تلاوت کرتا تھا۔ میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قرآن مجھ سے بھاگتا ہے اور یاد نہیں رہتا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس میرے سینہ پر رکھا اور فرمایا ''او شیطان عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ سے نکل جا''۔ اس کے بعد جتنا بھی میں نے حفظ کیا کبھی نہ بھولا۔ نیز میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شیطان میرے اور میری نماز وقرآت کے درمیان حائل ہوتا ہے۔ حضور اکرم نے فرمایا یہ ایک شیطان ہے جس کا نام ''حنزب'' ہے اس کے لغوی معنیٰ گوشت کے لوتھڑے کے ہیں۔ فرمایا: جب تم اس کے وسوسے کا دل میں احساس کرو تو اس سے خدا کی پناہ مانگو یعنی اعوذ پڑھو اور تین مرتبہ بائیں جانب تھتکار دو''۔ میں نے ایسا ہی کیا اور حق تعالیٰ نے میرے ان وسوسوں کو دور فرما دیا۔

تیسرا وفد کندہ کا ہے۔ یہ یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے اور یہ ثور بن عفیر کا لقب ہے جو یمن کے اس قبیلہ کا باپ تھا یہ لقب اس لیے ہوا کہ ثور بن عفیر اپنے باپ کی ناشکری کر کے اپنے ماموؤں کے ساتھ مل گیا۔ کندہ کنود سے بنا ہے جسکے معنی ناشکری کرنے کے ہیں چنانچہ قرآن کرم میں بھی ہے ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ'' بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔ یمن میں اس کی اولاد کا کندہ (ناشکرا) ہی پڑ گیا اس کندہ قبیلہ کے اسی یا ستر سوار جو بالوں میں کنگھی کیے' زرہیں پہنے ہتھیار لگائے اور یمنی چادر کے جبے پہنے جس کے حاشیہ پر ریشم وحریر سلی ہوئی تھی آئے۔ جب وہ بارگاہ رسالت میں پہنچے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا اسلام نہیں لائے ہو؟'' انہوں نے کہا ہاں ہم اسلام لائے ہوئے ہیں آپ نے فرمایا ''یہ تمہارے جسموں میں حریر وریشم کیسا ہے؟ اس پر انہوں نے اپنے جسموں پر سے اسے پھاڑ کر اتار پھینکا۔

چوتھا وفد اشعریوں اور اہل یمن کا ہے۔ مواہب میں ایسا ہی ترجمہ واقع ہے اور صاحب مواہب شیخ ابن حجر عسلاتی سے نقل کرتے

ہیں کہ اس سے مراد بعض وہ اہل یمن ہیں جو اشعریوں کے سوا ہیں اور وہ حمیر کے لوگ ہیں جو آئے۔ انہوں نے آ کر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں تا کہ ہم دین میں تفقہ کریں اور انہوں نے ابتداء خلقت عالم کے بارے میں پوچھا کہ اول کیا تھا اور کس طرح تھا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَّعَهُ شَيْءٌ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ وَكُتِبَ فِي الذِّكْرِ شَيْءٌ اللہ تعالیٰ ہی تھا اور اس کے ساتھ کچھ نہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا اور لوح محفوظ میں ہر چیز لکھی ہوئی تھی۔ یہ دونوں گروہ ایک ساتھ نہیں آئے اس لیے کہ اشعریوں کا ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آنا پہلے ہوا تھا اور یہ سن سات ہجری میں فتح خیبر کے وقت کی بات ہے اور حمیر کے وفد کی آمد سن نو ہجری میں ہوئی تھی جو "سنۃ الوفود" ہے اور یہ دونوں گروہ زبان نبوت پر محمود ہیں اور بشارت یافتہ ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس ایسی قوم آ رہی ہے جن کے دل نرم و رقیق ہیں۔ اس وقت اشعریین اس حال میں آئے کہ وہ یہ رجز پڑھتے تھے غَدًا نَلْقَى الْاَحِبَّهْ مُحَمَّدًا وَّحِزْبَهْ. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ یمن والے آئے جن کے دل بہت نرم و رقیق اور کمزور ہیں۔ ان کے دلوں میں ایمان حکمت یمانی ہے اور سکینہ اہل غنم میں ہے اور فخر وغرور ارباب ابل ہیں۔ صحیح بخاری میں منقول ہے کہ بنی تمیم کی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے بنی تمیم بشارت ہو۔ انہوں نے کہا بشارت دیدی ہمیں کچھ مال دیجئے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور متغیر ہو گیا اتنے میں یمن والوں کی ایک جماعت آئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا "اے یمن والو تم اس بشارت کو قبول کرو جسے بنی تمیم نے قبول نہیں کیا ہے"۔ اشعری کہنے لگے "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم قبول کرتے ہیں"۔ یہ بنی تمیم مؤلفۃ القلوب میں سے تھے جن کے دلوں میں ابھی جفا و قساوت جمی ہوئی تھی۔ جیسا کہ غزوۂ فتح مکہ کے آخر میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ یمن والے صاحبان علم تھے صفائے قلب نرم دلی اور حکمت و معرفت کا ذوق رکھتے تھے۔ خصوصاً حضرت ابوموسیٰ اشعری ان کی حسن قرات بے نظیر تھی اور ان کی شان میں مروی ہے کہ: اُوْتِيَ مِزْمَارٌ مِّنْ مَزَامِيْرِ اٰلِ دَاوٗدَ. شیخ ابوالحسن اشعری جو علم کلام کے امام اور اہل سنت و جماعت کے رہنما ہیں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی اولاد سے ہیں۔ علم و حکمت اور معرفت کی نشانیاں ان تک پہنچیں۔

پانچواں وفد ہمدان کا ہے ہمدان یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ بیہقی نے باسناد صحیح حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ یمن کی طرف بھیجا ہم وہاں چھ مہینے تک رہے اور ان کو دعوت اسلام دی مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو بھیجا اور انہوں نے یمن والوں پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک گرامی نامہ پڑھ کر سنایا۔ وہ مسلمان ہو گئے اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک خط لکھا اور اسلام کی خبر دی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خط پڑھا تو سجدہ کیا اور سجدہ سے سر مبارک اٹھا کر فرمایا اَلسَّلَامُ عَلٰى هَمْدَانَ اَلسَّلَامُ عَلٰى هَمْدَانَ.

چھٹا وفد مزنیہ قبیلہ کا ہے۔ یہ ایک قبیلہ کا نام ہے۔ بیہقی نے نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہم مزنیہ کے چار سو آدمی آئے جب ہم نے واپسی کا ارادہ کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ انہیں زاد راہ دو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میرے پاس تھوڑی سی کھجوریں ہیں، میرا گمان یہ ہے کہ یہ لوگ اس سے راضی نہ ہوں گے اور قبول نہ کریں گے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ توشہ

دیدو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں لے چلے اور اپنے گھر لائے جب وہ اندر آئے تو دیکھا کہ کھجوروں کا ڈھیر لگا پڑا ہے جو سیاہ و سفید ہیں۔ پھر ان لوگوں نے اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے لے لیا میں ان میں آخری شخص تھا۔ اس کے بعد جو دیکھا تو اس میں سے ایک دانہ کھجور کا کم نہ معلوم ہوتا تھا۔ یہ نعمان بن مقرن مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں .... یہ اپنے سات بھائیوں کے ساتھ ہجرت کر کے آئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت ان کا وفد میں شریک ہو کر آنا اسلام لانے کے لیے نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس طرح ایمان کے گھر ہیں نفاق کے بھی گھر ہیں مگر آل مقرن کے گھر ایمان کے گھر ہیں۔

ساتواں وفد دوس کا ہے۔ یہ ایک قبیلہ کا نام ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آمد خیبر میں ہوئی تھی۔ مواہب لدنیہ میں ابن اسحٰق سے مروی ہے کہ دوس کے وفد میں طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسی بھی تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تھی۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے تھے اور ہجرت تک وہیں رہے تھے پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر تشریف لے گئے تو وہ آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تک موجود رہے ان کا خطاب ذوالنور ہے یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں یرموک میں شہید ہوئے۔ یہ شعلہ بیان شاعر تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مواہب میں ابن اسحٰق سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا حال بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں رونق افروز تھے میرے پاس قریش کی ایک جماعت آئی اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے شہر میں ایک شخص ہے جو ہم میں سے ظاہر ہوا ہے اور ہماری جمعیت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے اور ہمارے کام کاج تتر بتر ہو گئے ہیں۔ اس کی باتوں میں ایسا جادو ہے جس سے باپ بیٹے میاں بیوی اور بھائی بھائی کے درمیان جدائی پڑ جاتی ہے ہمیں خوف ہے کہ تم میں اور تمہاری قوم میں بھی یہی وہ بات نہ پیدا ہو جائے۔ لہٰذا تم نہ اس سے بات کرنا اور نہ اس کی سننا۔ اس کے بعد خدا کی قسم قریش برابر اس کی تاکید کرتے رہے اور مجھے منع کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ نہ میں اس سے بات کروں گا اور نہ اس کی سنوں گا اور میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھوس لی تاکہ میرے کانوں میں اس کی کوئی بات پڑے ہی نہیں۔ اتفاق سے میں صبح کے وقت مسجد حرام میں تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو گیا پھر حق تعالیٰ نے میرے کانوں میں آپ کے اقوال مبارک ڈالے اور میں نے انتہائی حسن و لطافت والا کلام سنا۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ میری ماں مجھ پر روئے۔ میں خود فصیح و بلیغ شعلہ بیان شاعر ہوں اور کلام کے حسن و قبح کو پہچانتا ہوں۔ یہ لوگ مجھے روکتے ہیں کہ میں اس شخص کی بات نہ سنوں۔ اگر یہ اچھی بات کہتا ہے تو کیوں نہ اس کی بات قبول کروں اور اگر بری ہے تو میں چھوڑ دوں گا پھر میں نے کچھ دیر انتظار کیا یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس کی طرف واپس ہوئے اور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہونے لگے تو میں نے کہا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی قوم مجھ سے ایسا کہتی ہے اور میں نے عہد کیا تھا کہ میں نہ آپ سے بات کروں گا اور نہ آپ کی بات سنوں گا۔ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس رکھی تھی تاکہ آپ کی بات میرے کانوں میں نہ پڑے مگر حق تعالیٰ نے آپ کا کلام میرے کانوں میں ڈالا اور مجھے اقرار ہے کہ میں نے آپ سے عمدہ اور نیک کلام پہلے نہ سنا تھا۔ لہٰذا مجھ سے اپنا معاملہ بیان فرمائیے کہ کیا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم سے کچھ تلاوت فرمائی۔ خدا کی قسم اس سے بہتر کلام میں نے سنا تک نہ دیکھا اور نہ اس سے زیادہ منصفانہ بات دیکھی تھی میں اسلام لے آیا اور شہادت دی اور عرض کیا "یا رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم! میں ایک مرد مطاع اپنی قوم کا ہوں۔ میں اپنی قوم کی طرف جا کر انہیں اسلام کی دعوت دوں گا اور خدا کی طرف بلاؤں گا۔تو ضروری ہے کہ میرے لیے کوئی نشانی یا کرامت ہو جسکی بنا پر وہ میری تصدیق کریں۔اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے خدا انہیں نور عطا فرما۔تو وہ نور میری آنکھوں کے درمیان چراغ کی مانند چمکنے لگا۔اس پر میں نے عرض کیا اے خدا میرے اس نور کو میری دونوں آنکھوں کے درمیان کے سوا کسی اور جگہ تاباں فرما تا کہ میری قوم یہ نہ کہے کہ یہ مثلہ یعنی برص وغیرہ کا مرض لاحق ہو گیا ہے جو اپنے دین کے چھوڑنے کی وجہ سے واقع ہوا ہے۔اس کے بعد وہ نور میری دونوں آنکھوں کے درمیان سے میرے کوڑے (تازیانہ) کی نوک پر آ گیا۔رات میں وہ قندیل آویزاں کی مانند چمکتا تھا۔میں اپنی قوم میں آیا اور ان کو دعوت اسلام دی۔پھر میں نے اقامت کی۔میرے پاس میرا بوڑھا باپ آیا۔میں نے اپنے باپ سے کہا ''میرے پاس سے چلو جاؤ نہ میں تم سے ہوں اور نہ تم میرے ہو''۔اس نے کہا ''اے میرے فرزند! ایسی بات کیوں کہتے ہو''۔میں نے کہا ''میں اسلام لے آیا ہوں اور میں دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرتا ہوں''۔باپ نے کہا ''تیرا دین میرا دین ہے اس پر میں نے کہا ''جاؤ غسل کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو پھر آؤ تا کہ میں تمہیں وہ سکھاؤں جو میں جانتا ہوں۔پھر میرا باپ گیا غسل لیا اور کپڑے پاک کیے اور آیا پھر میں نے اسلام پیش کیا وہ اسلام لائے۔بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ان کے باپ تو اسلام لے آئے مگر ان کی والدہ نے اسلام قبول نہ کیا۔(واللہ اعلم) اس کے بعد میری بیوی آئی اس سے بھی میں نے یہی کہا مجھ سے دور رہو نہ میں تیرا ہوں اور نہ تو میری ہے۔اس نے کہا کیسے؟ میں نے کہا ''اسلام نے میرے اور تیرے درمیان جدائی کر دی ہے میں اسلام لے آیا ہوں۔اس نے کہا میرا بھی وہی دین ہے جو تمہارا دین ہے۔پھر وہ اسلام لے آئی۔اس کے بعد میں نے قبیلہ دوس کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی مگر وہ اسلام لانے میں تاخیر کرتے رہے۔اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا ''یا نبی اللہ دوس کے لوگ مجھ پر غالب رہتے ہیں۔ان کے لیے دعا فرمائیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے خدا دوس کو راہ راست دکھا۔فرمایا جاؤ اپنی قوم کو خدا کی طرف دعوت دو۔پھر میں دوس لوٹ گیا اور زمین دوس میں برابر ان کو دعوت دیتا رہا۔اس کے بعد میں خیبر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گیا اور مدینہ طیبہ میں دوس کے ستر یا اسی گھرانے آ کے رہنے لگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ساتھ ہمیں بھی حصہ دیا۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ یہ حکایت دلالت کرتی ہے کہ وہ قدیم الاسلام تھے اور ابن ابی حاتم نے جزم کیا کہ وہ حضرت ابو ہریرہ کے ساتھ خیبر میں آئے۔گویا ان کا یہ آنا دوسری مرتبہ کا ہے جو اہل سیر پر مشتبہ ہو گیا ہے۔

آٹھواں وفد بہراء کا ہے یہ یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔یمن کے یہ تیرہ آدمی تھے جب مدینہ طیبہ آئے تو مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر چلے گئے۔انہوں نے ان کو مرحبا کہا اور حیس کا ایک بڑا پیالا لائے۔حیس ایک قسم کی غذا ہے یہ کھجور، گھی اور ستو سے بنایا جاتا ہے۔ان سب نے اسے خوب سیر ہو کر کھایا۔اس کے بعد حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک چھوٹے پیالہ میں یہ حیس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر بھیجا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول فرمایا اور سب گھر والوں نے خوب سیر ہو کر نوش کیا اور اس کھانے کو مہمانوں کے لیے بھی بھیجا جو مدت تک رکھ کر کھاتے رہے اور کم نہ ہوتا تھا۔یہاں تک کہ لوگوں نے کہا ''ابو معبد رضی اللہ عنہ! یہ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ہے۔تم ہمیں ایسا کھانا کھلاتے ہو جو ہمیں تمام کھانوں میں سب سے زیادہ مرغوب ہے اور ہم ان پر کبھی قادر نہ ہوئے مگر اسی زمانہ میں۔پھر ابو معبد نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دی کہ یہ کھانا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں بھیجا ہے اور یہ لذت اور یہ زیادتی سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کی برکت سے ہے اس پر انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ خدا کے رسول ہیں۔ان کا یقین اور بڑھ گیا انہوں نے فرائض کی تعلیم حاصل

کی اور چند روز تک ٹھہرے رہے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رخصت فرمایا اور انہیں انعام واکرام سے نوازا پھر وہ اپنے اہل وعیال کی طرف بڑھ گیا۔

نواں وفد عذرہ کا ہے۔ یہ علاقہ شام میں ایک مقام کا نام ہے جہاں کے لوگ عشق میں مبتلا رہتے ہیں اور اسی عشق میں جان دیتے ہیں جیسا کہ کسی نے کہا ہے

بالائمی فی الھوی العذرمی مَعْذِرَۃً ۔۔۔ منی الیك ولو اتصفت لم تلم

(اے ملامت کرنے والے عذرا کے عشق میں ایسی معذرتیں اور مجبوریاں میری طرف سے ہیں اگر تو اسے انصاف کی نظر سے دیکھے تو تو مجھے ملامت نہ کرے)

یہ وفد نویں سال میں بارہ افراد پر مشتمل آیا تھا۔ جن میں حمزۃ بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ بھی تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مرحبا فرمایا پھر وہ اسلام لائے اور ان کو فتح شام کی بشارت دی اور ہرقل کے بھاگ جانے کی غیبی خبر دی۔ پھر ان کو انعام واکرام سے نوازا اور وہ مقاپنے ام پر لوٹ گئے۔ ظاہر ہے کہ اس فتح کی بشارت دینا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فتح کی بشارت دنیا ہے۔ جو اس زمانہ میں واقع ہوئی۔ (واللہ اعلم)

دسواں وفد محارب کا ہے۔ یہ ایک قبیلہ کا نام ہے۔ یہ وفد حجۃ الوداع کے سال میں آیا عرب کے اشد ترین اور سخت ترین لوگ تھے۔ جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبائل کو دعوت دیتے اور اسلام کی طرف بلاتے اس وقت اس قبیلہ کے دس آدمی آئے اور مسلمان ہو گئے پھر اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔

گیارہواں وفد صداء کا ہے یہ یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ ۸ھ میں جعرانہ سے واپس ہوتے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن سعد بن عبادہ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ ان کی طرف بھیجا اتنے میں اہل صداء میں سے ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اس نے کہا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کسی لشکر کو بھیجنے کی حاجت نہیں ہے میں خود اس خدمت کو بجالاؤں گا اور اپنی قوم کی میں ضمانت لیتا ہوں"۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واپس بلالیا اور وہ شخص اپنی قوم کی طرف واپس گیا اور اس قوم میں اسلام پھیلایا ان میں سے سواشخاص حجۃ الوداع میں بھی آئے۔ واقدی نے بیان کیا ہے کہ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اپنی قوم کا ضامن بنا تھا وہ زیاد بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدائی تھا۔ یہ زیاد بن حارث کسی سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کیا تمہارے پاس پانی ہے انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس صرف اتنا ہی پانی ہے جتنا میری اس چھاگل میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پانی کو پیالے میں انڈیلو"۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس لکڑی کے پیالہ میں ڈال دیا میں نے دیکھا کہ آپ کی انگشتہائے مبارک سے پانی چشمہ کی مانند جوش مار رہا ہے۔ یہ معجزہ متعدد مرتبہ واقع ہوا ہے۔

بارہواں وفد غسان کا ۱۰ھ ماہ رمضان میں آیا۔ یہ تین آدمی تھے۔ تیرہواں وفد بنی عیش کا تھا انہوں نے کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج کر کہلوایا کہ "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے دیہات کے لوگوں کی جماعتیں ہمارے پاس آئی ہیں وہ کہتی ہیں کہ اس کا اسلام نہیں ہے جس نے ہجرت نہیں کی۔ ہمارے پاس اموال ومویشی بہت ہیں لہٰذا اگر یہی بات ہو کہ: لَا اِسْلَامَ لِمَنْ لَا هِجْرَةَ لَهٗ تو ہم اموال مویشی کو فروخت کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آجائیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جہاں چاہو رہو لیکن خدا سے تقویٰ و پرہیزگاری کرو۔ تمہارا اجر وثواب کم نہیں ہوتا اور تمہارے کسی عمل کو اس سے باز نہیں رکھتا"۔

چودھواں وفد ازد کا ہے۔ زاء کے ساتھ ہے مگر سین کے ساتھ زیادہ فصیح ہے۔ یہ یمن کے ایک قبیلہ کے باپ کا نام تھا۔ تمام انصار و مدینہ اس کی نسل سے ہیں اور اسے ازدشنوہ بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ قاموس میں ہے۔ مواہب میں ابونعیم کی کتاب معرفت الصحابہ سے بروایت ابوموسیٰ مدنی' احمد بن الجواری کی ایک حدیث نقل کی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے ابوسلیمان دارانی کو کہتے سنا ہے اور انہوں نے علقمہ بن یزید بن سوید ازدی کی حدیث بیان کی علقمہ نے کہا کہ میرے باپ نے میرے دادا کو فرماتے سنا کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے اپنی قوم کے سات شخصوں میں سے ایک تھا۔ جب ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری روش کو دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا تم کون لوگ ہو؟'' میں نے عرض کیا ''ہم مومن ہیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم کناں ہو کر فرمایا ''ہر بات کی ایک حقیقت ہے تمہاری بات اور تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟'' ہم نے عرض کیا ''پندرہ خصلتیں ہیں ان میں سے پانچ تو وہ ہیں جن کا آپ کے ان قاصدوں نے ہمیں حکم دیا تھا اور جن پر ہم ایمان لائے اور پانچ خصلتیں وہ ہیں جن کا آپ نے حکم فرمایا اور ہم ان پر عمل کرتے ہیں اور بقیہ پانچ وہ خصلتیں ہیں جن کے ہم زمانہ جاہلیت سے عادی ہیں اور وہ ہماری خوبو میں شامل ہوگئی ہیں مگر یہ کہ ان میں سے جسے آپ ناپسند فرمائیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ کونسی خصلتیں ہیں جن کا ہمارے قاصدوں نے حکم دیا''۔ ہم نے عرض کیا انہوں نے حکم دیا کہ ہم خدا پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے نبیوں پر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لائیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ پانچ کونسی خصلتیں ہیں جن کا میں نے حکم دیا ہے کہ ان پر عمل کرو۔ ہم نے عرض کیا کہ آپ نے حکم دیا ہے کہ ہم ''لا الہ الا اللہ'' کہیں اور نماز قائم کریں' زکوٰۃ دیں' رمضان کے روزے رکھیں اور خانہ کعبہ کا حج کریں اگر ہم میں اس کی استطاعت ہو''۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ پانچ کونسی خصلتیں ہیں جن پر تم زمانہ جاہلیت سے عادی ہو؟'' ہم نے عرض کیا فراخی و کشادگی کے وقت شکر بجا لانا' بلا میں صبر کرنا' قضا پر راضی رہنا' ملاقات کے اوقات میں سچ بولنا اور دشمنوں کو ہنسانے والی بات سے احتراز کرنا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قریب تھا کہ تمہارے ایمان کی فقہ و دانائی سے تم انبیاء ہوتے۔ مطلب یہ کہ یہ تمام صفات اور خوبیاں جو تم میں ہیں وہ نبیوں کی ہیں۔ لیکن نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ اب تم ایسے علماء اور حکماء میں سے ہو گے جو انبیاء کے تابع اور ان کے وارث ہیں''۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں تم میں پانچ اور خوبیاں زیادہ کرتا ہوں۔ تاکہ تمہارے لیے بیس خصلتیں پوری ہو جائیں وہ یہ کہ اس کو جمع نہ کرو جو تم کھاتے ہو اور اس کو نہ بناؤ جس میں تم نہ رہو گے اور ایسی چیز کی خواہش نہ کرو جو کل کو فنا ہو جائے اور خدا کی پرہیزگاری کرو۔ کیوں کہ تم اسی کی طرف لوٹو گے اور اس کے سامنے تمہیں پیش ہونا ہے اور اس کی خواہش کرو جو تمہیں کل ملے گی اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے''۔ اس کے بعد وہ واپس ہوئے اور ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو یاد رکھا اور اس پر عمل کیا۔

پندرہواں وفد بنی المنتفق کا ہے۔ یہ اس قبیلہ کے باپ کا نام تھا۔ حضرت عبداللہ بن امام احمد اپنے والد کی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ عاصم بن القیط بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفد کے طریقہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے۔ ان کے ساتھ ایک شخص تھا جس کو نہیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عاصم بن مالک بن المنتفق کہتے تھے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں پایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح پڑھانے کے بعد خطبہ کے لیے لوگوں کی جانب منہ کر کے کھڑے ہوئے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' اے لوگو! آگاہ رہو میں نے اپنی آواز کو چار روز تک پوشیدہ رکھا ہے یہاں تک کہ آج میں تمہیں سناتا ہوں کیا تم میں کوئی قاصد ہے جس کو اس کی قوم نے بھیجا ہو؟ صحابہ نے عاصم بن لقیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا ''سنو کہ رسول خدا کیا فرماتے ہیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہو کہ مجھ سے روز قیامت پوچھا جائے گا کہ کیا میں نے تمہیں احکام الٰہی پہنچا دیئے؟ اب غور سے سنو''۔ اس کے بعد حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعث ونشر اور جنت ونار کو بیان فرمایا۔ اس کے بعد عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم کسی چیز پر آپ کی بیعت کریں؟'' فرمایا ''نماز قائم کرنے' زکوٰۃ دینے اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے پر'' (حدیث)

سولہواں وفد بنی النخع کا ہے یہ یمن کا ایک قبیلہ تھا۔ مواہب میں ہے کہ یہ آخری وفد تھا اور یہ نصف محرم ۱۱ھ میں آیا تھا اس وفد میں دو سو آدمی تھے یہ پہلے مہمان خانہ میں اترے اس کے بعد بارگاہِ رسالت میں اسلام کا اقرار کرتے ہوئے حاضر ہوئے۔ انہوں نے یمن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ پہلے ہی بیعت کر لی تھی۔ ان میں ایک شخص زرارہ بن عمرو نامی تھا۔ اس نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے سفر میں ایک عجیب خواب دیکھا ہے''۔ فرمایا: کیا دیکھا کہ میں نے دیکھا کہ گدھی نے سرخ و سیاہ رنگ کا بچہ جنا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تو اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑ کر آیا ہے؟'' اس نے کہا ''ہاں'' فرمایا اس نے تیرا بچہ جنا ہے اور یہ اس کا رنگ ہے''۔ اس نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ سرخ وسیاہ رنگ کیا ہے؟'' فرمایا ''میرے قریب ہو'' اور فرمایا ''کیا تیرے جسم میں برص کا نشان ہے جسے تو لوگوں سے چھپاتا ہے''۔ اس نے کہا ''قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ اس بات سے کوئی باخبر نہیں ہے اسے بجز آپ کے کوئی نہیں جانتا حقیقت یہی ہے پھر کہا یارسول اللہ میں نے اور ایک بوڑھی سفید بالوں والی عورت کو دیکھا ہے جو زمین سے باہر آئی ہے''۔ فرمایا ''یہ بقیہ دنیا ہے جو باقی ہے''۔ پھر کہا ''میں نے ایک آگ دیکھی ہے جو زمین سے نکل کے میرے اور میرے فرزند کے درمیان حائل ہوگئی ہے''۔ فرمایا ''یہ وہ فتنہ ہے جو آخر زمانہ میں نمودار ہوگا۔ کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ فتنہ کیا ہے؟'' فرمایا ''لوگ اپنے امام کو قتل کریں گے۔ اور اس کے دوران بدکار لوگ اپنے آپ کو نیکوکار جانیں گے۔ اور مسلمان کا خون مسلمان کے نزدیک میٹھے پانی سے زیادہ شیریں ہوگا۔ اور اگر تیرا بیٹا مرجائے تو تو اس فتنہ کو پائے گا اور اگر تو مرجائے تو تیرا بیٹا اس فتنہ کو پائے گا''۔ اس نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا فرمایئے کہ خدا مجھے اس فتنہ سے نہ ملائے''۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسے خدا وہ فتنہ اسے نہ ملے''۔ چنانچہ ان کا انتقال ہوگیا اور اس کا بیٹا باقی رہا۔ اور وہ ان میں سے ایک شخص تھا جو حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلع کرنا چاہتے تھے۔ یہ اور اس کی مانند دیگر قصے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعبیر رویا کے ضمن میں بیان ہو چکے ہیں۔

مواہب لدنیہ میں ان وفود کا ذکر ہے ۱۱ھ تک واقع ہوا ہے۔ دیگر وفد اور وفود روضۃ الاحباب میں سال دہم ۱۰ میں بیان کیے گئے ہیں اگر ان کو بھی ان ہی مذکورہ وفود کے ساتھ جمع کر کے بیان کریں اور اس کے بعد سال نہم ۹ کے بقیہ واقعات کو بیان کرنے کی طرف لوٹیں اور سال نہم کے واقعات کو ختم کرنے کے بعد سال دہم ۱۰ کے واقعات کو بیان کریں تو مناسب ہوگا تاکہ تمام وفود کا ذکر ایک جگہ جمع ہو جائے۔

ان میں سے ایک وفد طی کا تھا جس کا ذکر سال ہشتم کے واقعات میں پہلے ہی کیا جا چکا ہے کہ حاتم طائی کی بیٹی تو قید میں آ گئی اور اس کا بھائی عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم طائی بھاگ کر شام چلا گیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حاتم کی بیٹی پر احسان فرمایا اور اسے آزاد کر دیا پھر وہ شام پہنچی اور اپنے بھائی عدی صلی اللہ علیہ وسلم بن حاتم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّد انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انقیاد و اطاعت اور دین اسلام کے اختیار کرنے کا شوق دلایا۔ پھر دسویں سال جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں وفود آئے تو ان میں عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم طائی بھی آیا اور مسلمان ہوگیا۔ عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم طائی سے منقول ہے اس نے کہا کہ اس کے بعد جبکہ میں اپنی بہن کے مشورہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''تم کون ہو؟'' میں نے کہا ''میں عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم طائی ہوں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور کاشانہ اقدس کی جانب روانہ ہو گئے۔ میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقب میں چلدیا۔ راستہ میں ایک بوڑھی عورت سامنے آئی اور اس نے اپنی حاجت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

عرض کی' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عرض سننے کے لیے راستہ میں ہی کھڑے ہو گئے اور اس کی حاجت پوری فرما دی۔ میں نے دل میں کہا ''کوئی بادشاہ کسی بوڑھی عورت کے لیے ایسا نہیں کر سکتا یہ نبی کے ہی اخلاق مبارک میں سے ہے۔ اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شانہ اقدس میں داخل ہوئے تو کھجوروں کی چھال کا بھرا ہوا بچھونا اٹھایا اور میرے لیے بچھا دیا اور فرمایا اس پر بیٹھو اور خوب اصرار فرمایا۔ اور آپ خود زمین پر بیٹھ گئے۔ میں نے دل میں کہا یہ طور وطریق اور عادات وفضیلت بادشاہوں کے نہیں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا اے عدی رضی اللہ عنہ! ممکن ہے کہ تمہیں دین اسلام میں داخل ہونے سے مال کی قلت اور مسلمانوں کے احتیارج کی کثرت اور اعدائے دین کی زیادتی اور حامیان دین کی کمی مانع ہو۔ خدا کی قسم! بہت جلد مسلمانوں سے مال اس کثرت سے ہوگا کہ کسی کو زیب نہ ہوگا کہ اسے قبول کرے۔ اور اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ مسلمان بہت ہیں اور دشمنان دین اتنے کم کہ قادسیہ سے کوئی عورت اپنے اونٹ پر سوار ہو کر تنہا خانہ کعبہ کی زیارت کو آئے تو اسے کوئی خوف نہ ہوگا بجز حق تعالیٰ کے۔ اور بہت جلد ایسا ہوگا کہ زمین بابل کے سفید محلات مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہوں گے اس کے بعد عدی رضی اللہ عنہ شرف اسلام سے مشرف ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پر بہت زیادہ عنایت تھی۔ حتیٰ کہ جب وہ شکار کو گئے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وادی عقیق تک اس کی مشایعت کو تشریف لے گئے۔ عدی رضی اللہ عنہ کو شکار کا بڑا شوق تھا۔ اس باب میں ان سے بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔

اسی سال قبیلہ طے کے گیارہ (۱۱) آدمی آئے۔ ان کا سردار زید الخیل رضی اللہ عنہ تھا۔ حضور اکرم نے انہیں اسلام کی دعوت دی وہ مسلمان ہو گئے۔ زید رضی اللہ عنہ نے کہا ''حق تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ آپ کے وجود گرامی کی بدولت ہماری تقویت وتائید فرمائی اور دین اسلام کی توفیق بخشی۔ میں نہیں جانتا کہ اس اخلاق سے بہتر کوئی اور اخلاق ہو جس کی آپ دعوت دیتے ہیں ہم اپنی عقلوں پر تعجب کرتے ہیں کہ ہم ان پتھروں کو پوجتے رہے جو اگر ہم سے گم ہو جائے تو اس کی تلاش میں گھومتے پھریں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تمہارا یہ علم اور حال اور زیادہ بڑھے گا''۔ اس کے بعد ان کو انعام واکرام سے نوازا اور بعض کو اراضی کے قطعات عنایت فرمائے اور اس باب میں تحریر بھی لکھوائی زید الخیل رضی اللہ عنہ کا نام زید الخیر رضی اللہ عنہ رکھا۔ ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرب کے لوگوں کی جو فضیلتیں میرے سامنے بیان کرتے ہیں وہ اس سے کم ہیں جتنی کہ زید الخیر رضی اللہ عنہ میں پائی جاتی ہیں۔ میں نے ان میں ان سے بہت زیادہ خوبیاں پائی ہیں۔ جتنی لوگ بیان کرتے ہیں۔ یہ زید الخیر رضی اللہ عنہ کی مدح وتعریف میں انتہائی بات ہے۔ گویا کہ مراد وہ جماعتیں اور قبائل ہیں جو بارگاہ میں آتی رہی ہیں اور مراد وہ صفت خاص ہے جو ہر ایک میں بیان کی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ زید الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام خوبیوں میں کامل وفائق تھے جو فرداً فرداً بیان کی گئی ہیں۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ ان کی فضیلت تمام قاصدوں پر ہے۔ بجز صفت مذکورہ میں رسوخ وکمال کی حیثیت سے۔

ایک اور وفد خولان کا آیا تھا' خولان قبیلہ کا نام تھا۔ ان کے دس آدمی تھے۔ انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کی خدمت میں اس حال میں آئے ہیں کہ ہم خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں اور آپ کی زیارت کی خاطر ہم نے نرم وسخت راہیں طے کی ہیں۔ ہم پر خدا کا نام اس کے رسول کا احسان ہے۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لیکن تمہارا یہ کہنا کہ ہم نے نرم وسخت راہیں طے کی ہیں۔'' تو جان لو کہ تمہارے اونٹوں نے اس راہ میں جو بھی قدم اٹھایا ہے ہر قدم کے بدلے تمہارے لیے ایک نیکی' ایک درجہ مقرر ہے اور تمہارا یہ کہنا کہ ہم آپ کی زیارت کی خاطر آئے ہیں۔ تو جان لو کہ جو میری زیارت کیلئے مدینہ آئے گا روز قیامت وہ میرے پڑوس میں ہوگا۔

بندہ مسکین حصہ اللہ بفضلہ المتین یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ جو میری قبر کی زیارت کرے گا گویا

اس نے میری زیارت کی۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ لہٰذا قبر انور کی زیارت کرنے والا بھی انشاء اللہ تعالیٰ اس بشارت میں داخل ہوگا۔ مدینہ طیبہ میں ایک درویش کہتا تھا کہ زیارت کرنے والے کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنا معنوی صحبت کے درجہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث اس معنی کی مؤید و مثبت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے وفائے عہد کیا' امانت وعمدہ ہمسائیگی کا وعدہ فرمایا اور ظلم سے منع فرمایا۔ اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمِ الْقِيَامَةِ. ظلم قیامت کی تاریکیوں میں سے ہے۔ اس کے بعد اس وفد کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انعام واکرام دے کر رخصت فرمایا۔

ایک اور وفد زہادبیین کا ہے۔ زہاد بروزن سحاب' یہ مدلج قبیلہ کا باپ تھا۔ یہ پندرہ آدمی آئے اور انہوں نے رملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنت الحارث کے گھر میں اقامت کی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی تلاش میں تشریف لے گئے اور تنگ وقت میں ان سے گفتگو فرمائی۔ اس وفد نے اپنے زادراہ سے کچھ نکالا اور مہمانداری کے طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دست مبارک اس طرف بڑھائیے اور تناول فرمائیے۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں روزے سے ہوں'' صحابہ سے فرمایا کہ ''تم کھاؤ'' گویا کہ اس قوم کا زادراہ نکالنا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تناول فرمانے سے تکلف فرمانا ایک قسم کی جرأت اور سوادب تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج عزت ورفعت مکان پر گراں گزری اور روزہ کا ہونا بھی اس کا مؤید و مؤکد ہوگا۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خاطر داری مقصود ہوتی تو توجہ فرماتے اور نفلی روزے کی جیسا کہ متعدد مواقع اور جگہوں میں افطار کیا ہے یہاں بھی گنجائش تھی۔ بہر حال بزرگوں کا مقام عزت بہت بلند اور نازک محل ہے (واللہ اعلم) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا ''کھاؤ'' یہ بھی ایک عنایت ہے اور اشارہ ہے کہ ان کا تکلف کرنا مناسب تھا۔

ان کی جانب دوسرا التفات یہ فرمایا کہ وہ جو تحائف لائے تھے وہ سب گھوڑے تھے۔ جن کو وہ ''مراح'' کہتے تھے فرمایا ایک شخص اس پر سوار ہوتا کہ اس کی رفتار دیکھیں فرمایا میرا خیال ہے کہ یہ گھوڑا تیز رفتار اور سبک خرام ہوگا۔ ان میں سے ایک شخص نے عرض کیا یہ گھوڑا بحر ہے لیکن تھکا ہوا ہے اس سبب سے اچھا مظاہرہ نہ کرے گا۔ فرمایا: اس کی پرورش اور نگہداشت کرو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا ان کی دوڑ کرائی جائے۔ وہ شخص جو تحفہ لایا تھا اس نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اجازت دیجئے کہ میں اس پر سوار ہوں۔ پھر وہ سوار ہوا اور میدان میں دوڑ لگائی اور وہ گھوڑا آگے نکل گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَمَّا اَرَاهُ بَحْرًا ہم نے اسے دریا دیکھا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھوڑے کو قبول فرمایا اور اس کے عوض اس کو دوسرا گھوڑا مرحمت فرمایا۔ اور آدمیوں کو انعام دیا پھر وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔

ایک اور وفد غامد کا ہے' یہ قبیلہ کے باپ کا نام تھا اور اسی کی طرف نسبت کر کے غامد یہ کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام تو عمر بن عبداللہ تھا مگر اس کا لقب غامد تھا اور یہ لقب اپنی قوم کی اصلاح اور ان کے معاملات کے درستگی کے باعث تھا۔ یہ دس آدمی تھے اور بقیع غرقد میں جو مدینہ طیبہ کا مقبرہ ہے قیام کیا اور ایک جوان کو جوان میں سب سے کم عمر تھا مال واسباب کی حفاظت کیلئے چھوڑا۔ خود بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو تم منزل میں حفاظت کیلئے چھوڑ آئے ہو وہ سو گیا ہے چور آیا اور تم میں سے ایک کی زنبیل چرا کر لے گیا۔ پھر وہ جوان اس زنبیل کو ان سے واپس لایا اور اسے اپنی جگہ پر مضبوطی سے رکھ دیا ہے۔ جب یہ لوگ قیام گاہ واپس پہنچے تو حقیقت حال کو ویسا ہی پایا جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ وہ کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کی خبر دی تا کہ ہم آپ کی رسالت کی گواہی دیں۔ پھر وہ جوان بھی آ گیا اور ایمان لایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جب تک یہ لوگ مدینہ میں ہیں انہیں قرآن کریم پڑھائیں۔

ایک اور وفد بجیلہ کا ہے۔ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی قبیلہ سے منسوب ہیں۔ یہ وفد ڈیڑھ سو آدمیوں کا تھا۔ ان کے آنے سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ تمہارے پاس ایسا شخص آئے گا جس کے چہرے کو فرشتے نے مسح کیا ہے۔ یہ جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حسن و جمال کی طرف اشارہ ہے۔ گویا کہ ان کے چہرے پر فرشتہ نے ہاتھ پھیرا ہے اور ملا ہے۔ وہ بڑے بارُعب حسین وجمیل تھے' حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ حسین وجمیل شخص نہیں دیکھا بجز اسکے کہ میں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کی خبر سنی ہے۔ ان کو یوسف امت کہتے ہیں۔ غرضیکہ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی قوم مسلمان ہوگئی۔ بقیہ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں کے بیان میں آخر کتاب میں آئیں گے۔

ایک وفد بنی حنیفہ کا تھا جب یہ مدینہ طیبہ میں آئے تو رملہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر ٹھہرے۔ دوسرے دن شرف اسلام سے مشرف ہوئے۔ مسلیمہ کذاب بھی اسی جماعت میں شامل تھا اس نے بھی شریعت محمد یہ کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ قبول کیا تھا۔ جب وہ یمامہ لوٹے تو شیطان کے اغوا سے مرتد ہوگیا' نبوت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کے ساتھ شرکت کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا۔ بقیہ اس کی شقاوت اور اس کا انجام کا حال گیارہویں سال میں مذکور ہوگا۔ بنی حنیفہ کا وفد دسویں سال میں آیا تھا۔

ایک اور وفد فیروز دیلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' نجاشی کے خواہر زادے کا آیا تھا۔ یہ آئے اور ایمان لائے۔ یہ فیروز رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ شخص ہے جس نے اسود عنسی کو جس نے دعویٰ نبوت کیا قتل کیا تھا۔ جیسا کہ اپنی جگہ انشاء اللہ مذکور ہوگا۔

اب ہم نویں سال کے بقیہ واقعات کے بیان کی طرف رجوع ہوتے ہیں جو وفود کے یکجا ذکر کرنے کی وجہ سے رہ گئے تھے۔

ابن ابی منافق کی موت: نویں سال کے ماہ شوال میں عبداللہ بن ابی بن ابی سلول جو منافقوں کا رئیس وسردار تھا بیمار ہوا اور مرض بدنی جو مرض قلبی کا ضمیمہ تھا جس میں منافقین مبتلا تھے شامل حال ہوا ذیقعدہ میں مر گیا اور مر کر اسفل السافلین پہنچا۔ اس کا ایک بیٹا تھا اس کا نام عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا وہ انتہائی مخلص وصادق مسلمان تھا۔ وہ بیماری کے زمانہ میں اس کی مزاج پرسی کیلئے گیا اور جس روز وہ مرا ہے اسی دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس گئے اور اس کے سرہانے تشریف رکھی وہ نزع کی حالت میں تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تجھے یہود کی دوستی سے منع کیا تھا مگر تو نے نہ سنا اور نہ مانا۔ اس نے کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ وقت عتاب وسرزنش کا نہیں ہے میں اس دنیا سے جارہا ہوں'' معلوم نہیں کہ اس نے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب کیا یا راوی نے بطریق ادب اپنی طرف سے بڑھایا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ لفظ اپنے نفاق سے ہی کہا ہوگا' اپنی نزع کی حالت اور اپنی عاجزی و پریشانی کی حالت میں کہا ہوگا۔ اگر اس نے قصد ویقین کے ساتھ کہا ہے تو یہ ''ایمان یاس'' کی صورت بنے گی۔ (واللہ اعلم)

اس نے کہا ''جب میں مر جاؤں تو میرے جنازے پہ آنا اور اپنی قمیص مبارک مجھے دینا تا کہ اسی میں مجھے کفن دیں''۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن دو قمیص مبارک پہنے ہوئے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر کی قمیص اسے دی۔ ابن ابی نے کہا وہ قمیص مبارک دیجئے جو بدن اقدس سے ملی ہوئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قمیص کو جسے وہ چاہتا تھا نہ دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ قمیص مبارک جو اندر تھی جسے وہ مانگتا تھا نہ دی۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے نے مانگی کہ وہ قمیص مبارک جو بدن اقدس سے متصل ہے عنایت فرمادیں۔ اس کے بعد التجا کی کہ نماز پڑھیں اور میرے لیے استغفار کریں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ جائیں اور اس کی نماز پڑھیں تو قدوۂ اصحاب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم! آپ اس پر نماز پڑھیں گے حالانکہ وہ منافق تھا۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا ''اے عمر رضی اللہ عنہ! میرا ہاتھ چھوڑ دو مجھے ان کیلئے ستر مرتبہ استغفار کرنے یا عدم استغفار کرنے کا اختیار دیا گیا ہے' میں نے استغفار کو اختیار کیا ہے۔ اگر تم جانتے ہو کہ ستر بار سے زیادہ میرے استغفار کرنے سے وہ بخشا جاتا تو میں ہزار سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا۔ اس میں اس آیہ کریمہ کی طرف اشارہ ہے اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ آپ ان کیلئے استغفار کریں یا ان کیلئے استغفار نہ کریں۔ اگرچہ ستر مرتبہ ان کیلئے آپ استغفار کریں اور اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو نہ بخشے گا۔

نقل ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی تو یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ یعنی ان منافقوں میں جو بھی مرے کسی پر آپ کبھی نماز نہ پڑھیں اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہوں کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان افعال و اقوال کا صادر ہونا عجیب و غریب ہی بات ہے۔ اس کی کنہ و حقیقت تک کسی کی رسائی ممکن نہیں۔ ایک عجیب و نادر بات اہل سیر یہ کہتے ہیں کہ جبکہ ابن ابی کو دفن کر دیا گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قبر پر گئے اور فرمایا اسے باہر نکالو۔ پھر اس کے سر کو اپنے آغوش مبارک میں لیا اور اپنا لعاب دہن شریف اس کے منہ میں ڈالا۔ ظاہر ہے یہ سب افعال اس کے بیٹے کی خاطر سے تھے چونکہ وہ محبان صادق اور مخلصان بارگاہ میں سے تھا۔ اس اظہار کیلئے تھا کہ لوگ جان لیں کہ شفاعت بغیر سرمایہ ایمان کے کوئی فائدہ نہیں دیتی اور حکم قطعی ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ بے شک اللہ نہیں بخشتا یہ کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو کچھ کیا ظاہر داری میں تھا حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ ممکن ہے کہ اس میں کوئی حکمت و مصلحت پنہاں ہو جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہ جان سکتا ہو اور نہ معلوم کر سکتا ہو۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ ان حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ظاہر ہوئی کہ وہ منافقین جو ابن ابی کے تابع و موافق تھے اور غیر تھے۔ جب انہوں نے اس کے حق میں اتنا لطف و کرم اور مہربانی دیکھی تو آشنا ہو گئے اور اسلام میں داخل ہو کر انقیاد و اطاعت کا قلادہ اپنے گلے میں ڈالا۔

منقول ہے کہ ابن ابی کی موت کے دن منافقوں نے جو یہ دیکھا کہ ان کا پیشوا آخر کار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز و دعا کا محتاج و نیاز مند بن گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس کے بارے میں الطاف و اکرام کا مشاہدہ کیا تو ایک ہزار منافقین نے آکر توبہ کی اور صدق و اخلاص کے ساتھ مسلمان ہو گئے۔

بعض علماء کرام قمیص مبارک دینے کے بارے میں توجیہ و تاویل کرتے ہیں کہ روز بدر جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے اسیر ہوئے تو وہ اس بنا پر برہنہ رہے تھے کہ وہ چوں کہ طویل القامت تھے کسی کی قمیص ان کے جسم پر پوری نہ اتری تھی۔ اس ابن ابی نے اپنی قمیص انہیں پہنائی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اس کا بدلہ چکایا تا کہ اس کے احسان کا بوجھ اتر جائے۔ نماز اور استغفار کے ذریعہ نوازش فرمانا اس بنا پر تھا کہ روز حدیبیہ مشرکوں نے عبداللہ ابن ابی سے کہا تھا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تو مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیں گے لیکن تجھے ہم اجازت دیتے ہیں کہ تو عمرہ کر لے۔ اس نے جواب دیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پیشوا ہیں میں ان پر سبقت نہیں کروں گا۔ چونکہ اس نے اس احترام کو ملحوظ رکھا تھا ہر چند کہ وہ نفاق سے تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بدلہ بھی اس پر نماز پڑھنے اور استغفار کرنے سے اتار دیا۔ (کذا قیل)

یہ باتیں ضعف سے خالی نہیں ہیں۔ نہ یہ تشفی کرتیں اور تحیر کو دور کرتی ہیں۔ نہ اعتراض کو دفع کرنے والا ہے اور نہ قطعی جواب ہے۔ چونکہ وہم میں یہ کہا جاتا ہے کہ شرک کے نہ بخشے جانے کی خبریں اور استغفار کرنے اور نہ کرنے میں اختیار دینے کی آیت جو منافقوں کے بارے میں ہے۔ ان کا نہ بخشا جانا اور اس باب میں اور بھی جو آیتیں ہیں وہ سب ابن ابی کے مرنے کے بعد واقع ہوئی ہیں۔ اس سلسلہ

میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ واقع ہوا وہ ان آیتوں کے نزول سے پہلے ہے۔ اگر یہ بات مکمل وصحیح ہوتی تو اس وہم سے نجات کی صورت بن سکتی تھی۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ استغفار کی ممانعت اس کیلئے ہے جو (ظاہر طور پر) شرک پر مرا ہو۔ یہ ممانعت استغفار اس کے اوپر نہیں ہے جو اسلام کو ظاہر کرتا ہوا مرا ہو۔ اس لیے کہ احتمال ہے کہ آخر کار میں باطن، ظاہر کے موافق بن گیا ہو۔ اس احتمال پر ممکن ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار کی ہو۔ خصوصاً عین دنیا سے جاتے وقت جبکہ اس سے پشیمانی کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس تقدیر پر ممانعت کی خبر اگر ثابت ہو جائے تو بعید نہیں ہے۔ کہا جائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ افعال واقوال عبداللہ کیلئے دعوت ایمان کے قصد سے ہوں اور اس کی معروضات کو قبول فرمانا اس کی تالیف وترغیب اور استمالت کیلئے ہو۔ اس کے بعد جب ممانعت نازل ہوئی تو اس سے کنارہ کش ہو گئے۔

جمع الجوامع میں علامہ سیوطی علیہ الرحمتہ نے عبداللہ بن اُبی کو صحابہ کے ضمن میں ذکر کر کے حضرت شیخ اجل اکرم علی متقی رحمتہ اللہ نے جامع کبیر کے حاشیہ میں اس کی تصویب کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ ''هٰذَا بِحَسْبِ الظَّاهِرِ وَاِلَّا هُوَ كَانَ مُنَافِقًا (واللہ اعلم بحقیقتہ الحال)

شاہ حبشہ نجاشی کا انتقال: نویں سال کے واقعات میں شاہ حبشہ نجاشی کی رحلت ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جس دن نجاشی نے وفات پائی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا آج تمہارے بھائی مرد صالح اصحمہ نے وفات پائی۔ اٹھو! ان کی نماز جنازہ پڑھو اور اپنے بھائی کیلئے استغفار کرو۔ اس کے بعد ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہو گئے اور ہم نے عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھی۔

واضح رہنا چاہیے کہ جنازہ غائب کی نماز پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی امام احمد اور جمہور سلف رحم اللہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اس لیے کہ نماز جنازہ کے شرائط میں سے یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے کے سامنے لے میت موجود ہو اور یہ صورت غائب میں موجود نہیں ہوتی۔ ان اماموں کی حجت جو جائز کہتے ہیں نجاشی کی حدیث ہے۔ لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ مصلی کے سامنے میت کا ہونا شرط نہیں ہے اور جو ائمہ عدم جواز کا حکم دیتے ہیں وہ نجاشی کے قصہ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس جگہ بھی نماز غائب پر نہ تھی بلکہ زمین کو لپیٹ کر ان کے جنازہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر کر دیا گیا۔ یا جنازہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا گیا اور جماعت والوں کا یعنی مقتدیوں کا دیکھنا شرط نہیں ہے۔

واقدی اپنی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے نجاشی کے جنازہ کو پیش نظر کر دیا یہاں تک آپ نے ملاحظہ فرما کر نماز پڑھی۔

نیز مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں اس صحابی کی نماز جنازہ پڑھی جو کہ مدینہ طیبہ فوت ہوئے تھے ان کا نام معاویہ لیثی تھا اور فرمایا ستر ہزار فرشتے ان پر نماز پڑھ رہے ہیں اور فضیلت اس بناء پر ہے کہ وہ سورۂ اخلاص کو بہت زیادہ پڑھا کرتے تھے۔

آج بھی حرمین شریفین زَادَهُمَا اللّٰهُ تَعْظِيْمًا وَّ تَشْرِيْفًا میں متعارف ہے کہ جب خبر پہنچے کہ فلاں مرد صالح کسی اسلامی شہروں میں فوت ہو گیا ہے تو شوافع اس پر نماز پڑھتے ہیں اور بعض احناف بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں۔ قاضی علی بن جاراللہ جو اس فقیر کے یعنی صاحب مدارج النبوۃ کے شیخ حدیث ہیں ان سے پوچھا گیا کہ احناف ایسی نماز غائبانہ پڑھنے میں کیوں شریک ہوتے ہیں؟ تو فرمایا یہ دعا ہے جو کرتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت سیدنا غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فتوح الغیب میں فرماتے ہیں کہ ہر روز بطریق ورد نماز جنازہ اس روز پڑھے۔ آپ یعنی غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ حنبلی ہیں اور امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ کے

نزدیک جائز ہے۔

حج مبارک درامارت صدیق اکبر: اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ماہ ذیقعدہ میں ایک گروہ کے نزدیک ذی الحجہ میں اور بعض کہتے ہیں کہ آخر ذیقعدہ میں حج کیلئے بھیجا۔ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ حج کی فرضیت چھٹے سال سے شروع کی آیتوں کا نزول اسی میں ہے اور فرمایا کہ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ اللہ کی جانب سے لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج فرض ہے اور یہ سال نہم میں واقع ہے۔ محققین کے نزدیک قول مختار یہی ہے۔ لیکن اس سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لے جانا غزوات کے معاملات میں انہماک' وفود کے آنے اور انہیں تعلیم دینے کے باعث ممکن نہ ہوسکا تھا۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین سو صحابہ پر امیر الحاج بنایا' بیس بدنہ اور پانچ بدنہ خاص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے تھے لے کر مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ تا کہ مراسم حج ادا کریں اور لوگوں کو تعلیم دیں۔ سورۂ برات کے ابتدائی تیس یا چالیس آیتوں کو لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور اکابر صحابہ کرام میں سے مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ' عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ' جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی اس جماعت کے ساتھ تھے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد ذوالحلیفہ سے احرام باندھ کر روانہ ہوئے تو جبریل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور کہا کہ ادائے رسالت اور پیغام نہ کرے مگر آپ یا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ایک روایت میں ہے کہ یا وہ شخص جو آپ کا ماذون ومجاز ہو اس لیے کہ ثبوت عہد ونقض عہد اس شخص کا کام ہے جو صاحب معاملہ ہو۔ یا وہ شخص جو اس کے خویش وقرابت میں سے ہو اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے جاؤ اور ان آیتوں کو ان سے لے کر حج کے دن لوگوں پر پڑھو۔ یہ چار باتیں بھی فرمائیں کہ ان کو لوگوں پر بیان کردیں۔ ایک یہ کہ جنت میں کوئی جان داخل نہ ہوگی مگر یہ کہ وہ مومن ہو دوسرے یہ کہ کوئی شخص برہنہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے تیسرے یہ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور مسجد حرام میں داخل نہ ہو اور قربانی نہ کرے۔ چوتھے یہ کہ کافروں میں سے جس نے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی میعادی عہد باندھا ہے تو اس کی میعاد گزر جانے کے بعد اپنے عہد پر قائم ہوگا۔ اگر کسی نے سرے ہی سے کوئی عہد نہیں باندھا جب تک کوئی عہد مقرر ہو چار مہینہ تک امان میں ہوگا۔ اس کے بعد اگر مسلمان نہ ہوا تو اس کا خون اور اس کا مال مباح ہوگا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاص ناقہ پر جس کا نام ''عصبا'' تھا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سوار کیا اور ان فرمودات کی بجاآوری کیلئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے روانہ فرمایا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حج کے ارادہ سے جارہے تھے جب منزل عرج میں پہنچے یہ مکہ مکرمہ کی راہ میں کوہ صحبان کے ساتھ ایک منزل کا نام ہے۔ صبح کی نماز کا وقت تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کی امامت کیلئے آگے بڑھ چکے تھے ابھی نماز شروع نہ ہوئی تھی کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص سواری پر سوار داخل ہوئے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا ''تم امیر ہو یا مامور''۔ مطلب یہ کہ تمہارا آنا امیر کی حیثیت میں ہوا ہے اور میں معزول ہو چکا ہوں یا مامور ہو کر آئے ہو۔ اور میں بدستور امیر اور تم میرے تابع اور مامور ہو؟ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں بلکہ مامور ہو کر آیا ہوں مطلب یہ کہ امیر الحاج تم ہی ہو اور میں تمہارا تابع ہوں۔ لیکن فرمان واجب الاذعان ایسا صادر ہوا ہے کہ سورۂ برات کی وہ آیتیں میں پڑھوں گا اور میں امن کے بارے میں وہ احکام جو میں لے کر آیا ہوں میں پہنچاؤں گا۔

جب مکہ مکرمہ پہنچے اور مناسک حج بجالاتے ہوئے ایام حج میں مقرر شدہ خطبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا اور مناسک حج کی تعلیم فرما چکے تو اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور ان آیتوں کو اور چاروں حکموں کو ان تک پہنچایا۔ اس کے بعد جب ان مہموں سے فارغ ہو گئے تو مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت فرمائی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ سے کیا سرزد ہوا تھا جس کی وجہ سے سورۂ برات کی قرات مجھ سے لیلی۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم سے کوئی بات سرزد نہیں ہوئی ہے اور نہ کوئی نقص تمہاری طرف سے واقع ہوا ہے۔ تم میرے مصاحب غار میں رہے ہو اور میرا مصاحب حوض کوثر پر میرے ساتھ ہوگا۔ لیکن جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے حکم الٰہی پہنچایا کہ ان امور کو یا تو آپ پہنچائیں یا وہ شخص جو آپ کا قریبی رشتہ دار ہو۔ اس بنا پر میں نے یہ کہا۔ یہ آیتیں مشرکین کے نقض عہد اور منافقوں کی ذلت و رسوائی پر مشتمل ہیں۔

مجھے ایک واقعہ یاد ہے کہ ایک مجلس تھی جس میں کچھ شیعہ بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک جس پر جہل و تعصب اور اس کی طبیعت پر عناد غالب تھا۔ کہنے لگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر یعنی علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصب کیا اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول کیا کسی دوسرے شیعہ' جو علم و انصاف رکھتا تھا وہ اس بات کا منکر ہوا۔ کہا کیوں جھوٹ بکتا ہے اور بکواس کرتا ہے۔ لیکن اس وقت اس قضیہ کے بیان کرنے سے معلوم ہوا کہ منصب امیر الحاج اور تعلیم احکام حج' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہی سپرد تھے۔ قرات آیات اور تبلیغ احکام اربعہ' حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تفویض فرمائے۔ چونکہ یہ حکم پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی سونپے گئے تھے بعد ازاں علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ ہوا اس بنا پر عزل کے تو ہم نے راہ پائی۔ لیکن کلیۃً معزولی کا ہونا اور اس شیعہ کی غرض بھی یہی تھی۔ وہ منتفی ہے اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا تھا کہ تم امیر ہو کے آئے ہو؟'' حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا نہیں بلکہ مامور تابع ہو کر آیا ہوں۔''

قضیہ لعان: بقول اکثر اہل سیر' اسی سال لعان کا قضیہ واقع ہوا۔ مشکوٰۃ میں اس بارے میں دو حدیثیں مروی ہیں۔ ایک حدیث عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الحارث عجلانی منسوب بعجلان جو خانوادہ انصار کی ایک شاخ ہے اور ان کی بیوی جس کا نام خولہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا کے درمیان ہے۔ متفق علیہ حدیث میں جو سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سعد ساعدی سے مروی ہے اور وہ اکابر صحابہ اور مدینہ میں تمام صحابہ کے آخر میں وفات پانے والے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عجلانی بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اس شخص کے بارے میں حکم فرمایئے جس نے اپنی بیوی کے ساتھ کسی اور کو زنا کرتے دیکھا کیا وہ اسے قتل کر دے یہاں تک کہ مقتول کے ورثاء اسے اس کے بدلے قتل کر دیں یا کیا کریں؟'' مطلب یہ کہ درگزر کر دیں اور قتل نہ کریں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں قرآن کریم میں حکم نازل کیا گیا ہے۔ مراد یہ آیت لعان ہے کہ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ (یہاں تک کہ) اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ اس کے بارے میں فرمایا جاؤ اپنی بیوی کو لے کے آؤ۔ اس کے بعد عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور ان کی بیوی نے ایک دوسرے پر مسجد میں لعان کیا۔ جب باہمی لعان سے فارغ ہوئے تو عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں تو میں نے جھوٹ بولا ہے اس پر اس نے تین طلاقیں دیدیں۔ یہ طلاق ان کے گمان کی بنا پر ہے کہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ لعان عورت کو مرد پر حرام نہیں کرتی تو انہوں نے طلاق دیدی تا کہ جدا ہو جائے۔ لیکن حکم یہ ہے کہ لعان کے ساتھ ہی عورت مرد سے جدا ہو جاتی ہے خواہ تفریق کے بعد ہو یا تفریق کے بغیر۔ جیسا کہ معلوم ہوا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بچہ یہ عورت جنے دیکھنا کہ کس

شکل وصورت پر ہے۔ اگر وہ بچہ سیاہ رنگ' سیاہ آنکھیں' موٹے موٹے سرین اور پتلی ٹانگوں والا ہے تو میرا خیال ہے کہ عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سچا ہے اور اگر سرخ ہے اور جانور کے رنگ پر ہے جسے حرہ کہتے ہیں تو میرا خیال ہے کہ عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھوٹا ہے۔ اس عورت نے اس رنگ وصفت پر بچہ جنا جس کی صفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صداقت میں بیان کی تھی۔ یعنی سیاہ رنگ کا اور یہ رنگ اس مرد کے رنگ کے مشابہ تھا جس کی طرف زنا کی نسبت کی گئی ہے۔ اس کے بعد وہ بچہ اس کی ماں کی طرف منسوب کیا گیا۔ جیسا کہ ولدالزنا کیلئے حکم ہے کہ ایسے بچے کی نسبت ماں کی طرف کی جاتی ہے اور ماں کا وارث بنتا ہے نہ کہ باپ کا۔

دوسری حدیث بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن امیہ نے اپنی بیوی پر شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سحاء کے ساتھ قذف یعنی تہمت رکھی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم گواہ لاؤ یا اپنی پشت پر حدقذف لگوانے کو قبول کرو۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کوئی شخص جب اپنی بیوی کے پاس کسی اور مرد کو دیکھتا ہے تو اتنی گنجائش اور وقت کہاں ہوتا ہے کہ جاکر گواہوں کو لائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی فرمایا کہ یا تو گواہ لاؤ یا حد لگواؤ۔ انہوں نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں اپنی بات میں سچا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ ضرور کوئی چیز نازل فرمائے گا جو میری پشت کو حد سے محفوظ رکھے گا۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ. الآیہ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ. تک پڑھا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد وعورت دونوں کو نصیحت فرمائی کہ لامحالہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے اور دنیا کا عذاب آسان ہے۔ اس کے بعد وہ عورت اٹھی اور شہادت دینا شروع کی۔ قسم کھائی لوگوں نے مبالغہ واصرار کیا کہ توقف کرے اور عجلت نہ کرے۔ جب پانچویں شہادت پر پہنچی تو تردد و توقف کیا اور کہا کہ میں تمام عمر اپنی قوم کو رسوا نہ کروں گی' پھر وہ باز نہ آئی اور توقف نہ کیا اور قسم کھالی۔ اس کے بعد دونوں میں تفریق کردی گئی۔ نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ عورت بچہ جنے اس کی صورت وشکل دیکھو' جیسا کہ عویمر کی حدیث میں فرمایا تھا تو وہ شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل وصورت پر بچہ لائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر نہ ہوتا وہ جو کتاب اللہ نے حکم دیا ہے تو میں اس عورت کے ساتھ وہ کرتا جو میں نے اس کے ساتھ نہ کیا اور جس کی وہ مستحق تھی۔ مطلب یہ کہ چونکہ خدا اور اس کی شریعت کا حکم یہی ہے اس لیے میں اس سے درگزر کرتا ہوں۔

واضح رہنا چاہیے کہ لعان' ملاعنت اور تلاعن کے معنی ایک دوسرے پر لعنت کرنے کے ہیں۔ جب مرد اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائے اور چار گواہوں کے ذریعہ ثابت نہ کر سکے اور عورت چار بار اقرار نہ کرے تو اس صورت میں حکم الٰہی یہ ہے کہ شوہر چار مرتبہ شہادت دے اور قسم کھائے کہ وہ صادقوں میں سے ہے اور پانچویں یہ کہے کہ خدا کی لعنت ہو اس پر اگر جھوٹوں میں سے ہوں۔ اس کے بعد چار مرتبہ عورت شہادت دے اور قسم کھائے کہ یہ مرد جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ خدا کا غضب ہو اس عورت پر اگر یہ مرد سچوں میں سے ہو۔ جب مرد وعورت دونوں لعان کر چکیں تو حاکم دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا۔ مذہب احناف یہی ہے اور یہ جو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں آیا ہے کہ فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا. ان دونوں کے درمیان جدائی کردی۔'' یہ حدیث مذکورہ مذہب کا ثبوت ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک بغیر تفریق کے فرقت واقع ہو جاتی ہے۔ اور اگر شہادت نہ دے اور قسم نہ اٹھائے تو اس پر حد قذف ثابت ہو جاتی ہے اور اگر عورت شہادت نہ دے اور قسم نہ اٹھائے تو اس پر حد زنا ثابت ہو جاتی ہے۔ اسی بنا پر عورت نے کہا کہ اگر میں نے قسم نہ اٹھائی تو میں اپنی قوم کو ذلیل کرنے والی ہوں گی۔ لہٰذا لعان نے جو کام کیا یہی کیا کہ مرد وعورت کو قذف اور زنا کی حد سے رہائی دی۔ لیکن بلاشبہ ان دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔ اگر دنیا کی سزا سے خوف کیا تو فرمایا کہ عذاب آخرت میں ضرور گرفتار ہوگا۔

جیسا کہ فرمایا: اِنَّ اَحَدَكُمَا كَاذِبٌ وَاِنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا اَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ. یقیناً تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے اور بلاشبہ عذاب آخرت سے دنیا کی سزا سہل و آسان ہے۔

اس کے بعد یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ بچہ سے باپ کا نفی کرنا اور ماں کے ساتھ ملانا جو ثبوت زنا پر مبنی ہے بسبب اس مرد کے ساتھ مشابہت کے ہے جس کے ساتھ زنا پر مہتم و موسوم ہوئی۔ بظاہر شوافع کا حکم قیافہ کے معتبر ہونے پر اس میں تمسک و استدلال ہے۔ لیکن چونکہ لعان کی مشروعیت کی وجہ سے حد زنا ساقط ہوگئی تو حکم بدل گیا۔ یہاں تک کہ ماں کے ساتھ ملا دیا اور اسکے نسب کا ثبوت ماں کے ساتھ قائم ہو گیا۔ شوافع کے نزدیک قیافہ کے ساتھ حکم کرنا معتبر ہے مثلاً اس صورت میں کہ ایک باندی دو شخصوں میں مشترک ہے اور ہر ایک ملک یمین کی بنا پر اس سے وطی کرتا ہے۔ پھر وہ بچہ کو لاتی ہے تو امام شافعی قیافہ شناسی کا حکم دیتے ہیں وہ قیافہ سے جس کے ساتھ بھی مشابہت بتا دے اسی کا بچہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بحکم شرع دونوں کا بچہ ہے اگرچہ دونوں کا نہ ہو۔ لیکن احکام میں دو مردوں سے ہونے کا اعتبار کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ قیافہ کی گمان و علامت سے زیادہ حیثیت نہیں ہے احکام میں اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں جو فرمایا کہ ''اگر نہ ہوتی وہ بات جس کا خدا کی کتاب حکم کرتی ہے تو میں اس عورت کے ساتھ وہ نہ کرتا جو کیا۔'' ہم کہتے ہیں کہ یہ قول اس کی دلیل ہے کہ حاکم کو مظنہ' علامات' قرائن اور گمان پر توجہ نہ دینی چاہیے اور حکم نہ دے مگر اس چیز کے ساتھ جو ظاہر طور پر رجح و دلائل شرعیہ جس کا اقتضاء کرے اور یہ قیافہ مظنہ و علامات سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ تو اس کی بناء پر حکم نہ کیا جائے۔ بجز ان بعض مواقع کے جن میں مظنہ و علامات کفایت کریں۔

قیافہ کے معتبر ہونے میں شوافع کی ایک دلیل' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ حدیث ہے کہ ''کہا میرے پاس ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش و خرم تشریف لائے کیونکہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں باپ بیٹے مسجد میں سوئے تھے' ان پر ایک مخملی چادر پڑی ہوئی تھی' ان کے دونوں کے سر ڈھکے ہوئے اور دونوں کے پاؤں کھلے ہوئے تھے تو مجزز مدلجی نے جو کہ قیافہ میں یگانہ روزگار تھا۔ دیکھا تو اس نے کہا کہ ان دونوں کے قدموں میں بعض اجزاء میں مشابہت ہے یعنی ان دونوں کے درمیان کل و جزئی کی نسبت ہے جو باپ اور بیٹے ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ اس اجمال واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کمال شفقت سے بیٹا کہہ کر پکارتے تھے اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جوان کا بیٹا تھا۔ رنگ سیاہ تھا' اتنے خوبصورت بھی نہ تھے' اپنی ماں کے ساتھ جن کا نام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا اور وہ کالے رنگ کی تھیں مشابہت رکھتے تھے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت چاہتے تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''حب رسول اللہ'' یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب کہا کرتے تھے۔ اس پر منافقین حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نسب میں طعن کرتے تھے کہ باپ ایسا خوبصورت و سفید فام اور بیٹا ایسا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار ہوا کرتی تھی۔ جب اس قیافہ شناس مجزز مدلجی نے ان کو دیکھا اور حکم دیا کہ یہ دونوں شخص باپ بیٹے ہونے چاہئیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ اس بنا پر شوافع کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیافہ شناس کے حکم کو معتبر جانا اور اس کے حکم پر مسرت و خوشی کا اظہار فرمایا۔ ہم جواب میں کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی و مسرت اس بنا پر تھی کہ قیافہ شناس کی بات اہل عرب میں بہت معتبر تھی یہ ان کے اوپر الزام تھا۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ قیافہ شناس کا قول احکام شرعیہ میں معتبر ہو۔ احناف کا مذہب یہ ہے۔

تنبیہ: علماء کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے کہ جس نے ایسے شخص کو قتل کر دیا جو اس کی بیوی کے ساتھ زنا کر رہا تھا۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ قصاص میں اسے قتل کیا جائے مگر یہ کہ اس پر چار گواہ گزرے یا مقتول کے ورثاء زنا کا اقرار کریں۔ اس صورت میں اس

کے اور خدا کے درمیان کوئی مواخذہ نہیں ہے بشرطیکہ صادق ہو۔ (کذا قیل)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انصار میں اکابر صحابہ سے ہیں۔ انہوں نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں کسی شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ پاؤں تو کیا میں اسے قتل کر دوں یا میں چار گواہ لاؤں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں چار گواہ لاؤ۔' حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں اس سے پہلے اس کا علاج تلوار سے کروں گا''۔ علماء فرماتے ہیں کہ ان کا یہ عرض کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو رد کرنے کے سلسلے میں نہیں ہے اور نہ اس میں آپ کے حکم کی مخالفت ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا کہ مجھ میں عزت اور غضب اس حد تک موجود ہے۔ لیکن شرع یہی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے انصاریو! سنو اور غور کرو کہ تمہارا سردار کیا کہتا ہے؟ بلاشبہ وہ غیرت مند شخص ہیں اور میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور خدا مجھ سے بھی زیادہ غیور ہے۔ یہ حق تعالیٰ کی غیرت کی ہی وجہ تو ہے کہ بندوں پر گناہوں کے اظہار کو حرام قرار دیا ہے خواہ گناہ ظاہری ہوں یا مخفی طور سے'' مقصود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حد ذات میں غیرت کی صفت کی تعریف فرمانا ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ یہ عزت داروں کی صفات اور سرداروں کی عادات میں سے ہے۔ اگرچہ شریعت میں اس کا حکم اور ہے۔ غیرت کے معنی رشک کھانے کے ہیں اور یہ غیرت محبوب پر ہوتا ہے تاکہ دوسرا اس میں دخل انداز نہ ہو۔ کسی ایسی ناپسندیدہ چیز کے دیکھنے سے جو اس سے متعلق ہو تکلیف پہنچتی ہے اور حق تعالیٰ کی غیرت بندوں کو ارتکاب معاصی و محرکات سے چھڑکنے اور منع کرنے میں ہے۔ تاکہ وہ بارگاہِ قرب و رضا سے دور نہ ہو جائے۔ یہ بات اس کی محبت و عنایت کی بنا پر ہے جو اسے اپنے بندوں کے ساتھ ہے۔ جس طرح دیکھتے ہی اس مرد کا قتل کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح عورت کو قتل کرنا یا سنگسار کرنا بغیر اثبات شرعی کے جائز نہیں ہے۔

سال دہم ہجری کے واقعات

دسویں سال کے واقعات میں بکثرت وفود وغیرہ ہیں لیکن ہم نے وفود کے ذکر کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے خواہ وہ کسی بھی سال میں ہوں اس جگہ اب ہم وفود کے ماسوا واقعات بیان کرتے ہیں۔

سریہ خالد بن ولید: دسویں سال کے واقعات میں سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک جماعت کے ساتھ بنی الحارث بن کعب کی جانب بھیجنا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ تین مرتبہ ان کو دعوت اسلام دینا۔ اگر قبول کر لیں تو ان میں رہنا' انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دینا اور اگر وہ قبول نہ کریں تو مقابلہ کرنا۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں پہنچے اور دعوت اسلام دی وہ مسلمان ہو گئے اور بموجب فرمان نبوی حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں اقامت فرمائی۔ قرآن کریم اور احکام شرعیہ انہیں سکھائے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا اور کیفیت احوال ظاہر کی۔ حکم ہوا کہ ان کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر آ جاؤ۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ طیبہ آ گئے۔ بارگاہِ رسالت میں پہنچ کر سلام عرض کیا اور کہنے لگے ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی حق تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ پھر ان میں سے ایک شخص کو جس کا نام قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حصین تھا ان پر امیر بنایا اور اپنے وطن مالوف واپس ہونے کی اجازت دی۔ اس کے بعد عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حزم کو ان کی طرف عامل بنا کے بھیجا تاکہ ان کے صدقات جمع کریں۔ یہ عمر بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی وہیں مقیم تھے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہاں سے کوچ فرمایا۔ عمر بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں مرقوم ہے کہ وہ قبیلہ نجار کے انصاری شخص تھے اور ان کی کنیت ابوضحاک بعض کے نزدیک ابو محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔ ان کا سب سے پہلا جہاد خندق ہے انہیں پندرہ سال کی عمر میں نجران کی طرف عامل بنا کر بھیجا اور سترہ سال کی عمر میں ان کو یمن کی طرف بھیجا گیا۔ ایک مکتوب گرامی ان کے ساتھ تھا جس میں فرائض وسنن اور دیات تحریر تھے۔

اسی سال ایک مکتوب گرامی نجران کے نصاریٰ کی طرف ارسال فرمایا نجران یمن کے ایک موضع کا نام ہے۔ جو نجران بن زید بن سبا سے منسوب ہے۔ ان کو دعوت اسلام دی گئی۔ ان لوگوں نے باہمی مشورہ کیا اس کے بعد اپنے میں سے چودہ افراد کو چن کر مدینہ طیبہ روانہ کیا تاکہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کی تحقیق کریں اور انہیں حالات سے باخبر کریں۔ روضۃ الاحباب میں اسی طرح مرقوم ہے۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ وہ ساٹھ سوار تھے' بیس مردان کے سرداروں میں سے تھے اور ان میں سے تین شخص ایسے تھے جن کے ہاتھ میں زمام کار تھی۔ ایک کا نام عاقب تھا جو امیر قوم' صاحب مشورہ اور ان کا رئیس و سردار تھا۔ ایک کا نام عبدالمسیح تھا۔ دوسرا ''ایہم'' تھا اور اس کا لقب سیّد تھا۔ وہ سامان اور ان کی جمعیت کا محافظ تھا۔ تیسرا ابوالحارث بن علقمہ تھا جو نہایت دانشمند اور ان کی قوم کا مدرس تھا اور وہ اپنی ہی کتابوں کا درس دیتا تھا۔ ان کی قوم کے سلاطین اس کا اعزاز واکرام کرتے اور اسے مقبول گردانتے تھے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال وصفات کا عارف اور کتب متقدمہ سے ان کو پڑھا ہوا تھا۔ لیکن اس کو نصرانیت پر دنیا کی محبت اور ان میں اپنی عزت و وجاہت نے اسے باقی رکھا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس ابوالحارث بن علقمہ کا ایک بھائی بھی تھا جس کا نام کرز بن علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ وہ بھی اس وفد میں شامل تھا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ اثنائے راہ میں ابوالحارث بن علقمہ کا اونٹ سر کے بل گر پڑا۔ کرز نے کہا ''وہ سر کے بل گرے جو بہت دور ہے۔ یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)'' ابوالحارث نے کہا ''بلکہ تو سر کے بل گرے۔'' کرز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''اے بھائی ایسا کیوں کہتے ہو؟'' ابوالحارث نے کہا ''خدا کی قسم محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے۔ کرز رضی اللہ عنہ نے کہا ''پھر کس بنا پر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول نہیں کرتا اور ان کی پیروی سے کونسی چیز تجھے روکتی ہے؟ ابوالحارث نے کہا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موافقت اپنی قوم کی مخالفت کو مستلزم ہے۔ اگر یہ بات ہم سے روپذیر ہو جائے تو نصاریٰ میں جو ہماری قدر ومنزلت اور اعتبار ہے۔ ہم سے جاتی رہے اور جو مال ومنال اور سامان اور تحائف ہمیں ملے ہیں وہ ہم سے چھین لیں۔ اس بات سے اسلام کی محبت کرز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا ہوگئی اور اس نے اپنے اونٹ کو تیز ہانکنا شروع کر دیا۔ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دست بوسی سے شرف یاب ہوا تو ایمان لے آیا۔ منقول ہے کہ نجران کے نصاریٰ جب مدینہ طیبہ پہنچے تو راستے کے کپڑے اتار کر ریشمی جوڑے پہنے' ان کے دامنوں کو زمین پر گھسیٹتے ہاتھوں میں انگوٹھیاں پہنے مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور سلام کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا اور ان کی طرف سے رُخ انور پھیر لیا۔ جب ان کی نماز کا وقت آیا تو وہ کھڑے ہوئے تاکہ نماز پڑھیں اور مشرق کی طرف منہ کیا ان کا قبلہ اس رُخ پر ہے۔ جب صحابہ نے چاہا کہ انہیں اس سے باز رکھیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو تاکہ جس طرح چاہیں نماز پڑھیں۔ جب نماز پڑھ چکے تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ہر چند باتیں کیں مگر جواب نہ ملا۔ پھر جب وہ مسجد سے نکلے تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلاش کر کے ان سے ملے چونکہ ان حضرات سے ان کی پہلے سے جان پہچان تھی۔ انہوں نے کہا تمہارے نبی نے ہماری طرف ایک مکتوب گرامی لکھا تھا اور ہمیں دعوت دی تھی۔ جب ہم ان کے پاس آئے' سلام کیا' باتیں کیں تو انہوں نے ہمیں نہ سلام

کا جواب دیا اور نہ ہم سے باتیں کیں۔ اب تم دونوں کی کیا رائے ہے آیا ہم اپنے شہروں کی طرف لوٹ جائیں یا توقف کریں؟ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا ''اے ابوالحسن تمہاری رائے کیا ہے''۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میری رائے یہ ہے کہ یہ ریشمی کپڑے اور سونے کی انگشتریاں جدا کر کے راہبوں جیسا لباس پہن کر مجلس شریف میں آئیں۔'' پھر جب وہ اس وضع سے آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا۔ فرمایا: قسم ہے اس خدا کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا یہ لوگ پہلی مرتبہ مجلس میں آئے تو ان کے ساتھ شیطان تھا۔ اس کے بعد ان کو اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے انکار کیا' انہوں نے بڑی بیہودہ اور لایعنی باتیں کیں۔ بالآخر بات یہاں تک پہنچی کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ''آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''آج میں تمہارے سوال کا جواب نہیں دیتا تم اس شہر میں ٹھہرو تا کہ سوال کا جواب سنو''۔ گویا کہ وحی کا انتظار فرمایا کہ کیا آتی ہے اور کیا بیان لاتی ہے۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُo اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَo فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَo

عیسیٰ کی کہاوت اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے۔ اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے اے سننے والے یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تو شک والوں میں نہ ہو پھر اے محبوب جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آچکا تو ان سے فرما دو آؤ ہم تم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

چونکہ اس ارشاد کے بعد بھی وہ انکار اور بے اعتقادی پر مصر و قائم رہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم آیۂ کریمہ مباہلہ کرنے پر انہیں بلایا۔ مباہلہ کے معنی لغت میں ایک دوسرے پر لعنت کرنے کے ہیں اور بہلہ بضم یا بہ فتح کے اصلی معنی ترک کے ہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ بَهَلَتِ النَّاقَةُ اِذَا تَرَكَهَا بَلَا اِصْرَارٍ. ابتہال کی اصل یہی ہے۔ اس کے بعد اس لفظ کو ہر اس دعا میں بولا جانے لگا جس میں خوب مبالغہ و کوشش کی جائے۔ اگرچہ اس میں لعان کرنا نہ ہو اور آیۂ کریمہ کو بھی اسی معنی پر محمول کر سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ دعا میں تضرع و ابتہال کریں کہ جھوٹے پر خدا کی لعنت ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مباہلہ کا قصہ ان کے سامنے لائے تو ان میں جو صاحب مشورہ تھا اس سے پوچھنے لگے کہ تیری رائے اس بارے میں کیا ہے؟ بالآخر اس نے جواب دیا کہ اے نصرانیو! قسم ہے خدا کی تم خوب جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی برحق ہیں۔ ان کے ساتھ مباہلہ نہ کرو۔ جس نے بھی کسی نبی کے ساتھ مباہلہ کیا ہے وہ ضرور ہلاک ہوا ہے اور جبکہ تم یہ چاہتے ہو کہ ہم اپنے دین مالوف پر قائم و ثابت رہیں تو ان سے مصلحت کر کے اپنے شہروں کی طرف لوٹ چلو''۔ دوسرے دن صبح کو جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود مباہلہ کیلئے آمادہ و تیار پایا۔ حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے آغوش میں اور حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجتبیٰ کو اپنے دست مبارک میں لیے ہوئے۔ سیّدہ فاطمہ الزہراء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقب میں اور حضرت علی مرتضیٰ سیّدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے عقب میں موجود تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا' سبحان اللہ کیا وقت اور کیا سماں ہوگا کیا شان شاہد کی ہے اور کیا مرتبہ مشہود کا ہے۔

گروہ نصاریٰ نے جب ان پنج تن پاک کو دیکھا' کلمات دعاؤ آمین سنے تو لرزنے اور کانپنے لگے۔ ابوالحارث بن علقمہ جوان میں دانشمند تھا کہنے لگا۔ ''اے لوگو! میں ایسی پاکیزہ صورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ خدا سے چاہیں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو ان کی دعا سے وہ ٹل جائے۔ خبردار! ان سے مباہلہ نہ کرنا ورنہ اب ہلاک ہو جاؤ گے اور کوئی نصرانی روئے زمین پر باقی نہ رہے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو بندر اور خنزیر کی مانند ان کی صورتیں مسخ ہو جاتیں اور یہ وادی ان پر آگ برساتی۔ تمام اہل نجران کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینکتی یہاں تک کہ وہ جانور جو درختوں پر بیٹھے ہوتے وہ سب ہلاک ہو جاتے اور ایک سال نہ گزرتا کہ تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔ پھر انہوں نے کہا ''اے ابوالقاسم! ہم آپ کے ساتھ مباہلہ نہیں کرتے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''پھر تم مسلمان ہو جاؤ۔'' انہوں نے کہا ''یہ بھی ہم سے نہیں ہو سکتا''۔ فرمایا: ''پھر جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔'' انہوں نے کہا ہم میں آپ کے ساتھ جنگ کی قوت و طاقت نہیں ہے لیکن ہم آپ کے ساتھ اس شرط پر مصالحت کرتے ہیں کہ ہر سال ہم دو ہزار حلے۔ ایک روایت میں ہے سرخ حلے اور ہر ایک کی قیمت چالیس درہم ہوگی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ تیس گھوڑے' تیس اونٹ' تیس زرہ اور تیس نیزے بھی دیا کریں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر مسلمانوں کو ضرورت پیش آئے تو ہر ایک سے مذکور تیس تیس بطور عاریت دینا ہوگا اور یہ کہ سود نہ کھاؤ گے اور ہم پر حملہ نہ کرو گے۔ تو ان تمام شرائط پر مصالحت واقع ہوئی اور اس باب میں صلح نامہ لکھا گیا۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بھی گواہی ثبت کی۔ یہ صلح نامہ انہیں دے دیا گیا۔ مروی ہے کہ واپسی کے وقت انہوں نے کہا ''اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک امانت دار شخص ہمارے ہمراہ روانہ فرمائے تاکہ اگر ہم میں کوئی نزاع واقع ہو تو وہ حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے۔'' فرمایا ایک ایسا ہی قوی و امین شخص جو حق امانت بجا لائے ہیں بھیجتا ہوں پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ہمراہ کیا۔ اس کے بعد یہ جماعت اپنے شہروں کی طرف لوٹ گئی۔ تھوڑی مدت بعد سیّد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عاقب رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس آئے اور مسلمان ہو گئے۔ ان کی تبعیت میں اور بھی جماعت مسلمان ہوئی ہوگی (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت کے وقت اسقف سے فرمایا ''میں تجھے دیکھ رہا ہوں کہ تو اپنی منزل میں پہنچا ہے اور اپنے کجاوے کے آگے سویا ہے۔ اس کے بعد اٹھا اور کجاوے کو اپنے اونٹ کی پشت پر الٹا باندھا ہے۔'' چنانچہ اسقف اپنی منزل پہنچا سویا اور بعد ازاں اٹھ کر غفلت میں اپنے اونٹ پر الٹا کجاوہ رکھا ہے۔ جب وہ صورت حال سے باخبر ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلے سے اس کی خبر دے دینا یاد آیا۔ اسی وقت کہنے لگا ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' مواہب لدنیہ میں منقول ہے کہ مباہلہ کے اس قصہ سے مباہلہ کی مشروعیت کا پتہ چلتا ہے اگر مخالف اور مصر ہو۔ باوجود اس کے کہ حجت و براہین ظاہر و واضح ہوں۔ کہتے ہیں تجربہ سے جانا گیا ہے کہ جس کسی نے مباہلہ کیا ہے تو جو باطل پر ہوتا ہے اور اس پر روز مباہلہ سے ایک سال بھی نہیں گزرتا (واللہ اعلم)

تقسیم مملکت باذان: اسی سال یمن کے حاکم باذان نے وفات پائی۔ جب اس کی وفات کی خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک میں پہنچی تو اس کی مملکت کو تقسیم فرمایا۔ کچھ حصہ اس کے بیٹے شہر بن باذان کو دیا اور کچھ حصہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو اور کچھ حصہ یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور کچھ حصہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرحمت فرمایا۔ یہ باذان اصل میں کسریٰ کی جانب سے حاکم تھا۔ پھر وہ مسلمان ہو گیا۔ جیسا کہ پہلے ارسال خطوط کے ضمن میں (جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کے نام بھیجے تھے) بیان کر چکا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کسریٰ کے نام بھی ارسال فرمایا تھا۔ کسریٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو چاک کر دیا تھا جیسا کہ مذکور ہوا۔

اسی سال حجۃ الوداع سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کے ہر ایک مخلاف کو طرف بھیجا۔ مخلاف کے معنی شہر و ملک کے گوشے اور جانب کو کہتے ہیں۔ یمن کے دو مخلاف تھے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مخلاف بلندی پر صوبہ عدن کی جانب تھا اور وہ مضافات مقام ''خبر'' سے تھا اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہاں مسجد مشہور ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مخلات نشیب میں تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وصیت فرمائی کہ لوگوں سے نرمی سے کام لینا اور سخت گیری نہ کرنا۔ نرمی و بھلائی کی بشارت دینا اور ان کو اپنے سے دور نہ بھگانا۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ تم ایسی قوم میں جارہے ہو جو اہل کتاب ہیں۔ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کو ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی شہادت کی طرف دعوت دینا۔ اگر وہ تمہاری اطاعت وفرمانبرداری اختیار کریں تو ان کو بتانا کہ حق تعالیٰ نے تم پر زکوٰۃ و صدقات فرض کیے ہیں کہ تم سے لے کر تمہارے فقیروں پر صرف کر دیئے جائیں۔ پھر اگر وہ اس میں تمہاری اطاعت کریں تو خود کو دور رکھنا۔ ان کے عمدہ نفیس مال لینے سے پرہیز کرنا مطلب یہ کہ ایسا نہ کرنا کہ صدقات کے اونٹ گائے اور بکریوں میں سے نفیس ترین چیدہ چیدہ جانور چن لو اور کمتر و کمزور جانوروں کو چھوڑ دو۔ مظلوموں کی آہ و بددعا سے ڈرنا' بچنا اس لیے کہ مظلوموں کی آہ اور بارگاہِ حق تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔ (رواہ البخاری) اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی حجۃ الوداع سے پہلے ۱۰ھ کے ماہ ربیع الاول یا ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ میں عبدالمدان کی جانب جو کہ بخران کا قبیلہ ہے بھیجا وہ اسلام لائے۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو یمن کی طرف ماہ رمضان مبارک ۱۰ھ میں تین سو سواروں کے ساتھ بھیجا۔ ایک علم ان کیلئے تیار فرمایا اور اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر دستار مبارک باندھی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ اس دستار کے تین پیچ تھے اور آگے کی جانب تقریباً ایک گز شرعی کا شملہ چھوڑا۔ ایک کنارہ کندھوں کی جانب ایک بالشت کا چھوڑا۔ فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ میں تم کو بھیجتا ہوں اور تمہاری جدائی پر افسوس کرتا ہوں۔ فرمایا: جب تم ان کے میدان میں پہنچو تو قتال میں پہل نہ کرنا جب تک کہ وہ جنگ کی ابتدا نہ کریں۔ ان کو ''لا الٰہ الا اللہ'' کی طرف بلانا۔ اگر وہ ایمان لے آئیں تو اقامت صلوٰۃ کا حکم دینا۔ اگر وہ اس میں تمہاری اطاعت کرلیں تو زکوٰۃ کا حکم دینا کہ وہ اپنے صدقات کو اپنے فقراء میں خرچ کریں۔ اگر وہ اسے مان لیں تو کسی معاملہ میں ان سے تعرض نہ کرنا۔

ممکن ہے کہ صلوٰۃ وزکوٰۃ کے درمیان اس طرح ترتیب قائم فرمانا اس کی فضیلت اور تمام عبادات پر اس کے مقدم ہونے کی وجہ سے ہو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت نماز کی فرضیت کے قبول پر موقوف ہے۔ تعجب ہے کہ اس حدیث میں روزہ اور حج کا ذکر نہیں ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ نماز دائمی فرض ہے اور صدقات کا اہتمام فرمانا اس بنا پر ہو کہ اس میں مخلوق کا حق ہے اور روزہ...... سال میں ایک مرتبہ ہے اور حج عمر میں ایک مرتبہ ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ. ساتھ ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ بہر حال اس جگہ انہیں دو فرضوں کا اہتمام واقع ہوا ہے اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ میں فریضہ زکوٰۃ پر اہتمام کرنا مقصود ہے۔

منقول ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے یمن جاتے وقت عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے ایسی قوم کی طرف بھیج رہے ہیں جو اہل کتاب ہیں...... اور میں جوان ونوعمر ہوں اور علم قضا واحکام شریعت پر اتنی اطلاع ومہارت نہیں رکھتا۔'' اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے سینہ پر رکھا اور فرمایا اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ لِسَانَهٗ وَاهْدِ قَلْبَهٗ. بلاشبہ آپ علم قضا میں اس مرتبہ تک پہنچے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زبان معجز بیان سے آپ کی منقبت میں یہ ناطق ہوا کہ اَقْضَاکُمْ عَلِیٌّ تم میں علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے زیادہ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں۔ آپ کی ہدایت وحقانیت کے باب میں یہ بہت عظیم منقبت ہے۔

نیز مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر حق تعالیٰ تمہارے ہاتھ سے کسی کو ہدایت دیدے تو یہ عمل ہر اس چیز سے بہتر ہے جس پر آفتاب طلوع وغروب کرے' مطلب یہ کہ تمام دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے بہتر ہے۔ اس طرح مرتبہ ہدایت کی فضیلت اور علوشان کی جانب اشارہ فرمایا۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان شہروں میں دعوت اسلام کا پھریرا لہرایا' جہاد ومحاربہ میں ثابت قدم رہ کر جماعت کثیرہ کی ہدایت فرمائی اور انہیں دائرہ اسلام میں داخل کیا۔ خصوصاً اہل یمن کے قبیلہ ہمدان کو یہ یک بارگی سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ اس کے بعد انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عریضہ بھیجا اور ان کے اسلام کا اظہار کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت خوش ہوئے اور سجدۂ شکر بجالائے۔ اس کے بعد جب سر مبارک سجدہ سے اٹھایا تو فرمایا

''**السلام علی همدان**''۔

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جو پایہ صحت کو پہنچی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن بھیجا تھا بعد ازاں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو ان کی جگہ بھیجا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اس لیے بھیجا تاکہ جو مال غنیمت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ولید نے جمع کیا ہے اس کا خمس لے کر پہنچائیں۔

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے کہ میں اس لشکر میں تھا جب پانچواں حصہ جدا ہوا تو ان میں باندیاں بھی تھیں۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان باندیوں میں سے سب سے بہتر باندی کو پسند فرما کے اس سے ہم بستری کی۔ اس بات سے مجھے خاص کدورت اور اعتراض پیدا ہوا اور میں نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا ''تم اس شخص کو دیکھ رہے ہو' کیا کر رہے ہیں'' اور میں نے کہا ''اے ابوالحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ کیا بات ہے؟'' آپ نے فرمایا ''تم نہیں دیکھتے یہ باندی ہے جو خمس کی باندیوں میں واقع ہوئی ہے اس کے بعد آل محمد کے حصہ میں آئی۔ اس کے بعد آل علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آئی۔ میں اس سے مباشرت کررہا ہوں''۔ گویا کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اجازت پائی تھی کہ ذوالقربیٰ کے خمس میں تمہارا حصہ ہے۔ اس بنا پر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اسے تقسیم کیا اور باندی کو اپنے حصے میں لائے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو میں نے یہ قصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غالباً تم علی سے دشمنی رکھتے ہو۔'' میں نے عرض کیا ''ہاں! فرمایا ان سے دشمنی نہ رکھو اور اگر ان کے ساتھ محبت رکھتے ہو تو اس محبت کو اور بڑھاؤ۔ اے بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا حصہ اس خمس میں ایک باندی سے زیادہ تھا۔''

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی ایک روایت میں ہے کہ اس گفتگو سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رخسار مبارک تمتما گیا اور فرمایا ''علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں بدگمانی نہ کرو۔ کیونکہ وہ مجھ سے ہیں'' اور میں ان سے ہوں۔ وہ تمہارا مولیٰ ہے۔ ہر وہ شخص جس کا میں مولیٰ ہوں' علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے مولیٰ ہیں' بعض شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت یہ تھی کہ انہوں نے بغیر استبراء رحم' باندی سے وطی کی ہے' یہ شکایت اور محل اعتراض نہیں ہے۔ استبراء کا مسئلہ فقہی اجتہادی مسئلہ ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اجتہاد اس طرف گیا ہو۔

بہرحال ''خم غدیر'' میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی رفعت شان اور ان سے موالات کی ترغیب میں جو کچھ واقع ہوا وہ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان کی شکایت پر مبنی وموجب ہے۔ جیسا کہ خم غدیر کے قصہ میں آئے گا (انشاء اللہ تعالیٰ) حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد صحابہ کے درمیان کوئی شخص ایسا نہ تھا جو میرے نزدیک حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ محبوب ہو۔

روضۃ الاحباب میں بعض ارباب سیر سے منقول ہے کہ یمن کی جانب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھیجنا دو مرتبہ ہوا تھا۔ ایک دسویں سال مذکورہ مرتبہ میں اور دوسرے کا انہوں نے ذکر نہیں کیا ممکن ہے کہ دوسری مرتبہ بھی اسی سال میں جانا ہوا ہو۔ یہ بات مسلم ہے کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن میں ہی تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ یمن سے آ کر شامل ہوئے۔

حجۃ الوداع

دسویں سال کے اعظم ترین واقعات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حج کرنا ہے۔ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حج کی فرضیت چھٹے سال میں یا نویں سال میں ہوئی ہے دوسرا راجح و مختار ہے اس بنا پر اس کی دلیل قوی ہے۔ بہر تقدیر نویں سال میں دعوت اسلام تعلیم احکام، دین اسلام کی بنیادوں کے استحکام میں مشغولیت کی وجہ سے تشریف نہ لے جا سکے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا تا کہ لوگوں کو حج ادا کرائیں اور ۱۰ ہجری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود حج کے لیے متوجہ ہوئے اِس حج کو حجۃ الاسلام اور حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں اس بنا پر کہ اس میں لوگوں کو حج کے مسائل و احکام سکھائے اور سفر آخرت کے ساتھ رخصت فرمایا۔ جیسا کہ فرمایا مجھ سے اپنے مناسک حج معلوم کر لو ممکن ہے کہ آئندہ سال میں حج ادا نہ کروں اور زندہ نہ رہوں۔ اسی بنا پر حجۃ الوداع کا اطلاق احادیث اور کتب سیر میں واقع ہے۔ مواہب میں کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حجۃ الوداع کہنے کو مکروہ جانتے تھے مگر اس کی وجہ بیان نہیں فرمائی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس نام سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وداع و رخصت فرمانا یاد آ جاتا ہو اور یہ یاد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کیلئے انتہائی درد و الم کا موجب تھی (واللہ اعلم)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوات اور وفود کے امور سے فارغ ہوئے تو حج کیلئے تشریف لیجانے کا ارادہ فرمایا۔ اعلان کرایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج کیلئے تشریف لے جا رہے ہیں اور اطراف و اکناف میں لوگوں کو بھیجا۔ اس کے بعد مدینہ طیبہ میں لوگوں کا آنا شروع ہو گیا۔ آخر ذیقعدہ میں جبکہ اس مہینہ کی پانچ راتیں باقی تھیں خلق کثیر کے ساتھ روانہ ہوئے اور چوتھی ذی الحجہ کی صبح کو مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔ اس سفر میں اتنے اصحاب جمع ہوئے جن کا کوئی حد حساب نہیں۔ بعض نوے ہزار بتاتے ہیں۔ ایک روایت میں ایک لاکھ چودہ ہزار ہے اور ایک روایت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ جدھر بھی لوگ نظر اٹھاتے تھے آدمی ہی آدمی نظر آتا تھا۔

غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بروز شنبہ پچیس ذیقعدہ کو برآمد ہوئے، غسل فرما کر بالوں میں تیل ڈالا، کنگھی کی، احرام کے کپڑوں میں عطر لگایا اور گھر سے باہر تشریف لائے۔ ظہر کی نماز مدینہ طیبہ میں ادا فرما کر عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں قصر ادا فرمائی۔ احرام باندھ کر لبیک فرمائی اس کے بعد اپنے ناقہ پر جس کا نام قصوا تھا سوار ہوئے۔ جب ناقہ اٹھی تو پھر لبیک فرمائی اور ناقہ جب اس پشتہ پر جو مدینہ طیبہ کے مقابل اونچائی پر ہے چڑھی تو پھر تلبیہ فرمایا۔ اس جگہ روایتیں مختلف ہیں بعض نماز کے بعد اس درخت کے قریب جہاں آپ تشریف فرما تھے، اب اس جگہ مسجد بنی ہوئی ہے اور اسے مسجد شجرہ کہتے ہیں تلبیہ کہنا بتاتے ہیں۔ بعض روایتوں میں ناقہ پر جبکہ وہ سیدھی کھڑی ہو گئی تھی مروی ہے اور بعض میں پشتہ پر چڑھتے وقت مروی ہے۔ غرضیکہ جس نے جس وقت سنا اور اس سے پہلے نہ سنا تھا وہی روایت کر دیا۔ درحقیقت تلبیہ کی ابتداء نماز کے بعد سے ہی تھی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ امام مالک رحمۃ اللہ کے نزدیک یہی سنت ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ سے روایت مشہور میں ہے کہ فرمایا: لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ وَالْمُلْكَ لَا

شَرِيْكَ لَكَ.

بخاری و مسلم میں تلبیہ کے الفاظ اس طرح مروی ہیں کہ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّ فِيْ يَدَيْكَ لَبَّيْكَ وَالرَّغْبَاءُ اِلَيْكَ وَالْعَمَلُ.

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بآواز بلند تلبیہ کہتے تھے یہاں تک کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سن لیتے تھے اور حکم دیا کہ بلند آوازی سے تلبیہ کہو کیونکہ جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے ہیں اور وہ حکم دے رہے ہیں کہ اپنے صحابہ سے احرام میں بلند آوازی سے تلبیہ کہنے کا حکم دیں۔

تلبیہ فرمانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی جس میں خدا کی رضا' داخلہ جنت اور جہنم کی آگ سے پناہ میں رہنے کی دعا فرمائی۔ آپ کی سواری میں اونٹ تھا جس پر پرانا کجاوہ تھا اونٹ پر نہ شغدف تھا نہ محمل' نہ ہودج' نہ محفہ اور جب منزل ''عرج'' میں پہنچے یہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام تھا جو پیچھے رہ گیا تھا جس کے پاس وہ اونٹ تھا جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سامان لدا ہوا تھا۔ وہ اس کی تحویل میں تھا حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے پہنچنے کا بہت انتظار کیا۔ جب وہ غلام پہنچا تو اس کے ساتھ اونٹ نہ تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا اونٹ کہاں ہے اس نے کہا وہ مجھ سے گم ہو گیا ہے۔ اس پر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور تادیب کے طور پر اسے مارنے لگے ممکن ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسے مارنے کا سبب اس اونٹ کی گمشدگی ہو جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان سفر تھا اور اس شرمندگی کو دور کرنے کیلئے ہو جو ان سے غلام کی بدولت ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا کہ محرم کو دیکھو کیا کر رہا ہے: اُنْظُرُوْا اِلٰى هٰذَا الْمُحْرِمِ مَايَصْنَعُ اس سے زیادہ زجر و توبیخ' فساد احرام اور وجوب جزا میں کچھ نہ فرمایا۔ اس لیے کہ اتنی مقدار کی جنابت سے جزا واجب نہیں ہوتی۔

روضۃ الاحباب سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ابواء میں پہنچے تو سامان سفر بھی مل گیا۔ ابواء اور ودان دو مقامات کے نام ہیں۔ صعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن جثامہ حمار لیثی وحشی کو ہدیہ میں لائے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم کی ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ہدیہ لائے عجز حمار وحشی کو جس سے خون ٹپک رہا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حمار وحشی کے گوشت کا ایک ٹکڑا لائے۔ ایک روایت میں ہے کہ شکار کے گوشت کا ایک ٹکڑا لائے۔ ایک روایت میں ہے کہ حمار وحشی کا پاؤں لائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول نہ فرمایا اور کہا کہ ہم محرم ہیں ہم شکار کا گوشت نہیں کھائیں گے۔ محرم کا شکار کے گوشت کے کھانے میں متعدد روایات اور مختلف اقوال مروی ہیں۔ اس کی تفصیل شرح سفر السعادۃ میں کر دی گئی ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وادی عسفان میں پہنچے تو فرمایا کہ حضرت ہود اور صالح علیہما السلام اس وادی سے گزر رہے ہیں۔ ان کی سواری میں دو سرخ اونٹ ہیں اور کھجوروں کے پتوں کی لگام ہے۔ ان کے تہبند اونی عبا کے ہیں اور ان کی چادریں اونی ہیں اور حج کا تلبیہ پڑھتے جا رہے۔ یہ روایت مسند امام احمد کی ہے۔ مسلم کی روایت میں مروی ہے کہ جب وادی ارزق میں پہنچے تو فرمایا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گزرتا دیکھ رہا ہوں' اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے کانوں میں رکھے بلند آواز سے تلبیہ کہہ رہے ہیں۔ بخاری میں بھی یہ روایت ہے لیکن وادی کا تعین نہیں کیا گیا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ فرمایا گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وادی میں داخل ہوئے ہیں اور تلبیہ کہہ رہے ہیں۔ ایسا ہی مواہب لدنیہ میں ہے۔ حدیث کے معنی میں قول ہیں ایک یہ ہے کہ یہ خبر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کرام علیہم السلام کی ان کی اپنی حیات مبارکہ میں جو حالات رونما ہوئے ان میں سے ایک مذکورہ حالت تھی اس کی خبر

دی کہ وہ حج کو آتے' احرام باندھتے اور تلبیہ کہتے تھے۔ان کی اس حالت کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی گئی' مسلم کی حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہے اور بخاری کی حدیث میں ہے کہ ''گویا میں دیکھ رہا ہوں۔'' یہ کمال علم و یقین کی بنا پر ہے۔گویا کہ میں انہیں اس وقت دیکھ رہا ہوں۔بعض کہتے ہیں کہ رویائے منامی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ان کو اس حال میں اس وقت دیکھا یا اس سے پہلے دیکھا اور اس وقت اس علاقہ میں پہنچ کر ان کے حج کا تذکرہ فرمایا۔ بعض کہتے ہیں کہ مراد اس کی حقیقت ہے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اگر وہ حج کو آئیں تو کوئی مانع نہیں ہے۔ان انبیاء کا حج کرنا اسی سال تھا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج کیلئے تشریف لے جا رہے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس حال میں دیکھا اور ایک جماعت کہتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں یا جنت میں زندہ ہیں۔لیکن ان کی ارواح مطہرہ متمثل ہوتی ہیں اور اجسام میں آ کر جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب اسرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر اطہر میں نماز پڑھتے بھی دیکھا اور آسمان میں بھی دیکھا تھا اور انہیں اجساد متمثلہ کو بیداری میں دیکھا اور خواب میں بھی دیکھا' درحقیقت یہ عالم مثال کے کشف کی قبیل سے ہے۔جس طرح کہ ارباب کشف کو ہوتا ہے اور اس سے بھی برتر ایک کلام ہے۔لہٰذا اس جہان میں جہاں عقلیں حضیض ناسوت میں مقید ہیں اس کلام کے درک تک نہیں پہنچ سکتیں۔وہ برتر کلام یہ ہے کہ علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کو اسی حال میں ملاحظہ فرمایا جو وہ اپنی حیات میں رکھتے تھے اور یہ وہ عالم ہے جہاں ماضی و مستقبل نہیں ہے۔سب حال ہی حال ہے اور یہ بات بعض ارباب کشف کے رسائل میں زمان و مکان کی تحقیق میں مذکور و مسطور ہے (واللہ اعلم)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام سرف میں پہنچے۔یہ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ معظّمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے تو ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حیض آیا اور وہ غمزدہ ہو کر رونے لگیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیوں روتی ہو شاید تمہیں حیض آ گیا ہے۔'' عرض کیا ''ہاں''۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اندوہگیں نہ ہو۔یہ حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں کیلئے لکھا ہوا ہے۔ہر وہ عمل جو حجاج کرتے ہیں کرو۔لیکن خانہ کعبہ کا طواف نہ کرو اس بنا پر کہ وہ مسجد میں ہے اور حائضہ کو مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں۔اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا اب چونکہ عمرہ ادا کرنا محال ہو گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کو حج عمرہ میں داخل فرمائیں۔ان کو قارن بنائیں چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی قارن تھے فرمایا غسل کر کے حج کا احرام باندھ لو۔حائض و نفساء کیلئے اس حالت میں احرام باندھنا جائز ہے کہ وہ غسل کر کے احرام باندھ لے۔ جس طرح کہ ذوالحلیفہ میں اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ تھیں اور محمد بن ابی بکر کو انہوں نے تولد کیا تھا۔انہیں حکم ہوا کہ غسل کریں' پٹی باندھ لیں' احرام سے ہو جائیں اور آخر میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس عمرہ کو جو ان سے فوت ہو گیا تھا قضا کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کیلئے غسل فرمایا اور آفتاب بلند ہونے کے بعد حجون کی راہ سے جو کہ مکہ کا قبرستان ہے جسے معلے بھی کہتے ہیں اور وہاں کدا یہ نامی پہاڑ ہے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔لیکن لوگوں میں عام یہ متعارف ہے کہ مکہ مکرمہ میں سحر کے وقت داخل ہوتے ہیں۔اگرچہ یہ وقت منور و مبارک ہے لیکن چاشت کا وقت کچھ اور ہی جلالت و نورانیت رکھتا ہے۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ تم چاہو تو رات میں داخل ہو جاؤ لیکن سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے اور امام کو دن میں داخل ہونا محبوب تر تھا تاکہ لوگ دیکھیں اور اقتداء و پیروی کریں۔جب آپ باب شیبہ جسے باب السلام بھی کہتے ہیں پہنچے اور خانہ کعبہ کو چشم مبارک سے منور فرمایا تو یہ دعا پڑھی: اَللّٰهُمَّ زِدْ بَيْتَكَ هٰذَا تَعْظِيْمًا وَّتَكْرِيْمًا وَّمَهَابَةً. بعض روایتوں میں آیا ہے کہ یہ دعا پڑھی:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ حَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ. تَشْرِیْفًا وَّتَعْظِیْمًا وَتَکْرِیْمًا وَّمَھَابَۃً. اوراس کے آخر میں فرمایا: مَنْ حَجَّہٗ وَاعْتَمَرَ تَکْرِیْمًا وَتَشْرِیْفًا وَّتَعْظِیْمًا وَّ بِرًّا۔

جب مسجد حرام میں داخل ہوئے تو سیدھے کعبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ''تحیۃ المسجد'' ادا کرنے میں مشغول نہ ہوئے اور طواف کیا۔ اس لیے کہ مسجد حرام کی تحیت طواف ہے۔ جس طرح دیگر مسجدوں کیلئے نماز تحیت ہے اور طواف' نماز کا حکم رکھتا ہے۔ جب حجر اسود کے مقابل ہوئے تو استلام کیا اور اسے بوسہ دیا اور رفع یدین نہ کیا اور افتتاح نہ کیا جیسا کہ جہال کرتے ہیں۔ سفر السعادۃ میں اسی طرح کہا گیا ہے' فقہ حنفیہ میں تکبیر وتہلیل اور رفع یدین بتایا گیا ہے۔ اس ضمن میں ایک حدیث بھی نقل کرتے ہیں۔ استلام حجر کے بعد طواف شروع کیا اور خانہ کعبہ کو اپنے بائیں ہاتھ رکھا۔ یہ طواف' طواف قدوم ہے اور اسے طواف تحیۃ بھی کہتے ہیں اور کسی مکان کیلئے کوئی مخصوص دعا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی وثابت شدہ نہیں ہے مگر ہر دور کن یمانی وحجر اسود کے درمیان کہ اس جگہ فرماتے: رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے شروع میں اس دعا کو بھی زیادہ بیان کیا ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اور امام محمد رحمۃ اللہ مشاہد حج میں کسی مخصوص دعا کا تعین نہیں کرتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ متعین دعا رقت قلب کو زائل کر دیتی ہے اس کے باوجود اگر وہ منقول وماثور سے تبرک وتیمن کرلے تو حسن ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تین پھیروں میں تعجیل فرمائی اور چھوٹے چھوٹے قدم رکھے جس طرح پہلوان چلتے ہیں۔ اس فعل کو رمل کہتے ہیں اور ردائے مبارک کو داہنے بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالا اس کو اصطباغ کہتے ہیں۔ یہ عمل بھی پہلے تین پھیروں کے ساتھ مخصوص تھا اور آخر کے چار پھیروں میں آہستہ چلے۔ ہر مرتبہ جب حجر اسود کے مقابل ہوتے تو اپنی اس لکڑی سے اشارہ فرماتے جو آپ کے دست مبارک میں تھی اور اس لکڑی کو بوسہ دیتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ لکڑی کا عصائے مبارک' سرکج کا تھا جو صولجان کے مشابہ تھا یعنی دست مبارک میں آنے والا سرا مڑا تھا۔ (صولجان آنکڑے کو کہتے ہیں) یہ عصائے مبارک اکثر آپ کے دست مبارک میں رہتا تھا' اس روز بھی طواف میں دست مبارک میں تھا اور اس کے نیچے شام تھی جس طرح کہ خدام سترہ وغیرہ کی درستگی کیلئے ہمراہ رکھتے ہیں۔ (کَذَا قَالُوْا)

رکن یمانی جو کہ بیت اللہ کے ارکان یعنی کونوں میں سے یمن کی جانب ہے اس کی جانب اشارہ کرتے ہاتھ سے یا چوب سے۔ لیکن یہ ثابت شدہ نہیں ہے کہ اپنے ہاتھ کو یا چوب کو بوسے دیتے تھے۔ بعض روایتوں میں دست مبارک سے استلام کرنا آیا ہے لیکن حجر اسود کو بوسہ دینا اور اپنے روئے مبارک اور لبہائے شریف کو اس پر رکھنا ثابت ہے۔ استلام کی حالت میں فرماتے ''بسم اللہ واللہ اکبر'' اور کبھی پیشانی رکھتے جس طرح کہ سجدہ کرتے ہیں اور اس کے بعد بوسہ دیتے۔ طالب کا مطلوب کو بوسہ دینے میں جو لذت پائی جاتی ہے اسی طرح جس جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لب ہائے مبارک پیوست ہوئے ہیں۔ اس جگہ بوسہ دینے' اپنے لب رکھنے میں جو لذت وسرور ہے اس کا اندازہ طالبانِ حق اور عاشقانِ رسول ہی کر سکتے ہیں۔ اس حالت وکیفیت کی تعبیر لفظوں سے نہیں کی جاسکتی' اس ذوق سے وہی لطف اندوز ہوسکتا ہے جس کو حق تعالیٰ نے ذوق سلیم مرحمت فرمایا ہے۔ یہ دو مقام ایسے ہیں جس کو کس طرح تعبیر نہیں کرسکتے اور اس میں لوگوں کا دست تصرف نہیں پہنچ سکتا۔ ایک یہی حجر اسود ہے دوسرا غار ثور ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت داخل ہوکر آرام فرما ہوئے تھے۔

جب طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم علیہ السلام میں تشریف لائے۔ مقام ابراہیم اس پتھر کا نام ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم اقدس کا نشان ہے اس جگہ سے مراد وہ جگہ جہاں یہ پتھر رکھا ہوا ہے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے یہ آیۂ کریمہ پڑھی وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلّٰى (مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ) اس جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی۔ مقام ابراہیم رضی اللہ عنہ کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان رکھا۔ طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا ہمارے نزدیک واجب ہے اور مسجد حرام میں جس جگہ چاہے ادا کرے جائز ہے۔ لیکن افضل یہ ہے کہ مقام ابراہیم علیہ السلام میں پڑھے اور پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور دوسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ پڑھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فارغ ہوئے تو پھر حجر اسود کو استیلام کیا اور درمیان سے باہر نکل کر کوہ صفا پر تشریف لے گئے۔ جب کوہ صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیۂ کریمہ تلاوت فرمائی۔ ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ۔ (بیشک کوہ صفا اور کوہ مروہ للہ کے شعائر میں سے ہیں) اور فرمایا میں شروع کرتا ہوں جس طرح اللہ نے بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد صفا پر چڑھے اس طرح کہ کعبہ معظّمہ کو دیکھا جا سکے اور بالائے صفا پر کھڑے ہو کر کعبہ کی طرف رخ فرما کر تکبیر کہی اور فرمایا: لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ وَصَدَقَ وَعْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ. ایک روایت میں ''اَنْجَزَ وَعْدَهٗ'' زیادہ آیا ہے اور دعا مانگی فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنَّاۤ نَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْعِصْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ اَللّٰهُمَّ لَا تَدَعْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا كَرْبًا اِلَّا كَشَفْتَهٗ وَلَا حَاجَةً مِّنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا قَضَيْتَهَا. اس کے بعد مذکورہ تحلیل تین مرتبہ کہی اور اس کے درمیان دعا مانگتے تھے۔ اس کے بعد نیچے اتر آئے۔ موطا میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کوہ صفا پر یہ دعا بھی مروی ہے اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ اُدْعُوْنِيْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ وَاِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ وَاَسْئَلُكَ كَمَا هَدَيْتَنِيْ لِلْاِسْلَامِ اَنْ تَنْزِعَهٗ مِنِّيْ حَتّٰى يَتَوَفَّانِيْ وَاَنَا مُسْلِمٌ. اس کے بعد نیچے اتر کر مروہ کی جانب روانہ ہوئے مروی ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان فرماتے رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اِنَّكَ لَا غَفَرَ الْاَكْرَمُ. نیز صفا سے اتر کر سعی فرمائی۔ جب وادی سے اترے تو آہستہ چلے اور آج بھی محل سعی کے منتہا کیلئے دیوار حرم مسجد میں ایک نشان ہے جسے بین المیلین لاخضرین۔ کہتے ہیں اور صفا سے مروہ تک سعی فرمائی اور مروہ سے صفا تک آئے اسی طرح سات پھیرے کیے اور سعی کو مروہ پر ختم کیا۔ ہر بار جب مروہ پر پہنچے تو وہی اذکار و دعوت جو صفا میں پڑھیں تھیں مروہ میں بھی پڑھتے اور پیادہ سعی فرمائی۔ پھر جب لوگوں کا اژدہام بہت زیادہ ہو گیا کچھ تو سعی کرنے والے لوگوں کا اور کچھ وہ جو تماشائے جمال جہاں آراء کیلئے نکل آئے تھے ان کا ہجوم تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ پر سوار ہو گئے۔ اس پر لوگ کہتے ھذا رسول اللہ ھذا محمد یہاں تک کہ پردہ نشین عورتیں اور لڑکیاں گھروں سے نکل آئی تھیں اور اس ہنگامہ و اژدھام میں ہٹو بچو اور دور رہو کی آوازیں نہ تھیں۔ جس طرح کہ بادشاہوں کی سواریوں میں ہوتی ہیں۔

جب سعی سے فارغ ہو گئے تو حکم دیا کہ جن کے ساتھ ہدی کے جانور نہیں ہیں وہ احرام سے نکل آئیں۔ جب بعض صحابہ پر احرام سے نکلنا گراں گزرا تو فرمایا اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو میں بھی حلال ہو جاتا۔

اسی اثناء میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ یمن سے پہنچے وہ چند اونٹ ہدی کی نیت سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان تمام انوں کی تعداد جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لائے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کل سو اونٹ بن گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے علی رضی اللہ عنہ تم کیا نیت کر کے لائے ہو؟ انہوں نے عرض کیا اھلا لا کاھلال النبی قربانی کیلئے مانند حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے حج کا احرام باندھا ہے اور اپنے ساتھ ہدی لایا ہوں۔ اے علی رضی اللہ عنہ تم بھی اپنے احرام سے رہو''۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے جب سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا کہ انہوں نے رنگے ہوئے کپڑے پہن رکھے ہیں اور احرام سے باہر نکلی ہوئی ہیں ان پر انکار و اعتراض کیا کہ تم کیوں حلال ہوئیں۔ جواب دیا کہ مجھے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم فرمایا ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تصدیق فرمائی اور امہات المومنین میں سے جو ہدی ساتھ نہ رکھتی تھیں بجز عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیلئے حلال ہوگئیں۔ جب صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب احرام سے باہر آئے تو بعضوں نے حلق کرایا یعنی سر منڈایا اور بعضوں نے قصر کرایا یعنی بال ترشوائے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محلقین یعنی سر منڈانے والوں کیلئے دعا فرمائی: اللھم ارحم المحلقین. تین مرتبہ ایسی ہی دعا کی جب مقصرین نے الحاح وزاری زیادہ کی تو ایک مرتبہ فرمایا ''والمقصرین'' اسی کی مانند حدیبیہ میں بھی واقع ہوا ہے۔مگر حجۃ الوداع میں حدیثیں زیادہ واضح ہیں۔امام نووی فرماتے ہیں کہ ''ھوا الصحیح والمشھور'' اور فرمایا کہ بعید نہیں ہے کہ دونوں جگہ ایسا ہی واقع ہوا ہو۔ابن دقیق العید نے کہا اقرب یہی ہے اور فتح الباری میں ہے کہ یہی متعین ہے۔چونکہ دونوں جگہ احادیث میں تواتر وتوارد ہے۔

جب مکہ مکرمہ میں تشریف لائے ہوئے آپ کو چار دن یعنی اتوار، پیر، منگل اور بدھ گزر گئے تو جمعرات کے دن آفتاب کے بلند ہونے کے بعد چاشت کے وقت منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔اس وقت تمام صحابہ اور وہ جو حلال ہو چکے تھے اور اس دن انہوں نے حج کا احرام باندھ لیا تھا آپ کے ساتھ تھے۔ جب منیٰ پہنچے تو اقامت فرما کر نماز ظہر وعصر ادا کی اور رات وہیں گزاری۔دوسرے دن طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے عرفات کی طرف روانہ ہوگئے۔بعض صحابہ تکبیر کہتے اور بعض تلبیہ کہتے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر اعتراض نہ فرمایا۔اس لیے کہ مقصود ذکر وتسبیح اور تحمید تھا لیکن تلبیہ کے الفاظ افضل واولیٰ ہیں اور جب نمرہ پہنچے جو عرفات کے قریب ایک جگہ کا نام ہے یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے خیمہ نصب کیا گیا، آپ نے اقامت فرمائی اور جمعہ کے دن صبح کی نماز وہاں ادا فرمائی۔جب آفتاب ڈھل گیا تو فرمایا سواری پر زین رکھیں۔پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور وادی میں تشریف لائے اور نہایت بلیغ خطبہ دیا اور اس خطبہ میں مسلمانوں کیلئے احکام وقواعد بیان فرمائے۔اگرچہ یہ پہلے سے معلوم تھے مگر انہیں موکد وبرقرار کرنا اور شرک وجاہلیت کی بنیادوں کو کلی طور پر بیخ برکندہ کرنا مقصود تھا۔تمام جاہلیت کی رسموں کو فنا وناپید کرنا تھا۔فرمایا: تمہاری جانیں اور تمہاری اموال اس دن اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت کی مانند تم پر حرام ہیں۔مراد روز عرفہ، ماہ ذی الحجہ اور شہر مکہ معظّمہ سے ہے اور فرمایا ''جو چیزیں جاہلیت کی مقرر کردہ ہیں میرے قدموں میں پامال ہیں مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کی تمام رسمیں اور طور طریقے میں باطل کر کے ''کان لم یکن'' (گویا کہ وہ تھی ہی نہیں) بناتا ہوں۔اہل عرب کی عادت ہے کہ جس امر کو وہ باطل ونابود کرتے ہیں پھر دوبارہ اسے نہیں کرتے اور نہ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔اسی لیے فرمایا کہ میں انہیں پامال کرتا ہوں اور فرمایا جاہلیت کے تمام خون موضوع وہدر ہیں۔ مطلب یہ کہ جس کسی پر خون کا دعویٰ ہے جو کہ زمانہ جاہلیت میں واقع ہوا ہے اب میں اس دعویٰ کو برطرف کر کے ضائع قرار دیتا ہوں اور اول خون جو ہمارے خون کے دعووں میں سے ہے جسے میں برطرف اور ہدر (رائیگاں) بناتا ہوں وہ خون ابن ربیعہ رضی اللہ عنہ بن الحارث ہے۔ابن ربیعہ بنی سعد میں دودھ پیتا تھا جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قبیلہ بنی سعد میں دودھ پیا تھا۔یہ قبیلہ دودھ پلانے میں مشہور تھا اور حارث بن عبدالمطلب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور ربیعہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم صحابی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں زیادہ تھے ان کے لڑکے کا نام ایاس تھا جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا۔بنی سعد اور ہزیل کی جنگ کے درمیان ایک پتھر ایاس کے لگا جس سے وہ فوت ہو گیا اور بنی عبدالمطلب اس خون کے ان پر دعویدار تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خون کو ہدر (معاف) فرما دیا اور بنی عبدالمطلب کو اس دعویٰ سے باز رکھا۔

فرمایا جاہلیت کے سود ناپید ہیں۔قریش کو عادت تھی کہ جاہلیت میں سود کھاتے تھے اور ایک دوسرے پر ان سودی قرضوں کا دعویٰ رکھتے تھے۔آپ نے ان دعووں کو بھی باطل قرار دیا اور فرمایا سب سے پہلا سود جسے میں نابود کرتا ہوں۔وہ حضرت عباس رضی اللہ

عنہ بن عبدالمطلب کا سود ہے اور اس خطبہ میں امت کو وصیت فرمائی کہ وہ اپنی عورتوں کے ساتھ مراعات' ملاطفت اور حسن سلوک کریں اور ان کے حقوق میں احسان کریں اور وہ حقوق جو عورتوں کے شوہروں پر اور شوہروں کے عورتوں پر ہیں بیان فرمائے۔ فرمایا: عورتوں کے حقوق کے بارے میں خدا سے خوف کرو تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو۔ ان حقوق کا لحاظ رکھو جو مردنے اپنے پر لازم کر کے انہیں حلال بنایا اور جس کلمہ سے ان کی شرم گاہوں کو اپنے تصرف میں لیا۔ خدا کے حکم اور اس کے عہد سے تم ان کو نکاح میں لائے اور فرمایا تمہارے حقوق عورتوں پر یہ ہیں کہ وہ تمہارے بستر کو کسی ایسے شخص سے پامال نہ کریں جن کو تم مکروہ و ناگوار جانتے ہو۔ مطلب یہ کہ غیر مرد کو اپنے قریب جگہ نہ دیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو انہیں مارو لیکن ایسی مار نہیں جو سخت تکلیف دہ ہو اور عورتوں کا تم پر نان ونفقہ اور عادت کے مطابق لباس اور انصاف فرض ہے۔ فرمایا: بلاشبہ میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ یہ چیز خدائے عزوجل کی کتاب مجید ہے۔ خطبہ دینے اور وصیت فرمانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا اور فرمایا کل بروز قیامت تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا کہ میں نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا اور میں نے تم میں کس طرح زندگانی گزاری تو تم کیا جواب دوگے' کیا کہوگے اور کیسی گواہی دوگے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے خدا کے فرمان واحکام ہمیں پہنچائے اور امت کو خوب عمدہ نصیحت فرمائی۔ آپ پر ادائے رسالت کے جو حقوق تھے وہ خوب ادا کیے اور دعوت دی اور جو امانتیں آپ کے پاس تھیں انہیں ادا فرمایا اور راہ خدا میں جہاد کیا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشتِ شہادت کو آسمان کی طرف اٹھا کر اشارہ فرمایا اور سر مبارک اٹھا کر کہا ''اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ '' اے خدا تو گواہ ہو اے خدا تو گواہ ہو اور فرمایا اے مسلمانو! جان لو کہ تین چیزیں سینہ کو پاک وصاف کرتی ہیں ایک عمل میں اخلاص' دوسرا مسلمان بھائیوں کے ساتھ خیر خواہی' تیسرا لزوم جماعت مسلمین اور حاضرین کو چاہیے کہ جو کچھ میں نے فرمایا ہے وہ غائبوں اور غیر موجود لوگوں کو پہنچائیں۔ اسی اثنا میں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں ایستادہ تھے ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا' والدہ ماجدہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دودھ کا ایک پیالہ بھیجا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیالہ کو لے کر اس کا دودھ اس طرح نوش فرمایا کہ تمام لوگوں نے دیکھا اور جان لیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے نہیں ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ عرفہ کا روزہ سنت ہے۔ مگر عرفات میں ٹھہرنے والوں کیلئے نہیں تاکہ ذکر واذکار سے روکنے والی کمزوری نہ ہو۔

خطبہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے نیچے اترے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان دینے کا حکم فرمایا۔ پھر اقامت کہی' نماز ظہر وعصر ایک ساتھ قصر سے ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھیں اور دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نماز سنت ونفل نہ پڑھی۔ یہ بات وقوف میں عجلت اور دعا میں زیادہ وقت گزارنے کے قصد کی وجہ سے تھی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک یہ بین الصلٰتین کی یکجائی صرف اس دن کے ساتھ مخصوص ہے۔ شوافع کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے اور اکثر شوافع اس کی وجہ سفر قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اہل مکہ اور وہ غیر اہل مکہ جو مسافر نہ تھے سب ہی جمع تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع نہ فرمایا بلکہ اسے برقرار رکھا تھا۔ یہ بات اس کی دلیل ہے کہ یہ جمع صلوٰتین لبیک کی بنا پر تھی نہ کہ سفر کی وجہ سے۔ شاید کہ وہ یہ کہیں کہ یہ جمع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور متابعت کی وجہ سے تھی ورنہ یہ واقعہ اپنی جگہ سفر کی ہی جہت سے تھا۔ البتہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت قصر کی پڑھنے کے بعد فرمایا اے اہل مکہ تم اپنی نمازوں کو پورا کرلو ہم مسافر ہیں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو سوار ہو کر دامن کوہ عرفات میں جسے جبل رحمت کہتے ہیں تشریف لائے اور وہاں کالے کالے بڑے بڑے پتھروں کے قریب جہاں ریت میں ایک عمارت نمودار رہے جسے لوگ مطبخ آدم علیہ السلام کہتے ہیں

استادہ ہوئے۔ علماء فرماتے ہیں کہ متعین طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقوف کی جگہ کسی کو معلوم نہیں ہے۔ لیکن اگر ان پتھروں کے قریب کھڑا ہو جائے اور کچھ ویران جگہوں میں ٹھہرے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقوف مبارک کی جگہ پائے گا۔ اس پہاڑ پر چڑھنے کے بارے میں کوئی چیز معتبر نہیں ہے اور نہ کوئی ثواب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پتھروں کے قریب قبلہ رو ہو کر اونٹ کی پشت پر دعا' تضرع اور ابتہال شروع فرمایا اس مقام میں تضرع وابتہال بہت مطلوب ہے۔ اگر دل بھر کر رونا میسر آ جائے تو قبول واجابت کی علامت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے دوران اپنے مبارک ہاتھوں کو سینہ اقدس کے مقابل رکھا تھا جس طرح مسکین مانگتے میں رکھتے ہیں۔

عرفات کے دن کثرت کے ساتھ دعا ہائے ماثورہ مروی ہیں۔ ان میں سے جس قدر سفر السعادۃ میں مذکور ہیں کافی ہیں۔ ایک اور طویل دعا بھی ہے جو ادب میں مذکور ہے۔ فرمایا: افضل دعا جو میرے اور مجھ سے پہلے تمام نبیوں کے نزدیک اس روز پڑھنے کے سلسلہ میں ہے یہ کہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ وَحْـدَهٗ لَا شَـرِيْكَ لَـهٗ لَـهُ الْـمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. جب تک کہ آفتاب غروب نہ ہو روانہ نہیں ہونا چاہیے۔

عرفہ کے روز یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی اَلْيَـوْمَ اَكْـمَـلْـتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْـنًـا آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام فرمادیں اور میں تمہارے لیے دین اسلام سے راضی ہوا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اس دن سے زیادہ شیطان کو ذلیل وخوار اور غم وغصہ میں مبتلا کسی اور دن دیکھا نہ گیا۔ جیسا کہ وہ عرفہ کے دن بنی آدم پر نزول رحمت اور مغفرت کو دیکھ کر ہوا تھا۔ البتہ ایک دن اور ہے وہ روز بدر کا ہے جبکہ اس نے دیکھا کہ جبرائیل علیہ السلام فرشتوں کی صفوں کو ترتیب دے رہے ہیں۔ اس دن بھی شیطان بہت ذلیل وخوار ہوا تھا۔ علماء فرماتے ہیں کہ وہ کتنا بدبخت ہے کہ اس موقف میں کھڑا ہو اور پھر وہ گمان کرے کہ بخشا نہیں گیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حق تبارک تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ مباہات فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ یہ کیا مانگتے ہیں جو کہ اپنا گھر بار' اہل وعیال میری خاطر چھوڑ کر میری درگاہ میں سر برہنہ' گرد آلود آئے ہیں اور مجھے یاد کرتے ہیں' میں انہیں آتش دوزخ سے آزاد کر کے ان کے تمام گناہوں کو بخشتا ہوں' ادائے فرض کیلئے ایک گھڑی عرفات میں وقوف کرنا کافی ہے۔ مگر سنت یہ ہے کہ غروب آفتاب تک ٹھہرا رہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غروب آفتاب تک قیام فرمایا تھا اور عرفات میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ. اگرچہ اس آیت کریمہ کا نزول ذوق وسرور اور مسلمانوں کی عید کا موجب ہے لیکن بعض دانا و رمز شناس صحابہ نے اس سے قرب زمانہ رحلت اور حلول مدت فرقت سمجھا اور ان کے دل دہل گئے اور شکستہ خاطر ہو گئے جس طرح سورۂ اِذَا جَـآءَ نَـصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ کے نزول کے وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اور آپ رونے لگے تھے۔ یہی صورت اس وقت بھی ہوئی۔

جب غروب آفتاب کے بعد عرفات سے روانگی فرمائی تو حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا ردیف بنایا اور اونٹ کی مہار کھینچے رکھی۔ فرمایا: ''اے لوگو! آرام سے چلو اطمینان سے رہو تیز چلنے میں نیکی نہیں ہے اور عجلت میں پرہیزگاری نہیں ہے۔ درحقیقت اطمینان و وقار موجب سکون اعضاء وجوارح اور علامت استقامت حال وجمعیت مآل ہے اور حرکت واضطراب' موجب تشویش قلب' تفرقۂ باطن اور پریشاں خیالی ہے۔ دوڑنے اور اضطراب دکھانے سے منع کرنے کا سبب نماز کی جماعت پانے کیلئے تھا۔ کیونکہ بعض نافہموں اور نادانوں کی طرف سے اس کا اظہار ہوا تھا۔

فازمین (ایک جگہ کا نام) عرفہ ومزدلفہ سے مکہ کا دوسرا راستہ ہے اور ایک راستہ منیٰ اور مکہ کے درمیان کا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے یہاں سے واپسی میں بھی عیدگاہ میں آنے جانے کا طریقہ اختیار فرمایا اور مخالف راستہ کی رعایت ملحوظ رکھی۔ عرفات میں آنے اور وہاں سے جانے میں بھی یہی صورت اختیار کی اور واپسی میں فارنین کا راستہ اختیار فرمایا۔ راستہ میں اونٹ کی مہار کو قدرے چھوڑے رکھا کہ وہ تیز وست کے درمیان رفتار رکھے۔ جب کشادہ اور فراخ راستہ میں ہوتے قدرے تیز چلتے اور جب بلندی پر چڑھتے تو اونٹ کی مہار بالکل چھوڑ دیتے تاکہ آسانی سے چڑھ سکے تمام راستہ تلبیہ کہتے رہے۔ راہ میں ایک گھاٹی میں رغبت فرمائی اور اتر کر وضو کیا اس طرح کہ پانی کو بہایا بھی نہیں اور کامل وضو بھی ہوگیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا نماز مغرب ادا فرمانے کا ارادہ ہے؟ فرمایا نماز آگے ہے یعنی مزدلفہ میں عشاء کی نماز کے ساتھ ادا کریں گے۔ اس کے بعد سوار ہوئے اور مزدلفہ میں رونق افروز ہوئے۔ مزدلفہ ایک مقام ہے جو منیٰ اور عرفات کے درمیان ہے۔ قریش جاہلیت میں اسی جگہ ٹھہرتے تھے اور عرفات نہیں جاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم حرم خدا کے ہمسایہ ہیں حرم سے باہر نہیں جاتے اور مزدلفہ میں کامل وضو فرمایا اور حکم دیا کہ اذان کہیں اقامت کے بعد مغرب کی نماز پڑھی قبل اس کے کہ سامان وغیرہ اتار کر اونٹوں کو فارغ کریں۔ نماز مغرب کے بعد سامان اتارا اور پھر اقامت کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ اور عشاء کی نماز کے لیے اذان نہ کہی۔ مغرب وعشاء کے فرضوں کے درمیان کوئی نماز نہ پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مغرب و عشاء کے درمیان جمع' ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ تھی۔ جیسا کہ عرفات میں ظہر وعصر کے درمیان ہوا تھا۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں بروایت حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسا ہی مروی ہے۔ امام زفر' شافعی اور امام ابوحنیفہ اور ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہ روایت بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحیح مسلم میں مروی ہے۔ ترمذی نے اس کی تحسین وتصحیح کر کے اس کو ترجیح دی ہے اور فرمایا کہ چونکہ عشاء کی نماز اس جگہ اپنے وقت میں ہے تو اس کیلئے علیحدہ اقامت واذان کی ضرورت نہ تھی۔ عرفات میں نماز عصر غیر وقت میں تھی اس بنا پر زیادتی اعلام کی ضرورت ہوئی (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز ادا فرمانے کے بعد محوخواب استراحت ہوئے اور شب بیداری نہ فرمائی باوجودیکہ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال مواظبت تھی اس کی وجہ رعایت اعتدال اور رعایت حق بدن تھی پھر جب فجر نے طلوع کیا تو صبح کی نماز اول وقت میں ادا فرمائی۔ نماز فجر کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور مشعر حرام تشریف لائے۔ یہ مزدلفہ کے درمیان ایک ٹیلہ ہے۔ اس پر ایک نئی عمارت بنی ہوئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مشعر حرام میں قبلہ رو کھڑے ہو کر دعا اور تضرع وابتہال میں مشغول ہوئے۔ سفر السعادۃ میں ابوداؤد و ابن ماجہ سے بروایت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مرداس منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے قیام میں امت کی مغفرت کیلئے دعا فرمائی۔ حق تعالیٰ کا جواب آیا کہ ظالموں کے سوا میں نے بخش دیا۔ کیونکہ اسے مظلوم کے حق میں گرفت میں لوں گا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا اے میرے رب تو قادر ہے کہ اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت دیدے اور ظالم کو بخش دے۔ اس وقت اس دعا کا جواب نہیں آیا۔ جب مزدلفہ میں اس دعا کو دوبارہ مانگا تو جواب آیا کہ تمہاری استدعا کو میں نے قبول فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یہ وقت تو ایسا نہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہی تبسم کناں رکھے۔ فرمایا: دشمن خدا ابلیس نے جب جانا کہ حق تعالیٰ نے میری امت کیلئے میری دعا قبول فرمالی اور اسے بخش دیا ہے تو وہ ملعون اپنے سر پر خاک ڈالنے' چیخ وپکار اور واویلا کرنے لگا۔ مجھے اس کی جزع وفزع دیکھ کر ہنسی آ گئی۔

علماء فرماتے ہیں کہ اس جگہ امت سے مراد وہ لوگ ہیں جو عرفات میں ٹھہرنے والے ہیں اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ حج مکفر حقوق العباد بھی ہوتا ہے۔ طبرانی نے کہا کہ یہ اس پر محمول ہے کہ وہ توبہ کرے اور حق العباد پورا کرنے سے عاجز رہے۔ بیہقی نے بھی داؤد وابن ماجہ

کی روایت کی مانند بیان کیا ہے۔ کہا کہ اس سے شواہد بہت ہیں اگر صحیح ہے تو حجت ہے ورنہ حق تبارک وتعالیٰ کا ارشاد وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ. کافی ہے اور ظلم بھی مادون شرک ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ حجاج سے حقوق اللہ تو مغفور ہیں اور حقوق العباد میں اختلاف ہے۔ مگر حق تعالیٰ کا فضل وسیع ہے اور ظاہر حدیث عام ہے (واللہ اعلم) آپ مزدلفہ میں ذکر وتکبیر اور تہلیل میں مشغول رہے یہاں تک کہ جب طلوع آفتاب قریب ہوا تو منیٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس مرتبہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنا ردیف بنایا اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زید قریش کے ساتھ پیدل روانہ ہوئے اور اس راہ میں حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ رمی جمار کیلئے کنکریاں چن لو جو چنے سے بڑی ہوں اور بادام سے چھوٹی ہوں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں بکریوں کی مینگنی کے برابر آیا ہے۔ ان کو ''حصی خذف'' یعنی پھینکنے والی کنکریاں کہتے ہیں اور اگر ان سے کچھ بڑی ہوں تب بھی جائز ہے لیکن خلاف سنت ہے۔ حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سات کنکریاں زمین سے چن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیں یہ سات کنکریاں آج کیلئے جو عید کا دن ہے جمرۃ العقبہ کی رمی کیلئے کافی ہیں۔ اگر کوئی تین دن کیلئے اٹھائے اور اُسے ستر اٹھانی چاہیں۔ سات عید کے دن کے لیے اور تریسٹھ ایام تشریق کیلئے ہر روز اکیس اکیس۔ بعض علماء کہتے ہیں یہ بہتر ہے اور اس زمانہ میں یہی عادت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر اس سے زیادہ اٹھاتے تو بہتر ہے ممکن ہے کہ کوئی کہیں گر پڑے اور کم ہو جائے۔ لیکن حدیث میں سات ہی واقع ہوا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلیوں سے ان کنکریوں سے غبار صاف کیا۔ بعض کے نزدیک اگر دھولیا جائے تو بہتر ہے۔

اسی راہ میں ایک خثعمی خوبصورت عورت سامنے آئی اور اس نے سوال کیا کہ میرا باپ بہت بوڑھا ہے وہ اونٹ کی پیٹھ پر نہیں بیٹھ سکتا کیا میں اس کی طرف سے حج کرلوں؟ فرمایا ''ہاں'' حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے اس عورت کی طرف دیکھ رہے تھے۔ فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی خوش رو، خوش جمال، سرخ وسفید صاحب حسن تھے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کا فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے حجاب بنالیا تاکہ دونوں ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل رضی اللہ عنہ کی گردن کو گھما دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے عمزاد کی گردن کیوں موڑی؟'' فرمایا ''میں نے ایک جوان مرد اور ایک جوان عورت کو دیکھا تو میں نے ان دونوں کو شیطانی وسوسہ سے محفوظ نہ پایا۔

اسی راستہ میں ایک بوڑھی عورت سامنے آئی اور اس نے اپنی ماں کی بابت کہا کہ وہ بہت لاچار وناتواں ہوگئی۔ اگر اسے اونٹ پر باندھوں تو اس کے مرنے کا خطرہ ہے کیا میں اس کے بدلے میں حج کرسکتی ہوں؟ فرمایا اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو تو کیا اس کا قرض اتارتی؟ اس نے کہا ''میں ضرور قرض اتارتی۔'' پھر تو اپنی ماں کی طرف سے حج ادا کر کہ یہ خدا کا قرض ہے اس کا ادا کرنا اولیٰ ہے۔ اس حدیث میں حج بدل ادا کرنے پر جواز کی دلیل ہے۔ اس مسئلہ میں بہت تفصیل ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بطن محسر میں پہنچے (یہ وادی منیٰ کے شروع میں ہے) تو اونٹ کو تیز دوڑایا اور عجلت کے ساتھ اس وادی سے باہر آ گئے۔ یہ سوار کیلئے سنت ہے اور اگر پیدل ہے تب بھی تیزی سے گزرنا سنت ہے۔ یہ وہی وادی ہے جہاں اصحاب فیل ٹھہرے تھے جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ اس بنا پر اس کو محسر کہتے ہیں کہ اس جگہ سے ہاتھی نے جنبش نہ کی تھی اور عاجز ہو کر بیٹھ گیا تھا محسر کے لغوی معنی عاجز رہے لاچار ہونے اور بے بس ہوجانے کے ہیں۔ اس وادی میں ہاتھی عاجز و بے بس اور فیل بان لاچار ہو گیا تھا اور اصحاب فیل مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیئے گئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جس جگہ کسی دشمن خدا پر کوئی عذاب یا بلا نازل ہوئی ہوتی اس جگہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیزی وعجلت کے ساتھ گزرتے تھے جس طرح کہ غزوۂ تبوک کے سفر میں جب قوم

لوط کے گاؤں اوران کی بستیوں پر سے گزرے تو تیزی کے ساتھ گزرے اور صحابہ کو بھی حکم فرمایا کہ عجلت سے گزرو۔

اس طرح منیٰ کے اسفل وادی میں چاشت کے وقت تشریف لائے اور جمرۃ العقبہ کے مقابل استادہ ہوئے۔ جمرہ کے اصل معنی سنگریزہ اور کنکری کے ہیں اس کے بعد یہ نام اسی جگہ پر غالب آ گیا جہاں رمی جمار ہوتی ہے۔ یہ تین جگہیں ہیں۔ جمرۂ اولیٰ جو مسجد خیف کی جانب ہے کہ جب مزدلفہ سے درمیانی راہ سے آئیں تو یہ پہلے پڑتا ہے۔ اس کے بعد جمرۂ وسطیٰ ہے۔ اس کے بعد جمرۂ عقبہ ہے۔ عقبہ پہاڑ سے نکلنے کے بعد ہے اور جمرۂ پہاڑ کے دامن میں واقع ہے اور یہ مکہ کی جانب ہے تو پہلے دن جب مزدلفہ سے وادی محسر کی راہ سے آئے تو جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کو چھوڑ کر جمرۂ عقبہ پر آئے اور استادہ ہوئے اور کعبہ معظمہ کو بائیں جانب اور منیٰ کو داہنی جانب رکھ کر ان ساتوں کنکریوں کو ایک ایک کر کے ماریں۔ درآنحالیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھے۔ آپ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے اور جمرہ پر مارتے جاتے تھے۔ بقیہ ایام تشریق میں تینوں جمرات پر پیدل رمی جمرات کیں اگرچہ سوار ہو کر بھی جائز ہے لیکن افضل واولیٰ پیدل ہے۔ جیسا کہ سنت میں آیا ہے۔ رمی جمار کے بعد بلیہ کو ترک کر دیا اس کے بعد اپنی قیام گاہ مسجد خیف کے قریب واپس تشریف لے آئے خیف اس بلند و مرتفع جگہ کو کہتے ہیں جو پانی کے سیلاب سے محفوظ ہو۔ منیٰ میں اس جگہ بہت بڑی مسجد ہے اور اس کے صحن میں ایک گنبد ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے اقامت ہے۔ اسی جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا اور خطبہ بلیغ دیا تھا چنانچہ آپ کی آواز تمام خیموں کے اندر سب کو پہنچی تھی۔ اس آواز کا ہر ایک تک پہنچنا بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ میں قربانی کے دن کی حرمت سے آگاہ فرمایا جو حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اس دن کی حرمت ہے اور فرمایا زمانہ اپنی اس اصلی ہیئت پر پلٹ آیا ہے جس پر حق تعالیٰ نے پہلے دن آسمان وزمین کو پیدا فرمایا تھا۔ سال کے بارہ مہینے ہیں ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ تین مہینے پے در پے ہیں ذیقعدہ' ذی الحجہ اور محرم اور چوتھا مہینہ رجب کا ہے جو جمادی الاُخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے اور فرمایا تمہارے خون' تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ قریب ہے کہ تم اپنے رب العزت کے حضور حاضر ہو اور تم سے تمہارے اعمال کی پرسش ہو۔ خبردار اور ہوشیار رہنا' میرے بعد دین سے نہ پھرنا اور گمراہ نہ ہونا۔ ایک روایت یہ ہے کہ کفر کی طرف نہ پلٹنا کہ تم ایک دوسرے کی گردن مارو اور جان لو کہ جو کوئی خدا کے حق یا بندوں کے حق میں خیانت کرتا ہے وہ اپنی ہی جانوں پر خیانت کرتا ہے۔ باخبر اور آگاہ ہو جاؤ کہ میں نے تمہارے رب کا حکم پہنچا دیا ہے اور فرمایا ''اے خدا تو گواہ رہ اور تم پر لازم ہے کہ ان احکام کو حاضر غائب کو پہنچائے اور لوگوں سے فرمایا آؤ حج کے مناسک سیکھ لو۔ ممکن ہے کہ آئندہ سال میں حج کو نہ آؤں اور ان کو سمع واطاعت امر اور اس کی فرمانبرداری کا حکم فرمایا۔ فرمایا: کہ ہمیشہ کتاب اللہ کو پڑھتے رہنا اور دین وشریعت کی نہ مخالفت کرنا اور نہ اس کے خلاف بولنا۔ فرمایا: اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَصَلُّوْا خَمْسَكُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَاَطِيْعُوْا ذَا اُمِرْتُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ. اپنے رب کی عبادت کرنا' پانچوں نمازیں پڑھنا' رمضان کے روزے رکھنا' صاحب امر کی اطاعت کرنا تاکہ تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو اور وداع کیا اس کے بعد آپ منحر یعنی قربان گاہ تشریف لائے۔ یہ جگہ منیٰ کے بازار کے درمیان مشہور ہے اسے منحر النبی بھی کہتے ہیں' تمام اونٹ سو گئے تھے آپ نے تریسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے ذبح فرمائے جو کہ آپ عمر شریف کے سالوں کے عدد پر ہے۔

مروی ہے کہ آپ کے قریب پانچ چھ اونٹ قربانی کیلئے لائے جاتے۔ تو ہر اونٹ قریب ہوتا اور ایک دوسرے کو دھکیلتا اور دور کرتا تا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اسے ذبح فرمائیں۔ سینتیس اونٹوں کیلئے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو حکم فرمایا کہ وہ قربانی کریں' اور ان کو ہدی میں شریک کیا اور حکم دیا کہ ہر ایک اونٹ سے تھوڑا تھوڑا گوشت لے کر دیگ میں ڈال کر پکائیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت اور اس کے شوربے کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تناول فرمایا۔ حضرت علی مرتضیٰ کو حکم دیا کہ ان اونٹوں کی کھالو

اور گوشت کو اوران کی جھولوں کو مساکین وغرباء پر تقسیم کر دیں اور قصابوں کو اس میں کچھ نہ دیں ان کی اجرت اپنے پاس سے دیں۔ مسلم میں بروایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات کی طرف سے گائیں ذبح فرمائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے گائے ذبح فرمائی۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریوں کو بھی ذبح فرمایا۔ جب قربانی سے فارغ ہوئے تو اعلان کرایا کہ منیٰ کی تمام زمین قربان گاہ ہے اور منحر یعنی قربان گاہ کسی جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلاق کو طلب کیا اور حلق کیا جب حلاق جن کا نام معمر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور قدیم الاسلام ہیں وہ استرا ہاتھ میں لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے قریب کھڑے ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف نظر فرمائی۔ فرمایا: ''اے معمر رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ نے تمہیں رسول خدا کے نرمۂ گوش پر قادر بنایا حالانکہ تمہارے ہاتھ میں استرا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہوشیار رہو اور اس نعمت کی قدر جانو۔ اس پر معمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا یہاں کھڑا ہونا اور اس مقام کی قدرت پانا یقیناً مجھ پر خدا کی نعمت ہے اور مجھ پر اللہ عزوجل کا احسان وکرم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک کہتے ہو۔ یہ اس کی عظیم نعمتوں میں سے ہے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ داہنی جانب سے سر مونڈنے کی ابتداء کریں۔ ظاہر مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی جانب ہے اور مشکوٰۃ میں متفق علیہ حدیث میں صراحت کے ساتھ منقول ہے۔ بعض نے حلاق کی داہنی جانب کا اعتبار کیا ہے۔ جب داہنی جانب حلق سے فارغ ہوئے تو ان موہہائے مبارک کو حاضرین میں تقسیم فرمایا اور اشارہ فرمایا کہ بائیں جانب بھی حلق کریں اور ان تمام موہہائے مبارک کو حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرحمت فرمایا جو ام سلیم رضی اللہ عنہ کے شوہر اور وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ہیں۔ اسی بنا پر بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا اور ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں داہنی جانب کے بھی چند موہہائے مبارک سب سے پہلے آئے تھے۔ یہ ان پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص فضل وعنایت تھی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ. جب حلق سے فارغ ہوئے تو تمام لوگوں کے حصہ میں ایک یا دو موہہائے مبارک کے تار آئے

صرا ارزلف تر مرئے بسنداست فضولی می کنم بوئے بسنداست

حلق کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخن ہائے مبارک کٹوائے اور ان کو بھی لوگوں میں تقسیم فرمادیا۔ بکثرت صحابہ نے حلق کرایا اور کمتر اصحاب نے قصر کرایا اور حلق کو قصر پر افضل قرار دیا۔

اس کے بعد نزول سے پہلے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور طواف کیا۔ یہ طواف حج کے ارکان اور اس کے فرائض میں سے ہے۔ اس کو طواف افاضہ بھی کہتے ہیں اور طواف زیارت بھی۔ جب طواف سے فارغ ہوئے تو زمزم کے قریب آئے۔ سقات بیت چونکہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی اولاد کا منصب تھا اس لیے وہ پانی کھینچتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر اس کا خطرہ نہ ہوتا کہ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد پر لوگ غلبہ کریں گے تو میں بھی اتر کر زمزم کے کنوئیں سے پانی کھینچتا اور تمہاری سقایت پر میں تمہاری مدد کرتا۔ اس بنا پر کہ اس کام میں فضیلت وبزرگی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر میں اس کام کو کروں تو میرے بعد امت پر سنت بن جائے گی۔ اتباع سنت کی خاطر تمام لوگ اس کام میں ہاتھ لگائیں گے اور وہ تم پر غالب آجائیں گے اور یہ منصب بزرگ تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ انہوں نے ایک ڈول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھڑے کھڑے نوش فرمایا۔ معلوم نہیں کہ اس حالت میں کھڑے ہوکر پینا بیان جواز کیلئے تھا۔ یا کسی ضرورت وحاجت کی بنا پر کہ اژدھام کی

زیادتی کی وجہ سے بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔ یا کسی اور ضرورت وحاجت کی بنا پر (واللہ اعلم) بعض کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینا آب زمزم اور وضو کے بچے ہوئے پانی کے ساتھ مخصوص ہے۔

اس طواف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر تھے۔ سوار ہونے کی سبب میں بعض کہتے ہیں کہ یا تو اژدحام زیادہ تھا یا مقصود تھا کہ تمام لوگ آپ کا مشاہدہ کرتے رہیں اور طواف کی کیفیت سیکھتے رہیں اور اس کے آداب واحکام معلوم کرتے رہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ رویائے رحمت موجزن تھا اور آپ ضرورت سے سوار ہو کر طواف کر رہے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ناقہ مسجد کو آلودہ کرنے سے مامون تھا۔ آپ اسی وقت منیٰ واپس ہو گئے اور ظہر کی نماز منیٰ میں ادا فرمائی۔ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایسا ہی مروی ہے۔ مسلم میں ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نماز ظہر مکہ میں گزاری۔ بعض علماء اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ روایت کے راوی دو ہیں۔ ایک حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسری حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجۃ الوداع کی حدیث میں زیادہ معروف ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخص ہیں۔ بعض علماء حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں کہ وہ متفق علیہ ہے اور اس کے تمام راوی اعظم واجل ہیں۔ شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں اگر ہم دونوں حدیثوں کے جمع کرنے کا تکلف کریں تو ہم یہ کہیں گے کہ ظہر کی نماز مکہ میں گزاری اور منیٰ میں پڑھنے کو اس کے اعادہ پر محمول کریں گے۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا تھا کہ مکہ میں پہلے جو نماز پڑھی تھی اس میں نقصان تھا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مراجعت فرمائی تو رات منیٰ میں گزاری قربانی کے بعد کے دن انتظار فرمایا۔ یہاں تک کہ آفتاب ڈھل گیا تو نماز ظہر سے قبل پیدل جمرہ اولیٰ پر آئے یہ وہ جمرہ ہے جو مسجد خیف سے بہت نزدیک ہے یہاں سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری پر تکبیر فرماتے جاتے۔ جب رمی سے فارغ ہوئے تو چند قدم اپنی جگہ سے آگے بڑھ کر قبلہ رو کھڑے ہو کر دعا فرمائی اور اتنی دیر تک دعا میں مشغول رہے کہ کوئی دوسرا سورۂ بقر کی تلاوت کرلے۔ پھر جب دعا سے فارغ ہوئے تو جمرۂ وسطیٰ آئے اور اسی طریق پر رمی جمار فرمائی۔ وہاں سے چند قدم درمیان وادی کے چلے اور اس جگہ کھڑے ہو کر دعا فرمائی اور طویل دعا مانگی۔ اس کے بعد روانہ ہوئے یہاں تک کہ جمرۂ عقبہ کے سامنے آئے اور کعبہ کو داہنے ہاتھ اور منیٰ کو بائیں رکھ کر کھڑے ہوئے۔ رمی جمار کی اور اسی ساعت بغیر توقف کے لوٹ آئے اور اس جگہ دعا نہ فرمائی۔ اس کی حکمت علم نبوت کے ساتھ موقوف ہے۔ علماء اس جگہ پر دو وجہ بیان کرتے ہیں ایک یہ کہ یہ جمرۂ راستہ میں ہے۔ اژدحام بہت تھا اور کھڑے ہونے کی جگہ نہ تھی۔ دوسری وجہ یہ کہ دعا عبادات کے درمیان میں ہوتی جس طرح کہ جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ میں تھی اس سے افضل ہے کہ بعد عبادت ہو۔ جیسا کہ اس جمرۂ عقبہ میں ہے (کہ یہاں عبادت ختم ہوگئی) (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ سے کوچ کرنے میں تعجیل نہ فرمائی اور یوم النفر (یعنی کوچ کرنے کا دن) عیدالاضحیٰ کے تیسرے دن کو کہتے ہیں۔ لیلۃ النفر وہ رات ہے جب حجاج کرام منیٰ سے لوٹتے ہیں۔ عرفات سے روانہ ہونے کو افاضہ کہتے ہیں اور مزدلفہ سے روانگی کو دفع۔ منیٰ سے کوچ کرنے کو نفر کہتے ہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل تین روز اقامت فرمائی۔ بعض چوتھا روز بھی کہتے ہیں جو ذی الحجہ تیرہ اور آخری ایام تشریق کا دن ہے۔ بعد زوال رمی کر کے روانہ ہوئے اور وادی محصب میں نزول فرمایا۔ یہ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ سے باہر ہے۔ اس جگہ سنگریزے کثرت سے ہیں۔ خیف بنی کنانہ بھی اسی کا نام ہے اسے ابطح بھی کہتے ہیں۔ ابطح ایسے کشادہ میدان کو کہتے ہیں جس میں باریک سنگریزے ہوں۔ جس طرح کہ دریا، نالوں میں ریت ہوتی ہے، مکہ کا نام جو بطحا اور ابطح ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے۔ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء اسی محصب میں ادا فرمائی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس جگہ قیام اتفاقی امر تھا کیونکہ ابورافع رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان وغیرہ انہیں کے سپرد تھا۔ اتفاق سے انہوں نے خیمہ وہاں نصب کر دیا پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اسی جگہ قیام کر لیا ''بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حج کے سنن اور اس کے مناسک کے تمام کرنے میں سے ہے''۔ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں فرمایا ''میں کل انشاء اللہ خیف بنی کنانہ میں قیام کروں گا جہاں کافروں نے قسم کھائی تھی اور عہد باندھا تھا کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے میل جول نہ رکھیں گے۔ ان سے مناکحت اور خرید و فروخت نہ کریں گے جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے سپرد نہ کریں۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محصب میں ارادۂ قیام فرمایا تا کہ شعار اسلام اس جگہ ظاہر ہو جہاں شعار کفر نمودار ہوا تھا۔ حق تعالیٰ کی نعمت کا شکر بجا لائیں اور غالب وجہ یہ ہے کہ (واللہ اعلم) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عشاء تک توقف و قیام فرمانا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عمرہ کرنے کے سبب سے ہو۔ اگر یہ وجہ نہ ہوتی تو ممکن ہے کہ اس سے بھی کمتر وقوف فرماتے۔

جب یہ بندہ ضعیف صاحب ایں تالیف (شیخ محقق رحمۃ اللہ) شیخ اجل اکرم عبدالوہاب متقی شاذلی قادری رحمۃ اللہ کی خدمت میں منیٰ سے محصب میں آیا تو نماز ظہر اس جگہ پڑھی۔ سو گئے اور نماز عصر بھی اسی جگہ پڑھی۔ فرمایا: اتباع سنت کی سعادت اور شرف میں اتنا ہی کافی ہے۔ یہ بات اہل عرب کے اسلوب میں فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کا کچھ حصہ اس جگہ آرام فرمایا اور جب بیدار ہوئے تو سوار ہو کر مکہ مکرمہ تشریف لائے اور طواف وداع فرمایا۔ غیر اہل مکہ پر یہ طواف واجب ہے اور اس طواف میں رمل نہ کیا مگر دو رکعت طواف کی پڑھیں۔ اس لیے کہ طواف کے بعد مطلقاً یہ واجب ہے۔ خواہ طواف واجب کا ہو یا نفل کا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی رات اجازت چاہی کہ عمرہ ادا کریں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی اور ان کے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ساتھ بھیجا تا کہ مقام تنعیم میں جو بیرون حرم ہے جا کر احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوں اور عمرہ پورا کریں۔ ابھی رات تمام نہ ہوئی تھی کہ عمرہ کے اعمال سے وہ فارغ ہو گئیں اور محصب میں لوٹ آئیں۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ کا اعلان فرمایا اور سب کوچ کر کے مدینہ منورہ روانہ ہو گئے اور جانب اسفل جسے ''کدا'' کہتے ہیں کا راستہ اختیار فرمایا۔ برخلاف اس راستہ کے جو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کیلئے اختیار فرمایا تھا جو کہ اعلائے مکہ ہے۔ جیسا کہ آپ کی عادت شریفہ تھی۔

داخل ہونے اور باہر نکلنے کیلئے مختلف راستہ اختیار کرنے میں بعض فضلاء فرماتے ہیں کہ جانب علو سے داخل ہونا بیت اللہ کی تعظیم اور علو شان کی وجہ سے تھا۔ جانب اسفل سے باہر نکلنا اس سے جدائی اور فرقت کے غم کی بنا پر تھا۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت بھی ایسی ہی تھی۔

طواف وداع کے وقت ملتزم میں موقوف فرمایا اور دعا مانگی۔ حدیث میں مروی ہے کہ کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو ملتزم میں کھڑی ہو اور دعا مانگے اور اپنی حاجت بارگاہِ رب العزت میں پیش کرے اور وہ پوری نہ ہو۔ ملتزم حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیانی جگہ کو کہتے ہیں۔ اس لیے اس جگہ لپٹا جاتا ہے اور ان دونوں کے مابین مسافت ایک باغ ہے۔ اس طرح کہ ایک ہاتھ باب کعبہ پر ہو اور دوسرا ہاتھ حجر اسود پر اور یہ التزام مستحب ہے کہ بعد از طواف وداع کرتے ہیں۔ نیز چاہ زمزم پر تشریف لے گئے اور خود بنفس نفیس اس سے ایک ڈول کھینچا اور نوش فرمایا اور بقیہ پانی چاہ زمزم میں ڈال دیا۔ وداع کے وقت الٹے قدم حسرت کے ساتھ گریہ کناں چلے۔ خانہ کعبہ سے وداع کے وقت یہی سنت ہے۔ صبح کی نماز کعبہ کے مقابل پڑھی اور نماز میں سورۂ والطور تلاوت فرمائی نماز کے بعد روانہ ہوئے۔ جب منزل روحا میں پہنچے تو رات کے وقت سواروں کی ایک جماعت دیکھی۔ انہیں سلام کیا اور فرمایا تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے کہا ہم مسلمان ہیں۔

آپ کون ہیں؟ فرمایا میں خدا کا رسول ہوں۔ اس کے بعد ایک عورت آئی اور اپنے بچہ کو لحفہ سے نکال کر سامنے لائی۔ عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس بچہ کا حج درست ہوگا؟'' فرمایا ''ہاں اس کا حج ہوگا اور تجھے بھی ثواب ہوگا۔ جب ذوالحلیفہ پہنچے تو رات وہاں قیام فرمایا اور صبح کو مدینہ روانہ ہوئے۔ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ مدینہ طیبہ میں چاشت کے وقت داخل ہوتے تھے اور سفر سے رات کے وقت گھر میں داخل ہونے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ اسے پسند فرمایا کرتے تھے کہ آنے والا پہلے کچھ چیز گھر بھجوائے تا کہ اس کے گھر والے اس کے آنے کی تیاری کریں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو دیکھا تو بہ تصور عظمت و کبریائے باری تعالے و ظہور آثار قدرت نامتناہی حق تعالیٰ عزوجلا اور اس بلدۂ طیبہ کے انوار و اسرار کے مشاہدے اور اس مقام عالی کی بزرگی و شرافت کے ملاحظہ سے تین مرتبہ تکبیر بلند فرمائی۔ اس کے بعد اپنی سنت مستمرہ کے مطابق جو اس شہر مقدس میں داخل ہونے کے وقت تھی اعانت و نصرت، تکمیل دین، اتمام نعمت، رجوع بخیر و عافیت اور امن و سلامتی کے ساتھ اپنے مکان میں پہنچنے پر شکرانہ ادا فرمایا۔ کہا:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ وَاَعَزَّهٗ فَلَا شَيْءَ بَعْدَهٗ.

پھر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ (والحمد للہ علیٰ اتمام النعمۃ والا تمام)

غدیر خم: واپسی کے وقت اثنائے راہ میں جب منزل غدیر خم میں پہنچے جو کہ جحفہ کے نواح میں مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان واقع ہے تو روئے انور صحابہ کی طرف کر کے فرمایا: اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اِنِّيْ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ. کیا تم نہیں جانتے کہ میں مسلمانوں میں ان کی جانوں سے زیادہ قریب و محبوب ہوں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ. نبی مسلمانوں میں ان کی جانوں سے زیادہ قریب و محبوب ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اس لفظ کو تین مرتبہ فرمایا۔ مطلب یہ کہ میں مسلمانوں کو حکم نہیں دیتا مگر اسی چیز کا جس میں ان کی صلاح و نجات اور ان کی دنیا و آخرت کی بھلائی مضمر ہے۔ بخلاف ان کے نفوس کے کہ وہ کبھی شر و فساد کو بھی چاہتے ہیں تمام صحابہ نے عرض کیا بلیٰ یعنی درست ہے کیوں نہیں۔ بلاشبہ آپ تمام مسلمانوں کی جانوں سے قریب اور محبوب تر ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا گویا مجھے اس جہاں میں بلایا اور میں نے اسے قبول فرمایا۔ آگاہ ہو جاؤ میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ جو ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے۔ ایک قرآن کریم ہے دوسری میری اہل بیت، دیکھو میرے بعد ان دونوں چیزوں میں احتیاط کرنا کہ کس طرح تم اِن سے سلوک کرتے ہو اور کیسے ان کے حقوق ادا کرتے ہو۔ یہ دونوں چیزیں میرے بعد ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گی۔ یہاں تک کہ تم حوض کوثر کے کنارے مجھ سے ملو۔ اس کے بعد فرمایا حق تبارک و تعالیٰ میرا مولیٰ ہے اور میں تمام مسلمانوں کا مولیٰ ہوں۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اَللّٰهُمَّ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ. اے خدا جس کا میں مولیٰ ہوں یہ علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے مولیٰ ہیں اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ اے خدا تو بھی اسے دوست رکھ جو ان کو دوست رکھے۔ دعا دمن عاداہ۔ اور دشمن رکھ اُسے جو علی رضی اللہ عنہ دشمن رکھے۔ ایک روایت میں اتنا زیادہ آیا ہے وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَهٗ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهٗ. مدد کر اس کی جس نے علی رضی اللہ عنہ کی مدد کی اور ذلیل کر اسے جس نے علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑا وادر الحق حیث دار اور حق کو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لازم کر جس طرف علی رضی اللہ عنہ ہوں۔ مروی ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملاقات کی اور فرمایا ''اے ابن ابی طالب، مبارک ہو اور خوشی ہو کہ صبح و شام اس حال میں تم کرتے ہو کہ ہر مرد و زن مومن کے تم مولیٰ ہو۔ اس حدیث کو امام احمد نے حضرت براء رضی اللہ عنہ ابن عازب اور زید بن رضی اللہ عنہ ارقم سے روایت کیا۔ (کذا فی المشکوٰۃ)

آ گاہ رہو کہ یہ حدیث مبارک حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی انتہائی فضل و تکریم میں ہے۔ مسلمانوں کو ان کے ساتھ محبت و داد کی ترغیب و تحریص اور ان کے ساتھ بغض و عداوت سے اعتراض و اجتناب میں ہے۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے وہی محبت کرے گا جو مومن ہوگا اور ان سے وہی دشمنی کرے گا جو منافق ہوگا۔ لیکن اس حدیث سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بنانے اور ان کو امامت پر نصب کرنے پر دلیل بنانے میں اہل سنت کے نزدیک کلام ہے۔ اور شیعہ امامت علی رضی اللہ عنہ میں نص قطعی کے ادعا کے ساتھ تمسک کرتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے دلیل لاتا کہ فرمایا: اَلَسْتُ اَوْلٰی بِکُمْ کیا میں تمہارا مولیٰ نہیں ہوں' اور اولیٰ کو امامت کے معنی دینا درست نہیں ہے اس کے معنی ناصر و محبوب کے ہیں۔ اگر یہ معنی نہ ہوں تو تمام صحابہ کو جمع کر کے ان سے خطاب فرمانے اور اس میں مبالغہ کرنے اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کیلئے دعا کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اس لیے کہ ہر صحابی خوب جانتا اور پہچانتا تھا کہ وہ صحابہ میں سے ایک فرد ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے اسے ایک جماعت نے مثلاً ترمذی' نسائی اور امام احمد نے روایت کیا ہے۔ اس کی سندیں بہت ہیں اور اسے صحابہ کی ایک جماعتِ کثیرہ نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں اس وقت گواہی دی جس وقت کہ ان کی خلافت کے زمانہ میں ان کے ساتھ نزاع واقع ہوا تھا اور اس کی بہت سی سندیں صحاح وحسان ہیں۔ جس نے اس کی صحت میں کلام کیا ہے اس کی طرف کوئی التفات نہیں ہے اور نہ اس قول کی طرف جو بعضوں نے زیادتی میں کہا ہے کہ وَالِ مَنْ وَالَاہُ۔ کہ یہ موضوع ہے' اور مذکورہ حدیث متعدد طریقوں سے وارد ہے جس کی امام ذہبی اور ان کے سوا بہت ساروں نے تصحیح کی ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر نے الصواعق المحرقہ میں بیان کیا ہے۔ حضرت شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہم شیعہ سے بطریق الزام کہتے ہیں کہ انہوں نے بھی دلیل امامت میں تواتر کے معتبر ہونے پر اتفاق کیا ہے اور شیعہ کہتے ہیں کہ جب تک حدیث متواتر نہ ہو اس سے صحت امامت پر استدلال نہیں کر سکتے اور یہ یقینی بات ہے کہ یہ حدیث متواتر نہیں ہے۔ باوجود خلاف اس کی صحت میں اگر چہ وہ خلاف مردود ہو بلکہ اس اختلاف میں بعض ائمہ حدیث سے طعن کیا گیا ہو اور انہوں نے عدل کیا ہو کیونکہ اس امر میں اہل سنت کے ساتھ رجوع ہے۔ (مثلاً ابوداؤد سجستانی اور ابوحاتم رازی وغیرہ کے) انہوں نے اسے ان متفقہ حافظان حدیث سے روایت نہیں کیا جنہوں نے ہمارے شہر و امصار میں طلب حدیث کیلئے چکر کاٹے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کی ہیں جیسے کہ بخاری و مسلم اور واقدی وغیرہ جو کہ اکابر محدثین میں سے ہیں۔ یہ بات اگر چہ حدیث کی صحت میں مخل نہیں ہے لیکن دعویٰ تواتر یا اس کی مانند اور دعویٰ کرنا اعجب (عجائب میں سے) ہے۔ یہ شیعہ امامت کی حدیث میں تواتر کو شرط قرار دیتے ہیں اور اہل سنت و جماعت اس مقام میں انہیں کا کلام ان پر رد کرتے ہیں۔ الصواعق المحرقہ میں اس کی بحث بڑی طویل ہے ہم نے اس میں تھوڑا سا بطریق اختصار نقل کر دیا ہے۔ شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہمیں تسلیم نہیں کہ اس جگہ مولیٰ کے معنیٰ حاکم و والی کے ہیں۔ بلکہ بمعنی محبوب و ناصر کے ہیں اور لفظ مولیٰ متعدد معنیٰ میں مشترک ہے۔ جو کہ معتق' عتیق' متصرف فی الامر ناصر اور محبوب کے معنیٰ میں ہیں اور معانی مشترکہ میں کسی معنی کا تعین و خاص کرنا بغیر دلیل کے اعتبار نہیں رکھتا۔ ہم اور شیعہ دونوں محبوب و ناصر کے معنیٰ لینے پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ بلاشبہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہمارے سیّد' ہمارے ناصر اور ہمارے حبیب ہیں۔ سیاق حدیث بھی اس معنیٰ پر ناظر ہے' لفظ مولیٰ کا امام کے معنے میں ہونا لغت میں معلوم و معہود نہیں ہے اور نہ شریعت میں ہے اور کسی ائمہ لغت نے بھی بیان نہیں کیا۔ یہ کہ مفعل بمعنی افعل آتا ہے۔ یہی کہا جاتا ہے کہ یہ چیز فلاں چیز سے ادنیٰ ہے اور یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ اس سے مولیٰ ہے لہٰذا موالات پر تنصیص سے غرض' حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغض و عناد رکھنے سے پرہیز و اجتناب پر تنبیہ ہے۔ اس لیے کہ اس پر تنصیص واقرتر اور موکدتر ہے اور اس میں ان کی بزرگی و شرافت کی زیادتی ہے۔ اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں صادر فرمایا کہ اَلَسْتُ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ اور اسی بنا پر دعا بھی فرمائی اور

بعض طرق میں ذکر اہل بیت نبوت عموماً اور ذکر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خصوصاً آیا ہے۔ جیسا کہ طبرانی وغیرہ نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ اور یہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ مراد ان کی محبت پر برانگیختہ کرنا اور ترغیب و تاکید فرمانا ہے۔ نیز مروی ہے کہ اس حدیث کے وارد ہونے کا سبب یہ ہے کہ جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن میں تھے تو بعض امور میں ان سے کسی کو شکایت و اعتراض پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ ایسا حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ اسلمی کی طرف سے ہوا تھا جن کا تذکرہ یمن کی جانب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جیش کو بھیجنے کے سلسلہ میں حجتہ الوداع سے پہلے گزر چکا ہے اور صحیح بخاری میں مروی ہے اور انہوں نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے انور متغیر ہوا اور فرمایا اَلَسْتُ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ. الحدیث اور صحابہ کو بھی جمع فرمایا اور اس باب میں تاکید فرمائی اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو گئے''۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں تسلیم ہے کہ مولیٰ بمعنی اولیٰ ہے لیکن کہاں سے لازم آتا ہے کہ اولیٰ با امامت مراد ہو۔ بلکہ تقرب و اتباع جیسا کہ قرآن مجید میں حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ. اور دلیل قطعی ہے بلکہ ظاہر ہے کہ اس کی نفی پر ہم احتمال نہیں رکھتے اور اگر ہم اولیٰ با امامت بھی تسلیم کریں تو فی الحال امامت پر دلیل نہیں ہے۔ بلکہ بالآخر اپنے وقت میں جب وہ امام بنیں گے تو ہماری بیعت ان کے ساتھ ہو گی اور ائمہ ثلثہ کی تقدیم اجماع سے ثابت ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اس اجماع میں داخل ہیں اور اس کے سوا ان قرائن کے ذریعہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر مصرح ہیں۔ کس طرح امامت پر نص ہو گی حالانکہ اس کی ضرورت کے وقت حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے نہ تو حجت پیش کی اور نہ ان کے سوا کسی اور نے۔ بلکہ حضرت علی مرتضیٰ نے (مجلس مشورت میں شریک نہ کیے جانے پر) احتجاج فرمایا۔ لہٰذا ان کا سکوت ایام خلافت میں احتجاج سے اس پر دلیل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت پر ان کے پاس کوئی نص نہیں ہے۔ اس کے باوجود حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت پر نہ اپنے حق میں کوئی نص موجود ہے اور نہ کسی اور کی خلافت کیلئے۔ جیسا کہ اخبار صحیحہ میں آیا ہے کہ لوگوں نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ آپ سے جو اس قدر قتال و جراٗت معرض وجود میں آئے کیا اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کوئی نص ہے یا کوئی چیز ایسی ہے جو اپنی رائے اور اجتہاد سے کر رہے ہیں۔ فرمایا: اس باب میں کوئی نص موجود نہیں ہے لیکن چونکہ اس سے پہلے زمانہ میں امور دین و ملت، نظم و نسق اور اسباب اجرائے احکام مربوط و محکم تھے۔ اس لیے میں نے تعرض نہ کیا اور میں ان سے راضی رہا۔ جب میں نے دیکھا کہ دین و ملت کے معاملات اور نظم و نسق درہم برہم ہو گیا ہے تو برعایت لوگوں کی خیر خواہی اور تقویت دین کی خاطر یہ سب کچھ کیا۔ کیونکہ یہ وقت صبر کرنے اور تغافل کرنے کا نہ تھا (واللہ اعلم)

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مرض موت میں آئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے امر یعنی خلافت کو مانگیں اگر یہ ہم میں ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بتا دیں گے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے کہا میں نہیں مانگوں گا مجھے ڈر ہے کہ میں مانگوں اور وہ منع نہ کر دیں۔ (الحدیث)

اگر غدیر خم کی حدیث حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی امامت میں نص ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے کی کیا حاجت تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ''اگر یہ امر ہم میں ہوا تو ہم اسے جان لیں گے'' باوجود یہ کہ غدیر خم کے دن کو تقریباً دو ماہ گزرے تھے اور یہ جائز ماننا کہ تمام صحابہ یوم غدیر کے قضیہ کو فراموش کر گئے تھے

اور باوجود علم کے اس واقعہ کو انہوں نے چھپایا تھا۔ یہ باتیں اس قبیل سے ہیں جس کو عقل جائز نہیں رکھتی۔

یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم کے دن خطبہ دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق کو آشکارا فرمایا کہ اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ یعنی میرے بعد دین میں تم سب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرنا۔ بلاشبہ یہ ثابت شدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اہل بیت کی مؤدت اور ان کی محبت و اتباع پر لوگوں کو شوق دلایا اور محبت اور خلافت کے درمیان فرق ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ صحابہ اس نص کو جانتے تھے لیکن انہوں نے اس کی پیروی نہ کی۔ اور امیر المؤمنین کے ساتھ ظلم و عناد اور مکابرہ کا اظہار کیا اور اطاعت نہ کی اور امیر المومنین نے جو ترک طلب اور احتجاج کیا وہ تقیہ کی بنا پر تھا۔ حضرت شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کذب و افترا ہے اس لیے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پوری قوت رکھتے تھے اور بے اندازہ کثرت رکھتے تھے اور ان کی شجاعت و بسالت کا تو کیا کہنا۔ ان تمام حقائق کے باوجود اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نص سنی ہوتی پھر اس سے وہ حجت نہ لائیں اور اس پر عمل نہ کریں یہ محالات میں سے ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث ''الایمۃ من قریش'' سے استدلال فرمایا تو کیوں نہ فرمایا کہ ہاں بات یوں ہے۔ لیکن اگر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خصوصیت پر نص واقع ہوتی تو اس حدیث سے استدلال کرنا مفید نہ رہتا۔ بیہقی نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ روافض کا بنیادی عقیدہ گمراہ کرنا ہے اور روافض صحابہ کی تکفیر کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ گنتی کے چند آدمیوں کے سوا تمام صحابہ کافر ہو کر دنیا سے گئے ہیں۔ قاضی ابوبکر باقلانی نے فرمایا کہ روافض نے جو مذہب اختیار کیا ہے اس سے پورا دین اسلام باطل ٹھہرتا ہے اس لیے کہ جب نصوص کا چھپانا صحابہ کی خصلت ٹھہری اور ابتدائے احکام اسلام میں ظلم و افترا' کذب و خیانت' نفسانی اغراض کے تحت ان سے سرزد ہوا تو اور بھی جو کچھ احادیث و اخبار ان سے مروی ہوئی ہیں وہ سب ہی باطل قرار پاتی ہیں اور ناقابل اعتبار ٹھہرتی ہیں بلکہ یہ منقصت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہوتی ہے کہ (معاذ اللہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ایسے لوگ نکلے اور خود علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے بھی اپنے حق کی طلب میں بزدلی اور تقصیر دکھائی اور ایسے لوگوں کی تائید کی۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْھَا وَ لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الخبثاء الروافضۃ) یہ کلام شیخ ابن حجر کا الصواعق المحرقہ میں ہے وہی کافی ہے۔ (واللہ اعلم)

جیش جریر بن عبداللہ بجلی بسوئے ذی الکلاع: اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذی الکلاع بن کور بن حبیب بن مالک بن حسان بن تبع کی جانب بھیجا جو طائف کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا اور خلق کثیر خدا جان کر اسے پوجتی اور اس کی پیروی کرتی تھی۔ ابھی جریر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے کوچ نہ کیا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی اور ذی الکلاع حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک رہا۔ مواہب لدنیہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی حضرت جریر کے دست حق پر ایمان لا چکا تھا۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبداللہ بجلی کو ذی الکلاع اور ذی عمرو کی طرف بھیجا تاکہ انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ وہ سب مسلمان ہو گئے اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ ان کے پاس رہے۔ لیکن روضۃ الاحباب میں ہے کہ وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ تک کفر پر قائم رہا۔ فاروق اعظم کی خلافت کے دنوں میں مدینہ منورہ آیا اس وقت اس کے ساتھ اٹھارہ ہزار غلام تھے۔ وہ اپنے تمام غلاموں کے ساتھ ایک ساتھ مسلمان ہوا اور ان میں سے اس نے چار ہزار کو آزاد کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے ذوالکلاع جتنے تیرے غلام باقی ہیں ان کو میرے ہاتھ فروخت کر دے ان کی دو دانگ قیمت تو اسی وقت نقد دیتا ہوں اور دو دانگ یمن کو لکھتا ہوں اور دو دانگ شام کو لکھتا ہوں۔'' ذوالکلاع نے کہا ''آج کی مجھے مہلت دیجئے تاکہ غور کر لوں''۔ پھر جب وہ اپنی قیام گاہ پر آیا تو بقیہ تمام

غلاموں کو آزاد کر دیا۔ دوسرے دن جب امیر المومنین کی مجلس شریف میں آیا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''غلاموں کے بارے میں تیری رائے کیا قرار پائی اس نے کہا'' حق تعالیٰ نے ان کیلئے جو بہتر کیا تھا میں نے اس کو اختیار کیا۔'' دریافت فرمایا'' وہ کیا چیز ہے؟'' کہا'' سب کو خدا کی راہ میں آزاد کر دیا'' حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کی تحسین وتصویب فرمائی۔ اس کے بعد اس نے کہا'' اے امیر المومنین میرا ایک گناہ بہت بڑا ہے اور میرا خیال ہے کہ حق تعالیٰ اسے نہیں بخشے گا۔'' فرمایا'' کونسا گناہ ہے؟'' اس نے کہا'' ایک دن ایک جماعت میری پرستش کر رہی تھی۔ میں چھپ گیا۔ اس کے بعد اپنے آپ کو ایک جگہ انہیں دکھایا جب انہوں نے مجھے دیکھا تو قریب ایک لاکھ آدمیوں نے مجھے سجدہ کیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' خالص توبۃ النصوح اور بارگاہِ حق کی طرف انابت اور دل سے گناہ کو نکال پھنکنا' حق تعالیٰ سے مغفرت کی امید کا سبب ہے۔ اگرچہ گناہ کتنا ہی بڑا اور کثرت سے ہوں۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ جب وہ مسلمان ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ اس نے حکومت چھوڑ دی ہے اور ایک درہم تھوڑا سا گوشت اپنے گھوڑے کی جھول میں لٹکایا ہوا ہے۔ یہ اشعار پڑھتا جاتا ہے۔

أف للدنيا اذا كانت كذا — انا منها كل يوم في اذى

ولقد كنت اذا قيل من — انعم الناس معاشا قيل اذ

ثم بدلت و يعشي شقوه — جندا هذا شقا وجذا

روضۃ الاحباب میں ایسا ہی بیان کیا گیا ہے اور ذی الکلاع کو طائف کے ملوکوں میں سے شمار کیا ہے۔ لیکن جوہری نے صحاح میں یمن کے بادشاہوں میں سے کہا ہے۔ قاموس میں ہے کہ ذوالکلاع اکبر زید بن النعمان ہے اور اصغر سمیع بن ناکور بن یعفر بن ذی الکلاع الاکبر ہے۔ یہ دونوں یمن کے علاقہ کے ہیں۔ تکلع کے معنی تحالف اور تجمع کے ہیں اور اسی سبب سے اس کا نام ذوالکلاع الاصغر رکھا گیا۔ کیونکہ حمیر قبیلہ اس کے ہاتھ پر مجتمع تام ہو گیا تھا اور دو قبیلے ہوازن اور فرزاز بھی ذی الکلاع الاکبر کے ہاتھ پر مجتمع ہوئے تھے۔ کہا کہ تابعو ملوک یمن میں سے ایک ہے اور تبع نام ہی اس وقت رکھا جاتا ہے جبکہ اس کے تحت حمیر اور حضرموت ہو اور حق تعالیٰ کے ارشاد: اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ کی تفسیر میں مروی ہے کہ تبع حمیری نے بہت سے شہروں اور لشکروں کی سیر کی اور سمرقند کو آباد کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ سمرقند کو ویران کیا۔ وہ خود تو مومن تھا مگر اس کی قوم کافر تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ فرمایا'' میں نہیں جانتا کہ تبع نبی تھا یا نہیں'' یمن کے بادشاہوں کو تبابعہ کہتے ہیں۔ جس طرح کہ اقیال بولا جاتا ہے۔ تبع کے کچھ حالات تاریخ مدینہ طیبہ میں لکھے گئے ہیں۔

حضرت ابراہیم بن رسول اللہ کی وفات: اسی سال حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ اس دن آفتاب کو گہن لگ گیا تھا چنانچہ لوگوں نے کہا کہ آفتاب کا گہنا نا ان کے انتقال کے سبب سے ہے۔ کیونکہ ان میں سے مشہور تھا کہ سورج گہن کسی عظیم حادثہ کے سبب ہی واقع ہوتا ہے۔ مثلاً عظیم شخصیت کی موت سے یا اس کی مانند کسی عظیم حادثہ سے' جب یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک میں پہنچی تو آپ نے فرمایا'' سورج اور چاند خدا کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ جو حق تعالیٰ کی قدرت وجبرت پر دلالت کرتی ہیں اور جو اہل بصیرت کیلئے عبرت کا موجب ہے کہ ایک ساعت میں ان دونوں کی نورانیت اور ان کی چمک دمک کو (جن سے روئے زمین روشن ہوتی ہے) سلب کر کے تاریک وسیاہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح وہ قادر ہے کہ آدمیوں سے ان کے ایمان وعلم کے نور کو سلب کر لے اور انہیں تاریک کر دے۔ کسی کی موت وحیات کا اس میں دخل نہیں ہے۔ پھر جب دیکھو کہ یہ مسلوب و منکسف ہو گئے ہیں تو خدا کو یاد کرو۔ صدقہ وخیرات کرو اور غلاموں کو آزاد کرو۔ روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات دسویں محرم یا دسویں ربیع الاول کو ہوئی۔

صورت بشری میں جبرائیل علیہ السلام کی آمد: اسی سال حضرت جبرائیل علیہ السلام خوبصورت انسان' سیاہ بالوں والے' سفید لباس پہنے نہایت حسین وجمیل شکل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف میں نمودار ہوئے۔ اس طرح کہ تمام حاضرین مجلس حیرت وتعجب میں رہ گئے۔ آکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوزانوں ہو کے بیٹھے اور اپنے دونوں ہاتھ نکال کر یا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں زانوئے اقدس پہ یا اپنے دونوں زانوں پر رکھے۔ حدیث میں دونوں معنی کا احتمال ہے اور انہوں نے اسلام' ایمان' احسان' قیامت اور اس کی نشانیوں کے بارے میں سوال کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کا جواب عنایت فرمایا۔ اس کے بعد وہ مجلس شریف سے چلے گئے۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اسے تلاش کرو۔ صحابہ باہر نکلے اور بہت تلاش کیا مگر نہ پایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' یہ جبرائیل علیہ السلام تھے جو تمہیں سکھانے کیلئے آئے تھے۔ اس حدیث کو حدیث جبرائیل علیہ السلام بھی کہتے ہیں اور کتب احادیث میں مذکور ومسطور ہے اور اول کتاب مشکوٰۃ المصابیح میں بھی مذکور ہے۔ اس جگہ اس کی شرح کی ضرورت نہیں ہے۔

ہجرت کے گیارہویں سال کے واقعات

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری' وفات اور دیگر متعلقات کا ذکر: ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو بعض اشقیاء وجہال کو دعوائے نبوت کا خبط سمایا۔ چنانچہ مسیلمہ بن ثمامہ' اسود بن کعب عنسی' طلیحہ بن خویلد اسدی اور ایک عورت جس کا نام سجاح بنت الحارث بن سوید تمیمیہ تھا انہوں نے دعوائے نبوت کیا۔

مسیلمہ کذاب: ان بدبختوں میں مسیلمہ بہت مشہور شقی تھا۔ اسے مسیلمہ کذاب کہا جاتا ہے اور یہ خود کو رحمٰن الیمامہ کہلواتا تھا۔ اس لیے کہ وہ کہتا تھا کہ جو شخص مجھ پر وحی لاتا ہے اس کا نام رحمٰن ہے اور ظاہر یہ ہے کہ خود کو رحمٰن جاہلوں سے کہلواتا تھا وہ نادان تھے۔ کیونکہ یہ نام حضرت رب العزت جل جلالہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ ملعون بہت بوڑھا انتہائی مکار اور حیلہ جو تھا۔ پیچھے دسویں سال میں گزر چکا ہے کہ یہ بنی حنیفہ کے وفد کے ساتھ مدینہ منورہ آیا تھا جب اس کی قوم مجلس شریف میں آئی تھی اور مسلمان ہوئی تو اس نے تخلف کیا۔ کہا کہ'' اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اپنے بعد خلیفہ بنادیں تو میں مسلمان ہو جاؤں اور ان کی متابعت کرلوں'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس ملعون کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور اس کے سر پر استادہ ہوئے۔ اس وقت آپ کے دست اقدس میں کھجور کی ایک شاخ تھی فرمایا اگر تو مجھ سے اس شاخ کو بھی مانگے تو میں تجھے نہ دوں بجز اس کے جو مسلمانوں کے بارے میں حکم الٰہی ہے اور فرمایا'' اگر تو میرے بعد زندہ رہا تو تجھے حق تعالیٰ ہلاک فرمائے گا'' یہ ارشاد اس خواب کی تعبیر میں تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا تھا آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے دونوں دست مبارک میں دو سونے کے کنگن ہیں۔ اس سے آپ غمگین ہوئے تھے پھر حکم آیا کہ آپ ان پر دم فرمائیں۔ آپ نے ان پر دم فرمایا تو وہ دونوں ناپید ہوگئے' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ دو کذاب ہوں گے ایک یمامہ کا اور دوسرا صنعاء کا۔ یعنی ایک تو یہی مسیلمہ کذاب کا تھا اور دوسرا اسود عنسی۔

ایک روایت میں آیا یہ ملعون دائرہ اسلام میں آگیا تھا جب مسیلمہ اپنے علاقے میں لوٹا تو مرتد ہوگیا۔ نبوت کا ادعا کیا اور شراب وزنا کو حلال کرکے نماز کی فرضیت کو ساقط کیا مفسدوں کی ایک جماعت اس کی مطیع ومنقاد ہوگئی۔ اس نے ایک خط حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اس میں لکھا کہ مِنْ مُسَيْلَمَةَ رَسُوْلِ اللهِ اِلٰى مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللهِ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْاَرْضَ لَنَا نِصْفٌ وَّلِقُرَيْشٍ نِّصْفٌ وَّلٰكِنْ قُرَيْشًا يَعْتَدُوْنَ. آدھی زمین مسیلمہ کیلئے ہے اور آدھی قریش کیلئے لیکن قریش زیادتی کرتے ہیں'' جب یہ خط

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو جواب میں تحریر فرمایا: مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ اِلٰی مُسَیْلَمَۃِ الْکَذَّابِ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ اما بعد جان لے کہ بلا شبہ زمین کا بعد کو جسے خدا چاہے گا وارث ہوگا اور عاقبت متقوں کے کیلئے ہے" اس کے بعد مسیلمہ کذاب کفر پر اصرار کرتا رہا۔ نامطبوع سجع اور مکروہ ہذیانات۔ قرآن کریم کے مقابل باندھتا رہا جو عقلائے عالم کے نزدیک مضحکہ خیز بنیں اور علم میں بھی نیرنگی' شعبدے' عجیب وغریب کارنامے دکھاتا رہا اور جو کچھ بھی وہ دکھاتا خوارق ومعجزات کے برعکس اور اس کے مدعا کے برخلاف ہوتا۔ چنانچہ وہ اگر کسی کیلئے درازی عمر کی دعا کرتا تو وہ اسی وقت مر جاتا اور اگر کسی کیلئے آنکھوں میں روشنی کی دعا کرتا تو وہ اسی وقت اندھا ہو جاتا۔ جب اس نے یہ سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مضمضہ فرما کر اس پانی کو کنویں میں ڈالتے ہیں جس سے وہ پانی زیادہ اور شیریں ہو جاتا ہے۔ جب اس نے بھی ایسا کیا تو کنویں کا پانی زمین میں اتر جاتا اور وہ کنواں کھارا اور کڑوا ہو جاتا۔ لوگ ایک بچہ اس کے پاس لائے اس نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر پھیرا وہ گنجا ہو گیا۔ ایک بچہ کے حلق میں اس نے انگلی ٹھونسی تو اس کی زبان پھٹ گئی۔ ایک مرتبہ کسی باغ میں اس نے اپنا سیاہ منہ دھویا اور اس کا پانی وہاں چھڑکا وہاں پھر کبھی گھاس نہ اگی۔ دستور خداوندی یہی ہے کہ جھوٹے کے ہاتھ پر خوارق مدعا کے موفق ظاہر نہیں ہوتے۔ ایک شخص اس کے پاس گیا اس نے کہا کہ میرے دولڑکے ہیں ان کی خیر و برکت کی دعا کیلئے ہاتھ اٹھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ جب وہ شخص گھر پہنچا تو اس کے ایک لڑکے کو تو بھیڑیئے نے پھاڑ ڈالا تھا اور دوسرا کنویں میں گر گیا تھا۔ ان لوگوں پر تعجب ہے کہ ملعون کے ایسے کرتوتوں کے مشاہدے کے باوجود اس کے پیچھے لگ گئے۔ اس سے بیزار نہ ہوئے چونکہ جاہلوں کی اس جماعت میں غرض کے بندے تھے اور دنیاوی اغراض کے ماتحت اس کے پیچھے لگ گئے تھے۔ چنانچہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جہاں سے تشریف لے گئے تو اس کا کاروبار چمک گیا اور ایک لاکھ سے زائد جہال اس کے گرد جمع ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت کے آخر میں یہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا جبکہ اس وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ چوبیس ہزار مسلمانوں کا ایک لشکر تھا۔ ان کے مقابلہ میں مسیلمہ کے چالیس ہزار جنگی آدمی مقابل آئے فریقین میں خوب شدت کی جنگ ہوئی اگرچہ شروع میں مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے تھے مگر آخر میں بحکم اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی. دشمنوں نے شکست کھائی اور وہ بھاگے۔ مسلمانوں کی ایک جماعت نے ان کا تعاقب کیا اور وہ وحشی جو قاتل حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب تھے۔ مسیلمہ کے قریب پہنچے اور وہ حربہ جس سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تھا اس پر پھینکا اور اسے جہنم رسید کیا۔ اس وقت انہوں نے کہا: اَنَا قَاتِلُ خَیْرِ النَّاسِ فِی الْکُفْرِ وَاَنَا قَاتِلُ شَرِّ النَّاسِ فِی الْاِسْلَامِ.

اسود عنسی مدعی نبوت: دوسرا مدعی نبوت اسود عنسی ہے جو عنس بن قدج سے منسوب تھا۔ اس کا دوسرا نام عیلہ تھا اور اسے ذوالخمار (بخا) بھی کہتے ہیں۔ خمار کے معنی دوپٹہ کے ہیں چونکہ یہ اپنے منہ پر دوپٹہ ڈالا کرتا تھا۔ بعض اس ذولحمار کو حاء کے ساتھ بتاتے ہیں اور اس کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ وہ کہتا تھا جو شخص مجھ پر ظاہر ہوتا ہے وہ گدھے پر سوار ہوتا ہے۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ وہ ایک کاہن تھا اور اس سے عجیب وغریب باتیں ظاہر ہوتی تھیں۔ وہ لوگوں کے دلوں کو اپنی چرب زبانی سے گرویدہ کر لیتا تھا اور اس کے ساتھ دو ہمزاد شیطان تھے۔ جس طرح کاہنوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور ان کو زمانہ اور خبریں لاکے بتاتے ہیں۔ اس ملعون کا پورا قصہ اس کی ابتداء اور انجام کار یہ ہے کہ باذان جو ابنائے فارس سے تھا اور کسریٰ کی جانب سے یمن کا حاکم تھا اس نے آخر میں توفیق اسلام پائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باذان کو صنعا کی حکومت پر یمن میں برقرار رکھا جب اس نے وفات پائی تو اس کی مملکت کو تقسیم فرما کے کچھ اس کے بیٹے شہر بن باذان کو دیا' کچھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور کچھ حضرت معاذ

بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرحمت فرمایا۔ جیسا کہ گزر چکا ہے پھر اسود عنسی نے خروج کیا اور نبوت کا مدعی بنا۔ اپنے لشکر کے ساتھ اہل صنعا پر غالب آیا اور وہ مملکت اپنے قبضہء تصرف میں لے آیا۔ شہر بن باذان کو قتل کر دیا اور مرزبانہ کی جو شہر بن باذان کی بیوی تھی اس کی خواستگاری کی۔ فردہ بن مسیک نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے وہاں کے عامل تھے اور قبیلہ مراد سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط لکھا جس میں تمام حالات اور واقعات کو بیان کیا۔ حضرت معاذ بن جبل اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما جو اس نواح میں تھے باہمی اتفاق رائے سے حضرت موت چلے گئے۔ جب یہ خبر بارگاہِ رسالت میں پہنچی تو اس جماعت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کہ متفقہ طور سے جس طرح بھی ممکن ہو اسود عنسی کے شر و فساد کے دفع کرنے کی کوشش کریں اور مادۂ فساد کا استیصال کریں۔ اس پر تمام فرمانبرداران نبوت ایک جگہ جمع ہو گئے اور مرزبانہ کو پیغام بھیجا کہ یہ یعنی عنسی وہ شخص ہے جس نے تیرے باپ اور تیرے شوہر کو قتل کیا ہے اس کے ساتھ تیری زندگی کیسے گزرے گی؟ اس نے کہا ''میرے نزدیک یہ شخص دشمن ترین مخلوق خدا ہے'' اس پر مسلمانوں کی جماعت نے پیغام بھیجا کہ جس طرح تمہاری سمجھ میں آئے اور جیسے بھی ممکن ہو اس ملعون کے استیصال کی تدبیر کرو''۔ چنانچہ مرزانہ نے فیروز دیلمی کو جو مرزبانہ کے چچا کا بیٹا اور نجاشی کا بھانجا تھا اور وہ دسویں سال میں آ کر مسلمان ہو گیا تھا۔ ایک اور شخص کو جس کا نام دادویہ تھا آمادہ کیا کہ رات کے وقت دیوار میں نقب لگا کے اسود کی خواب گاہ میں داخل ہو کر اسے قتل کر دیں جب وہ مقررہ رات آئی تو مرزبانہ نے اسود کو خالص شراب بہت زیادہ پلا دی یہاں تک کہ وہ مدہوش ہو کر سو گیا۔ وہ اپنے دروازہ پر ایک ہزار پہرے دار رکھتا تھا۔ فیروز دیلمی نے ایک جماعت کے ساتھ دیوان خانہ میں نقب لگائی اور اس بد بخت کے سر کو تن سے جدا کر دیا اسے ذبح کرنے کے دوران بڑی شدید آواز گائے کے ڈکارنے کی مانند اس کے منہ سے نکلی پہریداروں نے جو یہ آواز سنی تو اس کی طرف دوڑے مرزبانہ گھر سے نکل کے ان کے سامنے آ گئی اور کہا خاموش رہو۔ کیونکہ تمہارے نبی پر وحی آئی ہوئی ہے۔

جب صبح ہوئی اور موذن کو اس حالت کی اطلاع ملی تو اس نے اذان میں ''اشهد ان محمد الرسول الله'' کے بعد ''واشهد ان عيله كذاب'' بڑھا کر کہا' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال نے اس کی خبر بارگاہِ رسالت میں بھیجی۔ مگر یہ خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت فرمانے کے بعد مدینہ منورہ میں پہنچی۔ لیکن رحلت فرمانے سے یک شبانہ روز پہلے واقعہ کی کیفیت وحی کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گئی تھی اور فرما دیا تھا کہ آج رات اسود عنسی مارا گیا ہے اور ایک مرد مبارک نے اس کی اہل بیت میں سے اسے قتل کیا ہے۔ اس کا نام فیروز ہے اور فرمایا ''فاز فیروز'' فیروز کامیاب ہوا۔

بعض ارباب سیر نے بیان کیا ہے کہ اس ملعون کا قتل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوا ہے۔ جبکہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابوجہل کو مسلمانوں کی ایک فوج پر امیر مقرر کر کے بھیجا تھا۔ اس واقعہ میں بھی اسود کا قتل فیروز رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ہے۔ لیکن اکثر محدثین اور علماء سیر کا خیال وہی ہے جو پہلے مذکور ہوا۔

طلیحہ خویلد اسدی مدعی نبوت: طلیحہ بن خویلد قبیلہ بنی اسد سے تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد خروج کیا اور عروج پایا۔ عیینہ بن حصین فرازی جس کا ذکر پہلے غزوۂ حنین و ہوازن میں آ چکا ہے اور وہ قبیلہ فرازہ سے تھا مرتد ہو کر اسلام سے منحرف ہو کر طلیحہ کا گرویدہ بن گیا۔ طلیحہ دعویٰ کرتا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام اس پر آتے ہیں اور وحی لاتے ہیں۔ پہلا استدراج جو اس سے صادر ہوا اور جس کے سبب لوگ گمراہ ہوئے یہ تھا کہ ایک روز یہ اپنی قوم کے ساتھ سفر میں تھا۔ ان کے ساتھ پانی نہ تھا تشنگی ہو گئی اس نے کہا: اِرْكَبُوْا اَعْلَا لًا وَاخْرِبُوْا اَمْيَالًا تَجِدُوْا بَلَالًا سوار ہو گھوڑوں پر اور چند میل سفر کرو تو قوم پانی کو پا لے گی' قوم نے ایسا کیا اور پانی پا لیا۔ اس وجہ میں بدوی لوگ فتنہ میں پڑ گئے۔ جب یہ خبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو ایک لشکر تیار کر کے حضرت

خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر مقرر کر کے طلیحہ کی جانب بھیجا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روانہ ہوئے یہاں تک کہ قبیلہ طی پہنچے اور دو پہاڑوں کے درمیان کوہ سلمیٰ اور اجاہ کے درمیان لشکر کو ٹھہرایا اور وہ قبائل جو گردونواح میں اسلام پر قائم تھے ان کے ساتھ آ کے شامل ہو گئے اور سب نے مل کر دشمنوں سے جنگ کی۔ لشکر فرازہ نے راہ فرار دکھائی اور عینیہ بن حصین فرازی کو اس کا کذاب معلوم ہوا۔ وہ بھی فرازہ کے ساتھ بھاگ گیا اور طلیحہ بھی واپس آیا اور مسلمان ہو گیا اور نہاوند کی جنگ میں شہادت حاصل کی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

سجاح بنت الحارث مدعیہ نبوت: چوتھی مدعیہ نبوت سجاح بنت الحارث بن موید بنی یربوع کی ایک عورت تھی جو بنی تغلب میں نبوت کا دعویٰ کرتی تھی۔ ایک جماعت اس کی گرویدہ ہو گئی تھی' اس کا زمانہ ومسکن مسیلمہ کذاب کے قریب تھا اور ایک گروہ اس کے موافق بن گیا تھا۔ مسیلمہ ڈرتا تھا کہ اگر اس سے معترض ہوا تو مبادا وہ قبائل جو اس کے گردونواح میں ہیں اور اس سے متفق ہیں تمام یمامہ پر غالب نہ آ جائیں۔ اس بنا پر تحفے اور ہدایا سجاح کے پاس روانہ کیے۔ اس سے ملاقات کی استدعا کی اور کہا کہ کچھ مخفی باتیں ہیں جو آمنے سامنے کہی جائیں گی۔ سجاح نے حکم دیا کہ خیمہ لگایا جائے' چنانچہ خیمہ لگایا گیا' طرح طرح کے عطریات خوشبویات' فرش وفروش اور برتنوں سے خیمہ سجایا گیا۔ پھر مسیلمہ اس جگہ پہنچا اور دونوں خیمہ میں داخل ہوئے۔ ہر باب میں باہمی گفتگو ہوئی' مسیلمہ نے اپنے ہذیانات اور مخترعات کو اس کے سامنے رکھا اور کہا کہ بہتر ہو گا کہ ہم میں مناکحت کی نسبت پیدا ہو جائے۔ جو کچھ مسیلمہ نے کہا'' سجاح نے یقین جانا اور اس کی نبوت کو برقرار رکھا اور تین روز دونوں ایک ساتھ رہے اور تعجب نہیں کہ ان تین دنوں میں ایک دوسرے سے زنا کیا ہو۔ بعد عقد مناکحت' سجاح اپنی قوم میں چلی گئی اور مسیلمہ اپنی ٹولی میں جاملا۔ سجاح کی قوم نے پوچھا ''تیرا قصہ کیا ہوا؟'' اس نے کہا '' کہ اس کی نبوت کی حقیقت مجھ پر ظاہر ہوئی اور میں اس کے نکاح میں داخل ہو گئی لوگوں نے پوچھا مہر کیا قرار پایا ہے؟'' اس نے کہا '' مہر کے تعین کی فرصت نہ ملی'' لوگوں نے کہا ''بغیر مہر کے تو نکاح نہیں ہوتا۔ جاؤ مہر معین کرو'' اس پر سجاح مسیلمہ کے پاس آئی اور طلب تعین مہر کیا'' اس نے کہا ''یمامہ کا نصف غلہ تجھے سونپنا ہو گا اور اس پر مزید یہ کہ صبح کی اور عشاء کی نماز تیری اُمت پر تخفیف کرتا ہوں اور ایک جماعت کو مذکورہ غلہ حاصل کرنے کیلئے کہا۔ یہ لوگ انہیں معاملات میں مصروف تھے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلغلہ ایک لشکر عظیم کے ساتھ پہنچا اور سجاح کے عاملوں کو ان کے عمل سے معزول کیا۔ اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ امارت میں وہ اور اس کی امت مسلمان ہو گئی۔ ان کا اسلام نیک ومقبول ہوا اور دوسری روایت یہ ہے کہ مسیلمہ جزیرہ میں رہتا تھا وہاں وہ چھپ گئی اور وہیں ہلاک ہو گئی۔ پھر کسی نے اس کا نام ونشان تک نہ سنا (واللہ اعلم)

سریہ زید بن اسامہ: غزوۂ سرایا میں آخری سریہ' جیش اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ اس لشکر ..... کو پیر کے دن ۲۶ ماہ صفر ۱۱ ہجری انہی کی جانب جو دیار روم میں سے ہے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد کی شہادت گاہ لشکر موتہ میں تھی۔ امیر بنایا تا کہ وہ وہاں کے لوگوں پر تاخت کریں اور ان کے گھروں کو آگ لگائیں۔ جانے میں جلدی کریں تا کہ ان کی خبر پہنچنے سے پہلے خود ان کے سروں پر پہنچ جائیں۔ روانگی سے پہلے جاسوسوں اور طلائع کو بھیجا جائے اور رہبروں کو ساتھ لیا جائے اسی فکر میں تھے کہ بدھ کے دن ۲۸ صفر کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہو گئے۔ بخار و درد سر عارض ہوا۔ دوسرے دن علیل ہونے کے باوجود اپنے دست مبارک سے علم تیار کر کے دیا اور فرمایا اُغْزُ بِسْمِ اللهِ وَفِىْ سَبِيْلِ اللهِ فَقَاتِلْ مَنْ كَفَرَ بِاللهِ. بسم اللہ کر کے اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور خدا کے کافروں سے قتال کرو' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے علم لیا' باہر روانہ ہو گئے اور یہ علم انہوں نے بریدہ رضی اللہ عنہ بن عصیب کے سپرد کیا تا کہ وہ لشکر کے علمبردار ہوں۔ مقام جرف میں پڑاؤ کیا تا کہ وہاں لشکر اسلام مجتمع ہو۔ جرف ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ کے قریب ہے۔ جرف کے اصلی معنیٰ پانی کھود کر نکالنے کے ہیں اور دربار رسالت سے یہ حکم عالی صادر ہوا کہ اعیان مہاجرین و

انصار مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ وغیرہ بجز علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جائیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمراہ نہ کیا۔ بعض لوگوں کے دلوں میں بات کھٹکتی تھی کہ ایک غلام کو اکابر مہاجرین و انصار پر امیر مقرر فرمایا۔ اس قسم کی گفتگو ذاتی مجلسوں میں ان سے ظہور و ورود میں آئیں۔ جب یہ خبریں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع شریف میں پہنچیں تو یہ باتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مبارک پر گراں گزریں اور غصہ آیا۔ تپ و دردِ سر کے باوجود پیشانی مبارک پر پٹی باندھ کر باہر تشریف لائے ممبر شریف پہ کھڑے ہوکر خطبہ دیا۔ فرمایا: ''اے لوگو! تم اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر امیر بنائے جانے سے انحراف کرکے کیسی چہ میگوئیاں کرتے ہو۔ تم نے غزوۂ موتہ میں ان کے والد کے امیر بنائے جانے پر بھی باتیں بنائی تھیں۔ خدا کی قسم وہ امارت کے سزاوار و مستحق ہیں اور ان کے والد بھی امارت کے سزاوار و مستحق تھے۔ میرے نزدیک زید رضی اللہ عنہ لوگوں میں بہت محبوب تھے اور انکے فرزند اسامہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے بعد لوگوں میں مجھے زیادہ محبوب ہیں۔ دونوں کے ساتھ اچھا گمان ہے۔ اب میری وصیت ان کی شان میں بخوبی قبول کرو وہ یہ کہ وہ تم میں اخیار میں سے ہیں'' اس کے بعد ممبر شریف سے اتر کر کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کچھ فضائل غزوۂ موتہ کے ضمن میں بیان کیے جاچکے ہیں۔

مروی ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو فرماتے ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْاَمِيْرُ'' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں ''غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ'' آپ مجھے امیر فرماتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں جب تک زندہ ہوں ہمیشہ تمہیں امیر کہہ کر مخاطب کرتا رہوں گا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جہاں سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ تم ہم سب پر امیر تھے۔ حالانکہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت اٹھارہ یا انیس سال تھی۔ بعض بیس سال بتاتے ہیں۔ اہل سیر بتاتے ہیں کہ یہ واقعہ دسویں ربیع الاول کا تھا اور اس دن وہ جماعتیں جو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے پر مامور تھیں۔ فوج درفوج آکر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہوکر لشکر گاہ میں پہنچ رہی تھیں۔ اس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض بہ نسبت اور دنوں کے زیادہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کرو۔ گیارہ ربیع الاول کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہونے کے ارادہ سے آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کھڑے ہوگئے، اپنے سر کو جھکا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک اور دست مبارک کو بوسہ دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کی شدت کا اتنا غلبہ تھا کہ بولنے کی طاقت نہ تھی۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو آسمان کی جانب اٹھا کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر اتارا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''میرا خیال ہے کہ میرے لیے دعا فرمارہے تھے۔ اس کے بعد اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ شریف سے باہر آگئے اور لشکر گاہ میں چلے گئے۔ صبح کو دوشنبہ کے دن پھر آئے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں کچھ کمی تھی۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کو رخصت کیا اور فرمایا ''اغز علی برکۃ اللہ خدا کی برکت کے ساتھ جہاد کرو'' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب لشکر گاہ چلے گئے اور حکم دیدیا کہ کوچ کیا جائے۔ جب چاہا کہ خود سوار ہوں تو ان کی والدہ ام ایمن رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیجا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نزع کے عالم میں ہیں۔ اسامہ رضی اللہ عنہ لوٹ آئے اور اشراف صحابہ بھی واپس آگئے۔ حضرت ابوبکر و عمر فاروق وغیرہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مدینہ منورہ میں ہی تھے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بن حصیب نے علم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر نصب کردیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کے دفن سے صحابہ فارغ ہوئے اور امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت قرار پا گئی تو حکم دیا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازہ پر علم نصب کر دو۔ تا کہ جو لشکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہے روانہ ہو اور جو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری فرمایا ہے نافذ ہو۔ اس کے بعد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور منزل جرف میں قیام کیا تا کہ جمع ہوں' اسی اثنا میں مدینہ منورہ میں قبائل عرب کے مرتد ہونے کی خبریں پہنچیں۔ بعض لوگوں نے رائے دی کہ جب تک مرتدین کے قصہ سے اطمینان نہ ہو جائے اس وقت تک لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو موقوف رکھنا بہتر ہوگا۔ مبادا کہ جب وہ یہ سنیں کہ لشکر قوی تو ابھی منورہ سے باہر گیا ہوا ہے وہ دلیر ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہو جائیں اور اہل مدینہ سے جنگ کریں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی یہ رائے قبول نہ فرمائی آپ نے فرمایا اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کے بھیجنے سے میں مرتدوں کا لقمہ بن جاؤں گا تب بھی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خلاف ورزی کو جائز نہ رکھوں گا۔ لیکن تم اسامہ رضی اللہ عنہ سے درخوست کرو کہ وہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجازت دیدیں کہ وہ میرے پاس رہیں۔ اس پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہ جانے کی اجازت دیدی۔

جب ماہ ربیع الآخر آ گیا تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی جانب روانگی فرمائی اور وہاں کے لوگوں پر غلبہ و فتح حاصل کیا۔ ان کے بہت زیادہ لوگوں کو قتل کیا' اور کچھ اشجار و منازل' باغوں اور کھیتوں کو جلایا اور اپنے والد کے قاتل کو قتل کیا اور بکثرت مال غنیمت لے کر واپس آ گئے اس لشکر کا مکمل سفر چالیس دن کا تھا۔

باب اوّل

قسم چہارم

(اس کتاب کے چوتھے حصہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا سے رخصت ہونے کے سلسلہ میں ذکر حدوث مرض، مدت امتداد، ایام مرض کے واقعات، روز وفات، ذکر غسل و تکفین، نماز جنازہ اور اثبات حیات انبیاء علیہ السلام کا بیان ہے)

ذکر وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از ابتدائے مرض تا وقت رحلت

پہلے معلوم ہو گیا ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخرت حج فرمایا۔ احکام دین تعلیم فرمانے کے بعد اس جہاں سے اپنی رحلت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو وداع کیا تھا اور فرمایا تھا کہ شاید آئندہ سال میں تم میں نہ ہوں۔ اسی بنا پر اس حج کو حجۃ الوداع سے موسوم کیا گیا اور اس آیہ کریمہ کا نزول بھی اسی طرف مشیر ہے کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ. جیسا کہ گزرا۔ نیز حجۃ الوداع کے وقت منیٰ کے دنوں میں سورۃ اذاجاء نصر اللّٰہ والفتح نازل ہوئی۔ جب یہ سورۃ نازل ہو رہی تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا گویا تم مجھے خبر دے رہے ہو کہ مجھے اس جہان سے جانا چاہیے۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا ''غم نہ کیجئے وللاٰخرۃ خیرلك من الاولٰی اور یقیناً آپ کیلئے آخرت پہلی سے بہتر ہے اس کے بعد سیّد عالم سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ اکمل التسلیمات آخرت کے کاموں میں بہت جدوجہد فرمانے لگے۔ اس سورۂ مبارکہ کے نازل ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر ذکر بحکم امر الٰہی تعالیٰ وحدہ تقدس تھا فرمایا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا. یہ کلمات مبارک تھے کہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. صحابہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وجہ ہے کہ یہ کلمات مبارکہ آپ کی زبان اقدس پر بہت جاری ہیں'' فرمایا ''جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ مجھے عالم بقا کی طرف بلایا گیا ہے تسبیح وتحمید، استغفار کا حکم دیا گیا ہے اور گریہ کناں ہو گئے'' صحابہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ موت سے گریہ کناں ہیں حالانکہ حق تعالیٰ نے آپ کو گزشتہ وآئندہ سب سے مغفور فرما دیا ہے''۔ فرمایا: فَاَيْنَ اَوَّلُ الْمَطْلَعِ وَاَيْنَ ضَيْقِ الْقَبْرِ وَظُلْمَةُ اللَّحدِ وَاَيْنَ الْقِيٰمَةُ وَالْاَهْوَالُ. یہ فرمانا امت کیلئے تنبیہ ہے کہ انہیں ان بلاؤں اور مشقوں سے گزرنا ہوگا۔ وگرنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال اس سے ارفع واعلیٰ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے ہمیں اپنی وفات کی خبر سنا دی اور خواص اصحاب کو سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر بلایا اور جب آپ کی نظر مبارک ہم پر پڑی تو گریہ فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ گریہ فرمانا ان صحابہ کرام پر انتہائی شفقت ورحمت اور شدت تصور الم فراق سے تھا۔ جو ان حضرات کو لاحق ہوگا'' اس وقت فرمایا: مَرْحَبًا بِكُمْ وَحَيَّاكُمُ اللّٰهُ بِالسَّلَامِ حِفْظَكُمُ اللّٰهُ صَبَّرَكُمُ اللّٰهُ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ وَرَفَعَكُمُ اللّٰهُ هَدَاكُمْ وَفَّقَكُمُ اللّٰهُ اٰوَاكُمُ اللّٰهُ وَقَاكُمُ اللّٰهُ مَكَّنَكُمُ اللّٰهُ. یہ دعا اگرچہ بظاہر متوجہ بجانب صحابہ کرام ہے۔ جو حاضر بارگاہ اقدس تھے لیکن

حقیقت میں راجع تمام امت پر ہے اور اس دعا میں سب کو ہی شامل فرمایا گیا ہے اور شریعت کے تمام خطابات کا بھی یہی حکم ہے کہ اس میں تغلیب حاضر بر غائب ہے اور فرمایا ''میں تمہیں تقویٰ، خوف خدا کی وصیت کرتا ہوں، تم سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں، اپنا خلیفہ بناتا ہوں اور میں تمہیں خدا کے غضب سے ڈراتا ہوں۔ کیونکہ میں تم میں ''نذیر مبین'' ہوں یعنی خوب ظاہر طور پر ڈرانے والا اور چاہیے کہ علو وعتو اور تکبر حق تعالیٰ اور اس کے بندوں اور شہروں پر نہ کرو۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ. وہ دار آخرت، ہم نے ان لوگوں کیلئے بنایا ہے جو زمین میں نہ علو وتکبر کرتے ہیں، نہ فساد پھیلاتے ہیں اور آخرت متقیوں کیلئے ہے۔

دارمی نے روایت کیا ہے کہ جب سورۂ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ نازل ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پڑھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھے رحلت کی خبر دی گئی ہے'، اس پر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔ پھر فرمایا ''روؤ نہیں اہل بیت میں تم سب سے پہلے مجھ سے ملو گی۔ پھر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ قصہ ایام مرض کا ہے۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کا برابر ہر سال دور فرمایا کرتے تھے لیکن اس سال دو مرتبہ جبرائیل علیہ السلام نے دور کیا۔ یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جہان سے رحلت فرمانے کی ایک علامت تھی۔ بعض روایتوں میں سیّدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رونے اور ہنسنے کا قصہ اسی کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ ہر سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان مبارک میں عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آخری عشرہ کا یعنی دسویں رمضان سے چاند رات تک کا اعتکاف فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد پر ان کی شہادت کے آٹھ سال بعد نماز پڑھی۔ جس طرح کہ بطریق وداع کرنے کیلئے ہوتا ہے۔ اس کے بعد ممبر پر تشریف لائے اور فرمایا ''میں تمہارا پیشرو ہوں، تم پر شہید ہوں، تمہاری شہادت کا امانت دار ہوں اور میں تمہیں اپنے حوض پر بھی دیکھ رہا ہوں جہاں کہ میں کھڑا ہوں گا۔ بلاشبہ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرمائی گئی ہیں۔ یہ روئے زمین کے ممالک کی فتح اور ان کے خزانوں کے قبضہ میں آنے کی بشارت ہے اسی لیے فرمایا: ''میں اس سے خوف نہیں رکھتا کہ تم میرے بعد شرک میں مبتلا ہو گے۔ لیکن میں خوف رکھتا ہوں کہ تم پر دنیا غالب آئے گی اور تم اس کے شائق ہو گے۔ فتنہ میں پڑو گے اور ہلاک ہو گے۔ جس طرح کہ وہ لوگ ہلاک ہوئے جو تم سے پہلے تھے''۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممبر شریف پر تشریف فرما ہو کر فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندہ کو دو باتوں میں سے ایک کو پسند کرنے کا اختیار دیا وہ یا تو دنیاوی زندگی، اس کی زیب وزینت اور عیش آسائش اختیار کرے یا وہ جو حق تعالیٰ کے پاس آخرت کا اجر وثواب ہے۔ تو اس بندے نے اس چیز کو اختیار کیا جو حق تعالیٰ کے پاس ہے اور دنیا کی طرف رغبت نہ کی'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خبر کے سنتے ہی رونے لگے اور عرض کرنے لگے ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ لوگوں نے کہا ''اس شیخ کو دیکھو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی کا حال بیان فرما رہے ہیں اور یہ روتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حال مبارک کی خبر دے رہے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حال سے ان سے سب سے زیادہ دانا و فہمیدہ تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والا اور نیکی کرنے والا اپنے مال اور صحبت ورفاقت سے ساتھ دینے والا وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اگر میں خدا کے سوا کسی کو اپنا خلیل بنانے والا ہوتا تو میں صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیل بناتا لیکن خدا کے سوا میرا کوئی خلیل نہیں۔ اخوت اسلامی باقی ہے''۔ خلیل جگری دوست کو کہتے

ہیں۔ جس کو دوستی دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہو اور فرمایا مسجد میں کھلنے والا کوئی دریچہ باقی نہ رکھا جائے سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دریچہ کے۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ اس کلام میں خصوصیت کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے اور یہ ارشاد عالی مرض وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا تھا۔ دیگر روایتوں میں اختیار دینے کا قصہ ایام مرض میں آیا ہے۔ صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی اجل کب ہے؟'' فرمایا ''خدا کی طرف لوٹنے، جنت الماویٰ، سدرۃ المنتہیٰ پہنچنے، رفیق اعلیٰ سے ملنے، کائیں اوفی یعنی جامِ طہور پینے اور دائمی عیش پانے کا وقت بہت نزدیک آ گیا ہے۔

ماہ صفر کا آخری ہفتہ: اسی سال کے آخر ماہ صفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ بقیع کے قبرستان والوں کیلئے استغفار فرمائیں۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف فرما تھے اور میں سو رہی تھی۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر استراحت پر آرام فرما نہ پایا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقب میں چلی میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں داخل ہوئے اور فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ وَاِنَّا اِنْشَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ۔ ایک روایت میں ہے فرمایا: اَنْتُمْ لَنَا فَرَطٌ وَّاِنَّا بِکُمْ لَاحِقُوْنَ۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَھُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَھُمْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَھْلِ بَقِیْعِ الْغَرْقَدِ۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر سے روانہ ہوئے میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقب میں چلی گئی۔ اس غیرت کی بناء پر کہ شاید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی اور زوجہ کے یہاں تشریف لے جائیں۔ یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع پہنچے اور بہت دیر کھڑے رہے۔ دو تین مرتبہ دستہائے مبارک کو اٹھا کر دعا فرمائی اور واپس ہوئے۔ میں بھی واپس آئی، میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچنے سے پہلے گھر میں داخل ہوگئی اور لیٹ ہوگئی۔ میرے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری سانس کا پھولنا اور اضطراب کا اثر مشاہدہ کیا تو فرمایا ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کیا حال ہے کیا ہوا اور کیوں مضطرب نظر آتی ہو'' میں نے صورت حال عرض کی۔ فرمایا: ''وہ سایہ جو میں اپنے آگے دیکھ رہا تھا شاید تم تھیں؟ میں نے عرض کیا ''ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!'' اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نرمی کے ساتھ اپنا دست مبارک میرے سینے پر ملا اور فرمایا ''تم نے یہ گمان کیا کہ خدا اور اس کا رسول تمہارے حق میں ظلم کرے گا؟'' میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا سے کوئی چیز چھپی نہیں ہے۔ بات ایسی ہی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا لیکن معذور رکھیئے میں کیا کرتی انسانی خصلت ہی ایسی ہے جو مجھے لاحق ہوئی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ''شیطان نے تمہیں اس پر ابھارا'' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ''کیا میرا بھی کوئی شیطان ہے'' فرمایا ''ہر شخص کیلئے شیطان ہے'' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''کیا آپ کو بھی ہے۔ فرمایا: ''ہے لیکن میرا شیطان اسلام لے آیا ہے''۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور دروازہ کے باہر سے انہوں نے آواز دی۔ چونکہ جبرائیل علیہ السلام کی عادت ہے کہ جب تم اپنے جسم سے لباس اتارے ہوئے ہوتی ہو تو وہ اندر نہیں آتے اور میں نے خیال کیا کہ میں تمہیں بیدار نہ کروں تاکہ تم پریشان نہ ہو''۔ پھر جبرائیل علیہ السلام وحی لائے کہ آپ کا رب فرماتا ہے کہ اہل بقیع کے پاس جا کر ان کیلئے استغفار کریں۔ دعا کے الفاظ اس روایت میں اس طرح ہیں کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ وَاِنَّا اِیَّاکُمْ مُتَوَاعِدُوْنَ غَدًا مُؤَجَّلُوْہٗ۔ نیز مروی ہے کہ فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ وَیَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ

اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَّنَحْنُ بِالْاَثَرِ . یہ قصہ پندرہویں شعبان میں بھی مروی ہے کہ اس رات میں زیارت قبور میں مسنون ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ابوموہبہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آدھی رات کو مجھے بیدار کیا۔ فرمایا: ''مجھے حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع کے پاس جاؤں اور ان کیلئے استغفار کروں۔ پھر مجھے ہمراہ لیا اور بقیع تشریف لا کر بہت دیر تک کھڑے استغفار فرماتے رہے۔ اور ان کیلئے ایسی دعا فرمائی کہ میں تمنا کرنے لگا کہ میں بھی ان اہل قبور میں سے ہوتا اور اس دعا سے مشرف ہوتا۔ اس کے بعد فرمایا ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ'' تمہیں وہ نعمتیں مبارک ہوں جن میں تم صبح کرتے ہو جن میں تم رہتے ہو تم ان فتنوں سے دور ہو جن میں لوگ مبتلا ہیں حق تعالیٰ نے تم کو ان سے نجات دیدی ہے اور خلاصی فرما دی ہے۔ بلاشبہ ان پر سیاہ رات کی مانند فتنے امنڈ امنڈ کر آئیں گے اس کا آخری کنارہ اول کے ساتھ ملا ہوگا اور پے در پے آئیں گے۔ ان فتنوں کا آخری کنارہ پہلے سرے سے بدتر ہے۔ اس کے بعد فرمایا ''اے موہبہ دنیا کے خزانوں کی کنجیاں مجھے پیش کی گئیں اور مجھے اس کے درمیان مخیّر کیا گیا کہ اگر میں چاہوں تو دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ رہوں یہاں تک کہ جنت میں مراتب ودرجات پاؤں یا پھر یہ کہ اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کروں اور اس کی طرف جانے میں جلدی کروں۔ میں نے اپنے رب کی ملاقات کو ہی اختیار کیا۔ موہبہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کچھ عرصہ دنیا میں اور اقامت فرمایئے اس کے بعد جنت میں جایئے تاکہ آپ کی بدولت ہم بھی آسودہ رہیں'' فرمایا ''اے موہبہ! نہیں۔ میں نے اپنے رب کی ملاقات کو اختیار کر لیا ہے'' ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد ان صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے جو موجود تھے اور فرمایا ''دنیا سے گزر جانے والے تم سے بہتر ہیں'' صحابہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ ہمارے بھائی ہیں جس طرح وہ ایمان لائے ہیں اسی طرح ہم بھی ایمان لائے ہیں انہوں نے بھی انفاق کیا ہے ہم بھی کرتے ہیں وہ بھی چلے گئے ہم بھی چلے جائیں گے۔ ان کو ہم پر فوقیت کیسے ہے؟ فرمایا وہ دنیا سے گزر گئے ہیں اور دنیا میں اپنے اجر سے کچھ نہ کھایا اور میں نہیں جانتا کہ تم میرے بعد کیا کرو گے اور تمہارے درمیان کتنے فتنے سر اٹھائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع تشریف لے گئے اور فرمایا ''اے کاش! ہم اپنے بھائیوں کو دیکھتے' صحابہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟'' فرمایا ''تم میرے اصحاب ہو میرے بھائی وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور وہ ابھی پیدا نہیں ہوئے ہیں' میں حوض پر ان کا فرط یعنی پیش رو ہوں گا۔ صحابہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی امت میں جو آپ کے بعد پیدا ہوں گے اور آپ نے ان کو دیکھا نہیں ہے آپ روز قیامت ان کو کس طرح پہچانیں گے؟'' فرمایا تم میں سے کسی کے پاس بہت سے گھوڑے ہوں۔ کچھ سفید ہوں اور کچھ سیاہ کیا تم اپنے گھوڑوں کو دوسروں سے نہ پہچانو گے اور فرمایا ''روز قیامت میرے امتی اس حال میں اٹھیں گے کہ ان کے چہرے اور منہ آثار وضو سے تاباں ہوں گے۔ جس طرح کہ زیارت بقیع اور ان کے استغفار کے بارے میں مامور ہونا بیان کیا گیا ہے اسی طرح شہدائے احد کی زیارت اور ان کیلئے دعا کرنے کے بارے میں مامور ہونا بیان کیا گیا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ بقیع تشریف لے جا کر ان کیلئے دعا فرمائیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور استغفار کر کے واپس تشریف لے آئے اور خواب استراحت فرمائی۔ پھر حکم ہوا تشریف لے جا کر بقیع والوں کیلئے استغفار فرمائیں پھر تشریف لے گئے۔ استغفار کر کے واپس آ کے خواب استراحت فرمائی پھر حکم ہوا تشریف لے جا کر بقیع والوں کیلئے استغفار فرمائیں۔ پھر تشریف لے گئے اور استغفار کر کے واپس آ کے خواب استراحت فرمائی۔ پھر حکم ہوا کہ جاؤ شہدائے احد کیلئے دعا فرمایئے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد تشریف لے گئے اور شہدائے احد کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ جب

وہاں سے واپس تشریف لائے اور احیاء واموات کے حق میں دعا وداع سے فارغ ہوئے تو درد سر لاحق ہوا اور علیل ہو گئے۔

نکتہ: اس جگہ ایک نکتہ دل میں پیدا ہوا ہے وہ یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت اہل بقیع اور شہدائے احد کی زیارت اور ان کیلئے دعا و استغفار اور ان کو اس طرح وداع کرنے کا حکم ہوا جیسے کہ کسی سفر میں جاتے وقت رخصت کیا جاتا ہے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر آخرت درپیش تھا اس بنا پر ایک مناسبت اس عالم کی جانب رجوع اور اس جہان والوں سے خاص لگاؤ پیدا ہو جائے اور جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندوں کیلئے دعا و نصیحت فرمائی ہے اور ان کو پند و نصائح سے نوازا ہے تو اموات کو بھی دعا و استغفار اور تودیع سے سرفراز فرمایا جائے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ گزرے ہوئے حضرات تو عالم برزخ میں ہیں اور حضور اکرم بھی اس عالم میں تشریف لے جانے والے ہیں لہٰذا ان کو اپنے اس ارشاد سے بشارت دی کہ وَاَنَا بِکُمْ لَاحِقُوْنَ. میں بھی تمہارے ساتھ ملنے والا ہوں" تو وداع کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صورت میں وداع تھی۔ جیسا کہ بیان کے ضمن میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ورنہ حقیقی وداع کیسے ممکن ہے اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اعلیٰ و ارفع ہے کسی اور کو مرافقت و مصاحبت کی کہاں تاب و تواں ہوگا۔ جس طرح کہ جنت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص مقام ہے عالم برزخ میں بھی یہی حکم رکھتا ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع سے واپس تشریف لائے تو مجھے درد سر لاحق ہو گیا اور میں نے "وَارَأْسَاهُ" ہائے میرا سر کہنا شروع کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری تسلی کیلئے بطریق مزاح فرمایا "اے عائشہ رضی اللہ عنہا! تمہیں کیا نقصان ہو گیا اگر مجھ سے پہلے تم اس جہاں سے چلی جاؤ اور میں تمہارے سرہانے کھڑا ہوں اور تمہاری تجہیز و تکفین کا انتظام کروں۔ تم پر نماز پڑھوں اور تمہیں دفن کر کے تمہارے لیے دعا و استغفار کروں"۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور مزاح عرض کیا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ میرا مرنا پسند کرتے ہیں۔ اگر میری موت واقع ہو جائے تو اسی دن کسی اور عورت کو دلہن بنا کے میرے گھر لے آئیں گے؟" اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ فرمایا: "اے عائشہ رضی اللہ عنہا! تمہارا درد سر تو جاتا رہے گا لیکن یہ درد سر جو مجھے لاحق ہے مشکل ہے کہ میں اس سے خلاصی پاؤں" گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ اسی مرض میں میں اس جہان سے رحلت فرماؤں گا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (گویا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خوش کرنے کیلئے فرمایا) کہ میں چاہتا ہوں کہ کسی کو ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند عبدالرحمٰن کی طرف بھیجوں کہ وہ میرے پاس آئیں اور میں ان کے ساتھ عہد کروں یعنی عہد خلافت تاکہ کوئی کہنے والا دعوی نہ رہے اور کوئی تمنا رکھنے والا تمنا نہ کرے۔ مطلب یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی دوسرا مدعی خلافت نہ بنے اور اس کی آرزو نہ کرے اس کے بعد میں نے کہا "اس سے اللہ تعالیٰ اور مسلمان باز رکھے"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی ابتداء حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کے گھر ان کی باری کے دن میں ہوئی تھی۔ جب مرض نے شدت پکڑی تو اپنی ازواجِ مطہرات سے فرمایا "میں کل کس کے یہاں ہوں گا اور اس بات کو مکرر فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس سے یہ تھا کہ ایام مرض میں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں رہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات سے صراحت کے ساتھ فرمایا کہ یہ مشکل ہے کہ میں مرض کی حالت میں تمہارے گھروں کا پھیرا کروں اور اپنی باری کی رعایت کروں، اگر تمہاری مرضی ہو تو مجھے اجازت دیدو کہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رہوں اور اس جگہ تم سب میری تیمارداری کرو' اس پر تمام ازواجِ مطہرات راضی ہو گئیں کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں اقامت فرما ہوئے۔ ایک

روایت میں ہے کہ سیّدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر شاق ہوگی کہ آپ ہر ایک گھر کا دورہ فرمائیں۔اس پر تمام ازواجِ مطہرات راضی ہوگئیں کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر اقامت فرمائیں۔(رضی اللہ عنہن)

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے اہل بیت میں سے دو شخصوں کے کندھوں پر اپنا دست مبارک رکھ کر اس طرح تشریف لائے کہ آپ کے قدمہائے مبارک زمین پر خط کھینچتے جاتے تھے اور آپ کے سر مبارک پر کپڑا بندھا ہوا تھا۔آپ اس حالت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ایک روایت میں ہے کہ چند روز تک تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کے گھروں کا دورہ فرمایا اور ان کی باری کی رعایت فرمائی۔یہاں تک کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رونق افروز تھے سخت دردسر لاحق ہوا۔اس پر فرمایا اب ممکن نہ رہا کہ علالت کے دوران تمہارے گھروں کا دورہ کروں تو سب نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں اقامت فرمانے پر اتفاق کرلیا۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری خواہش ہے کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمارداری کا شرف پاؤں اور خدمت گزاری کا موقع مجھے ملے۔فرمایا ''اے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر میں بغیر اہل بیت کے تیمارداری کراؤں تو ان کی مصیبت زیادہ ہوجائے۔بلاشبہ تمہارا اجر حق تعالیٰ پر ہے اس نیت کے سبب جو تم نے کی۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت نے بہت شدت اختیار کرلی چنانچہ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ آپ اپنے بستر مبارک پر ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر بار بار مصطربانہ طور پر منقلب ہوتے تھے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ایسی حالت ہم میں سے کسی اور سے رونما ہوتی تو برا محسوس فرماتے اور غصہ میں آجاتے'' فرمایا ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میرا مرض انتہائی سخت ہے۔حق تعالیٰ انبیاء وصلحاء پر ابتلا انتہائی سخت وشدید بھیجتا ہے اور کوئی مومن ایسا نہیں ہے جسے کوئی مصیبت وایذا پہنچے حتیٰ کہ پاؤں میں کانٹا چبھے مگر یہ کہ حق تعالیٰ اس کے سبب اس کا درجہ بلند فرمائے۔اور اس کے گناہوں کو محو فرمائے اور فرمایا ''روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں ہے جسے مرض وغیرہ کی تکلیف پہنچے مگر یہ کہ وہ اس کے گناہوں کو ایسا جھاڑ دے جیسے پت جھڑ کے موسم میں درختوں سے پتے جھڑتے ہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ فرماتی ہیں، میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس کی بیماری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری سے سخت تر ہو۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قطیفہ میں لپٹا ہوا پایا۔میں قطیفہ کے اوپر سے بخار کی گرمی محسوس کرتا تھا اور مجھے برداشت نہ تھی کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن اقدس پر ہاتھ رکھوں۔میں نے اس شدت پر تعجب کیا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کی مصیبت واذیت انبیاء علیہم السلام کی مصیبت واذیت سے زیادہ سخت وشدید نہیں ہے بلاشبہ جس طرح ان کی مصیبتیں دگنی ہیں اتنا ہی ان کا اجر بھی دگنا ہے اور یہ کہ حق تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کو فقر و درویشی میں اس حد تک مبتلا فرمایا کہ انہیں بجز ایک عبا کے دوسرا لباس تک میسر نہ ہوا۔اسی عبا کو شب و روز پہنا کرتے تھے۔واضح رہنا چاہیے کہ بلا میں طوالت اور امتحان وآزمائش میں مبتلا ہونا بارگاہِ الٰہی کے مقربوں کے ساتھ خاص ہے ان مقربان بارگاہِ الٰہی میں اعز واعظم اور اعلیٰ واقرب انبیاء علیہم السلام اور ان کے تابعین ہیں جو کہ اولیاء وصلحاء امت ہیں۔اس میں کوئی کلام نہیں ہے جیسا کہ حدیث مبارک ثم الامثل فالامثل اس میں مشہور ومعروف ہے۔لیکن بلا میں جزع وفزع اور مرض میں آہ و نالہ کا کیا حکم ہے تو اس میں کلام ہے۔اگر بےصبری و بےطاقتی کے لحاظ سے جزع وفزع کرنا بلا کو ناگوار اور اس سے فرار چاہتا ہے تو یہ بلا اختلاف حرام ہے۔آہ و نالہ جو بقصد اظہار غربت و بےچارگی ہو جو بندگی کے حال کیلئے لازم ہے۔

شدت مرض اور اس کی سختی سے جو اضطراب و بے چینی عارض ہو یہ اور بات ہے۔ یہ چیز جزع وفزع اور بلا سے ناگواری وفراری اور شکوہ وشکایت میں داخل نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بیان میں مذکور ہوئی اس کے اثبات میں کافی ہے۔ البتہ آہ و نالہ اگر عدم رضا وتسلیم سے ہو تو مکروہ اور داخل شکوہ وشکایت ہے۔ علماء ومشائخ نے جو کراہت وشکایت کا اس پر اطلاق فرمایا ہے وہ مطلق نہیں ہے۔ بلکہ وہ بے صبری و بے رضائی سے مقید ہے۔ حضرت شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ نے اگرچہ اس قول کی تضعیف وابطال میں صراحت فرمائی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ ممکن ہے ان کی کراہت سے مراد خلاف اولیٰ ہو۔ اس لیے کہ اولیٰ یہ ہے کہ ذکر الٰہی میں مشغول ہو اور نووی کے کلام۔ اس لیے محل نظر ہے جبکہ بارگاہِ نبوت علی مصدر ہا الصلوٰۃ والتحیۃ سے یہ بات ثابت ہونے کے بعد خلاف اولیٰ کا کہنا ترک ادب ہے تو یہ بھی ذکر کی ہی ایک قسم ہے۔ البتہ یہ بات از روئے غفلت اور غلبہ طبیعت کے جوش سے ہو جیسا کہ عام لوگوں اور مبتدیان راہ کے احوال سے رونما ہوتا ہے۔ جو ضعف یقین اور قضاء سے ناگواری کے وہم کی جانب اشارہ کرتا ہے اس کو مکروہ وخلاف اولیٰ کہیں تو جائز ہے۔ لیکن اگر جبلی اور طبعی درد والم کی خبر دینے کے طریقہ پر ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس میں سب کا اتفاق ہے۔ لہٰذا درد کے ذکر سے شکایت مراد نہیں ہے۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو بظاہر خاموش بلب ہیں مگر دل میں شاکی ہیں۔ بہت سے ایسے حضرات ہیں جو ظاہر میں گویا ہیں اور باطن میں راضی برضا ہیں۔ لہٰذا معتمد ومشغول، عمل قلب ہے۔ نہ کہ فعل انسان (واللہ اعلم)

احادیث صحیحہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ وسلم بیمار کی ان کلمات کے ساتھ تعویذ واستعاذہ فرماتے کہ اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَآءَ اِلَّا شِفَآئُكَ لَا يُغَادِرُ سَقَمًا. ایک روایت میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود علیل ہوئے تو اپنے لیے بھی انہیں کلمات سے تعویذ فرمایا اور اپنے دست اقدس کو تمام بدن اطہر پر پھیرا اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض وفات میں علیل ہوئے تو میں نے یہی دعا پڑھی اور چاہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو آپ کے بدن اقدس پر پھیروں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک مجھ سے کھینچ لیا اور فرمایا: رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَاَلْحِقْنِيْ بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى. اے رب اپنی رحمت میں لے کر مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تعویذ مجھے اس سے پہلے نفع پہنچاتا تھا اب یہ کوئی فائدہ نہ دے گا۔

مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام مرضوں میں رب تعالیٰ سے صحت وشفا کی دعا مانگا کرتے تھے مگر اس مرض میں جس میں آپ کی وفات ہوئی کوئی دعا نہ فرمائی بلکہ آپ اپنے آپ پر سختی فرماتے اور فرماتے "اے نفس تجھے کیا ہو گیا ہے کہ جو تو ہر جائے پناہ وآسائش میں پناہ تلاش کرتا ہے۔ ارباب سیر نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ لیکن ایک اور حدیث میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھا کرتے، دونوں ہاتھوں پر دم فرماتے اور پھر دونوں ہاتھوں سے جہاں تک وہ جسم اقدس میں پہنچ سکتے مسح فرماتے۔ (الحدیث) مسح بدن اقدس میں اپنے سر اقدس اور اپنے سینہ منورہ سے ابتداء فرماتے تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب بھی علیل ہوتے تو ایسا ہی فرماتے اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بیماری سے جس میں آپ نے وفات پائی علیل ہوئے تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ کے برطابق معوذتین کو پڑھ کر آپ پر دم کیا اور اپنے ہاتھوں پر دم کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر دم کیا اس امید کے ساتھ کہ آپ کا دست اقدس حصول برکت میں عظیم تر ہے اور اس کی برکت میرے ہاتھ سے زیادہ ہے۔ یہ پڑھنا اور دم کرنا حصول شفا کی غرض سے نہ تھا بلکہ برطریق ورد تھا۔ جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہ نیت

شفا پڑھا کرتے تھے۔ یا یہ ابتدائے مرض میں ہوگا قبل اس کے کہ آپ کو اس عالم میں رہنے یا اس جہان سے جانے کے درمیان اختیار دیا گیا اور آپ نے عالم آخرت کو اختیار فرمایا۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام اس علالت کے زمانہ میں بارگاہ حق سبحانہ تعالیٰ کے پاس سے آئے اور پیغام پہنچایا کہ ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں شفا دیدوں اور اس مرض سے نجات دلا دوں۔ اگر آپ چاہیں تو آپ کو اس میں وفات دیدوں اور مستغرق دریائے رحمت فرمادوں تو میں نے یہی چاہا کہ رفیق اعلیٰ سے ملوں اور ان میں سے ہو جاؤں جن کیلئے حق تعالیٰ نے فرمایا: مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا. ایک روایت میں آیا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا ''اے جبرائیل علیہ السلام! میں نے آج اپنے آپ کو اپنے رب کے سپرد کر دیا ہے وہ جو چاہے میرے ساتھ کرے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کی ابتداء اواخر صفر میں تھی ماہ صفر کی دو راتیں باقی تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ بدھ (چار شنبہ) کا دن تھا اور ایک روایت میں شروع ماہ ربیع الاول آیا ہے۔ کتاب الوفاء میں کہا گیا ہے کہ ماہ صفر کی دو راتیں باقی تھی جب مرض کی ابتداء ہوئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت علالت میں اہل سیر کا اختلاف ہے۔ اکثر کا مذہب یہ ہے کہ یہ تیرہ روز تھے۔ ایک اور روایت میں چودہ روز ہے اور بعض نے بارہ روز بیان کیا ہے۔ ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ دس روز ہیں اور یہ اختلاف ابتدائے مرض اور روز وفات میں اختلاف کا شاخسانہ ہے۔

باب دوم

ان واقعات کے بیان میں جو ایام مرض میں واقع ہوئے

ایک واقع یہ ہے کہ حضور اکرم نے اشتداد مرض کے وقت سیّدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا۔ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو فرمایا "مَرْحَبًا یَابِنْتِیْ" اور اپنے پہلو میں بٹھایا۔ صحت کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھتے تو کھڑے ہو جاتے، متوجہ و مستقبل ہو کر ان کا بوسہ لیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے تھے۔ لیکن اس وقت جب وہ آئیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کان میں کچھ فرمایا تو وہ رونے لگیں۔ اس کے بعد پھر کچھ کان میں فرمایا وہ خوش ہو کر ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا "میں نے کسی رونے والے کو ہنستا ہوا اور کسی غم کو خوشی کے ساتھ معاون و متصل نہیں دیکھا جیسا کہ میں نے آج دیکھا ہے اس کا سبب کیا ہے؟" سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا "یہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز کی بات ہے میں اسے ظاہر نہیں کر سکتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس راز کو ظاہر نہیں فرمایا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے کوچ فرما گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد میں نے ان سے پھر دریافت کیا کہ وہ بات کیا تھی" اس وقت انہوں نے فرمایا "کہ پہلی مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام ہر سال ایک مرتبہ آ کر میرے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے لیکن اس سال دو مرتبہ دور کیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ میری اجل قریب آ گئی ہے۔ جس کی بنا پر جبرائیل علیہ السلام نے قرآن کریم کے پڑھنے میں اتنا اہتمام کیا۔ یہ سن کر میں رونے لگی۔ دوسری مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میری اہل بیت میں سے سب سے پہلے تم مجھ کو ملوگی۔ اس پر میں ہنسنے لگی۔ پھر فرمایا کیا تمہیں پسند نہیں کہ تم جنتی عورتوں کی سردار ہو۔ پہلی روایت دلالت کرتی ہے کہ خوشی و خندہ، پہلے ملنے پر ہے اور نساء اہل جنت میں افضلیت اس پر زائد ہے۔

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مشہور تر قول کے بموجب چھ ماہ، تیسرا رمضان مبارک ہے اور بعض تین ماہ کہتے ہیں (واللہ اعلم) ایک واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایام مرض میں چالیس غلاموں کو آزاد فرمایا۔

عجیب وغریب واقعہ جو ابتدائے مرض میں واقع ہوا یہ ہے کہ جب سینہ کا درد شدید ہوا تو کبھی آپ بیہوش ہو جاتے اور کبھی ہوش میں آ جاتے تھے۔ اگر چلنے کا قصد فرماتے تو ضعف کی وجہ سے پائے اقدس درست حرکت نہ کر سکتے تھے اور زمین پر خط کھنچتے تھے لوگوں نے یہ گمان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ درد "ذات الجنب" یعنی نمونیہ کا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے، عورتوں میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ذات الجنب کا علاج ان شہروں میں عام لوگ جانتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے "اروذ" تیار کیا (یہ ایک دوا کا نام ہے) اور چاہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن اقدس میں ڈالیں۔ ہر چند کہ اشارہ فرماتے کہ یہ دوا نہ ڈالیں مگر وہ باز نہ آئے اور گمان کیا یہ انکار دوا سے مریض کی ناگواری کی بنا پر ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو

افاقہ ہوا تو فرمایا کہ یہ کام کس نے میرے ساتھ کیا ہے؟ غالباً ان عورتوں نے کیا ہے جو حبشہ سے آئی ہوئی ہیں۔ پھر ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور اسماء بنت عمیس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ''اے عورتو! تم نے میرے ساتھ ایسا عمل کیوں کیا باوجود یکہ میں تم میں اس سے منع کرتا رہا۔ انہوں نے عرض کیا ہمارا خیال ہے کہ آپ کو ذات الجنب ہے اور آپ کا منع فرمانا مریضوں کی عادت کی بنا پر ہے کہ وہ دوا کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان عورتوں نے عذر خواہی میں کہا کہ حضرت بھی موجود تھے۔ پھر فرمایا۔ کس چیز سے دوا تیار کی؟ انہوں نے کہا کہ عود ہندی' کچھ ورس اور چند قطرے زیتون کے تیل سے دوا تیار کی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ذات الجنب' شیطان سے ہے اور حق تعالیٰ نے شیطان کو قدرت نہیں دی کہ وہ مجھ پر غالب آ سکے۔ اس کے بعد حکم فرمایا کہ ''گھر میں کوئی باقی نہ رہے مگر یہ کہ اس کے منہ میں یہ دوا ٹپکائی جائے۔ بجز میرے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ وہ اس میں شریک نہیں تھے۔ اس کے بعد ان سب کے منہ میں وہ دوا ٹپکائی گئی حتیٰ کہ میمونہ کے بھی' باوجود یکہ وہ روزے سے تھیں۔ ان عورتوں کے منہ میں اس دوا کا ٹپکانا از قبیل قصاص وسزا کا تھا۔ جو احکام شریعت میں سے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ امت کو آخری وقت میں بھی دائرہ سیاست سے باہر نہ کریں' احکام شریعت جاری فرمائیں اور جو کوئی کسی کی رضامندی کے بغیر' غلط گمان سے اس کے ساتھ عمل کرے خصوصاً ناواقفی سے کوئی علاج کرے اس پر اس کا قصاص واجب ہے اور یہ اختیار ہے کہ چاہے تو قصاص لیلے یا اسے معاف کر دے۔

شریعت مطہرہ میں حکم ہے کہ اگر کوئی طب نہیں جانتا اور اس میں مہارت نہیں رکھتا۔ وہ جاہل ہے' جہالت کے ساتھ دوسروں کا علاج کرتا ہے اور اس سے نقصان پہنچتا ہو تو اس پر قصاص لازم ہے۔ حدیث میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ تَطَبَّبَ وَلَمْ يَعْلَمْ مِنْهُ الطِّبُّ قَبْلَ ذٰلِكَ فَهُوَ ضَامِنٌ جو معالجہ کرتا ہے اور وہ پہلے سے طب نہیں جانتا تو وہ ضامن ہے۔

اگر چہ یہ تمام عورتیں اس فعل میں شریک وہم مشورہ نہ تھیں۔ لیکن سب کو اس بنا پر سزا دی کہ وہ اس عمل میں رضامند تھیں۔ یہاں تک کہ منع کرنے کے باوجود وہ باز نہ آئیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند نہ فرمایا کہ کل قیامت میں یہ عورتیں اس حال میں آئیں کہ ان پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسائی کا جرم عظیم ہو اور بے ادبی وجرات پر ان سے مواخذہ ہو۔ اس بنا پر ان کو قصاص لے کر پاک وصاف فرمایا۔ اگر چہ معاف فرما دینے کی بھی گنجائش تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ اپنے لیے قصاص نہیں لیتے تھے۔ لیکن مقصود ادب سکھانا تھا نہ کہ انتقام لینا اور علاج کرنا۔ اگر چہ مشروع ہے اور جس دوا سے ان عورتوں نے علاج کیا ذات الجنب کا علاج تھا۔ جیسا کہ طب نبوی اور احادیث میں آیا ہے لیکن اس مرض میں مرضی مبارک نے یہ طے کیا تھا کہ علاج نہ کیا جائے جیسا کہ گزرا اور واقعی آپ کو ذات الجنب نہ تھا۔

تنبیہ: طب کی کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ ذات الجنب ورم حار ہے۔ جو سینہ کے نواح میں عضلات باطنہ اور حجاب داخل یا حجاب حاجز آلات غذا اور آلات نفس کے درمیان ہوتا ہے اس مرض کا نام حابض ہے۔ یہ بہت زیادہ خطرناک اور تشویشناک مرض ہے یا یہ ورم عضلات خارجہ ظاہرہ میں حجاب خارج کے ساتھ بمشارکت جلد ہو۔ ذات الجنب کے اعراض' حمیٰ حادہ' کھانسی' سانس کی تنگی' درد سے ابھرنا' پیاس اور ذہن کا اختلاط ہیں۔ الغرض یہ مرض امراض شدیدہ اور مہلکہ میں سے ہے۔ اس لیے کہ یہ دل اور جگر کے درمیان پیدا ہوتا ہے اور اس کا علاج دشواری سے خالی نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ ذات الجنب دو قسم کے ہیں ایک حقیقی دوسرا غیر حقیقی۔ حقیقی وہ ورم جو غشاء میں پسلیوں کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا اور غیر حقیقی پہلو کی جانب غلیظ ریاحوں سے پیدا ہوتا ہے اور اس قسم کی دوا قسط بندی جسے خوب باریک کر کے زیتون کے تیل میں ملا کر اس جگہ مالش کرتے ہیں اور اس کی چند انگلیاں چٹاتے ہیں وہ اس مادہ کو تحلیل کرتا ہے۔ باطنی اعضاء کو قوت دیتا ہے اور سدوں کو کھولتا ہے۔ لیکن قسم حقیقی میں اگر اس کا مادہ بلغمی ہو تو بوقت انحطاط مرض' بالخصوص علاج پذیر

ہو جاتا ہے اور اگر مادہ دموی یا صفراوی ہو تو اس کا علاج اس سے زیادہ سخت کرنا چاہیے جیسا کہ طب کی کتابوں میں مذکور ہے۔
خلاصہ یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرض مبارک کو اپنی ذات شریف سے منسوب رکھنا پسند نہ فرمایا (واللہ اعلم)۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خیبر میں جوز ہریلے گوشت کا ٹکڑا کھایا تھا اس کا اثر ہمیشہ معاودت کرتا رہا اور اس وقت انقطاع ابہر معلوم ہوتا ہے۔
واضح رہنا چاہیے کہ ابہر ایک رگ کا نام ہے جو دل کے ساتھ منسلک ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے نبوت کے ساتھ شہادت کو بھی جمع فرمادیا۔
حدیث قرطاس: وصل: ایام مرض کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ جب جمعرات کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مرض نے شدت کی تو چاہا کہ ایک خط یا عہد نامہ تحریر فرمائیں۔حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کاغذ اور قلم دوات لاؤ کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کیلئے لکھوادوں تاکہ اس میں اختلاف نہ ہو۔جب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ جا کر لائیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ منع فرماتا ہے کہ مومنین حضرت ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اختلاف کریں۔اہل سنت و جماعت کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی تخصیص میں یہی دلیل ہے۔اہل سیر کہتے ہیں کہ اگر یہ بات ہوتی کہ روز غدیر امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو مقرر فرمادیا ہوتا اور خلیفہ بنادیا ہوتا تو آخری وقت میں ایسا نہ فرماتے۔ان واقعات میں سے مشہور واقعہ یہ ہے کہ جو کتب صحاح میں مذکور و مسطور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشتداد مرض کے وقت جبکہ صحابہ کرام حجرہ شریف میں مجتمع تھے فرمایا دوات و کاغذ لاؤ۔ایک روایت میں ہے کہ خامہ لے کر آؤ۔تاکہ تمہارے لیے میں ایک وصیت لکھدوں کہ میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو۔اس پر صحابہ نے اختلاف کیا کسی نے کہا "جو حکم ہے اس پر عمل کیا جائے اور دوات و کاغذ لایا جائے تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر جو چاہیں لکھوائیں اور کسی نے کہا مناسب نہیں ہے کہ ایسی حالت میں آپ کو لکھوانے کی زحمت دی جائے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت تنگ ہے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی جانب تھے اور کہا کہ درد والم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آئے اور قرآن کریم ہمارے درمیان موجود ہے اور وہی ہم کو کافی ہے۔بعض روایتوں میں اتنا زیادہ بھی آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شدت مرض میں ایسی باتیں فرمارہے ہیں۔مطلب یہ کہ منافقین وغیرہ کو اس بات میں باتیں بنانے کا موقع مل جائے گا اور وہ کہیں گے اور خیال کریں گے کہ آپ نے یہ باتیں ہذیان میں فرمائی ہیں۔جس طرح کہ اور لوگ بیماری کی سختی میں کہا کرتے ہیں۔ایک جماعت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت میں تھی اور ایک جماعت مخالفت میں۔یہاں تک کہ اختلاف بڑھ گیا اور آوازیں بلند ہوگئیں۔اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے پاس سے تم سب اٹھ جاؤ۔کیونکہ جھگڑنا اور رسول خدا کے حضور میں آوازیں اونچی کرنا مناسب نہیں ہے۔اس کے باوجود تین وصیتیں فرمائیں۔ایک یہ کہ مشرکوں کو جزیرۂ عرب سے نکال باہر کردو۔دوسری یہ کہ جو جماعتیں اور وفود تمہارے پاس آئیں ان کو صلہ دیا اور انعام دیا کرو جیسا کہ میں دیتا رہا ہوں اور تیسری وصیت کو راوی بھول گیا یا اس کے اظہار میں مصلحت نہ دیکھی۔جیسا کہ علماء فرماتے ہیں (واللہ اعلم) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے انہوں نے فرمایا "کیسی مصیبت ہے کہ لوگوں نے نہ چھوڑا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وصیت نامہ لکھواتے۔بعض روایتوں میں آیا ہے کہ سعید بن جبیر جو اس حدیث کے راوی ہیں۔فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پنج شنبہ کے دن اور وہ پنج شنبہ کا دن کیسا تھا کہ جس میں قضیہ پیش آیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رونے لگے یہاں تک کہ ان کی آنکھوں سے موتیوں کی مانند رخسار مبارک لڑیاں بن کر بہنے لگیں اور مذکورہ بالا قضیہ کو بیان کیا۔یہاں تک کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فہم میں کیا اور ان کے

خیال میں کیا تھا۔یعنی کوئی چیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے آخری وقت میں تھی اور کوئی ایسی وصیت عالم وجود میں آتی جس سے رفع اختلاف ونزاع کا سبب بنتا۔زیادہ تر وہ بات جو لوگوں کے سمجھ میں آتی ہے اور اس طرف ان کا خیال جاتا ہے یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تعیین خلافت تھا کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہو۔لیکن حدیث کے لفظوں میں اس حالت پر کوئی دلیل نہیں ہے خدا ہی جانتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ارادہ تھا۔ظاہر یہ ہے کہ احکام وشرائع' فرائض' اس کے ضروریات کی تجدید و بیان فرماتے اور ان کی یادداشت کیلئے کچھ مواعظ ونصائح مناسب حال بیان فرماتے۔جیسا کہ ان کا ذکر مذکورہ وصیت میں ہوا ظاہر فرماتے۔ معلوم ہوا کہ وحی نازل تھی اور اس کا حکم نہیں دیا گیا تھا اور نہ اس سے عدول وسکوت کی کوئی صورت نہ ہوتی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر تھے اور مصالح وقت اور صلاح کار کو خوب جاننے والے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو اس سے منع نہ فرمایا جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اعلان کر دو جو کوئی صدق دل سے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے گا اس پر آتش دوزخ حرام ہے۔اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو روک دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں کو عمل کرنے کیلئے چھوڑ دیجئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عرض کو قبول فرمایا۔جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ'' ہمیں خدا کی کتاب کافی ہے تو سکوت فرمایا اور اطمینان خاطر حاصل ہو گیا اور جان لیا کہ یہ حضرات دین پر راسخ وثابت ہیں۔مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے اور بلند آوازی چونکہ اچھا معلوم نہ ہوا تو فرمایا ''اٹھ جاؤ اور چلے جاؤ'' ممکن ہے اہل تشیع کے ذہن میں یہ سمایا ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نصب فرمانا چاہتے تھے اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے روک دیا۔سیاق کلام میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس پر دلالت کرنے والی ہو۔بلکہ قرینہء حدیث سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت اقرب ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کاغذ و دوات لاؤ تاکہ عہد نامہ لکھ دوں (واللہ اعلم)

حضرت صدیق کو امامت کا حکم فرمانا: ان میں سے ایک واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم فرمانا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مدت مرض میں تین دن نماز پڑھائی۔اس کے بعد حکم فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہیں کہ نماز پڑھائیں۔بعض سترہ نمازیں پڑھانا بیان کرتے ہیں اور جب عشاء کی اذان کہی گئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہیں کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھیں اور ان کی امامت کریں۔زہری سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے خطاب فرمایا کہ جاؤ اور کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ باہر آئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں ملے ان سے کہا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔چونکہ حضرت فاروق جہیر الصوت تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو فرمایا کیا یہ عمر رضی اللہ عنہ کی آواز ہے؟'' عرض کیا گیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہاں'' فرمایا ''اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہیں کہ نماز پڑھائیں۔'' المنتہیٰ میں ایسا ہی ذکر ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ علالت میں نماز کیلئے اذان دی۔تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''باہر جاؤ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔اس پر عبداللہ رضی اللہ عنہ باہر آئے تو دروازہ پر بجز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کسی کو نہ پایا اور ایک جماعت تھی جس میں حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ نہ تھے۔ پھر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی چونکہ وہ بلند آواز تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی آواز سن لی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''حق تعالیٰ منع فرماتا ہے اور مسلمان بھی بجز ابوبکر رضی اللہ عنہ کے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمہ تین مرتبہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''تم نے میرے ساتھ برا کیا۔ میں نے خیال کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں مجھ سے کہنے کا حکم فرمایا ہے۔'' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''خدا کی قسم' مجھے حکم نہ فرمایا کہ میں کس سے کہوں۔'' ایک روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دیکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر کھڑے ہوکر عرض کیا۔ ''السلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے۔'' اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنا سر پیٹتے اور فریاد کرتے باہر آئے۔ چونکہ امید ٹوٹ چکی تھی اور کمر شکستہ ہوگئی تھی کہنے لگے کاش کہ میری ماں مجھے نہ جنتی اور اگر مجھے جنا تھا تو اس دن کے دیکھنے سے پہلے مجھے موت آجاتی اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں نہ دیکھتا۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے اور کہا کہ ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرماتے ہیں کہ آگے بڑھیئے اور لوگوں کو نماز پڑھایئے۔ پھر جب حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ یہ مسجد شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی ہے چونکہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت زیادہ رقیق القلب تھے' ازحد غمگین ہوئے' خود کو سنبھال نہ سکے اور منہ کے بل گر پڑے بے ہوش ہوگئے۔ تمام صحابہ رونے لگے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک میں یہ آواز پہنچی تو فرمایا ''اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! یہ رونے اور فریاد کرنے کی کیسی آوازیں آرہی ہیں؟'' فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یہ آوازیں مسلمانوں کے رونے اور فریاد کرنے کی ہیں۔ کہ وہ آپ کو مسجد میں نہیں دیکھتے۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا۔ ان سے سہارا لیکر باہر تشریف لائے اور مسجد مبارک میں آکر نماز پڑھائی۔ فرمایا ''مسلمانو! تم خدا کے وداع' اس کی پناہ' اس کی حفاظت اور اس کی نصرت میں ہو۔ خدا ہی تمہاری حفظ طاعت اور تقویٰ میں میرا خلیفہ ہے۔ بلاشبہ میں دنیا کو چھوڑ دوں گا اور یہاں سے رحلت کر جاؤں گا''۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہوئے اور مسجد میں آنے کی طاقت نہ رہی۔ عشاء کی نماز کا وقت تھا مسجد میں لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟'' عرض کیا گیا ''نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! لوگ آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔'' فرمایا ''برتن میں میرے لیے پانی لاؤ''۔ پانی آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کو خود پر بہایا اور اٹھنے کا ارادہ فرمایا'' لیکن بیہوش ہوگئے کچھ عرصہ بعد ہوش آیا۔ فرمایا: ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟'' میں نے عرض کیا لوگ آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں''۔ فرمایا ''میرے لیے برتن میں پانی لاؤ آپ نے غسل فرمایا اور بیہوش ہوگئے۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا کہ اٹھے غسل کیا اور بیہوش ہوگئے۔ تیسری مرتبہ کسی کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ سات مشکیزے پانی بہایا گیا اور مشکیزے کے منہ کو کھلا چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی اطلاع دیں۔ جیسی کہ ان کی عادت تھی کہ اذان دینے کے بعد در شریف پر آتے' نماز اور مسجد صحابہ کے آجانے کی اطلاع دیا کرتے تھے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے والد رقیق القلب ہیں جب وہ آپ کے مصلے پر

کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو قرآن نہ سنا سکیں گے۔ اگر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمائیں تو ہو سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ''تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرو کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نرم دل شخص ہیں جب وہ آپ کے مصلے پر کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو قرآن نہ سنا سکیں گے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عورتو! تم یوسف کی صواحب ہو۔ مطلب یہ کہ تم زبان سے کچھ کہتی ہو اور دل میں کچھ اور ہے' ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔'' پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز شروع فرمائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ میں کچھ افاقہ محسوس فرمایا' اٹھے اور اس حال میں تشریف لے چلے کہ دو آدمیوں کا سہارا لیے ہوئے تھے اور آپ کا قدم اقدس زمین پر نقش کھینچتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ مسجد شریف میں تشریف لائے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محسوس کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں تو چاہا کہ پیچھے ہٹ آئیں۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ ''اپنی جگہ کھڑے رہو'۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بائیں جانب آ کے بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء کر رہے تھے۔ مطلب یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تکبیر کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقالات اور افعال پر مطلع ہو رہے تھے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت پر روایتیں متعدد ہیں جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں خدا کے فضل و نعمت کے ساتھ صبح کو بارگاہِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دوں گا۔ اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجازت لے کر اپنے گھر چلے گئے۔ آپ کا گھر مقام سخ میں تھا یہ جگہ مدینہ طیبہ کے بالائی حصہ میں ہے۔

حضرت صدیق اکبر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اقتدا میں نماز پڑھنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی امتی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی بجز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے ایک مرتبہ اور ایک سفر میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے ایک رکعت۔ جیسا کہ ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر جہاد میں ساتھ تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے' اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے میں بہت دیر ہوگئی۔ تو صحابہ نے تکبیر کہہ کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھا دیا۔ پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ایک رکعت کے ساتھ پڑھ چکے تھے۔ جب انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو چاہا کہ پیچھے ہٹ آئیں۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو۔ جس طرح کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا۔ پھر ایک رکعت نماز حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی پھر کھڑے ہو کر نماز کو پورا کیا اور فوت شدہ رکعت ادا فرمائی۔ فرمایا: ''کوئی نبی دنیا سے اس سے پہلے نہیں گیا جب تک کہ اپنی امت کے کسی صالح بندے کے پیچھے اس نے نماز نہ پڑھی اور اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رومی جبہ خفیفۃ الکمین پہننا' پیشانی اور عمامہ پر مسح کرنا' موزوں پر مسح کرنا اور دونوں پاؤں کو دھونا اور لاحق ہونا اور دونوں پاؤں کے دھونے میں احتیاط نہ کرنے پر وعید فرمانا کہ وَیْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ واقع ہوا ہے۔

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امامت کے لیے خاص فرمانے اور اس میں مبالغہ واصرار فرمانے میں اہل سنت و جماعت کیلئے آپ کی تقدیم خلافت پر واضح دلیل ہے باوجودیکہ صحابہ قریش اور حضرت علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی موجود تھے مگر ان کو خاص کیا اور آگے بڑھایا۔ اسی بنا پر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: قَدَّمَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَمَنِ الَّذِىْ يُؤَخِّرُكَ. اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آگے بڑھایا اور مقدم فرمایا تو کون ہے جو آپ کو موخر کرے۔ اسد الغابہ میں بروایت حسن بصری، حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ فرمایا ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقدیم فرمائی اور انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ میں موجود تھا غائب نہ تھا، تندرست تھا بیمار نہ تھا۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو مجھے آگے بڑھا سکتے تھے۔ لہٰذا ہم اپنی دنیا کیلئے اس شخص پر راضی ہوگئے۔ جس پر خدا اور اس کا رسول ہمارے دین کیلئے راضی ہوا۔

رہا خلافت سے دنیا کو موسوم فرمانا تو یہ ظاہری اعتبار سے ہے۔ جس میں دین اور دنیا کے امور دونوں شامل ہیں اور نماز خالص دین ہے۔ نیز ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ کے زمانہ میں قبا شریف کی جانب بنی عمر کے قضیے اور نزاع کو طے کرنے کیلئے جو وہاں کے رہنے والوں سے تھے تشریف لے گئے۔ جب نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا ''کیا رائے ہے نماز کا وقت ہوگیا ہے اذان کہہ دوں شاید کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے میں تاخیر ہوگئی تو تمام صحابہ نے متفقہ طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز کیلئے آگے بڑھا دیا۔ اچانک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاہا کہ اپنی جگہ سے پیچھے آئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لائیں اور لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ رہو۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے نماز پڑھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ پر متقدم و متعین تھے۔

قبر کے سامنے سجدہ کرنے کی ممانعت: ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا ''جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں۔ جنہوں نے اپنے انبیاء وصلحا کی قبروں کو مساجد یعنی سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ تمہیں لازم ہے کہ ایسا نہ کرنا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ فرمایا لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآءِ هِمْ مَسَاجِدَ. اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا ''اے خدا میری قبر کو میرے بعد بت نہ بنانا۔ خدا کا غضب اور اس کا قہر ان لوگوں پر زیادہ ہو جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ بلاشبہ اے مسلمانو! میں تمہیں اس سے منع فرماتا ہوں اور فرمایا: اَلَاهَلْ بَلَّغْتُ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ. خبردار میں نے تمہیں خبردار کردیا، اے خدا گواہ رہ، اے خدا گواہ رہ'' یہ مخالفت میں مبالغہ و تاکید ہے۔ تاکہ جان لیں کہ یہ بات بہت شنیع و بری ہے۔ اس کلام کی تفصیل یہ ہے کہ قبروں کو مساجد بنانے سے مراد قبر کی جانب سجدہ کرنا ہے۔ یہ دو طرح پر مقصود ہیں ایک یہ کہ قبروں کو سجدہ کریں اور مقصود ان کی پرستش ہو جس طرح کہ بت پرست کرتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ منظور و مقصود تو حق تعالیٰ کی ہی عبادت ہو لیکن اعتقاد یہ کریں کہ نماز و عبادت کے حق میں ان قبروں کی طرف رخ کرنا موجب قرب حق، باعث رضائے الٰہی ہے اور حق تعالیٰ کے نزدیک موقع عظیم ہے۔ بر بنائے ان کی عبادت کے ساتھ شامل ہونے کے اور یہ بات کہ یہ اپنے نبی کی تعظیم مبالغہ ہے۔ یہ دونوں صورتیں نامقبول اور غیر مشروع ہیں۔ پہلی صورت تو خود شرک جلی اور کفر صریح ہے۔ دوسری صورت بھی حرام وممنوع ہے کیونکہ یہ شرک خفی پر مشتمل ہے۔ دونوں صورتوں پر لعنت متوجہ ہے اور کسی

مرد صالح یا کسی نبی کی قبر کی جانب تبرک و تعظیم کی قصد سے نماز پڑھنا حرام ہے۔ علماء میں سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ اب رہی یہ بات کہ ان کے قرب و جوار میں کوئی مسجد بنانا اور قبر کی طرف رخ کیے بغیر نماز پڑھنا تا کہ اس جگہ کی مجاورت و ہمسائیگی حاصل ہو جائے۔ جہاں جد مطہرہ انسانی ہے اور ان کی روحانیت و نورانیت کی امداد سے عبادت کامل و مقبول ہو جائے تو اس شکل میں یہ حکم لازم نہیں آتا۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ان سب کو۔ شیخ ابن حجر نے شرح مشکوٰۃ میں بیان فرمایا ہے۔

ایک اور بات یہ ہے کہ بعض لوگ قبرستان و مقبرہ میں نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور اس باب میں ایک حدیث بیان کرتے ہیں تو ان کا یہ منع کرنا مطلقاً ظاہر حدیث پر نظر کے ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر زمین‘ اس پیپ و خون اور نجاستوں سے پاک و صاف ہو جو اموات سے نکلتی ہیں تو جائز ہے اور مذہب مختار ہے۔

قبر کو بوسہ دینا‘ اسے سجدہ کرنا اور پیشانی رکھنا حرام و ممنوع ہے۔ والدین کی قبر کو بوسہ دینے میں فقہی روایت نقل کرتے ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔

رحلت کی رات چراغ میں تیل تک نہ تھا: زمانہ علالت کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں سات دینار تھے۔ ظاہر ہے یہ دینار کہیں سے لائے گئے ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو فقراء پر تقسیم کر دیا۔ بجز چھ سات درہم کے جو گھر میں باقی رہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس وقت تک تشریف نہ لے گئے جب تک کہ ان سب کو خرچ نہ فرما دیا۔ حضرت سہل بن بعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سات دینار تھے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رکھے تھے۔ جب علیل ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سونے کے پتھروں کو بھیج دو تا کہ خرچ ہو جائیں۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیہوش ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کی مشغولیت نے اس سے باز رکھا۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا اور ہر بار بیہوشی عارض ہوتی رہی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عمل نہ کر سکیں۔ اس کے بعد ان کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ وہ انہیں صدقہ کر دیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ فرمایا: ”اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! وہ دنانیر کہاں ہیں؟“ عرض کیا ”میرے پاس ہیں“ فرمایا ”ان کو خرچ کر دو“ اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو فرمایا ”کیا تم نے ان کو خرچ کر دیا“ عرض کیا میں ابھی نہیں کر سکی پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب فرمایا اور ان دنانیر کو اپنے دست میں رکھ کر فرمایا ”اے دنانیر! کیا تیرا خیال یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے اس حال میں ملے گا کہ تو میرے پاس موجود ہو“ اسے بیہقی نے روایت کیا۔

جب دوشنبہ (پیر) کی شام ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کسی انصاری عورت کے یہاں کسی کو چراغ لے کر بھیجا اگر تمہارے گھر تیل ہو تو اس میں چند قطرے ڈال دیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نزع کے عالم میں ہیں۔ سبحان اللہ! ابھی ابھی سات دینار صدقہ فرمائے گئے ہیں اور گھر میں چراغ کے اندر تیل تک موجود نہیں ہے۔ اس میں مدعیان طریقہ اتباع کیلئے نصیحت ہے کہ دیکھیں کہ گھر میں کچھ نہیں رکھتے اور جو مال ہوتا بھی ہے اسے خرچ کر دیتے ہیں۔ جو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور اتباع کا دعویٰ رکھتے ہیں وہ اس کی پیروی کریں۔

انصار کے حق میں وصیت: ان واقعات میں سے ایک واقعہ انصار کے حق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصیت فرمانا ہے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ زمانہ علالت میں ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ افاقہ تھا۔ باہر تشریف لائے اور جماعت

کے ساتھ نماز پڑھی اور خطبہ دیا۔فرمایا: اِنَّ الْاَنْصَارَ عَيْبَتِيْ ۔بے شک انصار بمنزلہ عیبہ یعنی بچہ وصندوق کے ہیں جس میں کپڑے اور قیمتی سامان رکھا جاتا ہے۔ایک روایت میں ہے ''كِرْشِيْ وَعَيْبَتِيْ'' کرش' معدے کو کہتے ہیں یعنی پیٹ۔انصار کو کرش وغیبہ سے تعبیر فرمایا۔گویا وہ میرے خاص اور میرے محل اسرار ہیں'' فرمایا ''میں نے ان کی طرف ہجرت کی اور انہوں نے مجھے جگہ دی' میرے ساتھ محبت واخلاص اور دوستی ومروت کا برتاؤ کیا۔تمہارے ساتھ بھی اس طرح پیش آئے۔قسم ہے اس خدائے عزوجل کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں ان سے محبت رکھتا ہوں''۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب انصار نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روز بروز زیادہ علیل ہوتے جاتے ہیں تو وہ اپنے گھروں میں صبر وقرار سے نہ رہ سکے اور حیران وپریشان مسجد کے گرد گھومنے لگے۔کہتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہ لے جائیں اور ہم نہیں جانتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد ہمارا کیا حال ہوگا۔جب انصار کی حالت کی کیفیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی گئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ایک دست مبارک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کندھے پر رکھا اور دوسرا دست مبارک حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کے کندھے پر رکھا۔قدم اقدس سے زمین پر نقش فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ آگے آگے چلتے تھے یہاں تک کہ مسجد شریف میں آگئے اور منبر شریف کے پہلے درجہ پر نشست فرمائی۔سر مبارک پہ پٹی بندھی ہوئی تھی۔اس کے بعد صحابہ جمع ہونے لگے۔بعد از حمد وثنائے الٰہی فرمایا۔''اے لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میری وفات سے ڈرتے ہو گویا تم موت کے منکر ہو اور کس طرح تم نبی برحق کی وفات کا انکار کر سکتے ہو حالانکہ تمہیں میری وفات سے اور تمہارے مرنے سے خبردار کر دیا گیا ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۔اے محبوب تمہیں بھی موت آنی ہے اور ان لوگوں کو بھی مرنا ہے''۔فرمایا: ''کوئی نبی بھی اپنی قوم میں ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہا ہے تو میں تم میں کیسے ہمیشہ ہمیشہ رہوں گا' جان لو آگاہ ہو جاؤ کہ میری بازگشت اور تم سب کو حق تعالیٰ ہی کی طرف جانا ہے۔میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ انصار کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا اور میں مہاجرین کو بھی وصیت کرتا ہوں کہ ایک دوسرے کے ساتھ خیرخواہی سے رہنا۔اس کے بعد سورۃ والعصر آخر تک پڑھی اور اس آیت کریمہ کو پڑھا۔فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ ۔تو کیا تمہارے یہ لچھن نظر آتے ہیں کہ اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتہ کاٹ دو۔اس آیۂ کریمہ میں ان بادشاہوں اور امراء مروانیہ وعباسیہ کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اہل بیت نبوت کے ساتھ ظلم وستم کیا۔اور فرمایا: ''میں تمہیں انصار کے حق میں وصیت کرتا ہوں'' فرمایا ''اے انصار! میرے بعد ایک جماعت تم سے ایثار واختیار چاہے گی اور وہ تم پر ترجیح چاہیں گے'' انصار نے عرض کیا ''یارسول اللہ! فرمایئے ہم ان کے ساتھ کیا کریں؟'' فرمایا ''صبر کرنا یہاں تک کہ حوض کوثر کے کنارے تم سب مجھ سے ملو''

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک انصاری پر ظلم ہوا تو وہ انصاری حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ظلم کی فریاد لے کر پہنچا۔انہوں نے توجہ نہ دی اور فریادرسی نہیں کی۔انصاری نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پہلے ہی خبر دیدی ہے کہ ہم پر ظلم کیا جائے گا۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''اس کے بعد تم سے کیا فرمایا'' اس نے کہا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''صبر کرنا'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''تو جاؤ اور صبر کرو''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قریش کے حق میں بھی وصیت فرمایئے'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں وصیت کرتا ہوں اس امر کی یعنی خلافت قریش کیلئے ہے اور فرمایا: اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ خلفاء قریش میں سے ہوں

گے"۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ لوگوں میں اعلان کر دو تا کہ سب جمع ہو جائیں کیونکہ میں چاہتا ہوں انہیں بھی وصیت کر دوں اور کہو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حکم کے بموجب عمل کیا اور مدینہ طیبہ کے بازاروں میں منادی دی۔ تمام لوگ چھوٹے بڑے جنہوں نے اعلان سنا۔ اپنے گھروں اور دوکانوں کو یونہی کھلا چھوڑ کر نکل آئے اور اتنے لوگ حاضر ہو گئے کہ مسجد میں ان کی گنجائش نہ رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَوْسِعُوْا لِمَنْ وَرَاءَ کُمْ۔ اپنے پیچھے والوں کیلئے جگہ دو۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ بلیغ وطویل ارشاد فرمایا اور تمام احکام وشرائع وقت کے مناسب پندونصائح اور آداب تعلیم فرمائے اور خبردار کرتے ہوئے فرمایا "اے لوگو! تم سے میرے جدا ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے جس کسی کا کوئی حق مجھ پر ہو وہ مجھ سے اپنا حق لے لے اور جان و مال اور سامان جس سے چاہے اس کا قصاص لے لے۔" ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے آپ پر دو تین درہم ہیں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں کسی کو نہیں جھٹلاتا اور نہ قسم کسی کو دیتا ہوں یہ تین درہم کس سلسلہ کے ہیں؟" اس نے کہا "ایک دن ایک فقیر آپ کے پاس آیا تھا آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اسے تین درہم دیدو" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے فضل رضی اللہ عنہ اسے تین درہم دیدو اور فرمایا "اے لوگو! جس کسی پر جو حق ہو اس پر چاہیے کہ وہ آج اپنی گردن سے اتارلے اور یہ خیال نہ کرے کہ میں فضیحت سے ڈرتا ہوں۔ جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ دنیا کی فضیحت' آخرت کی فضیحت سے آسان ہے" اس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ میں نے تین درہم کی مال غنیمت سے خیانت کی تھی جو میری گردن پر ہے" فرمایا "تو نے کیوں خیانت کی تھی" اس نے کہا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس کا ضرورت مند تھا"۔ فرمایا: "اے فضل رضی اللہ عنہ! اسے اس کی طرف سے اتار دو" اس کے بعد فرمایا "اے لوگو! جس کسی میں کوئی ایسی صفت ہو جسے وہ جانتا ہو چاہیے کہ وہ کھڑا ہو جائے تا کہ میں اس کیلئے دعا کروں"۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں کذاب' فحش گو اور بہت سوتا ہوں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ "اے خدا! اسے سچائی نصیب فرما اور اس کی نیند کو اس سے دور فرما جبکہ یہ بیداری چاہتا ہو" ایک اور شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں کذاب' منافق ہوں اور کوئی برائی ایسی نہیں ہے جو مجھ سے وجود میں نہ آئی ہو" حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا "اے شخص تو اپنے آپ کو رسوا کرتا ہے" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دنیا کی رسوائی' آخرت کی رسوائی سے آسان ہے" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی "اے خدا! اسے صدق وراستی اور ایمان نصیب فرما اور اس کے دل کو برائی سے دور رکھ۔ نیکی کی طرف مائل فرما" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی بات ایسی کہی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عمر رضی اللہ عنہ میرے ساتھ ہے اور میں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں اور حق عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوگا جس طرف بھی وہ ہوں گے۔ اس کے بعد اسی قسم کے وعظ ونصیحت وتذکیر فرمائی۔ کاشانہ اقدس میں تشریف لے آئے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کے حق میں فرمایا۔ فرمایا: "میں تمہارے کفر وشرک میں مبتلا ہونے سے بے خوف ہوں (کہ تم میرے بعد کفر وشرک میں تو مبتلا نہیں ہو گے) لیکن دنیا سے مامون نہیں ہوں کہ تم اس طرف رغبت نہ کرو گے۔ ایک دوسرے کے ساتھ تغافل کرو گے اور اپنی ازواج مطہرات کو نصیحت فرمائی۔ فرمایا: تم پر لازم ہے کہ تم اپنے گھر کے گوشہ میں محفوظ رہو اور خود کو نامحرم سے مصئون ومستور رکھو اور اس آیۂ کریمہ کو پڑھا۔ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى۔

مسواک فرمانا: منجملہ واقعات' ایک واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات سے قبل مسواک فرمانا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری آغوش اور سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اچانک حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما داخل ہوئے ان کے ہاتھ میں سبز مسواک تھی۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نظر مبارک

مسواک کی طرف دراز فرمائی۔ میں نے جان لیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مسواک کو پسند فرما رہے ہیں اور اس کی ضرورت محسوس فرما رہے ہیں۔ پھر میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کیا میں اسے آپ کیلئے لے لوں؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا کہ ہاں لے لو' میں نے لے کر اسے نرم کیا پھر مسواک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں دیدی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب مسواک فرمائی اور اس سے زیادہ فرمائی جتنی آپ کی عادت کریمہ تھی۔ اس کے بعد مجھے واپس کی تو حق تعالیٰ نے اس دنیا کے آخری دن میں میرے لعاب دہن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن میں ملا دیا۔ جو کہ روز آخرت کا پہلا دن تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات پر اس سے فخر کا اظہار کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتوں میں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں' میری باری کے دن میں' میرے آغوش میں اور میرے حجرے میں' میرے سحر ونحر میں وفات پائی اور میرا لعاب دہن آپ کے لعاب دہن میں رحلت کے وقت شامل تھا۔

مواہب لدنیہ میں ایک حدیث ہے جسے عقیلی نے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ میرے لیے تر مسواک لاؤ اور اسے نرم کرو پھر مجھے دو کہ میں اسے چباؤں تا کہ میرا لعاب تمہارے لعاب کے ساتھ مل جائے اور یہ مجھ پر موت آسان کردے۔

(شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چبائی ہوئی مسواک کو استعمال کرنا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایک فعل کا بدلہ ہے۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ صحت کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسواک فرما رہے تھے اس کے بعد وہ مسواک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دی کہ اسے پانی سے دھو دیں تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک کو اپنے منہ میں لے کر چوسا اس کے بعد دھو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دی۔ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس دن کے عمل کا بدلہ اب آخر وقت میں عطا فرمایا) لیکن اس روایت میں غربت وندرت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' مسواک کو چبا کر مجھے دو کہ میں چباؤں تا کہ مجھ پر موت آسان ہوجائے'' اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیلئے انتہائی اعزاز واکرام اور ان کے ساتھ محبت کا اظہار ہے۔ صاحب مواہب لدنیہ اس بات کی شرح میں اور اس معنی کے بیان میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا چونکہ انسان طبعی طور پر موت کو ناگوار جانتا ہے لیکن حق تبارک وتعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور اپنے محبوبوں پر اپنے دیدار کے ذریعہ اور ہر اس چیز کے ذریعہ جس کو وہ تحائف و کرامات امدادات واعانات میں سے پسند کرتے ہیں موجود کر کے آسان فرما دیا۔ یہاں تک کہ ان کی جان ان کے دو پہلوؤں کے درمیان سے قبض کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کی روحیں اس حال میں قبض کی جاتی ہیں کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا میں مشغول ہوتے ہیں۔ جبکہ یہ صورت مسلمانوں کی ہے تو انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سیّد انبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کا کیا مقام ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام کو موت وبقا میں سے کسی کو اختیار کرنے کے بارے میں جو حق تعالیٰ کی سنت جاری ہے۔ اس کی مصلحت بھی یہی ہے۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس وقت بہت خوش ہوئے اور استعانت فرمائی یہ اسی محبت کا ثمرہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے تھی۔ اس لیے کہ محبت الم کو گھلا دیتی ہے۔ بیت۔

یقیں میداں کہ شیران شکاری   دریں رہ خواستند از مور یاری

مسند میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' مجھ پر موت کو آسان کردیا

گیا ہے اس لیے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہتھیلی کی سفیدی کو جنت میں دیکھا ہے''۔ ایک اور حدیث میں حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مرسلاً مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' بلاشبہ میں نے ان کو جنت میں دیکھا ہے حتیٰ کہ مجھ پر موت ان کے سبب آسان کر دی گئی'' گویا کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دونوں ہتھیلیوں کو جنت میں دیکھ رہا ہوں۔ معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کمال درجہ کی انتہائی محبت تھی یہاں تک کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جنت میں متمثل کی گئیں تاکہ آپ کیلئے اس طرح موت آسان ہو جائے۔ اس لیے کہ خوشی کی زندگانی دونوں محبوبوں کے اجتماع میں ہے اور بوستان کا ذوق، محبوبوں کے دیدار میں ہے۔ بلاشبہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت بھی کیا تھا کہ آپ کو لوگوں میں کون سب سے زیادہ محبوب ہے۔ فرمایا:'' عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' اس نے کہا'' مردوں میں کون ہے؟'' فرمایا'' ان کے والد'' اس بنا پر ابتدائے مرض میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا'' ہائے میرا سر'' تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' نہیں بلکہ میرا سر'' اور فرمایا'' تم رحلت کر جاؤ اے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مجھ سے پہلے اور میں زندہ رہوں تو میں نماز پڑھوں گا اور تمہیں دفن کروں گا''۔ یہ بات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گراں گزری اور کہنے لگیں'' آپ تو میرا مرنا چاہتے ہیں'' حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ چونکہ اس جہاں سے میرا جانا مقرر ہو چکا ہے تو چاہا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پہنچ جائیں اور اس عالم میں دونوں یکجا ہو جائیں۔ صاحب مواہب لدنیہ رحمۃ اللہ کے کلام کا حاصل غایت درجہ دقیق اور ذوق وجدان پر مبنی ہے۔

نماز فجر میں ملاحظہ فرمانا: ازاں جملہ وقائع در ایام مرض' ایک واقعہ رحلت کے دن کا یہ ہے جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے کے پردے ہٹا کر مسجد میں لوگوں کی جانب نظر مبارک ڈالی۔ ملاحظہ فرمایا کہ فجر کی نماز ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے ہیں۔ پھر دروازے پر اس طرح کھڑے ہوئے کہ آپ کی نظر مبارک ان کی طرف جمی رہی۔ گویا کہ آپ کا روئے انور ورق مصحف ہے۔ گویا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی نورانیت اور نظافت کو ورق مصحف سے تشبیہ دی۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کتنی عمدہ تشبیہ ہے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے تو صحابہ نے خیال کیا کہ شاید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لا رہے ہیں۔ اس پر وہ سب بہت خوش ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ آپ نماز کیلئے تشریف لے آئیں۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

نماز را بگذارم ترا سلام کنم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اپنی جگہ سے پیچھے آ جائیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ رہیں اور اپنی نماز کو پورا کریں۔ پھر دروازہ کا پردہ چھوڑ دیا اور اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔

ملک الموت کا اجازت لینا: انہیں واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ وصال حق سے تین روز قبل حضرت جبرائیل علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں آئے اور پیغام حق لائے کہ آپ کا رب جل وعلیٰ دریافت فرماتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں۔ یہ واقعہ شنبہ کے دن کا ہے۔ اس کے بعد ملک الموت آئے اور اجازت طلب کی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام اس علالت کے زمانہ میں آئے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور عرض کیا کہ حق تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے اور کیا حال ہے۔ فرمایا:'' اے امین اللہ میں درد والم محسوس کرتا ہوں'' بعض روایتوں میں آیا

ہے کہ فرمایا ''اے جبرائیل میں غم واندوہ محسوس کرتا ہوں'' دوسرے دن جبرائیل علیہ السلام پھر آئے اور اسی طرح مزاج پرسی کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی جواب مرحمت فرمایا۔ وہ تیسرے دن آئے ان کے ہمراہ ملک الموت اور ایک اور فرشتہ جس کا نام اسمٰعیل ہے جو اپنے ستر ہزار (ایک روایت میں ہے ایک لاکھ) فرشتوں پر حاکم ہے۔ جن میں ہر ایک فرشتہ ستر ہزار یا ایک لاکھ فرشتوں پر حاکم ہے۔ وہ بھی جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ عرض کیا ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور دریافت فرماتا ہے کہ خود کو کیسا پاتے ہیں'' فرمایا ''درد والم محسوس کرتا ہوں'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے جبرائیل علیہ السلام تمہارے ساتھ یہ کون ہیں؟'' جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ ملک الموت ہیں اور آپ کے بعد یہ میرا عہد دنیا میں آخری ہے۔ اور دنیا میں یہ عہد آپ کا آخری ہے۔ آپ کے بعد میں کسی بنی آدم کے پاس نہیں آؤں گا اور آپ کے بعد میں زمین پر نہیں اتروں گا'' اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکرات موت اور اس کی سختی وشدت محسوس فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانی کا بھرا ہوا پیالہ رکھا ہوا تھا بار بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک اس میں ڈالتے اور اپنے چہرہ انور پر پھیرتے تھے۔ فرماتے جاتے: اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ فرماتے: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٌ۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سکرات موت اتنی دشوار تھی کہ کبھی سرخ اور کبھی زرد ہو جاتے تھے اور کبھی داہنے دست اقدس سے اور کبھی بائیں دست اقدس سے اپنے رخسار پر انوار سے پسینہ پونچھتے جاتے تھے۔ مسواک کا قصہ جو پہلے لکھا گیا ہے اسی وقت میں تھا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان سے تشریف لے گئے تو یہ کلمہ فرماتے تھے: اَللّٰھُمَّ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آخری کلمہ ہے جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

مواہب میں سہیلی سے منقول ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے واقدی کی بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ سب سے پہلا کلمہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیمہ سعدیہ کے یہاں زمانہ رضاعت میں فرمایا ''وہ اللہ اکبر'' ہے اور آخری کلمہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ وَالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی تھا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ تر وصیت علالت کے زمانہ میں نماز کے بارے میں اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے بارے میں تھی۔ یہاں تک کہ اس وقت بھی جبکہ آپ کا سینہ انور تلجلج کررہا تھا اور آپ کی زبان مبارک کام نہیں کررہی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت اس وقت جبکہ سکرات کا عالم طاری تھا یہ تھی کہ اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ یہاں تک کہ اسی کلمہ کے ساتھ آپ کا سینہ انور تغرغر کررہا تھا اور آپ کی زبان مبارک آپ کی مدد نہیں کررہی تھی۔

مروی ہے کہ ملک الموت نے حاضر ہونے کی اجازت مانگی پھر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ عرض کرنے لگے ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا احمد! حق تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ میں آپ کی اطاعت کروں جو کچھ بھی آپ فرمائیں کہ میں آپ کی روح قبض کروں۔ اگر آپ اجازت دیں اور اگر فرمائیں تو قبض نہ کروں۔ اس میں حق تعالیٰ نے آپ کو اختیار مرحمت فرمایا ہے۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے آکر عرض کیا ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ آپ کا مشتاق ہے اور آپ کو بلاتا ہے'' اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے ملک الموت! جو تمہیں حکم دیا گیا ہے اپنے اس کام میں مشغول ہو جاؤ'' جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا ''زمین پر میرا آنا یہ آخری ہے اور دنیا میں میرے آنے کی ضرورت آپ کا وجود گرامی تھا میں آپ کیلئے دنیا میں آتا تھا۔ بیت

رفت بر بوئے سر زلف تو حقی بچمن ورنہ کے بوئے نسیم سحری بود غرض

اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو بالیں پر رکھا اور اپنا روئے انور پیٹتی کھڑی ہو گئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن حق تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم فرمایا کہ زمین پر میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو۔ خبردار! بغیر اجازت کے داخل نہ ہونا اور بغیر اجازت آپ کی اجازت کے روح قبض نہ کرنا'' تو قابض ارواح نے دروازے کے باہر اعرابی کی صورت میں کھڑے ہو عرض کیا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ بَیْتِ النُّبُوَّۃِ وَمَعْدَنِ الرِّسَالَۃِ وَمُخْتَلِفِ الْمَلٰٓئِکَۃِ۔ مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں داخل ہوں تم پر خدا کی رحمت ہو۔ اس وقت سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بالیں پر موجود تھیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ نبی کریم اپنے حال میں مشغول ہیں اس وقت ملاقات نہیں فرما سکتے۔ دوسری مرتبہ اجازت مانگی۔ یہی جواب سنا' تیسرا مرتبہ اجازت مانگی اور آواز بلند اجازت مانگی۔ چنانچہ جتنے صاحبان اس وقت گھر میں موجود تھے اس آواز کی ہیبت سے ان پر لرزہ طاری ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں آئے اور چشمان مبارک کو کھول کر فرمایا کیا بات ہے۔ صورت حال عرض خدمت کی گئی۔ فرمایا: ''اے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون ہے؟ یہ لذتوں کو توڑنے والا' خواہشوں اور تمناؤں کو کچلنے والا' اجتماعی بندھنوں کو کھولنے والا' بیویوں کو بیوہ کرنے والا' بچوں اور بچیوں کو یتیم بنانے والا ہے۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ سنا تو رونے لگیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے میری بیٹی! روؤ نہیں کیونکہ تمہارے رونے سے حاملین عرش روتے ہیں اور اپنے دست مبارک سے فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چہرہ انور سے اشکوں کو پونچھا اور دلداری و بشارت فرمائی۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر اور سیّدہ فاطمہ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رونے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو تسلی فرماتے۔ یہ کہ تم سب سے پہلے مجھ سے ملو گی اس کی بشارت دینے اور یہ کہ تم جنتی بیبیوں کی سردار ہو گی کی حدیث اسی ایک وقت میں واقع ہوئی ہیں۔ وہ فرمایا ''اے خدا انہیں میری جدائی پر صبر نصیب فرما'' فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پکارا ''واکرباہ'' ہائے مصیبت! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تمہارے والد پر آج کے بعد کوئی کرب واندوہ نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ کرب واندوہ شدت الم اور درد کی صعوبت کی وجہ سے ہے۔ بواسطہ علاقہ جسمانی اور بشری لوازمات کے تعلقات کی بنا پر ہوتی ہے۔ اس کے بعد سیدہ فاطمہ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا ''اپنے بچوں کو لاؤ'' وہ امام حسن اور امام حسین علیہم التحیۃ والرضوان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائیں۔ جب ان صاحبزادگان نے سب کو اس حال میں دیکھا تو رونے لگے اور اتنی گریہ وزاری کی کہ ان کے گریہ سے گھر کا ہر فرد رونے لگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بوسہ دیا' ان کی تعظیم وتوقیر اور ان سے محبت کے بارے میں صحابہ کرام اور تمام امت کو وصیت فرمائی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش مبارک میں رو رہے تھے۔ جب ان کے رونے کی آواز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک میں پہنچی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی رونے لگے۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو گزشتہ و آئندہ ہر حالت میں مغفور ہیں گریہ فرمانے کی وجہ کیا ہے'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرا رونا امت پر رحم وشفقت کیلئے ہے کہ میرے بعد ان کا حال کیا سے کیا ہو گا'' اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آگے بڑھیں اور عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! چشم مبارک کھولیے' میری طرف نگاہ کرم اٹھائیے اور وصیت کیجئے'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم مبارک کھولی اور فرمایا ''اے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! میرے قریب ہو'' فرمایا ''کل جو وصیت کی ہے وہی ہے اور اسی پر تم عمل کرنا'' حضرت صفیہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہا بھی آ گئے آئیں اور جس طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے گفتگو فرمائی اسی طرح حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی فرمائی۔ تمام ازواجِ مطہرات کو وصیت فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا ''میرے بھائی علی رضی اللہ عنہ کو بلاؤ'' حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور سرہانے بیٹھ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو اپنے زانو پر رکھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے علی رضی اللہ عنہ! فلاں یہودی کے چند درہم میرے ذمہ ہیں جسے اس سے لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی تیاری کیلئے قرض لیے تھے۔ خبردار اس کے حق کو میری طرف سے تم اتارنا'' اور فرمایا ''اے علی رضی اللہ عنہ! تم ان اشخاص میں پہلے ہو گے جو حوض کوثر پر مجھ سے ملیں گے اور میرے بعد بہت سی ناگوار باتیں تمہیں پیش آئیں گی تمہیں لازم ہے کہ دل تنگ نہ کرنا اور صبر کرنا۔ جب تم دیکھو کہ لوگ دنیا کو پسند کرتے ہیں تو تم آخرت کو اختیار کرنا''۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا کاغذ دوات لاؤ تاکہ تمہارے لیے ایک وصیت لکھ دوں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خوف کیا کہ جب تک میں لکھنے کا سامان مہیا کر کے لاؤں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے کوچ کر جائیں گے اور وصیت کی دولت سے محروم رہ جاؤں گا۔ میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو مرضی مبارک ہو وصیت فرمایئے میں یاد رکھوں گا'' فرمایا: اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اَلْبِسُوْ ظُھُوْرَھُمْ وَاَشْبِعُوْا بُطُوْنَھُمْ وَلِیْنُوْا لَھُمْ ۔ بِالْقَوْلِ خبردار ہو' ہوشیار اپنے غلاموں اور باندیوں کے حق میں' ان کو لباس پہننے کو دینا ان کو کھانا پیٹ بھر کر کے دینا اور ان سے نرمی کے ساتھ بات کرنا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے اور آپ کا لعاب دہن مبارک مجھ پر پہنچ رہا تھا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال متغیر ہو گیا' پس پردہ عورتیں بے طاقت ہو گئیں اور میں بھی اس کو برداشت نہ کر سکا جو حال کہ میں نے اس وقت دیکھا۔ میں نے کہا ''اے عباس رضی اللہ عنہ! میری مدد کرو'' تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ آئے اور دونوں نے مل کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لٹایا۔ ذکر ہذا کلمہ فی روضۃ الاحباب' کاتب حروف عفا اللہ عنہ' یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فخر کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک میرے آغوش میں قبض ہوئی ہے۔ مشہور بھی یہی ہے اور محدثین اس حدیث کو صحیح بھی بیان کرتے ہیں۔ اس جگہ یہ روایت لاتے ہیں کہ آخر وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے زانو پر تھا۔ جسے حاکم اور ابن سعد طرق متعددہ سے روایت کرتے ہیں۔ اس بیان سے جو اوپر مذکور ہوا ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آئے' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے بیٹھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس کو اپنے بازو پہ رکھا اور ظاہر ہوتا ہے کہ آخر عہد یہی ہے۔ ان دونوں مفہوموں کے درمیان مغائرت ہے کہ سر مبارک بازو پہ رکھا یا آغوش میں رکھا۔ اس مغائرت کا ارتفاع آسان ہے کہ یہ راویوں کا اختلاف ہے کہ بعض نے بازو پر رکھنا بیان کیا اور اس بعض نے آغوش میں رکھنا بیان کیا ہے۔ غرضیکہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زمانہ وفات کے قرب کی وجہ سے آخری مرتبہ کا نام رکھا ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا کہ سر مبارک کو بالیں پر رکھ کر اپنا روئے انور پیٹتی کھڑی ہو گئیں۔ (واللہ اعلم)

اہل سیر بیان کرت ہیں کہ جب ملک الموت اعرابی کی صورت میں آئے اور اذن طلب کیا تو فرمایا ''کہو کہ آ جائیں'' تو انہوں نے آ کر السلام علیك ایها النبی اللہ تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور مجھے حکم فرماتا ہے کہ آپ کی اجازت سے آپ کی روح مبارک قبض کروں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے ملک الموت! اس وقت تک میری روح قبض نہ کرو جب تک کہ میرے بھائی جبرائیل علیہ السلام آ نہ جائیں''۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام روتے ہوئے آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے میرے دوست! اس حال میں تم مجھے تنہا چھوڑ دیتے ہو؟'' جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بشارت ہو کہ میں حق

تعالیٰ کی جانب سے ایک خبر لایا ہوں وہ یہ کہ داروغہ دوزخ کو حکم دیدیا گیا ہے کہ میرے حبیب کی روح مطہر آسمان پر آرہی ہے آتش دوزخ کو سرد کردو۔ حور عین کو وحی فرمائی ہے کہ خود کو آراستہ و پیراستہ کریں اور فرشتوں کو حکم دیا کہ اٹھو صف در صف کھڑے ہوکر روح محمدی کا استقبال کرو اور مجھے حکم ہوا ہے کہ زمین پر جاؤ اور میرے حبیب کو بتاؤ کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں پر جنت اس وقت تک حرام ہے جب تک کہ آپ اور آپ کی امت اس میں داخل نہ ہو جائے اور کل قیامت کے دن آپ کی امت آپ کو اتنی دی جائے گی کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے ملک الموت! آ ؤ جو تمہیں حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرو'' پھر ملک الموت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اطہر کو قبض کر کے اعلیٰ علیین لے گئے اور کہا ''یا محمد! یا رسول رب العلمین'' حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں آسمان کی جانب سے فرشتوں کی ''وامحمداہ'' کی آواز سنتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اطہر ومطیب جدا ہوئی تو میں نے آپ سے ایسی خوشبو سونگھی کہ اس سے پہلے ایسی خوشبو میں نے کہیں اور نہ سونگھی تھی۔ اس کے بعد میں نے آپ کے جسم اقدس کو چادر سے ڈھانپ دیا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ فرشتوں نے چادر اڑھائی تھی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ''جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ میں نے اپنا ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد کئی جمعہ گزر گئے' میں کھانا کھاتی 'وضو کرتی مگر میرے ہاتھ سے اس دن کی خوشبو نہ گئی۔

یہ بات صحت کو پہنچی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے از حد گریہ وزاری فرمائی۔ وہ کہتیں ''یَا اَبَتَا یَا اَبَتَا'' آپ نے حق تعالیٰ کے بلاوے کو قبول فرمایا۔ وَاَ اَبَتَاہُ آپ نے جنت الفردوس میں اقامت فرمائی۔ وا ابتاہ۔ ''آپ کی رحلت کی خبر جبرائیل علیہ السلام کو کون پہنچائے۔ وا ابتاہ آپ کے بعد وہ وحی کس پر لائیں گے۔ اے خدا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روح کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے ملا۔ اے خدا مجھ اپنے رسول کا دیدار نصیب فرما' اے خدا اپنے حبیب کے ثواب سے دور نہ فرما اور روز قیامت حضور آکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم نہ کرنا'' اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت فرمانے کے بعد سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کبھی کسی نے ہنستے نہ دیکھا۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی گریہ وزاری کرتی اور کہتی تھیں۔ ''ہائے افسوس! اس نبی محترم نے فقر کو تونگری پر اور درویشی کو مالداری پر اختیار فرمایا'' افسوس! اس دین پروری پر کہ ایک رات بھی امت کے معاصی کے غم وفکر سے بے نیاز ہوکر بستر استراحت پر آرام سے نہ سوئے اور ہمیشہ قدم ثبات وقرار کے ساتھ محاربہ نفس کے مقام صبر واستقامت پر گامزن رہے۔ اسے ترک نہ فرمایا اور کبھی بھی کافروں کے ایذا وستم سے آپ کے ضمیر منیر کے دامن پر ناگواری وملامت کا غبار نہ آیا۔ ارباب فقر واحتیاج کے اوپر احسان اور فضل وامتنان کے دروازوں کو بند نہ فرمایا۔ دشمنوں کی سنگباری سے دندان مبارک اور رخسار مبارک مجروح ہوئے۔ حوادث زمانہ نے آپ کی پیشانی اقدس پر پٹی باندھی اور آپ کا شکر اطہر کئی کئی دن تک جو کی روٹی سے سیر نہ ہوا۔ کاشانہ اقدس کے ایک گوشہ سے یہ آواز سنی گئی لیکن کہنے والے کو کسی نے دیکھا۔ اس نے کہا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

اے نبی کے گھر والو تمہیں سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت تم پر ہو۔ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے بلاشبہ قیامت کے دن تمہاری نیکیوں کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ تم جان لو کہ ہر مصیبت کیلئے اللہ عزوجل کے نزدیک درجہ اور خوشی ہے اور ہر فائت کیلئے ایک قائم مقام

ہے۔لہٰذا اللہ عزوجل پر اعتماد واثق رکھو اور وہ تمہیں اس کی طرف لوٹائے گا۔آہ وفغان نہ کرو اور حقیقت یہ ہے کہ وہی مصیبت زدہ ہے جو ثواب سے محروم رہا۔والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یہ آواز تعزیت کرنے والے فرشتہ کی تھی۔

حضرت خضر کی آمد: ایک جسیم وصبیح اور گھنی داڑھی شخص آیا۔یہ مردوں کے پاس جا کر رو یا۔اس کے بعد اس نے صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر کہا''بلاشبہ ہر مصیبت کے عوض خدا کے یہاں ایک درجہ ہے۔ہر فائت کا بدل ہے اور ہالک خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔خدا کی طرف رجوع کرو' ہر بلا اور مصیبت میں خدا کی جانب متوجہ۔یہاں وہی شخص مصیبت زدہ ہے جو صبر نہ کر سکے''یہ کہہ کر وہ شخص چلا گیا۔حضرت ابوبکر صدیق اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا''یہ خضر علیہ السلام تھے جو تمہاری تعزیت کیلئے آئے تھے''۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سراسیمہ اور پریشان ہو گئے جیسے ان کی عقلیں سلب کر لی گئی ہوں۔ان کے حواس معطل ہو گئے۔بعض حضرات کی زبان بند ہو گئی' ان کے ہوش وحواس اور قوت گویائی جاتی رہی۔حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھے۔چنانچہ مروی ہے کہ ان کے پاس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے انہیں سلام کیا' انہوں نے ان کے سلام کو سنا بھی مگر سلام کا جواب نہ دے سکے (الحدیث) بعض حضرات اپنی جگہ جمے بیٹھے رہے' جنبش کی طاقت تک نہ رہی۔چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہی حال تھا۔صحابہ میں سب سے زیادہ ثابت واشجع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے حالانکہ وہ بھی آنسو بہا رہے تھے اور آہ ونالہ کر رہے تھے۔اسی کیفیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت پر استدلال کیا گیا۔بعض بیمار اور لاغر ہو کر اور گھل گھل کر اس جہان سے رخصت ہو گئے۔بعض دعا کرتے کہ''اے خدا! ہمیں اندھا کر دے کہ کسی اور کو دیکھنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے''یہ اس طرح گڑ گڑا کر فریاد کرتے تھے اور قسم کھاتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات نہیں پائی ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صعقہ کی مانند صعقہ ہوا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیدار کے وعدہ پر گئے ہیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے تھے۔فرمایا: کہ میں امید رکھتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے دن دنیا میں ضرور رہیں گے کہ منافقوں کی زبان اور ہاتھ کاٹیں۔ ''بعض منافقین کہتے تھے کہ اگر محمد نبی ہوتے تو وفات نہ پاتے''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو تلوار کھینچ کر مسجد شریف کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ''جو یہ کہے گا کہ نبی نے وفات پائی ہے میں اس سے اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا''۔لوگوں نے جب یہ بات سنی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر شک وشبہ میں پڑ گئے۔حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان داخل کیا۔انہوں نے مہر نبوت کو نہ پایا۔وہ بلند آواز سے کہنے لگیں کہ مہر نبوت اٹھا لی گئی ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جہان سے انتقال ہو گیا ہے......منقول ہے کہ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر مقام سخ حوالی مدینہ طیبہ میں تھے۔جب انہیں اس واقعہ کی اطلاع ملی وہ فوراً سوار ہو کر تیزی کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔وہ راستہ بھر روتے رہے اور''وَامُحَمَّدَاهُ''''وَانْقِطَاعَ ظَهْرَاهُ''پکارتے رہے۔یہاں تک کہ مسجد شریف میں آئے' دیکھا کہ لوگ پریشان حال ہیں کسی کی طرف توجہ نہ دی اور نہ کسی سے بات کی سیدھے حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں داخل ہو گئے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور سے چادر مبارک اٹھائی اور نورانی پیشانی کو بوسہ دیا۔ایک روایت میں ہے کہ اپنے منہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن اقدس پر رکھا' بوسہ دیا اور بوئے مرگ کو سونگھا۔فرمایا کہ''وَاَنْبِيَاهُ''اس کے بعد سر اٹھایا اور رونے لگے۔دوسری مرتبہ بوسہ دیا اور کہا''وَاَصْفِيَاهُ''پھر سر اٹھایا اور رونے لگے' تیسری مرتبہ پھر بوسہ دیا اور کہا ''واخلیلاہ''اور کہا: بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ طِبْتَ حَيًّا وَّمَيِّتًا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں' آپ ہر حال میں خوش وپاکیزہ رہے'

حیات میں بھی اور وفات میں بھی۔ کہا: لَایَجْمَعُ اللّٰہُ عَلَیْكَ مَوْتَتَیْنِ اَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِیْ کُتِبَتْ عَلَیْكَ فَقَدْ وَجَدْتَّهَا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہ کرے گا لیکن وہ موت جو آپ پر لازم کی گئی تھی بلاشبہ اسے آپ نے پالیا۔ آپ اس سے کہیں بزرگ تر ہیں جتنی آپ کی صفات بیان کی جائیں اور آپ اس سے بالاتر ہیں جتنا آپ پر رویا جائے۔ اگر اختیار کی لگام ہمارے ہاتھ میں ہوتی تو ہم اپنی جانوں کو آپ پر قربان کردیتے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ آپ نے ہمیں میت پر بین کرنے سے منع فرمایا ہے تو ہم اتنا روتے کہ آنکھوں سے چشمے جاری ہوجاتے۔ اے خدا! ہماری طرف سے سلام پہنچا' اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے رب کے پاس یاد رکھنا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول لَایَجْمَعُ اللّٰہُ عَلَیْكَ مَوْتَتَیْنِ میں۔ بعض میں اختلاف کرتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں کہ اس سے کیا مراد ہے؟ بعض کہتے اس سے اس قول کے رد کی طرف اشارہ ہے جس میں یہ گمان کیا گیا تھا کہ عنقریب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے اور لوگوں کے ہاتھ کاٹیں گے۔ اس لیے اگر دوبارہ آنا صحیح ہو تو لازم آتا ہے کہ دومرتبہ موت آئے گی۔ اس لیے خبردار کیا کہ آپ اس سے برتر ہیں کہ حق تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع فرمائے۔ جس طرح کہ ان لوگوں پر جمع کیا جو اپنے گھروں سے موت کے ڈر سے نکلے۔ یہ ہزاروں تھے۔ پھر حق تعالیٰ نے انہیں موت دی۔ اس کے بعد ان کو زندہ کیا' یا اس شخص کی مانند جو بستی پہ گزرا اور اس نے کہا کہ کس طرح حق تعالیٰ زندہ فرمائے گا تو حق تعالیٰ نے اسے موت دی۔ پھر حق تعالیٰ نے اسے دوبارہ زندہ کردیا جس طرح کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا پورا قصہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر میں دوسروں کی مانند دوبارہ موت نہ آئے گی جس طرح کہ دوسروں کو منکر ونکیر کے سوال کیلئے زندہ کیا جاتا ہے پھر انہیں مار دیا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دوسری موت سے مراد آپ کی شریعت ہے کہ وہ ہمیشہ باقی رہے گی۔ بعض کہتے ہیں کہ دوسری موت سے مراد کرب واندوہ ہے مطلب یہ کہ آج کا کرب واندوہ برداشت کرلینے کے بعد مزید کوئی اور کرب واندوہ نہ ہوگا۔ جس طرح سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جواب میں فرمایا کہ لَاکَرْبَ عَلٰی اَبِیْكَ بَعْدَ الْیَوْمِ۔ آج کے بعد تمہارے والد پر کوئی تکلیف نہیں ہے۔ فتح الباری میں یہ تمام معانی بیان کیے گئے ہیں۔

صاحب مواہب نے فرمایا کہ قول اول زیادہ واضح اور تمام جوابات میں زیادہ سلیم ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اس اعتبار سے ہو کہ الفاظ ظاہر پر محمول ہوتے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ آپ پر مشیت الٰہی جاری ہونے کے بعد دوسری موت نہیں ہے۔ مراد وقت موت اور اس کے بعد زندہ کرنا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ میں اپنے رب کے نزدیک اس سے بزرگ تر ہوں کہ مجھے قبر میں چالیس روز چھوڑا جائے اور اس کے بعد حیات باقی ومستمر ہوگی۔ اس پر ظاہری موت نہ آئے گی۔ یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مستمرہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مسئلہ تاریخ مدینہ میں شرح اور مبین کردیا گیا ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو اس کتاب کے آخر میں بھی ذکر کردیا جائے گا۔

اس کے بعد حضور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کاشانہ اقدس سے باہر آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ لوگوں کے درمیان کھڑے فرمارہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو فوت ہوئے ہیں اور نہ ہوں گے۔ جب تک کہ منافقوں کو قتل نہ کردیں۔ ان منافقوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے کے بعد فتنہ انگیزی برپا کررکھی تھی اور شوریدہ سری پر آمادہ ہوگئے تھے۔ اس پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا' یک لحظ بیٹھو' مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلا لائے پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے لوگو! جان لو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے ہیں' کیا تم نے نہیں سنا کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا کہ اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ۔ اے حبیب آپ کو بھی موت آنی ہے اور یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں۔ فرمایا: وَمَا جَعَلْنَا بَشَرًا مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ۔ آپ سے پہلے کسی بشر کیلئے (دنیا

میں) ہمیشہ رہنا نہ بنایا تو اگر آپ انتقال فرما جائیں تو یہ کیا ہمیشہ رہیں گے''۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر تمام لوگ حضرت صدیق اکرم رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔ جو حمد و ثنائے الٰہی اور درود بر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل تھا اس کے بعد فرمایا جو کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا تو وہ جان لے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور جو کوئی حق تعالیٰ کی پرستش کرتا تھا وہ اب بھی موجود زندہ ہیں۔ اس پر کبھی موت نہ آئے گی اور یہ آیۂ کریمہ تلاوت کی۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ ۔''اور نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر اللہ کے رسول' بیشک آپ سے پہلے رسول گزرے تو کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے'' تلاوت فرمائی: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۔''اے حبیب! آپ کو بھی موت آنی ہے اور ان کو بھی مرنا ہے'' اس کے بعد لوگوں کو یہ دونوں آیتیں یاد آ گئیں اور ایسا خیال کیا کہ گویا یہ دونوں آیتیں آج ہی نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ وہ دن آیتوں کو ہر گلی کوچے میں پڑھتے پھرتے تھے۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی خطبہ دیا اور فرمایا ''اے لوگو! وہ بات جو میں نے پہلے کہی تھی وہ ویسی نہیں ہے جیسی کہ میں نے کہی۔ خدا کی قسم! میں نے وہ بات نہ کتاب الٰہی میں دیکھی اور نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد یعنی سنت میں دیکھی۔ لیکن ہماری آرزو تو یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں زندہ رہتے اور ہمارے معاملات کی تدبیر فرماتے۔ ہمارے بعد دنیا سے تشریف لے جاتے مگر حق تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وہی اختیار فرمایا جو اس کی مرضی تھی اور جو تمہاری تمناؤں کے خلاف ہے۔ یہ کتاب الٰہی ہے جس کے ذریعہ اپنے رسول کی ہدایت کی گئی ہے لہٰذا اسے تھام لو تا کہ سیدھی راہ پر قائم رہو۔ جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی۔

ابونصر نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا پہلی بات کہنا' ان کا حال ایسا ہو جانا عظیم فتنہ کے خوف اور منافقوں کی شوریدہ سری کے رونما ہونے کے سبب سے تھا۔ پھر جب انہوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یقین کی قوت کا مشاہدہ کیا تو اس سے تسکین پائی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا گویا میں نے یہ آیت سنی ہی نہ تھی۔ یہاں تک کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے میں نے سنی تو مجھ پر لرزہ اور کپکپی طاری ہو گئی اور میں گر پڑا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ گویا ہمارے چہروں پر پردہ پڑا ہوا تھا جسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطبہ نے اٹھا دیا۔ اس کے بعد مدینہ طیبہ کے رہنے والے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دل' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جم گیا۔ وہ استرجاع کرنے لگے اور کہنے لگے: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اہل بیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعزیت و تسلی بجا لائے۔ فرمایا: ''تم اہل بیت رسول ہو غسل' اور تجہیز و تکفین کا تعلق تم سے وابستہ ہے اس کا تم انتظام کرو۔ خود اکابر مہاجرین اور اشراف انصار کو لے کر سقیفہ بنی ساعدہ میں امر خلافت کو طے کرنے میں مشغول ہو گئے۔ چونکہ امر خلافت اہم دینی معاملہ اور وقوع خلاف و نزاع اور موجب انتظام و انصرام مہام اسلام کا واقعہ تھا۔ اس سلسلہ کی تفصیلی بحث اپنے محل میں مذکور ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مہاجرین و انصار میں اختلاف رونما ہو گیا تھا۔ دونوں کہنے لگے تھے کہ ہم میں سے امیر ہو یا تم میں سے۔ اس کے بعد حدیث مبارک الائمة من قریش ۔ سے امامت کو قریش کے حق میں ہونا ثابت ہو گیا۔ چوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ذہنوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تقدم و رجحان

بیٹھا ہوا تھا خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ علالت میں نماز کیلئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھانے سے یہ خیال پختہ ہوگیا تھا۔ چنانچہ دینی واسلامی معاملات کیلئے بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر اتفاق ہوا اور اس پر اجماع منعقد ہوا۔

تنبیہ: پہلے گزر چکا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض موت میں سکرۃ موت کی سختی وشدت پیش آئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ۔ ''اے خدا! سکرات موت پر میری مدد فرما'' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی شدت دیکھی ہے۔ میں اس شخص کی موت پر رشک کرتی ہوں جو آسانی سے مرجاتا ہے۔ اگرچہ میں جانتی ہوں کہ شدت سے مرنا بہتر ہے اس لیے کہ آسانی سے مرنا ہوتا تو حق تعالیٰ اپنے حبیب کیلئے اس کو ہی اختیار فرماتا۔ ''اس مسکین (یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ) کو حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ بات گراں معلوم ہوتی ہے اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کون سی شدت تھی۔ یہی تو تھا کہ ایک پانی کا بھرا ہوا پیالہ رکھا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں دست مبارک ڈال کر اپنے روئے انور پر پھیرتے تھے اور آپ کے رخسار شریف کے رنگ میں خاص تغیر واقع ہورہا تھا۔ آپ کے روئے انور پر پسینہ آجاتا تھا' یہ کونسی شدت تھی۔ شدت تو وہ ہے جو لوگوں کو موت کے وقت میں لاحق ہوتی ہے۔ وہ شدت اور ہی قسم کی ہے بہر تقدیر' وہ خاص تغیر وجود شریف کو لاحق ہوا۔ عام لوگوں کے ذہنوں میں جو علو مقام راسخ ہے اس کے لحاظ سے اس کا مقتضی ہے کہ یہ بھی نہ ہوتا۔ بعض عرفاء نے اس ضمن میں بلند کلام متعدد وجود سے بیان کیا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار حال مبارک اور اس مطلب کی وضاحت میں نفیس ترین ہے۔ ''جَزَاہُ اللّٰہُ خَیْرًا'' اول وجہ' الم وکرب اور شدت کے پانے میں یہ ہے کہ اگر اس کو سکرات موت سے موسوم کریں تو سبب اعتدال مزاج بھوک اور ادراک واحساس کے قوی ہونے کے سبب سے تھا۔ چونکہ مزاج مبارک نبوی غایت درجہ توسط واعتدال میں تھا لامحالہ الم کا احساس وادراک اکثر اور اس کے آثار وعلامات اتم اوفر تھے۔ اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بخار اتنی شدت کا چڑھا ہے جتنا تم میں سے دو شخصوں کے ہوتا ہے' جب ترازو کے دونوں پلڑے معتدل و برابر ہوں اور دونوں پلڑوں میں سے کچھ چیز حاصل ہو۔ اگرچہ یہ اقل قلیل ہی ہو تو میل وانحراف کسی ایک پلڑے کا ضرور ظاہر ہوگا۔ وجہ ثانی یہ کہ کرب والم بہ سبب روح کا بدن شریف سے قوی تعلق اور بدن اقدس کا آپ کی روح مطہر کے ساتھ غایت درجہ محبت رکھنے کی بنا پر تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک' صورت حیات اور قوام حقیقت نورانیہ میں مادہ اصلیہ تھا۔ جب جسم اقدس اور روح مطہر سے وہ تعلق منقطع ہونے لگا تو اس کی جدائی کا الم' غایت عشق ومحبت اور اس تعلق کے جو دونوں میں موجود تھا۔ سخت وشدید معلوم ہوا وجہ ثالث یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قسم کی حالت وصفت جاری ہونے میں امت مرحومہ کیلئے اس قسم کے شوائد کے نزول میں وجہ تسلی موجود ہے۔ آپ کے خدا کے حبیب ہونے اور ساری مخلوق سے اعزو اکرم ہونے کے باوجود آپ پر ایسی شدید صورت وکیفیت طاری ہوئی تاکہ امت کیلئے آسانی ہو اور وہ سکرات کی شدت برداشت کرسکے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول میں اس طرف اشارہ ہے۔ وجہ رابع یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت شریفہ جامع حقائق تمامہ امت بلکہ تمام کائنات ہے۔ منشاء وجودات اصلیہ وفرعیہ ہے اور تمام حقائق' جواہر واعراض' ارواح واجسام میں جاری ہیں' لہٰذا گویا آپ کی روح شریف کی جسد لطیف سے جدائی' ہر روح کی ہر جسد ذی حیات سے جدائی ہے۔ اس بنا پر جو شدت وکربت حاصل ہوئی وہ بہت کے مقابلہ تھوڑا اور دریا کے مقابلہ میں قطرہ ہے۔ وجہ خامس یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے تمام اعمال اور ان کے تمام اثقال کے حامل اور اٹھانے والے ہیں۔ ساری امت کا رجوع آپ کی طرف ہے اور سب کی پناہ آپ کے دامن اقدس میں ہے۔ جیسا کہ حق تبارک وتعالیٰ کا ارشاد عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَاعَنِتُّمْ حَرِیْصٌ۔ اس بارے میں شاہد وناظر ہے۔ لہٰذا ان کے اعمال واثقال کا اثر اور ان کے غم واندوہ کا نشان اس وقت میں ظاہر ہوا

کیوں کہ یہ محل اعمال واثقال کے برداشت کا ہے۔ اسی وجہ سے جب جبرائیل علیہ السلام امت کے بخشے جانے کی بشارت لے کر آئے تو پائے راحت بالین استراحت پر رکھا اور روئے مبارک بعالم ثانی لائے۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔ وجہ سادس یہ ہے کہ یہ انسان کی دائمی عادت ہے کہ جب اسے مملکت وخلافت اور امور سلطنت کی ولایت سونپی جاتی ہے اور پھر اسے بارگاہ میں بلایا جائے۔ دوسری مملکت اسے سونپی جائے تو لامحالہ اسے بارگاہ میں حاضر ہونے میں سوال وجواب کی فکر اور تردد اور روبرو ہونے کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے۔ ہر چند کہ تمام اکناف وآفاق میں اس کے تمام معاملات علی الاطلاق آپ کو تفویض فرمائے گئے ہیں اور بہر حال وبہر لحاظ اس کے حساب وکتاب سے آپ کو بخش دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود سلطانی ہیبت ودہشت موجود تھی کہ کیا سرانجام ہوگا۔

شیخ اجل اکرم عبدالوہاب اپنے شیخ علی متقی قدس سرہما سے نقل کرتے ہیں کہ وہ بوقت رحلت فرماتے تھے اگر تم ہم میں سکرات موت کی شدت دیکھو تو دلگیر نہ ہونا' کوئی خیال دل میں نہ لانا کیوں کہ یہ شدت لازمہ مرتبہ قطبیت اور عہدہ داری ہے۔ (واللہ اعلم)

وجہ سابع جو خلاصہ وجوہ مذکورہ اور حاصل قضایائے متعددہ ہے یہ کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو (تجلیات صمدیت' تنزلات احدیث سے جو متمکن درعنایت قدس صفات اور مشاہدہ رفیعہ باسماء وصفات تھے) تحفہ فرمائے۔ کوئی شک نہیں ہے کہ ان تنزلات کے بوجھ کے ماتحت ماندہ ہو جانا اور ان فتوحات کو بہت عظیم معلوم ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ وحی اور نزول قرآن کریم کے وقت آپ کی حالت ہو جاتی تھی۔ چنانچہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود روایت کرتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب شدید موسم سرما میں وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ بہنے لگتا تھا اور حق تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ''بے شک ہم آپ پر بھاری قول اتاریں گے'' لہٰذا وہ موت جو بافاضات الٰہیہ حیات ابدی ہے اور اس کے سکرات کا مشاہدہ کیا تھا جو کہ جسمانی عدم گویائی کی بنا پر ظاہر ہوتے تھے۔ یہ محض عالم عیاں کی قبیل سے سکرات کی ظاہری شدت کی صورت میں تھے۔ اس سبب کا خلاصہ ونتیجہ یہ ہے کہ اس حالت میں بے شمار خاص نازل ہوئی تھیں بلکہ وحی کے اختتام اور اتمام کا محل تھا۔ وجہ ثامن یہ ہے کہ یہ وقت حق تعالیٰ جل وعلیٰ کی خاص لقا کا تھا اور وہ خشیت وہیبت واجلال کا تھا جو معرفت وعبودیت اور قرب حضور ذی الجلال میں اس حال ووقت کے مناسب تھا۔ یہ تمام خصوصیات کسی اور حالت ووقت میں نہ تھیں۔ وجہ تاسع یہ کہ یہ بے قراری' لقائے روحی کے شوق میں تھی جو لقائے سبوحی کی طرف جلد تر جانے کی بنا پر حاصل تھی۔ گویا کہ آپ چاہتے تھے کہ یہ روح' عالم ناسوت سے نکل کر جلد تر غیبت لاہوت میں داخل ہو جائے۔ لامحالہ عالم صبیعت کے غلبہ اور مزاج بشریت کے ضغطہ ضیغمی سے وہ حالت رونما ہوئی تھی جس سے انفعال قوی ہوتا اور اس حال کا غلبہ ظاہری ہوتا ہے۔ اس طرف اپنے اس قول میں اشارہ بھی فرمایا ہے کہ مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ۔ جو اللہ کی لقا کو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کے لقاء کو چاہتا ہے۔ وجہ عاشر یہ کہ یہ شدت اس عالم والوں کے تعلقات کا پرتو تھا جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ان کیلئے ایک حصہ تھا اور وہ حصہ ان کے درمیان موجود رہنے کی صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امداد واعانت فرمانا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات' ہر موجودات کی حیات ہے اور حقیقت کے مرات یعنی آئینہ سے ان تعلقات کو منقطع کرتا ہے۔ کون سے آئینہ سے جو کہ اپنی چمک دمک اور صفائی وتابانی میں بے نظیر ہے اور جہاں کا کوئی آئینہ ایسا صاف ومجلّے نہیں۔ یہ تعلقات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارتحال وانتقال کی نقیض ہیں تو یہ دونوں نقیضیں' ضدیں اپنی اپنی حالت میں ایک دوسرے پر عمل کرتی ہیں اور کشمکش پیدا کرتی ہیں۔ اس وجہ سے ضغطہ یعنی دباؤ اور تنگی رونما ہوتی ہے۔ وجہ احد عشر یہ کہ یہ حق تعالیٰ عزوجل کا اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف عبودیت پر جو کہ اشرف اوصاف اعظم محاسن ومحامد ہے۔ القاء واجراء کے سبب ہے۔ اسی بنا پر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بادشاہت اور عبودیت کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ نے عبودیت کو اختیار فرمایا۔ فرمایا: کہ میں پسند

کرتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھاؤں۔ کھانا اس طرح کھاؤں جس طرح غلام کھاتے ہیں' بیٹھوں اس طرح جس طرح غلام بیٹھتے ہیں' مقتضائے مزاج عبودیت' اوامر واحکام شرعیہ کے پہلو میں' آرام وراحت نہ پانا اور شدائد وتکالیف کا نازل ہونا ہے۔
بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں حصہ بشریت کے احکام ظاہر ہوتے تھے اور انسانوں کی ہی مانند بچے کے گم ہونے پر روتے اور فرماتے تھے کہ اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَاِنَّ الْقَلْبَ تَحْزَنُ۔'' بے شک آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل غمگین ہوتا ہے'' لہٰذا اس حصہ بشریت کا ابقاء اور اس کے لوازم وشدائد کا ادراک ہے۔ یہ اوصاف بشریت کی بزرگی وشرافت اور اس کے تحقق کیلئے ہے جو کہ جالب ضراحت اور داعی افتقار وانکسار ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی سطوت اور اس کی ربوبیت ظاہر ہوتی ہے۔

باب سوم

غسل، تجہیز و تکفین اور نماز گزارنے کے بیان میں

چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ علالت میں فرمایا تھا کہ مجھے میری اہل بیت کے مرد حضرات غسل دیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا کہ غسل اور تجہیز و تکفین کا کام ان سے متعلق ہے۔ لامحالہ اہل بیت اطہار، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کام میں مشغول ہوئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''حجرہ مبارک کا دروازہ غیر اہل بیت پر بند کر دیا گیا ہے۔ منقول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح غسل دیا گیا تھا۔ فرمایا: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کلہ پر بردیمانی باندھا، اسی بنا پر غسل کیلئے کلہ باندھنا ہمارے لیے سنت ہوا۔ (کلہ چاروں طرف چادر تاننے کو کہتے ہیں) اس کے بعد کلہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت فضل رضی اللہ عنہ وقثم رضی اللہ عنہ کو (جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے) بلایا ایک روایت میں ہے کہ بجائے قثم رضی اللہ عنہ کے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن الحارث کو بلایا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید جو حب رسول اللہ تھے اور اہل بیت کا حکم رکھتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت صالح حبشی جن کا لقب شقران ہے جمع ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کلہ میں لائے تا کہ غسل دیں۔ اس کے بعد ان سب پر اور دیگر تمام لوگوں پر جو کہ گھر کے اندر تھے اور کلہ کے باہر تھے اونگھ طاری ہوئی۔ کسی منادی نے اطلاع کی کہ غسل نہ دو کیونکہ خدا کے نبی اس سے پاک ہیں اور انہیں غسل کی حاجت نہیں ہے۔ ہر چند کہنے والے کو تلاش کیا گیا مگر معلوم نہ ہو سکا۔ سب نے چاہا بھی کہ ایسا ہی کریں اور غسل نہ دیں۔ مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ایسی آواز کی بنا پر جب کی حقیقت کو ہم نہیں جانتے کہ کہاں سے آئی ہے۔ سنت کو ترک نہیں کر سکتے پھر ان سب پر دوسری مرتبہ اونگھ طاری ہوئی اور ندا آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دو کہ پہلی ندا کا بولنے والا ابلیس تھا۔ میں خضر علیہ السلام ہوں۔ بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آواز غسل نہ دینے کی کلہ باندھنے سے پہلے تھی اور جب غسل دینا طے پا گیا تو کلہ باندھا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کلہ میں لے گئے۔ اس وقت ان اصحاب میں ایک اور اختلاف واقع ہوا کہ آیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس میں ہی غسل دیں یا جس طرح دیگر اموات کو برہنہ کرتے اور غسل دیتے ہیں ویسا کریں۔ اس وقت پھر اس پر اونگھ طاری کی گئی اور وہ اس طرح اونگھے کہ جھک کر ان کی تھوڑیاں ان کے سینہ پر آ گئیں۔ اچانک کسی نے گھر کے گوشہ سے آواز دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برہنہ نہ کرو اور پیرہن مبارک میں غسل دو۔ مروی ہے کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ غسل دیں تو چہارزانو ہو کے بیٹھے اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی چہارزانو بیٹھایا۔ یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آغوش پر بٹھالیا۔ اس وقت پھر ندا آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی کمر شریف پر لٹادو اور غسل دو۔ اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح لٹایا کہ آپ کا سر مبارک جانب مشرق اور قدمہائے اقدس جانب مغرب تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ غسل دینے میں مشغول ہو گئے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینہ پر لیا اور ہاتھیوں میں دستانے پہن کر ہاتھوں کو پیرہن مبارک کے اندر داخل کیا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ اور شقران رضی اللہ عنہ' قمیص مبارک کے اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ وقثم رضی اللہ عنہ ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر لے جانے پر حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی اعانت وامداد کرتے تھے اور غیب سے بھی غسل میں اعانت واقع ہوئی۔ چنانچہ انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی اور ہاتھ اپنے ہاتھ سے ملاقی ہوتا ہے۔ ان سب کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ غیب سے اور پردہ کے پیچھے سے ایک آواز آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نرمی برتو۔ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو وصیت تھی کہ تمہارے سوا کوئی اور غسل نہ دے اور نہ کوئی میرا ستر دیکھے۔ اگر خلاف ورزی ہوئی تو اس کی بینائی جاتی رہے گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس سے کوئی شے برآمد نہ ہوئی جس طرح کہ دوسرے لوگوں کے شکم وغیرہ سے خارج ہوتی ہے۔ اس پر حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کتنی صفائی اور کتنی خوشبو ہے حیات میں بھی اور ممات میں بھی''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ پاک وصاف پانی بیری کے پتے اور کافور کے پانی سے غسل دیا گیا۔ ابن ماجہ نے بسند جید حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب مجھے غسل دو تو بیر غرس کے پانی کے ساتھ مشکیزے سے دینا۔ بیر غرس (بفتح غین وسکون را) یہ ایک کنواں ہے جو مدینہ طیبہ سے شمال کی جانب نصف میل کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ بہت بڑا کنواں ہے اور اس میں دہ دہ سے زیادہ پانی ہے۔ یہ مدینہ طیبہ کے ان سات کنوؤں میں سے ایک کنواں ہے جو زمانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک باقی ہیں۔ اس کے پانی پر سبزی غالب ہے۔ اس میں سیڑھیاں ہیں جس کے ذریعہ کنویں میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ بات پائیہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنویں کا پانی پیا تھا' اس سے وضو کیا تھا اور وضو کے بقیہ پانی کو اسی میں ڈالا گیا تھا۔ ابن حبان نے ثقہ راویوں سے نقل کیا ہے کہ انس بن مالک بیر غرس سے پانی کھینچ رہے تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اس کا پانی پیا اور وضو فرمایا۔ ابن میرین بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے بہشت کے ایک کنویں پر صبح کی ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیر غرس پر صبح کی اور وضو فرما کر اپنا لعاب دہن اس میں ڈالا۔ اس وقت بطور ہدیہ کہیں سے شہد آیا ہوا تھا اسے بھی اس کنویں میں ڈال دیا۔ ابن ماجہ بسند جید روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ بعد از وفات مجھے میرے کنویں کے پانی سے یعنی بیر غرس کے سات مشکیزوں سے غسل دینا۔ نیز مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے فرمایا جب میں اس عالم سے سفر کروں تو بیر غرس کے سات مشکیزے پانی سے جن کا دہانہ کھلا ہوا ہو غسل دینا (انتہی) اور بیہ زمانہ علالت میں بھی مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سات مشکیزے پانی سے غسل فرما کر باہر مسجد میں تشریف لائے۔ یہ پانی بھی اسی کنویں کا ہوگا (واللہ اعلم)

بعض شراح حدیث کہتے ہیں کہ یہ اس بنا پر تھا کہ دفع سحر میں سات کی گنتی کی خاص تاثیر ہے جس طرح کہ زہر اور سحر کے علاج میں آیا ہے کہ مدینہ طیبہ کی عجوہ کھجور کے سات دانے کھائے۔

مروی ہے کہ غسل کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پلکوں کے نیچے اور ناف کے گوشہ میں پانی جمع ہو گیا تھا۔ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے اس پانی کو اپنی زبان سے چوسا اور اٹھایا۔ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے مجھ میں علم کی کثرت اور حافظہ کی قوت زیادہ ہے۔

جب غسل مکمل ہو گیا تو مقام سجدہ اور مفاصل شریف کو خوشبو سے معطر کیا گیا اور تین مرتبہ اگر کی دھونی دی گئی۔ اس کے بعد اٹھا کر سر

پرلٹا دیا گیا۔ مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کسی قدر مشک اور عطر اپنے فرزندوں کے سپرد کیا۔ وصیت کی کہ اس کو میرے کفن میں لگانا کیوں کہ یہ خوشبو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حنوط سے بچائی ہوئی ہے۔

تکفین کی کیفیت: وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سفید سحولی کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ سحولی منسوب بہ سحول بمعنی قطار ہے اور یہ روایت کپڑے کے سفید اور دھلے ہونے میں زیادہ مشہور و معروف ہے۔ سحل سفید دھلے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں۔

ابن سیرین کہتے ہیں کہ سحل' سحول کی طرف منسوب ہے جو یمن کے ایک قریہ کا نام ہے۔ نیز منسوب بہ سحول جمع سحل بمعنی جامعہ سعید بھی مروی ہے۔ یہ کپڑا روئی کا ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ''من کرسف'' آیا ہے۔ کرسف پنبہ یعنی روئی کو کہتے ہیں اور ایک قریہ کا نام بھی بتاتے ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ دو سفید کپڑے تھے اور ایک یمنی چادر۔ ترمذی نے کہا کہ ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں روایتیں مختلف مروی ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث' اصح احادیث ہے۔ اکثر اہل علم صحابہ کرام وغیرہ کا اس پر عمل ہے۔

بیہقی نے حاکم سے نقل کر کے کہا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے حدیثیں حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں تین کپڑے تھے۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہیں ہے۔ ''قمیص عمامہ کے ان میں نہ ہونے کے قول کے مفہوم میں اختلاف کیا ہے اس عبارت کا ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں قمیص اور عمامہ سرے سے تھے ہی نہیں۔ دوسرا مفہوم یہ لیتے ہیں کہ تین کپڑوں میں کفن دیا گیا اور قمیص و عمامہ ان تین کپڑوں سے زیادہ تھا۔ یہ مفہوم عبارت کے صریح خلاف واقع ہے اس لیے کہ یہ ثابت شدہ نہیں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں قمیص اور عمامہ بھی شامل تھے۔ اسی بنا پر کفن میں قمیص و عمامہ شامل ہونے کے بارے میں ائمہ کا اختلاف مترتب ہے کہ آیا یہ مستحب ہے یا نہیں' لہٰذا امام مالک و امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ تین کپڑے ہونے چاہئیں۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہ ہو۔ چنانچہ وہ قمیص و عمامہ وغیرہ کی زیادتی کو جو کہ تین لفافوں کے سوا ہو مکروہ کہتے ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جائز اور غیر مستحب ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ تین کپڑے ہیں ازار' قمیض اور لفافہ۔ متاخرین علماء' احناف علماء' اہل سنت کیلئے عمامہ جائز رکھتے ہیں اور کفن ہمارے مذہب میں تین کپڑے ہیں۔ دو بھی کافی ہیں اور ضرورت کے وقت جو بھی میسر ہو۔ ایک اور روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں سات کپڑے بھی آئے ہیں۔ یہ روایت ضعیف ہے بلکہ کہتے ہیں کہ بعض روایتوں سے یہ وہم لاحق ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

جس قدر بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس پر قمیص تھی اور اس میں ہی غسل دیا گیا تھا۔ وہ کفن میں داخل نہ تھا لہٰذا وہ حدیث جو سنن ابوداؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کپڑوں کا کفن دیا گیا' دو کپڑے اور ایک وہ قمیص مبارک جو وقت وفات آپ کے جسم اقدس پر تھی۔ اس روایت میں ضعف ہے صحیح نہیں ہے۔ صحیح وہی ہے جو مذکور ہوئی۔ اس لیے کہ یزید بن زیاد اس حدیث میں ایک راوی ہیں جس کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے۔ خصوصاً اس حدیث میں جہاں اس کے برخلاف ثقہ راویں سے حدیث موجود ہو البتہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرض وفات میں گئی تو میں نے ان کے لباس پر نظر ڈالی جس میں وہ علیل ہوئے تھے تو وہ زعفران سے رنگا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا ''اس لباس کو دھو دینا اور دو کپڑے اور بڑھا کر ان تین کپڑوں میں مجھے کفن دے دینا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ''میں نے عرض کیا یہ کپڑا جو آپ زیب تن کیے ہوئے ہیں پرانا ہے''۔ زندہ زیادہ لائق

وسزاوار ہے نئے کپڑے کا بہ نسبت مردے کے۔ (رواہ البخاری)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ادا کرنا: وصل: لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ادا کرنا جماعت کے ساتھ نہ تھا بلکہ ایک جماعت آپ کے قریب آتی اور بغیر جماعت کے نماز پڑھتی اور نکل جاتی۔ پھر دوسری جماعت آتی اور پڑھتی تھی۔ آپ کا جسد اقدس اسی حجرہ مبارک میں تھا جہاں آپ کو غسل دیا گیا۔ سب سے پہلے مرد داخل ہوئے' جب مرد فارغ ہو گئے تو عورتیں داخل ہوئیں اور عورتوں کے بعد بچے آئے۔ جماعت میں صفوں کی ترتیب ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز جنازہ کی کسی نے امامت نہ کی۔

امیر المومنین سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے۔ فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ شریف پر کسی نے امامت نہ کی اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایام حیات وحمات میں تمہارے امام ہیں اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے کہ متعدد نمازیں ہوئیں اور تنہا تنہا لوگوں نے پڑھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے جنہوں نے جنازہ شریف کی نماز پڑھی وہ اہل بیت نبوت تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ' حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور بنو ہاشم رضی اللہ عنہ۔ اس کے بعد مہاجرین اور ان کے بعد انصار آئے۔ پھر اور لوگ جماعت کی جماعت داخل ہوتی اور نماز ادا کرتی جاتی تھی۔

روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی علالت سے پہلے لوگوں کو اپنی وفات کی خبر دیدی تھی۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو کون غسل دے گا۔ فرمایا: ''میرے اہل بیت میں سے وہ جو مجھ سے زیادہ نزدیکی رکھتا ہے''۔ لوگوں نے دریافت کیا کن کپڑوں میں ہم تکفین کریں۔ فرمایا: ''ان کپڑوں میں جو میں زیب تن کیے ہوئے ہوں' یا مصری کپڑوں میں' یا یمانی چادروں میں' یا سفید کپڑوں میں''۔ مطلب یہ کہ جو بھی میسر ہو۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ پر کون نماز پڑھے۔ یہ کہہ کر سب رونے لگے اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی گریہ طاری ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''صبر کرو' جزع وفزع نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت فرمائے' تمہارے گناہوں کو بخشے اور میری جانب سے تمہیں جزائے خیر دے۔ فرمایا: ''جب تم مجھے غسل دے چکو' کفن پہنا دو تو مجھے میری قبر کے پاس اس حجرے میں چھوڑ دینا اور کچھ عرصہ کیلئے میرے پاس سے باہر چلے جانا۔ سب سے پہلے جو میری نماز جنازہ پڑھے گا وہ میرے دوست جبرائیل علیہ السلام ہوں گے' پھر میکائیل' پھر اسرافیل پھر ملک الموت گروہ ملائکہ کے ساتھ علیہم السلام۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ سب سے پہلے جو مجھ پر نماز پڑھے گا میرا رب ہے۔ اس کے بعد یہ فرشتے جن کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد فوج درفوج آئیں اور نماز پڑھیں۔ مجھ پر فریاد ونوحہ نہ کریں۔ نماز کی ابتداء میری اہل بیت کرے۔ بعد ازاں اہل بیت کی عورتیں۔ اس کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم۔ لوگوں نے پوچھا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قبر شریف میں آپ کو کون اتارے گا؟'' فرمایا ''میرے اہل بیت فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ جو ان کو دیکھتے ہوں گے اور وہ انہیں نہ دیکھ سکیں گے''۔

علامہ ابن ماجشون رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی نمازیں پڑھی گئیں؟'' انہوں نے فرمایا ''ستر'' لوگوں نے پوچھا ''آپ کو یہ کہاں سے پتہ چلا۔ فرمایا: ''اس صندوق سے جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحریر سے چھوڑا اور وہ نافع سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اس سے فرشتوں کے سوا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی نمازیں ہوں گی۔

تدفین میں تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات روز دوشنبہ (پیر کے دن) ہوئی تھی۔ روز سہ شنبہ پورا گزر گیا' آپ کا تخت شریف آپ کے گھر میں رہا اور لوگ نماز پڑھتے رہے۔ آپ کو شب چہار شنبہ میں دفن کیا گیا۔

منقول ہے کہ جس وقت اہل بیت نے نماز پڑھ لی تو لوگوں کو معلوم نہ ہوا کہ کیا پڑھیں اور کیا دعا کریں۔ پھر لوگوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ ''ان مسعود رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ تم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھو''۔ پھر انہوں نے

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔آپ نے فرمایا:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی دعا

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ صَلَوٰتُ اللّٰهِ الْبَرِّ الرَّحِيْمِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَمَا سَبَّحَ لَكَ مِنْ شَيْءٍ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ عَلٰى مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ. خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَرَسُوْلِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الشَّاهِدِ الْبَشِيْرِ الدَّاعِيْ بِاِذْنِكَ السِّرَاجِ الْمُنِيْرِ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ.

اس دعا کو شیخ زین الدین مراعی نے اپنی کتاب النضرہ میں بیان کیا ہے اور روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ کی جانب کھڑے ہوئے۔عرض کیا ''اے نبی گرامی آپ پر حق تعالیٰ کی رحمت و برکت نازل ہو۔ اے خدا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے وہ سب کچھ پہنچایا جو آپ پر نازل ہوا۔اور اپنی امت کے ساتھ نصیحت کے تمام حقوق ادا فرمائے۔اور راہ خدا میں جہاد کیا یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب فرمایا''۔اے خدا! ہمیں ان لوگوں میں بنا کہ ہم اس کی پیروی کریں جو آپ پر نازل ہوا۔ہم کو ع اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن جمع فرما۔لوگوں نے آمین کہی۔

تدفین کی کیفیت: وصل: اب رہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفن کرنا تو اس میں بھی اختلاف واقع ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں دفن کریں۔ایک جماعت نے کہا کہ اس حجرہ میں جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقبوض ہوئے ہیں اور ایک جماعت نے کہا مسجد شریف میں' ایک گروہ نے کہا بقیع کے مقبرہ میں اور کچھ لوگوں نے کہا ''قدس'' میں کیونکہ تمام نبیوں کی قبریں وہاں ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمایا کوئی نبی دفن نہیں کیا گیا مگر اسی جگہ جہاں کہ اس کی روح قبض کی گئی۔ایک روایت میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا روئے زمین پر کوئی خطہ خدا کے نزدیک اس خطہ سے گرامی تر نہیں ہے جس میں نبی کی روح کو قبض کیا گیا۔اس کے بعد آپ کے بستر مبارک کو اٹھایا گیا اور اسی خاص جگہ قبر کھودنا طے پایا۔

مدینہ طیبہ میں دو شخص قبر کھودنے والے تھے۔ایک حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح جو بطریق شق جسے شامی بھی کہتے ہیں قبر کھودتے تھے اور دوسرے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انصاری جو بطریق لحد قبر کھودتے تھے۔اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے خدا! اپنے حبیب کیلئے وہ چیز اختیار فرما جو محبوب و مختار ہو۔دو آدمی بھیجے ایک کو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بلانے کیلئے اور دوسرے کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے بلانے کیلئے۔فرمایا: جو پہلے آجائے وہی اپنے طریقہ پر کام کرے۔حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس شخص کو نہ ملے جو انہیں بلانے گیا تھا اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آگئے۔اس کے بعد بطریق لحد قبر تیار کی گئی۔

حدیث شریف میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا۔ ہمارے لیے لحد ہے اور دوسروں کیلئے شق ہے۔''لنا'' سے مراد مدینہ طیبہ والے ہیں اور ''غیرنا'' سے مراد غیر اہل مدینہ ہیں۔یعنی مکہ مکرمہ وغیرہ کے لوگ۔اس کی توجیہہ میں علماء فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کی زمین سخت ہے' وہ لحد کی صلاحیت رکھتی ہے بلکہ اپنی اپنی پسند' رواج کا معاملہ ہے اور مسنون بھی نہیں ہے۔اس کے باوجود اس میں شک نہیں کہ جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کیا گیا افضل ہوگا۔بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر زمین

سخت ہو تو لحد افضل ہے اور اگر زمین نرم و کمزور ہو تو شق افضل ہے۔ افضل علماء ''لنا'' سے ملت اسلامیہ کے لوگ اور ''لغیر نا'' سے اہل کتاب مراد لیتے ہیں۔ شق قبر کے درمیان میں کھودنے کو کہتے ہیں اور اس وقت ہمارے شہروں میں قبر کے درمیان میں دیواریں نکالتے ہیں مگر حکم وسط قبر میں کھودنے کا دیتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

شب چہارشنبہ سحر کا وقت تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قدم اقدس کی جانب سے قبر انور میں داخل کیا۔ اصح یہ ہے کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ' حضرت عباس' حضرت فضل' اور قثم رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں داخل ہوئے۔ حضرت قثم رضی اللہ عنہ آخری شخص تھے جو آپ کی قبر انور سے باہر آئے۔ انہوں نے فرمایا کہ آخری شخص جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے انور قبر اطہر میں دیکھا' میں تھا۔ میں نے قبر میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لب ہائے مبارک کو جنبش فرما رہے تھے۔ میں نے کانوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک کے قریب کیا' میں نے سنا کہ آپ فرماتے تھے۔ ''رب امتی امتی'' بحرین کی سرخ مخملی چادر جو خیبر کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تھی اور اسے آپ اوڑھتے تھے۔ اسے بچھایا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کا بچھانے والا شقران رضی اللہ عنہ تھا۔ اس نے کہا میں نہیں پسند کرتا کہ آپ کے بعد اسے کوئی دوسرا اوڑھے۔ امام نووی شافعی' تمام اصحاب شوافع اور دیگر علماء رحمہم اللہ بطور اعزاز قبر میں میت کے نیچے کپڑا یا بچھونا بچھانے کے مکروہ ہونے پر تنصیص کرتے ہیں۔ امام بغوی شافعی فرماتے ہیں کہ ''لاباس بہ'' اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ یہ اس حدیث سے ثابت ہے اور درست کراہت ہی ہے چنانچہ جمہور کا مذہب یہی ہے۔ جواب دیتے ہیں کہ یہ فعل شقران کا تھا اور وہ اپنے فعل میں منفرد ہیں۔ کوئی صحابی ان سے متفق نہ تھا وہ اس کام کے عالم نہ تھے۔ شقران رضی اللہ عنہ نے یہ کام اپنی طرف سے کیا تھا اور اس نے اس کو مکروہ جانا کہ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور اوڑھے یا بچھائے۔ ابن عبدالبر نے کہا کہ آخر میں اسے قبر شریف سے باہر نکالا۔ اس روایت کو ابن زبانہ نے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ سیرت مغلطائی میں مذکور ہے۔ اگر یہ بات ہو بھی تو یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ یہ دوسروں کیلئے مکروہ ہے کہ ایسا نہ کریں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف' خشت خام سے بنائی گئی۔ اس کے بعد لحد مبارک پر مٹی ڈالی گئی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے قبر شریف پر ایک مشکیزہ پانی چھڑکا اور سرہانے کی طرف سے چھڑکنا شروع کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف زمین سے ایک بالشت جتنی اونچی کی گئی۔ ایک روایت میں چار انگل آیا ہے اور قبر انور پر سرخ و سفید سنگریزے جمائے گئے۔

دفن کے بعد جب صحابہ کرام سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا ''تمہارے دلوں نے کیسے گوارا کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالو۔ صحابہ نے عرض کیا ٹھیک فرمایا اے بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اے زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا! ہم نے بھی یہی خیال کیا تھا اور اسی غم میں مبتلا تھے لیکن کیا کر سکتے حکم شرع سے چارہ نہیں ہے۔ اس کے بعد سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا والد ماجد کی قبر کے سرہانے آئیں' قبر انور سے مٹی اٹھا کر اپنی دونوں چشم گریاں پہ ڈالی اور کہنے لگیں۔ شعر۔

مَاذَا عَلٰی مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ اَحْمَدُ ۔۔۔ اَنْ لَّایَشُمَّ مَدَی الزَّمَانِ غَوَالِیَا

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّهَا ۔۔۔ صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

مختلف روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف مسنم یعنی مرتفع و بلند (کوہان نما) ہے یا مسطح ''یعنی ہموار وبرابر'' اکثر کا مذہب یہی ہے کہ مسنم و مرتفع ہے۔

صحیح بخاری میں ابوبکر بن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے قبر شریف کو مسنم دیکھا۔ ابونعیم نے مستخرج میں اتنا زیادہ کیا ہے کہ

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں بھی مسنم یعنی مرتفع ہیں۔ اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ قبروں کو مسنم رکھنا مستحب ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد، مزنی اور بکثرت شوافع رحمہم اللہ کا قول یہی ہے۔ قاضی حسین نے اصحاب شوافع کا اس پر اتفاق کا ادعا کیا ہے لیکن قدما شوافع کی ایک جماعت تسطیح یعنی ہمواری کو مستحب قرار دیتی ہے۔ اسی پر ماوردی اور دیگر جماعت ہے۔

حاکم نے بروایت قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نقل کیا ہے انہوں نے کہا کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں آیا اور عرض کیا ''اے میری والدہ محترمہ! میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر سے چادر شریف اٹھائیے''۔ انہوں نے اٹھایا۔ میں نے دیکھا کہ قبر شریف زمین سے نہ بہت بلند تھی اور نہ ہموار تھی۔ اس کے فرش پر سنگریزے جمے ہوئے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تسنیم و تسطیح دونوں جائز ہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ ان میں کون سا افضل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور مسطح تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں مسنم و مرتفع کر دی گئی۔ وہ جو سفیان انمار کی حدیث میں آیا ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کو دیکھا تو وہ مسنم و مرتفع تھی۔ وہ اسی پر محمول ہے اور ہمارے شہروں میں ایسا طریقہ رائج ہے جو تسطیح و تسنیم دونوں کا جامع ہے۔ معلوم نہیں کہ اس کی ایجاد کہاں سے ہے۔ (واللہ اعلم)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حجرہ شریف میں حضرات شیخین کے مدفون ہونے کے بعد ایک جگہ اور باقی ہے۔ خبروں میں آیا ہے کہ اس جگہ میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام مدفون ہوں گے۔ جب امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے التماس کیا گیا کہ یہ حجرہ چونکہ آپ کا ہے اگر آپ اجازت دیں تو امام حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن کر دیا جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قبول فرمایا اور کہا مرحبا بہت عمدہ بات ہے لیکن اس زمانہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مدینہ طیبہ میں مروان حاکم تھا۔ اس نے مہلت نہ دی کہ امام حسن رضی اللہ عنہ مجتبیٰ اس جگہ مدفون ہوئے۔ اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اجازت دیدی کہ وہ مدفون ہو جائیں یہ بھی میسر نہ ہوا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نزول فرمائیں گے اور نکاح کریں گے۔ ان کی اولاد ہوگی وہ روئے زمین پر پینتالیس سال قیام فرمائیں گے۔ پھر ان کا انتقال ہوگا اور وہ میری قبر کے پاس دفن کیے جائیں گے۔ پھر میں اور عیسیٰ رضی اللہ عنہ بن مریم کے قبر سے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ ایک قبر سے اٹھیں گے۔ اس جگہ قبر سے مراد مقبرہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے جب فارغ ہوئے تو صحابہ کرام خاک حسرت وندامت اپنے وقت وحال کے سر پر ڈالنے لگے، اپنے محبوب دوجہاں کے آتش فراق میں جلنے لگے اور گریہ وزاری کرنے لگے۔ خصوصاً حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو سب سے پہلے زیادہ مصیبت زدہ، بیکس تر اور زار و نالاں تر تھیں۔ سیّدنا امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے چہروں کی طرف دیکھتیں۔ اپنی یتیمی اور ان فرزندوں کی نامرادی پر روتی تھیں۔ دوسرے گوشہ میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی حجرہ میں جس میں سرور کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات نے وفات پائی تھی۔ مصروف آہ و بکا تھیں یہ گھر بیت الحزن والفراق بنا بے خانما شدہ رات و دن آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوتی تھیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سرائے فانی سے عالم جاودانی میں انتقال فرمایا روز روشن

شب دیجور کی مانند ہو گیا تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی دن مدینہ طیبہ میں اس دن سے زیادہ بہتر و نورانی تر نہ تھا جس دن کہ سیّدنا عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے تھے۔ کوئی دن بدتر و تاریک تر اس دن سے زیادہ نہیں جس دن کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہان سے پردہ فرمایا۔ ابھی ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ہمارے دل متغیر ہو گئے ہم پر پردہ پڑ گیا ایسا کہ ہمارے دل ہمارے قابو میں نہ رہے۔

رہ ندیدیم چو بروقت ازنظرم صورت دوست ہمچو چشمے کہ چراغش زمقابل برد

اہل بیت اطہار اور صحابہ کبار میں سے ہر ایک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حزن وملال میں منظم کر کے اشعار پڑھ رہا تھا۔ ان میں سے سب سے پہلے سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جو بعد از دفن قبر شریف کی زیارت کو گئیں۔ اس جگہ کی مٹی اٹھا کر غمزدہ آنکھوں پر رکھا اور روتے ہوئے یہ شعر منظوم فرمایا۔

مَـاذَا عَـلٰـی مَنْ شَم تُـرْبَةَ اَحْمَدَ اَنْ لَّا یَشُـمَّ مُـدَی الـزَّمَـانِ غَوَالِـیَا
صُبَّـتْ عَـلَـیَّ مَـصَـائِـبُ لَوْ اَنَّهَـا صُبَّـتْ عَـلٰـی الْاَیَّـامِ صِرْنَ لَیَـا لِیَـا

بعض کہتے ہیں کہ یہ اشعار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نظم کردہ ہیں جسے سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پڑھا۔ نیز وقت زیارت اور بھی اشعار سیّدہ کے ہیں۔

اِذَا اشْتَـدَّ شَـوْقِـیْ زُرْتُ قَبْـرَكَ بَاکِیَا وَذِکْـرَكَ وَاَشْـکُـوْمَـا اَرَاكَ مُجَادِیَا
یَـاسَـاکِـنَ الْـغَبْـرَاءِ عَـلَّـمْـنِیَ الْبُکَاءَ وَذِکْـرُكَ اَنْسَـانِـیْ جَمِیْعَ الْمَصَائِبَا
فَاِنْ کُنْتَ عَنْ عَیْنِیْ فِی التُّرَابِ فَعَیْبًا فَـمَا کُنْتَ عَلٰی قَلْبِیْ الْحَزِیْنِ بِغَائِبَا

یہ دو بیت بھی سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہی غم وحزن کے اظہار میں ہیں۔

نَـفْسِـیْ عَـلٰـی زَخَـرَاتِهَـا مَحْبُوْسَةٌ یَـالَیْتَهَـا خَـرَجَـتْ مَعَ الـزَّفَـرَاتِ
لَاخَیْـرَ بَـعْـدَكَ فِـی الْـحَیٰوةِ وَاَنَّمَـا اَبْـکِـیْ صَـخَـافَتَهٗ اَنْ تَطُوْلَ حَیَاتِیْ

مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ جو صاحب اذن اور مستجاب الدعوات تھے۔ انہوں نے دعا مانگی کہ اے خدا جہان کو دیکھنے والی میری آنکھ لے لے کیونکہ بغیر میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ جمال کے میں اسے نہیں چاہتا۔ وہ اسی وقت نابینا ہو گئے اور ایک جماعت کو تو مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے بغیر صبر وقرار آتا ہی نہ تھا۔ انہوں نے جہاں نوردی اور مسافرت اختیار کی۔ انہوں لوگوں میں سے ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے شام کی جانب کوچ کر لیا تھا۔ چھ مہینہ کامل گزر گئے تھے کہ ایک رات خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال باکمال کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے بلال رضی اللہ عنہ! ہم پر کیوں ظلم کرتے ہو ہماری زیارت کیلئے کیوں نہیں آتے۔'' اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیدار ہوتے ہی اسی گھڑی مدینہ طیبہ کی جانب چل دیئے۔ اس اثناء میں سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا وفات پا چکی تھیں۔ جب انہوں نے حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حال پوچھا تو وہ رونے لگے اور فرمایا: اَجْـرَكَ اللّٰهُ فِـیْ فَـاطِمَةَ۔ یہ سن کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ بہت روئے اور کہا ''اے جگر گوشہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بخدا کتنی جلدی تم اپنے پدر بزرگوار سے ملحق ہو گئیں۔

ذکرِ غم والم مفارقت: وصل: ان نشانیوں میں سے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ظاہر ہوئیں۔ ایک یہ ہے کہ وہ

دراز گوش جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات سوار ہوا کرتے تھے اس نے مفارقت کا اتنا رنج وملال کیا کہ اس نے اپنے آپ کو کنویں میں ڈال دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص اونٹنی نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور اسی طرح اس نے جان دیدی۔ ان خبروں کا ظاہر ہونا جن کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ میرے بعد ظاہر ہوں گے بہت ہیں اور حد وشمار سے باہر ہیں۔

مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو حق تعالیٰ پہلے ان کے نبی کی روح کو قبض فرماتا ہے۔ اس کے بعد ان کو پیشرو اور سلف قرار دیتا ہے اور جب حق تعالیٰ کسی امت کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو ان پر اس حال میں عذاب نازل کرتا ہے کہ ان کے نبی ان میں زندہ ہوتے ہیں اور نبی کی نگرانی میں امت کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اس طرح نبی کی آنکھ کو ان لوگوں کی ہلاکت سے روشن وٹھنڈی کرتا ہے جنہوں نے ان کو جھٹلایا اور ان کی نافرمانیاں کیں۔

قبر انور اور مسجد شریف کی زیارت: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس اور مسجد نبوی شریف کی زیارت کرنا اعظم عبادات اور اعلیٰ درجات میں سے ہے۔ بعض کا مذہب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو استطاعت رکھتا ہے اس پر یہ واجب ہے جیسا کہ امام عبدالحق جو کہ اعاظم محدثین میں سے ہیں نے بیان کیا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ واجب سے ان کی مراد سنت موکدہ ہے جو کہ واجب کے مرتبہ میں ہے۔ یہ حکم پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ۔ جس نے میرے روضہ کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت واجب ہے۔ فرمایا: کہ مَنْ وَّجَدَ سَعَةً وَّلَمْ یَغْدُ اِلَیَّ فَقَدْ جَفَانِیْ۔ جس نے استطاعت پائی اور میری طرف وہ نہ آیا۔ اس نے یقیناً مجھ پر ظلم کیا۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مبارک ترک زیارت کے حرام ہونے میں ظاہر ہے اس لیے کہ ترک زیارت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جفاوایذا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جفاوایذا بالا جماع حرام ہے۔ لہٰذا ازالہ جفا واجب ہے اور وہ زیارت سے ہوگا اس لیے زیارت واجب ہوگی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ زَارَ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ۔ جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں ہی میری زیارت کی۔ اس باب میں احادیث کریمہ بہت ہیں' قبر شریف' مسجد منیف کے فضائل وآداب' اس کے تمام احکام اور اس جگہ کا ادب واحترام سب اپنی کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب جو کہ تاریخ مدینہ طیبہ ہے۔ اس رسالہ میں جو ''مناسک حج وآداب زیارت'' میں تالیف ہے واضح طور پر لکھ دیئے ہیں۔

خصائص نبوت وعدم تقسیم میراث: وقت وفات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تعدد صلوٰۃ ترک جماعت' دفن در بیت خود وغیرہ کے ماسواء عدم میراث ہے۔ اس حکم میں مخصوص ہونا سنت باقی ہے اور جملہ انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اس حکم میں شریک ہیں۔ جیسا کہ حدیث پاک میں مروی ہے اِنَّا مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَآءِ لَانَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَاهُ صَدَقَةٌ۔ ہم گروہ انبیاء وہ ہیں جو نہ کسی کی میراث لیتے ہیں اور نہ ہماری میراث کوئی لیتا ہے جو کچھ ہم ترکہ چھوڑیں وہ صدقہ ہے اور عمدہ جو کچھ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد وصال چھوڑا۔ ایک دراز گوش' اسلحہ' قمیص مبارک' چادر شریف اور اسی قسم کے کچھ اور لباس اور ابنی نضیر' خیبر اور فدک کی زمین تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خاص تھی۔ اس سے ازواج مطہرات کے نفقہ' مسلمانوں' فقراء ومساکین کی ضروریات میں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آتے تھے خرچ فرماتے تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان سے تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو سیّدہ فاطمہ بنت رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائیں اور میراث طلب فرمائی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میراث نہ دی۔ اس پر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے

فرمایا کہ جب آپ انتقال فرمائیں گے تو کون آپ کا وارث ہوگا۔ فرمایا: میری اہل واولاد۔ اس پر فرمایا'' پھر کیا بات ہے کہ میں اپنے والد کی میراث کی وارث نہ بنوں'' حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمایا ہماری میراث نہ ہوگی لیکن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں اور ہر اس شخص کی میں عیال داری کروں گا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیال داری فرماتے تھے۔ میں ان اموال کو جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا ہے اس جگہ پر خرچ کروں گا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عیال اور مسلمانوں کے حوائج وضروریات وغیرہ پر خرچ کرتے تھے۔ نیز میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو عطا فرماتا ہے تو وہ عطا اس لیے ہے جو نبی کے بعد نبی کے معاملات کو قائم کرتا ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ ایسے تھے جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں تمہیں کچھ دوں گا۔ پھر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو وعدہ کے مطابق شے موعود مرحمت فرمائی۔ یہ بات نہیں کہ یہ حکم حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مخصوص تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی فرماتی ہیں کہ میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے جو خیبر' فدک اور وہ مال جو مدینہ طیبہ میں تھا یعنی بنی نضیر کی زمین وغیرہ سے اپنی میراث مانگی۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کچھ عطا نہ فرمایا اور وہی جواب دیا جو سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیا۔ یہی حال تمام دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا تھا۔ یہ بات بھی نہیں کہ یہ روایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص تھی بلکہ تمام صحابہ نے گواہی دی اور اس پر اتفاق کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس مال میں سے بطریق میراث کچھ نہ دیا بلکہ یہ فرمایا کہ آل محمد اس مال کو خرچ کریں جس طرح کہ وہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خرچ کرتے تھے۔ میں اس عمل کو نہیں بدلوں گا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور خدا کی قسم میرے نزدیک رسول خدا کی قرابت' اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے۔

اس مطالبہ میں عجیب وغریب بات یہ ہے۔ کہتے ہیں کہ سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات سے دل گیر ہوئیں اور ان پر غصہ فرمایا۔ اپنے وقت وفات تک ان سے کنارہ کش رہیں' ان کا غصہ فرمانا اور کنارہ کش ہونا کس بنا پر تھا۔ اگر فرض کیا جائے کہ یہ حدیث حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہیں پہنچی تھی تو پہنچنے اور سننے کے بعد کیوں قبول نہ کیا۔ مورخین کہتے ہیں کہ آپ کا رنجیدہ ہونا بحکم طبیعت تھا لیکن اس کا دوام واستمرار غرابت وندرت میں سے ہی ہے۔ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے مرض وفات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راضی ہوگئی تھیں۔ بیہقی نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی علالت کے زمانہ میں عیادت کیلئے گئے اور ان کے دروازہ پر کھڑے ہوئے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور آپ سے اجازت طلب فرماتے ہیں۔'' سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا آپ پسند فرماتے ہیں کہ میں ان کو اجازت دوں؟'' فرمایا ''ہاں'' تو سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اجازت دیدی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اندر آئے۔ اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ کو رضامند کیا یہاں تک کہ وہ راضی ہوگئیں۔ ایسا ہی کتاب الوفا میں ہے۔

ریاض النضرہ میں منقول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور ان سے معذرت چاہی۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے راضی ہوگئیں اور اوزاعی سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ

حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ سخت دھوپ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازہ پر آئے اور کہا کہ میں یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک کہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے راضی نہ ہو جائیں۔اس پر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ان کے پاس آئے اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو راضی ہو جانے کی انہوں نے قسم دی۔حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا راضی ہوگئیں۔اسے شیخین نے کتاب الموافقہ میں روایت کیا ہے۔

مشہور یہ ہے کہ حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازہ پر موجود نہ تھے اور نہ ان پر نماز جنازہ پڑھی۔اس کا سبب یہ تھا کہ سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جنازہ رات میں اٹھا تھا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کو خبر نہ کی تھی کہ رات ہے۔حالانکہ حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ' حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے آنے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔مگر روایتوں میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازہ میں حاضر ہونا اور ان کی نماز پڑھنا بھی آیا ہے۔جیسا کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذکر میں اور اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں آئے گا۔کتاب ''فصل الخطاب'' میں منقول ہے کہ حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اس وقت آئے جبکہ وہ سخت علیل تھیں۔عیادت کیلئے حاضر ہونے کی اجازت طلب فرمائی۔اس پر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان سے فرمایا ''یہ ابوبکر آئے ہیں اور دروازہ پر کھڑے ہیں۔اگر مرضی ہو تو آنے کی اجازت دیجئے کہ وہ اندر آ جائیں'' سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا ''کیا تمہارے نزدیک ان کے نہ آنے سے ان کا آنا زیادہ پسندیدہ ہے؟'' حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ''ہاں'' اس کے بعد وہ آئے اور ان سے معذرت خواہی کی بات کی پھر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے راضی ہوگئیں۔

سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نماز جنازہ پڑھنے کے سلسلہ میں مروی ہے کہ انہوں نے مغرب وعشاء کے درمیان وفات پائی تھی اس موقع پر حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حاضر ہوئے۔پھر جب جنازہ رکھا گیا تاکہ نماز پڑھی جائے۔حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے آؤ''۔حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں آگے آؤں حالانکہ تم موجود ہو۔حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہاں میں موجود ہوں لیکن تمہارے سوا کوئی ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائے گا''۔اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔اس کے بعد رات میں انہیں دفن کیا گیا۔(واللہ اعلم)

جب حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے ابھی اموال مذکورہ کو اسی نہج پر جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ خمس کرتے تھے دو سال تک تقسیم کیا اور خرچ کرتے رہے۔اس کے بعد انہوں نے ان اموال کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا۔ان کی تولیت میں دیا کہ بر نہج مذکور تقسیم اور خرچ کرتے رہیں۔کچھ عرصہ کے بعد ان میں باہمی نزاع پیدا ہوگیا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہا کہ ان کے درمیان تقسیم کر کے دیے دیجئے اور درمیان میں شرکت نہ رکھئے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کا اجتماع بلایا اور کہا کہ میں تمہیں اس خدائے عزوجل کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین وآسمان قائم ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِنَّـا مَعَـاشِرُ الْاَنْبِيَآءِ لَانَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے مال کے وارث ہوتے اور نہ ہمارے مال کا کوئی وارث ہوتا ہے۔جو کچھ ہم چھوڑیں گے وہ سب صدقہ ہے۔تمام صحابہ نے کہا ''ہاں خدا کی قسم'' اس کے بعد کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مال کو تقسیم فرماتے اور اسی مال میں سے سال بھر تک اپنی ازواج مطہرات کو نفقہ مرحمت فرماتے۔جو بچ رہتا

اسے خدا کے مال کی جگہ دیتے' اسے اسلحۂ مسلمانوں کی صلاح وضروریات اور حوائج پر خرچ فرماتے تھے۔اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو آپ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے۔اس مال پر قبضہ کر کے ویسا ہی عمل کرتے رہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے۔خدا جانتا ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس قول وعمل میں صادق یار رشد اور اپنا اتباع کرانے والے تھے۔اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خلیفہ مقرر ہوا تو میں نے اس اس میں دوسال تک وہی عمل کیا جیسا کہ رسول اللہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمل کرتے تھے۔اس کے بعد تم دونوں آئے اور تم دونوں ایک تھے تمہارا کام مشترک تھا۔اس پر میں نے اس کو تمہارے سپرد کر دیا کہ ویسا ہی عمل کرو جیسا کہ دستور ہے۔میں نے تم سے خدا کا عہد لیا کہ ویسا ہی کرنا جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔تو تم نے لے لیا اور خدا کا عہد کیا کہ ہم ایسا ہی کریں گے۔اب تم کہتے ہو کہ میں تم میں تقسیم کردوں۔ایسا ہرگز نہ ہوگا اور نہ میں اس پر تقسیم کا نام دوں گا۔اب اگر تم خوش نہیں رہتے اور ایسا عمل نہیں کر سکتے تو مجھے لوٹا دو کہ میں اس میں ویسا ہی کروں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمل کرتے تھے۔اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے قبضہ میں رہا۔پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غلبہ پالیا۔پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں رہا۔ان کے بعد حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں رہا۔ان کے بعد علی بن حسین رضی اللہ عنہ اور حسن بن حسین رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں اور دونوں تداول کرتے تھے۔ان کے بعد زید بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ برادر امام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے قبضہ میں رہا۔اس کے بعد مروان کے ہاتھ چڑھ گیا جو امیر تھا اور مروانیوں کے ہاتھوں سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں پہنچا اور انہوں نے اس عدل وانصاف کے تحت جو ان میں تھا فرمایا کہ میں ایسے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں نہ لوں گا جس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو منع فرمایا تھا اور اس اس میں میرا کوئی حق نہیں۔یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زمانہ حیات میں مانگا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عطا نہ فرمایا تھا۔اسی نہج پر اسے برقرار رکھا تھا واللہ اعلم اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں ان کو ان پر لوٹاتا ہوں'' اس باب میں اجمالاً یہ تذکرہ ہے اور اس کی تفصیل صحیح بخاری میں ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی عدم میراث کا مبنیٰ ومدار ان کی حیات ہے۔خصوصاً سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ابدیہ اور میراث مردوں کی ہوتی ہے نہ کہ زندوں کی۔چونکہ سلسلہ کلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی طرف چل پڑا تو اب ہم اس کتاب کو اس سے مزین وآراستہ کرتے ہیں کیونکہ وفات اور دیگر احکام غسل ودفن وغیرہ کی بحث گزر چکی ہے۔اور ان الفاظ کی نسبت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے کی گئی حالانکہ آپ حقیقت باطنیہ میں سراپا اصل ومبدا حیات وبقائے بنی آدم بلکہ بقائے تمام اجزائے عالم ہیں مگر کیا کریں وقت کی ضرورت نے ان الفاظ کی نسبت کرنے پر مجبور کیا کیونکہ مقصد ومفہوم کی تعبیر وبیان میں بغیر ان الفاظ کے استعمال کیے چارہ ہی نہیں۔ہاں واقعہ یہ ہے کہ حسب ارشاد باری تعالیٰ۔كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔ہر جاندار کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور بحکم اجرائے سنت الٰہی جل وعلیٰ آپ کی ذات کے ساتھ موت کا مزہ چکھنا کہہ سکتے ہیں لیکن بعد از ذائقہ موت واقامت طریقہ عبودیت' حیات ہی حیات ہے اور اب بغیر اس حالت کے ذکر کیے جو کتابوں میں عام طور سے پڑھا اور لکھا جاتا ہے کہ لفظ میت کا اطلاق واسناد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے ہیں گراں ہے۔اگر اس کے سوا کسی اور طرح پر تعبیر وبیان کریں تو بہتر ہے۔اللہ تعالیٰ امام مالک رحمۃ اللہ پر رحمت فرمائے جو درگاہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص ہمسایوں میں سے ہیں۔وہ مکروہ جانتے ہیں کہ کوئی

لیے استغفار کرتا ہوں۔

بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کر کے اسے صحیح کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام چالیس روز کے بعد قبروں میں اپنے حال میں نہیں رہتے بلکہ خدا کے حضور میں نماز پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسی حال میں نفخہ صور واقع ہوگا۔ نیز امام بیہقی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات طیبہ پر بکثرت احادیث صحیحہ سے دلائل وشواہد موجود ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس حدیث کا ذکر کیا جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور پر ہوا تو ملاحظہ فرمایا کہ وہ اپنی قبر شریف میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ دوسری وہ حدیثیں بیان کیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کیلئے انبیاء کرام علیہم السلام کا آنا واقع ہوا ہے۔

نیز امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث کا مبنیٰ اس پر ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر ان کی وفات کے بعد ان کی ارواح مقدسہ کو ان پر لوٹا دیتا ہے اور بعد ازاں بحکم نص فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ۔ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے وہ بے ہوش ہو جائے۔ یہ صعق انہیں بھی لاحق ہوتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ صعق بہمہ وجوہ اور موت کے معانی میں ہو بلکہ اس حالت میں زیادہ سے زیادہ ذہاب شعور کے حق میں ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ کے اس قول کے ماتحت ہو کے اس نے فرمایا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ مگر وہ جسے اللہ چاہے تو انبیاء کرام علیہم السلام اس حکم صعق سے مستثنیٰ ہوں۔

نیز حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن میرے حضور زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ وسلام بھیجا کرو۔ اس لیے کہ تمہارا صلوٰۃ وسلام میرے حضور پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے حضور ہمارا صلوٰۃ وسلام کس طرح پیش ہوگا جبکہ آپ ہماری آنکھوں سے روپوش ہوں گے؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''حق تبارک وتعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد مقدسہ کو کھائے۔ اس فرمان والا سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات مقدسہ حسّی اور دنیاوی ہے۔ محض بقاء ارواح کے ساتھ نہیں ہے جس طرح کہ شہداء کی روحوں کو سبز پرندوں کے قالب میں رکھا جاتا ہے۔

صاحب تلخیص شافعیؒ نے فرمایا کہ جو مال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں رہا ہے آج بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ملک میں باقی ہے جس طرح کہ ظاہری حیات میں تھا اور وہ وارثوں کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوتا۔ جس طرح دیگر اموات میں ہوتا ہے۔ امام الحرمین نے اس قول کی تصحیح کر کے فرمایا یہ قول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیرت مقدسہ کے موافق ہے جس پر انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی املاک کے بارے میں عمل کیا۔ (انتہیٰ)

صاحب تلخیص نے فرمایا کہ ''امام الحرمین سے تعجب ہے کہ خود تو یہ تحریر فرماتے ہیں کہ مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كَذَا نِسْوَةٍ وَمَاتَ وَهُوَ ارِضٍ عَنِ الْعَشِيْرَةِ۔ گویا وہ خود رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف موت کی نسبت کرتے ہیں۔ اس کے بعد حیات النبی کا بھی اثبات کرتے ہیں۔ ایک شخص سے دو باتیں کیسی ہیں؟ جواب میں فرماتے ہیں کہ کوئی تعجب کا مقام نہیں ہے وفات پائی پھر حق تعالیٰ نے آپ کو حیات دیدی۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ ''شفاء السقام'' میں فرماتے ہیں کہ جسم کی طرف روح کا لوٹنا تو تمام اموات کیلئے ثابت ہے۔ مثلاً قبر میں، لیکن گفتگو تو بدن انسانی میں روح کے دائمی مستقر رہنے میں اس حیثیت کے ساتھ ہے کہ روح بدن کے ساتھ زندہ ہو جائے جس طرح کہ دنیا میں تھی۔ (انتہیٰ)

وہ دلائل جو حیات انبیاء علیہم السلام پر دلالت کرتے ہیں ان کا اقتضاء حیات بدنی ہے جس طرح کہ دنیا میں تھے۔ اس کے باوجود غذا سے بے نیاز اور عالم کے ان اسباب مادی سے مستغنی ہیں جن پر دنیاوی حیات کا دارومدار ہے۔ بایں ہمہ حق تبارک وتعالیٰ قادر ہے کہ بغیر اسباب مادی

لیے استغفار کرتا ہوں۔

بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کر کے اسے صحیح کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام چالیس روز کے بعد قبروں میں اپنے حال میں نہیں رہتے بلکہ خدا کے حضور میں نماز پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسی حال میں نفخہ صور واقع ہوگا۔ نیز امام بیہقی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات طیبہ پر بکثرت احادیث صحیحہ سے دلائل وشواہد موجود ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس حدیث کا ذکر کیا جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور پر ہوا تو ملاحظہ فرمایا کہ وہ اپنی قبر شریف میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ دوسری وہ حدیثیں بیان کیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کیلئے انبیاء کرام علیہم السلام کا آنا واقع ہوا ہے۔

نیز امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث کا مبنیٰ اس پر ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر ان کی وفات کے بعد ان کی ارواح مقدسہ کو ان پر لوٹا دیتا ہے اور بعد ازاں بحکم نص فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ۔ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے وہ بے ہوش ہو جائے۔ یہ صعق انہیں بھی لاحق ہوتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ صعق بہمہ وجوہ اور موت کے معانی میں ہو بلکہ اس حالت میں زیادہ سے زیادہ ذہاب شعور کے حق میں ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ کے اس قول کے ماتحت ہو کہ اس نے فرمایا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ مگر وہ جسے اللہ چاہے تو انبیاء کرام علیہم السلام اس حکم صعق سے مستثنیٰ ہوں۔

نیز حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن میرے حضور زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ وسلام بھیجا کرو۔ اس لیے کہ تمہارا صلوٰۃ وسلام میرے حضور پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے حضور ہمارا صلوٰۃ وسلام کس طرح پیش ہوگا جبکہ آپ ہماری آنکھوں سے روپوش ہوں گے؟" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حق تبارک وتعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد مقدسہ کو کھائے۔ اس فرمان والا سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات مقدسہ حسیّ اور دنیاوی ہے۔ محض بقاء ارواح کے ساتھ نہیں ہے، جس طرح کہ شہداء کی روحوں کو سبز پرندوں کے قالب میں رکھا جاتا ہے۔

صاحب تلخیص شافعیؒ نے فرمایا کہ جو مال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں رہا ہے آج بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ملک میں باقی ہے جس طرح کہ ظاہری حیات میں تھا اور وہ وارثوں کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوتا۔ جس طرح دیگر اموات میں ہوتا ہے۔ امام الحرمین نے اس قول کی تصحیح کر کے فرمایا یہ قول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیرت مقدسہ کے موافق ہے جس پر انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی املاک کے بارے میں عمل کیا۔ (انتہیٰ)

صاحب تلخیص نے فرمایا کہ "امام الحرمین سے تعجب ہے کہ خود تو یہ تحریر فرماتے ہیں کہ مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كَذَا نِسْوَةٍ وَمَاتَ وَهُوَ رَاضٍ عَنِ الْعَشِيْرَةِ۔ گویا وہ خود رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف موت کی نسبت کرتے ہیں۔ اس کے بعد حیات النبی کا بھی اثبات کرتے ہیں۔ ایک شخص سے دو باتیں کیسی ہیں؟ جواب میں فرماتے ہیں کہ کوئی تعجب کا مقام نہیں ہے وفات پائی پھر حق تعالیٰ نے آپ کو حیات دیدی۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ "شفاء السقام" میں فرماتے ہیں کہ جسم کی طرف روح کا لوٹنا تو تمام اموات کیلئے ثابت ہے۔ مثلاً قبر میں، لیکن گفتگو تو بدن انسانی میں روح کے دائمی مستقر رہنے میں اس حیثیت کے ساتھ ہے کہ روح بدن کے ساتھ زندہ ہو جائے جس طرح کہ دنیا میں تھی۔ (انتہیٰ)

وہ دلائل جو حیات انبیاء علیہم السلام پر دلالت کرتے ہیں ان کا اقتضاء حیات بدنی ہے جس طرح کہ دنیا میں تھے۔ اس کے باوجود غذا سے بے نیاز اور عالم کے ان اسباب مادی سے مستغنی ہیں جن پر دنیاوی حیات کا دارومدار ہے۔ بایں ہمہ حق تبارک وتعالیٰ قادر ہے کہ بغیر اسباب مادی

کے بھی زندہ رکھے اور بدن میں بعض احوال واعراض کا احداث وایجاد فرمادے کہ بعد امر ان کی طرف احتیاج والتفات باقی نہ رہے۔ جس طرح بعض اوقات عنایت فرح وسرور یا انتہائی رنج وغم کی حالت میں عرصہ تک کھانے پینے کی احتیاج نہیں پڑتی بلکہ یاد تک نہیں آتا۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدیث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوم وصال کے سلسلہ میں حدیث مبارک اَنَا عِنْدَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ ۔ میں اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں وہی مجھے کھلاتا اور وہی مجھے پلاتا ہے۔ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اثبات میں کافی ہے۔ خواہ اس ارشاد سے مراد حقیقۃً کھلانا اور پلانا ہو کہ جنت سے اس عالم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچتا ہو یا وہ ذوق وحضور مراد ہو جو اس حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوتا ہو۔

واضح رہنا چاہیے کہ حیات انبیاء علیہم السلام اور ان کیلئے اس صفت کے ثبوت اور اس پر مرتب ہونے والے احکام وآثار میں علماء میں سے کسی ایک کا اختلاف نہیں ہے۔ بجز اس بات کے کہ انبیاء کرام کا وجود گرامی قبروں میں ہو اور مخصوص اس بقعۂ طاہرہ ان کا تمکن و استقرار ہو۔ اس بات میں بعض علماء کلام کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ علاؤ الدین قونوی جو کہ شافعی علماء اور ارباب تصوف میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے حضور میں حیات ہیں۔ یہ حیات ایسی ہے جو اس ظاہری معروف حیات سے اشرف واکمل ہے۔ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ کے ساتھ سمٰوات علی میں سورۃ المنتہیٰ کے پاس جنۃ الماویٰ کے قریب موجود ہیں اور یہ حالت اس سے افضل واکمل ہے کہ آپ قبر انور میں مقیم ہوں۔ اگرچہ حدیث نبوی کے مقتضائے بموجب عام مومن کی قبر میں وسعت وکشادگی منتہائے نظر تک ہوتی ہے تو سرور انبیاء سیّد اہل صفا صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور شریف کی جگہ کا کیا اندازہ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جنت اعلیٰ میں ہونا جس کا عرض آسمان وزمین کے درمیان ہے۔ اکمل و اعلیٰ ہے اور یہ جو حدیث مبارک میں آیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو چالیس دن کے بعد قبر انور میں نہیں رکھتے۔ اور یہ جو ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک اس سے بزرگ تر ہوں کہ تین دن کے بعد مجھے قبر انور میں رکھے۔ تو اس سے ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبر انور میں اس حیات کے ساتھ مذکورہ مدت کے بعد قطعی طور پر اقامت گزیں نہ ہوسکیں گے۔ یہ قونوی کا کلام ہے اور ان کے کلام سے واضح طور پر ظاہر ہوا کہ ان کا تردد استمرار حیات اور قبروں میں ان کا استقرار ہے۔ لیکن اصل مدعا جو ثبوت حیات حقیقی ہے وہ ان کے نزدیک مسلم ومقرر ہے۔ یہی قونوی اس تردد کے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میرے اس کلام سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبروں سے التفات منقطع اور ان کا اس سے تعلق مرتفع ہوگیا ہے بلکہ ان کے اور ان کی قبروں کے درمیان خاص علاقہ، جو مستمر د غیر منقطع ہے۔ ثابت وبرقرار ہے کہ وہ اس جگہ کے ساتھ منسوب ہوتے ہیں اور دوسری نئی جگہ کا ثبوت نہیں رکھتے۔

یہی حالت تمام مسلمانوں کی قبروں اور ان کی روحوں کے درمیان ہے کہ ایک خاص نسبت موجود رہتی ہے جس سے وہ زائروں کو پہچانتے ہیں۔ اس کی دلیل وہ حکم ہے جس میں تمام اوقات میں زیارت کرنے کا استحباب بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد امام بیہقی بکثرت احادیث بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ''یہ تمام حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اہل قبور کیلئے ادراک وسماع حاصل ہے اور شک نہیں ہے کہ صفت سمع عرضی ہے جو حیات کے ساتھ مشروط ہے۔ لہٰذا تمام مسلمان زندہ ہیں لیکن عام سلمانوں کی حیات، مرتبہ میں شہداء کی حیات سے کمتر ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات مقدسہ شہداء کی حیات سے کامل تر ہے۔ (انتہیٰ)

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ بعد از اثبات حقیقی دنیاوی، اس کے بعد اگر کوئی کہے کہ حق تبارک وتعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اقدس کو ایسی حالت اور ایسی قدرت بخشی ہے کہ جس جگہ چاہیں بذات خود تشریف لے جائیں یا مثالی صورت میں آسکتے ہیں...... خواہ آسمان پر یا زمین میں۔ خواہ قبر شریف میں یا کسی اور جگہ تو ایک صورت ہوتی مگر اس کے باوجود ہر حال میں خاص قبر انور کے ساتھ نسبت مروی ہے۔

جیسے کہ جب حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باغیوں نے گھیرے میں لے لیا تو بعض اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان سے کہا کہ مصلحت اور مناسب یہی ہے کہ اہل شام کے ساتھ مل جایئے تا کہ اس بلاؤ محنت سے آپ نجات پائیں۔ آپ نے فرمایا میں جائز نہیں رکھتا کہ اپنے دار ہجرت (مدینہ طیبہ) سے مفارقت کروں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مجاورت و ہمسائیگی کو چھوڑوں، یا جیسے حضرت سعید بن مسیّب کا واقعہ حرہ کے زمانہ میں جبکہ تمام لوگ مسجد نبوی کو چھوڑ کر چلے گئے تھے تین دن تک حجرہ مقدسہ کے اندر سے اذان کے سننے کا مشہور واقعہ ہے۔ اسی ثبوت میں کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود گرامی قبر انور میں ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ سلطان سعید نورالدین شہید کا واقعہ ہے جو ۵۵۷ھ میں پیش آیا۔ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں رات میں تین مرتبہ دیکھنا سلطان کو خبردار فرمانا ہے کہ یہ دونوں نصرانی شرکاء ارادہ رکھتے ہیں جسے قبر انور کے ساتھ نسبت ہے اوران خبیثوں کی صورت خواب میں سلطان کو دکھائی گئی۔ پھر سلطان ہزار آدمیوں کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچا' ان دونوں ملعونوں کو پایا اوران کو آگ میں ڈال کر جلا دیا۔ اس کے بعد سلطان نے حجرہ شریفہ کے چاروں طرف خندق کھود کرا سے سیسہ سے بھر دیا۔ اس قصہ کو مدینہ منورہ کے تمام مورخوں نے مثلاً جمال الدین مطری مجد الدین فیروز آبادی اوران کے سوا بکثرت علماء اعلام نے بیان کر کے تصریح فرمائی ہے۔ اب رہی قونوی کی وہ تفصیل وترجیح جوانہوں نے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے قبر شریف میں اقامت گزیں ہونے پر بہشت اعلیٰ میں استمرار پردی ہے تو ان سب کے جواب میں علماء فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان کی قبر جنت کے باغوں کا ایک باغ ہے۔ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف افضل ریاض جنت ہے اور ممکن ہے کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر شریف میں سے ہی ایسے تصرف ونفوذ کی حالت ہوتی ہو کہ آسمان وزمین اور جنت ہر جگہ سے حجاب مرتفع ہو گئے ہوں۔ بغیر تجاوز وانتقال کے تصرف ونفوذ فرماتے ہوں اس لیے کہ امور آخرت اوراحوال برزخ کو دنیا کے احوال پر جو کہ حدود وجہات سے مقید وتنگ ہے قیاس نہیں کر سکتے (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال علی وجہ الکمال)

امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت کا کون سا حصہ ایسا ہے جسے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر شریف پر افضل قرار دیں۔ قبر شریف ہی تمام اماکن مقدسہ اور مقامات رفیعہ سے افضل ہے خواہ جنت ہو یا کوئی اور جگہ۔ اس کے بعد فرمایا اگر حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر انور کو عرش عظیم پر فضیلت دیں تو ہم نہیں جانتے کہ کسی مومن صادق کو اس میں توقف ہوگا کیونکہ وہ سب حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیل شریف ہے۔ (واللہ اعلم)

باب اول

قسم پنجم

مدارج النبوۃ کے اس پانچویں حصہ میں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اولا داطہار، ازواج مطہرات، غلامان بارگاہِ رسالت، اعمام وعمات، جدات، خرم، موالی وامراء، رسل وکتاب، عمال وشعرا، خطباء وموذنین، آلات حرب ودواب اور اسباب وغیرہ کا بیان ہے۔ اس قسم میں گیارہ باب ہیں۔

در ذکر اولاد کرام

واضح رہنا چاہیے کہ جن اولاد کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین پر تمام کا اتفاق بیان کیا گیا ہے۔ وہ چھ رسول زادے ہیں۔ دو فرزند ہیں حضرت قاسم، حضرت ابراہیم اور چار صاحبزادیاں ہیں۔ سیّدہ زینب، سیّدہ رقیہ، سیّدہ ام کلثوم اور سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ ان کے سواء میں اختلاف ہے اور بعض علماء طیب وطاہر کو بھی شمار کرتے ہیں لہٰذا کل آٹھ رسول زادے ہوئے۔ چار فرزند اور چار صاحبزادیاں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ وقاسم رضی اللہ عنہ کے سوا ایک فرزند عبداللہ ہیں جو کہ مکہ مکرمہ میں صغر سنی کے عالم میں جہان سے رخصت ہو گئے۔ طیب وطاہر ان کا لقب ہے چونکہ یہ فرزند عہد اسلام میں متولد ہوئے اور اکثر علماء انساب کا مذہب یہی ہے اور دارقطنی نے کہا کہ یہ قول اثبت ہے لہٰذا کل سات رسول زادے ہوئے۔ تین فرزند اور چار صاحبزادیاں: اس مقام میں جو کچھ کہ مشہور ہے اور زبان زد عام ہے باتیں ہی باتیں ہیں۔

مواہب لدنیہ نے دارقطنی سے نقل کیا ہے کہ طیب وطاہر، عبداللہ کے سواء ہیں۔ اس بنا پر صاحبزادگان کی تعداد پانچ ہو جاتی ہے اور کل تعداد نو ہوتی ہے۔ بعض لوگوں نے نقل کیا ہے کہ طیب ومطیب ایک حمل سے اور طیب وطاہر دوسرے حمل سے متولد ہوئے۔ اس قول کو صاحب صفوۃ نے بیان کیا ہے۔ اس لحاظ سے کل تعداد گیارہ بن جاتی ہے اور بعض سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ایک فرزند رسول متولد ہوا تھا اور اس کا نام عبد مناف رکھا گیا تھا۔ اس طرح کل تعداد بارہ ہو جاتی ہے۔ بجز عبد مناف کے سب کے سب عہد اسلام میں پیدا ہوئے اور ابن اسحٰق نے کہا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سوا سب کے سب فرزندان عہد اسلام سے پہلے پیدا ہوئے اور سب نے شیر خوارگی کے زمانہ میں وفات پائی۔

ایک دوسرے شخص کا قول گزر چکا ہے کہ عبداللہ بعد از نبوت پیدا ہوئے۔ اسی بنا پر ان کا نام طیب وطاہر رکھا گیا۔ تمام اقوال سے آٹھ فرزندان رسول کی تعداد حاصل ہوئی جن میں سے دو فرزند حضرت قاسم وابراہیم متفق علیہ ہیں۔ چھ مختلف فیہ، عبد مناف، عبداللہ، طیب، مطیب، طاہر، مطہر۔ اصح یہ ہے کہ تین فرزند ہیں قاسم، ابراہیم، عبداللہ اور چار صاحبزادیاں ہیں۔ یہ تمام اولاد کرام بجز حضرت ابراہیم کے سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متولد ہوئے۔ هٰذَا كُلُّهٗ فِي الْمَوَاهِبِ وَلَا يَخْلُوْا عَنْ غَرَابَةٍ۔

علماء نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند اکبر اور ان کی ترتیب میں اختلاف کیا ہے چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند اکبر حضرت قاسم رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے بعد زینب رضی اللہ عنہا، ان کے بعد رقیہ رضی اللہ عنہا ان کے بعد ابراہیم، ابن عبداللہ کہتے ہیں۔ کہ صحیح یہی ہے۔ ولادت کی ترتیب بیان کر دینے کے بعد اگر فرزندوں کو جدا اور صاحبزادیوں کو جدا جدا بیان کریں تو مناسب رہے گا۔

حضرت قاسم بن رسول: حضرت قاسمؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے فرزند ہیں جو قبل اظہار نبوت متولد ہوئے اور انہیں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ''ابوالقاسم'' مشہور ہوئی۔ یہ پاؤں چلنے کی عمر تک حیات رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سواری پر سوار ہونے کی عمر تک حیات رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دو سال کی عمر تک زندہ رہے اور بعض نے سترہ مہینہ کہا ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں یہی درست ہے ان کی وفات بھی قبل اظہار نبوت ہے۔ صاحب مواہب نے فرمایا کہ مستدرک میں ایسی روایت ہے جو عہد اسلام میں وفات پانے پر دلالت کرتی ہے اور یہ پہلے فرزند ہیں جس نے اولاد شریف میں سب سے پہلے وفات پائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن رسول: حضرت عبداللہ بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بعد ظہور اسلام عالم وجود میں تشریف لائے اور عہد طفولیت میں وفات پائی۔ جب عاص بن وائل سہمی جو عمر رضی اللہ عنہ بن العاص کا باپ تھا۔ اسے حضرت عبداللہ کے فوت ہونے کی خبر ملی اس سے پہلے حضرت قاسم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے کی خبر سن چکا تھا۔ اس وقت اس نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندان رحلت کر گئے اور وہ ابتر (بے نسل) رہ گئے۔ ابتر کے لغوی معنی دم بریدہ' بے فرزند' اور بے خبر ہونے کے ہیں۔

اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن اور آپ پر عیب کنندہ اور آپ کا بدگو وہی ابتر ہے کیونکہ دنیا و آخرت میں کوئی اس کا نام نہ لے گا اور اگر کوئی اس کا نام لے گا بھی تو اس پر لعنت بھیجے گا اور آپ جیسے کو کوئی ابتر کہہ ہی نہیں سکتا کیونکہ دنیا و آخرت کی بھلائی آپ کو اس حد تک حاصل ہے جو حیطہ وصف و بیان سے باہر ہے اور سارا جہاں آپ کے اولاد فرزندوں سے بھر جائے گا اور وہ شرق و غرب ہر جگہ پھیلیں گے۔ یہاں تک کہ روز قیامت ہزار ہا مسلمان آپ کی تمام معنوی اولاد کی زیادت اور ان کے عقب میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ (ہم نے آپ کو بہت کثرت دی) کوثر فوعل کے وزن پر ہے۔ جس میں کثرت و مبالغہ کے معنی ہیں اور تمام دنیا و آخرت کی بھلائیاں جن کی کنہ تک مخلوق کے علم کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ جو جس قدر بیان کرتا ہے وہ اس کے پہلو میں ایک مجمل حرف اور ایک دفتر اس سمندر کا ایک قطرہ ہے۔ کوثر کی تعریف میں علماء کے اقوال و تاویل بہت ہیں جس کسی نے نور باطن کا جتنا حصہ پایا اس نے بیان کر دیا۔ نبوت' معجزات' شفاعت' معرفت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے تمام برکات و کمالات اور قیامت تک کے تمام کرامات سب اس لفظ کوثر میں داخل ہیں اور وہ حوض کوثر جو جنت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا جائے گا اور جو اس سے پئے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ وہ بھی اسی خیر کا ایک فرد ہے۔

حضرت ابراہیم بن رسول صلی اللہ علیہ وسلم: حضرت ابراہیم بن رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضور اکرم کی آخری اولاد ہیں اور مدینہ طیبہ میں ماہ ذی الحجہ ۸ھ میں متولد ہوئے۔ ان کی والدہ ماجدہ سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جو بطور ہدیہ' مقوقس' بادشاہ اسکندریہ نے دیگر ہدایا کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھیجا تھا۔ ان کا ذکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بندگان کے ضمن میں مذکور ہے اور مقوقس کے احوال' بادشاہوں اور حاکموں کے نام مکاتب بھیجنے کے سلسلہ میں ۶ ہجری کے واقعات میں مذکور ہو چکے ہیں۔ سلمیٰ رضی اللہ عنہ زوجہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ مولیٰ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قابلہ یعنی دایہ تھیں۔ سلمیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے شوہر ابورافع رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے فرزند تولد ہوا ہے۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں خبر پہنچائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مژدہ کے پہنچانے پر انہیں غلامی سے آزاد فرمایا۔ اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابا ابراہیم کی کنیت سے مخاطب کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش و مسرور ہوئے اور دو بھیڑوں کا عقیقہ فرمایا۔ ایک قول ہے کہ ایک بکری کا عقیقہ کیا' ان کے سر کو مونڈا گیا اور نام رکھا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ پہلے ہی دن ان کا نام رکھا گیا۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ''آج رات ایک فرزند پیدا ہوا ہے اس کا نام اپنے جدامجد کے نام پر ابراہیم رکھا ہے'' سر کے بالوں کے برابر چاندی وزن کر کے مسکینوں پر صدقہ فرمایا اور زمین میں سر کے بالوں کو دفن کیا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے کیلئے ام سیف رضی اللہ عنہا جو کہ ایک آہنگر کی بیوی تھی سپرد فرمایا۔ ان کا نام ابوسیف رضی اللہ عنہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دیکھنے کیلئے ابوسیف کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو اپنے عیال پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مہربانی فرماتے نہ دیکھا۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے عوالی میں دودھ پیتے تھے پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے تو ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہو جاتے۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ان کو آغوش مبارک میں لے کر انہیں پیار کرتے اور ابوسیف بھٹی میں آگ جلاتے ہوتے اور ان کے گھر میں دھواں پڑتا ہوتا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دیکھنے ان کے گھر تشریف لے جاتے تو میں پہلے جا کر انہیں خبر کر دیتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں تا کہ وہ اپنا کام چھوڑ دیں۔ عوالی مدینہ میں ہی سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہ کیلئے ایک گھر بنایا ہوا تھا اور آج اس جگہ کو موضع مشربہ ام ابراہیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ اس کی زیارت کرتے اور برکت حاصل کرتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نزع کے عالم میں ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ہمراہ لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سرہانے پہنچے اور ملاحظہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ جانکنی میں ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لیا اور اپنی آغوش میں لٹایا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے۔ فرمایا: ''اے ابراہیم رضی اللہ عنہ ہم تیری جدائی کے سبب غمگین ہیں میری آنکھیں روتی ہیں اور دل جلتا ہے' اس کے سوا کوئی ایسی بات نہ فرمائی جس سے خدا سے ناراضگی ظاہر ہوئی ہو۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ستر دن کے تھے۔ جیسا کہ ابوداؤد نے ذکر کیا ہے۔ ایک روایت میں سولہ مہینہ آٹھ دن آئے ہیں اور بعض نے ایک سال دو مہینہ اور چھ دن کہا ہے۔ بعض تقریباً ڈیڑھ سال بتاتے ہیں۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی روتے ہیں آپ نے تو میت پر رونے سے منع فرمایا ہے؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عوف کے فرزند! جس حالت کا تم نے مشاہدہ کیا ہے یہ میت پر رحمت وشفقت کا اظہار ہے جو کہ اس کی حالت دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے اور میں نے جو ممانعت فرمائی ہے وہ دو آوازوں کی بنا پر ہے۔ ایک وہ آواز جو گانے' لہو ولعب اور شیطانی مزامیر سے ہو اور دوسری وہ آواز جو مصیبت کے وقت ہو اور میں منع کرتا ہوں منہ نوچنے' چہرہ پیٹنے' کپڑے پھاڑنے اور بین کرنے سے لیکن آنکھوں سے پانی جاری ہونا رحم وشفقت کی وجہ سے ہے۔ جو رحم وشفقت نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہ ہو گا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن حبان بن ثابت اپنی والدہ سیرین رضی اللہ عنہما سے جو کہ سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں میں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سرہانے موجود تھی۔ تو یکایک میں اور میری بہن ماریہ رضی اللہ عنہا فریاد کرنے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہ فرمایا جب ان کی روح قبض ہو گئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فریاد کرنے سے ہمیں منع فرمایا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہوئے تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے رونا شروع کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم! میں نے حضور کو بھی تو گریہ کناں دیکھا ہے؟ فرمایا: اَلْبُکَاءُ مِنَ الرَّحْمَةِ وَالصُّرَاخُ مِنَ الشَّیْطَانِ رونا رحمت ہے اور چیخنا چلانا شیطانی عمل ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو ان کی دایہ نے غسل دیا اور ایک قول میں ہے کہ حضرت فضل رضی اللہ عنہ بن عباس نے غسل دیا۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف نے پانی ڈالا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے اس کے بعد حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو چھوٹے تخت پر اٹھایا گیا۔ صحیح یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور یہ جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ علماء اس کی اس طرح تاویل کرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہ پڑھی ہو اور صحابہ کو حکم فرمایا ہو کہ وہ نماز پڑھ لیں۔ یا یہ مراد ہو کہ جماعت کے ساتھ نماز نہ ہوئی ہو۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو بقیع شریف میں دفن کیا گیا اور فرمایا کہ ''میں نے ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کے پاس دفن کیا اور ان کی قبر پر پانی چھڑکا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ پہلی قبر ہے جس پر پانی چھڑکا گیا اور ان کی قبر پر نشان لگایا گیا۔ جس طرح کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر پر نشان لگا ہوا تھا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود پتھر اٹھا کر لائے اور ان کی قبر پر رکھا۔ (الحدیث)

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے روز سورج کو گہن لگا تھا اور ان کی وفات دسویں محرم یا دسویں ربیع الاول کو ہوئی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ یہ گہن' حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے لگا ہے چونکہ لوگ عام گمان رکھتے تھے کہ چاند وسورج کا گہن کسی عظیم موت یا حادثہ سے لگتا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''چاند سورج خدا کی دونشانیاں ہیں۔ ان کو کسی کے مرنے یا جینے سے گہن نہیں لگتا ہے''۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ دوایسی نشانیاں ہیں جن سے حق تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ اس سے عبرت ونصیحت حاصل کریں۔ وہ صدقہ وخیرات دیں اور غلاموں کو آزاد کریں اور گناہوں سے توبہ کریں چونکہ یہ گہن چاند کی دسویں کو واقع ہوا تھا حالانکہ عام طور پر چاند کی اٹھائیس یا انتیس تاریخ کو گہن لگتا ہے۔ اس بنا پر ان لوگوں کا گمان اس طرف ہوا کہ یہ ان کی وفات کی بنا پر لگا۔ اس حدیث میں منجموں کے قول کے بطلان پر دلیل ہے کیونکہ ان کے حساب کی رو سے آفتاب کو گہن' چاند کو اٹھائیس یا انتیس تاریخ سے پہلے ممکن نہیں ہے۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وفات کے دن فرمایا ''اگر وہ جیتا تو میں اس کی ماں کے تمام اقربا کو آزاد کر دیتا اور تمام قبطیوں سے جزیہ موقوف کر دیتا'' صحاح میں حدیثیں ثبوت کو پہنچی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم رضی اللہ عنہ میرے فرزند کی وفات' مدت رضاعت پوری کیے بغیر دنیا سے ہوئی ہے اور ان کیلئے ایک دودھ پلانے والی مقرر کی گئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جنت میں ہے تاکہ مدت رضاعت پوری کرے۔ ممکن ہے کہ جنت سے مراد عالم برزخ ہو یا وہ فوراً اس وقت جنت میں لے جائے گئے ہوں۔ مرضعہ کی تخلیق اور اتمام مدت رضاعت میں حکمت' علم رسالت کے ساتھ موقوف ہے۔ بعض مشائخ جو اس کے قائل ہیں کہ ''مرنے کے بعد بھی ترقی ہوتی ہے'' ان کا تمسک اسی حدیث کے ساتھ ہے جو کسی کو پورا کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ بندہ یعنی شیخ محقق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کا قائل ہے اور اسی حدیث سے تمسک کرتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو قرآن کریم کے حفظ میں کوشش کرتا ہے اور وہ تکمیل سے پہلے ہی دنیا سے گزر جاتا ہے تو حق سبحانہ وتعالیٰ اس کی قبر میں ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے جو اس کے حفظ کو مکمل کراتا ہے۔ یہ حدیث پہلی حدیث سے زیادہ ظاہر ہے اور سمجھنا چاہیے کہ مرنے کے بعد کتنے پردے اٹھتے ہیں اور کیسی کچھ نعمتیں منکشف ومشہود ہوتی ہیں۔ ان سے بڑھ کر اور کیا ترقی ہوگی۔ سالک کو اگر عالم غیب سے کوئی چیز منکشف ہوتی ہے تو وہ کتنا

خوش اور مسرور ہوتا ہے اور اس وقت تو سراسر تمام انوار و اسرار ہی ظاہر و روشن ہو جاتے ہیں تو اس خوشی کا کیا حال ہوگا اگر کوئی کہے کہ اس جگہ ترقی سے مراد سلوک کا تمام کرنا مراد ہے جو زوال ظلمات اور صفات بشریہ کی فنا سے تعبیر ہے اور یہ بات تو دنیا میں حاصل نہیں ہوئی اور متحقق نہ ہوا؟ تعجب ہے کہ عالم غیب کے ظہور انوار اور بروز اسرار کے باوجود بھی وہ ظلمات اور صفات بشریہ زائل نہ ہوں اور ان سے پاک نہ ہوا اور اگر کوئی یہ کہے کہ سلوک کو دنیا میں ہی مکمل کرنا چاہیے اور وہاں بغیر سلوک کی تکمیل کے جانا فائدہ نہیں دیتا؟ اگر یہ بات درست بھی ہو تو یہ عالم آخرت سے متعلق ہوگی حالانکہ عالم برزخ کا حکم اور ہے۔ حضرت شیخ ابن عربی اپنے بعض رسائل میں اس مدعا کے اثبات میں فرماتے ہیں کہ حضرت سہیل تستری قدس سرہ کو میں نے پایا کہ وہ کسی مسئلہ میں ایسا حکم واعتقاد رکھتے تھے جو میرے علم کے خلاف تھا۔ اس کے بعد میں نے ان کو اس کی تعلیم و تلقین کی اور حضرت سہیل تستری قدس سرہ کیلئے اس علم کا حصول داخل ترقی ہوا۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

جاننا چاہیے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ نَبِيًّا اگر ابراہیم زندہ رہتے تو یقیناً نبی ہوتے۔

روضۃ الاحباب میں اسے اسی طرح نقل کر کے کہا ہے کہ یہ جو سلف سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت صغر میں وفات پائی اور اگر جیتے رہتے تو نبی ہوتے' صحت کو نہیں پہنچی ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ یہ علم غیب پر جرات و دلیری ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ اس بات کا کیا مطلب ہے حضرت نوح علیہ السلام کے کئی فرزند تھے مگر نبی نہ ہوئے (انتہیٰ) ظاہر ہے کہ یہ قول بعض سلف سے مروی ہے لیکن اس کا رفع حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک صحیح نہیں ہے اور جب اس کا رفع حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح نہیں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر ناقابل اعتبار ہے اور علم غیب پر جرات کرتا ہے اس کے بعد اس کا محال ہونا ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے۔

مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں کہ یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ فرمایا:

لَوْ بَقِيَ يَعْنِيْ اِبْرَاهِيْمَ بْنَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكَانَ نَبِيًّا لٰكِنَّهٗ لَمْ يَبْقَ لِاَنَّ نَبِيَّكُمْ اٰخِرُ الْاَنْبِيَآءِ اَخْرَجَهٗ اَبُوْ عُمَرَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک نے فرمایا اگر حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باقی رہتے تو یقیناً نبی ہوتے لیکن اللہ نے ان کو باقی نہ رکھا اس لیے کہ تمہارے نبی الآ خرالانبیاء ہیں اور صاحب مواہب نے طبری سے نقل کیا ہے کہ فرمایا اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نہیں فرمایا مگر حضور علیہ السلام سے سن کر وہی جو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ ورنہ یہ لازم نہیں ہے کہ نبی کا فرزند بھی نبی ہو۔ اس دلیل سے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نبی نہ تھے۔ امام نووی سے بھی منقول ہے کہ یہ حدیث بعض متقدمین سے روایت کی گئی ہے لیکن باطل ہے اور مغیبات کے اندر کلام کرنے میں جسارت اور امر عظیم پر لوگوں کو ورغلانا ہے۔ شیخ سخاوی نے بھی مقاصد حسنہ میں ابن عبدالبر کے قول کی مانند کہا ہے اور شیخ ابن حجر نے کلام امام نووی کے بعد فرمایا کہ یہ کلام عجیب ہے باوجود یہ کہ یہ تین طریقوں سے وارد ہے۔ اور فرمایا گویا ان کو اس کی وجہ اور تاویل ظاہر نہ ہوئی اس بنا پر انہوں نے انکار کی طرف رخ کیا جو کچھ بھی انہوں نے کہا شیخ سخاوی نے ان تین طریقوں کو بیان کیا ہے ایک یہ کہ ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نماز پڑھی اور فرمایا کہ ان کیلئے جنت میں دودھ پلانے والی مقرر ہے اگر وہ جیتے تو صدیق د نبی ہوتے۔ اس حدیث کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان واسطی ہے اور وہ ضعیف ہے اور اسی سند کے ساتھ ابن مند نے کتاب المعرفۃ میں روایت کو نقل کر کے کہا ہے کہ یہ غریب ہے۔ دوسرا

طریقہ یہ ہے کہ ابراہیم شدوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابراہیم نے آغوش میں وفات پائی اگر زندہ رہتے تو نبی ہوتے (الحدیث) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ بخاری تک جو اس کی سند ہے یہ ہے کہ محمد بن بشیر نے اسمٰعیل بن ابی خالد سے کہا کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نے حضرت ابراہیم بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ صغر سنی میں فوت ہوئے اگر یہ بات مقدر کی گئی ہوئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرزند فوت نہ ہوتا لہٰذا معلوم ہوا کہ اس حدیث کی کئی سندیں ہیں اگرچہ ضعیف وغریب ہوں اور ایسا نہیں ہے کہ یوں کہا جائے کہ ''بعض سلف سے کہا گیا ہے اور یہ کہ بعض متقدمین نے ایسا کہا ہے اور باطل اور یہ جسارت اور علم غیب پر جرات ہے۔'' البتہ اس حدیث میں دشواری واعتراض دو وجہ سے ہے ایک یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ نبوت نہیں ہے تو اس کا کیا مطلب ہوا کہ اگر ابراہیم جیتے تو نبی ہوتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قضیہ شرطیہ' صدق طرفین اور ان کے وقوع کو مستلزم نہیں ہے جس طرح کہ کہتے ہیں کہ اگر عنقا موجود ہوتا تو ایسا ایسا ہوتا اور اگر زید گدھا ہوتا تو ناحق ہوتا۔ اسی طرح اگر زندہ ہوتے تو نبی ہوتے لیکن زندہ نہ رہے تو نبی نہ ہوئے اور دوسرا اشکال ملازمت کا ہے تو اس کی توجیہہ یہ ہے کہ مقصود' حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے شان کی مدح و برتری اور ان کے استعداد کے کمال کا اظہار ہے کہ اگر وہ جیتے اور باب نبوت بند نہ ہوتا تو ان میں شان واستعداد ایسی تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے فرزندوں میں نہ تھی۔ (نافہم واللہ اعلم بحقیقۃ الحال علی وجہ الکمال)

دختران سیّد عالم

وصل: سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں بقول اکثر علماء سب سے بڑی دختر سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں اور یہی صحیح ہے' صاحب مواہب نے کہا کہ مگر کسائی کے نزدیک ان کا قول صحیح نہیں ہے اور کہا کہ اختلاف ان میں اور حضرت قاسم میں ہے کہ کون پہلے پیدا ہوا۔ ابن اسحٰق کے نزدیک یہ ہے کہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر کی ولادت ۳۰ میں (جو کہ واقعہ فیل سے بھی ہے) پیدا ہوئیں اور اسلام میں داخل ہوئیں اور ہجرت کی اور ان کا نکاح' ان کی خالہ کے فرزند کے ساتھ کیا گیا تھا جن کا نام ابوالعاص رضی اللہ عنہ بن الربیع بن عبدالعزی بن عبدالشمس عبدمناف ہے اور ابوالعاص کی ماں ہند بنت خویلد' سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کی بہن ایک ماں باپ سے تھی اور ابوالعاص رضی اللہ عنہ مشہور اپنی کنیت کے ساتھ ہیں ان کے نام میں اختلاف ہے۔ لفیظ ہے یا مقسم یا قسم یا یاسر اور ابن عبدالبر نے کہا کہ اکثر کے نزدیک قول اول درست ہے یعنی لفیظ نام ہے ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ہجرت کی اور ان کو شرک میں مبتلا چھوڑ دیا اور ابوالعاص رضی اللہ عنہ مکہ اور مدینہ کے درمیان اسلام لائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی نکاح میں سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے سپرد فرما دیا بعض کہتے ہیں کہ نکاح جدید کے ساتھ سپرد کیا اس کا مجمل قصہ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابوالعاص رضی اللہ عنہ بدر کے قیدیوں میں داخل تھے۔ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کی آزادی کیلئے فدیہ بھیجا تو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے فدیہ میں وہ ہار بھیجا جو ان کے گلے میں لٹکا رہتا تھا جسے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عقد کے وقت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے جہیز میں دیا تھا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہار کو ملاحظہ فرمایا تو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی صحبت کا زمانہ یاد آ گیا اور سخت رقت طاری ہوگئی۔ صحابہ سے فرمایا اگر تم دیکھو کہ رہا کرو تم اسیر زینب رضی اللہ عنہا کو اور لوٹا دو تم فدیہ کے مال کو تم جانو تو ایسا کر لو۔ صحابہ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ایسا ہی کریں گے جس میں آپ کی مرضی مبارک ہوگی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے عہد لیا کہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو حضورِ اکرم کی طرف بھیج دیں گے۔ ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے اسے مان لیا۔ اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ اور ایک اور انصاری شخص کو مکہ مکرمہ بھیجا تا کہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو لے آئیں اور فرمایا مکہ کے اندر نہ جانا بلکہ وادی ناجح کے بطن میں ٹھہرنا۔ یہ ایک موضع کا نام ہے جو مکہ کے باہر ہے مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ہے جہاں انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے آپ نے فرمایا جب وہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو تمہارے حوالہ کر دیں تو ان کے ساتھ لے کر مدینہ منورہ آ جانا اس واقعہ کے ڈھائی سال بعد ابوالعاص رضی اللہ عنہ ایک تجارت کی غرض سے مکہ سے باہر آئے۔ ان کے ساتھ مکہ والوں کا مال تجارت تھا۔ اس تجارتی قافلہ کی واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس کی تلاش میں گئے ہوئے تھے جب انہوں نے قافلہ پر قابو پالیا تو چاہا کہ ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے مال پر قبضہ کر کے انہیں قتل کر دیں۔ یہ خبر جب سیّدہ زینب سلام اللہ علیہا کو پہنچی تو انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا کسی مسلمان کو کسی عہدہ وآمان میں لینے کا حق نہیں ہے؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں ہے۔'' سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ گواہ رہیئے کہ میں نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو امان دیدی ہے جب صحابہ کرام اس صورت حال سے باخبر ہوئے تو ابوالعاص رضی اللہ عنہ اور ان کے مال سے دست تعرض کھینچ لیا اور ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے تم مسلمان ہو جاؤ تا کہ مشرکوں کا یہ تمام مال تمہارے لیے غنیمت ہو جائے ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے کہا میں شرم کرتا ہوں کہ اپنے دین کو اس ناپاک مال سے پلید کروں۔ اس کے بعد وہ مکہ چلے گئے اور اس مال کو ان کے مالکوں کے سپرد کر دیا اور فرمایا اے مکہ والو! آیا میں نے تمہیں تمہارا مال پہنچا دیا تم مجھے اس سے بری الذمہ قرار دیتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں! پھر ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم گواہ رہو کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس کے بعد ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو نکاح سابق یا نکاح جدید کے ساتھ ان کے سپرد فرمایا۔ اس جگہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ زن وشوہر میں سے کسی کے اسلام لانے پر نکاح فسخ ہو جاتا ہے یا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت فرماتے تھے اور ان کے ساتھ بہت زیادہ شفقت وعنایت فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ ابوجہل کی بیٹی آئی جو بہت حسین وجمیل تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے چاہا کہ اس سے نکاح فرمائیں۔ جب یہ خبر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار معلوم ہوا۔ اس کے بعد آپ منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ دیا۔ اس میں حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمائی اور فرمایا اگر علی مرتضیٰ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو طلاق دیدیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی بیٹی کو اپنے اور اپنے دشمن کی بیٹی کو ایک جگہ جمع کرنا نہیں چاہتا جب امیر المومنین سیّدنا علی المرتضیٰ نے یہ سنا تو حاضر ہو کر معذرت خواہی کرنے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ! نہ میں نے یہ چاہا اور نہ اس سے اس بارے میں کوئی بات کی ہے لوگ ایسا چاہتے تھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ! میں تم سے محبت کرتا ہوں اور فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا میرا جگر گوشہ ہے مجھے اندیشہ ہے کہ تمہارے ساتھ میری محبت میں کوئی خلل واقع ہو۔

سیّدہ زینب سلام اللہ علیہا کا حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے ایک فرزند تھا جس کا نام علی تھا اور ایک دختر تھی جس کا نام امامہ تھا یہ علی لابن ابی العاص رضی اللہ عنہ حد بلوغ کے قریب دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روز فتح مکہ اپنی سواری پر ان کو اپنا ردیف بنایا تھا اور امامہ سے بہت پیار فرماتے تھے جیسا کہ پایہ ثبوت کو پہنچا ہے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور امامہ رضی اللہ عنہا کو اپنے دوش مبارک پر بٹھائے ہوئے تھے جب رکوع میں جاتے تو اسے زمین پر اتار دیتے اور سجدے سے

سر مبارک اٹھا کر قیام کی طرف جاتے تو اسے اٹھا کر دوش مبارک پر بٹھا لیتے...... شارحین حدیث اس جگہ کلام کرتے ہیں کہ یہ اٹھانا اور زمین پر اتارنا فعل کثیر تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کیسے جائز رکھا جواب میں فرماتے ہیں کہ امامہ رضی اللہ عنہا خود آ کر بیٹھیں اور خود ہی اتر جاتی تھیں اور یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل واختیار نہ تھا۔

حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ نے سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی رحلت کے بعد سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کے بموجب امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور ان سے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے فرزند ''محمد اوسط'' پیدا ہوئے اور محمد اکبر اور محمد اصغر بھی اولادِ علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ میں سے ہیں اور محمد اکبر محمد بن حنیفہ ہیں اور محمد اصغران کی والدہ ام ولد ہیں جو کہ سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی وفات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات ظاہری میں ۸ ھ میں واقع ہوئی اور سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام ایمن رضی اللہ عنہا اور اُمِ عطیہ رضی اللہ عنہا انصاریہ نے ان کو غسل دیا۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ ہم آپ کی صاحبزادی کو غسل دے رہے تھے۔ محدثین فرماتے ہیں کہ یا تو مراد سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا زوجہ ابوالعاص رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ مسلم میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کہا جس وقت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا ان کو غسل دو (الحدیث) یا اس سے مراد سیّدہ ام کلثوم زوجہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ ابن ماجہ میں باسناد برشرط شیخین مروی ہے۔ (واللہ اعلم)

متفق علیہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ ہم آپ کی صاحبزادی کو غسل دے رہتے تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو تین مرتبہ غسل دو یا اس سے زیادہ ایک روایت میں سات مرتبہ آیا ہے اس سے مقصود اختیار دینا نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ اگر تین مرتبہ سے نظافت و پاکیزگی حاصل ہو جائے تو یہی مشروع ہے ورنہ اس سے زیادہ مرتبہ کریں یہاں تک کہ نظافت حاصل ہو جائے۔ واجب ایک مرتبہ ہے اور روایت جو یہ ہے کہ ''یا اس سے زیادہ'' اسی معنی کی تائید میں ہے مگر یہ کہ کسی خاص رعایت کی طرف اشارہ ہو نیز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خالص پانی اور بیری کے پتے ملے ہوئے پانی سے غسل دو اور آخری مرتبہ میں کافور ملو۔ ایک روایت میں مشک بھی آیا ہے تو جب تم غسل سے فارغ ہو جاؤ تو اے عورتو! مجھے خبر کرا دینا۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا جو اس حدیث کی راوی ہیں فرماتی ہیں کہ جب ہم غسل سے فارغ ہوئے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہہ بند بھیجا کہ اس سے ان کو کفن دو جو جسم سے پیوست ہو۔ اس حدیث سے صالحین کے تبرکات سے تبرک لینے کا استحباب ثابت ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ فرمایا ان کو تین مرتبہ غسل دو یا پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ اور داہنی جانب اور مواضع وضو سے ابتدا کرو۔ اُمِ عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے ان کے بالوں کی تین لٹیں بنائیں اور ان کو پسِ پشت ڈالا اور تجہیز وتکفین کے بعد نماز ہوئی اور دفن کر دیا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو قبر میں اتارا (رضی اللہ عنہا)

رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کی ولادت واقعہ فیل سے تینتیسویں برس میں ہے اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی ولادت کے تین سال بعد ولادت ہے۔ زبیر بن بکاء وغیرہ نے کہا کہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں اس قول کی تصحیح جرجانی ورنسابہ کی ایک

جماعت نے کی ہے مگر اصح وہی ہے جس پر اکثر اہل سیر ہیں وہ یہ کہ سیّدہ زینب سب سے بڑی صاحبزادی ہیں۔ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا عہد نبوت سے پہلے عتبہ بن ابی الہب کی زوجیت میں تھیں اور ان کی بہن سیّدہ ام کلثوم اس عتبہ کے بھائی عتیبہ کی زوجیت میں تھیں ایسا ہی مواہب لدنیہ میں ہے اکثر کتابوں اور جامع الاصول میں اول عتبہ بصیغۂ مکبر اور ثانی عتیبہ بصیغہ مصغر آیا ہے اور روضۃ الاحباب میں اس کے برعکس مروی ہے اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہی اکثر کتابوں میں ہے اس لیے کہ عتیبہ کا مسلمان ہو کر مقبول الاسلام بن کر صحابہ کی گنتی میں شمار ہوا ہے اور وہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کا قصہ ہے جس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا مستجاب ہوئی اور اسے شیر نے پھاڑ کر قتل کیا وہ اس کا بھائی عتبہ (باتفاق) بہرحال جب سورہ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ نازل ہوئی تو ابولہب نے عتبہ سے کہا او عتبہ تیرا سر حرام ہے۔ مطلب یہ کہ تجھ سے بیزار ہوں اگر تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو اپنے سے جدا نہ کرے۔ اس پر اس نے جدائی کر لی اور علیحدہ ہو گیا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ قریش نے حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیّدہ زینب کو جدا کر دینے پر ابھارا۔ انہوں نے فرمایا خدا کی قسم میں ہرگز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو جدا نہ کروں گا اور نہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ ان کے عوض قریش کی کوئی اور عورت ہو۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں کر دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ دو ہجرتیں فرمائیں۔ ایک حبشہ کی طرف دوسری حبشہ سے مدینہ طیبہ کی طرف۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شان میں فرمایا حضرت لوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خدا کی طرف ہجرت کی اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ حسن رفیع اور جمال کریم کے مالک تھے دولابی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سیّدہ رقیہ کے ساتھ نکاح زمانہ جاہلیت میں ہوا تھا مگر اور تمام اہل سیر نے بعد اسلام بیان کیا ہے۔

منقول ہے کہ جب سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو عورتیں روتی تھیں مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس سے منع نہ فرماتے تھے۔ سیّدہ فاطمہ زہرا' سیّدہ رقیہ کی قبر کے سرہانے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھی ہوئی روتی تھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر مبارک کے کنارہ سے ان کی چشم پوشی مبارک سے آنسو پونچھتے تھے اس کے باوجود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیّدہ رقیہ کی تعزیت کی گئی تو فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ دَفْنُ الْبَنَاتِ مِنَ الْمَكْرُمَاتِ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت پر رونا رحمت و رقت کی بنا پر ہوتا ہے نہ کہ میت کے فقدان یعنی رخصت ہو جانے کی وجہ سے کیونکہ یہ تو تقدیر الٰہی سے واقع ہوتا ہے۔ یہ سب روایتیں اس تقدیر پر ہیں جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ رقیہ کی وفات کے وقت موجود ہوں لیکن صورت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وفات کے وقت بدر میں تشریف فرما تھے جیسا کہ مشہور ہے لہٰذا غالب گمان یہ ہے کہ یہ واقعات سیّدہ زینب یا سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما سے متعلق ہوں گے اور راوی نے وہم کی بنا پر سیّدہ رقیہ کا نام لے لیا ہوگا اور اگر یہ واقعۃً ثابت ہو جائے کہ یہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے واقعات ہیں تو ہم کہیں گے کہ ممکن ہے کہ غزوہ بدر کی واپسی کے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ رقیہ کی قبر انور پر تشریف لائے ہوں اس وقت یہ واقعات رونما ہوئے ہوں۔ (واللہ اعلم) اگرچہ ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وفات کے دنوں کے نزدیکی زمانہ میں تشریف لائے۔

سیّدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی تھیں جو عتبہ بن ابولہب کی زوجیت میں تھیں اہل سیر کہتے ہیں ان کا اپنا نام معلوم نہ ہو سکا بعض لوگ آمنہ بتاتے ہیں۔ منقول

ہے کہ عتبہ نے جب سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے جدائی کی تو وہ بارگاہِ رسالت میں آیا اور کہنے لگا میں کافر ہوا آپ کے دین سے اور نہ آپ کا دین مجھے محبوب ہے اور نہ آپ ہی مجھے پیارے ہیں اور اس بدبخت نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادتی کی اور آپ کی قمیض مبارک کو چاک کر دیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ میں نے کہا: هُوَ يَكْفُرُ بِالَّذِىْ دَنٰى فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ظاہر ہے کہ اس نے یہ الفاظ سورہ والنجم سے حاصل کیے چونکہ مکہ مکرمہ میں ان دنوں یہ سورہ مبارکہ نازل ہوگئی تھی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ اس ملعون نے اتنی گستاخی کی کہ اس نے اس ناپاک منہ کا تھوک حضورِ اکرم کی جانب پھینکا کہا کہ میں نے رقیہ کو طلاق دیدی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِنْ كِلَابِكَ اے خدا اس ملعون پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط کر دے اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت ابوطالب اس وقت مجلس میں حاضر تھے انہوں نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ تجھے کونسی چیز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے تیر سے بچا سکے گی۔ یہ ملعون تجارت کی غرض سے شام کی طرف جا رہا تھا راہ میں جب اس نے ایک ایسی منزل میں پڑاؤ ڈالا جہاں درندے تھے تو ابولہب نے قافلہ والوں سے کہا آج کی رات تم سب ہماری مدد کرو کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میرے بیٹے کے حق میں آج کی رات اثر کرے اس پر سب نے اپنے اپنے بوجھوں کو اکٹھا کیا اور نیچے اوپر کر کے چنا اور ان بوجھوں کے اوپر عتبہ کے سونے کیلئے جگہ بنائی اور اس کے چاروں طرف گھیرا ڈال کے بیٹھ گئے اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان پر نیند کو مسلط کیا ایک شیر آیا اور اس نے ایک ایک کے منہ کو سونگھا اور کسی سے اس نے تعرض نہ کیا پھر اس نے جست لگائی اور عتبہ پر پنجہ مارا اور اس کے سینے کو پھاڑ ڈالا ایک روایت میں ہے کہ عتبہ کی گردن کو دبوچا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو ہجرت کے تیسرے سال حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے تزوج فرما دیا اور فرمایا یہ جبریل علیہ السلام کھڑے مجھے خبر دے رہے ہیں کہ حق تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ میں ان کو تمہارے حبالہ عقد میں دیدوں۔

سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے ہجرت کے نویں سال وفات پائی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی وران کی قبر انور کے پاس بیٹھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور فرمایا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے آج رات اپنی بیوی سے ہم بستری نہ کی ہو۔ اس پر حضرت ابوطلحہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ہوں فرمایا ان کی قبر میں اترو'' بعض شارحین نے کہا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تعرض تھا کیونکہ انہوں نے اس رات اپنی باندی سے جماع کیا تھا بایں سبب کہ سیّدہ ام کلثوم کی علالت نے طول کھینچا تھا جب وہ بے طاقت ہو گئے تو اپنی باندی کے پاس گئے اور جماع کیا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ ام کلثوم کی وفات کے بعد حضرت عثمان نے فرمایا ''اگر میرے پاس تیسری صاحبزادی ہوتی تو اسے بھی تمہارے نکاح میں لے آتا ایک روایت میں ہے کہ اگر دس صاحبزادیاں ہوتیں تو میں ان کو یکے بعد دیگرے دیتا جاتا اور وفات پاتی رہتیں۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ام کلثوم عرصہ تک حضرت ذوالنورین کی زوجیت میں رہیں لیکن ان سے کوئی فرزند نہ ہوا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ دو فرزند متولد ہوئے لیکن زندہ نہ رہے۔ نیز سیّدہ رقیہ سے بھی کوئی فرزند زندہ نہ رہا چنانچہ پہلی ہجرت بجانب حبشہ میں ان کا حمل ساقط ہوا اس کے بعد ایک اور فرزند پیدا ہوا جب وہ دو سال کا ہوا تو ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ ماری اور وہ فوت ہو گئے لہٰذا حضرت عثمان کا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں سے کوئی فرزند زندہ نہ رہا دوسری بیویوں سے اولاد پیدا ہوئی جو باقی و زندہ رہیں (واللہ اعلم)

سیّدہ فاطمۃ الزہرا بنت رسول اللہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی صاحبزادی سیّدہ فاطمۃ الزہرا ہیں۔ سیّدہ فاطمہ کی پیدائش ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکتالیسویں سال میں ہوئی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ قول ابوبکر رازی کا ہے اور یہ قول اس کے مخالف ہے جسے ابن اسحاق نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے بارے میں بیان کیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد اظہار نبوت سے قبل پیدا ہوئی ہیں بجز حضرت ابراہیم کے۔ اس لیے کہ اس قول کے بموجب سیّدہ فاطمہ کی ولادت بعد از نبوت ایک سال بعد ہوئی ہے۔

ابن جوزی نے کہا کہ سیّدہ فاطمہ کی ولادت اظہار نبوت سے پانچ سال پہلے ہے۔ مشہور تر روایت یہی ہے ایک قول کے بموجب سیّدہ فاطمہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں اور ایک قول سے سیّدہ رقیہ اور ایک قول سے ام کلثوم سب سے چھوٹی تھیں۔

سیّدہ زہرا' سیدۃ نساء العالمین اور سیدۃ نساء اہل الجنۃ ہیں اور فاطمہ اس بنا پر نام رکھا گیا کہ حق تعالیٰ نے ان کو اور ان کے محبین کو آتش دوزخ سے محفوظ رکھا ہے اور بتول اس بنا پر نام رکھا گیا کہ آپ اپنے زمانہ کی تمام عورتوں سے فضیلت' دین اور حسن و جمال میں جدا ہیں اور ماسوی اللہ سے بے نیاز ہیں اور زہرا اس بنا پر کہ زہرت بہجت اور جمال میں کمال و مرتبہ میں ہیں اور زکیہ و راضیہ بھی آپ کا لقب ہے سیّدہ زہرا تمام لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راہ و روش اور صورت و سیرت اور کلام میں سب سے زیادہ مشابہ تھیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی جب سیّدہ فاطمہ آتیں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کیلئے کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ تھام لیتے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے تھے۔ اسی طرح جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے جاتے تو یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کھڑی ہو جاتیں اور آگے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک تھام لیتیں اور اپنی جگہ حضور کو بٹھاتیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عقد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ہجرت کے دوسرے سال رمضان مبارک میں غزوۂ بدر کی واپسی پر فرمایا بعض غزوہ احد کے بعد کہتے ہیں اور ماہ ذی الحجہ میں شب عروسی واقع ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ ماہ رجب میں نکاح ہوا اور ایک قول سے ماہ صفر میں۔ انعقاد نکاح بحکم الٰہی اور اس کی وحی سے تھا اور سیّدہ کی عمر شریف پندرہ سال ساڑھے پانچ ماہ کی تھی اور حضرت علی مرتضیٰ کی عمر شریف اکیس سال پانچ ماہ تھی۔ دیگر اقوال بھی ہیں۔ نکاح کا قصہ ہجرت کے دوسرے سال کے واقعات میں بیان ہو چکا ہے۔ سیّدہ فاطمہ سے امام حسن' امام حسین' محسن' زینب' ام کلثوم اور رقیہ پیدا ہوئے۔ محسن اور رقیہ عہد طفولیت میں ہی وفات پا گئے اور سیّدہ زینب' حضرت عبداللہ بن جعفر سے اور سیّدہ ام کلثوم حضرت عمر بن الخطاب کی زوجیت میں آئیں و اران کی اولاد باقی نہ رہی اگرچہ سیّدہ ام کلثوم کا حضرت فاروق اعظم سے ایک فرزند پیدا ہوا اور اس کا نام زید تھا۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ فَاطِمَۃُ سَیِّدَۃُ نِسَآءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ الْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدُ شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ اور یہ روایت درجہ صحت کو پہنچ چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَاطِمَۃُ بِضْعَۃٌ مِّنِّیْ مَنْ اٰذَاھَا فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اَبْغَضَھَا فَقَدْ اَبْغَضِیْ فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے جس نے انہیں تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے ان سے بغض رکھا بلاشبہ اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ نیز فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ یَغْضِبُ بِغَضَبِ فَاطِمَۃَ وَیَرْضٰی بِرِضَاھَا بے شک اللہ فاطمہ کے غصہ سے غضب فرماتا اور ان کی رضا سے خوش ہوتا ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ اور فاطمہ کو ایک فرش پر بٹھا کر دونوں کی دلجوئی فرمائی۔ حضرت علی مرتضیٰ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو وہ مجھ سے زیادہ پیاری ہیں یا میں؟'' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ مجھے تم سے زیادہ پیاری ہیں اور تم ان سے زیادہ مجھے پیارے ہو۔''

سیّدہ عائشہ کی یہ روایت صحت کو پہنچی ہے کہ فرمایا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف فرما تھے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن اقدس پر اونی چادر شریف تھی۔ حسن بن علی آئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی چادر شریف میں لے لیا ان کے بعد حسین بن علی آئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی چادر شریف میں لے لیا اور ان کے بعد سیّدہ فاطمہ اور حضرت علی مرتضیٰ آئے حضورِ اکرم نے ان کو بھی اپنی چادر شریف میں لے لیا اس وقت یہ آیۂ کریمہ پڑھی: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے ناپاکی کو دور فرمائے اور تمہیں خوب پاک وستھرا بنائے اور ان چاروں شخصوں کے بارے میں فرمایا میں اس سے جنگ کروں گا جو ان سے جنگ کرے گا اور میں ان سے صلح کروں گا جو ان سے صلح کرے گا ایک دن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ فاطمہ کے گھر تشریف لائے اور ملاحظہ فرمایا کہ آپ اونٹ کے بالوں کا موٹا لباس پہنے بیٹھی ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا: ''اے فاطمہ! آج تم دنیا کی تنگی وسختی پر صبر کرو تاکہ کل روز قیامت جنت کی نعمتیں تمہیں حاصل ہوں۔ مروی ہے کہ ایک دن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک سیّدہ فاطمہ کے سینہ مبارک پر رکھ کر دعا مانگی اے خدا ان کو بھوک کی تکلیف سے نجات دے۔ سیّدہ فاطمہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد سے میں نے کبھی اپنے دل میں بھوک کی تکلیف محسوس نہ کی۔ حدیث میں اس کا طویل قصہ مذکور ہے۔

حضرت ثوبان مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں تشریف لے جاتے تو سب کے آخر میں سیّدہ زہرا سے رخصت ہوتے اور جب سفر سے تشریف لاتے تو سب سے پہلے اپنے اہل بیت میں سے ان سے ملاقات فرماتے ان کے بعد ازواجِ مطہرات کے حجروں میں تشریف لے جاتے۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے محدثین روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آدمیوں میں سے کون حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پیارا تھا فرمایا سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پھر لوگوں نے پوچھا مردوں میں سے کون؟ فرمایا ان کے شوہر یہ ہے حضرت صدیقہ کا انصاف، صدق حال اور اہل بیت نبوت کے ساتھ ان کی مصادقت اسے یاد رکھنا چاہیے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے پوچھا کہ آدمیوں میں سے کون رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو پیارا تھا؟ فرمایا عائشہ! لوگوں نے پوچھا مردوں سے کون؟ فرمایا ان کے والد ماجد سب سے زیادہ محبوب تھے۔ سب ہی محبوب تھے لیکن حیثیتیں مختلف ہیں۔

امام حسن مجتبیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ ماجدہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا ہے کہ وہ گھر کی مسجد کے محراب میں رات رات بھر نماز میں مشغول رہتیں یہاں تک کہ صبح طلوع ہو جاتی اور میں نے انہیں مسلمانوں اور مسلمان عورتوں کے حق میں بہت زیادہ دعا کرتے سنا۔ انہوں نے اپنی ذات کیلئے کوئی دعا نہ مانگی میں نے عرض کیا: اے مادر مہربان! کیا سبب ہے کہ آپ اپنے لیے کوئی دعا نہیں مانگتیں؟ فرمایا: ''اے فرزند! اول الجوار ثم الدار'' پہلے ہمسایہ ہیں پھر گھر ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ ایک دن سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے ان سے کہا خدا کی قسم فاطمہ رضی اللہ عنہا! میں نے کسی کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تم سے زیادہ محبوب نہ دیکھا اور قسم ہے خدا کی میں نے آپ کے والد ماجد کے بعد کسی شخص کو اپنے نزدیک آپ سے زیادہ محبوب نہ جانا۔

اہل بیت اطہار کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں کچھ تو مجمل، بعنوان اہل بیت ہیں اور کچھ مخصوص بہ امام حسن وحسین اور علی وفاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں چونکہ اس جگہ مقصود سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا تذکرہ ہے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے اور اہل بیت اطہار اور تفسیر آیۂ کریمہ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ کے معنی میں کلام بہت ہے جسے دوسری جگہوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا

ہے وہیں دیکھنا چاہیے۔ (وباللہ التوفیق)

وفات سیّدہ زہرا رضی اللہ عنہا: فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی وفات شب سہ شنبہ تیسری ماہ رمضان ۱۱ھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد واقع ہوئی یہی قول مشہور وصحیح ہے اور بھی کئی قول ہیں لیکن وہ درجہ صحت سے دور ہیں اور بقیع شریف میں رات میں مدفون ہوئیں۔ ان کی نماز جنازہ ایک قول سے حضرت علی اور ایک قول سے حضرت عباس نے پڑھی کہتے ہیں کہ دوسرے دن حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضرت علی مرتضیٰ سے شکایت کی کہ ہمیں کیوں نہ خبر کی ہم بھی نماز کا شرف پاتے۔ حضرت علی مرتضیٰ نے عذر خواہی میں فرمایا میں نے فاطمہ کی وصیت کی بنا پر ایسا کیا کہ جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ تو رات میں دفن کرنا تا کہ نامحرموں کی آنکھیں میرے جنازہ پر نہ پڑیں لوگوں میں یہی مشہور ہے مگر روضۃ الاحباب وغیرہ میں یہ ہے اور روایتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان بن عفان وعبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم بھی آئے اور یہ ذکر پہلے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ضمن میں آخر میں کیا جا چکا ہے۔

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے محل دفن میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ آپ کا مرقد بقیع میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قبہ میں ہے جہاں تمام اہل بیت نبوت آسودہ ہیں (اور بقیع کے تمام مزارات اور قبوں کو ملعون نجدیوں نے اپنے دور استبداد ۱۳۴۳ھ میں شہید کر دیا ہے (مترجم) اور بعض کا خیال یہ ہے کہ ان کا مدفن ان کے گھر میں ہی ہے جو کہ مسجد نبوی شریف میں ہے ان کا جنازہ گھر سے باہر نہ نکالا گیا آج بھی ان کی زیارت وہیں مشہور ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا مزار شریف بقیع کی مسجد میں ہے جو قبہ عباسی کے نام سے منسوب ہے اور شرقی کی جانب ہے۔ امام غزالی نے بقیع کی زیارت میں اس مسجد کا ذکر کیا ہے اور اس میں نماز پڑھنے کی وصیت کی ہے بعض اور حضرات نے بھی اس مسجد شریف کا ذکر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ وہ ''بیت الحزن'' کے نام سے معروف ہے کیونکہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے غم وجدائی کی مصیبت کے زمانہ میں لوگوں کی صحبت سے پریشان ہو کر تنہائی اختیار کر کے اس جگہ قیام پذیر ہوگئی تھیں نیز کہتے ہیں کہ اس جگہ ایک گھر ہے جسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بقیع میں لیا تھا (واللہ اعلم) پہلا قول صحیح اور اخبار وآثار کے موافق ہے۔

مسعودی نے ''مروج الذہب'' میں بیان کیا ہے کہ حضرت امام حسن، امام زین العابدین امام محمد باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم کی قبروں کی جگہ میں ایک پتھر پاتے ہیں جس پر لکھا ہوا ہے کہ هٰذَا قَبْرُ فَاطِمَه بِنْتِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدَةِ نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ وَقَبْرُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِي بْنِ حُسَيْنُ بْنِ عَلِيٍّ وَجَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمُ التَّحِيَّةُ وَالسَّلَامُ۔ اس پتھر کا ظہور ۳۳۰ھ میں ہوا۔ امام المسلمین سیّدنا حسن بن علی مرتضیٰ کے دفن کے قصہ میں مروی ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ اگر لوگ مزاحمت نہ کریں تو مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کرنا ورنہ بقیع میں اپنی والدہ ماجدہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن کر دینا۔ غرض یہ کہ آپ کی قبر شریف میں یہی جگہ مختار ہے محب طبری، ذخائر العقبیٰ میں نقل کرتے ہیں کہ مجھے ایک مرد صالح نے جو میرے ساتھ خدا کیلئے اخوت رکھتا تھا خبر دی کہ جب شیخ ابوالعاص مرسی جو کہ شیخ ابوالحسن شاذلی کے شاگرد ہیں وہ بقیع کی زیارت کرتے تو وہ حضرت عباس کے قبہ کے آگے کھڑے ہو کر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر سلام پڑھتے تھے اور فرماتے کہ شیخ پر اسی جگہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر انور منکشف ہوئی ہے اور فرماتے ہیں کہ کشف میں حضرت شیخ کو ایک آیت کبریٰ ہے فرماتے ہیں کہ عرصہ دراز تک اس بنا پر کہ جو عتقاد مجھے حضرت شیخ سے تھا اسی اعتقاد پر قائم رہا یہاں تک کہ میں نے وہ روایت ابن عبدالبر سے امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے قضیہ میں منقول سے دیکھی اس کے بعد شیخ نے جو کشف سے خبر دی تھی اس پر میرا اعتقاد زیادہ ہوگیا اور فرمایا کہ حدیث کی صحت مجھ پر شیخ کے کشف سے ثابت ہوئی اور حدیث کے مطابق حضرت شیخ کا کشف سچا ثابت ہوا۔ (واللہ اعلم)

باب دوم

در ذکر امہات المؤمنین ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن

واضح رہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں دنیاوی امور کی جو چیزیں زیادہ محبوب تھیں ان میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں اور ان کے ساتھ خوش ہوتے تھے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ قوت مباشرت آپ کو تیس تا چالیس مردوں کی ودیعت ہوئی تھی لامحالہ آپ کیلئے مباح ہوا کہ اپنے نکاح میں جتنی ازواجِ مطہرات چاہیں رکھیں۔ واضح رہنا چاہیے کہ نکاح کے فوائد میں سے حفظ نسل اور بقائے نوع انسانی کے بعد حصول لذت، تمتع نعمت اور حفظ صحت ہے۔ اس لیے کہ منی کا روکنا اور اسے نکالنے سے بچانا شدید امراض کا مورث موجد ہے اور ضعف قوی اور انسداد اعضائے مجاری کا موجب ہے اور قوت باہ وشہوت جماع کے ساتھ تفاخر ومباہات اور تمادح اور اس کے برعکس میں تنقیص وتحقیر مقررہ امر معروف اور عادت مستمر ومستقر ہے جو لوگوں کے درمیان عام ہے اور عورتوں سے محبت اور متعدد نکاح کرنا نوع انسانی کے کمال اور افراد انسانی کے کامل ترین ہونے کی دلیل ہے تمام انبیاء کرام علیہم السلام صاحبان ازواج واولاد ہوئے ہیں بجز حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام روزانہ اپنے براق پر سوار ہو کر شوق صحبت میں شام سے مکہ مکرمہ سیّدہ ہاجرہ والدہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور یہ ان کے ساتھ کمال شغف اور ان سے قلت صبر کی بنا پر واقع ہوتا تھا اور حضرت داؤد نبی علیہ السلام کے ننانوے ازواجِ مطہرات تھیں۔ اس کے باوجود وہ ایک اور سے نکاح کرنا چاہتے تھے تاکہ سو پوری ہو جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تین سو منکوحہ ازواج اور ہزار باندیاں تھیں اور ایک رات میں سو پر دورہ فرماتے تھے۔

بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میں اپنی تمام ازواج پر دورہ فرماتے تھے اور وہ گیارہ تھیں ایک روایت میں ہے کہ نو تھیں اور تحدیث نعمت میں فرماتے کہ آپ کو تیس مردوں کی طاقت عطا کی گئی ہے۔ طاؤس اور مجاہد سے مروی ہے کہ چالیس مردوں کی قوت دی گئی۔ ایک روایت میں مجاہد سے مروی ہے کہ چالیس جنتی جوانوں کی قوت دی گئی اور صحیح روایت میں آیا ہے کہ ہر جنتی جوان کی سو مردوں کی قوت کھانے پینے اور جماع میں ہوتی ہے لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مباح تھا کہ جتنی تعداد میں چاہیں عورتوں کو نکاح میں لائیں اس میں کمال فضل وشرف اور تمام مردوں سے آپ کا امتیاز ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ازواج کی زیادتی میں حکمت یہ تھی کہ اندرونی اور خلوت کے احکام مردوں تک ان کے ذریعہ سکھائے جاسکیں اور وہ امت میں نقل کریں اور قیام حقوق اور حسن معاشرت میں تکلیف کی زیادتی اور ان کی صحبت پر صبر فرمانا باوجود بار رسالت کو برداشت فرمانے اور عبادت شاقہ کے ساتھ اس پر قائم رہنے کے آپ کا یہ عالم تھا یہ بھی نکاح کے فوائد میں سے ہے۔

اور یہ جو نقل کیا گیا اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تفصیل لازم نہیں آتی اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات وفضائل اتنے کثیر ہیں کہ اگر تمام انبیاء علیہم السلام کے فضائل کو ایک پہلو میں رکھیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ان سب پر غالب ہوں گے حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حق سبحانہ وتعالیٰ سے ایسی بادشاہت مانگی تھی

جو کسی دوسرے کو میسر نہ ہو۔ تو حق تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو کوئی چیزیں مثلاً تسخیر ریاح، جن وغیرہ ان کے ساتھ مخصوص فرمائیں کسی دوسرے کو وہ میسر نہ ہوئیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک نبی بادشاہ تھے اور یہ سب ان کے معجزات میں سے تھے۔

حدیث مبارک میں آیا ہے کہ ہمارے نبی کریم علیہ السلام کو اختیار دیا گیا کہ آپ چاہیں تو نبی بادشاہ ہوں یا نبی بندے؟ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی بندے کو اختیار فرمایا اور نبی بادشاہ کو اختیار نہ فرمایا مطلب یہ کہ بندگی، بادشاہت سے بہتر ہے لہٰذا حق تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حد بشریت اور فقر وعبودیت پر قائم رکھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلطنت، بادشاہت، ازواج کی کثرت، تخت کا ہوا پر اڑنے اور تسخیر جنات وغیرہ کے ضافہ کے ساتھ نبی بنایا اور یہ سب چیزیں ظاہر میں تھیں لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت وقوت تصرف کائنات سے اور قربت وعزت بارگاہ صمدیت میں ان سے زیادہ تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ قدرت وقوت اور شکر نعمت ان سے کامل تر تھی لیکن ظاہر میں ان کا وجود حضرت سلیمان کے ساتھ مخصوص تھا اور اسی مفہوم ومطلب پر وہ حدیث صحیح دلالت کرتی ہے کہ ایک عفریت جنات میں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں آیا کہ وسواس اور خلل ڈالے پھر حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ پکڑ کر مسجد کے ستون سے باندھ دوں تا کہ مدینہ طیبہ کے بچے اور اطفال اس سے کھیلیں لیکن اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی ایک دعا یاد آ گئی اور میں نے اسے چھوڑ دیا مطلب یہ کہ مجھے جنات پر قوت وتصرف حاصل ہے لیکن چونکہ یہ تصرف بحکم الٰہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مخصوص رکھا گیا ہے اس بنا پر میں نے اس سے اعراض کیا۔ (فافہم وباللہ التوفیق)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شب باشی میں باری کا تمام ازواجِ مطہرات میں اور ادائے نفقہ وسکنہ اور ان کے حقوق ومعاملات میں برابری کا لحاظ فرماتے تھے جن پر کہ آپ کو قدرت تھی لیکن محبت کے بارے میں فرماتے اے خدا یہ تقسیم اور انصاف میرا ان چیزوں میں ہے جس میں مجھے قدرت واختیار حاصل ہے اور جن چیزوں میں مجھے مالک نہیں فرمایا ہے ان میں تو مجھے ملامت نہ فرمانا یعنی محبت اور مجامعت میں اور ازواجِ مطہرات کے درمیان مساوات کی رعایت کے وجوب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اختلاف ہے آیا یہ آپ پر بھی واجب تھا یا یہ محض آپ کا ان پر کرم تفضّل، مروت اور ان کے دلوں کو خوش رکھنا تھا۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا قول یہ ہے کہ باوجود اس کے اتنی رعایت کا پاس ولحاظ فرماتے کہ گویا یہ آپ پر واجب ہے حالانکہ یہ آپ کا محض فضل وکرم تھا (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ از حد بہترین تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تم میں وہ شخص بہترین ہے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ سیرت ومعاشرت میں بہتر ہے اور میں تم سب سے زیادہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ بہتر ہوں جب سفر کا ارادہ فرماتے تو ان کے درمیان قرعہ ڈالتے جن کا نام قرعہ میں نکل آتا ان کو اپنے ہمراہ لے جاتے۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو امہات المومنین فرمایا یہ ارشاد حرمت نکاح اور وجوب احترام میں ہے نہ کہ دیکھنے اور تنہا رہنے میں۔ اس کے باوجود ان کی بیٹیاں مسلمانوں کی بہنوں کے حکم میں نہیں ہیں اور نہ ان کی مائیں آباد اجداد اور ... یاں اور نہ ان کی بہنیں اور بھائی ماموں اور خالاؤں کے حکم میں ہیں اور نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرد وعورت کیلئے باپ کے حکم میں ہیں۔ ازواجِ مطہرات کو امت کی تمام عورتوں پر افضلیت حاصل ہے اور ان کا ثواب وعقاب ان سے دونا ہے۔ ازواجِ مطہرات میں سب سے افضل سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ اور سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما ہیں اور ان دونوں کے درمیان فضل ہیں، اختلاف ہے چنانچہ اس کی تحقیق آگے آئے گی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کی تعداد اور ان کی ترتیب میں علماء اختلاف رکھتے ہیں اور ان کا شمار جو حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے فوت ہوئیں اور جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فوت ہوئیں اور وہ جن سے دخول ہوا اور وہ جن سے دخول نہ ہوا اور وہ جن کو پیام نکاح دیا اور نکاح نہ ہوا اور وہ جنہوں نے خود کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا ان سب میں اختلاف ہے ان میں سے متفق علیہ گیارہ ازواجِ مطہرات ہیں چھ قریش میں سے یعنی سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ' سیّدہ عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق' سیّدہ حفصہ بنت عمر فاروق' سیّدہ ام حبیبہ بنت ابوسفیان' سیّدہ ام سلمہ بنت ابی امیہ' سیّدہ سودہ بنت زمعہ اور چار عربیہ غیر قریشیہ ہیں یعنی سیّدہ زینب بنت جحش' سیّدہ میمونہ بنت الحارث ہلالیہ' سیّدہ زینب بنت خزیمہ ہلالیہ ام المساکین' سیّدہ جویریہ بنت الحارث اور ایک غیر عربیہ بنی اسرائیل سے ہیں وہ سیّدہ صفیہ بنت حیی بنی نضیر سے ہیں اور وہ ازواج جو حضورِ اکرم کے سامنے فوت ہوئیں دو ہیں ایک سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ اور دوسری زینب ام المساکین رضی اللہ عنہما ہیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت بلا اختلاف نو ازواجِ مطہرات وجود تھیں۔

ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا: سب سے پہلے جن سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تزوج فرمایا وہ سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ ہیں اور جب تک وہ حیات رہیں ان کی موجودگی میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت سے نکاح نہ فرمایا ترتیب میں ان کے ذکر کی ابتدا میں یہ بیان ہے۔ ام المؤمنین کا نسب نامہ یہ ہے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی۔ سیّدہ کا نسب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف سے قصی میں مل جاتا ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصی کی اولاد سے بجز خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ام حبیبہ کے کسی کی خواستگاری نہ فرمائی۔ ان کی کنیت ام ہند ہے اور ان کی والدہ فاطمہ بنت زاہدہ بن الاصم بنی عامر بن لوی سے تھیں وہ پہلے ابواہلہ بن نباس بن زرارہ کی زوجیت میں تھیں اور اس سے ان کے دو فرزند ہوئے ایک ہند اور دوسرا ہالہ اور ابو ہالہ کا نام مالک تھا اور ایک قول سے زرارہ اور دوسرے قول سے ہند تھا۔ اس کے بعد انہوں نے عتیق بن عایذ مخزومی سے نکاح کیا اس سے ان کی ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند رضی اللہ عنہا تھا (کذا فی المواہب) روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ ایک لڑکا ایک لڑکی ہے اور ہند ایسا نام ہے جو مرد وعورت دونوں کیلئے رکھے جاتے ہیں جس طرح جویریہ ہے اور بعض نے عتیق کو ابو ہالہ پر مقدم بیان کیا ہے اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا اور ہند رضی اللہ عنہا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ تھی۔ اس وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف چالیس برس کی تھی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچیس سال کی تھی اور ایک قول کے بموجب اکیس سال کی تھی۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے بعض نے تیس سال بھی کہا (واللہ اعلم)

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا عاقلہ' فاضلہ اور فرزانہ عورت تھیں زمانہ جاہلیت میں ان کو طاہرہ کہتے تھے۔ عالی نسب اور بڑی مالدار تھیں۔ ابواہلہ عتیق کے بعد بہت سے صنادید واشراف قریش خواستگاری رکھتے تھے کہ وہ ان سے نکاح کر لیں مگر انہوں نے قبول نہ کیا اور انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اپنے آپ کو خود پیش کیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تزکرہ اپنے چچاؤں سے فرمایا اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خویلد بن اسد کے پاس تشریف لائے اور ان کو پیام دیا۔ اس کی پوری تفصیل' ولادت کے پچیسویں سال میں جبکہ شام کے سفر سے واپس تشریف لائے تھے اور سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح فرمایا تھا گزر چکی ہے اور سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مہر انتیس جوان اونٹ تھے اور ایک روایت میں ہے کہ بارہ اوقیہ سونا تھا۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا تھا کہ آسمانی آفتاب ان کے گھر اتر آیا ہے اور اس کا نور ان کے گھر سے پھیل رہا ہے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کا کوئی گھر ایسا نہیں جو اس نور سے روشن نہ ہوا ہو۔ جب وہ بیدار ہوئیں تو یہ خواب اپنے چچا کے لڑکے کے ورقہ بن نوفل سے بیان کیا۔ اس نے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ نبی آخرالزمان تم سے نکاح کریں گے۔

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ پہلی عورت ہیں جن پر اسلام کی حقیقت سب سے پہلے روشن ہوئی اور انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور اپنا تمام مال وزر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا میں خرچ کیا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد خواہ فرزند ہوں یا دختر سب انہیں سے پیدا ہوئے بجز حضرت ابراہیم کے جو سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا قبطیہ سے پیدا ہوئے تھے اور یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پچیس یا چوبیس سال شریک حیات رہیں ان کی وفات ہجرت سے پانچ سال یا تین سال پہلے ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر شریف پینسٹھ سال تھی ان کی وفات بعثت کے دسویں سال ماہ رمضان میں ہوئی ہے اور مقبرہ حجون میں مدفون ہوئیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی قبر میں داخل ہوئے اور دعائے خیر فرمائی۔ نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہ ہوئی تھی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وفات سے بہت ملول ومحزون ہوئے تھے۔ ان کی وفات کے سال کا نام ''عام الحزن'' ہے ان کے فضائل ومناقب بہت ہیں۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں بس اتنا کافی ہے سیّدہ فاطمہ زہرا جیسی صاحبزادی ان کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ کفار قریش کی تکذیب سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو غم واندوہ اور تکلیفیں اٹھاتے تھے وہ سب سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دیکھتے ہی جاتا رہتا تھا اور آپ خوش ہو جاتے تھے اور جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے تو وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاس خاطر فرماتیں جس سے ہر مشکل آسان ہو جاتی۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بارگاہِ رسالت میں جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس حضرت خدیجہ دسترخوان لا رہی ہیں جس میں کھانا پانی ہے جب وہ لائیں ان سے ان کے رب کا سلام فرمانا اور میری طرف سے انہیں بشارت دینا کہ ان کیلئے جنت میں قصب کا ایک ایسا گھر ہے جس میں نہ شور وغل ہوگا اور نہ رنج ومشقت۔ قصب گول موتی کو کہتے ہیں جنت میں ایک ایک موتیوں کے گھر ہوں گے۔

عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا بلاشبہ میں نوع بشری کا روز قیامت سردار ہوں مگر انبیاء میں سے میری نسل میں ایک شخص ہے جن کا نام اقدس احمد ہے ان کو مجھ پر دو باتوں میں فضیلت دی گئی ہے ایک یہ کہ ان کی بیوی بھلائی میں ان کی مددگار ومعاون ہوگی اور میری بیوی مرے لیے خطا پر برانگیختہ کرنے میں معاون ہوئی کہ درخت کا پھل کھلایا دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ نے ان کو ان کے شیطان (ہمزاد) پر اعانت فرمائی کہ وہ مسلمان ہو گیا مگر میرا شیطان (ہمزاد) کافر ہوا اسے ذلالی نے بیان کیا ہے جیسا کہ طبری اس کا ذکر کرتے ہیں اور ایسی حدیث خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے کہ فرمایا حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں پوچھا تو ایسا ہی فرمایا (اللہ اعلم) ہر تقدیر حاصل یہی ہوتا ہے کہ مراد زوجہ سے سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔

مسند امام احمد میں سیّدنا ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی عورتوں میں سب سے افضل سیّدہ خدیجہ بنت خویلد، سیّدہ فاطمہ بنت محمد اور حضرت مریم بنت عمران اور آسیہ امراۃ فرعون رضی اللہ عنہن ہیں۔

ولی الدین بن العراقی نے فرمایا کہ سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ امہات المؤمنین میں بہر قول صحیح ومختار افضل ہیں بعض کہتے ہیں کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں (انتہی)

شیخ الاسلام ذکریا انصاری نے ''لہجہ'' میں فرمایا کہ ازواجِ مطہرات میں افضل سیّدہ خدیجہ اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہما ہیں اور ان دونوں کے درمیان افضلیت میں اختلاف ہے۔

ابن عماد نے تصریح کی ہے کہ سیّدہ خدیجہ اس بنا پر افضل ہیں کہ یہ ثابت شدہ ہے کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا کہ بلاشبہ حق تعالیٰ نے آپ کیلئے سیّدہ خدیجہ سے بہتر زوجہ مرحمت فرمائی انہوں نے اس سے اپنے آپ کو مراد لیا

اور خود سیّدہ خدیجہ پر فضیلت دی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بہتر مجھے زوجہ مرحمت نہ فرمائی کیونکہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جبکہ لوگ میرے تکذیب کرتے تھے اور انہوں نے اپنے مال سے میری ایسے وقت میں مدد کی جبکہ لوگوں نے مجھے محروم کر رکھا تھا۔

ابن داؤد سے پوچھا گیا کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے فرمایا ''سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا!'' اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا سلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جبریل علیہ السلام کی معرفت کہلوایا حضرت خدیجہ کو رب تعالیٰ نے سلام جبریل علیہ السلام کی معرفت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا اس بنا پر سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا افضل ہوئیں اس کے بعد ابن داؤد سے پوچھا گیا کہ کون افضل ہیں حضرت عائشہ یا سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا؟ ابن داؤد نے فرمایا بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرا جگر گوشہ ہیں اس بنا پر کوئی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پارہ گوشت کے برابر نہیں ہے میری اس بات کی گواہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک دیتا ہے جو سیّدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ سیّدہ نساء اہل جنت ہو بجز مریم رضی اللہ عنہ کے وہ حضرات جو سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فضیلت دیتے ہیں انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آخرت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گی اور سیّدہ فاطمہ زہرا حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ ان کے درجہ میں ہوں گی۔

حضرت شیخ تاج الدین سبکی سے اس مسئلہ میں پوچھا گیا تو فرمایا جو کچھ کہ ہم نے اختیار کیا ہے اور جو کچھ کہ خدا کے نزدیک ہم نے اخذ کیا یہ ہے کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں ان کے بعد ان کی والدہ ماجدہ سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ ان کے بعد حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اس سے استدلال کیا جو کہ پہلے گزرا لیکن طبرانی میں ایک حدیث ہے کہ جہان کی عورتوں میں سب سے بہتر مریم بنت عمران پھر سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد پھر آسیہ فرعون کی بیوی۔ ابن عماد نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت خدیجہ کو جو فضیلت دی گئی ہے وہ باعتبار ماں ہونے کے ہے نہ کہ باعتبار سیادت اور سبکی نے یہ اختیار کیا ہے کہ مریم افضل ہیں اس حدیث کی بنا پر اور ان کی نبوت میں اختلاف کی بنا پر (انتہیٰ)

ابوامامہ بن النقاش نے فرمایا کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سبقت اول اسلام میں ان کی تاثیر اور دین خدا کے قیام ونصرت اور اس کی تقویت میں اپنے مال کو خرچ کرنے میں ہے کوئی ایک بھی اس میں ان کا شریک نہیں ہے نہ سیّدہ عائشہ صدیقہ اور نہ امہات المؤمنین میں کوئی اور، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا آخر اسلام میں ان کا اثر اور امت کے ساتھ حمل دین اور تبلیغ اسلام میں ان کی تلقین اور امت کا ان سے اسلام کے مسائل واحکام حاصل کرنا یہ سب ایسی خوبیاں ہیں جن میں کوئی ان کا شریک نہیں ہے نہ سیّدہ خدیجہ اور نہ کوئی اور امہات المؤمنین میں سے۔ یہ ان کی امتیازی شان ہے جو ان کے سوا کسی میں نہیں ہے ہذا کلہ فی المذاہب الحاصل یہ وجوہ باعتبار اختلاف حیثیات ہیں۔ (واللہ اعلم)

سیّدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا: ام المؤمنین سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ بن قیس بن عبدشمس بن عبدود قرشیہ عامریہ ہیں ان کا نسب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف سے لوی میں مل جاتا ہے۔ ان کی کنیت ام الاسود ہے اور ان کی ماں شموس بنت قیس ہے۔ اوائل بعثت میں ہی مکہ مکرمہ میں اسلام لائیں اور یہ اپنے ابن عم جن کا نام سکران رضی اللہ عنہ بن عمرو بن عبدالشمس ہے اور وہ سہیل بن عمرو کی بھائی ہیں ان کی زوجیت میں تھیں ان کے شوہر بھی ان کے ساتھ ہی اسلام لائے ان سے ایک لڑکا تھا جس کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے سکران رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت ثانیہ کی ان کے شوہر مکہ مکرمہ پہنچنے کے

بعد فوت ہوئے ایک روایت میں ہے کہ حبشہ میں ہی فوت ہوئے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فوت ہونے کے بعد ان سے تزوج فرمایا قبل اس کے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عقد ہو یہ قول قتادہ اور ابوعبیدہ کا ہے۔ ابن قتیبہ نے بجز اس قضیہ کے ذکر نہیں کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ اس سے قبل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عقد ہو گیا تھا ان دونوں قوموں کو اس طرح جمع کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عقد، سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے پہلے ہوا تھا اور دخول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پہلے کیوں کہ تزوج اور نکاح کے الفاظ دونوں معنی پر بولے جاتے ہیں مگر عام ذہنوں میں عقد ہی سمجھا جاتا ہے نہ کہ دخول۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا جب حبشہ سے مکہ مکرمہ آئیں تو خواب میں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے ہیں اور قدم اقدس ان کی گردن پر رکھا ہے یہ خواب اپنے شوہر سکران رضی اللہ عنہ سے بیان کیا انہوں نے کہا اگر تم سچ کہتی ہو تو میں جلد مروں گا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں چاہیں گے پھر انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ وہ ٹیک لگائے ہوئے ہیں آسمان سے چاند ان پر آ پڑا ہے اس خواب کو بھی اپنے شوہر سے بیان کیا ان کے شعر نے کہا کہ اگر تم سچ کہتی ہو تو عنقریب میں فوت ہو جاؤں گا اور نبی کریم تمہیں چاہیں گے۔ اسی دن سے سکران رضی اللہ عنہ خستہ ہو گئے اور چند دن کے اندر وہ وفات پا گئے اور سودہ رضی اللہ عنہا تہی دامن ہو گئیں یہاں تک کہ نبوت کے دسویں سال سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا اور چار سو درہم ان کا مہر مقرر ہوا اور مدینہ طیبہ ہجرت کر کے آئیں اور جب ان پر بڑھاپے نے غلبہ کیا تو ہجرت کے آٹھویں سال میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق دے دی مگر قول صحیح یہ ہے کہ ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گزرگاہ میں آ کے بیٹھ گئیں اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر رونق افروز تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے کسی چیز کی خواہش نہیں رکھتی اور اب میری شہوت کی آرزو بھی نہیں رہی ہے لیکن میں چاہتی ہوں اور میری تمنا ہے کہ کل روز قیامت آپ کی ازواج مطہرات میں میں حشر کی جاؤں اور اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سونپتی ہوں اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ ترک فرما دیا یا باختلاف اقوال رجعت فرمالی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا یہ حجۃ الاسلام تھا جو گردنوں سے اتر گیا۔ اس کے بعد اپنے بستروں کو غنیمت جانو اور اپنے گھروں سے باہر نہ نکلو۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حج کو گئیں مگر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش نہ گئیں اور فرمایا ہم حضور کے بعد سواری پر سوار نہ ہوں گے جیسا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی ہے۔

کتب متداولہ میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی مرویات پانچ حدیثیں ہیں ان میں سے ایک بخاری میں اور باقی سنن اربعہ میں مروی ہیں۔ ان کی وفات ماہ شوال ۵۴ھ زمانہ امارت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں ہوئی کذا فی المواہب ایک روایت کے بموجب ان کی وفات زمانہ خلافت فاروقی کے آخری دور میں ہے۔ اہل سیر بتاتے ہیں کہ سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا طویل القامت اور فربہ وجسیم تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان کا جنازہ رات میں اٹھاؤ اسماء رضی اللہ عنہ بنت عمیس فرماتی ہیں کہ میں نے حبشہ میں دیکھا کہ عورتوں کیلئے پردہ دار مسہری (نعش) بناتے ہیں تو انہوں نے ان کیلئے ویسی ہی نعش تیار کی جب اسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو حضرت اسما رضی اللہ عنہ بنت عمیس کو دعا دی اور فرمایا سترتہا سترک اللہ تم نے ان کو پردے میں ڈھانپا اور اللہ تعالیٰ تمہاری پردہ پوشی فرمائے۔ بعض کہتے ہیں کہ پردہ دار مسہری (نعش) سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کیلئے تیار کی گئی (کذا فی روضۃ الاحباب) اور یہ محقق ہے کہ اسماء رضی اللہ عنہ بنت عمیس کا نعش بنانا سیّدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کیلئے تھا اور سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی وفات مقدم

ہے لہٰذا وہ پہلی ہستی ہیں جن کیلئے نعش بنائی گئی ہو۔

ام المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ: سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں ان کی کنیت ام عبداللہ اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسبت سے ہے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی ان کی کنیت مقرر فرمائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی بہن کے صاحبزادے سے اپنی کنیت رکھ لو یعنی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحنیک فرمائی اور لعاب دہن مبارک ان کے منہ میں ڈالا اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا یہ عبداللہ ہیں اور تم ام عبداللہ ہو۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ رومان رضی اللہ عنہ بنت عامر بن عویمر قبیلہ بنی کنانہ سے تھیں پہلے جبیر بن مطعم سے نامزد ہوئی تھیں اسکے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیام نکاح دیا تو ان کا نکاح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھ سال کی عمر میں ہو گیا تھا اور مدینہ طیبہ آ کر ۲ ہجری میں اٹھارہویں مہینہ کے آخر میں نو سال کی عمر میں زفاف ہوا تھا تزوج وزفاف کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا شوال میں نکاح کرنے کو پسند فرماتی تھیں۔ برخلاف اس کے جاہلیت میں اسے ناپسند جانا جاتا تھا آپ نے فرمایا میرا نکاح اور زفاف شوال میں ہوا ہے اور کون سی عورت ہے جو مجھ سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تر تھی۔ بعض سفروں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یاد فرماتے اور کہتے تھے کہ ''واعروساہ'' اسے امام احمد نے روایت کیا۔

حضرت عائشہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت صحبت و معاشرت نو سال تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت ان کی عمر شریف اٹھارہ سال تھی اور ان کی وفات ۵۷ھ میں ہوئی تھی۔ واقدی نے کہا کہ منگل کے دن سترہ ماہ رمضان مبارک ۵۸ھ میں ہوئی تھی۔ اس وقت ان کی عمر شریف چھیاسٹھ سال کی تھی اور وصیت فرمائی تھی کہ رات کے وقت بقیع شریف میں دفن کیا جائے۔ ان کی نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔ اس زمانہ میں مدینہ طیبہ پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مروان حاکم تھا اور ان کے متولی قاسم بن محمد بن ابوبکر اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم تھے اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات طبعی تھی یہ جو کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک کنواں کھدوا کر اوپر سے منہ بند کر دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ضیافت کیلئے بلایا تو وہ اس کنویں میں گر پڑیں اور رحلت فرما گئیں یہ روافض کا جھوٹ اور افترا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاوہ کسی باکرہ سے نکاح نہ فرمایا ان سے کوئی فرزند تولد نہ ہوا۔ مروی ہے کہ ان سے ایک بچہ کا اسقاط ہوا اور جس کی وجہ سے ان کی کنیت ام عبداللہ ہے یہ ثابت نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ کنیت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی نسبت سے ہے۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب حد و شمار سے باہر ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فقہاء و علماء و فصحاء و بلغاء اکابر صحابہ میں سے تھیں۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ احکام شرعیہ کا رفع یعنی فیصلہ کرنے کیلئے ان کی طرف رجوع ہونا معلوم ہوا ہے اور حدیثوں میں آیا ہے کہ خُذُوْا ثُلُثَیْ دِیْنِکُمْ مِنْ هٰذِهِ الْحُمَیْرَاءِ تم اپنے دو تہائی دین کو ان حمیرا یعنی عائشہ صدیقہ سے حاصل کرو صحابہ و تابعین کی جماعت کثیرہ نے ان سے روایتیں لی ہیں۔ عروہ بن زبیر سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی کو معانی قرآن، احکام حلال و حرام، اشعار عرب اور علم انساب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ عالم نہیں دیکھا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے یہ دو شعر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں مروی ہیں۔

لو سمعوا فی مصر اوصاف خدہ
لما بذلوا فی سوم یوسف من نقد

لوامی زلیخا لو راین حبیبہ لاثرن بالقطع القلوب علی الایدی

حضرت صدیقہ کے اعظم فضائل ومناقب میں سے ان کیلئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت زیادہ محبت فرمانا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ اسلام میں سب سے پہلی محبت جو پیدا ہوئی وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے پوچھا آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا! پھر پوچھا مردوں میں سے؟ فرمایا ان کے والد۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آدمیوں میں سے کون محبوب تر تھا فرمایا فاطمہ زہرا پھر لوگوں نے پوچھا مردوں میں سے کون؟ فرمای ان کے شوہر! اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ان میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ ازواج میں محبوب تر سیّدہ صدیقہ اور اولاد میں محبوب تر سیّدہ فاطمہ زہرا اور اہل بیت میں سے محبوب تر حضرت علی مرتضیٰ اور اصحاب میں سے محبوب تر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ از دیاد محبت کے وجوہ و حیثیات مختلف ہیں۔

سیّدہ صدیقہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نعلین مبارک میں پیوند لگا رہے تھے حالانکہ میں چرخہ کات رہی تھی میں نے حضورِ اکرم کے روئے انور کا مشاہدہ کیا تو آپ کی جبین مبارک سے پسینہ بہہ رہا تھا اور اس پسینہ سے آپ کے جمال میں ایسی تابانی تھی کہ میں حیران تھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف نگاہ کرم اٹھا کر فرمایا کیا بات ہے تم کیوں حیران ہو؟ سیّدہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے بشرۂ نورانی اور آپ کی پیشانی کے پسینہ نے مجھے حیران کر دیا ہے اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور میرے پاس آئے اور میری دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا: جَزَاكِ اللّٰهُ يَا عَائِشَةُ خَيْرًا مَا سُرِرْتِ مِنِّيْ كَسُرُوْرِيْ مِنْكِ اے عائشہ اللہ تعالیٰ تمہیں جزادے خیر دے تم اتنا مجھ سے مسرور نہیں ہوئیں جتنا تم نے مجھے مسرور کر دیا۔ مطلب یہ کہ میرا ذوق وسرور تمہارے ذوق وسرور سے جو مجھ سے ہوا زیادہ ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دینے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ انصاف وشاباشی ہے کہ محبت ومعرفت کی آنکھ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال باکمال دیکھا مصرعہ:

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است' بیت

اے خنک چشمے کہ او حیران اوست وی ہمایوں دل کہ آن بریان اوست

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ جو اکابر تابعین میں سے ہیں جس وقت سیّد عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے تو فرمایا کرتے: حَدَّثَتْنِي الصِّدِّيْقَةُ بِنْتُ الصِّدِّيْقِ حَبِيْبَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مجھ سے حدیث بیان کی صدیقہ بنت صدیق کی محبوبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کبھی اس طرح حدیث بیان کرتے: حَبِيْبَةُ حَبِيْبِ اللّٰهِ اِمْرَأَةٌ مِّنَ السَّمَآءِ اللہ کے حبیب کی محبوبہ آسمانی بیوی' حضرت صدیقہ فضیلت اور تمام ازواجِ مطہرات پر زیادتی محبت کے ساتھ مفاخرت فرماتی تھیں اور اس نعمت الٰہی پر تحدیث فرمانا مشہور ہے آپ فرماتیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سوا کسی باکرہ سے شادی نہ فرمائی اور یہ فضیلت بیویوں میں خاص ہے کہ دوسرے سے دست آلود نہ ہوا اور باکرہ عورت شوہر کے نزدیک محبوب تر اور مانوس تر ہوتی ہے قبل اس کے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے پیام نکاح دیں جبریل علیہ السلام نے ریشمی کپڑے پر میری صورت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملاحظہ فرمائی اور کہا کہ یہ آپ کی زوجہ مطہرہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ آپ کی زوجہ دنیا وآخرت میں ہے مطلب یہ کہ یہ صورت جو منقش ہے آپ کی زوجہ مطہرہ کی ہے۔ اس وقت تک تصویر حرام نہ ہوئی تھی۔ دوسری یہ روایت ہے کہ خواب کی حال تمیں تھی جو کہ عالم مثال ہے بخاری ومسلم

میں مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا میں نے تمہیں خواب میں تین راتیں دیکھا ہے جس کو فرشتہ نے ریشمی پارچہ میں منقش کیا تھا اس حدیث میں مطلقاً ریشمی پارچہ آیا ہے اور اسی پر محمول کرنا بہتر ہوگا اس لیے کہ ایک اور حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام سبز ریشمی پارچہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر لائے (واللہ اعلم) تو اس فرشتہ نے کہا کہ یہ آپ کی زوجہ مطہرہ ہے جو اس شکل وشباہت کی ہے اس کے بعد میں نے اپنے سامنے سے پارچہ کو دور کر دیا تو اب وہی صورت خواب میں میں نے دیکھی تھی وہ تم نکلیں۔ مقصود صورت میں موافقت ہے جو دکھائی گئی تھی میں نے خواب میں کہا اگر یہ خواب خدا کی جانب سے ہے تو ضرور یہ پورا ہو گا یعنی اللہ تعالیٰ ایسی زوجہ ضرور مرحمت فرمائے گا اس سے مطلب اثبات واظہار اور اس میں شوق ورغبت کا بیان ہے اور یہ حضرت صدیقہ کیلئے بہت بڑی منقبت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آنے سے پہلے ان کے جمال پر انوار کا محب ومشتاق بنایا۔

زلیخا نے ایک مرتبہ خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تھا اور وہ عاشق وفریفتہ ہوگئی تھیں اور اس جگہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ دکھایا گیا یہ حالت بھی زیادتی انس ومحبت کی موجب ہے۔ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بارگاہِ رسالت میں اپنی موانست و فضل کے اظہار میں فرماتی ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سیدھی لیٹی رہتی تھی اور یہ سلوک میرے ساتھ ہی خاص تھا اور رات کی نماز میں جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرماتے اور سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی جگہ سوئی ہوتی تھیں تو سجدہ کے وقت پائے مبارک ان کے سر شریف سے بدن عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ پہنچتا تھا یہ بات اس کو مستلزم نہیں ہے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مواجہ اور متصل نماز پڑھتے تھے بلکہ ان کے پاؤں کی جانب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی جانب سوئی ہوئی تھیں۔ اگرچہ ظاہر لفظ حدیث اس جگہ ایسے ہی واقع ہوئے ہیں کہ وَاَنَا مُعْتَرِضٌ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ مِثْلَ الْجَنَازَۃِ یعنی میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے جنازہ کی مانند لیٹی ہوتی تھی یہ ایک مزید فضیلت ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حالت کے ساتھ باعتبار اختصاص ان کی فضیلت کا موجب ہے اور اس معنی کا ان کے ساتھ اختصاص یہ ہے کہ اس کا وقوع اتفاقاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ان کی باری کے دن ہوتا تھا اور یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کے ساتھ جائز تھا اور نہ کسی اور زوجہ مطہرہ کے یہاں ایسا ہوتا تھا کہ ان کے ساتھ بھی جائز ہوتا آخر حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست اقدس کو میرے پاؤں سے چھواتے تو میں اپنے پاؤں کو کھینچ لیتی تھی گویا کہ سجدہ کرنے کی جگہ پاؤں کے قریب تھی۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ سے سر مبارک اٹھاتے تو سیّدہ صدیقہ اپنے پاؤں کو دراز کر لیتی تھیں یہ بات یا تو نیند کے غلبہ سے تھی یا کسی اور وجہ سے (واللہ اعلم) اور عذر یہ تھا کہ اس رات گھر میں چراغ روشن نہ تھا علمائے احناف کی اس میں یہ دلیل ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا (فتدبر)

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور فضیلت یہ تھی وہ فرماتی ہیں کہ میں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے اور آپ کسی اور زوجہ مطہرہ کے ساتھ ایسا نہ کرتے تھے۔ مشکوٰۃ میں معاذہ عدویہ نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے جو صرف میرے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے سبقت وجلدی فرماتے یہاں تک کہ میں عرض کرتی کہ میرے لیے تو پانی یا برتن چھوڑیئے تاکہ میں بھی پانی لوں حالانکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ دونوں جنبی ہوتے۔ یہ روایت بھی کمال اتحاد واختلاط اور الفت ومحبت پر دلالت کرتی ہے۔

ایک اور فضیلت یہ ہے کہ کسی زوجہ مطہرہ کے جامہ خواب میں حضورِ اکرم پر وحی نہیں آئی بجز میرے جامہ خواب کے۔ اس میں صدیقہ رضی اللہ عنہا کیلئے کمال فضل اور غایت امتیاز ومزیت ہے جس کے شرح وبیان کی حاجت نہیں ہے کیسے کچھ ان پر انوار واسرار سرایت کرتے ہوں گے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کوئی بات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مجھے ایذا نہ دو بلاشبہ کسی زوجہ مطہرہ کے جامہ خواب میں مجھ پر وحی نہیں آئی بجز عائشہ رضی اللہ عنہا کے ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی مِنْ اَذَاكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ میں خدا سے توبہ کرتی ہوں کہ کوئی یارسول اللہ آپ کو ایذا دے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے فاطمہ رضی اللہ عنہا جس سے میں محبت کرتا ہوتم بھی اس سے محبت کروگی؟ سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ضرور یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں محبت رکھوں گی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت رکھو اس باب میں بے شمار احادیث مروی ہیں۔

سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی زوجہ مطہرہ کیلئے نہ چاہا کہ اس کے ماں باپ کو راہ خدا میں ہجرت کرائی ہو بجز میرے اسی کے مشابہ یہ فضیلت ہے جو ان کے والد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ہے کہ ان کے گھر میں چار صحابی تھے اگر اس کو بھی اپنی فضیلت پر محمول کریں تو وہ اس کی مستحق ہیں۔ سیّدہ صدیقہ کی ایک فضیلت یہ ہے وہ فرماتی ہیں کہ میری برات اور طہارت آسمان سے نازل ہوئی گویا اس میں اس واقعہ افک کی جانب اشارہ فرمایا ہے جسے منافقین نے ان کے سر منڈھا تھا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے سترہ اٹھارہ آیتیں ان کی دامن عزت کی برات وطہارت اور جماعت منافقین کی مذمت وخباثت میں نازل فرمائیں اور یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہی گھر میں زمانہ علالت گزارا اور میری ہی باری کے دن حضور اکرم کی روح مقدس قبض کی گئی درآنحالیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے سینہ اور چھاتی پر آرام فرما تھے اور میرے حجرے میں مدفون ہوئے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کسی کو سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بدگوئی کرتے سنا تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اُسْكُتْ مَقْبُوْحًا مَنْبُوْحًا اَتَقَعُ فِیْ حَبِیْبَةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ. اور ذلیل وخوار خاموش رہ کیا تو اللہ کے رسول کی محبوبہ پر بدگوئی کرتا ہے۔

سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لاتے تو وہ لڑکیاں شرم وہیبت سے باہر نکل جاتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان لڑکیوں کے پیچھے تشریف لے جاتے اور ان کو دوبارہ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیتے تھے تاکہ ان کے ساتھ کھیلیں۔

یہ بھی سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے میں اپنی گڑیاں گھر کے ایک دریچہ میں رکھ کر اس پر پردہ ڈالے رکھتی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت زید رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے دریچہ کے پردہ کو اٹھایا اور گڑیاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سب کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا یہ میری بیٹیاں ہیں یعنی یہ میری گڑیاں ہیں ان گڑیوں میں ایک گھوڑا ملاحظہ فرمایا جس کے دو بازو تھے فرمایا کیا گھوڑوں کے بھی بازو ہوتے ہیں؟ میں نے عرض کیا شاید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے تھے اور ان کے بازو تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اتنا تبسم فرمایا کہ آپ کے دندانہائے مبارک کشادہ ہوگئے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بات کرنے کی قدرت اور بحث کرنے کی جرات بہت تھی اور یہ بات ان کے فہم وادارک کی بنا پر تھی اور اس قرب ومحبت کی وجہ سے تھی جو ان کے مابین تھی جیسا کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مَنْ حُوْسِبَ عُذِّبَ'' جس کا حساب کیا گیا وہ عذاب میں پڑا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ حق تعالیٰ تو فرماتا ہے ''فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا'' تو عنقریب حساب کیا جائے گا آسان حساب' جب حساب آسان ہوگا تو اس پر عذاب کیسے ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا یہ پیشی ہے حساب نہیں ہے مراد حساب میں مناقشہ ہے۔ایک اور مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو خدا کے لقا کو محبوب رکھتا ہے حق تعالیٰ بھی اس کے لقا کو پسند فرماتا ہے اور جو اس کے لقا کو برا جانتا ہے حق تعالیٰ بھی اس کی لقا کو برا جانتا ہے۔لقا سے مراد موت لیتے ہیں۔حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ہم تو ناپسند کرتے ہیں مطلب یہ کہ نفس وطبع کے اعتبار سے موت کو برا سمجھتے ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ یہ بات ایسی نہیں ہے جیسی تم نے سمجھی ہے بلکہ حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے موت کی محبت پیدا کر دیتا ہے اگر چہ قریب ایام موت ہو اور ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا مگر حق تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے۔سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ بھی جنت میں داخل نہ ہوں گے مگر خدا کی رحمت سے؟ فرمایا ہاں میں بھی داخل نہ ہوں گا مگر یہ کہ مجھے حق تعالیٰ نے اپنی رحمت میں چھپا لیا ہے ایک اور مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا جس کا بیان ان کے درمیان پہلے گزر چکا ہے کہ تمہارے قرین شیطان نے تمہیں اس پر آمادہ کیا۔سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا آدمی کے ساتھ شیطان بھی ہوتا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر آدمی کے ساتھ قرین (ہمزاد) شیطان ہوتا ہے۔سیدہ نے عرض کیا کیا آپ کا بھی ہے یا رسول اللہ! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میرا شیطان میرا مطیع ہو گیا اور مسلمان ہو گیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایسا ناز و نیاز تھا جیسا کہ محب و محبوب کے درمیان ہوتا ہے اور وہ جو چاہتیں بلا جھجک عرض کر دیتی تھیں۔انہیں سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میں جانتا ہوں کہ تم کبھی مجھ سے خوش ہوتی ہو اور کبھی مجھ سے ناراض میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟ فرمایا جب تم خوش ہوتو کہتی ہو"لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ"نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی قسم اور جب تم ناراض ہوتی ہوتو کہتی ہو"لَا وَرَبِّ اِبْرَاهِيْمَ"نہیں ابراہیم کے رب کی قسم۔میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے درست وصحیح فرمایا"وَلٰكِنْ مَا اَهْجُرُ اِلَّا اِسْمَكَ"لیکن میں نہیں چھوڑتی مگر صرف آپ کے نام کو مطلب یہ کہ ناخوشی کی حالت میں صرف آپ کا نام نہیں لیتی لیکن آپ کی ذات گرامی اور آپ کی یاد میرے دل میں ہے اور میری جان آپ کی محبت میں مستغرق ہے اس محبت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا اور یہ بھی انہیں سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا"اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اگر تم چاہتی ہو کہ جنت میں میرے ساتھ رہو تو تمہیں چاہیے کہ دنیا میں اس طرح رہو جس طرح کہ راہ چلتا مسافر ہوتا ہے کہ وہ کسی کپڑے کو پرانا نہیں سمجھتا جب تک کہ وہ پیوند کے قابل ہے اور وہ اس میں پیوند لگاتا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے دعا فرمایئے کہ حق تعالیٰ مجھے جنت میں آپ کی ازواج مطہرات میں سے رکھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اس مرتبہ کو چاہتی ہو تو کل کیلئے کھانا بچا کے نہ رکھو اور کسی کپڑے کو جب تک کہ اس میں پیوند لگ سکتا ہے بیکار نہ کرو۔سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت و نصیحت پر جو فقر کی تونگری پر ایثار کرنے میں ہے اتنی کاربند رہیں کہ کبھی آج کا کھانا کل کیلئے بچا کے نہ رکھا۔حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ستر ہزار درہم راہ خدا میں صدقہ کرتے دیکھا ہے حالانکہ ان کی قمیض مبارک کے دامن میں پیوند لگا ہوا تھا ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کیلئے ایک لاکھ درہم بھیجے تو انہوں نے اسی دن سب انفاق کر دیئے اور اقارب وفقراء پر تقسیم فرما دیئے۔اس دن وہ روزے سے تھیں۔شام کے کھانے کیلئے ان میں سے کچھ نہ بچایا باندی نے عرض کیا کہ اگر ایک درہم روٹی خریدنے کیلئے بچا لیتیں تو اچھا ہوتا فرمایا یاد نہیں آیا اگر یاد آجاتا تو میں بچا لیتی۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کتب معتبرہ میں دو ہزار دو سو حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے بخاری ومسلم میں ایک سو چوہتر متفق علیہ ہیں اور صرف بخاری میں چون اور صرف مسلم میں سڑسٹھ ہیں بقیہ تمام کتابوں میں ہیں۔ صحابہ وتابعین میں سے خلق کثیر نے ان سے روایتیں لی ہیں۔

سیّدہ نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کاش کہ میں درخت ہوتی کہ مجھے کاٹ ڈالتے' کاش کہ کلوخ ہوتی' کاش کہ میں ایسی ہوتی...... کہ کوئی مجھے یاد نہ کرتا' کاش کہ میں پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔ سبحان اللہ دنیا سے کیسی بیزار و شکستگی اور تواضع وانکسار ہے۔ ان کے والد ماجد جو افضل امت ہیں انہوں نے بھی ایسا ہی کہا تھا وہ کیوں نہ کہتیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ مقربان بارگاہ اگرچہ مامور ومبشر ہوتے ہیں لیکن بارگاہ لاابالی کا خوف ہمیشہ دامن گیر رہتا ہے۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب سیّدہ صدیقہ نے انتقال فرمایا تو ان کے گھر سے رونے کی آواز برآمد ہوئی۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باندی کو بھیجا کہ خبر لائیں۔ باندی نے آ کر وفات کی خبر پہنچائی تو سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی رونے لگیں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سب سے زیادہ محبوبہ تھیں اپنے والد ماجد کے بعد۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ میں کیسے جانوں کہ میں نیک ہوں فرمایا جب تم اپنی بدی کو جان لو۔ اس شخص نے کہا میں کیسے جانوں کہ میں برا ہوں ہوں فرمایا جب تم جان لو کہ یہ نیکی ہے اور وہ ہمیشہ فرمایا کرتیں کہ تمہارے لیے جنت کے دروازے کھلے رہیں گے۔ پوچھا کس طرح اور کس عمل سے؟ فرمایا بھوک اور پیاس سے ایک مرتبہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہی تھیں جب اس آیت کریمہ پر پہنچیں کہ لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ كِتَابًا مَا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ بلاشبہ ہم نے تمہاری طرف وہ قرآن نازل فرمایا جس میں تمہاری یاد ونصیحت ہے کہ غور وفکر کیوں نہیں کرتے اس کے بعد ہمیشہ قرآن پڑھتیں اور آیات قرآنی کے معانی میں غور وفکر کرتی تھیں یہاں تک کہ ایک مرتبہ فرمایا حق تعالیٰ نے میرے ذکر اور میری صفت کی قرآن میں خبر دی ہے لوگوں نے پوچھا وہ کون سی جگہ ہے انہوں نے فرمایا یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ۔ اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے تواضع' انصاف اور ان کی معرفت پر رحمتیں نازل فرمائے۔

ام المؤمنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا: سیّدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب قرشیہ عدویہ ہیں (ان کی والدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت مظعون حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کی بہن ہیں یہ اسلام لائیں اور ہجرت کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے خنیس رضی اللہ عنہ بن خذافہ کی زوجیت میں تھیں اور خنیس رضی اللہ عنہ اہل بدر میں سے تھے۔ سیّدہ حفصہ نے ان کے ساتھ ہجرت کی۔ حضرت خنیس رضی اللہ عنہ نے بعد واقعہ بدر کے رحلت فرمائی اور ایک قول کے بموجب بعد از غزوہ احد جب حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نکاح کیلئے کہا مگر انہوں نے منظور نہ کیا اسی زمانہ میں سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ حضرت عثمان کی زوجہ تھیں فوت ہوئی تھیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شکایت کی اور عرض کیا کہ میں نے ان سے حفصہ رضی اللہ عنہا کی پیش کش کی تھی مگر انہوں نے منظور نہ کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے تمہاری بیٹی سے بہتر زوجہ عطا فرمائے اور تمہاری بیٹی کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر شوہر عنایت فرمائے اور ایسا ہی واقع ہوا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مرحمت ہوگئی۔ حضرت عمر رضی

اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی پیشکش حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی کی مگر انہوں نے جواب نہ دیا تھا اور وہ ناراض ہو کر چلے گئے تھے اس کے بعد ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیام بھیجا اور حضرت عمر نے حضور کے ساتھ ان کا نکاح ہجرت کے تیسرے سال میں کر دیا۔ ایک قول میں ہے کہ ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے فرمایا کہ جب حفصہ بنت عمر خنیس بن حذافہ سہمی سے بیوہ ہوئیں وہ اصحاب رسول میں سے تھے انہوں نے مدینہ طیبہ میں وفات پائی تھی تو حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان بن عفان کے پاس آئے اور حفصہ کی پیشکش کی۔ حضرت عثمان نے فرمایا مجھے مہلت دو کہ اپنا معاملہ سوچ سمجھ لوں پھر انہوں نے چند راتیں توقف میں گزاریں۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری رائے یہ قائم ہوئی ہے کہ چند روز نکاح نہ کروں اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور فرمایا کہ اگر آپ کی خواہش ہو تو حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق خاموش رہے اور کوئی جواب مجھے نہ دیا تو میں غصہ میں آیا اور یہ غصہ اس سے زیادہ تھا جتنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر آیا تھا اس کے بعد چند راتیں نہیں گزری تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیام دیا اور میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے ملاقات فرمائی اور فرمایا کہ شاید تم مجھ سے اس وقت ناراض ہو گئے تھے جبکہ تم نے پیشکش کی تھی اور میں نے کوئی جواب نہ دیا تھا میں نے کہا ہاں میں ناراض ہو گیا تھا انہوں نے فرمایا تم نے جو پیشکش کی تھی اس کا جواب میں نے تمہیں انکار میں تو نہیں دیا تھا البتہ بات یہ ہے کہ میں جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ کو یاد فرمایا ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھید کو فاش نہیں کیا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں قبول نہ فرماتے تو میں قبول کر لیتا ایک روایت میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو ایک طلاق رجعی دی جب اس کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو بہت دکھ ہوا اس کے بعد جبریل علیہ السلام آئے اور وحی لائے کہ حکم الٰہی یہ ہے کہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے رجوع فرمالیں کیونکہ وہ بہت روزہ دار اور شب بیدار ہیں اور وہ جنت میں آپ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔

سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی ولادت بعثت سے پانچ سال قبل تھی اور ان کی وفات ۴۵ھ یا ۴۱ھ یا ۴۷ھ زمانہ امارت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں ہوئی تھی اور بعض خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بتاتے ہیں والاولی اصح (واللہ اعلم) اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال تھی کتب متداولہ میں ساٹھ حدیثیں ان سے مروی ہیں۔ ان میں سے چار تو متفق علیہ یعنی بخاری و مسلم میں ہیں اور تنہا مسلم میں چھ حدیثیں اور پچاس دیگر تمام کتابوں میں مروی ہیں۔

ام المؤمنین سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ: ام المؤمنین سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ بن الحارث ہلالیہ عامریہ ازواج مطہرات میں سے ہیں زمانہ جاہلیت میں ان کو ام المساکین کہتے تھے کیونکہ وہ مسکینوں کو کھانا کھلاتیں اور ان پر بڑی شفقت فرماتی تھیں۔ وہ پہلے حضرت عبداللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں وہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے بعض کہتے ہیں کہ عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الحارث بن عبدالمطلب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے کی زوجیت میں تھیں اور وہ غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ پہلے طفیل بن الحارث کی بیوی تھیں انہوں نے ان کو طلاق دے دی تو عبیدہ بن الحارث نے ان کو اپنی زوجہ بنا لیا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش اسدی نے ان کو پیام دیا بعض اہل سیر اس قول کو ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے اور مواہب لدنیہ میں فرمایا کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے بہر تقدیر ہجرت کے تیسرے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے حبالہ عقد میں لائے اس کے بعد وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہت کم مدت حیات رہیں اور حضور اکرم ہی کی حیات ظاہرہ میں وفات پائی (رضی

اللہ عنہا) بعض اہل سیر دو مہینہ بعض چھ مہینہ بعض آٹھ مہینہ مدت بتاتے ہیں اس کو مواہب نے فضائل کے باب میں بیان کیا ہے۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ماہ ربیع الآخر ۴ھ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن کی گئیں۔ بقیع میں ایک قبہ تھا جس کو قبہ ازواج النبی کہا جاتا تھا (جسے ابن سعود ملعون نجدی نے شہید کرادیا اور بقیع کے تمام مزارات کو کھود ڈالا)

ام المومنین سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا: ازواجِ مطہرات میں سے سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں ان کا نام ہند بنت ابی امیہ مخزومی تھا بعض رملہ بتاتے ہیں اور اول زیادہ صحیح و مشہور ہے۔ ابو امیہ کا نام سہل بن المغیرۃ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم ہے اور ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ ہے کذا فی الجامع' مواہب میں بھی ایسا ہی بیان کیا گیا ہے کہ یہ عاتکہ بنت المطلب نہیں ہیں۔ اس بنا پر روضۃ الاحباب میں جو عاتکہ بنت عبدالمطلب کہا گیا ہے محل نظر ہی سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا پہلے ابو سلمہ عبد بن الاسد کی زوجیت میں تھیں جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے فرزند ہیں اور یہ اور ان کے شوہر اول ہجرت کرنے والوں میں سے تھے جنہوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی ان سے ان کے چار بچے پیدا ہوئے۔ زینب رضی اللہ عنہا اس کے بعد سلمہ رضی اللہ عنہا' عمرو رضی اللہ عنہ اور درہ رضی اللہ عنہا ان چاروں میں سے زینب و عمرو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب بنے دونوں مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر حبشہ سے مدینہ طیبہ واپس آئیں بعض کہتے ہیں کہ سیّدہ رضی اللہ عنہ ام سلمہ وہ پہلی عورت ہیں جو ہودج میں سوار ہوکر مدینہ طیبہ میں ہجرت کر کے داخل ہوئیں اور ابو سلمہ رضی اللہ عنہا غزوۂ احد میں زخمی ہوکر تندرست ہوئے اسکے بعد ان کو ایک لشکر کے ساتھ بھیجا جب وہاں سے واپس آئے تو ان کے زخم پھر تازہ ہوگئے اور نہیں زخموں سے ۴ھ میں وفات پائی۔ ایک قول میں ۳ھ ہے۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا تھا کہ جس مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ یہ دعا مانگے اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا اے خدا میری مصیبت میں میرا اجر قائم فرما اور اس سے بہتر میرے لیے اس کا قائم مقام بنا تو جب حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی تو انہوں نے اس دعا کو اپنا ورد بنالیا۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اس دعا کو اپنے شوہر کی وفات کی مصیبت میں پڑھتی تھی اور جب میں یہ کہتی کہ میرے لیے اس سے بہتر قائم مقام بنا تو میں اپنے دل میں کہتی ابو سلمہ رضی اللہ عنہا سے بہتر مسلمانوں میں کون ہوگا لیکن چونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا میں اسے پڑھتی رہی نیز میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ سن رکھا تھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میت کے سرہانے موجود ہو وہ اچھی دعا مانگے اس لیے کہ اس وقت میں جو بھی دعا مانگی جاتی ہے فرشتے آمین کہتے ہیں۔ جب ابو سلمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی ان کے فراق میں' میں کیا کہوں؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہو: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلَہٗ اَعْقِبْنِیْ عَقِبَۃً حَسَنَۃً۔ اے خدا انہیں اور مجھے بخش دے اور میری عاقبت کو اچھی عاقبت بنا اس کے بعد میں اس دعا پر قائم ہوگئی اور حق تعالیٰ نے ابو سلمہ رضی اللہ عنہا سے بہتر مجھے عوض عطا فرمایا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جب ابو سلمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُم سلمہ کے گھر تشریف لائے اور تعزیت فرمائی اور دعا فرمائی کہ اے خدا ان کے غم کو تسکین دے اور ان کی مصیبت کو بہتر بنا اور بہتر عوض عطا فرما اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں فرمایا تھا۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ کو بھیجا اور انہوں نے مجھے پیام دیا ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا اپنا پیام بھیجا مگر ام سلمہ نے ان کے پیام کو منظور نہ فرمایا جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام آیا تو کہا مرحبا برسول اللہ لیکن میں بڑی عمر کی عورت ہوں اور میرے ساتھ یتیم بچے ہیں اور میں بہت غیرت مند ہوں آپ عورتوں کو جمع فرمائیں گے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری عمر تمہاری عمر سے زیادہ ہے

اور تمہارے یتیموں کی پرورش خدا اور رسول خدا کے ذمہ ہے ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے بچے میرے بچے ہیں اور یہ جو تم کہتی ہو کہ میں بہت غیرت مند ہوں میں دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ اس بات کو تم سے دور فرمائے ان سے تزوج ماہ شوال ۴ھ میں ہوا اور ان کا مہر ایسا سامان جو دس درہم کی قیمت تھا مقرر ہوا۔ امہات المؤمنین میں انہوں نے سب کے آخر میں وفات پائی۔ سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی ہے اور بعض ۶۲ھ میں زمانہ یزید بن معاویہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بتاتے ہیں مگر اول قول اصح ہے (کذا قیل) لیکن دوسرے قول کی موید دہ روایت ہے جو ترمذی نے ایک انصار کی بیوی سلمٰی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتی ہیں کہ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی میں نے دیکھا کہ آپ رو رہی ہیں میں نے کہا کس بات نے آپ کو رلایا ہے اے ام سلمہ! انہوں نے فرمایا میں نے ابھی ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کا سر مبارک اور آپ کے محاسن شریف گرد آلود ہیں اور گریہ فرما رہے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا بات ہے کیوں گریہ فرما رہے ہیں؟ فرمایا کہ جہاں حسین کو شہید کیا گیا ہے میں وہاں موجود تھا ظاہر حدیث یہ ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت زندہ تھیں نیز اہل سیر کہتے ہیں کہ جب امام حسین کی شہادت کی خبر ان کو پہنچی تو انہوں نے ان اہل عراق پر لعنت بھیجی جنہوں نے انہیں شہید کیا تھا۔ (واللہ اعلم)

سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بقیع میں دفن کیا گیا اور ان کی نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھی اور بعض کہتے ہیں کہ سعید رضی اللہ عنہ بن زید نے پڑھی اور ان کی عمر شریف چوراسی سال کی ہوئی ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے ایک گروہ سیّدہ عائشہ' حفصہ' سودہ اور صفیہ رضی اللہ عنہا کا تھا اور دوسرا گروہ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواجِ مطہرات کا اور سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس گروہ کی سردار تھیں۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ جب سیّدہ ام حبالہ عقد میں آئیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ کے گھر کو جو اس زمانہ میں وفات پا گئی تھیں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے رہنے کیلئے مقرر فرمایا اور جب ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس میں داخل ہوئیں تو ایک چھوٹا گھڑا دیکھا جس میں تھوڑے سے جو تھے اور ایک پتھر کی ہانڈی اور ایک چکی دیکھی تھوڑے سے جو چکی میں ڈال کے آٹا پیسا اور میدہ تیار کیا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ام سلمہ کے ولیمہ کا یہ کھانا تھا۔

کتب متداولہ میں سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہ سے تین سو اٹھتر حدیثیں مروی ہیں ان میں سے متفق علیہ یعنی بخاری و مسلم میں تیرہ حدیثیں ہیں اور صرف بخاری میں تین حدیثیں اور تنہا مسلم میں تیرہ حدیثیں اور باقی دیگر کتابوں میں مروی ہیں۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش: ازواجِ مطہرات میں سے ام المؤمنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں پہلے ان کا نام برہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل فرما کر زینب رکھا یا تو تزکیہ نفس کے ابہام کی بنا پر یا اس کی کراہت کی بنا پر کہ کوئی کہے کہ برہ کے پاس سے آئے ہیں یا کوئی یہ کہے کہ اس گھر میں برہ نہیں ہے۔ برہ کے معنی نیکی و احسان کے ہیں ان کی کنیت ام الحکم تھی ان کی والدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبد المطلب تھیں وہ پہلے زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کی زوجیت میں تھیں۔ زید رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دیدی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حبالہ عقد میں لے آئے۔

ان کا قصہ یہ ہے مختصراً اور جس کی تفصیل روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ کیلئے انہیں پیام دیا۔ زینب رضی اللہ عنہا نے قبولیت سے اعراض کیا اور رخ پھیرا۔ اس لیے کہ وہ صاحب جمال تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں اور ان کے مزاج میں بھی ایسی حدت اور سختی تھی جو تکبر اور بڑائی کے مشابہ تھی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم! میں زید کو پسند نہیں کرتی اس لیے کہ وہ آزاد کردہ غلام ہیں اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش نے بھی عدم قبولیت میں اپنی بہن کے ساتھ اتفاق کیا چونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اظہار نبوت سے پہلے آزاد فرما کر فرزندی میں قبول فرما لیا تھا اور ان پر بے اندازہ لطف وعنایت مبذول فرماتے تھے۔حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عدم قبولیت کی گنجائش نہیں ہے ماننا ہی چاہیے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اس بارے میں غور وفکر کرنے کی مہلت عنایت فرمایئے ایسی ہی باتیں جاری تھی کہ یہ آیۂ کریمہ نازل ہوگئی کہ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۝

کسی مسلمان مرد وعورت کو حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ فرما دے ان کو اپنے معاملہ میں کوئی اختیار رہے اور جس نے اللہ ورسول کے رسول کی نافرمانی کی بلاشبہ وہ کھلی گمراہی میں ہوا۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی دونو نے کہا ہم راضی ہیں ہماری کیا مجال کہ ہم اپنے اختیار کو درمیان میں لائیں اور معصیت کا ارتکاب کریں پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت زید رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں دے دیا ایک سال یا کچھ زیادہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں اس کے بعد حق تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ ہمارے علم قدیم میں ایسا ہے کہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا آپ کی زوجیت میں داخل ہوں چنانچہ حضرت زید اور سیّدہ زینب کے درمیان ناسازگاری پیدا ہوئی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی جانب سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی نسبت کج خلقی ہونا شروع ہوئی یہاں تک کہ یہ حد کو پہنچ گئی اور تنگ آ کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شکایت کی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا ارادہ ہے کہ میں زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دوں کیونکہ وہ میرے ساتھ بہت تندخوئی سے پیش آتی ہیں اور اپنی زبان دراز کرتی ہیں۔حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے آپ کو اس سے باز رکھو اور خدا سے ڈرو لیکن چونکہ حق تعالیٰ کی جانب سے معلوم ہو گیا تھا کہ زینب رضی اللہ عنہا آپ کی زوجیت میں آئیں گی تو خاطر مبارک نے چاہا کہ زید رضی اللہ عنہ ان کو طلاق دے دیں لیکن حیا کی بنا پر زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق کا حکم انہیں نہ دیا نیز اس سے یہ بھی اندیشہ تھا کہ لوگ کہیں گے کہ اپنے متبنیٰ کی بیوی کو چاہتے ہیں کیونکہ جاہلیت کے لوگ اس شخص کی بیوی کو جس کو اپنا بیٹا بنا لیا ہو حرام جانتے تھے اور اس منہ بولے بیٹے کو صلبی بیٹے کی مانند سمجھتے تھے ممکن ہے کہ لوگوں کے اندیشہ سے مراد ان کے ایمان کا خوف ہو کہ مبادا شک وتردد ان کے ایمان میں خلل انداز ہو کر انہیں ہلاک کر دے علماء فرماتے ہیں کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے روکنے کا حکم دینے میں مقصود حضرت زید رضی اللہ عنہ کا اختیار اور ان کا امتحان کرنا تھا تاکہ معلوم کریں کہ زید رضی اللہ عنہ کے دل میں زینب رضی اللہ عنہا کی رغبت باقی ہے یا بالکل ہی متنفر ہو گئے ہیں۔حضرت زید رضی اللہ عنہ نے دوبارہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! زینب رضی اللہ عنہا کو میں نے طلاق دے دی ہے اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ.

اور جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی کہ اپنی بی بی اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور تم اپنے دل میں وہ رکھتے تھے جسے اللہ کو ظاہر کرنا منظور تھا اور تمہیں لوگوں کے طعنہ کا اندیشہ تھا اللہ زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا خوف رکھو۔

منقول ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہوگئی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے

فرمایا جاؤ اور زینب رضی اللہ عنہا کو میرے لیئے پیام دو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اس کام کیلئے تخصیص میں حکمت یہ تھی کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ یہ عقد بغیر رضا مندی زید کے بر سبیل قہر و جبر واقع ہوا ہے اور انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ زید رضی اللہ عنہ کے دل میں زینب رضی اللہ عنہا کی کوئی خواہش نہیں ہے اور وہ اس بات سے راضی وخوش ہیں نیز حضرت زید کو فرمان خدا اور رسول خدا کی اطاعت پر ثابت قدم رکھنا اور بحکم الٰہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو راضی رکھنا بھی ثابت و موکدہ فرمانا مقصود تھا کیونکہ یہ محل نازک ہے القصہ حضرت زید رضی اللہ عنہ ارشاد کے بموجب سر صدق و اخلاص سے روانہ ہوئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں زینب رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچا تو وہ میری آنکھوں میں ایسی بزرگ معلوم ہوئیں کہ میں ان کی طرف نظر نہ اٹھا سکا پھر میں گھر کی طرف پشت کر کے الٹے قدم ان کے پاس گیا اور میں نے کہا تمہیں خوشی ہو کہ رسول خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تمہیں پیام دوں زینب رضی اللہ عنہا نے کہا میں اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتی جب تک کہ میں اپنے رب عزوجل سے مشورہ نہ کرلوں اس کے بعد وہ اٹھیں اور مصلیٰ پر پہنچیں اور سر کو سجدہ میں رکھا بارگاہ بے نیاز میں عرض نیاز کی بعض روایتوں میں آیا ہے دو رکعت نماز پڑھ کے سجدے میں گئیں یہ مناجات کی کہ اے خدا تیرا نبی میری خواستگاری فرماتا ہے اگر میں ان کی زوجیت کے لائق ہوں تو مجھے ان کی زوجیت میں دے دے اسی وقت ان کی دعا مقبول ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بارگاہ صمدیت میں خاص قریب واختصاص حاصل تھا اور یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَىْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِىْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا۔

پھر جب زید کی غرض اس سے نکل گئی تو ہم نے وہ تمہارے نکاح میں دیدی کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے ان کیلئے لے پالکوں کی بیبیوں میں جب ان سے ان کا کام ختم ہو جائے۔

اور آپ پر آثار وحی ظاہر ہوئے چند لحظہ کے بعد متجلی ہوئے تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متبسم ہو کے فرمایا کون ہے جو زینب رضی اللہ عنہا کے پاس جائے اور انہیں بشارت دے کہ حق تعالیٰ نے ان کو میری زوجیت میں دے دیا ہے اور یہ نازل شدہ آیت تلاوت فرمائی۔ سلمیٰ جو کہ حضور کی خادمہ تھیں دوڑیں اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بشارت دی اور اس خوشخبری سنانے پر وہ زیورات جو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا پہنے ہوئے تھیں اتار کر سلمیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیئے اور سجدہ شکر بجالائیں اور نذر مانی کہ دو مہینے روزہ دار رہوں گی۔

مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے درآنحالیکہ وہ سر برہنہ تھیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے خطبہ اور بے گواہ فرمایا: اَللّٰهُ الْمُزَوِّجُ وَ جِبْرِيْلُ الشَّاهِدُ اللہ نکاح کرنے والا ہے اور جبریل علیہ السلام گواہ ہیں۔ اس کے بعد ولیمہ کا کھانا تیار کیا اور لوگوں کو نان وگوشت سے سیر فرمایا اس طرح کسی بی بی کیلئے نہ کیا تھا اور آپ کے طعام میں کئی معجزے ظاہر ہوئے اور نکاح زینب رضی اللہ عنہا میں لوگوں کو جاہلیت کی عادت سے نکالا اور خاص شریعت وضع فرمائی جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: لِكَيْلَا يَكُوْنُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِىْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ تاکہ مسلمانوں پر ان کیلئے پالکوں کی بیبیوں میں ان کیلئے کچھ حرج نہ رہے اور حجاب یعنی پردے کی مشروعیت بھی اسی قصہ میں وارد ہوئی یہ قصہ اسی طریقہ پر جو کہ مذکور ہوا محققین اہل سیر کے نزدیک معتبر و ثابت ہے بعض اہل سیر واہل تفسیر وتواریخ یہ قصہ اس طرح بیان کرتے ہیں جو نہ واقع کے مطابق ہے اور نہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی کے مناسب ہے۔ محققین اس کو مفسرین کی زلات یعنی غلطیوں میں شمار کرتے ہیں یہ قصہ اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ کہ زلیخا کے ساتھ خلوت میں گئے اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کا اوریا کے ساتھ کا قصہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا انگشتری گم ہونے کا قصہ یہ تمام قصے محققین کے نزدیک متروک ومحظور اور طریقہ صدق وسداد

اورادب سے دور ہیں۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے فضائل بہت ہیں اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ اس بنا پر کہ انہوں نے کوئی سخت بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی تھی درشت کلامی کی اور کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح بات کرتی ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عمر رضی اللہ عنہ! کچھ نہ کہو کیونکہ یہ اواہہ یعنی بہت خشیت رکھنے والی ہیں ایک مرد موجود تھا اس نے پوچھا ''اواہ'' کیا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْخَاشِعُ فِی الدُّعَآءِ وَالتَّضَرُّعِ اِلَی اللّٰهِ دعا میں خشوع اور خدا کے حضور گڑگڑاتا ہے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت پڑھی: اِنَّ اِبْـرَاهِیْـمَ لَاَوَّاهٌ حَـلِیْـمٌ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس صفت میں مرتبہ خلیل کے ساتھ مخصوص فرمایا۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی عورت کو بہت زیادہ نیک اعمال کرنے والی، زیادہ صدقہ وخیرات کرنے والی رحمی رشتہ داروں کو زیادہ ملانے والی اور اپنے نفس کو ہر عبادت وتقرب کے کام میں مشغول رکھنے والی نہ دیکھا۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے مجھے چند فضیلتیں ایسی حاصل ہیں جو کسی اور زوجہ میں نہیں ہیں ایک یہ کہ میرے جد اور تمہارے جد ایک ہیں دوسرے میرا نکاح آسمان میں ہوا تیسرے یہ کہ اس قصہ میں جبریل سفیر وگواہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحت کے ساتھ مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا: اَطْوَلُکُنَّ یَدًا اَسْرَعُکُنَّ یعنی تم میں سے جس کے ہاتھ دراز ہیں وہ مجھ سے ملنے میں تم سب سے پہلے سبقت کرنے والی ہے مطلب یہ کہ اس دنیا سے میرے جانے کے بعد تم سب سے پہلے وفات پائے گی اس کے بعد ازواج مطہرات نے بانس کا ٹکڑا لے کر اپنے اپنے ہاتھوں کو ناپنا شروع کر دیا تاکہ جانیں کہ کس کے ہاتھ سب سے زیادہ دراز ہیں۔ انہوں نے جانا کہ سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ کے ہاتھ زیادہ دراز ہیں اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت فرمانے کے بعد سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو انہوں نے جانا کہ درازی سے مراد صدقہ وخیرات کی کثرت تھی اس لیے کہ سیّدہ زینب اپنے ہاتھ سے دستکاری کرتیں اور صدقہ دیتی تھیں۔

مروی ہے کہ ان کی وفات کی خبر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہنچی تو فرمایا: ذَهَبَتْ حَمِیْدَةٌ مُفِیْدَةٌ مَفْـرُوْعَةُ الْیَتَامٰی وَالْاَرَامِـلِ پسندیدہ خصلت والی فائدہ دینے والی یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرنے والی دنیا سے چلی گئی جب ان کی وفات ہوئی تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور اعلان کرایا کہ اہل مدینہ اپنی ماں کی نماز میں حاضر ہوں یہ بقیع میں مدفون ہوئیں۔ مشہور یہ ہے کہ ان کی وفات ہجرت کے بیسویں سال میں تھی بعض کہتے ہیں کہ اکیسویں سال تھی اور ان کی عمر شریف ترپن سال کی ہوئی ان سے گیارہ حدیثیں مروی ہیں ان میں سے متفق علیہ دو حدیثیں ہیں اور بقیہ نو تمام دیگر کتابوں میں ہیں۔

ام المومنین سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث: ازواج مطہرات میں سے سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث بن ابی ضرار تھیں ان کا بھی اصلی نام برہ رضی اللہ عنہا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر کے جویریہ رضی اللہ عنہا رکھا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس نام کو مکروہ جانتے تھے جیسے کوئی یہ کہے کہ برہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے نکل آئے اس نام کی تغیر میں کچھ بحث سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہما کے نام میں بھی گزر چکی ہے اس جگہ وجہ دفع تزکیہ نہ فرمایا ظاہر یہ ہے کہ دونوں جگہ میں یہ وجہ شامل ہے ایک وجہ اور ہے جو فلاح وغیرہ نام رکھنے کی مخالفت میں کہتے ہیں جیسے لوگ یوں کہیں کہ اس گھر میں فلاح نہیں ہے یہ وجہ بھی برہ نام کے بدلنے میں جاری ہے۔

سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بڑی عبادت گزار اور ذاکرہ تھیں اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کے بعد سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے باہر تشریف لائے وہ اپنے مصلّی پر ہی بیٹھی مشغول عبادت تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کے وقت ان کے پاس تشریف لائے فرمایا جب سے میں باہر گیا ہوں تم اسی جگہ یونہی بیٹھی ہو عرض کیا ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت سے میں تمہارے پاس سے گیا ہوں اب تک چار کلمے میں نے پڑھے ہیں اگر ان کو ان کے ساتھ موازنہ کیا جائے جو تم نے اب تک پڑھے ہیں تو یقیناً وہ چار کلمے وزنی ہوں گے وہ یہ ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَنَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ گویا مقصود اصلی اس کیفیت کی تعلیم فرمانا تھا تا کہ وہ اپنے ذکر میں اسے بھی شامل کر لیں اور اس پر خبردار کرنا تھا کہ ان کلمات کی کیفیت یہ ہے کہ اس کمیت پر ان کا مدلول زیادہ ہے جو جویریہ نے اب تک پڑھا ہے ورنہ اس میں شک نہیں ہے کہ عمل کا ثواب بقدر مشقت ہے مثلاً اگر کوئی کہے کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَلْفَ مَرَّةٍ اور دوسرا شخص ہزار مرتبہ اللھم صل علی سیّدنا محمد پڑھے تو بلا شبہ اس کا ثواب اس سے زیادہ ہوگا البتہ اگر کوئی خاص کامل کیفیت ہو اور غایت مبالغہ میں شامل ہو اور قائل پر اس کی حقیقت ظاہر ہوگئی ہو اور وہ حقیقت کے اعتبار سے کہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو یہ بات دوسری ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلَاٰنِ مَا بَيْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حق تعالیٰ کی تنزیہہ وتقدیس اور تحمید کی حقیقت منکشف ہوگئی کہ ان کلمات نے آسمان وزمین کے درمیان کو بھر دیا یہ محض زبان اظہار و بیان نہیں ہے۔ خدا کا فضل بھی وسیع ہے اگر محض ان لفظوں سے ہی اتنا ثواب بخش دے تو وہ قادر ہے۔ (فافہم واللہ اعلم)

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روز جمعہ سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمایا وہ روزہ دار تھیں فرمایا کل روزہ رکھا تھا انہوں نے کہا نہیں فرمایا آئندہ کل روزہ رکھنے کا ارادہ تھا انہوں نے کہا نہیں فرمایا پھر تو روزہ افطار کر لو اس سے معلوم ہوا کہ صرف تنہا جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے اور یہی علماء کا مذہب ہے۔ بخاری ومسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ لَا يَصُوْمُ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلَّا اَنْ يَّصُوْمَ قَبْلَهٗ وَ بَعْدَهٗ صرف جمعہ کے دن کا روزہ تم میں سے کوئی نہ رکھے مگر یہ کہ اس سے پہلے یا اس کے بعد کے دن بھی روزہ رکھے۔ بعض علماء اس کی توجیہہ میں فرماتے ہیں تا کہ روزہ رکھنے سے بدن کمزور اور قوت زائل نہ ہو اور وہ جمعہ کے اوروظائف سے باز نہ رکھے جس طرح کہ ضعفاء کیلئے عرفہ کے دن کے روزہ کے افطار کی اجازت ہے علماء فرماتے ہیں کہ یہ توجیہہ ضعیف ہے اور پہلے یا بعد کے ساتھ روزہ رکھنے میں کوئی مناسبت نہیں رکھتا اس لیے کہ مسلسل دو دن روزہ رکھنا تو اور زیادہ کمزور کرنے اور قوت کو فنا کرنے کا موجب ہے فرماتے ہیں کہ یہ حکم تلافی اور جبر نقصان کیلئے ہے جو وظائف واوراد میں واقع ہوا اور دیگر اعمال خیر کے ساتھ بھی اس کی تلافی ہو جاتی ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر چہ جمعہ کے دن کو بہت عظمت وفضیلت والا قرار دیا گیا ہے باوجود ان عظمتوں کے محتاج رہنے کے لازم ہے کہ شریعت میں جتنا واقع ہوا ہو اس پر اپنی طرف سے زیادتی میں مبالغہ نہ کرنا چاہیے تا کہ ہمہ وجوہ فضیلت سے محروم نہ رہ جائے اور حد سے تجاوز ہونے کا سبب نہ بنے اور یہود ونصاریٰ کے ساتھ مشابہت کا موجب نہ ہو جائے کیونکہ وہ معین دن کی تعظیم کرتے ہیں یہ معین دن ہفتہ اور اتوار ہیں نیز روز جمعہ روز عید ہے جیسا کہ حدیث میں واقع ہوا ہے لہٰذا اس دن روزہ مناسب نہ ہوگا اور تخصیص نامناسب تر ہے۔

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس ممانعت میں اس طرف اشارہ ہے کہ بندہ کو ہمیشہ مولیٰ کی عبادت میں مشغول رہنا چاہیے اور شب جمعہ کے قیام کو خاص کر لینے کے مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایسے علماء کو نہ پایا جو اس کے قائل ہوں کہ جمعہ کے دن تنہا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ امام نووی نے فرمایا اس باب میں صحیح حدیثیں وارد ہوئی ہیں اگر

وہ تمہیں نہیں پہنچیں تو ہم کیا کریں اس کی نفی وممانعت میں صحیح حدیث پائے جانے کے باوجود اعتبار نہیں رکھتے (واللہ اعلم) ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کے احوال کے ضمن میں یہ بات طول پکڑ گئی پھر اسی طرف رجوع کرتے ہیں۔

واضح رہنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کا خواستگاری فرمانا غزوۂ مریسیع میں تھا جو ماہ شعبان ۵ ھ میں ہوا۔ اس غزوہ سے واپسی کے وقت خواستگاری فرمائی۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث بڑی شیریں، ملیح اور صاحب حسن و جمال عورت تھیں جو کوئی اسے دیکھتا فریفتہ ہو جاتا تھا جنگ اور تقسیم غنائم ومبایا کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک چشمہ کے کنارے میرے پاس تشریف فرما تھے کہ اچانک جویریہ رضی اللہ عنہ نمودار ہوئیں مجھ پر آتش غیرت نے غلبہ کیا کہ مبادا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف توجہ خاص مبذول فرمائیں اور اپنے حبالہ عقد میں لے آئیں جب جویریہ رضی اللہ عنہا آئیں تو انہوں نے سب سے پہلی بات یہ کہی کہ یارسول اللہ میں مسلمان ہو کر حاضر ہوئی ہوں۔ اَشْھَدُ اَنْ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّکَ رَسُوْلُہٗ اور میں حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں جو اس قبیلہ کا سردار اور پیشوا تھا اب لشکر اسلام کے ہاتھوں میں قید ہوں اور ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آ گئی ہوں اور اس نے مجھے اتنے مال پر مکاتب بنایا ہے کہ میں اسے ادا نہیں کر سکتی میں امید رکھتی ہوں کہ میری اعانت فرمائی جائے تاکہ کتابت کی رقم ادا کر سکوں فرمایا میں ادا کروں گا اور اس سے بھی بہتر تمہارے ساتھ سلوک کروں گا انہوں نے کہا کہ اس سے بہتر کیا ہوگا۔ فرمایا کتابت کی رقم ادا کر کے تمہیں حبالہ عقد میں لا کر زوجیت کا شرف بخشوں گا۔ اس کے بعد کسی کو ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ وہ کتابت کی رقم ادا کرے اس کے بعد ان کو آزاد کر کے حبالہ عقد میں لے آئے اور چار سو درہم مہر کا مقرر فرمایا ایک قول یہ ہے کہ ان کا مہر بنی المصطلق کے قیدیوں کی آزادی کو بنایا اس وقت سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بیس سال کی تھیں۔ صحابہ عظام جب اس حقیقت حال سے باخبر ہوئے تو باہم کہنے لگے کہ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ سیّد کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم کے قربا کو جو کہ ان کے اصہار ہیں اسیری، قید اور غلامی میں رکھیں اس کے بعد سب نے آزاد کر دیا اہل سیر بتاتے ہیں کہ بنی المصطلق کے قیدی کی مجموعی تعداد سو سے زیادہ تھی اور سب ہی نے اس قید سے رہائی پائی۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نہیں جانتی کہ ازواج مطہرات میں سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ خیر وبرکت والی کوئی اور حرم ہو۔

سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے سے پہلے میں نے اپنے قبیلہ میں ایک خواب دیکھا تھا کہ گویا یثرب کی جانب سے چاند چلتا آ رہا ہے یہاں تک کہ وہ میرے آغوش میں اتر آیا میں نے اس واقعہ کو کسی سے بیان نہ کیا جب میں اپنے خواب سے بیدار ہوئی تو میں نے خود ہی یہ تعبیر لی جو الحمد للہ پوری ہوئی۔ سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی وفات مدینہ طیبہ میں ۵۰ ھ یا ۵۶ ھ میں واقع ہوئی اس وقت ان کی عمر شریف پینسٹھ سال کی تھی ان کی نماز جنازہ مروان نے جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مدینہ طیبہ میں حاکم تھا پڑھی کتب معتبرہ میں ان سے سات حدیثیں مروی ہیں۔ بخاری میں دو مسلم میں دو باقی دیگر کتابوں میں مروی ہیں۔

ام المؤمنین سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا: ازواج مطہرات میں سے ام المؤمنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہیں ان کا نام رملہ تھا اور ایک قول سے ہند تھا ان کی والدہ صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس تھیں جو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان بن العاص کی پھوپھی تھیں۔

سیّدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا پہلے عبید اللہ بن جحش برادر حضرت عبد اللہ بن جحش الہندی کی زوجیت میں تھیں۔ ابتدائے احوال میں مسلمان ہوئیں اور حبشہ کی جانب ہجرت ثانیہ کی عبید اللہ سے ایک دختر پیدا ہوئی جس کا نام حبیبہ تھا اسی سے ان کی کنیت ام حبیبہ ہوئی اس کے بعد عبید اللہ بن جحش مرتد ہو گیا اور دین نصرانیت کی طرف رجوع ہو کر شراب خوری کو مشغلہ بنا لیا اسی حال میں وہ مر گیا۔

سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے یا ام المؤمنین کہہ کر مخاطب کر رہا ہے میں نے اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حبالہ عقد میں لائیں گے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی کے پاس بھیجا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے پیام دیں اور نکاح کریں اس کے بعد سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خالد بن سعید بن العاص کو جو کہ حبشہ میں تھے وکیل بنایا اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور وہ تمام مسلمان جو حبشہ میں موجود تھے حاضر ہوئے اور نجاشی نے یہ خطبہ پڑھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُهَيْمِنِ الْعَزِيْزِ الْجَبَّارِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اَجَبْتَ اِلٰى مَا دَعٰى اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَدْ اَصْدَقْتُهَا اَرْبَعَمِائَةِ دِيْنَارًا ذَهَبًا

اس کے بعد دیناروں کو حاضرین کے سامنے ڈال دیا پھر خالد بن سعید نے جو سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے وکیل تھے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَحْمَدُهٗ وَاَسْتَعِيْنُهٗ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اَجَبْتُ اِلٰى مَا دَعٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ زَوَّجْتُهٗ اُمَّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ اَبِىْ سُفْيَانَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اس کے بعد نجاشی نے دیناروں کو خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا انہوں نے انہیں لے لیا اس کے بعد چاہا کہ کھڑے ہو جائیں نجاشی نے کہا بیٹھو اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ مجلس نکاح میں کھانا کھلایا جائے اس کے بعد نجاشی نے کھانا منگایا اور سب نے کھایا اور رخصت ہو گئے (کذا فی المواہب) اور ابوسفیان، سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے باپ ان کے نکاح کے وقت مکہ مکرمہ میں مشرک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محارب تھا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اپنے باپ ابوسفیان کے ساتھ وہ سلوک مشہور ہے جبکہ حالت کفر میں صلح حدیبیہ کے بعد تجدید صلح کیلئے یہ مدینہ طیبہ میں آیا تھا اور سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ کر اس نے یہ چاہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر بیٹھے سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جائز نہ جانا اور کہا کہ یہ بستر طاہر و مطہر ہے اور تم نجاست شرک سے آلودہ ہو اور نجاشی کے ان کا نکاح پڑھانے سے متعلق ایک اور حکایت بھی ہے جو کہ غزوۂ خیبر کے واقعات میں پہلے ہی بیان ہو چکی ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ جب سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھے ان امور میں معاف کر دو جو ایک شوہر کی بیبیوں کے درمیان ہو جاتے ہیں اس نوع سے جو کچھ میری جانب سے تمہارے متعلق واقع ہوا ہو اسے معاف کر دو انہوں نے کہا حق تعالیٰ تمہارے بوجھ کو بخشے اور معاف کرے ہم بھی معاف کرتے ہیں۔ ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں خوش رکھے کہ تم نے مجھے خوش کر دیا۔

ام المؤمنین سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا پاکیزہ ذات، حمیدہ صفات، جواد اور عالی ہمت تھیں ان کی وفات مدینہ طیبہ میں ۴۰ھ یا ۴۴ھ میں بقول صحیح واقع ہوئی ایک قول یہ ہے کہ وفات شام میں واقع ہوئی کتب متداولہ میں پینسٹھ حدیثیں ان سے مروی ہیں ان میں سے دو متفق علیہ ہیں ایک تنہا مسلم ہے باقی حدیثیں دیگر کتابوں میں مروی ہیں۔

ام المؤمنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی: ازواج مطہرات میں سے ام المؤمنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی بن اخطب بنی اسرائیل سے سبط ہارون بن عمران قبیلہ بنی نضیر سے ہیں پہلے وہ سلام بن مسلم کی زوجیت میں تھیں جب ان میں جدائی ہو گئی تو

پھر کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق کی زوجیت میں آ گئیں۔ کنانہ غزوۂ خیبر میں قتل ہوگیا اس کے بعد جب فتح خیبر میں صفیہ رضی اللہ عنہا اسیران جنگ کے ساتھ قبضہ میں آ ئیں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لیے خاص فر مالیا اور آ زاد کر کے اپنے حبالہ عقد میں لے آئے یہ قصہ پوری تفصیل کے ساتھ غزوۂ خیبر میں گزر چکا ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب صفیہ رضی اللہ عنہا کو بارگاہِ رسالت میں لایا گیا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں خیمہ میں لے جاؤ اس کے بعد خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ میں تشریف لائے جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے تشریف لاتے دیکھا تو کھڑی ہوگئیں اور وہ بستر مبارک جو وہاں طے کیا رکھا تھا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بچھایا اور خود زمین پر بیٹھ گئیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے صفیہ رضی اللہ عنہا! تمہارے باپ نے میرے ساتھ ہمیشہ دشمنی وعداوت رکھی یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اور وہ فیصلہ کر دیا۔'' انہوں نے عرض کیا ''حق تعالیٰ کسی بندے کے گناہ کے بدلے کسی دوسرے کو نہیں پکڑتا سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کا اختیار دیا کہ چاہے تو آ زاد ہو کر اپنی قوم کے ساتھ مل جائے یا اسلام لے آئے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آ کر سرفرازی پائے۔ صفیہ بڑی حلیمہ اور عاقلہ تھیں عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اسلام کی آرزو رکھتی تھی اور میں نے آپ کی تصدیق آپ کی دعوت سے پہلے کی ہے اب جبکہ میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہربار میں حاضر ہونے کا شرف پایا ہے تو مجھے کفر واسلام کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے خدا کی قسم! خدا اور اس کا رسول مجھے اپنی آزادی اور اپنی قوم کے ساتھ ملنے سے زیادہ محبوب ہے ممکن ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ان کے حال کا امتحان اور اختیار عقل اور اس کا صدق طلب مقصود ہو نہ کہ حقیقتاً کفر واسلام کے درمیان اختیار دینا ہو اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا اور عقد فرمایا اور ان کی صداقت کو ان کی آزادی کا سبب بنایا جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ فرمایا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری لائی گئی تاکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پائے مبارک راحلہ پر رکھا تاکہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے پاؤں کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران پر رکھ کر سوار ہو جائیں۔ صفیہ رضی اللہ عنہا نے ادب ملحوظ رکھا اور وہ اپنے زانو کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران پر رکھ کر سوار ہوگئیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا ردیف بنایا اور پردہ باندھا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ نے ٹھوکر کھائی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صفیہ رضی اللہ عنہا دونوں زمین پر آرہے لیکن کسی ایک شخص کی نظر نہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی اور نہ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا پر...... اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور صفیہ رضی اللہ عنہا کو مستور فرمایا۔

سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے تمام حالات غزوہ خیبر میں گزر چکے ہیں جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمایا تو صحابہ سے فرمایا جس کے پاس جو توشہ موجود ہو لائے پھر سب نے حیس تیار کیا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز سے تمام لوگ شکم سیر ہو گئے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بڑی عزت وشان والا تھا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بڑی عنایت اور کرم گستری فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان پر غبطہ کرتی تھیں منقول ہے کہ ایک دن سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی مذمت میں کہا کہ آپ کو تو صفیہ رضی اللہ عنہا ہی کافی ہیں کہ وہ ایسی ہیں ویسی ہیں مطلب یہ کہ پستہ قد و قامت رکھتی ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے دریا میں ڈالیں تو اس کا رنگ بدل جائے۔ مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن ان کے پاس تشریف لائے

ملاحظہ فرمایا کہ وہ رو رہی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب پوچھا کہ کیا ہے؟ عرض کیا میرے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آ کر مجھے ایذا دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم صفیہ رضی اللہ عنہا سے بہتر ہیں کیونکہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کی شرافت حاصل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے کیوں نہ کہا کہ تم کیوں کر مجھ سے بہتر ہو حالانکہ میرے باپ ہارون ہیں اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ہمراہ تھے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ تھک کر چلنے سے رہ گیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ایک اونٹ زیادہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا: صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ تھک گیا ہے اسے اونٹ دے دو تا کہ وہ منزل تک پہنچ جائیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا میں اس یہودیہ کو کوئی چیز نہ دوں گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر غصہ فرمایا اور دو یا تین ماہ تک ان سے ترک تعلق رکھا اور اتنے عرصہ تک ان کے پاس نہیں گئے۔ امہات المؤمنین کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست و تادیب ایسی تھی اگرچہ بعض بعض کے ساتھ زیادہ محبت رکھتے تھے لیکن حق میں کسی کی رعایت نہ فرماتے تھے۔

منقول ہے کہ جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ پہنچیں انصار کی عورتوں نے ان کے حسن و جمال کا پہلے ہی سے شہرہ سن رکھا تھا ان کو دیکھنے کیلئے وہ سب جمع ہو کر آ گئیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی نقاب اوڑھے چادر لپیٹے اس لیے کہ انہیں کوئی نہ پہچانے ان کے درمیان آئیں تا کہ وہ بھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو دیکھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہچان لیا جب وہ باہر نکلیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے تشریف لے گئے اور چادر ہٹا کر فرمایا: اے حمیرا! تم نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو کیسا دیکھا انہوں نے کہا: ''ایک یہودیہ یہودی عورتوں کے درمیان بیٹھی تھی۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عائشہ (صدیقہ رضی اللہ عنہا) تم ایسا کہتی ہو حالانکہ وہ مسلمان ہو چکی ہیں اور ان کا اسلام حسن قبول بن گیا ہے۔''

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ علالت میں تمام امہات المؤمنین مجتمع تھیں۔ صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کی قسم میں محبوب رکھتی ہوں کہ آپ کا یہ مرض مجھے ہو جائے اس پر تمام ازواج مطہرات نے ایک دوسرے کے ساتھ غمزہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے واقف ہوئے تو آپ کو ناخوشی ہوئی اور اس سے کراہت کا اظہار فرمایا اور فرمایا خدا کی قسم وہ یعنی صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے دعویٰ سے صادق ہے۔ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۳۶ھ میں واقع ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ ۵۳ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۵۵ھ میں ہوئی ایک قول یہ بھی ہے کہ خلافت فاروقی میں ہوئی اور سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ ان سے دس حدیثیں مروی ہیں ان میں سے ایک متفق علیہ اور باقی تمام دیگر کتابوں میں ہیں۔

ام المؤمنین سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا: ازواج مطہرات میں سے ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث عامریہ ہلالیہ بھی ہیں ان کی والدہ ہند بنت عوف قبیلہ حمیر سے تھیں ایک قول یہ ہے کہ قبیلہ کنانہ سے تھیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی برہ تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر کے یمن بمعنی برکت سے ماخوذ میمونہ رضی اللہ عنہا رکھا۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہندا ایسے داماد رکھتی ہیں جو کسی عورت کو میسر نہیں اس لیے کہ ایک داماد تو سیّد عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ دوسرے داماد حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن جن کا نام ام الفضل رضی اللہ عنہ تھا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ ہند کا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث کے سوا پہلے ایک اور شوہر تھا جس کا نام عمیس خثعمی تھا اس سے بھی دو لڑکیاں تھیں ایک اسماء بنت عمیس جو صاحبہ حسن و جمال مشہور عورت تھیں اور وہ پہلے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی زوجیت میں تھیں۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی زوجیت میں آئیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے اپنے تمام شوہروں سے اولاد تھی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حضرت محمد بن ابی بکر اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت عون بن علی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہ کی دوسری بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت عمیس ہیں جو حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں اور عمارہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہا انہیں سے پیدا ہوئی تھیں جن کی پرورش اور حضانت کا حق حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوا تھا کیونکہ ان کی خالہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں ایک اور بہن تھی جس کا نام سلمیٰ بنت عمیس تھا جو شداد بن الہاد کی زوجیت میں تھی۔ خثعم کی تمام عورتیں صاحب حسن و جمال تھیں یہ جماعت ہندام میمونہ رضی اللہ عنہا کے دامادوں کی ہے یہ چار بہنیں تھیں اور ان کے داماد چھ ہوئے۔ ولید بن مغیرہ جو کہ حضرت خالد بن ولید کے والد ہیں وہ بھی ان کا داماد تھا اس کو شمار نہیں کرتے کیونکہ وہ مشرک تھا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام لبابہ بنت الحارث، بہن میمونہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث رضی اللہ عنہ زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھا اور اس کو لبابہ صغریٰ کہتے ہیں اور حضرت ام الفضل کی بیٹی کا نام بھی لبابہ رضی اللہ عنہا ہے ان کو لبابہ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا زمانہ جاہلیت میں مسعود بن عمر ثقفی کی زوجیت میں تھی باہمی نااتفاقی ہونے پر جدا ہوگئی اس کے بعد ابورہم یا کسی اور کی زوجیت میں آئیں اس میں اختلاف ہے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیام دیا اور ماہ ذیقعدہ ۷ھ میں عمرۃ القضاء میں نکاح فرمایا عجیب اتفاق یہ ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح زفاف اور ان کی وفات ایک ہی موضع میں واقع ہوئی جسے سرف کہتے ہیں اور یہ مکہ مکرمہ سے دو میل کے فاصلہ پر ہے اور اب تک وہاں ان کا مقبرہ تعمیر تھا۔ (معلوم نہیں کہ نجدی ملعونوں نے اسے اب شہید کر دیا یا باقی ہے واللہ اعلم) نکاح کے وقت میں دو روایتیں ہیں وہ یہ کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت حضور احرام سے تھے یا بغیر احرام کے تھے۔ اسی بنا پر علماء میں نکاح محرم کے بارے میں اختلاف ہے اور ہمارے مذہب میں جائز ہے ان دونوں روایتوں میں کسی ایک کی ترجیح اور اس کلام کی تحقیق اصول فقہ میں مذکور ہے۔

سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات مشہور تر قول کے بموجب ۵۱ھ ہے اور باقوال مختلفہ ۶۱ھ یا ۶۳ھ یا ۶۲ھ بھی بتایا گیا ہے آخری قول کے بموجب حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آخری زوجہ مطہرہ قرار پاتی ہیں جنہوں نے سب کے بعد وفات پائی حالانکہ مشہور یہ ہے کہ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا آخری ہیں بعض کہتے ہیں کہ حضرت میمونہ کی وفات ۳۸ھ میں امیر المؤمنین سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی زمانہ خلافت میں ہوئی اور یہ حضرت میمونہ آخری زوجہ مطہرہ ہیں ان کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے نکاح نہ فرمایا ان کی نماز جنازہ ان کے بھانجے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھی یہ اور دیگر بھانجوں نے ان کو قبر میں اتارا۔

سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میری باری کی ایک رات تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے تشریف لے گئے میں نے اٹھ کر دروازہ بند کر لیا تھوڑی دیر بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا میں نے نہ کھولا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قسم دے کر نوازا کہ دروازہ کھولوں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری باری کی رات میں دوسری ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے ہیں؟ حضور اکرم نے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہیں ہے بلکہ میں قضائے حاجت کیلئے گیا تھا بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قسم اور اس کی رعایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھی کیونکہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اسے طلب کیا تھا اور وہ رنجیدہ تھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر خواہی فرمائی جیسا کہ

مذہب شافعی میں مشہور ہے اور مذہب حنفیہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قسم کی رعایت فرمانا بر سبیل کرم و تفضل تھا اور اس میں اتنی رعایت و کرم فرماتے کہ گویا واجب ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ایسی زوجہ مطہرہ ہیں کہ اپنے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بخش دیا تھا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام ان کے پاس پہنچا تھا منقول ہے وہ اونٹ پر سوار تھیں آپ نے کہا اونٹ اور جو کچھ اونٹ پر ہے سب کچھ خدا اور اس کے رسول کا ہے۔ اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی وَامْرَاَۃً مُّؤْمِنَۃً اِنْ وَّھَبَتْ نَفْسَھَا لِلنَّبِیِّ الخ اور یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ آخر کر آیہ کریمہ میں فرمایا: خَالِصَۃً لَّکَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ایک قول یہ ہے کہ وہ زوجہ مطہرہ جس نے اپنے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہبہ کیا وہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں۔ پوشیدہ نہ رہنا چاہیے کہ ان کے نکاح کو آسمان پر حق تعالیٰ کا منعقد فرمانا اور اپنے کو ہبہ کرنے کے سبب اور مطلب کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ہبہ سے مراد مہر کا لازم نہ ہونا ہے یہ بات اس قول میں ہے جو زینب بنت خزیمہ کے بارے میں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ بنی عامر کی ایک اور عورت تھی جو ام شریک قرشیہ عامریہ تھی اور اس کا نام غزیہ بنت جابر بن عوف بن عامر بن لوی تھا اور بعض نے کہا کہ بنت داؤد بن عوف تھی اور کہا گیا ہے کہ ان کے سوا کئی عورتیں ہیں جنہوں نے خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہبہ کیا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قبول نہ فرمایا اور نہ نکاح میں لائے۔ (واللہ اعلم)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے چھہتر حدیثیں مروی ہیں ان میں سے سات متفق علیہ ہیں ایک صرف بخاری و مسلم میں ہے باقی دیگر کتابوں میں ہیں۔

مطلقات النبی صلی اللہ علیہ وسلم: وصل! یہ گیارہ ازواج مطہرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آئیں اور آپ نے ان سے زفاف فرمایا ان میں سے چند سے اولاد کرام پیدا ہوئی ان میں سے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ اور سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ میں دنیا سے رخصت ہوئیں اور باقی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فوت ہوئیں۔ عورتوں کی ایک جماعت اور بھی ہے جو بیس یا زیادہ ہیں جن میں سے کچھ سے نکاح تو کیا مگر زفاف نہ فرمایا اور ان میں بعض وہ ہیں جن سے زفاف بھی ہوا لیکن اختیار دیئے جانے کے وقت آیہ کریمہ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا اے نبی اپنی بی بیوں سے فرمادو اگر تم دنیاوی عیش و عشرت چاہتی ہو تو (کے ماتحت یا) وہ حبالہ نکاح سے نکل گئیں۔ علماء سیر نے ان سب کو علیحدہ رکھا ہے اور بعض نے مقام استیفاء میں بیان کیا ہے۔

ہم ان میں سے ان کو جن کا قصہ نادر ہے اور اس میں عجیب نکتہ ہے جو مفید و نافع ہے بیان کرتے ہیں اگرچہ اس حیثیت سے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال شریف کا ذکر ہے اور اس بارگاہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں سب ہی مفید و نافع اور موجب ذوق و لذت ہیں۔

ان عورتوں میں سے ایک عورت کی بیٹی کلابیہ تھی جس نے دنیا کو اختیار کیا تھا آخر کار اس کا حال اس حد تک پہنچا کہ کھجوروں کی گٹھلیاں اور ایک روایت میں ہے کہ مینگنیاں چنتی تھی۔ ایک شخص نے اسے دیکھا تو پوچھا تو کون ہے؟ اس نے سر اٹھا کر کہا: اَنَا الشَّقِیَّۃُ الَّتِیْ اخْتَرْتُ الدُّنْیَا عَلَی اللہِ وَرَسُوْلِہٖ میں وہ بدبخت عورت ہوں جس نے اللہ اور اس کے رسول پر دنیا کو اختیار کیا تھا۔

دوسری عورت اسماء کندیہ ہے جسے جامع الاصول میں جو یہ کہا ہے۔ مواہب الدنیہ میں اسماء بنت النعمان بنا بی الجون الکندیہ الجونیہ نام بتایا گیا ہے اور کہا کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح فرمایا البتہ اس کو اپنے سے علیحدہ

کرنے کے بارے میں اختلاف ہے چنانچہ قتادہ اور ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے قرب سے نوازنا چاہا اور اس سے فرمایا کہ قریب آ تو اس عورت نے انکار کیا اور سرکشی کی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس عورت نے کہا میں آپ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پناہ تلاش کرتی ہے اور بہت بڑی پناہ مانگتی ہے۔ بلاشبہ حق تعالیٰ نے تجھے پناہ دے دی الحقی باھلك جا تو اپنے گھر والوں سے مل جا یہ کلمہ ایسا ہے جو طلاق کی نیت سے بولا جاتا ہے۔ جامع الاصول میں اسی بنت الجون کے قصہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں جسے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ابنتہ الجون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْكَ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے بہت بڑی پناہ تلاش کی ہے جا اپنی اہل کے ساتھ مل جا اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ نسائی میں اس طرح مروی ہے کہ کلابیہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو (الحدیث) سیدہ صدیقہ سے اتنا ہی روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا مطلب یہ کہ کسی دوسرے نے اس کو نہیں سکھایا بلکہ اس نے اپنی طرف سے کہا اور کسی دوسرے کو کیا ضرورت تھی کہ وہ سکھائے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تو ایسا گمان ہی نہ کرنا چاہیے کہ انہوں نے اسے سکھایا ہو اور وہ اس قصہ میں داخل ہوں حسن ظن لازم ہے۔ (واللہ اعلم)

ابواسید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں منقول ہے انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک احاطہ میں پہنچے جس کو شوط کہا جاتا ہے اور اس باغ واحاطہ میں ٹھہر گئے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہیں بیٹھ جاؤ پھر جونیہ کو بلایا گیا فرمایا نخلستان میں لے جاؤ جو وہاں تھا اور اس کے ساتھ ایک جانور تھا جس پر وہ سوار ہو کے آئی تھی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو فرمایا اپنے آپ کو میرے لیے تیار کر لے اس بدبخت نے کہا ''کیا ملکہ اپنے سے کمتر کو اپنے آپ کے سپرد کر دے گی'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک دراز فرمائے تاکہ اسے خاموش کریں اس نے کہا ''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْكَ'' میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے بڑی پناہ گاہ سے پناہ مانگی ہے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس باہر تشریف لے آئے اور فرمایا: ''اے اسید رضی اللہ عنہ اس کو دو جامہ اڑھا کر اسے اس کے اہل میں پہنچا دو'' اس عورت کا تکبر کرنا اور اپنے آپ کو ملکہ کہنا اس بنا پر تھا کہ اس کا باپ نعمان بن ابی الجون اہل کندہ کا سردار و رئیس تھا بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم کی بیویوں نے اسے سکھایا تھا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تجھے بلائیں اور دست اقدس تیری طرف بڑھائیں تو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْكَ کہنا کیونکہ یہ کلمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھا معلوم ہوتا ہے یہ عورت بہت ہی خوبصورت تھی انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ ان پر غالب نہ آ جائے جب اس نے یہ بات کہی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزرا اور اسے طلاق دے دی اور اس کو اس کے اہل میں بھیج دیا یہ عورت اپنے آپ کو بدبخت کہا کرتی تھی بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام امیہ تھا اور بعض نے کہا امام تھا ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابواسید رضی اللہ عنہ ساعدی کو بھیجا کہ اسماء رضی اللہ عنہا کو مدینہ لائے چونکہ اس کی خوبصورتی کا شہرہ مدینہ میں پھیل چکا تھا اور عورتیں اس کو دیکھنے آتی تھیں اس لیے کسی نے اس کو سکھایا کہ تو ایک بادشاہ کی بیٹی ہے اگر تو یہ چاہتی ہے کہ تیرا شوہر تجھے بہت چاہے تو تو جب خلوت میں پہنچے تو کہنا اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْكَ تو شوہر تجھے بہت چاہے گا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب اسے بارگاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں لائے تو تمام عورتیں اس پر رشک کرنے لگیں اور ظاہر میں اس سے شفقت و مہربانی کی باتیں کرنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا تم ان کے مہندی لگاؤ اور میں ان کے سر کے بال سنواروں اسی اثنا میں اس سے یہ بات کہی کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے خلوت فرمائیں تو تو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْكَ کہنا چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس کے گھر تشریف لائے اور پردہ اٹھا دیا اور چاہا کہ شرف قرب سے نوازیں تو اس نے کہا: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْكَ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

فوراً اس کے پاس سے دور ہو گئے اور فرمایا تو نے بڑی پناہ گاہ سے پناہ مانگی ہے اٹھ اور اپنے لوگوں میں چلی جا اور ابو اسید رضی اللہ عنہ سے فرمایا اسے اس کے قبیلہ میں پہنچا دو بعد ازاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ عورتوں نے اس کے ساتھ ایسا مکر کیا تھا اور اسے اس پر برانگیختہ کیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّھُنَّ صَوَاحِبُ یُوْسُفَ وَاِنَّ کَیْدَھُنَّ عَظِیْمٌ بے شک یہ عورتیں یوسف والیاں ہیں اور بے شک ان کا مکر بڑا ہے۔

اب ہم اس طرف آتے ہیں کہ یہ جو مکر و فریب ہے اور اس میں ان کے حق میں جنہوں نے کوئی گناہ، خطا اور خلاف ورزی نہیں کی ہے زیاں کاری اور بد اندیشی ہے اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ بشری طبع کی فضیلت اور محبت کا مقتضائے غیرت ہے اور یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی محبت کی دلیل ہے کہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کوئی دوسرا بھی اس میں شریک ہو اور غیرت و رشک کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ اپنے سے محبوب کی جدائی دوسرے کیلئے گوارہ نہیں کرتیں مثلاً کسی کے پاس مال ہے یا کسی کا کوئی خاص حال ہے اور چند شخص اس میں شریک ہیں وہ پسند نہیں کرے گا کہ کوئی اور اس میں شریک ہو یا اس سے وہ مال چھینے یہی صورت یہاں لازم آتی ہے اور یہ بات بھی ہے کہ بیویوں نے اس پر جبر و اکراہ نہیں کیا تھا اس سے صرف زبانی کہا تھا اس نے کیوں کہا اور یہ بات بھی ممکن ہے کہ شوہر کی محبت کی خواہش میں عورتوں کیلئے اتنی بات جائز ہو اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سخت و سست نہ فرمایا اور نہ جزا و سزا دی اور نہ زجر و توبیخ فرمائی۔ فرمایا تو صرف اتنا فرمایا کہ عورتوں کے مکر و فریب ہوتے ہیں اور ان کا مکر بہت بڑا ہے جس طرح کہ قرآن کریم میں زنان یوسف علیہ السلام کی شان میں آیا ہے کہ ان کیدکن عظیم بے شک تم عورتوں کے بڑے مکر ہیں۔ (فافہم واللہ اعلم)

ایک اور عورت تھی جس کا نام ملیکہ بنت کعب تھا ایک قول ہے کہ قبیلہ لیث کی لڑکی تھی قبل از دخول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مفارقت فرمائی بعض کہتے ہیں اسی عورت نے استعاذہ کیا تھا بعض کہتے ہیں کہ اس سے دخول ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس وفات پائی لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے بعض کہتے ہیں کہ نکاح بھی نہ کیا تھا صرف خوستگاری فرمائی تھی جیسا کہ مواہب میں ہے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ خلوت فرمائی جب اس سے پوشش دور ہوئی تو اس کے جسم میں سفیدی نظر آئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علیحدہ ہو گئے اور فرمایا اپنے کپڑے پہن لو اور اپنے لوگوں میں چلی جاؤ۔ مواہب میں اس طرح ہے کہ قبیلہ غفار کی ایک عورت تھی اس کے بعد آخر تک یہی حکایت بیان کی ہے۔

ایک اور عورت شراف رضی اللہ عنہا بنت خلیفہ کلبیہ تھی جو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی بہن تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا اور وہ دخول سے پہلے ہی فوت ہو گئیں۔

ایک اور عورت لیلیٰ بن الخطیم قیس کی بہن تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح فرمایا یہ بڑی غیور عورت تھی پھر اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اقالہ یعنی فسخ نکاح چاہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اقالہ کیا اس کے بعد اسے بھیڑیئے نے کھالیا بعض کہتے ہیں کہ یہی وہ عورت ہے جس نے اپنے آپ کو ہبہ کیا۔ مواہب میں اتنا ہی مذکور ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پشت بر آفتاب تشریف فرما تھے تو لیلیٰ بنت خطیم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کی طرف سے آئی اور آپ کی پشت مبارک پر ایک مکہ مارا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کون ہے یہ "اکلتہ الذئب" یعنی جسے بھیڑیا کھائے گا اس نے کہا میں خطیم کی بیٹی ہوں اور پھر اپنے باپ کی تعریفیں کرنے لگی۔ اس نے کہا میں آئی ہوں تا کہ اپنے نفس کو آپ پر ہبہ کروں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تجھے اپنی زوجیت کیلئے پسند کرتا ہوں لیکن اس کے بعد وہ اپنی قوم کی طرف گئی اور ان کو اس سے باخبر کیا۔ قبیلہ کے لوگوں نے کہا تو نے برا کیا تو ایک غیور عورت ہے اور وہ بہت سی بیویاں رکھتے ہیں تو

غیرت میں جلتی رہے گی اور باتیں کرے گی تو وہ تجھ پر غضب فرمائیں گے اور دعائے بد کریں گے ان کی دعا مستجاب ومقبول ہے جا اور فسخ نکاح کا مطالبہ کر پھر وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور فسخ کا مطالبہ کیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فسخ فرما دیا اس عورت نے دوسرا شوہر کر لیا اور اس سے کئی بچے پیدا ہوئے ایک دن مدینہ طیبہ کے کسی باغ میں نہا رہی تھی اچانک بھیڑیئے نے اس پر جست کی اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

ایک اور عورت سنا' یا سبا' یا اسماء بنت صلت سلمیہ تھی اہل سیر کہتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پیام دیا تو وہ اس خبر کے سنتے ہی خوشی سے مر گئی۔

ایک روایت میں ہے کہ بنی سلیم کا ایک شخص حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لڑکی ہے جو بڑی حسین وجمیل ہے آپ کے سوا کسی اور کیلئے وہ مناسب نہیں ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خواستگاری فرمائی یا خواستگاری کا قصد فرمایا اس شخص نے لڑکی کی تعریف کے قصد سے کہا وہ ایک اور صفت بھی رکھتی ہے کہ وہ نہ تو کبھی بیمار ہوئی اور نہ کوئی اسے تکلیف پہنچی ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیں تیری لڑکی کی ضرورت نہیں ہے لَا خَيْـرَ فِـيْ مَـالٍ يُرْزَاءُ مِنْهُ وَلاَ جَسَدٌ لَّا يَنَالُ مِنْهُ۔

ایک اور عورت قبیلہ مرہ بن عوف بن سعد کی تھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باپ کو پیام بھیجا اس نے کہا یہ لڑکی برص رکھتی ہے یہ بات اس نے جھوٹ کہی تھی تا کہ اسے پیش نہ کرنا پڑے جب وہ گھر لوٹ کر آیا تو وہ برص میں مبتلا ہو چکی تھی اہل سیر کہتے ہیں کہ اس کے باپ نے اس کو اپنے بھتیجے کے ساتھ بیاہ دیا اس سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام شیب بن مرطبا تھا کہتے ہیں کہ وہ شاعر تھا۔ (ذکرہ الطبری)

ایک اور عورت امامہ بنت حمزہ عبد المطلب پیش کی گئی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے کہ ابولہب کی باندی ثویبہ نے ان کو دودھ پلایا تھا۔

ایک اور عورت غزوہ بنت ابوسفیان جو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھی پیش کی گئی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ میرے لیے حلال نہیں ہے کیونکہ ان کی بہن اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا موجود ہے یہ چند عورتیں ہیں جن سے قبل از نکاح یا بعد از نکاح قبل از دخول' مفارقت واقع ہوئی سیر کی کتابوں میں اس سے زیادہ بیان کیا گیا ہے۔ ان اختلافات کے ساتھ جو ان کے ناموں میں واقع ہیں۔

انہیں عورتوں میں سے کچھ وہ ہیں جن کو پیام نکاح دیا لیکن نکاح واقع نہ ہوا ام ہانی رضی اللہ عنہا بنت ابی طالب جن کا نام فاختہ ہے بعض عاتکہ بتاتے ہیں اور بعض ہند پہلا قول زیادہ مشہور اور صحیح ہے۔ اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے فرمایا: اے میرے چچا! اپنی بیٹی ہبیرہ بن وہب کو دے دی اور مجھے نہ دی ابوطالب نے عرض کیا: اے میرے بھتیجے ان کے ساتھ میری مصاہرت یعنی سسرالی رشتہ ہے میں نے ان سے بیٹی مانگی تھی طریقہ کرم میں نے اسی میں دیکھا کہ میں ان کا بدلہ اتار دوں اس کے بعد ام ہانی کے ہبیرہ سے جعدہ' عمر' یوسف اور ہانی پیدا ہوئے اسی ہانی کی وجہ سے ان کی کنیت مشہور ہوئی اس کے بعد ام ہانی مسلمان ہو گئیں اور ان کا اسلام لانا عام الفتح میں تھا پھر ان کے اور ہبیرہ کے درمیان اسلام نے جدائی کر دی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پیام دیا اس پر ام ہانی رضی اللہ عنہا نے کہا: خدا کی قسم میں آپ کو زمانہ جاہلیت میں بھی پسند کرتی تھی اب جبکہ میں اسلام سے بھی محبت رکھتی ہوں آپ کو کیسے نہ پسند کروں بلاشبہ آپ میری آنکھ اور کان سے زیادہ محبوب ہیں لیکن میں ایک ایسی عورت ہوں جو کئی یتیم بچے رکھتی ہے اور میں ڈرتی ہوں کہ اگر میں بچوں کی دیکھ بھال میں مشغول ہوئی تو آپ کا حق بجا نہ لا سکوں گی اور اگر جیسا کہ آپ کا حق اور آپ کی خدمت

فرض ہے اس کے بجالانے میں مشغول ہوئی تو بچوں کی دیکھ بھال نہ کرسکوں گی اور یہ ضائع ہو جائیں گے اور میں شرم کرتی ہوں کہ آپ میرے بستر پر تشریف لائیں اور میرے ایک بچے کو تو میرے پاس لیٹا ملاحظہ فرمائیں اور دوسرے بچے کو دودھ پلاتا دیکھیں اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عورتیں بہترین ہیں جو اونٹوں کو سوار کرتی ہیں مطلب یہ کہ عرب کی بیویاں اور قریش کی عورتیں اپنی اولاد پر زیادہ مائل و مہربان اور دل میں اپنے شوہر کی زیادہ امانت دار اور دیکھ بھال کرنے والی ہیں۔ تفسیر میں مرقوم ہے کہ جب حق سبحانہ وتعالیٰ یہ ارشاد نازل ہوا کہ۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَ بَنٰتِ عَمِّكَ وَ بَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَ بَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ تو ام ہانی رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پیام دیا میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معذرت خواہی کی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے معذور رکھا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لہٰذا میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حلال نہ ہوئی اس لیے کہ میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت نہیں کی اور یہ کہ میں مطلقہ تھی روایت کیا ہے اس کو ان سے حضرت علی حضرت ابن عباس ابن ابی لیلیٰ عکرمہ شعبی عطا ان کے مولیٰ ابوصالح ان کے بیٹے جعدہ اس کے پوتے ابن جعدہ اور دیگر حضرات رضی اللہ عنہم اجمعین نے اور وہ بعد میں ۵۰ھ تک یعنی زمانہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تک زندہ رہیں۔ ان کا ذکر فتح مکہ کے ضمن میں مذکور ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں چاشت کی نماز پڑھی صلوٰۃ الضحیٰ کے باب میں ان کی حدیث اصل ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندیاں

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرارِی یعنی باندیاں چار تھیں۔ ایک حضرت ماریہ بنت شمعون قبطیہ رضی اللہ عنہا ہیں جنہیں مقوقس قبطی حاکم مصر والی اسکندریہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تحائف کے ساتھ بھیجا تھا اور یہ سفید جلد صاحب جمال تھیں یہ مسلمان ہو گئیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برسم تسری رکھا اور ملک یمین کے تحت ان میں تصرف فرمایا ان کے ساتھ محبت تھی چنانچہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان پر رشک کرتی تھیں اور حضرت ابراہیم بن رسول اللہ انہیں سے پیدا ہوئے تھے نیز عوالی مدینہ میں ان کیلئے مکان بنایا تھا جسے آج بھی ''مشربہ ام ابراهیم'' رضی اللہ عنہما کہتے ہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ بقیہ احوال ۶ھ میں بعد از فتح حدیبیہ مکاتیب بھیجنے کے ضمن میں مذکور ہو چکے ہیں۔

دوسری جاریہ ریحانہ بنت زید بن عمرو ہیں بعض کہتے ہیں کہ شمعون کی بیٹی ہیں یہ بنی نضیر کی باندیوں میں سے ہیں اور ایک قول سے بنی قریظہ سے۔ پہلا قول اظہر ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک یمین کے طور پر انہیں شرف صحبت سے نوازا بعض کہتے ہیں کہ آزاد کر کے ہجرت کے سال ہشتم میں نکاح فرمایا واقدی نے اس قول کو ترجیح دی ہے اور ابن عبدالبر وغیرہ پہلے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی وفات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے قبل حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت ہوئی ہے اور بقیع میں مدفون ہیں ایک قول یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں فوت ہوئیں۔ قول اول صحیح تر ہے۔

تیسری جاریہ جمیلہ تھیں جو کسی سبایا میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی تھیں۔

چوتھی وہ باندی تھی جسے سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ (واللہ اعلم)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ: حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالفضل رضی اللہ عنہ ہے کیونکہ ان کے سب سے بڑے فرزند کا نام فضل تھا ان کی نسبت سے یہ کنیت ہے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جن کا نام عبداللہ ہے بڑے تھے لیکن حضرت عبداللہ ہی ابن عباس سے مشہور ہوئے اور یہی ان کے نام پر غالب آ گیا۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام نتیلہ بنت حباب بن کلب ہے بیان کرتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی عرب عورت ہیں جنہوں نے بیت الحرام پر دیبا کا غلاف چڑھایا اس لیے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بچپنے میں گم ہو گئے تھے تو ان کی والدہ نے نذر مانی تھی کہ وہ آ جائیں تو بیت اللہ پر غلاف چڑھائیں گی۔ حضرت عباس بڑے حسین وجمیل دو گیسو والے اور طویل القامت تھے چنانچہ منقول ہے کہ لوگوں کا قد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کندھوں تک پہنچتا تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کندھوں تک پہنچتا تھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے کندھوں تک بعض روایتوں میں ان کے وصف میں معتدل بھی لکھا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ مراد معتدل القامت ہے لیکن یہ اعتدال تمام اعضاء جوارح میں مراد ہوگا۔ (واللہ اعلم)

ان کی ولادت عام الفیل سے تین سال پہلے ہے یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو یا تین سال عمر میں زیادہ تھے اور وہ قریش میں سردار تھے اور عمارت بیت الحرام ان کے سپرد تھی ظاہر ہے کہ تعمیر مسجد اور اس کی دیکھ بھال مراد ہوگی اور منصب سقایۃ یعنی حاجیوں کو پانی پلانا بھی ان کے ہاتھ میں تھا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ عقبہ کی رات جس میں انصار نے عقد بیعت کی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اس مجلس میں انہوں نے فرمایا اے گروہ انصار تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں بزرگ وعظیم ہیں۔ مبادا اس وقت جو تم عہد و پیمان باندھ رہے ہو تم توڑ دو۔ خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لو جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر تمام امور میں اعتماد فرماتے تھے جب بدر کے قیدیوں میں ان کے بند سخت ہو گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آہ و نالہ اور ان کی حالت کے تصور سے سو نہ سکے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نیند نہ آنے کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا عباس کی وجہ سے۔ اس کے بعد ایک شخص اٹھا اور ان کی بندشوں کو ڈھیلا کر دیا اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کی بندشیں ڈھیلی کر دی جائیں اسی طرح صاحب صفوہ ابوعمرو نے بیان کیا ہے اور یہ کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے اور مشرکوں کے جبر و قہر کی بنا پر ساتھ آئے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا تھا کہ جس کسی کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ ملیں وہ ان کو قتل نہ کرے اس لیے کہ انہیں جبراً لایا گیا ہے یعنی ناگواری اور عدم رضا سے ساتھ آئے ہیں کیونکہ ابوجہل اور کافروں نے نہیں چھوڑا کہ وہ مکہ میں رہیں اور بدر میں نہ جائیں۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کیلئے تشریف لے جا رہے تھے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ مکہ سے ہجرت کر کے راہ میں حضور کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عیال کو مدینہ طیبہ بھیج دیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے وہ فتح مکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تمہارے ساتھ اب ہجرت ختم ہوگئی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے بعض بیان کرتے ہیں کہ وہ فتح خیبر سے پہلے اسلام لے آئے تھے مگر انہوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا تھا اور حق تعالیٰ نے جو مسلمانوں کو فتح و نصرت عطا فرمائی اس سے وہ بہت خوش و مسرور ہوئے اور اپنے اسلام کو روز فتح ظاہر فرما دیا۔ غزوۂ حنین، طائف اور تبوک میں شریک ہوئے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ بدر سے پہلے بھی وہ مسلمان تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں کے حالات اور ان کی خبریں لکھ کر بھیجا

کرتے تھے اور مکہ مکرمہ میں باقی مسلمانوں کی اطلاعیں دیا کرتے تھے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اطلاع پر اعتماد فرماتے تھے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے سے پہلے ہی سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت فرماتے تھے اسی بنا پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لکھا کہ میرے لیے تمہارا مکہ مکرمہ میں رہنا بہتر ہے۔ سہل بن ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت مانگی اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لکھا کہ اے چچا تم اپنی جگہ رہو اللہ تعالیٰ تم پر ہجرت کو ختم فرمائے گا جس طرح کہ مجھ پر نبوت کو ختم فرمایا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عام الفتح میں انہوں نے ہجرت کی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کے مل گئے جیسا کہ معلوم ہوا۔

سہمی کتاب الفضائل میں نقل کرتے ہیں کہ ابو رافع رضی اللہ عنہ نے جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام کی خوشخبری سنائی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رافع رضی اللہ عنہ کو اسی وقت آزاد کر دیا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد ان کا بڑا اعزاز و اکرام فرماتے تھے اور ان کی بہت تعریفیں کرتے تھے کہ وہ لوگوں میں سخی ترین اور مہربان ترین ہیں اور فرمایا میرے چچا عباس رضی اللہ عنہ بمنزلہ میرے والد کے ہیں جس نے انہیں ایذا پہنچائی یقیناً اس نے مجھے ایذا دی یہ اس وقت فرمایا جبکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر لوگوں کی شکایت کی اور کہا کہ ان لوگوں کو کیا ہوا ہے جب بھی میں ان کے پاس جاتا ہوں تو انہیں ناگوار ہوتا ہے اور اپنی ان باتوں کو ہم سے چھپا لیتے ہیں جو وہ باہم کرتے ہوتے ہیں اور ہماری طرف محبت کی آنکھ نہیں اٹھاتے۔

منقول ہے کہ ایک دن حضرت عباس رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں آئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں آتے دیکھا تو ان کی طرف کھڑے ہو کر بڑھے اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور اپنے داہنی جانب ان کو بٹھایا اور فرمایا یہ میرے چچا ہیں ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے چچا پر فخر کرے اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کتنی خوش آئند بات فرما رہے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہ کہوں حالانکہ تم میرے چچا ہو اور بمنزلہ والد کے ہو اور میرے اجداد کے بقیہ اور میرے وارث ہو اور بہترین شخص ہو جسے میں اپنے اہل میں سے چھوڑے جاتا ہوں ایک اور مرتبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے میرے چچا! اپنے گھر رہنا اور اپنے بچوں کو بھی باہر نہ بھیجنا میں کل تمہارے یہاں آؤں گا مجھے تم سے کام ہے۔ پھر جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں رونق افروز ہوئے اپنی چادر مبارک ان سب پر ڈالی ایک روایت میں ہے کہ ان سب کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر شریف میں ڈھانپا اور فرمایا اے خدا! یہ میرے چچا اور میرے والد کے قائم مقام ہیں اور ان کے یہ فرزنداں میری اہل بیت ہیں ان سب کو آتش دوزخ سے ایسا ہی چھپا لے جس طرح میں نے انہیں اپنی چادر میں چھپا لیا ہے اس پر ان سب نے آمین کہی اور گھر کے در و دیوار نے بھی آمین آمین کہی۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ گھر کا کوئی پتھر اور ڈھیلا ایسا نہ تھا جس نے آمین نہ کہی ہو ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سب کو اپنی چادر شریف میں چھپا لیا اس کے بعد فرمایا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهٖ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ فِيْ وَلَدِهٖ وَلَدِهٖ ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزندان شریف اور ان کی اولاد کے بارے میں کہ وہ ان کے بعد رہیں گے اور ان کے خلافت کی خبریں اور ان کی مدح، چادر شریف کا اوڑھنا دین کا اعزاز ملت کی تقویت اور ان سے محبت رکھنے پر ترغیب وغیرہ امور کی خبریں اور حدیثیں نقل کی گئی ہیں ان میں سے بہت سے راوی ضعیف و مطلوب ہیں بلکہ کذب و وضع کا ان پر گمان ہے اس قسم کی خبریں، حدیثیں

اورآثاران کی خلافت کے زمانہ میں ظاہر ہوئیں۔(واللہ اعلم)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین کے عہد خلافت میں ان کی شہادت سے دو سال پہلے بارہ یا چودہ ماہ رجب یا ماہ رمضان ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ہوئی اس وقت ان کی عمر شریف اٹھاسی یا نواسی سال کی تھی۔ وہ بتیس سال زمانہ اسلام میں رہے۔ بقیع شریف میں وہ مدفون ہوئے اور ان کو ان کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس نے قبر میں اتارا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی عظیم وجلیل اور ترجمان القرآن اور ابوالخلفاء کے لقب سے موسوم ہوئے۔ منقول ہے کہ ان کی والدہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے جب ابن عباس رضی اللہ عنہما کو پیدا کیا تو وہ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لائیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور فرمایا ابوالخلفاء کو لے جاؤ رواہ ابن حبان وغیرہ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ان کی اولاد واحفاد زمین میں اتنی پھیلی کہ خلیفہ مامون رشید کے زمانہ میں آٹھ ہزار تک پہنچ گئی اس خبر اور اس کثرت کو محال اور بعید جانا گیا ہے مگر یہ کہ لواحقین اور تبعین مراد لیں تو درست ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام چچاؤں میں سب سے کم عمر تھے۔

جدات یعنی دادا اور نانی: جدات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو باپ کا بالائی نسب ہو دوسرا وہ جو ماں کا بالائی نسب ہو مواہب لدنیہ میں سب کو شمار کیا گیا ہے ان کے تمام احوال حدیث کی کتابوں میں بیان نہیں کیے گئے صرف ان کے اسماء ہی بیان ہوئے ہیں۔

رضاعی بھائی: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی یعنی دودھ شریک بھائیوں میں سے ایک تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسرے ابوسلمہ بن عبدالاسد شوہر ام سلمہ ان کی والدہ برہ بنت عبدالمطلب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں ان کو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ثویبہ ابولہب کی باندی نے اپنے بیٹے مسروح بن ثویبہ کا دودھ چار برس کے فرق سے پلایا پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ان کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بعد عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد کو۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن الحارث جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حارث کے بیٹے ہیں یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں ان کو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیّدہ دایہ حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا اور حلیمہ سعدیہ کی اولاد بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بہن بھائی ہیں ایک مرتبہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر ہوازن پر تاخت کر رہا تھا تو ان میں ایک عورت قید ہو کر آئی اس نے کہا میں تمہارے آقا کی بہن ہوں جب اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی رضاعی بہن ہوں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مرحبا فرمایا اور اپنی چادر مبارک بچھا کر اس پر اسے بٹھایا اور گزشتہ حالات کی یاد سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک میں آنسو آ گئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اگر تم چاہو تو میرے پاس رہو عزت واحترام اور محبت کے ساتھ رہو گی اور اگر تم چاہو تو تمہیں تمہارے لوگوں کی طرف لوٹا دوں اور حلہ اور انعام واکرام تمہیں عطا فرما دوں؟ اس نے کہا: ''میں اپنی قوم کی طرف جانا چاہتی ہوں۔'' پھر وہ مسلمان ہو گئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تین غلام و باندی اور بہت سے اونٹ و بکریاں مرحمت فرمائیں۔

مروی ہے کہ بی بی حلیمہ سعدیہ بھی بارگاہِ رسالت میں آئیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بھی بہت ادب اور احترام اور اکرام وانعام فرمایا اور ابولہب کی باندی ثویبہ کو بھی اکرام وانعام سے نوازا۔ ان کے اسلام لانے میں علماء اختلاف کرتے ہیں جس طرح کہ بی بی حلیمہ سعدیہ کے اسلام میں اختلاف کرتے ہیں بقیع میں ان کا چھوٹا سا قبہ تھا جسے قبہ حلیمہ سعدیہ کہتے تھے (مگر اب نجدی ملعونوں نے اسے بھی شہید کر دیا) کہتے ہیں کہ ان کی قبر پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بغرض زیارت تشریف لے جاتے تھے اور بی بی حلیمہ کے شوہر

کے اسلام میں بھی اختلاف ہے ظاہران کا اسلام لانا ہے اور ثویبہ باندی کو ابولہب نے اس وقت آزاد کیا جبکہ اس نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کا مژدہ لاکر اسے سنایا تھا اسی بنا پر مروی ہے کہ روز دوشنبہ یعنی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے دن ابولہب سے عذاب اٹھا دیا جاتا ہے اور ثویبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد آئی تو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس کا احترام فرماتیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ اس کیلئے حلہ اور کپڑے بھیجا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ فتح خیبر کے بعد فوت ہوگئی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاصہ تھی یعنی وہ دایہ جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گود میں لے کر پرورش کرتی تھی وہ اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا حبشی ہے ان کا نام برکت ہے ان کے نام پر ان کی کنیت غالب آ گئی۔ اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا نے حبشہ کی دونوں ہجرتیں کیں پھر مدینہ آ گئیں یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی تھیں جو اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی میراث میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت آمنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سے ملی تھیں اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت آزاد کر دیا اور ان کا نکاح عبید بن زید بن عمر بنی الحارث سے کر دیا۔ ان سے ایمن فرزند پیدا ہوا اسی نسبت سے ان کی کنیت ام ایمن رضی اللہ عنہ قائم ہوئی۔ عبید کے بعد ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرما دیا اور ان سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بعثت کے بعد پیدا ہوئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ام ایمن رضی اللہ عنہا ''امی بعد امی'' یعنی میری ماں ہیں میری اپنی ماں کے بعد اور انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بیس دن بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پائی۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے ان کے فرزند ایمن اور حضرت انس بن مالک اور طارق بن شہاب روایت کرتے ہیں۔

تیما بنت حلیمہ سعدیہ بھی اپنی ماں حلیمہ سعدیہ کے ساتھ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضانت کرتی تھیں۔

باب چہارم

درذکر خدام بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

مردوں میں سب سے زیادہ مشہور اور پابندی سے حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے والے حضرت انس بن مالک بن نضیر انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ ہیں ان کی کنیت ابوحمزہ ہے حمزہ ایک بقلہ دوانہ ہے جس میں تیزی ہوتی ہے فارسی میں اسے تیرہ تیزک کہتے ہیں۔ مروی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اسے لا رہے تھے اسی حالت میں حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا اور انہیں ابو حمزہ کنیت کے ساتھ یاد کیا انہوں نے حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی ہے جس وقت ہجرت کر کے حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو ان کی والدہ ان کو حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لائیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا یہ لڑکا انس حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے گا چنانچہ انہوں نے حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سال تک خدمت کی اور سفر وحضر میں حاضر رہے حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کبھی یہ نہ فرمایا کہ یہ کام کیوں نہ کیا اور فلاں کام کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا حضرت انس تمام غزوات میں حاضر ہوئے اور خلافت فاروقی میں بصرہ میں انتقال فرمایا اور بہت سے لوگوں کو فقیہہ بنایا بصرے میں انتقال کرنے والے یہ آخری صحابی تھے جن کا ۹۳ھ یا ۹۱ھ یا ۹۹ھ میں انتقال ہوا اور حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے ان کی والدہ کی درخواست پر جبکہ وہ حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائیں دنیا و آخرت کی بھلائی کی دعا فرمائی ان کی والدہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ انس حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہے اس کیلئے دعا کیجئے حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وہ فرماتے ہیں کہ حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر کثرت مال واولاد میں تو دیکھ ہی لیا ہے مجھے امید ہے کہ تیسری دعا دخول جنت کی ضرور پوری ہوگی اور فرمایا کہ میرے مال میں زیادتی اس حد تک ہوئی کہ میرا انگوروں کا باغ سال میں دومرتبہ پھل دیتا تھا ان کی عمر سو سال سے متجاوز ہوئی ان کے صلب سے ایک سو چھ بچے پیدا ہوئے جن میں ۷۰ ستر لڑکے اور باقی لڑکیاں تھیں اور ان سے دو ہزار دو سو چھیاسی حدیثیں روایت کی گئی ہیں ان سے کثیر جماعت صحابہ نے روایت لی ہے اور پھر ان کے لڑکے پوتے پڑپوتے وغیرہ سے خلق کثیر نے روایت لیں۔ انہوں نے ولید بن عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں وفات پائی اور محمد بن سیرین نے ان کو غسل دیا سیرین ان کے غلاموں میں سے تھے ان کے گرد ان کی ایک سو بیس اولاد جمع ہوئی اور ان کو دفن کر دیا اور حجاج کا انتظار نہ کیا کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حجاج کے ساتھ سخت کلامی ہوگئی تھی حجاج ان پر ایذا رسانی کی طاقت نہیں رکھتا تھا اس بنا پر جوان کو صلابت اور حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی فضیلت حاصل تھی اور دعاء کا اثر تھا جو انہوں نے حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی تھی اس دعا کی قوت سے وہ حجاج پر غالب رہتے تھے وہ دعا مشہور ہے اور فارسی رسالوں میں اس کی شرح کی گئی ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مشابہ نماز پڑھتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

غافل ہذلی تھے یہ سادس الاسلام صاحب نعلین و مسواک و تکیہ اور عصا والے تھے مواہب میں دسادہ یعنی بچھونے کا ذکر کیا ہے تکیہ کا ذکر نہیں کیا یہ تمام چیزیں ان کے سپرد تھیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تو یہ نعلین مبارک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہناتے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نسبت فرماتے تو پائے اقدس سے نعلین مبارک اتارتے اور اپنی آستین میں محفوظ رکھتے تھے آپ مقربان بارگاہ اور حاضرین مجلس مبارک میں سے تھے چنانچہ آنے والے لوگ آپ کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل میں سے خیال کرتے تھے آپ کے مناقب وفضائل بہت زیادہ ہیں اس سلسلہ میں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رَضِیْتُ لِاُمَّتِیْ مَا رَضِیَ بِهٖ ابْنُ اُمِّ عَبْدٍ وَّ سَخَطْتُ لَهَا مَا سَخِطَهٗ (میں اپنی امت میں سے اس سے راضی ہوں جس سے حضرت ابن مسعود راضی ہیں اور میں اس سے ناراض ہوں جس سے وہ راضی نہیں ہیں آپ نے مدینہ طیبہ میں ایک قول ہے کوفہ میں ۳۱ھ یا ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں وفات پائی ان کی عمر شریف باسٹھ سال کی ہوئی آپ سے خلفاء اربعہ اور دیگر صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اجمعین نے روایتیں لی ہیں۔

ایمن ابن ام ایمن رضی اللہ عنہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم ایمن ابن ام ایمن رضی اللہ عنہ تھے یہ پانی کی چھاگل اٹھانے والے تھے یہ روزِ حنین شہید ہوگئے۔

ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ: ایک خادم ربیعہ رضی اللہ عنہ بن کعب اسلمی تھے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وضو کا پانی مہیا کرتے تھے اور اصحاب صفہ میں سے تھے اور صحبت قدیم رکھتے تھے اور سفر وحضر میں خدمت میں حاضر رہتے تھے انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایتیں بیان کی ہیں اور ان سے تابعین کی جماعت نے روایت لی ہیں بخاری نے ان کی ایک حدیث نقل کی ہے انہوں نے واقعہ حرہ کے بعد ۶۳ھ میں وفات پائی۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ: ایک خادم حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ تھے جو دوران سفر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ کھینچتے تھے امام ذہبی نے کاشف میں ان کی تعریف اس طرح بیان کی ہے کہ وہ میر کبیر، شریف، فصیح، مقری، فرضی شاعر صحابی تھے غزوۂ بحیرین کا والی بنایا گیا اور انہوں نے مصر میں وفات پائی جبکہ وہ امیر معاویہ کی جانب سے اپنے بھائی عتبہ بن ابی سفیان کی معزولی کے بعد مصر کے والی ہوگئے تھے وہ مصر میں ۵۸ھ میں فوت ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے روایت کی ہے اور ان سے صحابہ میں سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور تابعین میں سے خلق کثیر نے روایت لی ہے (کذا فی جامع الاصول) ان سے مروی ہے انہوں نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ کھینچ رہا تھا اور پہاڑی راستہ تھا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عقبہ رضی اللہ عنہ سوار ہو جاؤ مگر میں نے اسے بزرگ جانا کہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرکب پر سوار ہوں پھر میں ڈرا کہ معصیت ہو جائے گی حکم شریف بجالانا چاہیے چنانچہ میں سوار ہوگیا اور جلدی ہی اتر آیا اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کو کھینچا پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کیا میں تمہیں ایسی دو سورتیں بتاؤں اور سکھاؤں جنہیں لوگ پڑھیں میں نے عرض کیا ضرور یا رسول اللہ بتائیے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں فرمایا وہ دو سورتیں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ہیں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ملاحظہ فرمایا کہ میں ان دونوں سورتوں سے مسرور نہ ہوا مطلب یہ کہ ان دونوں سورتوں کی افضلیت اور خیریت سے ان تمام قرآنی سورتوں کے مقابلہ میں خصوصاً سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ وغیرہ سے جو کہ تمام سورتوں سے افضل واعلیٰ ہیں۔ میں مسرور نہ ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کے لیے اُترے اور ان دونوں سورتوں کے ساتھ نماز صبح پڑھی جو کہ سب سے چھوٹی سورتوں میں سے ہیں اور میری طرف نگاہ کرم کر کے فرمایا تم

نے دیکھ لیا مطلب یہ کہ تم نے دیکھا میں نے انہیں دونوں سورتوں کی خیریت اور افضلیت' استعاذہ کے باب میں ہے جو جسمانی و روحانی تمام آفتوں اور بلاؤں کے دفعیہ کو شامل ہیں سفر میں نماز صبح میں پڑھنا بھی اسی بنا پر ہے اسے امام احمد ابوداؤد اور انسائی نے روایت کیا ہے امام احمد کی روایت میں ہے کہ فرمایا میں تمہیں تین سورتیں بتاؤں جو توریت و انجیل اور فرقان میں ہیں میں نے عرض کیا ''ضرور یا رسول اللہ'' فرمایا تم قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھا کرو۔

حضرت سعد مولیٰ ابی بکر رضی اللہ عنہما: ایک خادم سعد مولیٰ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما تھے بعض سعید نام بتاتے ہیں مگر سعد زیادہ صحیح و مشہور ہے انہیں صحبت کا شرف حاصل تھا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتے تھے ان سے امام حسن بصری روایت کرتے ہیں اور ان سے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ایک حدیث روایت کی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کھجوریں پیش ہوئیں پھر لوگوں نے دو دو ملا کر اٹھانا شروع کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو دو ملا کر نہ کھاؤ ذہبی نے اسی طرح بیان کیا ہے استیعاب میں کہا گیا ہے کہ حسن بصری نے سعد رضی اللہ عنہ مولی ابی بکر سے روایت کی ہے حالانکہ ان سے مروی کوئی حدیث نہیں پائی جاتی مگر ابی عامر کے نزدیک ابی الحرار صالح بن رستم سے اور انہیں کو سعد بھی کہتے ہیں اور سعید اکثر واضح ہے ان کا شمار اہل بصرہ میں کیا جاتا ہے اور وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتے تھے ان کے حوال میں صرف اتنا ہی لکھا ہوا ہے ان کا نسب و حسب تحریر نہیں ہے بجز اس کے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔

افلح رضی اللہ عنہ بن شریک: ایک خادم افلح بن شریک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راحلہ والے تھے صاحب مواہب نے کہا کہ طبری نے ربیع بن بدر اور اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا مجھ سے ایک شخص نے بتایا جس کا نام افلح تھا اس نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے افلح اٹھو اور اونٹ پر راحلہ باندھو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے جنابت لاحق ہوگئی ہے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے پھر جبریل علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں آئے اور تیمم کی آیت لائے اور اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے افلح! اُٹھو اور تیمم کرو میں نے تیمم کیا اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے راحلہ باندھا اور روانہ ہوئے یہاں تک کہ ایک چشمہ پر پہنچے تو فرمایا اے افلح جلدی سے اس شیریں پانی سے غسل کر لو افلح بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کا طریقہ یہ بتایا کہ ایک ضرب منہ کیلئے اور دوسری ضرب کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کیلئے مارو۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ: ایک خادم حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے ان کا نام جندب بن جنادہ ہے اعیان صحابہ اور زہاد میں سے ہیں مکہ مکرمہ میں چوتھے یا پانچویں اسلام لانے والے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بہت عبادت الٰہی کیا کرتے تھے ان کا مذہب ذخیرہ کرنے اور روپیہ سونا جمع کرنے کی حرمت پر ہے ان کے حالات عجیب و غریب اور ان کے مناقب بلند و رفیع ہیں۔

ان کے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان آیۂ کریمہ: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں کے بارے میں نزاع واقع ہوا اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت اہل کتاب کی شان میں ہے اور انہوں نے ان کی شکایت امیر المومنین سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو لکھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو شام سے مدینہ طیبہ بلا کر موضع ربذہ بھیج دیا یہ مقام مدینہ طیبہ سے تین منزل کے فاصلہ پر ہے وہیں انہوں نے سکونت اختیار کی اور ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں وفات پائی اصابہ میں ہے کہ ۳۲ھ پر ہی اکثریت ہے ان کی نماز جنازہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پڑھی جبکہ وہ کوفہ سے آئے

تھے۔اوران پر بہت دیر تک روتے رہے اور فرمایا: ''اَخِیْ وَخَلِیْلِیْ عَاشَ وَحْدَهٗ وَفَاتَ وَحْدَهٗ وَیُبْعَثُ وَحْدَهٗ وَطُوْبٰی لَهٗ'' یعنی اے میرے بھائی اور میرے دوست تنہا زندگی گزاری تنہا رحلت پائی اور تنہا اٹھو گے خوشی ہو ان کے لیے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود کے ساتھ کئی انصاری اشخاص بھی تھے ان کے ساتھ چادریں تھیں ان کے آنے کے دس دن بعد رحلت فرما گئے اصابہ میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ ربذہ میں پڑھی اس کے بعد وہ مدینہ طیبہ آ گئے اس کے کچھ عرصہ بعد وہ بھی رحلت فرما گئے اور حضرت ابن مسعود کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہی اختلاف لاحق ہوا جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو تھا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا مکہ سے آنے اور ان کے اسلام لانے کا قصہ عجیب وغریب ہے حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے زیادہ راست گو شخص پر آسمان نے کسی پر سایہ نہ کیا اور نہ زمین نے کوئی بوجھ اٹھایا مروی ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنی عبادت میں حضرت عیسیٰ کے ساتھ مساوات رکھتے ہیں ایک روایت میں آیا ہے کہ جسے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھے ایک روایت میں آیا ہی کہ جو یہ چاہتا ہے کہ ہدایت زہد نیکی اور عبادت میں حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے زیادہ مشابہ لوگوں میں دیکھے تو وہ ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیکھے ایک روایت میں بروصدق نیکی یعنی وراست گوئی ایک روایت میں خلق وخلق یعنی خصلت وپیدائش آیا ہے ابن عبدالبر استیعاب میں نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر عالم نزع طاری ہوا تو ان کی والدہ اور ان کی بیوی رونے لگیں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کس چیز نے تم کو رونے پر مجبور کیا؟ انہوں نے کہا ہم کیوں کر آپ پر نہ روئیں جبکہ آپ ایک بیابان افتادہ زمین میں سکونت پذیر ہیں اور ہمارے پاس کپڑا بھی نہیں کہ اس میں ہم آپ کو کفن بھی دے سکیں آپ نے فرمایا میں تمہیں خوشخبری سناتا ہوں جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ایک جماعت سے فرمایا جن میں میں بھی تھا کہ تم میں سے ایک بیابان کی زمین میں رحلت کرے گا اور مسلمانوں کی ایک جماعت پہنچے گی چنانچہ اس جماعت میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہوا اور سبھی اپنی قوم میں فوت ہوئے لہٰذا خدا کی قسم میں ہی وہ شخص ہوں جس کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور فرمایا جاؤ اور راستہ پر نظر ڈالو کہ کوئی جماعت آ رہی ہے ان کی زوجہ نے کہا یہ کونسا وقت کسی جماعت کے آنے کا ہے کیونکہ حاجی لوگ جا چکے اور راستہ بند ہو گیا ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جاؤ دیکھو اور خوب غور سے دیکھو وہ بیان کرتی ہیں کہ میں ایک ٹیلہ پر چڑھی اچانک میں نے دیکھا کہ ایک جماعت آ رہی ہے جو کیکر کی لکڑیوں پر چادر تانے ہوئے ہے میں نے اپنے آپ کو ان کے پاس پہنچایا جب انہوں نے مجھے دیکھا تو انہوں نے کہا اے اللہ کی بندی تیرا کیا حال ہے اور تو کون ہے میں نے کہا ایک مسلمان شخص کے نزع کا عالم ہے اس کیلئے کفن درکار ہے انہوں نے پوچھا وہ کون شخص ہے؟ میں نے کہا ابوذر رضی اللہ عنہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی؟ میں نے کہا ہاں اس کے بعد انہوں نے پہلے اپنے آباؤ امہات کی تعزیت کی پھر وہ ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اس پر ان سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمہیں ایک خوشخبری سناتا ہوں جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے حضور اکرم نے ایک ایسی جماعت سے فرمایا جس میں میں بھی تھا کہ تم میں سے ایک شخص بیابان کی زمین میں انتقال کرے گا اور اس کے پاس مسلمانوں کی جماعت حاضر آئے گی تو جماعت میں کوئی ایسا نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اپنی قوم وجماعت میں فوت ہوا ہے خدا کی قسم میں جھوٹ نہیں کہتا اور فرمایا اگر ہوتا میرے پاس یا میری بیوی کے پاس اتنا کپڑا جو کفن کو کفایت کرتا تو میں اسی میں کفن دیا جاتا اور میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص مجھے کفن نہ دے جو امیر ہو یا عریف یا قاصد یا نقیب اس جماعت میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جس میں ان صفات میں سے کوئی صفت موجود ہوتی اس پر ایک انصاری جوان نے کہا اے چچا میں آپ کو اس چادر کا کفن دوں گا جو میرے پاس ہے اور جامہ دان میں محفوظ ہے جسے میری باندی نے کاتا

اور بنا ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم مجھے اس کا کفن دینا چنانچہ اس انصاری نے اسی چادر کا کفن دیا اور نماز کیلئے کھڑے ہوئے اور انہوں نے ان کو دفن کیا رضی اللہ عنہم اجمعین وغفر لنا بہ برکتہم وبہ برکتہ عبادہ الصالحین ۔ آمین نیز صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے لوگوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیسے تھے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا وہ ایسے شخص تھے جو ہر ایسی چیز کا علم یاد رکھتا تھا جس سے لوگ عاجز رہ جاتے تھے اور جب تک وہ زندہ رہے ان کے اسرار کو نہ کھولا اور نہ ان کی کوئی چیز ظاہر کی۔

مہاجر مولیٰ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا: ایک اور خادم مہاجر نام کے سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے صحابہ کرام میں نام کے مہاجر بہت ہیں ایک مہاجر رضی اللہ عنہ بن حبیب ہیں جن سے سمعہ دریا کے بارے میں ایک حدیث مروی ہے دوسرے مہاجرین قنفذ ہیں جو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور جن کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هُوَ الْمُهَاجِرُ حَقًّا اس پر لوگوں نے جانا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ان کا نام بیان فرمانا ہے تیسرے مہاجر مکی ہیں جن سے مشکوٰۃ میں حدیث مروی ہے ان کا ذکر ان کتابوں میں میں نے نہیں پایا چوتھے مہاجر مولیٰ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا اور ان کو اہل مصر میں سے شمار کیا جاتا ہے صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ یہ وہی ہیں جنہوں نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریفین میں دو ۲ تسمے تھے یا وہ مہاجر بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ ہیں جو ربیع بن زیاد کے بھائی ہیں اور ایک مہاجر اور ہیں جن کے بارے میں ''مہاجر رجل من الصحابہ'' مذکور ہے وہ بھی روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک میں ۲ تسمے تھے اور ایک مہاجر رضی اللہ عنہ بن مسعود ہیں ''اصابہ'' میں کہا گیا ہے کہ ان کو صحابہ میں شمار کرنا وہم ہے۔

حنین: ایک اور خادم حنین (دونوں سے) عبداللہ کے والد اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بجالاتے تھے تو ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بخش دیا اور کاشف میں کہا گیا ہے کہ حنین مولیٰ ابن عباس ہیں لیکن اس کے حاشیہ میں ''تہذیب'' سے لکھا ہوا ہے کہ حنین والد عبداللہ بن حنین ہیں ہاشمی نے اس کو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا نسائی میں ان سے ایک حدیث معصفر یعنی چڑیوں کی ممانعت میں مروی ہے اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ نے روایت کیا ہے اور کہا کہ عبداللہ بن حنین علی سے محفوظ ہیں۔

نعیم: ایک اور خادم نعیم رضی اللہ عنہ بن ابی ربیعہ اسلمی یا نعیم بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بن کعب اسلمی تھے۔ ابن مندہ نے ان کو صحابہ میں ذکر کیا ہے اور ان کی حدیث ابراہیم بن سعد نے محمد ابن اسحٰق سے انہوں نے محمد بن عطا سے انہوں نے نعیم بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نعیم بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔

ابوالحمراء: ایک اور خادم ابوالحمراء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور خادم تھے ان کا نام ہلال رضی اللہ عنہ بن الحارث ہے لیکن یہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور تھے اور حمص آ کے رہے بعض نے کہا کہ بن ظفر نام ہے ابن عیسیٰ نے اس کو تاریخ حمص میں نقل کیا ہے انہوں نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے تو فرماتے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا استیعاب میں ذکر کیا ہے اصابہ میں بخاری سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ان کی صحبت تو ثابت شدہ ہے مگر ان کی حدیث صحیح نہیں ہے۔

ابو السمح رضی اللہ عنہ: ایک اور خادم ابوالسمح رضی اللہ عنہ تھے ان کا نام اباذ ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور خادم ہیں ان سے محل بن خلیفہ نے ایک حدیث روایت کی ہے جسے ابوداؤد ابن ماجہ اور نسائی لائے ہیں اصابہ میں کہا گیا ہے کہ اہل سیر کہتے ہیں

ان کا نام اباد ہے اور نبی کے خادم ہیں ابوذرعہ نے کہا کہ نہ میں ان کو پہچانتا ہوں اور نہ ان کا نام جانتا ہوں البتہ ان کی حدیث معلوم ہوئی ہے جسے ابن خزیمہ ابوداؤ دنسائی ابن ماجہ اور بغوی نے بطریق یحییٰ بن ولید بیان کیا ہے وہ یہ کہ ہم سے محل بن خلیفہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا ارادہ فرماتے تو اپنی پشت مبارک مجھ سے ملواتے تھے بزاز نے کہا ابوالسمح کی اس حدیث کو اس سند کے سوا میں نہیں جانتا لوگ کہتے ہیں کہ وہ شہید ہوئے اور معلوم نہ ہوا کہ کیا ہوا یہ تیرہ اصحاب ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں سے ہیں جسے مواہب لدنیہ میں بیان کیا گیا ہے

بارگاہ نبوت کی خدمت گزار عورتیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کرنے والی عورتیں بھی تھیں ان میں سے ایک

ام ایمن رضی اللہ عنہا: ام ایمن ہیں جو حبشی ہیں اور ان کا نام برکت ہے اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ہیں۔ ان کا تذکرہ اعمام وعمات کے آخر میں تقریباً گزر چکا ہے اب اس کی اعادہ کی حاجت نہیں ہے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے جلد کی سیاہی اپنی والدہ کی وجہ سے ہے اگر چہ ان کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سفید رو خوبصورت تھے۔

خولہ رضی اللہ عنہا: ایک اور خادمہ حفص کی دادی ہیں۔ مواہب لدنیہ اور روضۃ الاحباب میں اتنا ہی بیان کیا گیا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھا گیا جب میں نے ان کے نام اور ان کے احوال کی بہت جستجو کی تو یہ نام بہت سے پائے یہاں تک کہ شیخ حافظ امام ابن حجر عسقلانی کی کتاب ''الاصابہ فی معرفتہ الصحابہ'' کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے اس نام کے تقریباً تیس افراد بیان کیے ہیں اور ایک دوسرے کے اتحاد وتغایر میں بحث فرمائی ہے اور کسی ایک کو اس عنوان کے ساتھ کہ وہ حفص کی دادی تھیں اس سے معنون نہ پایا گیا تا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ خولہ رضی اللہ عنہ تک رسائی ہوئی اور شیخ نے فرمایا کہ ابوعمرو نے کہا کہ ان سے حفص بن سعد نے اپنے والد کے ذریعہ خولہ رضی اللہ عنہا سے تفسیر والضحیٰ میں روایت کی ہے اور ابوعمرو نے کہا کہ اس حدیث کی سند ایسی نہیں ہے جس کے ساتھ حجت لائی جائے پھر شیخ اس حدیث کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے ابوبکر بن ابی شیبہ اور طبرانی نے بطریق ابی نعیم ملائی حفص سے وہ اپنے والد سے وہ اپنی ماں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھیں تخریج کی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک کتے کا بچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں گھس کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی کے نیچے آ گیا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح فرمائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سخت اندوہ گیں تھے میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اس کا سبب کیا ہے؟ فرمایا آج رات جبریل علیہ السلام نہیں آئے اور مجھے معلوم نہیں کہ اس کی وجہ کیا ہے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک اوڑھی اور گھر سے باہر تشریف لے آئے اور مجھ سے فرمایا جھاڑو سے گھر کو خوب صاف کر دو پھر میں نے جھاڑو لے کر گھر کی صفائی شروع کر دی اچانک میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی کے نیچے کتے کا بچہ مرا پڑا ہے میں نے اسے نکال کر پھینک دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں گھر میں تشریف لائے کہ آپ کی ریش مبارک لرز رہی تھی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے آئے تو وحی کے آثار نمودار ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کانپنے لگے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے خولہ رضی اللہ عنہا مجھے تنہا چھوڑ دو یعنی گھر سے باہر چلی جاؤ۔ اس وقت سورۂ والضحی واللیل اذا سجی آخر سورۃ تک نازل ہوئی (انتہی) یہ کاتب الحروف عفا اللہ عنہ یعنی صاحب مدارج النبوۃ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی مانند مشکوۃ میں بروایت حضرت ابن عباس، سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے اور مسلم کی روایت ان لفظوں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک دن سخت رنج وغم میں صبح کی فرمایا مجھ سے جبریل علیہ السلام نے آج رات میرے پاس آنے کا وعدہ کیا تھا مگر وہ نہیں آئے تمہیں خبردار رہنا چاہیے کہ جبریل علیہ السلام نے خدا کی قسم کبھی مجھ سے وعدہ خلافی نہیں کی یعنی بغیر عذر اور بغیر سبب کے تو وہ عذر کیا ہوگا جو وہ نہیں آئے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خود بخود القا ہوا کہ آپ کے خیمہ میں ایک کتے کا بچہ پڑا ہوا ہے اور حکم دیا کہ اس کو خیمہ سے نکال باہر پھینکو اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک میں پانی لیا اور اس جگہ چھڑکا پھر جب رات آئی تو جبریل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبریل علیہ السلام تم نے مجھ سے کل رات آنے کا حتمی وعدہ کیا تھا؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا بے شک میں نے وعدہ کیا تھا لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہو سکتے جس میں کتا اور تصویر ہو اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے باغوں کے کتوں کو مارنے اور بڑے باغوں کے کتوں کو ان کی محافظت کی خاطر کہ وہ باغ کی رکھوالی کرے چھوڑنے کا حکم دیا۔ شکار اور حویلی کی حفاظت اور کھیت اور باغ کی رکھوالی کیلئے کتا رکھنا جائز ہے۔ (رواہ مسلم)

ام رافع رضی اللہ عنہا: ایک اور خادمہ سلمی ام رافع زوجہ ابورافع رضی اللہ عنہا مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابیہ ہیں۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی اور خادمہ ہیں اور اسد الغابہ میں کہا گیا ہے کہ سلمیٰ صفیہ بنت عبدالمطلب کی باندی اور ابورافع کی زوجہ ہیں۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھیں اور بنی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دایہ اور حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ تھیں اور انہوں نے ہی سیّدہ فاطمۃ الزہرا کو ان کے شوہر حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ غسل دیا (رضی اللہ عنہما) اور خیبر میں شریک تھیں ان سے ان کے حفید عبداللہ بن علی نے حدیث عذبت امراۃ فی ھرۃ کو روایت کیا ہے۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابورافع مولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ابورافع کی شکایت کرتی ہوئی آئیں کہ وہ اسے مارتے ہیں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع سے فرمایا: اے ابورافع اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو اور کیوں تم اسے مارتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ مجھے ایذا پہنچاتی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سلمیٰ رضی اللہ عنہا تم کیوں انہیں ایذا پہنچاتی ہو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں انہیں کچھ ایذا نہیں پہنچاتی لیکن انہوں نے نماز کی حالت میں حدث کیا یعنی بے وضو ہو گئے اس پر میں نے کہا اے ابورافع اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جب ان کے جسم سے کوئی ہوا وغیرہ نکلے تو وہ وضو کرے اس پر یہ کھڑے ہو کر مجھے مارنے لگے یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرمانے لگے اور فرمایا اے ابورافع سلمیٰ نے تمہیں بھلائی اور خیر کا ہی حکم دیا ہے تم اسے نہ مارو ان سے یہ حکایت عجیب ہے ممکن ہے کہ انہوں نے حدث سے وضو ٹوٹنے کا حکم نہ سنا ہو اور سلمیٰ نے اپنے قول میں اس طرف اشارہ کیا کہ اللہ کے نبی نے مسلمانوں کو حدث کے بعد وضو کرنے کا حکم دیا ہے اور ابورافع سے بھی بعید ہے چونکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور خادم ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفری ساز و سامان ان کے سپرد رہتا تھا بعض کہتے ہیں کہ وہ پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے غلام تھے پھر انہوں نے ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور جب انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی خوشخبری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا ان کا نام ثابت یا یزید ہے ان پر ان کی کنیت غالب آ گئی وہ غزوۂ احد اور خندق میں شریک تھے بعض کہتے ہیں کہ ابورافع کا اسلام غزوہ بدر سے پہلے کا ہے مگر وہ بدر میں شریک نہ تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باندی سے ان کا نکاح کر دیا تھا اور ان سے رافع پیدا ہوئے۔ (رضی اللہ عنہما)

میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا: ایک اور خادمہ میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی ہیں ان سے

حدیث روایت کی گئی ہے اور جماعت کثیرہ نے ان سے حدیث اخذ کی ہے ان کی حدیث شام والوں کیلئے اور بیت المقدس کے فضائل اور سخن چینی اور پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنے پر عذاب قبر ہونے اور لباس وغیرہ کے بارے میں ہے۔

ام عیاش رضی اللہ عنہا: ام عیاش سیّدہ رقیہ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا کرتی تھی اس طرح کہ میں کھڑی ہوتی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوتے تھے اور وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میں نے سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح نہیں کیا مگر آسمانی وحی کے ذریعہ۔

یہ ہیں وہ اسماء ان مردوں اور عورتوں کے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بجالاتے تھے جن کو مواہب لدنیہ میں بیان کیا گیا ہے صاحب روضۃ الاحباب نے کہا ہے کہ اہل سیر کی کتابوں میں اکیس مرد اور گیارہ عورتیں خدام بارگاہ سے نظر سے گزری ہیں ان میں سے جو باقی ہیں ان کو بھی ہم بیان کرتے ہیں اور جس قدر ان کے احوال معلوم ہوسکے ان کو بھی لاتے ہیں (و باللہ التوفیق)

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ: ایک صحابی خادم حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہیں جو مؤذن تھے ان کے فضائل و مناقب بہت زیادہ ہیں ان کی منقبت میں صرف یہی روایت کافی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَـا سَـابِـقُ الْعَـرَبِ وَبِلَالٌ سَـابِقُ الْحَبْشَةِ (الحدیث) اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اَبُـوْبَـكْـرٍ سَيِّدُنَا اَعْتَقَ سَيِّدَنَا يَعْنِيْ بِلَالًا" رواہ البخاری وہ دمشق میں ۲۰ھ میں فوت ہوئے ایک قول ہے کہ ۱۸ھ میں فوت ہوئے ان کی عمر شریف کچھ اوپر ساٹھ سال کی ہوئی ایک روایت ستر کی بھی ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نفقات کی خدمت ان کے سپرد تھی مؤذنوں کے بیان میں بھی ان کا ذکر شریف آئے گا۔

دومخمر رضی اللہ عنہ: ایک صحابی خادم دومخمر ہیں (بکسر میم وسکون خاو فتح میم ثانی) اور دومخبر باء کے ساتھ بجائے میم کے بتاتے ہیں جو نجاشی شاہِ حبشہ کے بھانجے تھے روضۃ الاحباب میں ایسا ہی کہا ہے اور صاحب استیعاب نے ذومخبر بنایا ہے مگر ان کو ذومخمر ہی کہا جاتا تھا اور کہا کہ اوزاعی نے ان کے نام میں انکار کیا ہے مگر ذومخمر میم کے ساتھ ہے اس کے سوا نہیں اور کہا کہ نجاشی کا بھتیجا ہے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی حدیثیں مروی ہیں اور ان کو اخذ کرنے والے شامی حضرات ہیں اور وہ انہیں میں شمار کیے گئے ہیں (انتہی) صاحب قاموس نے بھی نجاشی کا برادرزادہ کہا ہے "کاشف" میں بھی ایسا ہی کہا ہے اور کہا کہ وہ صحابی ہیں یہ شام منتقل ہو گئے تھے اور وہیں وفات پائی ان سے حضرت جبیر بن نفیر اور خالد بن معدان وغیرہ بہت سے لوگوں نے روایت کی ہیں جامع الاصول میں کہا گیا ہے کہ ذومخمر (بکسر میم وسکون خاء و فتح باء) نجاشی کے برادرزادہ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے ایک قول ہے ذومخمر میم کے ساتھ بجائے باء کے ہے وہ شامیوں میں شمار کیے گئے ہیں اور انہیں میں ان کی حدیثیں ہیں اور یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب روضۃ الاحباب کا یہ قول کہ وہ نجاشی کا خواہرزادہ یعنی بھانجے ہیں سہو ہے۔

بکیر بن شداخ لیثی رضی اللہ عنہ: ایک صحابی خادم بکیر رضی اللہ عنہ (بکسر باء بصیغہ تصغیر) بن شداخ (بشین معجمہ وتشدید دال) روضۃ الاحباب میں ایسا ہی ہے اور اصابہ میں بکیر بن شدخ رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے اور بکسر بھی کہتے ہیں یہ ان اصحاب میں سے تھے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتے تھے ان کا ایک قصہ ہے جسے اشعث انصاری رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں بطریق ابی بکر ہذلی عبدالملک یعلی لیثی سے بیان کیا گیا ہے کہ بکیر بن شداخ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد معدلت گستر میں ایک یہودی کو قتل کر دیا اس پر حضرت عمر فاروق منبر پر تشریف لائے اور فرمایا میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں مجھے اس شخص کی تلاش ہے جس کے علم میں یہ بات ہو کہ وہ مجھے پورے واقعہ کی خبر دے اس پر بکیر بن شداخ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں اس بات کو زیادہ جانتا ہوں اس پر حضرت عمر نے اللہ اکبر کہا بکیر نے کہا کہ فلاں شخص جو غزوے میں تھا وہ باہر آیا اور اس نے اپنی اہل کا مجھے وکیل بنایا

پھر میں اس کے پاس گیا وہاں اس یہودکو میں نے پایا کہ وہ کہتا تھا۔

واشعت عزة الاسلام حتٰی خلوت بفراسه لیلة الفحام

تو میں نے اسے قتل کر دیا حضرت فاروق اعظم نے اس کے قول کی تصدیق کی اور اس کے قصاص کو باطل کر دیا اور یہی اشعث رضی اللہ عنہ ہے جو لشکر اسلام میں جہاد میں تھا اس کا ایک بھائی تھا اس بھائی کی زوجہ نے اس بھائی سے کہا تو اپنے بھائی کی بیوی کے ساتھ پسند کرتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی مرد ہو یا اس کے بستر پر لیٹے اور یہ اشعار پڑھے اس پر اس کو قتل کر دیا ممکن ہے کہ ان اشعار میں اس کے ساتھ ہونے کا اقرار ہو اور اس پر زنا ثابت ہوتا ہو (واللہ اعلم)

شریک رضی اللہ عنہ: ایک خادم شریک ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں شریک نام کے بہت ہیں جن سے ان کا دیکھنا اور ان کی روایت ثابت ہے اور چند ایسے بھی ہیں جن کی صحابیت میں اختلاف ہے لیکن کسی شخص کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی نسبت نہیں کی گئی ہے (واللہ اعلم)

اسعد بن مالک اسدی رضی اللہ عنہ: ایک خادم اسعد بن مالک اسدی ہیں اسعد نام کے صحابہ میں بہت ہیں لیکن اس عنوان سے معنون کتابوں میں نہیں پایا گیا۔ (واللہ اعلم)

ثعلبہ بن عبدالرحمٰن انصاری رضی اللہ عنہ: ایک خادم ثعلبہ بن عبدالرحمٰن انصاری ہیں یہ بھی اس نسبت کے ساتھ کتابوں میں نہیں پائے گئے بجز اس کے کہ استیعاب میں عبدالرحمٰن بن ثعلبہ انصاری رضی اللہ عنہ سے قطع سرقہ کی حدیث مذکور ہے۔ (واللہ اعلم)

جزء بن مالک رضی اللہ عنہ: ایک خادم جزء بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں (بفتح جیم وسکون زاد ہمزہ) اور بعض نے (بکسر زاء اور یا) کے ساتھ کہا ہے اور بعض نے زاء مشددہ کہا ہے جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ (رضی اللہ عنہ)

سالم: ایک خادم سالم ہیں سالم نام کے بھی صحابہ میں بہت ہیں ایک سالم مولائے ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ فضلائے موالی اور اخیار صحابہ واکابر اصحاب میں سے ہیں ان کی اصل فارس کے اصطخر سے ہے اور قراء میں ان کا شمار ہے حدیث میں آیا ہے کہ قرآن کو ابن ام عبد ابن کعب اور سالم مولا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ سے حاصل کرو اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے سیکھو یہ مہاجرین اولین کی امامت کرتے تھے اور ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہا بن عبدالاسد بھی تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کی تعریف میں مبالغہ فرماتے تھے وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

ایک اور سالم بن عبید اشجعی رضی اللہ عنہ ہیں اور اہل صفہ میں سے ہیں انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے حالانکہ وہ نوجوان تھے اور گیسو رکھتے تھے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے دعا فرمائی اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے طہارت کی۔

ایک اور سالم ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں سے ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھنے لگاتے اور سینگی کے خون مبارک کو پی جاتے تھے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ تمام خون حرام ہے۔

ایک اور سالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور سالم ان کے سوا بھی بہت ہیں معلوم نہیں ہوتا کہ کون سے سالم کو خدام میں شمار کیا گیا ہے مگر ظاہر یہ ہوتا ہی کہ یہی سالم مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے ان عزیزوں پر تعجب ہے کہ ان اسماء کی موجودگی میں کوئی ایسی علامت نہیں بیان کی جس سے امتیاز ہو سکے تاکہ طالبان علم کو اس کی جستجو وتلاش میں آسانی پیدا ہو جائے خصوصاً جبکہ ناموں میں بہت زیادہ افراد میں اشتراک موجود ہے۔

سابق بن حاطب رضی اللہ عنہ: ابن عبدالبر سے استیعاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت سابق بن حاطب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں اور ان سے ایک حدیث روایت کی گئی ہے اور ان کی صحابیت میں بھی اختلاف کیا گیا ہے کہتے ہیں کہ یہ صحت کونہیں پہنچا ہے کہ یہ سابق صحابہ میں سے ہیں

سلمٰی رضی اللہ عنہ: سلمٰی رضی اللہ عنہا اسماء میں ظاہر نہیں ہوا ممکن ہے کہ سلمہ ہو اور سلمہ نام کے بہت ہیں (واللہ اعلم)

ابوسلام رضی اللہ عنہ: کاشف میں کہا گیا ہے کہ ابوسلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں تہذیب میں ان سے ابن ناجیہ نے روایت کیا ہے اور کہا کہ ''خلیفہ'' نے انہیں صحابہ میں ذکر کیا ہے اور ان سے ابن ماجہ نے بروایت سابق ابوسلام رضی اللہ عنہ خادم النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اس کے بعد ایک حدیث روایت کی جو ابوداؤد کے نزدیک ذکر میں واقع ہوا ہے کہ سابق نے ناجیہ سے انہوں نے ابوسلام سے روایت کیا ہے اس کے بعد ایک حدیث روایت کی کہ وہ مسجد دمشق میں تھے لوگوں نے کہا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے اور استیعاب میں منقول ہے کہ ابوسلام ہاشمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور غلام ہیں ان کو خلیفہ نے صحابہ میں موالی بنی ہاشم بن عبدمناف میں سے بیان کیا ہے اور ابوعقیل نے سابق بن ناجیہ سے انہوں نے ابوسلام خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرمایا کوئی بندہ ایسا نہیں جو تین مرتبہ یہ پڑھے کہ: رَضِيتُ بِاللهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا مگر یہ کہ حق تعالیٰ کے ذمہ اس کے کرم پر ہے کہ اسے روز قیامت راضی فرمائے نیز ابن عبدالبر نے فرمایا کہ جس نے ابوسلام کو ابوسلامہ کہا ہے خطا کی ہے (انتہی) اور یہ جو روضۃ الاحباب میں ابوسلام کو سالم کہا ہے ان کا تذکرہ نہیں پایا جاتا (واللہ اعلم بالصواب)

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ایک خادم وغلام ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہیں مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کھانا پکایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دست کا گوشت مجھے دو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دست کا گوشت بہت پسند تھا (الحدیث) قتادہ نے اس حدیث کو شہر بن جوشب سے انہوں نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا جیسا کہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں بیان کیا ہے اور فرمایا کہ میں ابوعبیدہ کے نام سے واقف نہیں ہوں (انتہی) ترمذی نے بھی شمائل النبوہ میں روایت کیا ہے کہ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبَانُ بْنُ يَزِيْدَ عَنْ حَوْشَبْ عَنْ اَبِىْ عُبَيْدَةَ قَالَ لَبَخْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِدْرًا وَّكَانَ يُعْجِبُهُ الذِّرَاعُ ۔ اور مشکوٰۃ میں مسند امام احمد سے ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور آخر میں کہا گیا رواہ الدامی عن ابی عبید اور اصابہ میں کہا گیا ہے کہ ابوعبیدہ مولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اصحاب میں سے ہیں جن کے نام نہیں معلوم ہو سکے اور ان سے ترمذی نے شمائل میں اور دارمی نے بروایت شہر بن حوشب روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی صحیح ہیں بجز شہر بن حوشب کے بغوی نے کہا کہ ان کو صحبت ملی ہے اور انہوں نے کہا کہ عباس نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ ابوعبیدہ جن سے شہر نے (جو صحابہ میں سے ہیں) روایت کی (انتہی) اکابر کی ان عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے حال میں ایک قسم کی پوشیدگی اور خفا ہے کہ ان کا نام معلوم نہیں ہے بخلاف ابورافع رضی اللہ عنہ کے کہ وہ مشہور ومعروف ہیں (واللہ اعلم)

ہند اور اسماء رضی اللہ عنہما: ہند اور اسما حارثہ رضی اللہ عنہما کے لڑکے ہیں استیعاب میں مذکور ہے کہ حارثہ اسلمی کے آٹھ لڑکے تھے اور یہ سب بیعت رضوان میں موجود تھے ہند، اسما، خراش، ذویب، فضالہ، سلمہ، مالک اور عمران رضی اللہ عنہ اور ان سب بھائیوں میں سے کوئی کسی غزوہ میں شریک نہ ہوا بغوی نے بھی ایسا ہی کہا ہے مقرن کی اولاد نے ان پر اعتراض کیا ہے (کذا فی الاصابہ) ان بھائیوں میں سے ہند اور اسما رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے تھے اور ہند یحییٰ بن ہند کے والد ہیں جن سے عبدالرحمٰن بن

حرملہ نے روایت کی ہے" کاشف" میں کہا گیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن حرملہ تابعی کوفی ہیں جو حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں اور ان سے قاسم بن حسان نے روایت کی ہے اور ان سے ابوداؤد و نسائی نے روایت کی ہے اور بخاری نے کہا ہے کہ ان کی حدیث صحیح نہیں ہے اور اصابہ میں وہ حدیث جو کہ عبدالرحمٰن بن حرملہ نے یحییٰ بن ہند سے روایت کی ہے یہ کہ منقول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلم کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے جو تیراندازی کر رہی تھی ان سے فرمایا اے اسمٰعیل کے فرزندو! تیراندازی کرو اس لیے کہ تمہارے جد امجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی تیراندازی کرتے تھے (الحدیث) پوری حدیث مشکوٰۃ میں سلمہ بن اکوع سے از حدیث بخاری کتاب الجہاد میں جہاد کے ساز و سامان کے ضمن میں مذکور ہے۔

ایک انصاری جوان خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی عمر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر کے قریب ہے اس جوان کا نام پانا اشکال سے خالی نہیں ہے ان کا نام ہی جب مذکور نہیں تو اسماء الرجال میں کس طرح تلاش کریں جامع الاصول میں مبہم ناموں کو بیان کیا گیا ہے لیکن اس جگہ بھی نہیں پایا گیا ممکن ہے کہ کسی حدیث میں اسی ابہام کے ساتھ کوئی متعین نام پایا جائے (واللہ اعلم) خدمت کرنے والی عورتوں کے نام گیارہ منقول ہیں ان میں سے پانچ تو مواہب لدنیہ میں لکھے ہوئے ہیں جن کو پہلے لکھ دیا گیا ہے باقی نام یہ ہیں۔

ایک خادمہ امتہ اللہ بنت زرینہ بضم راء و سکون راو سریا تشدید نون و تا در آخر ہیں دوسری خادمہ صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں ان سے امتہ اللہ بنت زرینہ کسوف میں روایت کی ہے یہ دونوں حضور کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ ہیں تیسری خادمہ خضرہ رضی اللہ عنہا ہیں اسلمٰی ام رافع سے مروی ہے کہ اور خضرہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں خدمت کرتی تھیں اور چوتھی میمونہ رضی اللہ عنہا بنت سعد خادمہ ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو آزاد فرمایا پانچویں زربیہ رضی اللہ عنہا ام عتبہ ہیں ظاہر یہ ہے کہ یہ زربیہ امتہ اللہ مذکور کی ماں ہیں (واللہ اعلم) چھٹی خادمہ ماریہ ام الرباب رضی اللہ عنہا ہیں ان کی کنیت ام الرباب ہے اہل بصرہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے سر کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جھکایا تا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیوار پھاند کر باہر تشریف لے جائیں جس رات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں سے مخفی ہو کر تشریف لے جا رہے تھے مخفی نہ رہنا چاہیے کہ ہجرت کی رات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر اس دریچہ سے جوان کی دیوار میں تھا تشریف لے جانا ہوا تھا یہ قصہ اس جگہ کا ہوگا یا کسی اور جگہ کا (واللہ اعلم)

ساتوں خادمہ ماریہ رضی اللہ عنہا دادی مثنیٰ بن صالح ہیں یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ میں سے ہیں جو کہ مثنیٰ بن صالح بن مہران مولیٰ عمرو بن رضی اللہ عنہ بن حریث کی دادی تھیں ان سے اہل کوفہ نے ایک حدیث روایت کی ہے جسے ابوبکر بن عباس نے مثنیٰ بن صالح سے انہوں نے اپنی دادی ماریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ سے مصافحہ کیا ہے اور میں نے کسی کی ہتھیلی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہ دیکھی۔

آٹھویں خادمہ سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا قبطیہ ام حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اگر ان کو اس جگہ شمار کرتے تو ہو سکتا تھا لیکن صاحب استیعاب نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی کہا ہے خادمہ نہیں کہا ہے خادمہ نہیں کہا ہے ان کے احوال سراری رسول کے ضمن میں مذکور ہو چکے ہیں بلکہ اس سے پہلے بھی سلاطین و امراء کے نام خطوط بھیجنے کے ضمن میں بھی ان کا ذکر گزر چکا ہے اس جگہ استیعاب میں ایک نادر حکایت بیان کی ہے جسے میں لکھتا ہوں وہ ثابت بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص سیّدہ ماریہ ابراہیم رضی اللہ عنہا ام ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متہم کرتا تھا تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اس کی گردن اڑا دو اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اس شخص کے پاس پہنچے اچانک دیکھا کہ وہ ایک کنویں میں اترا ہوا ہے اور نہا کر اپنے بدن کو ٹھنڈا کر رہا ہے پھر علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اس سے فرمایا باہر نکل کے آ حضرت علی

مرتضٰی نے اپنے ہاتھ اسے تھمایا اور وہ باہر آ گیا اچانک دیکھا کہ وہ تو خصی ہے اور جماع کا آلہ ہی نہیں ہے حضرت علی مرتضٰی کرم اس کے قتل سے باز آ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! ''نہ محبوب'' یعنی وہ تو نامرد ہے ابوعمرو نے کہا کہ یہ شخص جو متہم ہوا تھا سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے چچا کا لڑکا تھا جسے مقوقس نے سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بطور ہدیہ بھیجا تھا (انتہی) اس کا تذکرہ مقوقس کے تحائف کے ضمن میں مذکور ہو چکا ہے کہ ایک خواجہ سرا بھی اپنے ہدیوں میں اس نے بھیجا تھا وہ یہی شخص تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا شرف پانے والے یہ مرد اور عورتیں ہیں جن کو اہل سیر لکھتے ہیں ورنہ حقیقت یہ کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب خدام بارگاہ اور حاضرین مجلس رسالت پناہ تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس سے جو چاہتے خدمت کیلئے فرما دیتے البتہ کچھ حضرت خدمت کیلئے متعین تھے اور خدمتیں بھی متعین و خاص تھیں مواہب لدنیہ میں ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ زبیر بن العوام محمد بن مسلمہ اور چند دیگر اصحاب ایسے تھے جنکو کافروں کی گردن اڑانے کا (جو دین اسلام میں ان کا بہت بڑا کام ہے) حکم دیتے تھے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نفقات پر مقرر رہتے تھے اور معیقب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی انگوٹھی یعنی مہر شریف کی حفاظت کرتے تھے اور قیس رضی اللہ عنہ بن سعد بن عبادہ پاسبان کی حیثیت سے کوتوال کے منصب پر متعین تھے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

باب پنجم

در ذکر موالی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

موالی مولیٰ کی جمع ہے اور مولیٰ کے معنی بہت ہیں محب دوست مددگار مالک غلام معتق صاحب اور قریب اور ابن عم وغیرہ کے ہیں اور ہمسایہ ہم قسم حلیف ابن عم ودامن (ذیل) شریک ابن اخت اب ناصر منعم علیہ تابع اور صہر کے بھی ہیں (کذافی القاموس) ظاہر ہے کہ اس جگہ معنی معتق یعنی آزاد کردہ غلام کے ہیں جیسا کہ ان کے احوال کے ضمن میں معلوم ہوگا ان کے نام یہ ہیں زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بن شراحیل بن کعب کلبی اور ان کا نسب عمرو بن نخشب بن یعرب بن قحطان پر منتہیٰ ہوتا ہے۔

حضرت ابواسامہ رضی اللہ عنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور غلام سابقین اولین میں سے ہیں اور ان کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ قبیلہ معن بن طے سے تھیں منقول ہے کہ ایک دن ان کی والدہ اپنی قوم سے ملنے کیلئے گئیں اور بنی المعن بن جریر کے ایک گروہ نے جاہلیت میں کسی قوم کو لوٹا تھا اس کے بعد اس گروہ کا گزر بنی معن کی اس بستی پر ہوا جس قوم سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں اس گروہ نے حضرت زید کو اٹھالیا وہ اس زمانہ میں تقریباً سات آٹھ سال کے تھے اٹھا کر ان کو عکاظر کے بازار میں لائے یہ اس کے نواح میں ایک بازار کا نام تھا جہاں غلاموں کی خرید وفرخت ہوتی تھی یہاں ان کو حکیم بن خرام بن خویلد نے اپنی پھپھی سیّدہ خدیجہ بنت خویلد کیلئے چار سو درہم میں خرید لیا جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے تزوج فرمایا تو سیّدہ خدیجہ نے حضرت زید کو حضورِ اکرم کو ہبہ کر دیا جب اس کی خبر ان کی قوم کو ملی تو ان کے والد حارثہ اور ان کے چچا کعب حاضر ہوئے یہ فدیہ لے کر آئے تھے تاکہ ان کو غلامی سے چھڑائیں اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اختیار دیا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم میں جانا پسند کرتے ہیں یا وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس کو اپنی قوم پر ترجیح دیتے ہیں چونکہ انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان وکرم اور آپ کی رحمت وشفقت دیکھی تھی اس لیے انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ کے اوپر کسی کو ترجیح نہیں دیتا اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو لوگوں کے سامنے لائے اور فرمایا اے لوگو تم گواہ رہو میں نے زید رضی اللہ عنہ کو اپنا بیٹا بنالیا ہے وہ میرا متبنیٰ ہے وہ میرا وارث ہے اور میں اس کا وارث ہوں اس کے بعد لوگ ان کو زید بن محمد کہہ کر پکارنے لگے یہاں تک کہ اسلام کا دور آیا اور حق تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: اُدْعُوْهُمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللهِ منہ بولے بیٹوں کو ان کے اصلی باپ کے نام سے پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ صحیح ہے پھر ان کو زید بن حارثہ کہہ کر بلایا جانے لگا یہ پہلے شخص ہیں جو مردوں میں سب سے پہلے ایک قول کے بموجب اسلام لائے یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عمر میں دس سال زیادہ تھے اور ایک قول سے بیس سال اور یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خط وکتابت کے فرائض انجام دیتے تھے (کذا قیل) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنی باندی ام ایمن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا تو ان سے ان کا فرزند حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوا اس کے بعد ان کا نکاح حضرت زینب بنت جحش سے کر دیا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر وخندق اور حدیبیہ وخیبر میں شریک رہے ہیں اور حضرت زید تیر انداز صحابہ میں معروف تھے اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا خلیفہ بنایا جبکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ مریسیع کیلئے تشریف لے گئے تھے اور ان کو سات لشکروں پر امیر مقرر کیا گیا قرآن پاک میں کسی صحابی کا نام ذکر نہیں کیا گیا بجز حضرت زید رضی اللہ عنہ کے چنانچہ آیۂ کریمہ میں ہے:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا. الخ

البتہ بعض تفسیروں میں یہ آیا ہے کہ آیۂ کریمہ: كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ میں سجل ایک صحابی شخص کا نام ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کی مواخات اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے ساتھ قائم فرمائی تھی ان سے حضرت اسامہ بن زید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے یہ جنگ موتہ میں شہید ہو گئے اس روز وہ لشکر کے امیر تھے جیسا کہ گزر چکا ہے انہوں نے پچپن سال کی عمر پائی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں زید نامی ایک اور بھی تھے یہ زید بن حارثہ کے سوا تھے جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔

حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما: حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے فضائل بہت ہیں ان کی فضیلت میں اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ لوگ ان کو ''حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کہا کرتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آغوش مبارک میں ایک جانب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اور دوسری جانب حضرت اسامہ بن زید کو لیتے تھے اور دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے خدا یہ دونوں میرے محبوب ہیں تو بھی ان سے محبت فرما حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اسے لازم ہے وہ حضرت اسامہ سے محبت رکھے ان کے حالات اس کتاب میں کئی مقامات پر بیان ہو چکے ہیں اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت انیس یا بیس سال کے تھے اور انہوں نے پچھتر سال کی عمر پائی ان کے سن وفات میں اختلاف ہے ابن صفی نے کہا ہے کہ میرے نزدیک اصح یہ ہے کہ ان کی وفات ۵۱ھ میں بزمانہ امارت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہوئی اور بعض کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہے اور بعض حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد بتاتے ہیں ان سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عروہ بن زبیر ابوعثمان انموی اور بہت سے لوگوں نے روایت کی ہیں۔

ثوبان بن بجدومہ رضی اللہ عنہ: یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے ان کی کنیت ابوعبیدہ ہے اور ایک قول سے ابوعبدالرحمٰن تھے لیکن اول قول اصح ہے یہ ''سرۃ'' کے رہنے والے تھے جو مکہ و یمن کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ حمیر کے رہنے والے تھے منقول ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خرید کر آزاد فرمایا تھا اور ہمیشہ سفر و حضر میں یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں حاضر رہے یہاں تک کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جہاں سے تشریف لے گئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ شام چلے گئے اور مقام رملہ میں سکونت اختیار کی اس کے بعد حمص میں منتقل ہو گئے اور وہاں انہوں نے ایک سرائے بنائی تھی یہ ان لوگوں میں سے تھے جن سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں یاد کرتے تھے اور جتنی حدیثیں انہیں یاد تھیں وہ یاد کراتے تھے ان کی وفات ۵۴ھ میں ہوئی تابعین کی ایک جماعت کثیرہ ان سے روایت کرتی ہے اور ان سے چہار محدثین نے روایت کی ہے چنانچہ ابوداؤ نے بروایت عاصم از ابوالعالیہ از ثوبان روایت کی کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی میرے حکم کے تحت عہد کرے کہ کسی سے سوال نہ کرے گا تو میں اس کیلئے جنت کا ضامن ہوں گا اس بنا پر حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کسی سے کچھ نہ مانگتے تھے۔

ایک ابوکبشہ رضی اللہ عنہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں: یہ بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے ہیں ابن ہشام نے کہا کہ وہ فارس کے رہنے والے تھے ان کے سوا دوسروں نے کہا کہ وہ مکہ مکرمہ پیدا ہونے والوں میں سے ہیں اور بعض نے کہا کہ ''ارض اوس'' کے پیدا ہونے والوں میں سے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید کر آزاد فرمایا تھا ان کا نام سلیم ہے ابن حبان نے

بتایا کہ نام اوس ہے بعض نے کہا کہ سلمہ ہے جس دن حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے وہی دن ان کی وفات کا ہے ۱۳ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

واضح رہنا چاہیے کہ کفار قریش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کہتے تھے اس کی وجہ میں بعض کہتے ہیں کہ ابو کبشہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے تھے والدہ مطہرہ کی جانب سے کیونکہ ان کو ابو کبشہ کہتے تھے اور شعری کی عبادت کرتے تھے اور کوئی عرب ان کے سوا شعری کی عبادت نہیں کرتا تھا عرب اس میں ان سے اختلاف رکھتے تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور فرمایا تو عرب مخالفت میں کہنے لگے کہ وہ ابن ابی کبشہ ہیں جو کہ ان کے طریقہ پر چلتے ہیں بعض نے کہا کہ آپ کے جد کی طرف نسب کر کے ہے کیونکہ سیّدہ آمنہ رضی اللہ عنہ بنت وہب کے دادا کا نام ہے وہ اس نسبت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کہتے تھے بعض کہتے ہیں کہ عمرو بن زید بن اسد بخاری جو کہ سلمٰی ام عبدالمطلب کے والد ہیں ان کو ابو کبشہ کہتے تھے اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نسبت سے یہ کہتے تھے بعض کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی والد یعنی حارث بن زید عبدالعزیٰ بن رفاعہ سعدی شوہر حضرت حلیمہ سعدیہ کو ابو کبشہ کہتے تھے اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے نسبت ابن ابو کبشہ کہتے تھے یہ سب اقوال وتوجیہات استیعاب میں مذکور ہیں۔

ایک آنسہ رضی اللہ عنہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ہیں بعض نے ابو آنسہ کہا ہے اور ایک قول ابو مسروح رضی اللہ عنہ بھی ہے مصعب زبیری نے کہا کہ ان کی کنیت ابو سرح ہے اور وہ سراۃ کے رہنے والے تھے انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پائی تھی خطیب نے کہا ہے کہ میں انہیں نہیں جانتا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز روایت کی ہو موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے کہ وہ بدر میں شریک تھے یا بدر میں ہی شہید ہوئے تھے۔ ابو عمر نے کہا کہ اتنا ہی ہے جو محفوظ ہے اور اتنا ہی ابن اسحٰق نے بھی ذکر کیا ہے واقدی نے کہا کہ میں نے اہل علم کو دیکھا ہے کہ وہ اثبات کرتے ہیں کہ وہ احد میں حاضر ہوئے ہیں اور اس کے بعد بھی زندہ رہے ہیں اور بعض علماء کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت صدیقی میں حضرت آنسہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی (واللہ اعلم) مروی ہے کہ حضرت آنسہ رضی اللہ عنہ لوگوں کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضر ہونے کی اجازت لیتے تھے جبکہ لوگ اجازت چاہتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرماتے کہ آنے کی اجازت دے دو یہ سب اصابہ میں مذکور ہے۔

ایک صالح ملقب بہ شقران رضی اللہ عنہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں: ان کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے ضمن میں گزر چکا ہے کہ قطیفہ یعنی حضور اکرم کی مخملی چادر شریف کو قبر انور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے بچھا دیا تھا اور نہ چاہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی دوسرا اسے اوڑھے یا بچھائے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور ان کو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا تھا اور بعض کہتے ہیں ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خریدا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدر کے بعد آزاد کر دیا تھا بعض کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والد ماجد سے ام ایمن کے ساتھ ان کے وارث ہوئے تھے اسے امام بغوی نے ذکر کیا اور ابو مشعر نے کہا کہ وہ بدر میں حاضر ہوئے اور انہیں سہم نہ دیا گیا اور اس وقت وہ غلام تھے لیکن وہ بدر کے قیدیوں پر محافظ تھے اور جو کوئی فدیہ دیتا اس میں سے کچھ انہیں مرحمت فرما دیتے تھے اس طرح ان کو اتنا کچھ حاصل ہو گیا جتنا دوسروں کو سہم میں نہ ملا تھا ان سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر تشریف لے جاتے ہوئے دراز گوش پر سوار دیکھا ہے آپ اس پر اشارے سے نماز پڑھ رہے تھے۔

ایک رباح مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں: صحیحین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے (جواز ازواج مطہرات سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنارہ کشی کے قصہ میں ہے مروی ہے) ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کا شانہ اقدس میں حاضر ہوا جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے میں نے کہا کہ اے رباح رضی اللہ عنہ میرے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لو یہ حبشی غلام تھے اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کے حاضر ہونے کی اجازت لیا کرتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے یسار کے دفن ہونے کے بعد ان کے مکان کو مقرر کیا کیونکہ یسار کو عرنیین نے شہید کیا تھا جبکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آراضی پر مقرر تھے اور یہ کبھی کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اذان بھی دیتے تھے۔

ایک یسار مولائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں استیعاب میں ہے کہ

يَسَارُ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُتِلَ يَوْمَ نَعْرِيَبَا وَهُوَ الرَّاعِيْ الَّذِيْ قَتَلَهُ الْعُرْنِيُوْنَ الَّذِيْ اِسْتَاقُوْزُ وَرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَتَلَهُمْ وَقَطَعَ اَيْدِيَهُمْ وَاَرْجُلَهُمْ وَسَمَلَ اَعْيُنَهُمْ وَاَلْقَاهُمْ فِي الْحَرَّةِ

یہ چراگاہ میں شہید ہوئے اور ان کو عرنیوں نے شہید کیا ان کے احوال ۲ھ کے واقعات میں گزر چکے ہیں ان بدبخت عرنیوں نے ان کے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے ان کی آنکھیں پھوڑ دیں اور انہیں تپتی ہوئی زمین میں عرصہ تک ڈالے رکھا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کو ہنکال کر لے گئے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ویسا ہی کیا جیسا کہ انہوں نے خدام وموالی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

ایک ابورافع اسلم رضی اللہ عنہ بھی موالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مشہور ہیں ان کے حالات کا تذکرہ خدام بارگاہ کے ضمن میں سلمٰی ام رافع رضی اللہ عنہا زوجہ ابورافع کے بیان میں گزر چکا ہے ان کا نام اسلم یا ثابت یا یزید یا ابراہیم یا ہرمز ہے اور بخاری نے اسلم کے ساتھ جزم کیا ہے مگر مشہور کنیت کے ساتھ ہیں۔

ایک مویہبہ رضی اللہ عنہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں: یہ مزنیہ کے رہنے والے تھے ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید فرمایا پھر آزاد کر دیا استیعاب میں اتنا ہی ہے اصابہ میں ہے کہ ابومویہبہ کو ابومویہبہ اور ابوموہب کہا جاتا ہے یہ قول واقدی کا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے جو مزنیہ کے باشندے تھے اور غزوۂ مریسیع میں حاضر ہوئے اور ان لوگوں سے ہیں جو سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کو کھینچتے تھے ان سے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور وہ ان کے ہم زمانہ تھے امام احمد و دارمی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے انہوں نے ابومویہبہ سے روایت کیا ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اہل بقیع کیلئے استغفار کروں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے (الحدیث) اور جب صبح ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ درد سر لاحق ہوا جس میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جہاد سے بلایا۔

ایک ابوالبہی رضی اللہ عنہ اصابہ ہیں: ان کا نام رافع رضی اللہ عنہ مولی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کنیت ابوالبہی بتایا ہے اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میں ذکر ہے انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آدمیوں میں خدا کے نزدیک کون افضل ہے فرمایا جس کا دل تپ زدہ بیمار اور راست گو زبان ہو (الحدیث) آخر حدیث میں آیا ہے کہ میں نے کہا یہ اوصاف تو

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام رافع میں ہی پائے جاتے ہیں شیخ نے کہا کہ یہ اضافہ جو مذکور ہوا ابن ماجہ میں نہیں ہے بلکہ حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اس حدیث کو بتام وکمال بیان کیا ہے بعض اس حدیث کو ابو رافع سے مروی بتاتے ہیں اور بعض رافع بن خدیج سے لیکن درست یہی ہے کہ رافع سے مروی ہے۔

ایک مدعم رضی اللہ عنہ: (بکسر میم وسکون دال وفتح عین) حبشی غلام ہیں جن کو رفاعہ بن زید بن جذامی رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں پیش خدمت کیا اس میں اختلاف کیا گیا ہے کہ آیا ان کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر دیا تھا یا انہوں نے اسی غلامی میں وفات پائی اور ان کی یہ خبر مشہور ہے کہ خیبر میں انہوں نے چھوٹی سی چادر مالِ غنیمت میں سے بغیر اجازت لے لی تھی خیبر میں ان کے تیر لگا تھا جس سے وہ فوت ہوئے جیسا کہ اصابہ میں ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ حبشی غلام مدعم کے سوا تھا مشکوٰۃ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک حبشی غلام پیش کیا جن کو مدعم کہا جاتا ہے اس اثنا میں کہ مدعم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان اتار رہا تھا اچانک ایک تیر آ کے لگا تیر چلانے والے کا پتہ نہ چل سکا اس تیر نے ہی اسے ہلاک کر دیا اس پر لوگوں نے کہا کہ اس کیلئے جنت ہو کیونکہ اس نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بجالاتے ہوئے جان دی ہے اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز ایسا نہیں ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس نے خیبر کے مالِ غنیمت میں سے تقسیم ہونے سے پہلے ہی ایک چادر لے لی تھی یقیناً اس پر آگ کی لپٹیں شعلہ مار رہی ہیں جب لوگوں نے یہ بات سنی تو کسی نے جوتی کا ایک تسمہ کسی نے دو تسمے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کے رکھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک آگ کا تسمہ ہے اور یہ دو تسمے آگ کے ہیں (متفق علیہ) رفاعہ بن زید جذامی بضم جیم قبیلہ جذام کی طرف نسبت ہے کتابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے مدعم کو بارگاہِ رسالت کی خدمت کے لیے بھیجا تھا جیسا کہ مذکور ہوا لیکن اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہونا ظاہر نہیں ہوتا اور استیعاب میں رفاعہ بن زید بن وہب جذامی کو صحابہ بھی بیان کیا گیا ہے اور کہا ہے کہ صلح حدیبیہ میں وہ اپنی قوم کے ساتھ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے ایک علم تیار فرمایا انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک حبشی غلام جس کا نام مدعم تھا پیش کیا جو کہ مارا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔

ایک زید رضی اللہ عنہ: ہلال بن یسار کے دادا ہیں استیعاب میں ہے کہ زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور استغفار کے بارے میں حدیث روایت کی گئی ہے ہلال نے اپنے والد یسار بن زید سے روایت کی ہے اصابہ میں ہے کہ زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور زید بن بلال (باکیساتھ) بسار کے والد ہیں ان سے ابوداؤد نے روایت کی ہے اور ترمذی نے ان کے بیٹے ہلال بن یسار زید سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ ''حدثنی ابی یمن جدی'' ابوموسیٰ سے مذکور ہے کہ زید کے والد کا نام بلال (باکیساتھ) ہے اور ابن شاہین نے کہا ہے کہ زید قید خانہ میں محبوس تھے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بنی ثعلبہ میں پہنچ کر انہیں آزادی بخشی اور بعض اسماء الرجال کی کتابوں میں ہلال کی بجائے بلال (باکیساتھ) ہے۔

ایک عبید رضی اللہ عنہ بن عبدالغفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں ان کو عبداللہ بن الغفار بھی کہتے ہیں ان سے سلیمان تیمی نے روایت کی ہے ان کے سوا کسی اور شخص کو ان سے اخذ روایت میں نہیں سنا گیا اصابہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور غلام عبید ہیں بغیر نسبت کے بیان کیا گیا ہے اور کہا کہ ابن حبان فرماتے ہیں کہ ان کو صحبت حاصل ہے اور ابن السکین نے ان کو صحابہ میں ذکر کر کے کہا کہ ان کی حدیث کی صحت ثابت نہیں ہوئی ہے اور بلاذری نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے ایک غلام تھے جن کو عبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور ان سے دو حدیثیں روایت کی ہیں۔ (واللہ اعلم)

ایک سفینہ رضی اللہ عنہ بروزن سکینہ ابوعبدالرحمٰن ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں بعض کہتے ہیں کہ سیّدہ ام سلمہ امیرالمومنین رضی اللہ عنہا کے غلام ہیں اور ان کو اس شرط پر آزادی دی تھی کہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بجالایا کریں سفینہ رضی اللہ عنہ ان کا لقب ہے ان کے نام میں اختلاف ہے مہربان یا ملہمان یا رومان یا کیسان یا فروخ ہے وہ اعراب کے باشندے تھے بعض ابنائے فارس سے بتاتے ہیں۔

سفینہ ان کا لقب قرار پانے کا سبب یہ ہے کہ ایک سفر میں یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے مسلمانوں میں سے جو بھی کسی چیز کو اٹھانے سے مجبور ہو جاتا تھا وہ چیز ان کے حوالہ کر دی جاتی تھی اس طرح انہوں نے بہت سے لوگوں کی چیزیں سنبھال رکھی تھیں اس بنا پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سفینہ یعنی کشتی سے تشبیہ دی اور بعد میں یہی نام ان کا باقی رہا جب ان سے لوگ ان کا نام پوچھتے تو وہ یہی کہتے کہ میرا نام سفینہ ہے کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا یہی نام رکھا اور میں پسند نہیں کرتا کہ اس کے سوا میرا کوئی اور نام ہو اور یہی اس حدیث کے راوی ہیں کہ اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً میرے بعد خلافت راشدہ متواتر تیس سال تک رہے گی اور ان سے کہا گیا کہ بنوامیہ گمان کرتے ہیں کہ خلافت ان میں ہے انہوں نے فرمایا بنوالزرقا جھوٹ بولتے ہیں بلکہ وہ ملوک ہیں بلکہ شرالملوک ہیں ایسا ہی اسدالغابہ میں ہے اور یہ بھی اسی کتاب میں ہے کہ محمد بن المنکدر نے ان سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا میں ایک مرتبہ کشتی میں سوار تھا کشتی ٹوٹ گئی اور میں اس کے ایک تختہ پر سوار ہو گیا اور اس تختہ نے مجھے کسی ساحل پہ ڈال دیا وہ لق و دق بیابان تھا میں نے راہ کو گم پایا اتنے میں ایک شیر میرے سامنے آیا میں نے اس سے کہا اے ابوالحارث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام سفینہ ہوں اس پر شیر نے اپنا سر جھکا دیا اور اپنے پہلو اور اپنے کندھوں سے مجھے اشارہ کیا کہ میں اس کے ساتھ چلوں یہاں تک کہ وہ میرے ساتھ چلنے لگا اور مجھے راستہ پر ڈال دیا اور ہمہمہ کیا میں نے سمجھا کہ وہ رخصت کی اجازت مجھ سے مانگتا ہے اور ان سے ان کے فرزندان عبدالرحمٰن محمد زیاد وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

ایک مابور قبطی ہیں یہ خواجہ سرا ہیں جو حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ام ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ہیں انہیں مقوقس شاہ اسکندریہ نے سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہدیہ میں بھیجا تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ایک شخص نے ان کو سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مہتم کیا اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انہیں قتل کر دیں جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ خصی ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حقیقت حال حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دی صاحب اصابہ نے کہا کہ ان سے مسلم نے روایت کیا ہے اور ابوبکر بن خثیمہ نے مصعب زبیری سے ان کا نام مابور نقل کیا ہے اور ابن عبد الحکم نے فتوح مصر میں اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ماریہ قبطیہ ام ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس ان کے عزیز کو پایا جو ان کے ساتھ آئے تھے یہ اکثر حضرت ماریہ کے پاس آتے رہتے تھے اس وقت حضوا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کچھ کبیدگی محسوس ہوئی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے گئے راستہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ملے انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور پر کچھ ملال کے آثار دیکھے عرض کیا یا رسول اللہ رضی اللہ عنہ وجہ ملال کیا ہے؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماجرا بیان فرمایا وہ تلوار لے کر حضرت ماریہ کے پاس آئے تو وہ عزیز ان کے پاس موجود تھے ارادہ کیا کہ تلوار ان کے اوپر اٹھائیں اچانک اس پر نظر پڑی کہ اس نے اپنا ستر کھول دیا ہے اور وہ خصی اور مجبوب ہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور ان کی حالت کی خبر دی اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی ابھی جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور خبر دی کہ

حق تعالیٰ نے حضرت ماریہ اور ان کے عزیز کو تہمت سے بری کر دیا ہے اور خبر دی کہ حضرت ماریہ کے بطن شریف میں ایک بچہ ہے جو تمام لوگوں میں مجھ سے زیادہ مشابہ ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس بچہ کا نام ابراہیم رکھوں صاحب اصابہ نے کہا کہ وہ اماریہ کے ساتھ آئے اور انہیں کے ساتھ رہے اسلام لائے اور ان کا اسلام نیک ہوا (انتہا) اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزادی دی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد شدہ غلاموں میں داخل ہوئے مابور کو میم کے بدلے با کے ساتھ اور میم کے ساتھ بھی کہا گیا ہے۔

ایک واقد یا ابو واقد رضی اللہ عنہ ہیں ابن مندہ نے بیان کیا کہ واقد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور کہا کہ اس سے زادان نے روایت کیا ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے خدا کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے خدا کا ذکر کیا اگرچہ نماز روزہ اور تلاوت قرآن کم ہو اور جس نے خدا کی نافرمانی کی اس نے خدا کا ذکر نہ کیا اگرچہ نماز روزہ اور اس کی تلاوت بہت ہو استیعاب میں ''واقد'' بغیر لفظ کنیت کے لائے ہیں۔

ایک ہشام رضی اللہ عنہ ہیں استیعاب میں منقول ہے کہ ہشام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں ان سے ابوالزبیر نے روایت کیا ہے اس سے منقول ہے کہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کی بیوی کسی چھونے والے کے ہاتھ کو روکتی نہیں مطلب یہ کہ اپنے نفس کو اس شخص سے جو برائی کا ارادہ کرے روکتی نہیں ہے اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے طلاق دیدو اس نے کہا وہ عورت مجھے پیاری لگتی ہے میں اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا تو فرمایا پھر اس سے فائدہ اٹھاؤ اسے ابن عبدالبر نے استیعاب میں روایت کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل یہی ہشام ہیں کفایہ میں ہے کہ ابوالزبیر نے ہشام مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ ایک شخص حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بیوی کسی چھونے والے کے ہاتھ کو رد نہیں کرتی۔ (آخر حدیث تک) دونوں روایتوں میں فَاسْتَمْتِعْ بِهَا تو اس سے فائدہ اٹھاؤ آیا ہے اس حدیث کو مشکوٰۃ میں لائے ہیں جو روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما ابو داؤد سے مروی ہے اور نسائی نے اس طرح تخریج کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک شخص حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے کہا کہ اس کی بیوی ہے جو کسی چھونے والے کے ہاتھ کو رد نہیں کرتی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلاق دیدو اس نے کہا میں اس سے محبت کرتا ہوں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اسے روکے رکھ اس روایت میں فَاسْتَمْتِعْ بِهَا نہیں ہے علماء فرماتے ہیں کہ ''اسے روکے رکھ'' کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حفاظت کرو کہ وہ برائی نہ کرے اور زنا میں نہ پڑے صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ نسائی نے کہا اس حدیث کو بعض نے روایت رفع کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے اور یہ حدیث صحیح اور ثابت نہیں ہے (واللہ اعلم) بعض شراح کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے وہ کسی سائل کے ہاتھ کو رد نہیں کرتی اور میرے اموال میں سے جو وہ مانگتا ہے دیدیتی ہے اور منع نہیں کرتی یہ مطلب ظاہر عبارت کے خلاف ہے میں خدا کی توفیق سے کہتا ہوں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام بطریق غضب فرمایا تھا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس مرد کے انکار پر زجر و توبیخ فرمانا تھا مطلب یہ کہ اس کی شنیع حالت کی شکایت بھی کرتا ہے اور اسے طلاق بھی نہیں دیتا جب تو اسے چاہتا ہے اور اسے رکھنا چاہتا ہے تو تو جان اور شناعت اور یہ مقصود حقیقت میں نہیں ہے بلکہ اس پر سختی فرماتا ہے۔ (فافہم واللہ اعلم)۔

ابوضمیرہ رضی اللہ عنہ (بضم ضاد و فتح میم سکون یاء) ہیں ان کا نام سود ہے بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام روح ہے (راء کے زبر سے) اور سندر کے بیٹے ہیں یا روح ابن شیرزاد ضمیری کے ہیں روضۃ الاحباب میں ایسا ہی مذکور ہے اور اتنا ہی لکھا ہے استیعاب میں ہے کہ ابوضمیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اس غنیمت میں آئے جسے حق تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حلال فرمایا تھا

بعض کہتے ہیں ابوضمیرہ کا نام سعد حمیری ہے اور بخاری نے ان کو ذی یزن کی اولاد میں سے کہا ہے اسی طرح ابو حاتم نے بیان کر کے کہا کہ سعد ضمیری ہے بعض کہتے ہیں کہ ابوضمیرہ رضی اللہ عنہ کا نام روح بن سندر ہے اور بعض روح بن شیرزاد بتاتے ہیں۔ انشاء اللہ اول زیادہ صحیح ہے اور وہ حسین بن عبداللہ بن ضمیرہ بن ابی ضمیرہ کے دادا ہیں اس سے ان کے بیٹے نے حدیث لی ہے ان کا اور ان بیٹے کا شمار اہل مدینہ میں ہے وہ عربی النسل تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزادی بخشی اور ایک وصیت نامہ ان کیلئے لکھا وہ وصیت نامہ ان کی والدہ کے پاس ہے حسین بن عبداللہ بن ضمرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصیت نامہ کو جو ابوضمیرہ کیلئے لکھا تھا مہدی کے پاس لائے مہدی نے اس مکتوب گرامی کو اپنی دونوں آنکھوں پر رکھا اور بہت سا مال دیا بعض تین سو اشرفیاں بتاتے ہیں اصابہ میں بھی سی کی مانند مذکور ہے اور کہا کہ ابوضمیرہ حمیری ضمیرہ کے والد ہیں اور کہا کہ ابن ابوضمیرہ ابوضمیرہ حضرت علی مرتضٰی کے غلام کے سوا ہیں مہدی کی حکایت کے آخر میں لکھا ہوا ہے کہ جب حسین بن عبداللہ ان دیناروں کو لیکر جو مہدی نے انعام میں دیئے تھے روانہ ہوئے تو راستہ میں چوروں نے ان پر حملہ کیا اور وہ مال ان سے چھین لیا اس وقت انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ چوروں کو دکھایا ان چوروں نے جب اسے پڑھا تو چھینا ہوا روپیہ واپس دے دیا اور کوئی تعرض نہ کیا۔

ایک حسین ہیں یہ نام خدام بارگاہِ رسالت کے بیان میں مواہب لدنیہ سے گزر چکا ہے کیونکہ انہوں نے خادموں کے بیان میں لکھا ہے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک ابوعسیب رضی اللہ عنہ ہیں ان کا نام احمر یا مرہ ہے استیعاب میں کہا گیا ہے کہ ابوعسیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں انہیں صحبت حاصل ہوئی اور دو روایتوں کی اسناد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے ایک حدیث بخار میں اور دوسری طاعون میں ہے اور قاسم بن حمزہ نے کہا کہ میں نے ابوعسیب خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ وہ سر اور داڑھی میں خضاب کرتے ہوں کہتے ہیں کہ ابوعسیب کا نام احمر ہے اصابہ میں ہے کہ ابوعسیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں جو کنیت کے ساتھ مشہور ہیں ان کا احمر ہے اور ان سے ایک حدیث سجدے میں تحافی کے بارے میں روایت کی گئی ہے ابوداؤد ابن ماجہ احمد اور طحاوی نے بطریق حسین بصری روایت کیا ہے کہ حَدَّثَنِیْ اَحْمَرُ مَوْلٰی رَسُوْلُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.

ایک ابوعبید رضی اللہ عنہ ہیں استیعاب میں ابوعبید کا ذکر خادموں کے بیان میں اس عبادت کے ساتھ ہے کہ ابوعبید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں استیعاب و اصابہ میں بھی اسی عنوان کے ساتھ مذکور ہے ان کا تذکرہ بھی پہلے گزر چکا ہے روضۃ الاحباب میں ابوعبید کو موالی میں بیان کیا گیا ہے ان دونوں صفتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ منافات نہیں رکھتی ہیں البتہ خادم عام تر مولیٰ سے ہے۔

ایک اسلم رضی اللہ عنہ بن عبید ہیں روضۃ الاحباب میں اس طرح ہے واضح رہنا چاہیئے کہ اسلم کا نام ابورافع رضی اللہ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے ان اختلافات کے باوجود ان کے نام کے بارے میں ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے اصح و مشہور تر ہی ہے کہ ان کا نام اسلم ہے اور ابورافع رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ان کی زوجہ سلمٰی ام رافع کے بیان ہیں پہلے گزر چکا ہے اور اس کوئی دوسرے ہوں گے اصابہ میں اسلم نام کے کئی صحابہ کو بیان کرنے کے بعد کہا کہ یہ اسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں ابن مندہ سے منقول ہے انہوں نے بیان کیا کہ اسحٰق بن سلیمان نے سعد بن عبدالرحمٰن مدنی سے روایت کی ہے ابورافع اور اسلم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خادم تھے دیگر حضرات نے کہا ہے کہ یہ نام رافع کا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اور وہ اپنی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں ان کے نام میں اختلاف ہے اور کہا کہ لوگوں نے جزم کیا ہے کہ ان کا نام اسلم ہے ان میں بخاری بھی ہیں اور ابوراشد قبطی کی کنیت میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اور ابورافع کے نام میں اختلاف کا بھی ذکر کیا ہے اور کہا کہ زیادہ مشہور اسلم ہے اور یہ کہ وہ

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے غلام تھے جسے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا تھا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت عباس کے اسلام لانے کی خوشخبری پہنچانے پر آزادی بخشی تھی پھر ایک اور ابو رافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قبطی کے سوا کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ابو رافع ابی احیحہ سعید بن العاص بن امیہ کا غلام تھا اس کے آٹھ بیٹوں نے اپنا اپنا حصہ چھوڑ کر اسے آزاد کر دیا بجز خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حصہ کو خرید ا یہاں تک کہ اپنے حصہ کو معاف کر کے اسے آزادی بخشی اس پر ابو رافع اپنے آپ کو کہتے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں ابی احیحہ کے قصہ کو ابن عبداللہ نے ابو رافع رضی اللہ عنہ کے مشہور قصہ میں بیان اختلاف کے طریقہ نقل کیا ہے کہ وہ یا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے یا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے غلام تھے شیخ ابن حجر نے اصابہ میں ابن عبدالبر کی غلطی و خطا بتائی ہے کہ انہوں نے ان کو ابو رافع قبطی رضی اللہ عنہ کہا حالانکہ یہ ابو رافع ان کے سوا ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ ابو رافع دو ہیں اسلم بھی کئی ہیں لیکن بقول اصح ابو رافع قبطی کا نام اسلم ہے اور یہ معلوم نہ ہوا کہ دوسرے ابو رافع کا نام بھی اسلم ہے یا نہیں نیز معلوم ہوا کہ رافع بغیر لفظ کنیت کے بھی غلام ہیں بظاہر یہ وہی ہیں جیسا کہ مذکور ہوا کہ ابوالبہی رافع ہیں لیکن اسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام بھی ہیں جو سفروں میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے بہر تقدیر اسلم بن عبید کے بارے میں جو روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے معلوم نہ ہوسکا۔

<u>ایک افلح رضی اللہ عنہ ہیں</u> استیعاب میں ہے کہ افلح رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ ہیں اور حضورِ اکرم کے موالی میں مذکور ہیں اصابہ میں بھی ایسا ہی کہا گیا ہے اور کہا کہ ابو عمر نے یہ کہا ہے کہ یوسف بن خالد نے سالم بن بشر سے روایت کی ہے کہ حنفی نے ایک شخص کو کہتے سنا کہ میں نے افلح مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں اپنی امت سے اپنے بعد تین باتوں کا اندیشہ رکھتا ہوں ضلالت ہوا اور اتباع شہوات سے اور کہا کہ میں تیسری بات بھول گیا (انتہی) حکیم ترمذی نے اپنی کتاب نوادر الاصول میں اس تیسری بات کو روایت کیا ہے کہ فرمایا تیسری بات عجب ہے اور ابن شاہین کی روایت میں ہے کہ تیسری بات معرفت کے بعد غفلت ہے۔

<u>ایک انجشہ</u> حبشی غلام ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوش آواز خادم تھے ان کے بارے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یَا اَنْجَشَۃُ رِفْقًا بِالْقَوَارِیْرِ'' ایک روایت میں فرمایا: ''لَا تُکَسِّرِ الْقَوَارِیْرَ'' اور ایک روایت میں ہے۔ رُوَیْدَ سَوْقَکَ بِالْقَوَارِیْرِ مطلب یہ کہ آہستہ اور نرمی سے اونٹوں کو چلایا کر و حدی کو آہستہ اور نرمی سے کہو اس بنا پر کہ شیشوں کی ساتھ نرمی برتی جاتی ہے تاکہ وہ نہ ٹوٹیں اور شیشہ سے مراد عورتیں ہیں اور ان کے نہ ٹوٹنے سے مراد آسودگی ہے اس لیے کہ اونٹوں کو تیز چلانے سے انہیں تکلیف و صدمہ پہنچتا ہے یا مراد رفع خواطر ہے جو غنا کے سننے سے پیدا ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: اَلْغِنَاءُ رُقْیَۃُ الزِّنَا ''گانا زنا کا منتر ہے'' جیسا کہ مواہب میں مذکور ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت براء بن عازب مردوں کیلئے حدی گاتے تھے اور انجشہ عورتوں کیلئے گاتے تھے استیعاب میں مروی ہے کہ یہ ایک حبشی غلام کا نام تھا جو ازواجِ مطہرات کے اونٹوں کو حجۃ الوداع کے سال میں کھینچتا تھا اور حدی گاتا تھا اور یہ بہترین حدی گاتا تھا اونٹ بھی اس کی حدی کی حرکت پر دتیز چلتے تھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رُوَیْدًا یَا اَنْجَشَۃُ بِالْقَوَارِیْرِ اصابہ میں ہے کہ حدیث واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ میں واقع ہو کہ انجشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مخنثوں میں سے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخنثوں پر لعنت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کو اپنے گھروں سے نکال دو اس پر حضرت علی مرتضیٰ نے انجشہ کو باہر نکال دیا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فلاں کو نکال دیا (رضی اللہ عنہما)۔

<u>ایک باذام یا باذال بلفظ میوہ</u> مشہور ہے استیعاب میں ان کا ذکر واقع نہیں ہوا ہے اصابہ میں ہے کہ باذام نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے مولیٰ تھے اور امام بغوی نے موالی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور ابن عساکر نے ان کی تبعیت کی ہے۔

ایک حاتم ہیں ان کا ذکر استیعاب میں نہیں پایا گیا اصابہ میں کہا گیا ہے کہ حاتم غیر منسوب دروغ ہیں لیکن جھوٹوں نے ان کو جھوٹا بتایا ہے چنانچہ ابواسحٰق سلمٰی اور ابوموسیٰ نے روایت کیا انہوں نے نضر بن سفیان بن احمد بن نفیسر سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے حاتم سے سنا ہے وہ کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسی دینار میں خریدا اور آزاد کیا اس کے بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چالیس سال رہا۔ سلمٰی نے کہا کہ نضر نے کہا حاتم کی عمر ایک سو پینسٹھ برس کی ہوئی ہے شیخ کہتے ہیں کہ ان کو گمان ہوگا کہ حاتم کی عمر دوسو برس تک ہوئی ہوگی مگر یہ بعید ہے اور یہ حکایت ندرت سے خالی نہیں ہے اور اس کا مضمون بھی ظاہر نہیں ایسا ہی اصابہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

ایک بدر رضی اللہ عنہ (بلفظ ماہ تمام) ابوعبداللہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں میں نے اتنا ہی پایا ہے۔

ایک رویفع رضی اللہ عنہ ہیں استیعاب میں ہے کہ رویفع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اور میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں جانتا اصابہ میں ہے کہ رویفع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ تھے ابواحمد عسکری نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی میں ان کا ذکر کر کے کہا کہ رویفع حضرت عمرو بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اس کے بعد ان کے عقب میں وہ آئے ابن عساکر نے اسے بیان کیا ہے اور کہا کہ میں نہیں جانتا کسی نے ان کا تذکرہ کیا ہو اور ابوعمرو نے کہا میں نہیں جانتا کہ ان کی کوئی روایت ہے۔

ایک زید بن ہلال رضی اللہ عنہ ہیں روضۃ الاحباب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ زید بن ہلال' ہلال بن یسار کے دادا زید رضی اللہ عنہ کے سوا ہیں اسماء الرجال کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی جد ہلال بن یسار ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے اصابہ میں ہے کہ زید بن ہلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اس سے ابوداؤد اور ترمذی کے نزدیک ہلال بن زید کے پوتے سے ایک حدیث ہے اور انہوں نے کہا کہ حدثنی ابی عن جدی حضور اکرم نے ان کو ایک غزوے میں قید خانہ میں دیکھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت زید بن حارثہ کی مانند آزادی بخشی۔

ایک سعید بن زید رضی اللہ عنہ ہیں حضرت سعید بن زید مشہور صحابی ہیں جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی بہن کے شوہر ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں قرشی ہیں کفار میں سے سابقین بالاسلام ہیں حضرت عمر کا اسلام لانا انہیں کے گھر ہوا تھا لہٰذا یہ سعید بن زید جو موالی میں سے ہیں کوئی دوسرے ہوں گے اصابہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ ہے کہ سعید رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور کہا گیا کہ ان کا نام مہران یا طہمان یا رومان یا احمر یا رباح یہاں یک کہ اکیس قول ان کے نام میں بیان کیے ہیں اور کہا کہ ان کی اصل فارسی ہے سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خرید کر اس شرط پر آزادی بخشی کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہیں اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ام سلمہ سے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے اور ان سے ان کے دونوں بیٹے عبدالرحمٰن عمر سالم بن عبداللہ بن عمر وغیرہ نے روایت کی ہے حماد بن سلمہ نے سعید سے روایت کی انہوں نے کہا کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو جن مسلمانوں کو اپنا بوجھ اٹھانا دشوار ہوتا وہ مجھ پر ڈال دیتے تھے یہاں تک کہ میں نے ان کی بہت سی چیزیں اٹھائیں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا اَنْتَ اِلَّا سَفِیْنَۃٌ نہیں ہو تم مگر کشتی یہ حکایت سفینہ مولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے ان کے نام میں بھی اختلاف واقع ہوا ہے اور یہ سعید نام بھی تو انہیں کا ہے یا کسی اور کا اور گمان ایسا ہوتا ہے کہ موالی کے ناموں کے بیان کرنے میں تکرار واقع ہوگئی ہے یا تو ان کے نفوس بھی کئی ہیں یا ہر نام کیلئے علیحدہ ذات خیال کر لیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔

ایک سعید بن کندیہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کا تذکرہ میں نے نہیں پایا بجز اس کے کہ استیعاب میں سعید بغیر نسبت کے لائے ہیں اور کہا سعید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور ان سے ابوعثمان نہدی نے روایت کی ہے اور لفظ کندیہ بھی مشخص نہیں ہوا بجز اس کے کہ قاموس میں ہے کہ کندیہ بالکسر فربہ گدھا ہے اور اسے اس نام سے اس لیے پکارا جاتا ہے وہ فربہ جسیم اور موٹا ہوتا ہے۔

ایک سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ ہیں اور جلیل القدر اصحاب میں سے عباداللہ ہیں اگر ان سے پوچھا جاتا تمہارے والد کون ہیں اور تمہارا نسب کیا ہے؟ تو فرماتے میرا نسب اسلام ہے اور میرا باپ اسلام ہے اور میں سلمان بن اسلام ہوں حضرت سلمان فارسی النسل ہرمز کے رہنے والے تھے بعض اصفہان کے بتاتے ہیں اور یہ اس قوم سے تھے جو ابلق گھوڑوں کو پوجتے تھے دین حق کی جستجو میں گھر سے نکلے اور مدت تک جہاں نوردی کی بالآخر جمال سیّدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کیا اور مسلمان ہوگئے کئی دینوں میں داخل ہوئے اور متعدد جگہوں میں فروخت ہوتے رہے یہاں تک کہ مدنیہ طیبہ کے ایک یہودی کے قبضہ میں آئے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید کر ان کو آزادی بخشی ان کی عمر میں کئی قول ہیں ایک قول سے تین سو ساٹھ سال اور بقول اکثر دوسو پچاس ان کی عمر تھی بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کو انہوں نے پایا تھا۔ (واللہ اعلم)

ان کا پہلا غزوۂ خندق ہے اور خندق انہیں کی رائے وتدبیر اور مشورے سے بنائی گئی جیسا کہ گزرا غزوۂ خندق کھودنے کے دوران نزاع واقع ہو مہاجرین کہتے کہ حضرت سلمان ہمارے ساتھ ہوں انصار کہتے کہ ہمارے ساتھ ہوں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلِ الْبَيْتِ سلمان میرے اہل بیت میں سے ہیں وہ قوی ہیکل طویل القامت اور عظیم الجثہ شخص تھے اور وہ مخدوموں محبوبوں اور مقربان بارگاہ میں سے ہیں یہاں تک کہ بغیر بلائے بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے امام سیوطی جمع الجوامع میں نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا السابق یعنی سبقت کرنے والے چار ہیں میں سابق العرب ہوں اور سلمان سابق الفرس ہیں اور بلال سابق الحبشہ ہیں اور صہیب سابق الروم ہیں۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

یہ ان حضرات قدس میں سے ایک ہیں جن کے داخلہ کی جنت مشتاق ہے اور وہ حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما ہیں اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سلمان فارسی کو مداین پر والی مقرر فرمایا تھا جو نوشیروان کا شہر اور اس کا تعمیر کردہ تھا اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے اور اپنے عطایا وظائف کو تصدق کردیتے تھے اور فقر سے محبت رکھتے تھے وہ اہل صفہ میں سے تھے اور ان کی صرف ایک عبا تھی اسی کو وہ پہنتے اور اسی کو اوڑھتے تھے اور کسی دیوار یا درخت کے سایہ میں سوتے تھے نہ گھر تھا اور نہ رہنے کی کوئی جگہ تھی ان کے ایک دوست نے چاہا کہ ان کیلئے ایک گھر بنائیں حضرت سلمان نے فرمایا ایسا گھر بناؤ جو کھڑے ہوتے وقت سر کو نہ لگے اور چوڑائی اتنی ہو کہ پاؤں پھیلا کر سوسکیں اور ۳۵ھ یا ۳۶ء میں حضرت عثمان کی خلافت کے آخر زمانہ میں وفات پائی اور بعض کہتے ہیں کہ عہد خلافت فاروقی میں وفات ہوئی اور اول زیادہ صحیح واکثر ہے ان سے حضرت ابو ہریرہ حضرت انس بن مالک اور ابوعثمان نہدی رضی اللہ عنہم نے روایت کی یہ بڑے خوش طبع تھے جیسے کہ عجمی لوگ ہوتے ہیں کبھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مزاح وخوش طبعی فرماتے تھے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع فرمایا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تائید وتقویت فرمائی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت سلمان اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کے درمیان اس پر گفتگو ہوئی کہ کسی شخص نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا آپ اپنا نسب بیان کیجئے اسی طرح ہر ایک نے اپنا اپنا نسب بیان کیا یہاں تک کہ جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے بیان کرنے کی باری آئی تو فرمایا اپنے لیے اسلام میں کوئی باپ نہیں رکھتا میرا باپ اسلام ہے اور میں

اسلام کا بیٹا مسلمان ہوں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ خوب جانتے تھے کہ خطاب لوگوں میں بہت عزت دار تھا اور میں اسلام کا بیٹا عمر ہوں اور سلمان بن اسلام کا بھائی ہوں منقول ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا چلو ہم ان کا استقبال کریں اور تمام مسلمان باہر نکل کر ان سے پہلے ملاقات کریں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر والوں میں شہر ہرمز میں تھا اور مکتب میں پڑھنے کے بعد آتا جاتا تھا راستہ میں ایک راہب تھا میں جب اس کے پاس بیٹھتا تو وہ آسمانوں اور زمین کی خبریں دیتا تھا یہاں تک کہ میں مکتب سے بے پرواہ ہو گیا اور اس راہب کی صحبت کو لازم کر لیا مکتب کے استادوں نے میرے گھر کے لوگوں کو بتایا کہ فلاں راہب نے تمہارے لڑکے کو تباہ کر دیا ہے تو ان لوگوں نے اپنے شہر سے اس راہب کو نکال دیا اس کے بعد میں بھی چھپ کر گھر سے نکلا اور اس راہب کے پاس پہنچ گیا قصہ طویل ہے خلاصہ یہ کہ ہم بیت المقدس پہنچے تو ایک لاچار سائل نے اس سے کوئی سوال کیا اور میں نہیں جان سکا کہ اس نے کیا کہا اس کے بعد آپ نے اس سے کہا تو کھڑا ہونا چاہتا ہے؟ اس نے کہا ہاں تو راہب نے دعا کی اور وہ اسی وقت کھڑا ہو گیا اور تندرست ہو گیا راہب چلا گیا میں نے چاہا کہ میں اس کا پیچھا کر کے اس سے مل جاؤں مگر میں اس کو نہ پا سکا اور راستہ گم کر دیا میں بھٹک گیا اس کے بعد مجھے انصاریوں کے سوار ملے میں نے ان سے راہب کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا فلاں شکل وصورت کا کوئی آدمی تم نے دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا یہ بھاگا ہوا غلام ہے اسے پکڑ لو تو انہوں نے مجھے اپنا ردیف بنا لیا اور اپنی سواری کے پیچھے مجھے بٹھا لیا اور مدینہ طیبہ لے آئے اس کے بعد مجھے ایک باغ میں چھوڑ دیا کہ میں یہاں کام کروں تو میں پانی سینچتا تھا اور اپنی روزی کماتا تھا بلاشبہ مجھے راہب نے اس جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہونے کی خبر دی تھی اور آپ کی نبوت کی نشانیاں اور علامتیں بتائی تھیں اور وصیت کی تھی کہ جب تم انہیں پاؤ تو ان کی تصدیق کر کے ایمان لے آنا تو میں نے وہ نشانیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائیں اور ان پر ایمان لے آیا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قصہ میں طالبان حق اور سالکان طریقت کیلئے عبرت ونصیحت ہے کہ جب تک سب جدا سے ہو کر کسی کی صحبت اختیار نہ کرے مقصود کو وہ نہیں پاتا۔

روزان وشباں بگرد مرداں می گرد مروی گردے جو گرد مردے گردی

جو بھی طلب گار حق ہوا ہے وہ در بدر پھرا ہے مشائخ فرماتے ہیں کہ جس کے دل میں یہ نعمت رکھی گئی ہے تو یا تو اسے راہبر سے ملا دیا جاتا ہے یا راہ بر کو اس کے پاس لے آیا جاتا ہے اور جس کے مقدر میں یہ نعمت نہیں ہوتی ہے وہ درد ماندہ ہو جاتا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْحِرْمَانِ وَالْخُذْلَانِ.

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ان دونوں نعمتوں کی قسمت والے موجود ہیں کچھ تو وہ ہیں جن کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود تشریف لائے اور کچھ وہ ہیں جن کو حق تعالیٰ نے اس در اقدس تک پہنچنے کی سعادت نصیب فرمائی اور دونوں قسم کی جماعتوں نے اس ذات اقدس سے اکتساب فیض کیا۔

باحسان وتبع التابعين اجمعين هذاه طريق الحق ومحيي علوم الدين وصلى الله على سيّدنا محمد سيّد الكل واستاد الوجود والهادى الى طريق الحق واليقين وسلم.

ایک سندر رضی اللہ عنہ ہیں (بفتح سین وسکون نون) استیعاب میں منقول ہے کہ سندر زنباع خرامی رضی اللہ عنہ (بکسر راء وسکون نون) کے غلام تھے اور سندر کو صحبت ملی ہے اور ان کی حدیث بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ہے کہ ایک روز یہ سندر زنباع کی لونڈی سے ملوث ہو گئے اس پر زنباع نے اسے خصی کر کے مثلہ کر دیا پھر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں آئے دادخواہی

کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو زنباع کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ جس کو مثلہ کیا جائے یا اسے آگ سے جلایا جائے اس کا عذاب اس کے ذمہ ہے اس کے بعد زنباع آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ کا غلام ہے اسے آزاد فرما کے مجھ سے اسے راضی کرا دیجئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سندر سے فرمایا میں ہر مسلمان کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ تیرے ساتھ بھلائی کرے۔

حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وصال بحق ہوئے تو سندر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا میرے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا لحاظ فرمایئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا اگر تمہاری خواہش ہو تو تم ہمارے پاس رہو میں تمہارا وظیفہ مقرر کر دوں گا ورنہ جہاں تم رہنا پسند کرو میں تمہارے لیے ہدایت لکھ دوں سندر نے مصر میں رہنا پسند کیا حضرت فاروق اعظم نے حاکم مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے لحاظ کی تاکید فرمائی جب سندر قطع مسافت کے بعد حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے ایک کشادہ زمین کا قطعہ ان کے نام کر دیا سندر اس زمین سے کھاتے اور وہیں رہتے تھے جب ان کا انتقال ہو گیا تو اسے بیت المال میں منتقل کر دیا گیا ابن غفیر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ زنباع بڑے متمول اور صاحب دولت اور ان پڑھ تھے عبدالملک بن مروان کے زمانہ تک زندہ رہے اصابہ میں ہے کہ زنباع سلامہ کے بیٹے تھے اس کے بعد استیعاب کی مانند قصہ بیان کیا۔

ایک شمعون رضی اللہ عنہ تھے استیعات میں شمعون بن خشافہ قرظی یعنی بنی قریظہ کے تھے اور ابو ریحانہ وانصار کے حلیف تھے بعض کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اور کہتے ہیں کہ یہ ریحانہ کے والد تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم تھیں انہیں کی نسبت سے ان کی کنیت تھی صحبت وسماع پائی ہے اور ان سے روایت بھی لی گئی ہے اور یہ فضلاء زہاد میں سے تھے۔ شام میں سکونت رکھتے تھے اور شامیوں نے ان سے روایت کی ہے۔ ''کاشف'' میں کہا گیا ہے کہ وہ متورع تھے اور غزوات کے قصے بیان کرتے تھے۔ تہذیب میں ہے کہ بعض نے شمغون (غین کے ساتھ) بھی کہا ہے اور اصابہ میں شمعون کو (عین کے ساتھ اور غین کے ساتھ) دونوں طرح سے بولا گیا ہے۔ ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ ان کی مشہور کنیت ہے بعض نے ان کو ازدی بعض نے انصاری کہا اور بعض قرشی بھی کہتے ہیں۔ ابن عساکر نے کہا کہ اول زیادہ صحیح ہے۔ شیخ کہتے ہیں کہ تمام انصار ازدی ہیں اور ممکن ہے کہ یہ بعض قریش کے حلیف میں داخل ہوں اس طرح تمام اقوال میں تطبیق وجمع ہو جاتی ہے۔ شام میں سکونت رکھی اور ان کی حدیث مصریوں میں ہے۔ ابوالحسن رازی نے اپنے باعتماد شیوخ سے نقل کیا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جو دمشق میں اس مکان میں آ کے رہے جس میں ان کا خاندان آباد تھا ان کو صحبت حاصل ہے اور پانچ حدیثیں مروی ہیں۔ بیت المقدس میں انہوں نے سکونت اختیار کی اور وہیں ان سے روایتیں لی گئیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور میں نے قرآن کریم کی تلاوت' شاق ودشوار ہونے کی شکایت کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی تم طاقت نہیں رکھتے اس کا بوجھ اٹھانے پر تم کو مکلف نہیں کیا گیا اور سجدہ ریزی کو اپنے او پر لازم کر لو تو ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ بکثرت سجدے کیا کرتے تھے۔ منقول ہے کہ ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ کشتی میں سوار تھے ان کے ساتھ قرآن کریم تھا اور ایک سوئی تھی سوئی دریا میں گر پڑی انہوں نے فرمایا خدا کی قسم اے خدا میری سوئی مجھے واپس کر دے تو دریا سے سوئی نمودار ہو گئی اور آپ نے اسے لے لیا اصابہ میں اور بھی ان کے حالات بیان کیے ہیں۔ ان کی کنیت ابو ریحانہ بتائی ہے لیکن یہ بیان نہ کیا کہ وہ ریحانہ حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد تھے پھر کیوں کر ممکن ہے کہ ابو ریحانہ انصاری یا ازدی یا قرشی ہوں البتہ اس قول پر ممکن ہے کہ شمعون ابو ریحانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کنیزوں کے ذکر میں گزر چکا ہے کہ ریحانہ زید بن عمرو کی بیٹی تھیں بعض کہتے ہیں کہ ریحانہ بنت شمعون بنی نضیر یا بنی قریظہ کے اسیروں میں سے تھیں اور بر طریق ملک یمین ان کو شرف ہمبستری

سے نوازا بعض کہتے ہیں کہ آزاد کر کے ان سے نکاح فرمایا یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہی ریحانہ رضی اللہ عنہا قیدیوں میں سے تھیں یا ان کے باپ بھی تھے جب شمعون کو قرظی بیان کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ بنی قریظہ کے قیدیوں میں سے ہوں گے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک ضمیرہ رضی اللہ عنہ ہیں ضمیرہ بصیغہ تصغیر' ابو ضمیرہ کے فرزند ہیں۔ استیعاب میں ہے کہ ضمیرہ بن ابی ضمیرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ ابو ضمیرہ اور ان کے بیٹے ضمیرہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے وہ حسین بن عبد الملک بن ضمیرہ کے دادا ہیں ان کو اہل مدینہ میں شمار کیا جاتا ہے اور ابن ابی وہب نے حسین بن عبد الملک بن ضمیرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضمیرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے پاس سے گزرے تو وہ رو رہی تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کس چیز نے تم کو رلایا ہے' کیا تم بھوکی ہو یا ننگی ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا بیٹا مجھ سے جدا کر دیا گیا ہے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی نہ کی جائے اس کے بعد کسی کو اس کے پاس بھیجا جس کے پاس ضمیرہ رضی اللہ عنہ تھے اور ان کو ایک اونٹ کے بدلے خرید لیا۔

منقول ہے کہ ضمیرہ ابن ابی ضمیرہ رضی اللہ عنہ کیلئے ایک گرامی نامی تحریر فرما کر عطا فرمایا کیونکہ وہ اہل عرب میں سے تھے اور اس مالِ غنیمت میں سے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حلال فرمایا پھر ضمیرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میری خواہش ہے کہ میں اپنے لوگوں سے ملاقات کروں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا مگر انہوں نے خدا اور رسول خدا کو اختیار کیا لہٰذا کوئی ان سے تعرض نہ کرے مگر یہ کہ سب خیر و برکت سے پیش آئیں البتہ مسلمان جب ان سے ملاقات کریں تو چاہیے کہ ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے اسے ابی ابن کعب اور عبد بن اسلم نے اصابہ میں بیان کیا ہے۔

ایک عبداللہ بن اسلم ہاشمی مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کو بغوی نے ذکر کیا ہے ان کے سوا نے صحابہ میں بیان کیا ہے اور امام احمد اور ان کے سوا نے بطریق ابن لہیعہ' بکر بن سوادہ نے عبداللہ بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ اَشْبَهْتَ خَلْقِیْ وَخُلُقِیْ تم میری شکل و اخلاق میں مشابہ ہو۔

ایک غیلان ہیں اصابہ میں ہے کہ غیلان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اسے ابن السکن نے بیان کیا ہے اور کہا کہ ان سے ایک حدیث مروی ہے جسے اہل رقہ نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دجال اس حال میں خروج کرے گا کہ وہ لوگوں کو اپنے حق و عدل کی دعوت دے گا تو کوئی کافر اس کی پیروی کیے بغیر باقی نہ رہے گا اور لوگ اسے پہچان نہ سکیں گے اس کے بعد یکایک اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان نمودار ہوگا کہ وہ کافر ہے جسے ہر مومن پڑھے گا اس کے ظاہر ہونے کے بعد مسلمان اس سے جدا ہو جائیں گے اور کافر اس کی پیروی کریں گے۔

ایک فضالہ رضی اللہ عنہ ہیں جو یمن کے رہنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ جعفر مستغفری سے منقول ہے کہ وہ شام آ کے رہے ہیں ابوبکر بن محمد بن حزم نے ان کا تذکرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی میں کیا ہے۔ محمد بن سعد نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ وہ شام میں آ کے رہے اور وہیں ان کی اولاد ہے۔ ان کے حالات میں سے صرف اتنا ہی معلوم ہے۔

ایک نفیر رضی اللہ عنہ ہیں نفیر بصیغہ تصغیر دو اشخاص مذکور ہیں ایک استیعاب میں نفیر بن المغلس بن نفر الحضرمی ہیں اور نفر بن مالک بن عامر الحضرمی کہا جاتا ہے وہ جبیر بن نفیر کے والد ہیں اور ابو جبیر ان کی کنیت ہے۔ اہل شام میں ان کا شمار کیا گیا ہے ان کے بیٹے جبیر رضی اللہ عنہ بن نفیر نے حدیثیں روایت کی ہیں جن میں سے کچھ تو وضو کی صفت میں ہیں اور کچھ دجال کی نشانیوں میں ہیں اور دوسرے نفیر

(اصابہ میں) نفیر بن نجب شامی و یمانی ہیں کہا جاتا ہے کہ انہیں صحبت حاصل ہے تو دو نفر ہیں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سے کون سے نفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ (واللہ اعلم)

ایک کریب رضی اللہ عنہ بصیغہ تصغیر ہیں اصابہ میں ہے کہ کریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور عیدان مروزی نے ان کو صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ شیخ نے کہا کہ یہ خطا اور کتابت کی ہے وہ حرب' ابوسلمہ رضی اللہ عنہما راعی ہیں۔

ایک محمد بن عبدالرحمٰن ہیں ایک محمد اور بھی ہیں کہتے ہیں کہ ان کا نام ناہیہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نام کو بدل کر محمد رکھا۔ استیعاب اور اصابہ میں محمد نام کے بہت سے بیان کیے گئے ہیں جو منسوب ہیں اور ایک محمد غیر منسوب بھی بیان کرتے ہیں ان کو کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اسے حاکم نے تاریخ نیشاپور میں ان لوگوں کے درمیان جو خراسان سے وہاں آئے بیان کیا ہے اور ان کے فرزندوں سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ میرے باپ کا نام ناہیہ تھا وہ مجوسی تھے جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر سنی تو وہ تجارت کی غرض سے گھر سے نکلے اور مدینہ طیبہ پہنچے پھر وہ مسلمان ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام محمد رکھا پھر وہ مسلمان ہو کر اپنے شہر میں لوٹے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام کہا جاتا ہے ان کا گھر مرو میں تھا اسے ابوموسیٰ نے حاکم کی سند سے نقل کیا ہے دوسرے محمد بن عبدالرحمٰن ہیں کہا جاتا ہے کہ محمد بن عبدالرحمٰن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور ان کو سبطین' عیدان مروزی اور ماوردی نے صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ مروی ہے کہ محمد بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ موالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی عورت کا ستر کھول لے اس پر مہر واجب ہو جاتا ہے یعنی دخول کے ساتھ ہی مہر واجب ہو جاتا ہے۔ مولیٰ کے کہنے کی وجہ ظاہر نہ ہوئی ممکن ہے کہ چونکہ وہ مجوسی تھے قید میں آ گئے ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزادی بخشی ہے۔ (واللہ اعلم)

ایک مکحول ہیں یہ نام ان کتابوں میں نہیں پایا گیا مگر وہ مکحول جو شامی مشہور ہیں وہ تابعین میں سے ہیں۔

ایک نافع ابوالسائب رضی اللہ عنہ ہیں استیعاب میں ہے کہ نافع رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ تکبر کرنے والا بہت زیادہ زنا کرنے والا اور اپنے اعمال پر لوگوں پر احسان جتلانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اسے خالد بن امیہ نے ان سے روایت کیا ہے لیکن ابوالسائب جیسے روضۃ الاحباب میں نافع کے ساتھ بیان کیا ہے پایا نہیں گیا البتہ ابوالسائب کنیت کے نافع کے سوا بہت سے صحابہ کرام ہیں۔ ابوالسائب غیلان کے غلام تھے اور وہ غیلان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے مسلمان ہو گئے تھے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا پھر غیلان رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انہیں واپس کر دیا ممکن ہے کہ انہیں اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مولیٰ کہا گیا ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد فرمایا تھا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ کنیت نافع کی ہے حالانکہ روضۃ الاحباب کی عبارت سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

ایک نبیر رضی اللہ عنہ ہیں منیہ بنون موحدہ برصیغہ تصغیر وبعض بروزن عظیم کہتے ہیں۔ ابن عبدالبر نے استیعاب میں کہا ہے کہ میں ان کو اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ بعضوں نے ان کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی کیا ہے اور کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خرید کر آزاد کیا تھا۔ اصابہ میں صاحب الجوہر سے منقول ہے کہ وہ ''سراۃ'' کے رہنے والے تھے۔

ایک نہیک رضی اللہ عنہ ہیں نہیک رضی اللہ عنہ بنون و باء بروزن شریک ہے۔ اصابہ میں ہے کہ نہیک بن الاسود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں مروی ہے کہ جب زمانہ علالت

میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہوئی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نماز کیلئے کھڑے ہوئے تو افاقہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ مسجد شریف میں تشریف لے جائیں اس وقت ایک حبشی غلام نے (جو ہمارے پاس تھا) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دیا۔ اصابہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حبشی غلام سے مراد یہی نہیک بن الاسود رضی اللہ عنہ ہیں۔ (واللہ اعلم)

ایک نفیع رضی اللہ عنہ (بنون و فا بصیغہ تصغیر) ابوبکرہ (بفتح با دسکون کاف و دراحرتا) ہیں ان کا نام نفیع رضی اللہ عنہ بن الحارث بن کلدہ ثقفی ہیں اور بعض نے نفیع بن مسروح اور بعض نے مسروح بن کلدہ ان کا نام بتایا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حارث بن کلدہ ثقفی کے غلام تھے اور انہوں نے ان کو اپنا بیٹا بنالیا تھا۔ ابوبکرہ کی ماں شمہ حارث کی باندی تھی اور وہ زیاد بن ابوسفیان کی ماں تھی اس نے زمانہ جاہلیت میں اس سے زنا کیا تھا اور ان پر ان کی کنیت غالب آ گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت رکھی تھی۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنے سامان کو کنویں کے ڈول میں رکھ کر طائف کے روز اتارا تھا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف کے قلعہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے یہ یہ نفیع رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار مبارک کے شوق میں خود کو ڈول میں ڈال کر نیچے اترے تھے اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابوبکرہ رکھی تھی۔ (بکرہ کے معنی ڈول کے ہیں) چنانچہ وہ اسی کنیت سے مشہور ہو گئے۔ منقول ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قلعہ طائف کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو منادی کو حکم ہوا کہ وہ اعلان کر دے جو کوئی غلام اتر کے ہماری طرف آئے گا اسے آزادی بخش جائے گی اس وقت دس غلام اُتر کے آئے ان میں سے ایک یہ نفیع رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مغلطائی کے نزدیک اس روز تئیس غلام اتر کر آئے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آنے والے کو آزاد کر کے صحابہ کرام کو ایک ایک کر کے سپرد فرما دیا تھا کہ وہ ان کی نگہداشت و خیال رکھیں یہ بات طائف والوں پر بہت دشوار معلوم ہوئی جب طائف کے کچھ لوگ حاضر بارگاہ ہوئے اور اسلام قبول کیا تو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے غلاموں کو طلب کیا کہ وہ انہیں لوٹا دیئے جائیں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سب اللہ کے آزاد کردہ ہیں یہ حکایت پہلے غزوہ طائف میں گزر چکی ہے یہ قول اس کی تائید کرتا ہے کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ حارث کے غلام تھے اگر نہ بھی ہوں تو وہ خود اپنے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام کہتے تھے اور مسلمانوں سے کہتے میں تمہارا دینی بھائی ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اگر اس بات کا انکار کرو تو میں نفیع رضی اللہ عنہ بن مسروح ہوں یہ نفیع رضی اللہ عنہ فضلائے صحابہ اور اخیار صحابہ میں سے تھے وہ بصرے میں آ کر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ بصرے میں ان کی اولاد اکابر و اشراف ہوئی۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بصرے میں حضرت عمران بن حصین اور ابی بکرہ رضی اللہ عنہما سے زیادہ افضل صحابی سکونت پذیر نہ ہوا اور انہوں نے روز جمل گوشہ نشینی اختیار کی اور کسی جانب میلان کا اظہار نہ کیا اور نہ کسی فریق کے ساتھ قتال کیا۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے ۴۹ھ یا ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں بصرے میں وفات پائی اور وصیت کی کہ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ اسلمی نماز جنازہ پڑھائیں۔

ایک ہرمزا ابوکیسان رضی اللہ عنہ ہیں اصابہ میں ہے کہ کیسان رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی میں سے ہیں اور ان کو ہرمز بھی کہا گیا ہے۔ استیعاب میں ہے کہ کیسان رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی میں سے ہیں اور ان کا نام ہرمز کہا جاتا ہے ان کی کنیت ابوکیسان رضی اللہ عنہ ہے ان کے نام میں اختلاف کیا گیا ہے یا تو کیسان ہے یا مہران یا طہمان یا ذکوان ہے یہ سب اقوال اس حدیث میں ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تحریم صدقہ کے بارے میں ہے۔

ایک وردان رضی اللہ عنہ ہیں (بہ فتح واؤ و سکون راء) اصابہ میں ہے کہ وردان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی ہیں۔ ابونعیم نے صحابہ میں ذکر کیا ہے اور حضرت عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کھجور کی

ٹہنی سے گر کر فوت ہوئے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی اولاد کو تلاش کرو اور اس کا ترکہ اسے دے دو تو ایک شخص کو پایا اور اسے اس کی میراث دے دی۔

ایک یسار رضی اللہ عنہ ہیں یسار کا تذکرہ پہلے رباح کے حالات میں بیان ہو چکا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کے چرواہے تھے جن کو عرنیوں نے شہید کیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یسار رضی اللہ عنہ کے قصاص میں ان بدبختوں کو واصل جہنم کیا تھا اور ریاح رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ مقرر فرمایا تھا اس جگہ جو یسار رضی اللہ عنہ مذکور ہوا ہے یا تو مکرر واقع ہوا ہے یا یہ کوئی دوسرے یسار رضی اللہ عنہ ہیں یسار نام کے بہت سے لوگ بیان کیے گئے ہیں گمان ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی بھی ہوں گے ایک یسار رضی اللہ عنہ حبشی غلام ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی ثعلبہ کے غطفان کی جماعت پر تاخت فرمائی تھی تو اس راہ میں ایک غلام ملا تھا جس کا نام یسار رضی اللہ عنہ تھا دوسرے یسار ان لوگوں میں ہیں جو طائف کے قلعہ میں سے اتر کے آئے تھے اور وہ مسلمان ہو گئے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو آزاد کر دیا تھا لیکن اس جگہ جو یسار رضی اللہ عنہ مذکور ہے اصابہ میں کہا گیا ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ اس کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ طائف میں جتنے غلام اتر کے آئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک ایک صحابی کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ ان کی نگہداشت کریں ان یسار رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا ہوگا بالآخر سب کو آزادی بخشی اور فرمایا هُمْ عُتَقَاءُ اللهِ یہ اللہ کے آزاد کردہ ہیں تو اگر ان یسار کو حضرت عثمان کا غلام کہا گیا تب بھی درست ہے اور اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام کہیں تب بھی جائز ہوگا اور ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بھی خود کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام جانتے تھے ان سب کو اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موالی کہیں تو بھی ممکن ہے۔ (واللہ اعلم)

ایک ابواثیلہ رضی اللہ عنہ ہیں (بصیغہ تصغیر و بے تصغیر دونوں ہیں) ابن جوزی نے تلقیح میں ذکر کیا ہے اور ان کی تعریف اس طرح کی ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اس جگہ ابواثیلہ رضی اللہ عنہ دوسرے ہیں ان کا نام راشد ہے۔ منقول ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ان کا نام ظالم تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انت راشد تم راشد ہو۔ راشد نام کے دو شخص ہیں ایک راشد بن حفص بن عمرو بن عبدالرحمٰن بن عوف دوسرے راشد بن عبدربہ اسلمی۔ اصابہ میں ہے کہ راشد بن عبدربہ کا نام غوث تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام راشد کر دیا ان دونوں کی کنیت ابواثیلہ ہے۔ وہ ابواثیلہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام کہتے ہیں ان کا نام مذکور نہیں ہے یہ تمام باتیں اصابہ میں بیان کی گئی ہیں۔ اصابہ میں یہ نام اور یہ کنیت کچھ مذکور نہیں ہے۔

ایک ابوالبشیر رضی اللہ عنہ ہیں استیعاب اور اصابہ میں ایک ابوالبشیر صحابہ میں سے انصاری بیان کیے گئے ہیں۔ جن سے طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کی حدیث مروی ہے۔ انہوں نے طویل عمر پائی تھی کہتے ہیں کہ ایک کے سوا دوسرے ابوالبشیر صحابہ میں نہیں ہیں لیکن کسی نے ان کا غلام ہونا بیان نہیں کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

ایک ابوصفیہ رضی اللہ عنہ ہیں اصابہ میں ہے کہ ابوصفیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور کہا کہ بخاری نے ان کو مہاجرین میں شمار کیا ہے۔ یونس بن عبیدہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے ابوصفیہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے جو مہاجرین میں سے تھے اور کھجوروں کی گٹھلیوں پر تسبیح پڑھتے تھے اسے بغوی نے روایت کیا دوسری سند یں ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے ابوصفیہ مولی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ ان کے آگے کنکریاں رکھی جاتیں تو وہ شام سے آدھی رات تک اور ظہر سے شام تک اس سے تسبیح کرتے تھے۔ استیعاب میں بھی مروی ہے کہ ابوصفیہ رضی اللہ عنہا مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے

تھے اور گٹھلیوں پر تسبیح کرتے تھے۔

ایک ابوقبیلہ ہیں ابوقبیلہ کا تذکرہ پایا نہیں گیا البتہ ابوقبیلہ کا نام مرشد ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ وہ صحابی ہیں یا تابعی بہر تقدیر مولا اور صحابی ہونا ثابت نہیں۔ (واللہ اعلم)

ایک ابولبابہ رضی اللہ عنہ ہیں اصابہ میں ہے کہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اسے محمد بن حبیب نے اپنی کتاب محرز نامی میں بیان کیا ہے اور بلاذری نے بیان کیا ہے کہ وہ بنوقریظہ سے ہیں اور وہ مکاتب تھے جب وہ بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خرید کر آزادی بخشی۔ انہوں نے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی یہ پڑھے کہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ کافروں کے مقابلہ سے بھاگا ہو۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ یسار بن زید بن المنذر کے والد ہیں۔ شیخ کہتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ یہ حدیث زید بن ہلال نے روایت کی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے جیسا کہ مذکور ہوا (انتہی) یہ ابولبابہ ابولبابہ بن عبدالمنذر کے سوا ہیں جن کا نام رفاعہ رضی اللہ عنہ ہے اور جنہوں نے اپنے آپ کو مسجد شریف کے ستون سے باندھ لیا تھا جیسا کہ اپنی جگہ میں مذکور ہو چکا ہے۔

ایک ابولقیط رضی اللہ عنہ ہیں اصابہ میں ہے کہ ابولقیط رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبشی یا کوئی غلام ہیں اور یہ زمانہ خلافت فاروقی تک حیات رہے۔ صاحب استیعاب نے فرمایا کہ بعض اہل سیر نے ان کو موالی میں بیان کیا ہے مگر میں ان کو نہیں پہچانتا اور شیخ فرماتے ہیں کہ محمد بن حبیب نے کتاب ''محرز'' میں ان کا ذکر کیا ہے اور کہا کہ جعفر مستغفری نے کہا کہ وہ عہد خلافت فاروقی میں دیوان (دفتر) اٹھاتے تھے۔

ایک ابوالیسر رضی اللہ عنہ (بیاء تحتانیہ وسین مہملہ دونوں زبر سے) ہیں۔ یہ مشہور صحابی ہیں۔ استیعاب جامع الاصول، اصابہ اور کتب احادیث میں ان کا تذکرہ ہے لیکن اس نام کے کسی ایسے شخص کو جو مولی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے موسوم ہو نہیں جانا گیا۔ استیعاب میں ان کے آباء واجداد کا نسب بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ وہ انصاری اور سلمی ہیں اور عقبہ کے بعد بدر میں شریک ہوئے اس بنا پر وہ عقبی اور بدری ہوئے۔ انہوں نے ہی بدر میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اسیر کیا تھا باوجود یہ کہ وہ پستہ قامت کوتاہ گردن اور بڑے پیٹ والے تھے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت زیادہ دراز قامت تھے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: لَقَدْ اَعَانَکَ عَلَیْہِ مَلَکٌ کَرِیْمٌ بلاشبہ ان کی اسیری پر عزت والے فرشتہ نے تمہاری مدد کی اور انہوں نے ہی بدر کے دن مشرکوں کے ہاتھوں سے علم چھینا تھا اور وہ علم ابوعزیز بن عمر کے ہاتھ میں تھا جنگ صفین میں حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں حاضر ہوئے اور مدینہ طیبہ میں رہتے تھے۔ ۵۵ھ میں وفات پائی یہ الفاظ استیعاب کے ہیں۔ اصابہ میں اسی طرح بیان کر کے ان کا نام ان کی کنیت اور ان کا نسب بیان کیا ہے اور کہا کہ ابوالیسر رضی اللہ عنہ (بفتحتین) انصاری ہیں ان کا نام کعب بن عمر رضی اللہ عنہما ہے اور اپنی کنیت کے نام سے مشہور ہیں۔ عقبہ کے بعد بدر میں حاضر ہوئے اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔ بخاری نے کہا کہ یہ صحابی ہیں اور بدر میں حاضر ہوئے کوتاہ گردن اور بزرگ شکم کے تھے۔ مدینہ طیبہ میں ۵۵ھ میں وفات پائی اور بدریوں میں سے فوت ہونے والے یہ آخری صحابی تھے ان سے عبادہ بن ولید بن عبادہ بن الصامت نے روایت بیان کی ان کی حدیث طویل ہے جسے مسلم نے بیان کیا ہے یہ عبارت اصابہ کی ہے اور جامع الاصول میں کنیت کے ذکر میں کہا ہے کہ ابوالیسر رضی اللہ عنہ (بہ فتح یا فتح سین راء کے ساتھ) کعب بن عمرو انصاری مشہور صحابی ہیں اور اسماء کے ذکر میں کہا ہے کہ ابوالیسر کعب بن عمرو انصاری سلمی عقبہ اور بدر میں حاضر ہونے والے ہیں اور وہی ہیں جنہوں نے حضرت

عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو اسیر کیا تھا۔ مدینہ طیبہ میں ۵۵ھ میں وفات پائی ان کے سوائی کوئی اور ابوالیسر مذکور نہیں ہے خدا ہی جانتا ہے کہ سیرت لکھنے والوں نے ان کا مولی ہونا کہاں سے نقل کیا ہے۔

ایک ذکوان رضی اللہ عنہ ہیں یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی میں سے ہیں استیعاب اور اصابہ میں بیان کیا گیا ہے اور کہا کہ ان کی حدیث عطابن السائب یہ ہے کہ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَاتَحِلُّ لِیْ وَلَا لِاَھْلِ بَیْتِیْ وَاِنَّ مَوَالِیَ الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِھِمْ بیشک صدقہ کا مال نہ میرے لیے حلال ہے اور نہ میری اہلِ بیت کیلئے اور قوم کے غلام ان کے ساتھ ہیں بعض نے طہمان کہا ہے اور بعض نے شک کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

اب رہا باندیوں کا تذکرہ تو ان کے نام یہ ہے ایک ام رافع رضی اللہ عنہا زوجہ ابورافع رضی اللہ عنہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور اکرم کی خادمہ ہیں کہتے ہیں کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کی باندی تھیں مگر ان کو مولاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں ان کا تذکرہ خدام بارگاہ کے ضمن میں گزر چکا ہے روضۃ الاحباب میں سلمی وام رافع رضی اللہ عنہا واقع ہوا ہے گویا کہ سلمٰی مولاۃ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کو سلمٰی ام رافع رضی اللہ عنہ سے جدا شمار کیا ہے اور شیخ نے اصابہ میں فرمایا ہے کہ میں نے مجموعہ ادبیہ میں ابویعقوب جرمی کا لکھا ہوا ایک خط دیکھا ہے انہوں نے لکھا کہ یہ وہ عورت ہے جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جب وہ شکار سے واپس آئے تھے کہ تم دیکھتے نہیں کہ ابوجہل ملعون تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیسی زیادتی کرتا ہے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غصہ میں آئے اور ابوجہل کے پاس پہنچ کر اس کے سر پر کمان ماری یہاں تک کہ اس ملعون کا سر پھاڑ ڈالا اور اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے۔

یہ سلمٰی رضی اللہ عنہا' صفیہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کی باندی تھیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشغول رہتی تھیں دوسری سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ہیں جو کہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ کی والدہ ہیں ان کا تذکرہ "سراری" میں گزر چکا ہے۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی بہن شیریں ہیں ان دونوں کو مقوقس شاہ اسکندریہ نے بھیجا تھا پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیریں کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا ان سے عبدالرحمٰن بن حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت پیدا ہوئے تیسری باندی رضوی ہیں۔

اصابہ میں ہے کہ رضوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیزک ہیں اور ابوموسیٰ نے بیان کیا کہ مستغفری نے ان کا ذکر کیا ہے لیکن ان کے حالات میں سے کچھ تذکرہ نہیں کیا چوتھی باندی امیمہ رضی اللہ عنہا ہیں اصابہ میں ہے کہ ابوعمر نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہی تھی اور آپ کے دست مبارک پر پانی ڈال رہی تھی اچانک ایک شخص داخل ہوا اور اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے گھر جانا چاہتا ہوں مجھے کوئی نصیحت فرمایئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ (الحدیث)

پانچویں دریحہ رضی اللہ عنہا (بروزن تصغیر) ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیزک ہیں۔ ابن سعد نے اسے بیان کیا ہے چھٹی سائبہ ہیں۔ اصابہ میں ہے کہ سائبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیزک ہیں انہوں نے یقظہ کی حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور ان سے طارق بن عبدالرحمٰن نے اپنی تاریخ نسائی میں روایت کیا ہے اسی طرح ابوموسیٰ کی کتاب ذیل میں ہے ساتویں ام ضمیرہ رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی اور ابوضمیرہ رضی اللہ عنہا کی زوجہ اور ضمیرہ رضی اللہ عنہ ان کا بیٹا ہے اور ابوضمیرہ کا تذکرہ موالی میں گزر چکا ہے۔

باب ششم

در ذکر محافظین بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

حراست کے لغوی معنی حفاظت ونگہبانی کرنے کے ہیں۔ حارس کے معنی پاسبان و پہریدار اور خراس اس کی جمع ہے اور احتراس کے معنی اپنی آپ نگہبانی کرنے یا کسی کو اپنی نگہبانی کیلئے مقرر کرنے کے ہیں جس طرح کہ بعض صحابہ کرتے تھے ان کی نگہبانی اس معنی میں نہیں ہے کہ اپنی نگہبانی کیلئے ان کو مقرر کیا تھا بلکہ صحابہ کرام کے کچھ حضرات ازخود اس کام میں مشغول ہوتے اور اس سعادت سے مشرف ہوتے تھے۔ محدثین نے ایسے محافظین صحابہ کو ضبط کیا ہے ممکن ہے کہ ان میں کچھ حضرات اس سعادت پر ہمیشہ قائم رہے ہوں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باتباع سنت الٰہی عزوجل ایسے اسباب کی رعایت ملحوظ رکھتے تھے جب آیۂ کریمہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ نازل ہوئی تو آپ نے اسے ترک فرما دیا ان پہریداروں میں سے ایک حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں جو اشہل اوسی ہیں اور اکابر واجلہ اصحاب میں سے ہیں اور مدینہ طیبہ میں عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ کے درمیان حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (جن میں قبل از ہجرت تعلیم اصحاب مدینہ کیلئے بھیجا گیا تھا) کے ہاتھ پر اسلام لائے اور انصار میں سے انہیں کا گھرانا سب سے پہلے اسلام لایا یہ اپنی قوم میں مخدوم وپیشوا اور بزرگ تھے جیسا کہ گزر چکا ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ''سید الانصار'' کا لقب مرحمت فرمایا تھا اور وہ بدر واحد میں حاضر ہوئے اور روز احد وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ غزوہ خندق میں ان کے رگ اکحل میں تیر لگا اور ایک ماہ کے بعد اسی زخم سے ان کی وفات ہوئی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتے آئے اور جبریل علیہ السلام نے آ کے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو خوشخبری پہنچا دیجئے کہ ان کے استقبال کیلئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور عرش الٰہی ان کی وفات پر جنبش میں آ گیا ہے ان تمام حالات کی تفصیل غزوہ خندق اور غزوہ بنی قریظہ میں گزر چکی ہے ان کی نگہبانی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے روز بدر تھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ایک عریش بنایا گیا تھا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عریش میں خواب استراحت فرمایا تھا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس عریش کی نگہبانی کر رہے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی روز بدر میں عریش میں تیغ برہنہ کشیدہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کھڑے پہرہ دے رہے تھے تاکہ کوئی مشرک حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہ آ سکے اسے ابن السماک نے کتاب ''الموافقت'' میں بیان کیا ہے (کذا فی المواہب) حراست ونگہبانی کے معنی اس جگہ بیان کرنا زیادہ بہتر واحق ہے تعجب ہے کہ روضۃ الاحباب میں بیان نہیں کیا گیا۔

ایک محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ انصاری مدنی اشہلی ہیں تبوک کے سوا بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے غزوات کے موقع پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مدینہ طیبہ میں چھوڑ گئے تھے اور وہ فضلائے صحابہ میں سے تھے اصحاب میں سب سے پہلے انہیں کا نام محمد رضی اللہ عنہ رکھا گیا ان کا رنگ گہرا گندمی تھا اور طویل القامت وجسیم تھے تحقیق یہ ہے کہ وہ سیاہ رنگ اور تنومند تھے اور حضورِ اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کے حکم سے فتنہ سے بچنے کیلئے گوشہ نشین ہو گئے تھے جمل وصفین میں شریک نہ ہوئے اصابہ میں منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جسے فتنہ ضرر نہ پہنچائے گا اور محمد بن مسلمہ کو یاد کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کے سننے کی صراحت کی ہے اسے بغوی وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث مشکوۃ میں بھی بروایت ابوداؤد منقول ہے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار دے کر فرمایا اس تلوار سے مشرکوں کے ساتھ قتال کرو جب تک کہ قتال کیا جائے اور جب امت کا یہ حال ہو کہ وہ ایک دوسرے کی گردن زدنی کریں تو اس تلوار کو پتھر پر مار کر توڑ دینا اور اپنے گھر میں بیٹھ جانا اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جو حضرات فتنہ کے زمانہ میں گھروں میں بیٹھے رہے ان میں حضرت سعد بن ابی وقاص عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما محمد بن مسلمہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما تھے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما کے دس بیٹے اور چھ لڑکیاں اسلام لائیں یہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اول وقت میں قبل از ہجریت اسلام لائے اور ان کی تمام اولاد اسلام لائی ان سے مشکوۃ میں بروایت نسائی حدیث مروی ہے کہ فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفلی نماز کیلئے قیام فرماتے تو پڑھتے: اَللّٰہُ اَکْبَرُ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔

ان کی رحلت ۴۶ھ یا ۴۷ھ میں ستتر سال کی عمر میں ہوئی حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہا کی نگہبانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے روز احد تھی۔ (کذافی المواہب)۔

ایک ذکوان بن عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ ہیں ان کو مواہب میں ذکر نہیں کیا گیا ہے روضۃ الاحباب میں مروی ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ذکوان بن عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روز احد پہریدار تھے لیکن غزوۂ احد کے قضیہ میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ روز احد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چودہ اصحاب باقی رہ گئے تھے سات مہاجرین میں سے اور سات انصار میں سے ان دونوں زمروں کے اشخاص کو بیان کرنے کے بعد آخر میں کہا کہ اہل سیر بتاتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ بھی انہیں میں سے ایک تھے اور ان میں ذکوان بن عبداللہ بن قیس کا تذکرہ بالکل کیا ہی نہیں اور استیعاب واصابہ میں بھی ذکوان بن قیس کہا ہے اور ذکوان بن عبداللہ بن قیس نہیں کہا اور وہ غزوۂ احد کے شہداء میں سے ہیں اصابہ میں منقول ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد کیلئے باہر تشریف لائے تو فرمایا جو شخص پسند کرتا ہے کہ ایسے شخص کو دیکھے جس کے پاؤں کل کو جنت کے سبزہ زاروں کو روندیں گے وہ اس شخص کو دیکھ لے الفاظ مبارک یہ ہیں مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی رَجُلٍ یَطَأُ قَدَمُہٗ غَدًا خُضْرَۃَ الْجَنَّۃِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی ھٰذَا الحدیث بطولہ اور استیعاب میں کہا گیا ہے کہ حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ عقبہ اولیٰ اور ثانیہ میں حاضر ہوئے اس کے بعد مدینہ طیبہ سے چل کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اکرم مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئے اور وہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اسی بنا پر ان کو مہاجری اور انصاری کہتے ہیں بدر میں حاضر ہوئے اور غزوہ احد میں شہید ہوئے ان دونوں کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے پہرہ داری کرنے کا ذکر نہیں ہے مگر یہ ممکن ہے کہ ذکوان بن عبداللہ بن قیس جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہرہ دار تھے دوسرے شخص ہوں لیکن ان کا تذکرہ کہیں پایا نہیں گیا۔ (واللہ اعلم)

ایک حضرت زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن کلاب اسدی قرشی رضی اللہ عنہ ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب شریف قصی میں مل جاتا ہے صفیہ بنت عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھپھی ہیں یہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں اور ام المومنین سیدہ خدیجہ بنت خویلد ان کی پھپھی ہیں اور اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی زوجہ ہیں یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سولہ سال کی عمر میں اسلام لائے تھے بعض پچیس سال بتاتے ہیں اصابہ میں بارہ سال اور آٹھ سال بھی منقول ہے اسلام

لانے کے بعد ان کے چچا نے ان پر بہت سختیاں کیں ان کو چٹائی میں لپیٹ کر دھواں پہنچاتے تھے تا کہ یہ اسلام کو چھوڑ دیں مگر انہوں نے دامن اسلام نہ چھوڑا اور حبشہ ہجرت کر کے چلے گئے بدر اور اس کے بعد غزوات میں شریک ہوئے اور روزِ اُحد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے اور غزوۂ خندق میں وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہبانی کرتے تھے جیسا کہ گزر چکا ہے اور ان دس اشخاص میں سے ایک ہیں جن کے لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے اور وہ اُن چھ اشخاص میں سے ایک ہیں جن کی رائے پر امر خلافت کا مشورہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سپرد کیا تھا کہ ان میں سے کسی ایک پر اتفاق کر کے خلیفہ چن لیں وہ طویل القامت دبلے اور گندمی رنگ کے تھے ان کے بال اتنے طویل تھے کہ جب سوار ہوتے تو ان کے بال زمین میں لٹک جاتے تھے ان کے ہزار غلام تھے جو خراج دیتے تھے اور وہ اس میں سے کچھ گھر نہ لاتے تھے سب کو صدقہ کر دیتے تھے لوگوں نے ان سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں کم روایت کرنے کا سبب پوچھا تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری قرابت اور میرا قرب جو تھا وہ میں جانتا ہوں لیکن میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے تو میں اس خوف سے روایت نہیں کرتا مبادا میں کذب میں پڑ جاؤں باوجود یہ کہ مجھے پہلے سے اس کا علم تھا اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے راہ خدا میں تلوار اٹھائی اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے راہ خدا میں تیر اندازی کی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مناقب وفضائل بہت ہیں چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے کچھ حواری یعنی مددگار ہوتے ہیں اور میرے حواری میری امت میں سے زبیر ہیں ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ وَاَنْتُمَا حَوَارِيَّ ہر نبی کیلئے حواری ہیں اور تم دونوں میرے حواری ہو حواری محب ومخلص شخص کو کہتے ہیں جس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تھے نیز مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر سے فرمایا اے ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ! یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو تمہیں سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں قیامت کے دن تمہارے ساتھ ہوں گا تا کہ تم سے جہنم کے شعلوں کو دور کروں یہ عدم دخول جہنم کی طرف اشارہ ہے بوجہ دلیل دخول جنت کی بشارت کے جنگ جمل میں ۳۶ھ میں چونسٹھ سال کی عمر میں شہید ہوئے اور وہ وادی سباع میں دفن کیے گئے اس کے بعد بصرے منتقل کیے گئے حضرت زبیر کی شہادت کا قصہ جیسا کہ اہل سیر بیان کرتے ہیں یہ ہے کہ جب واقعہ جمل پیش آیا تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے آواز دی کہ میرے پاس زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ آئیں حضرت زبیر بن العوام آئے تو حضرت علی مرتضیٰ نے ان سے فرمایا اے زبیر رضی اللہ عنہ! میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میں اور تم دونوں سقیفہ بنی فلاں میں باہم نبرد آزمائش کر رہے تھے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے پاس سے گزر ہوا اور آپ نے فرمایا: اے زبیر! تم علی مرتضیٰ سے محبت رکھتے ہو اس پر تم نے کہا تھا کہ کوئی وجہ ایسی نہیں کہ میں علی رضی اللہ عنہ سے محبت نہ رکھوں جبکہ وہ میرے ماموں اور میرے پھپھی کے بیٹے اور میرے دین پر ہیں پھر حضور کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی مرتضیٰ سے فرمایا تم زبیر سے محبت رکھتے ہو تو میں نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ میں کیوں نہ اس سے محبت رکھوں جبکہ وہ میری پھپھی کے بیٹے اور میرے دین پر ہیں اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَاللهِ لَتُقَاتِلُهُ وَاَنْتَ ظَالِمٌ خدا کی قسم تم دونوں جنگ کرو گے دراں حال کہ تمہاری جنگ بیجا ہوگی اس پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا ٹھیک ہے خدا کی قسم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی فرماتے سنا تھا اب مجھے یاد آ گیا خدا قسم میں تم سے جنگ نہیں کروں گا۔ اس کے بعد حضرت زبیر معرکہ سے لوٹ گئے اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کیا ہوا کیوں واپس ہو رہے ہیں فرمایا حضرت علی مرتضیٰ نے مجھے وہ حدیث یاد دلائی ہے جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے لہٰذا میں ان سے جنگ

نہیں کروں گا حضرت عبداللہ نے کہا آپ تو ان سے جنگ کیلئے نہیں آئے بلکہ لوگوں کی اصلاح کرنے کیلئے آئے ہیں اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں اصلاح فرمائے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے ان سے قسم کھالی ہے میں ان سے جنگ نہیں کروں گا یہ بات لوگوں میں پھیل گئی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر لوٹ گئے قتادہ سے مروی ہے کہ جب جنگ جمل میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ واپس ہو گئے اور یہ خبر حضرت علی مرتضیٰ کو پہنچی تو فرمایا اگر ابن صفیہ رضی اللہ عنہ جانتے کہ وہ حق پر ہیں تو ہرگز پشت نہ دیتے اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایک موضع میں پہنچے اور نماز میں مشغول ہو گئے اتنے میں حضرت علی مرتضیٰ کے لشکر کا ایک شخص جرموز نامی ان کے پاس پہنچا اور عین نماز کی حالت میں اس نے ان کا سر مبارک کاٹ لیا پھر وہ حضرت علی مرتضیٰ کے پاس آیا اور بازیابی کی اجازت مانگی حضرت علی مرتضیٰ نے اسے آنے کی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمایا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا قاتل جہنمی ہے ایک روایت میں ہے کہ اس جرموز نے آ کر کہا کہ آپ کو حضرت زبیر کے قتل کی خوشخبری ہو حضرت علی مرتضیٰ نے بھی جواب میں فرمایا تجھے بھی دخول جہنم کی خوشخبری ہو اور فرمایا تو ابن صفیہ رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے پر اتراتا ہے حالانکہ تو نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنایا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں ایک روایت میں آیا ہے کہ جب اس جرموز نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تو وہ علی مرتضیٰ کے پاس آیا۔ اس کے پاس حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار تھی۔ جب حضرت علی کی نظر اس تلوار پر پڑی تو فرمایا آگاہ ہو جاؤ خدا کی قسم! اس تلوار کے مالک نے اس تلوار سے بہت سی سختیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سے دفع کی ہیں ایک روایت میں ہے کہ جرموز کا بیٹا حضرت علی ابن طالب کرم وجہہ کے پاس آیا اس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح اہل بلا کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ نے فرمایا تیرے منہ میں خاک ہو بلاشبہ میں امید رکھتا ہوں کہ میں اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر ان لوگوں میں ہوں گے جن کے بارے میں حق تبارک ب تعالیٰ نے فرمایا: وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَجْمَعِيْنَ.

ایک حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سعد بن مالک ہیں ابی وقاص مالک کی کنیت ہے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرۂ مبشرہ میں سے ایک ہیں اور ان دس میں یہ آخری وفات پانے والے ہیں اور مجلس شوریٰ کے چھ ارکان میں سے ایک ہیں انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں اور ان سے اکابر صحابہ کی جماعت کثیرہ نے روایت کی ہے مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابن عباس رضی اللہ عنہما ابن عمر رضی اللہ عنہما جابر بن سمرہ کبار تابعین میں سے حضرت سعید بن المسیب ابوعثمان نہدی علقمہ احنف ان کے سوا بکثرت حضرات نے اور ان کی اولاد نے ابراہیم و عامر و مصعب اور محمد رضی اللہ عنہ اجمعین نے روایت کی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے راہ خداہ میں تیراندازی کی اور ان لوگوں کے امیر و سردار ہیں جنہوں نے عراق کو فتح کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوفہ کے حاکم مقرر رہوئے اور کوفہ کی بنیاد تعمیر رکھی۔ کوفہ بلادِ اسلامیہ میں سے ہے جس کی بنیاد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں رکھی گئی۔ اس کے بعد ان کو معزول کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات ہونے میں مشہور تھے ان کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی تھی کہ اللھم اَسْتَجِبْ سَعْدًا اِذَا دُعَاكَ اے خدا سعد کی دعا قبول فرما جب وہ تجھ سے دعا مانگیں صحیح بخاری میں واقع ہوا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے سات دن تک توقف کیا اور درآنحالیکہ میں اسلام میں تیسرا شخص تھا اور میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لایا ان

کی عمر اس وقت سترہ سال یا انیس سال کی تھی وہ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور ان کے ہاتھ پر مداین اور مما لک عجم مفتوح ہوئے اکا سرہ یعنی شاہان فارس کی بنیادیں انہوں نے منہدم کیں۔

ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میرے ماموں ہیں کون ہے جو میرے ماں کو میرے پاس لائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو ماموں فرمانا اس اعتبار سے ہے کہ وہ عبد ناف کی اولاد میں سے زہرہ کے فرزند ہیں اور سیّدہ آمنہ والدہ ماجدہ سیّدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عبد مناف کی اولاد سے ہیں اور زہرہ کی اولاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی ہیں اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ مکہ مکہ میں صحابہ کرام مشرکوں سے چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے ایک بار حضرت سعد رضی اللہ عنہ مکہ مکہ کی ایک گھاٹی میں صحابہ کی جماعت میں نماز پڑھ رہے تھے اس پر مشرکوں نے نفرت کا اظہار کیا اور مسلمانوں پر طعن وتشنیع کرنے لگے یہاں تک کہ مار پیٹ کی نوبت آ گئی اور مشرکوں نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ماری اور ان کا سر پھاڑ دیا اور یہ پہلی خون ریزی ہے جو اسلام میں بہائی گئی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہبانی کے سلسلہ میں مروی ہے کہ ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار تھے اور نیند نہیں آ رہی تھی فرمایا کاش کوئی مرد صالح میرے اصحاب میں سے میری پاسبانی کرے اچانک ہتھیاروں کی آواز سنی فرمایا یہ کون شخص ہے؟ حضرت سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سعد ہوں پھر وہ پاسبانی کیلئے استادہ ہو گئے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے دعا فرمائی اور وہ فتنہ سے بھی دور رہے وہ اس میں مبتلا نہ ہوئے ان سے ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم امیر معاویہ کے ماموں ہو اور اپنی والدہ کی جانب سے ان سے قرابت رکھتے ہو اور ان کے ساتھ ایک لاکھ تلواریں ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ اس معاملہ میں تمہیں بھی حق ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ایسی تلوار چاہتا ہوں جسے اگر کسی مسلمان پر اٹھاؤں تو وہ کارگر نہ ہو اور اگر کسی کافر کے ماروں تو کارگر ہو جائے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ پستہ قد بھری ہوئی انگلیاں اور گندمی رنگ کے تھے انہوں نے اپنے مکان میں جو مدینہ طیبہ کے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق میں تھا وفات پائی لوگ ان کے جنازہ کو کندھوں پر اٹھا کے لائے اور مدینہ طیبہ میں بقیع شریف میں دفن کیا ان کی وفات ۵۵ھ یا ۵۸ھ میں ہوئی ان کی عمر شریف کچھ اوپر ۷۰ سال کی تھی۔

بعض بیاسی سال بتاتے ہیں اور قول کے بموجب جو یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس سال چھوٹے تھے تو ان کی عمر اٹھاسی سال ہوتی ہے بلکہ اکیانوے سال بنتی ہے (کذا قیل واللہ اعلم)۔

ایک عباد بن بشر رضی اللہ عنہ ہیں عباد بفتح عین دبائے مشددہ اور بشر بکسر یا وسکون شین ہے یہ انصاری اور اشہلی ہیں یہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لائے اور بدر واحد اور تمام غزوات میں شریک ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت خدمت کرتے تھے اور غزوۂ خندق میں آپ کی پاسبانی کرتے تھے۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ پاسبانی کرتے تھے پھر جب آیہ کریمہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ نازل ہوئی تو انہوں نے پاسبانی ترک کر دی وہ فضلا صحابہ میں سے تھے اصابہ میں منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو فرمایا: اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ عَبَّادًا اے خدا عباد پر رحم فرما اور ان کے دین کے بارے میں بہت سی خبریں ہیں وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے کعب بن اشرف یہودی کو قتل کیا ہے یہ ان دو صحابیوں سے ایک ہیں جن کیلئے ان کی لاٹھیاں روشن ہو گئی تھیں جب بھی یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے اندھیری رات میں اپنے گھروں کو جاتے تھے ان سے حضرت انس

بن مالک اور عبدالرحمٰن بن ثابت نے روایت لی ہے یہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے ان کی عمر شریف پچپن سال کی ہوئی۔

ایک حضرت ابوایواب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں ان کا نام خالد بن زید ہے قبیلہ بنی نجار ہے ہیں عقبہ بدر احد خندق اور تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے زمین روم میں قسطنطنیہ میں ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے زمانہ میں یزید کے علم کے تحت وفات پائی۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ اہل روم نے ان مسلمانوں سے جو حضرت ابوایواب انصاری رضی اللہ عنہ کی تدفین کے وقت موجود تھے کہا ان کی بڑی شان تھی اس پر مسلمانوں نے کہا یہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ میں سے تھے اور ہم سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے اور ہم نے ان کو اس جگہ دفن کیا ہے جہاں تم دیکھ رہے ہو۔ خدا کی قسم اگر تم نے ان کی قبر انور کی بےحرمتی کی تو جب تک ہماری سلطنت ہے کبھی تم ناقوس نہ پھونک سکو گے اس کے ہم معنیٰ مجاہد سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا جب بھی ان رومیوں نے چاہا کہ ان کی قبر انور کی بےحرمتی کریں اور اسے کھولیں تو ان پر اس قدر مینہ برستا کہ وہ ایسا نہ کر سکتے اور بیان کیا کہ ابن قاسم نے مالک سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا کہ اہل روم ان کی قبر انور کے پاس بیٹھتے ہیں اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر سے بارش کی دعا مانگتے ہیں اور اس کی زیارت کرتے اور برکت حاصل کرتے ہیں شعبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ شریک تھے اور نہروان کے روز ان کے مقدمہ پر متعین تھے محمد بن سیرین سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر میں موجود تھے اور کسی غزوے میں کسی وقت بھی بیٹھے نہ رہے یہاں تک کہ انہوں نے ارض روم میں وفات پائی جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کے لشکر پر یزید پلید کو سردار بنایا تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم پر جوانوں کو امیر بنایا گیا ہے انہوں نے کہا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا اس جنگ میں وہ بیمار ہو گئے یزید بن معاویہ عیادت کیلئے آیا اور کہا کہ میرے لیے وصیت فرمایئے حضرت ابوایواب انصاری نے فرمایا جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو مجھے کفن دینا اس کے بعد لوگوں کو حکم دینا کہ دشمن کی سرزمین میں چلیں جہاں تک پہنچنے کی طاقت ہو پہنچ کر وہیں مجھے دفن کر دینا۔

چنانچہ یزید نے ان کی وصیت کے مطابق عمل کیا مروی ہے کہ یزید نے لوگوں کو حکم دیا کہ آتے جاتے گھوڑوں کو دوڑاؤ تا کہ ان کی قبر کا نشان معلوم نہ ہو اسے مجاہد نے روایت کیا ہے ظاہر ہے کہ یہ اس لیے کیا گیا ہوگا تا کہ دشمن ان کی قبر کے ساتھ دست درازی نہ کریں اور اسے کھود نہ ڈالیں یا یہ بات بھی اس کی خباثت اور اس کے اعمال شنیعہ میں سے ہوگی اور وہ پہلے سے ان کے عداوت رکھتا ہوگا (واللہ اعلم) اس کو ابن عبدالبر نے استیعاب میں بیان کیا ہے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مناقب وفضائل بہت زیادہ ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مسجد نبوی شریف کی تعمیر تک ان کے گھر میں قیام فرمایا اور یہ مشہور ہے اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور ان سے براء بن عازب رضی اللہ عنہ انس ابن عباس رضی اللہ عنہما جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے سوا بہت حضرت نے روایت لی ہے اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا جبکہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ عراق کی طرف تشریف لے گئے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی انہوں نے غزوۂ خیبر میں کی تھی جب حضرت صفیہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی عروسی کی رات تھی کیوں کہ اس وقت یہودیوں کی شرارت کا بہت خطرہ تھا۔ (رضی اللہ عنہ)

ایک حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ ہیں

جومقرب بارگاہ اور خاصان درگاہ میں سے تھے وہ وادی القری میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاسبان تھے ان کا مفصل تذکرہ مؤذنوں کے بیان میں انشاءاللہ آئے گا۔

ایک حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں

مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعب رضی اللہ عنہ روز حدیبیہ برہنہ شمشیر لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کھڑے ہوئے تھے۔(رضی اللہ عنہم اجمعین)

باب ہفتم

درذکرِ کاتبانِ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

واضح رہنا چاہیے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی کاتب تھے بعض وحی کی کتابت کرتے تھے اور بعض سلاطین وامراء وغیرہ کے نام خطوط لکھا کرتے تھے اور بعض صدقات کے اموال کی کتابت کرتے تھے اور بعض مدانیات معاملات اور شروط وغیرہ لکھا کرتے تھے چونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خط وکتابت سے پاک ومنزہ تھے اور اکثر صحابہ بھی عرب کی عادت کے مطابق اس ہنر سے عاری تھے تو لامحالہ ان اصحاب میں سے جو خط وکتابت کے ہنر سے متصف تھے انہیں اس خدمت پر مقرر کیا جاتا تھا۔

روضۃ الاحباب میں فرماتے ہیں کہ کاتبوں کا تقرر اس طرح تھا کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہما وحی کی کتابت کرتے تھے اگر یہ دونوں موجود نہ ہوتے تو حضرت ابی بن کعب اور زید بن ثابت لکھا کرتے تھے اگر ان چاروں صحابہ میں سے کوئی موجود نہ ہوتا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے جو موجود ہوتا اس سے لکھواتے تھے۔(انتہی)

پوشیدہ نہ رہنا چاہیے کہ اس ترتیب پر دوام واستمرار محلِ سخن ہے بلکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب اکثر وحی لکھنے پر ہیں بلکہ وہ اس کام پر متعین ہی تھے آخر میں تمام اسماء بیان کرنے کے بعد اس پر استیعاب سے ایسی بحث نقل کروں گا جو انشاء اللہ اس باب میں نافع ہوگی اور سیر کی تمام کتابوں میں اور ہر وہ کتاب جو اس سلسلہ میں ہے اسی سے مذکور ومنقول ہے۔

روضۃ الاحباب میں کاتبوں کی تعداد چالیس بیان کی گئی ہے خلفاء اربعہ انہیں میں شمار کیے گئے ہیں ان کے فضائل ومامناقب مشہور ومعروف ہیں اس کے باوجود اگر ان کے اسماء مبارک جدا جدا لکھے جائیں اور ان کے بعض ضروری احوال مثلاً تاریخ وفات ومدت خلافت وغیرہ بیان کردیے جائیں تو مناسب ہوگا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ: ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں ان کا نام جاہلیت میں عبدالکعبہ تھا اور بعض عبدرب الکعبہ نام بتاتے ہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رضی اللہ عنہ رکھا ایک قول ہے کہ عتیق رکھا اس بنا پر کہ وہ آتش دوزخ سے آزاد ہیں بعض کہتے ہیں کہ ان کی والدہ کا کوئی بچہ زندہ نہ رہتا تھا جب یہ پیدا ہوئے تو ان کو قبلہ رو کھڑا کر کے کہا اے خدا اان کو موت سے رستگاری دے اور ان کو میرے لیے بخش دے بعض کہتے ہیں کہ عبداللہ بھی ان کا قدیمی نام ہے درست وصواب یہ ہے کہ یہ نام اور لقب دونوں اسلامی ہیں ترمذی میں مروی ہے کہ مَنْ اَرَادَاَنْ یَنْظُرَ اِلَی الْعَتِیْقِ مِنَ النَّارِ فَیَنْظُرْ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ جو چاہتا ہے کہ ایسے شخص کو دیکھے جو جہنم سے آزاد ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھے ایک قول یہ ہے کہ لَقَبٌ لَقِّبَ بِہٖ لِعِتَاقِہٖ اَیْ حُسْنِہٖ وَجَمَالِہٖ اور بعض کہتے ہیں کہ عتیق اس بنا پر لقب تھا کہ ان کے نسب میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے ان پر عیب لگایا جاتا کیونکہ وہ پہلے سے ہی خیر پر تھے قاموس میں ہے العتق الکرم والجمال والنجابتہ والشرف والعتیق لقب الصدیق اوسمیۃ بہ امتہ اور تمام امت کا آپ کے صدیق نام ہونے میں اتفاق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق میں انہوں نے سبقت وپہل کی اور تمام احوال میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر انہوں نے تصدیق کو لازم جانا۔ دارقطنی اور حاکم نے ابویحیٰ سے روایت کی

ہے انہوں نے کہا کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کو منبر شریف پر فرماتے کتنی مرتبہ میں نے سنا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ابوبکر کا نام صدیق رضی اللہ عنہ رکھا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی پیدائش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ سے دو سال اور چند ماہ بعد ہے اور اتنی ہی مدت ان کی خلافت کی ہے جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پوری کر کے وفات پائی ہے ان کی عمر شریف تریسٹھ سال کی ہوئی ان کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ: دوسرے کاتب اور خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں عام الفیل کے تیرہ سال بعد محرم کی چاندرات کو آپ کی ولادت ہے وہ اشراف قریش میں سے تھے جاہلیت میں ان کے سپرد سفارت تھی جب قریش میں ان کے درمیان جنگ ہوتی تو ان کو سفیر وقاصد بنا کر بھیجتے تھے اور وہ لوگوں میں طول قامت میں فائق رہتے تھے گویا کہ خود سوار ہیں لوگ پیدل ہیں وہب ابن منبہ فرماتے ہیں کہ ان کی صفت توریت میں ہے ہے: قَرْنٌ حَدِيْدٌ شَدِيْدٌ اَمِيْنٌ وَالْقَرْنُ الْجَبَلُ الصَّغِيْرُ وَسُمِّيَ الْفَارُوْقُ بِفُرْقَةٍ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ. جب وہ اسلام لائے تو جبریل علیہ السلام نے آکے عرض کیا یا رسول اللہ آسمان والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر خوشیاں منا رہے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی: يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝

ان کی خلافت کے زمانہ میں ایک ہزار چھتیس شہر ان کے قصبات ودیہات کے ساتھ مفتوح ہوئے چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں اور چار ہزار مندر بت کدے اور آتش کدے منہدم ہوئے اور ایک ہزار نوسو منبر جوامع میں رکھے گئے ان کے مناقب وفضائل میں بکثرت حدیثیں مروی ہیں اور سب سے بڑی فضیلت جو وارد ہوئی یہ ہے کہ: اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ بلاشبہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر حق رکھا صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَقَدْ كَانَ فِيْمَنْ قَبْلَكُمْ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنَّ يَكُ فِيْ اُمَّتِيْ اَحَدٌ فَاِنَّهُ عُمَرُ" یعنی بلاشبہ تم سے پہلوں میں محدثین ہوتے تھے اور بلاشبہ میری اُمت میں اگر کوئی ہے تو وہ عمر ہیں۔ اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: كُنَّا اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ لَانَشُكُّ اَنَّ السَّكِيْنَةَ يَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ ہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم شک نہیں رکھتے کہ سکینہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر گویا ہے ان کے فضائل اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا ان کی مدت خلافت دس سال اور چھ مہینہ ہے ان کی وفات حج سے واپسی کے بعد ہے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دعا کرتے تھے کہ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ بِبَلَادِ رَسُوْلِكَ اَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ اے خدا اپنی راہ میں مجھے شہادۃ نصیب فرما اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مبارک میری وفات کو مقرر فرما کعب احبار کہا کرتے تھے کہ میں آپ کو توریت میں شہید پاتا ہوں۔ (رضی اللہ عنہ)

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ: تیسرے کاتب اور تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں ان کی ولادت عام الفیل سے چھٹے سال میں ہے اور آپ قدیم الاسلام ہیں دار ارقم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے یہ چوتھے مسلمان تھے سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت علی مرتضٰی اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم ہیں حضرت عثمان ذوالنورین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام لائے جب وہ اسلام لائے تو حکم بن العاص نے ان کو پکڑ کر باندھ دیا اور بڑی اذیتیں پہنچائیں جب دین میں ان کی صلابت وپختگی کو دیکھا تو انہیں چھوڑ دیا ابن عساکر نے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو حضرت علی نے فرمایا وہ ایسے شخص ہیں جن کو ملاء اعلیٰ میں ذوالنورین دونوروالے کہہ کر پکارا جاتا ہے اور یہ بھی ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ

عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے فرماتے سنا ہے کہ اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے ان کو دیتا جاتا اور جب سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے ساتھ فرمایا تو ان سے فرمایا تمہارے شوہر تمہارے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تمہارے والد ماجد محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں میں سب سے زیادہ مشابہ ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا تم نے ان دو زوج سے بہتر کسی زوجین کو دیکھا ہے انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں حضرت عثمان ذوالنورین کی فضیلت میں بکثرت حدیثیں وارد ہیں ان میں سب سے زیادہ مشہور حیا کرنے کی حدیث ہے ابن عساکر نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس فرشتہ خدا کے فرشتوں میں سے تھا وہ کہتا تھا: شَهِيدٌ يَقْتُلُهُ قَوْمُهُ فَإِنَّا نَسْتَحِي مِنْهُ یہ شہید ہیں ان کو ان کی قوم کے لوگ قتل کریں گے ہم ان سے حیا کرتے ہیں اسے ترمذی و حاکم نے بیان کیا اور اس کو صحیح کہا ہے ابن ماجہ مرہ بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنہ کا ذکر کیا اور اس کو بہت نزدیک بتایا اتنے میں ایک شخص سر سے چادر لپیٹے گزرا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص اس دن راہ راست پر ہوگا پھر میں کھڑا ہوا کہ دیکھوں وہ کون ہے تو میں نے دیکھا کہ وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں ان کے قتل کا قصہ مشہور ہے یہ پہلا فتنہ ہے جو اسلام میں نمودار ہوا حضرت ذوالنورین کی مدت خلافت بارہ سال ہے اور ان کی وفات ۳۵ھ کے ایام تشریق کے وسط میں روز جمعہ ہے اور شب شنبہ کو مغرب و عشاء کے مابین دفن کیے گئے عمر شریف بیاسی سال کی ہوئی بعض چھیاسی اور اٹھاسی اور نواسی بھی بتاتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ: چوتھے کاتب اور چوتھے خلیفہ راشد حضرت امیر المومنین مولائے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں۔ علی ان کا نام ہے اور ابوالحسن و ابوتراب ان کی کنیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے فرزند اور برادر مواخات ہیں فاطمہ بتول سیدہ نساء رب العالمین کے شوہر اور سبطین سعیدین حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ سیدی شباب اہل الجنۃ کے والد نامدار ہیں زمانہ جاہلیت اور عہد اسلام میں ان کا نام علی رضی اللہ عنہ ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ان کی والدہ فاطمہ بنت اسد نے اپنے باپ کے نام پر جو اسد تھا ان کا نام حیدر رکھا جب ابوطالب تشریف لائے تو انہوں نے یہ نام ناپسند کیا اور علی رضی اللہ عنہ نام رکھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام صدیق رکھا جیسا کہ ریاض النضرۃ میں ہے اور ان کی کنیت ابوالریحانین رکھی گئی اور آپ کا لقب بضۃ البلد امین، شریف، ہادی، مہدی، ذی الاذن الزرعیہ، یعسوب الامۃ تھا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ان کی ولادت جوف کعبہ میں ہوئی تھی یہ قدیم الاسلام تھے حضرت ابن عباس، زید بن ارقم، سلمان فارسی، مقداد بن اسود رضی اللہ عنہم اور بکثرت صحابہ کرام اس پر ہیں کہ وہ اول الاسلام ہیں۔ شیخ ابن حجر نے اصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں کہا ہے کہ اکثر اہل علم کا قول یہی ہے ابویعلی نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے دن مبعوث ہوئے اور میں دوشنبہ کے دن ہی اسلام لایا ابن عبدالبر نے استیعاب میں فرمایا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور اپنے والد سے انہوں نے اسلام کو چھپایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور اس کا اظہار کیا (واللہ اعلم) جس وقت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسلام لائے ان کی عمر دس سال یا آٹھ سال کی تھی جیسا کہ علامہ سیوطی نے نقل کیا ہے جامع الاصول میں ہے کہ اس دن ان کی عمر میں اختلاف کیا گیا ہے بعض کا خیال ہے پندرہ سال تھی بعض کا چودہ سال مگر صحیح یہ ہے کہ صغرسنی میں قبل از بلوغ

ایمان لائے۔ انہوں نے کبھی بتوں کی پرستش نہ کی تھی ان کی داڑھی بہت بڑی اور طویل تھی "فصل الخطاب" میں تاج الاسلام کی اربعین سے منقول ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ چودھویں رات کی مانند حسین الوجیہہ تھے تمام غزوات میں شریک ہوئے بجز غزوہ تبوک کے کیونکہ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہل بیت کے پاس چھوڑ دیا تھا ان کے فضائل مذکور اور ان کے آثار شجاعت مشہور ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روز خیبر علم دیا اور فرمایا آج میں اسے علم دوں گا جو خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور خدا اور اس کا رسول اس سے محبت رکھتا ہے جیسا کہ گزرا اور فرمایا جس نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی جس نے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مومن و مسلمان ہی محبت رکھیں گے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منافق ہی بغض و عداوت رکھیں گے۔ خلافت راشدہ کی تیس سالہ مدت کی تکمیل کے ابتدائی سال میں ان کو شہید کیا گیا ان کی خلافت کی مدت چار سال سات مہینہ اور چھ روز یا بارہ روز ہے بعض چار سال نو مہینے بتاتے ہیں اور پانچویں سال کو ان کے فرزند ارجمند امام حسن مجتبیٰ حسن بن علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہم نے پورا فرمایا۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ: پانچویں کاتب حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ عثمان حضرت ابو قحافہ کا نام ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ماجد ہیں لہٰذا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برادر زادہ ہیں اور حضرت ابوبکر اور عبید اللہ رضی اللہ عنہما دونوں حضرت عثمان ابو قحافہ کے بیٹے ہیں۔ حضرت طلحہ کے والد کا نام عبید اللہ بن عثمان ہے۔ حضرت طلحہ کی کنیت ابو محمد ہے یہ ان آٹھ افراد میں سے ایک ہیں جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی ہے اور یہ ان پانچ افراد میں سے ایک ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے اور یہ ان چھ اصحاب شوریٰ میں سے ایک ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی تھے اور یہ ان دس اصحاب میں سے ایک ہیں جن کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے یہ تمام غزوات میں شریک بجز بدر کے کیونکہ اس دن ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلہ کی خبر لانے کیلئے (جو ابوسفیان اور قریش کا قافلہ تھا) سعید بن زید کے پاس بھیجا تھا۔ روز احد حضرت طلحہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب حفاظت و پاسبانی کی اور اتنی زیادہ مدافعت کی کہ ان کی انگلیاں شل ہو گئیں اس دن انہوں نے چوبیس زخم کھائے تھے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس دن ان کے جسم پر تیر و نیزے کے پچھتر زخم آئے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن دو زرہ پہنے ہوئے تھے اور اس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت کوفت پہنچی تھی پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ایک پتھر پر چڑھ جائیں مگر چڑھ نہ سکے اور پھر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اپنے لیے بٹھا کر قدم رکھ کر پتھر پر چڑھے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو مژدہ دیا کہ "اوجب طلحہ" یعنی طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے اس عمل سے جنت واجب کر لی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے طلحہ رضی اللہ عنہ! یہ جبریل علیہ السلام ہیں اور تمہیں سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ہولناکیوں میں میں تمہارے ساتھ ہوں گا تاکہ میں تم کو اس سے محفوظ رکھوں روز احد جب لشکر اسلام نے ہزیمت کھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے دور ہوئے یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مہاجر و انصار میں سے صرف بارہ اصحاب رہ گئے تو ان میں ایک حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تھے اس کے بعد ایک مشرک نے حملہ کیا اور چاہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر تلوار مارے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کے حملہ کو روکا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بسم اللہ بلاشبہ میں نے دیکھا کہ تمہارا گھر جنت میں بنایا گیا ہے حالانکہ تم ابھی دنیا میں ہی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روز احد ان کا نام "طلحۃ الخیر" رکھا اور غزوہ ذات العسیرۃ طلحۃ الفیاض اور روز خیبر طلحۃ الجواد نام رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب روز احد کا تذکرہ کرتے تو فرماتے وہ دن تمام تر طلحہ

رضی اللہ عنہ کیلئے تھا وہ جنگ جمل میں جمعرات کے دن جمادی الاخری ۳۶ ھ میں شہید ہوئے انہوں نے ساٹھ سال کی عمر پائی بعض نے باسٹھ سال بعض نے چونسٹھ سال بتایا ہے اور کہا کہ ان کو مروان بن الحکم نے اپنے اس کینہ پر شہید کیا جو اسے ان سے پہلے سے تھا۔ اس نے ایسا تیر مارا کہ ان کے حلق میں چھد گیا جنگ جمل میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ خطائے اجتہادی کی بنا پر سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے اور ثور بن مجراء سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں جنگ جمل میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو وہ زمین پر گرے ہوئے تھے اور زندگی کی کچھ رمق باقی تھی میں ان کے پاس رکا انہوں نے سر اٹھا کر فرمایا میں ایک ایسے شخص کا چہرہ دیکھ رہا ہوں گویا کہ وہ قمر ہے بتاؤ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا میں امیر المؤمنین حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ہوں۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنا ہاتھ بڑھاؤ تا کہ میں تمہاری بیعت کروں میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور انہوں نے بیعت کی اور اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ اس کے بعد میں حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی بات ان سے بیان کی آپ نے فرمایا ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ'' حق تعالیٰ حضرت طلحہ کو جنت میں داخل ہونے سے میری بیعت کے بغیر منع فرماتا۔ منقول ہے کہ جنگ جمل کے دن ایک شخص آیا اس نے کہا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کو اذن دیجئے آپ نے فرمایا اسے آتشِ دوزخ کی بشارت دے دو۔

امیر المؤمنین حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا میں امید رکھتا ہوں کہ میں اور طلحہ و زبیر ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ۔ ہم نے ان کے سینوں سے کینے نکال دیئے بھائی بھائی آمنے سامنے فرش پر بیٹھے ہیں۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ: چھٹے کاتب حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ ہیں ان کا تذکرہ اور ان کے حالات 'پاسبان بارگاہِ رسالت' کے ضمن میں بیان کیے جا چکے ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ: ساتویں کاتب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں ان کا تذکرہ اور ان کے حالات پاسبان رسالت میں گزر چکا ہے کاش کہ ایسی حدیثیں مذکور ہوتیں جن میں ان کی وحی کی کتابت کا ذکر معلوم ہوتا۔

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ: آٹھویں کاتب حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ میں جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مولی تھے یہ حبشی غلام تھے ان کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کیا تھا یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے تھے اور حسن الاسلام تھے یہ سفر ہجرت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے بدر و احد میں حاضر ہوئے ان سے حضرت جابر بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حدیث لی اور بیر معونہ کے دن وہ شہید ہوئے اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی جب ان کی پشت پر نیزہ مارا گیا تو فرمایا: فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَةِ رب کی قسم میں بامراد ہو گیا میں نے مقصود پا لیا اور فیروز مندی حاصل ہو گئی ان کا قصہ چوتھے سال ہجرت میں مذکور ہو چکا ہے۔ منقول ہے کہ ان کی لاش کو مقتولوں میں تلاش کیا گیا مگر کسی کو نہ ملی اس پر لوگوں نے کہا فرشتوں نے ان کو دفن کر دیا۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے ان کو زمین و آسمان کے درمیان لے جاتے دیکھا یہاں تک کہ وہ آسمان میں روپوش ہو گئے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ: نویں کاتب حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس بن شماس مدنی انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ ہیں ان کی کنیت ابو محمد ہے اور انہیں ابو عبد الرحمٰن کہا جاتا تھا وہ احد اور اس کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے اور اکابر صحابہ اور اعلام انصار میں سے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی یہ انصار کے خطیب تھے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا خطیب کہا جاتا تھا پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بنو تمیم فخر کرتے اور اتراتے ہوئے آئے اور انہوں نے خطبے دیئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان کے خطبوں کا جواب دیں انہوں نے فی البدیہہ بلیغ خطبہ دیا اور تمام لوگ حیران وشرمندہ ہوئے اور کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم غیب سے ایسی تائید ونصرت ہوتی ہے جو کسی کی نہیں ہوتی جیسا کہ غزوۂ حنین میں گزرا باقی احوال اور ان کی شہادت ''خطباء رسول'' کے ضمن میں انشاء اللہ آئیں گے ان سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزندوں نے روایت لی ہے اور ان کی روایتیں بخاری ابوداؤد اور نسائی میں مذکور ہیں جنگ یمامہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسیلمہ کذاب سے شدید جنگ لڑی اور شہادت پائی ان کی شہادت ۱۲ھ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ہے۔

جب آیہ کریمہ: يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ رہے اور اپنے اوپر دروازے بند کر لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف کی حاضری ترک کر دی چونکہ وہ جہیر الصورت یعنی بلند آواز والے تھے تاکہ ان سے بلند آوازی کا ارتکاب نہ ہو جس کی بنا پر اعمال رائیگاں ہو جائیں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مجلس مبارک میں ان کو ملاحظہ نہ فرمایا تو دریافت فرمایا کہ ثابت رضی اللہ عنہ نہیں آتے کیا حال ہے اور کیا بات ہوئی اور کہاں ہیں؟ پھر ایک شخص کو ان کے پاس بھیجا اس نے دیکھا کہ سر ڈالے بیٹھے ہیں اس شخص نے کہا تمہارا کیا حال ہے؟ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بلند آواز والا آدمی ہوں میں ڈرتا ہوں کہ میری بلند آوازی سے میرے عمل ضائع نہ ہو جائیں پھر وہ شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور حقیقت حال عرض کی کہ وہ ایسا کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ ان سے کہو کہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تم خیر کے ساتھ زندہ رہو گے اور خیر کے ساتھ وفات پاؤ گے اور جنت میں داخل ہو گے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی کہ: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ بیشک اللہ ہر اترانے والے اور فخر کرنے والے کو محبوب نہیں رکھتا اس موقعہ پر بھی وہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور گھر سے باہر نہ آئے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا احوال دریافت فرمایا اور کسی کو ان کے پاس بھیجا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسا آدمی ہوں جو جمال مبارک کو محبوب رکھتا ہوں اور میں خواہشمند ہوں کہ اس بات سے اپنی قوم پر فائق رہوں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ مختال وفخور لوگوں میں میرا شمار نہ ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو تم محمود زندگی گزارتے ہو اور شہید ہو کر وفات پاؤ گے اور جنت میں داخل ہو گے۔

خالد وابان رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں حضرت خالد بن ابان رضی اللہ عنہ ہیں جو سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی کے فرزند ہیں ان سعید بن العاص کے آٹھ لڑکے تھے ان میں سے تین تو کفر پر رہے اور ایک اُجیحہ ہے اور اسی کے نام سے سعید بن العاص کی کنیت تھی اور ابو اجیحہ سعید بن العاص کہا جاتا تھا دوسرا عاص اور تیسرا عبیدہ تھا پانچ لڑکوں نے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت شریف سے مشرف ہوئے اور حکومت وامارت کے ساتھ مخصوص ہوئے وہ پانچ یہ ہیں خالد عمرو سعید ابان اور حکم لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کے نام کو عبداللہ سے تبدیل فرما دیا لیکن حضرت خالد بن سعید بن العاص بن اُمیہ قدیم اسلام لانے والوں میں سے ہیں بعض کے نزدیک تو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی پہلے اسلام لائے اور بعض کے نزدیک تیسرے تھے اور بعض کے نزدیک چوتھے بعض کے نزدیک پانچویں شخص تھے عجیب بات یہ ہے کہ وہ دعویٰ کرتے اور حضرت علی مرتضیٰ سے کہتے تھے

خدا کی قسم میں تم سے پہلے اسلام لایا ہوں اور خدا کی قسم میں تم سے خدا کے حضور جھگڑوں گا لیکن میں باپ کے ڈر سے اپنے اسلام کو چھپایا اور تم نے نہیں چھپایا اسے ابن عساکر نے بیان کیا ہے اسی طرح اسی کی مانند حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اسلام پر تقدم کے بارے میں اہل سیر بیان کرتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

ام خالد رضی اللہ عنہا ان کی بیٹی ہیں جو چھوٹی تھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس بلایا اور ان کپڑوں میں سے چھوٹی سی اوڑھنی ان کو اوڑھائی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے گئے تھے اور فرمایا اے ام خالد رضی اللہ عنہا ''ہذہ سنہ'' حبشہ کی زبان میں سنہ کے معنی حسن کے ہیں عوارف میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ام خالد رضی اللہ عنہ کو یہ کپڑا پہنانا صوفیہ خرقہ پہنانے کے جواز میں سند بتاتے ہیں اور دار قطنی افراد میں تاریخ ابن عساکر سے بروایت موسیٰ بن عقبہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ام خالد بنت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ کہتی تھیں کہ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ایک خواب دیکھا تھا کہ گویا مکہ مکرمہ میں اندھیری ایسی چھا گئی ہے کہ اپنا ہاتھ تک نہیں نظر آتا اسی دوران چاہ زمزم سے ایک نور برآمد ہوا جو آسمانوں کی بلندیوں تک چھا گیا اور اس سے کعبہ منورہ روشن ہوا اور تمام مکہ میں روشنی پھیل گئی یہاں تک کہ یثرب کے کھجوروں کے گچھوں کو میں نے دیکھا جب میں بیدار ہوا تو میں نے اپنے بھائی عمرو بن سعید سے اپنا یہ خواب بیان کیا چونکہ وہ خواب کی تعبیر کے اچھے ماہر تھے انہوں نے کہا یہ کوئی ایسی بات ہے جو عبدالمطلب کی اولاد میں سے ظاہر ہوگی اور ان کی اولاد میں سے یہ سب کچھ نمودار ہوگا حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حق تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت بخشی اور ام خالد رضی اللہ عنہا نے کہا کہ سب سے پہلے میرے والد اسلام لائے اور انہوں نے اپنا خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یَا خَالِدُ وَاللہِ اَنَا ذٰلِکَ النُّوْرُ وَاَنَا رَسُوْلُ اللہِ اے خالد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم میں ہی وہ نور ہوں اور میں اللہ کا رسول ہوں اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دین کو بیان فرمایا جو حق تعالیٰ نے ان پر نازل فرمایا تھا پھر ان کے بھائی عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ ان کے بعد السلام لائے علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں اسے بیان کیا ہے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عمرو بن سعید کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور کچھ اوپر دس سال وہاں اقامت کی اور وہیں ان کے بیٹے سعید بن خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اور ایک لڑکی اُم خالد رضی اللہ عنہا پیدا ہوئے غزوۂ خیبر میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اس کے بعد دیگر غزوات میں شریک ہوئے ان کو صدقات کی وصولی کیلئے یمن بھیجا گیا اور وہ یمن میں ہی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہان سے کوچ فرمایا۔

اب رہا ابان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ تو وہ سعید بن العاص بن امیہ کے بیٹے تھے اور وہ اپنے بھائی خالد و عمر رضی اللہ عنہما کے بعد اسلام لائے وہ ان کو طعنہ دیتے اور عیب لگاتے اور مذمت کرتے تھے کہ کیوں اسلام لائے اس کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام نیک ہوا انہوں نے ہی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو امان دی تھی جبکہ حدیبیہ کے موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قریش کی جانب بھیجا تھا انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے گھوڑے پر سوار کیا اور کہا کہ بلا خوف وخطر آیئے اور جایئے سعید کے بیٹے حرم کے عزت دار لوگوں میں سے تھے ابان رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا حدیبیہ اور خیبر کے درمیان ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کا میر بنا کے نجد کی طرف بھیجا اور علاء الحضرمی رضی اللہ عنہ کی معزولی کے بعد ان کو بحرین کا حاکم مقرر فرمایا وہ بحرین پر ہی حاکم رہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی۔

سعید بن العاص کے ان دونوں بیٹوں کو یعنی خالد رضی اللہ عنہ و ابان کو اہل سیر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں کی فہرست میں داخل کیا ہے کاش کہ وہ ایسے اخبار و آثار بھی بیان کرتے جو کہ اس منصب جلیل پر دلالت کرتے اور ان کے بقیہ تینوں بھائیوں کا حال

بھی یعنی عمرو سعید اور حکم جن کا عبداللہ نام رکھا گیا اسماء الرجال کی کتابوں میں مذکور ہیں استیعاب میں حضرت عبداللہ بن سعید العاص کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ جاہلیت میں ان کا نام حکم تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا اور ان کو حکم فرمایا کہ وہ کتابت سیکھیں چنانچہ وہ خوشنویس ہوئے وہ بدر میں شہید ہوئے بعض کہتے ہیں کہ موتہ میں شہید ہوئے بعض ہوئے بعض نے کہا کہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے سعید بن العاص کے بعد بجز عاص کے جو کہ ان کے بیٹے تھے کوئی نہ رہا اور عاص کے ایک بیٹے ہیں جن کو سعید بن العاص اصغر کہتے ہیں اور سعید بن العاص الاکبر ان کے دادا ہیں جو امیہ کا بیٹا ہے اور یہ سعید بن العاص الاصغر رضی اللہ عنہ ہیں جو ہجرت کے سال یا ہجرت کے ایک سال پہلے پیدا ہوئے اشراف قریش میں سے ہیں فصاحت و بلاغت اور سخاوت کے جامع تھے ان کو عکتہ العسل کہتے ہیں اور یہ اس جماعت کے ایک فرد ہیں جنہوں نے بحکم امیر المومنین سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ قرآن کریم کے مصاحف لکھے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجہ میں زیادہ مشابہ تھے اور قرآن کی عربیت ان کی زبان پر خوب بجتی تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ پر عامل بنایا اور طبرستان پر جہاد کیا اور اسے فتح کیا اور جرجان پر جہاد کیا اور فتح کیا اور آذربائیجان کو ۲۹ھ یا ۳۰ھ میں فتح کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد جب فتنے برپا ہوئے تو وہ گوشہ نشین ہو گئے اور جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت مضبوط ہوگئی تو ان کو مدینہ طیبہ پر حاکم مقرر کیا گیا اس کے بعد ان کو معزول کر کے مروان کو حاکم بنایا پھر مروان کو معزول کر کے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو حاکم بنایا۔ اس کے بعد ان دونوں کے درمیان ولایت ادلتی بدلتی رہی کبھی مروان کو لکھتے کہ سعید رضی اللہ عنہ کے گھر بار کو تباہ کر دو اور کبھی سعید کو لکھتے کہ مروان کی املاک و جائیداد کو تباہ کر دو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان افعال پر دونوں حیرت و تعجب کرتے اور دونوں اس سلوک سے عاجز آ گئے تھے یہ سعید بن العاص الاصغر رسول اللہ رضی اللہ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دس یا نو سال کے تھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخر عہد ۵۷ھ یا ۵۹ھ میں وفات پائی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک چادر لائی اس عورت نے عرض کیا میری نیت یہ ہے کہ یہ چادر کسی اکرم شخص کو پیش کی جائے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس بچے کو دیدو یعنی سعید بن العاص الاصغر رضی اللہ عنہ کو اسی بنا پر اس قسم کے کپڑے کی چادر کو "ثیاب سعیدیہ" کہتے ہیں اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سعید اکرم عرب ہوں گے اور یہ بات گویا ایک قسم کی غیبی بشارت ہے کہ ان میں اکرمیت بہت زیادہ ہوگی چنانچہ مذکور ہوا کہ وہ سخاوت و فصاحت بہت رکھتے تھے یا یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کا ہدیہ قبول نہ فرمایا اسی بنا پر فرمایا کہ اس بچے کو دیدو۔ (واللہ اعلم) بنی امیہ کے تذکرہ میں بات نے طوالت اختیار کر لی حالانکہ کاتب الحروف کو ان کے تذکرے اور ان کے حالات سے کوئی غرض متعلق نہ تھی بلکہ حق و انصاف کی طبیعت میں اس قوم سے ایک قسم کی بیگانگی ہے لیکن اتنا معلوم ہوا کہ بنو امیہ کے دو فرقے ہیں ایک مروانیہ اور دوسرا ان کی طرف منسوب و مربوط ہے تقدیر الٰہی سے حکومت و امارت کا قصہ ان کے دست تصرف میں پڑ گیا اور دونوں فرقوں کے درمیان ایک فرقہ سعیدیہ ہے جو قدیم الاسلام ہونے صدق لہجہ اور جمع قرآن وغیرہ کی سعادتوں اور نورانیتوں کے ساتھ مخصوص و مشرف ہے اور یہ تمام خوبیاں اس فرقہ میں پائی جاتی ہیں۔ (کما لا یخفی)

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل ملائکہ: انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے ایک حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ ابن الربیع (بضم راء و فتح با) اور اسے ربیعہ بھی کہتے ہیں اور اسیدی بھی ہیں جو اسید بن عمرو بن تمیم سے منسوب ہیں ان کی کنیت ابو ربعی (بکسر راء سکون بائر کسر عین و تشدید یا) ہے مواہب لدنیہ میں اصابہ سے انہیں کو غسیل ملائکہ کہا ہے اور استیعاب سے معلوم ہوتا ہے کہ حنظلہ رضی اللہ

عنہ بن الربیع کاتب اور ہیں اور غسیل ملائکہ حنظلہ ورا بن ابی عامر راہب اور ہیں۔ (فتدبر)

اہل سیر بتاتے ہیں کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کاتب اکثم ضیفی منسوب بہ صیف کے برادرزادہ ہیں اور اکثم عرب کے دیہات میں سے سن رسیّدہ تھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ انہوں نے پایا ہے ان کی عمر ایک سو نوے سال کی تھی اور وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی اپنی قوم کو بشارت ووصیت کیا کرتے تھے اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو انہوں نے اپنی قوم کو جمع کیا اور ان کو بارگاہِ رسالت میں ایمان لانے کیلئے بھیجا پھر مالک بن نویرہ یربوعی آگے آیا اور اس جماعت کو منتشر کر دیا۔ پھر اکثم نے اپنے بیٹے کو ایسے لوگوں کے ساتھ جو اس کی اطاعت کرتی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا وہ قریش میں سے تھے۔ وہ راستہ میں ہی اختلاف کرنے لگے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچے اکثم حکیم و دانا شخص تھا ان کے کلمات میں سے ہے کہ جس شخص میں خیر نہیں ہے وہ کسی سے خیر کی توقع نہ رکھے اور یہ بھی ان کے کلمات میں سے ہے کہ جو شخص صاحب اقبال و دولت ہو جاتا ہے تو اس کی عقل اور اس کی تمنائیں اس کی خدمت کرتی ہیں اور جس پر ادبار آتا ہے اور دولت جاتی رہتی ہے تو اس کی عقل دوسروں کی خدمت کرتی ہے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اہل بصرہ کے ساتھ جنگ کرنے میں جنگ جمل میں حضرت علی مرتضیٰ سے تخلف کئے اور ان کے ہمراہ نہ گئے ان کی حدیث اہل کوفہ میں ہے اور ان سے ابوعثمان نہدی اور زید بن الشجر نے روایت کی ہے اور اوائل عہد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں فوت ہوئے۔

ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے ابوسفیان بن حرب ہے ان کے دو بیٹے ہیں یزید رضی اللہ عنہ ومعاویہ لیکن ابوسفیان اور ابوحنظلہ بھی ان کی کنیت ہے یہ حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کے بیٹے ہیں عام الفیل سے دس سال پہلے پیدا ہوئے اور جاہلیت میں اعیان قریش میں سے تھے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی عداوت اور حسد وعناد رکھتے تھے فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور یہ حنین وطائف میں حاضر ہوئے یہ تمام حالات اپنی جگہ پہلے بھی گزر چکے ہیں ان کے حسن اسلام میں اختلاف کیا گیا ہے اور آثار واخبار بھی مختلف مروی ہیں بعض حسن اسلام پر دلالت کرتے ہیں بعض عدم حسن اسلام پر چنانچہ مروی ہے کہ جب غزوۂ حنین میں مسلمانوں پر انتشار و ہزیمت نے غلبہ کیا تو اس نے کہا ''بَطَلَ السِّحْرُ'' جادو ٹوٹ گیا اس بارے میں جو کچھ علماء نے بیان کیا ہے ہم انہیں نقل کرتے ہیں شیخ ابوعمر بن عبدالبر نے استیعاب میں دونوں خبریں کی خبریں نقل کی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک گروہ بیان کرتا ہے کہ جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کا اسلام حسن ہو گیا حضرت سعید بن المسیب جو اکابر وقدماء تابعین میں سے ہیں اپنے والد ماجد مسیب سے (جو صحابی ہیں) روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے یرموک میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو ان کے بیٹے یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے جھنڈے تلے دیکھا ہے چونکہ امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یزید کو امیر بنا کر علم سپرد کیا تھا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ کر دیا تھا تو میں نے کسی شخص کی آواز سنی جو لڑتا جاتا ہے اور ''یَا نَصْرَ اللّٰہِ اقْرُبْ'' اے اللہ کی مدد قریب ہو کہتا جاتا ہے پھر میں نے اسے غور سے دیکھا تو وہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے قتال کر رہے تھے اور ''یَا نَصْرَ اللّٰہِ اقْرُبْ'' کہتے جاتے تھے مروی ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ جنگ یرموک میں گھوڑے سواروں کی جماعت پر کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے اللہ اللہ تم عرب سوار ہو اور انصار اسلام ہو اور وہ رومی سوار ہیں نصرانی مشرک ہیں اے خدا! یہ دن تیرے دنوں میں سے ایک ہے اپنی مدد اپنے بندوں پر بھیج۔

شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ اصابہ میں ایسی روایتیں بیان کرتے ہیں اور ساتھ ہی ایسی روایتیں بھی لاتے ہیں جو مخالف وبعید ہیں لیکن آخر میں فرماتے ہیں ''وَالْاَوَّلُ هُوَالْاَصَحُّ'' پہلی روایتیں ہی زیادہ صحیح ہیں (واللہ اعلم)۔

استیعاب میں کہتے ہیں کہ ایک گروہ اس قسم کی روایتیں لاتا ہے جس سے منافقوں کی پشت پناہی اور اسلام سے دوری ثابت ہوتی ہے جاہلیت میں زندقہ سے منسوب تھے حسن سے روایت کی گئی ہے کہ ابوسفیان امیرالمومنین سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت آئے جبکہ وہ مسند خلافت پر جلوہ آرا تھے اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ نابینا تھے اس نے کہا تیم وعدی کے بعد خلافت تماری طرف لوٹ کے آئی ہے لہٰذا بنی امیہ کو زیادہ سے زیادہ حکام بناؤ اور یہ حکومت ہی ہے اور میں جنت و دوزخ کچھ نہیں جانتا اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے ڈانٹا اور فرمایا تیرے ساتھ خداوہ کرے جس کا تو مستحق ہے اور اسے اپنے پاس سے نکال دیا صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ اس قسم کی ردی وشنیع باتیں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور بھی مروی ہیں جن کو اہل اخبار نے بیان کیا ہے اور میں ایسی کوئی وجہ نہیں پاتا کہ انہیں بیان کروں اس لیے کہ ان خبروں میں ایسی چیزیں ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ اس کا اسلام محفوظ وحسن نہیں تھا حالانکہ حضرت سعید بن المسیب کی حدیث اس کے اسلام پر دلالت کرتی ہے اصابہ میں کہا گیا ہے کہ وہ مؤلفة القلوب میں سے تھے اور اس سے پہلے احد واحزاب میں مشرکوں کے سربراہ تھے اور کہتے تھے اور کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بحرین کا عامل بنایا تھا مگر یہ ثابت نہیں ہوا۔ اور ابن اسحاق نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منات کے بت خانہ پر بھیجا یہاں تک کہ اسے منہدم جکر دیا ابن سعد نے بروایت ابوالسفر نقل کیا کہ انہوں نے کہا جب ابوسفیان نے روز فتح مکہ لوگوں کو دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں تو اس نے حسد کیا اور کہا کاش کہ یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر لپٹ پڑیں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا: اللہ تعالیٰ اب تجھے رسوا کرے اس پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ'' جو بات یا خیال میرے دل میں آیا تھا اسے میں اپنی زبان پر تو نہیں لایا تھا اور جب روز فتح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے فرمایا کیا ابھی تیرے لیے وقت نہیں آیا ہے کہ تو گواہی دے کہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ تو وہ خاموش رہا پھر جب کہا کیا ابھی تیرے لیے وقت نہیں آیا ہے کہ تو گواہی دے ''محمد رسول اللہ'' تو اس نے کہا ابھی مجھے اس پر یقین نہیں آیا ہے اور میں ابھی شبہ میں ہوں ایک روایت میں آیا ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اپنے دل میں کہا کس چیز سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر غالب آتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی مدد سے غالب آتے ہیں اس وقت اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ طائف کے روز ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں ایک تیر لگا تو اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کیا کہ میری آنکھ میں تیر لگا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو چاہتا ہے تو آنکھ کی واپسی کی میں دعا کروں اور اگر جنت چاہتا ہے تو صبر کر اس نے کہا میں جنت چاہتا ہوں اور دوسری آنکھ بھی یرموک میں جاتی رہی اور وہ دونوں آنکھوں سے نابینا ہو گیا ابوسفیان رضی اللہ عنہ تاجر تھے وہ شام اور بلاد عجم میں مال تجارت بھیجا کرتے تھے کبھی خود بھی چلے جاتے تھے اور بدر واحد کی جنگ میں اہل مکہ کو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ہی جنگ پر ابھارا تھا اور بہت بخیل و کنجوس تھے جیسا کہ ان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آکے شکایت کی تھی کہ وہ بخیل و کنجوس ہے بچوں کو پیٹ بھر کے کھانا نہیں دیتا ہے تو کیا میں اس کے مال میں سے کچھ چراؤں جس سے بچوں کی ضروریات پوری ہوسکیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کرسکتی ہو لیکن زیادہ نہ کرنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی ہے اور ان سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ قیس بن ابی حازم اور ان کے بیٹے معاویہ نے روایت لی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے وہ روایت لی ہے جو ہرقل شاہ روم کے واقعہ میں ہے جسے اپنی جگہ پر بیان کیا جا چکا ہے وہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۳۴ھ یا ۳۱ھ میں مدینہ طیبہ میں فوت ہوئے اور بقیع میں مدفون ہوئے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی نماز جنازہ پڑھی ایک قول یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور بقیع میں مدفون ہوئے ان کی عمر اٹھاسی سال کی تھی ایک قول یہ ہے کہ او پر نوے سال کی تھی اور بھی کئی قول ہیں۔

یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما: انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے یہ روز فتح مکہ اسلام لائے اور حنین میں حاضر ہوئے کہتے ہیں کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے فرزندوں میں یہ بہترین شخص تھے ان کو یزید الخیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ان کو رسول اللہ نے بنی اعراس کے صدقات کا عامل بنایا اور یہ قوم ان کی اخوال میں سے تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو ۱۲ھ میں عامل بنایا اور عمرو بن العاص ابوعبیدہ بن الجراح اور شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم کو فلسطین کی طرف بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ وہ بلقاء پر جائیں ہر ایک کا ان میں جدا جدا معاملہ تھا بعض گمان کرتے ہیں کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم ان سب پر امیر تھے اس کے بعد حق تعالیٰ نے اعدائے دین کو ۱۳ھ میں شکست دی جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد بنائے گئے تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا تو حق تعالیٰ نے شامیوں پر فتح عطا فرمائی اور یزید بن ابوسفیان بن الجراح کو فلسطین اور اس سے گردونواح پر حاکم مقرر فرمایا اور جب حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو قائم مقام بنایا اور جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو حاکم بنایا جب وہ بھی وفات پا گئے تو یزید بن ابی سفیان کو حاکم بنایا جب انہوں نے بھی وفات پائی تو ان کے بھائی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو والی بنایا۔ ان سبھوں نے طاعون کی وبا سے وفات پائی جو ۱۸ھ میں پھیلی تھی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ایک دن اپنے پیٹ کی طرف نظر ڈالی دیکھا کہ اس کی سطح بلند ہو گئی ہے اس پر درہ اٹھا کر فرمایا کہ او میری کھال تو کافر ہو گئی ہے؟ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہی اور ان سے حضرت عبداللہ اشعری اور عیاض اشعری نے روایت لی ہے یزید بن ابی صفیان رضی اللہ عنہ نے ۱۷ھ میں وفات پائی ہے۔

امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما: انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے ایک حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہیں ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی وہ اور ان کے والد اور ان کے بھائی فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے مؤلفتہ القلوب میں سے ہیں۔

اہل سیر بتاتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا قبل از فتح مکہ اور قبل از تشریف آوری سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم برائے فتح مکہ ہے وہ بدر سے پہلے گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ معلوم کیا اور اسلام لائے مروی ہے فرمایا کہ میں عمرۃ القضاء کے دن اسلام لایا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملاقات کی اور یہ ان اصحاب میں سے ایک ہیں جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خط و کتابت کیا کرتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وحی لکھا کرتے تھے بلکہ وہ خطوط و فرامین کی کتابت کرتے تھے اور ملک شام کے والی اپنے بھائی یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حاکم بنائے گئے اور ملک شام کی حکومت ان کے قبضہ میں چوالیس سال رہی ان میں سے چار سال دور فاروقی میں اور خلافت عثمانی اور خلافت علی مرتضیٰ اور خلافت امام حسن مجتبیٰ کی تمام مدت گویا ان خلافتوں میں بیس سال تک ان کی امارت رہی یہاں تک کہ یہ امارت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے ۴۱ھ میں ان کو سپرد کر دینے پر مستبد مستقبل ہو گئی ایسی امارت جو بیس سال رہی اس طرح ان کی مجموعی امارت چوالیس سال تھی۔

حضرت امیر معاویہ نے ماہ رجب ۶۰ھ اٹھتر سال کی عمر میں دمشق میں وفات پائی تھی بعض چھیاسی سال بتاتے ہیں ان کو آخر عمر

میں لقوہ کا عارضہ لاحق ہوگیا تھا وہ آخر عمر میں کہا کرتے تھے کہ کاش میں وادی ذی طوی میں پڑا ہوا قریش کا ایک شخص ہوتا ذی طویٰ قبرستان معلیٰ کے قریب مکہ کے باہر ایک جگہ کا نام ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک اور قمیص مبارک اور چند مو یہائے شریف اور ناخن ہائے شریف تھے انہوں نے وصیت کی کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک پہنا کر چادر شریف میں لپیٹ کر اور آپ کی ازار مبارک دے کر کفنانا اور میری ناک منہ اور مواضع سجود میں مو یہائے مبارک اور تراشہائے ناخن شریف رکھ کر ارحم الراحمین کے سپرد کر دینا دیگران کے احوال معلوم ومشہور اور مذکور ومسطور ہیں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ کا ایک رسالہ ہے جس کا نام ''اوائل'' ہے اس میں انہوں نے ان چیزوں کا بیان کیا ہے جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایجاد کیں انہیں ان سے پہلے خلفاء میں سے کسی نے نہ کیا تھا حضرت علی مرتضیٰ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف کی بنیاد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی امیر معاریہ کہتے اور ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان کی موافقت میں کہتیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینے میں عجلت کرنی چاہیے تاکہ لوگوں کو خلفاء پر جرات نہ ہو مگر حضرت علی مرتضیٰ نے دیر اور تاخیر میں مصلحت دیکھی تاکہ امر خلافت میں خلل واقع نہ ہو اس اختلاف کی بنیاد یہ بات ہے جس کے بارے میں علماء یہ فرماتے ہیں کہ اختلاف کی بنیاد اجتہادی غلطی تھی اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ نے امیر معاویہ کو معزول کر دیا اور روز بروز مخالفت بڑھتی گئی یہاں تک کہ جو کچھ نہ ہونا چاہیے تھا وہ ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ'' علامہ سیوطی نے مسند امام احمد سے عرباض رضی اللہ عنہ بن ساریہ کی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مَعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهُ الْعَذَابَ اے خدا معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم سکھا اور اسے عذاب سے محفوظ رکھ۔

ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے ملک بن عمیر سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ امیر معاویہ کہتے ہیں میں ہمیشہ امارت کا خواہشمند رہا اس کے بعد مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذَا مَلَكْتَ فَاَحْسِنْ'' جب تم حاکم بنائے جاؤ تو حسن سلوک کرنا ایک روایت میں آیا ہے ''واسمح'' چشم پوشی اور عفو و درگزر کرنا'' محدثین فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہوئی ہے (واللہ اعلم)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو ناپسند ومکروہ نہ جانو اگر وہ نہ ہوں تو بہت سے لوگوں کے سران کے جسموں سے اتر جائیں اس سے ان وقائع وشنائع کی طرف اشارہ کیا ہے جو ان کے بیٹے یزید پلید کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت زید بن ثابت انصاری: انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے حضرت زید بن ثابت بن ضحاک انصاری بخاری رضی اللہ عنہ ہیں ان کی کنیت ابوسعید یا ابوثابت ہے یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتے تھے اور وہ اجلۂ فقہائے صحابہ سے اور عالم یہ فرائض تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے تشریف لائے تو گیارہ سال کے تھے غزوۂ بدر میں (غالبًا کم سنی کی بنا پر) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شامل نہ کیا احد اور اس کے بعد تمام غزاوت میں حاضر شریک رہے بعض کہتے ہیں کہ ان کا سب سے پہلا جہاد خندق ہے انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر عثمان رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کی ہے اور ان سے صحابہ کی جماعت کثیرہ نے حدیث لی مثلاً حضرت ابوہریرہ ابوسعید انس سہیل بن سعد وغیرہ رضی اللہ عنہم تابعین میں سے حضرت سعد بن المسیب ان کے فرزند خارجہ وسلمان وقاسم محمد وغیرہ نے روایت کی اور یہ ان اصحاب میں سے ہیں جنہوں نے عہد خلافت صدیقی میں جمع قرآن کیا اور عہد خلافت عثمانی میں مصاحف میں ان کو نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا (جبکہ انہوں نے جمع

قرآن سے معذوری ظاہر کی) کہ تم نوجوان اور عقلمند ہو میں تم پر اتہام نہ رکھوں گا ان کے فرزند خارجہ بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں ورنق افروز ہوئے تو مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لایا گیا اور کہا گیا کہ یہ بنی نجار کا لڑکا ہے اس نے قرآن کی ستر سورتیں یاد کی ہیں میں نے ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے پڑھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری قرأت سے خوش ہوئے اور فرمایا اے زید رضی اللہ عنہ یہود کی خط و کتابت سیکھ لو کیوں کہ مجھے یہود کی کتابت پر اعتماد نہیں ہے ممکن ہے کہ وہ کم و زیادہ کر دیں پھر میں نے سریانی زبان کو سیکھا اور پندرہ دن نہ گزرے تھے کہ میں اس میں ماہر ہو گیا اس کے بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خط و کتابت لکھا کرتا جب ان کی طرف کوئی خط یا فرمان بھیجنا ہوتا یا ان کی طرف سے کوئی مراسلہ آتا تو میں ہی اسے پڑھ کر سناتا تھا۔

سلیمان بن یسار سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہما کسی کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر قضا فتویٰ فرائض اور قرأت میں ترجیح نہ دیتے تھے قاسم بن محمد روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق اللہ عنہ اپنے سفر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنا قائمقام خلیفہ مقرر کرتے تھے اور فرماتے مجھ پر زید رضی اللہ عنہ کا مقام ساقط نہیں ہے لیکن اہل شہر ان کے محتاج ہیں نیز ان کے پاس علم قضا اور فتویٰ اتنا وافر ہے کہ کسی دوسرے میں اتنا نہ ہوگا۔

سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ انہوں نے اس دن جس روز زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے وفات پائی فرمایا آج عالم الناس کا انتقال ہو گیا حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا اس اُمت کا بہترین شخص فوت ہو گیا اور امید ہے کہ حق تعالیٰ ان کا قایم مقام حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بنائے گا ابوعبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم پڑھتا تھا مجھ سے انہوں نے فرمایا تم مجھے لوگوں کے معالات میں غور و فکر کرنے سے باز رکھتے ہو تم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے پڑھا کرو کیونکہ وہ اس کام کیلئے فارغ ہیں میری قرأت اور ان کی قرأت ایک ہے اور میرے اور ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے یعقوب بن سفیان نے شعبی سے باسناد صحیح روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا ایک دن حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سواری کر رہے تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے (ادب واحترام میں) ان کی رکاب تھام لی اس پر انہوں نے فرمایا ''اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے فرزند ایک طرف ہو جاؤ اور رکاب چھوڑ دو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا'' ہمیں ایسا ہی حکم دیا گیا کہ ہم علماء و مشائخ کے ساتھ اسی طرح ادب و احترام بجالائیں اس پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنا ہاتھ قریب لاؤ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ تھام کر اس کا بوسہ لے لیا اور فرمایا ہمیں ایسا ہی حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے نبی کی اہل بیت کے ساتھ اسی طرح پیش آئیں ایک روایت میں آیا ہے کہ فرمایا ہم اپنے بزرگوں کے ساتھ اسی طرح عمل کریں ابن سعد نے باسناد صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بن ثابت اصحاب فتاویٰ میں سے ایک تھے اور اصحاب فتویٰ چھ اشخاص تھے حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت ابوموسیٰ' حضرت ابوزید اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین۔ حضرت زید بن ثابت ۴۲ھ یا ۴۳ھ یا ۴۵ھ میں فوت ہوئے۔

حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کا نام عبداللہ ہے اور وہ بنی جمح میں سے تھے یہ صحابی اور حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کے امیر تھے اعیان قریش میں شمار ہوتے تھے ان کے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ حسنہ ہیں ان کی کنیت ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ ہے اور بعض ابوعبدالرحمٰن بتاتے ہیں وہ اور ان کے بھائی عبدالرحمٰن حسنہ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں کیونکہ دونوں کی والدہ ایک ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں بھائی حسنہ کے منہ بولے بیٹے

ہیں اور ان کی نسبت ان پر غالب ہوگئی ہے ابن ماجہ نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث روایت کی ہے جو نماز میں ترک طمانیت کی وعید پر ہے اور اس کا ذکر اس حدیث میں ہے جس میں نجاشی نے سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا عقد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا سفیر بنا کے مصر بھیجا ابھی وہ مصر میں ہی تھے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی اور ان سے ان کے بیٹے ربیعہ نے روایت لی ان کی کتابت کا کوئی تذکرہ معلوم نہ ہوا ممکن ہے کہ اسی سفارت مصر کے ضمن میں ہی کتابت کیلئے ان سے فرمایا ہو۔ (واللہ اعلم)

حضرت علاء الحضرمی رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے ایک حضرت العلا الحضرمی ہیں یہ مشہور صحابی ہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بحرین پر عامل مقرر ہوئے تھے اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے بھی ان کو برقرار رکھا تھا یہاں تک کہ ۱۴ھ میں انہوں نے وفات پائی بعض کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ارض بصرہ کا حکم بنایا اور ارض بنی تمیم میں اس سن میں وفات پائی بعض کہتے ہیں ۱۱ھ بحرین میں وفات پائی ان کے بعد ان کی جگہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کیا۔

ان کے نام اور ان کے نسب میں علماء بہت زیادہ اختلاف رکھتے ہیں لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ حضرموت کے رہنے والے تھے جیسا کہ جامع الاصول میں ہے اور کاشف میں ہے کہ وہ بنی امیہ کے حلیف تھے اور ان کے دس بھائی تھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے سوا اور حضرات بھی بیان کرتے ہیں کہ علا الحضرمی رضی اللہ عنہ چند کلمات پڑھ کر دریا میں داخل ہوئے اور پار نکل گئے ان کی یہ حکایت بہت مشہور ہے وہ کلمات یہ تھے "یا حلیم یا علیم" وہ مستجاب الدعوات تھے۔

حضرت خالد بن ولید: انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے حضرت خالد بن ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم قرشی سیف اللہ ابوسلیمان رضی اللہ عنہ ہیں ان کی والدہ لبابہ رضی اللہ عنہا صغری بنت الحارث الہلالیہ بہن لبابہ رضی اللہ عنہا کبری زوجہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب ہیں یہ دونوں بہنیں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہنیں تھیں حضرت خالد رضی اللہ عنہ اشراف واعیان قریش میں سے جاہلیت کے زمانہ میں تھے اور دور جاہلیت میں گھوڑوں کی عنان ان کے ہاتھ میں تھی یہ کافروں کے ساتھ عمرۂ حدیبیہ تک رہے خصوصاً غزوۂ احد میں مشرکوں کے لشکر کے مقدمتہ الجیش تھے ۷ھ میں خیبر کے بعد غزوۂ موتہ سے دو ماہ پہلے اسلام لائے اور غزوۂ موتہ کی فتح انہیں کے ہاتھ پر واقع ہوئی خدا کے دین میں ان کی مساعی جمیلہ اور ان کی تقویت وتائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہرہ اور بعد وفات بہت ہیں ان کے اسلام لانے کا قصہ اور ان کے لشکر وغزوات پہلے ہی اپنے اپنے مقامات میں ۷ھ میں بیان کیے جاچکے ہیں۔

ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک منزل میں ٹھیرے ہوئے تھے اس کے بعد لوگ ایک ایک کر کے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دریافت کرتے یہ کون ہے یہ کون ہے؟ جواب دیا جاتا کہ یہ فلاں ہے یہ فلاں ہے یہاں تک کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ گزرے حضوا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ کون ہیں میں نے عرض کیا یہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ خدا کا نیک بندہ ہے اور اللہ کی تلواروں سے ایک تلوار ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مرتدین کی سرکوبی کیلئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انہیں علم عطا فرمایا تو فرمایا میں نے رسول اللہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے کہ نِعْمَ عَبْدُ اللّٰہِ وَاَخُو الْعَشِیْرَۃِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ سَیْفٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ اور انہوں نے اس تلوار کو کافروں پر کھینچا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی ٹوپی کو جنگ یرموک میں گم کر دیا پھر انہوں نے حکم دیا کہ اسی ٹوپی کو ڈھونڈ اور خوب تلاش کروانہوں نے اسے بہت تلاش کیا مگر یہ نہ ملی اس کے اس بعد اس کی تلاش میں بہت زیادہ کوشش کی بالآخر وہ ٹوپی مل گئی لوگوں نے دیکھا کہ وہ تو بہت پرانی اور بوسیدہ ہے اس پر لوگوں نے کہا یہ ہے وہ ٹوپی جس کی اتنی جستجو تھی اس کیلئے اتنی کدوکاوش اٹھانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا تھا اور اپنے سر مبارک کا حلق فرمایا تھا اس پر لوگوں نے موہہائے مبارک لینے میں عجلت کی اور میں نے پیشانی مبارک کے موشریف کے لینے میں سبقت کی پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان موہہائے مبارک کو اس ٹوپی میں محفوظ کر کے مجھے عنایت فرما دیا اس کے بعد میں جس جنگ میں بھی شریک ہوا یہ ٹوپی میرے ساتھ رہی اور حق تعالیٰ نے مجھے اس کی برکت سے ہے جگہ فتح و نصرت عطا فرمائی مروی ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ جب جرہ کے پاس پہنچے تو ان کے سامنے زہر لایا گیا آپ نے اسے اپنی ہتھیلی پر رکھا اور پی گئے اس زہر نے کوئی ضرر نہ پہنچایا نیز مروی ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا جس کے پاس شراب کا بھرا ہوا مشکیزہ تھا انہون نے اس سے پوچھا اس مشکیزے میں کیا ہے اس نے کہا کہ سرکہ ہے انہوں نے کہا اے خدا اسے سرکہ بنا دے تو وہ سرکہ بن گیا ایک روایت میں ہے کہا کہ خداوندا اسے شہد بنا دے تو وہ شہد ہو گیا مروی ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کوئی رات میرے نزدیک مہاجرین کے لشکر میں سخت تاریک رات سے زیادہ محبوب نہیں ہے ایک روایت میں ہے کہ فرمایا کوئی رات ایسی نہیں ہے جس میں مجھے اس رات کوئی دلہن دی جائے یا کسی بچے کی ولادت کا مژدہ سنایا جائے اور وہ مجھے اس شب تاریک سے زیادہ محبوب ہو جو لشکر میں آئے وہ فرمایا کرتے مجھے قرآن کریم کی زیادہ تعلیم نے جہاد سے باز رکھا جب بھی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس مال آتا وہ فوراً اسے تقسیم کر دیتے تھے اور اس کا کچھ حساب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو نہ بھیجتے تھے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجے کہ بغیر اجازت کسی کو کچھ نہ دیجے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو ایسا ہی لکھ دیا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو اس کا یہ جواب لکھا کہ یا تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجے میں جو چاہوں کروں اور جس کو چاہوں دوں ورنہ تم جانو اور تمہارا کام چوں کہ ان کے مزاج میں تندی و تیزی و برتری اور خلق سے یکسوئی تھی جیسا کہ بہادروں میں ہوتا ہے چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے انہوں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو سخت وسست کہا حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے قصد کیا ہے کہ تم سے بات نہیں کروں گا اس کے بعد حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی شکایت کی اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے خالد! تمہیں عمار سے کیا کام ہے وہ ایک جنتی شخص میں جو بدر میں حاضر ہوئے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا: خالد رضی اللہ عنہ خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے حضرت خالد رضی اللہ عنہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور معذرت خواہی کی اور استغفار کیا حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کہ بعد میں ہمیشہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا رہا اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے خالد رضی اللہ عنہ کیوں ایسے شخص کو ایذا پہنچاتے ہو جو اہل بدر میں سے ہے اگر تم احد پہاڑ کے برابر بھی سونا صدقہ کرو تو ان کے عمل کے برابر نہیں پہنچ سکتے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ رضی اللہ عنہ یہ میرے پیچھے پڑ گئے اور مجھے ایذا دینے لگے تو میں نے اس کے جواب میں ایسا کہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خالد کو ایذا نہ دو وہ خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔

القصہ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ لکھ کر بھیجا کہ مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو میں جو چاہوں کروں اور جسے جو چاہوں دوں ورنہ تم جانو اور تمہارا عمل اپنے کام کو مجھ سے لے لو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بات کرنے کا

موقعہ مل گیا چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے مابین بہت دنوں سے کوئی چیز تھی انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کو دیجئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کون ہے جو جا کے میری طرف سے حضرت خالد کو یہ خبر پہنچائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ کام میں کروں گا انہوں نے فرمایا تم جانو اور تمہارا کام اس کے بعد سفر کی تیاری شروع کر دی تاکہ باہر جائیں پھر صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے انہوں نے کہا کیا بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس سے باہر جا رہے ہیں حالانکہ آپ کو ان کی ضرورت ہے اور کیا بات ہے کہ آپ خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ عظیم کارہائے نمایاں سرانجام دے رہے ہیں اس پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا بتاؤ میں کیا کروں انہوں نے کہا آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیجئے کہ باہر نہ جائیں یہیں ٹھہرے رہیں اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو لکھ دیجئے کہ اپنے عمل پر مستقیم رہو چنانچہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق خلیفہ ہوئے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ کسی کو بھی وہ بکری ہو یا اونٹ میرے حکم کے بغیر نہ دو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی ویسا ہی جواب لکھ دیا جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا اس پر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر دیا اور اپنے پاس بلا لیا ایک سبب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ تھا کہ انہوں نے مالک بن نویرہ کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قتل کر دیا تھا لوگوں نے اختلاف کیا کہ ابن نویرہ کو حالت اسلام میں قتل کیا ہے اس گمان کی بنا پر جو ان کے کافر ہونے پر انہوں نے کیا تھا۔

اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے بھی مالک کے قتل پر اعتراض کیا اور قسم کھائی کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے جھنڈے تلے کافر ہی قتل ہوئے ہیں صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے زیادہ تر مرتدین ہی مارے گئے ہیں مسلم اور مالک انہیں مرتدین میں سے ہیں اصابہ میں نقل کرتے ہیں کہ مالک بن نویرہ تمیمی یربوعی کی کنیت ابوحنظلہ اور لقب حفول تھا وہ اہل زبان فارس کا بزرگ شاعر تھا اور جاہلیت میں یربوع قوم کے سواروں میں شمار ہوتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کی قوم پر عامل صدقات مقرر کیا تھا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کی خبر اسے پہنچی تو اس نے مال صدقات کو روک لیا اور اپنی قوم میں تفرقہ ڈال دیا اور یہ شعر کہا۔

فقلت خذوا اموالکم غیر خائف ولا ناظر فیما یحیٰ من الغز

فان قام بالدین المحقق قایم اطعنا وقلنا الدین دین محمد

اور یہ مالک بن نویرہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتا تو اس طرح کہتا کہ میں تمہارے آقا پر گمان نہیں رکھتا مگر یہ کہ انہوں نے یہ کہا ہے اور میں نے تمہارے آقا سے سنا ہے کہ ایسا کہا ہے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اس کی یہ گستاخی گراں گزری اور ضرار بن ازداسدی رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے حکم سے اسے قتل کر دیا اس سے فارغ ہونے اور جنگ روم سے نپٹنے کے بعد مالک کی بیوی سے جس کا نام ام تمیم بنت المنہال تھا نکاح کر لیا یہ نہایت حسینہ و جمیلہ تھی لیکن مالک کا قتل اس کی بیوی کی بنا پر نہ تھا جیسا کہ لوگ تہمت لگاتے ہیں مالک بن نویرہ کا ایک بھائی متمم بن نویرہ تھا وہ بھی شاعر تھا اس نے مالک بن نویرہ کا مرثیہ کہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر ظلم کی تفصیل سنائی زبیر بن بکا بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد کو لکھا کہ مالک کی بیوی سے مفارقت کر لو اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر مالک کے معاملہ میں سختی و شدت فرمائی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معذور جانا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا خالد رضی اللہ عنہ کی

تلوار میں منہ ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ظاہر میں اس کی تاویل کی اور کہا کہ اس نے خطا کی ہے اس کی کشیدہ تلوار پر کوئی گناہ نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرکوں پر کھینچا ہے اس بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد کو اپنے پاس بلایا جب وہ مدینہ میں آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ تنہا ہیں اور حضرت عمر وہاں نہیں ہیں پھر حضرت خالد سے مالک کے قتل کا سبب پوچھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس کا سبب بیان کیا پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا اس کی بیوی سے کیوں نکاح کیا انہوں نے کہا وہ بغیر شوہر کی عورت تھی میں نے اس کو پیام بھیجا پھر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا ہے کہ فرمایا: خَالِدٌ سَيْفٌ مِنْ سُيُوْفِ اللهِ وَهَلْ يَجْرِىْ سَيْفُ اللهِ اِلَّا عَلَى الْحَقِ خالد رضی اللہ عنہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے اور وہ حق کے سوا کسی پر نہیں چلتی یہ کہا اور باہر نکل آئے جب وہ باہر نکل رہے تھے تو سامنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہنچ گئے انہوں نے ان کا حال پوچھا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ نے رخصت کر دیا ہے اور مجھے وہیں بھیج دیا ہے جہاں میں تھا اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دل کی بات خالد رضی ار عنہ سے مخفی رکھی جب خلیفہ ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بلایا اور زجر و شدت فرمائی وہی عذر جو انہوں نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کیا تھا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بیان کر دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تہمت کے مقام پر تقویٰ کو اختیار کیوں نہ کیا بہر حال معاف کیا اور شفقت فرمائی اور کہا کہ رحم اللہ خالد اللہ تعالیٰ پر رحم فرمائے اور فرمایا میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر عتاب نہ کرتا مگر اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حال پر زیادتی کی بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عظیم کا کارنامے سرانجام دیئے ہیں میں ڈرتا ہوں کہ ان کے دل میں عجب اپنا سر نہ اٹھائے۔

جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے کہا سبحان اللہ میں سو یا سو سے زیادہ جنگوں میں شریک رہا ہوں اور میرے جسم میں ایک بالشت برابر بھی ایسا حصہ نہیں ہے جہاں نیزہ و تلوار اور تیر کے زخم نہ لگے ہوں مگر آج میں اس حال میں جان دے رہا ہوں جیسے اونٹ مرتا ہے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی وفات حمص میں ہوئی اور بعض مدینہ طیبہ میں ۲۱ھ یا ۲۳ میں بزمانہ خلافت فاروقی بتاتے ہیں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے وصیت کی کہ ان کا تمام اسلحہ اور گھوڑے خدا کی راہ میں کام آئیں پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے جنازہ پر آ۔ [illegible] حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہاں پہنچے تو دیکھا کہ ان کے گھر میں بنی مغیرہ کی عورتیں جمع ہیں اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید پر رو رہی ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں ہے ان پر کہ وہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کیلئے روئیں بجز اس بات کے کہ اس میں فریاد اور نوحہ نہ ہو یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی وفات مدینہ طیبہ میں ہوئی۔

محمد بن سلام نے کہا ہے کہ بنی مغیرہ کی کوئی عورت ایسی باقی نہ رہی جس نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس اپنے سر کے بال نہ ترشوائے اور یہ زمانہ جاہلیت کے قریب ہونے کی وجہ سے تھا اور بنی مغیرہ میں زمانہ جاہلیت کی رسموں کا بہت غلبہ تھا اور خود ولید بن مغیرہ جو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے باپ ہیں شدید کافر اور قریش کے جاہل ترین آدمی تھے اور ان میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ ہی ایسے تھے جنہوں نے اسلام کی توفیق پائی اور اس مرتبہ پر فائز ہوئے۔ (رضی اللہ عنہ)

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور ان سے ابن خالد ابن عباس رضی اللہ عنہ علقمہ اور جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ نے روایت لی ہے۔

محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ: انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما ہیں ان کا تذکرہ پاسبان رسالت کے ضمن میں گزر چکا ہے ظاہر ہے کہ یہ دونوں طبقوں سے تعلق رکھتے تھے۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کی کنیت ابومحمد ہے یہ انصاری خزرجی سابقین اولین میں سے اور انصار کے نقباء میں سے ایک ہیں بعض حضرت ان کی کنیت ابومحمد اور ابورواحہ بتاتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخاۃ فرمائی تھی وہ جاہلیت میں عظیم المرتبت تھے عقبہ بدر اُحد خندق اور تمام غزوات میں شریک ہوئے بجز فتح مکہ اور اس کے بعد کے غزوات کے اس بنا پر کہ وہ غزوۂ موتہ میں ۸ھ میں شہید ہو گئے تھے منقول ہے کہ رسول اللہ نے جب مسلمانوں کو موتہ کیلئے رخصت فرمایا تو مسلمان دعا کرتے اور ندا کرتے تھے کہ سلامتی کے ساتھ جاؤ اور سلامتی کے ساتھ واپس آؤ لیکن ان حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا

لکنی اسأل الرحمن مغفرۃ و ضربہ ذات فرع تقذف الزند

یہ شہادت طالب اور اس کے مشتاق بن کر نکلے تھے جیسا کہ پہلے بیان میں گزر چکا ہے یہ شعرائے اسلام میں سے تھے اور کفار کی ایذاؤں کو رسول اللہ کی جانب سے ان کی طرف لوٹاتے تھے اور جواب دیتے تھے ان کے اور ان دونوں صحابہ حضرت حسان بن ثابت اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا.

''مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور اللہ کا بہت زیادہ ذکر کیا اور بدلہ لیا اس کا جو ان پر ظلم ہوا۔''

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے تابعین کی ایک جماعت نے مثلاً ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور عکرمہ وغیرہ نے روایت لی ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابت کیا کرتے تھے اور وہی فتح بدر کی بشارت مدینہ لے کر آئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تیس سواروں کے ساتھ اسید بن ازام یہودی کی طرف خیبر بھیجا انہوں نے ہی اسے قتل کیا تھا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبداللہ بن رواحہ بہت اچھے آدمی ہیں یہ حدیث طویل ہے اور حضرت انس سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جب کسی صحابی سے ملتے تو ان سے کہتے بیٹھو تاکہ میں اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی کچھ دیر یاد کروں (الحدیث) اور بیہقی نے بسند صحیح بروایت ثابت از ابویعلی روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ داخل ہوئے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ وہیں بیٹھ گئے حالانکہ وہ مسجد کے باہر ہی تھے پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے رسول کی فرمانبرداری کی اور زیادہ توفیق بخشے ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کے بعد ان کی بیوی سے نکاح کرلیا اس شخص نے انکی بیوی سے ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا انہوں نے بتایا کہ وہ جب گھر سے باہر نکلتے تو پہلے دو رکعت پڑھتے اور جب گھر میں داخل ہوتے تو دو رکعت پڑھتے تھے یہ عمل انہوں نے کبھی ترک نہ کیا۔ ہشام بن عروہ سے مروی ہے کہ جب آیہ کریمہ وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ نے فرمایا حق تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کیا میں ان میں سے ہوں؟ اس پر آیہ کریمہ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُو الصّٰلِحٰتِ (الایہ) نازل ہوئی حضرت عبداللہ بن رواحہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں جو شعر سب سے بہتر کہے ہیں وہ یہ ہے۔

لو لم یکن فیہ آیات مبینة — کانت بدیھیة بینك بالخیر

اس شعر میں ایک قسم کی تلمیح ہے جو اس آیہ کریمہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے یَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ جیسا کہ ایک رسالہ میں آیہ کریمہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تفسیر میں وضاحت کی گئی ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں ان کو کاتبوں کے ضمن میں بھی بیان کیا گیا ہے اور مواہب لدنیہ میں پاسبان بارگاہِ رسالت میں بھی شمار کیا گیا ہے۔ مروی ہے کہ حدیبیہ کے روز وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے شمشیر برہنہ لیے کھڑے تھے جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے اور تقریباً اسی جگہ عروہ بن مسعود ثقفی کے ساتھ مغیرہ کے ابتدائے اسلام کی حکایت بھی مذکور ہے نیز معلوم ہوا ہے کہ یہ ان صحابہ کرام میں سے تھے جن کے بارے میں اہل سنت و جماعت برا کہنے اور زبان طعن دراز کرنے سے ان کی فضیلت اور صحابیت کے حق کی بنا پر روکتے ہیں اور جو کچھ کہ اہل سیر نے بیان کیا ہے ہم اسے بیان کرتے ہیں۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ وہ ابوعبداللہ ہیں اور کہا گیا ہے کہ ان کی کنیت ابوعیسیٰ بھی ہے یہ مغیرہ بن شعبہ بن ابی عاثقفی مدینہ طیبہ میں آکر عام الخندق میں اسلام لائے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا سب سے پہلا واقعہ حدیبیہ ہے ان کی کنیت ابوعیسیٰ بھی ہے ان سے ان کی اولاد عروہ حمزہ اور ان کے غلام حرراد اور ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری و شعبی وغیرہ جماعت کثیرہ نے روایت کیا ہے۔ اصابہ میں ہے کہ وہ حدیبیہ سے پہلے اسلام لائے اور بیعۃ الرضوان میں حاضر ہوئے اس جگہ ان کا تذکرہ ہے اور وہ عرب سے تھے یعنی سخت محنت و مشقت کا کام ہوشیاری سے کرنے والے عرب میں چار اشخاص ہیں ایک معاویہ بن ابی سفیان دوم عمرو بن العاص سوم مغیرہ بن شعبہ چہارم زیاد۔ استیعاب میں مرقوم ہے کہ قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اپنی فضیلت و بزرگی کے باوجود سخت محنت و مشقت کا کام ہوشیاری سے کرنے والوں میں کم نہیں ہیں۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ دراز اقامت، بڑی آنکھیں، سفید و گھنگریالے بال، موٹے ہونٹ، بڑا سر، فربہ بازو اور چوڑے شانے کے آدمی تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو بصرے پر حاکم مقرر فرمایا اور انہوں نے ہمدان اور چند دیگر شہر فتح کیے اس کے بعد ایک عمل فحش صادر ہونے کی بنا پر انہیں معزول کر دیا اور ان پر ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے سوا کسی اور نے گواہی دی اگرچہ بحکم شرع ان کی گواہی مکمل نہ ہوئی تھی۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے تین سو عورتوں کو اسلام میں شوہردار بنایا اور بعض تو ہزار تک [illegible] تے ہیں اس کے بعد ان کو کوفہ پر حاکم بنایا اور یہ ہمیشہ اس پر حاکم رہے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے ان کو بدستور برقرار رکھا اور جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صفین وغیرہ کا نزاع واقع ہوا تو انہوں نے یکسوئی اختیار کی اور جب حکمین کا قضیہ لاحق ہوا تو وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئے اور جب امام حسن بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مصالحت ہوئی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اجتماع ہو گیا تو امیر معاویہ کی بیعت کر لی اور امیر معاویہ نے ان کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ انہوں نے ہی یزید کی امارت کی تدبیر کی اور لوگوں کو اس پر آمادہ کیا تھا۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ سے اپنے پاس بلایا انہوں نے جانے میں تاخیر کی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان پر عتاب کیا انہوں نے کہا بھیجا کہ تاخیر کا موجب خدمت میں کوتاہی نہیں ہے میں خدمت میں ہی مشغول ہوں کہ یزید کی امارت کی تدبیر میں مشغول ہوں اس کے بعد وہ کوفہ کی گورنری پر برقرار رہے اور وہاں ان کے احکام برابر جاری رہے حتیٰ کہ وہ ۵۰ھ میں فوت ہو گئے اور انہوں نے اپنے بیٹے عروہ کو اپنی وفات کے وقت اپنا قائم مقام بنایا مگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی منظوری نہ دی اور کوفہ و بصرہ پر زیاد کو گورنر بنایا اور

اس پر انہوں نے عراق کے دونوں صوبوں کو مجتمع کر دیا۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دربار میں آئے اور حاضری کی اجازت طلب کی لوگوں نے کہا کہ ابوعیسیٰ اجازت مانگتے ہیں؟ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عیسیٰ کا کوئی باپ نہ تھا گویا کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوعیسیٰ کی کنیت کو مکروہ جانا لوگوں نے کہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس کنیت سے یاد فرماتے تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نبی مغفور ہیں اللہ تعالیٰ نے ''مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ'' ان کیلئے فرمایا ہے ہمارے لیے مشکل ہے ہم نہیں جانتے کہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا صرف مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہو کیا وہ ابوعبد اللہ کنیت رکھنے کو اچھا نہیں جانتے اس حکایت کی صحت میں کلام ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب امیر المؤمنین سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ آرا ہوئے اور لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی تو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور کہا اے امیر المؤمنین آپ کیلئے میری ایک نصیحت اور خیر خواہی ہے۔ امیر المؤمنین نے فرمایا وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ پر امیر خلافت مستحکم و مستقیم رہے تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ پر اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو بصرہ پر حاکم مقرر کر دیجئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدہ پر شام میں ہی ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیجئے تاکہ وہ آپ کی اطاعت میں ہمیشہ رہیں اور جب امر خلافت مستقیم ہو جائے تو ان کے ساتھ جس طرح چاہے کیجئے اور جیسی کچھ آپ کی رائے ہو اسے عملی جامہ پہنایئے اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا حضرت طلحہ وزبیر کے بارے میں تو میں غور وفکر کر کے رائے قائم کر دوں گا لیکن معاویہ کے بارے میں تو ہرگز نہیں خدا کی قسم میں اپنے آپ کو اس پر عمل کرنے والا نہیں پاتا اور نہ ان سے کوئی مدد لینے والا دیکھتا ہوں جب تک کہ وہ اپنے حال پر ہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ اور مسلمانوں نے اختیار کیا ہے وہ بھی اختیار کریں اگر وہ انکار کریں تو ان کا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں اس پر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین کے پاس سے غصہ ہو کر چلے گئے کیونکہ ان کی نصیحت کو انہوں نے قبول نہ فرمایا تھا دوسرے دن وہ پھر آئے اور کہا کہ کل جو کچھ میں نے کہا اور جو کچھ کہ آپ نے جواب دیا اس پر میں نے غور وفکر کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے خیر کی توفیق پائی اور حق کی جستجو فرمائی ہے۔ جب مغیرہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو امام حسن مجتبیٰ بن علی مرتضیٰ ملے اور وہ اپنے والد بزرگوار کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ یہ اعور آپ سے کیا کہتا تھا انہوں نے فرمایا کل اس نے مجھ سے ایسا کہا تھا اور آج اس نے مجھ سے ایسا کہا۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کل اس نے خیر خواہی میں کہا تھا اور آج خوشامد میں کہا ہے اس پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں معاویہ رضی اللہ عنہ پر اسے برقرار رکھوں جو میرے قبضہ واختیار میں ہے تو میں حق تعالیٰ کے ارشاد کا مصداق بنوں گا کہ فرمایا: وَمَا كُنْتَ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا o جس طرح کہ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر المؤمنین سے باتیں کی تھیں اسی طرح طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی باتیں کیں ان کی بات کو بھی قبول نہ فرمایا بالآخر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ کا وہی حال ہوا جو سب کو معلوم ہے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بن اوائل قرشی سہمی منسوب بہ قبیلہ سہم بن عمرو بطنی قرشی ہیں ان کی کنیت ابوعبد اللہ ہے ایک قول ہے کہ ابومحمد ہے بقول صحیح ۸ ھ میں اسلام لائے جیسا کہ گزرا بعض کہتے ہیں کہ حدیبیہ اور خیبر کے درمیان جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ جمحی رضی اللہ عنہ آئے اور اسلام لائے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ مکہ مکرمہ نے اپنے جگر گوشوں کو تمہاری طرف پھینک دیا ہے۔ واقدی نے کہا

کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ۸ ھ میں نجاشی کے پاس سے مسلمان آئے تھے اور وہ اسلام نجاشی کے پاس ہی قبول کر چکے تھے اور دین اسلام کے معتقد ہو گئے تھے اس لیے کہ نجاشی نے ان سے کہا۔

اے عمرو رضی اللہ عنہ! تمہارے ابن عم کا دین تم پر کیسے مخفی ہے خدا کی قسم وہ سچے خدا کے رسول ہیں انہوں نے ان سے کہا کیا تم یہ بات حق و صداقت اور یقین سے کہتے ہو۔ نجاشی نے کہا خدا کی قسم میں یقین سے کہتا ہوں اس کے بعد وہ نجاشی کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضری کے قصد سے فتح مکہ سے چھ ماہ قبل نکلے بقیہ احوال سرایا کے ضمن میں پہلے ہی گزر چکا ہے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ حضرت عمر فاروق عثمان ذوالنورین اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے عامل رہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو مصر کی طرف بھیجا اور انہوں نے مصر کو فتح کیا اور وہاں کے حاکم رہے جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے تقریباً چار سال برقرار رکھا اس کے بعد ان کو معزول کر کے حضرت عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کیا یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اسکندریہ کی طرف بھیجا انہوں نے اسے فتح کیا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان سے مل گئے اور ان کے مدار المہام بن گئے وہ صفین میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور اس میں حکم بنانے کا قصہ پیش آیا تھا جیسا کہ معلوم و مشہور ہے اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ امارت میں مصر کو ان کی جاگیر میں دے دیا اور ۴۳ ھ یا ۴۱ ھ یا ۵۱ ھ میں عید الفطر کے دن مصر میں وفات پائی۔ ۴۳ ھ زیادہ صحیح ہے اور ایک قول ہے کہ ۴۱ ھ ہے ان کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو مصر کا گورنر بنایا ان کی عمر نوے سال کی ہوئی بعض ننانوے سال بتاتے ہیں ان کی نماز جنازہ ان کے بیٹے نے پڑھی اس کے بعد عید گاہ آ کے لوگوں کے ساتھ عید کی نماز پڑھی پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ کو معزول کر دیا اور اپنے بھائی عتبہ بن ابوسفیان کو وہاں کا گورنر بنایا۔

منقول ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عرب کے دانشوروں اور ان کے روسا میں سے تھے اور وہ صاحب فہم و فراست ذہن رسا اور پستہ قامت کے تھے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب وہ کسی شخص کو بات کرنے اور بات سمجھنے میں عاجز دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ سبحان اللہ خالق هذا و عمرو واحد تعجب ہے کہ ایسی فہم و فراست رکھنے کے باوجود حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی جانب کو چھوڑ کر امیر معاویہ کے تابع ہو گئے حکیم فارابی نے رسالہ تقاسیم عقل میں کہا ہے کہ عقل کو کئی معنی میں بولا جاتا ہے کبھی قوت عاقلہ نفس ناطقہ پر اطلاق کرتے ہیں اور کبھی ایسے امور کے سوچ بچار پر جو مبدا و معاد کی صلاح پر اس میں بولتے ہیں اور کبھی دنیاوی اغراض و مقاصد اور اس کی حرکات و سکنات کے دریافت کرنے پر اگرچہ موافق نفس الامر اور مطابق حق نہ ہو بولتے ہیں جیسا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور اس قسم کے دیگر معاملات وغیرہ دوسرے لوگوں سے واقع ہوا۔

بظاہر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ولادت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی ولادت سے پہلے تھی کیونکہ وہ کہتے تھے کہ مجھے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو ان کی پیدائش کی رات میں دیکھنا یاد ہے۔ اصابہ میں ہے کہ زبیر بن بکار نے بیان کیا کہ کسی شخص نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے اسلام لانے میں دیر کیوں لگائی باوجود یہ کہ تم بڑی فہم و فراست اور عقل والے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنی قوم کے ساتھ تھا اور ان کا غلبہ مجھ پر از حد تھا کیونکہ ان کی عقلیں پہاڑ کی مانند تھیں مطلب یہ کہ پہاڑ کی مانند مضبوط و [illegible]ت اور راسخ و ٹھوس تھیں ان کی اس سے مراد جہل و عناد میں ثبوت و رسوخ ہوگا اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو دشمنی و

عناد کی روش انہوں نے اختیار کی اور انکار وتمرد کو اپنایا ہم نے بھی ان کی متابعت وموافقت میں چلنے کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا جب وہ لوگ جہاں سے مرکھپ گئے اور معاملہ ہمارے اختیار میں آیا تو ہم نے غور وفکر کیا تو حق بین نظر آیا اور میرے دل میں دین اسلام کی محبت نے جڑ پکڑ لی اور اسے قریش نے بھی میری طرف سے جان لیا اس کے بعد میں ان کا معین ومددگار اس بات میں ہوگیا کہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوں پھر انہوں نے ایک شخص کو میرے پاس بھیجا کہ وہ اس بارے میں مجھ سے مناظرہ کرے تو میں نے اس شخص کو کہا میں تجھ سے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جو تیرا رب ہے اور تجھ سے پہلے اور تجھ سے بعد والوں کا رب ہے بتا کہ ہم راہ راست پر زیادہ ہیں یا فارس وروم کے لوگ؟ اس نے کہا ہم راہ راست پر زیادہ ہیں۔ میں نے کہا: بتاؤ ہم فراخی اور عیش وعشرت میں زیادہ ہیں یا وہ اس نے کہا وہ زیادہ ہیں میں نے کہا ان پر ہماری فضیلت کا کیا فائدہ ہے جبکہ اسی دنیا میں وہ ہیں اور اسی دنیا میں ہم ہیں حالانکہ وہ لوگ اسی دنیا میں ہم سے عظیم تر اور بالاتر ہیں اب میرے دل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات جاگزیں ہوگئی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہوگا تاکہ نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا بدلہ دیا جائے اور بدکاروں کو ان کی بدی کی سزا دی جائے اور یہ بات ہے بھی حق۔ جب وہ ایمان لائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی فہم وفراست اور ان کی دانائی وشجاعت کی بنا پر آگے بڑھایا اور اپنا مقرب بنا کر غزوۂ ذات السلاسل میں ان کو لشکر کا امیر بنایا اور حضرت ابوبکر وعمر اور ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے تائید فرمائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی دانائی کی خبر تھی یہاں تک کہ اگر کسی معاملہ میں مناقشہ واقع ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان پر چڑھ دوڑتے اور دخل دے کر انکار و اعتراض کرتے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو اے عمر فاروق کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنگی مصلحتوں اور اس کی تدبیروں کو بہترین جاننے والا سمجھ کر امیر بنایا ہے ان حالات اور ان امور کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے انہوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں شام حلب انطاکیہ اور فلسطین کو فتح کیا جب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی کارکردگی کو دیکھا تو فرمایا کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو زمین پر زندگی نہ گزارنی چاہئے مگر امیر ہو کے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کیں اور ان سے انکے دونوں فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ ومحمد اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور ابوعثمان ہندی اور کثیر تابعین نے روایت کی۔ مسند امام احمد میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قریش کے صالحین میں سے ہیں نیز مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرو! اپنی زرہ پہن کر اور ہتھیار لگا کر میرے پاس آؤ تاکہ میں تمہیں کسی جانب جہاد کیلئے بھیجوں تاکہ غنیمت ملے اور تمہیں کچھ مال حاصل ہو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں مال کیلئے اسلام نہیں لایا ہوں بلکہ دین اسلام کی محبت ورغبت سے اسلام لایا ہوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ'' صالح مال صالح شخص کیلئے اچھا ہے نیز مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَسْلَمَ النَّاسُ وَاٰمَنَ عَمْرٌو'' لوگ اسلام لائے اور عمرو ایمان لائے۔ ظاہر ہے کہ لوگ سے مراد قوم ہوگی اور بھی حدیثیں ان کی شان میں مروی ہیں۔ (واللہ اعلم)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وفات کا قصہ افادیت سے خالی نہیں ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ عمرو بن العاص اس جہان کو چھوڑتے وقت بہت خوف وقلق اور اضطراب کا اظہار کرتے تھے لوگ ان کی عیادت کو آتے تو بہت زیادہ روتے اور اپنے منہ کو دیوار کی جانب پھیر لیتے اس پر ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا اے پدر بزرگوار! یہ خوف وپریشانی کس لئے ہے آپ نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے ان کے ساتھ جہاد کئے ہیں اور ان سے بشارتیں پائی ہیں پھر انہوں نے اپنا رخ لوگوں کی طرف پھیر کے کہا ''اے بیٹے! مجھ پر تین حالتیں گزری ہیں میں ابتدائی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت دشمنی رکھتا تھا اگر

میں اس حالت میں مرتا تو جہنمیوں میں سے ہوتا اس کے بعد میں مسلمان ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا اور ایسا ہوگیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی مجھے محبوب نہ تھا یہاں تک کہ انتہائی ادب واحترام اور عزت واکرام کے تحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نگاہ نہیں اٹھا سکتا تھا اگر کوئی مجھ سے کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف کو بیان کرو تو میں بیان نہیں کر سکتا تھا اس لئے کہ مجھ میں اتنی طاقت ہی نہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ سکتا اگر میں اس حالت میں اس جہان سے جاتا تو میں امید رکھتا میں اہل جنت میں سے ہوں اس کے بعد میں امارت وولایت میں رہا اور اس میں بھی گھل مل گیا اور مجھ پر دنیا کی شاہراہوں میں سے جو کچھ پہنچا وہ پہنچا۔ اب میں نہیں جانتا کہ میرا کیا انجام ہوگا پھر جب میں مرجاؤں تو رونے والوں کو میرے ساتھ نہ کرنا اور جب مجھے دفن کر دو تو آہستہ سے مجھ پر مٹی ڈالنا اور میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر اونٹ ذبح کو کر اس کے گوشت کو تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے انسیت پکڑوں اور میں دیکھوں کہ میں کیا جواب دیتا ہوں اپنے رب کے فرستادوں کے سوالات کا۔ جامع الاصول میں مسلم سے اسی طرح مروی ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں شہید ہوئے تو حضرت عمرو بن العاص نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آکر حسرت وندامت کا اظہار کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ تم کو باغی جماعت قتل کرے گی چونکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ ہمارے ہاتھ سے قتل ہوئے تو اس لئے ہم باغی جماعت سے ہوئے امیر معاویہ نے کہا تم عجیب آدمی ہو کہ اپنے پیشاب میں آپ ہی لتھڑتے ہو۔ درحقیقت عمار کو علی نے ہی قتل کیا ہے کیونکہ وہ ان کو جنگ میں لائے لوگوں نے کہا یہ تاویل باطل ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ حضرت حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ کے قاتل (معاذ اللہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے دل میں خوف اور حق بینی موجود تھا۔ صحیح بخاری میں امام حسن مجتبیٰ کی صلح کے قصہ میں مذکور ہے ''وَكَانَ خَيْرَ الرَّجُلَيْنِ'' وہ اچھے آدمیوں میں سے تھے۔ (واللہ اعلم)

عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی سلول رضی اللہ عنہ ہیں۔ عبداللہ بن ابی مشہور منافق تھا اسے راس المنافقین کہتے ہیں کیونکہ افک عائشہ رضی اللہ عنہا کی جڑ بنیاد یہی تھا اور اس کی دیگر شناعتیں حد وشمار سے باہر ہیں وہ خزرج کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھا اور خزرج کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل چاہتے تھے کہ اس کے سر پر تاج رکھ کر اس کو اپنا امیر بنالیں لیکن جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو اس نے نفاق وحسد اور بغاوت کی روش اختیار کرلی اس کی موت وزندگی کے حالات ہجرت کے سالوں کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔ اس خبیث کا ایک بیٹا تھا جس کا نام عبداللہ بن عبداللہ تھا وہ مومنوں' مخلصوں اور صدیقوں میں سے تھا ان کا نام حباب رضی اللہ عنہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھ دیا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر اور تمام غزوات میں حاضر وشریک رہے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراسلت کو لکھا پڑھا کرتے تھے۔ جنگ یمامہ میں بزمانہ خلافت صدیقی ۱۲ھ میں شہید ہوئے ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور جہم بن سعد نے روایت کی ہے۔ اصابہ میں جہم بن سعد اسلمی لکھا ہے۔ قضاعی نے ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے بیان کیا ہے وہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اموال صدقات کو لکھا کرتے تھے۔ قرطبی نے ''مولد نبوی'' میں جو کہ ان کی تالیفات میں سے ہے ایسا ہی لکھا ہے۔

جہم بن الصلت رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے ایک حضرت جہم بن الصلت بن مخرمہ بن عبدالمطلب بن عبد

مناف قرشی مطلبی رضی اللہ عنہ ہیں۔ استیعاب میں ہے کہ وہ خیبر کے زمانہ میں اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خیبر کی غنیمت میں سے تین وسق مرحمت فرمائے۔ اصابہ میں ہے کہ وہ مراسلت لکھا کرتے تھے اور بلاشبہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خط وکتابت لکھی ہے۔ ابن اسحٰق مغازی میں کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک پہنچے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحسینہ بن رویدآیا اور اس نے صلح کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے والا نامہ تحریر کرا کے دیا اور وہ والا نامہ انہیں کے پاس ہے اس کے لکھنے والے یہی جہم بن الصلت رضی اللہ عنہ تھے۔ جہم رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر دونوں اموال صدقات کی کتابت کرتے تھے۔

ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے ارقم بن ابی ارقم قرشی مخزومی' مہاجرین اولین اور قدیم الاسلام سات میں کے ساتویں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ دس کے بعد اسلام لائے۔ ابن عقبہ اور ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے کہ وہ بدر میں حاضر ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریش سے پوشیدہ ہوکر دار ارقم یعنی ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں اقامت فرمائی اور ابتدا میں ان کے گھر سے لوگوں کو دعوت اسلام دیتے تھے یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے باہر تشریف لائے ان کا گھر کوہ صفا کے اوپر تھا اسی گھر میں اکابر صحابہ کرام کی جماعت کثیرہ ابتدا اسلام میں اسلام لائی یہاں تک کہ چالیس کا عدد پورا ہوا چالیسویں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ جب چالیس کا عدد مکمل ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۵۵ھ میں مدینہ طیبہ میں انہوں نے وفات پائی ان کی عمر شریف کچھ اوپر اسی سال کی ہوئی اور انہوں نے وصیت کی کہ ان کی نماز جنازہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پڑھیں۔ مروان نے کہا کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کو ایک غیر حاضر شخص کی وجہ سے روکے رکھوں مگر عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ نے مروان کو باز رکھا اور انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ آئے اور نماز پڑھائی۔

عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ ابومحمد انصاری خزرجی حارثی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ بنی الحارث بن خزرج سے تھے اور صاحب اذان تھے کہ انہوں نے خواب میں اذان کے کلمات سنے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم فرمایا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ کلمات سکھاؤ تاکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان کو اذان میں کہیں۔

بعض اہل سیر ان کے نسب میں ثعلبہ کا اضافہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبدربہ لیکن درست و معروف اس کا نہ ہونا ہے اس لئے کہ ثعلبہ بن عبدربہ لیکن درست ومعروف اس کا نہ ہونا ہے اس لیے کہ ثعلبہ بن عبدربہ حضرت عبداللہ کے چچا اور زید کے بھائی ہیں لوگوں نے ثعلبہ کو ان کے نسب میں داخل کرکے غلطی وخطا کی ہے۔

یہ عبداللہ بن زید بن عبدربہ مشہور صحابی ہیں کیونکہ ان کو صاحب الاذان کہتے ہیں اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ عقبہ بدر اور تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور انہیں کے ہاتھ میں فتح مکہ کے دن بنی الحارث بن خزرج کا علم تھا ان سے حضرت سعید بن المسیب عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور ان کے بیٹے محمد بن عبداللہ بن زید نے روایت کی ہے جیسا کہ استیعاب میں مذکور ہے اور اصابہ میں بھی اسی طرح ہے نیز انہوں نے کہا کہ ترمذی نے بیان کیا ہے کہ ان کی کوئی حدیث معلوم نہ ہوسکی بجز اذان والی حدیث کے ابن عدی' بغوی اور دیگر حضرات بھی یہی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے سوا ان کی کوئی اور حدیث نہیں ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ یہ خطا ہے بلکہ ان سے کئی حدیثیں مروی ہیں جو کہ چھ یا سات ہیں۔ مدائنی نے محمد بن عبداللہ بن زید سے نقل کیا ہے کہ وہ ۳۲ھ میں فوت ہوئے اس وقت ان کی عمر چونسٹھ سال کی تھی ان کی نماز جنازہ حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ

عنہ نے پڑھائی۔ حاکم نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ وہ احد میں شہید ہوئے تھے اور وہ دلیل میں نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن زید کی بیٹی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس آئی اور کہا کہ میں عبداللہ بن زید کی بیٹی ہوں جو بدر میں حاضر ہوئے اور احد میں شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان سے فرمایا اپنی جو حاجت ہو مجھ سے کہو تو انہوں نے کچھ حاجت بیان کی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کی حاجت پوری فرمادی۔

واضح رہنا چاہئے کہ عبداللہ بن زید ایک اور صحابی بھی ہیں جن کو صاحب وضور سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ تشریح یہ ہے کہ وہ عبداللہ بن زید بن عاصم انصاری مازنی ہیں یہ بنی مازن بنی نجار کے قبیلے سے ہیں ان کی کنیت بھی ابومحمد ہے یہ احد میں حاضر ہوئے لیکن بدر میں حاضر نہ ہوئے حاکم وابن منذر کا خیال ہے وہ بدر میں بھی حاضر ہوئے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی حدیث روایت کی ہے چند اور حدیثیں بھی روایت کی ہیں ان کے ایک بھائی خبیب رضی اللہ عنہ بن زید تھے جن کو مسیلمہ کذاب ملعون نے شہید کیا تھا جب صحابہ نے جنگ یمامہ لڑی تو عبداللہ بن زید کے بیٹے وحشی بن حرب کے ساتھ مسیلمہ کے قتل کرنے میں شریک تھے یہ ۶۳ھ میں یوم الحرہ میں مقتول ہوئے ان سے ابن المسیب اور ان کے بھتیجے عباد بن تمیم بن زید بن عاصم اور واضع بن حبان وغیرہ رضی اللہ عنہم نے روایت کی ہے۔

العلاء بن عتبہ رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے العلاء بن عتبہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اصابہ میں مذکورہ ہے کہ ان کو مستغفری نے صحابہ میں بیان کیا ہے اور مرزبانی نے بیان کیا ہے کہ وہ اور ارقم انصار کے زمانہ میں تھے اور تاریخ معتصم بن صارح میں ہے کہ علاء بن عتبہ اور ارقم عہود و معاملات کو لکھا کرتے تھے۔

ابوایوب انصاری: انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ ان جلیل القدر صحابی کا تذکرہ پاسبان بارگاہِ رسالت کے ضمن میں مفصل گزر چکا ہے۔

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے یہ اکابر صحابہ میں سے صاحب اسرار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کو منافقوں کا علم تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منافقوں کے صفات کی تعلیم دی تھی یہ منافقوں کی ذاتوں اور ان کی شخصیتوں اور ان کے ناموں کو خوب پہچانتے تھے کہ کون کون ہیں۔ مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک تمام ہونے والے واقعات وحوادث اور تمام فتنوں کی خبر دے دی ہے غالباً ان کی مراد کلیات حوادث واقعات کا بیان ہوگا اور کچھ جزئیات بھی جو فتنوں کے واقعات سے متعلق ہوں مراد ہوں گی۔ (واللہ اعلم)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے فتنہ کی حدیث اور نفاق کی علامتیں پوچھا کرتے تھے۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کیا میرے اندر کوئی نفاق کی علامت پاتے ہو؟ انہوں نے کہا ''میں نہیں پاتا البتہ میں نے سنا ہے کہ تمہارے دسترخوان پر دو رنگ کے کھانے ہوتے ہیں'' فرمایا حاشا ایسا کبھی نہیں ہے'' جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ انڈا تناول فرما رہے تھے اور انڈے میں زردی اور سفیدی تھی اس سے دیکھنے والے کو شبہ ہوا کہ دو رنگ کے کھانے ہیں اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ان سے نفاق کے صفات اور ان کی علامتیں پوچھا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز جنازہ کے پڑھانے میں توقف فرماتے جب تک کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نہ آجاتے جب وہ آجاتے اور نماز میں شریک ہوجاتے تو نماز جنازہ پڑھاتے اور اگر وہ نہ آتے تو بھی نماز میں شریک نہ ہوتے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام حسل (بکسر حاء وسکون سین) اور بعض حسیل برصیغہ تصغیر بتاتے ہیں وہ جابر بن اسید عسی کے بیٹے ہیں۔ عسی قبیلہ عسی بن بغیض کی طرف سے منسوب ہے اور یمان حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد کا لقب ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی قوم میں سے کسی کو قتل کر دیا تھا پھر وہ بھاگ کر مدینہ طیبہ آ گئے اور انصار کے قبیلہ بنی نہشل کے حلیف بن گئے پھر قوم نے ان کا نام یمان رکھ دیا کہ حلیف یمان (قسم) ہو گئے یعنی انصار سے ہو گئے۔

یمان' یمن (قسم) سے بنا ہے۔ حضرت حذیفہ اور ان کے والد احد میں حاضر ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے ان کے والد کو شبہ میں شہید کر دیا کیونکہ وہ مشرکوں سے جنگ کرتے ہوئے باہر نکل گئے تھے وہ دھوکے سے قتل ہو گئے تھے باوجود یکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پکار پکار کر کہتے رہے کہ اے خدا کے بندو یہ میرے والد ہیں مگر انہوں نے نہ چھوڑا یہاں تک کہ انہیں قتل کر دیا اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ''اللہ تمہیں معاف کرے'' حضرت عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس کے بعد اپنے والد ماجد کے قاتلوں کے حق میں ہمیشہ دعا واستغفار کرتے رہے جب تک کہ وہ دنیا میں زندہ رہے اور اس جہان سے رخصت ہو کر وصال باری تعالیٰ انہیں حاصل ہوا ان کو ان کے باپ نے بدر میں حاضر ہونے سے روک دیا تھا کیونکہ مشرکوں نے ان کے باپ کو پیچھے چھوڑا تھا اس وجہ سے وہ باز رہے تھے اور غزوہ خندق میں حاضر ہوئے ان کا ذکر جمیل اسی طرح ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ تمام مشاہد وغزوات میں حاضر ہوئے اور وہ ۲۲ھ میں فوت ہوئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا گیا کہ کون سا فتنہ سب سے زیادہ سخت ہے انہوں نے فرمایا جب تمہارے سامنے خیر وشر دونوں پیش کئے جائیں اور تم ان دونوں میں سے کسی ایک کو دریافت نہ کر سکو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک کہ ہر قبیلہ کے اوپر منافق سردار قائم نہ ہوں۔ انہیں سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر شخص خیر کی باتیں پوچھا کرتا تھا لیکن میں شر کی باتیں پوچھا کرتا تھا تاکہ میں اس سے اجتناب کروں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر بن الخطاب' حضرت علی ابن ابی طالب اور حضرت ابوالدردا وغیرہ صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم نے روایت بیان کی ہے انہوں نے مداین میں وفات پائی اور ان کی قبر وہیں ہے سن وفات ۳۵ھ ہے ایک قول ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چند راتوں کے بعد ۳۶ھ میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی ابتدائے خلافت میں وفات پائی اور ان کی قبر وہیں سن وفات ۳۵ھ ہے اور جنگ جمل کا زمانہ نہیں پایا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے دونوں فرزندان صفوان اور سعید جنگ صفین میں شہید ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی متابعت اپنے والد ماجد کی وصیت کے مطابق کی تھی۔

بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ (دونوں نام برصیغہ تصغیر ہیں) اور مشہور بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے نام سے ہیں ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے ایک قول سے ابوسہل ہے ایک اور قول سے ابوساسان ہے بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام ابوعامر ہے اور بریدہ ان کا لقب ہے۔ وہ بدر سے پہلے اسلام لائے اور بدر میں حاضر ہوئے جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے تشریف لے چلے اور ''کراع الغمیم'' میں پہنچے یہ دونوں حرموں کے درمیان ایک وادی کا نام اور مکہ مکرمہ سے دومنزل کے فاصلہ پر ہے اس وقت قریش نے بریدہ کو آمادہ کیا کہ یا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوٹا لائیں یا (معاذ اللہ) شہید کر دیں اور اس معاوضہ میں ان کو سو اونٹ دینا قرار پائے تھے تو وہ ستر سواروں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہنچے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تیرا نام کیا ہے اور تو کون ہے؟ انہوں نے کہا میں بریدہ ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف رخ انور کر کے فرمایا: بردامرنا ہمارے کام نے خوشی وٹھنڈک پائی پوچھا تو کس قبیلہ سے ہے؟

کسی نداند کہ آخر بچہ حالت گذرد

استعیاب میں فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن سعد نے توبہ کی اور اسلام لائے اور ان کا اسلام نیک ہوا اور خلافت اسلام ان سے اس کے بعد کچھ ظاہر نہ ہوا اور وہ قریش کے نجباء اور عقلا میں سے تھے۔

ابوسلمۃ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے ابوسلمۃ بن عبدالاسد قرشی ہیں ان کا نام عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا مگر یہ اپنی کنیت سے مشہور ہوئے یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی ہیں۔ ان سب کو ابولہب کی باندی ثویبہ نے چار چار سال کے وقفہ سے دودھ پلایا تھا پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پلایا اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس کے بعد ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو۔ یہ اسلام میں دس سابقین اولین میں سے ایک ہیں اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔ انہوں نے مدینہ طیبہ میں بدر سے واپس آنے کے بعد وفات پائی جیسا کہ ابن مندہ نے بیان کیا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ وہ احد کے بعد فوت ہوئے اور یہی صحیح ہے۔ احد میں زخمی ہو کر آئے ان کے زخم ٹھیک ہوئے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنی سعد کی جانب ماہ صفر ۴ھ کو لشکر کا امیر بنا کے بھیجا وہاں ان کے زخم کھل کر ہرے ہو گئے اور وفات پائی۔ ابن عبدالبر نے جمادی الاخری ۳ھ کہا ہے مگر قول اول راجح ہے اور یہ ہجرت کر کے سب سے پہلے مدینہ طیبہ اپنی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حبشہ کی دونوں ہجرتوں کے بعد آنے والے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمانا ازواج مطہرات امہات المومنین کے ضمن میں گزر چکا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہا کی رحلت کے وقت یہ دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ سَلَمَۃَ وَارْفَعْ دَرَجَتَہٗ فِی الْمَھْدِیِّیْنَ وَاخْلُفْہُ فِیْ عَقِبِہٖ فِی الْغَابِرِیْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ○ وَافْتَحْ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ وَنَوِّرْ لَہٗ فِیْہِ.

حویطب بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے حویطب بن عبدالعزیٰ قرشی عامری ہیں ان کی کنیت ابومحمد یا ابوالاصبع ہے یہ فتح مکہ کے بعد کے مسلمانوں اور مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں۔ انہوں نے اسلام پایا ہے اور وہ تقریباً ساٹھ سال تک زندہ رہے۔ یہ حنین و طائف میں حاضر ہوئے۔ حنین کے غنائم سے انہیں سو اونٹ ملے تھے یہ ان میں سے ایک ہیں جن کیلئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تجدید حرم کا حکم دیا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہادت کے بعد دفن کرنے والوں میں سے ہیں۔ انہوں نے ایک سو بیس سال عمر پائی ہے۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ایسا ہی بیان کیا ہے لیکن واقدی نے کہا ہے کہ امیر معاویہ کے زمانہ میں ۵۴ھ میں فوت ہوئے بعض ان کی وفات آخر امارت کے زمانہ میں بتاتے ہیں ان سے ابونجیح مکی، سائب بن یزید ان کے بیٹے ابوسفیان اور عبداللہ بن بریدہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابن معین کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں ان کی کوئی حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو۔

واقدی نے عبداللہ بن ابی بکر بن حزم سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حویطب کہا کرتے تھے کہ میں صلح حدیبیہ سے لوٹ کر آیا میں سہل بن عمرو کے ساتھ قریش کی طرف سے مصالحت کیلئے آیا تھا تو مجھے یقین تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم غالب آئیں گے اور پھر طویل تذکرہ بیان کیا انہیں سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں مشرکوں کے ساتھ بدر میں موجود تھا میں نے فرشتوں کو آسمان سے اترتے اور جنگ کرتے دیکھا ہے۔ میں نے یہ بات قریش کے کسی شخص سے نہ کہی۔

ایک دن مروان بن الحکم نے حویطب سے کہا کیا وجہ ہے کہ تمہارا اسلام لانا چھوٹوں اور ہم عمروں کے بعد ہے حویطب نے

جواب دیا کہ ''اَللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ'' خدا کی قسم میں نے بارہا ارادہ کیا کہ اسلام میں سبقت کروں ہر بار تیرے باپ نے مجھے روکے رکھا اور یہی کہتا رہا کہ کیوں اپنے درجہ شرافت سے گرتے ہو اور نئے دین کی خاطر اپنے باپ دادا کے دین اور اپنے دین سے پھرتے ہو اور ایک شخص کے تابع وفرمانبردار بنتے ہو۔ اس پر مروان خاموش اور شرمندہ ہو گیا۔ حویطب کی یہ بات سننے کے بعد مروان اپنے باپ کے آخر انجام کا تصور کر کے بہت زیادہ غمگین ہوا اس کے بعد حویطب نے کہا قریش کے بڑوں میں اپنے دین پر باقی رہنے والا اور اسلام کو ناپسند کرنے والا کوئی مجھ سے زیادہ نہ تھا۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا اور جو کچھ تقدیر میں تھا واقع ہوا۔

طبقات ابن سعد میں بروایت ابن المنذر وغیرہ حویطب سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو مجھے انتہائی خوف وڈر محسوس ہوا اور پھر طویل قصہ بیان کیا اور کہا کہ میں عوف کے گھر چلا آیا اور وہاں ٹھہر گیا اچانک مجھے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ملے۔ میری ان سے شناسائی تھی میں نے ان کو سلام کیا اور اپنا حال ان سے بیان کیا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا اپنے اہل وعیال میں جاؤ اور بے خوف ہو کے رہو اس کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے اور میری معافی کی درخواست کی۔ پھر وہ میرے پاس آئے اور فرمایا آؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ بھلائی واحسان فرمانے والے اور تمام لوگوں سے زیادہ ذی حوصلہ ہیں ان کی شرافت تیری شرافت ہے اور ان کی عزت تیری عزت ہے۔ جب تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملو تو کہو: ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ'' چنانچہ میں نے اسی طرح عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وَعَلَيْكَ السَّلَامُ'' اس کے بعد میں نے دین اسلام کی شہادت دی اس سے حضور اکرم بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَهَدَاكَ'' اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے قرض طلب فرمایا تو میں نے آپ کو چالیس ہزار درہم قرض پیش کئے اور آپ کے ساتھ میں حنین وطائف میں حاضر ہوا اور مجھے ان کے غنائم سے عنایت فرمایا پھر حویطب رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ چلے آئے اور وہیں رہنے لگے یہاں تک کہ وہیں وفات پائی۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں اپنے مکان کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چالیس ہزار دینار میں فروخت کر دیا لوگوں نے کہا اب تو تم بڑے مالدار ہو گئے انہوں نے کہا یہ مال اس کیلئے کیا چیز ہے جس کیلئے کوئی چیز وقعت نہیں رکھتی ان کے ان کلمات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ان مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں جن کا اسلام حسن ہے۔

حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے حاطب بن عمرو ہیں۔ استیعاب واصابہ میں ان کے سوا حاطب بن ابی طبقہ بھی بیان کیا ہے کیونکہ دو حاطب مشہور ہیں ایک حاطب بن عمرو بن عبداللہ بن عبدالشمس بن عبدود اس کے بعد صاحب استیعاب نے کہا کہ ان کو ابن عقبہ نے ان لوگوں میں سمار کرایا ہے جو بدر میں بنی عامر سے حاضر ہوئے تھے وہ دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے اور حبشہ کی طرف دونوں ہجرتیں کیں۔ یہ روایت ابن اسحٰق کی ہے اور بعض پہلی ہجرت جانب حبشہ کہتے ہیں۔ واقدی نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہی ثابت ہے ابن اسحٰق اور واقدی دونوں ہی حاضرین بدر میں بیان کرتے ہیں۔ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ حاطب بن عمرو بن عبدالشمس بن عبدود قرشی عامری' سہیل بن عمرو کے بھائی تھے اور وہ سابقین میں سے بتائے جاتے ہیں کیونکہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ زہری نے اسی پر جزم کیا ہے اور وہ بھی اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ وہ ان میں سے تھے جو بدر میں حاضر ہوئے۔ دوسرے حاطب بن عمرو بن عتیک بن امیہ بن زید بن مالک بن اوس ہیں جو بدر میں حاضر ہوئے۔ ابن اسحٰق نے ان کو بدریوں میں ذکر نہیں کیا ہے۔ استیعاب میں اسی قدر کہا گیا ہے اصابہ میں کہتے ہیں کہ حاطب بن عمرو بن عتیک انصاری اوسی ہیں۔ ابوعمرو نے کہا کہ وہ بدر میں حاضر ہوئے اور ابن اسحٰق نے ان کو بدریوں میں ذکر نہیں کیا کہتے ہیں کہ ان کے سوا دوسروں کے نزدیک بھی بدری

ہوناد یکھا ہے۔(واللہ اعلم)

حاطب کوصحبت بارگاہِ رسالت حاصل تھی اوران دونوں کتابوں میں حاطب بن عمرو' واؤ کے ساتھ ہے اور روضۃ الاحباب کے صحیح نسخہ میں جو کہ موجود ہے بغیر واؤ کے ہے۔(واللہ اعلم)

ابن خطل مرتد: کاتبوں میں سے ایک ابن خطل تھا۔ابن خطل کا نام عبدالعزیٰ تھا عام الفتح میں اس کے حالات معلوم ہو چکے ہیں کہ فتح سے پہلے مدینہ طیبہ آیا مسلمان ہوااور حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام عبداللہ رکھااور زکوٰۃ کی وصولی کیلئے اس کے قبیلہ میں بھیجا تو وہ مرتد ہو گیااور صدقہ کے جانوروں کو لے کر مکہ مکرمہ بھاگ گیااور قریش سے کہنے لگا کہ کوئی دین تمہارے دین سے بہتر میں نے نہیں پایا فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کی پناہ تلاش کی اوراس کے غلاف سے لپٹ کر چھپ گیا پھر کسی صحابی نے دیکھ کرعرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابن خطل خانہ کعبہ کے پردوں سے لپٹا ہوا ہے فرمایا:''اسے قتل کردو'' تو بموجب حکم عالی وہیں اسے قتل کر دیا گیا(انتہی) یہ ابن خطل مرتد ہونے سے پہلے جبکہ مسلمان تھاممکن ہے کتابت کرتا ہومگراس کا ذکرنہیں کیا گیااگر کتابت کی بھی ہوتو مرتد ہونے اور حالت ارتداد میں مبتلا ہوجانے کے بعد صحابہ کے درمیان لکھنے کی کیا ضرورت تھی اسی لئے اسماءالرجال میں اس کی تفصیل نہیں بتائی گئی بجزاس اختصار کے جواس کے قصہ کے درمیان ذکر کیا گیا۔

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے ایک ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں ان کی کنیت ابوالمنذ راورابوالطفیل ہے۔ابی بن کعب ابن المنذ رہیں ایک قول ہے کہ ابی ابن کعب بن قیس انصاری' خزرجی' بخاری' مغازی اور مدنی ہیں۔عقبہ ثانیہ میں اور بدر میں حاضر ہوئے اوراس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے یہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی کتابت کیا کرتے تھے اور یہ ان چھ اشخاص میں سے ایک تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قرآن کو حفظ کیا تھااور حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جن چار شخصوں نے قرآن کو جمع کیا ان میں ابی بن کعب ایک ہیں اور یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے فقہاءاور کتاب اللہ کے قاریوں میں سے تھے۔حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کوابوالمنذ رکنیت سے یادفرماتے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ابوالطفیل کی کنیت سے مخاطب کرتے تھے۔حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا لقب سیدالانصار رکھااور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سید المسلمین نام رکھا۔المسلمین سے یا توانصار مراد ہوں گے یا کوئی خاص جماعت نہ کہ تمام مسلمان جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب سے فرمایا حق تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے ساتھ قرآن کی تلاوت کروں اور تم کوقرآن سناؤں۔انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا حق تعالیٰ نے آپ سے میرا نام لیا ہے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیۂ کریمہ تلاوت کی قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ. ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے آگے سورۂ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پڑھوں۔ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ نے کیا آپ سے میرا نام لیا ہے؟ فرمایا ہاں! تمہارا نام مجھ سے لیا ہے اس پر حضرت ابی رضی اللہ عنہ رونے لگے ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ اور حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں پر گریۂ مسرت طاری ہوا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوالمنذ ر رضی اللہ عنہ! تمہیں علم سزاوار ہو یہ بات اس وقت فرمائی جبکہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی سے پوچھا کہ اے ابوالمنذ ر کیا تم جانتے ہو کہ کتاب الٰہی میں کون سی آیت عظیم تر ہے حضرت ابی نے عرض کیا:'' اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ '' پھر فرمایا: اے ابوالمنذ ر! تمہیں معلوم ہے کہ خدا کی کتاب میں کون سی آیت اعظم ہے؟ اس پر انہوں نے عرض کیا اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اس پر فرمایا تمہارا علم سزاوار ہو اوران کے اس علم پر حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی مدح وتعریف فرمائی یہ آیۂ کریمہ بطریق الہام واعلام الٰہی یا یہ بتصرف سید عالم صلی اللہ علیہ

وسلم انہیں معلوم ہوئی جیسا کہ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک دوسری مرتبہ حضرت ابی کے سینہ پر رکھا تو انہیں یہ آئیہ کریمہ معلوم ہوگئی۔

واقدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت انجام دی تھی اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے آخر خط میں لکھا کہ ''فلاں بن فلاں نے لکھا'' حضرت ابی بن کعب میانہ قد سفید داڑھی اور سر کے بال سفید تھے اپنے سر پر مہدی نہیں لگایا کرتے تھے۔ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے نوازل وحوادث دریافت کیا کرتے اور مفصلات سے تحاکم کرتے تھے۔صحابہ کی ایک جماعت کثیرہ نے ان سے روایت کی ہے اور حضرت ابی بن کعب نے ۱۹ھ یا ۲۰ھ یا ۲۲ھ میں عہدہ خلافت فاروقی میں وفات پائی۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مَاتَ سَيِّدُ الْمُسْلِمِيْنَ'' بعض کہتے ہیں کہ خلافت عثمانی میں ۳۰ھ میں وفات پائی۔یہ قول زیادہ ثابت ہے۔ابن عبدالبر نے کہا کہ اکثر کا مذہب یہ ہے کہ عہد خلافت فاروقی میں وفات ہوئی۔امام بغوی نے حضرت حسن سے روایت کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے جمعہ کے دن وفات ہوئی الغرض ان کی سن وفات میں اختلاف ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مسلمان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بتلائیے کہ ہمیں جو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں کیا ان کا کچھ فائدہ بھی ہے فرمایا ہاں یہ گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں اس پر اس نے کہا اگر چہ بیماری کم ہو فرمایا اگر چہ کانٹا چبھے اس وقت حضرت ابی ابن کعب نے اپنے لئے دعا مانگی کہ آخر وقت تک بخار نہ اترے اور حج وعمرہ، جہاد ونماز اور فرض جماعت سے مانع نہ ہو چنانچہ وہ ہمیشہ بیمار اور تپ زدہ رہے یہاں تک کہ وفات پائی اسے ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے اور ابن حسان نے اسے صحیح کہا ہے۔

عبداللہ بن ارقم: انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے حضرت عبداللہ بن ارقم بن عبد یغوث بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ قرشی زہری صحابی رضی اللہ عنہ ہیں یہ عام الفتح میں اسلام لائے یہ حضور اکرم رضی اللہ عنہ کے طلقاء میں سے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراسلت لکھا کرتے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ اتنے دیانتدار تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے کہ فلاں کی طرف مکتوب گرامی لکھو اور یہ نہ فرماتے یہ لکھو وہ لکھ کر پیش کرتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دیانت کی وجہ سے بغیر پڑھے مہر لگا دیتے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی کتابت کی ہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیت المال کے بغیر اجرت کے والی مقرر ہوئے اس کے بعد انہوں نے استعفیٰ دے دیا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے قبول کر لیا مالک نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن ارقم کو انعام میں تیس ہزار درہم عطا فرمائے مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔انہوں نے کہا میں نے خدا کیلئے خدمت کی ہے۔ایک روایت میں سی صد ہزار آتے ہیں وہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مامون ومختار تھے یہاں تک کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ان سے بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے اگر تم لوگ اعتراض نہ کرتے تو میں عبداللہ بن ارقم کو اپنا خلیفہ بناتا میں نے کسی کو ان سے زیادہ خدا سے خائف نہ دیکھا اور ان سے فرماتے اگر تمہاری قوم پہلوں کی مانند ہوتی تو میں کسی کو تم پر تقدیم نہ کرتا ان سے عروہ بن زبیر اور اسلم مولائے عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔اربعہ نے ان سے ایک حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے فرمایا کہ جب عشا کا وقت آجائے اور قضائے حاجت کی ضرورت ہو تو پہلے قضائے حاجت کرے۔اس حدیث کو مشکوٰۃ نے باب الجماعت اور اس کی فضیلت میں بیان کیا ہے۔اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔اِذَا اُقِيْمَتِ

الصَّلٰوۃُ وَ وَجَدَ اَحَدُکُمُ الْخَلَاءَ فَلْیَبْدَأْ بِالْخَلَاءِ وہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہوئے۔

یہ وہ اسماء ہیں جن کو روضۃ الاحباب میں بیان کیا گیا ہے ان میں سے اکثر کو عنوان کتابت کے تحت استیعاب میں بیان نہیں کیا گیا ہے البتہ ایک نام استیعاب ومواہب میں لکھا ہے۔

معیقب بن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ: معیقب بن ابی فاطمہ دوسی سابقین اولین میں سے ہیں جو تمام غزوات میں حاضر ہوئے اور خلافت عثمانی یا خلافت مرتضوی میں فوت ہوئے اسی قدر مواہب میں ذکر کیا گیا ہے۔ استیعاب میں ہے کہ معیقب بن ابی فاطمہ سعید بن العاص کے مولیٰ ہیں۔ اسی طرح ان کو موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے اور کہا کہ لوگ گمان رکھتے ہیں کہ وہ دوس سے ہیں اور ان کے سوائے کہا ہے کہ وہ دوسی ہیں اور سعید بن العاص کے حلیف ہیں مکہ مکرمہ کے قدیمی مسلمان ہیں انہوں نے حبشہ کی جانب دوسری ہجرت کی اور وہیں مقیم رہے یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے وہ مدینہ طیبہ آ گئے بعض کہتے ہیں کہ خیبر میں آئے۔ بعض اس سے پہلے آنا بتاتے ہیں اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر شریف پر مقرر تھے اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے مدینہ طیبہ میں بیت المال پر ان کو عامل مقرر فرمایا پھر انہیں مرض جذام لاحق ہو گیا اس کا علاج حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ہدایت پر حنظل (اندرائن) سے کیا گیا اس کے بعد وہ اپنے کام سے باز رہے اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہو گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ ۴۰ھ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں فوت ہوئے ان سے کم حدیثیں مروی ہیں ان سے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ "وَیْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ" دوسری حدیث موزہ پر مسح کرنے کے بارے میں مروی ہے۔ کاتبین بارگاہِ رسالت کا تذکرہ مکمل ہو گیا۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

افادہ صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتے تھے پھر وہ بھی ان کے ساتھ لکھنے لگے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ وحی کی کتابت کیلئے صحابہ میں لازم ترین شخص تھے اور انہوں نے بکثرت خطوط ومکاتب جو لوگوں کے نام بھیجے گئے لکھے ہیں۔

محمد بن سعد نے بروایت واقدی اپنے مشائخ سے نقل کیا ہے کہ مدینہ منورہ میں سب سے پہلے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی کی کتابت کی ہے وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے۔ جب حضرت ابی موجود نہ ہوتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلاتے اور ان سے وحی لکھواتے تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو زمین کا کوئی قطعہ مرحمت فرماتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے ساتھ بھیجا کرتے قریش میں سے سب سے پہلے جس نے کتابت کی ہے وہ عبداللہ بن ابی سعد بن ابی سرح تھا پھر وہ مرتد ہو گیا اور مکہ کی جانب لوٹ گیا اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ "اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا کہے کہ مجھ پر وحی کی گئی حالانکہ اس کی طرف اصلا وحی نہ کی گئی......" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراسلت لکھنے والے ہمیشگی کے طور پر حضرت عبداللہ بن ارقم زہری تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب عہود جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے عہد وصلح کرتے وہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تھے اور جو لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابت کرتے تھے ان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے ان کو ابن ابی شیبہ نے کاتبوں کے ضمن میں بیان کیا ہے اس کے بعد مزید لکھا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، خالد رضی اللہ عنہ اور ابان رضی اللہ

عنہ بھی کتابت کرتے تھے۔صاحب استیعاب نے ان میں سے اکثر کو بیان کیا ہے ان تمام تفاصیل کے بعد ان کے حالات لکھے ہیں۔

واضح رہنا چاہئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین وامرا کے نام جو نوشتے اور فرامیں ارسال فرمائے تھے اور جن کا ذکر ۶ ھ کے واقعات کے ضمن میں قضیہ حدیبیہ کے بعد بیان کیا جا چکا ہے اور جن میں سلاطین وامرا کے ماسوا صحابہ کرام وغیرہم حضرات کے نام صدقات وزکوٰۃ اور معاملات کے شرائع واحکام بھی لکھے ہیں اگر ان کو یہاں پر عربی زبان میں نقل کیا جائے جیسے کہ وہ ہیں تو یہ وضع کتاب سے مناسبت نہیں رکھتا (چونکہ یہ مدارج النبوۃ فارسی میں ہے اور یہ اس کا ترجمہ ہے) اور اگر اس کا ترجمہ نقل کیا جائے تو اس کی حلاوت وتازگی جو عبارات شریف میں ہے باقی نہیں رہتی اور اس کا حسن ودبدبہ جاتا رہتا ہے۔

دوسری قسم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتب ورسائل کی وہ ہے جو عرب کے بعض قبائل کی زبان اور ان کی لغت میں لکھے ہیں اور بڑے بڑے فصحاء وبلغاء عرب نے اس کی تحسین وخوبی کا اظہار کیا ہے اور فہم وعقول اس سے خیرہ وحیران ہیں ایسے چند خطوط کتاب الشفاء قاضی عیاضؒ میں مذکور ومسطور ہیں۔ یہ خطوط درحقیقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بین معجزات میں سے ہیں کیونکہ نہ آپ کہیں تشریف لے گئے اور نہ کسی اہل زبان اور اس قبیلہ کے لوگوں سے مصاحبت فرمائی اور نہ ان کے لغات کی جستجو وتلاش فرمائی نہ کسی سے تعلیم لی اور نہ حاصل کیا اور آپ کا یہ اعجاز آپ کے ان سفیروں اور قاصدوں میں بھی ظاہر ہوتا ہے جن کو آپ ان کے سلاطین وامرا کے پاس بھیجتے تھے کہ وہ سفیر جس قوم اور جس زبان والوں کی طرف جاتے وہ انہیں کی زبان ولغت میں بات کرتے اور جواب دیتے تھے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

باب ہشتم

سفراء اور قاصدوں کے بیان میں

اس باب میں ان سفیروں اور قاصدوں کا تذکرہ ہے جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین و امرا کی طرف بھیجا تھا۔ روضۃ الاحباب میں گیارہ اشخاص اور ان کے اسماء کتب و رسائل کے ضمن میں بیان کئے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے لیکن ان کے حالات نہیں بیان کئے گئے اور نہ ان کو یکجا بیان کیا گیا ہے اگر اس غرض کی خاطر جتنا کچھ بیان ہو چکا ہے اور جو نہیں ہوا ہے سب کو یکجا بیان کریں تو مناسب رہے گا۔

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ: ان قاصدوں میں سے ایک عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ ہیں جو بنی ضمرہ بن عبد مناف کنانی میں سے ہیں اور صحابہ میں دلیروں اور بہادروں میں سے تھے اور جرات و تجربہ کاری میں عرب کے جوانوں میں سے تھے۔ بدر و احد میں مشرکوں کے ساتھ آئے اس کے بعد جب مشرکین احد سے بھاگے تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا ان کا نسب سے پہلا جہاد بیر معونہ کا ہے۔ اس روز ان کو عامر بن طفیل نے اسیر کیا اور ان کی پیشانی کے بال کتر کر چھوڑ دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شاہ حبشہ نجاشی کے پاس مکتوب گرامی کے ساتھ بھیجا۔ نجاشی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کا ادب و احترام کیا اور اپنی سعادت مندی سمجھی اور اسلام لے آیا۔ اس کے بعد دوسرا مکتوب گرامی بھیجا تا کہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منعقد کر دیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مواہب لدنیہ میں منقول ہے کہ عمرو بن امیہ ضمری کو مسیلمہ کذاب کی طرف بھی مکتوب گرامی دے کر بھیجا گیا تھا اور فردہ بن عمرو جذامی کی طرف جو کہ قیصر شاہ روم کی طرف سے گورنر تھا بھیجا تھا۔ انہوں نے اس کو دعوت اسلام دی اور وہ اسلام لایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک خط لکھ کر بھیجا اور مسعود بن سعد کے ساتھ ایک بغلہ شہباء جس کو فضہ کہتے تھے اور ایک گھوڑا جس کو ضراب کہتے تھے اور کچھ کپڑے اور سندس کی مطلا قبا ہدیہ میں بھیجی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہدایا کو قبول فرمایا اور مسعود بن سعد کو بارہ اوقیہ عطا فرمائے ان سے ان کے دونوں بیٹے جعفر و عبداللہ نے اور شعبی و ابو قلابہ نے حدیث روایت کی ہے ان کا شمار اہل حجاز میں ہوتا ہے ان کا تذکرہ متعدد جگہوں میں واقع ہوا ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ ایک قول یہ ہے کہ ۶۰ھ میں وفات پائی۔

دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ: ان قاصدان بارگاہ رسالت میں سے دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ کلب بن ابرہ نامی قبیلہ سے منسوب بہ کلبی ہیں یہ مشہور صحابی ہیں اور اپنے حسن و جمال میں ضرب المثل تھے جب باہر نکلتے تو مرد و عورت ان کے نظارہ کیلئے جمع ہو جاتے تھے یہ پہلے شخص ہیں جن کی شکل و صورت میں جبریل علیہ السلام آئے تھے۔ وہ بدر میں حاضر نہ ہوئے لیکن احد اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں حاضر ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا سب سے پہلا جہاد غزوہ خندق ہے۔ بیعۃ الرضوان کی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قیصر کی جانب بھیجا جس کا طویل قصہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ امام احمد نے بطریق شعبی ان سے روایت کی

ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں آپ کیلئے حمار کو گھوڑی پر نہ چھوڑوں تا کہ وہ آپ کی سواری کیلئے بغلہ جنے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سواری کیا کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جن کو علم نہیں ہے۔ زمانہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تک زندہ رہے۔

عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ: ان سفیران بارگاہِ رسالت میں سے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ ہیں جو قریش کی ایک شاخ سہم بن عمرو سے منسوب ہیں ان کی کنیت ابوحذافہ ہے وہ قدیم الاسلام مہاجرین اور سابقین اولین میں سے تھے۔ حبشہ کی جانب اپنے بھائی قیس بن حذافہ کے ساتھ ہجرت ثانیہ کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کسریٰ شاہ فارس کی طرف بھیجا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ وہ پر مزاح اور ظریف الطبع تھے چنانچہ ایک کا مرتبہ ذکر ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کا تنگ اس قدر رڈھیلا باندھا کہ قریب تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سے نیچے آ رہیں یہ اس لئے کیا کہ سواری کی تنگ کی خدمت کی دوبارہ سعادت میسر آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش طبع ہوں ان کے مزاح میں سے ایک بات یہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک لشکر کا امیر بنایا تو انہوں نے اپنے لشکریوں کو لکڑیاں جمع کرنے اور آگ جلانے کا حکم دیا جب آگ خوب روشن ہوگئی تو ان کو حکم دیا کہ وہ آگ میں کود پڑیں۔ اس پر قوم نے انکار کیا انہوں نے فرمایا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں میری فرمانبرداری کا حکم نہیں دیا ہے اور کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اس پر لوگوں نے کہا ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی لئے ایمان لائے اور آپ کی متابعت کرتے ہیں کہ ہم آگ سے نجات پائیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات سنی تو ان کی تصویب فرمائی اور فرمایا: ''لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ'' کسی مخلوق کی خدا کی نافرمانی میں اطاعت نہیں ہے جیسا کہ استیعاب واصابہ میں ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کو رومیوں نے گرفتار کر لیا اور چاہا کہ ان کو کافر بنالیں ان پر بڑی سختیاں کیں مگر حق تعالیٰ نے ان کو ثابت قدم اور محفوظ رکھا اور ان سے ان کو نجات دی ایسا ہی استیعاب میں منقول ہے اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے پشیمان ہو کر ان کو چھوڑ دیا اور اصابہ میں اہل سیر لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں سے یہ ہے کہ ان کو رومیوں نے گرفتار کر لیا۔ شاہ روم نے کہا تم نصرانی ہو جاؤ اور بے خوف وخطر میرے ملک میں رہو مگر انہوں نے اس سے انکار کر دیا پھر شاہ روم نے حکم دیا کہ انہیں سولی پر لٹکا کر تیروں کی باڑھ لگائی جائے مگر وہ اس سے مجروح نہ ہوئے پھر ان کو سولی سے اتارا اور حکم دیا کہ ایک دیگ میں پانی کھولایا جائے اور ان کو اس میں ڈال دیا جائے تا کہ ان کی ہڈیاں تک سوختہ ہو جائیں مگر وہ اس میں بھی سلامت رہے۔ پھر جب ان کو قیصر کے سامنے لے گئے تو وہ رونے لگا اور کہا کہ ان کو چھوڑ دو اس کے بعد ان کا حال پوچھا اور کہا کہ کوئی آرزو رکھتے ہو فرمایا ہاں آرزو رکھتا ہوں وہ یہ کہ میرے جو سو ساتھی قید ہیں ان کو بھی ایسی ہی سختی وعذاب راہ خدا میں پہنچے اور اسلام سے محبت ان کی بڑھے۔ اس پر اس نے تعجب کیا اور کہا کہ میرے سر کو بوسہ دو تا کہ میں تمہیں چھوڑ دوں فرمایا کیا تمام میرے ساتھی قیدیوں کو بھی چھوڑ و گے اس نے اقرار کیا تو وہ اٹھے اور اس کے سر کو بوسہ دیا پھر اس نے ان کو اور تمام مسلمان قیدیوں کو چھوڑ دیا وہ سب بارگاہ خلافت فاروقی میں آئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر ان کے سر کو بوسہ دیا۔ شیخ فرماتے ہیں کہ اس قصہ کی گواہی میں ابن عساکر ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرسلاً لائے ہیں اور دوسری شہادت فوائد ہشام بن عمرو سے زہری سے مرسلاً لائے ہیں۔ (واللہ اعلم)

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ: انہیں سفیروں میں سے ایک حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے ایک قول ہے کہ ابومحمد ہے یہ قریش کے حلیف تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے بعض نے کہا کہ قریش کے ایک شخص کے مکاتب غلام تھے جس کا نام عبداللہ بن حمید تھا اس نے ان کو پہلے مکاتب کیا پھر کتابت سے آزاد کر کے انہیں آزادی دے دی وہ اہل یمن میں سے تھے۔ بدر، احد، خندق اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ۳۰ھ میں مدینہ طیبہ میں بزمانہ خلافت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ وفات پائی ان کی عمر پینسٹھ سال کی ہوئی ان کی نماز جنازہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مقوقس شاہ اسکندریہ کی طرف بھیجا جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ اصابہ میں مرزبانی سے نقل کیا ہے کہ معجم الشعرا میں منقول ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ قریش کے سواروں اور ان کے شعرا میں سے زمانہ جاہلیت میں تھے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی حدیثیں روایت کی ہیں ایک یہ کہ مَنْ رَّاٰنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا رَاٰنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ وَمَنْ مَّاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بُعِثَ فِی الْاٰمِنِیْنِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ. ''جس نے مجھے میری رحلت کے بعد خواب میں دیکھا تو گویا اس نے مجھے میری حیات ظاہری میں دیکھا اور جو دونوں حرموں میں سے کسی حرم میں فوت ہوا وہ قیامت میں محفوظ و مامون لوگوں میں اٹھے گا۔''

صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے سوا ان کی کوئی اور حدیث نہیں دیکھی۔ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ علماء نے صاحب استیعاب کی اس بات کو عجیب و غریب جانا ہے اس لئے کہ اس کے سوا اور بھی کئی حدیثیں ان سے مروی ہیں ابن السکن نے بطریق محمد بن عبدالرحمٰن بن حاطب عن ابیہ عن جدہ روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مسلمان کی جنت میں ستر اور تیس بیویاں ہوں گی ستر جنتی بیویاں اور تیس دنیاوی عورتیں۔ صاحب اصابہ نے کہا کہ میں نے ان کی تین اور حدیثیں پائی ہیں ان میں سے ایک تو ابن شاہین نے بطریق یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب عن ابیہ عن جدہ نقل کی ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے مقوقس شاہ اسکندریہ کی جانب بھیجا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب لے کر میں گیا (الحدیث)، دوسری حدیث ابن مندہ نے اسی سند کے ساتھ مرفوعاً روایت کی ہے کہ مَنْ اِغْتَسَلَ یَوْمَ الْجُمْعَةِ (الحدیث) اور تیسری حدیث کو حاکم نے بطریق صفوان بن سلیم از حاطب بن ابی بلتعہ روایت کی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے ان کے ہاتھ میں ڈھال تھی جس میں پانی تھا (الحدیث) ظاہر ہے کہ یہ پانی لانا اس غزوہ میں تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زخم پہنچے تھے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پانی لائے تھے تاکہ اس سے زخم کو صاف کریں اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ اس زخم پر رکھی تھی جیسا کہ اپنی جگہ اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ (واللہ اعلم)

شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ: انہیں سفیروں میں ایک شجاع بن وہب ہیں ان کو ابووہب الاسدی حلیف بنی عبدشمس کہا جاتا ہے۔ ان کی کنیت ابووہب ہے۔ ابن اسحٰق نے ان کو مہاجرین میں سابقین اولین سے اور ان لوگوں میں سے جنہوں نے حبشہ ہجرت کی بیان کیا ہے وہ بدر میں حاضر ہوئے۔ ابن ابی حاتم نے کہا کہ شجاع رضی اللہ عنہ بن وہب بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے۔ صاحب استیعاب نے کہا ہے کہ میں ان کی کوئی روایت نہیں جانتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حارث بن ابی شمر غسانی کی جانب بھیجا جیسا کہ گزر چکا ہے اور وہ نحیف دراز قد اور کوزہ پشت تھے۔ جنگ یمامہ میں انہوں نے شہادت پائی ان کی عمر کچھ اوپر چالیس کی ہوئی۔

سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ: انہیں سفیروں میں ایک سلیط (بفتح سین و کسر لام و سکون یا) بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ ہودہ بن علی حنفی کے نام مکتوب گرامی بھیجا جیسا کہ گزرا ابن اسحٰق نے کہا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ جنگ یمامہ میں حاضر ہوئے اور وہاں شہید ہو گئے۔ابو معشر نے کہا وہ شہید نہیں ہوئے۔صاحب استیعاب نے کہا انشاءاللہ درست یہی ہے اور کہا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کی خبریوں دی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حلے پہنائے ایک حلہ زیادہ ہو گیا۔حضرت عمر نے فرمایا مجھے کوئی ایسا جوان بتاؤ جس نے اور اس کے باپ نے ہجرت کی ہو لوگوں نے کہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں آپ نے فرمایا نہیں بلکہ سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ ہیں چنانچہ ان کو وہ حلہ پہنا دیا۔

علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ: انہیں سفیروں میں ایک حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ ہیں جن کا ذکر کاتبوں میں گزر چکا ہے۔ظاہر ہے کہ وہ کاتب بھی تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد وسفیر بھی پہلے ارسال رسل کے باب میں ارباب سیر سے ہم نقل کر چکے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو منذر بن ساوی والی بحرین کی جانب بھیجا اور مکتوب گرامی لکھا۔مواہب لدنیہ میں تفصیل کے ساتھ اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: انہیں سفیروں میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی ہیں ان کو طائف کے ایک بادشاہ ذی الکلاع کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ان کا قصہ دسویں سال کے واقعات میں حجۃ الوداع کے بعد مذکور ہو چکا ہے یہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نہایت حسین وجمیل اور صاحب فضل وکمال تھے ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے اور ایک قول ہے کہ ابو عمر رضی اللہ عنہ ہے۔یہ بجلی اور یمانی تھے۔بجلی قبیلہ بجیلہ کی طرف منسوب ہے جو کہ ام قبیلہ ایک عورت کا نام تھا۔ان کے اسلام لانے کے وقت میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اس سال کے ماہ رمضان میں اسلام لائے جس سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی۔ایک قول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے چالیس دن پہلے اسلام لائے۔ابن عبدالبر نے اسی پر جزم کیا ہے اور اصابہ میں کہا گیا ہے کہ یہ غلط ہے اس لئے کہ صحیحین میں واقع ہوا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے روز ان سے فرمایا کہ لوگوں کو خاموش کرواور واقدی نے جزم کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ماہ رمضان ۱۰ھ میں وفات پائی اس لئے نجاشی نے ۱۰ھ سے پہلے وفات پائی ہے۔

الغرض! جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے اپنی چادر مبارک بچھا کر ان کا اکرام فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا جب تمہارے پاس کسی قوم کا بزرگ آئے تو اس کا اکرام واحترام کرو ان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم ایسے شخص ہو کہ حق تبارک و تعالیٰ نے تمہاری صورت اچھی پیدا فرمائی ہے تو تمہاری سیرت بھی اچھی بنائی۔منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے درمیان جلوہ افروز تھے اور ان اصحاب میں زیادہ تر یمن کے لوگ تھے۔یکایک فرمایا بہت جلد تمہارے پاس ایک ایسا شخص آنے والا ہے جو اہل یمن میں بہترین شخص ہے اچانک حضرت جریر بن عبداللہ بجلی نمودار ہوئے اور ثنیۃ الوداع سے وہ ظاہر ہوئے پھر وہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اصحاب پر سلام عرض کیا اس پر سب نے یک زبان ہو کر جواب سلام دیا۔اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر شریف بچھائی اور فرمایا اے جریر رضی اللہ عنہ اس پر بیٹھو تو وہ بیٹھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہو کر گفتگو فرمانے لگے جب وہ اٹھ گئے تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج تو ہم نے جریر کیلئے ایسا منظر دیکھا کہ اس سے پہلے کسی کیلئے آپ نے ایسا نہ کیا فرمایا: ''ہاں! یہ اپنی قوم کا سردار ہے اور جب تمہارے پاس کسی قوم کا سردار آئے تو اس کا اعزاز واکرام کرو۔'' حضرت جریر ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ جب مدینہ طیبہ کے قریب ہوا تو میں نے اپنے اونٹ کو بٹھایا پھر

جامہ دانی سے اپنے کپڑے نکال کر اپنا لباس بدلا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں اس حال میں داخل ہوا کہ حضور اکرم خطبہ دے رہے تھے پھر تمام لوگوں نے مجھے گھور گھور کر دیکھنا شروع کر دیا اس پر میں نے ایک پاس کے بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں پہلے کچھ فرمایا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں! تمہارا اچھا ذکر فرمایا تھا اس خطبہ کے ہی دوران ایک بات عارض ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں ایک بات فرمائی کہ عنقریب تم میں ایک شخص دور دراز علاقہ یمن سے داخل ہوگا جس کا چہرہ پر فرشتہ نے ہاتھ پھیرا ہے (یہ کنایہ حسن و جمال کی طرف ہے) حضرت جریر فرماتے ہیں کہ میں نے اس نعمت پر جو خدا نے مجھے عطا فرمائی خدا کا شکر بجالایا۔ حضرت جریر سید مطاع اور بدیع الجمال تھے گویا کہ ان کا چہرے کا ٹکڑا ہے۔ ترمذی نے شمائل میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی صورت سے زیادہ حسین صورت کوئی نہ دیکھی بجز اس خبر کے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہمیں پہنچی ہے اور حضرت فاروق اعظم فرمایا کرتے کہ جریر اس امت کے یوسف ہیں۔

حضرت جریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب عرب کے وفود آتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے طلب فرماتے میں عمدہ لباس پہن کر مجلس مبارک میں حاضر ہوتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر فخر فرماتے تھے۔ مروی ہے کہ ان کا قد چھ ہاتھ تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت جریر سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے جب سے میں اسلام لایا ہوں آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے۔ جب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر نگاہ کرم فرماتے تو تبسم فرماتے اور میرے روبرو تبسم کناں رہتے۔ حضرت ابوذرعہ سے مروی ہے کہ حضرت جریر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر مسلمان کی نصیحت و خیر خواہی پر بیعت کی ہے۔ حضرت جریر جب کوئی چیز خریدتے تو اپنے ساتھی جو فروخت کرنے والا (بالغ) ہوتا فرماتے واللہ یہ چیز اس قیمت سے زیادہ ہے جتنی کہ میں نے خریدی مثلاً اگر گھوڑا ہوتا اور اس کی قیمت ایک ہزار درہم بتاتا تو وہ اس کی قیمت اتنی بڑھا دیتے کہ چار ہزار تک پہنچا دیتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر کو ۳۰ مسلمانوں کے ساتھ ذوالحلیفہ میں ایک بت خانہ کو توڑنے کیلئے بھیجا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں گھوڑے کی پشت پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا یہاں تک کہ اس کی ٹھنڈک میرے سینہ کے اندر محسوس ہوئی اور فرمایا: ''اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا'' خداوند ان کو ثابت و مستحکم بنا اور ان کو ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا کر اس کے بعد وہ ذوالحلیفہ گئے بت کو توڑ کر اسے جلا دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عراق کی جنگ میں تمام اہل بجیلہ پر حضرت جریر کو فوقیت دیتے اور آگے بڑھاتے تھے اور انہوں نے قادسیہ کی فتح میں بہت بڑا کام کیا تھا اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ کوفہ میں رہنے لگے ان کا وہاں ایک گھر تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو پیغام بھیجا وہ ان کے پاس نہیں گئے بالآخر وہ دونوں فریقوں سے نہیں ملے اور گوشہ نشینی اختیار کی وہ ۵۴ھ یا ۵۱ھ میں فوت ہوئے۔

منقول ہے کہ ایک دن وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں موجود تھے۔ اس مجلس میں کسی کی ریح خارج ہوئی اور بو پھیل گئی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس ریح خارج کرنے والے پر لازم ہے کہ اٹھ کر جائے اور وضو کرے۔ حضرت جریر بن عبداللہ نے کہا اے امیر المومنین آپ تمام حاضرین مجلس کو حکم فرمائیں کہ وضو کر کے آئیں تاکہ کسی کا بھید نہ کھلے اور اس کا عیب ظاہر نہ ہو۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا کہ سب جائیں اور وضو کر کے آئیں اور انہوں نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی یہ بات بہت پسند کی اور فرمایا اے جریر تم جاہلیت اور اسلام میں ہمیشہ مرد رشید رہے ہو جیسا کہ استیعاب میں ذکر کیا گیا ہے حضرت امیر المومنین کا اثر کسی قصہ کی

کتاب میں دیکھا تھا اب معلوم ہوا کہ یہ بات حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی فرمائی ہوئی تھی۔

مہاجر بن امیہ رضی اللہ عنہ: انہیں سفیروں میں حضرت مہاجر بن امیہ بن المغیرہ قرشی مخزومی برادر سیدہ ام سلمہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ایک ماں باپ سے تھے۔ ان کا نام ولید تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس نام کو مکروہ جانا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے بھائی ولید مہاجر ہو کے آ گئے ہیں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ھو المھاجر'' ان کا نام مہاجر ہی ہے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید کا نام بدل دیا ہے پھر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب ان کا نام مہاجر ہی ہے یہ ایک طویل حدیث میں ہے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مہاجر بن امیہ کو حارث بن عبد کلال حمیری شاہ یمن کی طرف بھیجا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کندہ اور صدف کے صدقات پر عامل مقرر فرمایا اس کے بعد حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یمن کا حاکم بنایا اور انہوں نے ہی حضرت موت میں بحر کے قلعہ کو جہاں زیادہ لبید انصاری کے ساتھ کافروں کے نرغہ میں آ گئے تھے فتح کیا جیسا کہ استیعاب میں ہے۔ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ وہ مشرکوں کے ساتھ بدر آئے تھے اور وہاں ان کے دو بھائی ہشام اور مسعود مارے گئے تھے۔ کتاب میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ غزوہ تبوک میں بیٹھے رہ گئے تھے اس پر سیدہ ام سلمہ برابر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی معذرت خواہی کرتی رہیں یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف فرما دیا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: انہیں سفراء میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ملک عمان کے جلندر کے بیٹے جیفر و عبد کی جانب بھیجا ان کا قصہ تفصیل کے ساتھ سال ششم میں ارسال رسل کے باب میں صلح حدیبیہ کے بعد گزر چکا ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حالات کاتبوں کے ضمن میں لکھے جا چکے ہیں۔

عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ: انہیں سفیروں میں عروہ بن مسعود ثقفی ہیں ان کی کنیت ابو مسعود یا ابو یعفور ہے۔ ثقفی ان کے جد کی نسبت سے ہے جس کا نام ثقیف تھا وہ صلح حدیبیہ میں حالت کفر میں آئے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۹ ھ میں طائف سے واپس ہوئے تو وہ آئے اور اسلام لے آئے ان کے پاس کئی بیبیاں تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ ان میں سے چار کو روک لو باقی کو طلاق دے دو جب اپنے وطن جانے کی اجازت چاہی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم ان کے پاس جاؤ گے تو وہ تم کو قتل کر دیں گے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ان میں ان کے اکابر سے زیادہ محبوب ہوں اور وہ اپنے قبیلہ میں محبوب و مطاع تھے پھر جب وہ لوٹ کے گئے تو اپنی قوم کو دعوت اسلام دی مگر انہوں نے قبول نہ کیا پھر جب فجر کا وقت ہوا تو غرفہ میں کھڑے ہو کر جو کہ ان کے گھر میں تھا نماز کیلئے اذان دی۔ شہادتیں کہہ رہے تھے کہ ثقیف کے کسی نامرد نے تیر مارا ایک روایت میں ہے کہ تیروں کی بوچھار کی اور ایک تیر ان کے لگا وہ شہید ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا ان کی مثال اس صاحب جیسی ہے جس نے اپنی قوم کو خدائے عزوجل کی طرف بلایا اور لوگوں نے ان کو شہید کر دیا جب وہ شہید ہو گئے تو لوگوں نے ان سے کہا تم اپنے خون کے بارے میں کیا کہتے ہو انہوں نے کہا یہ رب تعالیٰ کی طرف سے ایک کرامت ہے جو اس نے اکرام فرمایا اور یہ ایسی شہادت ہے جسے خدا نے میری طرف بھیجا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان پر اظہار افسوس کیا اور حضرت ابن عباس و عکرمہ و محمد بن کعب اور سدی و قتادہ نے حق تعالیٰ کے ارشاد **وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٌ** ۔ ''ان کافروں نے کہا یہ قرآن ان دونوں بستیوں کے کسی بڑے شخص پر کیوں نازل نہ ہوا'' فرمایا قریتین سے مراد مکہ اور طائف ہے البتہ کسی خاص شخص کی تعیین میں اختلاف ہے قتادہ نے کہا کہ مراد عتبہ بن ربیعہ اور عروہ بن

مسعود ہیں بعض نے کہا کہ مکہ کا ولید بن مغیرہ ہے اور طائف کا عبد یا لیل ہے۔ قتادہ نے کہا کہ ولید بن مغیرہ یا عروہ بن مسعود ثقفی ہیں اور اکثر کا یہی قول ہے۔ حدیث میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے انبیاء علیہم السلام کو لایا گیا تو میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھریرے بدن کا دیکھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو میں نے دیکھا کہ وہ عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ مشابہ تھے پھر میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو وہ تمہارے صاحب کے بہت زیادہ مشابہ تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شباہت و جسامت شریف کو مراد لیا اور میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو ان کی مشابہت میں زیادہ قریب دحیہ کلبی ہیں۔

یہ گیارہ اصحاب ہیں جن کو روضۃ الاحباب میں سفیروں کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے اس کے بعد کہتے ہیں کہ بعض اہل سیر حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کو اور بعض نے وتر ہ بن محصن اور خبیب بن زید بن عاصم کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیروں اور قاصدوں کے ضمن میں شمار کیا ہے اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیروں اور قاصدوں کی تعداد پندرہ ہو جاتی ہے۔

مواہب لدنیہ میں امیر المومنین علی مرتضیٰ، عینیہ بن حصین، بریدہ، عباد بن بشر، رافع بن مکیث، ضحاک بن سفیان، بشیر بن سفیان اور عبداللہ بن نسیر جو مرد آزاد تھے ان حضرات کو بھی شمار کیا ہے۔ ان کے حالات یہ ہیں۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن قیس ہے یہ کنیت کے ساتھ مشہور ہیں یہ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سبا سے ہیں یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں وہ مکہ میں آ کے رہے اور سعید بن العاص بن امیہ کے حلیف بنے اس کے بعد مکہ میں اسلام لائے اور حبشہ کی جانب ہجرت کی اس کے بعد خیبر میں حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ واپس آئے یہ مشہور واقعہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ابتدائے عہد میں اسلام لائے اور اپنے وطن (یمن) کی طرف چلے گئے اور حبشہ کی طرف ہجرت نہیں کی۔ اصابہ میں کہتے ہیں کہ اکثر کا قول یہی ہے اس لئے کہ موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحٰق اور واقدی نے جو کہ علم سیر کے اکابر میں سے ہیں مہاجرین حبشہ میں ان کا تذکرہ نہیں کیا اس کے بعد وہ اپنے پچاس اشعریوں کے ساتھ فتح خیبر کے بعد مدینہ طیبہ آئے۔ بعض کہتے ہیں کہ کشتی نے ان کو حبشہ میں جا ڈالا تھا۔ وہاں سے وہ مدینہ طیبہ آئے پھر حبسہ سے ان کا حضرت جعفر کے ساتھ آنا ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے بعض حصہ پر مثلاً زبید وعون پر حاکم بنایا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بصرہ پر حاکم مقرر فرمایا ان کی معزولی کے بعد حضرت مغیرہ بن شعبہ کو ۲۰ھ میں مقرر کیا پھر انہوں نے اہواز اور اصفہان کو فتح کیا۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی ابتدائے خلافت تک بصرہ پر حاکم رہے پھر انہوں نے وہاں سے معزول کر کے کوفہ پر حاکم مقرر فرمایا یہاں وہ برابر حاکم رہے یہاں تک کہ حضرت عثمان شہید ہوئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری قضیہ تحکیم تک وہاں رہے ان کو حضرت علی مرتضیٰ نے معزول کیا اس کے بعد وہ مکہ مکرمہ منتقل ہو کے آ گئے اور گوشہ نشینی اختیار کی اور کسی فریق سے تعلق نہ رکھا یہاں تک کہ مکہ مکرمہ میں ایک قول ہے کہ کوفہ میں ۵۰ھ یا ۴۴ ہجری میں وفات پائی ان کی عمر چھپاسٹھ سال کی ہوئی۔

یہ خفیف الجسم اور پستہ قامت کے تھے جیسے کہ عام طور سے یمنی لوگ ہوتے ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین علیہم الرضوان اور حضرت ابن مسعود و ابی بن کعب اور عمار رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے اور ان سے ان کی اولاد موسیٰ، ابراہیم، ابوبردہ اور ان کی بیوی ام عبداللہ اور صحابہ میں سے ابوسعید، انس بن مالک، طارق بن شہاب اور تابعین میں سے سعید بن المسیب، ابوعثمان نہدی اور ابوالاسود وغیرہم رضی اللہ عنہم کبار تابعین نے روایت کی ہے۔

اہل بصرہ میں افقہ اور اقرا تھے۔ شعبی نے فرمایا کہ چھ شخصوں پر علم کی نہایت ہے ان میں سے ایک حضرت ابوموسیٰ کا ذکر فرمایا ہے۔ بکاری نے بطریق شعبی ان لفظوں سے ذکر کیا کہ ''العلماء ستۃ'' اور مدینی نے کہا کہ قاضی چار ہیں۔ حضرت عمرؓ ابوموسیٰؓ زید بن ثابت اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا میں بصرہ والوں کیلئے حضرت ابوموسیٰ سے بہتر کوئی شخص نہیں آیا۔ یہ حسن صوت کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے والے تھے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار دیا گیا ہے ابوعثمان نہدی نے فرمایا حضرت ابوموسیٰ کے قرآن کی حسن صوت سے بہتر بربط ومزمار کی آواز میں نے نہیں سنی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بھی حضرت ابوموسیٰ کو دیکھتے تو کہتے اے ابوموسیٰ ہمیں اپنے رب کی یاد دلاؤ مطلب یہ کہ قرآن پڑھو تاکہ خدا یاد آئے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ فرمایا ہمیں رب تعالیٰ کے حضور لے کے چلو حقیقت یہ ہے کہ کوئی چیز قرآن کریم کے سننے سے زیادہ خدا کی یاد دلانے والی اور اس کا شوق پیدا کرنے والی نہیں ہے کیونکہ اہل عرب اسے خوش آوازی سے پڑھتے ہیں۔ سنت میں مروی ہے کہ ایک رات حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قرآن کریم پڑھ رہے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آواز پر اپنے گوش مبارک رکھے ہوئے تھے۔

جب دن نکلا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوموسیٰ تم قرآن کریم کو خوب پڑھتے ہو میں تمہاری تلاوت کو سن کر محظوظ ہو رہا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ نے عرض کیا افسوس اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سماعت فرما رہے ہیں تو میں اور بہتر آراستہ ومزین کر کے پڑھتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ زَیِّنُوا الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِکُمْ ''مسلمانو! اپنی خوش آوازی سے قرآن کو زینت دو۔'' ایک روایت میں ہے کہ بلحون العرب ما اذن اللہ بشئی کاذنہ لنبی لجھر بالقرآن ایک روایت میں یجھر بالقرآن آیا ہے حدیث میں آیا ہے کہ لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ اس مقام کی بحث پہلے باب تمنا میں گزر چکی ہے۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل ابوعبدالرحمٰن انصاری خزرجی جشمی رضی اللہ عنہ علم حلال و حرام میں امام مقدم اور بخیاء واخیار صحابہ میں سے تھے بڑے جوانمرد اور عالی ہمت تھے۔ صحابہ میں بڑے بزرگ اور عزت والے تھے اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے ذکر کے وقت بیساختہ تکبیر وتسبیح یعنی اللہ اکبر اور سبحان اللہ کی آواز بلند ہو جاتی ہے اور وہ انصار کے ان ستر افراد میں سے تھے جو عقبہ میں حاضر ہوئے تھے اور اس جماعت میں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قرآن کو جمع کیا۔ صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اِقْرَاءُ وَالْقُرْآنُ مِنْ اَرْبَعَۃٍ تم چار آدمیوں قرآن سے سیکھو ان میں اُن کا بھی ذکر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے درمیان مواخاۃ فرمائی اور کہا گیا ہے کہ اٰخی بَیْنَہٗ وَبَیْنَ جَعْفَرِ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ ان کے اور حضرت جعفر کے درمیان بھائی چارہ کیا گیا یوں تو تمام مسلمان ہی ایک دوسرے کے بھائی ہیں لیکن خاص مناسبت اور مخصوص نسبت کی رعایت ملحوظ تھی اور بعض کو بعض کے ساتھ خاص فرما دیا اس کی حکمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی خوب زیادہ جاننے والے ہیں ممکن ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کو ان دونوں عزیزوں کا بھائی بنایا ہو۔ (واللہ اعلم)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ غزوہ بدر اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے اور ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف اٹھائیس سال کی عمر میں ہی قاضی ومعلم بنا کے بھیجا تھا اور یمن میں جو عمال مقرر تھے ان سے اموال صدقات کو وصول کر کے ان کو مستحقین کے درمیان تقسیم کرنے کا اختیار بخشا۔ ان کی فضیلت میں اتنا ہی کافی ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کی رائے کو کتاب وسنت کے

مترادف و برابر قرار دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن کی طرف روانہ فرمایا تو فرمایا اے معاذ رضی اللہ عنہ تم کس چیز سے فیصلہ دو گے عرض کیا اس چیز سے جو کتاب اللہ میں ہے فرمایا اگر تم کتاب اللہ میں نہ پاؤ اور تم پر ظاہر نہ ہو تو پھر کس سے فیصلہ دو گے عرض کیا میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کروں گا فرمایا اگر سنت رسول میں بھی تم نہ پاؤ تو کس طرح عمل کرو گے؟ عرض کیا اجتہاد کروں گا اور راہ صواب پر پہنچنے کی کوشش کروں گا اور اپنی رائے پر عمل کروں گا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکرانہ میں دست مبارک اٹھایا اور فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِهٖ بِمَا یَرْضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ یہ ارشاد مبارک امت محمدیہ کے تمام مجتہدوں کیلئے ان کے اجتہاد کیلئے دلیل و حجت ہے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ان مجتہدین کرام کے امام و مقتدا ہیں اور خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روز قیامت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ امام العلماء بن کے اٹھیں گے اور فرمایا جس وقت علماء اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل ان کے آگے ہوں گے اور حق تبارک و تعالیٰ حضرت معاذ پر فرشتوں سے مباہات فرمائے گا۔ حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ کی ہر چیز ایمان لائی ہے حتیٰ کہ ان کی مہر یعنی انگشتری تک ایمان لائی ہے یہ ارشاد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جو بھی فتویٰ دیں یا لکھیں اور مہر لگائیں اس کی صحت و صداقت کی طرف اشارہ ہے اور فرمایا: اَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ حلال وحرام کو سب سے زیادہ جاننے والے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن والوں کو لکھا (جب یہ وہاں بھیجے گئے) میں نے تمہارے پاس اپنے پاس سے بہترین شخص کو بھیجا ہے مسروق سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ابن مسعود نے پڑھا: اِنَّ مُعَاذًا كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ اس پر فروہ بن نوفل نے جو کہ حاضرین مجلس میں تھے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کو فراموش کر گئے ہیں اور بھولے سے یوں پڑھ گئے ہیں اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں آیت کو بھولا نہیں ہوں بلکہ میں نے تشبیہ کے طریقہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جگہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو پڑھا ہے اور ہم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابراہیم سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔ استیعاب میں یہ حکایت اس طرح منقول ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب آیہ کریمہ اِنَّ مَعَاذًا كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيْفًا وَّلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ پڑھا تو فروہ اشجعی نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن حق تعالیٰ کا ارشاد اس طرح ہے کہ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيْفًا اس پر حضرت ابن مسعود نے اعادہ کیا اور پھر یہی پڑھا کہ ان معاذ کان امۃ جب میں نے دیکھا کہ دوبارہ پھر یہی پڑھ رہے ہیں تو میں نے جان لیا قصداً پڑھا ہے بھول کر نہیں پڑھا ہے اس پر میں خاموش ہو گیا اس کے بعد حضرت ابن مسعود نے فرمایا تم جانتے ہو کہ امت کون ہے اور قانت کون ہے میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے فرمایا امت وہ ہے جو خیر کی تعلیم کرے اور اس کی پیروی کی جائے اور قانت وہ ہے جو خدا کا مطیع و فرمانبردار ہو یہی حال حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ہے کہ وہ خیر کی تعلیم دیتے اور حق سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی و اطاعت کرتے ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا تمہارے لئے ہدیہ حلال ہے اگر کوئی تمہارے پاس ہدیہ بھیجے تو اسے قبول کر لینا اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو رخصت کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے دعا فرمائی کہ حق تعالیٰ تمہیں تمہارے آگے اور تمہارے پیچھے اور تمہارے داہنے اور تمہارے بائیں کو محفوظ رکھے اور فرمایا اے معاذ رضی اللہ عنہ میں تمہارے لئے پسند کرتا ہوں کہ نماز کے بعد تین مرتبہ یَا رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ پڑھ لیا کرو۔ ابو نعیم نے حلیہ میں ان کی تعریف میں کہا کہ وہ امام الفقہا اور مخزن العلماء ہیں اور وہ عقبہ بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے وہ انصار کے جوانوں میں حلم و حیا اور سخاوت میں افضل تھے وہ حسین و جمیل، نیک خصائل، پاکیزہ ترین

شخص تھے۔ ایک روایت میں ایا ہے کہ وہ گورے اور تابندہ چہرے اور درخشندہ دانتوں والے اور سرمگیں چشم تھے۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جوان جمیل سخی اور اپنی قوم کے جوانوں میں سب سے بہتر شخص تھے۔ انہوں نے خدا سے جو مانگا حق تعالیٰ نے انہیں مرحمت فرمایا واقدی فرماتے ہیں کہ وہ بہت حسین وجمیل تھے اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کی ہیں اور ان سے عمرو بن العاص' ابن عمر عبداللہ بن عمرو بن العاص' عبدالالہ بن اوفی' انس ابن مالک' ابوقتادہ انصاری' جابر بن سمرہ وغیرہ صحابہ کرام اور کبار تابعین کی جماعت کثیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے روایت کیا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل بڑے سخی تھے کچھ بچا کے نہیں رکھتے تھے ہمیشہ قرض دار رہتے تھے یہاں تک کہ ان کا تمام مال قرض میں گھر گیا اس کے بعد وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور قرض خواہوں کو بلا کر ان سے قرض معاف کرنے کیلئے فرمایا مگر انہوں نے انکار کر دیا اگر وہ قرض خواہ کسی کی وجہ سے کسی کیلئے قرض معاف کرتے تو وہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیتے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں واپس آئے اس کے بعد وہ شام کی جانب چلے گئے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے اس وقت کہا کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ شام جارہے تھے کہ ان کو جانے سے رو کیونکہ اہل مدینہ ان کی فقہ اور ان کے فتوے کے ضرورت مند ہیں اس میں خلل واقع ہوگا لہٰذا ان کی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو روک لیا جائے مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے منع فرمادیا اور فرمایا کہ میں کس طرح ایسے شخص کو روک سکتا ہوں جو درجہ شہادت کا خواستگار ہے اس پر میں نے کہا خدا کی قسم آدمی کو اس حال میں بھی کہ وہ اپنے گھر بستر پر پڑا ہو شہادت کا ثواب دیا جاتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد شام پر حاکم مقرر فرمایا پھر وہ بھی اسی سال اردن میں طاعون عمواس میں ۱۸ھ یا ۱۷ھ میں فوت ہو گئے اس وقت ان کی عمر شریف پینتیس یا چونتیس یا اڑتالیس سال کی تھی (عمواس ایک قریہ ہے جو اَملہ اور بیت المقدس کے درمیان ہے) ان کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو عامل بنایا جب لوگوں میں طاعون کی بیماری پھیلی تو عمرو بن العاص کھڑے ہو گئے اور لوگوں سے کہا اس جگہ سے چلے جاؤ کیونکہ یہ آگ کے حکم میں ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل نے فرمایا تم عجب نادان ہو اور تم اور تمہارے لوگ گدھے سے زیادہ بے وقوف ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ یہ امت کیلئے رحمت ہے اے خدا معاذ رضی اللہ عنہ کو اور معاذ رضی اللہ عنہ کے لوگوں کو ان میں سے یاد فرما جن کو تو نے اس رحمت میں یاد کیا ہے مروی ہے کہ جب طاعون کی بیماری پھیلی تو عرض کیا خداوند یہ تیری جانب سے تیرے بندوں پر رحمت ہے خداوند معاذ رضی اللہ عنہ کو اس کے گھر والوں کو اس کے حق سے محروم نہ فرما اور جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر طاعون کا حملہ ہوا تو اپنی وفات کے وقت کہا اُخْنِقْ حَلْقِیْ گلے کو سختی کے ساتھ گھونٹ جیسا کہ تو چاہتا ہے وَعِزَّتِكَ لَتَعْلَمُ اَنِّیْ اُحِبُّكَ قسم ہے تیرے عزت وجلال کی یقیناً تو جانتا ہے کہ میں تجھے محبوب رکھتا ہوں۔ (كَمَا قال و اللّٰهُ اعلم)

منقول ہے کہ ایک عورت تھی اس کا شوہر دو سال سے غائب تھا جب شوہر واپس آیا تو اس نے اپنی بیوی کو حاملہ پایا اس پر اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا۔ انہوں نے اس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق اعظم سے فرمایا اگر تمہیں سربراہی حاصل ہے تو وہ عورت کی ذات پر ہے اور جو بچہ اس کے پیٹ میں ہے اس پر تمہیں کوئی ولایت حاصل نہیں اس پر حضرت عمر فاروق نے فرمایا بچہ کی پیدائش تک قید میں رکھو اس کے بعد عورت نے دو سالہ بچا جنا جب اس بچے کو اس کے باپ نے دیکھا تو اس نے بچہ میں اپنی شباہت پہچان لی اور کہنے لگا اِبْنِیْ وَ رَبِّ

الْكَعْبَةِ یعنی میرا بیٹا ہے' میرا بیٹا ہے رب کعبہ کی قسم جب یہ خبر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا اگر وہ عورت اپنے شوہر کی مانند بچہ نہ جنتی تو وہ عاجز رہتی اور اگر معاذ رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل لوگوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے زمانہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کی وفات کا وقت قریب آیا تو جو لوگ آپ کے پاس بیٹھے تھے رونے لگے انہوں نے فرمایا تم کو کس بات نے رلایا لوگوں نے کہا ہم آپ کے علم پر روتے ہیں جو تمہاری موت کے ذریعہ منقطع ہو جائے گا آپ نے فرمایا علم وایمان اپنی جگہ ہے یہاں تک کہ روز قیامت تک رہے گا جو علم وایمان کی پیروی کے خواستگار ہیں وہ کتاب و سنت میں تلاش کریں اور اپنی ہر بات کو کتاب پر پرکھیں اور کتاب کو اپنی کسی بات پر پیش نہ کریں اور علم کو حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے حاصل کرو اگر تم ان کو نہ پاؤ تو ان چار شخصوں سے علم حاصل کرو۔ عویمر' ابن مسعود' سلمان الخیر اور ابن سلام سے جو پہلے یہودی تھے پھر اسلام لائے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمایا عبداللہ بن سلام جنت میں داخل ہونے والے دس میں سے دسویں ہیں اور فرمایا عالم کو ذلیل ورسوا کرنے سے اجتناب کرو اور حق کی حفاظت کرو ہر شخص اس پر عمل کرے اور باطل کو دور کرے اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ کائنا من کان جیسا ہونا چاہئے ایسا ہوگا۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بنی کلاب کی طرف بھیجا کہ وہ ان کے اموال کو ان پر تقسیم کر دیں اور کچھ بچا کے نہ رکھیں تو وہ تمام مال تقسیم کرنے کے بعد اپنی اسی کملی کے ساتھ واپس آ گئے جو وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے یہ ان کے کندھوں پر پڑی ہوئی تھی اس پر ان کی بیوی نے ان سے کہا تم ایسی جگہ سے آ رہے ہو جہاں عمال اپنے بیوی بچوں کیلئے بہت کچھ مال لے کر آتے ہیں تم کیا لائے ہو حضرت معاذ نے فرمایا مجھ پر حضرت عمر کی جانب سے ایک نگہبان مقرر تھا بیوی نے کہا تم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک امین تھے اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تم پر نگہبان مقرر کرتے ہیں اس کے بعد ان کی بیوی دوسری عورتوں میں گئیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی جب یہ خبر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو انہوں نے حضرت معاذ کو بلایا اور فرمایا اے معاذ! میں نے تم پر کون سا نگہبان مقرر کیا تھا حضرت معاذ نے کہا اے امیر المومنین میں اپنی بیوی سے کوئی ایسا عذر نہ پاتا تھا بجز اس بات کے کہنے کے تو میں نے یہ کہہ کر اپنا عذر بیان کر دیا اور یہ بات میں نے بطریق رمز وکنایہ کہی ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہنسے اور کچھ مال دیا اور کہا کہ جاؤ اس سے اپنی بیوی کو راضی کر دو۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ کا نگہبان کہنے سے مطلب اپنے رب تبارک وتعالیٰ کا علم تھا ان کے بہت زیادہ مناقب ہیں جو بیان کئے گئے ہیں وہ بارگاہ رب العزت کے مقرب اور خاص بندوں میں سے تھے۔

دبرہ بن محصن: ان کا نام دبرہ بن محصن ہے اور لوگ ابن محصن کہتے ہیں۔ استیعاب میں ہے کہ ان دبرہ کو براء بن مسہر حنفی کہا جاتا ہے انہیں صحبت حاصل ہے مسیلمہ کذاب نے ان کو اس جماعت کے ساتھ جس میں ابن النواحہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تو جو ان میں سے اسلام لائے وہ دبرہ بن محصن تھے۔ محصن خزاعی کہتے ہیں کہ ان کو صحبت حاصل ہے اور یہ وہی ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیروز دیلمی اور حشیش دیلمی کے پاس یمن بھیجا کہ وہ اسود عنسی کو جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے قتل کر دیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسود ومسیلمہ کو اور طلیحہ کو قاصدوں سے قتل کرایا ہے اور ان کو کسی چیز نے جو راہ خدا میں اور دین کی نصرت کے قائم کرنے کی وجہ میں تھا باز نہ رکھا لہٰذا استیعاب کی عبارت سے دبرہ بن محصن یا ابن

محصن کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں میں سے ہونا معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ دبرہ ابن مسہر حنفی بھی کوئی شخص تھا جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل تھی۔ اصابہ میں پہلے دبر بن مسہر حنفی بیان کیا اس کے بعد دبر بن محصن کلبی لائے ہیں اور دونوں کیلئے صحبت کا اثبات کیا ہے اور براء بن محصن سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ مجھ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم صنعا پہنچو تو پہاڑ کے مقابل صنعا میں ایک مسجد ہے اس میں نماز پڑھنا جب اسود کذاب قتل کر دیا گیا تو براء نے کہا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کا مجھے حکم فرمایا ہے اور دبرا بن مسہر کے ذکر میں ہے کہ مسیلمہ کذاب نے ان کو ابن نواحہ اور ابن معان حنفی کے ساتھ بھیجا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کا آنا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینا اور مسیلمہ کے کذب کا اقرار کرنا بھی بیان کیا ہے۔

خبیب بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ: خبیب بن زید بن عاصم انصاری' مازنی' بخاری برادر عبداللہ بن بن زید رضی اللہ عنہما ہیں۔ بدر و احد اور خندق میں حاضر ہوئے اور ابن اسحٰق نے انہیں عقبہ کے حاضرین میں شمار کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسیلمہ کذاب کی طرف یمامہ بھیجا اور جب مسیلمہ کذاب ان سے یہ کہتا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد خدا کے رسول ہیں؟ تو وہ کہتے ہاں میں گواہی دیتا ہوں اور جب وہ کہتا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں؟ تو وہ کہتے میں بہرہ ہوں کچھ نہیں سنتا اسی طرح کئی مرتبہ اس ملعون نے کہا بالآخر مسیلمہ لعنۃ اللہ علیہ نے ان کو قتل کر دیا اور ان کے اعضا کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور وہ شہید ہو کے فوت ہوئے جب روز یمامہ ہوا تو ان کے بھائی عبداللہ بن زید میدان جنگ میں نکلے انکی والدہ نے نذر مانی تھی کہ جب تک مسیلمہ مارا نہ جائے گا غسل نہ دیں گی یہ اسماء روضۃ الاحباب میں بیان کئے گئے ہیں جو تمام ہوئے کچھ اور نام بھی ہیں جن کو مواہب لدنیہ میں بیان کیا گیا ہے ہم ان کو بھی بیان کرتے ہیں وہ یہ ہیں۔

عباد بن بشر رضی اللہ عنہ: ایک عباد بن بشر رضی اللہ عنہ ہیں جن کو بنی سلیم دانیہ کی جانب بھیجا گیا۔ عباد بفتح عین وتشدید با اور بشر بکسر باوسکون شین ہے۔ یہ انصاری اشہلی ہیں۔ حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ پر حضرت سعد بن معاذ سے پہلے اسلام لائے بدر و احد اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت خدمت کرتے اور آپ کی پاسبانی بھی کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو پاسبان بارگاہِ رسالت میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ (جیسا کہ مذکور ہوا)

بریدہ رضی اللہ عنہ: ایک حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کو حضرت کعب بن مالک کے ساتھ قبیلہ غفار و اسلم کی طرف بھیجا۔ بارگاہِ رسالت کے کاتبوں میں تذکرہ گزر چکا ہے۔

رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ: ایک رافع بن مکیث (بفتح میم وکسر کاف وسکون یا) جہنی ہیں۔ بیعت رضوان میں حاضر ہوئے اور یہ ان میں سے ہیں جو قبیلہ جہنیہ کے علم روز فتح مکہ اٹھائے ہوئے تھے اور قبیلہ جہنیہ پر ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصولی صدقات کیلئے عامل بنایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جابیہ میں حاضر ہوئے ابوداؤد میں ان کی ایک حدیث ہے جو کہ ان کے فرزند حارث بن رافع کی سند سے حسن ملکہ میں ہے۔ اسی طرح اصابہ میں مذکور ہے اور استیعاب میں ہے کہ رافع بن مکیث جہنی برادر جندب بن کیث ہیں۔ حدیبیہ میں حاضر ہوئے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ فرمایا کہ آگ برآمد ہوگی جو لوگوں کو محشر کی طرف گھیر کر لے جائے گی ان سے ان کے بیٹے بشر بن رافع رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔

ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ: ایک ضحاک بن سفیان بن عرف بن ابی بکر بن کلاب الکلابی ہیں۔ ابوسعید ان کی کنیت ہے۔ ابن حبان اور ابن السکن نے کہا ان کو صحبت حاصل ہے ابوعبید نے کہا کہ ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے ان

کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم تیار کیا تھا۔ واقدی نے کہا کہ وہ اپنی قوم بنی کلاب کے صدقات پر عامل تھے اور قریش پر ان کو حاکم بنایا تھا وہ اہل مدینہ میں شمار کئے گئے ہیں اور ان کو شجاعوں میں شمار کیا جاتا تھا تنہا ان کو سو جوانمردوں کے مقابل سمجھا جاتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لشکر کے پاس بھیجا اور انکی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کہ اشیم ضبابی کی بیوی کا وارث بنائیں کیونکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں غلطی وخطا سے قتل ہوئے تھے اور ضحاک رضی اللہ عنہ نے ان کی بیوی کی طرف سے ان کے شوہر کی دیت دی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گواہی دی اس حدیث کو اصحاب سنن نے روایت کیا اور یہ حدیث مشکوٰۃ میں مذکور ہے۔ حضرت حسن بصری نے بیان کیا ہے کہ وہ بڑے جواں مرد تھے اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے اپنی تلوار حمائل کئے کھڑے ہوتے تھے اسی لحاظ سے اگر ان کو پاسبانوں کے زمرہ میں بیان کیا جاتا تو بھی مناسب ہوتا۔

بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ: ایک اور بشر ی بن سفیان کعبی ہیں اور ان کو عدوی کہا جاتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنی کعب پر بھیجا۔

عبداللہ بن لبیہ رضی اللہ عنہ: ایک اور عبداللہ بن لبیہ بفتح لام اور بضم لام بھی آیا ہے اور یا کا فتح اور سکون بھی کہا گیا ہے اور با کا زیر اور تشدید تا ہے اگر ضمہ وسکون سے ہے تو منسوب بہ بنی لتب ہے جو کہ معروف ہے اور اتبیہ بہمزہ بجائے لام بھی کہتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ابی حمید ساعدی سے مروی ہے کہ وہ از دقبیلہ کے ایک شخص تھے جن کو ابن لتبیہ کہا جاتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنی دتیان (بضم وال وسکون تا یائے تحتانیہ کے ساتھ) کے صدقات پر عامل بنایا اس جگہ لوگوں نے ان کیلئے ہدایا وتحائف بھیجے تھے جب وہاں سے (جہاں گئے تھے) لوٹ کے آئے تو مسلمانوں سے کہا یہ مال یعنی اموال صدقہ تمہارے لئے ہے جس کو میں تمہارے لئے لایا ہوں اور یہ میرے لئے ہے یعنی لوگوں نے ہدایا وتحائف میں مجھے دیا ہے۔ انہوں نے دیانت سے کام لیا اور اپنے گھر نہیں لے گئے اور صحابہ سے کہا کہ جب یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی جائے گی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا تجویز فرمائیں گے میں اسی پر عمل کروں گا چنانچہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور حمد وثنائے باری تعالیٰ بجالائے اور فرمایا میں تم میں سے کسی کو کسی ایسے کام کی بجا آوری کیلئے بھیجتا ہوں جس کی ولایت حق تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے پھر تم میں سے ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مال تمہارے لئے ہے اور یہ پیشکش ہے جو میرے لئے بھیجی گئی ہے وہ شخص اپنے باپ کے گھر یا اپنی ماں کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا تاکہ دیکھا جاتا اور معلوم ہوتا کہ اس کیلئے پیشکش بھیجی جاتی ہے؟ مطلب یہ کہ یہ ہدیئے یہ پیشکش جو اسے بھیجے گئے ہیں اسی عمل کے ذریعے اور وسیلہ سے ہے جس پر وہ عامل کیا گیا تھا لہٰذا یہ ہدیئے بھی اسی کے حکم میں ہیں اس کے بعد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کوئی شخص اس مال زکوٰۃ میں سے کوئی چیز نہ لے ورنہ قیامت کے دن اپنی گردن پہ اٹھا کر اس حال میں لائے گا کہ وہ چیز آواز دیتی اور فریاد کرتی ہوگی۔ خواہ اونٹ ہو یا گائے یا بکری اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو اتنا بلند کیا کہ ہم نے آپ کی بغل شریف کی سفیدی دیکھ لی فرمایا اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ ''اے خدا کیا میں نے پہنچا دیا۔'' اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا۔

عینیہ بن حصین فزاری: ایک عینیہ بن حصین فزاری ہیں جن کو بنی تمیم پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا یہ عینیہ بن حصین عرب کے بدمزاج اور درشت خو لوگوں میں سے ہیں یہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے (واللہ اعلم) ان کا اسلام نیک ہوا ان کا تذکرہ متعدد جگہوں پر کیا جا چکا ہے جو کہ ان کی خشونت' غفلت اور بدمزاجی پر دلالت کرتا ہے اکثر بنی تمیم کا ایسا ہی حال تھا غرض کہ جب بشر بن سفیان کعبی کو بنی کعب پر ان کے صدقات کی وصولی کیلئے بھیجا گیا جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اور بنی کعب کو حکم دیا کہ اپنے صدقات کے مویشی

کو جمع کر کے لائیں تو وہ مویشی اور اموال زکوٰۃ کے لائے اور انہوں نے ان کو لے لیا۔ بنی تمیم کو اپنی ذاتی خست و بخل کی بنا پر یہ مال بہت معلوم ہوا اور وہ بنی کعب سے کہنے لگے اتنا زیادہ مال اپنے سے کیوں جدا کرتے اور باہر نکالتے ہو بنو کعب نے کہا ہم دین اسلام کے تابع اور فرمانبردار ہیں اور دین میں زکوٰۃ دینا لازمی ہے۔ تمیمیوں نے کہا خدا کی قسم ہم ایک اونٹ بھی یہاں سے جانے نہ دیں گے اور ہتھیار باندھ کر آمادہ پیکار ہو گئے۔ بشر بن سفیان نے راہ فرار اختیار کرنے کو بہتر سمجھا اور وہ مدینہ طیبہ لوٹ آئے جب یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوا تو چاہا کہ بنو تمیم پر لشکر بھیجیں فرمایا کون ہے جو ان کے یہاں جائے اور ان سے سرکشی کا بدلہ لے۔ عینیہ بن حصین جو بنی تمیم سے عداوت اور دشمنی رکھتے تھے عرض کرنے لگے یہ کام میں کروں گا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجر و انصار کے پچاس سواران کے ہمراہ کر کے بنو تمیم پر بھیجا۔ انہوں نے ان پر حملہ کیا اور تاخت و تاراج کر دیا۔ ان کی عورتوں بچوں کو قید کر کے لے آئے اس کے بعد بنو تمیم روتے پیٹتے فریاد کرتے آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ہمیں کیوں لٹواتے پٹواتے اور ہمارے بال بچوں کو قید کراتے ہیں پھر وہ بہت جھگڑے اور مفاخرت کرنے لگے یہ قصہ بہت طویل ہے جو سال نہم کے ابتدائی واقعات میں بیان ہو چکا ہے یہ چند اشخاص تھے جن کو مواہب نے قاصدوں میں شمار کیا ہے لیکن مخفی نہ رہنا چاہئے کہ ان اشخاص کو قاصدوں کے زمرہ میں داخل کرنا موزوں و مناسب نہیں ہے ان کو عمال کے زمرہ میں داخل کرنا چاہئے تھا۔

باب نہم

درذکرِ عمالِ بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم

قبائل سے اموال صدقات کو وصول کرنے والے چند افراد تھے جن کے اسماء یہ ہیں

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ: ایک حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ابومحمد قرشی زہری رضی اللہ عنہ ہیں جو بنی کلب کے صدقات پر عامل تھے یہ عام الفیل کے دس سال بعد پیدا ہوئے جاہلیت میں ان کا نام عبدالکعبہ یا عبدعمرو تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا ان کی والدہ شفا بنت عبدعوف بن حارث بن زہرہ ہے اور وہ ان کی والدہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر قدیم زمانہ میں اسلام لائے اور حبشہ کی دونوں ہجرتیں کیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں حاضر ہوئے۔ روز احد ثابت قدم رہے اور غزوہ تبوک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے نماز پڑھی اس کا قصہ جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے یہ ہے کہ حضور صحرا میں تشریف لے گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ پیچھے آ جائیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی جگہ رہنے کا اشارہ فرمایا پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت ان کے ساتھ گزاری اور بعد کو مسبوق کی مانند اپنی نماز مکمل فرمائی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اغنیا صحابہ میں سے تھے اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تھی اور ان کو یہ تونگری اور ساری خیر و برکت مدینہ طیبہ میں تجارت کے ذریعہ حاصل ہوئی تھی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ان کے وہ انصاری بھائی جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات قائم فرمائی تھی انہوں نے ان سے کہا میری دو بیویاں اور بہت سے باغات ہیں۔ ان میں سے ایک بیوی کو تمہارے۔ لئے طاق دیتا ہوں اور تمام باغات میرے اور تمہارے درمیان مشترک رہیں گے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری بیویوں میں برکت دے اور تمہارے اموال کو اور زیادہ کرے۔ مجھے تم صرف بازار کی راہ بتا دو اور کسی چیز کی مجھے حاجت نہیں ہے پھر وہ بازار گئے اور خرید و فروخت شروع کر دی ان کے کام میں اتنی کشائش و فراخی ہوئی اور تونگری کے حدود میں داخل ہوئے کہ کوئی حد وشمار نہیں۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب انہوں نے وفات پائی تو ان کی چار بیویاں تھیں ان عورتوں کی چوتھائی مال پر صلح کی گئی چونکہ ان کا حصہ میراث سے چوتھائی تھا ہر ایک کو اسی ہزار درہم پہنچے تھے بعض کہتے ہیں کہ اسی ہزار دینار تھے (واللہ اعلم) اہل بدر کے سو اصحاب کیلئے وصیت کی تھی اور ہر ایک کو چار چار سو دینار دیئے گئے۔ ایک مرتبہ چار ہزار دینار انہوں نے صدقہ کئے۔ دوسری مرتبہ چالیس ہزار اور تیسری مرتبہ چالیس ہزار صدقہ کئے اور راہ خدا میں پانچ سو گھوڑے اور پانچ سو اُحلہ پر سوار کئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ امہات المومنین کی کفالت کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس معنی کا اشارہ بھی پایا گیا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے فرزند سے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے والد کو سلسال جنت سے سیراب کرے وہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی کفالت کرتے ہیں سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا میں عبدالرحمٰن بن عوف کو جنت میں گھٹنے کے بل چلتا دیکھ رہا ہوں پھر انہوں نے اس نعمت کا شکرانہ میں اس تمام قافلہ کو صدقہ کر دیا جو شام سے آ رہا تھا۔

ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں تھیں اچانک انہوں نے ایک ایسی آواز سنی جس سے مدینہ دہل گیا اور لرز گیا اس پر حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یہ کیسا شور و غوغا ہے لوگوں نے کہا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا ایک قافلہ شام سے آیا ہوا ہے اس میں سات سو اونٹ تھے۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا خبردار ہو جاؤ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میں عبدالرحمٰن بن عوف کو جنت میں بچوں کی طرح گھٹنے کے بل چلتے دیکھ رہا ہوں جب حضرت عبدالرحمٰن کو یہ حدیث پہنچی تو وہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ مجھے ایسی حدیث پہنچی ہے پھر انہوں نے حدیث بیان کی اس پر حضرت عبدالرحمٰن نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میرے تمام اونٹ مع اپنے ساز و سامان کجاوے اور چادروں کے راہ خدا میں صدقہ ہیں۔ (رواہ احمد' ابونعیم)

مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے ابن عوف تم تونگروں میں سے ہو اور تم جنت میں اس طرح داخل ہو گے جس طرح بچے گھٹنوں کے بل چلتے ہیں تم قرض دو تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے پاؤں کو کشادہ فرمائے۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا چیز قرض میں دوں فرمایا جو مال تم کماتے ہو اس سے الگ ہو جاؤ عرض کیا تمام مال سے فرمایا ہاں تم مال سے تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تکمیل کے ارادہ سے باہر نکلے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ان کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ جبریل علیہ السلام نے آ کے بتایا ہے کہ ابن عوف کو حکم فرماؤ کہ مہمانوں کی مہمان نوازی کرو اور مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اور سائلوں کو دو ان کی ابتدا اپنے اہل و عیال سے کرو جب وہ اس پر عمل کریں گے تو جو بات انہیں ہے اس کے ازالہ کا موجب بن جائے گی اسے ابن عدی اور ابن عساکر نے بیان کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام کلثوم رضی اللہ عنہ بنت عتبہ زوجہ عبدالرحمٰن بن عوف سے فرمایا کہ سید المسلمین یعنی عبدالرحمٰن بن عوف کا نکاح کر دو ابونعیم اور ابن عساکر نے روایت کیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو حواری النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا تھا اور وہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے وہ دراز قد باریک چہرہ رنگت گوری و مائل بہ سرخی اور گداز ہتھیلیوں کے تھے ان کے پاؤں میں لنگ ہو گیا تھا کیونکہ غزوہ احد میں ان کو بیس سے زیادہ زخم لگے تھے اور کچھ زخم ان کے پاؤں میں بھی لگے تھے جس کی وجہ سے یہ لنگ ہو گیا تھا۔ غزوہ اُحد میں ان کے ساتھ فرشتہ بھی جنگ میں مدد کر رہے تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے عہد میں جو کچھ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اس کا فتویٰ دیتے تھے ان کے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے درمیان بتقاضائے بشریت کچھ واقع ہو گیا تھا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے خالد اگر تمہارے پاس احد پہاڑ کی برابر سونا ہو اور اسے ایک ایک قیراط کر کے راہِ خدا میں خرچ کرو تو وہ عبدالرحمٰن کے ایک دن رات کی برابر نہیں ہو گا جو انہوں نے راہ خدا میں گزاری ہے۔ ابن عساکر نے اسے روایت کیا ہے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور ان سے حضرت ابن عباس اور ان کے فرزند ابراہیم حمید و مصعب و ابوسلمہ نے روایت کیا ہے اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف ائمہ دین اور کبار اعلام میں سے ہیں۔ ان کے بھانجے مسور بن مخرمہ وغیرہ نے ہی روایت کی ہے۔ ۳۲ھ میں وفات پائی اور بقیع میں مدفون ہوئے ان کی عمر شریف بہتر یا چھہتر یا اٹھتر سال کی ہوئی۔

منقول ہے کہ جب حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ علیل ہوئے تو اپنے بعد خلافت کیلئے ان کا نام لکھا اس پر حضرت عبد

الرحمٰن نے دعا مانگی کہ خداوند حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے مجھے موت دے دے چنانچہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے چھ ماہ قبل فوت ہو گئے۔

حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی رحلت کے وقت فرمایا: ذَهَبَ ابْنُ عَوْفٍ فَقَدْ اَدْرَكْتَ صَعْوَهَا وَسَبَقْتَ لَهُ زَهْقَا اے كَدَرَهَا یعنی ابن عوف رخصت ہو گئے جو کہ بلاشبہ پاک وصاف تھے اور اپنی تلچھٹ اور بچا کھچا لوگوں کو چھوڑ گئے۔

حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ مرض موت نے ان کو بے ہوش کر دیا جب ہوش آیا تو فرمایا میرے پاس دو فرشتے سخت وخشن آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا آؤ تاکہ تمہارا محاکمہ عزیز وامین کے پاس لے جائیں پھر ان سے ایک اور فرشتہ ملا اس نے ان سے کہا اسے کہاں لئے جاتے ہو انہوں نے کہا ہم اس کا محاکمہ کریں گے۔ اس پر اس فرشتہ نے ان دونوں فرشتوں سے کہا جو لے جانا چاہتے تھے اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ ان میں سے ہیں جن کی سعادت مندی اس وقت ہی لکھ دی گئی تھی جبکہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے۔ اسے ابونعیم نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے اسلام لانے کا قصہ جیسا کہ حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنے والد ماجد سے بیان کیا ہے یہ ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد ماجد کو فرماتے سنا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ایک سال قبل یمن کی جانب سفر کر رہا تھا میں عکان بن عوام حمیری کے پاس ٹھہرا وہ ایک سن رسیدہ شخص تھے ان کی عمر بہت طویل تھی یہاں تک کہ چوزہ کی مانند اس کی کمر کبڑی ہو گئی تھی اور میں ہمیشہ یمن میں اسی کے پاس ٹھہرا کرتا تھا تو وہ مجھ سے ہمیشہ مکہ کے حالات پوچھا کرتے تھے اور استفسار کرتے کہ کیا وہ ہستی مقدس تم میں ظاہر ہو گئی ہے اور تم میں اس کا چرچا شروع ہو گیا ہے؟ کیا تم میں سے کسی نے تمہارے دین کی مخالفت میں اپنا دین حق ظاہر کیا ہے؟ میں کہتا ابھی تک ان کا ظہور نہیں ہوا ہے اور جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ظہور ہوا اور میں اس کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے کہا کیا تمہیں ایسی خوشخبری سناؤں جو تمہاری تجارت سے زیادہ بہتر ہے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قوم میں ایک نبی مبعوث فرمایا ہے اور اس پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جس میں بت پرستی کی ممانعت ہے اور اسلام کی دعوت دی گئی ہے اور وہ نبی مکرم حق کا حکم دیتا ہے اور اس کا اثبات کرتا ہے اور باطل سے منع فرماتا ہے اور اس کا ابطال کرتا ہے وہ بنی ہاشم میں سے ہے اور تم ان کے بھائیوں میں سے ہو۔ اے عبدالرحمٰن اس بات کو گرہ میں باندھ لے اور ان کے پاس پہنچنے میں جلدی کر اور ان کی تقویت کر اور ان کی تصدیق بجالا اور یہ اشعار میری طرف سے ان کی بارگاہ میں پیش کر دے۔ ابیات

اشهد بالله ذی العالی	دفالق اللیل والصباح
انك فی الیسر من القریش	یا ابن المسعدی من الذباح
ارسلت مدعوا الی یقین	ترشد للحق والفلاح
یذکر والسنن رکبی	عن بکرة السیر و السرواح
نصرت جلساء الارض بیتی	قد قص من فوقی جناحی
اذ نادی بالدیار بعد	فانت حرزی و مستراحی
اشهد بالله رب موسیٰ	انك ارسلت بالبطاح
فکن شفیعی الی ملیك	یدعو البرایا الی الفلاح

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان اشعار کو یاد کر لیا اور واپس مکہ مکرمہ لوٹ آیا اس کے بعد میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور سارا حال ان سے بیان کیا انہوں نے فرمایا یہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو حق تعالیٰ نے ساری خلق کی طرف مبعوث فرمایا ہے تو آ ؤ ان کے حضور حاضر ہوں پھر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کے گھر تشریف فرما تھے میں نے حاضر ہونے کی اجازت چاہی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو تبسم کے ساتھ فرمایا میں تمہارا چہرہ ہشاش بشاش دیکھ رہا ہوں اور اس سے بھلائی کی توقع رکھتا ہوں بتاؤ اے ابومحمد! کیا خبر لائے ہو میں نے عرض کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس خبر کے بارے میں استفسار فرما رہے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ایک امانت لے کے آئے ہو جس کو لے کر تمہیں میری طرف بھیجا گیا ہے تو وہ امانت پہنچاؤ اور بیان کرو اور آ گاہ و خبردار ہو جاؤ کہ ابنائے حمیر' خواص مومنین میں سے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں اسلام لے آیا اور میں نے شہادت دی کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پھر ان اشعار کو سنایا جو کہ اس حمیری شخص نے کہے تھے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتنے ہی خوش نصیب لوگ ہیں جو بغیر مجھے دیکھے مجھ پر ایمان لائے اور بغیر حاضر ہوئے میری تصدیق کی یہ لوگ میرے بھائی ہیں اسے ابن عساکر نے بیان کیا ہے اور اس حدیث کے الفاظ کو حافظ امام سیوطیؒ "جمع الجوامع" میں لائے ہیں۔

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ: ایک عامل عدی بن حاتم بن عبداللہ بن سعد طائی ہیں جو کہ قبیلہ بنی طے سے ہیں ان کو اپنے قبیلہ پر عامل بنا کر بھیجا یہ جواد بن جواد تھے۔ ان کی کنیت ابوالظریف ہے پہلے نصرانی تھے پھر اسلام لائے اور وہ اپنی قوم میں عزیز' شریف' فاضل' کریم' خطیب اور حاضر الجواب تھے۔ ان سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ جب میں اسلام لایا ہوں کوئی نماز کا وقت ایسا نہیں آیا جس کا یہ مشتاق نہ ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ میں وضو کے ساتھ ہوتا وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ردت کے زمانہ میں اپنی قوم کے صدقات کو لے کر آئے وہ خود بھی اسلام پر ثابت قدم رہے اور اپنی قوم کو بھی ثابت قدم رکھا اور اسلام سے برگشتگی سے روکا۔ وہ عراق کی فتوحات میں حاضر ہوئے اس کے بعد کوفہ میں رہنے لگے اور جنگ جمل میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوئے اس جنگ میں ان کی ایک آنکھ بھی جاتی رہی۔ جنگ صفین و نہروان میں بھی حاضر ہوئے۔

عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ میں جب بھی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے جگہ میں وسعت و کشادگی فرمائی اور مجھے بٹھانے کیلئے جنبش فرمائی ایک روز کاشانہ اقدس میں جلوہ افروز تھے اور وہ صحابہ کرام سے بھرا ہوا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے وسعت فرمائی اور مجھے اپنے پہلوئے مبارک میں بٹھایا۔

شعبی نے عدی بن حاتم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی قوم کی جماعت میں آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اور شخص کی طرف توجہ فرمائی اور میری طرف رخ نہ فرمایا اس پر میں ان کے سامنے ہوا اور عرض کیا آپ نے مجھے پہچانا ہے؟ فرمایا ہاں تم اس وقت ایمان لائے جبکہ لوگ کافر تھے اور تم نے حق کو اس وقت پہنچانا جبکہ لوگ حق سے ناآشنا تھے اور تم نے اس وقت وفا کی ہے جبکہ لوگوں نے بے وفائی دکھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلا صدقہ جو صحابہ کرام ک و پہنچا وہ طی کا صدقہ تھا۔ حضرت عدی بن حاتم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور ان سے اہل بصرہ و کوفہ کی جماعت کثیرہ نے مثلاً ہمام بن الحارث' عامر شعبی' ابواسحٰق ہمدانی' خثیمہ بن عبدالرحمٰن وغیر ہم نے روایت کی ہے اور ان کی اکثر روایتیں شکار کے بارے میں ہیں کیونکہ وہ بہت زیادہ شکار کیا کرتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شکار میں ان کی مشایعت میں وادی عقیق تک تشریف لے جایا کرتے تھے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ان سے سو درہم مانگے انہوں نے فرمایا میں حاتم کا بیٹا ہوں مجھ سے سو درہم مانگتے ہو خدا کی قسم میں تمہیں نہ دوں گا۔ منقول ہے کہ ایک شاعر نے ان کی مدح کرنی چاہی آپ نے فرمایا ٹھہرو پہلے میں دیکھ لوں کہ میرے گھر میں کیا ہے تاکہ اس کے مطابق میری مدح کرو آپ اندر گئے اور گھر میں جس قدر نقد و جنس اور غلام و گھوڑے تھے لائے اور سب اسے دے دیئے بقیہ احوال ملاقات اور قصہ اسلام وغیرہ کا تذکرہ (وفود کے بیان میں) وفد بنی طے میں گزر چکا ہے۔

عیینہ بن حصین رضی اللہ عنہ: ایک عامل عیینہ بن حصین بن فرازہ بفتح فاوزا ہیں ان کا تذکرہ نویں سال کے واقعات کی ابتدا میں گزر چکا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شروع ماہ محرم ۹ھ میں ان قبائل کی جانب عمال مقرر فرمائے جو اسلام لے آئے تھے تاکہ یہ ان سے ان کے اموال کا صدقہ وصول کر کے لائیں۔ ایک انمیں سے بشر بن سفیان کعبی تھے جن کو بنی کعب کی شاخ خزاعہ کی جانب بھیجا تھا جس وقت بشر بنی کعب کی زکوٰۃ و صدقات کو جمع کر کے لانے لگے تو بنی تمیم نے اپنی وفاءت و خساست اور بقیہ جہالت و جفا اور شدت و قساوت اور عدم حسن اسلام کی بنا پر ان اموال کو لے جانے سے روکا تھا اس کا پورا ذکر بیان کیا جا چکا ہے۔ تعجب ہے کہ روضۃ الاحباب میں حضرت بشر بن سفیان کو ان عاملوں کے ضمن میں بیان نہیں کیا ممکن ہے کہ اس بنا پر بیان نہ کیا ہو کہ وہ گئے بھی مگر بغیر کام کئے بھاگ آئے تھے اور وہ کرتے بھی کیا جبکہ وہ تنہا تھے اور لشکر ساتھ نہ تھا اور حضرت عیینہ بن حصین کے ساتھ لشکر تھا اسی بنا پر اس لشکر کا نام سریۂ عیینہ بن حصین ہوا مع ہذا چند ایسے عاملوں کا تذکرہ کیا ہے جن کے حالات میں انہوں نے کچھ بیان کیا میں ان لوگوں کے حالات کو تلاش کر کے اس جگہ انشاء اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہوں۔

ایاس بن قیس اسدی رضی اللہ عنہ: ایک ایاس بن قیس اسدی ہیں جن کو بنی اسد پر بھیجا گیا تھا یہ نام ان سیر کی کتابوں میں میں نے نہیں پایا۔ (واللہ اعلم)

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ: ایک ولید بن عقبہ بن اُبی ابی معیط ہیں جن کو بنی المصطلق پر بھیجا گیا تھا یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی والدہ کے بھائی ہیں ان کی کنیت ابوذہب ہے وہ اور ان کے بھائی خالد بن عقبہ اسلام لائے۔ استیعاب میں اتنا ہی مذکور ہے۔ اصابہ میں عمارہ بن عقبہ کہا گیا ہے۔ ان کو بنی المصطلق پر بھیجنے کا تذکرہ بیان کیا جا چکا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب ان کو بنی المصطلق پر ان کے صدقات کی وصولیابی کیلئے بھیجا گیا تو وہ ان کے پاس ہتھیار باندھ کر گئے تو ان کے دل میں ان کی طرف سے خوف بیٹھا ہوا تھا وہ لوٹ آئے اور خبر دی کہ وہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں اور صدقہ کی ادائیگی سے انکار کر دیا ہے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کی تحقیق حال کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ خبر لائے کہ وہ لوگ اسلام پر مستقیم ہیں اس وقت یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اے ایمان والو! جب تمہارے پاس کوئی نامعتبر شخص خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو اس لئے وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی پناہ میں آ گئے جب وہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ان کو کوفہ کا حاکم مقرر فرمایا اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا جو کہ زمانہ فاروقی سے والی کوفہ تھے۔ یہ بات صحابہ کرام پر گراں گزری جب ولید کوفہ میں پہنچے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ تم ہمارے بعد یہاں کیسے حاکم و عامل رہو گے یا میں تمہارے بعد احمق و نادان رہوں گا۔ ولید رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابواسحٰق رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو ایسا نہ کہیئے اور خود کو اس طرح مخاطب نہ کیجئے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ابواسحٰق' حضرت سعد بن ابی وقاص کی کنیت تھی ملک و دولت صبح کسی کے ساتھ ہے اور شام کسی کے ساتھ کرتی ہے اور فرمایا خدا کی قسم تم بہت جلد خلافت کو ملوکیت کی جانب پلٹ دو گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ

جب ولید رضی اللہ عنہ کوفہ میں آئے تو انہوں نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ تم میرے بعد نیکوکار رہو گے یا لوگ تمہیں خراب کر دیں گے۔
استیعاب اور اصابہ میں منقول ہے کہ ولید بن عقبہ شاعر فصیح، سخی، کریم، حلیم اور مروان قریش میں سے شجاع شخص تھا۔ یہ ان کے لشکروں میں سے تھا لیکن اس کی بدحالی اور افعال کی برائی میں خبریں بہت مروی و مشہور ہیں اور اس کا شراب پینا تو پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے اور صحیحین میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان نے شراب خوری کی حد اس پر نافذ کی ہے اور اسے معزول کر دیا ہے۔

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس پر حد جاری کر دو۔
استیعاب میں ابن شوذب سے منقول ہے کہ ولید نے صبح کی نماز قوم کو چار رکعت پڑھائی اس کے بعد قوم کی طرف منہ پھیر کے کہا اور زیادہ پڑھاؤں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم آج سے ہمیشہ ہی تمہاری طرف سے زیادتی میں ہیں۔ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ بعض اہل کوفہ نے ولید کے ناحق ہونے کی گواہی دی ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اس بارے میں جتنی بھی خبریں لائی گئی ہیں وہ سب منکر ہیں۔ (واللہ اعلم)

حارث بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ: ایک عامل حارث بن عوف مزنی ہیں۔ عہد جاہلیت کے فرسان سے بنی مرہ پر بھیجا تھا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان پر ان کی قوم کا خون باقی رہ گیا تھا اسلام نے ان کو چھٹکارا دلوایا۔ منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیٹی کا پیغام دیا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں راضی نہیں ہوں کہ اسے آپ کے عقد میں دیا جائے اس لئے کہ وہ برص کے مرض میں مبتلا ہے حالانکہ اسے برص نہ تھا پھر جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گھر پہنچے تو اپنی بیٹی کو برص میں مبتلا دیکھا پھر اس نے اپنے چچا کے بیٹے زید بن حمزہ مزنی سے نکاح کر دیا اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو ابن البرصا کے نام سے مشہور ہوا۔ بنی مرہ کے وفد میں تیرہ آدمی تھے ان کے سردار حارث بن عوف تھے یہ وفد تبوک کی واپسی پر آیا تھا۔ پھر وہ بیت الحارث میں ٹھہرے اس کے بعد وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد نبوی شریف میں جلوہ افروز تھے پھر حارث نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کے خاندان اور آپ کی قوم سے ہیں یعنی لوئی بن غالب کی اولاد سے ہیں۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنی مرہ پر بھیجا۔ حارث نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ کسی کو بھیجئے جو آپ کے دین کی ہماری قوم کو دعوت دے، ہم اس کے محافظ ہوں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری شخص کو ان کے ساتھ بھیجا پھر حارث کی قوم نے اس کو قتل کر دیا اور حارث رضی اللہ عنہ اپنی قوم کو اس سے باز نہ رکھ سکے۔ اس کے بعد حارث آئے اور معذرت خواہی کی اور حسان بن ثابت نے ابیات کہے جو حارث رضی اللہ عنہ کی معذرت کے مقبول نہ ہونے پر دلالت کرتے تھے۔ اس پر حارث رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی زبان سے آپ سے پناہ مانگتا ہوں اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی معذرت قبول فرمائی اور قاتل نے مقتول کی دیت میں اونٹ بھیجے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اونٹوں کو قبول فرمایا اور انصاری شخص کی قوم کی جانب انہیں بھیج دیا۔

مسعود بن رجیل رضی اللہ عنہ: ایک عامل مسعود بن رجیل اشجعی ہیں جن کو اشجع پر بھیجا گیا تھا۔ وہ بنی عبداللہ غطفان سے ہیں اور وہ بنی عبس پر عامل تھے اور وہ احزاب میں مسلمانوں کے خلاف قوم اشجع کے قائد تھے اس کے بعد وہ اسلام لائے اور ان کا اسلام نیک ہوا۔ ابوجعفر طبری نے اس کا ذکر کیا ہے ایسا ہی استیعاب میں ہے۔

اجم بن سفیان رضی اللہ عنہ: ایک عامل اجم بن سفیان ہیں جو عذرہ، سلامان و بلی، جہینہ اور انہی پر عامل تھے اس نام کو بھی میں نے سیر کی کتابوں میں نہیں پایا لیکن ان قبائل کا تذکرہ اور عاملوں کو ان کی طرف بھیجنے اور ان کی جانب لشکروں کا بھیجنا وغیرہ مذکور

ہے۔(واللہ اعلم)

عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ: ایک عامل عباس بن مرداس ہیں جن کو بنی سلیم کی جانب بھیجا گیا اس نام کو بھی میں نے نہیں پایا البتہ عباس رضی اللہ عنہ بن مرداس کا تذکرہ جو مشاہیر مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں اور ایک شاعر ہیں۔ان کا ذکر پہلے بھی بار بار گزر چکا ہے۔اہل سیر کہتے ہیں کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں شراب کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا لیکن ان کا عامل بنانا معلوم نہ ہوا۔ روضۃ الاحباب کے نسخہ صحیحہ میں عباس رضی اللہ عنہ بن مدراس بتقدیم دال برراء لکھا ہوا ہے۔(واللہ اعلم)

لبید بن حاطب رضی اللہ عنہ: ایک عامل لبید بن حاطب ہیں جو قبیلہ دارم پر عامل تھے ان کا نام بھی میں نے نہیں پایا۔

عامر بن مالک رضی اللہ عنہ: ایک عامر بن مالک بن جعفر بن کلاب بن ربیعہ عامری کلابی ہیں جو بنی عامر بن صعصعہ پر عامل تھے ان کو''ملاعب الاسنہ'' کہتے ہیں۔ان سے بروایت سلیمان تیمی از ابی عثمان نہدی مروی ہے۔انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاعون وغرق شہادت ہے۔استیعاب میں اتنا ہی بیان کیا گیا ہے اور کہا کہ ان کو ابن قانع نے صحابہ میں بیان کیا ہے۔ اصابہ میں ان کے حالات میں طویل کلام منقول ہے اور ایک جماعت کثیرہ نے مثلاً دارقطنی' ابن السکن اور ابن الشاہین وغیرہم نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ملاعب الاسنہ نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بھتیجے کے درد شکم کیلئے دوا معلوم کرائی۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد بھیجا انہوں نے شہد پلایا اور وہ تندرست ہو گئے۔دوسری سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے کہ عامر بن مالک نے کسی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور شہد کا التماس کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپی شہد ان کو بھیجا نیز مروی ہے کہ ملاعب الاسنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں غزوہ تبوک کے بعد حاضر آئے حضور نے ان کو دعوت اسلام دی مگر انہوں نے قبول نہ کیا اس کے بعد انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ بھیجا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا اور کہا کہ میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔بعض اسناد میں تبوک کا ذکر نہیں ہے صرف اتنا ہی ذکر ہے کہ عامر بن مالک آئے ان کو ملاعب الاسنہ کہتے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام دی انہوں نے انکار کیا پھر ہدیہ بھیجا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا اور عامر بن مالک نے کہا آپ میرے ساتھ جس قاصد کو چاہیں بھیج دیں وہ میری پناہ میں ہوگا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رہطی کو بھیجا بیر معونہ کا طول طویل قصہ بیان کیا جا چکا ہے۔

صاحب اصابہ نے فرمایا جن لوگوں نے جس چیز پر اعتماد کر کے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے وہ چیز جو ان سے مروی ہے ان کے اسلام میں صریح نہیں ہے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنی جعفر اور بنی ابی بکر کے پچیس آدمی آئے ان میں عامر بن مالک بن جعفر بھی تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف نظر کرم فرمائی اور فرمایا میں تم پر اس شخص کو عامل مقرر کرتا ہوں اور ضحاک رضی اللہ عنہ بن سفیان کلابی کی طرف اشارہ فرمایا اور عامر بن مالک سے فرمایا تم بنی جعفر پر عامل ہو۔ضحاک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لئے خیر کی دعا فرمایئے یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عامر بن مالک رضی اللہ عنہ پہلے عذر کرتے تھے اس کے بعد وہ مسلمان ہو گئے۔(انتہی کلام الاصابہ)

بیر معونہ کا پورا قصہ ہجرت کے چوتھے سال کے واقعات میں گزر چکا ہے اسی میں عامر بن مالک کا قصہ ہے وہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اسلام کی توفیق نہ پائی لیکن لشکر اسلام کی حمایت ورعایت کی ہے اس جگہ ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاملوں میں بیان کیا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ عامل ہونا ان کے اسلام کی روایت کی بنا پر ہے۔(واللہ اعلم)

سعد رضی اللہ عنہ وعوف رضی اللہ عنہ اور ضحاک رضی اللہ عنہ: ان عاملوں میں سے سعد بن مالک اور عوف بن مالک نضری اور ضحاک کلابی ہیں ان کو بنی کلاب پر عامل مقرر کیا گیا۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تینوں بنی کلاب پر بھیجے گئے تھے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بنی عامر اور بنی کلاب ایک ہی شخص ہیں ان میں سے ایک سعد بن مالک بن سنان جو کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں وہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں اور مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ دوسرے سعد بن مالک بن خالد انصاری ساعدی ہیں۔ جنہوں نے غزوہ بدر کی تیاری کی پھر وہ بیمار ہو گئے اور جا نہ سکے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی حصہ مرحمت فرمایا تیسرے سعد بن مالک وہ ہیں جو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں چوتھے سعد بن مالک عذری (بضم عین وسکون ذال) منسوب بہ بنی عذرہ ہیں اور وہ بنی عذرہ کے وفد کے ساتھ حاضر ہوئے تھے۔ اصابہ میں ابوعمرو بن حریث العذری سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے اجداد کی کتاب میں پایا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ۹ ھ میں بارہ افراد کے ساتھ وفد بن کے حاضر ہوئے اس وفد میں حمزہ بن نعمان اور سعد وسلیم پسران مالک تھے جیسا کہ گزرا ظاہر ہے کہ اس جگہ سعد بن مالک سے مراد وہی ہیں۔

عوف بن مالک کے بارے میں اصابہ میں کہا گیا ہے کہ عوف بن مالک نضری کو خلیفہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاملوں میں بیان کیا ہے جن کو ہوازن نضر اور ثقیف پر بھیجا گیا تھا اور کہا کہ گویا کہ ان کا نام منقلب ہو گیا ہے کہ مشہور تو مالک بن عوف ہیں مگر اصل میں عوف بن مالک بن سعید بن یربوع ابوعلی النضری آیا ہے۔ وہ حنین کے دن مشرکوں کے سردار تھے جب مشرکوں کو شکست ہوئی تو مالک بن عوف طائف پہنچ گئے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کرایا کہ اگر وہ مسلمان ہو کر آ جائے تو اس کے اہل وعیال کو اسے واپس کر کے سو اونٹ انعام میں دوں گا جس طرح کہ تمام مؤلفۃ القلوب کو عطا فرمایا ہے پھر مالک بن عوف نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں قصیدہ پیش کیا اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے قبیلہ کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان پر عامل بنایا۔ شیخ نے اصابہ میں ایسا ہی کہا ہے۔ (واللہ اعلم)

لیکن ضحاک رضی اللہ عنہ بن سفیان بن عوف بن ابوبکر کلاب' کلابی ان کی کنیت ابوسعید ہے وہ اپنی قوم کے صدقات پر عامل تھے اور وہ شجاعوں میں سے تھے وہ تنہا سو سواروں کے برابر شمار ہوتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک لشکر کا امیر بنا کے بھیجا۔ امام حسن بصری نے ان سے ایک حدیث روایت کی ہے جسے بغوی نے نقل کیا ہے اور ابن قانع نے بھی نقل کیا ہے کہ وہ بڑے شمشیر زن تھے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے تلوار حمائل کر کے کھڑے ہوتے تھے اسی بنا پر ان کو پاسبان بارگاہِ رسالت میں بھی شمار کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

لیکن انہوں نے ان اسماء کو جن کو روضۃ الاحباب میں سال نہم کے واقعات میں عاملوں میں بیان کیا ہے اور ان کا ذکر اس جگہ عمال کی فہرست میں نہیں کیا ایک بریدہ ہیں جو کہ کعب بن مالک کی روایت میں کاتبوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

باب دہم

بارگاہِ رسالت کے موذنوں، خطیبوں، شاعروں اور حدی خوانوں کے بیان میں

موذنین بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک موذن حضرت بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ ہیں ان کی والدہ حمامہ ہیں ان کی کنیت ابوعبداللہ یا ابوحازن ہے وہ سراۃ کے رہنے والے تھے۔ یہ مکہ مکرمہ و یمن کے درمیان ایک مقام ہے۔ قدیم و صادق الاسلام اور طاہر القلب تھے اور وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں اپنا اسلام ظاہر کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اول اظہار اسلام کرنے والے سات ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق، عمار بن یاسر ان کی والدہ سمیہ (بضم سین وتبشد یدیا) صہیب، بلال اور مقداد رضی اللہ عنہم لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے آپ کے چچا ابوطالب کے غم کے سبب اظہار سے منع کر دیا تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم کی وجہ سے منع کر دیا لیکن دیگر حضرات صحابہ کو مشرکوں نے پکڑ کر توحید اور دین اسلام کی بنا پر اذیتیں دینا شروع کر دیں ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں بٹھاتے اور مارتے تھے اور مسلمانوں میں کوئی ایسا نہ تھا جن کو وہ پکڑ کر لاتے اور مشرکین جو چاہتے ان سے سلوک کرتے تھے اور وہ رخصت پر عمل کرتے تھے بجز حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے وہ اپنے آپ کو بہت کمتر سمجھتے تھے مگر اپنے دین حق میں مضبوطی سے قائم تھے اور راہ خدا میں اذیتوں کو آسان سمجھتے تھے۔ امیہ بن خلف جمحی جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ایک مالک تھا ان کو دوپہر کے وقت مکہ کے ریگزاروں پر لے جاتا اور ان کے گلے میں رسی باندھ کر لٹا دیتا اور بہت بڑا پتھر ان کے سینہ پر رکھ کر اس سے کوٹتا تھا تا کہ یا تو اس کے نیچے جان دے دیں یا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہو جائیں یہ ان کو رسیوں سے باندھ کر مکہ کے گلی کوچوں میں پھراتا تھا اور وہ احد احد کہتے جاتے تھے ایک روایت میں ہے اللہ اللہ لیکن تقدیر الٰہی اس طرح واقع ہوئی کہ معرکہ بدر میں وہ ملعون حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا تو وہ ایک دن اسی طرح اذیتیں پہنچا رہا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر ان کی طرف ہوا انہوں نے ایک حبشی غلام کے بدلے ان کو خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس حال میں خریدا کہ بہت بڑے پتھر کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملے اور فرمایا اگر ہمارے پاس مال ہوتا تو میں بلال رضی اللہ عنہ کو خرید لیتا اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے ملے اور ان سے کہا کہ میرے لیے بلال کو خرید لیجئے اس کے بعد حضرت عباس امیہ رضی اللہ عنہ بن خلف کی بیوی کے پاس گئے کیونکہ وہ اس کے لے پالک تھے انہوں نے فرمایا اپنے اس غلام کو جس کا نام بلال رضی اللہ عنہ ہے قبل اس کے کہ وہ تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے اور تم اس کی قیمت سے محروم ہو جاؤ اس کی فروختگی کی خواہش مند ہو اس نے کہا تم کیا کرو گے وہ خبیث ہے کسی کام کا نہیں ہے دوسری مرتبہ پھر ملے اور یہی بات دوبارہ کہی اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید لیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا یعنی ان کو دے دیا پھر انہوں نے ان کو آزاد کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے اَبُوْبَکْرٍ سَیِّدُنَا عَتَقَ سَیِّدَنَا یعنی بَلَالاً حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں اور

انہوں نے ہمارے سردار یعنی بلال رضی اللہ عنہ کو آزادی دی۔ مشہور یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ شام چلے گئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ہر چند اصرار کیا کہ وہ مدینہ میں رہیں اور ان کیلئے اذان کہیں یہاں تک کہ وہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اگر تم نے مجھے رضائے الٰہی کیلئے خرید کے آزاد کیا ہے تو اب بھی مجھے چھوڑ دو گے اور آزادی دو گے پھر وہ شام چلے گئے۔ ابن عبدالبر استیعاب میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے اذان کہی مروی ہے کہ ابوجہل ملعون نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور اس نے کہا تم بھی وہی کہتے ہو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں اور ان کو پکڑ کر منہ کے بل کے اوپر گرا دیا اور دھوپ میں لٹا کر ان کے سینہ پر چکی کا پاٹ رکھ دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ برابر احد احد کہتے رہے اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی دوست کو بھیجا یہاں تک اس نے ان کیلئے بلال رضی اللہ عنہ کو خرید لیا اور جب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو ان سے اجازت طلب کی۔ حضرت فاروق نے فرمایا کیا چیز تم کو میرے پاس رہنے اور اذان کہنے سے روکتی ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اذان کہی ہے اور حضرت ابوبکر صدیق کیلئے اذان کہی ہے کیونکہ ولی نعمت تھے۔ بلاشبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے اے بلال رضی اللہ عنہ! راہ خدا میں جہاد سے افضل کوئی عمل نہیں ہے یہ روایت مشہور کے خلاف ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں شام تشریف لے گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ وہاں تشریف فرما تھے پھر انہوں نے ان کیلئے اذان کہی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام ساتھی رونے لگے اور بیان کرتے ہیں کہ اس دن سے زیادہ کسی کو اتنا شدید روتا ہوا نہ دیکھا گیا۔

ایک اور مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ آئے اور اذان دینی شروع کی مگر تمام نہ کر سکے اس کا قصہ یہ ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ شام پہنچے تو چھ مہینہ کے بعد خواب میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے بلال رضی اللہ عنہ! اتنا ظلم کہ ہماری زیارت کو نہیں آتے۔'' اس کے بعد بلال رضی اللہ عنہ اسی وقت مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہو گئے جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور امام حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کے حالات پوچھے۔ لوگوں نے بتایا کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تو جنت سدھار گئیں اور امام حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ موجود ہیں جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے چاہا کہ ان کیلئے اذان کی درخواست کریں مگر کسی کو جرات نہ ہوئی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ بات کہہ سکے لوگوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ سے التجا کی وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اذان کہنے کی درخواست کریں ان کے حکم کو وہ ٹال نہ سکیں گے اس کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حکم دیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کہنے کیلئے اس جگہ کھڑے ہوئے جہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اذان دیا کرتے تھے جب انہوں نے اللہ اکبر کہا تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام حیات کے تصور اور یاد سے لوگوں پر گریہ طاری ہو گیا اور جب اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا تو رونے کا شور از حد بڑھ گیا اور جب اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا تو شہر میں زلزلہ سا پڑ گیا اور گریہ وفغاں سے کہرام مچ گیا گویا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آج ہی دنیا سے رخصت ہوئے ہیں اس کے بعد نہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ میں اذان کہنے کی طاقت رہی اور نہ لوگوں میں سننے کی برداشت رہی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الحارث بن عبدالمطلب ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مواخاۃ فرمائی (کذافی الاستیعاب) اصابہ میں ہے کہ ان کے اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح

کے درمیان مواخات فرمائی تھی اور امام مالک کی موطا میں ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے بلال رضی اللہ عنہ کیا حال ہے کہ میں جنت میں داخل ہوا تو تمہاری جوتیوں کی آواز میں نے سنی ہے مجھے بتاؤ کہ تم ایسا کون سا عمل کرتے ہو؟ عرض کیا جو نمازیں مجھ پر فرض کی گئی ہیں میں اسے خوب طہارت کے ساتھ پڑھتا ہوں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب اس حدیث کو بیان کرتے تو رونے لگتے تھے۔ علامہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جمع الجوامع میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: السباق اربعة انا سابق العرب و بلال الحبشة (الحدیث)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں وہ گہرے سیاہ رنگ' نحیف و طویل دبلے بازوؤں والے تھے انہوں نے دمشق میں وفات پائی اور باب صغیر کے پاس مدفون ہوئے ان کی وفات ۲۰ھ یا ۱۸ھ میں ہوئی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حلب میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے ان کی عمر شریف کچھ اوپر ساٹھ یا تریسٹھ سال کی ہوئی ایک قول ہے کہ ستر سال کی ہوئی ان سے صحابہ کرام کی جماعت کثیرہ نے جن میں حضرت ابوبکر و عمر' اسامہ بن زید' عبداللہ بن عمر' کعب بن عجرہ' براء بن عازب وغیرہم رضی اللہ عنہم بھی ہیں اور مدینہ و شام اور کوفہ کے کبار تابعین کی جماعت نے روایت کی ہے۔

ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ: دوسرے مؤذن حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ ہیں ان کا نام عبداللہ بن عمر ایک اور قول سے عمرو بن قیس بن زائدہ ہے اور بعض عبداللہ بن صریح بن قیس بتاتے ہیں جس نے عبداللہ بن زایدہ کہا ہے اس نے ان کے جد کی طرف نسبت کی ہے وہ قرشی عامری ہیں جو بنی عامر بن لوی سے ہیں۔ ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عبداللہ بن مخزومی تھا۔ قدیم الاسلام مکی ہیں اور حضرت مصعب بن عمیر کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل ہجرت مدینہ کی واقدی نے کہا ہے کہ بدر کے کچھ عرصہ بعد ہجرت کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اکثر غزوات میں ان کو خلیفہ بنایا ہے بعض روایتوں میں آیا ہے کہ تیرہ مرتبہ ان کو خلیفہ بنایا اور غزوہ تبوک میں بھی ان کو تو خلیفہ بنایا تھا اور امیر المومنین علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو اہل و عیال پر چھوڑا تھا۔

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ اذان کہا کرتے تھے انہیں کے حق میں سورہ عبس و تولی نازل ہوئی مدینہ طیبہ میں وفات پائی بعض کہتے ہیں کہ قادسیہ میں شہید ہوئے ان کا تذکرہ کتب احادیث میں بہت ہے۔

ابومحذورہ رضی اللہ عنہ: تیسرے مؤذن حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا نام اوس بن مغیرہ جمحی قرشی ہے۔ ان کی کنیت ان کے نام پر غالب آ گئی۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مکہ مکرمہ میں اذان دیا کرتے تھے۔ اور مکہ میں ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کے اذان میں ان کے بھائیوں میں سے جو بنی سلامان بن ربیعہ بن سعد بن جمح میں سے تھے وارث ہوئے ابن مخیر کہتے ہیں میں نے ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے سر پر بال رکھتے تھے۔ میں نے کہا تم اپنے بال کیوں نہیں کٹواتے۔ انہوں نے فرمایا میں وہ نہیں ہوں کہ میں اپنے ان بالوں کو کٹوا دوں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوا ہے۔ اور اس میں برکت کی دعا فرمائی ہے۔ وہ مکہ مکرمہ میں ۵۹ھ میں فوت ہوئے قول یہ ہے کہ اس کے بعد فوت ہوئے۔ انہوں نے ہجرت نہیں کی اور ہمیشہ مکہ میں ہی رہے تھے۔ ان سے ان کے بیٹے عبدالملک اور عبداللہ بن محیریز اور ابن ابی ملیکہ نے روایت کی ہے۔ مسلم اور اربعہ نے ان سے روایت نقل کی ہے کہ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ اذان میں ترجیع کرتے تھے۔ اور اقامت میں تثنیہ کرتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان میں ترجیع نہیں کرتے تھے اور اقامت میں افراد کرتے تھے اور بعض مؤذن نہ اذان میں ترجیع کرتے تھے اور نہ اقامت میں افراد کرتے تھے۔ ہر ایک نے اس میں سے ایک طریقہ کو اختیار کیا ہے۔ ہمارے مذہب میں اذان میں ترک ترجیع اور اقامت میں تثنیہ ہے۔ اس کی تحقیق اپنی جگہ

مذکور ہے۔

سعد قرض رضی اللہ عنہ: چوتھے مؤذن سعد قرظ ہیں۔ان کو سعد رضی اللہ عنہ قرظی بھی کہتے ہیں۔ان کا نام سعد بن عائذ ہے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کے مولیٰ ہیں۔اور سعد قرظ کے ساتھ مشہور ہیں۔ان کو صحبت حاصل ہے سعد قرظ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ قرظ کی تجارت کرتے تھے اور اس سے بہت نفع کماتے تھے اس سے پہلے جس چیز کی بھی تجارت کرتے تھے نقصان اٹھاتے تھے۔پھر انہوں نے قرظ کی تجارت کو لازم کر لیا۔''قرظ'' ورق سلم کو کہتے ہیں جس سے چمڑے کو پکایا جاتا ہے اور ایسے چمڑے کو ادیم قرظی کہتے ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد قبا شریف میں مؤذن مقرر فرمایا۔جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینی چھوڑ دی تو حضرت سعد قرظی کو مسجد نبوی شریف میں منتقل کر دیا گیا۔یہاں تک اپنی تمام حیات اذان دیتے رہے ان کے بعد ان کی اولاد میں اذان متوارث ہوئی یہاں تک کہ امام مالک رحمۃ اللہ کے زمانہ تک یہ ان کی اولاد میں رہی اور ان کے بھی بعد بھی۔بعض روایتوں میں آیا ہے کہ مسجد نبوی شریف میں اذان دینے کیلئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ قرظی کو منتقل کیا تھا۔بعض کہتے ہیں کہ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کیلئے وہ اذان دیتے تھے ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیلئے اور یہ اس بات پر مبنی ہوسکتا ہے جبکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے شام کی جانب منتقل ہو گئے یا تو حضرت ابوبکر صدیق کے زمانے میں یا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جیسا کہ اس طرف پہلے اشارہ گزر چکا ہے۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ قرظی حجاز پر حجاج کی حکومت کے زمانہ تک یعنی ۹۴ھ تک زندہ رہے (واللہ اعلم)

شعرائے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شعرائے کرام میں سے جو حضرات کافروں کے شر کو اسلام اور مسلمانوں سے دفع کرتے اور باز رکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے اور کافروں کی ہجو و مذمت کرتے تھے۔وہ تین اشخاص شمار کیے گئے ہیں۔حضرت حسان بن ثابت' کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم' روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام شعراء مردوں میں سے ایک سو ساٹھ تھے عورتوں میں بارہ تھیں (انتہی) مشاہیر شعراء بھی ان تین اشخاص کے سوا تھے مثلاً جاہلیت کا شاعر نابغہ رضی اللہ عنہ جو طویل العمر تھا ۲۰۰ دو سو یا ایک سو ۱۸۰ اسی برس کی عمر پائی تھی اس کی عجیب و غریب حکایتیں اور قصے مشہور ہیں۔دوسرے لبید رضی اللہ عنہ بن ربیعہ ہے جو جاہلیت و اسلام میں شریف تھے جس کی ایک سو چالیس یا ایک سو ستاون سال کی عمر تھی۔تیسرے سحبان وائل ہیں جن کی مثالیں اور کہاوتیں فصاحت و بلاغت میں زبان زد اور مشہور ہیں جیسا کہ ماقل نے شہامت میں اور شیخ ابن حجر نے اصابہ میں نقل کیا ہے۔اور کہا ہے کہ سحبان وائل کی کہاوتیں فصاحت و بلاغت میں مشہور ہیں۔ان کو ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ از قسم مخضرمین ہیں جنہوں نے زمانہ جاہلیت اور عہد اسلام پایا تھا انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔اور کوئی ثبوت ایسا وارد نہیں ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے۔خواہ وہ حضور اکرم کی حیات میں اسلام لائے ہوں یا نہ لائے ہوں۔اور یہ باتفاق محدثین' صحابی نہیں ہیں اگرچہ بعض علما نے ان کو معرفۃ الصحابہ کی کتابوں میں بہت زیادہ ذکر کیا ہو۔لیکن انہوں نے تصریح کی ہے کہ ان کا تذکرہ طبقہ صحابہ کے متصل ہونے کی بنا پر کیا گیا ہے ورنہ وہ صحابی کے طبقہ میں سے نہیں ہیں۔اس بات کی ابن عبدالبر نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں تصریح کر دی ہے۔شیخ ابن حجر نے اصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں بیان کیا ہے کہ صحابہ کی تین قسمیں ہیں ایک قسم تو یہی ہے اس کو انہوں نے تیسری قسم قرار دیا ہے قسم اول میں وہ ہیں جن کی صحابیت ثابت ہے خواہ انہوں نے براہ

راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہو یا ان سے دوسروں نے روایت کی ہو خواہ ان کی سند صحیح ہو یا بطریق حسن یا ضعیف ہو یا ایسے طریقہ پر مروی ہو جو ان کی صحابیت پر دلالت کرتی ہو۔ بہر تقدیر وہ صحابی ہیں۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کو صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حضور اکرم کے سامنے لڑکوں اور لڑکیوں کی شکل میں کیا ہو اور جن کی عمر اس وقت حالت طفلی کی تھیں۔ اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو ان کی عمریں سن بلوغ کو نہیں پہنچی تھیں۔ چونکہ ان کا ذکر کیا جاتا ہے باوجودیکہ وہ صحابہ میں سے نہیں ہیں تو برسبیل الحاق ہے اور اس بنا پر ہے کہ صحابہ کرام اپنی اولاد کو حضور اکرم کی بارگاہ میں پیش کرنے کا شوق وجذبہ رکھتے تھے خصوصاً ولادت کے وقت تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تحنیک وتسمیہ فرمائیں اور دعائے برکت دیں لہٰذا شیخ فرماتے ہیں کہ اگر وہ بات جو ابن عساکر سحبان وائل کے بارے میں کہی ہے ثبوت کو پہنچ جائے تو وہ تیسری قسم میں محمول ہوں گے۔ اس لیے کہ مشہور یہ ہے کہ وہ ایک جاہل شخص تھا۔ ابونعیم اپنی کتاب خطبات میں کہتے ہیں کہ سحبان عرب کا غیر مدافع خطیب تھا۔ جب یہ خطبہ دیتا تو وہ ایک حرف کو دوبارہ نہیں کہتا تھا۔ نہ وہ ٹھیرتا اور نہ وہ سوچتا تھا بلکہ تسلسل جاری رہتا تھا۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سحبان حضور اکرم کے شعراء میں سے نہ تھا اس نے نہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور نہ خلفاء اربعہ کو ہی پایا ہے۔ مگر اس کا مسلمان ہونا متحقق ہے خواہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام لائے ہوں یا بعد میں' مدت عمر اور زمانہ وفات بھی معلوم نہ ہو سکا (واللہ اعلم)

حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی کنیت ابوالولید ہے یا عبدالرحمٰن یا ابوالحسام۔ ان کا نام حسان بن ثابت بن المنذر بن حرام انصاری بخاری مرزی شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جاہلیت واسلام کے محول شعراُ میں سے ہیں۔ اہل عرب نے اس پر اجماع کیا ہے کہ اہل بدر واہل یثرب ہیں یہ اشعر یعنی اول درجہ کے شاعر ہیں ان کے بعد عبدالقیس پھر ثقیف ہیں۔ اور اس پر بھی اجماع کیا ہے کہ اشعر اہل مدینہ' حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت ہیں ان کی عمر اور ان والد ثابت' ان کے دادا منذر' ان کے جداعلی حرام کی عمریں ہر ایک کی ایک سو بیس ۱۲۰ سال کی ہوئیں۔ ابونعیم فرماتے ہیں کہ عرب میں ان کے سوا کوئی کسی اور کا سلسلہء نسب ایسا علم میں نہیں ہے جن کے اجداد کی چار پشتیں مسلسل ایک عمر کی گزری ہوں ان کے بیٹے عبدالرحمٰن بن حسان بن ثابت جب اس کو بیان کرتے تو خود کو سیدھا ڈال کر پاؤں پھیلا دیتے اور خوب ہنستے اور اپنے مرنے سے بے فکر ہو جاتے اور گمان کرتے کہ میں بھی اتنی ہی عمر پاؤں گا لیکن یہ اڑتالیس سال ہی میں فوت ہو گئے۔ اصمعی سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت مخول شعراُ سے ہیں اور ابوحاتم نے کہا کہ ان سے ہلکے پھلکے اشعار مروی ہیں اس پر اصمعی نے کہا ان کی طرف ان چیزوں کی نسبت کی جاتی ہے جو ان سے صحیح نہیں ہے اور ابوحاتم۔ ابوعبیدہ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو شعراخیر پر فضیلت دی جاتی ہے وہ جاہلیت میں انصار کے شاعر تھے اور نبوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر تھے اور اسلام میں ان کی تمام شاعری برکت والی تھی۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ان کی جاہلیت کے اشعار' اسلام کے شعروں سے زیادہ اجود وعمدہ تھے۔ اس لیے کہ اسلام کذب سے باز رکھتا اور اس سے منع کرتا ہے۔ اور شعروں کو کذاب اور توصیف میں مبالغہ ہی زینت دیتا ہے۔ اور ایسی تزئین ناحق ہے یہ سب کذب ہے۔

حضرت حسان ۶۰ ساٹھ سال جاہلیت ہیں اور ۶۰ ساٹھ سال اسلام میں زندہ رہے انہوں نے نابغہ رضی اللہ عنہ اور ورعشی کو پایا اور ان کے آگے اپنے اشعار پڑھے اور ان دونوں نے ان کو مسلم رکھا اور کہا تم شاعر ہو۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے مشرکین قریش کی مذمت کی اور ان لوگوں کی ہجو کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع میں گستاخی کرتے تھے جیسے عبداللہ بن زبعری اور ابوسفیان رضی

اللہ عنہ بن الحارث بن عبدالمطلب ابن عم رسول اللہ۔ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہم اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ کسی مسلمان نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے عرض کیا کہ آپ ہم مسلمانوں کی جانب سے ان لوگوں کی مذمت کیجئے جو مسلمانوں کی ہجو کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت مرحمت فرمادیں تو میں ایسا کروں جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی فرمایا علی رضی اللہ عنہ اس کام کے لائق نہیں ہیں جیسا کہ وہ چاہتے ہیں۔ اور نہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس بات کو چاہیں گے جو تم ان سے چاہتے ہو۔ اس کے بعد فرمایا کون ہے جو مسلمانوں کی مدافعت کرے جس نے اپنے ہتھیاروں سے خدا کے رسول کی مدد کی ہے کہ وہ اس میدان میں اپنی زبانوں سے مدد کرے؟ اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! میں اس کام کیلئے حاضر ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کس طرح ان کی ہجو اور مذمت کرو گے جبکہ تمہارا نسب ان میں ہے۔ میرا نسب بھی ان کے ساتھ ہے اور ان کا نسب مجھ میں داخل ہے اور تم ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی کیسے ہجو اور مذمت کرو گے درانحالیکہ وہ میرے چچا کے بیٹے ہیں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کو ان میں سے ایسا نکال لوں گا جس طرح آٹے میں سے بال نکال لیا جاتا ہے اس کے بعد حضور اکرم نے فرمایا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے رجوع کرو کیونکہ وہ علم نسب میں تم سے زیادہ عالم ہیں۔ اس کے بعد وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے یہاں تک کہ ان کو ان کے نسبوں سے باخبر کیا۔ تو انہوں نے کہنا شروع کیا کہ فلاں سے اپنے کو باز رکھ اور فلاں فلاں کو یاد کر۔ اس کے بعد مشرکوں کی ہجو اور مذمت شروع کردی جب قریش نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ عنہ کے شعر سنے تو انہوں نے پہچان لیا کہ یہ شعر ان کی طرف سے نہیں ہیں بلکہ ابن ابی قحافہ کی طرف سے ہیں حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان بن الحارث کی مذمت کی ہے جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ان کے شعر سنے تو کہا یہ ایسا کلام ہے جس سے ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ غائب نہیں ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کیلئے مسجد نبوی شریف میں منبر رکھواتے تا کہ اس پر کھڑے ہو کر حضور اکرم کی مدحت بیان کریں اور آپ کے دشمنوں کی ہجو اور مذمت کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ حَسَّانًا بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَادَامَ یُنَافِحُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ

بیشک اللہ تعالیٰ حسان کی روح القدس سے تائید کرتا ہے جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دشمنوں کی ہجو کرتے ہیں۔ ایک روایت ''یفاخر'' یعنی حضور کا فخر بیان کرتے ہیں آیا ہے حضور اکرم فرماتے ہیں کہ حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کا قول مشرکوں پر تیر کے آنے اور اس کے چبھنے سے زیادہ سخت تر ہے اور فرمایا کہ حق تبارک وتعالیٰ جسے زبان عطا فرمائے اور گویائی کی طاقت اور قدرت بخشے اسے چاہیے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی ہجو مذمت میں کوتاہی نہ کرے اس لیے کہ سب سے بہترین عمل یہی ہے اہل سیر فرماتے ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا کام یہی تھا وہ مشرکوں کی وقائع وایام اور مآثر میں معارضہ کرتے اور ان کی مذمت کرتے تھے۔ اور ان کی قباحتوں اور انکی برائیوں کو بیان کر کے انہیں یاددلاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا گزر حضرت حسان پر ہوا وہ اس وقت مسجد نبوی شریف میں کچھ اشعار پڑھ رہے تھے۔ اس پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ جانب گھور کر دیکھا اور فرمایا مسجد میں شعر خوانی کرتے ہو؟ اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں نے مسجد میں اس ذات مقدس کے حضور شعر پڑھے ہیں جو تم سے بہتر وافضل تھے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق خاموش ہو گئے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے منتخب اشعار وہ ہیں جو انہوں نے فی البدیہہ حضور اکرم کے سامنے اس وقت پڑھے جبکہ نبی تمیم کا وفد آیا ہوا تھا جیسا کہ گزرا۔ اس وقت حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے قصیدہ مرتب کیا اور ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس بن شماس نے

خطبہ دیا اور بنی تمیم نے اپنے عجز وناوانی کا اقرار واعتراف کیا اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہمارے شاعر خطیب سے بہتر ہیں۔منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسان رضی اللہ عنہ مسلمانوں اور منافقوں کے درمیان علامت ونشانی ہیں منافق ان کو دوست نہیں رکھتا اور مسلمان ان سے دشمنی وعداوت نہیں رکھتا۔اور فرمایا کہ حسان رضی اللہ عنہ کو برا نہ کہو' کیونکہ وہ خدا اور اس کے رسول کی طرف سے دشمنوں کے ساتھ مناقحت ومخاصحت اور معارضت کرتا ہے۔اور ان کی طرف ایسی نسبت کرتے ہیں کہ وہ کسی غزوے میں حاضر نہ ہوئے۔اہل تشیع اس باب میں ایسی خبریں بیان کرتے ہیں جو کریہہ وناگوار ہیں۔ان کا ذکر کرنا اور انہیں بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔

ابن کلبی نے کہا ہے کہ وہ سخن گو اور شجاع تھے۔ان کو ایک بیماری لاحق ہوئی جس سے ان میں جبن پیدا ہو گیا۔اور یہ اس وقت سے ہوا تھا جبکہ صفوان بن المعطل نے تلوار ماری تھی۔بعض اہل علم ان کی طرف جبن کی نسبت کرنے کے منکر ہیں۔اور ان خبروں کا بھی انکار کرتے ہیں جو ان کی برائی میں ہیں اور وہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر ان میں جبن ہوتا تو اعداء دین اس سے ان کی ہجو اور مذمت کرتے۔اس لیے کہ انہوں نے بہت سے قوموں کی ہجو اور مذمت کی ہے۔لہٰذا اگر وہ بزدلوں میں ہوتے تو وہ قوم میں ضرور ان کی مذمت کرتیں۔البتہ ان کی خطاؤں میں سے (اللہ تعالیٰ انہیں معاف کرے) سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اہل افک میں شامل ہونا ہے خدا جانتا ہے کہ وہ کیسے اس گرداب میں پڑے۔لیکن اگر کوئی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کو برا کہتا تو وہ فرماتیں حسان رضی اللہ عنہ کو گالی نہ دو۔کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مناقحت مفاخرت کرتے تھے۔ابن العز یہ فرماتی ہیں کہ میں امید رکھتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت اور اپنی زبان سے ان کے دشمنوں سے منازعت کی بنا پر جنت میں داخل کردے گا فریعہ بنت خالد حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو والدہ ہیں وہ بھی خزرجیہ ہیں۔انہوں نے اسلام کو پایا اور وہی حضرت حسان (رضی اللہ عنہ) کو بارگاہِ مصطفیٰ میں لے کر آئیں اور بیعت کی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنی توبہ کرنے کے بعد اور اس فعل شنیع پر حد قذف جاری ہونے کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی منقبت پڑھا کرتے تھے۔آخر عمر میں وہ نابینا ہو گئے تھے اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے زمانہ میں ۴۰ھ میں وفات پائی ایک قول پچاس ۵۰ اور ایک قول ۵۴ کا ہے ان کی عمر ایک سو بیس ۱۲۰ سال کی ہوئی (رضی اللہ عنہ)

کعب بن مالک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے شاعر حضرت کعب بن مالک ہیں۔ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن یا ابوعبداللہ ہے۔یہ انصاری' خزرجی سلمی' مدنی صحابی' عقبی ہیں عقبہ ثانیہ میں حاضر ہوئے اور یہ ان ستر اصحاب میں سے ایک ہیں جو عقبہ ثالثہ میں حاضر ہوئے تھے۔غزوۂ بدر میں ان کے حاضر ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے اور یہ تمام غزوات میں حاضر ہوئے ہیں بجز غزوۂ تبوک کے بعض کہتے ہیں نہ بدر میں بھی حاضر ہوئے (واللہ اعلم) غزوۂ احد میں گیارہ زخموں سے مجروح ہوئے اور یہ ان تین اصحاب میں سے ایک ہیں جنہوں نے غزوہ تبوک سے تخلف کیا تھا اس کے بعد توبہ کی اور رحمت الٰہی کے خواستگار ہوئے تو حق تعالیٰ نے رحم فرمایا اور ان کی توبہ مقبول ہوئی۔سال نہم کے واقعات میں غزوہ تبوک کے ضمن میں گزر چکا ہے یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعروں میں سے تھے اور یہ عمدہ شاعر اور مطیع تھے جاہلیت میں ان پر شعر گوئی غالب آ گئی تھی اور وہ اس میں مشہور ہو گئے تھے اور ان کا کام یہ تھا کہ وہ کافروں کو جنگ سے ڈراتے تھے جس طرح حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت ان کی ہجو کرتے اور ان کی قباحتیں اور برائیاں بیان کرتے تھے (جیسا کہ گزرا) انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹوں عبداللہ عبدالرحمٰن' محمد' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت جابر بن عبداللہ اور ابوجعفر محمد باقر اور بہت سوں نے روایت کی ہے۔۵۰ھ یا ۵۳ھ میں فوت ہوئے

ان کی عمر ستتر (۷۷) سال کی ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے شاعر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہیں یہ انصاری خزرجی سابقین اولین اور نقباء انصار میں سے تھے عقبہ ثالثہ غزوۂ موتہ میں شہید ہو گئے تھے یہ بھی حاضر ہوئے بجز فتح مکہ اور مابعد کے غزوات کے کیونکہ وہ غزوۂ موتہ میں شہید ہو گئے تھے یہ بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعروں میں سے ہیں ان کا کام یہ تھا کہ مشرکوں کو کفر و بت پرستی پر توبیخ و تنبیہ کرتے تھے ان کے حالات مکتوبات نبوی کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔

دیگر شعرائے اصحابہ: وصل: مذکورہ تینوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے سوا صحابہ میں اور شعراء بھی بیان کیے گئے ہیں مثلاً ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن الحارث بن عبدالمطلب' عباس رضی اللہ عنہ بن مرداس سلمی' عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم الطائی ان کے حالات اپنی اپنی جگہوں میں بیان کیے جا چکے ہیں ایک اور حمید رضی اللہ عنہ بن نور الہلالی ہیں جو عمدہ شاعر تھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور ایک قصیدہ مرتب کیا جسکا پہلا شعر یہ ہے۔

اصبح قلبی من سلیمی مقصدا   ان اخطاء منہا وان تعبدا

اور آخری مقطع یہ ہے۔

حتی اتانا ربنا بحمد   نتلوا من اللہ کتابا مرشدا

اہل سیر کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کی ہے اور ان سے زہیر بن بکاء نے روایت کی ہے اور بیان کیا ہے کہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ محمد بن سلام جمحی نے ان کو طبقہ چہارم کے مسلمان شعرا میں بیان کیا ہے اور مرزبانی نے کہا کہ وہ فصحا شعرا میں سے ایک تھے اور ان کا حال یہ تھا کہ جو کوئی ہجو کرتا وہ اس پر غالب آ جاتے تھے بلا شبہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفد کی صورت میں آئے اور حضرت امیر المؤمنین سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے۔

ایک اور ابوالطفیل رضی اللہ عنہ بن عامر واثلہ لیثی کنانی ہیں بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام عمر بن واثلہ ہے مگر اولیٰ واکثر اور مشہور تر یہی ہے کہ ان کی ولادت روز احد ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے آٹھ سال پائے پھر کوفہ میں جا کے رہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہے ان کے ساتھ تمام جنگوں میں حاضر ہوئے جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو وہ مکہ مکرمہ لوٹ گئے اور وفات تک وہیں رہے ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ ۱۰۷ یا ۱۱۰ ہجری میں فوت ہوئے اس سے ان کی مدت عمر معلوم ہو جاتی ہے بعض کہتے ہیں کہ کوفہ میں ہی مقیم رہے والاول اصح (واللہ اعلم) اور یہ آخری شخص تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ اب روئے زمین پر کوئی شخص نہیں ہے بجز میرے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔ عامر بن واثلہ عمدہ و بہترین شاعر' عالم' فاضل اور حاضر الجواب تھے انہوں نے کہا: وَمَا شَابَ رَأْسِیْ سَنَتَیْنِ مَا بُعِثَ عَلَیَّ وَلٰـکِنِّیْ شَیْئًـا ابو قانع نے استیعاب میں کہا ہے کہ وہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تشیع و تفصیل کرتے تھے اور شیخین کریمین حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر ان کو انشاء و استثنا کرتے اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پر اظہار رحم کرتے تھے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے انہوں نے ان سے کہا تمہارے دوست ابوالحسن رضی اللہ عنہ پر تمہارا حزن و ملال کا پایا جانا کس قسم کا ہے انہوں نے جواب دیا کہ میرا حزن و ملال ایسا ہے جیسا کہ ام موسیٰ رضی اللہ عنہ کا حضرت موسیٰ پر تھا اور تقصیر کی خدا کی بارگاہ میں شکایت کرتا ہوں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کیا تم ان لوگوں میں شامل تھے جو

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چڑھ کے آئے تھے۔انہوں نے کہا نہیں لیکن میں ان لوگوں میں سے تھا جو ان کے حامی ومعاون تھے پھر کہا کہ کس چیز نے تمہیں باز رکھا کہ تم ان کی مدد کرتے۔ابن عامر نے جوب دیا کہ تمہیں کس چیز نے باز رکھا کہ تم ان کی مدد کرتے جبکہ یہ حادثہ پیش آیا تھا باوجود یہ کہ تم شام کے حاکم تھے اور سب تمہارے تابع تھے۔اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں نے ان کے خون کا قصاص طلب کیا تھا انہوں نے جواب دیا ہاں میں نے دیکھا ہے لیکن تمہارا حال ایسا ہے جیسا کہ فلاں قبیلہ کے ایک شخص نے کہا ہے کہ۔

لام تفتيك بعد الموت تندى وفي حياتي مازوتني زادي

ایمن بن خزیمہ اسدی رضی اللہ عنہا: ایک اور شاعر ایمن رضی اللہ عنہ بن خزیمہ (بصیغہ تصغیر) اسدی ہیں جو بنی اسد بن خزیمہ سے تھے وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور وہ کوالا کے غلام تھے وہ اپنے والد اور اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں بدری ہیں۔ان سے شعبی نے روایت کی ہے وہ شامی باشندے تھے اور بہترین شاعر تھے۔

شعبی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا مروان کو ایمن بن خزیمہ کے پاس بھیجا کہ تم ہمارے پاس نہیں آتے اور ہمارے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوتے۔

انہوں نے کہا کہ میرے والد اور میرے چچا بدر میں شریک ہوئے ہیں اور انہوں نے مجھ سے عہد لیا ہے کہ میں کسی مسلمان اور لآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ مُحَـمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کہنے والے کو قتل نہ کروں اگر تم اپنی مدد کیلئے اس برأت نامہ مجھے دو تو میں تمہارے ساتھ ہوں اس پر مروان نے کہا مجھے تمہاری مدد کی حاجت نہیں ہے۔دار قطنی نے کہا کہ ایمن رضی اللہ عنہ بن خزیمہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ابن عبدالبر استیعاب میں فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی کوئی روایت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پائی البتہ اپنے والد اور چچا سے روایت شدہ مجھے ملی ہے اصابہ میں کہا گیا ہے کہ امام ترمذی نے ایمن رضی اللہ عنہ بن خزیمہ سے ایک حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور اسے غریب کا حکم دیا ہے اور کہا کہ مجھے ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سننا معلوم نہیں ہوا اور ابن عبدالبر اس حدیث سے مطلع نہ ہوئے اور مردو یہ نے کامل میں نقل کیا ہے کہ انہیں صحبت حاصل ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ان کا ایک شعر نقل کر کے کہا گویا انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر مرثیہ کہا ہے۔صوابی سے منقول ہے کہ ایمن رضی اللہ عنہ بن خزیمہ کو خلیل الخلفاء کہا جاتا ہے اس بنا پر کہ ان کو ہر ایک خلیفہ راشد نے ان کی فصاحت کی بنا پر اپنے قریب رکھا ہے یہ مبروص تھے اور اس پر زعفران کا خضاب لگاتے تھے۔عبدالعزیز بن مروان جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے والد تھے اور وہ مصر کے حاکم تھے اور ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور کوئی چیز برص کی بنا پر اٹھا کے دیا کرتے تھے کیونکہ وہ ان کو اپنے قریب رکھتے تھے۔

اعشیٰ بن مازن رضی اللہ عنہ: ایک اور شاعر اعشیٰ بن مازن بن عمرو بن تمیم ہیں۔بصرے کے رہنے والے شاعر تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں آئے اور ایک ایسا شعر پیش کیا جس میں عورتوں کی شکایت تھی اس میں ایک مصرعہ یہ تھا۔

و هن شر غالب لمن غالب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مصرعہ کو اس طرح بدل دیا۔

امن شر غالب لمن غلب

اہل سیر کہتے ہیں کہ ان کا نام اعشیٰ بن مازن عبداللہ ہے۔

اسود بن سریع رضی اللہ عنہ: ایک اور شاعر ابو عبداللہ اسود بن سریع ساعدی تمیمی ہیں۔بصرہ میں جا کے رہے اور وہ واعظ اور

بہترین شاعر تھے اور یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے بصرہ کی مسجد میں وعظ کہا ان سے حضرت حسن بصری نے روایت کی ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں آپ کیلئے ایک حمد لکھوں جس میں اپنے رب کی تعریف ہو؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ تمہارے رب ہی کی حمد کہی جاتی ہے گویا اس بات کی ادائیگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گزری مطلب یہ کہ تم کیا حمد کرو گے سارا جہان حق تبارک وتعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ یا ان کی تقریر و تحسین مراد ہے یعنی اچھا کیا سارا جہان اس پر حمد کرتا ہے اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا استیعاب میں ایسا ہی ہے۔ اصابہ میں مذکور ہے کہ حسن بصری نے اسود بن سریع سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار جہاد کیے ہیں اور اس باب میں ایک حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۴۲ھ میں وفات پائی حضرت حسن سے مروی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تو اسود بن سریع کشتی میں سوار ہوئے اور اپنے تمام اہل وعیال کو اس میں سوار کر کے کہیں نکل گئے اس کے بعد ان کا کوئی حال معلوم نہ ہوا۔

واضح رہنا چاہیے کہ شعرائے اسلام بہت تھے اور ان میں سے بہت سوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے خواہ ان کی رویت، ثبوت کو پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو اب میں لبید و نابغہ کے ذکر پر جو مشہور ہیں اس باب کو ختم کرتا ہوں۔

لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ: ایک شاعر لبید بن ربیعہ عامری ہے ان کی کنیت ابوعقیل ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آئے اور اپنے مذموم بنوجعفر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ کا رد کیا اور اسلام لائے اور ان کا اسلام حسن ہوا وہ فارس کے شجاع، عمدہ و بہترین شاعر اور شریف تھے۔ جاہلیت اور اسلام میں شعر کہے زمانہ جاہلیت میں بہت شعر کہتے تھے جب اسلام لائے تو شعر گوئی ترک کر دی۔ ظاہر ہے کہ بہت کم شعر کہنا مراد ہوگا اور مدح و ذم میں شعراء کے طریقہ کو چھوڑ دینا مراد ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر شریف پر فرمایا: أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ لَبِيدٌ أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهُ بَاطِلٌ لبید شاعر نے کتنی سچی بات کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے یعنی فنا ہونے والی ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا کہ یہ شعر أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهُ بَاطِلٌ عمدہ ہے اس میں اس امر کی دلالت ہے کہ یہ شعر مسلمان ہونے کے بعد کہا ہے (واللہ اعلم) لیکن اکثر اہل اخبار کا خیال یہی ہے کہ لبید نے اسلام لانے کے بعد شعر گوئی نہیں کی ہے بعض کہتے کہ انہوں نے اسلام میں شعر گوئی نہ کی مگر ایک قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

الحمد للہ اذلم یاتنی لرجل حق اکتسب من الاسلام سربالا

بعض کہتے ہیں کہ اس کے سوا بھی چند اشعار کہے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

ماعات المرأة الکریم لنفسہ والمرء یصلحہ والقرین الصالح

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لبید سے فرمایا اے ابوعقیل اپنے کچھ اشعار تو مجھے سناؤ انہوں نے کہا میں اب شعر گوئی نہیں کرتا جب سے میں نے حق تعالیٰ کا ارشاد سورۂ بقرہ اور آل عمران میں پڑھا ہے۔ قرآن کریم کی ان دونوں سورتوں کی تخصیص ان کی زیادتی فضیلت اور عظیم ثواب کی بنا پر ہوگی (واللہ اعلم) یا یہ کہ اس وقت ان کو صرف یہی دو سورتیں یاد ہوں گی۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے وظیفہ میں پانچ سو بڑھا دیئے پہلے دو ہزار تھے۔ صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہوا تو انہوں نے کہا دو ہزار کافی تھے پانچ سو کی زیادتی کس لیے ہے وہ چاہتے تھے کہ یہ پانچ سو کم کر دیں۔ لبید نے کہا میں عنقریب مرنے والا ہوں یہ دو ہزار بھی بچ رہیں گے چنانچہ لبید کچھ مدت بعد فوت ہو گئے (رضی اللہ عنہ) بعض کہتے ہیں

کہ جب لبید اسلام لائے تو اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں کوفہ میں جب ان کی طرف سے ولید بن عقبہ حاکم تھا تو جا کے رہے یہ قول اصح ہے۔ ولید رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس بیس اونٹ بھیجے اور انہوں نے ان کو اپنی طرف سے ذبح کیا۔ مبرد وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ لبید بن ربیعہ شاعر نے نذر مانی تھی کہ بادصبا چلے تو ذبح کر کے لوگوں کو کھانا دیں گے اس کے بعد وہ کوفہ میں اترے اور مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ نے جب دیکھا کہ بادصبا چلی تو انہوں نے لوگوں کو ضیافت دی وہ اس زمانہ میں کوفہ میں تھے تو ولید بن عقبہ نے یہ سنا اور وہ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کا حاکم تھا اس نے خطبہ دیا کہ لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ ابوعقیل رضی اللہ عنہ نے اپنے پر ایک نذر لازم کی ہے لہٰذا تم اپنے بھائی کی اعانت کرو خطبہ کے بعد ممبر سے اترا اور لوگوں کو ان کی طرف بھیجا تو انہوں نے اپنی نذر پوری کی۔ مبرد کے سوا لوگ بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ہزار سواری جمع ہوئی اس وقت ولید نے اس باب میں ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے۔

ارلی الجرار فتحد لتصیر بہ | هبت ریاح ابی عقیل
اعزا لوجہ ابیض عامری | طویل الباع کالسیف العقیل

ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ لبید رضی اللہ عنہ پر رحم کرے کیا بات کہی ہے۔

ذهب الذین یعاش فی اکنا فهم | و بقیت من خلف کحملة الاجزب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اسے لبید رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں کہا ہے تو کیا ہوتا اگر وہ ہمارے اس زمانہ کو دیکھتے اور عروہ کہتے ہیں یہ کیسے ہوتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہمارے زمانہ کو دیکھتیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے انہوں نے کہا مجھ سے لبید کے بارہ ہزار اشعار بیان کیے گئے ہیں۔ صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ ولید بن ربیعہ عامری اور علقمہ بن علامہ عامر مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں اور دو علقمہ بھی عمدہ ترین شاعروں مین سے ہیں۔ منقول ہے کہ جب لبید نے کہا کہ

الا کل شئی ما خلا اللہ باطل | و کل نعیم لا محالة زائل

تو ان سے عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون نے فرمایا تم جھوٹ کہتے ہو نعیم جنت زائل نہ ہوگی اس پر لبید غصہ میں آئے اور یہ شعر مزید کہا۔

سوای جنت الفردوس این نعمتها | سیفی، ان الموت لا بد فازل

لبید رضی اللہ عنہ کی عمر میں اختلاف کیا گیا ہے بعض ایک سو چالیس سال کہتے ہیں اور بعض ایک سو ستاون سال بتاتے ہیں بعض ایک سو ساٹھ سال (واللہ اعلم)

نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ: نابغہ جعدی کے نام میں اختلاف ہے بعض قیس بن عبداللہ اور بعض صاحبان بن قیس بن عبداللہ بن عمرو بن عدس بن ربیعہ بن جعدہ کہتے ہیں لیکن نابغہ نام سے وہ مشہور و معروف ہیں کیونکہ وہ عہد جاہلیت میں شعر کہا کرتے تھے۔ اس کے بعد تیس سال تک کوئی شعر نہ کہا اس کے بعد پھر شعر گوئی شروع کر دی اور ان کا نام نابغہ پڑ گیا۔ نابا بغہ نبغ سے ہے بنوغ کے معنی ظاہر ہونے کے ہیں بغیر اس کے کہ عمدہ شعر کہنے میں دراصل شاعر ہو نوابغ شعراء کی ایک جماعت ہے مثلاً نابغہ جعدی اور نابغہ زبیانی منسوب بہ ذبیان بن تغیض۔ نابغہ جعدی دراصل شاعر تھا جب عرصہ دراز تک شعر گوئی چھوڑ دی تو گویا شاعر نہ رہا جب دوبارہ شعر گوئی شروع کر دی تو تابغ یعنی ظاہر ہو گئے اور نابغہ مبالغہ کیلئے ہے قاموس میں ہے۔ نَبَغُ فَلَانٌ قَالَ الشِّعْرَا وَجَارَلَمْ یَکُنْ شَاعِرٌ یہ نابغہ شاعر محسن اور جاہلیت و اسلام میں طویل العمر ہے اس نے نابغہ ذبیانی سے بہت زیادہ عمر پائی ہے اس کی عمر ایک سو اسی سال بعض دو سو سال اور بعض دو سو تیس

سال بتاتے ہیں اور اصمعی نے دوسوبیس سال روایت کی ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک رہا یہ زمانہ جاہلیت میں دین ابراہیمی کا ذکر کیا کرتا تھا اور نماز روزہ واستغفار کرتا تھا اس نے ایسے اشعار کہے ہیں جو توحید اور اقرار بعث و جزا آخرت اور جنت و نار پر دلالت کرتے ہیں جس طرح کہ امیہ بن ابی الصلت کے اشعار ہیں اس کے بعد ایسے اشعار ہیں کہ اکثر کا خیال ہے کہ وہ اسی کے ہیں بعض کہتے ہیں امیہ بن ابی الصلت کے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَا شَرِیْكَ لَهٗ مَنْ لَّمْ یَقُلْهَا فَنَفْسِهٖ ظُلْمًا

مَنْ لَّمْ یَقُلْهَا یُصَلِّی الْجَحِیْمِ یَشْفَعُ دَهَاوَجُهٗ دَانَ رَغْمًا

ابن عبدالبر نے فرمایا کہ یونس بن حبیب، حماد الروایۃ، محمد بن سلام اور علی بن سلیمان الاخفش نے تصحیح کی ہے کہ یہ اشعار نابغہ کے ہی ہیں اور انہیں سے مروی ہے کہ کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوا اور میں نے ایک قصیدہ کہہ کر بارگاہِ رسالت میں پیش کیا اس میں وہ کہتا ہے۔

اتیت رسول اللہ اذا جاء بالهدی ویتلو کتاباً کالمخبرسرا

اس قصیدے میں ایسے اشعار ہیں جو مفاخرت سے خالی نہیں ہیں یہاں تک کہ میں نے یہ شعر پڑھا۔

بغاء السماء یحدنا وعدونا

ایک روایت میں ہے۔

علونا طریقها انا لمرجوفون ذلك مظهرا

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا این المظهر یا ابا لیلیٰ یعنی اے ابولیلیٰ وہ مظہر کہاں تک ہے ایک روایت میں ہے۔ اَبِیْ اِبْنٌ وَلَا اَمَ لَكَ اس نے کہا الی الجنۃ اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے انشاء اللہ اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

ولاخیر فی حلم اذا لم یکن له بوادو یحمٰی صفوۃ وان تکدر ولا خیر فی جهلٍ ذالم یکن حلیم اذا ما اور دلامر اصدر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک کہا تم نے اور اچھا کہا اور فرمایا: لَا یُفِیْضُ اللّٰہُ فَاكَ اس کے بعد میں نے ایک سوبیس سال دیکھا ان کے تمام دانت بہترین اور تمام لوگوں سے زیادہ سخت ترین تھے اگر کوئی دانت اکھڑ جاتا تو دوسرا دانت اس کی جگہ نمودار ہو جاتا اور ان کے تمام دانت ژالہ کی مانت روشن اور چمکدار تھے اور یہ برق کی مانند تاباں تھے یہ اس بنا پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ کو دعا دی تھی یہاں تک کہ نابغہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اپنا پورا قصیدہ پڑھ کے سنایا یہ قصیدہ بہت طویل ہے تقریباً دوسو اشعار ہیں۔ جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کی نعت وصفت پر مشتمل ہیں یہ نابغہ خلفاء راشدین کے پاس آتے رہے اور ان کے پاس مسجد حرام میں داخل ہوئے اشعار کثیرہ کہے۔ اس پر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے نابغہ تمہارے یہ اشعار وسیلہ ومددگار ہیں۔ بارگاہِ الٰہی میں اور اس کی جناب میں ذخیرہ ہیں تمہیں اس کی جزا ضرور ملے گی ایک حق تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کا ہے اور ایک حق اسلام میں شامل ہونے کا ہے اس کے بعد انہیں شتر خانہ لے گئے اور ایک ناقہ جوان اور کئی عمدہ گھوڑے اور گندم و کھجور اور کپڑوں کے انبار دیئے۔ نابغہ رضی اللہ عنہ نے کھجوروں کے کھانے میں جلدی کی۔ اس پر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے بتایا اے ابولیلیٰ افسوس ہے کہ تمہیں فاقہ کشی کی بڑی مشقت اٹھانی پڑی ہے۔ اس کے بعد نابغہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث روایت کی جو قریش کے مناقب میں ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ انبیاء کے جگر پارے میں کم لوگ جنت میں ایک درجہ میں ہوں گے۔ نابغہ رضی اللہ عنہ کے اس قصیدے کو شعراء کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے اور شیخ اجل امام علی متقی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع کبیر

میں جو کہ علامہ سیوطی کی جمع الجوامع کے تبویب پر کتاب کا نام ہے اس میں اسے بیان کیا ہے اور طرماح شاعر سے فرزوق تک منتہی ہوا ہے کہا کہ میں نے نابغہ رضی اللہ عنہ بن جعدہ شاعر سے ملاقات کی ہے میں نے ان سے کہا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں میں نے اس قصیدہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا ہے پھر میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کو دیکھا تو جلال کے آثار نمودار تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِلَی اَیْنَ یَا اَبَا لَیْلٰی میں نے عرض کیا: اِلَی الْجَنَّۃِ یارسول اللہ فرمایا: اِلَی الْجَنَّۃِ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی روئے انور پر جلال کے آثار کا ظہور ایک قسم کی مفاخرت وتکبر کی بنا پر تھا جو کہ اس قصیدے میں ہے۔

ابونعیم نے تاریخ اصفہان میں کہا ہے کہ نابغہ قیس بنعبد اللہ اصفہان کا شاعر شخص ہے اور وہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی جانب سے اصفہان کا حاکم تھا اس کی بہت سی حکایتیں اور خبریں ہیں۔

خطبائے بارگاہِ رسالت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطباء کا بھی اسی طرح ذکر کیا گیا ہے اور شعراء و مؤذنین و امراء وکتاب کی مانند مشاکلت وموافقت میں جمع کا صیغہ خطباء بولا گیا ہے لیکن سیر کی کتابوں میں جن کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایک ہی تھے اور یہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب ہونے سے مراد وہ خطیب نہیں ہیں جو جمعہ اور عیدوں میں خطبے دیتے ہیں اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود جمعہ وعیدین کے خطبے دیا کرتے تھے بلکہ یہ خطیب کسی قوم کے خطیب ہوتے تھے کیونکہ اگر کوئی قوم اپنی مفاخرت ومکابرت اور اپنے تعصب میں کھڑی ہو جائے تو یہ خطیب اسی جانب سے بھی ان کے مقابل کھڑے ہو کر ان سے معارضہ مصادقہ کرتا تھا اور یہ نصرت الٰہی غالب ومظفر رہتا تھا جس طرح کہ بنی تمیم کے جہال آئے اور انہوں نے اپنے خطباء وشعرا کو لا کے مفاخرت کے اظہار کیا تھا اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کے شاعروں سے معارضہ کرو اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے قصیدہ غراء بر سبیل ہدایت دارتجال پڑھا اور غالب آئے اس طرح حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کو حکم دیا کہ وہ ان کے خطیبوں کا جواب دیں تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے فی البدیہہ ایسا فصیح وبلیغ خطبہ دیا جو ان کے فہم وفراست سے اونچا تھا جس سے وہ لوگ خاموش ہو کے رہ گئے یہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید وتقویت اور آپ کی نصرت واعانت تھی۔ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ جو بنی تمیم کا بزرگ ترین شخص تھا کہنے لگا خدا کی قسم! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید ونصرت عالم غیب سے کی جاتی ہے اور اس اقرار میں ہمیں کوئی باک نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب ہمارے خطیبوں سے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہمارے شاعروں سے بہت برتر وافضل ہیں پھر وہ حق وانصاف کی راہ پر آ گئے اور سب مطیع و منقاد ہو گئے جیسا کہ اس کا پورا قصہ سال نہم کے واقدات کے شروع میں گزر چکا ہے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ: اب رہا حضرت ثابت بن قیس بن شماس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات کا تذکرہ تو ان کی کنیت ابو محمد یا ابو عبد الرحمٰن تھی یہ انصار کے خطیب تھے اور ان کو ''خطیب رسول اللہ'' کہا جاتا تھا جس طرح کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو شاعر رسول کہا جاتا تھا وہ احد اور بعد کے تمام غزوات میں حاضر ہوئے اور جنگ یمامہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں شہید ہوئے۔ صاحب اصابہ فرماتے ہیں کہ اہل سیر نے ان کو بدر کے اصحاب مغازی میں بیان کیا ہے اور کہتے ہیں کہ سب سے پہلا ان کا غزوۂ احد ہے اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی

بشارت اس مشہور قصہ میں دی ہے جو اس آیہ کریمہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ کے نازل ہونے کے بعد اپنے گھر میں بیٹھ جانے اور مجلس نبوی میں حاضر نہ ہونے کی بنا پر ہے چونکہ وہ جہیر الصوت تھے اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس بلایا اور بشارت دی جیسا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتوں کے باب میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے فرمایا: نِعْمَ الرَّجُلُ ثَابِتُ بْنُ قَیْسٍ ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس بہت اچھے آدمی ہیں اور ان کیلئے خاص طور سے فرمایا: یَعِیْشُ حَمِیْدًا وَیُقْتَلُ شَھِیْدًا پسندیدہ زندگی ہے اور شہادت کی موت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو بلایا انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چیز سے روکتا اور باز رکھتا ہوں جس سے خود کو اور اپنی اولاد کو منع کرتا ہوں تو اس کی جزا میرے لیے کیا ہے؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری جزا جنت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب جنگ یمامہ گرم ہوئی اور لوگ متفرق و پراگندہ ہو گئے تو میں نے ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس سے کہا میرے چچا لوگوں کو سخت دشواری کا سامنا ہے اس کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ اپنی رانوں سے اپنے تہبند کو اٹھاتے ہیں اور ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح جنگ نہیں کرتے تھے اور عادت کے مطابق اسی طرح جنگ کرتے تھے کہ اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن خداوند میں اس سے بیزار ہوں جس طرح کہ لوگ کر رہے ہیں اس کے بعد خوب جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب جنگ یمامہ کا دن ہوا تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسیلمہ کذاب کی طرف بڑھے جب دونوں لشکر مل گئے اور معرکہ کارزار نے وسعت اختیار کی اور لوگ پراگندہ و متفرق ہو گئے تو ثابت اور سالم مولائے ابوحذیفہ نے کہا یہ کیا ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح جنگ نہیں کرتے تھے اس کے بعد انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور اپنے پاؤں اس گڑھے میں خوب جما لیے اور جنگ کرنے لگے یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے اس جگہ ایک عجیب و غریب حکایت ہے جسے طبری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنگ یمامہ کے روز حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کے جسم پر ایک نفیس ذرہ تھی ایک مسلمان ان کے پاس سے گزرا اس نے اس زرہ کو اتار لیا تو مسلمانوں کے لشکر میں سے ایک شخص کے پاس خواب میں آئے اور ثابت بن قیس نے اس شخص کو خواب میں بتایا کہ میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں اور یہ خواب نیک اور اچھا ہے میری اس وصیت کو ضائع نہ کرنا تم جان لو کہ جب میں شہید ہو گیا تو فلاں شخص نے میری زرہ اتار لی ہے اس کا گھر فلاں گوشہ اور فلاں مقام میں ہے اور اس کے پاس ایسا گھوڑا ہے جو اتنی بڑی رسی کے برابر پھاند جاتا ہے جس سے کہ گھوڑا باندھا جائے اور وہ اسے چھوڑ دیتا ہے کہ جہاں چاہے چرے اور میری اس زرہ کے اوپر ایک دیگ لوٹ رکھی ہے اور اس دیگ کے اوپر ایک اور دیگ ہے اور اس نشان و علامت کا وہ آدمی ہے اور ایسی زرہ ہے جب حضرت ثابت بن قیس نے اس شخص کو خواب میں یہ سب بتا دیا تو فرمایا تم خالد رضی اللہ عنہ کے پاس جانا اور ان سے کہنا کہ وہ میری زرہ حاصل کر لیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہنا کہ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو اس قرض میں دے دیں جو مجھ پر ہے ایک روایت میں ہے کہ اس کی قیمت کو مسکین و فقراء پر تقسیم کر دینا اور فلاں فلاں میرے غلام کو آزاد کر دیں جب وہ شخص خواب سے بیدار ہوا تو وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور سارا حال بیان کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کسی کو زرہ لانے کیلئے بھیجا پھر وہ زرہ لے کر آیا اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے یہ خواب بیان کیا گیا اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق عمل کرنے کی اجازت دی

ہم نہیں جانتے کہ کسی نے مرنے کے بعد وصیت کو نافذ کیا ہو۔ بجز حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی وصیت کی۔

حداۃ بارگاہِ رسالت: اب رہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حدی پڑھنے والے صحابہ کرام تو یہ متعدد حضرات تھے جو حدی پڑھتے تھے ان کا تذکرہ سال ہفتم کے واقعات میں کیا جا چکا ہے کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی جانب تشریف لیے جا رہے تھے تو اثنائے سفر میں ایک رات حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ حضرت ابن رواحہ کے رجز یہ اشعار حدی میں پڑھ رہے تھے کہ اَللّٰهُمَّ لَوْ لَا اَنْتَ (آخر تک) یہاں تک کہ تمام صحابہ مست و جھوم اٹھے اور اونٹوں کی رفتار از حد تیز ہوگئی سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ حدی پڑھنے والا کون ہے؟ اصحاب نے عرض کیا کہ ابن الاکوع رضی اللہ عنہ ہیں فرمایا: ''رحمۃ اللہ علیہ'' ایک روایت میں ہے غَفَرَ لَكَ رَبُّكَ جب عامر حدی پڑھنے سے خاموش ہوگئے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ سے فرمایا کیا تم ہمارے لیے حدی نہ کہو گے؟ اس کے بعد انہوں نے بھی حدی کہی ان کو بھی جنت کی دعا دی۔

انجشہ رضی اللہ عنہ ایک حبشی غلام تھے جو انتہائی خوش آواز تھے انکا تذکرہ ''موالی نبوت'' کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ بن مالک جوان کے بھائی تھے مردوں کیلئے حدی کہتے تھے اور انجشہ رضی اللہ عنہ عورتوں کیلئے حدی کہتے تھے اور حضور فرماتے اے انجشہ رضی اللہ عنہ اونٹوں کو آہستہ چلا تا کہ آبگینوں کو ٹھیس نہ لگے۔ آبگینہ سے مراد عورتیں تھیں چونکہ وہ کمزور ہوتی ہیں اور اونٹوں کے تیز دوڑنے سے انہیں تکلیف ہوتی ہے بعض کہتے ہیں کہ مقصود رفع خاطر ہے جو تمنا کے سننے سے لاحق ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ (واللہ اعلم)

باب یازدہم

دربیان اسلحہ وآلات حزب سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم

شمشیریں

حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس تلواریں بیان کی گئی ہیں اور یہ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ دس تلواریں ایک ہی وقت میں جمع تھیں یا متعدد اوقات میں حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں رہی ہیں اور جن کی تعداد مدت العمر میں دس تک پہنچی ہیں۔

ان تلواروں میں سے ایک تلوار کا نام ذوالفقار ہے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ تلوار روز بدر آپ کے دست مبارک میں آئی اور تمام غزوات میں کام دیتی رہی بعدازاں اس کو امیرالمؤمنین سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کو عطا فرمادی اس سے دوسرا مطلب ظاہر ہوتا ہے یہی حال دیگر ہتھیاروں گھوڑوں اور مویشیوں کا ہے۔ (واللہ اعلم)

دوسری تلوار کا نام ماثور تھا (بمثلثہ مضمومہ) قاموس میں ہے **الاثـر وا یدسیف ویکسر کالایثر و سیف ماثور فی حسنه ایلك اثر** ہے صراح میں ہے او **ثـار بـفـتـح گـوهـر شـمـشـیـر والاثـور الـنـسـیـف الـذی یـقـال انـه من عمل الجن و قال الاصـمـحی و لیس من الاثر الذی هو الفرید کذافیالصحاح**۔

صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ یہ پہلی تلوار ہے جو حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں آئی اور یہی وہ تلوار ہے جس کے بارے میں اہل سیر کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تیسری تلوار کا نام عضب بفتح عین مہملہ وسکون ضاد معجمہ ہے اس تلوار کو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ہدیہ کے طور پر حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا تھا جس وقت کہ حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی جانب سفر فرما رہے تھے۔ قاموس میں ہے العضب القطع والضرب والطعن والسیف صراح میں ہے۔ ''عضب بریدن وشمشیر براں۔''

چوتھی تلوار کا نام مخذم بکسر میم وسکون خا معجمہ وفتح ذال معجمہ ہے قاموس میں ہے۔ **خـذمـه یخذمه قطعه و سیف خذم ککتف وکصور و معظم قاطع** صراح میں ہے۔ **خذم بریدن و تخذیم پاره پاره کردن مخذم بالکسر تیغ بران**۔

پانچویں تلوار کا نام رسوب بفتح راء وضم سین ہے۔ رسوب پانی میں تہ نشیں چیز کو کہتے ہیں اور فتح سے تلوار کو کیونکہ ذریبہ میں غائب ہو جاتی ہے۔ ذریبہ تہ نشیں چیز کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ رسوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا نام ہے یا ان سات تلواروں کے نام ہیں جو بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے بھیجی تھیں اور حارث بن ابی شمر کی تلوار اور خیل ثابت کے گھوڑے کا نام تھا اور اس تلوار کو حضرت علی رضی اللہ عنہ فلس سے (بضم فا وسکون لام) جو بنی طے کا بت خانہ ہے ہجرت کے نویں سال لائے تھے جیسا کہ پہلے گزرا بعض کہتے ہیں کہ زید الخیل طائی نے حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھیجی تھی۔

چھٹی تلوار کا نام قلعی بضم قاف وفتح لام جو کہ قلع سے ہے اور یہ صحرا میں ایک موضع ہے وہاں سے پہنچی تھی (کذافی المواہب) صراح میں ہے قلعہ صحر میں ایک جگہ کا نام ہے اور ''سیف قلعی'' اسی کی طرف منسوب ہے۔

ساتویں تلوار کا نام قضب بفتح قاف وکسر ضاد وسکون یا ہے۔ روضۃ الاحباب میں ہے یہ پہلی شمشیر ہے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمر مبارک پہ باندھی تھی۔ قضبہ قطعہ کا قبضہ قضب فلانا ضربہ بالقضیب جو درخت دراز ہو اور اس کی شاخیں پھیل جائیں اور ان شاخوں کو تیر وکمان کیلئے کاٹا جائے کذا فی القاموس جراح میں ہے سیف قاضب تیغ براں ہے۔

آٹھویں تلوار ذوالفقار ہے یہ تلوار منبہ بن الحجاج سہمی کی تھی اور بدر کے دن اس کا بیٹا عاص بن منبہ لیے ہوئے تھا اس تلوار کے درمیان میں فقار ظہر مہرہائے پشت تھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس تلوار کو کبھی اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے یہ ہر جنگ میں ساتھ رہتی تھی اور قبیعہ، کلّغ وداہہ، نعل مکراب اور اس کا تمام ساز چاندی کا تھا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عاص بن منبہ کو قتل کیا تو تلوار کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے لیے پسند فرمایا بعد از اں غزوۂ احزاب میں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دی یہی وہ تلوار ہے کہ اس کی شان اور اس کے صاحب کی شان میں کہا گیا لَا فَتٰـی اِلَّا عَلِـیٌ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْـفِـقَارِ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں کہا ہے کہ یہ وہ تلوار نہیں ہے جو مواہب میں مذکور ہے۔ روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ یہ تلوار اور ہے جو ان کو ان کے والد سے میراث میں ملی تھی اور فرماتے ہیں کہ اس فقیر کا گمان یہ ہے کہ وہ تلوار قضب ہے بعض اہل سیر خیال کرتے ہیں کہ قضب اور ذوالفقار دونوں ایک ہی ہیں۔ (انتہی)

زرہ شریف: لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ شریف ایک تو سعد یہ بضم سین وسکون عین اور سعد یہ بفتح سین اور صعد یہ بضم صاد بھی کہتے ہیں اور دوسری فضہ نام کی ہے یہ دونوں زرہیں قینقاع کے یہودیوں کے اسلحہ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تھیں۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ سعد یہ زرہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زرہ تھی جسے انہوں نے جالوت کو قتل کرتے وقت پہنا تھا ایک زرہ ذات الفضول تھی (فا اور ضاد کے ساتھ) یہ نام اس کی درازی اور کشادگی کی بنا پر تھا۔ اسے حضرت سعد بن عبادہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ رونق افروزی کے وقت بطور ہدیہ پیش کی تھی اس زرہ میں چار کڑے چاندی کے تھے دو سینہ کی جانب اور دو کندھے کی طرف۔ یہ وہ زرہ ہے جو ابوشحم یہودی کے پاس تیس صاع جو میں گروی رکھی تھی جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو اس وقت بھی یہ زرہ گروی تھی روز احد اس کو اور فضہ کو اس کے اوپر پہنا تھا اور روز حنین وخیبر میں بھی سعد یہ اور ذات الفضول دونوں کو پہنا تھا۔ ایک زرہ ''ذات الحواشی وترا'' نام کی تھی اس لیے اس کا یہ نام تھا کہ وہ منفرد تھی ایک زرہ حریف نام کی تھی اس کی وجہ تسمیہ معلوم نہ ہوئی۔ منقول ہے کہ زرہ ذات الفضول کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تبرک وتیمن کے طور پر محفوظ کر رکھا تھا جسے جنگوں میں پہنتے تھے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ جنگ جمل میں یہ اس زرہ کو پہنے ہوئے تھے بعض اہل سیر کا خیال ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی وہ زرہ جسے جالوت کے قتل کے وقت انہوں نے پہنا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی اسے ''روحا'' کہتے تھے جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے مواہب میں زرہ سعد یہ قینقاعی کو زرہ داؤدی کہا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

مغفر شریف: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مغفر تھے ایک کو موشح دوسرے کو ذوالبوع کہتے تھے۔ مغفر بروزن منبر اور مغفرۃ و غفارت بروزن کتابت بنی ہوئی زرہ کو کہتے ہیں جو ٹوپی کے نیچے پہنی جاتی ہے یا وہ چادر ہے جس سے مسلح اپنے کو ڈھانپتا ہے۔

بعض اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خود بھی تھا جسے اہل عرب بیضہ کہتے ہیں۔ روز احد سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک پہ رکھا ہوا تھا اور اس کی کیل رخسار مبارک میں گھس گئی تھی جس سے سر مبارک اور چہرہ لہولہان ہو گیا تھا۔ اہل سیر مغفر اور بیضہ کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ مغفر طاقیہ کی مانند ہوتا ہے اکثر بینی پر ڈھلک آتا ہے۔ بیضہ میں لمبائی ہوتی ہے اور اوپر کی جانب ابھار ہوتا ہے جس طرح کہ مرغ کا آدھا انڈا ہوتا ہے اور اس میں زنجیریں ہوتی ہیں جو گردن و چہرے اور بعض کندھے

اور سینہ کو چھپاتی ہیں۔

ڈھال مبارک: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین سپر تھیں ایک کو ازلق کہتے تھے جو زلق سے بنا ہے بمعنی تصریدن و جنبیدن اور دوسرے کو فتق بمعنی کشادن و شگافتن اور تیسرے کو دوفر بمعنی نام کردن و بسیار کردن کہتے تھے مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ورڈھال بھی تھی جس میں کبش یا عقاب کی تصویر تھی یہ تحفہ کے طور پر بھیجی گئی تھی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصویر کو مکروہ جانا اور اس پر اپنا دست مبارک رکھا تو اس کی تصویر معدوم ہو گئی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک روز صبح کو اٹھے تو حق تعالیٰ نے اس ڈھال سے تصویر کو مٹا دیا تھا صاحب روضۃ الاحباب فرماتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ یہ ڈھال ان تینوں میں سے ایک تھی جن کے نام بیان کیے گئے یا کوئی اور تھی دونوں وجہوں کا احتمال ہے۔ (واللہ اعلم)

نیزے: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار نیزے تھے تین تو بنی قینقاع کے یہودیوں کے اسلحہ میں سے پسند فرمائے تھے ایک اور تھا جس کا نام مثوی' ثوی سے ماخوذ بمعنی اقامت تھا اور اسے مثنی' ثنی سے ماخوذ بمعنی دوتا ہونا بھی کہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں نام دو نیزوں کے تھے اور دیگر دونوں کے نام نہیں رکھے گئے تھے۔

حربہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی حربہ تھے ایک کو نبعہ کہتے ہیں دوسرے کو بیضہ تیسرے کو عنزہ (بعین ونون وزائے مفتوحات) صراح میں ہے کہ حربہ چوب دستی کو کہتے ہیں بعضوں نے چھوٹے تیر سے تفسیر کی ہے اس کی جمع حراب ہے۔ حدیث میں ہے وَالْحَبَشَةُ كَانُوْا يَلْعَبُوْنَ بِالْحِرَابِ تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حربہ تھا جسے نبعہ کہتے ہیں۔ نبع ایک درخت ہے جس سے کمان بنائی جاتی ہے اور اس کی ٹہنیوں سے تیر بنائے جاتے ہیں۔ نبع اس کی لکڑی ہے اور نبعہ اس کا حصہ۔ دوسرا حربہ جسے بیضہ کہتے تھے ظاہر ہے کہ وہ سفید لکڑی کا تھا۔ تیسرا حربہ جسے عنزۃ القر کہتے تھے جو تیر جیسا ہوتا تھا اسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام ہمراہ رکھتے تھے تاکہ اس سے سترہ بنائیں یا استنجے کیلئے ڈھیلے کھودیں۔ عید کے دنوں میں انہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے گاڑتے تھے۔

کمان: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمانیں چھ تھیں جو بنی قینقاع کے اسلحہ سے ملی تھیں ایک کو روحا اور دوسرے کو بیضا اور دو کمانیں درخت شوط کی تھیں اور ایک نبع درخت کی جسے صفرا' کتوم اور پنجکشت کہتے تھے۔ اسے ابوقتادہ نے لیا تھا اسے متصلہ کہتے تھے ان کی کمر چمڑے کی تھی جس میں تین چاندی کے حلقے تھے۔

خیمہ مبارک: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خیمہ تھا جسے کن (بکسر کاف وتشدید نون) کہتے تھے۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کن ایک قوم کا نام تھا کن اور کیان کے اصل معنی پوشش کے ہیں اس کی جمع اکنان ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ قرآن کریم میں لوگوں پر منت رکھ کر فرماتا ہے۔ وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا بھی کن کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً کنا نہ تیرروں کو کہتے ہیں اور کانون آتشدان کو کہتے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے دبیز ہوتے تھے اور چمڑے کے بھی تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس خیمہ میں تشریف فرما تھے وہ چھوٹا تھا پھر صحابی آئے اور ان کو خیمہ کے اندر طلب فرمایا۔ اس صحابی نے بطریق مزاح ومطائبہ کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اپنے پورے وجود کے ساتھ آ جاؤں؟ مطلب یہ کہ یہ خیمہ اتنا تنگ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی ناکافی ہے میں کس طرح مزید اس میں سما سکتا ہوں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خوش طبعی میں فرمایا ہاں اپنے پورے جسم کے ساتھ آ جاؤ۔

علم مبارک: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی جھنڈے اور علم تھے ایک علم سیاہ تھا جس کا عقاب نام تھا دوسرا علم سفید تھا اور کبھی اپنی ازواجِ مطہرات کی چادروں کا علم مرتب فرماتے۔

مویشی: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشی یعنی گھوڑے، اونٹ، خچر، دراز گوش اور بکریاں بہت کثرت سے تھیں اور یہ ثابت نہ ہوا کہ گائے بھینس میں کچھ رکھتے تھے یا نہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس گھوڑے بتائے گئے ہیں ان کے نام بھی لکھے ہوئے ہیں۔ اول سکب وسکیب دراصل اس کے معنی پانی بہانے کے ہیں۔ **سکب الماء سکباصبہ فانصب ماء ساکب و مسکوب** بولتے ہیں اور ساکب نسبت لفظی ہے مثل تامر اور لابن کے اور ''ماء سکب'' بھی بولتے ہیں بہ ہر طریق وصف مصدر، مبالغہ کیلئے ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کے نام سکب بھی اسی بنا پر تھا کہ وہ اپنی رفتار میں پانی کے بہاؤ کی مانند رواں دواں تھا سکب ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جو رفتار میں عمدہ تیز اور سریع السیر ہو اور پانی کی مانند رواں ہو۔ قاموس میں ہے سکب اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو تیز رفتار دور ثابت قدم ہو اور یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کا نام ہے اور یہ پہلا گھوڑ ہے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں آیا اور اسے دس اوقیہ میں خرید فرمایا تھا اس پر جہاد فرماتے تھے اور اس گھوڑے کا نام اس کے پہلے مالک کے پاس ضرس تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام بدل کر سکب رکھا اسی گھوڑے پر دوڑ فرماتے اور آگے رہتے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت خوش و مسرور ہوتے تھے۔

یہ گھوڑے کمیت اغر محجل طلق الیمنی تھا۔ کمیت ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جس کا رنگ سیاہی و سرخی کے مابین ہو اور ان دونوں میں سے کوئی خالص رنگ نہ ہو اور اغر اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی پیشانی پر ایک درم سے زیادہ سفیدی ہو۔ غرہ بضم غین اس سفیدی کو کہتے ہیں فرس اغر اور رجل اغر بھی بمعنی شریف بولتے ہیں۔ کذا فی الصراح اور قاموس میں مطلقاً سفیدی کو کہا گیا ہے۔ محجل وہ گھوڑا ہے جس کے چاروں ہاتھ پاؤں سفید ہوں۔ محجل ہاتھ پاؤں کی سفیدی کو کہتے ہیں اور طلق الیمین بضم طا و لام اور مطلق الیمنی میں بولا جاتا ہے یہ وہ گھوڑا ہے جس کے دونوں پاؤں اور ایک ہاتھ سفید ہوں اور ایک ہاتھ میں سفیدی نہ ہو۔ صراح میں کہا گیا ہے کہ ایک ہاتھ یا دونوں ہاتھوں میں سفیدی نہ ہو۔ ابن الاثیر نے کہا کہ وہ گھوڑا جس کا نام سکیب تھا وہ ادہم تھا یعنی سیاہ رنگ کا گھوڑا تھا جس طرح کہا جاتا ہے کہ فرس ادہم، بغیر ادہم اور ناقہ دہمائی۔ حدیث مبارک میں آیا ہے کہ **خیر الخیل ادھم** برکت والا گھوڑا سیاہ ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ **علیکم بکل کمیت اغر و محجل اذا شفر اغر محجل اشفر و کمیت** کے درمیان فرق یہ بتاتے ہیں کمیت میں پال اور دم سیاہ ہوتی ہے اور اشقر میں سرخ۔ صراح کہا گیا ہے کہ شقرہ سرخ و سفیدی کو کہتے ہیں و اشقر اسی کی لغت ہے اور یہ وہ گھوڑا ہے جس کے ایال اور دم سرخ ہوں اور جس کے ایال اور دم سیاہ ہو اور باقی سارا جسم سرخ ہو اسے کمیت کہتے ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا گھوڑا مزتجز (بضم میم وسکون زا و فتح تا و کسر جیم و را اور آخر) تھا۔ مزتجز، زجر سے ماخوذ ہے جو کہ ایک قسم کا وزن شعری ہے اور اس کا وزن تین بار مستفعلن ہے۔ خلیل جو فن شعر کا استاد اور اس کا موجد ہے اس کو شعر نہیں جانتا بلکہ نصب بیت یا ثلث بیت قرار دیتا ہے اور وہ جو بعض حدیثوں میں ایسے اشعار آئے ہیں اسی قبیل سے ہیں۔ اس گھوڑے کا یہ نام رکھنا اس وجہ سے تھا کہ اس کی ہنہناہٹ اچھی تھی یہ وہ گھوڑا ہے جسے ایک اعرابی سواد بن الحارث بن ظالم سے خریدا تھا اور یہ بنی مرہ یا بنی تمیم سے تھا۔ وہ اعرابی فروخت کرنے کے بعد منکر ہو گیا تھا اور حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے گواہی دی تھی اور ان کی شہادت کو بمنزلہ دو شہادت کے قرار دیا گیا تھا اور ان کا ذوالشہادتین نام ہو گیا تھا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا گھوڑا لزاز ہے جسے مقوقس شاہ اسکندریہ نے ہدیہ میں بھیجا تھا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے کو بہت پسند فرماتے تھے اور اکثر اسی پر سفر کرتے تھے۔ قاموس میں ہے کہ لزاز بمعنی شدت والصاق اور الزام کے ہے اور مزاز بروزن کتاب ہے یہ اس گھوڑے کا نام ہے جسے مقوقس نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہدیہ میں بھیجا تھا۔ لزیز

کے معنی پر گوشت کے ہیں۔

مواہب میں ہے کہ اس گھوڑے کا نام بوجہ اپنی شدت تلزز اور اجتماع خلقت کے موسوم ہوا ہے۔ ''ولز بالشئی اے فرق بہ'' گویا یہ اپنے مطلوب کے ساتھ مل گیا۔ یہ نام اس کی رفتار کی تیزی کی بنا پر ہے۔

روضۃ الاحباب کے حاشیہ میں مرقوم ہے کہ لزاز کے معنی سیدھا باندھنے کے ہیں۔ رَجُلٌ اللَّزَّازُ شَدِيْدُ الْخُصُوْمَةِ سخت دشمن شخص کو مرد الز کہتے ہیں اور اس گھوڑے کو لزاز اس بنا پر کہتے ہیں کہ وہ گھوڑا محکم اور تیز رفتار تھا (انتہی) جتنا کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا لزاز نام رکھنا از قبیل وصف مصدر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چوتھا گھوڑا الحیف (لجاء مہملہ) تھا اسے ربیعہ بن ابی البراء نے ہدیہ کیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اونٹ اس کے عوض عطا فرمائے تھے۔ لحف کے معنی لحاف میں چھپ جانا اور التحاف کے معنی جسم پر کپڑا لپیٹنا اور لحاف (بکسر) وہ چیز ہے جو لپیٹی جائے اس گھوڑے کا لحیف نام رکھنا اس کے مٹاپے اور اس کے بڑے ہونے کی وجہ سے ہے۔ گویا وہ زمین کو لپیٹ لیتا تھا اور اس کی دم اس کی لمبائی کی وجہ سے زمین پر بچھ جاتی تھی۔ فعیل بمعنی فاعل کے ہے۔ يُقَالُ الْحَفَ الرَّجُلَ بِاللِّحَافِ اے طَرَحَهٗ عَلَيْهِ۔

بعض نسخوں میں لحیف بضم لام وفتح حاء ہے مگر صحیح اور راجح بفتح لام اور کسر حاء ہے۔ کذا فی حاشیۃ روضۃ الاحباب اور یہ لفظ جیم اور خاء کے ساتھ بھی مروی ہے۔ صاحب نہایہ کہتے ہیں کہ اسے بخاری نے روایت کیا ہے مگر ہم نے اس کی تحقیق نہیں کی ہے۔ مشہور و معروف حاء کے ساتھ ہی ہے جیسا کہ مواہب میں ہے۔ قاموس میں اسے حاء مہملہ اور خاء معجمہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور دونوں جگہ کہا ہے کہ امیر و زبیر کے وزن پر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پانچواں گھوڑا ورد بمعنی گلاب ہے اور یہ اسی گھوڑے کو کہتے ہیں جو کمیت اور اشقر کے درمیان ہو چونکہ اونٹ کا بھی یہ رنگ ہوتا ہے اس لیے اس پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اس گھوڑے کو تمیم داری ہدیہ کے طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تھے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھوڑے کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیا اور انہوں نے ایک غازی کو راہ خدا میں اس پر سوار ہو کر جہاد کرنے کیلئے دے دیا۔ اس شخص نے اس گھوڑے کو انتہائی لاغر و نحیف کر دیا اور وہ اسے فروخت کرنے لگا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اس گھوڑے کو اس سے خرید لیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز خدا کی راہ میں صدقہ کر دی دوبارہ اسے لوٹانا نہیں چاہیے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چھٹا گھوڑا ضریس بضاد معجمہ ہے۔ ضریس اس کنویں کو کہتے ہیں جسے پتھر کے ساتھ چوڑا کیا گیا ہو۔ اس گھوڑے کو ضریس اس کی مضبوطی کی بنا پر کہتے ہیں جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے قاموس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرس اس پتھر کو کہتے ہیں جس سے کنویں کی چوڑائی کی گئی ہو یہ اس گھوڑے کا نام ہے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فراری سے خرید فرمایا تھا اور اس کا نام بدل کر سکب رکھا تھا۔ مخفی نہ رہے کہ اگر یہ بات ایسی ہے تو اس کا ذکر سکب کے ساتھ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتواں گھوڑا ظرب بفتح ظاء معجمہ و کہ راء ہے۔ اسے فردہ بن عمرو رضی اللہ عنہ حذامی نے ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا۔ قاموس میں ہے ظرب ککتف الخیل المنبط اور الصغیر وفرس النبی صلی اللہ علیہ وسلم روضۃ الاحباب کے حاشیہ میں لکھا ہے ظَرِبَتْ حَوَافِرُ الدَّابَّةِ اَمے اِشْتَدَّتْ وَصُلِبَتْ اور اس گھوڑے کو صلابت و شدت کی وجہ سے ظرب کہتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آٹھواں گھوڑا ملاوح بضم میم و کسر داد ہے یہ گھوڑا پہلے ابو بردہ رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں تھا۔ روضۃ

الاحباب کے حاشیہ میں ہے کہ ملواح اور ملاوح اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی کمر پتلی ہو اور فربہ نہ ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نواں گھوڑا سبحہ ہے جو سیاحت بمعنی پیرنے سے ماخوذ ہے۔ اَلسَّوَابِحُ الْخَيْلُ يُسَبِّحُهَا يُرِيدُهَا فِيْ سَيْرِهَا۔ مواہب میں ہے۔ فَرَسٌ سَابِحٌ اِذَا كَانَ حُسْنَ اَحد الْيَدَيْنِ فِي الْحَبْرِى ابن التین نے کہا کہ یہ گھوڑا اشقر ہے جسے ایک اعرابی سے دس اونٹ کے عوض میں خرید فرمایا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دسواں گھوڑا بحر ہے۔ يُقَالُ فَرَسٌ بَحْرٌ اَىْ وَاسِعُ الْبَحْرِىّ قاموس میں ہے۔ ''البحر الجواد'' اس گھوڑے کو ان تاجروں سے خریدا تھا جو یمن سے آئے ہوئے تھے۔ اس گھوڑے پر تین مرتبہ مسابقت فرمائی اور تینوں مرتبہ یہ سابق یعنی آگے رہا اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس کی پیشانی پر پھیر کر فرمایا۔ مَا اَنْتَ اِلَّا بَحْرٌ فَسُمِّيَتْ بَحْرًا وَكَانَتْ بَيْضَآءَ۔ رواہ البخاری تو دریا ہے میں نے تیرا نام بحر رکھا وہ گھوڑا سفید تھا ابن اثیر نے کہا وہ کمیت تھا۔

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس گھوڑے ہیں جو کہ اکثر کتب سیر میں مسطور ہیں بعض نے اور نام بھی بیان کیے ہیں جیسے ابلق، ذوالعقال، ذوااللمہ، مرتجل، ترادح، سرحان، یعسوب، نحیب، اوہم، سجاء، نجل، طرف اور مندوب وغیرہ۔

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں کو اہل سیر نے بکثرت بیان کیا ہے لیکن یہ ظاہر نہیں کیا وہ کس جنس کے تھے اس لیے گھوڑوں کی بے شمار جنسیں ہیں مثلاً عراقی گھوڑے، ترکی گھوڑے وغیرہ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ عربی گھوڑے ہوں گے جیسا کہ ان شہروں میں متعارف ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ازواج مطہرات کے بعد گھوڑا سب سے زیادہ محبوب تھا اور یہی وہ تیسری بات ہے جو حدیث مبارک حُبِّبَ اِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلٰثٌ میں ہے اور وہ تیسری بات متروک ہوگئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک گھوڑوں میں اشقر ارثم اقرح محجل مطلق الیمین بہت محبوب تھا۔ اشقر، محجل اور مطلق الیمین کے معنی تو معلوم ہو گئے ثم ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی ناک اور نچلے ہونٹ سفید ہوں اور اقرح وہ گھوڑا جس کی پیشانی غرہ سے کمتر سفید ہو۔ گھوڑے کی فضیلت میں اخبار واحادیث بکثرت وارد ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے کی پیشانی کے بال کو بل دیتے اور فرماتے: اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ فِيْ نَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ الْاَجْرُ وَ الْغَنِيْمَةُ گھوڑا اپنی پیشانی میں قیامت تک خیر کے ساتھ بندھا ہوا ہے اور اجر غنیمت کے ساتھ وابستہ ہے، ناصیہ سے پیشانی پر لٹکتے ہوئے بال مراد ہیں خاص طور سے ناصیہ کا ذکر فرمانا اس زیب و زینت کی بنا پر ہے جو اس میں ہے یا گھوڑے کے پورے جسم کی جانب اشارہ ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کی پیشانی مبارک ہے اور وہ برکت والی ذات ہے۔ گھوڑے کی فضیلت و شرف میں حق تعالیٰ کا قسم یاد فرمانا کافی ہے چنانچہ ارشاد باری ہے۔ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا اِلٰى اٰخر السورة اس سے مراد خیل غزاۃ ہے اور حدیث میں گھوڑے کو ذلیل و خوار کرنے اور اس پر بوجھ لادنے اور اسے اس کام میں استعمال کرنے کی ممانعت واقع ہوئی ہے۔ حیوۃ الحیوان میں حاکم نیشاپوری نے جو کہ عظماء محدثین سے ہیں حضرت امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حق تبارک و تعالیٰ نے گھوڑے کو پیدا فرمانا چاہا تو جنوبی ہوا سے فرمایا میں تجھ سے ایسی مخلوق پیدا کروں گا جس سے اپنے دوستوں کی عزت اعدائے دین کی مذلت اور اپنے اہل طاعت کی عزت و عظمت بناؤں گا اس پر باد جنوبی نے عرض کیا یارب ہم میں سے ایسی مخلوق پیدا فرما تو حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے اس سے ایک مٹھی لی اور اس سے گھوڑا پیدا فرمایا ایک روایت میں آیا ہے کہ کمیت گھوڑے کو پیدا فرمایا اور اس سے خطاب فرمایا کہ میں نے تجھے پیدا کیا اور تیری پیشانی میں خیر رکھی جو

تیری پشت پر سوار ہو کر غنایم حاصل کریں گے اور میں نے تجھے ایسا پیدا کیا ہے کہ بغیر پروں کے تو طرارے بھرے فَاَنْتَ الْمُطَّلَبُ وَاَنْتَ الْمُهَيَّرُت اور میں نے تیری پشت کو ان جوانمردوں کیلئے بنایا ہے جو تسبیح وتحمید اور تہلیل وتکبیر کہیں گے۔

جب فرشتوں نے سنا کہ گھوڑے کو پیدا فرمایا ہے تو انہوں نے مناجات کی اے رب ہم بھی تیرے بندے ہیں اور تیری تسبیح وتحمید اور تہلیل وتکبیر کرتے ہیں ہمارے لیے تو نے کیا پیدا کیا ہے؟ اس پر حق تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں ایسے گھوڑے پیدا فرمائے جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی گردنوں کی مانند ہیں تاکہ حق تعالیٰ کے انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی جس کو خدا چاہیے مدد کریں۔

جب گھوڑوں کے پاؤں اور اعضا درست ہوئے تو خطاب ہوا کہ اپنی ہنہناہٹ سے مشرکوں کے دلوں کو ڈرا اور ان سب کے کانوں میں اپنی آواز پہنچا کر ان کی گردنوں کو ذلیل وخوار کر۔ جب حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کے سامنے تمام مخلوق لائی گئی حق تعالیٰ نے فرمایا میری مخلوق میں سے جس کو چاہیے اور جو اچھا معلوم ہو اپنے لیے پسند کر لو تو انہوں نے گھوڑے کو پسند کیا اس پر فرمایا گیا تم نے اپنی عزت اور اپنے اولاد کی عزت کو ابدالآباد تک اختیار کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا جنوبی ہوا سے ایک مٹھی لو تو انہوں نے ایک مٹھی لی اس کے بعد اس سے کمیت گھوڑا پیدا فرمایا۔ (آخر حدیث تک) جبریل علیہ السلام کو باد جنوبی سے ایک مٹھی لینے کیلئے خاص کرنے اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق عزرائیل علیہ السلام کو مشت خاک لانے کیلئے خاص کرنے میں گویا حکمت یہ ہے کہ تخلیق آدم کے لیے مشت خاک لانے میں عزرائیل علیہ السلام کو حکم اس لیے دیا کہ خاک کی خاصیت بخل ہے لہٰذا عزرائیل علیہ السلام جن کی سرشت میں قہر وجبر ہے وہ اس سے لیں اور ہوا میں بہ نسبت اس کے سخاوت ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں مروی ہے کہ كَانَ فِيْ رَمَضَانَ كَالرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ رمضان المبارک میں آپ کی خوبو بادنسیم کی مانند ہو جاتی تھی اس لیے اس جگہ جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا تاکہ رفق نرمی سے لیں۔ جبریل علیہ السلام کو گھوڑے کے ساتھ ایک نسبت وتعلق ہے کیونکہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کیے ہیں اور جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام حیزوم ہے۔ (واللہ اعلم) نیز صاحب حیوٰۃ الحیوان فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جو گھوڑے پر سوار ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے اور اسی سبب سے اس کا نام اعراب رکھا گیا۔ اس سے پہلے وہ بھی تمام جانوروں کی مانند وحشی جانور تھا جب حق تبارک وتعالیٰ کا حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بنیاد کعبہ بلند کرنے کا حکم تو حق تعالیٰ نے فرمایا میں تمہیں ایک خزانہ دوں گا جو میں نے تمہارے لیے محفوظ کر رکھا ہے اس کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ باہر نکلو اور اس خزانہ کو تلاش کرو۔

پھر حق تعالیٰ نے ان کو دعا الہام فرمائی تو اراضی عرب کی سرزمین میں کوئی ایسا نہ تھا جو ان کی پکار پر حاضر نہ ہوتا پھر حق تعالیٰ نے گھوڑوں کی پیشانیوں پر قادر بنایا اور ان کی ان کیلئے مسخر وگرویدہ کر دیا اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِرْكَبُوا الْخَيْلَ فَاِنَّهَا مِيْرَاثُ اَبِيْكُمْ اِسْمَاعِيْلَ (رواہ النسائی) یعنی گھوڑوں کو سواری کرو کیونکہ یہ تمہارے باپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی میراث ہے۔

بغل یعنی خچر: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر متعدد تھے ایک کا نام دلدل تھا یہ خچر شیہا رنگ کا تھا۔ شیہ سفیدی وسیاہی ممزوج کو کہتے ہیں جیسا کہ قاموس میں ہے اسے مقوقس نے حضرت ماریہ ام ابراہیم رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہدیہ میں بھیجا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر سواری کرتے رہے ان کے بعد امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو ملا جیسا کہ پہلے سلاطین وامراء کے نام خطوط بھیجنے کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب دلدل بارگاہ نبوت میں لایا گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ کچھ مقدار میں اون اور چھلڑ لاؤں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اون سے اس کے رسی بٹی اور باگ ڈور تیار کی پھر کاشانہ اقدس میں تشریف لے جا کر ایک کملی لائے اور اس کی چار تہہ کر کے اس خچر کی پشت ڈال دیا پھر بسم اللہ کہہ کر سوار ہوئے اور مجھے اپنا ردیف بنایا یہ پہلا خچر تھا جو عہد السلام میں سواری کے کام میں لائے صاحب حیوٰۃ الحیوان فرماتے ہیں کہ محدثین کا اجماع ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خچر نہ نر تھا نہ مادہ۔ (واللہ اعلم)

طبرانی نے معجم اوسط میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ جب مسلمان حنین کے دن منہزم و متزلزل ہوئے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بغلہ شہباء پر جسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دلدل فرماتے تھے سوار تھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اے دلدل زمین کے قریب ہو تو دلدل نے سینہ زمین پر لگا دیا یہاں تک کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی خاک زمین سے لی اور دشمنوں کے چہروں پر چھڑکی اور فرمایا: هُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ وہ مغلوب ہوں گے۔ اسی دم وہ ہزیمت کھا گئے جیسا کہ گزرا۔

ایک اور خچر تھا جسے فضہ کہتے تھے اسے فردہ بن عمرو حذامی نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہدیہ میں بھیجا تھا بعض کہتے ہیں کہ دلدل اور فضہ ایک ہی ہے یہ بات اس قول کے زیادہ موافق ہے جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ دلدل سفید تھا شہباء نہ تھا اس خچر کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اکبر کو عطا فرمایا۔

ایک خچر اور تھا جسے ابن العلاء صاحب ایلہ نے بھیجا تھا اور اس خچر کو ایلیہ کہتے تھے۔ ایک اور خچر دومۃ الجندل سے آیا تھا ایک اور خچر نجاشی حبشہ کے پاس سے آیا تھا بعض کہتے ہیں کہ ایک اور خچر بھی تھا جسے کسریٰ نے بھیجا تھا یہ قول بعید از قیاس ہے اس لیے کہ اس بدبخت نے تو فرمان مصطفوی کو پارہ پارہ کر کے گستاخی و بے ادبی کی تھی ہدیہ بھیجنا بعید ہے جاننا چاہیے کہ خچر، گدھے اور گھوڑے کا مرکب ہے اس بنا پر اس کے اعضا میں گدھے کے اعضاء کی سختی اور گھوڑے کے اعضا کی طوالت ظاہر ہے اسی طرح اس کی ہنہناہٹ بھی جسے شجیج (بشین دیا اور دو جیم کے ساتھ) کہتے ہیں مرکب ہے گھوڑے کی ہنہناہٹ اور گدھے کی نہق دونوں موجود ہیں۔ خچر عقیم ہوتا ہے اس سے کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا مشہور یہ ہے کہ خچر کی پیدائش گھوڑی پر گدھے کی جفتی سے ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خچر پیش کیا گیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بہت پسند آیا اس پر صحابہ نے عرض کیا ہم گھوڑوں پر گدھے کو چھوڑ دیں تاکہ اس سے خچر پیدا ہو مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر راضی نہ ہوئے فرمایا یہ کام وہ کرتے ہیں جو بے علم ہوتے ہیں اس ممانعت کی علت وغرض میں علماء فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جانور کو غیر جنس پر چھوڑنے کو مکروہ جانا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ موجب تقلیل نوع فرس ہوگا اور گھوڑے کے منافع میں تعطل واقع ہوگا کیونکہ اس سے دار و مدار سواری رکض، طلب، حرب، عزت اور حصول غنایم ہیں۔ (واللہ اعلم)

حیوٰۃ الحیوان کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خچر کی پیدائش دونوں طریق سے ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر نر گدھا ہو تو گھوڑے سے خچر سخت تر ہوتا ہے اور اگر نر گھوڑا ہو تو گدھی سے خچر مشابہ گدھے کے ہوتا ہے اور کہا گیا ہے اس کا ہر عضو جو بھی ہو فرس و حمار کے بین بین ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے خارجی صفات کا حال ہے کہ نہ گھوڑے جیسی ذکاوت ہے اور نہ گدھے جیسی حماقت اس کے باوجود اس کی تعریف میں ہے جس راہ سے ایک مرتبہ گزرا ہے اسے وہ یاد رکھتا ہے وہ سواری کا بادشاہ ہے بوجھ اٹھانے اور دور دراز سفر طے کرنے میں فائق ہے۔

ابن عساکر نے اپنی تاریخ دمشق میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے فرماتے ہیں پہلے خچر سے تناسل و توالد ہوتا تھا چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے لکڑیاں لانے اور تیز رفتار سواری میں یہ مضبوط سواری ثابت ہوئی تو اس کیلئے حق تعالیٰ سے دعا کی حق تعالیٰ نے اس کی نسل کو منقطع کر دیا نیز حیوٰۃ الحیوان میں اسماعیل بن حماد بن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم سے عجیب بات منقول ہے انہوں نے کہا کہ

ہماری بستی میں ایک چکی والا رافضی تھا اس کے دو خچر تھے ایک کا نام اس نے ابوبکر رضی اللہ عنہ رکھا تھا اور دوسرے کا نام اس نے عمر رضی اللہ عنہ رکھا تھا اور وہ ان دونوں کی بہت زیادہ اہانت وتذلیل کرتا تھا تو ایک روز ان دونوں خچروں میں سے کسی نے اس چکی والے پر حملہ کیا اور اسے ہلاک کر دیا جب اس کی خبر میرے دادا حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو ملی اور ساری کیفیت معلوم ہوئی تو فرمایا جا کے جستجو کرو کہ ان دونوں میں سے کس خچر نے اسے واصل جہنم کیا ہے میرا گمان ہے کہ اس خچر نے اسے ہلاک کیا ہے جس کا نام اس نے عمر رضی اللہ عنہ رکھا تھا چنانچہ جب تحقیق کی گئی تو ویسا ہی معاملہ تھا جیسا کہ حضرت امام نے خبر دی تھی۔

دراز گوش: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین دراز گوش یعنی حمار تھے ایک کا نام عفیر بروزن زبیر تھا اسے مقوقس نے بھیجا تھا دوسرے کا نام فروہ جذامی نے بھیجا تھا کہتے ہیں کہ عفیر اور یعفور ایک ہی دراز گوش ہے۔ عفرہ مٹیلے رنگ کو کہتے ہیں اور اعفر از طلبا اسے کہتے ہیں جس کی سرخی پر سفیدی غالب ہو تیسرا دراز گوش وہ جسے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ لائے تھے۔

حیٰوۃ الحیوان میں منقول ہے کہ لوگوں کے اقوال اس جانور یعنی حمار کی مدح وذم میں کئی ہیں۔ محبت' اغراض اور مصالح کے لحاظ سے یہ مختلف اقوال ہیں چنانچہ بعض اسلاف سے منقول ہے کہ بعض لوگ چھوٹے گدھے کی سواری کو براذین کی سواری پر ترجیح دیتے ہیں براذین ترکی نسل کے گھوڑوں کا نام ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بوجھ اٹھاتا اور منزل پہ پہنچا دیتا ہے یہ بیمار کم ہوتا ہے اور چارہ ہلکا ہے۔ اس میں مؤونت کم ہے اور معونت زیادہ اس کا نیچے اترنا آسان ہے اور اوپر چڑھنا تیز ہے غرض یہ کہ گھوڑے' خچر اور اونٹ کے بعد لوگوں کیلئے اس کی سواری کی فضیلت وبزرگی کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سواری کی ہے اور بعض حدیثوں کے سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تواضع اور ترک تفاخر اس سے ملحوظ ومنظور تھا۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام دراز گوش پر سواری کرتے پشمینہ کا لباس پہنتے اور بکری کا دودھ دوہتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دراز گوش تھا جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مقوقس نے بھیجا تھا اس کا نام عفیر تھا۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے غین کے ساتھ لکھا ہے مگر شارحین حدیث' قاضی عیاض کی اس میں غلطی وخطا پر متفق ہیں اور کہا کہ جب خیبر فتح ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دراز گوش پایا جو سیاہ رنگ کا تھا اس نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس کا نام پوچھا اس نے کہا میرا نام یزید بن شہاب ہے اللہ تعالیٰ نے میری جد کی نسل سے ساٹھ حمار پیدا کیے ہیں ان پر بجز انبیاء کرام کے کوئی سوار نہ ہوا اور امید رکھتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر سواری فرمائیں گے میرے جد کی نسل میں بجز میرے کوئی حمار باقی نہیں رہا ہے اور انبیا میں سے بجز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی باقی نہیں اور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ایک یہودی کے قبضہ میں تھا میں دانستہ طور پر سواری میں ٹھکرا کر گرا دیتا تھا وہ میرے پیٹ پر الم واذیت پہنچاتا اور میری کمر پر کوڑے برساتا تھا اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تو یعفور ہے یعنی تیرا نام یعفور ہے کیا تو مادہ کی خواہش رکھتا ہے اس نے کہا مجھے کوئی خواہش نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضروریات کے وقت اس پر سواری کرتے تھے اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتر آئے تو اسے کسی شخص کے دروازہ پر بھیجتے تا کہ وہ اسے بلا لائے تو وہ اپنے سر سے دروازہ کو کوٹتا جب مالک مکان باہر نکل کر اس کے پاس آتا تو یعفور اس سے اشارہ کرتا جس سے وہ شخص جان لیتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کے بلانے کیلئے بھیجا ہے۔ پھر وہ شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آتا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو یعفور ایک کنویں پر آیا اور خود کو اس کنویں میں گرا کر ہلاک کر لیا یہ ہلاکت فراق میں بے صبری وناطاقتی کی بنا پر ہے اس کے بعد وہی کنواں اس کی قبر بنا جیسا کہ باب وفات میں گزر چکا ہے۔

بعض ارباب علم حدیث اس حدیث کی صحت میں کلام کرتے ہیں۔ سہیلی نے اس حدیث کو کتاب ''التعریف والاعلام'' میں بیان کیا ہے درحقیقت یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے جو اس چوپایہ میں ظاہر ہوا۔

رسالہ قشیری میں ''باب کرامات الاولیاء'' میں کہا گیا ہے کہ میں نے ابوحاتم سجستانی سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابونصر سراج سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے حسین بن احمد رازی سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسلیمان خواص سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں ایک دن گدھے پر سوار تھا مکھیاں اسے پریشان کر رہی تھیں اور وہ بار بار اپنے سر کو دھنتا تھا اور میں اپنے ہاتھ کی لکڑی سے اسے مارتا تھا۔ اس پر اس نے سر اٹھا کر کہا تم بھی اپنے سر پر مارو تمہیں بھی مارا جائے گا مطلب یہ کہ میری اس مار کے بدلے تم پر مار ہو گی۔

صاحب حیٰوۃ الحیوان نے ایک عجیب خبر حضرت جابر بن عبداللہ سے نقل کی ہے ایک شخص کسی صومعہ میں عبادت کیا کرتا تھا جب بارش ہوئی اور زمین میں گھاس اگی تو باہر نکلا اس نے ایک گدھا دیکھا جو سبزہ چر رہا تھا۔ اس نے کہا اے میرے رب! اگر تیرا کوئی گدھا ہو تو میں اسے اپنے ساتھ چراؤں اور گدھے کی خدمت بجالاؤں جب یہ بات اس زمانہ کے نبی کے کان میں پہنچی تو منع کیا اور اس پر دعائے بد فرمائی اس پر ان پر وحی نازل ہوئی کہ میں اپنے بندوں کو ان کی عقلوں اور ان کی صدق توجہ کے مطابق جزا دیتا ہوں ان احادیث کو ابونعیم نے حلیہ میں زید بن اسلم کی روایت سے نقل کیا اور یہ حکایت اس حکایت کے موافق ہے جو مولانائے روم نے مثنوی شریف میں لکھی ہے فرمایا۔

دید موسیٰ یک شبانے رابراہ   گوہمی نالید و می گفت اے الٰہ

اس بات کی حقیقت از روئے علم یہ ہے کہ وہ شخص جاہل تھا اور بعض ایسے صفات بولتا تھا جو صفات تنزیہہ و تقدیس سے متعلق تھے اور کہتے ہیں کہ اصل ایمان کے حصول میں بالفعل یہ علم شرط نہیں ہے جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی باندی سے پوچھا: ''این اللہ'' خدا کہاں ہے اس نے کہا وہ آسمان میں ہے۔ اس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مسلمان ہونے کا حکم فرمایا اس لیے کہ اس نے زمین کے باطل معبودوں کی نفی و برات کا اظہار کیا اور یہ ایسا شخص تھا جسے اپنے اعتقاد کے بموجب حق تعالیٰ کے ساتھ انتہائی محبت و عشق اور صدق و اخلاص حاصل تھا اور اسی جذبہ کی حالت میں اس شخص سے یہ کلمات صادر ہوئے اور اسے معذور رکھا گیا اور یہ نسبت مقبول ہوگئی کہ ''كَلَامُ الْمَجَانِيْنَ يَطْوٰى وَلَا يَرْوٰى'' دیوانوں کی باتیں حال ہوتی ہیں بیان نہیں کی جاتیں۔

اونٹ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ پندرہ سے زیادہ تھے ان میں سے ایک اونٹ کا نام قصوا (بفتح قاف وسکون صاد) تھا۔ قصوا اونٹ کے کان کے گوشہ کو چیرنے کو کہتے ہیں ایسے نر اونٹ کو ''مقصو'' کہتے ہیں اور مادہ کو قصوا اور شاۃ قصوی کہتے ہیں اور جمل کو قصا نہیں کہتے بلکہ مقصوا اور مقصیٰ کہتے ہیں اس میں ترک کیا گیا ہے۔ (کذافی الصحاح) لیکن قاموس میں کہا گیا ہے کہ ناقہ کو قصوا اور مقصو کہتے ہیں اور جمل کو اقصیٰ و مقصو کہتے ہیں جس طرح کہ ''امراۃ حسناء'' کہتے ہیں اور ''رجل احسن'' نہیں کہتے ہیں۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ناقہ یعنی اونٹنی مقطوع الاذن نہ تھی بلکہ پیدائشی کان ہی ایسے تھے کہ ایک جانب کان کٹا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ناقہ کو ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خریدا تھا جیسا کہ ہجرت کے باب میں اس کا ذکر گزر چکا ہے اسی ناقہ پر سوار ہو کر آپ نے ہجرت فرمائی تھی اور وہ خدا کی جانب سے مامور تھی کہ جہاں لے جائے اور جہاں وہ بیٹھے۔

حدیبیہ میں بھی اسی ناقہ پر سوار تھے۔ سفر و حضر میں اسی پر سواری فرماتے اور اس ناقہ کی سواری کے وقت وحی بھی نازل ہوتی تھی۔
اہل سیر بیان کرتے ہیں اس قصوا اونٹنی کے سوا کوئی اور ناقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کے نزول کا بوجھ برداشت نہ کر سکتا

تھا۔حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کے ناموں میں عضبا اور جذعا بھی آیا ہے اور عصب بھی بمعنی اونٹ کے کان چیرنے کے آیا ہے اور کبش کا سینگ ٹوٹنے کے آیا ہے۔جذعا کے بھی یہی معنی ہیں اور ہاتھ' ناک' کان اور ہونٹ چیرنے کے معنی میں آتا ہے بعض ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ دونوں نام اسی ناقہ کے تھے جس کو قصواء کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں قصوا کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں قصواء عقبیٰ اور جذعا کے معنی کچھ نہ تھا بلکہ اس کے مکان میں ایسی چیز تھی جو اس کے مشابہ تھی جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا۔

ان ناموں میں صرما (صاد و سکون را) اور صلما (صاد و لام کے ساتھ) بھی آیا ہے اور مخضرمہ (بضم میم و فتح حاد سکون ضاد) بھی آیا ہے ان سب کے معنی قطع و برید کے ہیں اور ناقہ مصرمہ کے معنی سرپستان بریدہ کے ہیں اور صلم جڑ سے کان اکھڑنے کو کہتے ہیں اور مخضرمہ اس ناقہ کو کہتے ہیں جس کے کان کا کونہ کٹا ہوا ہو ان ناموں کے بارے میں بھی اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ قصوا کے ہی نام تھے۔

مروی ہے کہ عضبا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی تھی کوئی اونٹنی اس سے سبقت نہیں لیتی تھی اچانک ایک اعرابی شتر جوانہ پر سوار بوجھ لادے آیا اور وہ عضباء پر سبقت لے گیا یہ بات صحابہ پر شاق گزری۔اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ پر حق ہے کہ کسی دنیاوی چیز کو بلند نہ کرے مگر یہ کہ اسے پست کرے۔

ایک اونٹ ابوجہل کا تھا جو غزوۂ بدر میں مال غنیمت میں قبضہ میں آیا تھا اس کی ناک میں چاندی کا چھلا تھا۔حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ کو حدیبیہ بھی مشرکوں کو غصہ دلانے کیلئے ہدی میں بھیجا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس اونٹ دودھ والے تھے جو مدینہ طیبہ کے نواح میں مقام غابہ میں چرائے جاتے تھے اور ہر رات دو مشکیزے دودھ لایا جاتا جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال کے خرچ میں آتا تھا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کل اونٹ دودھ والے پینتالیس تھے جن کو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے تھے ان کے نام سیر کی کتابوں میں مسطور ہیں۔

گوسفند: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سات بکریاں دودھ والی تھیں جن کو ایمن رضی اللہ عنہا چراتی تھیں اور جس گھر میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شب باشی فرماتے وہاں ان کا دودھ لے کر آتیں ان کا نام بھی مذکور ہیں۔(واللہ اعلم)

محجن: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک محجن تھی (بکسر میم و سکون حا و فتح جیم) اس کے معنی چوگان یعنی آکڑے کے ہیں۔مقولہ "محجن یعنی جذب و عطف و صدو صرف حجن فلانا صرفہ و جذبہ بالمحجن" محجن بروزن منبر ایک چوبی لکڑی ہوتی ہے جس کا سرا ٹیڑھا ہوتا ہے اور ٹیڑھی چیز کو محجن کہتے ہیں۔حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ محجن ایک گز یا کچھ زیادہ لمبا تھا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ساتھ لے کر چلتے تھے اور اس کے سہارے سواری پر چڑھتے تھے اور اس کو دونوں دست مبارک کے سامنے اونٹ پر لٹکا دیتے تھے۔مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اکثر اپنے دست مبارک میں رکھا کرتے تھے (کذا قیل)

مخصرہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مخصرہ تھا جسے عرجون کہتے تھے۔مخصرہ بکسر میم و سکون خاء معجمہ و رفتح صاد مہملہ خصر سے ماخوذ ہے آدمی کا درمیانہ حصہ جسے تہی گاہ کہتے ہیں۔اختصار کے معنی تہی گاہ پر ہاتھ رکھنے اور اس سے ٹیک لگانے کو کہتے ہیں۔مخصرہ اسے کہتے ہیں جس سے آدمی ٹیک لگائے تو اس کی عصا و مکارہ و مقرعہ و قصب کی مانند حفاظت کرتے تھے۔حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے کہ آپ کے ساتھ آپ کا مخصرہ تھا۔اہل سیر کہتے ہیں کہ مخصرہ بادشاہوں کے شعار میں سے تھا۔

عصائے مبارک: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عصا شریف رکھتے اور اس پر ٹیک لگاتے تھے۔حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے عصا پر ٹیک لگانا انبیاء علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہے اور عرجون کھجور کی وہ شاخ ہے جو خشک ہو کر ٹیڑھی ہو جائے گویا مراد

شریف یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصرہ کو عرجون سے تشبیہ دی گئی ہے یا شاخ خرما ہی مخصرہ تھی (واللہ اعلم) اور قضیب شوخط کی لکڑی کا تھا جسے ممشوق کہتے ہیں پہلے بتایا جا چکا ہے کہ قضیب درخت کی شاخ کو کہتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا یہ نام تھا کبھی درخت کی شاخ بھی اپنے دست مبارک میں رکھتے تھے اور اس درخت کا نام شوخط تھا۔ قاموس میں ہے۔ اَلشُّوْحَطُ شَجَرٌ يُتَخَذُ مِنْهُ الْقَسِيُّ اَوْضَرْبٌ مِنَ النَّبْعِ جیسا کہ گزرا اور قضیب ممشوق طویل اور باریک کو بھی کہتے ہیں جیسا کہ قاموس میں ہے۔

قدح مبارک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیالہ تھا جس کو ریان کہتے تھے۔ ریان' رے سے ہے اس کے معنی سیرابی کے ہیں چونکہ قدح یعنی پیالہ میں پانی' دودھ اور شربت وغیرہ پیا جاتا ہے اس لیے ریان نام رکھنا مناسب ہے ایک اور پیالہ تھا جس کو مغیث کہتے تھے۔ ظاہر ہے یہ غیث سے مشتق ہے جس کے معنی بارش کے ہیں ایک اور پیالہ مضیب تھا جس میں تین جگہ چاندی کی کیلیں نصب تھیں اور اس پیالہ میں ایک حلقہ تھا جس سے اسے لٹکاتے تھے ایک اور پیالہ عیدان کا تھا۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیالہ عیدان کا تھا جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے رکھا جاتا تھا اور اس میں بول شریف کرتے تھے۔ لفظ عیدان دو طرح پر ہے بکسر عین کو صحیح بتایا گیا ہے اور یہ جمع عود بمعنی لکڑی کی ہے اور جمع باعتبار اجزا کے ہے دوسرا بفتح عین ہے یہ ایک درخت کا نام ہے۔ مجمع البحار میں ہے کہ عیدان بکسر عین مہملہ عیدانہ کی جمع ہے جو ایک طویل درخت ہے اوپر سے نیچے تک اس میں پتے نہیں ہوتے اور ایک پیالہ زجاج (شیشہ) کا تھا جسے کسی بادشاہ نے ہدیہ میں بھیجا تھا اور ایک تورے (بفتح تا و سکون واد) یعنی ایک طفار تھی جو پتھر کی تھی اسے مخضب کہتے تھے۔ مخضب بکسر میم و سکون خا و فتح ضاد معجمہ۔

احادیث میں اس کا تذکرہ بہت ہے اور ایک مرکن (بکسر میم و سکون را) تھا اس کے معنی بھی طغار کے ہیں اور ایک طغار پیتل کی تھی اور ایک مغتسل تھا اسے صادرہ کہتے تھے وہ ایک چمڑہ کا برتن ہے جس سے غسل فرماتے تھے اسے دارٗہ بھی کہتے ہیں۔ صادرہ وہ برتن جس سے پانی نکالا جائے اور داردہ وہ برتن ہے جس میں پانی بھرا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس جگہ مقصود و معنی کے لحاظ سے صادرہ کہنا مناسب ہوگا بہ نسبت واردہ کے۔

گھریلو سامان: ایک مدہن تھا جس میں تیل رکھا جاتا تھا۔ مدہن بضم میم ہے ایک ربعہ اسکندریہ تھا جس میں آئینہ رکھتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ تھا جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جمال با کمال کا مشاہدہ فرماتے تھے حق یہ ہے کہ آئینہ دیکھنا آپ ہی کو سزاوار ہے۔ اس لیے کہ آپ حق تعالیٰ کے مظہر جلال و جمال تھے۔

ربعہ آئینہ سے مراد آئینہ دان ہے جس میں آئینہ رکھا جاتا تھا۔ قاموس میں ہے کہ ربعہ عطر دان اور مصحف کے صندوق کی مانند ہے۔ ربعہ کی صفت اسکندریہ سے کرنا اس بنا پر ہے کہ اسے مقوقس شاہ اسکندریہ نے حضرت ماریہ قبطیہ ام ابراہیم رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہدیہ میں بھیجا تھا۔ روضۃ الاحباب میں اسے طبلہ کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور کہا کہ اس طبلہ میں کنگھی' مسواک' قینچی' سرمہ دانی اور آئینہ تھا۔

بعض اہل سیر نے استرہ اور چقماق کا بھی ذکر کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آئینہ کا نام مدلہ (بضم میم و فتح دال و کسر لام مشددہ) تدلیہ سے رکھا۔ تدلیہ کے معنی عشق میں عقل جاتے رہنا اور بے خود ہو جانا ہے کہ خود آپ اپنے آپ پر عاشق ہو جاتے تھے یا دوسرے لوگ آئینہ میں آپ کے جلوہ جمال کو دیکھ کر بے خود و فریفتہ ہو جاتے تھے۔

اور ایک مشط (بضم میم و سکون شین) یعنی کنگھی تھی یہ کنگھی عاج کی تھی واضح رہنا چاہیے کہ حدیث مبارک میں ہے۔ كَانَ لَهٗ مِشْطٌ مِّنْ عَاجٍ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنگھی عاج کی تھی۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ عاج سے مراد ہاتھی دانت یا اس کی ہڈی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظاہر ہے کیونکہ ہڈی میں موت سرایت نہیں کرتی بوجہ اس میں عدم حیات کے اور اس حدیث

سے ہاتھی دانت یا اس کی ہڈی کی تجارت کے جائز ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

علماء کہتے ہیں کہ بعض اسلاف اس سے کنگھی بناتے تھے۔امام شافعی کے نزدیک نجس ہے اور مراد عاج سے دریائی کچھوے کی پشت کی ہڈی ہے یا مویشی کے کمر کی ہڈی ہے اس کو لیتے اور اس سے کنگن دھار اور کنگھی بناتے ہیں اور اسے ذیل کہتے ہیں۔ذیل بفتح ذال معجمہ و باء موحدہ ہے اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کیلئے عاج کا قلبہ خرید فرمایا تو اس سے مراد یہی ذیل ہے۔(واللہ اعلم)

ایک مکحلہ (بضم میم وسکون کاف وبضم حا) یعنی سرمہ دانی تھی جس سے روزانہ رات کو سونے سے پہلے دونوں آنکھ میں تین تین بار سرمہ لگاتے تھے ایک روایت میں ہے کہ پہلے دو مرتبہ داہنی آنکھ میں پھر تین مرتبہ بائیں آنکھ میں پھر ایک مرتبہ داہنی آنکھ میں سلائی پھیرتے تھے تاکہ داہنی آنکھ سے شروع ہو کر داہنی آنکھ پر ہی ختم ہو لیکن صحیح و مشہور پہلا ہی طریقہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قصعہ (بفتح قاف وسکون صاد) تھا اس کا نام غزا تھا اس میں چار حلقے تھے۔قصعہ بڑے برتن کو کہتے ہیں اور جفنہ (بفتح جیم وسکون نا) بھی کاسۂ بزرگ اور صحفہ بھی کاسۂ بزرگ کو کہتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ صحفہ وہ برتن ہے جس میں پانچ آدمی شکم سیر ہو سکیں اور قصعہ وہ ہے جس میں دس آدمی شکم سیر ہو سکیں۔تینوں لفظوں کی جمع بروزن فعال (بکسر فا) آتی ہے یعنی قصاع، جفان اور صحاف۔صحاح میں کسائی سے منقول ہے کہ برتنوں میں سب سے بڑا برتن جفنہ ہے پھر قصعہ ہے جو دس آدمیوں کو آسودہ کرتا ہے پھر صحفہ ہے جو سات آدمیوں کو آسودہ کرتا ہے پھر ملیکہ ہے جو دو یا تین آدمیوں کو آسودہ کرتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع اور مد تھا جس سے ناپ کے فطرہ نکالا کرتے تھے (کذا قیل) اور کھانا بھی ناپ کر پکایا جاتا ہو تو بعید نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ طعام کو ناپ کر خرچ کرو۔صاع اور مد دو پیمانے میں ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے اور مد ایک رطل اور تہائی اہل حجاز کے نزدیک ہے اور دو رطل اہل عراق کے نزدیک ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پلنگ تھا جس کے پٹی پائے رشاج کے تھے اور اس پر بستر چمڑے کا تھا جس میں چھلکے بھرے ہوئے تھے اس کے اوپر پلاس یعنی ٹاٹ تھا جس کی دوتہہ کر کے رات کو اس پر تکیہ کرتے تھے۔

انگشتری مبارک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری چاندی کی تھی جس میں چاندی کا ہی نگینہ تھا۔مواہب میں ہے کہ ایک اور انگشتری لوہے کی تھی جس پر چاندی کا ملمع تھا اور احادیث میں آیا ہے کہ لوہے کی انگشتری کی ممانعت فرمائی گئی ہے گو ملمع شدہ یا تو بیان جواز کیلئے ہوگا یا ابتدائے حال کا ذکر کیا گیا ہوگا۔(واللہ اعلم)

موزے اور جبہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو موزے سادہ تھے جس کو نجاشی نے ہدیہ میں بھیجا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سفروں میں پہنا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین جبے تھے جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں زیب تن اقدس فرماتے تھے۔ایک جبہ سبز سندس کا تھا اور دوسرا جبہ اطلاس کا تھا اور تیسرا جبہ معلوم نہ ہوا کہ کس کپڑے کا تھا جبہ اس کپڑے کو کہتے ہیں جسے کاٹ کر سیا جاتا ہے اب اگر حبیب والا ہو تو قمیض کہتے ہیں اور اگر نہ ہو تو قبا کہتے ہیں اور جبہ سب کو شامل ہے چادر اور عمامہ کو جبہ نہیں کہتے ہیں۔

طیالمہ جمع طیلسان گویا طیلسان میں بنایا اور بنا جاتا ہے اور یہ عجمی کپڑوں میں سے ہے جو سیاہ اور گول ہوتا ہے اور تانا بانا پشم کا ہوتا ہے۔حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی تو میں نے اس جبہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

سے لے لیا اور میں اسے بیماروں کیلئے دھو کر اس کا پانی شفایابی کیلئے دیتی ہوں۔ (رواہ مسلم)

عمامہ مبارک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ شریف تھا جسے سحاب فرماتے تھے ایک اور سیاہ عمامہ شریف تھا۔ صاحب روضۃ الاحباب فرماتے ہیں کہ ارباب سیر نے نقل کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس جہان سے کوچ فرمایا اس وقت رو بروٗ صبرہ' صحاری جامہ' عمانی تہبند' ایک سحولی قمیض' یمنی جبہ' قمیصہ' قطیفہ' سفید چادر اور ایک لحاف تھا جو درس سے رنگا ہوا تھا اور چند طاقبہ خورد آپ کے پاس باقی تھے۔

تشریح یہ ہے کہ برد بضم باء چادر ہے کذا فی الصراح اور حبرہ بکسر حاء وفتح باء یہ کپڑے کی ایک قسم ہے۔ صراح میں کہا گیا ہے کہ برد یمانی اور صحاری منسوب قریہ صحار کی طرف ہے جو یمن میں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو صحاری کپڑوں کا کفن دیا گیا اور کہتے ہیں کہ صحاری صحر سے ہے اور صحرہ ہلکی سرخی عنبرہ کی مانند ہے اور ثواب اصحر وصحاری بولا جاتا ہے۔ عمان بضم عین و تخفیف میم' یمن کا ایک شہر ہے "عُمَّانُ بِالْمَكَانِ إِذَا قَامَ بِهٖ" اور جو شام میں ہے وہ فتح عین اور تشدید میم کے ساتھ ہے اور قاموس میں ہے کہ غراب کے وزن پر عمان' یمن کا شہر ہے اور شداد کے وزن پر عمان شام کا شہر ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ تین سحولی کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ سحولی بفتح سین ہے یا بضم سین۔ فتح کے ساتھ سحول بمعنی قصار کی طرف منسوب ہے اس لیے وہاں دھویا جاتا ہے اور سفید کیا جاتا ہے یا منسوب قریہ سحول کی طرف ہے جو یمن میں ہے اور ضمہ کے ساتھ سحل بمعنی ثوب کی جمع ہے جو کہ سوتی صاف ستھرا اور سفید کپڑا ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ ضمہ کے ساتھ قریہ کی طرف منسوب ہے اور خمیصہ از فر مشہور گھاس کا بنا ہوا ہوتا ہے یا نقشین اون کا بعض سیاہ کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔ صراح میں ہے خمیصہ چوکور سیاہ کمبل ہے۔ اس کے دونام ہیں اور قطیفہ ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں اور کساء زیر اور مد کے ساتھ چادر سوتی کو کہتے ہیں اور ملحفہ بکسر میم وسکون لام وفتح حاء چادر کو کہتے ہیں اور درس بفتح دادا ایک گھانس ہے اس سے کپڑے رنگتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ درہم چھوڑے نہ دینار اور نہ بکریاں چھوڑیں اور نہ اونٹ اور راوی کا کہنا ہے کہ میں غلام کے بارے میں شک کرتا ہوں اور یہ اس کے منافی نہیں ہے جو کہ مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے' اونٹ' خادم اور غلام تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو صرف فرمایا اور انہیں تقسیم کر دیا اور انہیں آزاد کر دیا اور وہ املاک جو بنی نضیر اور فدک کے تھے وہ مسلمانوں پر وقف تھے جو ان کی ضروریات آپ کی اہل بیت کے حوائج اور ان کے نفقہ وغیرہ پر خرچ ہوتے تھے۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ تبرکات حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تھے اور وہ انہیں گھر میں خوب حفاظت سے رکھتے تھے اور ہر روز ایک مرتبہ جاتے اور ان کی زیارت کرتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا کوئی ذی عزت شخص ان کے پاس آتا تو وہ ان کو اس مکان میں لے جاتے اور ان تبرکات کی زیارت کراتے تھے اور فرماتے کہ مِيْرَاثُ اَكْرَمَكُمُ اللّٰهُ وَاَعَزَّكُمْ بِهٖ۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس مکان میں ایک پلنگ ایک چمڑہ کا گدا جو جھلڑ سے ملفوف تھا ایک جوڑہ موزے کا' قطیفہ' چکی اور ایک سرکش تھا جس میں چند تیر تھے اور کہتے ہیں کہ اس قطیفہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کی طراوٹ کا اثر موجود تھا۔

ایک شخص بہت بیمار تھا اور اسے شفا نہ ہوتی تھی اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے عرض کیا تو انہوں نے اس قطیفہ کو تھوڑا سا دھویا اور اس کا پانی اس کی ناک میں ٹپکا دیا وہ بیمار تندرست ہو گیا۔

تکملہ

یہ تکملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صفات کے بیان میں جن کو اہل معرفت نے اپنی زبان میں بیان کیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں توجہ کا طریقہ اور آپ سے استمداد و استعانت کرنے کے بیان میں ہے۔

واضح رہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و اوصاف شریف دو قسم کے ہیں ایک تو وہ ہیں جو ثقہ راویوں کے ساتھ احادیث و اخبار میں منقول ہیں اور سیر کی کتابوں میں جو اخلاق و صفات مذکور و مسطور ہیں وہ آپ کی نبوت و رسالت اور تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے آپ کے افضل و اکمل ہونے میں بہت کافی روانی ہیں دوسری قسم وہ ہے جو مکاشفان اسرار حقیقت اور مشہدان انوار وحدت نے دیدۂ بصیرت سے پایا ہے اور ان کے اظہار و ابراز کی طرف گئے ہیں چونکہ قسم اول بعون عنایت الٰہی ابواب سابقہ میں مرتب ہو چکے ہیں اب قسم دو کے ساتھ بھی اس کی تتمیم و تکمیل کرتا ہوں۔ بیدہ التوفیق۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حق تبارک و تعالیٰ کے اسماء ذاتیہ سے پیدا کیے گئے ہیں اور اولیاء کرام اسماء صفاتیہ کی مخلوق ہیں بقیہ ساری کائنات صفات فعلیہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ سیّد المرسلین صلوٰۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین ذات حق سے مخلوق ہیں اور ظہور حق آپ میں بالذات ہے چونکہ صفات و اسماء ہیں ظہور و بروز کے اقتضاء سے بیشتر و ظاہر تر ہے حق تعالیٰ کی صفات سے ہر صفت میں خوب ظاہر ہوا ہے اور جو کچھ جمال و جلال سے مخصوص تھا ظاہر ہوا اور اسماء حسنیٰ میں سے ہر اسم نے جو اس کے معنوی کمال کے اقتضا میں سے تھا ظہور ہوا اور کنہ ذات الٰہی تعالیٰ و تقدس جس طرح خفا میں حقیقت سریہ پر بطون میں تھی باقی رہی پھر ان اسماء صفات کے حقائق مشہد معنوی میں مجتمع ہوئے۔ ذَاتٌ حَيْثُ لَا كَيْفَ وَلَا اَيْنَ اور ندا ہوئی اور الہاماً فرمایا اگرچہ میں نے اس کمال کو ظاہر کیا اور ان جمال و جلال کے مقامات کو ہویدا کیا جو حد حصر و احصاء سے باہر ہیں لیکن یہ سب بحر وحدت کا ایک قطرہ ہے اور ذات بیضاء کا ایک ذرہ ہے۔

ہیہات ہیہات! ہمارا اجتماع کہاں اور حقیقت ذات کہاں اور ظہور شیون ذاتیہ حق کہاں اور بروز حقائق اسمائیہ و صفاتیہ کہاں تو پھر کنہ عبارت منہیہ سے اشارہ ہوا کہ میں اپنی ذات سے نکالتا ہوں اور ایک ایسی حقیقت کو پسند کرتا ہوں جو جامع تمام کمالات اسماء و صفات شیونات ذات ہو اور اس میں ایسا بروز برابر کروں جو اپنی مکونات کا عین ہے اور ایسا ظہور ظاہر کروں جو عین بطون ہے جو متصور بصورت بعیعہ اور منزل مشاہد رفیعہ میں ہو جو کہ تمہارے لیے نشاۃ رفیع اور جامع انشاء بدیع ہو اور اپنے حد میں ممتاز ہو اور وہ کنہ کمال میں مرموز ہو کہ نہ پہچانا جائے اور نہ حقیقت دریافت میں آئے اور اس کی توصیف نہ کی جا سکے اور اس کی نسبت مظہر اتم' اکمل مجلی اغر و افضل ہو بہ نسبت تمہارے مظاہر عظمیہ مجال کریمہ کے جیسی کہ نسبت ذات کی صفات کے ساتھ ہوتی ہے تاکہ میری برتری پر میری بنا کامل ہو تو میں نے اس کے نام کو حمد سے مشتق کر کے محمد' احمد اور محمود رکھا ہے اور میں نے اسے عابد بنایا اور لواء حمد اس کے ہاتھ میں دیا اور اس کا مقام وسیلہ عظمیٰ بنایا لہٰذا انبیاء علیہم السلام مظہر اسماء و صفات ہوئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام اجلال و اکرام کے بالذات ختام ہیں اور انبیاء و اولیاء بالواسطہ جبکہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ذات حق سے مخلوق ہیں اور ظہور بر حق ان پر بالذات ہے تو ان کے سوا جو بھی ہے سب سے تمام صفات اور جمیع کمالات میں فائق و منفرد ہیں نیز اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تمام ادیان کا ناسخ ہے اس لیے کہ بروز ذات کے بعد صفات مشہود نہیں رہتے نیز اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عروج فوق عرش ہے کیونکہ ذات' جمیع اسماء پر فائق ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمانیت حق کے محل ہیں جو کہ عرش سے فوق و وسیع ہے اور عرش محیط اجام ہے اور رحمت ہر شئے پر وسیع ہے رحمتی وسعت کل شئی لہٰذا محمدی حقیقت جمیع موجودات کا مصدر اور تمام کا مبدا اور تمام فیوض و برکات کا واسطہ

سے لے لیا اور میں اسے بیماروں کیلئے دھو کر اس کا پانی شفایابی کیلئے دیتی ہوں۔ (رواہ مسلم)

عمامہ مبارک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ شریف تھا جسے سحاب فرماتے تھے ایک اور سیاہ عمامہ شریف تھا۔ صاحب روضۃ الاحباب فرماتے ہیں کہ ارباب سیر نے نقل کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس جہان سے کوچ فرمایا اس وقت روبرو' صبرہ' صحاری جامہ' عمانی تہبند' ایک سحولی قمیض' یمنی جبہ' قمیصہ' قطیفہ' سفید چادر اور ایک لحاف تھا جو درس سے رنگا ہوا تھا اور چند طاقیہ خورد آپ کے پاس باقی تھے۔

تشریح یہ ہے کہ برد بضم باء چادر ہے کذا فی الصراح اور حبرہ بکسر حاء وفتح باء یہ کپڑے کی ایک قسم ہے۔ صراح میں کہا گیا ہے کہ برد یمانی اور صحاری منسوب قریہ صحار کی طرف ہے جو یمن میں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو صحاری کپڑوں کا کفن دیا گیا اور کہتے ہیں کہ صحاری صحر سے ہے اور صحرہ ہلکی سرخی عنبرہ کی مانند ہے اور ثواب اصحر وصحاری بولا جاتا ہے۔ عمان بضم عین و تخفیف میم' یمن کا ایک شہر ہے' ''عُمَّانُ بِالْمَكَانِ اِذَا قَامَ بِهٖ'' اور جو شام میں ہے وہ فتح عین اور تشدید میم کے ساتھ ہے اور قاموس میں ہے کہ غراب کے وزن پر عمان' یمن کا شہر ہے اور شداد کے وزن پر عمان شام کا شہر ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ تین سحولی کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ سحولی بفتح سین ہے یا بضم سین۔ فتح کے ساتھ سحول بمعنی قصار کی طرف منسوب ہے اس لیے وہاں دھویا جاتا ہے اور سفید کیا جاتا ہے یا منسوب قریہ سحول کی طرف ہے جو یمن میں ہے اور ضمہ کے ساتھ سحل بمعنی ثوب کی جمع ہے جو کہ سوتی صاف ستھرا اور سفید کپڑا ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ ضمہ کے ساتھ قریہ کی طرف منسوب ہے اور خمیصہ از فر مشہور گھاس کا بنا ہوا ہوتا ہے یا نقشین اون کا بعض سیاہ کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔ صراح میں ہے خمیصہ چوکور سیاہ کمبل ہے۔ اس کے دو نام ہیں اور قطیفہ ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں اور کساء زیر اور مد کے ساتھ چادر سوتی کو کہتے ہیں اور ملحفہ بکسر میم وسکون لام وفتح حاء چادر کو کہتے ہیں اور درس بفتح دادا ایک گھانس ہے اس سے کپڑے رنگتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ درہم چھوڑے نہ دینار اور نہ بکریاں چھوڑیں اور نہ اونٹ اور راوی کا کہنا ہے کہ میں غلام کے بارے میں شک کرتا ہوں اور یہ اس کے منافی نہیں ہے جو کہ مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے' اونٹ' خادم اور غلام تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو صرف فرمایا اور انہیں تقسیم کر دیا اور انہیں آزاد کر دیا اور وہ املاک جو بنی نضیر اور فدک کے تھے وہ مسلمانوں پر وقف تھے جو ان کی ضروریات آپ کی اہل بیت کے حوائج اور ان کے نفقہ وغیرہ پر خرچ ہوتے تھے۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ تبرکات حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تھے اور وہ انہیں گھر میں خوب حفاظت سے رکھتے تھے اور ہر روز ایک مرتبہ جاتے اور ان کی زیارت کرتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا کوئی ذی عزت شخص ان کے پاس آتا تو وہ ان کو اس مکان میں لے جاتے اور ان تبرکات کی زیارت کراتے تھے اور فرماتے کہ مِيْرَاثُ اَكْرَمَكُمُ اللهُ وَاَعَزَّكُمْ بِهٖ۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس مکان میں ایک پلنگ ایک چمڑہ کا گدا جو جھلڑ سے ملفوف تھا ایک جوڑہ موزے کا' قطیفہ' چکی اور ایک ترکش تھا جس میں چند تیر تھے اور کہتے ہیں کہ اس قطیفہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کی طراوٹ کا اثر موجود تھا۔

ایک شخص بہت بیمار تھا اور اسے شفا نہ ہوتی تھی اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے عرض کیا تو انہوں نے اس قطیفہ کو تھوڑا سا دھویا اور اس کا پانی اس کی ناک میں ٹپکا دیا وہ بیمار تندرست ہو گیا۔

سے ہاتھی دانت یا اس کی ہڈی کی تجارت کے جائز ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

علماء کہتے ہیں کہ بعض اسلاف اس سے کنگھی بناتے تھے۔امام شافعی کے نزدیک نجس ہے اور مراد عاج سے دریائی کچھوے کی پشت کی ہڈی ہے یا مویشی کے کمر کی ہڈی ہے اس کو لیتے اور اس سے کنگن دھار اور کنگھی بناتے ہیں اور اسے ذیل کہتے ہیں۔ذیل بفتح ذال معجمہ و باء موحدہ ہے اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کیلئے عاج کا قلبہ خرید فرمایا تو اس سے مراد یہی ذیل ہے۔(واللہ اعلم)

ایک مکحلہ (بضم میم وسکون کاف وبضم حا) یعنی سرمہ دانی تھی جس سے روزانہ رات کو سونے سے پہلے دونوں آنکھ میں تین تین بار سرمہ لگاتے تھے ایک روایت میں ہے کہ پہلے دو مرتبہ داہنی آنکھ میں پھر تین مرتبہ بائیں آنکھ میں پھر ایک مرتبہ داہنی آنکھ میں سلائی پھیرتے تھے تاکہ داہنی آنکھ سے شروع ہو کر داہنی آنکھ پر ہی ختم ہو لیکن صحیح و مشہور پہلا ہی طریقہ ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قصعہ (بفتح قاف وسکون صاد) تھا اس کا نام غزا تھا اس میں چار حلقہ تھے۔قصعہ بڑے برتن کو کہتے ہیں اور جفنہ (بفتح جیم وسکون نا) بھی کاسۂ بزرگ اور صحفہ بھی کاسۂ بزرگ کو کہتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ صحفہ وہ برتن ہے جس میں پانچ آدمی شکم سیر ہو سکیں اور قصعہ وہ ہے جس میں دس آدمی شکم سیر ہو سکیں۔تینوں لفظوں کی جمع بروزن فعال (بکسر فا) آتی ہے یعنی قصاع، جفان اور صحاف۔صحاح میں کسائی سے منقول ہے کہ برتنوں میں سب سے بڑا برتن جفنہ ہے پھر قصعہ ہے جو دس آدمیوں کو آسودہ کرتا ہے پھر صحفہ ہے جو سات آدمیوں کو آسودہ کرتا ہے پھر ملیکہ ہے جو دو یا تین آدمیوں کو آسودہ کرتا ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع اور مد تھا جس سے ناپ کے فطرہ نکالا کرتے تھے (کذا قیل) اور کھانا بھی ناپ کر پکایا جاتا ہو تو بعید نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ طعام کو ناپ کر خرچ کرو۔صاع اور مد دو پیمانے میں ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے اور مد ایک رطل اور تہائی اہل حجاز کے نزدیک ہے اور دو رطل اہل عراق کے نزدیک ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پلنگ تھا جس کے پٹی پائے رشاج کے تھے اور اس پر بستر چمڑے کا تھا جس میں چھلو بھرے ہوئے تھے اس کے اوپر پلاس یعنی ٹاٹ تھا جس کی دو تہہ کر کے رات کو اس پر تکیہ کرتے تھے۔

انگشتری مبارک: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری چاندی کی تھی جس میں چاندی کا ہی نگینہ تھا۔مواہب میں ہے کہ ایک اور انگشتری لوہے کی تھی جس پر چاندی کا ملمع تھا اور احادیث میں آیا ہے کہ لوہے کی انگشتری کی ممانعت فرمائی گئی ہے گو ملمع شدہ یا تو بیان جواز کیلئے ہوگا یا ابتدائے حال کا ذکر کیا گیا ہوگا۔(واللہ اعلم)

موزے اور جبہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو موزے سادہ تھے جس کو نجاشی نے ہدیہ میں بھیجا تھا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سفروں میں پہنا تھا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین جبے تھے جن کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں زیب تن اقدس فرماتے تھے۔ایک جبہ سبز سندس کا تھا اور دوسرا جبہ اطلاس کا تھا اور تیسرا جبہ معلوم نہ ہوا کہ کس کپڑے کا تھا جبہ اس کپڑے کو کہتے ہیں جسے کاٹ کر سیا جاتا ہے اب اگر حبیب والا ہو تو قمیض کہتے ہیں اور اگر نہ ہو تو قبا کہتے ہیں اور جبہ سب کو شامل ہے چادر اور عمامہ کو جبہ نہیں کہتے ہیں۔

طیالمہ جمع طیلسان گویا طیلسان میں بنایا اور بنا جاتا ہے اور یہ عجمی کپڑوں میں سے ہے جو سیاہ اور گول ہوتا ہے اور تانا بانا پشم کا ہوتا ہے۔حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی تو میں نے اس جبہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

وصل: صورت ومعنی کے لحاظ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال خلقت واعتدال اور آپ کا جمال وجلال اس حد تک ہے جو حد حصر واحصاء سے باہر ہے اور جتنا کچھ کہ بیان کیا گیا ہے وہ دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ اور بیضاء کے ساتھ اک ..... کو نسبت ہوتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ وجود مطلق بنظر مراتب ومفردات موجودہ منقسم بہ دوقسم ہیں۔ ایک قسم لطیف ہے جس طرح کہ معانی وارواح وغیرہ ہیں اور دوسری قسم کثیف ہے جیسا کہ صور واشکال اور اجسام وغیرہ اور ہر ایک ان دونوں قسموں کی دو دو نوعیتیں ہیں ایک نوعیت اعلیٰ دوسری نوعیت ادنیٰ' اعلیٰ معنوی' انسان میں مانند تخلق وتحقق صفات الٰہیہ واخلاق محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ اور تمام مراتب کمالات معنوی سے متصف ہوتا ہے اور اس علو کو علو مکانت کہتے ہیں اور اس کی نہایت خدا کے نزدیک ہے۔ حق تبارک وتعالیٰ یہ خوبیاں اس میں جمع فرماتا اور اسے عنایت فرماتا ہے جس کی تعظیم کا وہ ارادہ فرمائے اور اپنی بارگاہ میں جسے بزرگ بنائے اور نوع اعلیٰ صوری' فعال' حسنہ' اعمال صالحہ' صور حسنہ' اشکال لطیفہ اور اماکن علیہ فیضیہ ہیں۔ اس علو صوری کا نام مکان ہے اور اعلیٰ مکان جنت ہے۔

باوجود تفاوت درجات اور اس کے مراتب کے اور اس کا اعلیٰ درجہ وسیلہ ہے جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دی ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک کے ساتھ اس کا وعدہ فرمایا ہے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں لہٰذا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علو مکانت ساتھ مخصوص ہیں' جس طرح کہ علو مکانت کے ساتھ مخصوص ہیں اس لیے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک قدر ومنزلت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی اعظم نہیں ہے اور حدیث پاک میں ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب میں نے تمہارے لیے اپنی شفاعت کو پنہاں کر کے رکھا ہے اور بجز آپ کے کسی نبی کیلئے اسے پنہاں کر کے نہ رکھا۔

حضرت ابوجعفر بن محمد بن علی بن حسین سلام اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے آسمانوں اور زمین پر شرف کو کامل فرمادیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں روز قیامت عرش کی داہنی جانب کھڑا ہوں گا جہاں میرے سوا کوئی کھڑا نہ ہو سکے گا اور فرمایا میں آدمیوں میں سب سے پہلا نکلنے والا ہوں گا جس وقت کہ وہ اٹھائے جائیں گے اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ درگاہ الٰہی میں آئیں گے اور ان کا بشارت دینے والا ہوں گا جب وہ ناامید ہو گیا۔ لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اپنے رب کے نزدیک اولادِ آدم میں سب سے گرامی تر ہوں گا ولا فخر۔

ایک روایت میں ہے کہ میں ان کا قاید ہوں گا جبکہ وہ درگاہ الٰہی میں آئیں گے اور میں ان کا خطیب ہوں گا جبکہ وہ خاموش ہوں اور سنیں گے اور میں ان کا شفیع ہوں گا جبکہ ان پر تمام دروازے بند ہو جائیں گے اور ''لوائے کرم'' میرے ہاتھ میں ہے اور میں اکرم اولاد ہوں اپنے رب کے حضور حضرت ابوسعید حذری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَــا سَیِّــدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَبِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلاَ فَخْرَ ہر آدم یا ان کے سوا سب میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے کہ آگاہ ہو جاؤ کہ میں خدا کا حبیب ہوں۔ ایک روایت میں انہیں سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا اَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَلاَ فَخْرَ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْهِ وَسَلِّمْ.

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا میں نے زمین کے مشارق ومغارب کو دیکھ ڈالا ہے مگر کوئی بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل مجھے نظر نہ آیا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اکملیت اور تمام کمالات صوری ومعنوی کے مجتمع ہونے میں احادیث اتنی کثرت سے ہیں ان سب کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اکملیت میں متنازع اور آپ کی افضلیت میں مدافع نہیں ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علومکانت کو حقائق اسماء وصفات کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور علوم مکان کو وسیلہ اور مقام محمود کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے لہٰذا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکان ومکانت کے اعتبار سے اعلیٰ وافضل موجودات ہیں اور باعتبار صورت ومعنی انتہائی علو وجودی کے ساتھ مخصوص ہیں یہ بیان نوع اعلیٰ کا ہی جو مکان ومکانت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی دونوں نوعیتیں دونوں قسموں کی بیان کردی گئیں۔

اب رہی ان دونوں قسموں کی دونوں اونیٰ نوعیں جسے سقوط مکانت سے تعبیر کیا جاتا ہے تو وہ دونوں ابلیس کے نصیب میں ہیں اور ان کا حد ومقام شیطان کے متبعین اشقیاء کیلئے ہے۔ نَعُوْذُ بِااللہِ مِنْ ذَالِكَ اس باب میں کلام دو وصل میں کیا ہے۔

وصل اول درکمالات معنوی: اصل وصل میں ان کمالات معنوی کا بیان ہے جو بارگاہِ الٰہی میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علومکانت میں حاصل ہے۔ لہٰذا یہ ۲ دو قسم پر منقسم ہے۔ ایک قسم کمالی ہے جس کے ساتھ کاملین عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین متخلق ومتحقق ہیں جیسا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہِ. دوسری قسم کمال کونی ہے جس کے ساتھ کاملین عظام متصف ومتخلق ہیں اور یہ وہ صفات حمیدہ ہیں جن کا مجموعہ "مکارم اخلاق" ہے مخفی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق میں اس قدر مکارم اخلاق جمع نہیں کیے جس قدر کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں مکارم اخلاق اور محامد صفات جمع فرمائے کیونکہ وہ آپ ہی سے پیدا ہوئے اور آپ ہی نے پروان چڑھایا اور آپ ہی پر ختم ہو کر مکمل ہوئے۔ اسی لیے حق تبارک تعالیٰ نے آپ کے حق میں فرمایا: اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ سیر واحادیث کی کتابیں آپ کے اخلاق حمیدہ خصائل جلیلہ سے اتنی لبریز ہیں۔ جن کا کوئی حد وحساب نہیں۔

عارف کامل شیخ عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ صاحب قاموس اعظم وقابوس اقدم فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق کے سلسلہ میں کتابوں میں جس قدر ذکر کیا گیا ہے وہ دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ ہے اور وہ جو وارد نہیں ہوا اور بیان نہیں کیا گیا ان سے سوائے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی متصف نہیں ہے اور وہ کسی میں جمع نہیں کیے گئے وہ آپ کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان کے جامع ہیں۔ اس سے آپ کے خلق معنوی کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔

اب رہا کمال حقی جو کہ حق تعالیٰ نے آپ کو بخشا ہے اور ان کے ساتھ آپ کو مخصوص فرمایا وہ اس سے زیادہ ہیں جن کو ادراک کیا جائے اور غور وفکر کے بعد ان کو دریافت کیا جائے اور ان کو پہچانا جائے۔ ان کی کوئی حد وغایت نہیں ہے۔ کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمیع اخلاق الٰہیہ اور صفات ربوبیہ سے متحقق ہیں۔ شیخ مذکور رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب کمالات الٰہیہ درصفات محمدیہ ہیں صفت صفت اور اسم اسم کر کے بیان کیا ہے اور اس میں ان چیزوں کا بیان کیا ہے جو کتاب عزیز میں ان پر تصریحاً اشارۃً اور تلویحاً دلالت کرتی ہیں۔ منجملہ ازاں اسم اللہ کا ہے اور اس پر دلیل کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس اسم کے مظہر ہیں۔ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللہَ رَمٰى مشت خاک آپ نے نہیں پھینکی جبکہ آپ نے پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی، اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللہِ جس نے رسول کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ کی اطاعت کی: وَاِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللہَ يَدُ اللہِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ وہ آپ جو آپ سے بیعت کر رہے تھے بلاشبہ وہ اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے۔

شیخ قدس فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: انا عبداللہ میں اللہ کا بندہ ہوں کے یہی معنی ہیں۔ یہ عبودیت جو اپنے رب کے نام کے ساتھ ہے آپ کے اسم گرامی کے ساتھ خاص عبارت ہے۔ اس لیے کہ آپ متخلق باخلاق الٰہیہ ہیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات کو جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہے تعظیم حق میں بعید ومحال نہ سمجھو اس لیے کہ یہ بات نہ اللہ تعالیٰ کے

نزاہت میں طعن کرتی ہے اور نہ اس کے کمال میں کمی لاتی ہے۔

بندۂ مسکین خصہ اللہ بمزید العلم والیقین یعنی شیخ محقق شاہ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ قدس سرہ پر تعجب ہے کہ وہ اس بات پر معذرت خواہ ہوئے گویا کہ اسی قدر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عظمت بیان کرنے میں کمال الٰہی کی کمی کا شبہ ہو گیا۔ اس میں کیا بات معذرت کی ہے حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سراپا اور عین کمال الٰہی ہیں کہ حق تعالیٰ اور مظہر کمال نامتنا ہی ہے۔

بلاشک وشبہ حق تعالیٰ نے اپنے اسماء کثیرہ کے ساتھ اپنے حبیب کو موسوم فرمایا اور یہ مشہور ہے کہ حق تعالیٰ کے تمام اسماء حسنیٰ میں تعلق وتحقق دونوں ممکن ہے ورنہ اس اسم جلیل میں تو بجز تعلق کے اور حاصل نہیں اور نہ اس کا تحقق ممکن ہے شیخ قدس سرہ کا کلام اس میں ناظر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اسم جلیل کے ساتھ تخلق بھی حاصل ہے اور اس اسم جلیل کے مفہوم میں جمیع صفات کمال کا جمع ہونا ماخوذ ہے اور حقیقت محمدیہ کو جمیع کمالات حاصل ہیں۔ چنانچہ جتنا کچھ بیان کیا گیا اس سے واضح ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ مرتبہ الوہیت ذات الٰہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ خدا خدا ہے اور بندہ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

شیخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ یہ بندگی خاص جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف کے ساتھ مخصوص ہے جمیع صفات کمال سے متصف ہونے اور اسم باری تعالیٰ کے ساتھ موسوم ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ گویا کہ یہ بات فنا وبقا کے معنی پر مبنی ہے۔ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کی ذات وصفات میں فانی ہوئے ہیں لامحالہ ان کے ساتھ باقی ہوں اور ان سے متصف ہوں۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ حقیقت محمدی کے دریائے فضل میں جس کی وحدت تعبیر ہے۔ ایسے مستغرق ہوئے ہیں کہ ان کی نظر بصیرت سے نقش دوئی محو ہو گیا ہی (واللہ اعلم) حضرت شیخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ منجملہ ازاں ایک اسم ''النور'' ہے اور یہ اسم ذاتی ہے: لَقَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ یعنی مُحَمَّدٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ يَعْنِي اَلْقُرْآنُ بیشک اللہ کی جانب سے تمہارے پاس نور یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب مبین یعنی قرآن آیا۔

منجملہ ازان ایک اسم الحق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جَآءَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ آیا حق تمہارے رب کی جانب سے اور فرمایا: بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ بلکہ کافروں نے حق کو جھٹلایا جبکہ ان کے پاس تشریف لائے۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ منجملہ ازاں ایک اسم الرؤف اور اسم الرحیم ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ منجملہ ازال ایک اسم الکریم ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ یہ عزت والے رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمایا ہوا ہے۔ منجملہ ازاں ایک اسم عظیم ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ خلق اسم عظیم کا وصف ہے تو ان کو عظمت کے ساتھ وصف فرمایا۔

ایک اسم الشہید اور الشاہد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کریم کے بارے میں بقول حضرت عیسٰی علیہ السلام بطریق حکایت فرمایا: وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا اے خدا تو ہی ہر شے کا گواہ ہے اور حق تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: **ویکونالرسول علیکم شهیدا** اور یہ رسول تم پر گواہ ہیں۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے ذکر کیا ہے کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے ناموں کے ساتھ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو موسوم فرمایا چنانچہ اسماء باری تعالیٰ میں **الخبیر' الفتاح' الشکور' العلیم' العلام' الاول' الاخر' القوی' لوالیی' الغفور' الهادی' المومن' المهیمن' الداعی' العزیز** وغیرہ اسماء جو کہ حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں انہیں ناموں سے اپنے حبیب علیہ السلام کو موسوم فرمایا اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ہر نام پر قرآن کریم سے دلیل لائے ہیں۔ تاکہ کوئی معترض اس پر

اعتراض نہ کرے اور کوئی مجادل اس میں نزاع نہ کرے اور فرمایا میں نے اس کتاب میں اسی قدر پر اکتفا کیا ہے اس لیے کہ محققین کے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اسماء حسنٰی اور صفات علیا کے ساتھ متصف و متحقق ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے کمالات عطا ہوئے ہیں کہ آپ کے سوا کسی دوسرے کو سزاوار نہیں ہیں: کَانَ خُلُقَهُ الْقُرْآنُ آپ کا خلق قرآن ہے اور قرآن کلام خدا ہے اور یہ اس کی صفت ہے۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خدا کی صفات کو خلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیا اور انہوں نے اس امر پر مطلع ہونے کی وجہ سے اپنی معرفت ورسائی کی داد دی۔ حق تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں خود فرمایا ہے: اِنَّـهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ بلاشبہ قرآن عزت والے اللہ کے رسول کا قول ہے حالانکہ حقیقۃً خدا کا قول ہے لہٰذا حق تعالیٰ کے صفات عظیمہ کے ساتھ متصف و متحقق ہونے پر غور وفکر کرنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ نے اپنے صفات اور اپنے اسماء میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام تخلف میں اپنا خلیفہ اور اپنا قایم مقام بنایا۔ اور خوب غور کرنا چاہیئے کیونکہ اس کے تحت اسرار شریفہ مضمر ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اس کی حقیقت سے باخبر و مطلع فرمائے (آمین واللہ الہادی)

وصل دوم در کمالات صوری: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ کمالات صوری جو آپ کیلئے بارگاہ الٰہی میں علو مکان کے تحقق پر شاہد ہیں۔ یہ کمالات صور یہ تین قسموں پر اول ذاتی ہے قسم دوم فعلی ہے مثلاً نماز' روزہ اور صدقہ وغیرہ اور تیسری قسم قولی ہے

قسم اول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف اور آپ کی صورت جمیل ہے اور آپ کی ذات' اجمل زوات' اکمل وافضل واطہر اور انور تھی اور آپ کی صورت احسن' اجمل' اجلا اذکائے صور تھی۔ علماء کرام ''شکر اللہ سعیہم'' کو کچھ آپ کا حلیہ شریف معلوم ہوا اور ان کے فہم میں آیا انہوں نے اس کو جمع کیا اور بیان کر دیا۔ اس سے مقصود آپ کا تصور جمال' مطالعہ کمال اور ہر گھڑی اسے ملحوظ خاطر رکھنا اور اس کام کی مشق کرنا اور اس کا مراقبہ کرنا اور اسے اپنا نصب العین بنانا ہے۔ تاکہ اس جمال جان فزا کو پیش نظر رکھ کر دائمی محبت قایم رہے اور کبھی جدا نہ ہو۔

یہ طریقہ حصول کمال و وصال کیلئے اقرب ہے اور یہ درجہ صحبت کے حصول اور اصحاب وافر النصاب میں شامل ہونے کا ذریعہ ہے اور یہ صحبت معنوی اور سعادت کبریٰ اور نعمت عظمیٰ کے حاصل ہونے کا سبب ہے۔ اگر اس پر بر طریق اتصال و دوام استطاعت نہیں ہے تو صلوٰۃ وسلام کے وقت جو کہ روشنی راہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اقرب طرق ہی اسے نگاہ میں رکھے۔ (وباللہ التوفیق)

لیکن دوسری قسم جو فعلی ہے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال زکیہ اور احوال مرضیہ ہیں جو معلوم و ماثور ہیں اور صحف ودفاتر ان سے مملو و مشحون ہیں اس باب میں یہ بات کافی نہیں ہے کہ سارا جہاں اور ان کے تمام اعمال وصفات آپ کے میزان میں ہیں۔ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی رشد و ہدایت کے طریقوں کی بنیاد رکھی اور آپ نے ہی لوگوں کو ضلالت وگمراہی سے باہر نکالا اور احکام کو وضع کر کے سنت قایم فرمائی۔ نماز وروزہ اور حلال وحرام کی روشنی دکھائی اور بھلائی جو اہل جہاں آئی وہ آپ ہی کے دم قائم سے وابستہ ہے چونکہ آپ نے ارشاد فرمایا: مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ جس نے کوئی سنت حسن قایم کی تو اس کا اجر اسے ملے گا اور قیامت تک جو اس پر عمل کریں گے اس سب کا اجر بھی اسے ملے گا تو ان کے تمام اجور آپ کیلئے ہوں گے لہٰذا تمام مخلوق کے اجر آپ کے اعمال کے میزان میں ہیں بلکہ ساری مخلوق کے اجور آپ کے دریائے فضل کا ایک قطرہ ہیں اور آپ سب کے کل اور اصل ہیں اور تمام آپ کے اجزاء اور آپ کی فرع ہیں۔ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کی شدت اور آپ کے احوال کی قوت کو کوئی کیا بیان کر سکتا ہے۔

بس اتنا ہی کافی ہے جووارد ہوا ہے کہ طول قیام کی وجہ سے آپ کے قدم اقدس ورم کرتے تھے۔ باوجودیکہ ذنوب ماتقدم وما تاخر مغفور ہیں اور یہ کہ خزائن ارض کی کنجیاں دست قدرت میں ہونے کے باوجود شکم اطہر پر پتھر باندھنا وارد ہے حالانکہ جبریل علیہ السلام نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں آپ کیلئے زمین کے پہاڑوں کو سونا کردوں لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار فرمایا اور فقر کو اختیار فرمایا۔ آپ کے حضور میں بحرین کا مال لایا گیا آپ نے گوشہ چشم سے بھی نہ دیکھا اور اس سے کچھ بھی تو اپنے گھر نہیں لے گئے۔ حالانکہ اس وقت کھانا تک موجود نہ تھا۔ بجز دوسیاہ کھجور اور اور پانی کے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری صفات اس سے کہیں زیادہ بلندوبالا ہیں جن کو کہ احاطہ میں لایا جاسکے۔ یہ تمام باتیں بطور نمونہ ہیں۔

لیکن تیسری قسم جو کہ قولی ہے۔ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال فصیحہ اور کلمات ملیحہ ہیں جن سے اسلامی کتابیں مملو ومشحون ہیں۔ وہ سب دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ اور روشنی میں ایک ذرہ کی مانند ہیں۔ آپ کی عظمت شان میں حق تبارک تعالیٰ کا قرآن کریم میں وہ قول جو کہ آپ کا کلام ہے کافی ہے کہ: اِنَّــهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ جوظاہر میں آپ کا کہا ہوا تھا۔ مگر حقیقت میں خدا کا کلام ہے اور حق تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے نہیں ہے وہ مگر وحی جو ان کی طرف کی گئی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے جس کلمہ کو تم چاہو غور وفکر کرو تا کہ تمہیں اس میں ہر جہت اور ہر حقیقت کے مجامع ومحاسن حاصل ہوں اور آپ نے کوئی چیز ایسی نہ چھوڑی مگر یہ کہ مخلوق خدا کو اس کی طرف ہدایت فرمائی اور کوئی فضیلت ترک نہ فرمائی مگر یہ کہ اس پر آپ نے لوگوں کو تنبیہ فرمائی۔ اسی بناء پر حق تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبیین بنایا اس لیے کہ خبرداری کے ہر دقیقہ کو آپ نے احاطہ فرمایا اور ہر طریقہ پر حقیقت سے روشناس کرایا۔ لہٰذا آپ کے بعد کسی اور مرشد ورہنما کی حاجت باقی نہ رہی اور آپ آخر میں خاتم النبیین ہوئے جس طرح کہ آپ ابتداء واول میں سابقین النبیین تھے جبکہ: وادمر بین الماء والطین حضرت آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے آپ کی بزرگی عظیم اور آپ کا مرتبہ کریمہ ہے۔

وصل: اس بیان میں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قابلیت' تمام موجودات کی نسبت میں ایسی ہے جیسی کہ دریا کی قابلیت قطرہ کی نسبت سے ہے۔

جاننا چاہیے کہ فیض الٰہی کا تفاوت قبول کرنے والوں کے تفاوت کے اندازہ پر ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ آفتاب کی شعاعیں آئینہ میں کتنی ظاہر ہوتی ہیں اور وہ اسے ایسا روشن کرتا ہے کہ کسی کی طاقت نہیں کہ اس کی طرف نظر کر سکے نظر کرسکے وہ آنکھ اس کے نظارہ میں خیرہ ہو کے رہ جاتی ہے۔ بخلاف اس کے' اس کی شعاعیں جو جمادات پر پڑتی ہیں ان کا یہ حال نہیں ہوگا۔ یہی صورت دکھانے والے آئینہ کی ہے چنانچہ اگر وہ آئینہ معتدل ہے تو چہرہ معتدل نظر آتا ہے اور اگر مستطیل آئینہ ہے تو چہرہ لمبوترا نظر آتا ہے اور اگر عریض ہے تو جہرہ عریض نظر آتا ہے اور اگر چھوٹا ہے تو چہرہ چھوٹا نظر آتا ہے اور اگر بڑا ہے تو چہرہ بڑا نظر آتا ہی تو اس سے معلوم ہوا کہ ثبوت فیض' قابلیت کے اندازہ پر ہے اور حق تعالیٰ حکیم ہے وہ ہر چیز کو اس کے مقام میں ہی رکھتا ہے۔ جبکہ قابلیتیں مختلف ومتفاوت ہیں تو مخلوق میں ظہور رفیض قوابل کے اندازہ پر ہے اور حق تعالیٰ کا اپنے اسماء وصفات میں ظہور بھی اسی کی شان کے لائق ہے جس طرح بھی اس کی شان قابلیت تقاضا فرمائے لہٰذا اس کا ظہور اسم منعم میں ایسا نہیں ہے جتنا اس کا ظہور اسم منتقم میں ہے اور اس کا ظہور نعمت میں نہیں ہے لہٰذا ظاہر ایک ہے اور اختلاف مظاہر کی بناپر ظہور مختلف ہیں اور ظہور حق ظاہر میں بقدر قوابل ہیں اور شیاء کی قابلیتیں ان کے محلوں کے ساتھ متعلق ہیں جو ان سے ظاہر ہوتی ہیں۔

چند محل نعمت اسم المنعم کے مظہر ہیں اور چند محل نقمت اسم المنتقم کے مظہر ہیں منعم اور منتقم دونوں قدیم اسم الٰہی ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات قدیم اس کے ساتھ قایم ہیں اور عالم کی ہر شئی اس کے اسماء وصفات کے اثر سے ہے۔لہٰذا عالم کا ہر فرد حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کے مقام حد واثر میں ہے۔

واضح رہنا چاہئیے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حق تعالیٰ کے اسم ذاتی سے پیدا کیے گئے ہیں۔لہٰذا وہ اسماء ان کے محامد ہیں اور اولیا کرام اسماء صفاتیہ سے پیدا کیے گئے ہیں وہ اسماء ان کے محامد ہیں اور بقیہ تمام موجودات صفات فعلیہ سے مخلوق ہیں وہ ان کے محامد ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات عزوجل سے مخلوق ہیں لہٰذا آپ کا حد و مقام ذات حق ہے اور آپ پر ظہور حق بالذات ہے۔

اسی بناء پر آپ جمیع صفات کے ساتھ منفرد ہیں اس لیے کہ صفات ذات کی طرف راجع ہیں اور آپ کا دین تمام دینوں کا ناسخ ہے اس لیے کہ بروز ذات کے بعد صفات مشہود نہیں ہوتے۔البتہ ان کا علم باقی رہتا ہے۔اسی بنا پر انبیاء علیہم السلام کی نبوت اپنے حال پر باقی رہی وہ منسوخ نہ ہوئی صرف ان کے ادیان منسوخ ہوئے اور قابلیت محمد یہ کی نسبت بحر کی مانند ہے اور دیگر انبیاء واولیاء کی قابلیت کی نسبت نہروں اور چشموں کی مانند ہیں اور بقیہ عالم کی قابلیت کی نسبت ان کی قطرات کی مانند ہے۔یہ الفاظ حضرت شیخ قدس سرہ کے ہیں۔اس حقیر (یعنی مؤلف) کی زبان پر ایسا آیا ہے کہ اقرب کنز ان اقداح غرف قطرات اور بحر کی جو مثالیں ہیں اس کا سبب یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجموعہ عالم ہیں اس لیے کہ آپ کی روح مقدس عقل اول ہے اور تمام عالم اسی سے مخلوق ہے لہٰذا صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قابلیت تمام موجودات کی قابلیتوں کے برابر ہوگی۔آپ مستفیض اول اور مفیض ثانی ہیں اور ذاتی فیض سب سے پہلے آپ ہی کی جانب متوجہ ہے اور آپ سے تمام بقیہ موجودات ومخلوقات کو ان کی قابلیتوں کے موافق فیض متوجہ ہے۔لہٰذا آپ تمام موجودات کے کل ہیں اور آپ ہی سے کل شئی ہے وہو الکل اور آپ ہی کل ہیں اور حق تبارک تعالیٰ کل الکل۔

امام عبداللہ یافعی رضی اللہ عنہ کا قول کتنا اچھا ہے جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہا ہے کہ

یا واحد الدهر ویا عین الوجودی ویا غیث الانام هادی كل حیران

چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قابلیت کل ہے اور تمام اکوان یعنی انبیاء ومرسلین ملائکہ مقربین اور تمام اولیاء صدیقین ومومنین کی قابلیتیں جزئی ہیں۔لامحالہ وہ سب کے سب حضور اکرم کے مقام رفعت کے انتہائی دریافت وفہم سے قاصر رہیں گے اور آپ کی شان رفیع کے طوق سے عاجز ہوں گے۔

اور جبکہ یہ بات جان لی اور پہچان لی کہ تمام انبیاء ومرسلین نے اپنے سروں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس کی رفعت کے آگے جھکا دیا اور اپنی گردنوں کو زمین مذلت پر آپ کی شان مجد وعظمت کے آگے سرنگوں کر دیا تو اب اس عہد مبارک کا یہی مطلب ہو یعنی انبیاء کرام علیہم السلام سے لیا گیا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ.

یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب وحکمت سے نوازوں پھر تمہارے پاس وہ رسول تمہارے ساتھ کی چیز وا کا تصدیق کرتا تشریف لائے تو تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔

تمام اولیاء مقربین اپنی علو شان کے ساتھ آپ ہی کے عروۂ وثقیٰ کے ذریعہ اور اس کے تمسک سے ترقی وعروج کرتے ہیں۔حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا در ہر طرف سے بند ہے لیکن سیّد عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا در کھلا ہوا ہے درگاہ حق سبحانہ وتعالیٰ میں داخل ہونے کیلئے کوئی راستہ نہیں بجز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ کے اور کسی کو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ

ظاہر و باطن میں آپ کے در پر حاضر ہو کر آپ کا اتباع کرے تا کہ وہ خدا تک پہنچ سکے۔ اگر درمیان میں یہ بندش نہ ہوتی تو آپ کے بعد کے اولیا وہی دعویٰ کرتے جو آپ سے نبیوں نے کیا ہے اور اولیاء امت محمد یہ نے باطن میں خدا سے وہ پایا ہے جو انبیاء سابقین علیہم السلام نے ظاہر میں پایا ہے وہ نبوت نہ پا سکے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم و منقطع ہوگئی۔ اس انقطاع نبوت میں حکمت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ پایا ہے نبوت سے پایا ہے اور ادیان میں جو کچھ بھی مشروع ہوا ہے وہ خدا کے حکم یا خدا کے اذن سے ہوا ہے۔ یہاں تک کہ دین محمدی کے ظہور سے ان کے ادیان منسوخ کر دیئے گئے اس لیے کہ ان کا دین جزئی تھا اور دین محمدی کلی ہے اور جزئی، کل پر غالب نہیں آتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی کلیت اس بناء پر ہے کہ آپ تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہیں اور آپ کے سوا تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام مخصوص قوموں کی جانب مبعوث ہوتے تھے اسی بنا پر ان کے دینوں کا یہ حال تھا۔

لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی قوت میں تمام عالم کی قوت ہے خواہ عرش و کرسی ہو یا لوح و قلم، افلاک و اہلاک سموات وارض ہوں یا کواکب و شمس و قمر، نار و ہوا و آب و خاک، اشجار و معادن ہوں یا حیوانات و جن و انس، جو کچھ بھی پیدا ہوا یا ہوگا۔ سب کچھ اس دین حق کے تحت قوت ہیں۔

پھر ان سب پر جمعیت کبریٰ کو زیادہ کیا گیا جو اس کی مخصوص حقیقت ہے اور یہی وہ بات ہے جس کی تعبیر قاب قوسین سے کی گئی ہے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہے اور آپ کے سوا اس میں کا کچھ بھی حصہ میسر نہیں ہے۔ مگر یہ کہ جس جتنی وسعت و قابلیت تھی اس کے موافق اسے حصہ ملا لہٰذا اس میں خوب غور و فکر کرو اور اس کو سمجھو اور اس میں گم ہو جاؤ اس کے ساتھ اپنے آپ کو ایسا وابستہ کر دو جیسے کہ قطرہ دریا میں گم ہو کر فنا ہو جاتا ہی تا کہ سعادت کبریٰ اور مکان زلفی سے فائز ہو جاؤ۔ اس میں سر جلیل اور امر نبیل کا نکتہ ہی اگر حق تبارک و تعالیٰ نے اس نکتہ کے سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائی ہے تو سمجھ لے گا۔ اور اس بحر محمدی میں گم اور فنا ہونے کی جانب سیدی عارف شیخ ابوالغیث بن جمیل رضی اللہ عنہ نے اپنے قول کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے کہ: خَضَیْنَا بَحْرًا وَوَقَفَ الْاَنْبِیَآءِ عَلٰی سَاحِلِهٖ میں نے اس بحر محمدی کی شناوری کی ہے درانحالیکہ انبیاء اس کے ساحل پر کھڑے تھے۔

اور یہ ان کا دریائے محمدی میں داخل ہونا اور انبیاء علیہم السلام کا اس کے ساحل پر کھڑا ہونا اس لیے ہے کہ طوق حقیقی متحقق نہیں ہوتا مگر اسی کو جو آپ کے بعد آئے اور صورت میں آپ کا تابع ہو۔

لہٰذا کاملین اولیاء محمدی، آپ کی صورت و معنی کے ساتھ لاحق ہیں اور بحر لحوق میں داخل ہیں بخلاف انبیاء صلوٰت اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین کے کیونکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکماً لاحق ہیں اور من حیث المعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع و لاحق ہیں نہ کہ من حیث الصورۃ۔ اسی بنا پر انبیاء کرام شکل محمدی، بحر لحوق کے ساحل پر کھڑے ہیں۔ اس لیے کہ وہ اپنی حد ذات میں متبوع ہیں اور صورت میں اپنے کسی غیر کے وہ تابع نہیں ہیں۔ لیکن معنی میں تابع ہیں۔

اولیاء محمدی، عینی و حکمی اور صورۃ اور معنی تابع ہیں۔ اسی بنا پر حق تعالیٰ نے جس کو یہ توفیق بخشی ہے کہ وہ اپنے وجودی قطرہ کو بحر محمدی میں غرق و فنا کر دے بلا شبہ اسے سعادت کبریٰ اور مکانت زلفی حاصل ہوگئی اور اسی کو سزاوار ہے کہ وہ یہ کہے جو قطب الوقت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی قدم پاک اٹھایا ہے اسی جگہ آپ کے نشان قدم پر میں نے اپنا قدم رکھا ہے۔ مگر قدم نبوت جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا کوشش کرو کہ آپ کے ساتھ لاحق ہو جاؤ اور آپ کی متابعت کے دریا میں غرق ہو جاؤ۔ وفقنا الله و ایاك كذلك.

وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حبیب خدا نام ہونے کے اسرار کے بیان میں اور مرکز محبوبیت (جو آپ کے مقام حد اسم

میں ہے) کے ذکر میں وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ایک دن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے اور ان کے قریب پہنچے آپ نے سنا کہ وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ بلاشبہ حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا۔ عجیب ہے کہ فرمایا: وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا تیسرے نے کہا کہ حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔

چوتھے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو برگزیدگی مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سلام کیا اور فرمایا میں نے تمہاری گفتگو اور تمہارے تعجب کو دیکھا اور سنا تم نے یہی تو کہا کہ حضرت ابراہیم خدا کے خلیل ہیں حضرت موسیٰ خدا کے کلیم نجی ہیں اور حضرت عیسیٰ روح اللہ ہیں اور حضرت آدمؑ کو خدا نے برگزیدہ فرمایا۔ جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ میں خدا کا حبیب ہوں اور یہ فخر یہ نہیں۔ نہیں حامل لواء الحمد ہوں روز قیامت' یہ فخر یہ نہیں۔ میں پہلا شفیع اور پہلا قبول الشفاعت ہوں یہ فخر یہ نہیں میں پہلا شخص ہوں جو جنت کی کنڈی کھٹکھٹاؤں گا تو میرے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائیگا اور میں ہی پہلے جنت میں داخل ہوں گا اسحال میں کہ فقراء امت میرے ساتھ ہوں گے میں اکرم اوّلین وآخرین ہوں یہ فخر یہ نہیں۔

یہ حدیث مبارک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات میں جامع اور آپ کی افضلیت میں اکمل ہے افضل ہے۔ بلاشبہ پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علومکان اور علومکانت کا بیان گزر چکا ہے اس جگہ مقصود آپ کیلئے اسم حبیب کی تخصیص کا بھید بیان کرنا ہے لہٰذا خوب جان لو کہ مقام حبی اعلیٰ مقامات کمالیہ ہے بلاشبہ حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہے: كُنْتُ كَنْزًا مَّخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ وَتَعَرَّفْتُ اِلَيْهِمْ فِيْ عَرَفُوْنِيْ وَعَرَفْتُ بِهِمْ میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور ان کو اپنے آپ کی پہچان کرائی تو انہوں نے مجھے پہچان لیا۔

توجہ حبی اوّل پیدائش ہے جو جناب الٰہی سے ایجاد مخلوقات میں واقع ہوئی ہے بقیہ تمام مخلوقات اس کی فرع ہیں اور تمام حقائق بواسطہ حب ہی ظاہر ہوئے۔ اگر حب نہ ہوتی تو مخلوق ہی پیدا نہ ہوتی اور اگر مخلوق پیدا نہ ہوئی تو اسماوصفات الٰہی کو کوئی نہ جانتا اور خلق کا ظہور بواسطہ روح مظہر محمدی ہے جیسا کہ معلوم ہوا لہٰذا اگر روح محمدی نہ ہوتی تو خدا کو کوئی نہ جانتا۔ اس لیے کہ کوئی پیدا ہی نہ ہوتا تو حب وجود موجودات کیلئے واسطہ اولیٰ ہے۔

بلاشبہ وارد ہوا ہے کہ حق تعالیٰ نے شب معراج اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ اے محبوب اگر آپ نہ ہوتے تو آسمانوں کو میں پیدا ہی نہ کرتا تو معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مخزن مخفی کے پہچاننے کیلئے توجہ حبی کے مقصود ہیں اور جو کچھ آپ کے سوا ہے وہ سب آپ کی مانند ہیں۔

اسی بنا پر حق تعالیٰ نے آپ کو اسم حبیب کے ساتھ مخصوص فرمایا اور آپ کے سوا کسی اور کو نہ بنایا اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کی امت میں سے جس نے آپ کی متابعت کی اسے محبوب بنایا ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اے حبیب تم فرما دو اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں محبوب بنالے تو میرا اتباع کرو اللہ تمہیں محبوب بنالے گا اور اُسی کے حکم سے تمام مخلوق آپ ہی سے عالم وجود میں آئی فرمایا: اَنَا مِنَ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ نُّوْرِيْ میں ذات الٰہی سے مخلوق ہوں اور مومنین میرے نور سے ہیں۔ خدا کے ساتھ منسوب ہونیکی یہ خصوصیت امت محمدیہ کو ہی حاصل تمام امتوں میں سے کسی کو یہ حاصل نہیں گزشتہ امتوں میں سے جس نے بھی یہ دعویٰ کیا کہ: اَحِبَّاءُ اللّٰهِ ہم اللہ کے محبوب ہیں حق تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کا انکار فرمایا ہے اور متبعین محمدیہ کیلئے محبت کا اثبات کیا

اس لیے کہ ہر امت اپنے نبی کے ساتھ ملحق ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی حبیب نہیں لازمی ہے کہ آپ کی امت محبت کے ساتھ مخصوص ہو۔

واضح رہنا چاہیے کہ حب کے علی الاطلاق نو مرتبے ہیں۔ایک مرتبہ خالق میں ہے اور باقی مخلوق میں ہیں تو پہلا مرتبہ جو خالق میں ہے اسے حب کہا جاتا ہے بغیر اس کے کہ اس کے ظہور کے اثر کیلئے حرکت ہو۔

جب یہ حال حب میں حاصل ہو تو ارادہ حاصل ہوتا ہے اور حقیقۃً ارادہ حق تبارک وتعالیٰ ہی کا ہے مرتبہ خلق میں حب کا پہلا مرتبہ میلان ہے اور وہ مطلوب کی جانب دل کا کھچاؤ اور جھکاؤ ہے اور جب زیادہ ہو جائے تو اسے رغبت کہتے ہیں اور رغبت میں اضافہ ہو تو طلب کہتے ہیں اور اگر طلب میں زیادتی ہو تو اسے ولع کہتے ہیں اور جب ولع میں شدت ہو اور دوام کی صورت پکڑ لے تو اسے صبابہ کہتے ہیں اور جب یہ قوی ہو جائے اور دل میں اتر جائے اور مراد سے انسیت پکڑے تو اسے ہوا کہتے ہیں جب ہوا غالب ہو جائے اور وہ دل پر چھا جائے تو اسے شغف کہتے ہیں اور وہ اس حیثیت میں ہو کہ محبّ کو اپنے آپ سے فانی کر دے جب وہ نمو پکڑے اس طرح سے کہ اپنے نفس سے فانی ہو جائے اور اپنی فنا سے فانی ہو جائے تو اسے اعزام کہتے ہیں اور جب یہ مستحکم اور پختہ ہو جائے اور ظاہر و متمکن ہو جائے اور محب اپنے نفس سے فانی ہو جائے اور حبیب کی طرف سے بھی اس حیثیت میں ہو جائے کہ شیٔ واحد بن جائے تو اسے حب مطلق کہتے ہیں اور اسی کا نام عشق ہے مخلوق کیلئے محبت میں یہ آخری مقام ہے اور اس مقام میں محب حبیب اور حبیب محب بن جاتا ہے اور ہر ایک کا رنگ دوسرے پر ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عاشق کی روح معشوق کی صورت میں متمکن ہوتی ہے اور وہ صورت روحانیہ اس کے دل سے متعلق ہو جاتی ہے اور اس صورت میں باہمی فک و مفارقت اور انفعال مستحیل ہو جاتا ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

رق الزجاج ورق الخمر۔ (ابیات)

یہ نو مرتبے حقیقۃً مخلوق کیلئے ہیں ان کا اطلاق خدا کیلئے نہیں کیا جائے گا بجز اس کے کہ ان تمام مراتب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

لیکن حب اور ارادہ حقیقۃً خدا کیلئے ہے اور حب کیلئے ایک مرتبہ اور ہے جو حق اور خلق میں ظاہر ہوتا ہے اور اس کو مرتبہ جامعہ کا نام دیتے ہیں اور اس کو دوم قرار دیتے ہیں۔اسماء الٰہی میں سے ایک نام ودود ہے حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے دوست رکھتا ہے اور بندے اس کو دوست رکھتے ہیں۔

فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جس کو وہ دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ کو دوست رکھتے ہیں تو دونوں مرتبہ میں مشترک ہیں یہ مرتبہ عالم ظہور میں دونوں جانب سے واقع ہونے کی بنا پر مراتب عشق میں انتہائی مقام میں ہے اور خلق میں عشق الٰہی کے مرتبہ سے زیادہ فائق کوئی چیز نہیں ہے۔اِذْهُوَ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ.

وصل: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق رکھنے کی کیفیت اور آپ کے در پر حاضر ہونے کی برکت کے بارے میں جاننا چاہیے کہ جب حق تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دوست رکھتا ہے اور روز قیامت امت کیلئے آپ کو شفیع بنایا ہے جو قرب و عزت اور محبت کے لوازم میں سے ہے اور اس شفاعت کو آپ کیلئے عام قرار دیا اور آپ کے سوا شفاعت کے عموم میں کوئی مخلوق نہیں ہے اس میں بھید یہ ہے کہ چونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کی جانب مبعوث اور ان کے پیشتر پیشرو و نگہبان ہیں اور ہر راعی و نگہبان اپنی رعایا و امت کا جوابدہ ہوتا ہے اور اس پر ان کے احوال کی رعایت واجب ہوتی ہے۔اسی بناء پر حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے دنیا و آخرت کے مصالح واجب فرمائے اور اسی بنا پر آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائی اور آپ سے اس وسیلہ کا وعدہ فرمایا جو مقام محمود ہے اور حقیقت میں وسیلہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ مطلوب تک پہنچنے کیلئے واسطہ و ذریعہ ہوں اور وہ شفاعت ہے اور اسی معنی کی ایک

منزلت ہے جس کی صورت فردوس اعلیٰ میں ہے جو کہ منازل جناں میں ارفع منزل ہے آپ وہاں سکونت فرمائیں گے اور معنی ظاہر باطن اور کمالات طواف کریں گے۔

جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کیلئے ابتدائے وجود وظہور میں واسطہ ہیں اسی طرح نہایت میں بھی واسطہ ہیں جو کہ جنت میں اقامت کیلئے ہے لہٰذا تمہارے وجود اور ہر وہ چیز جس کا وجود ہے اس کیلئے ازل' ابد' اول اور آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا موجودات میں واسطہ ووسیلہ نہیں ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

تو اے طالب صادق تم پر لازم واجب اور سزاوار ہے کہ اس بارگاہ بے کس پناہ سے متعلق ہو جاؤ اور ان کے در اقدس کے ہو کے بیٹھ جاؤ تاکہ دونوں طرف اور دونوں جانب سے لگاؤ حاصل ہو۔

جب بھی کسی شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت میں آپ کی رفاقت کی تمنا کا اظہار کیا آپ نے یہی جواب فرمایا:

''اَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ '' اور اسے حکم دیا کہ اپنے نفس پر سجود' سعدی اور طلب کے ساتھ اعانت کر۔ تاکہ تجھے مطلوب حاصل ہو جائے اور اتم واکمل' مقصود متحقق ہو جائے۔

اسی بنا پر اولیاء کاملین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ یہ رہا ہے کہ آپ کی بارگاہ سے متعلق ہو جاتے اور آپ کے در اقدس پر جبہ سائی کرتے رہتے ہیں اور یہی طریقہ ہمیشہ اہل کمال کا رہا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی مشیت جس کے حق میں تکمیل اور مرتبہ علیا تک رسائی سے متعلق ہوئی اسے اس کی توفیق عنایت فرمائی۔

اور جب اولیاء کاملین رضی اللہ عنہم بارگاہِ اقدس کے منازل میں سے کسی منزل میں حاضر ہوئے جہاں ان کو بارگاہِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نظر کرنا ممکن ہے تو ان انوار کے مشاہدہ کی جانب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ پر جناب باری تعالیٰ کی جانب سے بارش ہو رہی ہوتی ڈورتے ہیں۔ اور بارگاہِ الٰہی کے کلمہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرتے ہیں۔ اور ہر چیز سے غافل ہو جاتے ہیں جس کا تقاضا کمالاتِ الٰہیہ میں سے ان کے حقائق کرتے ہیں اور بارگاہِ رسالت کے ادب کی خاطر اپنے کمالات کو گم کر دیتے ہیں اور ان کو اس حالت کی برکت کی بنا پر اس چیز سے زیادہ حاصل ہوتا ہے جس کی شرح ممکن نہیں ہے۔ اس حالت اور اس دوران وہ محمدی سمع و بصر سے ایسی چیز دیکھتے اور سنتے ہیں جو کہ محمدی قابلیت کے مناسب ہوتی ہے۔ جس کی کسی کی ذات میں قوت نہیں ہے اور ان کو محمدی خلعتوں میں سے جن کا حصول بجز اس طریقہ کے ممکن نہیں ہے پہنائے جاتے ہیں۔

شیخ ابوالغیث بن جمیل کی مراد ان کے اپنے قول کی کہ: ''خُضْنَا بَحْراً وَوَقَفَ الْاَنْبِیَآءُ عَلٰی سَاحِلِهٖ '' ہم نے بحر میں شناوری کی جہاں انبیاء کنارے پر کھڑے تھے۔ یہ ہے اور بحر سے مراد وہ شریعت ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دیگر انبیاء علیہم السلام کی شریعت۔

لہٰذا جس کسی کو ظاہر و باطن میں نسبت محمدیہ متحقق ہو گئی تو وہ صورت و معنی میں کمال اتباع محمدی کی بدولت' حقیقت محمدیہ کے بحر میں داخل ہو گیا۔ اور قابلیت محمدیہ سے حضور بارگاہِ ایزدی میں سے حق سبحانہ وتعالیٰ سے بعض چیزیں حاصل کر لیتے ہیں جب تم نے اس مفہوم مطلب کو جان لیا اور پہچان لیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور کو لازم کر لو اور آپ کے درِ اقدس پر پڑے رہنے کو واجب بنا لو۔

اب اگر تم یہ کہو کہ اس تعلق کی کیفیت اور اس بارگاہ عظیم کی ملازمت نہیں پا سکتے تو ہم اسے کیوں کر حاصل کریں تو جان لینا چاہیے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھنے کی دو نوع ہیں۔

پہلی نوع تعلق صوری ہے جو اس جناب کے ساتھ ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ایک قسم کمال اتباع پر استقامت اور قول و فعل میں کتاب و سنت کے امر و نہی پر مواظبت ہے اور وہ اعتقاد رکھے جو ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے معتقدات ہیں اس لیے کہ علماء محققین کا اجماع واقع ہوا ہے کہ یہ چاروں ائمہ اہل حق ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ روز قیامت یہی فرقہ ناجیہ ہے اور اس قسم کی اتباع صوری کمال اس بات پر ہے کہ عزائم امور کے فعل پر اعتماد کرے اور رخصت کی طرف مائل نہ ہو اس لیے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عزائم پر عمل کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ اور یہ اولوالعزم رسول پانچ ہیں جن کی وضاحت اس آیہ کریمہ میں کی گئی ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ تو یہ اولوالعزم رسول' حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ اور سیّد عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم علیہم اجمعین وسلم ہیں تو کامل الاتباع تابع کو چاہیے کہ آئے اور عزائم امور کا اتباع کرے اور رخصت و سہولت کی طرف میلان نہ کرے کیونکہ یہی اسلام کا مقام ہے۔

ہم تمہارے لیے وہ چیز چاہتے ہیں جو ہم اپنے لیے چاہتے ہیں اور یہ مقامات قربت اور صدیقیت ہے اور اس کی شرط حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عزائم امور میں اتباع اور عمل کرنا ہے اور عزائم امور پر عمل کرنے میں اس وقت تک تم قادر نہ ہو گے جیسا کہ عمل و اتباع کا حق ہے جب تک کہ تمہیں نفس کی شناسائی اور اس کے علل و اسباب کی معرفت نہ حاصل ہو۔

یہ بات اہل اللہ میں سے کسی شیخ کامل ہی کے واسطہ سے حاصل ہو سکتی ہے وہی تمہاری اس میں رہنمائی کر سکتا ہے اور ہر وقت اعمال و احوال کی تمہارے احوال کے مطابق جیسی بھی تمہاری حالت ہو گی معرفت کرا سکتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت امر میں بہت دنوں تک غار حرا کے اندر عبادت الٰہی کرتے رہے جب نہایت ہوئی اور شان عظیم ہوئی تو غار حرا میں عبادت اور خلوت نشینی کو ترک فرما دیا اور تمام سال بجز رمضان کے عشرہ اخیرہ کے اپنے صحابہ کے ساتھ رہتے تھے۔

بلاشبہ طالب کسی ایسی چیز کو جو اس کے حال کے لائق ہے نہ جان سکتا ہے اور نہ پہچان سکتا ہے شیخ مرشد کے واسطہ اور ذریعہ کے سوا وہی اس کی رہنما کر سکتا ہے یا تو بواسطہ جذب الٰہی کے جو اسے اس بارے میں کشف ہوا ہو ہماری باتیں مجذوب کے ساتھ ہیں۔

اے عاقل! طالب اتباع محمدی کیلئے ہمارا کلام تاباں اور واضح ہے لہٰذا تمہیں چاہیے کہ کسی ایسے شیخ کی جستجو میں کوشش کرو جو تمہیں معرفت الٰہی اور تمہاری اپنی حالت کے پہچاننے میں تمہاری رہنمائی کرے اور جب تمہیں ایسا شیخ مل جائے تو اس کے حکم کی مخالفت نہ کرو اور اس سے جدا نہ ہو اگرچہ بلائیں اور مصیبتیں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دے اس کی نافرمانی سے اجتناب کرو اور اس سے اپنا کوئی حال نہ چھپاؤ اگر شومئ قسمت سے تم سے کوئی معصیت سرزد ہو جائے تو اپنے شیخ سے عرض کرو تا کہ وہ اس کو دفع کرنے میں کوشش کرے اور تمہاری اقتضائے حال کے مطابق اس کی مداوی کرے یا بارگاہِ الٰہی میں دعا کر کے شفاعت کرے تا کہ وہ تمہیں اس مذلت سے رستگاری کرائے۔

اور اگر کسی ایسے شیخ سے ملنے کا اتفاق نہ ہو اور کوئی اہل اللہ میں سے تمہیں نہ ملے تو اہل اللہ کے طریقہ کو لازم پکڑو اہل اللہ کے تمام طریقے چار ہیں۔

ایک فراغ قلب ہے اور یہ دنیا و آخرت میں ماسوی اللہ کی طرف مائل ہونے سے دل کو خالی کرتا ہے۔

دوسرا اقبال علی اللہ ہے اور یہ مکمل طور پر اللہ سے محبت کرتا ہے جو کہ اغراض و خطرات' عدم التفات اور طلب عوض سے پاک ہو۔

تیسرا مخالفت نفس ہے اور یہ نفس کی ہر ایسی خواہش کی مخالفت کرتا ہے جو وہ اپنی پرورش کیلئے طلب کرے اور نفس کی سب سے بڑی مخالفت ترک ماسوی اللہ ہے اور یہ ترک نظر اعتقاد اور علم میں ہے۔

چوتھا دائمی ذکر ہے یعنی حق تبارک وتعالیٰ کے جلال و جمال پر نظر رکھتے ہوئے ہمیشہ اور ہر حالت میں اس کا ذکر کرنا ہے۔ خواہ ذکر لسانی ہو یا ذکر قلبی خواہ ذکر روحی ہو یا ذکر سری یا ان سب طریقوں سے ہو جیسا کہ اپنی جگہ ذکر کیا گیا ہے۔

نوع اول کی دوسری قسم تعلق صوری اس بات میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت شدید محبت کے ساتھ کرو تا کہ اپنی محبت کا ذوق جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اپنے تمام وجود میں پاؤ۔

حضرت شیخ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے دل، اپنی روح اپنے جسم، اپنی جان اور اپنے سر اور بال، بال میں اس طرح پاتا ہوں جس طرح کہ ٹھنڈے پانی کی سیرابی و ٹھنڈک پاتا ہوں جبکہ میں آب سرد سخت پیاس اور شدید گرمی میں پیتا ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر شخص پر فرض عین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ نبی مسلمانوں کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ اولیٰ ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَنْ یُّؤْمِنُ اَحَدُکُم حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ نَّفْسِہٖ وَمَالِہٖ وَوَلَدِہٖ تم میں سے کوئی اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان اس کے مال اور اس کی اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

اب اگر تم اپنے مین ایسی محبت نہیں پاتے جیسا کہ میں نے تمہارے آگے بیان کیا ہے تو جان لو کہ تمہارا ایمان ناقص ہے تم استغفار کرو اور اپنے گناہوں سے توبہ کرو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو زیادہ سے زیادہ کرو اور آپ کا انتہائی ادب کیا کرو اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے اس سے اجتناب کرتے اور بچتے رہا کرو اور یہ امید دل میں رکھو کہ اگر میں ایسا ہو گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھایا جاؤں گا اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ آدمی اس کے ساتھ ہو گا جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔

اب تم نے جان لیا ہو گا کہ جو کچھ میں نے تم سے نوع اول میں بیان کیا ہے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق صوری ہے اور یہ بات ظاہر میں شریعت پر عمل کرنے اور طریقت میں عزایم پر سلوک کرنے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مکمل طور پر مر مٹنے اور ظاہری و باطنی طور سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم شان کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنے کے زمرے میں اصحاب کرام اور اہل بیت نبوت کے ساتھ ادب و احترام کرنا اور ان سے محبت رکھنا ہے اور ان سے محبت کرنے اور ان کا ادب کرنے میں ہی اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور اس کا ادب ہے۔ واللہ الموفق والھادی۔

وصل: نوع ثانی بارگاہِ رسالت کے ساتھ تعلق معنوی ہے یہ بھی دو قسم پر ہے پہلی قسم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت بدیع المثال کو ہمیشہ حاضر رکھنا ہے اگر تم ایسے ہو کہ تم نے کسی زمانہ میں خواب کی حالت میں جمال با کمال کو دیکھا ہے اور آپ کے دیدار سے مشرف ہوئے ہو تو اسی صورت موصوفہ کو جس کو تم نے خواب میں دیکھا ہے حاضر کرو اور اگر کبھی خواب میں نہیں دیکھا ہے اور اس سے مشرف نہ ہوئے ہو اور اتنی استطاعت نہ رکھتے ہو کہ اس صورت موصوفہ کو ان صفات کے ساتھ بعینہٖ استحضار کر سکو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کا خوب ذکر کرو اور آپ پر درود و سلام بھیجو اور ذکر کی حالت میں ایسے بن جاؤ گویا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں ملاحظہ فرما رہے ہیں اور تمہارا کلام سن رہے ہیں اور تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جلال و عظمت اور حیاؤ ادب کے ساتھ دیکھ رہے ہو اور سمجھ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں ملاحظہ فرما رہے ہیں اور تمہارا کلام سن رہے ہیں اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم متصف بصفات اللہ تعالیٰ ہیں اور ایک صفات میں سے یہ ہے کہ اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ جو میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا ہم مجلس ہوتا ہوں ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اس صفت الٰہی کا نصیبہ بہت زیادہ ہے اس لیے کہ وصف الٰہی کا عارف ہونا آپ کی معروف صفت ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ عارف باللہ تعالیٰ ہیں۔

اور اگر تم اپنے کو اس صفت کے ساتھ نہیں بنا سکتے تو اگر تم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی کبھی زیارت کی ہے اور روضہ مبارک اور قبہ منیفہ کو دیکھا ہے اسی کو اپنے ذہن میں اسی بارگاہ مقدس کا تصور جماؤ اور جب بھی تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرو اور آپ پر درود و سلام بھیجو تو ایسے ہو جاؤ کہ گویا تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور کے آگے تعظیم و جلال کے ساتھ کھڑے ہو یہاں تک کہ تم ظاہر و باطن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کا مشاہدہ کرو۔

اور اگر تم ایسے بھی نہیں ہو کہ تم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور کو دیکھا ہو اور قبر شریف کی زیارت نہیں کی ہے تو ہمیشہ آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجو اور تصور کرو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں اور کمال ادب و احترام کی حالت اختیار کرو تا کہ تمہارا درود و سلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کے ساتھ اس بارگاہ عالم پناہ میں پیش ہو۔ جمع ہمت اور حضور قلب کا عظیم اثر ہے اور اس بات سے شرم کرو کہ جب تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرو اور آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجو تو تم کسی اور مشغلہ میں مشغول ہو اور تمہارا صلوٰۃ و سلام ''جسم بے روح'' کے حکم میں ہو اور ہر وہ عمل جس کو بندہ کرتا ہے اس کا دارومدار حضور قلب کے ساتھ ہے اور ایسا عمل زندہ ہے اور اگر غفلت اور غیر کے ساتھ مشغول ہونے کی حالت میں ہو تو وہ عمل ''جسم بے روح'' کی مانند ہے اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ تمام اعمال کا دارومدار نیتوں اور قلبی ارادوں پر موقوف ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدی شیخ الشیخ اسمٰعیل جیرنی قدس سرہ سے سنا ہے وہ ایک دن فرماتے تھے کہ جب بندہ ابتدا میں بغیر نیت کے عمل شروع کر دے اور وہ اس سے تقرب الی اللہ چاہے تو لازم ہے کہ عمل کو شروع کرنے کے بعد نیت کر لے یہ ایسے ہوگا کہ اس میں روح پھونک دی گئی ہے اور اگر کسی عمل کو بری نیت کے ساتھ شروع کیا اور اثنائے عمل میں اس نے بری نیت کو بدل کر نیک نیت کر لی تو یہ بھی حسن صورت میں اس کیلئے نافع ہے اور عمل اس کی وجہ سے زندہ اور کامل ہو جاتا ہے بلاشبہ حضرت شیخ قدس سرہ نے بالکل ٹھیک فرمایا ہے جو کچھ فرمایا ہے۔

جب تم نے جان لیا جو کچھ ہم نے بیان کیا تعلق معنوی کے قسم اول میں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک کو تصور میں لانا ہے اور اس چیز کا تصور جو آپ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے تو اس پر مداومت کو ہیبت و جلال و کمال عزت و احترام کے ساتھ لازم کر لو تا کہ سعادت کبریٰ اور مکانت زلفی تمہارے ہاتھ آئے (واللہ الموفق) تعلق معنوی کی دوسری قسم حقیقت کاملہ موصوفہ کا اپنے کمال اوصاف کے ساتھ جو جمال و جلال کا جامع اور اوصاف خدائے کبیر متعال سے آراستہ و پیراستہ اور ابد و ازل میں مشرف بنور ذات الٰہی اور محیط بہر کمال حقی و خلقی اور مستوجب بہر فضلیت و جوہ صورت و معنی حقیقت حکماً عیناً شہادۃً مظاہر اور باطناً تصور میں استحضار کرنا ہے اور تم اس وقت تک ان سب حقائق کا استحضار نہیں کر سکتے جب تک کہ تم جان نہ لو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برزخ کلی میں وجوذ قدیم و حدیث کے حقائق میں قائم ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہتوں میں سے ہر ایک میں ذاتی و صفاتی حقیقت ہیں اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نور ذات سے مخلوق اور اس کے اسماء وصفات اور افعال وآثار کے حکمی وعینی جامع ہیں اسی موقع پر حق تبارک وتعالیٰ نے آپ کے حق میں فرمایا: ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی.

میں تمہارے لیے اس آیۂ کریمہ قرآنیہ کے معنی کی حقیقت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات منیفہ میں سے ہے ایک مثال بیان کرتا ہوں تا کہ تم ذہن میں اس کا تصور کر سکو اور اس مثال کے دیکھنے سے اس کے معنیٰ انشاء اللہ تعالیٰ مستحق ہو جائیں گے۔

اب تم یوں سمجھو کہ تمام وجود ایک دائرے کی مانند ہے جو ایک ایسے خط کے ذریعہ آدھا آدھا تقسیم کیا ہوا ہے جو مرکز دائرہ سے گزرتا ہے تو نصف اعلیٰ وجود قدیم اور واجب الوجود اور حق بزرگ کے نام سے موسوم ہے اور وہ تقسیم وانقسام سے منزہ ہے اور اس کا نصف اسفل وجود محدث وممکن اور خلق کے نام سے موسوم ہے تو دائرہ کا ہر نصف قوس ہے اور خط واحد اس قوس کا وتر ہے پس خط قوس دائرہ کا وتر ہے اور اسی خط کی وجہ سے ہر نصف دائرہ قوس بنتا ہے اور یہ خط جو کہ وتر ہے ''قاب قوسین'' کے نام سے موسوم ہے تو جان لو کہ مقام محمدی' کمالات الٰہیہ اور کمالات خلقیہ کا صورۃً اور معنیٰ جامع ہے دائرہ وجود مثالیہ کی شکل یہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم برزخ میں حقیقت حق وحقائق کا کہنا اس وجہ سے ہے کہ آپ حقیقت الحقائق میں اور فوق ہیں۔ اسی بنا پر آپ کا مقام شب معراج' عرش ہوا اور عرش مخلوقات کی حد ونہایت ہے۔ عرش کے اوپر کوئی مخلوق نہیں ہے لہٰذا تمام مخلوقات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے ہیں اور آپ کا رب آپ کے اوپر اور آپ کے قریب مستوی ہے اس بنا پر حق اور خلق کے درمیان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بصورت محسوسہ برزخ ہوئے اور آپ ہر دو صفت اور ہر دو ۲ جہت صورت ومعنیٰ سے حکماً وعیناً متصف ہیں۔ جب تم نے اس چیز کو جان لیا اور سمجھ لیا جو میں نے تم سے بیان کیا ہے تو اب کمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا استحضار تمہارے لیے آسان ہوگا جیسا کہ اس کے لائق ہے انشاء اللہ۔

تنبیہ: واضح رہنا چاہیے کہ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہر عالم میں اس عالم کے مطابق ایک ظہور ہے لہٰذا جس طرح عالم اجسام میں آپ کا ظہور ہے عالم ارواح میں اس کی مانند ظہور نہیں ہے اس لیے کہ عالم اجسام تنگ ہے اور وہ اتنی وسعت نہیں عالم ارواح میں وسعت ہے اور آپ کا ظہور جس طرح عالم ارواح میں ہے اسی کی مانند عالم معنیٰ میں آپ کا ظہور نہیں ہے اس لیے کہ عالم معنی عالم ارواح سے زیادہ لطیف اور زیادہ وسیع ہے اور زمین میں جس طرح آپ کا ظہور ہے اس جیسا آسمان میں ظہور نہیں ہے اور آسمان میں جیسا ظہور ہے اس جیسا ظہور یمین عرش میں نہیں ہے جیسا ظہور ہے اور یمین عرش میں جیسا ظہور ہے اس جیسا ظہور فوق عرش میں نہیں ہے کیونکہ وہاں این وکیف نہیں ہے لہٰذا ہر مقام اعلیٰ میں مقام انزل سے اکمل واتم ظہور ہوتا ہے اور ہر ظہور میں اس کے محل کے مطابق خاص جلالت اور ہیبت واسرار ہیں یہاں تک کہ ایسے محل تک منتہٰی ہوتا ہے کہ جہاں کسی نبی وولی کی استطاعت نہیں کہ اس جگہ آپ کے ظہور کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کے یہی معنی ہیں کہ: لِیْ مَعَ اللهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِیْ فِيْهِ غَيْرُ رَبِّیْ میرے لیے ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ میرے رب کے سوا کسی کی اس میں گنجائش نہیں ہوتی ایک روایت میں ہے لِیْ مَعَ اللهِ وَقْتٌ لَا يَسْعُنِیْ فِيْهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ تو اے بھائی اپنی ہمت کو بلند رکھ تا کہ تم مظاہر علیا میں بمعاونت حقیقت کبریٰ میں دیکھ سکو فَاِنَّمَا هُوَ هُوَ فَافْهَم اے بھائی! میں تمہیں صورت معنی کے ہمیش ملاحظہ کرنے وصیت کرتا ہوں اگر چہ تم متکلف ومتحضر ہو۔ تو عنقریب تمہاری روح ان کے ساتھ الفت گیر ہو جائے گی اور تمہیں عیاں طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال با کمال نظر آ جائے گا اور تم حضور

کی بارگاہ میں حاضر ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ہم کلامی کر سکو گے اور حضور تمہیں جواب عنایت فرمائیں گے تم عرض کرو گے اور حضور تمہیں خطاب فرمائیں گے۔

وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارگاہ عالیہ میں حاضر ہونا اس صورت لطیفہ کا معانی عزیزہ منیفہ کے ساتھ ہمیشہ مشاہدہ کرنا اگرچہ تبصور وتخیل اور بتفکر ہو لیکن بارگاہ عزت میں حاضر رہنے کا باعث اور آپ کی درگاہ قرب کے وصول کا موجب ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو اصدق القائلین ہیں فرماتے ہیں کہ: اَکْثَرُکُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً اَقْرَبُکُمْ مِنِّیْ تم مجھ پر زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ وسلام بھیجو وہ تم کو مجھ سے زیادہ قریب کر دیگی۔ مطلب یہ کہ تمہارا بہت زیادہ مجھ پر دورد پڑھنا تم کو بہت زیادہ قریب کر دیتی ہے اس وقت وہ حضور کی صورت ورخانیہ پر اپنے دل سے عاشق ہو جاتا ہے لامحالہ وہ حضور کے قریب ہو جاتا ہے پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بن جاتا ہے: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ اس جگہ ایک نکتہ ادر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں مروی ہے کہ فرمایا دعا کرنے والا جب اپنے مسلمان بھائی کیلئے دعا کرتا ہے تو فرشتے اس سے کہتے ہیں: لَکَ مِثْلَ ذٰلِکَ تیرے لیے بھی اسی کی مانند ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ فرشتوں کی دعائیں مقبول ومستجاب ہیں لہٰذا درود پڑھنے والے پر اس کا درود اور حق تبارک وتعالیٰ رحمتیں نازل فرماتا ہے تو درود پڑھنے والے پر اس کا درود اور حق تبارک تعالیٰ کی رحمت دونوں کی لوٹتی ہیں اسی بنا پر حدیث میں وارد ہوا ہے کہ: مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے حق تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل فرماتا ہے اس جگہ سے پتہ چلتا ہے کہ درود پڑھنے والے کو بحقیقت قرب حاصل ہوتا ہے اور حضور کے ساتھ اس کا حشر ہوتا ہے جب یہ نتیجہ صرف زبان سے کہنے کا برآمد ہوتا ہے تو جو قلب روح اور سر کے ساتھ درود بھیجے گا اس کا کیا حال ہوگا۔ درود وصلوٰۃ کے معنی قرب واجتماع اور امتثال واقبال کے ہیں جیسا کہ لغت میں وارد ہوا ہے اور جب کہ ظاہر عمل (یعنی درود بھیجنا) کا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے جنت میں قرب مکانی حاصل ہوتا ہے تو باطنی عمل ان سے تعلق ان سے توجہ ومراقبہ اور ہمیشہ صورت کا تصور میں لانے کا کیا ثمرہ ہوگا۔ بلاشبہ وہ قرب مکانت ہی ہوگا اور وہ قرب مکانت یہ ہے ''فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ'' یہ وہ مقام ہے جہاں نہ این ہے نہ کیف۔ (فافہم)

اشارہ: واضح ہو کہ ولی کامل کو جس وقت خدا کی معرفت زیادہ ہو جاتی ہے تو حق تعالیٰ اپنے ذکر کو اس کے وجود میں ساکن وبرقرار کر دیتا ہے اور وہ اسے فراموش نہیں کرتا اور جب ولی کامل کی معرفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں زیادہ ہو جاتی ہے تو اس پر حیرانی وپریشانی ہو جاتی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت اس پر آثار نمودار ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ولی کی معرفت خدا کے ساتھ اس کی اپنی قابلیت کے مطابق ہے۔ اور جو بھی مقام اور محل حد بارگاہِ ایزدی میں رکھتا ہے وہ وہیں ساکن ہو جاتا ہے۔ اور اس کی معرفت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قابلیت کے مطابق معرفت الٰہی میں خدا سے قریب تر ہے اس بنا پر وہ ولی اس کی طاقت وبرداشت نہیں رکھتا کہ ساکن وثابت رہے اور اس پر آثار نمودار ہو جاتے ہیں اس لئے کہ وہ اس کے اطوار سے مافوق ہیں اور جب ولی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ اپنے غیر سے کامل تر اور بارگاہِ الٰہی میں متمکن تر اور معرفت الٰہی میں علی الاطلاق داخل تر ہو جاتا ہے۔

اشارہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ جو ولی تجلیات الٰہی میں سے کسی تجلی میں حضور کو دیکھتا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس خلعت کو جو خلع کمالیہ میں سے ہے اس ولی کو مرحمت فرما دیتے ہیں اسے پہنا دیتے ہیں اور وہ خلعت اس کے پاس رہتی ہے اب اگر وہ دیکھنے والا ولی اتنی طاقت وبرداشت رکھتا ہے کہ اس کا پہننا اس کیلئے ممکن ہے تو وہ اسی وقت پہن لیتا ہے ورنہ وہ اسے محفوظ اٹھا رکھتا ہے اور دنیا میں جب بھی اتنی استعداد وقوت ہوتی ہے اسے پہن لیتا ہے نہیں تو آخرت میں پہنتا ہے لہٰذا جس

کسی کو یہ خلعت حاصل ہوئی اور اس نے دینا یا آخرت میں اسے پہنا تو یہ قوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا ہوتی ہے اس کے بعد جو ولی اس ولی تجلیات میں سے کسی تجلی میں دیکھتا ہے جس کے ہاتھ میں وہ خلعت نبویہ ہے تو وہ ولی اس خلوت کو اسے پہنا دیتا ہے اور اس دوسرے دیکھنے والے کو حضور کی طرف سے عطا کر دیتا ہے پھر اس عطا کرنے والے ولی کیلئے مقام محمدی سے اس سے کامل تر خلعت اس عطا کردہ خلعت کے عوض نازل ہوتی ہے اور اگر کوئی دوسرا ولی اس کو اس حالت میں دیکھتا تو وہ اس خلعت کو اسے دے دیتا ہے اور اس کیلئے بارگاہ نبوت سے دوسرا اس سے بہتر خلعت حاصل ہو جاتا ہے اسی طرح بارگاہ محمدی سے بے حد و نہایت خلعتیں تقسیم ہوتی ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت ازل سے جب سے کہ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا تھا جاری ہے یہاں تک کہ انہوں نے مقام نبوت اس کی وجہ سے پایا اور اولیاء کرام کے ہاتھ مقام نبوت تک پہنچنے سے قاصر ہیں اس لیے کہ اولیاء کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت حاصل نہیں ہوئی مگر اس رویت کے بعد جو کہ اس محل کا غیر ہے اسی بناء پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ایسا درجہ سعادت پایا ہے جو ان کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ وہ پہلے حضرات ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اکمل خلعت میں دیکھا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان تھا اور ہمیشہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ اور طریقہ جلیلہ تمام دیکھنے والوں کیلئے وہی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال با کمال کو دیکھیں اور ابد الآباد تک اولیاء کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے رہیں گے (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ) تمت۔

ہزار شکر و سپاس بدرگاہ رب الناس جل وعلیٰ اور لاکھوں درود و سلام بہ بارگاہ حبیب رب الناس صلی اللہ علیہ وسلم کہ ترجمہ کتاب مستطاب فیض انتساب مدارج النبوت در سیرت سیّد المرسلین خاتم النبیین اشرف المخلوقین علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات وعلیٰ آلہ واصحابہ اتباعہ واحبابہ اجمعین۔ از تصنیف منیف افضل المحققین قدوۃ المحدثین عالم برحق شیخ محقق شاہ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آج بتاریخ ۳۰ رجون ۱۹۶۷ء مطابق ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۸۷ھ بروز جمعہ اختتام پذیر ہوا۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

المترجم

غلام معین الدین نعیمی غفرلہ